از کلیات رسائل نور

# مقالات

تالیف

بدیع الزمان سعید نورسیؒ

PAK NUR FOUNDATION

Marfat.com

کلیات رسائل نور سے ماخوذ

# مقالات

بدیع الزمان سعید نورسیؒ

پاک نور فاؤنڈیشن پاکستان

Marfat.com

جملہ حقوق بحق پاک نور فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) محفوظ ہیں:

297-04
3901 ب
124/50

نام کتاب : مقالات (Urduca Sozler)

مصنف : بدیع الزمان سعید نورسیؒ

مترجم : ثناء اللہ شاہد

ناشر : پاک نور فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ)

طباعت : یثاق انٹرپرائزز، اسلام آباد
0333-5683292

طبع اوّل : دسمبر 2015ء

قیمت : 1500 روپے

## نظر ثانی

• ڈاکٹر نور محمد جمعہ • ڈاکٹر عبد المجیب

## تصحیح و مراجعت

• محمد سرفراز • اسماعیل شاہد • مصطفیٰ کچھاز • محمد رمضان

• جنید حشمت • محمد عثمان اجمل • رضوان احمد

## ادارت و مشاورت

• عبد الرحمٰن آراز • صالح کرک ماز • محمود آراز • منیر توران

## پروف ریڈنگ

• کاشف علی • رضاء المصطفیٰ • فضل مولیٰ • اظہر محمود

Tell:+92-51-2361510 Cell:+92-332-8356659,
336-5923336,333-6413966

ISBN 978-969-7618-00-2

Marfat.com

# مقالات

## فہرست

(1)

**پہلا مقالہ:** یہ مقالہ تمثیل کے ساتھ ﴿بسم اللہ الرحمان الرحیم﴾ میں پائے جانے والے ایک اہم راز کی وضاحت کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ بسم اللہ ایک نہ ختم ہونے والی قوت اور غیر فانی برکت ہے۔ اس چیز کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ تمام موجودات زبان حال سے اللہ کا نام لیتی ہیں اور اس طرح نیچر پرستوں کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کرتی اور ان کی آنکھیں چندھا کر رکھ دیتی ہیں۔

**دوسرا مقالہ:** یہ مقالہ ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ﴾ اور ایمان سے متعلقہ دیگر آیات کی غایت درجے کی معقول تمثیل کے ساتھ وضاحت کرتا ہے اور اس بات کا اثبات کرتا ہے کہ ایمان ایک بہت بڑی سعادت، عظیم الشان نعمت اور لذت وراحت ہے۔ اس سے انقرہ میں ایک مجلس میں ''ضیاء گوک آلپ'' دم بخود رہ گیا اور ایک لفظ تک نہ بول سکا۔

**تیسرا مقالہ:** یہ مقالہ ایک منطقی تمثیل کے ساتھ آیت کریمہ: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا﴾ اور اس جیسی دیگر آیات کی ایک اہم حقیقت کی وضاحت کرتا ہے۔ اور ثابت کرتا ہے کہ عبادت ایک عظیم الشان تجارت اور سعادت ہے اور فسق وسفاہت ایک بہت بڑا خطرہ اور خسارہ ہے۔ اس مقالے سے قومی اسمبلی کے بہت سے ارکان اور قائدین نے سر تسلیم خم کرلیا۔

**چوتھا مقالہ:** یہ مقالہ آیت کریمہ: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ اور نماز کے ساتھ تعلق رکھنے والی اس طرح کی دیگر آیات میں پائے جانے والے ایک اہم راز کی وضاحت کرتا ہے، یہ بات بھی ایک منطقی اور معقول تمثیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ نماز ایک ایسا قیمتی، اہم اور سستا عمل ہے جو تھوڑی سی لاگت کے ساتھ بہت سا نفع دے دیتا ہے۔ اور یہ کہ نماز کا تارک مجنون اور خاسر ہے۔ اور جس کے پاس ذرہ برابر بھی انصاف ہے اسے تسلیم کر لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔

**پانچواں مقالہ:** اس میں تقویٰ اور عبودیت کا راز آیت کریمہ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ کی تفسیر۔ ایک خوبصورت تمثیل کے ساتھ جو ثابت کرتی ہے کہ نماز کا ادا کرنا اور کبائر سے کنارہ کش

Marfat.com

رہنا انسانی تخلیق کے ساتھ مناسبت رکھنے والا حقیقی انسانی وظیفہ اور فطری نتیجہ ہے۔

**چھٹا مقالہ:** آیتِ کریمہ: ﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ﴾، اور اس طرح کی دیگر آیات کی ایک تمثیل کے ساتھ وضاحت۔ ایک اطمینان بخش تمثیل کے ساتھ جو حقیقت کے سامنے ایک اہم دروازہ کھول دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ اللہ کے ہاتھ اپنے نفس اور مال کو بیچ دینے والا آدمی اوپر نیچے پانچ درجے رکھنے والا پانچ قسم کا نفع حاصل کرتا ہے۔ اور نہ بیچنے والا پانچ مختلف درجوں میں پانچ قسم کا خسارہ پاتا ہے۔

**ساتواں مقالہ:** آیت کریمہ: ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور ﴿اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ﴾ اور ایمان باللہ والیوم الآخر اور دنیا کے بارے میں بتانے والی ان جیسی دیگر آیات کی وضاحت۔ ایک معقول تمثیل اور قطعی انداز سے اس بات کی وضاحت کہ اہلِ غفلت کے لیے یہ دنیا بڑی ہیبت خیز، موت بڑی خوفناک اور عجز وفقر بڑا المناک ہے۔ اور یہ کہ دنیاوی زندگی کا باطن بڑا خوبصورت ہے اور یہ کہ قبر اور اجل اور عجز وفقر سعادت کے وسائل ہیں۔ اور سعادت دارین کی طرف لے جانے والے راستے پر لگا دیتے ہیں۔

**آٹھواں مقالہ:** ﴿اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ اور

(3)

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾ اور دنیا کی ماہیت، اس دنیا میں انسان کی ماہیت اور انسان میں دین کی ماہیت کے بارے میں ان جیسی دیگر آیات کے اسرار ورموز کی ایک جگمگاتی تمثیل کے ساتھ وضاحت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ثابت کرتا ہے ملحد انسان ہی سب زیادہ بدبخت مخلوق ہے، اور ان وسائل کا ذکر کرتا ہے جن سے اس کائنات کا طلسم کھل جاتا ہے اور روحِ بشری کو تاریکیوں سے نجات دلا سکتے ہیں، اور ایک لطیف وجمیل موازنے کے ساتھ فاسق بدبخت انسان کی اور نیک بخت صالح انسان کی سعادتمندی والی حالت کو بیان کرتا ہے۔

**نواں مقالہ:** اس میں پانچ نکات کی صورت میں اور خوبصورت لطیف پیرائے میں آیت کریمہ: ﴿فَسُبْحَانَ اللّٰہِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ۔ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَحِیْنَ تُظْھِرُوْنَ﴾ کی اور پانچ نمازوں کے ساتھ تعلق رکھنے والی اس جیسی دیگر آیات میں پائے جانے والے اہم راز کو کھول کر بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ پانچ نمازوں کو ان پانچ اوقات کے ساتھ مخصوص کیوں کر دیا گیا ہے۔ جو

Marfat.com

ایک ذرہ برابر شعور کا بھی مالک ہوگا وہ اس پُرکشش حکمت اور تابناک حقیقت کے آگے سر ضرور جھکا دے گا اور واضح کیا گیا ہے کہ روحِ انسانی نماز کی اُسی طرح محتاج ہے جس طرح بدن ہوا، پانی اور غذا کا محتاج ہے۔

(4)

**دسواں مقالہ:** اس میں آیت کریمہ: ﴿فَانْظُرْ اِلٰی آثَارِ رَحْمَةِ اللّٰهِ کَیْفَ یُحْیِی الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ اور حشر و آخرت کے ساتھ تعلق رکھنے والی دیگر آیات کے اہم حقائق کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ یہ تفسیر بارہ قسم کی معقول منطقی تمثیلی صورتوں اور بارہ تابناک قطعی حقیقتوں کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایمان بالآخرت کو ایسی قوی صورت میں ثابت کیا گیا ہے کہ جس آدمی کا دل بالکل ہی مر نہ گیا ہو اور وہ عقلی طور پر جامد نہ ہو گیا ہو وہ بہر کیف اُس کے سامنے جھک جائے گا اور اللہ کے حکم سے مان جائے گا، اور اگر نہ مانا تو انکار پر اڑا نہیں رہے گا۔

**گیارہوں مقالہ:** سورۂ شمس کی آیات میں پایا جانے والا راز، آیت کریمہ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ الخ کیطرف معجزانہ طور پر اشارہ کرتا ہے۔ اسرارِ کائنات، تخلیق انسان کی پہلی نماز کی حقیقت کے اسرار و رموز انسانی زندگی کا اصل، وظیفہ، اس کی غرض و غایت، ماہیت، صورت، حقیقت اور اس کی سعادتمندی کا نقطۂ کمال۔

**بارہواں مقالہ:** قرآنی حکمت اور فلسفہ کے درمیان موازنہ اور بطور خلاصہ اس بات کا بیان کہ قرآنی حکمت اور فلسفہ انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی میں اس کی تربیت میں کیا کردار ادا کرتے ہیں؟ پھر اس چیز کا بیان کہ قرآن دیگر کلام الٰہی پر فوقیت رکھتا ہے۔

**تیرھواں مقالہ:** پہلا مقام: حکمت قرآن کی وسعت دامانی اور فلسفی علوم کی فقر سامانی کی وضاحت کے ساتھ ساتھ

(5)

اس بات کا بیان کہ اعجازِ قرآن کا ذائقہ کیسے چکھا جا سکتا ہے! اور اس بات کی وضاحت شاعرانہ طرزِ ادا سے بالکل پاک ہے۔

دُوسرا مقام: انسان اپنی آخرت کو کیونکر بچا سکتا ہے؟ قیدیوں کے لیے پیغامات

۔لیلۃ القدر میں وارد ہونے والا ایک اہم مسئلہ

۔ہمیں ہمارے خالق کا تعارف کروائیں۔

۔لفظ ''ھُوَ'' میں پوشیدہ ایک توحیدی نکتہ

Marfat.com

چودھواں مقالہ: تسلیم ورضا سے محروم دلوں کے لیے قرآنی حقائق کے چند نظائر۔
۔زمین وآسمان کی پیدائش چھ دنوں میں۔
۔تمام اُشیاء ان کے وجود میں آنے سے پہلے اور وجود میں آنے کے بعد اُن کے تمام احوال سمیت لکھی جاچکی ہیں۔
۔فرشتوں کی عبادت کی کیفیت کے انتظام کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث کا مطلب۔
۔اشیاء کی مطلق سہولت اور سُرعت کے ساتھ تخلیق۔
۔اللہ کی عظمت کا ہر چیز کو محیط ہونا۔
خاتمہ۔عبرت کے لیے ایک سبق اور غفلت کے سر پر ایک قوی طمانچہ
ذیل: زلزلوں کی حکمت اور معنوی اسباب
پندرھواں مقالہ: آیت کریمہ: ﴿وَجَعَلْنَاهَا رُجُوماً لِلشَّيَاطِينِ﴾ کے معنی تک پہنچنے کے لیے سات مراتب۔
ذیل: قرآن کے کلام اللہ ہونے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے کے بارے میں۔
سولھواں مقالہ: چار شعاعیں جو کچھ آیات اردگرد سے تاریکیاں دور بھگا دیتی ہیں۔
۱۔اللہ تعالیٰ کی ذات کی احدیت اور اس کے ربانی افعال کی عمومیت۔

(6)

۲۔اشیاء کی یکبارگی اور تدریجی تخلیق
۳۔ہم اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور وہ ہمارے قریب ہے۔
۴۔الصلوۃ معراج المؤمنین کی حقیقت۔
ذیلی بحث: سُنَنِ الٰہیہ میں تسلسل اور ہم آہنگی اُس کی وحدانیت کی دلیل ہے اور قوانین میں شذوذ کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ فاعل ومختار ہے۔
سترھواں مقالہ: پہلا مقام: اِس بات کا بیان کہ آلام ومصائب کی آمیزش کے باوجود کائنات روحوں کے لیے ایک پُر رونق تہوار کی کیفیت میں ہے، اسم گرامی القہار اور الرحمٰن کی تجلی کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے ، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی موت سے پہلے کیسے دنیا سے نفرت دلاتا ہے اور آخرت کا راستہ محبوب بنا دیتا ہے!
دُوسرا مقام: شکوہ نری مصیبت ہے۔فارسی زبان میں مناجات (لَا أُحِبُّ الآفِلِينَ) فارسی زبان میں مناجات۔

Marfat.com

دولوچیں۔عربی زبان میں مناجات۔غور وفکر کا پھل فارسی زبان میں۔ستارہ نامہ۔

**اٹھارہواں مقالہ:** یہ مقالہ دو مقام پر مشتمل ہے، دوسرا مقام نہیں لکھا گیا، پہلا مقام تین نقاط پر مشتمل ہے۔

**پہلا نقطہ:** نفس امارہ کیلئے ایک تادیبی طمانچہ۔

**دوسرا نقطہ:** حسن و جمالِ پروردگار، کون ومکان میں پائی جانے والی ہر چیز جمیل ہے، لیکن جمیل چیز دو اقسام پر ہے۔جمیل بذاتہ، جمیل لغیرہ۔

**تیسرا نقطہ:** کون ومکان میں پایا جانے والا حسنِ صنعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم دلیل ہے۔

**انیسواں مقالہ: پہلا مقام:** چودہ رشحات میں نبوت محمدی کا اثبات۔قرآن کریم کلی دساتیر کے اظہار کے لیے جزوی حوادث کا ذکر کرتا ہے۔جیسے فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا، گائے کا ذبح کرنا۔پتھروں سے نہروں کا جاری ہونا وغیرہ۔

**دُوسرا مقام:** قرآنی اعجاز کی کرن انبیاء کے معجزات کے چہرے پر جگمگا رہی ہے۔

قرآن کریم اور عصری علوم کے بارے میں دو سوالوں کے جواب۔

**بیسواں مقالہ: پہلا مقام:** تین نکات پر مشتمل ہے۔

**پہلا نکتہ:** قرآن کریم کے بیان کردہ جزوی واقعات کے پیچھے کوئی کلی دستور اور عمومی قانون مستور ہوتا ہے۔

**دوسرا نکتہ:** قرآن کریم کے بیان کردہ تاریخی واقعات کلی دساتیر پر مشتمل ہوتے ہیں۔

**تیسرا نکتہ:** قرآن کریم کا اعجاز، ارشاد اور افہام والا انداز کلی حقائق اور گہرے دساتیر کا متقاضی ہے۔

**دوسرا مقام:** انبیا کے معجزات میں قرآنی معجزہ پنہاں ہے اور انسان کے صنعتی معجزات انبیاء کے معجزات کے نمونے ہی ہیں۔

ہر علم وفن کسی نہ کسی اسمِ الٰہی پر تکیہ کناں ہے، اور کسی کے سہارے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔

**دو سوالوں کے اہم جوابات**

ا: قرآن نے جدید تہذیب وتمدن کی غیر معمولی ترقیات کے بارے میں صراحت کے ساتھ کیوں نہیں بتایا؟

ب: قرآن کریم نے یہ بات صراحت کے ساتھ بیان کیوں نہیں کی کہ دین امتحان اور آزمائش کا نام ہے؟

**اکیسواں مقالہ:** پانچ تنبیہات میں کسلمند نفس کو



نماز پڑھنے کی ترغیب۔

دوسرا مقام: وسوسے کا علاج

Marfat.com

بائیسواں مقالہ: پہلا مقام: توحید کی حقیقت پر بارہ دلیلیں۔
دوسرا مقام: توحیدِ حقیقی کے بارے میں بارہ کرنیں۔
تیئیسواں مقالہ: پہلا مبحث: ایمان کے محاسن وفوائد۔
دوسرا مبحث: انسان کی سعادت وشقاوت کا بیان
چوبیسواں مقالہ: اس میں پانچ شاخیں ہیں:
پہلی شاخ۔ تمام عوالم پر اسمائے حسنیٰ کی تجلیات
دوسری شاخ: بہت سے اسرار کی کنجیاں، ایک ہی حقیقت کا مختلف رنگوں میں اظہار اور اولیاء کا اپنے مشہودات کے بارے میں اختلاف ہے۔
تیسری شاخ: احادیث مبارکہ سے اوہام دور کرنے کے لیے انہیں سمجھنے کے چند اصول۔
چوتھی شاخ: تمام مخلوقات کی عبادات کا مختلف اور متنوع ہونا۔
پانچویں شاخ: پانچ پھلوں پر مشتمل ہے۔
پہلا پھل: محبت اور خوف
دوسرا پھل: عبودیت کے وظائف کسی سابقہ نعمت کا نتیجہ ہیں۔ اور اذکار میں غیر متناہی تعداد کی حکمت
تیسرا پھل: عمرِ قصیر میں ہمیشہ رہنے والے اعمال۔
چوتھا پھل: احمقوں اور ناہنجار دنیاداروں کی تقلید سے کنارہ کش رہنا۔
پانچواں پھل: عبادت انسان کے چہرے کو فنا سے بقا کی طرف موڑ دیتی ہے۔
پچیسواں مقالہ: قرآنی معجزات۔
مقدمہ: قرآن کی تعریف تین اجزاء میں۔



پہلا شعلہ: تین شعاعوں پر مشتمل ہے۔
پہلی شعاع: قرآن کی بلاغت بلاشبہ مُعجز ہے۔ معارضہ ناممکن ہے۔ اعجاز کی حکمت پانچ نقطوں میں: نظم قرآن کی جزالت۔ اس کے معانی کی بلاغت۔ اس کے اسلوب ۔۔۔ اس کے لفظ کی فصاحت۔ ترغیب وترہیب، مدح وذم، اثبات وارشاد اور اِفحام وافہام میں کے بارے میں۔
دوسری شعاع: اس کے لفظ، معنی، علم، مباحث، اسلوب اور ایجاز میں پائی جانے والی خارقِ عادت جامعیت کا

Marfat.com

بیان پانچ کرنوں میں جو کہ پانچ روشنیوں پر مشتمل ہیں۔

تیسری شعاع: اس کا غیب کے متعلق خبریں دینا_ تین تجلیات پر مشتمل ہے:

پہلی تجلی: ماضی و مستقبل اور الہٰی، کونی اور اُخروی حقائق کے بارے میں غیبی خبریں۔

دوسری تجلی: اس کا سدا بہار شباب اس کی سدا بہار جوانی اس کے دساتیر کا تہذیب حاضر کے ساتھ موازنہ

تیسری تجلی: قرآن کا لوگوں کے تمام طبقوں کو خطاب

دوسرا شعلہ: تین روشنیوں پر مشتمل ہے۔

پہلی روشنی: جملوں میں پائی جانے والی سلاست، تساند اور تعاون۔

دوسری روشنی: آیات کے آخر میں پائے جانے والے خلاصہ جات اور اسمائے حُسنیٰ۔ (دس بلاغی امتیازات)

تیسری روشنی: قرآن کا موازنہ کسی بھی دوسرے کلام کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

تیسرا شعلہ: تین روشنیوں پر مشتمل ہے۔

پہلی روشنی: اعجاز کا مشاہدہ کیسے کیا جائے۔

دوسری روشنی: قرآن کی حکمت اور انسان کا فلسفہ

(9)

تیسری روشنی: قرآن کے شاگردوں کی، اور خود قرآن کی حکمت

خاتمہ:

پہلا ذیل: قرآن کریم کی عظمت

دُوسرا ذیل: قرآن کریم میں تکرار کی حکمت۔

چھبیسواں مقالہ: (رسالۂ تقدیر) جزوِ اختیاری کے بارے میں بحث_ چار مبحث اور خاتمہ۔

ذیلی بحث: وصول الی اللہ کے لیے قریب ترین راستہ۔

ستائیسواں مقالہ: (رسالۂ اجتہاد)

اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے لیکن عصر حاضر میں چھ رکاوٹیں اس کے آڑے آگئی ہیں۔

خاتمہ: شریعتوں کے تبدیل ہونے اور مذاہب کے متعدد ہو جانے کا بیان۔

ذیلی بحث: صحابہ کے بلند مرتبے کے بارے میں اجتہاد، قربتِ الٰہی اور فضائلِ اعمال کے باب میں صحابہ کرام کے مرتبے تک پہنچنا ممکن نہیں۔

Marfat.com

اٹھائیسواں مقالہ: رسالۂ جنت_ متعدد اور متنوع سوالات کے ضمن میں جنت کی لطیف کیفیات کا بیان_ آخر میں خصوصی طور پر جہنم کے بارے میں بحث۔

انتیسواں مقالہ: مقدمہ، روح کے بقاودوام، ملائکہ اور حشر کے بارے میں۔

پہلا مقصد: ایمان بالملائکہ ایمان کا رکن ہے۔ اس کی وضاحت چار بنیادوں میں:

پہلی بنیاد: زندگی وجود کی روشنی ہے۔

دوسری بنیاد: ملائیکہ کی حقیقت پر ضمنی اجماع

تیسری بنیاد: ملائکہ کے وجود کا ثبوت

چوتھی بنیاد: ملائکہ کے وظائف

(10)

دوسرا مقصد:

روح باقی رہنے والی ہے۔

اُخروی زندگی بہت بڑی ضرورت ہے

تیسرا مقصد: فاعل قادر ومقتدر ہے۔

چوتھا مقصد: دنیا حشر کو قبول کرتی ہے۔

تیسواں مقالہ: اس میں دو مقصد ہیں:

پہلا مقصد: ''انا'' کی ماہیت اور اس کے نتائج کے بیان میں۔

دوسرا مقصد: ''ذرّے'' کی حرکت اور اس کے وظائف کے بیان میں۔

اکتیسواں مقالہ: (معراج نبوی)، چار بنیادوں پر مشتمل ہے۔

پہلی بنیاد: معراج کی ضرورت

دوسری بنیاد: معراج کی حقیقت

تیسری بنیاد: معراج کی حکمت

چوتھی بنیاد: معراج کے ثمرات

ذیلی بحث: معجزۂ شق القمر۔

بتیسواں مقالہ: تین مواقف پر مشتمل ہے۔

Marfat.com

پہلا موقف: ''لا شریک له'' کی ایک تمثیلی محاورے میں وضاحت۔

ذیلی بحث: رُوئے آسماں پر ایک تفکرانہ نظر

دوسرا موقف: تین مقاصد میں تین سوال:

پہلا مقصد: توحید کا اثبات

دوسرا مقصد: شخصِ واحد کے لیے غیر متناہی اعمال کو سرانجام دینا کیونکر ممکن ہے؟

خاتمہ: دو سوالوں کے جوابات۔

(11)

تیسرا مقصد: ''احسنُ الخالقین'' جیسی آیات کے معانی کی شرح۔ کمالِ الٰہی کے بارے میں ایک سوال۔

تیسرا موقف: دو مبحث پر مشتمل ہے

پہلا مبحث: ہر چیز کی اسمائے حسنیٰ میں سے کسی نہ کسی اسم کی طرف نسبت اور ان اسماء کے ادراک میں تدریجی صورت۔

دوسرا مبحث: مومن کی نیک بختی اور گمراہ کی بدبختی_ محبت اور اس کے دنیاوی اور اُخروی نتائج کے بارے میں اہم سوال:

مناجات:

تینتیسواں مقالہ: توحید کی جانب کھلنے والے تینتیس دریچے

کرنیں: حقائق کی گٹھلیوں سے کھلنے والے پھول۔

Marfat.com

# فہرست


| | |
|---|---|
| فہرست | ۳ |
| پہلا مقالہ | ۱۳ |
| دوسرا مقالہ | ۱۸ |
| تیسرا مقالہ | ۲۲ |
| چوتھا مقالہ | ۲۶ |
| پانچواں مقالہ | ۲۸ |
| چھٹا مقالہ | ۳۲ |
| ساتواں مقالہ | ۳۸ |
| آٹھواں مقالہ | ۴۴ |
| نواں مقالہ | ۵۲ |
| دسواں مقالہ | ۶۲ |
| گیارہواں مقالہ | ۱۵۶ |
| بارہواں مقالہ | ۱۶۹ |
| تیرہواں مقالہ | ۱۸۰ |
| چودہواں مقالہ | ۲۱۵ |
| پندرھواں مقالہ | ۲۲۳ |
| سولواں مقالہ | ۲۳۳ |
| سترہواں مقالہ | ۲۴۶ |
| اٹھارواں مقالہ | ۲۷۹ |
| انیسواں مقالہ | ۲۸۷ |
| بیسواں مقالہ | ۳۰۴ |
| اکیسواں مقالہ | ۳۳۸ |
| بائیسواں مقالہ | ۳۵۳ |
| تئیسواں مقالہ | ۳۹۷ |
| چوبیسواں مقالہ | ۴۲۶ |
| پچیسواں مقالہ | ۴۷۳ |
| چھبیسواں مقالہ | ۶۰۲ |
| ستائیسواں مقالہ | ۶۲۶ |
| اٹھائیسواں مقالہ | ۶۴۶ |
| انتیسواں مقالہ | ۶۵۵ |
| تیسواں مقالہ | ۶۹۴ |
| اکتیسواں مقالہ | ۷۲۳ |
| بتیسواں مقالہ | ۷۶۴ |
| تینتسواں مقالہ | ۸۴۵ |


Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَبِهٖ نَسْتَعِيْنُ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

عزیز بھائی!

تم نے مجھے کچھ نصیحتیں کرنے کو کہا ہے، لیجئے میں تمہاری خدمت میں آٹھ مختصر سی کہانیوں کی صورت میں چند حقائق پیش کر رہا ہوں۔ ان کہانیوں کو میرے ہمراہ ہو کر غور سے سنو، میرے ہمراہ اس لیے کہ میں ان میں پائی جانے والی نصیحتوں کا زیادہ محتاج ہوں۔

تم چونکہ ایک فوجی سپاہی ہو اس لیے میں ان کہانیوں کو عسکری مثالوں کے ساتھ بیان کروں گا۔ یہ کہانیاں جو کہ آٹھ مقالات کی صورت میں ہیں انہیں میں نے قرآن کریم کی آٹھ آیتوں سے اخذ کیا ہے، ان کے ذریعے ایک دفعہ میں نے خود اپنی ذات کو مخاطب کیا تھا اور اب انہیں پھر اپنے ہی لیے عوام کی زبان میں پیش کر رہا ہوں۔ اب جس کے دل میں بھی انہیں سننے کی خواہش ہو وہ آئے اور ہمارے ساتھ غور سے سنے۔

Marfat.com

# پہلا مقالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

''بِسْمِ اللّٰهِ'' ہر اچھائی اور بھلائی کی بنیاد اور ہر اہم کام کا سرِ آغاز ہے، اس لیے ہم بھی آغاز اسی کے ساتھ کرتے ہیں۔

اے میرے نفس! تمہیں اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ یہ پاکیزہ اور مبارک لفظ جس طرح اسلام کا ایک شعار ہے، اسی طرح یہ وہ برگزیدہ کلمہ ہے جس کا ورد تمام موجودات زبانِ حال سے کر رہی ہیں۔

پس اے عزیزِ من! اگر تیری یہ خواہش ہے کہ تجھے ''بِسْمِ اللّٰهِ'' میں پائی جانے والی اس دائمی اور عظیم الشان قوت اور نہ ختم ہونے والی وسیع و عریض برکات کا ادراک ہو جائے تو اس چھوٹی سی تمثیلی کہانی کو غور سے سُن:

عرب کا وہ صحرا جہاں پر بدوی لوگ رہتے ہیں وہاں پر جو کوئی بھی سفر کرتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی قبیلے کے سردار کے ساتھ راہ و رسم رکھے اور اس کی حمایت اور حفاظت میں رہے، تاکہ لٹیروں کی دستبرد سے محفوظ رہ کر اپنے کام سرانجام دے سکے اور اپنی حاجات و ضروریات کی تکمیل کر سکے، بصورت دیگر وہ اکیلا بے شمار دشمنوں اور بے حد و حساب حاجات و ضروریات کے سامنے بے چین اور پریشان حال رہ جائے گا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دو آدمی اس قسم کی سیاحت کے لیے صحرا میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک آدمی متواضع اور دوسرا خودسر اور مغرور تھا، عاجز اور متواضع آدمی اپنا تعلق ایک سردار کے ساتھ جوڑ کر اس کی ماتحتی میں آ گیا اور اس کا پیروکار بن گیا۔ جبکہ مغرور آدمی نے کسی کے ساتھ اس قسم کا تعلق جوڑنے سے انکار کر دیا۔ سردار کے ساتھ تعلق رکھنے والا آدمی جس خیمے میں جاتا سردار سے تعلق داری کی وجہ سے ہر کوئی اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتا، اور اگر راستے میں اسے کوئی لٹیرا مل جاتا تو وہ اسے کہتا: ''میں یہاں علاقے کے سردار کا آدمی ہوں اور اُسی کے تعارف اور مہربانی سے یہاں گھوم پھر رہا ہوں۔'' اس پر وہ لٹیرا اس کا راستہ چھوڑ دیتا، جبکہ خودسر اور مغرور آدمی کو اس قدر مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا کہ جو بیان سے باہر ہیں؛ کیونکہ وہ اپنے تمام سفر میں مستقل خوف و ہراس اور مسلسل خطرات سے دوچار رہا، اور یوں اس نے اپنے آپ کو خود ہی ذلیل و رسوا کر لیا۔

پس اے میرے مغرور نفس!

یاد رکھ: کہ تو ہی وہ سیر و گردش کرنے والا بدوی ہے، اور یہ وسیع و عریض دنیا وہ صحرا ہے جس میں تو گھوم پھر رہا ہے۔

Marfat.com

تیرے "فقر و عجز" کی کوئی حد نہیں ہے، اسی طرح تیرے دشمنوں کی اور تیری حاجات وضروریات کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔تو حالت جب یہ ہے، تو پھر اُس صحرا کے ابدی مالک اور ازلی حاکم کی پناہ میں آجا، اس طرح تو دنیا کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور مصائب وحادثات کے سامنے خوف وخطر کی ذلت سے بچا رہے گا۔

جی ہاں! یہ کلمہ ایسا بابرکت خزانہ ہے جو تمہارے لا انتہا عجز وفقر کو وسیع اور بے پایاں رحمت وقدرت کے ساتھ منسلک کردیتا ہے اور تمہارے عجز وفقر کو اس قدیر رحیم کے حضور مقبول ترین سفارشی بنادیتا ہے۔

جی ہاں، جو شخص "بسم اللہ" کے ساتھ حرکت کرتا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شخص فوج میں بھرتی ہوجائے، اب وہ گورنمنٹ کے نام سے ہر قسم کا تصرف کرتا ہے اور کسی سے خوف نہیں کھاتا ہے، وہ "قانون" اور حکومت کا ترجمان بن جاتا ہے، اس طرح وہ اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتا ہے اور ہر چیز کے سامنے ثابت قدم رہتا ہے۔

ہم نے ابتدا میں ذکر کیا ہے کہ تمام موجودات اپنی زبانِ حال سے اللہ کے نام کا ورد کررہی ہیں، یعنی وہ "بسم اللہ" کہہ رہی ہیں۔ کیا واقعتاً ایسے ہی ہے؟

جی ہاں! ایسے ہی ہے، اگر آپ دیکھیں کہ ایک آدمی تمام لوگوں کو ہانکتا ہوا ایک جگہ پر اکٹھا کررہا ہے اور انہیں مختلف کام کرنے پر مجبور کررہا ہے، تو آپ کو یقین ہوجائے گا کہ یہ شخص اپنی ذات کی ترجمانی نہیں کررہا ہے اور لوگوں کو اپنے نام، طاقت اور قوت کے بل بوتے پر اس طرح نہیں ہانک رہا ہے بلکہ وہ ایک سپاہی ہے اور یہ سب کچھ حکومت کے نام سے کررہا ہے اور اس کی پشت پر حکمران کا ہاتھ ہے۔

موجودات کا بھی یہی حال ہے کہ ہر چیز اپنی ڈیوٹی "بسم اللہ" یعنی اللہ کے نام کے ساتھ سرانجام دے رہی ہے۔ انتہائی چھوٹے چھوٹے بیج اپنے سروں پر قدآور درخت اور پہاڑوں کی طرح بھاری بھرکم بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں، یعنی ہر درخت کہہ رہا ہے: "بسم اللہ"، اور رحمتِ الٰہی کے خزانے سے اپنے ہاتھ پھلوں سے بھر بھر کر ہمیں دے رہا ہے۔ اور ہر باغ کہتا ہے: "بسم اللہ"، اور قدرتِ الٰہیہ کا ایک ایسا باورچی خانہ بن جاتا ہے جس میں انواع واقسام کے کھانے پکتے ہیں۔ ہر بابرکت اور نفع بخش جانور _ جیسے اونٹنی، بکری، بھیڑ اور گائے وغیرہ _ کہتا ہے: "بسم اللہ"، تو وہ میٹھے اور لذیذ دودھ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا چشمہ بن جاتا ہے اور اس طرح وہ ہمیں اس رزق دینے والے خدا (الرّزاق) کے نام کی برکت سے آبِ حیات کی طرح لطیف، پاکیزہ، خوشگوار اور غذائیت سے بھرپور دودھ مہیا کرتا ہے۔ ہر نبات اور جڑی بوٹی کی جڑیں کہتی ہیں: "بسم اللہ"، تو اس نام کی برکت سے اپنی ریشم کی طرح نرم ونازک جڑوں سے بڑی بڑی مضبوط چٹانیں چیر کر، اور ان میں سوراخ ڈال کر زمین میں داخل ہوجاتی ہیں، اور "اللہ" اور "الرّحمان" کے نام سے ان کے سامنے ہر سخت چیز نرم اور ہر مشکل مرحلہ آسان ہوجاتا ہے۔

Marfat.com

جی ہاں! جڑوں کا سخت چٹانوں میں ایسے ہی سہولت کے ساتھ منتشر ہو جانا اور مٹی کی تاریکیوں میں ان کا غذا کو ذخیرہ کر لینا جیسے کہ شاخیں اور ٹہنیاں ہوا میں پھیل جاتی ہیں۔ اسی طرح سبز پتوں کا گرمی کی شدت اور اس کی لُو کو برداشت کرتے ہوئے تر و تازہ رہنا۔ یہ سب کچھ اور اس طرح کے دوسرے بے شمار حقائق مادہ پرست اور اسباب کے غلاموں کے منہ پر زوردار طمانچہ مارتے ہیں اور ''تم اندھے ہو جاؤ'' کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں انگلیاں ٹھونستے ہیں اور ان سے کہتے ہیں: جس سختی اور حرارت پر تم نازاں ہو وہ از خود عمل نہیں کرتی ہے بلکہ اپنی ڈیوٹی ایک ہی حکم دینے والی ذات کے حکم سے ادا کرتی ہے، وہ ذات باریک، لطیف اور نرم و نازک ریشوں کو اس طرح بنا دیتی ہے کہ گویا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ہے جو اپنے اللہ کے اس حکم کی تعمیل کرتی ہوئی چٹانوں کو شق کرتی چلی جاتی ہے اور ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ (حاشیہ:۱) والے امر الٰہی کو عملی جامہ پہناتی چلی جاتی ہے۔ اور ان باریک، لطیف اور نرم و نازک پتوں کو اس طرح بنا دیتی ہے کہ گویا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے جسم کے اعضاء ہیں جو آگ کے شعلوں کے سامنے ﴿يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا......﴾ (حاشیہ:۲) پڑھ رہے ہیں۔

تو جب کائنات کی ہر چیز روحانی طور پر ''بسم اللہ'' پڑھتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اللہ کے نام سے حاصل کر کے ہمیں پیش کرتی ہے، تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اسی طرح ''بسم اللہ'' یعنی اللہ کے نام کے ساتھ کہیں، اللہ کے نام کے ساتھ دیں اور اللہ کے نام کے ساتھ لیں۔ اور پھر ہمیں یہ بھی چاہیے کہ ہم اُن غافلوں کے ہاتھوں کو پیچھے دھکیل دیں۔ جو اللہ کے نام پر نہیں دیتے ہیں۔

**سوال:** ہم پھل فروش جیسے لوگوں کو کچھ قیمت ادا کرتے ہیں، تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ جو یہ سب نعمتیں ہمیں عطا کر رہا ہے اور ان کا حقیقی مالک ہے، وہ ہم سے کون سی قیمت کا مطالبہ کرتا ہے؟

**جواب:** وہ منعمِ حقیقی ہم سے ان بیش بہا نعمتوں کی قیمت کے طور پر تین چیزیں طلب کرتا ہے:

(۱) ذکر (۲) شکر (۳) فکر

پس ''بسم اللہ'' ابتدا کے لحاظ سے ذکر ہے اور ''الحمد للہ'' انتہا کے لحاظ سے ''شکر'' ہے، اور جو چیز ان دونوں کے درمیان میں ہے وہ ''فکر'' ہے، یعنی ان انوکھی نعمتوں کے بارے میں غور و فکر کرنا اور اس بات کا ادراک کرنا کہ یہ نعمتیں اس ذات کا معجزہ اور اس کی بے پایاں رحمت کے تحفے ہیں جو احد اور صمد یعنی یگانہ، یکتا اور بے نیاز ہے۔ بس اس سوچ کا نام ہی ''فکر'' ہے۔

پس جس طرح کسی بادشاہ کی طرف سے ایک قیمتی تحفہ لانے والے معمولی آدمی کی قدم بوسی کرنا بہت بڑی حماقت اور

(حاشیہ:۱) سورۃ البقرۃ، الآیۃ::۶۰۔

(حاشیہ:۲) سورۃ الانبیاء، الآیۃ::۶۹۔

Marfat.com

بے وقوفی ہے اسی طرح نعمتوں کے ظاہری اسباب و ذرائع کی تعریف کرنا اور ان سے پیار محبت کرنا اور منعمِ حقیقی کو بھول جانا اس سے ہزار گنا بڑی حماقت و بے وقوفی ہے۔

پس اے میرے نفس! اگر تم اس احمق اور بیوقوف کی طرح نہیں ہونا چاہتے ہو تو پھر:

دو اللہ کے نام سے۔

لو اللہ کے نام سیف۔

شروع کرو اللہ کے نام سے۔

کام سرانجام دو اللہ کے نام سے۔

والسلام

Marfat.com

# دوسرا مقالہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿اَلَّذِینَ یُؤمِنُونَ بِالغَیبِ﴾ (حاشیہ:۱)

اگر تم اس چیز کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو کہ ایمان خوش بختی اور سعادت سے بھری ہوئی کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ کہ اس میں کتنی لذت اور راحت ہے۔تو یہ چھوٹی سی کہانی غور سے سنو۔

ایک دفعہ دو آدمی تفریح وتجارت کی غرض سے سفر پر روانہ ہوئے،ان میں سے ایک آدمی جو کہ بد بخت،خود بیں اور اَنا پرست تھا،وہ ایک راستے پر ہولیا،اور دوسرا جو نیک بخت اور خدا پرست تھا،دوسری طرف کو چل دیا۔

جو آدمی خود بین،انا پرست اور بد فال تھا وہ جس طرف گیا اسے اپنی اندرونی نحوست کی وجہ سے وہ تمام علاقہ انتہائی بدصورت اور منحوس دکھائی دیا،حتیٰ کہ وہ جدھر جاتا اسے بے رحم،سنگدل اور کٹھور لوگوں کے ظلم اور اپنے تباہ کن اعمال کے ہاتھوں چیختی چلاتی،کراہتی اور سسکیاں لیتی کمزور،عاجز اور لاچار مخلوق نظر آئی۔ وہ جس طرف بھی گیا اسے اسی طرح کی المناک صورت حال دکھائی دی،حتیٰ کہ اسے وہ ملک،جس میں وہ گھوم رہا تھا،ایک عمومی ماتم کدہ محسوس ہوا جہاں ہر طرف دکھوں میں ڈوبی ہوئی نوحہ خوانی کرتی ہوئی مخلوقات کی آہ وبکاہ سنائی دے رہی تھی۔اس نے اس المناک صورت حال سے بھاگنا چاہا تو اسے شراب نوشی اور مدہوشی کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہ آیا،چنانچہ اس نے شراب پینا شروع کردی،اور اس طرح وہ آس پاس کے ماحول سے بظاہر بے خبر ہوگیا؛ کیونکہ اسے اس ملک میں ہر آدمی اجنبی،غیر مانوس،اور گھات میں بیٹھا ہوا دشمن لگ رہا تھا،اسے چونکہ ہر طرف سے ہولناک جنازے،لاشیں اور یتیموں کی دلفگار آہ وبکا کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں،اس لیے اس کا ضمیر ایک دردناک عذاب میں مبتلا ہوکر رہ گیا۔

جبکہ دوسرا آدمی جو کہ باخدا،اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار اور حق کا متلاشی تھا،وہ اچھے اخلاق کا حامل تھا اس لیے اپنے اس سفر میں وہ جس مملکت میں وارد ہوا وہ اس کی نظروں میں انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب رہی۔

یہ نیک آدمی اس علاقے میں جہاں بھی گیا اسے وہاں ہر طرف خوشیوں کے میلے،دلکش محفلیں اور روح پرور مجلسیں برپا نظر آئیں،اسے ہر طرف خوشی،ہر پہلو سرور اور ہر جگہ ذکر وفکر کی محفلوں کا منظر ملا،حتیٰ کہ اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس ملک کا ہر فرد اس کا قریبی رشتے دار اور محبوب دوست ہے۔پھر اس نے دیکھا کہ ملک کے ہر کونے میں فرائض سے

(حاشیہ:۱) سورۃ البقرۃ،الآیۃ:۱۲۔

Marfat.com

کامیاب فراغت اور سبکدوشی کی خوشی میں جشن کا سماں تھا اور فضا میں اللہ کی حمد وثنا اور اس کے شکر کے اظہار کے لیے خوشیوں بھرے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ پھر اس کی نظر بینڈ باجوں والوں کی کے بینڈ پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ وہ سپاہیوں، فوجیوں اور ملک کے دیگر خدمتگزاروں کے اعزاز اور تعریف وستائش میں جذبات سے بھرپور تکبیر وتہلیل میں گندھے ہوئے جوشیلے سروں میں نغمات بلند کر رہے ہیں۔

اس دوران جبکہ یہ بدبخت، ناامید اور منفی سوچ والا آدمی اپنے اور دوسرے لوگوں کے آلام ومصائب کا ماتم کر رہا تھا، وہ دوسرا نیک بخت، پرُامید اور بختاور آدمی لوگوں کی خوشیوں کے ساتھ خوش اور ان کے سرور کے ساتھ مسرور تھا، مزید یہ کہ اس نے اپنے لیے بہترین کاروبار بھی کیا جو اس کے لیے بابرکت ثابت ہوا، اس نے اس پر اپنے پروردگار کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد وثنا میں رطبُ اللّسان ہوا۔

پھر واپسی کے وقت اس کی ملاقات اپنے اس ساتھی سے ہوئی تو اس سے اس کے حال احوال پوچھتے ہوئے اس کے سفر کی روداد دریافت کی اور اس کے حالات سے آگاہ ہونے پر اسے کہنے لگا: ''دیکھو تم یقیناً ہوش میں نہیں ہو؛ کیونکہ تمہاری اندرونی نحوست تمہاری ظاہری حالت سے منعکس ہو رہی ہے، تمہیں ہر مسکراہٹ چیخ وپکار اور آنسو دکھائی دیتی ہے، اور فرائض سے سبکدوشی، لوٹ مار اور رہزنی معلوم ہوتی ہے۔ ہوش میں آؤ اور دل صاف کرو، ہوسکتا ہے کہ تمہاری آنکھوں پر پڑا ہوا یہ تنگ سا پردہ سرک جائے اور اس طرح تمہیں حقیقت کا خوبصورت درخشاں چہرہ صاف نظر آنا شروع ہو جائے؛ کیونکہ ملک کا حکمران جو کہ انتہائی درجے کا عدل گستر، رحم دل، صاحبِ اقتدار، انوکھے نظم وضبط کا مالک اور مشفق ومہربان ہے_ ایسے حکمران کی،'' اور اس حد تک ترقی یافتہ اور بلندیوں کو چھونے والے ملک_ کی تصویر یقیناً وہ نہیں ہوسکتی جو تمہارا وہم تمہیں دکھا رہا ہے۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ بدنصیب دھیرے دھیرے حواس میں آنا شروع ہو گیا۔ اس نے عقل کے ناخن لیے، پچھتایا اور کہنے لگا:

کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ اللہ آپ کو خوش رکھے آپ نے مجھے جہنم جیسی حالت سے بچالیا ہے۔

یاد رکھو اے میرے نفس کہ!

پہلا آدمی جو ''کافر'' یا ''فاسق اور غافل'' ہے، یہ دنیا اس کی نظر میں ایک بہت بڑا عمومی ماتم کدہ ہے، اور اس میں پائے جانے والے تمام جاندار یتیم ہیں جو کہ موت کے صدمات اور فراق کے طمانچوں سے زار وقطار رو رہے ہیں۔

اور جہاں تک تعلق ہے انسانوں اور حیوانوں کا، تو وہ اس کی نظر میں مویشیوں کے ان ریوڑوں کی طرح ہیں جن کا نہ

Marfat.com

کوئی مالک ہے نہ چرواہا، نہ کوئی نگران نہ نگہبان، جن کے اجل کے پنجوں سے چیتھڑے اڑ رہے ہیں اور موت جن کا خون چوس رہی ہے۔

اور جو پہاڑوں اور سمندروں جیسی دوسری بڑی قد آور مخلوقات ہیں، وہ اُس کی نظروں میں ساکن، جامد، بے حس وحرکت، بے جان اور خوفناک لاشوں کی طرح ہیں۔ اور اس طرح کے کفر وضلالت سے جنم لینے والے دیگر وحشتناک اوہام وخیالات اسے ایک کربناک روحانی عذاب سے دوچار رکھتے ہیں۔

جبکہ دوسرا آدمی ایک ''مومن'' آدمی ہے، جو کہ اپنے خالق کی حقیقی پہچان رکھتا ہے اور اسے دل وجان سے مانتا ہے، اس لئے یہ دنیا اس کی نظروں میں ایک ''دارُالذّکر'' ہے جہاں مشفق اور مہربان خدا کو یاد کیا جاتا ہے۔ یہ دنیا انسانوں اور حیوانوں کے لیے ایک تعلیمی میدان اور تربیت گاہ اور جن وانس کے لیے ایک آزمائش گاہ کا حکم رکھتی ہے۔

باقی رہیں تمام انسانوں اور حیوانوں کی موتیں، تو موت دراصل فرائض منصبی سے فراغت، اور خدمات اور کارگزاریوں سے سبکدوشی اور فارغ البالی کا نام ہے۔ اس لیے وہ لوگ جو اپنی اس زندگی کے فرائض اور ذمہ داریوں سے فارغ ہوجاتے ہیں، وہ روحانی طور پر خوش وخرم اور بطیب خاطر اس دارفانی کو الوداع کہہ دیتے ہیں؛ کیونکہ اس کے بعد انہیں ایک دوسری دنیا میں منتقل کردیا جاتا ہے، وہ دنیا جو مادی میل کچیل، زمان ومکان کی جکڑ بندیوں، گردش ہائے زمانہ اور مصائب وآلامِ دہر سے بالکل آزاد ہے۔ یہ لوگ یہاں سے منتقل ہوکر اس طرف اس لیے چلے جاتے ہیں تاکہ نئے بھرتی ہونے والے ملازمین کے لیے جگہ خالی ہوسکے۔

باقی رہا انسان وحیوان کی افزائشِ نسل کا سلسلہ، تو اسے یوں سمجھیں کہ یہ فوج میں نئی بھرتی، ان جوانوں کو نیا اسلحہ دینے، اور ان کی نئی ڈیوٹیاں متعین کرنے کا نام ہے۔ کائنات میں پایا جانے والا ہر زندہ وجود ایک ملازم یا سپاہی ہے جو اپنی ڈیوٹی قناعت شعاری اور پوری استقامت کے ساتھ راضی خوشی ادا کر رہا ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے ان آوازوں کا جو اس دنیا کے اطراف واکناف اور کونوں کھدروں سے اٹھ رہی ہیں تو وہ یا تو اللہ کا ذکر اور اس کی تعریف ہے تاکہ وہ موجودات ذمہ داریاں قبول کر کے اس کی شروعات کر دیں، اور یا شکر واحسان مندی کی صدائیں ہیں، یہ اطلاع دینے کے لیے کہ ہم اس ذمہ داری سے بطریقِ احسن سبکدوش ہوگئے ہیں۔ یا پھر وہ طرب انگیز اور وجد آفریں نغمے ہیں جو شوقِ عمل اور وفورِ جذبات سے ان کی زبانوں سے بلند ہو رہے ہیں۔

تو اس مردِ مومن کی نظر میں کون ومکان کی موجودات تمام کی تمام پرخلوص اور انتہائی مانوس خدمتگزار، یار باش ملازم اور اس کے فیاض آقا اور مہربان مالک کی شیریں حرف خوبصورت کتابیں ہیں جنہیں پڑھ کر نظر میں کشادگی اور روح میں بالیدگی آتی ہے۔ اور یوں اس مردِ مومن کے ایمان سے اس طرح کے بے شمار لطیف، لذیذ اور عالی مقام حقائق جلوہ گر

Marfat.com

ہوتے ہیں۔

تو پتا چلا کہ ایمان واقعتاً اپنے دامن میں جنت کے شجرِ طوبیٰ کے معنوی بیج کو سموئے ہوئے ہے۔ اور کفر اپنے اندر جہنم کے "شجرِ زقوم" کے معنوی بیج کو چھپائے ہوئے ہے۔

یاد رکھو کہ، امن وسلامتی کا وجود صرف اور صرف اسلام اور ایمان میں ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہمہ وقت یہ بات دہراتے رہیں کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ وَکَمَالِ الْاِیْمَانِ.

---

Marfat.com

# تیسرا مقالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا......﴾ (حاشیہ:۱)

اگر تم یہ بات سمجھنا چاہتے ہو کہ عبادت کیونکر ایک پر عظمت تجارت اور بہت بڑی سعادت ہے، اور یہ کہ فسق وفجور کتنا بڑا خسارہ، مسلّمہ ہلاکت اور یقینی تباہی ہے، تو مندرجہ ذیل تمثیلی حکایت غور سے سنو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دو سپاہی حکم کی تعمیل میں ایک ساتھ دور کے ایک شہر کی طرف روانہ ہوئے، وہ دونوں اکٹھے سفر کرتے رہے تا آنکہ ایک ایسے موڑ پر پہنچ گئے جہاں سے راستہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا تھا، وہاں انہیں ایک آدمی ملا جس نے انہیں بتایا کہ:

یہ دائیں طرف والا راستہ بہت پر امن ہے، اور اسے اختیار کرنے والے ہر دس افراد میں سے نو کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ یہ راستہ آرام دہ، پرسکون، اطمینان بخش اور سراپا منفعت ہے۔ اور یہ بائیں طرف والا راستہ جو ہے صرف یہی نہیں کہ اس میں کوئی نفع یا فائدہ نہیں ہے بلکہ اس پر سفر کرنے والے دس میں سے نو آدمی نقصان سے دوچار ہوئے ہیں۔ البتہ جہاں تک فاصلے کا سوال ہے، تو یاد رہے کہ دونوں راستوں کی لمبائی برابر ہے، بس صرف ایک فرق ہے، اور وہ یہ کہ جو بائیں طرف والا راستہ ہے وہ کسی نظام، قانون یا حکومت کے ماتحت نہیں ہے اور اس میں لاقانونیت کا راج ہے اور اس میں مسافر بغیر کسی بیگ بستے، ہتھیار اور دیگر ساز وسامان کے آزادانہ چلا جاتا ہے، اور اس طرح وہ بظاہر بڑی سہولت اور راحت محسوس کرتا ہے۔ لیکن دائیں طرف والا راستہ جو فوج کی نگرانی کے تحت نظم وضبط کا حامل ہے، اس راستے میں چلنے والا مسافر کچھ قوانین کا پابند ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ راہ پر پڑنے سے پہلے ایک بیگ وغیرہ لے جس میں چار اوقیہ خورد ونوش کا سامان ہو اور حکومت کی طرف سے دو اوقیہ کا ایک ہتھیار بھی لے جس کے ساتھ راستے میں کسی بھی دشمن کے ساتھ نپٹا جا سکے۔

ان دونوں سپاہیوں نے جب اس راہنما آدمی کی باتیں سن لیں تو اس خوش نصیب اور بختاور آدمی نے تو دائیں طرف والا راستہ لے لیا، اور خوشی خوشی چند کلو وزن اپنی کمر پر کیا اور چل پڑا۔ اس چند کلو وزن کو اٹھانے کا اثر یہ ہوا کہ اس کی روح اس ہزاروں من وزن کے خوف اور پریشانی سے چھٹکارا پا گئی جو راستے کے خطرات اور روٹی پانی حاصل کرنے کے لیے کسی

---

(حاشیہ:۱) سورۃ بقرہ، الآیۃ:۱۲

۱۴۲۶۵۰

Marfat.com

کا احسان اٹھانے کی صورت میں اس پر طاری تھا۔

جبکہ دوسرا بدنصیب اور تیرہ بخت _ جس نے نظم وضبط اور پابندی کو گوارا نہ کیا اور فوج کی نگرانی اور نگہبانی کو بھی بار خاطر سمجھ کر ٹھکرا دیا_ وہ بائیں طرف کو چل دیا۔ اس کا جسم تو بظاہر تھوڑے سے بوجھ سے آزاد ہو گیا تھا لیکن اس کا دل راستے کی تکالیف اور دوسروں کے احسانات کے بوجھ تلے کچلا جا رہا تھا، اور اس کی روح بیسیوں قسم کے خوف کے نیچے پسی جا رہی تھی، اس نے تمام راستہ دوسروں کی منت سماجت کرتے ہوئے ہر چیز سے لرزتے اور ڈرتے ہوئے اور ہر حادثے سے خوف کھاتے ہوئے طے کیا، تا آنکہ وہ منزل پر پہنچ گیا، لیکن وہاں ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنے اور باغی ہونے کی وجہ سے سزا کا مستحق ٹھہرا۔

لیکن وہ مسافر جس نے دائیں طرف والا راستہ اختیار کیا تھا یعنی وہ جو ملٹری ڈسپلن کو پسند کرتا تھا اور جس نے بیگ اور اسلحہ ساتھ لیا تھا، وہ دلی سکون، روحانی اطمینان اور کسی کا احسان اٹھائے اور کسی سے خوف کھائے بغیر محو سفر رہا۔ تا آنکہ اس شہر میں پہنچ گیا جہاں اس کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی۔ وہاں پہنچا تو اسے اُسی اعزاز و اکرام سے نوازا گیا جس سے ہر اُس شریف سپاہی کو نوازا جاتا ہے جس نے اپنی ڈیوٹی بطریقِ احسن نبھائی ہو۔

سوائے میرے سرکش من!

تجھے علم ہونا چاہیے کہ ان دونوں مسافروں میں سے ایک تو ان لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے جو قانونِ الٰہی کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کرتے ہیں، اور دوسرا آدمی ان لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے جو نافرمان اور ہوائے نفس کے پیروکار ہیں۔ اور راستے سے مراد زندگی کا وہ راستہ ہے جو عالم ارواح سے شروع ہوتا ہے اور قبر سے گزرتا ہوا عالم آخرت تک پہنچتا ہے۔ اور جہاں تک تعلق ہے زادِ راہ والے بیگ اور ہتھیار کا، تو اس سے مراد عبادت یعنی بندگی اور تقویٰ یعنی خوفِ خدا ہیں۔

عبادت بظاہر کتنی بھی بوجھل معلوم ہوتی ہو مگر روحانی طور پر اس میں اتنی راحت اور سہولت پائی جاتی ہے جو بیان سے باہر ہے، کیونکہ ایک عبادت گزار آدمی اپنی نماز میں کہتا ہے: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، یعنی کوئی خالق نہیں اور کوئی رازق نہیں سوائے اس کے، نفع اور نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے، اور وہ صاحب حکمت اور دانا ہے، کوئی کام بلاوجہ اور بے فائدہ نہیں کرتا، اور یہ کہ وہ رحیم ہے، اس کی رحمت اور فضل و کرم انتہائی وسعت بردوش ہے۔

اور یوں ایک پختہ ایمان والا آدمی چونکہ جو کہتا ہے اس کا اعتقاد بھی رکھتا ہے، اس لیے اس کے سامنے ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، چنانچہ وہ دعا کے ذریعے اس دروازے پر دستک دیتا ہے، اور یہ یقین رکھتا ہے کہ کائنات میں ہر چیز میرے رب کے حکم کی تابع فرمان ہے۔ اس لیے وہ گڑگڑا کر اس کی پناہ میں آتا ہے، اور کسی

Marfat.com

بھی مصیبت کے وقت توکّل کے قلعے میں محفوظ ہو جاتا ہے، اور یوں اس کا یہ ایمان اسے بھرپور امن وسلامتی اور اطمینان عطا کرتا ہے۔

جی ہاں! تمام حقیقی نیکیوں کی طرح بہادری اور دلاوری کا سرچشمہ بھی ایمان اور عبودیت ہی ہے۔ اور تمام برائیوں کی طرح بزدلی کا سرچشمہ بھی گمراہی اور سفاہت ہے۔

جی ہاں، اگر یہ پوری زمین ایک تباہ کن بم کی شکل اختیار کر لے اور پھٹ بھی جائے، تو بھی ایک روشن دل عبادت گزار آدمی کو خوفزدہ نہیں کر سکے گی، بلکہ یہ مردِ مومن اسے بے نیاز قدرتِ الٰہیہ کا ایک معجزہ سمجھے گا اور وہ لذت بھری حیرت سے اس کا مشاہدہ کرے گا۔

لیکن اس کے برعکس ایک فاسق اور مردہ دل آدمی -خواہ وہ فلاسفر ہی کیوں نہ ہو، یا اس کا شمار ان لوگوں میں سے کیوں نہ ہو جو بھاری بھرکم عقل کے مالک سمجھے جاتے ہیں- ایسا آدمی جب فضا میں دُمدار ستارہ دیکھ لے گا تو خوفزدہ ہو جائے گا اور مارے دہشت کے کانپنے لگے گا، اور انتہائی قلق واضطراب سے پوچھتا پھرے گا کہ: یہ بے لگام ستارہ ہماری زمین کے ساتھ ٹکرا تو نہ جائے گا؟ اور یوں وہ توہمات کی وادیوں میں کھو جائے گا۔ (امریکہ میں اس طرح کا ایک واقعہ رونما ہو چکا ہے، جب وہاں کے رہنے والے ایک دمدار ستارے کی وجہ سے لرزہ براندام ہو گئے تھے حتی کہ ان میں سے اکثر لوگ آدھی رات کو اپنے گھروں سے نکل کر باہر آ گئے تھے)۔

جی ہاں! انسان کی حاجات وضروریات اگرچہ لامحدود چیزوں تک پھیلی ہوئی ہیں، لیکن اس کا اصل سرمایہ یا رأس المال نہ ہونے کے برابر ہے، اور اس طرح اس پر نازل ہونے والے آلام ومصائب تو اگرچہ لامحدود ہیں، لیکن اس کی طاقت اور اختیار واقتدار نہ ہونے کے برابر ہے؛ کیونکہ اس کے رأس المال اور اختیار واقتدار کے دائرہ کار کی حد وہاں تک ہے جہاں تک اس کا ہاتھ پہنچتا ہے، جب کہ اس کی امیدوں، خواہشوں، تمناؤں اور آلام ومصائب کا دائرہ وہاں تک وسیع ہے جہاں تک اس کی نظر اور اس کا خیال جا سکتے ہیں۔

یہاں سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسان کی عاجز، فقیر اور کمزور ترین روح کو عبادت اور توکل کے حقائق اور توحید اور خود سپردگی کی کتنی ضرورت ہے! اور ان چیزوں سے حاصل ہونے والے منافع، سعادتیں اور نعمتیں کتنی عظیم ہیں! انسان آنکھوں سے بالکل ہی محروم ہو جائے تو اور بات ہے وگرنہ یہ حقائق تو روزِ روشن کی طرح واضح ہیں؛ کیونکہ اس چیز کا تو ہر کس وناکس کو پتہ ہے کہ نقصان سے محفوظ راستے کو نقصان دہ راستے پر ترجیح دی جائے گی اگرچہ وہ دس میں سے نفع کا ایک احتمال رکھتا ہو، اور یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ ہمارا یہ مسئلہ یعنی عبودیت اور خود سپردگی کا راستہ، نہ صرف یہ کہ نقصان سے محفوظ ہے اور نوے فیصد نفع کا احتمال رکھتا ہے، بلکہ اس پر مزید یہ کہ دائمی اور ابدی سعادت کے خزانوں سے

Marfat.com

ہماری جھولیاں بھی بھرتا ہے۔ جبکہ فسق وفجور اور سفاہت کے راستے میں ــ خود فاسق کے اپنے اعتراف کے مطابق۔ صرف یہی نہیں کہ کسی قسم کا کوئی نفع نہیں، بلکہ اس پر مزید یہ ہے کہ وہ دائمی اور ابدی بدبختی اور ہلاکت کا سبب ہے، اور اس میں بھلائی کی توقع صرف دس فیصد ہے۔ اور یہ وہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جس کے بارے میں اس شعبے کے بے شمار خصوصی ماہرین کی شہادت تواتر اور اجماع کے درجے تک پہنچ چکی ہے، اور یہ چیز وہ یقین ہے جو اہلِ کشف وذوق کے بیانات کی روشنی میں یقینِ کامل اور اٹل حقیقت کا درجہ اختیار کر چکا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ:

آخرت کی طرح دنیا کی سعادت اور خوش نصیبی بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا مخلص سپاہی بننے میں پنہاں ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم ہر دم یہ دہراتے رہیں کہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلیٰ الطَّاعَةِ وَالتَّوْفِيْقِ ، اور یہ کہ ہم اس کا اس بات پر شکر ادا کرتے رہیں کہ ہم مسلمان یعنی اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے والے ہیں۔

---

Marfat.com

# چوتھا مقالہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیۡنِ"

اگر تم نماز کی اہمیت اور قدر و قیمت سے آگاہ ہونا چاہتے ہو اور یہ جاننا چاہتے ہو کہ اس کا حصول کتنا آسان اور اسے اپنانا کتنا کم خرچ بالانشیں ہے اور یہ کہ جو نماز قائم نہیں کرتا ہے اور اس کا حق ادا نہیں کرتا ہے وہ سراپا حماقت، نادان اور نقصان اٹھانے والا ہے۔ جی ہاں! اگر تم دو ضرب دو برابر چار کی طرح پورے یقین کے ساتھ اس چیز کی جان کاری چاہتے ہو تو مندرجہ ذیل چھوٹی سی تمثیلی کہانی میں غور کرو:

ایک دفعہ ایک فرمانروا اپنے دو خدمت گاروں کو اپنے خوبصورت کھیتوں میں بھیجتا ہے اور ان دونوں کو چوبیس چوبیس سونے کے سکے دیتا ہے تا کہ دونوں ان کھیتوں تک با آسانی پہنچ سکیں جو کہ دو ماہ کی مسافت پر تھے۔ اور انہیں حکم دیتا ہے کہ اس رقم سے اپنے لیے ٹکٹوں کا اور راستے کے اخراجات اور وہاں پہنچ کر رہائش وغیرہ کا انتظام کر لینا۔ یہاں سے ایک دن کی مسافت پر ایک سٹیشن ہے وہاں سے آگے جانے کے لیے کار، بحری جہاز، ٹرین اور دیگر ہر قسم کے ذرائع آمد و رفت کی سہولت میسر ہے، اور ہر چیز کا کرایہ علیحدہ علیحدہ ہے، مسافر جس پر چاہے حسبِ توفیق سفر کر سکتا ہے۔ یہ تمام ہدایات لے کر خادم وہاں سے نکلے۔ ان میں سے ایک بڑا نیک بخت تھا، اس نے سٹیشن تک جاتے ہوئے راستے میں کچھ رقم خرچ کر کے اس سے کچھ کاروبار کیا جو اس کے مالک کی رضا کے مطابق تھا، جس سے اسے خاطر خواہ نفع ہوا اور اس کی رقم میں ہزار گناہ اضافہ ہو گیا۔

لیکن دوسرے نے اپنی سوءِ قسمت اور بیوقوفی کی وجہ سے چوبیس میں سے تیئس (23) سکے کھیل تماشے، عیاشی اور جوئے میں خرچ کر دیئے، اور اس طرح سٹیشن تک پہنچتے پہنچتے اس کے پاس صرف ایک سکہ رہ گیا۔

اس کے دوست نے اس سے کہا: "ارے ناداں! یہ ایک سکہ جو بچ گیا ہے اسے بھی یونہی ضائع نہ کر بیٹھنا بلکہ اس سے اگلے سفر کے لیے ٹکٹ خرید لو، ہمارا آقا بڑا مشفق، فیاض اور مہربان ہے، عین ممکن ہے کہ وہ تجھ پر ترس کھا جائے اور تیری غلطی سے درگزر کر جائے اور تیرے لیے جہاز کی سواری کا انتظام بھی کر دے، اور اس طرح ہم منزل مقصود پر اکٹھے ایک دن پہنچ جائیں۔ اور دیکھ، اگر تو نے میری بات پر کان نہ دھرا تو یاد رکھ تجھے مسلسل مکمل دو ماہ تک اس لق و دق صحرا میں پیدل سفر کرنا پڑے گا، اس طویل سفر میں کوئی تیرا رفیق سفر نہ ہوگا، بھوک تیرا کباڑا کر دے گی اور اجنبیت تیرا ہر طرف سے منہ چڑائے گی۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر یہ احمق آدمی اب ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرے، زوال پذیر خواہش کی تکمیل اور عارضی لذت اندوزی کے لیے وہ آخری سکہ بھی صرف کر ڈالے اور ٹکٹ نہ خریدے جو کہ اس کے لیے ایک خزانے کی چابی کی

Marfat.com

حیثیت رکھتی ہے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ آدمی انتہائی بدقسمت، احمق اور واقعہ میں بیوقوف ہے؟۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک پرلے درجے کا بلیدُ الذہن آدمی بھی کر سکتا ہے۔

اے نماز سے بھاگنے والے! اے میرے نماز سے تنگ پڑنے والے من!

اس کہانی میں مالک، حاکم یا آقا ہمارا پروردگار اور خالق و مالک عزوجل ہے۔ سفر پر نکلنے والے دو خادم جو ہیں ان میں سے ایک تو وہ ہے جو دین دار ہے، جو ذوق وشوق سے اپنی نماز پڑھتا ہے، اور دوسرا وہ ہے جو غفلت شعار اور تارکُ الصّلاۃ ہے۔ اور سونے کے جو "چوبیس" سکے ہیں۔ وہ عمرِ عزیز کے ہر گزرنے والے چوبیس گھنٹے ہیں۔ اور وہ خصوصی باغ یا جاگیر جو ہے وہ جنت ہے، اور سٹیشن قبر ہے۔

باقی رہا وہ لمبا سفر یا طویل سیر و سیاحت، تو اس سے مراد نوعِ انسانی کا وہ سفر ہے جو قبر کی طرف رواں دواں، حشر کی طرف جاری و ساری اور دارالخلود کی طرف چلا چل ہے۔ اور اس راستے کے مسافر اپنا اپنا سفر اپنے اعمال اور اپنے تقویٰ و پرہیزگاری کے حساب سے مختلف درجات میں طے کرتے ہیں، کچھ اہلِ تقویٰ ان میں سے ہزار برس کا فاصلہ ایک دن میں بجلی کی طرح طے کر لیتے ہیں اور کچھ پچاس ہزار برس کا فاصلہ ایک دن میں خیال کی رفتار سے طے کر لیتے ہیں۔ قرآن پاک نے اس حقیقت کی طرف دو آیتوں میں اشارہ کیا ہے۔ اور ٹکٹ سے مراد اس کہانی میں نماز ہے جو کہ پانچوں نمازیں وضو سمیت زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لیتی ہیں۔

سو کس قدر خسارے میں ہے وہ آدمی جو اِس چھوٹی سی فانی دنیا کے لیے تیئس (23) گھنٹے صرف کرتا ہے اور صرف ایک گھنٹہ اُس لمبی اور ابدی زندگی کے لیے صرف نہ کر سکے! یہ آدمی خود اپنی ذات کے لیے کتنا ظالم ہے! یہ آدمی کتنا احمق، ناداں اور مورکھ ہے! اگر کوئی آدمی اپنی جائیداد کا آدھا حصہ کسی ایسی لاٹری میں لگا دے جس میں ہزاروں لوگ حصہ لے رہے ہوں اور جس میں جیتنے کا چانس ہزار میں سے صرف ایک فیصد ہو، تو یہ کام بڑا معقول اور مناسب سمجھا جائے گا۔

لیکن اُس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو اپنی جائیداد کا چوبیسواں حصہ اس ابدی خزانے کے لیے خرچ نہیں کرتا ہے، جہاں کامیابی کا ننانوے (99) فیصد امکان ہے۔! کیا یہ روش خلافِ عقل اور خلافِ حکمت شمار نہیں ہوگی؟ کیا اپنے آپ کو عقل مند کہلانے والا آدمی یہ معمولی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتا ہے؟

حالانکہ نماز فی نفسہٖ عقل و قلب و روح کے لیے بیک وقت بہت بڑی راحت اور آسودگی ہے۔ مزید یہ کہ یہ کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس میں جسم کے لیے کوئی مشقت پائی جاتی ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک نمازی انسان کا ہر دنیاوی جائز کام جو نیک نیتی سے ادا کیا گیا ہو اللہ کی عبادت کا درجہ پائے گا۔ اور یہ ایک ایسا نسخہ ہے جسے استعمال میں لا کر ایک نمازی آدمی اپنی عمر کا تمام سرمایہ آخرت کی طرف منتقل کر سکتا ہے اور اس طرح وہ اپنی اس فانی عمر کے ذریعے دائمی اور ابدی عمر حاصل کر سکتا ہے۔

---

Marfat.com

# پانچواں مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴾ (حاشیہ:۱)

اگر تم یہ سمجھنا چاہتے ہو کہ نماز قائم کرنا اور کبیرہ گناہوں سے کنارہ کش رہنا ایک حقیقی انسانی وظیفہ اور نوع بشر کی تخلیق کے ساتھ مناسبت رکھنے والا فطری نتیجہ ہے، تو اس تمثیلی کہانی کو نگاہ میں رکھو اور غور سے سنو:

اور وہ یہ کہ: فوجیوں کی ایک عام نقل وحرکت کے دوران ایک بٹالین میں دو سپاہی ایک ساتھ تھے، ان میں سے ایک انتہائی ذمہ دار، ڈیوٹی پر توجہ دینے والا، اور اچھا تربیت یافتہ تھا، جبکہ دوسرا اپنی ڈیوٹی سے لاپرواہ، منچلا اور اناڑی تھا۔ اعلیٰ تربیت یافتہ اور ماہر سپاہی کی تمام تر توجہ ٹریننگ اور جہاد کے معاملات پر مرکوز تھی اور راشن اور معاش کے دیگر مسائل کی اسے کوئی فکر نہیں تھی، کیونکہ اسے اس بات کا بخوبی علم تھا کہ اسے خوراک، اسلحہ، اور زندگی کے دیگر لوازمات مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، حتیٰ کہ کسی بیماری کی حالت میں اگر اس کے منہ میں لقمہ ڈالنا پڑے تو یہ کام بھی حکومت ہی کرے گی، اور اس کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ صرف جنگی معاملات کی ٹریننگ لیتا رہے، اور بس۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ چیز بھی سمجھتا تھا کہ اس بھرپور انداز سے ڈیوٹی دینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ڈیوٹی کے علاوہ کوئی اور کام کر ہی نہ سکے، اس لیے اسے کبھی جنگی تیاری سے متعلق ذمہ داری بھی سونپی جاتی، جیسے کھانا پکانا اور برتن دھونا وغیرہ، اور اس دوران اگر کوئی اس سے پوچھتا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو تو کہتا: میں رضا کارانہ طور پر ملک کی خدمت کر رہا ہوں، اور یہ نہ کہتا کہ میں یہ تگ ودو لوازمِ حیات مہیا کرنے کے لیے کر رہا ہوں۔

اس کے برعکس دوسرا سپاہی جو کہ صرف شکم پرور تھا، وہ نہ تو ٹریننگ سے کوئی سروکار رکھتا اور نہ جنگ کے معاملات میں دلچسپی لیتا۔ وہ کہتا تھا: بھئی یہ ذمہ داری حکومت کی ہے میرا اس سے کیا واسطہ؟ اس لیے وہ ہر وقت اپنے آپ کو معیشت کے معاملات میں الجھائے رکھتا اور سامانِ خورد ونوش زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لیے ہانپتا رہتا، یہاں تک کہ کبھی اپنی پلٹن کو چھوڑ کر کھانے پینے کے سامان کے لیے بازاروں میں گھومتا رہتا۔

اس کے سمجھدار دوست نے ایک دن اس سے کہا:

میرے بھائی! تمہاری اصلی ڈیوٹی ٹریننگ اور جنگ کی تیاری ہے، اور یہ وہ ہدف ہے جسے پورا کرنے کے لیے تمہیں یہاں لایا گیا ہے، تم اپنے کھانے پینے کی فکر مت کرو اور اس بارے میں بادشاہ پر بھروسہ رکھو، وہ تمہیں کبھی بھوکا نہیں رہنے

(حاشیہ:۱) سورۃ النحل، الآیۃ:۱۲۸۔

Marfat.com

دے گا؛ کیونکہ یہ اس کی ذمہ داری اور اس کی ڈیوٹی ہے۔ پھر یہ ہے کہ تم عاجز، فقیر، نادار اور ضرورت مند ہو اس لیے اپنی معیشت کا انتظام از خود نہیں کر سکتے ہو، اور اس پر مزید یہ کہ ہم اس وقت جہاد کے لمحات میں اور جنگ کے میدان میں ہیں، اس لیے میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ گورنمنٹ کہیں تمہیں باغی اور نافرمان قرار دے کر تمہارا کورٹ مارشل ہی نہ کر دے۔

یاد رکھو کہ ہمارے سامنے دو ذمہ داریاں نمایاں ہوتی ہیں:

ان میں سے ایک ذمہ داری کا تعلق حکمران کے ساتھ ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ ہمارے خورد ونوش اور دیگر لوازمِ حیات کا انتظام کرے، اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے وہ ہماری خدمت کبھی کبھی مفت بھی لے سکتا ہے۔

اور دوسری ذمہ داری کا تعلق ہمارے ساتھ ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم ٹریننگ لیں اور لڑائی کے لیے تیار رہیں، اور اس ضمن میں حکمران ہمیں ضروری ساز وسامان اور سہولیات بہم پہنچاتا رہے گا۔

میرے بھائی! ذرا غور کرو کہ اگر وہ بیکار باش سپاہی اپنے اس مجاہد اور تربیت یافتہ دوست کی بات پر کان نہیں دھرے گا تو کتنا نقصان اٹھائے گا؟ اور کتنی ہلاکتوں اور کتنے خطرات سے دوچار رہے گا!

اے میرے کسلمند نفس!

وہ میدان جو جنگ وجدل کی آماجگاہ بنا ہوا ہے وہ میدانِ تلاطم خیز یہ دنیاوی زندگی ہے۔ اور وہ لشکر جو مختلف پلٹنوں میں منقسم ہے، وہ یہ انسانی نسلیں ہیں۔ وہ خاص پلٹن جس کے یہ دو سپاہی تھے، وہ موجودہ دور کا مسلم معاشرہ ہے۔ وہ دو سپاہی جو ہیں، ان میں سے ایک تو وہ ہے جو اپنی ذمہ داریوں کی جان پہچان رکھتا ہے اور انہیں صحیح طور پر ادا کرتا ہے اور کبیرہ گناہوں سے کنارہ کش رہتا ہے۔ یہ وہی تقویٰ شعار مسلمان ہے جو گناہوں کے ڈر سے ہمہ وقت اپنے نفس اور شیطان کے ساتھ برسرِ پیکار ہے۔ اور دوسرا سپاہی وہ ہے جو فسق وفجور میں گرفتار اور سراسر نقصان سے دوچار ہے، جو غمِ روزگار میں اس حد تک ہانپ رہا ہے کہ بسا اوقات رازقِ حقیقی پر بھی زبان درازی کرنے سے نہیں چوکتا ہے۔ اور روٹی کا ایک لقمہ حاصل کرنے کے لیے اسے یہ پرواہ ہی نہیں ہوتی ہے کہ اس تگ ودو میں وہ فرائض کی پامالی، ذمہ داریوں کا استحصال اور گناہوں اور نافرمانیوں کا ارتکاب کر رہا ہے۔ اور وہ ٹریننگ اور مشقیں جو ہیں ان سے مراد عبادات ہیں اور ان میں سرفہرست نماز ہے۔

جنگ سے مراد وہ مجاہدہ اور کوشش ہے جو انسان اپنے دل اور روح کو ایک ساتھ ابدی ہلاکت اور واضح خسارے سے بچانے کے لیے اپنے نفس اور خواہشاتِ نفس کے ساتھ کر رہا ہے، وہ مقاومت ہے جو وہ خطاؤں سے دور رہ کر اور کمینہ اخلاقیات سے کنارہ کش ہو کر کر رہا ہے، اور اس جنگ سے مراد وہ مقابلہ ہے جو اس کے، اور جن وانس کے شیطانوں کے درمیان برپا ہے۔

Marfat.com

باقی رہیں وہ دو ذمہ داریاں، تو ان میں اسے ایک تو زندگی کے اس عطیے کا خیال رکھنا ہے، اور دوسری یہ ہے کہ وہ ذات جس نے یہ زندگی عطا کی ہے اور جو اسے پروان چڑھا رہی ہے، اس کی بندگی اختیار کی جائے، اس سے مانگا جائے، اس پر توکل کیا جائے اور اس کے بارے میں اطمینان رکھا جائے۔

جی ہاں! جس نے زندگی عطا کی ہے، اور اس زندگی کو اس طرح بنایا ہے کہ اس میں اس کی قدرت کی بے نیاز کاریگری کی جھلک جلوہ گر ہے، اور اسے اس نہج پر استوار کیا ہے کہ اس میں اس کی پروردگاری کی سمجھ سے بالاتر اور غیر معمولی حکمت جگمگا رہی ہے، وہی اسے منزل بمنزل رواں دواں ارتقا کی طرف لے جا رہا ہے، اور وہ اکیلا ہی اس کی نگہداشت کرتا ہے اور اسے اس کا مطلوبہ رزق بہم پہنچا کر اسے دوام بخش رہا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

کیا تمہیں اس کی دلیل چاہیے؟!۔ تو سنیئے:

کند ذہن مچھلیوں کو اور پھلوں میں پائے جانے والے کیڑوں جیسے کمزور، بلید اور کم عقل جانداروں کو بھی نہایت عمدہ اور بہترین رزق فراہم کیا جاتا ہے۔ پھر انسانوں اور حیوانوں کے بچوں جیسی کمزور، لاچار اور نازک ترین مخلوق خوبصورت، مزیدار اور پاکیزہ ترین رزق سے نوازی جاتی ہے۔ اور یہ سمجھنے کے لیے کہ رزق کا وسیلہ اقتدار و اختیار نہیں بلکہ عجز و افتقار ہے، یہی چیز کافی ہے کہ آپ کند ذہن مچھلیوں اور چالاک لومڑیوں کے درمیان موازنہ نہ کریں، جانوروں کے ننھے منے کمزور بچوں اور شکاری وحشی جانوروں کا موازنہ کریں، اور وقار سے سیدھے کھڑے درختوں اور رزق کے پیچھے ہانپنے والے جانوروں کے درمیان مقابلہ کر کے دیکھیں، ان سب کی خوراک کا تقابلی جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ رزق طاقت کے بل بوتے پر حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ کمزوری اور عاجزی سے ملتا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدمی جو روزی کی فکر میں نماز چھوڑ دیتا ہے اس کی مثال اس سپاہی کی سی ہے جو اپنی ٹریننگ اور خندق کو نظر انداز کر کے بھیک مانگنے کے لیے بازاروں کی خاک چھانتا پھرتا ہے، اس کے برعکس جو نماز کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ اس رزّاقِ کریم کے باورچی خانے سے اپنے حصے کی روزی بھی ڈھونڈتا ہے تاکہ دوسروں پر بوجھ بن کر نہ رہے، تو اس کا یہ کردار بہت خوبصورت ہے۔ بلکہ یہ چیز اصلی مردانگی، شہامت اور اولوالعزمی ہے۔ اور یہ چیز بھی بہترین قسم کی عبادت ہے۔

پھر یہ ہے کہ انسان کی فطرت اور اس کی روحانی صلاحیتوں سے بھی یہی رہنمائی ملتی ہے کہ اسے صرف عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے؛ کیونکہ اُسے جو اُس کی دنیاوی زندگی کے لیے لازمۂ حیات رکھنے والی عمل و اقتدار جیسی طاقتیں ودیعت کی گئی ہیں، ان سب کے ہوتے ہوئے بھی وہ ایک چھوٹی سی چڑیا کی برابری بھی نہیں کر سکا ہے۔ چڑیا جو کہ اس زندگی کا انسان سے کئی گنا اچھے طریقے سے لطف اٹھاتی ہے۔ انسان کو اس کی روحانی اور اخروی زندگی کی حیثیت سے دیکھا جائے

Marfat.com

اوراس میں ودیعت کی گئی علمی صلاحیت،اوراس کا فقر وعجزاوراس کی بندگی اور گریہ زاری کا پہلو دیکھا جائے،تو اس پہلو سے یہ انسان حیوانات کے سلطان اور کمانڈر کے حکم میں ہے۔

سوائے میرے نفس!

اگر تم اس دنیاوی زندگی کو اپنا نصب العین بنا لو گے، اوراس کے حصول کے لیے تمام صلاحیتیں صرف کردو گے تو تمہاری حیثیت ایک حقیر چڑیا سے بھی کم تر ہوگی۔لیکن اگر تم اپنا نصب العین اخروی زندگی کو بناؤ گے اوراس دنیا کو آخرت کی کھیتی اور وہاں تک پہنچنے کے لیے ایک وسیلہ سمجھو گے، اور تمام تگ ودو اسی نہج پر کرو گے۔۔۔تو بہت جلد حیوانات کے بڑے کمانڈر بن جاؤ گے۔اپنے خالقِ کریم کے ہاں اُس کا معزز بندہ اور اِس دنیا میں اس کا معزز مہمان بن جاؤ گے۔

تمہارے سامنے اب دو راستے ہیں ان میں سے جس کا چاہو انتخاب کرلو:

اللہ مہربان سے یہ دعا کرتے رہا کرو کہ وہ تمہاری رہنمائی فرمائے اور تمہیں توفیق سے نوازے۔

---

Marfat.com

# چھٹا مقالہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَاَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ﴾ (حاشیہ:۱)

اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ اپنی جان اور اپنا مال اللہ تعالیٰ کو بیچ دینا، اس کی بندگی اور غلامی اختیار کرنا اور اس کا سپاہی بن کر زندگی گزارنا کتنی نفع بخش اور شرف وعزت والی تجارت ہے، تو مندرجہ ذیل تمثیلی کہانی غور سے سنو:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنی رعایا کے دو آدمیوں کو دو وسیع وعریض جاگیریں بطور امانت عطا کیں، ان دونوں جاگیروں میں مشینیں، ہتھیار، مال مویشی اور دوسرے جانور اور ہر قسم کے ایسے آلات اور اوزار بھی مہیا کر دیے جن کی ضرورت پڑ سکتی ہو۔ اتفاق کی بات کہیے کہ ان دنوں ملک کے حالات بہت خراب تھے اور ہر طرف جنگ کے بادل منڈلا رہے تھے، کسی چیز کو قرار نہیں تھا، جنگ کی وجہ سے ہر چیز تبدیل ہو رہی تھی یا ملیامیٹ ہو رہی تھی۔۔۔ ان حالات کے پیشِ نظر بادشاہ نے شفقت اور مہربانی کا اظہار کرتے ہوئے اپنا ایک خصوصی نمائندہ اپنے اس پیغام کے ساتھ ان دونوں آدمیوں کے پاس بھیجا:

''میری جو جاگیریں تمہارے پاس امانتاً پڑی ہوئی ہیں وہ مجھے فروخت کر دو تا کہ میں ان کو تمہارے لیے سنبھال کر رکھوں، اور اس طرح ان کڑے حالات میں تمہاری یہ جائیداد ضائع ہونے سے بچ جائے گی، اور جنگ ختم ہوتے ہی میں تمہیں واپس کر دوں گا۔۔۔ اور میں ان جاگیروں کو تم سے ایسے ہی مہنگے داموں خریدوں گا کہ گویا یہ میری نہیں تمہاری ذاتی ہیں۔ اور جہاں تک ان مشینوں کا اور اُن آلات واوزار کا تعلق ہے جو تمہاری ملکیت میں ہیں، تو اب یہ میرے کارخانوں میں میرے نام اور میری اجازت سے استعمال ہوں گے۔ اور ان کی قیمت میں تمہیں ہزار گنا زیادہ ادا کروں گا اور ان سے حاصل ہونے والا منافع بھی تمام کا تمام تمہارا ہی ہوگا، اور پھر ان کی مرمت وغیرہ پر اٹھنے والا تمام خرچ بھی میں ہی کروں گا؛ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم لوگ ان مشینوں اور ہتھیاروں پر اٹھنے والے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے ہو۔ لیکن ان سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی اور منافع تمہارا ہوگا۔ اور یہ چیز بھی ذہن میں رکھو کہ یہ تمام چیزیں میرے خرید لینے کے بعد بھی تمہارے پاس ہی رہیں گی تا کہ تم ان سے استفادہ کرتے رہو، تاوقتیکہ انہیں تمہارے ہاں سے اٹھانا ضروری نہ ہو جائے۔ تو گویا کہ ایک ہی بار کے سودے میں تمہیں بیک وقت پانچ قسم کے منافع حاصل ہو رہے ہیں۔

لیکن اگر تم اس جائیداد کو میرے ہاتھ فروخت نہیں کرو گے تو پھر یہ بات تو پکی ہے کہ چونکہ جنگ کا سماں ہے اس وجہ

---

(حاشیہ:۱) سورۃ التوبہ، الآیۃ:۱۱۱۔

Marfat.com

سے تمام کی تمام جاگیر جائیداد برباد ہو جائے گی اور تم اس سے محروم ہو جاؤ گے۔ اور صرف یہی نہیں کہ اس سے محروم ہو جاؤ گے بلکہ اب تمہیں جو اس کی بھاری قیمت مل رہی ہے اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ جتنی مشینیں اور دیگر قیمتی اور حساس آلات اور پیمانے وغیرہ تمام مہمل، بیکار اور بے قیمت ہو جائیں گے؛ کیونکہ جنگ کے دنوں میں ظاہر ہے ان سے کوئی مفید کام نہیں لیا جا سکے گا اور نہ یہ قیمتی معدنیات کے لیے استعمال ہوں گے۔ اور آخری بات یہ کہ اس افراتفری اور کھلبلی میں ان سب چیزوں کا انتظام وانصرام، خرچ اخراجات اور اس ضمن میں پیش آنے والی تمام تکالیف کی ذمہ داری صرف تمہارے کندھوں پر ہوگی۔ اور یہ چیز بھی ذہن میں رکھو کہ تمہاری یہ روش ایک قسم کی خیانت شمار ہوگی جس کی سزا تمہیں بہرکیف ملے گی۔ ایک بار کے سودے میں پانچ قسم کے منافع کے مقابلے میں ایک بار کے سودے میں حاصل ہونے والے یہ پانچ قسم کے نقصان ہیں، جن سے تم دوچار ہو گے۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اگر تمام جائیداد مجھے بیچ دو گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم ایک معمولی قیدی اور عام شخص کی بجائے میرے خاص سپاہی بن جاؤ گے اور میرے نام کو استعمال کرتے ہوئے آزادانہ اور آبرومندانہ زندگی بسر کرو گے۔

دونوں آدمیوں نے بادشاہ کے اس فرمانِ عالی کو غور سے سنا۔ پھر دونوں میں سے جو عقل مند اور سنجیدہ تھا، اس نے کہا: بادشاہ کا حکم سر آنکھوں پر، میں بصد خوشی اور بصد فخر واعتزاز اپنی جائیداد انہیں فروخت کرتا ہوں اور ان کا ہزار بار شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس قابل سمجھا۔ لیکن دوسرا جو انتہائی مغرور، غفلت خوردہ اور اپنے آپ کو فرعون سمجھنے والا تھا، وہ اس وہم میں مبتلا تھا کہ یہ جاگیر اس کی اپنی ہے اور ہمیشہ اسی کی رہے گی، دنیا کے کسی بھی حادثے یا انقلاب سے برباد نہیں ہوگی، اس لیے وہ کہنے لگا: ''نہیں!۔۔۔ بادشاہ کون ہوتا ہے میری جائیداد خریدنے والا؟ میں اسے بیچ کر اپنا یہ نشہ ہرن نہیں کرنا چاہتا ہوں''۔

دن گزرتے گئے، حتیٰ کہ ایک دن وہ بھی آیا جب سمجھ دار غلام نے ایسا مقام حاصل کر لیا جسے سب لوگ رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے؛ کیونکہ اسے قصرِ سلطانی کے وسط میں زندگی گزارنے کا موقع مل گیا تھا، وہ بادشاہ کے خصوصی الطاف وعنایات کے سائے میں آنند کے تار بجاتا تھا۔ لیکن دوسرے آدمی کی حالت قابلِ دید تھی، اس کے حالات اس قدر خراب ہو گئے تھے کہ ہر آدمی کو اس پر ترس آنے لگا، البتہ اتنی بات لوگ ضرور کہتے تھے کہ: یہ اسی چیز کا مستحق تھا، اس کے ساتھ ایسے ہی ہونا چاہیے تھا، یہ سب اس کا اپنا ہی کیا دھرا ہے، اس نے اپنے کرتوتوں کی بڑی بری سزا پائی ہے، اب نہ اس کی بدمستی باقی رہی ہے اور نہ جائیداد بچی ہے۔

اے میرے ہوسناک نفس!

اس مثال کی دوربین سے حقیقت کا شفاف اور تابناک چہرہ دیکھنے کی کوشش کر، بادشاہ یا حاکم سے مراد تمہارا خالق اور

Marfat.com

پروردگار ہے جو کہ ازل اور ابد کا بادشاہ ہے۔ وہ جاگیر جائیداد، مشینیں، آلات اور دیگر پیمانے وغیرہ جو ہیں، ان سے مراد یہ جسم، روح اور قلب اور ان میں رکھی گئی سمع و بصر اور عقل و خیال کی قوتیں یعنی وہ تمام ظاہری اور باطنی حواس ہیں جو تمہارے دائرۂ حیات میں تمہاری ملکیت میں ہیں۔ وہ خصوصی نمائندہ ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور بادشاہ کا پیغام جسے نمائندے کے ذریعے پہنچایا گیا وہ قرآن حکیم ہے جو اس نفع بخش تجارت اور خرید و فروخت کا ان لفظوں کے ساتھ اعلان کرتا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

وہ میدانِ کارزار جو تشویش، اضطراب اور تباہ کاریوں کا نقشہ پیش کر رہا ہے، وہ یہ دنیا ہے، جہاں نہ قرار ہے نہ ثبات نہ دوام، جو نام ہی تبدیلیوں کا ہے، اور یہ تبدیلیاں ہر انسان کی عقل کو یہ فکر دیتی ہیں کہ: ''ہماری ملکیت میں جتنی بھی چیزیں ہیں ان میں سے کسی بھی چیز کو نہ قرار ہے اور نہ وہ ہمارے ہاتھوں میں باقی رہے گی، بلکہ فنا ہو جائے گی اور ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائے گی، کیا اس چیز کا کوئی علاج نہیں ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ اس فنا و زوال کی جگہ بقا و دوام لے لے؟''

انسان اسی سوچ میں غرق تھا کہ اچانک قرآن کی آفاق میں گونجتی ہوئی آسمانی صدائے بازگشت سنتا ہے جو اُس سے کہہ رہی تھی: جی ہاں! اس بیماری کا شافی علاج موجود ہے، جو کہ منافع کے پانچ درجات پر مشتمل ہے۔

سوال: -علاج کیا ہے؟

**الجواب:**-علاج یہ ہے کہ امانت کو اُس کے حقیقی مالک کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے۔ اور یہ وہ بیوپار ہے جس میں ایک ہی بار کے سودے میں منافعوں کے پانچ درجات ہیں۔

**پہلا نفع:**- یہ فانی مال لافانی ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ فانی اور ڈھلنے والی عمر جب ''الحیّ القیّوم'' ہمیشہ زندہ، قائم اور باقی رہنے والی ذات کے سپرد کر دی جائے گی اور اس کی راہ میں خرچ کر دی جائے گی، تو یہ فانی عمر ابدی اور لازوال ہو جائے گی، اور اس طرح عمر کے ہر لمحے سے عالمِ بقا اور برزخ میں پکے تر و تازہ پھل اور سعادت اور خوش بختی کے مہکتے اور تابناک مناظر ظہور میں آئیں گے، بالکل ایسے جیسے بیج بظاہر تو ختم ہو جاتے ہیں لیکن اس سے پھول اور بالیاں پھوٹ پڑتی ہیں۔

**دوسرا نفع:**-اس امانت کی قیمت جنت جیسی ہے۔

**تیسرا نفع:**- ہر عضو، انگ اور تمام حواس کی قیمت میں ایک سے لے کر ہزار گنا تک اضافہ ہو جائے گا، مثال کے طور پر عقل ایک عضو اور آلہ ہے۔ اگر آپ اسے اللہ کے ہاتھ بیچیں گے نہیں، یعنی اس کے لیے وقف نہیں کریں گے بلکہ اسے اپنے نفس اور ہوائے نفس کے لیے استعمال کریں گے، تو یہ ایک منحوس، پریشان کن، نقصان دہ اور لاچار کر دینے والا آلہ بن کر رہ جائے گی، جو تمہاری پشت پر ماضی کے اندوہناک غم اور مستقبل کی ہولناک خوفناکیاں لاد کر رکھ دی گی۔ اس طرح

Marfat.com

عقل جیسی بیش بہا نعمت ایک منحوس اور نقصان دہ آلے کا مرتبہ اختیار کر لے گی۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اپنی عقل کی پیدا کردہ پریشانیوں سے جان چھڑانے کے لیے ایک فاسق فاجر آدمی کس طرح زندگی کی حقیقتوں سے فرار ہو کر لہو ولعب اور شراب نوشی کے دامن میں پناہ ڈھونڈتا ہے؟

لیکن یہی عقل اگر اللہ کے ہاتھوں بیچ دی جائے اور اس کا استعمال اس کی راہ میں اور اس کے لیے کیا جائے تو یہ ایک ایسی طلسماتی چابی بن جائے گی جس سے رحمتِ الٰہیہ اور حکمتِ ربانیہ کے بے شمار خزانے کھلتے چلے جائیں گے۔ اب کیفیت یہ ہو جائے گی کہ ایسا آدمی جدھر دیکھے گا اور جس پہلو بھی غور کرے گا اسے ہر چیز، ہر وجود اور ہر واقعے میں حکمتِ الٰہیہ نظر آئے گی، اور وہ مشاہدہ کرے گا کہ رحمتِ الٰہیہ تمام موجودات پر جلوہ ریز ہے۔ اس طرح یہی عقل ترقی پا کر ایک مرشدِ ربانی کا درجہ اختیار کر جائے گی اور انسان کے لیے ابدی سعادت کے راستے ہموار کر دے گی۔

یا مثال کے طور پر آنکھ جو کہ ایک حس ہے، ایک ایسی کھڑکی کی حیثیت رکھتی ہے جس سے روح اس عالمِ رنگ وبو کا نظارہ کرتی ہے، اگر آپ اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہیں کریں گے اور اسے صرف حظوظِ نفس کے لیے استعمال کریں گے تو یہ بعض خوبصورت لیکن وقتی، عارضی اور زوال پذیر مناظر کا مشاہدہ کرتے ہوئے نفسانی خواہشات وشہوات کو بھڑکانے کے لیے ایک معمولی کارندہ اور ذلیل دلال بن جائے گی۔ لیکن اگر آپ اسے اس کے پیدا کرنے والے کے ہاتھ بیچ دیں گے اور اسے اسی طرح استعمال کریں گے جس طرح وہ راضی رہے تو اس وقت یہی آنکھ کائنات کی اس عظیم کتاب کو پڑھنے والی، اس کا مطالعہ کرنے والی اور موجودات میں صنعتِ الٰہیہ کے معجزات کا مشاہدہ کرنے والی بن جائے گی، یہ شہد کی مکھی کی طرح ہو جائی گی جو زمین کے باغات میں رحمتِ الٰہیہ کے پھولوں کے درمیان اڑتی پھر رہی ہو گی اور مومن کے دل میں عبرت، معرفت اور محبت کے شہد کے قطرے ٹپکا ٹپکا کر اُسے شہادت اور مشاہدے کے نور سے منور کر دے گی۔

یا پھر مثال کے طور پر اگر تم زبان میں پائے جانے والی قوتِ ذائقہ کو اس کے فاطرِ حکیم کے ہاتھ بیچیں گے نہیں اور اس کا استعمال صرف معدے اور نفس پر ہی موقوف رکھیں گے، تو یہ قوت معدے کے کارخانے اور اس کے اصطبل کے ایک معمولی چوکیدار کا درجہ اختیار کر جائے گی اور اس طرح اس کی قیمت بالکل گر جائے گی۔ لیکن اگر تم اسے اپنے رزّاقِ کریم کے ہاتھ بیچ دو گے تو یہ ترقی پا کر رحمتِ الٰہیہ کے خزانوں کا ایک تاجر اور تجربہ کار نگران بن جائے گی، اور قدرتِ صمدانیہ کے باورچی خانوں کا ایک شکر گزار اور قدردان انسپکٹر مقرر ہو جائے گی۔ اس لیے:

اے عقل ودانش! ہوش میں آ، اور اس بات کا ادراک کر کہ ایک منحوس آلہء کار کی کائنات کے خزانوں کی چابی کے سامنے کیا حیثیت ہے؟

اور اے آنکھ اچھی طرح دیکھ کہ: ایک حقیر سے دلال اور مکتبہءِ الٰہیہ کے ماہر نگران کا مقابلہ ہی کیا ہے؟

Marfat.com

اے زبان! اچھی طرح چکھ کر محسوس کر کہ ایک کارخانے یا اصطبل کے چوکیدار اور رحمتِ الٰہی کے خصوصی خزانے کے نگران میں کتنا فرق ہے؟

میرے بھائی! تم جسم کے دیگر تمام اعضاء جوارح کو اس پر قیاس کرو گے تو پھر سمجھو گے کہ مومن واقعتاً ایسی خصوصیات کا اکتساب کرلیتا ہے جو جنت کے لائق ہیں، بالکل ایسے جیسے کافر ایسی کیفیات کا اکتساب کر لیتا ہے جو دوزخ کے لائق ہیں۔ ان دونوں کو یہ مبنی بر عدل علیحدہ علیحدہ بدلہ کیوں ملا؟ صرف اس لیے کہ مومن اپنے ایمان کی بدولت اپنے خالق کی اس امانت کو اس کے نام اور اس کی رضامندی کے دائرے میں استعمال کرتا ہے، اور کافر اس امانت میں خیانت کر کے اسے اپنے نفس امارہ اور اُس کی خواہشات کے مطابق استعمال کرتا ہے۔

چوتھا نفع:۔ انسان کمزور ہے اور اس کو پیش آنے والے مصائب بہت زیادہ ہیں، وہ فقیر ہے لیکن اس کی حاجات و ضروریات بے شمار ہیں۔ وہ عاجز اور لاچار ہے لیکن اس کی گزر بسر کی تکلیفیں کمر توڑ ہیں، اس کے پیشِ نظر اگر انسان اس ذات پر توکل نہ کرے جو بلند اور قدرت والی ہے، اس پر اعتماد نہ رکھے اور اپنے معاملات اس کے سپرد کر کے مطمئن نہ ہو جائے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اندرونی طور پر دائمی آلام و مصائب سے دوچار رہے گا۔ اس کی حسرتیں اور اس کی لاحاصل کوششیں اس کا گلا گھونٹ دیں گی، جس کے نتیجے میں وہ یا تو بدمست نشہ باز بن جائے گا یا پھر چیر نے پھاڑنے والا درندہ۔

پانچواں نفع:۔ اہلِ ذوق، اہلِ کشف اور اہلِ شہود اور اہلِ معرفت کے ہاں اس بات پر اجماعی طور پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ وہ عبادات، اذکار اور تسبیحات جو اعضاء سے اس وقت ادا ہوتی ہیں جب وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی کے مطابق چلتے ہیں، وہ تمام تسبیحات وغیرہ جنت کے پاکیزہ اور لذیذ ترین پھلوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اور یہ پھل آپ کو اس وقت عطا کیے جائیں گے جب آپ کو ان کی سخت ضرورت ہوگی۔ اور اس طرح اس تجارت میں اتنا عظیم نفع پایا جاتا ہے جو مذکورہ پانچ قسم کے منافعوں پر مشتمل ہے۔ بنابریں، اگر آپ یہ سودا بازی یا تجارت نہ کریں تو صرف یہی نہیں کہ ان تمام قسم کے منافعوں سے محروم ہو جائیں گے بلکہ اس سے پانچ قسم کے نقصانات بھی لازم آئیں گے، اور وہ یہ ہیں:

پہلا نقصان:۔ یہ اولاد اور یہ مال جسے تم بہت پیار کرتے ہو، یہ نفسانی خواہشات جن کے عشق میں تم پاگل ہوئے جارہے ہو، یہ زندگی اور یہ جوانی جس پر تم فریفتہ ہو، یہ سب مایا ہے، سب کچھ فنا پذیر اور زوال آشنا ہے۔ سب ختم ہو جائے گا اور اپنے پیچھے اپنے آلام و آثام کا اتنا بوجھ چھوڑ جائے گا جس سے تمہاری کمر دوہری ہو جائے گی۔

دوسرا نقصان:۔ تمہیں ایک امانت میں خیانت کرنے والے آدمی کی سزا ملے گی کیونکہ تم نے انتہائی قیمتی آلات اور انتہائی نفع بخش اعضاء و جوارح کو خسیس ترین اعمال میں ضائع کر کے خود پر ظلم کیا ہے۔

Marfat.com

**تیسرا نقصان:**۔تم نے حکمتِ الٰہی پر افترا پردازی کی اور اس پر ظلم ڈھایا ہے؛ کیونکہ تم نے ان تمام بیش بہا انسانی آلات کو حیوانات کے، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے مرتبے تک گرادیا ہے۔

**چوتھا نقصان:**۔تم ہمیشہ ہلاکت اور تباہی سے دوچار رہو گے اور فراق وزوال اور تکالیفِ حیات کے صدمات اٹھاتے رہو گے اور اُن صدمات اور ان تکالیفِ حیات کے بوجھ تلے کراہتے رہو گے جو تم اپنے کندھوں پر خود لاد چکے ہو، جبکہ تمہارا اور تمہارے عجز وفقر کا چولی دامن کا ساتھ بھی قائم رہے گا۔

**پانچواں نقصان:**۔ عقل، قلب، آنکھ اور خدائے رحمان کی طرف سے عطا کیے گئے ان جیسے دوسرے تحفے تمہیں صرف اس لیے ہبہ کیے گئے ہیں تاکہ یہ تمہیں صرف ابدی سعادت کا دروازہ کھولنے کے لیے تیار کریں، لیکن یہی تحفے اگر ایسی المناک صورت اختیار کر گئے جس سے جہنم کے دروازے کھل جائیں گے، تو یہ صورتِ حال کتنی نقصان دہ ہوگی!

اور اب۔۔۔خود اس تجارت کی کیفیت کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا وہ واقعتاً بہت بوجھل اور تھکا دینے والی ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ اس سے بدکتے اور دور بھاگتے ہیں؟

نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔۔۔اس میں نہ تو کسی قسم کی مشقت ہے اور نہ ہی یہ کسی قسم کی تھکاوٹ یا اضمحلال سے دوچار کرتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ حلال کا دائرہ بہت وسیع، کشادہ اور حدود نا آشنا ہے، اور ہر قسم کی راحت، آسودگی، سعادت اور سرور کے لیے کافی ہے، اس لیے حرام کی طرف آنکھ بھی اٹھانے کی ضرورت نہیں پڑ سکتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں ہم پر فرض کی ہیں بہت ہلکی اور آسان ہیں، اور اللہ کی بندگی فی نفسہ بہت بڑا شرف اور ایک خوشگوار اعزاز ہے؛ کیونکہ اس کا مطلب ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا سپاہی بن جانا۔ اور اس عبودیت یا بندگی میں ضمیر کا وہ سکون پنہاں ہے جو بیان سے باہر ہے۔ رہی بات اس راستے میں ذمہ داری کی، تو وہ یہ ہے کہ تم اس کے حقیقی سپاہی بن جاؤ۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم:

اللہ کے نام سے آغاز کرو

اللہ کے نام سے کام کرو

اللہ کے نام سے دو

اور اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کے لیے دو۔

تمہاری ہر حرکت اور ہر سکون اس کی رضامندی اور اس کے احکام کے دائرے میں رہے، اور اگر اس ضمن میں کوئی کمی کوتاہی ہوجائے تو توبہ واستغفار کا دروازہ تمہارے سامنے کھلا پڑا ہے، اس کی چوکھٹ پر گر جاؤ اور کہو:

اے اللہ! ہماری کوتاہیوں پر پردہ ڈال، ہماری اپنے غلاموں میں شمولیت کو قبول کرلے، اور جو امانت تو نے ہمارے سپرد کی ہے ہمیں اس دن تک اس کا امین بنادے جس دن ہماری تجھ سے ملاقات ہوگی۔

---

Marfat.com

# ساتواں مقالہ

﴿آمَنتُ بِاللّٰہِ وَ بِالْیَوْمِ الْآخِرِ﴾

اگر تم یہ سمجھنا چاہتے ہو کہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان دو کتنی قیمتی چابیاں ہیں جو روحِ انسانی کے لیے کائنات کے طلسم کا راز کھول دیتی ہیں اور موجودات کی چیستان کو لمحوں میں حل کر کے اس کے سامنے خوش بختی، سعادت اور شادمانی کے تمام دروازے کھول دیتی ہیں۔

اگر تم یہ سمجھنا چاہتے ہو کہ انسان کا صبر کا دامن پکڑے ہوئے اپنے خالق پر توکل رکھنا، اور شکر و التجا کا دامن پکڑے ہوئے اپنے رزّاقِ کریم کی بارگاہ میں سراپا سوال و دعا رہنا۔ یعنی صبر اور شکر دونوں کتنے تیر بہدف تریاق اور کامیاب علاج ہیں۔

اگر تم یہ سمجھنا چاہتے ہو کہ قرآن کریم کو غور سے سننا اور اس کے احکامات کے مطابق ڈھل جانا، نمازیں ادا کرنا اور کبیرہ گناہوں سے بچ کر رہنا۔ سفرِ آخرت کے لیے کتنا قیمتی زادِ راہ، قبر کے لیے کتنا تابناک نور اور دائمی زندگی کے سفر اور سیر و سیاحت کے لیے کتنا آسانی سے دستیاب ہونے والا ٹکٹ ہے۔

جی ہاں! اگر تم یہ تمام چیزیں سمجھنا چاہتے ہو تو میں آپ کو ایک چھوٹی سے تمثیلی کہانی سناتا ہوں اسے غور سے سنو:

ایک دفعہ ایک فوجی جوان میدانِ حرب و ابتلا اور نفع و نقصان کی کشمکش میں ایک بڑی ہی گھمبیر صورتِ حال سے دوچار ہو گیا۔ اور وہ اس طرح کہ: اس کے جسم کے دائیں اور بائیں دونوں طرف گہرے زخم آ گئے تھے جس کی وجہ سے وہ چلنے سے لاچار ہو گیا تھا، اس کے پیچھے ایک خطرناک شیر تھا جو اس پر حملہ کرنے کی تاک میں تھا۔ اس کے سامنے پھانسی کا پھندا تھا جو اس کے تمام پیاروں کو ہلاکت کے گھاٹ اُتار چکا تھا اور اس کے انتظار میں تھا۔ مزید یہ کہ اس کے سامنے بچ جانے کی صورت میں جلاوطنی کا ایک طویل اور مشقت بھرا سفر تھا۔ وہ نصیبوں مارا مسکین آدمی مایوسی کے عالم میں اپنی اس المناک صورتِ حال سے نکلنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک نیک طلعت، نورانی چہرہ اور خیر خواہ قسم کے خضر صورت بزرگ اس کے دائیں طرف ظاہر ہوئے اور اس سے کہنے لگے:

''مایوس نہ ہو، میں ابھی تمہیں دو طلسم سکھاتا ہوں، اگر تم ان کا صحیح استعمال کر لو گے تو پھر یہ بپھرا ہوا شیر تمہاری خدمت بجا لانے کے لیے ایک فرماں بردار گھوڑا بن جائے گا۔ اور یہ پھانسی کا پھندا ایک آرام دہ نرم و گداز جھولا بن جائے گا جس سے تمہارا دل مانوس ہوگا۔ اور میں ابھی تمہیں دو دوائیں دیتا ہوں، اگر تم انہیں صحیح طریقے سے استعمال کرو گے تو یہ تمہارے

Marfat.com

ان رستے ہوئے دونوں بدبودار زخموں کو خوشبودار محمدی پھولوں میں تبدیل کر دیں گی، اور میں ابھی تمہیں سفر کے لیے ایک ٹکٹ دوں گا جس کی مدد سے تم پورے ایک سال کی مسافت صرف ایک دن میں اس طرح طے کر لو گے جیسے کہ خود اپنے پروں سے اُڑ رہے ہو اگر تمہیں میری ان باتوں کا یقین نہ ہو تو ایک دفعہ تجربہ کر کے دیکھ لو، تمہیں ان باتوں کی سچائی کا یقین ہو جائے گا۔ سپاہی نے تھوڑا سا تجربہ کیا تو اسے تمام باتیں سچی، درست اور بجا معلوم ہوئیں۔

جی ہاں! میں مسکین ''سعید'' بھی ان باتوں کی تصدیق کرتا ہوں؛ کیونکہ میں نے اس چیز کا کچھ تجربہ کیا ہے اور اسے بالکل صحیح، سچ اور درست پایا ہے۔

پھر اس پر تھوڑی سی غفلت طاری ہوئی تو اس نے اپنی بائیں طرف سے ایک عیاش مکار، سازشی اور شیطان صورت آدمی کو آتے دیکھا، اس کے پاس کچھ قیمتی قسم کا سامانِ آرائش، کچھ حسین تصویریں، منشیات اور اس طرح کے دیگر گمراہ کن ہتھیار تھے۔ وہ آدمی اس سپاہی کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور اسے کہنے لگا:

آؤ دوست آؤ! آؤ تھوڑی دیر حسین عورتوں کی یہ تصویریں دیکھیں اور دل بہلائیں، یہ رنگا رنگ سریلے گانے سنیں اور ان لذیذ کھانوں سے لذت اندوز ہوں۔ لیکن یہ بتاؤ کہ:

سوال: یہ تم زیرِ لب کیا بڑبڑا رہے ہو؟

جواب: یہ ایک طلسم ہے۔

اس بے معنی پہیلی کو دفع کرو اور رنگ میں بھنگ نہ ڈالو، اور حاضر مستی سے لطف اٹھاؤ۔

سوال: اور ہاں، یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

جواب: یہ دوائی ہے۔

اسے پرے پھینکو، تم تو صحیح سالم اور تندرست ہو، تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سب چھوڑو اور عیش و طرب کی اس گھڑی کی توہین نہ کرو۔

سوال: اور یہ تمہارے ہاتھ میں کاغذ کا پرزہ سا کیا ہے جس پر پانچ نشان لگے ہوئے ہیں؟

جواب: یہ سفر کا ٹکٹ اور راشن کارڈ ہے۔

اسے پھاڑ پھینکو، بہار کے اس کیف آور اور دل فریب موسم میں ہمیں کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور یوں اس شیطان صفت آدمی نے اس سپاہی کو پٹڑی سے اتارنے کے لیے مکر و فریب کا ہر حربہ آزمایا، یہاں تک کہ وہ مسکین کسی حد تک اس کی باتوں سے متاثر ہو کر اس کی طرف مائل ہونا شروع ہو گیا۔

جی ہاں! انسان اسی طرح دھوکہ کھا جاتا ہے۔ میں بھی ایسے فریب کاروں کے جھانسے میں آیا تھا! پھر اچانک دائیں

Marfat.com

جانب سے ایک گرجدار آواز گونجی:

خبردار! دھوکہ نہ کھانا......اور اس خبیث فریبی سے کہو:

''اگر تو میرے پیچھے کھڑے اس خونخوار شیر کو مار سکتا ہے، اگر تو میرے سامنے لگے ہوئے پھانسی کے چوکھٹے کی لکڑیاں اکھاڑ کر پھینک سکتا ہے، اگر تو مجھے میرے دائیں بائیں لگے زخموں سے نجات دلا سکتا ہے، اگر تو مجھے درپیش طویل سفر کی مشقت سے بچا سکتا ہے۔

جی ہاں! اگر تو یہ سب کچھ کر سکتا ہے اور ان تمام مشکلوں کا حل نکال سکتا ہے تو کچھ کر کے دکھا۔ اگر تو نے ایسا کر لیا تو پھر تو مجھے دعوتِ عیش وطرب دینے کا حق رکھتا ہے۔ اور اگر نہیں کر سکتا تو پھر اے مورکھ! چپ رہ، اور اس خضر صورت بزرگ آدمی کو موقع دے کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے کہے''۔

سوائے میرے جوانی میں قہقہے لگانے والے اور اب جوانی کے اُنہیں دنوں پر رونے والے من! تمہیں علم ہونا چاہیے کہ وہ پھنسا ہوا لاچار سپاہی تُو یعنی انسان ہے، اور وہ شیر آخری وقت ہے، پھانسی کے چوکھٹے کی لکڑیاں جو ہیں وہ موت، زوال اور فراق ہیں جن سے ہر جاندار دوچار ہوتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ ہمارا ہر محبوب ہمیں یکے بعد دیگرے داغِ جدائی دیے جا رہا ہے اور شب وروز ہمیں الوداع کہہ کر اپنی راہ ناپ رہا ہے؟ باقی رہے وہ دو گہرے زخم: تو ان میں سے ایک تو انسان کی وہ بے حد وحساب عاجزی اور درماندگی ہے جو اسے ایک پل بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی اور دوسرا زخم: انسان کی وہ بے پایاں فقیری اور محتاجگی ہے جو اسے ہمیشہ رنج والم سے دوچار رکھتی ہے۔ اور وہ جو جلاوطنی اور طول طویل سفر ہے، اس سے مراد انسان کا امتحان اور اس کی آزمائش کا طویل ترین سفر ہے، جو عالمِ ارواح سے شروع ہوتا ہے اور رحمِ مادر، بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپے۔ پھر دنیا، قبر، برزخ، حشر اور پل صراط تک پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اور باقی رہے وہ دو طلسم یا وظیفے، تو ان سے ایک تو اللہ پر ایمان ہے اور دوسرا یومِ آخرت پر ایمان۔

جی ہاں! بے شک اس قُدسی وظیفے کے طفیل موت شیر کی بجائے ایک سدھائے ہوئے وفادار گھوڑے کا روپ دھار لیتی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ براق کا روپ دھار لیتی ہے۔ اور مردِ مومن کو دنیا کے قید خانے سے نکال کر باغِ بہشت میں لے جاتی ہے۔ رحمانِ ذوالجلال کے باغ میں۔ یہی وجہ ہے کہ اولیائے کاملین موت سے پیار کرتے ہیں اور اس کی طلب میں رہتے ہیں، کیونکہ وہ اسکی حقیقت سے آگاہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ پھر زمانے کی گردش، اس کا ہر چیز کو روند کر نکل جانا، اور پھر اس میں فراق، زوال اور موت ووفات کا نفوذ، یہ سب چیزیں اس ایمانی طلسم کی وجہ سے ایک ایسی چمکدار صورت اختیار کر جاتی ہیں جو انسان کو ___ ہر چیز میں نیا پن ہونے کی وجہ سے ___ نیا پن دیکھنے پر آمادہ رکھتی ہیں۔

بلکہ یہ چیز صانع ذوالجلال کی نیرنگئی ایجاد اور سمجھ سے بالاتر قدرت کے معجزات کے رنگارنگ مناظر، اور مکمل لطف

Marfat.com

اندوزی اور سوز و سرور سے بھری نظر کے ساتھ اس کی رحمت کی تجلیات کے مشاہدے پر ابھارنے کا باعث بنتی ہے، یعنی یہ سارے آلام و مصائب ان وسائل اور ذرائع کا روپ دھار لیتے ہیں جن کے ذریعے انسان ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں قدرت اور لامحدود رحمت کا جلوہ دیکھ سکتا ہے، بالکل ایسے جیسے سورج کی روشنی کے رنگوں کو منعکس کرنے والے آئینوں سے منعکس ہونے والی رنگین روشنیاں اور سینما ہال کے پردۂ سکرین پر ابھرنے والی تصویریں تبدیلی کے عمل سے گزر کر زیادہ دلکش اور جاذبِ نظر مناظر کا روپ دھار لیتی ہیں۔

اور جہاں تک تعلق ہے ان دو قسم کی دواؤں کا: تو ان میں سے ایک تو اللہ پر توکل کرنا اور صبر سے مزین ہونا ہے، یعنی خالق کریم کی قدرت پر اعتماد اور اس کی حکمت پر مکمل بھروسا۔

کیا واقعتاً ایسا ہی ہے؟

جی ہاں! جو آدمی اپنے "عجز" کے مشغلے کے زیر اثر کائنات کے اس شہنشاہ پر بھروسا کرے گا جو "کُن فیکُون" کا مالک ہے، وہ پریشان اور بے قرار ہو ہی نہیں سکتا ہے، بلکہ وہ تو اللہ پر بھروسا کرتا ہوا، دل کے اطمینان اور روح کی تسلی سے بھرا ہوا ﴿انا للّٰه و إنا إليه راجعون﴾ پڑھتا ہوا کٹھن اور کٹھور قسم کی مصیبتوں کے آگے بھی ثابت قدم رہے گا!

جی ہاں! ایک عارف باللہ آدمی اپنے عجز و انکسار اور خدا خوفی سے لذت اٹھاتا ہے۔ جی ہاں خوف میں لذت ہوتی ہے۔ اگر ہم ایک سال کے بچے سے یہ فرض کرتے ہوئے کہ یہ سمجھدار بھی ہے اور بول بھی سکتا ہے۔ یہ پوچھ سکیں کہ: تیری زندگی کے سب سے زیادہ پر کیف اور پر لذت لمحے کون سے ہوتے ہیں؟ وہ حالت جب مجھے اپنی عاجزی، کمزوری اور لاچاری کا ادراک ہوتا ہے اور میں اپنی ماں کے لذیذ طمانچے سے ڈر کر اس کے شفقت بھرے سینے کی پناہ میں آجاتا ہوں اور یہ بات ذہن میں رہے کہ دنیا کی تمام ماؤں کی شفقت اور مہربانی اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کی تجلیات میں سے ایک تجلی کی ایک چھوٹی سی جھلک ہے۔ اسی بنا پر کامل ایمان سے بہرہ یاب لوگوں نے عجز و انکسار اور خوفِ خدا میں ایسی لذت پائی ہے جس کا مقابلہ کوئی بھی لذت نہیں کر سکتی ہے، حتیٰ کہ اُنہوں نے اپنی کسی بھی قسم کی طاقت اور قوت سے دستبرداری کا اظہار کر کے اور اپنی عاجزی انکساری اور لاچاری کا دامن پکڑ کر اللہ وحدہ لاشریک کی جناب میں پناہ حاصل کی، اور اپنے عجز و انکسار اور اپنی خدا خوفی کو اپنے پروردگار کی جناب میں ایک سفارش کرنے والے وسیلے کے طور پر پیش کیا۔

اور جہاں تک تعلق ہے دوسری دوا کا: تو وہ ہے دعا اور سوال، اور پھر جو ملا ہے اس پر قناعت اور شکر، اور پھر الرّزاق الرّحیم کی بے پایاں رحمت پر بھروسا۔

کیا واقعتاً ایسے ہی ہے؟

جی ہاں! جو اس ذات پاک کا مہمان ہو جس نے اس کے لیے روئے زمین کو نعمتوں سے بھرا ہوا دسترخوان بنا دیا ہے،

Marfat.com

اس دسترخوان کی زینت کو چار چاند لگانے کے لیے موسم بہار کو پھولوں کا ایک خوشنما گلدستہ بنا کر اس کے ایک جانب سجا کر رکھ دیا ہے، بلکہ یہ خوبصورت پھول اس پر جا بجا بکھیر دیے ہیں، بے شک جو ایسی سخی، داتا اور فیاض ذات کا مہمان ہوگا اس کے لیے فقر اور ضرورت ایک المناک، تکلیف دہ اور بوجھل چیز کیونکر ہو سکتی ہے؟ بلکہ وہ اپنے فقر و فاقہ کو ایک اچھی قسم کی بھوک کا رُوپ دے دیتا ہے، اور یوں وہ اس فقر و فاقہ کا بھوکا بن کر اس کے مزید حصول کے لیے تگ و دو کرتا ہے۔ بالکل ایسے جیسے کوئی اپنی بھوک کو بڑھانا اور اس میں اضافہ چاہتا ہو۔ یہیں سے یہ راز کھل جاتا ہے کہ اولیاءِ کاملین اپنے آپ کو اللہ کا فقیر بنا کر اور کہلوا کر فخر کیوں محسوس کرتے ہیں! یاد رہے کہ فقر سے ہماری مراد یہ ہے کہ انسان اپنی مفلسی اور احتیاج کا اظہار صرف اللہ کی بارگاہ میں کرے، اسی کی چوکھٹ پر گڑگڑائے اور صرف اسی کے در کا سوالی رہے، نہ کہ اس سے یہ مقصود ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنی غربت کا ڈھنڈورا پیٹتا رہے، اپنے آپ کو ان کے سامنے ذلیل کر کے ان سے مدد مانگتا رہے!

باقی رہا وہ ٹکٹ یا کارڈ:

تو اس سے مراد تمام فرائض کی ادائیگی اور کبیرہ گناہوں سے کنارہ کش رہنا ہے، اور فرائض میں نماز سرِ فہرست ہے۔

کیا واقعتاً ایسے ہی ہے؟

جی ہاں! علماءِ محققین اور اَولیائے صالحین میں سے تمام اہلِ معرفت، اہلِ ذوق اور اہلِ کشف و شہود اس بات پر متفق ہیں کہ ابدُ الآباد راستے کا زادِ راہ اور اس طویل اور تاریک راستے کا ذخیرہ، اس کی روشنی اور اس کی بُراق صورت سواری صرف اور صرف قرآن کریم کے اوامر و نواہی پر کاربند ہونا ہے، یعنی وہ چیز جس کا وہ حکم دے اسے آویزۂ گوش اور حرزِ جان بنا لیا جائے اور جس سے وہ منع کرتا ہے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔ وگرنہ یہ سائنس، یہ فلسفہ، یہ حکمت، یہ دانش، یہ آرٹ اور یہ مہارت اس راستے میں سب بیکار ہیں اُن کی روشنی قبر کے دروازے تک ساتھ دے گی پھر بجھ جائے گی۔

سوائے میرے ست اور کاہل من!

پانچ نمازوں کو اہتمام سے ادا کرنا اور ساتوں کبیرہ گناہوں سے کنارہ کش رہنا، کتنا سہل، آسان، راحت افزا اور سکون بخش ہے، اور اس کے فوائد و نتائج اور ثمرات کتنی عظمت کے حامل ہیں! میرا خیال ہے کہ اگر تم میں سوچنے سمجھنے کی ذرا بھی صلاحیت ہے تو یہ چیز لازمی سمجھ جاؤ گے! بات جب ایسے ہی ہے تو پھر تم ہر اس آدمی سے جو تمہیں فسق و فجور، لہو و لعب، اور ان جیسے کسی اور پاگل پن میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، اور اس خبیث اور مکار شیطان سے واشگاف الفاظ میں کہہ دو کہ:

اگر تیرے پاس کوئی ایسا وسیلہ ہے جس سے موت قتل ہو سکے، جس سے دنیا زوال سے چھٹکارا پا کر ابدیت آشنا ہو جائے، اگر تیرے پاس کوئی ایسی دوا ہے جو نوعِ انسانی کو عجز اور فقر کی بیماری سے شفا دلا دے، اور اگر تیرے پاس کوئی ایسا

Marfat.com

حیلہ ہے جس سے قبر کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو سکے، تولاؤ پیش کرو، اور جو کہنا چاہتے ہو کہو، میں سراپا گوش ہوں، جو منوانا چاہتے ہو منواؤ میں سراپا اطاعت ہوں۔لیکن اگر ایسا کچھ نہیں کر سکتے ہو تو پھر چپ رہو؛ کیونکہ قرآن پاک موجودات کی اس عظیم مسجد میں کائنات کی آیات کی تلاوت کر رہا ہے، آؤ ان آیات کو سنیں، ان کی روشنی سے اپنے دل و دماغ کو منور کریں اور اس کی پر حکمت رہنمائی پر عمل کریں تاکہ ہماری زبانیں اس کے ذکر اور اس کی تلاوت سے بھیگی رہیں۔

جی ہاں! بات وہی ہے جو قرآن کرتا ہے۔ اور وہ سچ کہتا ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جو حقائق کو آشکار کرتی ہے اور کائنات میں حکمت کی نورانی آیات نچھاور کرتی ہے۔"

(حاشیہ:۱) اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوبَنَا بِنُورِ الْإِيمَانِ وَالْقُرْآنِ. اَللّٰهُمَّ أَغْنِنَا بِالْإِفْتِقَارِ إِلَيْكَ وَلَا تُفْقِرْنَا بِالْإِسْتِغْنَاءِ عَنْكَ. تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مِنْ حَوْلِنَا وَقُوَّتِنَا وَالْتَجَأْنَا إِلَى حَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ، فَاجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَوَكِّلِينَ عَلَيْكَ وَلَا تَكِلْنَا إِلَىٰ أَنْفُسِنَا. وَاحْفَظْنَا بِحِفْظِكَ وَارْحَمْنَا وَارْحَمِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ. وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلَىٰ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَصَفِيِّكَ وَخَلِيلِكَ وَجَمَالِ مُلْكِكَ وَمَلِيكِ صُنْعَتِكَ وَعَيْنِ عِنَايَتِكَ، وَشَمْسِ هِدَايَتِكَ وَلِسَانِ مَحَبَّتِكَ وَمِثَالِ رَحْمَتِكَ وَنُورِ خَلْقِكَ وَشَرَفِ مَوْجُودَاتِكَ وَسِرَاجِ وَحْدَتِكَ فِي كَثْرَةِ مَخْلُوقَاتِكَ وَكَاشِفِ طِلَسْمِ كَائِنَاتِكَ وَدَلَالِ سَلْطَنَةِ رُبُوبِيَّتِكَ وَمُبَلِّغِ مَرْضِيَاتِكَ وَمُعَرِّفِ كُنُوزِ أَسْمَائِكَ وَمُعَلِّمِ عِبَادِكَ وَتَرْجُمَانِ آيَاتِكَ وَمِرْآةِ جَمَالِ رُبُوبِيَّتِكَ وَمَدَارِ شُهُودِكَ وَأَشْهَادِكَ وَحَبِيبِكَ وَرَسُولِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَهُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ وَعَلَىٰ إِخْوَانِهِ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَىٰ مَلَائِكَتِكَ الْمُقَرَّبِينَ وَعَلَىٰ عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ......آمین

---

(حاشیہ:۱) اے اللہ! ہمارے دلوں کو ایمان اور قرآن کی روشنی سے منور کر دے۔ اے اللہ! ہمیں اپنا فقیر بنا کر بے پرواکر دے اور اپنے در سے بے پرواکر کے فقیر نہ بنا۔ ہم اپنی ہر قسم کی طاقت اور قوت سے دستبردار ہیں اور تیری طاقت اور قوت کی پناہ میں آتے ہیں، اس لیے ہمیں ایسا بنا دے کہ صرف تجھی پر توکل کریں، ہمیں ہمارے حال پر مت چھوڑنا۔ اپنی خصوصی حفاظت کے ذریعے ہماری حفاظت کا انتظام فرما اور ہم پر اور تمام مومن مردوں اور عورتوں پر رحم فرما۔ اے اللہ! ہمارے اس آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود اور سلام کی برکھا برسا، جو تیرے عبد ہیں، تیرے پیغمبر ہیں، تیرے برگزیدہ ہیں، تیرے دوست ہیں، تیری بادشاہت کا حسن و جمال ہیں تیری مملکت کے بادشاہ ہیں تیری عنایات کا سرچشمہ ہیں، تیری رہنمائی کا سورج ہیں، تیری محبت کی زبان ہیں، تیری رحمت کی مثال ہیں، تیری تخلیق کا نور ہیں، تیرے موجودات کا شرف ہیں، تیری مخلوقات کی کثرت میں تیری وحدت کا چراغ ہیں، تیری کائنات کے طلسمی راز سے پردہ اٹھانے والے ہیں، تیری ربوبیت کی سلطنت کے راہنما ہیں، تیرے ناموں کے خزانوں کی پہچان کروانے والے ہیں، تیرے بندوں کے معلم ہیں، تیری آیات کے ترجمان ہیں تیری ربوبیت کے جمال کا آئینہ ہیں، تیرے گواہوں کا مرکز اور دار و مدار ہیں، اور تیرے وہ محبوب اور تیرے وہ رسول ہیں جنہیں تو نے رحمة للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ اور آپ کی آل اور تمام صحابہ پر، آپ کے نبی اور رسول بھائیوں پر، اور اپنے مقرب فرشتوں اور تمام صالح بندوں پر درود و سلام بھیج"۔

Marfat.com

# آٹھواں مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْم﴾

﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَام﴾

اگر تم یہ بات سمجھنا چاہتے ہو کہ یہ دنیا کیا ہے اور اس میں روحِ انسانی کا کیا کردار ہے، انسان کے لیے دین ایک کتنی قیمتی چیز ہے، اور یہ کہ اگر دین حق نہ ہوتا تو کس طرح دنیا ایک خوفناک قید خانے میں تبدیل ہو جاتی، اور یہ کہ ملحد آدمی ایک آخری درجے کی بدنصیب مخلوق ہے، اور یہ کہ جو چیز اس کائنات کے طلسم اور حیرت انگیز چیستان کا حل پیش کرتی ہے اور روحِ انسانی کو تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں میں لاتی ہے وہ چیز ہے "یااللّٰہ"... "لا الٰہ الا اللّٰہ" ---جی ہاں! اگر تم یہ سب کچھ سمجھنا چاہتے ہو تو اس تمثیلی کہانی کو غور سے سنو اور پھر تھوڑی دیر کے لیے اس میں سوچ بچار کرو۔

پہلے زمانے میں دو سگے بھائی اکٹھے سیر و سیاحت کے لیے نکلے، وہ برابر چلتے رہے تا آنکہ ایک دوراہے پر پہنچ گئے، وہاں انہیں ایک باوقار قسم کا آدمی کھڑا ہوا ملا، ان دونوں نے اس سے پوچھا: "یہ دو راستے ہیں، ہمارے لیے ان دونوں میں سے بہتر کون سا رہے گا؟ اس نے کہا: "دائیں راستے میں قانون اور نظام کی پابندی ضروری ہے مگر امن و امان اور خوش نصیبی ملے گی، جبکہ بائیں طرف والے راستے میں اگرچہ کسی قسم کے قانون یا نظام کی کوئی پابندی تو نہیں ہے لیکن اس کے نتیجے میں تمہیں ہلاکت اور بدنصیبی ملے گی۔ اب تمہاری مرضی ہے جدھر چاہو چلے جاؤ۔"

یہ بات سننے کے بعد اچھی طبیعت رکھنے والا بھائی "تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہ" کہتے ہوئے دائیں طرف کو چل دیا، اور اس نے بطیبِ خاطر راضی خوشی قانون اور نظام کی پابندی کو قبول کر لیا۔ جبکہ دوسرے گمراہ، بداخلاق، نانجار، اور غیر ذمہ دار بھائی نے صرف اس خوف سے کہ اِدھر مجھے پابندیاں سہنی پڑیں گی اور اُدھر آزادی ہی آزادی ہے، بائیں طرف والے راستے کو اختیار کیا۔

اس طرح یہ شخص گہری وادیوں، بلند و بالا پہاڑوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کو عبور کرتا ہوا ایک لق و دق وحشتناک صحرا میں جا پہنچا۔ اچانک اس نے وہاں ایک خوفناک آواز سنی، دیکھا تو ایک بپھرا ہوا شیر نظر آیا جو اس پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے، وہ خوف و ہراس سے بوکھلا کر تیزی سے ایک طرف کو بھاگ کھڑا ہوا، اچانک اس کے سامنے ایک خشک کنواں آ گیا جو ساٹھ (60) گز گہرا تھا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور جان بچانے کے لیے اس میں چھلانگ لگا دی، نیچے گرتے ہوئے اس

Marfat.com

کے ہاتھ ایک درخت سے ٹکرا گئے، اس نے جلدی سے اسے پکڑ لیا، اس درخت کی دو جڑیں تھیں جو کنویں کی دیوار پر پھیلی ہوئی تھیں اور دونوں کو دو عدد چوہے اپنے تیز دانتوں سے جلدی جلدی کاٹ رہے تھے، ان میں سے ایک چوہے کا رنگ سفید تھا دوسرے کا کالا، اس نے گھبرا کر اوپر دیکھا تو دیکھا کہ شیر کنویں کی منڈیر پر چوکیدار کی طرح اس کے انتظار میں بے تاب کھڑا تھا، اس نے پریشان ہو کر نیچے دیکھا تو اس کے تو گویا اوسان ہی خطا ہو گئے، اس نے دیکھا کہ اس سے صرف تیس (30) گز کے فاصلے پر ایک بہت بڑا اژدھا سر اٹھائے پھنکارتا ہوا اس کی طرف بڑھ رہا ہے، اور اس کا کھلا ہوا منہ اتنا چوڑا تھا جتنا کہ خود کنواں تھا۔ پھر اس نے دیکھا کہ اس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے ڈسنے والے موذی کیڑے مکوڑے بھاگے پھر رہے تھے، اس نے خود درخت کی طرف دیکھا تو پتہ چلا کہ وہ درخت تو انجیر کا تھا لیکن معمول سے ہٹ کر وہ اخروٹ سے لے کر انار تک ہر قسم کے پھلوں سے بھرا ہوا تھا۔

یہ آدمی اپنی بدفہمی اور حماقت کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ یہ کوئی معمول کا عام واقعہ نہیں تھا۔ اور نہ یہ ممکن تھا کہ ایسی چیزیں بغیر قصد و ارادہ کے اتفاقاً ظہور میں آ جائیں! اور وہ یہ چیز بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ان عجیب و غریب واقعات میں بڑے انوکھے قسم کے راز پنہاں ہیں! وہ نادان یہ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ان تمام چیزوں کے پیچھے ایک ایسی ذات کا ہاتھ ہے جو ان تمام چیزوں کے نظم و ضبط کو قائم رکھ رہی ہے۔ اور انہیں حرکت میں رکھے ہوئے ہے! ابھی اس آدمی کا دل اس المناک صورت حال پر رو ہی رہا تھا، اس کی روح فریاد کر رہی تھی اور اس کی عقل حیران تھی، کہ اچانک اس کے نفسِ امارہ نے ان تمام حالات سے بے پروائی دکھاتے ہوئے، دل کی آہ و زاری اور روح کی چیخ و پکار سے کان بند کر کے اور خود فریبی سے مغلوب ہو کر اس درخت سے پھل توڑ توڑ کر کھانے شروع کر دیے، اور ایسی ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، حالانکہ ان میں سے کچھ پھل بہت زہریلے اور نقصان دہ تھے۔ اور یوں اس بدبخت کے ساتھ اسی قسم کا معاملہ کیا گیا جس کی حقیقت اس حدیثِ قدسی میں بتائی گئی ہے:

﴿أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ﴾ (حاشیہ:۱)

مطلب یہ ہے میں اپنے بندے کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہوں جس طرح کا وہ میرے بارے میں گمان رکھتا ہے، اس لیے اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا، اور آئندہ بھی اس کے ساتھ کچھ اسی طرح کا سلوک ہوگا۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کیا جائے۔ یہ گویا اس کی اس منفی سوچ کی سزا ہے کہ وہ جس چیز کو بھی دیکھتا تھا اس کے بارے میں یہی سمجھتا تھا کہ یہ معمول کی بات ہے اور اصل حقیقت یہی ہے، یہ سوچتا ہی نہیں تھا کہ اس کے پیچھے ایک کامل اور مکمل ارادہ کارفرما ہے۔ اور اس کی اس منفی سوچ کا سرچشمہ اس کی بدگمانی اور گونگا بہرا مورکھ پن تھا، اس کی سزا اسے یہ ملی کہ

(حاشیہ:۱) صحیح بخاری، کتاب التوحید: ۱۵، صحیح المسلم، کتاب التوبہ، جامع ترمذی، کتاب الدعوات، ۱۳۲ (مترجم)۔

Marfat.com

وہ عذاب کی آگ میں اس طرح جل رہا ہے کہ نہ تو مر کر چھٹکارا پا رہا ہے اور نہ معززانہ زندگی بسر کر سکتا ہے۔

اب ہم اس منحوس کو تھوڑی دیر یہیں عذاب میں غلطاں پیچاں چھوڑ کر دیکھتے ہیں کہ دوسرے بھائی کے ساتھ کیا بیتی۔

یہ خوش نصیب اور عقل مند آدمی دوسرے بھائی کی طرح کسی تنگی اور مشقت کا سامنا کیے بغیر سفر کرتا رہا؛ کیونکہ وہ خود اچھے اخلاق کا مالک تھا اس لیے اس کی نگاہ صرف خوبصورت چیز پر جا کر ٹکتی تھی اور اُس کے سمندِ خیال کی لگام جس چیز کی طرف بھی مڑتی تھی وہ چیز اسے سراپا جمال اور عمدہ ترین لگتی تھی، اس لیے وہ ہر چیز کے ساتھ مانوس ہو جاتا اور اپنے بھائی کی طرح کسی بھی صعوبت اور مشقت سے دوچار نہ ہوا؛ وجہ اس کی سادہ سی ہے، اور وہ یہ کہ وہ نظام کے بارے میں علم رکھتا تھا اور ہر قدم قانون اور دوستی کے دائرے میں اٹھاتا تھا، اس لیے اس کی ہر مہم آسان ہوتی چلی جاتی تھی اور وہ سلامتی اور امن واستقرار کے سائے میں آزادی کے ساتھ محوِ سفر رہا۔۔۔حتیٰ کہ ایسے باغ میں پہنچ گیا جو خوبصورت پھولوں اور پر لطف لذیذ پھلوں سے بھرا ہوا تھا، اور صفائی ستھرائی کے عدمِ اہتمام کی وجہ سے اس میں مرے ہوئے جانور اور دیگر بدبودار چیزیں ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں- یاد رہے کہ اس کا بھائی بھی اس سے پہلے اس جیسے باغ میں داخل ہوا تھا، اس فرق کے ساتھ کہ اس کی نظر صرف مردہ جانوروں اور بدبودار چیزوں میں اٹکی رہی جس کی وجہ سے اس کا جی متلانے اور سر چکرانے لگ گیا تھا، اس لیے اس نے اپنا اگلا سفر جاری رکھنے کے لیے وہاں کچھ دیر آرام بھی نہ کیا اور فوراً وہاں سے نکل گیا- لیکن اِس بھائی کے پیشِ نظر یہ قاعدہ رہا ''**ہمیشہ ہر شے کا خوبصورت پہلو دیکھو**''۔ اس لیے اس نے ان مرداروں اور بدبودار چیزوں کی طرف مطلق التفات نہ کیا اور باغ کے پھلوں پھولوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور وہاں خوب آرام کر کے اپنے راستے پہ ہو لیا۔

چلتے چلتے وہ بھی اپنے بھائی کی طرح ایک لق ودق صحرا اور وسیع وعریض جنگل میں داخل ہوا، اور اس نے بھی وہاں اچانک ایک شیر کی دھاڑ سنی، جو اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا، جس سے اس پر خوف طاری ہو گیا تھا، لیکن اس کا یہ خوف اس طرح کا نہیں تھا جو اس کے بھائی پر طاری ہوا تھا، وہ چونکہ حسنِ ظن اور خوبصورت فکر کا مالک تھا، اس لیے اس نے اپنے دل میں یہ سوچتے ہوئے کہا: اس چٹیل صحرا کا کوئی حاکم ضرور ہے اور یہ شیر اس کا ایک وفادار اور ذمہ دار خادم ہے۔ اس سوچ سے اسے کافی حد تک اطمینان حاصل ہوا، تاہم وہ وہاں سے بھاگ ضرور پڑا، اور بھاگتا رہا حتی کہ ایک ویران خشک کنویں تک جا پہنچا جس کی گہرائی ساٹھ (60) گز تھی، اس نے جھٹ اس میں چھلانگ لگادی، کنویں کے نصف راستے میں پہنچا تو اس کا ہاتھ ایک درخت کے ساتھ جا ٹکرایا، اس نے اُسے مضبوطی سے پکڑ لیا، اور اس طرح وہ کنویں کے اندر معلق ہو گیا۔۔۔ پھر اس نے دیکھا کہ دو چوہے اس درخت کی دو جڑوں کو آہستہ آہستہ کاٹتے چلے جارہے ہیں۔۔۔ اس نے اوپر دیکھا تو شیر نظر آیا، اور نیچے دیکھا تو موٹا تازہ اژدھا منہ کھولے ہوئے تھا۔ اس نے خود کو بہت ہی پریشان کن حالت میں پھنسا ہوا پایا، وہ خوفزدہ ہو گیا لیکن اس پر طاری ہونے والا خوف اس خوف سے ہزار گنا کم تھا جو اس کے بھائی پر طاری ہوا تھا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

اسے اُس حسنِ خلق اور اس حسنِ فکر کی دولت سے مالا مال کیا ہوا تھا جس کے ہوتے ہوئے انسان کو ہر چیز کا صرف روشن پہلو نظر آتا ہے، اس بنا پر اس نے سوچا: یہ جتنے بھی عجیب وغریب واقعات ظہور میں آ رہے ہیں، لامحالہ ان سب کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور یہ ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں ہیں، اور یہ سب کے سب اس بات کو ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ سب کسی نہ کسی حکم سے حرکت کر رہے ہیں، اس لیے یہ ضروری ہے کہ ان حیران کن واقعات میں کوئی بہت بڑا پوشیدہ راز اور طلسم ہے۔

جی ہاں! یہ تمام چیزیں ایک نظروں سے غائب حکمران کے اوامر کی تابع ہیں، بنا بریں! میں یہاں اکیلا نہیں ہوں بلکہ میں اس نظر نہ آنے والی حکمران ہستی کی نظروں میں ہوں، وہ میرا خیال رکھتی ہے اور اس وقت میرا امتحان لے رہی ہے اور کسی خاص حکمت کے تحت وہ مجھے چلاتی پھراتی اس جگہ تک لے آئی ہے۔ اس کے اس حسنِ فکر اور خوشگوار خوف نے اس کے اندر ایک عجیب سا شوق ابھار دیا، جس سے اس کے دل میں سوال پیدا ہوا کہ: ''وہ کون ہستی ہے جو مجھے آزما رہی ہے اور مجھے اپنی پہچان کروانا چاہ رہی ہے؟ وہ کون ہستی ہے جو مجھے ایسے عجیب وغریب راستوں پر چلا رہی ہے؟ پھر تعارف کے اس شوق سے اس طلسم کے خالق کے ساتھ محبت ابھری اور اس محبت سے اس طلسم کو حل کرنے کی رغبت بھڑک اٹھی، اور اس رغبت سے یہ رغبت پیدا ہوئی کہ ایسی وضع قطع اختیار کرنی چاہیے جو اس طلسم کے خالق کی بارگاہ میں بار پا جائے اور وہ حلیہ اپنانا چاہیے جسے وہ چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے،

پھر اس کی نظر درخت کی چوٹی پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ یہ درخت تو انجیر کا ہے لیکن ٹہنیوں کے سروں پر ہزار ہا قسم کے پھل فروٹ لگے ہوئے ہیں، یہاں آ کر اس کا خوف وہراس بالکل ہی ختم ہو گیا؛ کیونکہ اسے یہ بات قطعی طور پر معلوم ہو گئی کہ انجیر کا یہ درخت دراصل ایک لسٹ اور نمائش گاہ ہے جہاں اس نظر نہ آنے والے حاکم نے اپنے باغات کے تمام نمونے معجزانہ شکل میں اس پر سجا کر اسے ایک نمونہ کی صورت میں رکھا ہے۔۔۔ اور اس میں دراصل ان پھلوں اور لذیذ کھانوں کی طرف اشارہ ہے جو اس نے اپنے مہمانوں کے لیے تیار کیے ہوئے ہیں۔۔۔

وگرنہ صرف ایک درخت ہزار درختوں کے پھل نہیں دے سکتا ہے! اسے اب ایک ہی راستہ نظر آیا: اور ''وہ تھا دعا اور گریہ زاری کا راستہ، چنانچہ اس نے اپنی عاجزی اور انکساری کی پونجی خدا کے حضور پیش کی، گویا اسے اس طلسم کدے کی چابی مل گئی، چنانچہ وہ پکار اُٹھا:

''اے ان علاقوں کے حاکم! میں تیرے حضور گڑ گڑاتا ہوں، میں تیرا ادنیٰ خادم ہوں، میرے پیش نظر صرف تیری رضا ہے، میں تیرا طلبگار ہوں اور میں تیری تلاش میں ہوں''۔۔۔

گریہ وزاری ختم ہوئی تو یک لخت کنویں کی دیوار شق ہو گئی اور سامنے ایک دروازہ نمودار ہو گیا جو ایک خوبصورت، پاکیزہ اور قابل فخر باغ کی طرف کھلتا تھا بلکہ یوں کہو کہ اژدھے کا منہ دروازے کی شکل اختیار کر گیا اور شیر اور اژدھا فوراً

Marfat.com

وفادار خادم کی صورت اختیار کر گئے۔۔۔اور اسے بڑے احترام کے ساتھ باغ کے اندر آنے کی دعوت دینے لگے، حتیٰ کہ وہ شیر ایک فرمانبردار گھوڑے کی صورت میں سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

سوائے میرے نفسِ کسلمند اور اے میرے خیالی دوست! آؤ دونوں بھائیوں کے ظاہری حالات اور اندرونی کیفیات کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کس طرح ایک اچھائی دوسری اچھائی کو کھینچ لاتی ہے اور ایک برائی دوسری برائی کو جنم دیتی ہے!

دیکھو! وہ بد بخت مسافر جس نے بائیں طرف والا راستہ اختیار کیا تھا وہ ہر لمحے اس خطرے سے دوچار ہے کہ اژدھے کے خوفناک منہ کا لقمہ بن جائے گا، اس لیے وہ خوف اور دہشت سے لرزہ براندام ہے، جبکہ اس دوسرے نیک بخت مسافر کو ایک خوبصورت، نظر نواز اور انواع واقسام کے پھلوں سے لدے ہوئے باغ میں آنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اُس بد بخت کا دل خوف اور المناک دہشت سے پھٹا پھٹا جاتا ہے، جبکہ یہ نیک بخت رنگا رنگ اور عجیب وغریب چیزیں دیکھتا ہے تو ان سے اسے شیریں عبرت، پرلذت خوف اور محبت بھری معرفت حاصل ہوتی ہے۔ وہ بد بخت مسکین وحشت، ناامیدی اور تنہائی کا ناقابل برداشت عذاب سہتا ہے، جبکہ یہ نیک بخت پیار محبت اور مانوسیت سے لذت یاب ہوتا ہے اور امید وشوق کی دنیا میں اٹکھلیاں کرتا ہے، پھر وہ سیاہ بخت ان جنگلی جانوروں اور موذی حشرات الارض کے حملوں کے درمیان اپنے آپ کو جیل میں بند قیدی سمجھتا رہا، جبکہ یہ سفید بخت اور خوش نصیب ایک معزز مہمان کی طرح ہر چیز سے لطف اندوز ہوتا رہا، ایسے کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ اس ذات کے ہاں مہمان تھا جو بڑی کریم اور مہمان نواز ہے، اس لیے وہ اس کریم ذات کے خادموں کی ٹہل سیوا سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اُس نصیبوں والے نے درخت کے ان پھلوں کو پیٹ بھر کر کھا لیا جو بظاہر بڑے میٹھے، لذیذ اور فرحت بخش تھے لیکن حقیقی اور معنوی لحاظ سے کڑوے اور زہریلے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پھل تو صرف ایک نمونہ تھے، ان کے بارے میں تو صرف اسی قدر اجازت تھی کہ انہیں چکھا جا سکتا ہے، تاکہ انہیں چکھنے والا اصلی اور حقیقی پھلوں کا طلب گار بن جائے اور حقیقت میں ان کا رسیا ہو جائے۔ ورنہ جانوروں کی طرح بے دریغ پیٹ بھرنے کی تو اجازت ہی نہیں تھی۔ جبکہ اس نیک بخت اور نصیبہ ور نے صرف چکھنے پر اکتفا کیا اور انہیں کھانے اور ان سے لطف اندوز ہونے کو انتظار کے خانے میں رکھ کر آئندہ کے لیے چھوڑ دیا۔ پھر اُس بختوں مارے نے خود پر تاریک حالات اور سیاہ توہمات طاری کر کے اپنی ذات پر خود ظلم کیا اور اپنی جہنم خود تیار کی، صرف اس بنا پر کہ اس کی بصیرت ان حقائق کو بھانپ نہ سکی اور ان خوبصورت اور تابناک حالات کو دیکھ نہ سکی جو دوپہر کی دھوپ کی طرح چمکیلے تھے۔ ایسا آدمی نہ تو کسی شفقت کا مستحق ہے اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ حرفِ شکایت زبان پر لائے۔

ایسے آدمی کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو اپنے محبوب دوستوں کے جمگھٹے میں، گرمی کے موسم میں ایک خوبصورت

Marfat.com

اور دل کشا پارک میں برپا ویسے کی ایک روح افزا مجلس میں دعوت کے مزے اڑا رہا ہو، اور عدمِ قناعت کی وجہ سے شراب کے جام پر جام چڑھانا شروع کر دے اور پھر نشے میں دھت ہو کر ڈگمگا جائے اور چیخ دھاڑ مچا دے، اور رونا چلانا شروع کر دے، صرف اس لیے کہ وہ نشے کی بہتات سے خود کو جان لیوا سردی میں برہنہ محسوس کر رہا ہو اور یہ تصور کر رہا ہو کہ وہ دوستوں کی بجائے جنگلی درندوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایسا آدمی یقیناً کسی شفقت اور ہمدردی کا مستحق نہیں ہو سکتا ہے؛ کیونکہ وہ اپنے دوستوں کو وحشی اور خوفناک درندے سمجھ کر ان کی توہین کر رہا ہے اور اس طرح اپنی ذات پر خود ظلم کر رہا ہے۔ یہ منحوس بھی یقیناً سو فیصد ایسے ہی ہے۔ لیکن وہ سعادت مند حقیقت کا ادراک رکھتا ہے۔ اور حقیقت فی نفسہٖ بہت خوبصورت ہے۔ یہ بھائی جہاں حقیقت کے حسن کا ادراک رکھتا ہے وہاں صاحبِ حقیقت کی کمالِ شان کا احترام اور اس کی توقیر بھی کرتا ہے۔ اس لیے اس کی رحمت کا مستحق بھی ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ!

﴿مَآ أَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ أَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ﴾ (حاشیہ:۱)

میں پائے جانے والے قرآنی فیصلے کا راز ظاہر ہو جاتا ہے۔

ان دونوں بھائیوں کے کرداروں کے درمیان جتنے فرق پائے جاتے ہیں اگر آپ ان سب کا موازنہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ: پہلے کے لیے نفسِ امارہ نے ایک معنوی جہنم تیار کر دیا جبکہ دوسرا ـ اپنی حسنِ نیت، حسنِ ظن، حسنِ خصلت، اور حسنِ فکر کی وجہ سے ـ اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسان، اس کے فیضِ عام اور سعادت مندی کا مظہر بن گیا۔

اے میری جان اور اے میرے اس کہانی کو سننے والے دوست!

اگر تم اس منحوس بھائی کی طرح نہیں بلکہ اس سعادت مند بھائی کی طرح بننا چاہتے ہو تو پھر قرآن کریم سنو، اس کے فرمان کے مطابق ڈھل جاؤ، اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

اور اگر تم نے ان حقائق کو ذہن نشین کر لیا ہے جو اس تمثیلی کہانی میں بیان کئے گئے ہیں تو پھر ان کی روشنی میں تم دین، دنیا، انسان اور ایمان، ان سب کی حقیقتوں کا ادراک کر سکتے ہو۔ میں تمہارے سامنے چند بنیادیں رکھ دیتا ہوں تم ان سے دقیق اور گہرے نکتے خود نکال سکتے ہو۔

دو بھائیوں سے مراد ایک تو مومن کی روح اور نیک آدمی کا دل ہے، اور دوسرے سے مراد کافر و فاسق کی روح اور اس کا دل ہے۔ ان دو راستوں میں سے دائیں طرف کے راستے سے مراد قرآن اور ایمان کا راستہ ہے، اور بائیں طرف والے راستے سے مراد کفر اور نافرمانی کا راستہ ہے۔ جہاں تک اس باغ کا تعلق ہے جو راستے میں پڑتا ہے تو اس سے مراد انسانی معاشرے اور انسانی تہذیب و تمدن کی موجودہ معاشرتی زندگی ہے۔ اس لیے عقلمند وہ ہے جو یہاں اس مندرجہ ذیل قاعدے پر عمل کرتا ہے۔ "خُذْ مَا صَفَا ، دَعْ مَا كَدَرَ"، یعنی صاف، اچھی اور خوشگوار چیزیں اختیار کر لو اور گدلی، بری اور ناگوار

(حاشیہ:۱) سورۃ النساء، الآیۃ:۷۹۔

Marfat.com

چیزوں کو چھوڑ دو۔ اس طرح وہ دل کی سلامتی اور روح کے اطمینان کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھ سکتا ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے اس صحرا کا تو اس سے مراد یہ دنیا اور یہ زمین ہے۔ اور وہ جو شیر ہے، وہ اجل یا موت ہے۔ اس کنویں سے مراد انسان کا جسم اور زندگی کا زمانہ ہے۔ اور اس کنویں کی ساٹھ (60) گز گہرائی جو ہے اس سے مراد نوع انسانی کی عمومی عمر ہے جو کہ عام طور پر ساٹھ سال ہوتی ہے۔ کنویں میں جو درخت ہے اس سے مراد عمر کی مدت اور مادۂ حیات یعنی زندگی کا دورانیہ ہے۔ وہ کالے اور سفید جانور جو ہیں ان سے مراد رات اور دن ہیں۔

اژدہا قبر کی نمائندگی کرتا ہے جس کا منہ برزخ کے راستے اور آخرت کے بالا خانے کی طرف کھلا ہوا ہے۔

لیکن یہ منہ مومن کے لیے وہ دروازہ ہے جو قید خانے سے خوبصورت باغ کی طرف کھلنے والا ہے۔ وہ موذی اور زہریلے حشرات الارض جو ہیں وہ دنیا کے آلام ومصائب ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ یہ آلام ومصائب ایک مومن کے لیے اسے بیدار رکھنے کے لیے میٹھی میٹھی الٰہی تنبیہات اور رحمانی التفاتات، عنایات اور توجّہات ہیں۔ اور اس درخت کے جو انواع واقسام کے پھل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وہ دنیاوی نعمتیں ہیں جو اس نے اس لیے بنائی ہیں تا کہ یہ آخرت کی نعمتوں کے لیے بطور فہرست کے کام دیں اور ان کی یاددہانی کراتی رہیں؛ کیونکہ یہ نعمتیں اخروی نعمتوں کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں، اور انہیں اس خالق الحکیم نے نمونے کی حیثیت سے پیدا کیا ہے تا کہ اس سے آخرت کے خریداروں کو جنت کے پھلوں کی دعوت ملتی رہے۔ اور یہ جو ایک ہی درخت کو انواع واقسام کے پھل لگا دیے گئے ہیں تو یہ صمدانیت کی علامت، الٰہی ربوبیت کی مہر اور سلطنتِ الوہیت کے شاہی فرمان کا ٹھپا اور طغرائے امتیاز ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ''ایک ہی چیز سے ہر چیز بنانا''، یعنی کہ تمام پیڑ پودوں اور ان کے پھلوں کو ایک ہی مٹی سے بنانا۔ تمام حیوانات ایک ہی پانی سے پیدا کرنا ایک معمولی کھانے سے حیوانات کے اعضاء وجوارح کو بنانا۔ اور اسی طرح ''ہر چیز سے ایک ہی چیز بنانا''، جیسے ایک جاندار کا گوشت اور اس کی کھال مختلف قسم کے کھانوں سے بنتی ہے۔ یہ تمام کارخانۂ حیات اُس احدُ الصمد ذات کی خاص نشانی، اس کی ازلی اور ابدی بادشاہت کی وہ خصوصی مہر اور طغرائے امتیاز ہے جس کی تقلید کبھی ممکن ہی نہیں۔

جی ہاں! ہر چیز سے ایک چیز کو بنانا اور ایک چیز سے ہر چیز کو بنانا، اور ہر چیز کا ایک چیز سے پیدا کرنا، ایک ایسی خصوصیت ہے جو صرف ہر چیز کو پیدا کرنے والی ذات ہی کے لائق ہے۔ اور ایک ایسی خصوصی علامت ہے جو صرف اسی ذات کے ساتھ خاص ہے جو علی کلّ شیء قدیر ہے۔ رہی بات اس طلسم کی، تو وہ تخلیق کی حکمت کا ایک ایسا راز ہے جو ایمان کے راز سے کھلتا ہے۔

اور چابی ہے: ﴿یااللّٰہ﴾ اور ﴿لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه﴾ اور ﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْم﴾.

اور جہاں تک تعلق ہے اژدہے کے منہ کے باغ کے دروازے میں تبدیل ہو جانے کا، تو یہ اس چیز کی طرف اشارہ

Marfat.com

ہے کہ قبر وحشت، خود فراموشی، عدمِ توجہی، تنگی اور گھٹن والا قید خانہ ہے، گویا کہ وہ اہلِ ضلالت وطغیان کے لیے واقعتاً اژدہے کا پیٹ ہے، لیکن جہاں تک اہلِ ایمان اور اہلِ قرآن کا تعلق ہے۔۔۔تو ان کے لیے وہ دنیا کے قید خانے سے باغ بہشت کی طرف، اس دارالامتحان سے جنت کے باغیچوں کی طرف اور زندگی کی زحمت سے رحمان کی رحمت کی طرف چوپٹ کھلا ہوا دروازہ ہے۔

باقی رہا اس خونخوار شیر کا ایک سدھائے ہوئے تابع فرماں گھوڑے اور مُونس وغمگسار خادم کی صورت اختیار کر جانا، تو اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ: موت اہلِ ضلالت کے لیے تمام مألوفات ومحبوبات سے ایک المناک دائمی فراق، اور دنیا کی جھوٹی جنت سے نکل کر قبر کی انفرادی جیل میں منتقل ہونے اور تنہائیوں کے جنگل میں بھٹکنے کا نام ہے۔ جبکہ یہی موت اہلِ ہدایت واہلِ قرآن کے لیے ایک دوسری دنیا کی طرف کوچ کرنے، پرانے یاروں دوستوں سے ملاقات کرنے، وطنِ حقیقی اور ابدی سعادت کی منازل ومساکن میں بسیرا کرنے، دنیا کے قید خانے سے جنت کے باغات کے لیے کریمانہ بلاوا، خدائے رحمان ورحیم کی مہربانی سے اپنی خدمتوں اور فرمانبرداریوں کا صلہ پانے کا انتظار، آلام ومصائبِ زیست سے چھٹکارا، زندگی کی ذمہ داریوں سے سبکدوشیوں کا اجازت نامہ اور بندگی کے فرائض و واجبات اور تعلیم وتعلیمات کے امتحانات کے اختتام کا نام ہے۔

**خلاصہءکلام یہ ہے کہ:**

جو آدمی اس فانی دنیا کو اپنی منزل مقصود بنالیتا ہے وہ اگرچہ بظاہر نعمتوں کے جلو میں ہی ہو، لیکن حقیقت میں وہ جہنم میں زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔

اور جو اپنی تمام تر توجہ اس باقی رہنے والی زندگی پر مبذول رکھتا ہے اور اس کے حصول کے لیے پوری سنجیدگی اور اخلاص سے مصروفِ تگ ودو رہتا ہے، وہ دونوں جہانوں میں کامیاب وکامران ہے، دونوں جہان اس کی مٹھی میں ہیں، اگرچہ اس کی دنیاوی زندگی بظاہر کتنی ہی ناکام اور تنگی ترشی سے دوچار نظر آتی ہو۔ یہ ضرور ہے کہ اس کی یہی کڑوی کسیلی دنیا عنقریب اسے میٹھی اور خوشگوار نظر آئے گی؛ کیونکہ وہ اس دنیا کو اپنی جنت کے لیے ایک انتظارگاہ سمجھتا ہے، اس لیے اسے بہرصورت برداشت کرتا ہے اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے وہ اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا رہتا ہے۔

اللهم اجعلنا من اهل السعادة والسلامة والقرآن والايمان آمين

اللهم صل وسلم على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه بعدد جميع الحروفات المتكلة فى جميع الكلمات المتمثلة بإذن الرحمان فى مرايا تموجات الهواء عند قرأة كل كلمة من القرآن من كل قارئ من أول النزول إلى آخر الزمان. وارحمنا ووالدينا وارحم المؤمنين والمؤمنات بعددها برحمتك يا أرحم الراحمين. آمين والحمد لله رب العالمين.

Marfat.com

# نواں مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ، وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِينَ تُظْهِرُونَ﴾ (حاشیہ:۱)

میرے بھائی! آپ نے مجھ سے نماز کو خصوصی طور پر ان پانچ معین وقتوں میں ادا کرنے کی حکمت کے بارے میں پوچھا ہے، اس لیے ہم اس ضمن میں پائی جانے والی کافی ساری حکمتوں میں سے صرف ایک حکمت کی طرف اشارہ کریں گے۔

جی ہاں! ہر نماز کا وقت چونکہ کسی اہم انقلاب کا سرِ آغاز ہے، جیسے کہ وہ کسی عظیم الشان تصرفِ الٰہی کا آئینہ اور اس تصرف میں پائے جانے والے اللہ تعالیٰ کے کلی احسانات کا عکّاس ہے۔ اسی وجہ سے نماز کا حکم دیا گیا جو کہ ان اوقات میں کسی بھی اور وقت سے بڑھ کر قدیر ذوالجلال کی تسبیح و تعظیم اور اُس کی دو وقتوں کے درمیان جمع ہو جانے والی غیر محدود نعمتوں کے مقابلے میں شکر و سپاس اور حمد و ثنا سے عبارت ہے۔ اس دقیق و عمیق معنی کو کچھ نہ کچھ سمجھنے کے لیے میرے ہمراہ ان پانچ نکتوں کو غور سے سننا لازم ہے۔

پہلا نکتہ:

"نماز" کا مطلب ہے اللہ کی تسبیح، تعظیم اور اس کا شکر ادا کرنا، یعنی "سبحان اللہ" کہہ کر اس کے جلال کے مقابلے میں اپنے قول اور عمل کے ذریعے اس کی تقدیس یعنی پاکیزگی بیان کرنا اور "اللہ اکبر" کہہ کر اس کے کمال کے سامنے اپنے قول اور عمل کے ساتھ اس کی تعظیم بیان کرنا، اور "الحمد للہ" کہہ کر اس کے جمال کے مقابلے میں اپنے دل، زبان اور بدن کے ساتھ اس کا شکر ادا کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تسبیح، تکبیر اور تحمید نماز کے لیے گٹھلی اور بیج کا حکم رکھتے ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ یہ تینوں کلمات نماز کی تمام حرکات و سکنات اور اذکار میں پائے جاتے ہیں، اور اسی بنا پر یہ تینوں پاکیزہ کلمات نماز کے بعد تینتیس (33) بار دہرائے جاتے ہیں تا کہ نماز کا مفہوم بطورِ تاکید مزید ذہنوں میں گھر کر جائے۔

---

(حاشیہ:۱) سورۃ الروم، الآیۃ: ۱۷۔۱۸

(۲) نکات، نکتہ کی جمع ہے، اور نکتہ اُس باریک اور گہرے مسئلے کو کہتے ہیں جو بہت باریک بینی، ژرف نگاہی اور گہری سوچ بچار کے بعد بروئے کار لایا گیا ہو۔ گہرے اور باریک مسئلے کو نکتہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے ظہور میں لانے کے لیے دل و دماغ کی قوتیں صرف کرنا پڑتی ہیں، اور یہ ظہور میں آ کر ان تمام قوتوں کو متاثر کرتا ہے۔ التعریفات للجرجانی۔ مترجم

Marfat.com

ان مجمل اور مختصر کلمات کے ذریعے نماز کے معنی و مطلب اور اس کے اصل مغز کی تاکید ہوتی ہے۔

**دوسرا نکتہ:**

''عبادت'' کا مطلب ہے کہ بندے کا خالص محبت، انتہائی احترام اور والہانہ پن سے بارگاہِ خداوندی میں اس کے کمالِ ربوبیت، قدرتِ صمدانیہ اور رحمتِ الٰہیہ کو سامنے رکھتے ہوئے، اپنے دل میں اپنی کمی کوتاہی، عاجزی لاچاری اور اپنے فقر و انکسار کا اعتراف کرتے ہوئے اپنا ماتھا ٹیک دینا۔

جی ہاں! جس طرح ربوبیت کا اقتدار بندگی اور اطاعت کا مطالبہ کرتا ہے، اسی طرح ربوبیت کی قدسیّت اور پاکیزگی بھی اس چیز کا تقاضا کرتی ہے کہ بندہ ___ کمی کوتاہی سے استغفار کرتا ہوا ___ اعلان کرے کہ اس کا پروردگار کسی بھی نقص اور خامی سے پاک ہے، اور وہ تمام اہلِ ضلالت کے تمام باطل افکار سے، بہت بلند ہے، وہ کائنات میں پائی جانے والی تمام کمیوں اور خامیوں سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ یہ اعلان یہ کہہ کر کرے کہ: ''سبحان اللّٰه''۔

پھر ربوبیت کی قدرتِ کاملہ اسی طرح بندے سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ بندہ اس کی پناہ میں آئے۔ اور اپنی انتہائی کمزوری اور مخلوقات کی عاجزی اور لاچاری کا مشاہدہ کرتا ہوا اس پر توکل کرے اور قدرتِ صمدانیہ کے آثار کی عظمت کے سامنے پوری محبت، شیفتگی، فریفتگی، احترام اور تعظیم و تکریم کے جذبات سے مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ رکوع کو جاتا ہوا بے ساختہ پکار اٹھے ''اللہ اکبر''۔

پھر ربوبیت کی رحمتِ واسعہ اسی طرح بندے سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ بندہ اپنی اور تمام مخلوقات کے فقر و حاجات اور ان کی عاجزی و درماندگی کا اظہار سوال اور دعا کے انداز میں کرے، اور اپنے پروردگار کے عمومی احسانات اور بے پایاں نعمتوں کا اعلان شکر اور حمد و ثناء کے ساتھ یہ کہہ کر کرے کہ: ''الحمد للّٰه''۔

مطلب یہ ہے کہ نماز کے اقوال و افعال ان معانی پر مشتمل ہیں، اور انہی معانی کے اظہار کے لیے نماز کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے فرض کر دیا گیا ہے۔

**تیسرا نکتہ:**

جس طرح انسان اس عالمِ کبیر یعنی کائنات کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے، اور جس طرح سورۃُ الفاتحہ قرآن کریم کا ایک درخشاں نمونہ ہے، بالکل اسی طرح نماز تمام عبادات کی ایک تابناک جامع ترین فہرست ہے، اور ایک مقدس اور عالی مقام نقشہ ہے جو ہر مخلوق کی عبادت کے انداز اور طریق کار کا اشارہ دیتا ہے۔

**چوتھا نکتہ:**

ہفتے والی گھڑی کی وہ سوئیاں جو سیکنڈ، منٹ، گھنٹے اور دن گنتی ہیں، ان میں ہر سوئی دوسری کو دیکھتی ہے اس کے ساتھ

Marfat.com

مشابہت رکھتی ہے اور ہر ایک ان میں سے دوسری کا حکم لے لیتی ہے۔

اسی طرح یہ دنیا، جو کہ ایک الٰہی گھڑیال ہے، اس کی مثال بھی ایسے ہی ہے؛ کیونکہ رات دن کی گردش جو کہ ایک گھنٹے کے سیکنڈوں کی طرح ہے، سال جو کہ منٹ شمار کرتے ہیں، انسانی عمر کے مراحل جو کہ گھنٹے شمار کرتے ہیں، اور کائنات کی عمر کے ادوار جو کہ ایام شمار کرتے ہیں، یہ تمام کے تمام مراحل ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہیں ایک دوسرے کی مثال ہیں ایک دوسرے کے حکم میں ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کو یاد دلاتا ہے اور اس کا حکم لیتا ہے، مثال کے طور پر:

## فجر کا وقت:

طلوعِ آفتاب تک، آغازِ بہار کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور اس کی آمد کی یاد دلاتا ہے۔ اور انسان کی رحمِ مادر میں آمد کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اور زمین و آسمان کی تخلیق کے چھ دنوں میں سے پہلے دن کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اس لیے یہ وقت انسان کی توجہ ان اوقات سے تعلق رکھنے والے عظیم الشان الٰہی امور و احوال کی طرف مبذول کراتا ہے۔

## ظہر کا وقت:

موسم گرما کے آدھے گزر جانے کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ عنفوانِ شباب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور دنیا کی عمر میں انسان کی پیدائش کے دور کے ساتھ مشابہت رکھتا اور اُس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور ان اوقات میں رحمت کی جو تجلیات اور نعمت کے جو فیوضات ہیں ان کی یاد دلاتا ہے۔

## عصر کا وقت:

موسمِ خزاں بڑھاپے کے دور اور دورِ سعادت یعنی خاتم الرسل علیہ الصلوۃ والسلام کے پُرسعادت دور کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اور اُس دور میں الٰہی شئوون واحوال، ربّانی حالات و معاملات اور رحمانی برکات و احسانات کی یاد دلاتا ہے۔

## مغرب کا وقت:

یہ وقت انتہائے خزاں میں اکثر مخلوقات کے غروب ہو جانے اور آنکھوں سے اوجھل ہو جانے کی یاد دلاتا ہے۔ پھر یہ انسان کی موت اور ہنگامِ قیامت دنیا کی تباہ و بربادی کی یاد دلاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جلالت وعظمت کی تجلیات ذہن نشیں کراتا ہے اور انسان کو غفلت کی نیند سے بیدار کر کے اسے چاک و چوبند کرتا ہے۔

## عشاء کا وقت:

عشاء کا وقت عالمِ ظلمات کے اپنی سیاہ ہتھیلی کے ساتھ عالمِ نہار کے تمام آثار کو ڈھانپ لینے، سردی کے اپنی سفید ہتھیلی

Marfat.com

کے ساتھ مردہ زمین کے چہرے کو چھپا دینے، مرے ہوئے انسان کے بقیہ آثار کے بھی مر جانے اور اُن کے پردۂ نسیاں کے نیچے چھپ جانے اور دارُالامتحان کا رُوپ رکھنے والی اس دنیا کو اُس کی بنیاد سے ہی بند کر دینے کی خبر دے کر قہارِ ذوالجلال کے الٰہی تصرفات کا اعلان کرتا ہے۔

### رات کا وقت:

یہ وقت سردی، قبر اور عالم برزخ کی یاد دلاتا ہے۔ اور پھر یہ روحِ انسانی کو یہ بات یاد دلاتا ہے کہ وہ خدائے رحمان ورحیم کی مہربانیوں کی کتنی محتاج ہے!

### تہجد کا وقت:

یہ وقت یہ چیز یاد دلاتا ہے کہ قبر کی رات کے اندھیروں اور عالمِ برزخ کی تاریکیوں کے لیے ہمیں روشنی کی کس قدر ضرورت ہے! ان تبدیلیوں کے جلو میں ہمیں یہ وقت اس منعمِ حقیقی کی بے حد و شمار نعمتوں کی یاد دہانی کراتا ہے۔ اور اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ وہ منعمِ حقیقی حمد و ثناء کا کتنا اہل ہے!

### دوسری صبح:

ہمیں صبح محشر کی یاد دلاتی ہے، جی ہاں! جس طرح اس رات کے لیے صبح کا آنا اور اس خزاں کے لیے بہار کا آنا معقول، حتمی اور ضروری ہے، اسی طرح حشر کی صبح اور برزخ کی بہار کا آنا قطعی، یقینی اور ثابت شدہ حقیقت ہے۔

بنابریں، نمازوں کے ان پانچوں وقتوں میں سے ایک وقت جس طرح ایک عظیم انقلاب کا سرِ آغاز ہے اور دیگر بہت سے عظیم انقلابات کو ذہن نشین کراتا ہے، اسی طرح وہ اپنے عظیم تر یومیہ تصرفات کے ذریعے اشارتاً قدرتِ صمدانیہ کے عجائبات اور رحمتِ الٰہیہ کے انمول تحفوں کی یاد دلاتا ہے__ خواہ ان کا تعلق ہر سال کے ساتھ ہو یا ہر دور کے ساتھ، یعنی نماز کا ہر ایک وقت ہر سال اور ہر دور میں رحمتِ الٰہی کے نزول کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فرض نماز کا__ جو کہ فطرت کا وظیفہ، عبودیت کی اساس، اور لازمی قرض ہے__ ان اوقات میں فرض ہونا انتہائی موزوں اور مناسب ہے۔

### پانچواں نکتہ:

انسان فطرتاً بہت کمزور واقع ہوا ہے، اور اس پر طرّہ یہ کہ ایسی چیزوں کا شمار نہیں ہے جو اس کی زندگی کو بے مزا کر کے اسے رنج والم سے دوچار کرتی رہتی ہیں، اور صورتِ حال یہ ہے کہ وہ خود تو نہایت عاجز اور کمزور ہے لیکن اس کے دشمن اور آلام ومصائب بہت زیادہ ہیں، وہ خود بہت فقیر اور مسکین ہے لیکن اس کی حاجات وضروریات بہت زیادہ اور بہت سنگین ہیں، وہ خود نہایت سست، کسلمند اور نڈھال ہے لیکن زندگی کی تکالیف اس پر ناقابل برداشت بوجھ ہیں،

Marfat.com

اور انسان ہونے کے ناطے وہ کائنات سے جُڑا ہوا ہے، لیکن اس کی اپنی محبوب چیزوں سے مسلسل جدائی اور مانوس اشیاء کی دم بدم زوال پذیری اس کے لیے دردِ بے درماں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کی عقل اسے بلند و بالا مقاصد اور زوال ناپذیر ثمرات کی جھلک دکھاتی ہے، لیکن اس کا ہاتھ بہت کوتاہ، اس کی عمر نہایت مختصر، اس کی طاقت بہت تھوڑی اور اس کا صبر نہایت محدود ہے۔

تو انسان کی روح کو ان حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے **(فجر کے وقت)** اس چیز کی ضرورت سب سے زیادہ ہوتی ہے کہ وہ دعا اور نماز کے وسیلے سے رب قدیر و ذوالجلال کا دروازہ کھٹکھٹائے، اپنے حالات اس کے سامنے رکھے اور اس سے مدد اور توفیق کے لیے ہاتھ پھیلائے۔ اور پھر سورج طلوع ہوتے ہی جو بھاری ذمہ داریاں اس کے کمزور کندھوں پر پڑنے والی ہیں، اور جن اعمال و وظائف سے اس کا سابقہ پڑنے والا ہے، ان کی بجا آوری سے سرخرو ہونے کے لیے فقیر اور درماندہ روح کو کسی ایسے سہارے کی کتنی ضرورت ہے جس پر وہ اعتماد کر سکے! کیا اس بات میں کوئی پیچیدگی ہے جو سمجھ میں نہ آ رہی ہو؟ اور پھر **(ظہر کا وقت)**، یعنی وہ وقت جو کہ دن کے جوبن اور اس کے زوال کی طرف میلان کا وقت ہے، یہ یومیہ اعمال کے اختتام کے قریب پہنچنے کا وقت ہے، مشغولیات و مصروفیات کی کلفتوں سے وقتی استراحت کا دور ہے، جس میں روح کو غفلت، حیرت، اضطراب اور ان دیگر کمر توڑ وقتی مشاغل سے دم لینے اور آرام و سکون کی ضرورت ہوتی ہے جن سے یہ فانی دنیا اسے دوچار کرتی ہے۔ اور مزید یہ کہ یہ وہ وقت ہے جس میں احساناتِ الٰہیہ کے بادل اُمڈ اُمڈ آتے ہیں۔

کہنا یہ ہے کہ روح انسانی کا ان تنگیوں سے خلاصی پانا اور اس غفلت اور حیرت کے بندھنوں سے آزاد ہونا اور ان فضول اور بے وقعت کاموں کی دلدل سے باہر آنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان اپنے منعمِ حقیقی یعنی اس قیّومُ باقی کے در کی پناہ لے لے اور گریہ زاری کرتا ہوا، اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر اس کی ذات کا وسیلہ لیتا ہوا، اس کی ان گنت نعمتوں پر اس کی تعریف اور اس کا شکر ادا کرتا ہوا، صرف اسی سے مدد مانگتا ہوا، رکوع کے ذریعے اس کی عظمت اور جلال کے سامنے اپنے عجز و فقر کا اظہار کرتا ہوا، اور سجدے کے ذریعے اس کے ابدی حسن جمال اور سرمدی کمال کے سامنے اپنی ذلت، پستی اور فروتنی کا اظہار کرتا ہوا، اس کی چوکھٹ پر آ گرے۔ نمازِ ظہر کی ادائیگی کتنی خوبصورت اور کتنی لذیذ ہے۔ یہ کتنی مناسب اور اس کی ضرورت کتنی زیادہ ہے۔ یہیں سے پتا چلتا ہے کہ جو انسان اتنی سی بات نہیں سمجھ پاتا ہے اسے خود کو انسان سمجھنا ہی نہیں چاہیے!

اور **(عصر کی نماز کا وقت)**: جو کہ خزاں کے موسم اور بڑھاپے کی حزن خیز اور غم انگیز حالت اور آخری دور کے المناک ایام کی یاد دلاتا ہے، یہ یومیہ اعمال کے نتائج کے ظہور کا وقت ہے۔ یہ وقت دن میں صحت، عافیت اور سلامتی وغیرہ سے محظوظ ہونے اور خوشگوار خدمات سے عہدہ برائی جیسی الٰہی نعمتوں کے مجموع کلّی کے حصول کا وقت ہے۔ اسی طرح یہ اس چیز

Marfat.com

کے اعلان کا وقت ہے کہ انسان کی حیثیت ایک ایسے مہمان کی ہے جو اپنی مرضی نہیں چلا سکتا ہے۔ اور یہ کہ ہر چیز زائل ہو جائے گی، کسی چیز کو ثبات، قرار یا دوام نہیں ہے۔ اتنے گرانڈیل اور بھاری بھرکم سورج کا غروب کے لیے جھک جانا اسی چیز کی علامت ہے۔

جی ہاں! انسان کی روح جو کہ ابدیت اور خلود و دوام کی متلاشی ہے، اور جو پیدا بھی ابد اور بقا کے لیے کی گئی ہے، اور جو احسان پر بچھی جاتی اور فراق سے تکلیف پاتی ہے، یہ روح انسان کو اٹھا دیتی ہے تاکہ یہ عصر کے وقت اٹھ کھڑا ہو اور عصر کی نماز کے لیے وضو کا اہتمام کرے، تاکہ اس حیّ قیوم اور باقی اور سرمدی ذات کے حضور اس کے صمدانیت کے دروازے پر گڑگڑاتا ہوا اس کے ساتھ سرگوشیاں کرے، اور اس کی وسیع رحمت کے فیضان کی پناہ میں آئے۔ اس کی لاتعداد نعمتوں پر اس کی حمد و ثنا اور اس کا شکر ادا کرے، اور اس طرح اس کی ربوبیت کی شان و عظمت کے سامنے مکمل ذلت اور پستی کا اظہار کرتا ہوا جھک جائے اور سراپا تواضع، انکسار اور فنا ہو کر اس کی دائمی الوہیت کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔ اور اس کی کبریائی کی عظمت و جلالت کے سامنے اپنی کامل عبودیت اور مکمل استعداد کے ساتھ کھڑے ہو کر حقیقی دلی تسلی اور روحانی سکون و اطمینان محسوس کرے۔ اس معنی کو سامنے رکھ کر عصر کی نماز کی ادائیگی کتنے عالی مقام وظیفے کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتنی بڑی مناسبِ حال خدمت کا درجہ رکھتی ہے! بلکہ دین فطرت کے تقاضوں کے مطابق چلنے کا کتنا حقیقی وقت ہے! انتہائی لذت کے ساتھ سعادت مندی کے حصول کے لیے یہ کتنی بڑی کامیابی ہے! یہ رمز ایک حقیقی انسان ہی سمجھ سکتا ہے۔

**(اور مغرب کا وقت)** ہمیں یہ چیز یاد دلاتا ہے کہ گرمی اور خزاں کے دور کی تمام لطیف اور جمیل مخلوقات کو سردی کے آغاز میں انتہائی غم کے عالم میں الوداع کر دیا جائے گا۔ یعنی یہ کہ اسی طرح انسان موت سے دوچار ہو کر اپنی تمام محبوب اور پسندیدہ چیزوں سے جدائی کا المناک جام پی لیتا ہے، اور یہ کہ اسی طرح یہ تمام دنیا فنا کے گھاٹ اتر جائے گی۔ اس زمین کا تمام نظام تہ و بالا ہو جائے گا اور اس کے تمام باسی یہاں سے منتقل ہو کر دوسرے عالم میں چلے جائیں گے۔

اور اسی طرح یہ وقت ہمیں اس وقت کی یاد دلاتا ہے جب اس دار الامتحان کا چراغ بجھا دیا جائے گا۔ یہ وقت ان لوگوں کو بیدار اور ہشیار کرنے کا ہے جو دنیا کی عارضی اور فانی اور زوال کے افق کے پیچھے غروب ہو جانے والی چیزوں کے ساتھ پرستش کی حد تک عشق کرتے ہیں۔

اس لیے جو آدمی ایک آبدار آئینے جیسی روح کا مالک ہے وہ فطری طور پر اس جاودانی حسن و جمال کا مشتاق رہتا ہے، اور ایسے وقت میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے لیے وہ اپنے چہرے کا رخ اس ذات کی عظمت کے عرش کی طرف کر لیتا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، جو ان بے شمار اور بڑے بڑے جہانوں کا بندوبست کرتی ہے، انہیں تغیر و تبدل سے آشنا رکھتی ہے۔ اور پھر ان فانی مخلوقات کے روبرو ان سے اپنا ہاتھ اٹھاتا ہوا اور ازلی، ابدی، دائمی اور باقی رہنے والی ذات کے

Marfat.com

حضورانتہائی ادب واحترام سے ہاتھ باندھ کر سیدھا کھڑا ہوکر گونج دار آواز میں کہتا ہے "اللہ اکبر "اور ادب واحترام کے ساتھ سیدھا کھڑا ہوکر اس کی کبریائی کا اعلان کرتا ہے اور اس کے کسی بھی کمی کوتاہی سے پاک کمال، اوراس کے بے مثل وبے مثال جمال کے سامنے اس کی بے پایاں رحمت کے حضور حمد وثنا کرتا ہوا کہتا ہے: "الحمد للّٰہ"، تا کہ وہ اپنی عبودیت، اوراپنی بے مائیگی کے احساس کو وسیلہ بنا کر اپنے اس آقا کی اس ربوبیت کے حضور پیش کرے جس ربوبیت کو کسی مدد کی ضرورت نہیں، اوراس کی اس الوہیت کو پیش کرے جس الوہیت کا کوئی بھی ساجھی، شریک یا پتّی دار نہیں ہے، اوراس کی اس سلطنت میں پیش کرے جس کا کوئی وزیر نہیں ہے۔ اور پھر اپنی اس بے مائیگی کو اس کے حضور میں پیش کر کے کہے: "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن" اور پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی لاانتہا کبریائی، اس کی بے حد وحساب قدرت اوراس کی عجز نا آشنا شان وعظمت اور عزت وجبروت کے سامنے اپنی عاجزی، درماندگی، بے چارگی اور بے مائیگی کا اظہار کرتا ہوا کائنات کا ہمنوا بن جائے اور جھکتا ہوا اپنے ربّ عظیم کی پاکیزگی بیان کرتا ہوا پکار اٹھے: "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم" ۔ اور پھر اس ذات کے لازوال جمال، اس کی غیر متغیر مقدس صفات اوراس کی غیر متبدل ابدیّت وسرمدیّت کے کمال کے سامنے پستی، خاکساری، شیفتگی، فریفتگی اور نیستی کے لہجے میں اپنی محبت اور عبودیت کا اعلان کرتا ہوا اور ماسوا سے منہ موڑتا ہوا "سُبْحَانَ رَبِّیَ الأَعْلٰی" کہتا ہوا سجدے میں گر جائے۔ اس سے وہ اس یقین سے سرشار ہو جائے کہ اس نے ہر فانی اور زوال پذیر ہستی کے مقابلے میں اس ابدی، سرمدی، سراپا حسن وجمال اور سراپا رحمت ہستی کو پالیا ہے۔ اب وہ اپنے اس پروردگار کی تقدیس کرے گا جو زوال سے منزّہ اور تقصیر سے مبرّا ہے، اور تشہد کے لیے بیٹھ جائے گا۔ اوراپنے ذریعے تمام مخلوقات کی طرف سے اُس صاحب الجلال والجمال ذات کی بارگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی بیعت کی تجدید کرتا ہوا اوران کے اوامر کی اطاعت کا اظہار کرتا ہوا تحیّات اور پاکیزہ صلوات پیش کرے۔

اس طرح وہ کائنات کے اس عظیم محل کے نظم وضبط کا مشاہدہ کرتا ہے، اوراس کے نظم وضبط کو کائنات کے صانعِ ذوالجلال والاکرام کی وحدانیت کی دلیل سمجھتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا اوراسے مزید جگمگا لیتا ہے۔ پھر کائنات کے اس محکم نظم وضبط کو وہ سلطنت ربوبیت کی رہنمائی کرنے والے، اس ربوبیت کی رضامندیوں کی تبلیغ کرنے والے، اوراس کائنات کی عظیم کتاب کے مفسر اوراس کی آیات کے ترجمان یعنی محمد عربی علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت کا گواہ بناتا ہے۔ تو اس منظر کی رو سے مغرب کی نماز ادا کرنا کتنی پاکیزہ مہم کتنے معزز اور شیریں وظیفے، کتنی خوبصورت اور پر لذت عبودیت اور کتنی عظیم بنیادی اور اصلی حقیقت کا درجہ رکھتا ہے! اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس فانی مہمان سرا میں یہ ایک کتنا عزت بھرا ملاپ، کتنی مبارک اور دائمی سعادت سے بھرپور مجلس ہے! اتنی ٹھوس حقیقت نہ سمجھنے والا کس طرح انسان ہوسکتا ہے!

Marfat.com

(اور عشاء کا وقت)، وہ وقت ہے جب کہ دن کے باقی ماندہ آثار بھی افق میں غروب ہوجاتے ہیں اور جس میں رات دنیا پر اپنی طنابیں تان لیتی ہے۔ یہ وقت قدیر ذوالجلال مقلب اللیل والنہار کے ربانی تصرفات کی یاد دلاتا ہے کہ وہ دن کے سفید صفحے کو سیاہ صفحے میں تبدیل کردیتا ہے، اور یہ بھی کہ وہ حکیم ذوالکمال، مسخر الشمس والقمر اپنی الٰہی کارروائیوں کے ذریعے موسم گرما کے خوبصورت، دیدہ زیب اور آراستہ و پیراستہ سبز رنگ کے صفحے کو موسم سرما کے سفید ٹھنڈے صفحے میں تبدیل کردیتا ہے۔ اور پھر یہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اہل قبور کے اس دنیا سے باقی ماندہ آثار مٹ جانے اور ان کے کلی طور پر دوسری دنیا میں منتقل ہوجانے کے ذریعے سے خالق الموت والحیات کے الٰہی شئوون و معاملات کی یاد دلاتا ہے۔ اور اسی طرح یہ ایسا وقت ہے جو انتہائی کشادہ، پرعظمت اور جاودانی دنیا کے انکشاف کی صورت میں خالق السماوات والارض کے جلالی تصرفات اور جمالی تجلیات کی یاد دلاتا ہے اور بتاتا ہے کہ یہ تنگ و تاریک، فانی اور حقیر دنیا جو کہ ہولناک نزع کی حالت میں آخری سانسیں لے رہی ہے، عنقریب مکمل تباہ و برباد ہوکر موت کی آغوش میں چلی جائے گی۔

یہ ایک ایسا مرحلہ یا ایسی حالت ہے جو ثابت کرتی ہے کی اس کائنات کا حقیقی مالک اور اس میں حقیقی معبود اور حقیقی محبوب ہو ہی وہ سکتا ہے جو رات دن، سردی گرمی اور دنیا و آخرت کو تغیر و تبدل سے دوچار رکھ سکتا ہو اور انہیں اتنی آسانی سے الٹا پلٹا سکتا ہو جیسے وہ کسی کتاب کے صفحات ہوں۔ چنانچہ وہ اس کتاب کو لکھ سکتا ہو، ثابت اور قائم رکھ سکتا ہو، مٹا سکتا ہو اور اس طرح کی ہر تبدیلی کا عمل نافذ کرسکتا ہو۔ اور ایسا صرف وہی کرسکتا ہے جو قادرِ مطلق ہے اور جس کا حکم تمام کائنات میں جاری وساری اور تمام موجودات پر لاگو ہے۔

اور اسی طرح۔ انسانی روح جو کہ انتہائی درجے کی عاجز، فقیر اور حاجت مند ہے، اور جو کہ مستقبل کی تاریکیوں کے بارے میں حیران اور گردش لیل ونہار کے اندھیروں سے لرزاں و ترساں ہے۔ وہ انسان کو جب وہ اس مضمون کو سامنے رکھ کر عشاء کی نماز پڑھتا ہے۔ اس چیز پر آمادہ کرتی اور ابھارتی ہے کہ وہ بلاخوف و تردّد جناب ابراہیم علیہ السلام کی طرح (لَا أُحِبُّ الْاٰفِلِيْن) دہراتا جائے، اور یوں وہ۔ نماز کے طفیل۔ اس معبود لم یزل اور محبوب لایزال کے در پر پناہ گزین ہوکر اس ذات کے ساتھ سرگوشیوں میں مصروف ہوجائے جو اس فانی دنیا، زوال پذیر کائنات اور تاریک مستقبل اور تیرہ و تار زندگی میں دائمی، ابدی، سرمدی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے؛ تاکہ وہ اس مختصری ہمنشینی اور چند لمحوں کی مناجات کے ذریعے اپنی دنیا کے اطراف واکناف میں روشنی بکھیر لے، اپنا مستقبل روشن کرلے، اپنے اس رحمٰن ورحیم آقا کی رحمت کی توجہات کے مشاہدے اور اس سے طلب کی جانے والی ہدایت کی روشنی سے فراق و زوال کے ان زخموں پر مرہم رکھ لے جو اسے اپنی محبوب چیزوں کے چھوٹ جانے اور دوستوں، بھائیوں اور دیگر پیاروں کے بچھڑ جانے کی وجہ سے لگے ہیں، اور یوں وہ اس دنیا کو فراموش کردے گا جو اس کے ساتھ مانوس ہوچکی ہے، اور جو عشاء کے پیچھے چھپ چکی ہے، تب وہ اس رحمت کی

Marfat.com

چوکھٹ پر دل کے آنسو بہائے گا اور سینے کے داغ جلائے گا، تا کہ نیند کی ۔ جو موت ہی کا ایک روپ ہے۔ وادی میں داخل ہونے سے پہلے اپنی عبودیت کا آخری وظیفہ بھی ادا کر لے، کیونکہ نیند کی جس وادی میں وہ داخل ہو رہا ہے اسے پتہ نہیں کہ وہاں سے واپس لوٹ کر آئے گا کہ نہیں! اور تا کہ اپنے یومیہ اعمال کے حساب کتاب کا اختتام وہ احسن انداز کے ساتھ کر سکے۔ ان تمام چیزوں کے پیش نظر وہ نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور فانی محبوباؤں کے بجائے اپنے جاودانی محبوب ومعبود کے حضور آداب بجالانے کا شرف حاصل کرتا ہے اور تمام کمزور اور نادار مخلوقات کے بجائے اپنے قادر کریم پروردگار کے حضور سراپا نیاز کھڑا ہو جاتا ہے تا کہ اس "الحفیظُ الرّحیم" کے حضور فروتنی اور نیاز مندی اختیار کر کے بلند ہو جائے اور ان تمام نقصان دہ مخلوقات کی ایذا رسانی سے محفوظ ہو سکے جن کے خوف سے وہ کانپتا رہتا ہے۔ اس طرح وہ نماز کا آغاز سورۃ الفاتحہ سے یعنی اس رحیم وکریم ربّ العالمین کی مدح وثنا سے کرتا ہے جو کاملِ مطلق اور غنی مطلق ہے، اور اس طرح وہ ان مخلوقات کی جھوٹی مدح وثنا سے دامن کشاں ہو جاتا ہے جن کی تعریف کرنے کا حاصل کچھ بھی نہیں ہے، اور نہ ہی وہ تعریف کے قابل ہیں، جو بالکل ناقص اور فقیر ہیں۔ اور اس طرح وہ کسی کی احسان مندی کی ذلت سے بھی بچ جاتا ہے۔ اور اس کے بجائے اس دنیا میں ایک معزز مہمان کا رتبہ حاصل کر لیتا ہے، اور انتہائی چھوٹے، حقیر، کمزور بلکہ معدوم ہونے کے باوجود ایک ایسے ملازم کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے جسے تمام لوگ رشک کی نظر سے دیکھیں۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ وہ ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ﴾ کے مرتبے پر فائز ہو گیا ہے، یعنی اس کی نسبت ابد ازل وابد کے شہنشاہ اور مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْن کی طرف ہو گئی ہے۔ پھر وہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کہہ کر تمام مخلوقات کے عظیم معاشرے اور تمام نوع انسانی کی جماعتِ کبریٰ کی ترجمانی کرتا ہوا اس سلطانُ الازل والابد کے حضور صرف اس کی پرستش کا اقرار اور صرف اسی سے مدد مانگنے کا کردار پیش کرتا ہے، اور پروردگار سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اسے صراط مستقیم پر چلائے، وہ صراط مستقیم جو کہ اس کا تابناک، روشن اور مستقبل کی تاریکیوں کے اوپر سے گزرتا ہوا ابدی سعادت کی بارگاہ تک پہنچانے والا راستہ ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ﴿اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم﴾، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی کبریائی میں غور وفکر کرتا ہے، اور اس سوچ میں کھو جاتا ہے کہ یہ نظر نہ آنے والے سورج، جو کہ اس وقت نباتات وحیوانات کی طرح سوئے ہوئے ہیں، اور یہ ستارے جو اس وقت جاگ رہے ہیں، یہ سب کے سب اس کے امر کے تابع فرمانِ لشکر ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اس مہمان خانے کا چراغ ہے، اور ان میں سے ہر ایک یہاں کا خادم اور ملازم ہے، تب وہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان کرتا ہوا پکار اٹھتا ہے "اللّٰہ اکبر"، اور رکوع میں چلا جاتا ہے۔ پھر تمام مخلوقات کے سجدۂ کبریٰ کے بارے میں غور کرتا ہے کہ کس طرح موجودات کی تمام اقسام ہر سال، ہر دور میں۔ جیسے کہ اس رات میں سوئی ہوئی مخلوقات، بلکہ حتیٰ کہ خود زمین بھی، اور حتیٰ کہ تمام کی تمام کائنات اس وقت ایک منظم اور مرتب فوج کی طرح ہے، بلکہ ایک فرمانبردار سپاہی کی طرح ہے۔ وہ غور کرتا ہے

Marfat.com

کہ کس طرح ان موجودات کو جب ﴿کُنْ فَیکُون﴾ کے امر سے اُن کی دنیاوی ذمہ داری سے آزاد کیا جاتا ہے، یعنی جب انہیں آزاد کر کے عالم الغیب کی طرف بھیجا جاتا ہے تو وہ زوال کے ساتھ غروب کے مصلے پر انتہائی نظم وضبط سے اللہ کی کبریائی بلند کرتے ہوئے" اللہ اکبر" کہہ کے سجدہ ریز ہو جاتی ہیں۔اور یہ تمام موجودات اسی طرح موسم بہار میں۔ بعینہ یہی یا ان جیسی شکلوں میں ۔ زمین سے اٹھائی جائیں گی اور انہیں ﴿کُن فیکون﴾ کے زندہ اور بیدار کرنے والے اُمر سے زمین کے بطن سے اٹھا کر ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے گا۔اور یہ تمام کی تمام موجودات یا مخلوقات اس وقت اپنے مولائے حق کے حکم کی بجا آوری کے لیے تیار کھڑی ہوں گی۔اور پھر اس طرح کی سوچوں میں کھویا ہوا یہ ضعیف انسان بھی۔ ان مخلوقات کی پیروی میں۔محبت سے سرشار۔ بقا سے لبریز فنا کو اپنا کر۔ اور عزت کے تاج سے مزیّن ذلت کی صورت کو لے کر رحمانِ ذُوالجلال اور رحیمِ ذُوالجمال کے دربار میں سجدے کے لیے گر پڑتا ہے۔

مجھے اُمید ہے میرے بھائی! کہ اب آپ یقیناً یہ بات سمجھ گئے ہوں گے کہ عشاء کی نماز کا ادا کرنا دراصل ایک ایسی فوقیت اور بلندی کی حیثیت رکھتا ہے جو کہ معراج کے مشابہ ہے۔تو اس نظر سے دیکھا جائے تو نماز کتنا خوبصورت وظیفہ، کتنا شیریں فریضہ، کتنی بلند خدمت، کتنی معزز اور لذیذ بندگی اور کتنی موزوں اور درست حقیقت ہے! مطلب یہ ہے کہ ان پانچوں وقتوں میں سے ہر ایک وقت عظیم زمانی انقلاب کے ربانی کاروائیوں کے تنومند نشانات اور بھرپور انعامات کی کلی علامات پر مشتمل ہے۔اس بنا پر نماز جو کہ ایک قرض اور ذمہ داری ہے،اس کے قرض ہونے کو ان اوقات میں خاص کر دینا انتہائی قسم کی حکمت پر مبنی ہے۔

﴿سُبحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَاعَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْم﴾

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مَنْ اَرْسَلْتَهُ مُعَلِّمًا لِعِبَادِکَ، لِیُعَلِّمَهُمْ کَیْفِیَّةَ مَعْرِفَتِکَ، وَعُبُوْدِیَّتِکَ، وَمُعَرِّفًا لِکُنُوْزِ اَسْمَائِکَ، وَتَرْجُمَاناً لِآیَاتِ کِتَابِ کَائِنَاتِکَ، وَمِرْآةً ......بِعُبُوْدِیَّتِهِ...... لِجَمَالِ رُبُوْبِیَّتِکَ. وَعَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ وَارْحَمْنَا وَارْحَمِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ.(آمین) بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن.

---

Marfat.com

# رسالہ حشر

## تنبیہ

میں اپنے ان رسائل میں تشبیہوں اور تمثیلوں سے کام لیتا ہوں جو کہ عموماً کہانیوں کی صورت میں ہوتی ہیں، اس سے میرا مقصد ایک تو یہ ہوتا ہے کہ یہ گہرے اور دقیق مسائل ذہنوں میں اتر جائیں، اور دوسرے یہ کہ اس چیز کا اظہار ہو جائے کہ اسلامی حقائق میں کتنی معقولیت، باہمدگر مناسبت، ہم آہنگی اور پختگی پائی جاتی ہے۔

بنابریں! یہ کہانیاں صرف بے معنی کہانیاں ہی نہیں ہیں بلکہ اِن کالبِّ لباب دراصل وہ حقائق اور نتائج ہیں جو ان سے حاصل ہوتے ہیں اور جن کی طرف یہ اشارہ کرتی ہیں۔ اس حیثیت سے یہ کہانیاں صرف خیالی افسانے ہی نہیں ہیں بلکہ سچے حقائق ہیں۔

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

﴿فَانۡظُرۡ اِلٰى آثَارِ رَحۡمَةِ اللّٰهِ كَيۡفَ يُحۡيِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحۡيِ الۡمَوۡتٰى وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ﴾ (حاشیہ:۱)

**میرے بھائی!**

اگر تم حشر اور آخرت سے متعلقہ معاملات کو ایسے آسان انداز سے سمجھنا چاہتے ہو جو عوام الناس کے ذہنوں کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو، تو مندرجہ ذیل چھوٹی سی تمثیلی کہانی کو میرے نفس کے ساتھ ہو کر غور سے سنو اور اس کے اندر جھانکو:

ایک دفعہ دو آدمی پھرتے پھراتے ایک ایسی سرزمین میں جا نکلے جو اپنے حسن و جمال، دلکشی اور دلربائی میں جنت کا نظارہ پیش کر رہی تھی، وہاں انہوں نے دیکھا کہ تمام گھروں کے دروازے کھلے پڑے ہیں، کسی دوکان کو تالا نہیں لگا ہے، گلی محلہ میں کسی قسم کے پہرے یا چوکیدارے کا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا ہے اور مال اور پیسا روپیہ بغیر کسی حفاظتی انتظام کے کھلا پڑا ہے۔

اب ان میں سے ایک نے تو لالچ میں آ کر وہاں لوٹ مار شروع کر دی اور اس پاگل پن میں ہر اخلاقی قدر کو روندتا چلا گیا، لیکن وہاں کے باسیوں میں سے کسی آدمی نے بھی اس کا ہاتھ نہ روکا۔ اس کے اس دیوانے پن کو دیکھ کر اس کے ساتھی نے اسے کہا:

یہ تم کیا کر رہے ہو؟ دیکھو، تم پکڑے جاؤ گے اور سزا پاؤ گے اور اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبو گے۔ یہاں جو مال دولت تمہیں نظر آ رہا ہے سب حکومت کی ملکیت ہے، اور یہاں کے شہری اور ان کی آل اولاد سب کے سب حکومت کے سپاہی اور ملازم ہیں جو سول کپڑوں میں عام شہریوں کی طرح اپنی اپنی ڈیوٹی دے رہے ہیں اور ملک کی خدمت میں مگن ہیں، اس لیے تمہاری طرف زیادہ توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ یہاں کا قانون بڑا سخت ہے حکومت کے جاسوس، نگران اور خفیہ کے آدمی ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں، اس لیے اپنی ان حرکتوں سے باز آؤ، توبہ کرو اور جتنی جلدی ہو سکے معافی تلافی کی کوئی راہ تلاش کرو۔

لیکن اس کا ساتھی جو کہ کچھ زیادہ ہی بیوقوف تھا، ضد کر کے کہنے لگا: چھوڑو یار تمہیں کس نے کہا ہے کہ یہ مال و جائیداد حکومت کی ملکیت ہے؟ ان کا کوئی والی وارث نہیں ہے، انہیں ہر آدمی جیسے چاہے استعمال کر سکتا ہے میں نہیں سمجھتا کہ یہاں کوئی بھی مجھے روک سکتا ہے یا میرے سامنے بکھری ہوئی ان خوبصورت چیزوں سے فائدہ اٹھانے سے مجھے منع کر سکتا ہے؛ کیونکہ یہ کسی کی ملکیت ہی نہیں ہیں۔ اور یاد رکھو کہ اگر ان چیزوں کا کوئی والی وارث ہے تو اُسے سامنے آنا چاہیے، کیونکہ ان دیکھی چیزوں پر میں یقین نہیں رکھتا ہوں،،

---

(۱) الروم:50

Marfat.com

وہ فلسفہ بگھارنے لگا اور سنجیدگی کو خیر باد کہہ کر سوفسطائیوں (حاشیہ:۱)

جیسی باتیں کرنے لگا۔ اب ان دونوں کے درمیان ایک سنجیدہ قسم کی بحث چل نکلی اور سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا!

پہلا مورکھ آدمی کہنے لگا: یہ حکمران کون ہے؟ میں تو ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتا ہوں"

کوئی گاؤں بھی بغیر سردار کے نہیں ہوتا، کوئی سوئی بغیر بنانے والے اور مالک کے نہیں ہوتی، کوئی حرف بغیر کاتب کے نہیں ہوتا، تو پھر یہ کسطرح ہوسکتا ہے کہ اس خوبصورت اور منظم مملکت کا کوئی حکمران نہ ہو؟ اور یہ بے حساب مال و ثروت اور نفیس ترین جائیداد بغیر مالک کے کیونکر ہوسکتی ہے؟ پردۂ غیب سے موسم بہار اُس مال گاڑی کی طرح آتا ہے جو انواع و اقسام کے قیمتی اور نفیس ترین رزق سے لدی پھندی ہر گھنٹے کے بعد آتی ہے اور سارا سامان یہیں اتار کر خالی ہو کر چلی جاتی ہے۔ (حاشیہ:۲)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس مملکت کے ہر کونے میں حکمران کے اعلانات اور بیانات پڑھے سنے جا رہے ہیں، ہر کونے میں اس کے جھنڈے لہرا رہے ہیں اور رزق کی ہر قسم پر اس کی خاص مہر اور ٹکٹ لگی ہوئی ہے اور اس کا سکہ ہر طرف جاری و ساری ہے؟۔

ایسی باضابطہ مملکت کسی مالک کے بغیر کیسے ہوسکتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ تم نے کہیں سے انگریزی کے چار حرف تو پڑھ لیے ہیں لیکن یہ اسلامی شہ پارے ایک تو تم پڑھ نہیں سکتے ہو اور دوسرے یہ کہ جو لوگ انہیں سمجھتے ہیں تمہیں ان لوگوں سے پوچھنے اور سمجھنے کا شوق بھی نہیں ہے۔ یعنی تم ان سے بھی دور بھاگتے ہو۔

آؤ میں تمہیں حکمران کی طرف سے صادر ہونے والے یہ اعلانات اور بیانات پڑھ کر سناتا ہوں"۔

لیکن وہ ضدی آدمی اس کی بات کاٹ کر بولا:

چلو ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ یہاں کوئی بادشاہ یا حکمران موجود ہے لیکن۔

میرے جزوی فائدے سے اُسے کیا نقصان ہوگا اور اس کے خزانوں میں کیا کمی آئے گی؟ پھر اس جگہ پر قید یا سزا نظر

(۱) سوفسطائی (Sophistr)، قدیم یونان میں چوتھی اور پانچویں صدی قبل مسیح میں معلّمین کا ایک گروہ تھا جو اپنی تعلیم و تدریس کی متعلّم سے فیس وصول کرتا تھا اور سقراط کی نظروں میں یہ کام نہایت نامناسب تھا۔ قدیم فلاسفہ کے نزدیک سوفسطائی محض لفاظ اور سچ کو جھوٹ بنانے والے چرب زبان لوگ قرار پائے اور اہلِ علم کی نظروں میں گر گئے۔ سوفسطائیت (Sophitry) غلط، گمراہ کن، پرراز مغالطہ، نمائشی حجت بازی، چالاکی، چرب زبانی، ایک غیر صحیح اندازِ حجت یا گمراہ کن دلیل، قطعِ نظر اس کے کہ موضوع بحث لائقِ توجہ یا کسی قدر و قیمت یا اہمیت کا حامل ہو۔ کشاف اصطلاحاتِ فلسفہ۔ (مترجم)

(۲) مال گاڑی سے مراد سال ہے، جی ہاں، موسم بہار رزق کے خزانوں کی ایک بوگی ہے جو غیب سے آتی ہے۔ (مؤلف)

Marfat.com

نہیں آرہی ہے!''

اس کے دوست نے اسے کہا: خدا کے بندے!

یہ مملکت جو تمہیں نظر آرہی ہے، یہ ایک امتحان، آزمائش، تربیت اور ٹریننگ کا میدان ہے۔ یہ حکمران کی خوبصورت اور دیدہ زیب مصنوعات کی نمائش گاہ اور عارضی مہمان سرائے ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ یہاں ہر روز ایک قافلہ آتا ہے اور دوسرا چلا جاتا ہے اور منظر سے غائب ہو جاتا ہے؟

ظاہر میں آباد نظر آنے والی اس مملکت کا یہی حال ہے، یہ ہمیشہ سے ایسی ہی ہے کہ بھرتی اور خالی ہوتی رہتی ہے۔ اور پھر ایک وقت وہ بھی آئے گا کہ یہ ہمیشہ کے لیے خالی ہو جائے گی اور اس کی جگہ وہ مملکت لے لے گی جو ہمیشہ رہنے والی ہے جہاں لوگ پے در پے منتقل ہو رہے ہیں، اور جہاں ہر کوئی اپنے عمل کی جزا پائے گا یا سزا۔

لیکن اس خائن اور بیوقوف آدمی نے ایک دفعہ پھر ضد کا مظاہرہ کیا اور کہنے لگا:

''یہ بات میں کسی طرح نہیں مان سکتا کہ ایک بستی بساتی مملکت کو تباہ کر دیا جائے اور اس کے تمام باسی کسی دوسری مملکت میں جا بسیں''! اس کے وفادار اور خیر خواہ دوست نے اسے کہا:

میرے دوست! تم چونکہ بہت ضدی اور ہٹ دھرم ہو، اس لیے آؤ میں تمہیں اس چیز کے ایسے بے شمار دلائل مہیا کرتا ہوں، جن سے تمہارے سامنے یہ چیز ثابت ہو جائے گی کہ ایک بہت بڑی عدالت موجود ہے جہاں جزا و سزا کے فیصلے ہوتے ہیں، خوبصورت حسنِ عمل کے لیے وہاں حسنِ جزا اور ثواب ہے اور بد عملی کے لیے قید اور عقاب ہے۔ اور یہ کہ جس طرح یہ مملکت ہر روز اپنے باسیوں سے تھوڑی تھوڑی خالی ہوتی رہتی ہے، اسی طرح ایک دن آئے گا کہ یہ مکمل طور پر خالی اور تباہ و برباد ہو جائے گی۔ یہ تمام دلائل میں تمہارے سامنے ''بارہ صورتوں'' میں پیش کروں گا۔

## پہلی صورت:

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک سلطنت ہو_ اور خاص کر اس سب سے بڑی سلطنت کی طرح کی_ اور اس میں اطاعت گزاروں کے لیے جزا و ثواب اور نافرمانوں کے لئے سزا و عقاب نہ ہو؟۔ اور چونکہ یہاں ثواب و عقاب کا وجود اتنا کم ہے کہ گویا نہ ہونے کے برابر ہے، اس لیے کسی دوسری جگہ میں ایک اعلیٰ ترین عدالت کا ہونا بہت ضروری ہے جہاں ثواب و عقاب کا یہ عمل ظہور میں آئے۔

## دوسری صورت:

اس مملکت میں امورِ مملکت کے نظم و ضبط اور حسن انتظام پر غور کرو اور دیکھو کہ اس میں رہنے والے کمزور ترین اور فقیر ترین جاندار تک بھی اس کا رزق کس فراوانی سے پہنچ رہا ہے! بیماروں، ناداروں اور بے سہاروں کو کیسی توجہ مل رہی ہے اور ان

Marfat.com

کی کیسی غمگساری ہو رہی ہے! اور اُن پُر فخر خوبصورت برتنوں، جڑاؤ تمغوں اور زرق برق پوشاکوں کی طرف نظر کرو!۔ رزق سے بھرے ہوئے دستر خوان ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

اور دیکھو! تمہارے اور تم جیسے دیگر نا سمجھوں کے علاوہ ہر کوئی اپنی ڈیوٹی پوری ذمہ داری سے ادا کر رہا ہے اور اس ضمن میں وہ اپنی حد سے یک سر مو بھی تجاوز نہیں کرتا۔

یہاں سب سے بڑا شخص اپنے ذمے لگائی گئی ڈیوٹی کو انتہائی اطاعت شعاری، عاجزانہ خوف ہیبت کے تحت ادا کرتا ہے۔

اس سے پتا یہ چلا کہ اس سلطنت کا مالک اور اس کا والی وارث بڑے جود و کرم، وسیع رحمت، سربلند عزت، پُر جلال غیرت اور پر عظمت بزرگی کا مالک ہے، اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ جود و کرم کا تقاضا یہ ہے کہ ہر کسی کو نعمت سے نوازا جائے۔ رحمت بغیر احسان کے حاصل نہیں ہوتی، عزت غیرت کی مقتضی ہوتی ہے اور شرفِ بلند کا تقاضا یہ ہے کہ چوری چھپے گناہ کرنے والوں کی بھی گوشمالی کی جائے، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ یہاں اس مملکت میں اس عدل و انصاف کا دسواں حصہ بھی نظر نہیں آتا جو اس رحمت اور اس عز و شرف کے شایانِ شان ہے۔ چنانچہ ایک ظالم اپنے غلبہ و تسلّط اور ظلم و جبر میں مخمور رہتا ہے اور مظلوم ذلت، خِسّت اور زیادتی برداشت کرتا ہوا دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

اس سے پتا یہ چلا کہ یہ معاملہ مؤخّر کر کے عدالتِ عظمیٰ میں پیش ہوگا۔

## تیسری صورت:

دیکھو یہاں اعمال کتنی گہری حکمت اور انوکھے انتظام سے انجام پاتے ہیں، اور غور کرو کہ معاملات کو کیسے حقیقی عدل کی نگاہ سے دیکھا اور انصاف بھرے ترازو کے ساتھ تولا جاتا ہے؟ اور اس بات کا تو سب کو پتا ہے کہ کسی بھی حکومت کی حکمت، دانائی اور دانشمندی یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور ان کی عزتِ نفس کا خیال رکھے۔ اور خالص عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ رعایا کے حقوق کا خیال رکھا جائے، تاکہ حکومت کا جاہ و جلال اور سلطنت کی عظمت اور شان و شوکت قائم رہے۔ لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ اس دنیا میں اُس حکمت اور اُس عدل و انصاف کا ہزار میں سے ایک حصہ بھی نافذ نہیں ہوتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تم جیسے غفلت شعار لوگ اس دنیا کو اس حالت میں چھوڑ کر جاتے ہیں کہ ان میں سے اکثر اپنی سزا سے صاف بچ نکلتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کا مقدمہ بلا شک کل کو اس عدالتِ عظمیٰ میں پیش ہوگا۔

## چوتھی صورت:

ان بے شمار انوکھے اور نادر جواہرات کو دیکھو جو اس نمائش میں رکھے گئے ہیں، ان لذت بھرے بے نظیر کھانوں کو دیکھو جن سے دستر خوان سجے ہوئے ہیں اور جو ہمارے سامنے اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ اس مملکت کا بادشاہ بے حد

Marfat.com

وحساب جود وسخاوت اور بھرے ہوئے نہ ختم ہونے والے خزانوں کا مالک ہے۔ اب ایسی دائمی سخاوت اور ایسے ختم نہ ہونے والے خزانوں کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایسے مہمان خانے میں رکھے ہوئے ہوں جو اَبدی اور غیر فانی ہو، جس میں ہر وہ چیز میسر ہو جو دل چاہے۔ اسی طرح ان غیر فانی خزانوں کا تقاضا یہ ہے کہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے بھی ہمیشہ رہیں، حیاتِ دوام سے ہمکنار ہو جائیں، تا کہ وہ زوال وفراق کے درد سے دوچار نہ ہوں؛ کیونکہ جیسے درد والم کے زوال کا نام لذت ہے، ایسے ہی لذت کے زوال کو درد والم کہتے ہیں۔ ان نمائش گاہوں کو دیکھو اور اعلانات و بیانات میں غور کرو اور ان منادی کرنے والوں کی آوازوں پر کان لگاؤ جو اس صاحبِ معجزات بادشاہ کی مصنوعات کے عجائبات کے گن گا رہے ہیں، بآوازِ بلند ان کا تعارف کرا رہے ہیں، اُن اُعجوبہءِ روزگار مصنوعات کے خالق و مالک کے کمالات کا اظہار کر رہے ہیں، اس کے بےنظیر معنوی جمال وکمال کو بےنقاب کر رہے ہیں اور اُس کے اُس پس پردہ حسنِ پنہاں کا تذکرہ کر رہے ہیں جسے دیکھنے کے لیے دل کی آنکھ کی ضرورت ہے۔

اس نظر سے دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ وہ حکمران بڑے اہم اور حیرت انگیز کمالات اور معنوی جمال کا مالک ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی نقص وعیب سے مبرا اُس پوشیدہ کمال کا تقاضا یہ ہے کہ اسے اُن لوگوں کی آنکھوں کے سامنے واضح اور نمایاں کیا جائے جو اس کے شیدائی ہیں، جن کے مَن کو وہ بھاتا ہے اور جو اس کی قدر و قیمت سے آگاہ ہیں۔ رہا وہ جمالِ خفی، حسنِ پنہاں یا ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہ آنے والا بےنظیر حسن و جمال، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دیکھے اور اُسے دیکھا جائے۔

مطلب یہ کہ اُس کے جمال کے دیدار کی دو صورتیں ہیں:

1: وہ بذاتِ خود اپنے اس حسن و جمال کا مشاہدہ ان مختلف آئینوں میں کرے جن سے یہ حسن منعکس ہو رہا ہے۔

2۔ وہ اپنے اس حسن و جمال کو اُن ناظرین و مشاہدین کی نظر سے دیکھے جو اس حسن کے مشتاق ہیں، اس پر فریفتہ ہیں اور اس کے قدردان ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دائمی حسن و جمال کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ آشکار ہو اور اسے دیکھا جائے، اس کا ہمیشہ مشاہدہ کیا جائے۔ اور اس بات کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح یہ حسن و جمال دائمی اور جاوداں ہے اسی طرح اس کے عاشق، مشتاق اور قدرداں بھی دائمی اور جاوداں رہیں؛ کیونکہ پائدار اور لازوال حسن ناپائیدار اور زوال پذیر عاشق پر خوش نہیں رہتا۔ مزید یہ کہ زوال پذیر اور واپسی سے ناامید عاشق کی محبت عداوت اور اُسکی توقیر واحترام اہانت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

جب حالت یہ ہے کہ سب کے سب مہمانی کے اس مرحلے کو بسرعت چھوڑ کر اس جمال وکمال کے نور سے سیر ہوئے

Marfat.com

بغیر منظر سے غائب ہوتے جا رہے ہیں، بلکہ کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس تیزی کی ساتھ گزرنے والے لمحات میں وہ ایک مہین سا سایہ ہی دیکھ پاتے ہیں۔

تو پھر اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قافلہ ایک ایسے میدان کی طرف رواں دواں ہے جہاں جمال و کمال کی ان تجلیوں کا نظارہ ہمیشہ اور ہر وقت کیا جائے گا۔

## پانچویں صورت:

غور کرو کہ یہ بے نظیر و بے ہمتا بادشاہ کتنا مشفق اور مہربان ہے جو ایسے حالات و واقعات میں جلوہ فگن ہے! کیونکہ وہ ہر بے چارہ اور درماندہ کی چارہ سازی کرتا ہے، پناہ چاہنے والے اور پکارنے والے کی پکار سنتا ہے، اپنی رعایا کے عام ترین آدمی کی حاجت کو بھی انتہائی شفقت اور دل سوزی کے ساتھ پورا کرتا ہے، اور حتی کہ اگر کسی چرواہے کی بھیڑ کا بھی پاؤں زخمی ہو جائے تو اس کے لیے دوا کا بندوبست کرتا ہے یا معالج بھیجتا ہے۔

آؤ دوست، اب ذرا اس جزیرے کی طرف چلتے ہیں، جہاں لوگوں کا ایک جم غفیر ہے اور مملکت کے تمام معززین بھی وہاں جمع ہیں۔ دیکھو! وہاں بڑے بڑے امتیازی تمغوں سے مزین اور بادشاہ کی منظورِ نظر ایک شخصیت خطاب کر رہی ہے، اپنے اس خطاب میں وہ اپنے رحم دل بادشاہ سے کچھ چیزوں کا مطالبہ کر رہی ہے، اور تمام لوگ اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں اور اس کی تائید کر رہے ہیں اور بادشاہ سے وہی چیز مانگ رہے ہیں جو وہ شخص مانگ رہا ہے۔ بادشاہ کے اس منظورِ نظر کی باتیں سنو، وہ انتہائی ادب و احترام اور گریہ زاری کے ساتھ کہہ رہا ہے:

"اے ہمیں اپنی نعمتوں کے ذریعے پالنے والے بادشاہ! یہ نعمتیں جن نعمتوں کے نمونے عکس اور مثالیں ہیں، ہمیں ان کے اصل سرچشمے دکھا دے۔ ہمیں ہمارا ہاتھ پکڑ کر اپنے پایہ تخت تک لے جا اور اس لق و دق صحرا میں بھٹکنے اور ضائع ہونے سے بچا۔ ہمیں اپنا مقرب بنا کر اپنی بارگاہ میں حضوری کا شرف بخش۔ ہم پر رحم کر۔ جن لذیذ نعمتوں کے ذائقے سے تو نے ہمیں یہاں آشنا کیا ہے اُن سے ہمیں وہاں اپنی بارگاہ میں بھی شادکام کر، اور ہمیں اپنی دوری اور جدائی کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ تمام رعایا تیری مشتاق، تیری شکرگزار اور اطاعت شعار ہے، اسے بھول بھلیوں میں ڈال کر ضائع نہ کر اور اسے ایسی موت سے ہمکنار نہ کر جس کے بعد زندگی نہ ہو"۔

سُنا تو نے اے دوست یہ کیا کہہ رہا ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ ایک ایسا بادشاہ جو ایسی ہمہ گیر قدرت اور عالمگیر شفقت کا مالک ہے اور اپنی رعایا کے چھوٹے سے چھوٹے فرد کی ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش پوری کرتا ہے، تمہارا کیا خیال ہے کیا ایسے ہو سکتا ہے کہ ایسا بادشاہ اپنے نمائندہ شخص کی خواہش پوری نہ کرے؟ اور یوں بلند ترین اہداف و مقاصد کو بروئے کار نہ لائے؟ پھر یہ اس کا نمائندہ، فرستادہ اور معزز شخص جو کچھ اس سے مانگ رہا ہے وہ نہ صرف اس کی اپنی بلکہ تمام مخلوقات کی

Marfat.com

خواہشیں ہیں اور سب کے اہداف و مقاصد ہیں، اور اس بادشاہ کے عدل و انصاف، اس کی رحمت اور رضامندی کے تقاضوں کے عین مطابق بھی ہیں۔ پھر اس کے لیے اپنی اس محبوب شخصیت کے مطالبات کو پورا کرنا ہے بھی بالکل سہل اور آسان۔ اور اپنے اس مہمان خانے کی عارضی تفریح گاہ اور نمائش گاہ میں اس نے اپنی تخلیق کے جو نمونے بکھیرے ہیں اُن سے زیادہ مشکل یا دشوار بھی نہیں ہے! صورت حال یہ ہے کہ اس نے زرِ کثیر صرف کیا ہے اور اپنی تخلیق کے ان نمونوں کی وقتی اور عارضی نمائش کے لیے اس مملکت کو وجود بخشا ہے، تو پھر یہ ضروری ہے کہ وہ عنقریب اپنے پایہ تخت میں اپنے حقیقی خزانوں اور اپنے کمالات و عجائب کے ایسے نادر نمونوں کی نمائش کرے جو عقل کو حیران کر کے رکھ دیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ جو اس دار الامتحان میں ہیں، عبث اور بے کار نہیں ہیں، بلکہ ابدی اور سرمدی سعادت کے محلات، یا ابدی اور سرمدی خوفناک زندانوں کے اندھیرے ان کے انتظار میں ہیں۔

## چھٹی صورت:

آؤ، اور اب ایک اور منظر دیکھو، ان دیو ہیکل ریل گاڑیوں، ان لدے پھدے جہازوں، ان بھرے ہوئے گوداموں اور ان خوبصورت، دلکش اور جاذبِ نظر نمائش گاہوں کو دیکھو۔ اور یہاں کے انتظامی امور میں غور کرو۔ یہ سب چیزیں اس حقیقت کی نشاندہی کر رہی ہیں کہ یہاں واقعتاً ایک شاندار حقیقی سلطنت موجود ہے جو پسِ پردہ حکمرانی کر رہی ہے (حاشیہ:۱)

اور ایسی سلطنت کا حتمی تقاضا یہ ہے کہ اس کی رعایا بھی ایسی ہونی چاہیے جو اس کے شایانِ شان ہو۔ لیکن جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کے جس مہمان خانے میں جمع ہیں اُس میں آنا جانا لگا رہتا ہے اور وہ ہر روز بھرتا اور خالی

---

(حاشیہ:۱) ایک لشکر جرار میدان مشق میں یا براہ راست میدان جنگ میں جب ''اسلحہ پکڑنے اور ہتھیار تان لینے'' کا حکم پا لیتا ہے تو وہ ایک ایسی صورت اختیار کر جاتا ہے جیسے کہ کانٹوں کا جنگل ہو، جس طرح کسی بھی تقریب یا پریڈ وغیرہ کے موقع پر فوجیوں کو جب حکم ملتا ہے کہ ''اپنے اپنے میڈل اور بیج وغیرہ زیب تن کر لو'' تو تمام کا تمام لشکر رنگارنگ پھولوں سے بھرے ہوئے ایک گلستان کی طرح سج دھج جاتا ہے۔ ایسے ہی نباتات ہیں جو کہ بے شعور ہیں اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے بے حد و حساب لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں۔ جیسے کہ ملائکہ، جن و انس اور حیوانات اس کے لشکر ہیں۔ تو یہ نباتات زندگی کے تحفظ کی جدوجہد کے دوران جب ''کن فیکون'' کا حکم پاتی ہیں اور انہیں جب یہ حکم ملتا ہے کہ اپنا اسلحہ سنبھال لو اور دفاع کی غرض سے خود کو تیار رکھو، تو یہ حکم پا کر تمام درخت اور خاردار جھاڑیاں اپنے تیر و تفنگ تیار کر لیتی ہیں، اور سطح زمین اس طرح ایک بہت بڑے مسلح لشکر جرار کے ساتھ مشابہت اختیار کر جاتی ہے، اور یوں موسم بہار کا ہر دن اور ہر ہفتہ نباتات کے گروہوں میں سے کسی نہ کسی گروہ کے لیے عید کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ ان میں سے ہر گروہ اپنے بادشاہ کے عطا کردہ خوبصورت تحفوں کی اور اس کے انعام کردہ مرصع تمغوں کی نمائش کرتا ہے اور یوں اپنی ذات کو۔ فوجی پریڈ کی طرح۔ اُس سلطانِ ازلی اور اُس کے تماشائیوں کے سامنے پیش کرتا ہے، اس منظر میں وہ ایسے لگتا ہے جیسے کہ یہ امرِ ربانی سن رہا ہے: ''صنعتِ ربانی کی جڑاؤ پیٹیاں اور فطرتِ الٰہی کے زرق برق تمغوں یعنی پھولوں اور پھلوں کو زیب تن کر لو اور پھولوں کو شگفتہ ہونے دو۔'' تب سطح زمین اس موقع پر ایسے ہو جاتی ہے جیسے کہ عید کے دن ایک پُر حشمت شاہی پریڈ کے دوران زرق برق تمغوں اور جھلمل کرتی جڑاؤ پیٹیوں سے لدا پھدا عظیم الشان لشکر ہو۔'' پس اس حد تک یہ منظم تیاری سامانِ زیبائش کی یہ حکیمانہ فراوانی اور اس حد تک یہ تزیین و آرائش چشم بینا رکھنے والے کو یہ چیز باور کراتی ہے کہ یہ تمام انتظام ایک ایسے شہنشاہِ مطلق کے حکم کا کرشمہ ہے جو نہایت درجے کی قدرت اور غایت درجے کی حکمت کا مالک ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

ہوتا رہتا ہے، یہ امتحان کے اس میدان میں امتحان اور آزمائش کے لئے آتے ہیں، لیکن میدان ہر گھڑی بدلتا رہتا ہے اور انہیں اس میں ٹھہرنے کا بہت تھوڑا موقع ملتا ہے جس میں وہ اپنے آقا کی قیمتی نعمتوں، اور اس کی صنعت کے انوکھے عجائبات سے محظوظ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ نمائش گاہ بھی لحظہ بہ لحظہ تبدیل ہوتی رہتی ہے، یہاں سے جانے والا پھر آتا نہیں اور آنے والا بھی چلا جاتا ہے۔ یہ چیزیں قطعی طور پر یہ بات ثابت کرتی ہیں کہ اس زوال پذیر مہمان سرائے کے پیچھے، ان تبدیل ہونے والے میدانوں، اور ان تغیر آشنا نمائش گاہوں کے پردوں کے پیچھے غیر متغیر اور غیر فانی محلات، ابدی رہائش گاہیں اور وہ حقیقی باغات اور اصلی خزانے موجود ہیں جن کے نمونے اس دنیا میں رکھے گئے ہیں۔

اس سے پتا چلا کہ وہ اعمال و افعال جو یہاں سرانجام دیے جاتے ہیں وہ دراصل اسی جزا و سزا کا روپ ہیں جس سے ہم وہاں دوچار ہوں گے۔ وہ مالکُ القدیر یہاں مکلف کرتا ہے اور وہاں بدلہ دیتا ہے۔ پس ہر فرد کے حصے میں اتنی ہی سعادت مندی اور نیک بختی آئے گی جتنی اس نے تیاری کی ہے اور جتنے اچھے اعمال اس نے سرانجام دیے ہیں۔

## ساتویں صورت:

آؤ، اب کچھ دیر تہذیب و تمدّن کے دلدادہ لوگوں کے درمیان چہل قدمی کر کے ان کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ اِدھر دیکھو، یہاں ہر کونے میں دوربینیں اور کیمرے نصب کئے ہوئے ہیں اور کوئی چیز ان کیمروں کی آنکھ سے چھپ نہیں سکتی ہے، اور ہر زاویے میں لکھاری قلمیں سنبھالے بیٹھے ہیں جو کہ چھوٹی بڑی ہر چیز کو لکھ رہے ہیں، معمولی سے معمولی چیز کا ریکارڈ بھی ان کے پاس موجود ہے۔

آؤ، اب اس سربفلک پہاڑ کا نظارہ کرو، اُس پر ایک بہت بڑا ایسا کیمرہ نصب ہے جو کہ خود شہنشاہ مملکت کے لیے خاص ہے، (حاشیہ:۱)

---

(حاشیہ:۱) ''یہ ساتویں صورت جن معانی کی طرف اشارہ کر رہی ہے ان میں سے کچھ کی وضاحت (ساتویں حقیقت) نامی مضمون میں ہو چکی ہے۔ پہاڑ پر نصب سب سے بڑا کیمرہ لوح محفوظ اور اس کی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (چھبیسویں مقالے) میں لوحِ محفوظ کے وجود کا اثبات کچھ اس طرح سے کیا گیا ہے:

جس طرح چھوٹے چھوٹے ذاتی بٹوے اس چیز کا اشارہ دیتے ہیں کہ ایک بہت بڑے رجسٹر کا وجود بھی یقینی ہے اور جس طرح چھوٹی چھوٹی دستاویزات اس چیز کا اشارہ دیتی ہیں کہ کوئی بنیادی قسم کا بہت بڑا رجسٹر موجود ہے جس میں یہ تمام دستاویزات محفوظ ہیں، اور جس طرح کثیر تعداد میں چھوٹے چھوٹے قطروں کا ٹپکنا اس چیز کا اشارہ دیتا ہے کہ ایک بہت بڑا سرچشمہ موجود ہے، بالکل اسی طرح، چھوٹے چھوٹے بٹووں کے حکم میں، ہر ایک چھوٹے لوحِ محفوظ کے معنی میں، بڑے لوحِ محفوظ کو لکھنے والے قلموں سے ٹپکنے والے چھوٹے چھوٹے نکتوں کی صورت میں نوعِ بشر کے حافظے، درختوں کے پھل، پھلوں کے بیج قطعی طور پر ایک بڑے حافظے، ایک بڑے رجسٹر اور ایک بڑے لوحِ محفوظ کا احساس اور شعور دلاتے ہیں، اسے ثابت کرتے ہیں حتیٰ کہ تیز عقلوں کو دکھاتے ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

اس مملکت کی کوئی بھی چیز اس کیمرے کی نظر سے اوجھل نہیں ہے، اس میں ایک ذرے تک کی تصویر بھی محفوظ ہے، اور ہر کونے زاویے میں کاتب بیٹھے ہوئے ہیں جو علاقے میں رونما ہونے والا چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی ضبط تحریر میں لا رہے ہیں، اور یوں ان تصویری شہادتوں کے ساتھ ساتھ ہر لمحے کا تحریری ریکارڈ بھی موجود ہے؛ کیونکہ سلطانِ معظم نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ مملکت میں رونما ہونے والا ہر واقعہ ریکارڈ میں رکھا جائے اور ہر معاملے کا اندراج رجسٹر میں کیا جائے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود سلطانِ معظم ہی تمام حادثات و واقعات کو لکھواتا اور ان کے تصویری ریکارڈ کو محفوظ رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ یہ انتہائی دقیق قسم کے ریکارڈ کا عمل لازمی طور پر ایک محاسبے کیلئے ہے۔

اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک حکیم حفیظ حکمران جو اپنی رعایا کے کسی عام آدمی کے ساتھ تعلق رکھنے والا ادنیٰ سا معاملہ بھی نظر انداز نہیں کرتا ہے وہ اپنی رعایا کے بڑے افراد کے بڑے بڑے معاملات کا ریکارڈ نہ رکھے، ان کا محاسبہ نہ کرے اور اُنہیں جزا و سزا نہ دے؟ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ جن اعمال کا ارتکاب وہ کر رہے ہیں وہ اس شہنشاہِ عالی جناب کی شان میں گستاخی اور اس کی عظمت و کبریائی کے لیے چیلنج شمار ہوتے ہیں اور اس کی عالگیر رحمت سے کسی بھی طور میل نہیں کھاتے ہیں۔ اور چونکہ وہ یہاں ایسے اعمال کی سزا سے بچ نکلتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ انہیں ان گناہوں کی سزا اُس عدالتِ عظمیٰ میں ملے گی۔

## آٹھویں صورت:

آؤ، میں تمہیں وہ احکام و اوامر پڑھ کر سناتا ہوں جو بادشاہ کی طرف سے صادر ہوئے ہیں۔ دیکھو، وہ اپنا وعدہ اور وعید بار بار دہراتا ہے اور کہتا ہے میں تمہیں بہر کیف اپنے پایۂ سلطنت میں لاؤں گا اور تم میں سے اطاعت شعاروں کو سعادت سے ہمکنار کروں گا اور نافرمانوں کو قید خانے میں ڈالوں گا۔ میں اس عارضی دنیا کو بہر صورت تباہ کر دوں گا، اور ضرور بر ضرور ایک دوسری مملکت تیار کروں گا جس میں دائمی محلات اور قید خانے ہوں گے۔ اور اُس کیلئے اپنے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنا نہایت آسان ہے۔ نیز یہ چیز اسکی رعایا کیلئے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ جبکہ وعدہ خلافی اس کی عزتِ اقتدار کے کلی طور پر منافی ہے۔

ارے غافل دیکھ! تو اپنے جھوٹے توہمات کی، اپنی یاوہ گو عقل کی اور اپنے فریب کار نفس کی تو تصدیق کرتا ہے، لیکن اس ذات کی تصدیق نہیں کرتا جسے وعدے کی مخالفت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے، مخالفت جس کی عزت اور غیرت کے بنیادی طور پر شایانِ شان ہی نہیں ہے، اور جس کی سچائی کی یہ سرانجام پانے والے تمام امور گواہی دے رہے ہیں۔ یقیناً تم بہت بڑی سزا کے مستحق ہو، تمہاری مثال تو اس مسافر کی سی ہے جو سورج کی روشنی سے تو آنکھیں بند کر لے اور اپنے تخیل سے روشنی مانگے، اور اپنے خوفناک اور تاریک راستے کو اپنی اُس عقل کے ساتھ روشن کرنا چاہے جس کی روشنی جگنو کی روشنی

Marfat.com

سے زیادہ نہیں ہے۔

دوسری طرف اس بادشاہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ اسے بہر صورت پورا کرے گا؛ کیونکہ وعدہ نبھانا اس کے لیے انتہائی آسان ہے۔اور اس کی سلطنت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ وعدہ ہر قیمت پر پورا ہو،اور ہمارے لیے اور ہر چیز کے لیے ایسا ہونا بہت ضروری بھی ہے۔

تو پتا چلا کہ اُس پار ایک عدالتِ عظمٰی اور بہت بڑی سعادت کا وجود پایا جاتا ہے۔

## نویں صورت:

آؤ اب ذرا اس سلسلے کو چلانے والے سربراہوں کو دیکھیں (حاشیہ:۱)

ان میں سے ہر ایک بادشاہ سلامت کے ساتھ اپنے ذاتی ٹیلفون کے ذریعے براہِ راست بات چیت کرتا ہے، بلکہ ان میں سے بعض نے اس کے مقدس دیوان تک بازیابی کا شرف بھی حاصل کر لیا ہے۔غور کرو یہ لوگ کیا کہتے ہیں؟ یہ تمام لوگ متفقہ طور پر ہمیں بتاتے ہیں کہ سلطانِ معظم نے نیکوکاروں کے لیے ایک بہترین، عالی شان، دیدہ زیب، اور سیاہ کاروں کے لیے ایک ہیبت ناک جگہ تیار کر رکھی ہے۔ وہ پکا وعدہ کرتا ہے اور شدید دھمکی دیتا اور وعید سناتا ہے،اس کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ کسی کے ساتھ وعدہ کرے اور خوشخبری دے لیکن پھر اس کی خلاف ورزی کر کے اُسے ذلیل کرے،اسی طرح یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی کو وعید سنائے اور اسے نافذ نہ کرے۔

یاد رہے کہ بات اتنے لوگوں نے بتائی ہے کہ اگر کثرت کی طرف دیکھا جائے تو حدِّ تواتر تک جا پہنچی ہے،اور اگر قوت کی طرف دیکھا جائے تو اتفاق اور اجماع کے درجے تک پہنچ گئی ہے۔ یہ تمام لوگ ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ عظیم الشان سلطنت جس کے نقوش و آثار ہم یہاں دیکھ رہے ہیں ،وہ سلطنت ایک بہت دور افتادہ مملکت کے اندر ہے،اور اس دارالامتحان میں جو عمارتیں ہیں وہ عارضی اور وقتی تعمیرات ہیں جو دائمی اور ابدی محلوں میں تبدیل ہو جائیں گی، یعنی یہ زمین کسی اور زمین کی شکل اختیار کر لے گی؛ کیونکہ وہ جلیل القدر دائمی مملکت جس کی عظمت اس کے ان آثار و علامات سے پہچانی جاتی ہے ممکن نہیں کہ اس کی ہمہ گیری اور عظمت یہاں نظر آنے والی چند ایسی چیزوں میں منحصر ہو جو ازبس ناقص، فانی ،ناپائدار، بے قیمت اور بے ثبات ہیں۔ بلکہ اس کی بنیاد دوام و کمال اور عظمت و جلال بھرے اُن امور پر ہے جو اس کی عظمت کے شایانِ شان ہیں۔

---

(حاشیہ:۱) یہ اشارہ جن معانی کا اثبات کرتا ہے وہ عنقریب (آٹھویں حقیقت) میں سامنے آئیں گے، مثال کے طور پر: اس مثال میں ان دائروں کے سربراہوں سے مراد انبیاء و اَولیاء ہیں۔ اور ٹیلی فون سے مراد وحی کے آئینے اور الہام کے مظہر یعنی قلب سے پھیلی ہوئی وہ ربانی نسبت کے قلب اسکا مائیک اور سپیکر کی حیثیت سے ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

اس سے پتا چلا کہ ایک دوسری رہائش گاہ موجود ہے۔ اور اُس رہائش گاہ کی طرف کوچ کر کے جانا بہت ضروری ہے۔

## دسویں صورت:

آؤ میرے دوست، آج پورے ملک میں سرکاری سطح پر اعلیٰ پیمانے کا ایک تہوار منایا جا رہا ہے۔ (حاشیہ:۱) عنقریب یہاں بہت سی خوبصورت تبدیلیاں آنے والی ہیں اور بہت سے عجیب و غریب منظر سامنے آنے والے ہیں ۔آؤ تھوڑی سی چہل قدمی کرتے ہیں اور بہار کے اس وجد آفرین دن میں اُس سبزہ زار کی طرف نکلتے ہیں جو خوبصورت اور دیدہ زیب رنگا رنگ پھولوں سے سجا ہوا ہے۔ دیکھو، اور بھی بہت سے لوگ اس طرف کھچے چلے آ رہے ہیں۔ دیکھو، کیسا عجیب و غریب منظر ہے کہ عمارتیں تمام کی تمام گر رہی ہیں اور نئی شکل میں دوبارہ ابھر رہی ہیں! یقیناً یہ کوئی معجزہ رونما ہو رہا ہے؛ کیونکہ وہ تمام عمارتیں جو گر کر کھنڈرات میں تبدیل ہو گئی تھیں وہ فوراً دوبارہ تعمیر ہو گئی ہیں اور اس ویرانے میں دیکھتے ہی دیکھتے ایک شہر آباد ہو گیا ہے!۔ دیکھو، یہاں ہر لمحے ایک نیا منظر سامنے آ رہا ہے اور پہلی شکل نظروں سے غائب ہو جاتی ہے اور دوسری سامنے آ جاتی ہے، بالکل ایسے جیسے سینما کی سکرین پر ہوتا ہے۔ اسے غور سے دیکھو کہ باہم دیگر پیوستہ، بسرعت تبدیل ہونے والے رنگا رنگ حقیقی پردوں میں کس قدر مکمل انتظام پایا جاتا ہے کہ ہر چیز اپنی مناسب جگہ پر استوار کی جاتی ہے۔ سینما کے خیالی پردے بھی اتنے منظّم نہیں ہو سکتے، لاکھوں ماہر جادوگر بھی صنعت سے بھرپور ان صنعتوں کو سرانجام نہیں دے سکتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ وہ سلطانِ معظم جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے، یقیناً ایسے بہت سے معجزاتی امور کا مالک ہے۔

**تو اے بیوقوف انسان!** تو یہ کہتا ہے کہ ایسا ہونا کیونکر ممکن ہے کہ یہ عظیم سلطنت یہاں سے ویران ہو جائے گی اور کسی دوسری جگہ پر نئے سرے سے آباد ہو جائے گی؟

تو یہ لحظہ بہ لحظہ ظہور میں آنے والی تبدیلیاں اور حیران کن انقلابات جنہیں تمہاری عقل قبول نہیں کر رہی ہے، یہ سب کچھ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہی تو ہو رہا ہے۔ اتنی تیزی کے ساتھ اکٹھا ہونا اور بکھر جانا، تبدلات اور تغیرات کا رونما ہونا اور اتنی تیزی کے ساتھ رونما ہونے والے اجتماع و افتراق، تبدّل و تغیّر اور تعمیر و تخریب کے یہ مظاہر۔ ان سب کے پیچھے کوئی

---

(حاشیہ:۱) اس صورت میں جس چیز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اس کی وضاحت آپ کو "نویں حقیقت" میں ملے گی۔ تہوار کے دن سے مراد یہاں موسم بہار ہے۔ پھولوں سے بھرے سبزہ زار سے مراد سطح زمین ہے جو موسم بہار میں پھولوں سے معمور ہو جاتی ہے۔ پردہ سکرین پر تبدیل ہونے والے مناظر سے مراد رزق کی وہ مختلف اقسام ہیں جو بہار اور خزاں کے موسم میں انسانوں اور حیوانوں کے لئے زمین سے برآمد ہوتی ہیں، جنہیں صانعِ قدیرِ ذوالجلال اور فاطرِ حکیمِ ذوالجمال ایک نپے تلے انداز ے کے ساتھ زمین سے برآمد کرتا ہے، اور جو انہیں ایک کمال انتظام کے ساتھ تبدیل کرتا ہے اور اپنی بھرپور رحمت کے ذریعے ان کی تجدید کرتا ہے اور انہیں بہار کے آغاز سے لیکر موسم گرما کے آخر تک پے در پے مرحلوں میں برابر بھیجتا رہتا ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

مقصد اور کوئی غرض وغایت ضرور ہے کہ جس کی وجہ سے پل دو پل کے اجتماع کی خاطر اتنا خرچہ کر دیا جاتا ہے جتنا کہ دس سال کے لیے کافی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ صورتِ حال اور یہ اوضاع واطوار مقصود بالذات نہیں ہیں، بلکہ یہ چیزیں تو نمونے ہیں جو یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔ اور سلطانِ معظم اپنے تمام اعمال معجزانہ طریقے سے سرانجام دیتا ہے تاکہ ان کی تصویریں لی جاسکیں اور ان کے نتائج محفوظ کیے جاسکیں، بالکل ایسے جیسے میدان میں ہونے والی فوجی نقل وحرکت کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اجتماع کا ایک بہت بڑا میدان اور نمائش گاہ قائم ہونے والی ہے، اور یہ تمام امور ومعاملات اور تمام کارگزاریاں وہاں بالکل ایسے پیش کر دی جائیں گی جیسے یہاں عمل میں آئی ہیں، اور یہ زوال پذیر اوضاع واطوار اور فانی اعمال وکردار ہمیشہ رہنے والے نتائج پیدا کریں گے اور وہاں دائمی شکلوں صورتوں میں ڈھل جائیں گے۔

تو مقصود ان محافل واجتماعات ومشاہدات سے اُس سعادتِ عظمیٰ، عدالتِ کبریٰ اور ان اہداف وغایات تک پہنچنا ہے جو اس وقت ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔

## گیارہویں صورت:

آؤ میرے ہٹ دھرم دوست! مشرق یا مغرب یعنی ماضی یا مستقبل کی طرف سفر کرنے کے لیے ہم کسی جہاز یا ٹرین پر بیٹھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ سلطانِ معظم نے دنیا کے ہر کونے زاویے میں کن گوناگوں معجزات کا اظہار کیا ہے۔ وہ عجائبات جن کا مشاہدہ ہم نے یہاں نمائش گاہ، میدان یا محل میں کیا ہے، ان کے نمونے ہر جگہ پر پائے جاتے ہیں، صرف ان کی شکل وصورت اور صنعت گری ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اس چیز کو بغور دیکھو تاکہ تمہیں پتا چلے کہ ان تغیر آشنا محلوں، ان فنا پذیر میدانوں اور زوال خوردہ نمائش گاہوں میں وسیع حکمت کا کیسا انتظام ہے، ظاہری الطاف وعنایات کے کیسے اشارے ہیں، عدل وانصاف کی علامات کا کیسا ظہور ہے اور وسیع وعریض رحمت کے ثمرات کے منصہ شہود پر آنے کے کیا درجات ہیں! اگر کوئی بصیرت سے محروم نہ ہو گیا ہو تو وہ یقینی طور پر سمجھ جائے گا کہ کسی ایسی حکمت اور دانائی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ہے جو اس بادشاہ کی حکمت سے زیادہ کامل ہو، کوئی ایسی عنایت اور مہربانی نہیں ملے گی جو اس کی مہربانی سے زیادہ خوبصورت ہو، کوئی رحمت ایسی نہیں پاؤ گے جو اس کی رحمت سے زیادہ عالمگیر ہو اور کوئی ایسی عدالت نہ ہو گی جو اس کی عدالت سے زیادہ عظمت والی ہو۔ لیکن چونکہ یہ مملکت _ جیسا کہ معلوم ہے _ اس حکمت، عنایت، رحمت اور جلالت کے حقائق کے اظہار سے قاصر ہے اس لیے اگر اُس کی مملکت میں _ جیسا کہ تمہارا وہم ہے _ دائمی محلات، مستقل جاذبِ نظر رہائش گاہیں، صاف ستھرے اور ابدی مکانات، ہمیشہ رہنے والے باشندے اور نیک بخت رعایا نہ ہو؛ جو اس حکمت، عنایت، رحمت اور عدالت کو بروئے کار لائے اور یہ تمام چیزیں وہاں جلوہ گر ہو سکیں، تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ جو حکمت اور دانائی ہم دیکھ رہے ہیں، وہ

Marfat.com

الطاف وعنایات جس سے ہم بہرہ ور ہیں، وہ رحمت وشفقت جس سے ہم نہال ہو رہے ہیں اور وہ عدل وانصاف جس کے واضح نشانات ہم دیکھ رہے ہیں۔ پھر یہ لازم آتا ہے کہ ہم ان سب کا انکار کر دیں۔ بالکل ایسے جیسے ایک احمق چمکتی دوپہر میں سورج کی روشنی کا بلکہ خود سورج کا انکار کر دے! پھر اس میں یہ بھی لازم آتا ہے کہ جو ہستی اس کائنات میں حکمت بھرے معاملات، بامقصد اعمال وافعال اور رحمت بھری حسنات سرانجام دے رہی ہے، حاشا ثمّ حاشا وہ کوئی عبث اور بے ہودہ کام کر رہی ہے اور فریب دے رہی ہے! اور یہ چیز کہ یہ کائنات محض کھیل تماشا یا فریب کاری ہے، تمام اہل عقل کے نزدیک بالاتفاق محال ہے، صرف ایک سوفسطائی مورکھ ہی ایسا ہے جو اشیاء کے وجود کا بلکہ خود اپنے وجود کا انکار کرتا ہے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کائنات کے علاوہ ایک اور کائنات بھی ہے جس میں ایک محکمہ کبریٰ یا عدالتِ عظمیٰ پائی جاتی ہے، جو بے پایاں لطف وکرم کا مرکز ہے، جہاں یہ رحمت وشفقت، یہ حکمت ودانائی، یہ عنایت ومہربانی اور یہ عدل وانصاف اپنے بھرپور جوبن کے ساتھ ظہور پذیر ہوگا۔

## بارہویں صورت:

آؤ میرے دوست اب واپس چلتے ہیں اور ان مختلف جماعتوں اور گروہوں کے سربراہوں سے ملتے ہیں۔ ان کے ساز وسامان کو دیکھتے ہیں۔ کیا یہ ساز وسامان انہیں دنیا کے اس تربیتی اور تدریبی میدان میں چند روز گزارنے کے لیے دیا گیا ہے یا اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کسی دوسری جگہ میں جا کر خوش بختی کی ایک طویل زندگی گزاریں؟

ہم چونکہ ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ نہیں مل سکتے ہیں، اور ان کے تمام ساز وسامانِ زندگی کے متعلق معلومات حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے بطور نمونہ ہم ان میں سے ایک افسر کے کارڈ اور رجسٹر کا پتا چلا لیتے ہیں اور باقی سب کو اس پر قیاس کر لیں گے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کارڈ میں اس افسر کا عہدہ، منصب، ڈیوٹی، تنخواہ، میدانِ کار اور اس سے متعلقہ دیگر معاملات درج ہیں۔ دیکھو، اس کا یہ عہدہ اس کو محض چند دن کے لیے نہیں بلکہ لمبے عرصے کے لیے دیا گیا ہے۔ اس کے کارڈ پر یہ لکھا گیا ہے کہ یہ فلاں تاریخ سے سرکاری خزانے سے اپنی تنخواہ وصول کیا کرے گا۔ صرف یہ ہے کہ یہ تاریخ بہت دور ہے اور اس میدان کی تمام تربیتی مشقوں کے اختتام سے پہلے نہیں آئے گی۔ لیکن جہاں تک اس ڈیوٹی کا تعلق ہے، تو یہ اس وقتی یا عارضی میدان کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے نہ موافقت، بلکہ یہ ڈیوٹی اس مالکُ القدیر کے ہاں پائے جانے والے مقام بلند تک پہنچنے کی سعادت سے ہمکنار ہونے کے لیے ہے۔ رہے فرائض وواجبات تو وہ بھی ایسے ہی اس مہمان خانے میں چند محدود ایام گزارنے کے لیے نہیں ہو سکتے ہیں، بلکہ وہ ایک دوسری زندگی کے لیے ہیں جو زندگی سعادت سے بھری ہوئی، خوشگوار اور دائمی ہے۔

اور یہ دستور واضح طور پر دیکھتا کہ: اس کارڈ کا مالک دوسری جگہ کے لیے تیار کیا گیا ہے، بلکہ وہ کسی دوسرے عالم کی

Marfat.com

طرف بھاگا چلا جارہا ہے۔

اب ذرا ان رجسٹروں اور کھاتوں پر نظر ڈالو جن میں اس ساز و سامان کے استعمال اور اس ضمن میں عائد ہونے والی ذمہ داریوں کی تفصیلات درج ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس مقام و مرتبے کے علاوہ کوئی اور دائمی اور ابدی منزل نہیں ہے تو پھر اس باضابطہ رجسٹر اور شناختی کارڈ کے اندراجات کیا معنی رکھتے ہیں؟

اور پھر یہ محترم کمانڈر، معزز قائد اور موقر سربراہ؛ اس سب سے زیادہ پستی کے گڑھے میں جا گرے گا اور ان سب سے زیادہ بدبختی، روسیاہی، ذلت و رسوائی اور ضعف و گدائی سے دوچار ہو جائے گا؟۔ اب اس پر قیاس کرلو جس طرف بھی نظر دوڑاؤ گے اور غور کرو گے تمہیں یہی نظر آئے گا کہ اس فنا کے بعد بقائے دوام ہے۔

اے دوست! یہ وقتی بادشاہی تو ایک کھیتی کی حیثیت رکھتی ہے، ایک تعلیم کا میدان ہے اور ایک تجارت کا بازار ہے ،اس لیے اس کے بعد ایک عدالتِ کبریٰ اور سعادتِ عظمیٰ کا آنا بہت ضروری ہے، اگر تم اس چیز کا انکار کرتے ہو تو پھر تو تمہیں ان تمام کارڈوں اور رجسٹروں کا بھی انکار کرنا پڑے گا جو اس افسر کی تحویل میں ہیں، پھر تو تمہیں اس تمام ساز و سامان کا اور ان تمام تعلیمات کا بھی انکار کرنا پڑے گا، بلکہ پھر تو تمہیں اس مملکت کے ہر معاملے اور ہر نظم و ضبط کا انکار کرنا پڑے گا، بلکہ خود مملکت کا انکار کرنا پڑے گا! تب تو تمہیں یہ چاہیے کہ پیش آنے والے تمام حالات و واقعات کا انکار کردو۔ ایسے میں تو تمہیں ایک باشعور انسان کہنا بھی ممکن نہیں ہوگا، بلکہ تم تو سوفسطائیوں سے بھی زیادہ احمق ٹھہرو گے۔

اور خبردار! ایسا ہرگز نہ سمجھ لینا کہ اس مملکت کو دوسری مملکت میں تبدیل کر دینے کے دلائل اور اشارات صرف انہی بارہ صورتوں میں منحصر ہیں، بلکہ یہ حقیقت کہ یہ ہر دم متغیر اور زوال پذیر مملکت ایک دوسری مملکت میں تبدیل ہو جائے گی، اس حقیقت پر بے شمار دلائل اور لاتعداد شواہد موجود ہیں۔ اور یہ حقیقت کہ اس وقتی اور عارضی مہمان سرائے کے تمام باشندے اس مہمان سرائے کو خیرباد کہہ کر ایک ہمیشہ رہنے والی، ابدی اور دائمی سلطنت کی طرف منتقل ہو جائیں گے، اس حقیقت پر بے شمار دلائل اور شواہد موجود ہیں!

آؤ میرے دوست! آؤ میں تمہارے سامنے ایک ایسی دلیل رکھتا ہوں جو مذکورہ بارہ صورتوں میں پیش کیے گئے تمام دلائل و براہین سے زیادہ قوی اور واضح ہے۔ آؤ تمغوں سے سرفراز اس معزز نمائندے کو دیکھو جس کا نظارہ ہم اس سے قبل اس جزیرے میں کر چکے ہیں، وہ عظیم انسان ایک میلوں تک پھیلے ہوئے بہت بڑے اجتماع میں ایک فرمان پہنچا رہا ہے۔ آؤ چل کر سنتے ہیں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ غور سے سنو، وہ اس اجتماع میں عظیم الشان سلطانی فرمان کی وضاحت کر رہا ہے، وہ انہیں کہہ رہا ہے:

''تیار رہو، تمہیں عنقریب ایک دوسری ہمیشہ رہنے والی مملکت کی طرف سفر کرنا ہے۔ وہ مملکت ایسی ہے کہ جس کے

Marfat.com

سامنے ہماری یہ مملکت قید خانہ لگتی ہے اگر تم میری اس بات پر دھیان دو گے اور اس پر سنجیدگی سے عمل پیرا ہو جاؤ گے تو پھر تم اس مملکت میں ہمارے شہنشاہِ عالی کی مہربانیوں کے اور اس کے احسانات و عنایات کے اہل ہو جاؤ گے، لیکن اگر تم بے پروائی کا اظہار اور نافرمانی کا ارتکاب کرو گے، تو پھر خوفناک قید خانے تمہارے ٹھکانے ہوں گے''۔

وہ تمام حاضرین کو اس پیغام کے ساتھ چیتاونی دے رہا ہے، اور تم ملاحظہ کر رہے ہو کہ اس عظیم الشان پیغام پر وہ سلطانی مہر ہے جس کی نقل نہیں بنائی جا سکتی ہے۔ اور تم جیسے چند بے بصر لوگوں کے سوا____ سب لوگ صرف اس کے امتیازی تمغوں کو دیکھ کر ہی یہ بات جان مان رہے ہیں کہ امتیازی تمغوں سے مزین یہ معزز نمائندہ اور کمانڈر یقینی طور پر اپنا ذاتی نہیں بلکہ شہنشاہِ معظم کا پیغام پہنچا رہا ہے۔

اب تم بتاؤ کہ یہ معزز نمائندہ اپنی تمام تر قوت کے اور عظیم الشان سلطانی فرمان کے ساتھ جو یہ اعلان کر رہا ہے کہ یہ مملکت تبدیل ہو جائے گی اور کسی دوسری مملکت میں رہن بسیرا ہو گا، کیا اس بات پر اعتراض کرنا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، اِلاّ یہ کہ تم بالکل سامنے نظر آنے والے ان تمام حالات و واقعات کا انکار کر دو۔

تو اب اے دوست! اب تمہاری باری ہے تم جو چاہو کہہ سکتے ہو۔''میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ اور ان واضح حقائق کے سامنے کچھ کہا بھی جا سکتا ہے؟ کیا دوپہر کے چمکتے سورج کے خلاف کوئی بات ہو سکتی ہے؟ اب تو میں صرف ایک بات ہی کہہ سکتا ہوں، اور وہ یہ کہ: الحمدللہ، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں بے کار کی خواہشات اور اوہام و خرافات کے قبضے سے نجات پا گیا ہوں اور نفسِ اَمّارہ کی جکڑ بندیوں اور دائمی قید خانے سے باہر نکل آیا ہوں۔ اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ اس سلطانِ معظم کے ہاں ابدی سعادت اور خوش بختی کا گھر ہے، اور ہم اس فانی اور غیر مستقل گھر کو چھوڑ کر اس ابدی اور مستقل گھر میں بسیرا کرنے کے لیئے تیار کیے جا رہے ہیں''۔

ہماری یہ کہانی جس میں اشاروں کنایوں میں حشر، قیامت اور حیات بعد الموت کے بارے میں بتایا گیا ہے، یہاں اختتام پذیر ہوئی۔ اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بلند ترین حقائق کی طرف منتقل ہوتے ہیں، اُن کی وضاحت ہم ''بارہ حقائق'' کے نام سے کریں گے۔ یہ تمام حقائق باہم دگر مربوط، ایک دوسرے کے ساتھ منسلک اور ان ''بارہ صورتوں'' کے بالمقابل ہیں۔ ان کی تفصیل میں جانے سے پہلے ہم بطور تمہید ایک مقدمہ لکھیں گے۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# مقدمہ

یہاں ہم ان مسائل کی طرف چند اشارات پر اکتفا کریں گے جن کی وضاحت ہم ''انیسویں، بائسویں اور چھبیسویں مقالے'' میں کر چکے ہیں۔

پہلا اشارہ:

یہ کہانی جو ابھی بیان کی گئی ہے اِس میں اُس ناسمجھ آدمی اور اس کے خیر خواہ دوست کے کردار میں تقابلی انداز میں تین حقیقتیں پائی جاتی ہیں:

**پہلی حقیقت:** میرا نفس امّارہ بمقابلہ میرا دل

**دوسری حقیقت:** شاگردانِ فلسفہ بمقابلہ شاگردانِ قرآن

**تیسری حقیقت:** ملّتِ کفریہ بمقابلہ اُمتّ اسلامیہ

بے شک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عدمِ معرفت ہی وہ چیز ہے جس نے نفس امّارہ، دلدادگانِ فلسفہ اور ملتِ کفر کو خوفناک گمراہی میں مبتلا کر رکھا ہے، جیسے کہ کہانی میں اس خیر خواہ دوست نے کہا کہ کوئی حرف بغیر کاتب کے اور کوئی قانون بغیر حاکم کے نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں:

کسی بھی کتاب کا بغیر کاتب کے ہونا ناممکن ہے، اور خاص کر اس کتاب جیسی کتاب کہ جس کے ہر کلمے کے اندر ایک ایسی کتاب پائی جاتی ہے کہ جس کا ہر کلمہ ایک دقیق اور بہترین قلم سے لکھا گیا ہے، اور جس کے ہر حرف کے تحت ایک ایسا قصیدہ پایا جاتا ہے جو انتہائی عمدہ اور بلند پایہ قلم کے ساتھ آراستہ کیا گیا ہے!

اسی طرح یہ بات محال ترین ہے کہ یہ کائنات بغیر کسی نقاش اور موجد کے وجود میں آ گئی ہو؛ کیونکہ اس کائنات کی حیثیت بھی ایک ایسی کتاب کی سی ہے جس کا ہر صفحہ کئی کتابوں پر مشتمل ہے، بلکہ اس کا ہر لفظ ایک کتاب ہے، نہیں، بلکہ اُس صفحے کا ہر کلمہ ایک کتاب ہے اور اُس کلمے کا ہر حرف ایک قصیدہ ہے۔ پس رُوئے زمین ایک صفحہ ہے، تو اس میں کتنی کتابیں پائی جاتی ہوں گی؟ ایک درخت ایک کلمہ ہے، اُس کے کتنے زیادہ صفحات ہوں گے؟ ایک پھل ایک حرف ہے اور بیج ایک نقطہ ہے اس نقطہ میں ایک تن آور درخت کی نشو ونما اور اس کے عمل و کردار کی مکمل فہرست پائی جاتی ہے۔ اس جیسی کتاب لازماً ایسے مصنف کے قلم سے نکلی ہے جو طاقت ور اور قدرت والا ہے، صاحبِ جلال و جمال اور حکمت مطلقہ کا مالک ہے۔ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ عالمِ کون ومکان پر ایک بھر پور نظر اور مشاہدہ انسان کو ایمان سے مزیّن کر دیتا ہے، شرط یہ ہے کہ

Marfat.com

گمراہی نے اُسے مدہوش نہ بنا رکھا ہو!

جیسے کوئی گھر بغیر معمار کے نہیں ہوسکتا، اور خاص کر اس طرح کا گھر جو کہ بہترین نقش و نگار سے مزین اور فنِّ تعمیر کا ایک حیران کن نادر ترین نمونہ ہے۔ حتّٰی کہ فن کی جس مہارت کا اظہار پوری عمارت میں کیا گیا ہے اس کی جھلک اس کے ہر پتھر میں علیحدہ طور پر بھی موجود ہے، کوئی عقلمند یہ بات کسی طور تسلیم نہیں کر سکتا کہ اس طرح کا کوئی گھر بغیر کسی ماہر انجینئر کے خود بخود تیار ہو جائے، خاص کر اس محل میں سینما کے پردوں کیطرح، ہر گھڑی حقیقی کمرے انتہائی انتظام اور آسانی کیساتھ ایسے بنتے اور تبدیل ہوتے ہیں جیسے کپڑے تبدیل کیے جاتے ہیں، بلکہ ہر حقیقی پردے میں چھوٹے چھوٹے کمرے بنائے جارہے ہیں۔

یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق بہرکیف موجود ہے جو بڑا صاحبِ حکمت، صاحبِ علم اور قادرِ مطلق ہے؛ کیونکہ یہ عمدہ کائنات ایک بے نظیر محل کی مانند ہے، چاند سورج جس کے چراغ ہیں، ستارے جس کی شمعیں اور قندیلیں ہیں اور زمانہ ایک رسّی یا کیسٹ کا ایک فیتہ ہے جس پر خالقِ ذوالجلال ہر سال ایک نئی کائنات کو لٹکا کر دکھاتا ہے اور اس میں انتہائی نظم وضبط کے ساتھ نئی نئی تین سو ساٹھ تصویریں نئے نئے انداز سے دکھاتا ہے، اور پھر ہر تصویر کو انتہائی نظم وضبط اور حکمت کاملہ کے ساتھ تبدیل کرتا ہے اور اس کی جگہ نئی لے آتا ہے۔ سطحِ زمین کو طرح طرح کی نعمتوں کا دسترخوان بناتا ہے اور اُسے ہر موسم بہار میں اپنی تین لاکھ مخلوق سے زینت بخشتا ہے اور اُسے اپنی بے شمار نعمتوں سے پُر کر دیتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے کہ تمام نعمتیں ایک دوسرے کا حصہ ہونے اور باہم آمیختہ ہونے کے باوجود اپنی علیحدہ علیحدہ شناخت برقرار رکھتی ہیں۔ اس پر دیگر تمام اشیاء کو قیاس کرلو۔ اب بتاؤ کہ ایسے نادر الوجود اور عظیم الشان محل کے معمار سے تغافل کیونکر ممکن ہے؟

پھر اس آدمی کی حماقت کا کیا ٹھکانہ ہوگا جو روزِ روشن میں دوپہر کے وقت سورج کا انکار کردے؟ عین اس وقت جب اس کی ضوفشاں کرنیں روشنی بکھیر رہی ہوں اور اس کی روشنی سمندر کی سطح پر موجود بلبلوں، زمین پر موجود ہر چمکتی چیز اور برف کے ہر ٹکڑے پر منعکس ہو رہی ہوں؟ کیونکہ ایسی حالت میں سورج کے انکار کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ سمندر کے قطروں، اس کے بلبلوں اور برف کے ٹکڑوں کی تعداد کے برابر چھوٹے چھوٹے حقیقی سورجوں کا وجود تسلیم کرلیا جائے۔ جس طرح ہر ذرے میں اُس کی جسامت سے کئی گنا بڑے سورج کے وجود کو ماننا بہت بڑی حماقت ہے، اسی طرح خالقِ ذوالجلال پر ایمان لانا، اور یہ دیکھتے ہوئے بھی کہ یہ کائنات انتہائی منظم ہے اور اس میں ہر آن ایک حکمت سے بھرپور تبدیلی رونما ہو رہی ہے اور اس کا ذرہ ذرہ ہر لحظہ جدّت آشنا ہو رہا ہے؛ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اس خالقِ عظیم کی کمال بردوش صفات کا انکار کرنا یقیناً بہت بڑی گمراہی، بیہودگی اور پرلے درجے کا پاگل پن ہے۔؛ کیونکہ اس صورت میں یہ چیز لازم آتی ہے کہ

Marfat.com

ہر چیز، حتی کہ ہر ذرہ مطلق الوہیت اور خدائی صفات کا حامل ہو!

کیونکہ ہوا کا ہر ذرّہ مثال کے طور پر، ہر پھل، ہر پھول اور ہر پتے میں داخل ہو کر وہاں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے۔ تو اگر یہ ذرّہ مأمور اور مسخر نہ ہو تو پھر یہ چیز لازم آتی ہے کہ جن چیزوں میں وہ داخل ہوتا ہے اُن تمام چیزوں کی شکل سازی کے طور طریقوں سے واقف ہو اور اُن کی تمام صورتوں اور حالتوں کے بارے میں ہمہ گیر قسم کا علم اور قدرت رکھتا ہو، تا کہ وہ اپنا کام بخوبی سرانجام دے سکے۔

اور مٹی کا ہر ذرّہ ہر قسم کے بیج کی نشو و نما کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو اگر وہ مأمور اور مسخر نہ ہو تو پھر یہ چیز لازم آتی ہے کہ اس کے پاس ان تمام درختوں اور جڑی بوٹیوں کی تعداد کے برابر معنوی آلات و اوزار اور مشینیں ہوں، یا پھر یہ ضروری ہے کہ اس کے پاس اتنا علم، اتنی طاقت، قدرت اور مہارت ہو کہ جس کے ذریعے وہ ان تمام درختوں اور جڑی بوٹیوں کی شکلوں، صورتوں اور ترکیبی ہیئتوں کی جان پہچان کر کے ان کی تشکیل کر دے۔ دیگر تمام موجودات کو بھی اسی پر قیاس کرتے جاؤ، تا آنکہ تم سمجھ جاؤ کہ ہر چیز میں وحدانیت کے واضح اور بہت سے دلائل موجود ہیں۔

جی ہاں، تمام چیزوں کو ایک چیز سے پیدا کرنا اور ایک چیز کو تمام چیزوں سے پیدا کرنا ایک ایسا عمل ہے جو اسی ذات کے لیے خاص ہے جو ہر چیز کی خالق ہے۔ اس نکتے کو سامنے رکھتے ہوئے اس فرمان گرامی پر غور کرو: ﴿وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ﴾، اور یہ چیز ذہن میں رکھو کہ اگر ایک اکیلے اِلٰہ کا اعتقاد نہ رکھا جائے تو پھر تمام موجودات کی تعداد کے برابر الٰہوں کا اعتقاد رکھنا ضروری ہو جاتا ہے!

## دوسرا اشارہ:

کہانی میں ہم نے ایک معزز نمائندے کا ذکر کیا تھا اور بتایا تھا کہ ہر کھلی آنکھ والا آدمی اس نمائندے کے تمغے دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا اور سلطانِ معظّم کا خاص آدمی ہے اور صرف اسی کے حکم کے مطابق چلتا ہے۔ یہ معزّز نمائندہ ہمارا رسول ﷺ ہے۔

جی ہاں، اس بے نظیر کائنات اور اس کے بے عیب خالق کا پیغمبر بھی اسی شان کا ہونا چاہیے، بالکل سورج اور روشنی کی طرح، کہ جیسے سورج روشنی پھیلائے بغیر نہیں ہو سکتا اسی طرح الوہیت بھی اپنا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتی ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک انتہائی کمال والا حسن و جمال اپنے اظہار کے لیے کسی ایسے وسیلے میں دلچسپی نہ رکھتا ہو جو اسے آشکار کر دے؟ یا وہ کسی ایسے نمائندے میں دلچسپی نہ رکھے جو اُس کی پہچان کرائے؟

اور کیا یہ ممکن ہے کہ انتہائی جمال والا کمال اپنی جلوہ آرائی کے لیے کسی ایسے واسطے کا طلبگار نہ ہو جو اُسے نگاہوں کا مرکز بنا دے؟

Marfat.com

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ہمہ گیر ربوبیتِ عامہ کی کلّی سلطنت کثرت اور جزئیات کے طبقات میں وحدانیت اور صمدانیت کا اعلان ایک ایسے نمائندے کے ذریعے سے نہ کرے جو دو قسم کی صفات کا حامل ہو؟:

ا۔ کلّی عبودیت کی صفت، اس صفت کی رُو سے وہ حضرتِ ربوبیّت میں مخلوق کے ہر طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔

ب۔ صفت رسالت وقربتِ الٰہی، اس صفت کی رُو سے وہ اللہ سبحانہ کی طرف سے تمام جہانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آخری درجے کے ذاتی حسن کا مالک اپنے جمال کے محاسن اور حسن کے لطائف کا اُس جمال کو منعکس کرنے والے آئینوں کے ذریعے نہ تو خود مشاہدہ کرنا چاہے اور نہ دوسروں کو کروانا چاہے؟ یعنی اس پیغمبر کے واسطے سے جو اس کا محبوب ہے، جو کہ اپنی خالص عبودیت کے ذریعے محبوبیت کے درجے پر فائز کیا گیا ہے؛ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کا محبوب بناتا ہے اور اس کے اسمائے گرامی کے حسن و جمال کو آشکار کرتا ہے۔

یا پھر کیا یہ ممکن ہے جو انتہائی نفیس، دلکش اور عقل کو خیرہ کر دینے والی قیمتی اشیاء کے بھرے ہوئے خزانوں کا مالک ہو وہ اپنے مخفی کمال کا اظہار نہ کرنا چاہے اور ایک ماہر منادی کرنے والے اور تعارف کنندہ اور اعلان کنندہ کے ذریعے اپنے اس کمال کی تمام مخلوق کی آنکھوں کے سامنے نمائش نہ کرنا چاہتا ہو؟

یا پھر کیا یہ ممکن ہے کہ جس نے اس کون و مکان کو ایسی مخلوقات سے مزیّن کیا ہے جو اُس کے اُسمائے حسنیٰ کے کمالی اوصاف کو آشکار کرتی ہیں، اور اسے ایک انوکھے اور عظیم الشان محل کی شکل دے کر اپنی دل آویز صنعتکاری سے مزیّن کر کے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنایا ہے، وہ اس کی وضاحت اور آشکارائی کا کام کسی مرشد، معلّم یا رہنما کے سپرد نہ کرے؟

یا پھر کیا ممکن ہے کہ اس کون و مکان کا مالک کسی پیغمبر کے واسطے سے اس بات کی وضاحت نہ کرے کہ اس کائنات میں رونما ہونے والی دم بدم تبدیلیوں کی انتہا کیا ہے اور اس پوشیدہ طلسم کے پیچھے مقصد کیا ہے؟ اور اس پیغمبر کے واسطے سے کائنات کی ان تین مشکل ترین پہیلیوں کا جواب نہ دے کہ:

ا۔ کہاں سے؟

ب۔ کدھر کو؟

ج۔ تم کون ہو؟

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ خالقِ ذوالجلال جس نے باشعور لوگوں کو اپنا تعارف اپنی اس خوبصورت مخلوقات کے ذریعے کرایا ہے اور ان مخلوقات کو اپنی قیمتی نعمتوں کے توسّط سے ان کے ہاں محبوب بنا دیا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ کسی پیغمبر کے واسطے سے انہیں یہ بات نہ بتائے کہ وہ ان سے کیا چاہتا ہے اور ان بے شمار نعمتوں کے مقابلے میں ان کا کون سا کردار اسے راضی کر سکتا

Marfat.com

ہے؟

یا پھر کیا یہ ممکن ہے کہ وہ خالق جس نے نوعِ انسانی کو مختلف سوچوں اور متضاد راہوں کا خوگر بنایا ہے، اور اس کی استعداد کو کامل ترین عبودیت کے لئے تیار کیا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اس نوعِ انسانی کی آنکھوں کا رخ ایک ارسال کئے ہوئے مرشد اور رہنما کے توسط سے کثرت سے توحید کی طرف نہ پھیر دے؟

ان پیش کردہ دلائل کے علاوہ اور بھی بہت سارے نبوت کے وظائف ہیں جو اس بات پر قطعی دلالت کرتے ہیں کہ الوہیت بغیر رسالت کے نہیں ہوتی ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا دنیا میں کسی ایسے شخص کا ظہور ہوا ہے جو محمد عربی ﷺ سے ان اوصاف و وظائف کا زیادہ اہل اور جامع ہو جن کا ابھی ذکر ہوا؟ کیا کوئی ایسا آدمی نظر آتا ہے جو منصبِ رسالت اور وظیفہء تبلیغ کے لیے محمد ﷺ سے زیادہ لائق ہو؟ اور کیا چشم زمانہ نے کوئی ایسا آدمی دیکھا ہے جو اُن سے زیادہ قابل ہو؟ کیا وقت نے ان جیسا یا ان سے بڑھ کر کوئی دکھایا ہے؟ ہرگز نہیں۔ وہ تمام رسولوں، تمام انبیاء کے امام، تمام اصفیاء کے سالار، تمام مقرّبین کے اقرب، تمام مخلوقات کے اکمل اور تمام برگزیدہ ہستیوں کی روح رواں ہیں۔

جی ہاں! اہلِ تحقیق کے اتفاق سے شقِّ قمر اور انگلیوں سے پانی جاری ہونے جیسے ہزار تک پہنچنے والے معجزات اور بے حد وحساب دلائل نبوت کے علاوہ، قرآن عظیم کیطرح ایک حقائق کے سمندر اور چالیس پہلوؤں سے معجزہ، یعنی وہ معجزۂ کبری سورج اسکی رسالت کو دکھانے کیلئے کافی ہے۔ ہم رسائل نور میں اور خاص کر پچیسویں مقالے میں قرآن کریم کے اعجازی پہلوؤں کو چالیس کے قریب مختلف اسالیب سے اُجاگر کر چکے ہیں، اس لیے اس مقام پر اختصار سے کام لے رہے ہیں۔

## تیسرا اشارہ:

کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئے اور وہ ہرگز یہ نہ کہے کہ: اس چھوٹے سے انسان کی کیا اہمیت ہے کہ ایک اس کے اعمال کے محاسبے کی خاطر یہ عظیم دنیا ختم ہو جائے گی اور ایک نئی دنیا کو منصہ شہود پر لایا جائے گا؟

کیونکہ یہ انسان _ اگرچہ بظاہر چھوٹا سا ہے _ سیّدُ الموجودات ہے؛ کیونکہ یہ ایک ہمہ گیر فطرت کا مالک ہے۔ اس لئے یہ موجودات کا قائد، اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی عظمت، اقتدار کا داعی اور ہر قسم کی عالمگیر عبودیت کا نمائندہ ہے۔ بنابریں، یہ چھوٹا سا انسان بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اور یہ بات بھی کسی کے ذہن میں ہرگز نہیں آنی چاہیے کہ یہ انسان ایک ابدی عذاب کا محکوم کیسے ہوگا، حالانکہ یہ تو بہت چھوٹی عمر کا مالک ہے؟

کیونکہ کفر ایک بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جرم ہے۔ اور ایسا جرم جو کہ کائنات کی اُس قدر و قیمت کو ناقدری کے

Marfat.com

گڑھے میں گرا دیتا ہے جو کہ صمدانیت کی تحریروں کی قدر و قیمت اور مقام و مرتبے کے برابر ہے، اور اس وہم میں رکھتا ہے کہ کائنات کی تخلیق و ایجاد کی کوئی غرض و غایت نہیں ہے۔ اور یہ روش تمام کائنات کی واضح تحقیر اور اسمائے حسنیٰ کے نظر آنے والے تمام انوار و تجلیات اور موجودات پر ان انوار کے مرتب ہونے والے تمام آثار کا کھلا انکار ہے۔ اسی وجہ سے کفر ذاتِ حق کے وجود کی حقیقت پر قائم ہونے والے لامحدود دلائل کی تکذیب ہے اور ایسا جرم ہے جس کی کوئی حد نہیں، اور ایسا جرم جس کی کوئی حد نہ ہو وہ یقیناً بے حد و حساب عذاب کا مستحق بنا دیتا ہے۔

## چوتھا اشارہ:

سابقہ کہانی جس کی ہم نے بارہ صورتوں میں وضاحت کی ہے، اس کہانی سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ ایک بہت بڑا بادشاہ جو مہمان خانے جیسی کسی وقتی مملکت کا مالک ہو، یہ بات ناممکن ہے کہ اُس مہمان سرائے کے علاوہ اُس کی کوئی ایسی مستقل اور دائمی سلطنت نہ ہو جو اس کی شان و شوکت، رعب و دبدبے اور اس کی سلطنت کے مقام و مرتبے کے لائق ہو۔ اسی طرح یہ چیز بھی کسی طور ممکن نہیں کہ وہ زندہ اور باقی رہنے والا خدا یہ فانی اور زوال پذیر دنیا تو تخلیق کرے لیکن ایک ایسا جہان ایجاد نہ کرے جو بقا و دوام کا حامل ہو:

اسی طرح یہ بات بھی ممکن نہیں ہے کہ وہ فاطرِ حکیم اور قدیرِ رحیم ہستی ایک ایسی دنیا تو پیدا کر دے جو ایک نمائش گاہ، میدانِ امتحان، وقتی اور عارضی کھیتی کا حکم رکھتی ہو، لیکن پھر دوسرا جہان پیدا نہ کرے جو اس کے اہداف و مقاصد کے چہرے سے نقاب سرکاتا ہو!

اس حقیقت میں مکمل طور پر داخل ہونے کے ''بارہ دروازے'' ہیں، اور یہ بارہ دروازے ''بارہ حقیقتوں'' سے کھلتے ہیں۔ ہم ان میں سے سب سے چھوٹی اور سب سے سادہ حقیقت کے ساتھ آغاز کرتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

## پہلی حقیقت

ربوبیت اور سلطنت کا دروازہ، جو کہ اسم ''ربّ'' کی جلوہ گری ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ جو شانِ ربوبیّت اور سلطنتِ اُلوہیت کا مالک ہے، وہ بلند اہداف اور جلیل القدر مقاصد کو سامنے رکھ کر اپنی کمالی شان کے اظہار کے لیے اس کائنات جیسی عجیب وغریب اور حیرت انگیز کائنات تو پیدا کر دے لیکن پھر اس کے ہاں اُن اہلِ ایمان کے لیے کوئی ثواب نہ ہو جنہوں نے اِن اہداف و مقاصد کا سامنا ایمان اور عبودیت کے ساتھ کیا ہے، اور اُن اہلِ ضلالت کے لیے اس کے ہاں کوئی عقاب نہ ہو جنہوں نے ان اہداف و مقاصد کا سامنا تحقیر اور عدمِ قبولیت کے زاویے سے کیا ہے۔؟!

Marfat.com

## دوسری حقیقت

### لطف وکرم اور رحمت کا دروازہ

### جوکہ اسم "کریم اور رحیم" کی جلوہ ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ جواس دنیا کا مالک اور پروردگار ہے، جس کے بے پایاں لطف وکرم، رحمت وعزت اور غیرت کے لامحدود آثار چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں، وہ نیکوکاروں کے ایسے ثواب وجزا کا انتظام نہ کرے جواس کے لطف وکرم کے شایانِ شان ہے، اور سیاہ کاروں کے لیے ایسی سزا مقرر نہ کرے جواس کی عزت اور غیرت کے لائق ہو؟۔

انسان اگر گردشِ روزگار میں غور کرے اور کائنات کی ضعیف اور عاجز ترین زندہ مخلوق (حاشیہ:۱) سے لے کر قوی ترین مخلوق پر گہری نظر ڈالے تو وہ پائے گا کہ ہر مخلوق کا رزق اس کے پاس ہر طرف سے فراوانی سے پہنچ رہا ہے، بلکہ وہ ان میں سے زیادہ کمزور اور زیادہ عاجز کو زیادہ اچھے اور زیادہ لطیف رزق سے نوازتا ہے۔ اور ہر مریض کواس کے دوا دارو کا سامان وہاں سے فراہم ہو رہا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ پُرفخر اور پُروقار ضیافتیں اور نوازشیں اور جودوکرم کی یہ کرم فرمائیاں، یہ سب کچھ اس بات کی بدیہی دلیل ہے کہ ایک لافانی مہربان ہاتھ ہے جو یہ تمام کام سرانجام دے رہا ہے اور ہر کام کی تدبیر کر رہا ہے۔

مثال کے طور پر تمام درختوں کو سبز ریشم کے جوڑے پہنا دینا، جن سے وہ جنّت کی حوروں کا منظر پیش کرتے ہیں، انہیں خوبصورت بالترتیب پھولوں اور لطیف ترین پھلوں سے آراستہ کر دینا، ان درختوں کو ہماری خدمت کے لیے مسخّر کر دینا تاکہ وہ اپنی ٹہنیوں کے آخری سروں پر _ جوکہ ان کے ہاتھوں کے مشابہ ہیں _ مختلف قسم کے نرم وگداز اور لذیذ پھل لگا کر اپنے ان لطیف ہاتھوں کو ہمارے لیے نیچے کی طرف جھکالیں۔ ایک زہر آگیں مکھی سے ہمیں ایسا لذیذ شہد مہیّا کر لینے کی قدرت بخش دینا جس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے، ہمیں انتہائی خوبصورت اور نرم گداز کپڑے پہنانا جوکہ ایک کیڑا بغیر ہاتھ کے بُنتا ہے۔ ایک ننھے منے بیج میں ہمارے لیے رحمت کا ایک بہت بڑا خزانہ ذخیرہ کر دینا۔ یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کو ایسے انتہائی خوبصورت جودوکرم اور انتہائی لطافت کی حامل رحمت کا مشاہدہ کرواتا ہے کہ جو بغیر کسی غور وفکر کے سمجھ میں آجاتا ہے۔

---

(حاشیہ:۱) اس بات کی قطعی دلیل کہ رزقِ حلال فقر اور نیاز مندی کے حساب سے ملتا ہے اور کسی کی طاقت، قوت یا قدرت کے بل بوتے پر حاصل نہیں ہوتا، چھوٹی کمزور اور بے مایہ مخلوق کی معیشت میں وسعت اور چیرنے پھاڑنے والے درندوں کی معیشت میں تنگی کا پایا جانا ہے اور کند ذہن مچھلیوں کا موٹا تازہ اور لومڑیوں اور بندروں جیسے ذہین اور چالاک جانوروں کا پتلا اور کمزور ہونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رزق مناسب طاقت واختیار کے برعکس صورتوں میں آتا ہے، یعنی مخلوق جوں جوں اپنے اقتدار واختیار پر اعتماد کرے گی توں توں معیشت میں تنگی اور تکلیف سے زیادہ دوچار ہوتی جائے گی۔ مؤلف۔

Marfat.com

پھر انسانوں اور وحشی درندوں کے علاوہ سورج، چاند اور زمین جیسے بڑے بڑے سیاروں سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی تمام مخلوقات کا انتہائی گہرے نظم وضبط کے ساتھ اپنی اپنی حدود میں رہ کر مکمل اطاعت، فرمانبرداری اور رعب اور ہیبت کے زیرِ سایہ اپنے وظیفہ ہائے حیات کو سرانجام دینا بھی ہمارے لیے یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ ان تمام مخلوقات کی حرکات و سکنات اُس صاحبِ عظمت اور ذُوالجلال والاکرام ہستی کے حکم کے تابع ہیں۔

اور اسی طرح ماؤں کا اپنی کمزور اور لاچار اولاد کا انتہائی شفقت، رحمت اور مہر و محبت (حاشیہ:۱) کے ساتھ خیال رکھنا اور دودھ جیسی لذیذ، لطیف اور خوشگوار غذا کے ساتھ ان کی نشوونما کرنا بھی ہمیں تجلّیات کی عظمت اور اس کی لامحدود رحمت کی وسعتوں سے آشنا کردے گا۔ (حاشیہ:۲)

تو جب صورتِ حال یہ ہے کہ اس کائنات کا مدبّر اور پروردگار بے پایاں لطف و کرم، وسعت بداماں رحمت، عزت اور جلال کا مالک ہے، اور مطلق اور بے قید عزت اور جلال کا تقاضا یہ ہے کہ بے پروا اور توہین آمیز رویہ رکھنے والوں کی تأدیب کی جائے، اور بے پایاں لطف و کرم کا تقاضا ہے کہ بے پایاں لطف و کرم کا برتاؤ کیا جائے، اور وسعت بداماں رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس مہر و احسان کا برتاؤ کیا جائے جو اس رحمت کے شایانِ شان ہے۔ لیکن یہ تمام چیزیں اس فانی دنیا اور چھوٹی سی عمر میں انتہائی قلیل مقدار میں متحقق ہوتی ہیں، بالکل ایسے جیسے بے کراں سمندر سے ایک قطرۂ آب، تو جب صورتِ حال یہ ہے تو ایک عالم ایسا ہوگا جہاں اُس خوش بختی اور سعادت مندی کا بسیرا ہو جو اُس کے لطفِ عام اور بے پایاں رحمت کے شایانِ شان ہے۔ وگرنہ اس چاروں طرف پھیلی ہوئی رحمت کا انکار لازم آئے گا، اور یہ انکار بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے کہ کوئی اس سورج کے وجود کا انکار کردے جس کی کرنیں دن کو روشنی سے معمور کررہی ہیں؛ کیونکہ وہ زوال جس کے بعد رجعت نہ ہو، اس سے کائنات کے اندر سے رحمت کی حقیقت کی ہی نفی ہو جاتی ہے؛ کیونکہ وہ شفقت و رحمت کو مصیبت میں، محبت کو سوزش میں، نعمت کو نقمت میں، لذت کو الم میں اور قابل ستائش عقل کو ایک منحوس آلے میں تبدیل کردیتا ہے۔

اسی بنا پر ایک ایسے جہان کا ہونا بہت ضروری ہے جہاں وہ جزا و سزا مرتب ہو جو اس کے جلال اور عزّت کے مطابق

---

(حاشیہ:۱) جی ہاں، شیر کا خود بھوکا رہ کر گوشت کا لوتھڑا اپنے کمزور بچے کو کھلا دینا، ایک کمزور اور بزدل مرغی کا اپنے چھوٹے چھوٹے چوزوں کی حفاظت کے لئے کتے اور شیر پر حملہ آور ہوجانا، انجیر کے درخت کا اپنے چھوٹے چھوٹے پھلوں کے لئے مٹی سے خالص دودھ تیار کرنا۔ یہ تمام چیزیں اصحاب بصیرت کو بدیہی طور پر یہ رہنمائی دیتی ہیں کہ یہ سب کچھ اس رحیم و کریم اور شفیق ذات کے حکم سے ہورہا ہے جس کی رحمت، کرم اور رأفت وشفقت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور شعور وادراک سے خالی نباتات اور حیوانات کا انتہائی شعور، حکمت اور ادراک کے ساتھ اپنے تمام اعمال سرانجام دینا بھی بہر صورت یہ بات ثابت کرتا ہے کہ ایک مطلق علیم اور حکیم ذات ہی ان تمام چیزوں کا انتظام کررہی ہے اور یہ تمام چیزیں اس کے حکم کے تابع ہیں۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) یاد رہے کہ ممتا کا جذبہ انسانوں کے علاوہ حیوانات اور نباتات میں بھی پایا جاتا ہے۔ مترجم

Marfat.com

اور مناسب ہو؛ کیونکہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ ظالم اپنی شان وشوکت میں مست رہتا ہے اور مظلوم ذلت اور پستی کی چکی میں پستا رہتا ہے، اور پھر دونوں اس دنیا سے اس طرح رخصت ہو جاتے ہیں کہ نہ ظالم کو ظلم کرنے کی کوئی سزا ملتی ہے اور نہ مظلوم کو ظلم سہنے کا کوئی اجر۔

تو اس سے پتہ چلا کہ اسے اس عدالتِ عظمیٰ کے لیے چھوڑا جا رہا ہے اور تاخیر کی جا رہی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسے مہمل یا نظر انداز کر دیا گیا ہے، بلکہ کبھی سزا کا ظہور اس دنیا میں بھی ہو جاتا ہے۔ سابقہ امتوں کو ان کے تمرّد و عصیان کے سبب مبتلائے عذاب کرنا ہمارے سامنے اس حقیقت کو کھول کر بیان کر دیتا ہے کہ انسان شترِ بے مہار نہیں ہے کہ جہاں جی چاہے منہ مارتا پھرے، بلکہ وہ ہمیشہ اس صاحب العزّت والجلال کے طمانچوں کی زد میں ہے۔

جی ہاں، یہ انسان جس کے ذمے ___ دیگر تمام مخلوقات کو چھوڑ کر ___ بڑی بڑی مہمات لگا دی گئی ہیں اور جسے مکمل فطری استعدادات سے نواز دیا گیا ہے، اگر یہ

انسان ''ایمان'' کے ذریعے اپنے پروردگار کو نہ پہچان سکے، جبکہ اس نے اپنا تعارف اسے اپنی انتہائی منظم اور بے نظیر مخلوقات کے ذریعے کروا دیا ہے۔ اور پھر یہ انسان ''عبادت'' کے ذریعے اس کی قربت حاصل کر کے اس کی محبت نہ پا سکے، جبکہ اس نے اپنی وسیع رحمت پر دلالت کرنے والے انواع واقسام کے خوبصورت پھل پیدا کر کے اس کے لیے اپنی ذات کو قابل محبت بھی بنا دیا ہے اور اس شانِ محبوبیت کی حیثیت سے اسے اپنا تعارف بھی کروا دیا ہے۔ اور پھر یہ انسان ''شکر اور حمد'' کے ذریعے اس کی توقیر وتعظیم کے لیے کمربستہ نہیں ہوا، جبکہ اس نے اپنی لاانتہا نعمتوں کے ذریعے اس کے لیے اپنی مہر ومحبت کا اظہار کر دیا ہے۔ جی ہاں، اگر یہ انسان اپنے پروردگار کو اس طرح سے پہچان نہ سکے تو اُسے بغیر کسی جزا وسزا کے کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ رحمان رحیم اُن اہلِ ایمان کو حسنِ جزا اور ابدی سعادت سے ہمکنار نہ کرے جن کا کردار یہ ہے کہ جب ان کے پروردگار نے انہیں اپنی پہچان کروائی تو انہوں نے اس کے مقابلے میں ''ایمان'' کا مظاہرہ کیا، اور جب اُس نے ان کے ساتھ محبت کا اظہار کیا تو انہوں نے اس کے مقابلے میں محبت سے بھرپور ''عبادت'' کا مظاہرہ کیا، اور اس نے ان کے ساتھ رحمت کا برتاؤ کیا تو انہوں نے مقابلے میں ''شکر'' کے ذریعے اُس کی تعظیم وتوقیر کا مظاہرہ کیا؟

---

Marfat.com

## تیسری حقیقت

### حکمت اور عدالت کا دروازہ

### جو کہ اسم "حکیم اور عادل" کی جلوہ گری ہے۔

کیا یہ ممکن (حاشیہ:۱) ہے کہ وہ خالقِ ذوالجلال جس نے ذرّات سے لے کر شموس تک اپنی ربوبیت کے اقتدار کا قانون وجود کی تدبیر کی رُو سے نہایت حکمت و نظام اور بغایت عدل و میزان سے آشکار کیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ نہ کرے جو اس ربوبیت کی پناہ میں آگئے ہیں اور اس حکمت اور عدالت کے سامنے سرنگوں ہو گئے ہیں؟ اور ان لوگوں کو سزا نہ دے جنہوں نے اپنی کفر و طغیان کی روش سے اس حکمت اور عدالت کی نافرمانی کی؟

جبکہ حالت یہ ہے کہ انسان کے ساتھ اس فانی دنیا میں اُس حکمت اور عدالت کے شایان شان سلوک عام طور پر ہزار میں سے صرف ایک بھی نہیں ہو رہا ہے اور مؤخر کیا جا رہا ہے، اکثر اہلِ ضلالت اپنی سزا اور اکثر اہل ہدایت اپنی جزا پائے بغیر ہی یہاں سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ ایک محکمۂ کبریٰ اور ایک سعادتِ عظمیٰ کیلئے چھوڑ دیا جا رہا ہے۔

جی ہاں، یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ ہستی جو اس کون و مکاں میں تصرّف کر رہی ہے، وہ یہ تصرّف مطلق حکمت کے ساتھ کر رہی ہے۔ اگر اس پر کوئی دلیل چاہتے ہو؟۔ تو ان مصالح اور فوائد پر نظر ڈالو جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر چیز میں ودیعت کر دیے ہیں!۔ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ انسان کی ہڈیاں، رگیں اور دیگر تمام اعضاء اور حتیٰ کہ اس کے جسم کے خلیے اور دیگر تمام اجزاء جو ہیں ان میں سے ہر عضو ہر جزء اور ہر حصے میں انواع و اقسام کے فوائد رکھ دیے گئے ہیں، اور جس جزء کو جو بھی شکل دے کر جہاں بھی فِٹ کیا گیا ہے اس کی اس حالت میں بہت سی حکمتیں پائی جاتی ہیں، بلکہ انسانی جسم کے بعض اعضاء و اجزاء میں اتنے فوائد اور اسرار ہیں جتنے کہ ایک درخت پر پھل لگتے ہیں، جو کہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ ان امور کے پیچھے ایک بے پایاں حکمت کا حامل ہاتھ ہے جو ان کی تدبیر، بندوبست اور دیکھ بھال کر رہا ہے، اور اس سے مزید یہ کہ ہر چیز کی کاریگری میں ایک محیّر العقول اور نادر الوجود تناسق اور مکمل نظم و ضبط کا پایا جانا بھی اس بات کی بہت بڑی

---

(حاشیہ:۱) "کیا یہ ممکن ہے"؟ کا جملہ بہت بار دہرایا گیا ہے۔ یہ جملہ ایک بہت اہم مقصد کی رہنمائی دیتا ہے، اور وہ یہ کہ، کفر اور ضلالت غالبًا استبعاد سے جنم لیتے ہیں، استبعاد کا مطلب یہ ہے کہ انسان جس چیز کا اعتقاد نہیں رکھتا اُسے عقل کی میزان سے بعید سمجھتا ہے۔ بنابریں اسے ناممکن اور محال شمار کر کے اس کے انکار پر تل جاتا ہے۔ لیکن ہمارے اس مضمون سے یہ بات قطعی دلائل سے ثابت ہو گئی ہے کہ حقیقی استبعاد، اصلی ناممکن اور محال، عقل کے میزان سے اصلی بُعد، حقیقی صعوبت اور آخری درجے کی پیچیدہ مشکلات کفر اور ضلالت کی راہ و رسم میں پائی جاتی ہیں، اور حقیقی امکان، انتہائی معقولیت اور بہر صورت حاصل ہونے والی سہولت کا وجود راہِ ایمان اور جادۂ اسلام میں پایا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ: فلاسفہ کے پاؤں صرف استبعاد کے نتیجے کے سبب پھسلے ہیں اور یہ کتاب "کیا یہ ممکن ہے؟" کے جملے سے کھول کر بیان کرتی ہے کہ استبعاد کہاں کمین لگا کر بیٹھا ہوا ہے۔ اور یوں اس میں فلاسفہ کی ٹامک ٹوئیوں کا دندان شکن جواب موجود ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

دلیل ہے کہ ان سب کے پیچھے ایک مطلق حکمت کام کر رہی ہے۔

جی ہاں، ایک خوبصورت پھول کے چھوٹے بیجوں کے اندر انتہائی گہرا منصوبہ رکھ دینا، اور ایک گرانڈیل درخت کی نشو ونما کے تمام مرحلے، اس کی زندگی کی مکمل تاریخ اور اس کے تمام آلات واوزار کی تفصیلات اس چھوٹے سے بیج میں ایک معنوی تقدیر کے قلم کے ساتھ لکھ دینا۔ ہمیں اس بات کی واضح طور پر خبر دیتا ہے کہ ایک مطلق حکمت کا حامل قلم ہے جو اس معاملے میں تصرّف کر رہا ہے۔ اور اسی طرح اس کی پیدا کی ہوئی ہر چیز میں ایک خوبصورت کاریگر کی تحیر خیزی اور دلربائی کا پایا جانا بھی ہمارے سامنے اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ ایک ایسا صنعت گر جو مطلق حکمت کا مالک ہے، وہی ان نادر الوجود نقوش کو صفحۂ ہستی پر ابھار رہا ہے۔

جی ہاں! انسان کے اس چھوٹے سے جسم کے اندر تمام کائنات کی فہرست کا، رحمت کے تمام خزانوں کا اور اسمائے حسنیٰ کے تمام آئینوں کا اندراج کر دینا اُس نادر اور انوکھی صنعت گری میں پائی جانے والی گہری حکمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ تو کیا ایسے ہمہ گیر معاملات اور ربانی شؤون واعمال پر حاوی حکمت کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے اور انہیں دائمی حسنِ جزا سے نہ نوازے جنہوں نے اس کے سائے میں پناہ لی ہے اور اسے تسلیم کر کے اس کے فرمانبردار بن گئے ہیں؟

پھر اگر ان تمام معاملات کے عدل اور میزان کے ساتھ سرانجام پانے پر کوئی دلیل چاہتے ہو؟

ہر چیز کو انتہائی حساس اوزان اور مخصوص پیمانوں کے حساب سے وجود عطا کرنا، اسے متعین شکل وصورت سے نوازنا اور اُسے مناسب اور موافق وضع قطع میں رکھنا، پوری وضاحت کے ساتھ بتاتا ہے کہ یہ تمام امور بے لاگ عدالت اور ترازو کے مطابق انجام پا رہے ہیں۔

اسی طرح ہر مستحق کو اس کی استعداد اور صلاحیت کے مطابق اس کا حق عطا کر دینا، یعنی اسے وہ تمام لوازمات مہیا کر دینا جو کہ اس کے وجود اور بہترین ساخت پرداخت کے لیے ضروری ہیں، یہ چیز بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایک مطلق عدل وانصاف والا ہاتھ ہے جو ان معاملات کو سرانجام دے رہا ہے۔

اسی طرح اضطراری، لاچاری، فطری استعداد اور حاجت کی زبان سے جو دعا کی جائے اس کا جواب مل جانا بھی اس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے کہ مطلق عدالت اور مطلق حکمت ہی دو ایسی چیزیں ہیں جو کون ومکان کے پہیے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہیں۔

اب بتاؤ، کیا یہ کسی بھی طرح ممکن ہے کہ یہ عدالت اور یہ حکمت جو کہ چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کو پورا کرنے کو دوڑتی ہیں وہ گلزارِ ہست وبود کی سب سے بڑی مخلوق یعنی انسان کی سب سے بڑی ضرورت یعنی

Marfat.com

بقاودوام کونظر انداز کردیں ،اُس کی سب سے بڑی امید اور خواہش پوری نہ کریں اور حقوق العباد کو پورا کرتے ہوئے ربوبیت کی شان وشوکت کا تحفظ نہ کریں؟

حالانکہ انسان جو اس فانی دنیامیں اپنی چھوٹی سی زندگی گزارتا ہے وہ اس عدل وانصاف سے بہرہ ورنہیں ہورہا، اسلئے اُس عدل وانصاف کوموٴخر کر کے اِس عدالتِ عظمیٰ یا محکمہٴ کبریٰ پر چھوڑ دیا جاتا ہے؛ کیونکہ حقیقی عدل وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ یہ چھوٹا سا انسان اپنی جزاوسزا کا سامنا اپنے چھوٹے پن کی بنیاد پرنہیں بلکہ اپنے جرم کی ضخامت، اپنی ماہیت کی اہمیت اوراپنی ذمہ داری کی عظمت کی بنیاد پر کرے۔اور چونکہ یہ عارضی دنیا کسی بھی صورت میں ایسے عدل وانصاف اور ایسی حکمت کا مقام نہیں ہوسکتی ہے جوابدی زندگی کے لیے پیدا کیے گئے اس انسان کے ساتھ خاص ہے،اس لیے اس عدل پرور صاحبُ الجلال والجمال اور حکمت مآب صاحبُ الجمال والکمال ہستی کے ہاں ایک ابدی جنت اور دائمی جہنم کا وجود بہت ضروری ہے۔

## چوتھی حقیقت

### جودوکرم اورحسن وجمال کادروازہ جوکہ
### اسمِ "جواد اور جمیل" کی جلوہ گری ہے۔

کیایہ ممکن ہے کہ مطلق جودوسخا،ختم نہ ہونے والی دولت وثروت،ختم نہ ہونے والے لامحدود خزانے، بے نظیر حسن و جمال اور بے نقص اور بے عیب ابدی کمال کسی ایسے گھر اور مہمان سرائے کا طلب گار نہ ہو جہاں جودوکرم کے محتاج اوراس کے شکرگزاراورحسن وجمال کے مشتاق قدردان اوراسے سراہنے والے ہمیشہ موجود رہیں؟

جی ہاں، دنیا کے چہرے کوان خوبصورت اور دیدہ زیب مصنوعات سے آراستہ کرنا،سورج اور چاند کوسراج بنانا،سطحِ زمین کونعمتوں کا دسترخوان بناکراسے مختلف قسم کے پرلذت اورمرغوبِ جان کھانوں سے بھردینا،اور پھل دار درختوں کو برتن کیطرح بنادینااور ہرموسم میں انکوکئی مرتبہ تجدید کرنا۔یہ تمام چیزیں بے پایاں جودوکرم اورلامحدودسخاوت کا مظاہرہ کرتی ہیں۔تو ایسے مطلق اور لامحدودجُودوسخا، ان ختم نہ ہونے والے خزانوں اوراس وسیع وعریض رحمت کے لیے ایک دائمی دارالضیافت اورابدی سعادت کاایک ایسامقام ہوناضروری ہے جس میں ہروہ چیز پائی جاتی ہو جودلوں کی طلب اورآنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔اوراس بات کا یہ قطعی تقاضا ہے کہ اس مقام میں ان چیزوں سے لطف اندوز اورلذت یاب ہونے والے ہمیشہ رہیں اوراس سعادت مندی سے بہرہ یاب رہیں تاکہ زوال اورفراق سے محفوظ رہیں؛ کیونکہ جیسے زوالِ لذت کا نتیجہ اَلم ہے اسی طرح زوالِ اَلم کا نتیجہ لذت ہے۔تو پتا یہ چلا کہ اس طرح کی جودوسخا کسی بھی طورایذارسانی کی روداد نہیں ہے۔ معاملے کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ابدی جنت ہونی چاہیے اوراس کے طلب گاروضرورت منداس میں ہمیشہ رہنے

Marfat.com

چاہئیں؛ کیونکہ مطلق جود وسخا، مطلق احسان وانعام کے طلب گار ہیں، اور غیر متناہی احسان وانعام غیر متناہی نعمت سے بہرہ یابی اور منت پذیری کے طلب گار ہیں، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو احسان کا مستحق ہے اس پر یہ احسان اور انعام واکرام ہمیشہ رہے تاکہ وہ اس دائمی انعام واکرام کی بدولت حاصل ہونے والی نعمت سے لذت یاب رہے اور شکر وامتنان کا اظہار کرتا رہے۔ وگرنہ اس چھوٹی سی عمر میں یہ چھوٹی سی لذت _ جو زوال وفراق سے مکدر ہو جاتی ہے _ اس جود وسخا کے تقاضوں کے ساتھ کسی طور بھی ہم آہنگ نہیں ہوسکتی ہے۔

پھر اطراف واکنافِ عالم کی نمائش گاہوں کا نظارہ کرو جو کہ الٰہی صنعت گری کے منجملہ مناظر میں سے ایک جاذبِ نظر منظر ہے، اور روئے زمین پر پھیلے ہوئے حیوانات ونباتات جو ربانی اعلانات (حاشیہ:۱) نشر کر رہے ہیں ان میں غور کرو، اور ان انبیاء اور پاکباز اولیاء کے بلاوے پر کان دھرو جو ربوبیت کے بے پایاں حسن وجمال کے نظارے کی دعوت دے رہے ہیں اور دیکھو کہ وہ تمام کے تمام کس طرح اس صانعِ ذوالجلال کی نادرِ روزگار صنعت کی تشہیر کرتے ہوئے تمام لوگوں کو اس با کمال صنعت کا مشاہدہ کروانے کے لیے اُن کی توجہ اس طرف مبذول کروا رہے ہیں۔

تو پتا چلا کہ اس کون ومکاں کا صانع یعنی بنانے والا کتنے عظیم، حیرت انگیز اور پوشیدہ و پنہاں کمال کا مالک ہے! اور وہ ان نادر مصنوعات کے ذریعے اپنی ذات کا اظہار کرنا چاہتا ہے؛ کیونکہ وہ مخفی کمال جو کسی بھی کمی کوتاہی سے پاک ہے اس کا اظہار ان شائقین کے سامنے برملا ہونا چاہیے جو اس کے دلدادہ اور قدر دان ہیں، اور دائمی کمال دائمی ظہور کا مقتضی ہے، اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ یہ دلدادگان اور قدر دان بھی قائم دائم رہیں؛ کیونکہ اگر قدر دان بقا ودوام کا حامل نہ ہو تو اس کی نظر میں کمال کی قیمت گر جاتی ہے۔ (حاشیہ:۲)

پھر اس کون ومکان میں چاروں طرف پھیلی ہوئی یہ عجیب وغریب، دیدہ زیب اور حیرت انگیز موجودات صراحتاً اس بے مثال معنوی حسن وجمال پر ایسے دلالت کرتی ہیں جیسے صبح کی روشنی سورج پر دلالت کرتی ہے اور اس کا وجود ثابت کرتی

---

(حاشیہ:۱) جی ہاں، انتہائی زیب وزینت کا حامل ایک خوبصورت پھول، اور ندرت اور مضبوط ساخت پرداخت کا حامل ایک پکا ہوا پھل، جو کہ ہڈیوں جیسی خشک ٹہنیوں کے آخری سرے پر باریک سے دھاگے کے سہارے لٹکے ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں وہ نوٹس بورڈ ہیں جنہیں اَصحابِ عقل وشعور پڑھ کر اس صاحبِ حکمت معجز نما کاریگر کی کاریگری کے حسن وجمال کا ادراک کرتے ہیں۔ حیوانات کو بھی نباتات پر قیاس کرلو۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) جی ہاں، ایک ضرب المثل ہے کہ: ایک طرحدار حسینہ نے اپنے کسی شیدائی کو دھتکار دیا تو اس شیدائی نے اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: ستیاناس ہو اس کا، کتنی بدصورت ہے۔ ایک دن کسی لومڑی کا انگوروں کی بیل کے پاس سے گزر ہوا، پکے اور میٹھے انگور دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا، اس نے انگور توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، لیکن اونچے ہونے کی وجہ سے جب اس کا ہاتھ نہ پہنچا تو بولی: انگور کھٹے ہیں، اور چلتی بنی۔ مؤلف۔

Marfat.com

ہے، اور اسی طرح تمہیں اس بے نظیر حسنِ پنہاں کی لطافتوں سے ہمکنار کرتی ہیں۔ (حاشیہ:۱)

اور اس پاکیزہ اور نمایاں حسن اور اس بے عیب درخشاں جمال کی تجلی اسمائے حسنیٰ میں پائے جانے والے بے شمار خفیہ خزانوں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور جس طرح یہ بے نظیر اور عظیم الشان مخفی حسن و جمال یہ چاہتا ہے کہ ایک عکس افگن آئینے میں اس کی خوبیاں اور دلربائیاں دیکھی جائیں اور اس کے حسن و جمال کی قدر و قیمت کا مشاہدہ ایسے آئینے میں کیا جائے جو خود اس حسن و جمال کا شعور رکھتا ہو اور اس کا مشتاق ہو، یعنی وہ حسن یہ چاہتا ہے کہ اس کا ظہور ہو اور وہ نمایاں اور جلوہ ریز ہو تا کہ اس کے محبوب حسن کا نظارہ دوسروں کی آنکھوں سے کیا جاسکے، یعنی خود حسن کا نظارہ دو پہلوؤں کا مقتضی ہے:

اوّل: متعدد رنگوں کے مختلف آئینوں میں حسن و جمال کا خود اپنے آپ کا ذاتی مشاہدہ۔

دوم: حسن و جمال کا مشاہدہ، اس حسن و جمال سے متاثر ہونے والے، اس کی تعریف کرنے والے دلدادگان و وارفتگان کی نظر سے۔ مطلب یہ ہے کہ حسن و جمال کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو بھی دیکھے اور اپنا آپ دوسروں کو بھی دکھائے (حسن شاہد بھی ہے مشہود بھی، ناظر بھی ہے منظور بھی)، اور اس کے شاہد و مشہود اور ناظر و منظور ہونے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس پر فریفتہ ہونے والے، اس سے متاثر ہونے والے، اس کی دید کے مشتاق اور اس کی خوبیوں کو سراہنے والے ناظرین و شاہدین کا وجود ہو۔ اور حسن و جمال چونکہ بقا و دوام کے حامل ہیں، اس لیے اس چیز کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے عُشاق و مشتاق بھی قائم دائم رہیں؛ کیونکہ دائمی حسن و جمال فانی اور زوال پذیر عاشق پر راضی نہیں ہوتا ہے، اس لیے وہ مشاہد یا تماشائی جو کہ فنا پذیری کا احساس رکھتا ہو اور اپنے بارے میں یہ فیصلہ کر چکا ہو کہ وہ اس زندگی میں دوبارہ لوٹ کر نہیں آئے گا، اس کی محبت فنا و زوال کے تصوّر ہی سے دشمنی کا روپ دھار لے گی اور اس کی فریفتگی تحقیر اور بے پرواہی، اور احترام اہانت میں بدل جائے گی؛ کیونکہ ایک اَنا پرست آدمی جیسے اُس چیز کا دشمن ہو گا جس کا اُسے علم نہیں ویسے ہی وہ اُس چیز کا بھی دشمن ہو گا جو اس کی دسترس میں نہیں ہو گی۔ چنانچہ وہ اُس حسن و جمال کے ساتھ دشمنی، بغض، کینے اور انکار کا رویہ رکھتا ہے جو انتہائی محبت، لامحدود شوق اور بے حد و حساب شیفتگی و فریفتگی کا حقدار ہے۔ یہیں سے یہ راز سمجھ میں آجاتا ہے کہ کافر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ دشمنی کا رویہ کیوں اختیار کیے رکھتا ہے!

اور غیر محدود جود و عطا، بے مثال حسن و جمال اور بے عیب شان و کمال چونکہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کے شکر گزار خلود آشنا اور اس کے چاہنے والے اور مدح سرا جامِ بقا سے سرشار رہیں، لیکن ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ دنیا کے اس عارضی دار

(حاشیہ:۱) آئینوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والی یہ موجودات اگرچہ پے در پے فنا و زوال کا شکار رہتی ہیں لیکن پھر بھی خود اُن کے اور اُن کے بعد میں آنے والی موجودات کے چہرے میں بعینہٖ اُسی حسن و جمال کے جلووں کا موجود رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حسن و جمال ان کی ذاتی ملکیت نہیں ہے بلکہ وہ ایک پاکیزہ حسن کی نشانیاں اور ایک بے عیب جمال کی علامات ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

الضیافت میں ہر آدمی اُس جود وعطا سے بہت تھوڑا فائدہ اٹھاتا ہے، اُس جود وسخا کو چکھتا ہے تو اُس کی بھوک چمک اُٹھتی ہے لیکن سیر ہو کر کھائے بغیر چلا جاتا ہے۔ اور وہ آنِ واحد میں اُس جمال وکمال کی جلوہ ریزیوں کی صرف تھوڑی سی جھلک پاتا بلکہ اُس کے مہین سے سائے کا دم بھر کے لیے دیدار کرتا ہے اور بسرعت رخصت ہو جاتا ہے۔ اس لیے لازوال تفریح گاہوں اور دائمی، ابدی اور غیر فانی مناظر ومشاہد کی طرف کوچ کرنا لازمی ٹھہرا۔

خلاصہ: جس طرح یہ عالم اپنی تمام موجودات کے ذریعے اپنے صانع ذوالجلال پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح صانع ذوالجلال کی صفات اور اُس کے مقدس اسمائے حسنیٰ بھی آخرت پر دلالت کرتے ہیں، اُس کو نمایاں کرتے ہیں اور اُس کا لازمی تقاضا کرتے ہیں۔

## پانچویں حقیقت

### شفقت اور محمد ﷺ کی عبودیّت کا دروازہ

### جو کہ اسم "مجیب اور رحیم" کی جلوہ گری ہے۔

کیا یہ کسی بھی طور ممکن ہے کہ وہ پروردگار جو کہ وسیع رحمت اور لامتناہی شفقت کا مالک ہے، ادنیٰ ترین مخلوق کی مخفی ترین ضرورت پر نظر رکھتا ہے اور بے پایاں شفقت اور ہمہ گیر رحمت سے اُسے اِس طریقے سے پوری کرتا ہے کہ گمان سے باہر ہے، مخفی ترین مخلوق کی پست ترین آواز سنتا اور اس کی حاجت روائی کرتا ہے اور ہر زبانِ حال اور زبانِ مقال سے پکارنے والے کی پکار کو سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے؛ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسا سننے والا اور جواب دینے والا پروردگار اپنے سب سے عظیم بندے (حاشیہ:۱) اور اپنی سب سے پیاری مخلوق کی اہم ترین ضرورت کو پورا نہ کرے! اور سب سے بڑی دعا کو سن کر قبول نہ کرے!

---

(حاشیہ:۱) جی ہاں، وہ ہستی جس نے حکومت کی اور جس کی حکومت کا سکہ ساڑھے تیرہ سو سال چلا، اور جس کی اُمت اکثر حالات میں تین سو پچاس ملین رہی ہے اور وہ تمام کی تمام اس کے ہاتھ پر کی ہوئی بیعت کی روزانہ تجدید کرتی ہے اور اس کے بلند مقام ومرتبے کی گواہی دیتی ہے اور مکمل رضا ورغبت کے ساتھ اس کی بہر صورت اطاعت اور فرمانبرداری کرتی ہے۔ زمین کا نصف اور نوع انسانی کا پانچواں حصہ جس کے معنوی رنگ میں رنگا ہوا ہے اور اس کا روحانی انداز اپنائے ہوئے ہے، جس کی ذاتِ پاک ان کے دلوں کی محبوب، ان کی روحوں کی مربی اور ان کے نفوس کی مزکی ہے؛ بلاشک وہ ہستی پروردگارِ عالم کا عبدِ اعظم ہے۔ یہ معزز بندہ کہ کائنات کی اغلب انواع نے جس کی ذمہ داری اور پیغام کو مرحبا کہہ کر اس کا استقبال کیا ہے اور یوں ہر نوع اس کے معجزات کے ثمرات میں سے کسی نہ کسی ثمر کی حامل ہوگئی ہے؛ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خالق العظیم کی محبوب ترین مخلوق ہے۔ اور بشریت جو کہ اپنی تمام تر توانائی اور استعداد کے ساتھ بقاودوام کی خواہشمند ہے اور اس خواہش کو وہ بہر صورت پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتی ہے، کیونکہ یہ اس کی وہ ضرورت ہے جو اسے اسفل سافلین کی گہرائیوں میں گرنے سے بچا کر اعلیٰ علیین کی اونچائیوں تک لے جائے گی۔ لہذا، یہ اُس کی بلاشک سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو نوع بشری کا ہاتھ پکڑ کر اُس کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اُسے قاضی الحاجات کے دربار تک پہنچا دے گا، وہ یقیناً سب سے بڑا بندہ ہوگا۔ مؤلف۔

Marfat.com

جی ہاں: مثال کے طور پر چھوٹے چھوٹے اور کمزور سے حیوانات اور انکے بچوں کونشوونما دے کرانہیں زندگی کی تمام سہولیات فراہم کرنا تاکہ وہ زندگی سے بہرہ ور رہیں، یہ چیز ہمیں اس حقیقت سے آشنا کرتی ہے کہ اس کائنات کا مالک اسے ایسی ربوبیّت کے ساتھ چلا رہا ہے کہ جس کے رحم و کرم کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔ اب تم ہی کہو کہ ایسی ربوبیّت جو شفقت ورأفت کا مرقع ہو اس کے بارے میں عقل یہ بات قبول کرسکتی ہے کہ وہ اپنی بہترین مخلوق کی خوبصورت ترین دعا قبول نہ کرے؟

اس حقیقت کے بارے میں اگرچہ ''انیسویں مقالے'' میں وضاحت کردی گئی ہے، تاہم اسے یہاں ایک بار پھر لکھا جاتا ہے:

''اے میرے نفس کیساتھ ساتھ مجھے سننے والے دوست! ہم نے اس کہانی میں بیان کیا ہے کہ: جزیرے میں ایک بہت بڑا اجتماع ہے اور ایک معزز نمائندہ وہاں خطاب کر رہا ہے۔ اور وہ حقیقت جس کی طرف یہ کہانی اشارہ کر رہی ہے یہ ہے:

آؤ! تاکہ ہم زمان و مکان کی حدود و قیود سے نکل کر فکری طور پر ذرا عصرِ سعادت اور خیالی طور پر جزیرۃ العرب کیطرف نکلتے ہیں تاکہ وہاں آپ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کرسکیں اور انہیں اپنی ذمہ داری اپنی مکمل عبودیّت کے ساتھ ادا کرتے ہوئے دیکھیں۔ دیکھو! وہ اپنی لائی ہوئی رسالت اور ہدایت کی بنا پر کس طرح سعادت مندی کا سبب بن گئے ہیں! کیونکہ وہی تو ہیں جو اس سعادت کی ایجاد کی دعا کرنے والے ہیں، اور وہی تو ہیں جن کی دعا اور عبودیت کے طفیل جنت تخلیق کی گئی ہے۔

ابھی دیکھو! یہ معزز پیغمبر کس چیز کی دعوت دے رہا ہے۔ وہ ہمہ گیر اور عظیم الشان نماز اور عالمگیر عالیشان عبادت میں ابدی سعادت کے لیے دعا کر رہا ہے، حتی کہ تمام جزیرۂ عرب بلکہ تمام روئے زمین ایسے لگتا ہے جیسے اُس کے ساتھ نماز میں اور اللہ کے حضور گریہ زاری میں مصروف ہے؛ کیونکہ آپ ﷺ کی عبودیت اور نیازمندی اس امت کی عبودیت اور نیاز مندی ہے جو آپ ﷺ کی پیروکار ہے، بلکہ یوں بھی ہے کہ آپ ﷺ کی عبودیت اور نیازمندی میں ___ اُصول میں ہم آہنگی کے راز کی رُو سے ___ تمام انبیاء کی عبودیت اور نیاز مندی آجاتی ہے۔ بنابریں، آپ ﷺ اپنے خُلقِ عظیم کے ساتھ سب سے بڑی نماز کی امامت کر رہے ہیں اور اپنی دعا کے ساتھ مصروف گریہ زاری ہیں، گویا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر تا این دم اور قیامت تک جتنے لوگ ایمان کی روشنی سے منوّر ہوئے ہیں سب کے سب نے آپ ﷺ کی اقتدا کر کے آپ ﷺ کی دعا پر آمین کہہ رہے ہیں (حاشیہ:۱)

---

(حاشیہ:۱) جی ہاں، وہ تمام نمازیں جو تمام اُمت ادا کرتی ہے۔ جب سے آپ ﷺ کی مناجات کا آغاز ہوا ہے اور آپ کے پیروکاروں نے اس پر آمین کہی ہے۔ اور وہ تمام صلوٰت وتسلیمات جو اُمت آپ ﷺ پر بھیجتی ہے، یہ سب کی سب آپ ﷺ کی دعا پر دائمی آمین اور آپ ﷺ کے ساتھ عمومی مشارکت کی حیثیت رکھتی ہیں، حتی کہ ہر صلوٰۃ وسلام اُس دعا پر آمین کہنے کے مترادف ہے اور اُمت کا ہر فرد جو نماز میں صلوٰات اور_

Marfat.com

دیکھو! وہ خلود و بقا جیسی حاجتِ عامہ کیلئے دعا کر رہا ہے! اور یہ ایک ایسی دعا ہے جس میں صرف اہلِ زمین ہی اُس کے ہمراہ نہیں ہیں بلکہ اہلِ سماوات بھی، بلکہ تمام موجودات اس دعا میں اُس کے ساتھ شریک ہیں اور اپنی زبانِ حال سے کہہ رہے ہیں؛ آمین۔ اے اللہ! اے ہمارے رب! اس کی دعا قبول کر، ہم بھی تیری جناب میں اسی کی طرح گڑگڑا کر گریہ زاری کر رہے ہیں'' کہتے ہیں''

دیکھو! پھر وہ انتہائی رقت وغم، پیار و محبت، عجز و نیاز، امید اور گریہ زاری سے اس طرح خلود و دوام کا سوال کر رہا ہے کہ تمام کائنات کو غم آمیز اور اشک آلود کر کے اسے اپنا ہمنوا بنا رہا ہے۔

پھر دیکھو اور غور کرو! کہ سعادت کے لیے دعا مانگتے ہوئے اس کے سامنے ایک بہت بڑا مقصد اور عالیشان ہدف ہے۔ وہ یہ ابدی سعادت اس لیے مانگ رہا ہے تا کہ انسان کو اور تمام مخلوقات کو اسفل سافلین کے گہرے گڑھے میں گرنے یعنی فناءِ مطلق اور بے کار میں ضائع ہونے سے بچالے اور اسے بلندیوں پر فائز کر دے تا کہ وہ ان ذمہ داریوں کو نبھانے کا اہل ہو جائے اور اپنی قدر پہچان جائے اور صمدانی مکتوبات کا رازدان بن جائے۔

دیکھو! وہ کس طرح رو رو کر، گڑگڑاتے ہوئے تہِ دل سے پر امید ہو کر الحاح و اصرار کو وسیلہ بنا کر مدد مانگ رہا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے لگتا ہے جیسے تمام موجودات بلکہ آسمانوں کو بلکہ عرشِ عظیم کو بھی اپنی یہ گریہ زاری میں ڈوبی ہوئی مناجات سنا رہا ہے اور یوں ان میں اپنی اس دعا سے جدوجہدِ شوق کو تحریک دے رہا ہے اور وہ بے تابانہ اس دعا پر آمین، آمین پکار رہے ہیں! (حاشیہ:۱)

اور دیکھو! وہ ابدی سعادت اور بقائے دوام کا سوال کر رہا ہے اور اُس قادرِ کریم سمیع، علیم، بصیر اور رحیم ذات سے اِس چیز کی امید لگائے ہوئے ہے جو اپنی کمزور ترین مخلوق کی مخفی ترین حاجت دیکھتا سنتا اور اپنی بے پایاں رحمت سے اسے پوری کرتا ہے۔ اور اس ضمن میں اس کی دعا کا جواب دیتا ہے، اگرچہ یہ دعا زبانِ حال سے ہی کیوں نہ مانگی جا رہی ہو۔

---

(بقیہ حاشیہ) شافعیہ کے مطابق_ اقامت کہنے کے بعد جو دعا پڑھتا ہے، وہ اس دعا پر آمین ہی ہے جو دعا وہ ابدی سعادت کے لئے کر رہے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسی دعا شرف قبولیت سے محروم رہے؟ تو نبی ﷺ اپنی دعا میں بقائے دوام اور ابدی سعادت کے امیدوار ہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے جو انسان چاہتا ہے اور اپنی فطری حالت کی زبان کی قوت سے طلب کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تمام لوگ جو ایمان کی روشنی سے منور ہوئے ہیں وہ آپ ﷺ کے پیچھے آمین کہتے ہیں۔ کیا ایسی دعا کے قبول نہ ہونے کا کوئی امکان ہے؟!۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۱) جی ہاں، یہ کسی طور بھی ممکن نہیں کہ اس کائنات کا پروردگار جو عین اس وقت جبکہ وہ کون و مکان میں مکمل علم، حکمت اور بصیرت کے ساتھ تصرف کر رہا ہے، وہ اس ہستی کے اعمال و افعال کا علم نہ رکھتا ہو جو ہستی اس کی مخلوقات میں سے بلند مرتبے کی حامل ہے! اور یہ چیز مشاہدے میں بھی ہے۔ اور یہ چیز بھی کسی طور ممکن نہیں کہ وہ علیم و خبیر پروردگار اپنے اس برگزیدہ بندے کی دعا نہ سنے جبکہ وہ اس کے تمام اعمال و افعال اور تمام دعاؤں کی خبر رکھتا ہے! اسی طرح یہ چیز بھی کسی طور ممکن نہیں کہ وہ رحیم و قدیر پروردگار دعاؤں کا جواب نہ دے جبکہ دعا کنندہ کی کامل انابت اور نیاز مندی اس کی نگاہ میں ہے! (بقیہ آئندہ صفحہ:)

Marfat.com

جی ہاں، وہ اس کی دعا کا جواب بصیرانہ و رحیمانہ انداز سے دیتا ہے اور پورے حکیمانہ طریقے سے اس کی دادرسی کرتا ہے، اُس کی فریاد کو پہنچتا ہے اور اس کی ضرورت پوری کرتا ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ انتہائی اعلیٰ پیمانے پر جو رُو رعایت اور خیال رکھا جا رہا ہے یہ ایک ایسی ہستی کی طرف سے ہے جو سننے والی اور دیکھنے والی ہے اور بظاہر سمجھ میں نہ آنے والی گہری تدبیر اس ذات کی طرف سے ہے جو بہت رحیم و کریم ہے۔

جی ہاں، وہ شخص جو اس زمین پر تمام بنی آدم کی عرشِ اعظم کی طرف اپنا رخ کیے ہوئے قیادت کر رہا ہے، اس کیفیت میں کہ وہ اپنے ہاتھ اٹھائے ہوئے وہ ہمہ گیر اور جامع قسم کی دعا مانگ رہا ہے جو محمدی عبودیت پر مشتمل ہے، وہ محمدی عبودیت جو نوع انساں کی عبودیت کا جوہر اور خلاصہ ہے؛ تم جانتے ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ جانتے ہو وہ شرفِ انسانیت، فخرِ کائنات اور یگانہ کون و مکاں کیا چاہتا ہے؟ آؤ سنتے ہیں۔ وہ اپنے لیے اور اپنی اُمت کے لیے ابدی سعادت مانگ رہا ہے۔ بقا مانگ رہا ہے۔ وہ جنت اور اس کی نعمتیں مانگ رہا ہے۔ جی ہاں، وہ ان اسمائے الٰہیہ کے حسن و جمال کا وسیلہ لے کر اور پُر امید ہو کر یہ سب کچھ مانگ رہا ہے جن اسماء کی تجلیوں سے موجودات کا ذرہ ذرہ جگمگا رہا ہے۔ — جیسے کہ تم دیکھ رہے ہو — ان اسمائے حسنیٰ کو اپنا سفارشی بنا رہا ہے۔

ذرا بتاؤ تو سہی کہ آخرت کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے یہ بے شمار اسباب و دلائل اگر نہ بھی ہوتے تو اس معزز پیغمبر کی صرف ایک دعا جنت کو وجود میں لانے کے لیے کافی نہیں تھی؟ وہ جنت کہ جس کی ایجاد ہمارے مہربان خالق کے

---

(بقیہ حاشیہ) جی ہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی برکت سے کائنات کی وضع قطع تبدیل ہوگئی اور اس نور کی بدولت انسان اور کائنات کی حقیقت اور ماہیت ابھر کر سامنے آگئی۔ اور یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ اس کون و مکاں کی تمام موجودات وہ ربانی اور صمدانی نوشتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ اسمائے حسنیٰ کو پڑھا اور انہیں سمجھا جائے، اور یہ تمام موجودات مامور اور ملازم ہیں جن کا وجود اتنا نفیس، پُر مغز اور مفہوم دار ہے کہ ان میں خلود و بقا کی اہلیت پائی جاتی ہے۔ اگر یہ نور نہ ہوتا تو یہ کائنات اوہام و خرافات کے گھپ اندھیروں میں گھری رہتی، اس کے بارے میں یہی فیصلہ ہوتا کہ یہ فنا کے گھاٹ اتر جائے گی اور معدوم ہو جائے گی، یہ ایک بالکل فضول، بے معنی اور بے فائدہ کھیل اور اتفاقی حادثے کا بے کار نتیجہ ہے۔ یہی وہ راز ہے جس کی رُو سے پاتال سے پروین تک زمین و آسمان کی ہر چیز آپ ﷺ کے نور سے روشنی حاصل کر رہی ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ اپنے تعلقات کا بالکل ایسے اظہار کر رہی ہے جیسے انسان ان کی دعا پر آمین کہہ رہا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد ﷺ کی عبودیت کی اصل روح اور مغز دعا ہی ہے، بلکہ کائنات کی ہر حرکت اور اس کا ہر وظیفہ دعا ہی کی ایک صورت ہے۔ بنا بریں، ایک بیج کی نشو و نما اور اس کے تمام تحولات و انقلابات اپنے پیدا کرنے والے کے دربار میں دعا ہی کی ایک صورت ہے، اور وہ یہ کہ وہ ایک بلند قامت درخت بن جائے۔ مؤلف۔

(حاشیہ: ۱) جی ہاں، روئے زمین پر انتہائی گہری، انوکھی اور عجیب و غریب صنعت کے گوناگوں نمونوں کا مظاہرہ کرنا، وہ سطحِ زمین جو وسیع و عریض عالمِ آخرت کے مقابلے میں ایک تنگ سے صفحے کی حیثیت رکھتی ہے؛ اور اسی طرح تین لاکھ موزون اور منظم مخلوقات کی صورت میں حشر اور قیامت کے نمونے دکھانا، اور ان تمام نمونوں کا اس حیران کن نظم و ضبط کے ساتھ اس ایک ہی صفحے میں لکھ دینا، (بقیہ آئندہ صفحہ)

Marfat.com

لیے انتہائی آسان ہے، اتنی آسان کہ جیسے موسمِ بہار میں زمین کو نئے سرے سے زندگی دے دی جائے۔(حاشیہ:۱)

جی ہاں، وہ ذات جس نے سطحِ زمین کو موسمِ بہار میں حشر کے مشابہ بنا دیا ہے، اور پھر اس میں اپنی لامحدود قدرت کے ساتھ اپنے سینکڑوں نمونے رکھ دیے ہیں، ایسی ذات کے لیے جنّت کا ایجاد کرنا کیا مشکل ہے؟۔ تو جس طرح آپ ﷺ کی رسالت اس دارالامتحان یعنی دنیا کی ایجاد کا سبب اور ''**لو لاکَ لو لاکَ لما خلقتُ الافلاکَ**''(حاشیہ:۱) کے راز کی وضاحت بن گئی ہے، اسی طرح آپ ﷺ کی عبودیت اُس ابدی سعادت مندی کے گھر (جنّت) کی تخلیق کا سبب بن گئی ہے۔

تو تم کیا سمجھتے ہو کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کائنات کا حیرت انگیز نظام اور محیّر العقول نظم وضبط، انتہائی تکمیل بردوش صنعتکاری اور ہمہ گیر ربوبیت اپنی وسیع وعریض رحمت کے دائرے میں کوئی دل آزار بدصورتی اور ظلم اور بے ہنگم بدنظمی قبول کرلے، یعنی اس دعا کو قبول نہ کرے، دعا کنندہ کا خیال نہ رکھے، اس کی پکار نہ سنے، اس کی پسندیدہ اہم خواہش بر نہ لائے اور اس کی بہت ضروری حاجتیں پوری نہ کرے، جبکہ حالت یہ ہے کہ وہ اہتمامِ بالغ کے ساتھ انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی خواہش پوری کرتا ہے، پوشیدہ ترین اور نحیف ترین آواز سنتا ہے اور ہر حاجت مند کی حاجت پوری کرتا ہے! ہرگز نہیں، ہزار بار ہرگز نہیں، ایسا ایک جمال ایسی ایک برائی کو مانگ کر بُرا نہیں ہوسکتا ہے (حاشیہ:۲)

تو اس سے پتہ چلا کہ رسول ﷺ نے جس طرح اپنی رسالت کے ساتھ دنیا کا دروازہ کھولا ہے، اُسی طرح اپنی عبودیت کے ساتھ آخرت کا دروازہ بھی کھولتا ہے۔

صلواتُ الرّحمٰنِ مِلْ الدّنْیَا وَ دَارُ الجَنَانِ

---

(بقیہ گزشتہ صفحہ) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چیز اُس جنت کو تیار کرنے سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہے جو کہ وسیع وعریض عالمِ بقا میں ہے اور وسعت ورفعت اور عظمت کی حامل ہے۔ بنا بریں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ: پھلوں پھولوں سے آراستہ پیراستہ باغ و بہار کی تخلیق اخروی جنت کی تخلیق سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے، حالانکہ جنت کی قدر ومنزلت موسمِ بہار سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۱) یہ حدیث لفظی اور معنوی ہر لحاظ سے علماء میں متداول ہے، اس حدیث کے ردّ وقبول کے سلسلے میں ملّا علی قاری کا قول میانہ روی کا حامل ہے، اور وہ یہ ہے کہ: یہ حدیث معنوی لحاظ سے صحیح ہے اگرچہ سند کی رُو سے ضعیف ہے۔ (شرح الشفاء: 6/1)۔ مترجم۔

(حاشیہ:۲) جی ہاں، یہ متفقہ قاعدہ کلیہ ہے کہ حقائق الٹی شکل اختیار نہیں کرسکتے۔ اور سب سے بڑی ناممکن بات یہ ہے کہ ایک چیز بعینہ وہ شکل اختیار کر جائے جو اس کے بالکل ہی اُلٹ ہے۔ اور یہ بات کہ حقائق کا اپنی اضداد میں منقلب ہونا ناممکن ہے، اس کے ضمن میں ایک ایسی حقیقت پائی جاتی ہے جو اپنی ضد قطعی طور پر قبول نہیں کرتی، اور وہ یہ کہ کوئی چیز اپنی ماہیت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی ضد میں تبدیل ہو جائے، جیسے یہ کہ جمالِ مطلق اپنی ماہیت برقرار رکھتے ہوئے یعنی حسن و جمال کی صورت میں رہتے ہوئے حقیقی بدصورتی میں تبدیل نہیں ہو سکتا! اس قاعدے کی رُو سے ہم کہتے ہیں کہ چار دانگ عالم میں روشن اور پھیلے ہوئے اس جمالِ ربوبیت کا اپنی ماہیت پر برقرار رہتے ہوئے اپنی ضد یعنی قباحت اور بدصورتی میں منقلب ہوجانا عقل کی نظر میں انتہائی تعجب خیز اور ناممکن ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

اللّٰهم صل و سلّم على عبدک و رسولک، ذلک الحبيب الذى هو سيد الكونين و فخر العالمين، وحياة الدارين، و وسيلة السعادتين، و ذوالجناحين، ورسول الثقلين، وعلى آله و صحبه أجمعين وعلى إخوانه من النبيين والمرسلين. آمين.

## چھٹی حقیقت

### عظمت اور سرمدیت کا دروازہ، اور یہ
### اسم "جلیل اور باقی" کی جلوہ گری ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ربِّ جلیل جو سورجوں سے لے کر درختوں تک، بلکہ ذرّوں سے بھی چھوٹی چیز تک کو اس طرح سے منظّم اور زیرِ فرماں رکھ کر چلا رہا ہے کہ جیسے وہ منظّم اور مرتب لشکر ہوں، کیا یہ ممکن ہے کہ ایسا جلیل القدر پروردگار اقتدار کا سایہ صرف ایسے چند فانی اور زوال پذیر مسکینوں کے سروں پر دراز رکھے جو دنیا کے اس مہمان خانے میں وقتی زندگی گزاریں؟ اور ایک بلند، عالی شان اور ابدی اور سرمدی مقام تیار نہ کرے جو اس کی جلیل القدر اور بقابدوش ربوبیت کے لیے دارومدار کی حیثیت رکھتا ہو؟!

جی ہاں! اس کون ومکان میں ہم جو بڑی بڑی اور عظیم الشان کاروائیاں دیکھ رہے ہیں جیسے کہ موسموں کا تبدیل ہونا۔ اور جو عظیم الشان تصرفات دیکھ رہے ہیں جیسے کہ ستاروں کو رواں دواں رکھنا۔ اور تسخیر کے جو حیرت انگیز مظاہر دیکھ رہے ہیں جیسے کہ زمین کو گہوارہ اور سورج کو روشن چراغ بنا دینا۔ جو عظیم تحولات وتغیرات دیکھ رہے ہیں جیسے زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی اور خشک ہو جانے کے بعد زیب وزینت بخشنا۔ یقیناً یہ تمام چیزیں ہمارے لیے اس حقیقت کو واضح طور پر روشن کرتی ہیں کہ پردے کے پیچھے ایک جلیل القدر اور عظیم الشان ربوبیت کارفرما ہے جو اپنے بے پایاں اقتدار کے ذریعے سے ہمہ گیر حکمرانی کر رہی ہے۔ اب اس طرح کی ربانی سلطنت ایسی رعایا چاہتی ہے جو اس کے شایان شان ہو، ایسے آداب ومظاہر چاہتی ہے جو اس کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ بہترین خوبیوں کے حامل اور امتیازی صفات رکھنے والے بندے دنیا کے اس مہمان خانے میں صرف وقتی طور پر پریشان حال جمع ہوتے ہیں، اور خود مہمان خانے کی حالت یہ ہے کہ روزانہ بھرتا اور خالی ہو جاتا ہے، اور رعایا کی حالت یہ ہے کہ وہ امتحان کے اس میدان میں صرف اتنی دیر کے لیے ٹھہرتے ہیں کہ جتنی دیر میں وہ اپنی ذمہ داریوں کا تھوڑا بہت تجربہ کر سکیں، اور خود میدان کی حالت یہ ہے کہ ہر آن تبدیل ہو رہا ہے۔ تو کہنا یہ ہے کہ رعایا کو یہاں رُکنے کے لیے چند گنے چنے لمحات ملتے ہیں تاکہ اس عرصے میں وہ دنیا کے اس بازار میں خالقِ ذوالجلال کی قیمتی نعمتوں کے نمونے دیکھ سکیں اور ___ تجارت کی غرض سے ___ اس عظیم الشان نمائش گاہ سے اس بے نظیر کاریگری کی حیرت انگیز مصنوعات کا مشاہدہ کر سکیں۔ اور اسی وجہ سے وہ پھر غائب بھی ہو جاتے

Marfat.com

ہیں۔اور خود نمائش گاہ کی حالت یہ ہے کہ وہ ہر آن تغیر و تبدُّل سے دوچار ہے! اب جو چلا جاتا ہے وہ لوٹ کر نہیں آتا، اور ہر آنے والا جار ہا ہے۔ پس یہ صورت حال واضح اور قطعی طور پر بتاتی ہے کہ اس فانی مہمان سرائے، اس تغیر پذیر میدان ،اور اس تبدُّل آشنا نمائش گاہ کے پیچھے ایسے دائمی محلات ہیں جو کہ سرمدی سلطنت کے شایانِ شان ہیں، اور باغات سے ڈھکی ہوئی ابدی رہائش گاہیں اور ان تمام اصلی نعمتوں سے بھرپور خزانے ہیں جن کے نمونے ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں؛ اس لیے یہاں تگ ودَو اُس چیز تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ہے جو وہاں ہے۔ یہاں کی خدمت گزاری وہاں سے اُجرت حاصل کرنے کے لیے ہے۔ اس لیے کوئی سوختہ بخت بالکلی محروم رہ جائے تو اور بات ہے وگرنہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور جدّ وجہد کے حساب سے خوش بختی اور سعادت مندی سے وافر حصہ ملے گا۔

جی ہاں، یہ بات ناممکن ہے کہ ایسی ابدی اور سرمدی سلطنت اِن کمینے فانی لوگوں میں ہی منحصر رہے۔!

اس حقیقت کو اس مثال کی روشنی میں سمجھو کہ:

تم کسی راستے پر چلے جا رہے ہو اور وہاں دیکھتے ہو کہ سڑک کے کنارے پر ایک عالی شان قسم کا ہوٹل ہے جسے کسی بڑے بادشاہ نے اپنے مہمانوں کے لیے تیار کیا ہے، اور وہ اپنے مہمانوں کی صرف ایک رات کی خوش طبعی اور تفریحِ خاطر کے لیے اُس کی تزیین و آرائش پر لاکھوں روپے صَرف کرتا ہے، لیکن مہمان وہاں آکر نہ تو اس تمام آرائش و زیبائش سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور نہ ہی ان نعمتوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں؛ صرف اس لیے کہ وہ راہ چلتے مسافر ہیں اور وہاں بہت تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے ہیں، بس، جلدی جلدی جو ہاتھ آئے کھا پی لیتے ہیں اور جاتے ہوئے کیمرے سے ہوٹل میں سجی ہوئی کچھ چیزوں کی تصویریں اتار لیتے ہیں۔ ہوٹل کے ملازمین بھی ایسے ہی کرتے ہیں، کہ اِن آنے والے مہمانوں کی آمدورفت پر نظر رکھتے ہیں اور ان کی حرکات وسکنات کو پوری ایمانداری سے نوٹ کرتے ہیں۔ پھر تم یہ بات جانتے ہو کہ وہ حکمران یعنی ہوٹل کا مالک نئے آنے والے مہمانوں کے لیے ہوٹل کی تزیین و آرائش میں ہر روز کوئی نہ کوئی تبدیلی لاتا رہتا ہے، تو کیا اس کے بعد بھی تمہارے دل میں اس چیز کے بارے میں کوئی شک رہ جاتا ہے کہ جس نے چلتے راستے پر یہ ہوٹل بنایا ہے وہ یقیناً بے شمار دائمی اور عالی شان محلات کا مالک ہوگا، اس کے پاس ختم نہ ہونے والے قیمتی خزانے ہوں گے اور وہ دائمی اور غیر منقطع جود وسخا کا مالک ہوگا! اور یہ کہ اس کے جس جود وکرم کا مظاہرہ اس ہوٹل سے ہو رہا ہے وہ اس لیے ہے کہ اس کے مہمانوں کے دلوں میں اُن چیزوں کو حاصل کرنے کی تحریک پیدا ہو جائے جو اُس کے پاس ہیں اور اُن میں ان تحفوں کو حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہو جائے جو اُس نے ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔

بالکل اسی طرح، اس مثال کی روشنی میں اگر تم دنیا کے اس ہوٹل کے بارے میں غور کرو اور پوری بیدار مغزی سے ذرا گہرائی میں اُترو تو ان نو بنیادوں کو اچھی طرح سے سمجھ سکو گے جو نیچے بیان ہو رہی ہیں:

Marfat.com

## پہلی بنیاد:

یہ بات تم بڑی آسانی سے سمجھ جاؤ گے کہ اس ہوٹل کے ساتھ مشابہت رکھنے والی یہ دُنیا ذاتی طور پر کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔اس لیے یہ بات ناممکن ہے کہ جس شکل وصورت پر اب وہ موجود ہے اُس شکل وصورت کو وہ اپنے لیے از خود اختیار کر لے۔اس کی حیثیت تو بس ایک مہمان خانے کی ہے جو بھرتا رہتا اور خالی ہوتا رہتا ہے۔یہ ایک سرائے ہے جہاں لوگ کچھ دیر کے لیے ٹھہرتے ہیں اور روانہ ہو جاتے ہیں۔اسے اس لیے تعمیر کیا گیا ہے تاکہ یہاں موجودات اور مخلوقات کے قافلوں کی آمد ورفت جاری رہے۔

## دوسری بنیاد:

تم یہ بات بھی یقیناً سمجھ جاؤ گے کہ اس ہوٹل کے باسی مہمان اور مسافر ہیں اور ان کا ربّ کریم انہیں دارُالسلام کی طرف بلا رہا ہے۔

## تیسری بنیاد:

یہ بات بھی تم بہت جلد سمجھ جاؤ گے کہ اس دنیا کی زیب وزینتیں صرف حصول لذت اور خوش طبعی کے لیے ہی نہیں ہیں، کیونکہ یہ دنیا اگر تمہیں ایک عرصہ کے لیے کسی چیز سے لذّت آشنا کرتی ہے تو وہ چیز تم سے چھین کر تمہیں کئی عرصوں کے لیے دکھ درد میں مبتلا کر دیتی ہے،مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا تمہیں کسی چیز کی لذت سے سیر نہیں کرتی ہے بلکہ تمہارے اندر اس لذّت کے حصول کی ایک خواہش بھڑکا کر تمہیں بسمل چھوڑ دیتی ہے؛اس کی وجہ یہ ہے کہ یا اس کی عمر بہت تھوڑی ہے اور یا یہ کہ خود تمھاری عمر بہت تھوڑی ہے،اتنی تھوڑی کہ سیر ہونے کے لیے کافی نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بیش قیمت زیب وزینت اور تھوڑی سی عمر صرف عبرت حاصل کرنے ،شکر ادا کرنے ،ایک بنیادی اور دائمی زیب وزینت کے حصول کا جذبہ پیدا کرنے اور ان جیسے دیگر بلند مقاصد کے لیے ہے۔(حاشیہ:۱)

---

(حاشیہ:۱) علی الرغم اس کے کہ ہر خوبصورت اور مضبوط ساخت پرداخت والی چیز فی نفسہ نفیس اور بیش قیمت ہے،اس کی عمر بہت تھوڑی ہے اور اس کا وجود تھوڑے عرصے کے لئے ہے،جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ چیزیں کسی دوسری چیزوں کے نمونے ہیں۔اور جب اس دنیا میں ایسی چیزیں موجود ہیں جو آنکھوں کی توجہ اصل حقائق کی طرف کرا سکتی ہیں،تو پھر یہ کہنا کوئی زیادہ حیران کن نہیں ہوگا کہ: دنیا کی زیب وزینت جنت کی ان نعمتوں کا نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہیں، بلکہ اصل حقیقت بھی یہی ہے۔مؤلف۔

(حاشیہ:۲) جی ہاں، ہر چیز کے وجود کے کچھ مقاصد اور اس کی زندگی کے کچھ اہداف اور نتائج ہوتے ہیں یہ اہداف ومقاصد اور نتائج ـ جیسے کہ گمراہ لوگ سمجھتے ہیں ـ نہ تو صرف وہی ہیں جن کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے اور نہ صرف وہی ہیں جو خود اُن کے اپنے وجود میں منحصر ہیں؛ کیونکہ اگر ایسا ہو تو اُس چیز کا وجود عبث اور بے مقصدگی اور عدمِ حکمت کا شکار رہے گا۔بلکہ ہر چیز کے وجود کے مقاصد اور اس کی حیات کے نتائج کی تین قسمیں ہیں: (جاری)

Marfat.com

## چوتھی بنیاد:

عنقریب ہی تمہاری سمجھ میں یہ بات بھی آجائے گی کہ دنیا میں پائی جانے والی یہ زیب و زینتیں (حاشیہ:۲) اُن نعمتوں کے نمونوں اور صورتوں کی طرح ہیں جو کہ رحمتِ الٰہیہ نے جنت میں اہلِ ایمان کے لیے ذخیرہ کر رکھی ہیں۔

## پانچویں بنیاد:

پھر یہ بات بھی سمجھ جاؤ گے کہ یہ فانی مصنوعات فنا ہو جانے کے لیے نہیں ہیں، اور نہ ہی یہ اس لیے پیدا کی گئی ہیں کہ کچھ دیر کے لیے نظر آئیں اور پھر نیست ہو جائیں، یہاں تو یہ کچھ مدت کے لیے ایک مطلوبہ جگہ پر صرف اس لیے اکٹھی ہوئی ہیں تا کہ ان کی صورتیں اخذ کی جاسکیں، ان کے معانی اور مقاصد سمجھے جائیں، ان سے حاصل ہونے والے نتائج ضبط کیے جائیں، اہلِ خلود و بقا کے لیے ابدی اور دائمی مناظر بُنے جاسکیں، اور تا کہ یہ مصنوعات عالم بقا میں دیگر اغراض و مقاصد کا دارومدار ٹھہریں۔

آنے والی مثال سے یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ کس طرح یہ چیزیں فنا کے لیے نہیں بلکہ بقا کے لیے پیدا کی گئی

---

(بقیہ حاشیہ) 1: یہ قسم سب سے اعلیٰ وارفع ہے، اس کا رخ اُس کے اپنے خالق کی طرف ہے، یعنی یہ ہدف یا مقصد اُس چیز کے بنانے والے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے ہر چیز کی تخلیق وصنعت اور حیرت انگیز بناوٹ کی باریکیوں کو اُس شاہدِ ازلی سبحانہ وتعالیٰ پر پیش کرنا۔ بالکل ایسے جیسے کوئی چیز جائزے کے لیے سرکار کے حضور پیش کی جاتی ہے۔ اور جائزے والی اس نظر کے لیے اس چیز کو زندگی ملنا ضروری ہے اگر چہ ایک لمحہ کے لیے بھی کیوں نہ ہو۔ بلکہ بسا اوقات اس کا زندگی سے بہرہ ور ہو کر ظہور میں آنا ہی ضروری نہیں ہوتا بلکہ اس کی مخفی قوتوں کے اظہار کے لیے اس کے اندر زندگی کی استعداد کا ہونا ہی کافی ہوتا ہے، بالکل ایسے جیسے کچھ کر نہ سکنے کا موقع نہ مل سکے تو کچھ کر گزرنے کی پختہ نیت ہی کافی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر: وہ لطیف مخلوقات جو بسرعت زوال سے ہمکنار ہو جاتی ہیں، اور وہ بیج جو بار آور نہ ہو سکے، وہ سب مکمل طور پر اس مقصد کی وضاحت کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بیکار گئے ہیں اور کسی کام نہیں آسکے (کیونکہ ان میں پھلنے پھولنے کی استعداد موجود تھی)۔ کہنا یہ ہے کہ ہر چیز کا پہلا ہدف، پہلا مقصد اور پہلی غرض وغایت یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی اور اپنے وجود کے ذریعے اپنے مالکِ ذوالجلال کی آنکھوں کے سامنے اُس کی قدرت کے معجزات اور اس کی خوبصورت صنعت گری کے آثار کا اظہار کرتی ہے۔

2: وجود کی غرض وغایت اور زندگی کے اہداف و مقاصد کی دوسری قسم کا رُخ صاحبِ شعور موجودات کی طرف ہے یعنی یہ کہ یہاں کی ہر چیز ایک ربانی مکتوب کی طرح ہے جس میں حقائق کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ ایک قصیدے کی طرح ہے جو لطافت و ظرافت سے لبریز ہے اور جس کے لفظ لفظ سے حکمت و دانائی ٹپک رہی ہے، اور جسے وہ خالق الباری جن و ملائک اور انسان وحیوان کی آنکھوں کے سامنے پیش کر رہا ہے اور انہیں اس میں فکر و تأمل کی دعوت دے رہا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اصحابِ شعور کے لیے مطالعہ، غور وفکر اور تأمل کے قابل ہے۔

3: وجود کی غرض وغایت اور زندگی کے اہداف و مقاصد کی تیسری قسم کا تعلق کسی بھی چیز کی خود اپنی ذات کی حیثیت سے ہے، جیسے فائدہ اٹھانا، لذت حاصل کرنا، ہنسی خوشی زندگی گزارنا اور دنیا میں سدا رہنے کی آرزو رکھنا وغیرہ اور ان جیسے دوسرے جزوی مقاصد۔ (جاری)

Marfat.com

ہیں، بلکہ ان کی ظاہری فنا پذیری کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ انہوں نے جب اپنے ذمّے لگی ہوئی ڈیوٹیاں سرانجام دے لیں تو انہیں قیدِ حیات سے آزاد کر دیا گیا۔ اس مثال سے یہ بات بھی سمجھ میں آ جائے گی کہ کس طرح ایک چیز ایک پہلو سے اگرچہ فنا ہو جاتی ہے لیکن دوسرے بے شمار پہلوؤں سے باقی رہتی ہے۔

مثال کے طور پر: اس پھول کو غور سے دیکھو۔ جو کہ قدرتِ الٰہیہ کے قلم سے نکلا ہوا ایک خوبصورت لفظ ہے۔ یہ پھول تھوڑی دیر کے لیے ہمیں ہنستا مسکراتا دیکھتا ہے اور پھر فنا کے پردے کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔ اس کی مثال اس لفظ کی سی ہے جو ہم مُنہ سے بولتے ہیں، جو کہ کان کو اپنے جیسے ہزاروں الفاظ سے آشنا کرتا ہے۔ ہمارے بولنے کے بعد وہ لفظ غائب ہو جاتا ہے لیکن اس کے ہزاروں نمونے کان میں رہ جاتے ہیں اور اس کی طرف کان لگانے والی عقلوں کے برابر اس کے معانی و مفاہیم باقی رہ جاتے ہیں؛ کیونکہ کانوں میں وہ لفظ اور ذہنوں میں اس کا مفہوم و مطلب محفوظ رہ جاتا ہے اگرچہ خود لفظ اپنا وظیفہ ادا کرنے کے بعد غائب ہو جاتا ہے، اور وہ وظیفہ ہے سننے والے کو ایک معنی و مفہوم سے آشنا کرنا۔ یہی حال پھول کا ہے کہ وہ خود چلا جاتا ہے مگر اس کا عکس ہر اس آدمی کے ذہن میں محفوظ رہ جاتا ہے جس نے اس کی ظاہری صورت دیکھی ہے اور اسی طرح وہ خود مرجھا کر منظر سے غائب ہو جاتا ہے مگر اُس کی معنوی ماہیت یا اصلیت اس

---

(بقیہ حاشیہ) مثال کے طور پر: بادشاہ کے بحری بیڑے کے ملاح کو اس کی کارکردگی کا صلہ اس کی اجرت یعنی تنخواہ وغیرہ کی شکل میں ملتا ہے، اور یہ ایک فیصد ہوتا ہے، اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی کا باقی ننانوے (99) فیصد بادشاہ کو چلا جاتا ہے جو کہ اس بیڑے کا اصل مالک ہے اور اس طرح کسی چیز کی غرض و غایت جو خود اس کی اپنی ذات یا اُس کی دنیا کی طرف لوٹتی ہے وہ اگر ایک فیصد ہے تو اس کے خالق و مالک کی طرف لوٹنے والی غرض و غایت ننانوے فیصد ہے۔ اہداف و مقاصد کے اس تعدد میں ہی ''حکمت اور جود و کرم'' کے مابین موافقت پیدا کرنے کا راز پایا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ''بے قید اقتصاد یا کفایت شعاری اور بے قید جود و سخا'' کے مابین بظاہر ایک قسم کا تضاد یا تناقض نظر آتا ہے۔ اس کی وضاحت یوں ہے: غرض و غایت کا اگر انفرادی طور پر لحاظ رکھا جائے تو اس صورت میں ''جود و سخا'' کا پہلو غالب اور نمایاں مقام حاصل کر لیتا ہے اور اسمِ ''الجواد'' پوری شان سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ اب اس انفرادی غرض و غایت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو پھل اور بیج اتنے زیادہ ہیں کہ اعداد و شمار میں نہیں آ سکتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ بے قید جود و کرم اور بے حد و حساب سخاوت کا مظہر ہیں۔ لیکن اگر مجموعی مقاصد کو سامنے رکھا جائے تو ان میں حکمت کا پہلو غالب اور نمایاں نظر آتا ہے اور اسمِ ''الحکیم'' پوری شان سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس پہلو کو مدِّ نظر رکھا جائے تو ایک درخت کے ایک پھل کے اتنے اغراض و مقاصد معلوم ہوں گے جتنی اس درخت کے پھلوں کی تعداد ہے۔ یہ تمام اغراض و مقاصد اُن تین قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں جو ابھی بیان ہوئیں۔ ان اغراض و مقاصد میں بے کراں حکمت اور غیر محدود کفایت شعاری نظر آتی ہے۔ اور یوں بے قید حکمت اور بے قید جود و سخا کا تال میل ہو جاتا ہے جو بظاہر متضاد نظر آتے ہیں۔ یا مثال کے طور پر ایک فوج کھڑی کرنے کا اہم مقصد امن و امان کا قیام ہوتا ہے، اب فوج کو اس اعتبار سے دیکھیں گے تو محسوس ہوگا کہ یہ تعداد مطلوبہ مقصد کے پیشِ نظر بہت زیادہ ہے۔ لیکن اسی چیز کو جب سرحدوں کی حفاظت، دشمنوں کے ساتھ مقابلہ اور ان جیسے دیگر مقاصد کی رو سے دیکھیں گے تو محسوس ہوگا کہ یہ تعداد مطلوبہ حد و حساب کے مطابق ہے۔ اس نظر سے دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ یہ ایک حکمت بردوش انتہائی دقیق توازن ہے کہ حکومت کی حکمت اور اُس کی جاہ و حشمت ایک ساتھ ہیں۔ اور یوں اندریں حالات یہ کہنا ممکن ہوگا کہ: فوج مطلوبہ حد سے زیادہ نہیں ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

کے بیجوں میں محفوظ رہ جاتی ہے۔تو گویا کہ ہر یاداشت، ہر حافظہ اور ہر بیج ایک فوٹو گرافی تصویر ہے جو اپنی اصلیت کا حسن و جمال، اس کی شکل وصورت، اس کی زیب وزینت اور اس کے دوامی سلسلے کو باقی رکھتی ہے۔

تو اگر ایک مصنوع اور مخلوق چیز___ جو کہ حیات کے ادنیٰ سے مرتبے پر فائز ہے___ کے ساتھ اس کے بقاودوام کے لیے یہ معاملہ کیا جاتا ہے تو انسان کے بارے میں کیا خیال ہے جو کہ حیات کے بالاترین طبقے میں ہے؟ جو لافانی روح کا مالک ہے؟ کیا وہ خلود وبقا کا حامل نہ ہوگا؟ اگر ایک پھل دار اور پھول دار بوٹی کی شکل وصورت اور اس کی ترکیب وساخت کا قانون___ جو کہ جزوی طور پر روح کے مشابہ ہے___ بے شمار انقلابات اور تغیرات کے تھپیڑوں کے درمیان انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ اپنے چھوٹے چھوٹے بیجوں میں محفوظ رہتا ہے، تو اس سے یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ روح کے بقاودوام کا کیا حال ہوگا؟ اس کا خلود کے ساتھ بندھن کتنا مضبوط ہوگا؟ اور خاص کر اس حالت میں کہ روح ایک امری قانون اور نورانی شعور کی مالک ہے، ایک ترقی پذیر ماہیت کی مالک ہے، زندگی سے بہرہ ور ہے، انتہائی جامع اور ہمہ گیر خصوصیات کی حامل ہے، صرف اتنا ہے کہ اُسے ایک خارجی یا بیرونی جسم کا لباس پہنا دیا گیا ہے؟!

## چھٹی بنیاد:

پھر تمہیں اس بات کی بھی سمجھ آجائے گی کہ انسان کو شتر بے مہار پیدا نہیں کیا گیا ہے کہ وہ جہاں چاہے منہ مارتا پھرے، بلکہ اس کی تمام حرکات وسکنات کا ریکارڈ اور تصویریں محفوظ رکھی جاتی ہیں، اس کے ہر قول وفعل کا ایک کھاتہ تیار ہو رہا ہے جو اس کے سامنے کھول دیا جائے گا اور اسے اپنے ہر عمل کا حساب دینا ہوگا۔

## ساتویں بُنیاد:

پھر تمہاری سمجھ میں یہ بات بھی آجائے گی کہ وہ موت اور فرسودگی جو موسم گرما اور موسم بہار کی خوبصورت مخلوقات کو خزاں کی صورت میں لاحق ہوتی ہے، وہ فنائے کلّی اور زوالِ ابدی نہیں بلکہ وہ تو ایک قسم کی برطرفی یا سبکدوشی ہے جو بہار کے لیے اس کی ذمہ داریاں اور دیگر خدمات کے مکمل ہو جانے کے بعد عمل میں لائی جاتی ہے، (حاشیہ:۱)
بہار اپنے فرائض سے سبکدوشی کے بعد رخصت ہو جاتی ہے اور اگلے موسم بہار میں آنے والی جدید مخلوق کے لیے جگہ

---

(حاشیہ:۱) جی ہاں، درختوں کی ٹہنیوں اور چوٹیوں پر لگے ہوئے پھلوں اور پھولوں کا_ جو کہ رحمت الٰہی کے رزقوں کے خزانے ہیں_ زوال پذیر ہونا ازبس ضروری ہے؛ کیونکہ یہ اپنی ڈیوٹی ادا کر کے بوڑھے ہو گئے ہیں اس لیے انہیں اب رخصت ہو جانا چاہیے تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے دروازے بند نہ رہیں، وگرنہ یہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمتوں کے آگے دیوار بن جائیں گے اور دوسروں کو بھی ڈیوٹی نہیں دینے دیں گے۔ اور اس پر ستم یہ کہ خود یہ پژمردہ ہو کر شباب سے محروم ہو جائیں گے۔ مقصد یہ ہے کہ موسم بہار بھی اس پھل دار درخت کی طرح حشر کا نمونہ پیش کر رہا ہے۔ اور انسان کی دنیا_ ہر دور میں_ ایک پھل دار درخت ہے جس میں حکمت اور عبرت کا سامان پنہاں ہے۔ اور زمین تمام کی تمام حیرت انگیز قدرت کا، اور اسی طرح دنیا وہ خوبصورت اور دل آویز درخت ہے جو اپنے پھل آخرت کے بازار میں بھیج رہا ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

خالی کرتی ہے۔

یہ تو گویا کہ خود آمادہ و تیار ہونا اور صفحۂ ہستی میں قدم رکھنے والی جدید موجودات کو آمادہ و تیار کرنے کے مترادف ہے۔

اور یہ اُن اہلِ شعور و ادراک کے لیے ایک ربانی تنبیہ ہے جو غفلت میں پڑ کر اپنی ذمہ داریوں کو بھول چکے ہیں اور مدہوشی کی وجہ سے شکر گزاری کی راہ سے دور ہٹ گئے ہیں۔

### آٹھویں بنیاد:

یہ بات بھی جلد ہی تمہاری سمجھ میں آجائے گی کہ وہ صانعِ ابدی جس نے اس عالمِ فانی کو پیدا کیا ہے، اس کے ہاں اس عالم کے علاوہ ایک اور عالم بھی ہے جو باقی رہنے والا اور جاوداں ہے۔ وہ اپنے بندوں کو اس عالم کے حصول کی ترغیب دیتا ہے، ان کے دلوں میں وہاں بسنے کے لیے شوق پیدا کرتا ہے اور انہیں کشاں کشاں ادھر لے جاتا ہے۔

### نویں بنیاد:

اور یہ بات بھی تمہاری سمجھ میں جلد ہی آجائے گی کہ وہ رحمان و رحیم جلّ جلالہٗ عنقریب اُس عالم میں اپنے خصوصی بندوں کی ایسی چیزوں کے ساتھ عزّت افزائی کرے گا کہ جو نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھیں، نہ کسی کان نے کبھی ان کے بارے میں سنا اور نہ کسی آدمی کے دل میں کبھی ان کا خیال تک گزرا۔ آمنّا۔

## ساتویں حقیقت

### حِفظ و حفیظیّت کا دروازہ جو کہ اسم "حفیظ اور رقیب" کی جلوہ گری ہے

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ حفیظ و رقیب ہستی جو زمین و آسمان اور برّ و بحر میں پائی جانے والی ہر چھوٹی بڑی اور خشک و تر چیز کو پورے نظم و ضبط اور توازن کے ساتھ اس طرح سنبھالے ہوئے ہے کہ کوئی بھی چھوٹی یا بڑی چیز اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے؟ کیا ایسی ہستی کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اس انسان کے اعمال کی نگرانی نہ کرے جو بلند فطرت کا مالک، زمین میں خلافت کے مرتبے پر فائز اور امانت کبریٰ کی ذمہ داری کا حامل ہے؟ کیا ممکن ہے کہ وہ اُس کے ان اعمال و افعال کی نگرانی نہ کرے جو ربوبیّت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں؟ اور محاسبے، نگرانی اور عدل کے میزان کے ساتھ اس کا وزن نہ کرے؟ اور ان اعمال کا ارتکاب کرنے والے کو ان اعمال کے مطابق جزا و سزا سے دوچار نہ کرے؟ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ چیز اس ہستی کی شانِ کبریائی کے منافی ہے۔

جی ہاں۔ وہ جو اس کائنات کو چلا رہا ہے وہی اس میں پائی جانے والی ہر چیز کی نگہداشت و نگہبانی پورے "نظام اور میزان" کے ساتھ کر رہا ہے اور "نظام اور میزان" ہی ارادے اور قدرت کے ساتھ ساتھ علم اور حکمت کے مظہر ہیں؛ کیونکہ

Marfat.com

ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ یہاں دنیا میں پیدا کی ہوئی ہر چیز انتہائی منظم اور موزوں ہے۔ اور ان چیزوں کی وہ صورتیں جن میں وہ ان کے آخری لمحات تک تبدیلی کرتا رہتا ہے، وہ تنہا یا مجموعی طور پر انتہائی گہرے اور مضبوط نظم وضبط کی حامل ہیں۔ اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ حفیظِ ذُوالجلال یہ کرتا ہے کہ جب کوئی چیز اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے بعد اس عالمِ شہادت سے کوچ کر جاتی ہے تو وہ انہیں انسانوں کے اُن ذہنوں میں محفوظ رکھتا ہے جو کہ لوحِ محفوظ اور مثالی آئینوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ (حاشیہ:۱)

اور یوں وہ اس چیز کی تاریخِ حیات کا اکثر حصہ اس کے بیجوں میں نقش کر کے لکھتا ہے اور اس طرح وہ ان ظاہری و باطنی آئینوں میں اس کی زندگی کو محفوظ کر کے اسے بقا و دوام سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ تو یوں سمجھو کہ انسان کا حافظہ، درخت کا پھل، پھل کی گھٹلی اور پھول کا بیج۔ یہ سب کے سب "حفیظیّت" کی ہمہ گیر عظمت کو آشکار کرتے ہیں۔

کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ ایک تنومند بہار کے موسم میں کس طرح ہر پھل دار اور پھول دار چیز کی حفاظت کی جاتی ہے، کس طرح اس کے خصوصی اعمال کے تمام صحیفوں کو محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اور کس طرح اس کی بناوٹ اور ترکیب کے تمام قوانین اور اس کی صورتوں کے نمونے چند چھوٹے چھوٹے گنے چُنے بیجوں میں کتابت کی صورت میں محفوظ رکھے جاتے ہیں؛ اور پھر اگلی بہار آ جاتی ہے تو یہی صحیفے انتہائی دقیق اور مناسب حساب سے پھیلا دیے جاتے ہیں، اور یوں ایک خوبصورت اور محکم اور منظم بہار کائنات میں رونما ہو جاتی ہے؟ کیا اس چیز سے حفظ و رقابت اور نگہبانی و نگہداشت کی ہمہ گیر قدرت اور نفوذ کی کُھل کر وضاحت نہیں ہو جاتی ہے؟ اب سوچنے سمجھنے والی بات یہ ہے کہ اگر ان معمولی، عمومی، غیر اہم اور وقتی چیزوں کی اس حد تک گہری محکم اور ہمہ گیر حفاظت کا اہتمام ہوتا ہے تو کیا اس بات کا تصور ہو سکتا ہے کہ انسان کے وہ اعمال جن کے عالمِ غیب، عالمِ آخرت اور عالمِ ارواح اور ربوبیت کے دربار میں گہرے اثرات اور نتائج مرتب ہوتے ہیں، کیا ان اعمال کو محفوظ نہ رکھا جائے گا؟ ان کا ریکارڈ نہ رکھا جائے گا؟ نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

جی ہاں۔ اس "حفیظیّت" کی تجلی اور اس واضح صورت سے یہ چیز سمجھ میں آتی ہے کہ اس کائنات کا مالک ہر چیز کو ریکارڈ میں رکھنے اور اپنی مملکت میں پیش آنے والے ہر معاملے کو محفوظ رکھنے کا بہت زیادہ اہتمام کرتا ہے، وہ اپنی حاکمیت میں اور اپنی ربوبیت کی سلطنت میں آخری درجے کی توجہ کا اہتمام کرتا ہے، اس طرح کہ وہ اپنی سلطنت کے کسی بھی علاقے میں رونما ہونے والے چھوٹے سے چھوٹے ہر حادثے اور معمولی سے معمولی عمل کو اس کی تمام صورتوں اور جزئیات سمیت لکھتا اور لکھواتا ہے۔ انتہائی دقیق قسم کی یہ محافظت اور نگہبانی اس بات کی دلیل ہے کہ عنقریب اعمال کے محاسبے کے لیے کھاتہ کھول دیا جائے گا، خاص کر اس مخلوق کے لئے جو بہت معزز، مکرم اور عظیم خصوصیات کی حامل ہے، اور وہ ہے انسان۔ اس بنا پر یہ ضروری ٹھہرا کہ اس کے اعمال جو کہ بہت عظیم ہیں اور اس کے افعال جو کہ بہت اہم ہیں، ضروری ہے کہ وہ اعمال

(حاشیہ:۱) مزید وضاحت کے لیے دیکھیں "ساتویں صورت" کا حاشیہ۔ مؤلف۔

Marfat.com

وافعال حساس ترازو اور دقیق محاسبے کی کاروائی سے گزارے جائیں، اور ضروری ہے اس کے اعمال کے صحیفے کھول کر آنکھوں کے سامنے لائے جائیں۔

تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ انسان جو کہ ''خلافت'' اور ''امانت'' کے شرف سے نوازا گیا ہے اور جو اکثر مخلوقات کی عبادت میں دخل اندازی کرنے، اس بے شمار مخلوقات کے میدانوں میں اپنی تسبیحات کے ذریعے وحدانیت کا اعلان کرنے اور ربوبیت کے کلی معاملات کا مشاہدہ کرنے کی بنا پر جملہ مخلوقات کے درمیان ''قائد'' اور ''شاہد'' کے درجے پر فائز ہوا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اس انسان کو چھوڑ دیا جائے گا تاکہ وہ قبر میں جا کر آرام کی نیند سو جائے، نہ اُسے اٹھایا جائے، نہ اُس سے اس کے چھوٹے بڑے اعمال کے بارے میں پوچھ تاچھ ہو اور نہ اسے روزِ محشر اُسے محکمانہ کاروائی کے لیے عدالتِ عظمیٰ میں پیش کیا جائے؟ نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا!

اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ انسان عدم میں چلا جائے؟ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مٹی میں گم ہو جائے اور اس قادرِ ذوالجلال کے ان طاقت ور ہاتھوں سے نکل جائے جن ہاتھوں کی طاقت اور قدرت کی گواہی گزشتہ زمانوں میں رونما ہونے والے تمام حادثات وواقعات دیتے ہیں؟۔

ماضی میں پیش آنے والے تمام واقعات وحادثات یہ بتاتے ہیں کہ یہ تمام واقعات ماضی میں اُس کی جس قدرت سے رونما ہوئے تھے وہ قدرت ایسے واقعات آنے والے زمانوں میں بھی رونما کر سکتی ہے۔ (حاشیہ:۱)

وہ قدرت جو اُس موسم سرما اور بہار کو وجود میں لاتی ہے جو کہ قیامت اور حشر کے مشابہ ہیں۔ اور جب حالت یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان محاسبے کے اُس عمل سے نہیں گزرتا جس کا وہ مستحق ہے، تو پھر یہ ضروری ٹھہرا کہ وہ عنقریب ایک عدالتِ کبریٰ اور سعادت عظمیٰ کی جانب سفر کرے گا۔

---

(حاشیہ:۱) بے شک وہ ماضی جو کہ لمحہ موجود سے لے کر آغازِ تخلیق تک پھیلی ہوئی ہے، وہ تمام کی تمام حادثات وواقعات سے بھری پڑی ہے۔ اس ماضی کے ہر دن سے ایک سطر، ہر سال سے ایک صفحہ اور ہر دور سے ایک کتاب وجود میں آئی ہے، اس میں دست قدرت نے آخری درجے کی حکمت اور انتظام کے ساتھ اپنی معجزانہ آیات رقم کی ہیں۔ اور بے شک وہ مستقبل جو کہ لمحۂ موجود سے لے کر قیامت کے دن اور پھر جنت اور ابد تک پھیلا ہوا ہے، وہ صرف ممکنات کے تحت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ماضی ان واقعات کا نام ہے جو فعلاً واقع ہو چکے ہیں، اسی طرح مستقبل ممکنات یعنی ان واقعات کا نام ہے جن کا فعلاً واقع ہونا ممکن ہے۔ ان دونوں زمانوں (ماضی اور مستقبل) کے سلسلوں کو جب مقابلتاً دیکھا جائے تو پھر اس بات میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی ہے کہ جس نے موجودات سے بھرے گزرے ہوئے کل کو پیدا کیا ہے وہ موجودات سے بھرے ہوئے آنے والے کل کو بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح اس بات میں بھی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے کہ ماضی کے وہ موجودات اور خوارق جو کہ عجائب وغرائب کی نمائش گاہ ہیں، وہ اس قادر قدیر ذات کے وہ معجزات ہیں جو اس بات کی قطعی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ وہ سبحانہ وتعالیٰ ممکنات سے بھرے ہوئے مکمل مستقبل کو پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ مستقبل اور اس میں اپنے تمام عجائبات ومعجزات کو ڈسپلے کرنے پر قادر ہے۔

(جاری)

Marfat.com

# آٹھویں حقیقت

## وعدووعید کا دروازہ جو کہ

## اسم "جمیل اور جلیل" کی جلوہ گری ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ذات جو اس کائنات کی موجد ہے اور وہ مطلق علم اور مطلق قدرت کی مالک بھی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ذات اُن وعدوں اور وعیدوں کو پورا نہ کرے جن کے بارے میں اس نے اپنے پیغمبروں کو بار بار خبر دی ہے اور جن کی تمام اَولیاء اور صدّیقین نے بالا جماع گواہی دی ہے، اور اس باب میں اپنی عاجزی ودرماندگی اور لاعلمی کا اظہار کر دے؟

**تعالی اللہ عن ذلک علوّا کبیرا**

جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ وہ امور جن کا اس نے وعدہ کیا ہے اور وہ امور جن کے بارے میں اس نے ڈرایا دھمکایا ہے ان میں سے کچھ بھی اس کی قدرت کے آگے مشکل اور اس کی طاقت کیلئے دشوار نہیں ہے بلکہ یہ سب کام معمولی، سہل اور آسان ہیں، اتنے آسان کہ جیسے گزری ہوئی بہار کی تمام موجودات کو بالکل ان کی اصلی صورتوں (حاشیہ:۱) میں یا ان

---

(بقیہ حاشیہ) جی ہاں، وہ جو ایک سیب پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دنیا کے تمام سیب پیدا کرنے پر بہر صورت قادر ہے، بلکہ وہ عظیم الشان ربیع کو پیدا کرنے پر بھی قادر ہے؛ کیونکہ جو مکمل ربیع پیدا نہیں کر سکتا وہ ایک سیب کسی طور بھی پیدا نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ اس سیب کا تانا بانا ربیع کے اُسی کارخانے میں بنتا ہے، اس لیے جو ایک سیب بنا سکتا ہے وہ لامحالہ مکمل موسم بہار کو بھی پیدا کر سکتا ہے۔ کیونکہ سیب ایک درخت، ایک باغ بلکہ تمام کائنات کی ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ اور سیب بناوٹ اور کاملیت کی حیثیت سے صنعت اور کاریگری کا ایک معجزہ ہے؛ کیونکہ اس کے بیجوں میں اس کے درخت کی تمام تاریخ حیات پنہاں ہے۔ تو جو اس بیج کو اس طرح کی ایک سحر انگیز اور حیرت خیز تخلیق دے سکتا ہے۔ اس کے لیے کوئی بھی چیز پیدا کرنا دشوار نہیں۔

اور اسی طرح جو آج کا دن پیدا کر سکتا ہے وہ قیامت کا دن بھی پیدا کر سکتا ہے۔ جو موسم بہار برپا کر سکتا ہے وہ حشر بھی برپا کر سکتا ہے۔ اور جس نے ماضی کے بے شمار عالم پیدا کر کے انہیں مکمل حکمت اور انتظام کے ساتھ زمانے کے فیتے کے ساتھ لٹکا دیا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ دیگر کئی عالم بے حجاب آشکار کر کے انہیں مُستقبل کے دھاگے کے ساتھ لٹکا دے اور پھر انہیں حتمی طور پر جلوہ گر کر دے۔ ہم نے کئی "مقالات" اور خاص کر "بائیسویں مقالے" میں یہ بات قطعی دلائل کے ساتھ ثابت کی ہے کہ: "جو ہر چیز پیدا نہیں کر سکتا وہ ایک چیز بھی پیدا نہیں کر سکتا' اور جو ایک چیز پیدا کر سکتا ہے وہ ہر چیز پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر تمام چیزوں کی تخلیق وایجاد ایک ذات کے سپرد کر دی جائے تو تمام اشیاء ایسی آسانی اختیار کر جاتی ہیں جیسے کہ ایک چیز ہو، لیکن ان کی نسبت ایک کی بجائے متعدد اسباب اور کثرت کی طرف کی جائے تو ایک چیز کی تخلیق و ایجاد تمام اشیاء کی تخلیق وایجاد کے برابر مشکل ہو جائے گی اور یہ مشکل ناممکن اور محال کے درجے تک جا پہنچے گی"۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۱) جیسے درختوں اور جڑی بوٹیوں کی جڑیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

جیسی (حاشیہ:۱) صورتوں میں آنے والی بہار میں دوبارہ وجود دینا۔ رہا وعدے کا پورا کرنا تو یہ چیز جس طرح ہمارے لئے اور ہر چیز کے لیے ضروری ہے اسی طرح اس کی ربوبیت کی سلطنت کے لیے ضروری ہے، بخلاف وعدہ خلافی کے، کہ یہ چیز اس کی قدرت کی شان وشوکت اور اس کے علم کی ہمہ گیری کے خلاف ہے؛ کیونکہ وعدہ خلافی صرف دو ہی وجہ سے ہوتی ہے: جہالت اور لاعلمی سے، اور یا پھر عاجزی ولاچاری سے۔

اس لئے اے منکر انسان! جانتے ہو کہ تم اپنے اس کفر وانکار کے ساتھ کیسے حماقت بھرے جرم کا ارتکاب کر رہے ہو؟ تمہارے اس کردار میں کس قدر حماقت پائی جاتی ہے؟ تم اپنی اس روش سے اپنے جھوٹے وہم اپنی یاوہ گو عقل اور اپنے فریبی نفس کی تصدیق کر رہے ہو اور یوں تم اس ذات کی تکذیب کر رہے ہو جو نہ کبھی وعدہ خلافی کرتی ہے اور نہ ہی کوئی اسے مجبور کر کے اس سے وعدہ کی خلاف ورزی کرواسکتا ہے بلکہ یہ چیز اس کی عزت وعظمت کے بالکل ہی منافی ہے اور یہ تمام مشاہدے میں آنے والی تمام کائنات اس کی صداقت اور برحق ہونے کی شہادت دیتی ہے!!۔ اپنی روش سے تم اپنے انتہائی چھوٹے پن کے باوجود یقیناً بہت بڑے جرم کا ارتکاب کر رہے ہو اس لئے تم ہر صورت کسی بہت بڑی دائمی سزا کے مستحق ہو۔ ایک کافر یعنی جھٹلانے اور نہ ماننے والا آدمی جس عظیم جرم کا ارتکاب کرتا ہے، اُسی حساب سے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ کچھ اہل دوزخ کے دانت پہاڑ جتنے بڑے ہوں گے۔ (حاشیہ:۲)

تمہاری مثال تو اس مسافر کی سی ہے جو سورج کی روشنی کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنے خیال کے پیچھے بھاگتا ہے اور پھر چاہتا یہ ہے کہ اپنے اس پُرخوف راستے کو اس معمولی سی روشنی سے روشن کر لے جو اس کی عقل میں جگنو کی روشنی کی طرح ٹمٹما رہی ہے۔

بات جب یہ ہے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہوا ہے، اور یہ تمام موجودات اس کے سچے کلمات ہیں اور کائنات میں دم بدم رونما ہونے والے یہ حوادث وواقعات اس کی وہ آیات ہیں جو سچائی کا اعلان کر رہی ہیں، تو وہ یقیناً عنقریب اپنا وعدہ وفا کرے گا، عنقریب ایک سب سے بڑی عدالت لگائے گا اور سعادتِ عظمیٰ سے ہمکنار کرے گا۔

---

(حاشیہ:۱) جیسے پھل اور پتے۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
ان ضرس الكافر أو ناب الكافر مثل أحد و غلظ جلده مسيرة ثلاث. رواه مسلم (2189/4)
''بے شک کافر کی داڑھ یا کچلی اُحد پہاڑ کی طرح ہوگی اور اس کی کھال کی ضخامت تین دن کے سفر کے برابر ہوگی۔ مترجم۔

Marfat.com

# نویں حقیقت

## زندہ کرنے اور مارنے کا دروازہ جو کہ

## اسم "حی قیوم" اور "مُحی و مُمِیت" کی جلوہ گری ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ہستی جس نے اتنی ضخیم زمین کو خشکی اور موت سے ہمکنار کرنے کے بعد زندہ کر کے اور اس میں تین لاکھ سے زیادہ مخلوقات برپا کر کے اپنی قدرت کا اظہار کیا۔ حالانکہ ان میں سے ہر مخلوق کا وجود انسانی وجود کی طرح ہی تعجب خیز ہے۔ اور وہ ذات جس نے ان انواع و اقسام کی مخلوقات کے مابین آمیزش اور پیچیدگی ہونے کے باوجود ہر نوع کو علیحدہ خصوصیات دے کر اسے دوسری نوع سے ممتاز کر کے اپنے علم کی ہمہ گیری کا اظہار کیا ہے۔ اور جس نے اپنے تمام آسمانی اوامر میں اپنے بندوں کے ساتھ حشر اور باز آفرینی کا وعدہ کر کے ان سب کی نظریں ابدی سعادت کی طرف لگا دی ہیں۔ اور جس نے ان موجودات کو ہم آہنگ اور ہم قدم بنا کر اپنی ربوبیت کی عظمت کا اظہار کیا ہے اور ان موجودات کی ہر نوع کو مسخر کر کے انہیں ایک دوسرے کا معاون بنا کر اپنے حکم اور ارادے کے ماتحت رکھا ہے۔ جس نے نوعِ انسانی کو کائنات کے درخت کا جامع ترین، لطیف ترین اور نازک ترین پھل بنا کر اسے انتہائی حساس طبیعت دے کر اسے سب سے زیادہ مستجاب الدعوات بنا کر ہر چیز اس کے لئے مسخر کر کے اور اسے اپنا مخاطب بنا کر بہت بڑی اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔ ایسی قدیر رحیم اور علیم حکیم ذات جس نے انسان کو اس اہمیت سے نوازا ہے، کیا اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ قیامت برپا نہ کرے؟

حشر برپا نہ کرے اور انسان کو دوبارہ نہ اٹھائے اور ایسا کرنے سے عاجز آجائے؟ یا عدالت عظمیٰ کے دروازے کھولنے اور جنت اور دوزخ کی تخلیق سے عاجز آجائے؟ حاشا و کلّا

جی ہاں۔ پروردگار عالم جو اس کائنات میں تصرّف کر رہا ہے وہ اس تنگ اور وقتی زمین میں ہر دور، ہر سال اور ہر دن میں ایسے بے شمار نمونے اور مثالیں اور اشارے ظہور میں لاتا ہے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سب سے بڑا حشر ضرور برپا ہوگا۔ مثال کے طور پر وہ پانچ چھے روزہ حشرِ ربیعی کے دوران میں نباتات و حیوانات کی چھوٹی بڑی تین لاکھ اقسام اکٹھی کر دیتا ہے اور پھر معاشرتی صورت میں انہیں پراگندہ کر دیتا ہے۔ اس طرح درختوں اور جڑی بوٹیوں کی جڑوں کو پھر سے زندہ کر دیتا ہے اور اسی طرح بعض حیوانات کا بعینہ ان کی اصلی شکلوں کے ساتھ اور بعض کا ان کی ہم مثل شکلوں میں اعادہ کر دیتا ہے اور باوجود اس کے کہ ننھے منے بیجوں کے درمیان مادی تفاوت بالکل معمولی اور جزوی قسم کا ہوتا ہے، لیکن جب انہیں زمین سے اُگایا جاتا اور زندہ کیا جاتا ہے تو وہ صرف چھ دنوں میں یا چھ ہفتوں میں انتہائی سہولت اور فراوانی کے ساتھ مکمل انتظام اور گہرے میزان کے ساتھ اپنا اپنا بھرپور تشخص اور امتیازی علامات لیے رونما ہوتے ہیں اور باہم مخلوط اور

Marfat.com

ملے جلے ہونے کے علی الرّغم علیحدہ علیحدہ خصوصیات لے کر اُبھرتے ہیں۔اب تم ہی کہو کہ وہ جو اس طرح کے کام سرانجام دیتا ہے کیا اس ذات کے لیے کوئی بھی کام کرنا مشکل ہوگا؟ یا وہ زمین وآسمان کو چھ دنوں میں تخلیق نہ کرسکے؟ یا وہ انسانوں کے لیے ایک زوردار چنگھاڑ سے حشر برپا نہ کرسکے؟ انہیں حیاتِ نو نہ دے سکے گا؟

حاشا وکلا۔

کیا خیال ہے کہ ایک غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک فنکار ہو جو صرف ایک گھنٹے کے دوران تین لاکھ سے زیادہ ایسی کتابیں_جن کے الفاظ وحروف مٹ چکے ہوں_ صرف ایک صفحے میں انتہائی خوبصورتی کے ساتھ اس طرح نقل کرلے کہ ان میں کوئی کمی کوتاہی، بھول چوک اور خلط ملط نہ ہو، اور پھر تمہیں یہ کہا جائے کہ یہ کاتب اپنے حافظے کی مدد سے تمہاری اُس کتاب کو جو پانی میں گرگئی ہے اور جو کہ اُسی کی تالیف ہے، اپنے حافظے کی مدد سے ایک منٹ میں لکھ دے گا، تو کیا تمہارے لئے یہ ممکن ہے کہ اس بات کو تسلیم نہ کرو اور کہو کہ نہیں وہ نہیں لکھ سکتا، میں یہ بات نہیں مان سکتا؟!!۔یا کوئی معجزاتی طاقتوں کا مالک بادشاہ اپنی طاقت اور قدرت کا اظہار کرنے اور لوگوں پر اپنی دھاک بٹھانے کی غرض سے اپنے اشارے سے پہاڑوں کو اُٹھادے، شہروں کو مکمل طور پر تبدیل کردے، سمندر کو میدان بنادے اور تم دیکھو کہ اُدھر یہ تماشا شروع ہوا اور ادھر ایک بہت بڑی چٹان نے لڑھک کر وہ راستہ بند کردیا جس سے اس کے مہمان آنے والے تھے، اور تمہیں کہا جائے کہ یہ بادشاہ ابھی اس چٹان کو اس راستے سے ہٹادے گا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دے گا خواہ وہ کتنی بھی بڑی کیوں نہ ہو، اور وہ اپنے مہمانوں کو راستے میں رُکے ہوئے نہیں چھوڑے گا۔تو اگر تم اس کے جواب میں یہ کہو کہ نہیں وہ ایسا نہیں کرسکتا ہے۔تو تمہاری یہ بات کتنی فضول اور پاگل پن کی آئینہ دار ہوگی؟!۔یا ایک ایسا قائد جو اپنی اُس فوج کے متعدد یونٹ ایک دن میں کہیں اکٹھے کرسکتا ہو جسے اُس نے خود تشکیل دیا ہوا ہے اور تمہیں کہا جائے کہ یہ قائد عنقریب اپنے لشکر کے تمام ڈویژن اکٹھے کرے گا اور بگل کی ایک آواز سے تمام بکھرے ہوئے منتشر سپاہی اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوجائیں گے، اور تم اسے کہو کہ نہیں میں یہ بات نہیں مان سکتا! تو تمہارا یہ جواب ایک دیوانے کی بڑ شمار ہوگا!!

یہ تین مثالیں اگر تمہاری سمجھ میں آگئی ہیں تو پھر غور کرو کہ وہ نقاشِ ازلی جو موسم خزاں کے سفید صفحے کو موسم گرما اور بہار کے کھلے ہوئے اوراق میں تبدیل کرکے ان میں ہماری کھلی آنکھوں کے سامنے خوبصورت اور باکمال صورت میں اپنی طاقت اور اختیار کے قلم سے زمین کے اس کاغذ پر تین لاکھ سے زائد اقسام کی نقش نگاری کردیتا ہے اور اِن سب کو اس طرح باہمد گر پیوستہ لکھتا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط نہیں ہو پاتے ہیں، پھر انہیں ایک ہی وقت میں اس طرح اکٹھا لکھتا ہے کہ ان کی آپس میں مٹھ بھیڑ بھی نہیں ہوتی اور اشتباہ والتباس بھی پیدا نہیں ہوتا، حالانکہ ترکیب اور شکل وصورت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ سب کے سب ایک دوسرے سے جدا جدا اور علیحدہ علیحدہ شکل وصورت کے حامل ہیں جنہیں ایک

Marfat.com

ہی وقت میں ایک ہی دفعہ اکٹھا لکھنا ممکن نہیں۔ لیکن مجال ہے کہ کسی بھی قسم کی کوئی غلطی ظہور میں آئے!! تو کیا وہ حفیظ حکیم جو ایک گرانڈیل درخت کی روح کا تمام پلان اور پروگرام ایک چھوٹے سے بیج میں رکھ کر اس کی نگرانی کر رہا ہے ،اس سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ وہ مُردوں کی روحوں کی حفاظت اور نگرانی کس طرح کرے گا؟ یا وہ قدیرِ ذُوالجلال جو زمین کو اس کے مدار میں انتہائی تیزی سے گھما رہا ہے، اس سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسے آخرت کی راہ سے کس طرح دور کر دے گا یا کس طرح اسے برباد کر دے گا؟ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ذُوالجلال والاکرام جو ذرات کو عدم سے وجود میں لایا اور جس نے ان ذرات کو کن فیکون کے امر سے زندہ ہستیوں کے لشکروں کے جسموں میں نظم وضبط اور سلیقے سے ترتیب دیا اور پھر ان سے مہیب قسم کے بے شمار لشکر پیدا کیے، کیا اس سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ وہ بگل کی ایک آواز یا نقارے کی ایک چوٹ سے اُن بنیادی ذرات کو کس طرح اکٹھا کرے گا جو ایک دوسرے سے مانوس ہو کر آپس میں گھل مل گئے ہیں، اور ان بنیادی اجزاء یعنی یونٹوں کو کس طرح اکٹھا کرے گا جو ایک جسم کے ڈویژن کے جھنڈے اور اس کے حکم کے ماتحت آگئے ہیں؟

تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو کہ حشر برپا ہونے کے کتنے ایسے نمونے اور کتنی نشانیاں ہیں جو حشرِ بہار کے مشابہ ہیں، جنہیں اس خالقُ الباری سبحانہ و تعالیٰ نے ہر موسم اور ہر دور میں تخلیق کیا ہے! حتیٰ کہ شب و روز کی تبدیلیاں، پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کی ایجاد اور انہیں فضا سے غائب کر دینا بھی حشر پر دلالت کرنے والی واضح مثالیں اور نشانیاں ہیں۔

تم اپنے آپ کو تصور میں ذرا ایک ہزار سال پہلے کے دور میں لے جاؤ اور ماضی اور مستقبل کا موازنہ کرو، تمہیں قیامت اور حشر کی اتنی ہی مثالیں اور نمونے مل جائیں گے جتنے اس وقت سے لے کر اب تک ادوار وایام گزرے ہیں۔

اگر تم اتنی زیادہ مثالوں اور بے شمار نمونوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی یہ سمجھتے ہو کہ حشرِ جسمانی اور موت کے بعد کی زندگی عقل سے بعید ہے اس لیے یہ تصوّر نا قابلِ قبول ہے، تو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ حشر کا انکار کرنے والا کس پائے کی حماقت میں مبتلا ہے۔

غور کرو کہ اس حقیقت کے بارے میں دستورِ اعظم کیا کہتا ہے:

﴿فَانظُرْ اِلَى آثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (الروم: 50)

قصہ مختصر، حشر کے برپا ہونے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنے گی، بلکہ ہر چیز اس کا تقاضا کر رہی ہے۔ جی ہاں، جو اس ہولناک زمین کو جو کہ عجائبات کی نمائش گاہ ہے، ایک ادنیٰ جاندار کی طرح زندہ کرتا اور مارتا ہے، جس نے اس زمین کو انسان اور حیوان کے لیے ایک راحت بخش جھولا اور خوبصورت سفینہ بنایا ہے، جس نے سورج کو اس مہمان خانے کے لیے انگیٹھی

Marfat.com

بنادیا ہے، جس نے چمکدار ستاروں، سیاروں کہکشاؤں کو فرشتوں کے لیے اُڑتی پھرتی رہائش گاہیں بنادیا ہے۔ بے شک وہ جلیل القدر ربوبیت جو اس حد تک ابدی اور دائمی ہے، اور وہ پرعظمت حاکمیت جو اس حد تک ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، ایسی ربوبیت اور ایسی حاکمیت ایسی معمولی، بیہودہ، فضول، ناپائدار، فانی اور زوال پذیر دنیا میں ٹھکانہ نہیں کرسکتی ہے۔ بنابریں، ایک ایسے مکان کا ہونا ضروری ہے جو عظیم جلیل پائدار، دائمی، ابدی اور باقی رہنے والا ہو، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے شایانِ شان ہو۔ پس وہ ہمیں ایسے دیار وامصار میں بسانے کے لیے سعی وعمل پر ابھارتا ہے، ہمیں کوشش کی راہ پر ڈالتا ہے ہمیں اس طرف بلاتا ہے اور اِدھر سے نکال کر اُدھر منتقل کردیتا ہے۔ اس حقیقت پر سب سے بڑی گواہی وہ نورانی روحوں کے مالک، روشن دلوں والے اقطاب اور نورانی عقلوں والے لوگ ہیں جو ظاہر کا پردہ چیر کر حقیقت تک رسائی پاگئے ہیں، اور جنھوں نے اللہ کے تقرب کا شرف حاصل کرلیا ہے۔ یہ سب کے سب بالاتفاق ہمیں بتاتے ہیں کہ اس پروردگار نے جزا اور سزا تیار کررکھی ہے، اور یہ کہ وہ جو خوشخبری دیتا ہے وہ قطعی ہوتی ہے اور جو دھمکی دیتا ہے وہ بھی حتمی ہوتی ہے۔

پس وعدہ خلافی اس کے مقدس جلال کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی ہے، کیونکہ یہ چیز پستی اور خود کی توہین کے مترادف ہے۔ رہی وعید یعنی دھمکی کی خلاف ورزی، تو یہ چیز یا تو عفو ودرگزری سے جنم لیتی ہے یا عاجزی و درماندگی سے۔ جبکہ کفر ایک مطلق جرم ہے۔ (حاشیہ:۱)

جو کہ کسی بھی عفو ودرگزری یا چشم پوشی کا حق دار نہیں ہے، رہا قادرِ مطلق، تو وہ عجز ودرماندگی سے پاک ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے خبر دینے والوں اور گواہی دینے والوں کا، تو وہ مسالک ومشارب ومناہج اور نظریات میں اختلاف رکھنے کے باوجود اس مسئلے کی بنیاد پر مکمل طور پر متفق ہیں، یہ خبر اور شہادت فراہم کرنے والے لوگ تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ تواتر (حاشیہ:۲) کے درجے تک جاپہنچے ہیں، اور نوعیت کے حساب سے اس طرح کے ہیں کہ اجماع کی قوت

---

(حاشیہ:۱) جی ہاں، کفر تمام کائنات کی اہانت اور تحقیر ہے؛ کیونکہ یہ کائنات کے بارے میں یہ تصور دیتا ہے کہ یہ بالکل عبث، بے فائدہ اور بیکار میں پیدا کی گئی ہے، اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کی اہانت اور تحقیر ہے؛ کیونکہ کفر اسمائے حسنیٰ کی اُن تجلیات کا انکار کرتا ہے جو موجودات کے آئینوں پر منعکس ہو رہی ہیں۔ پھر کفر تمام مخلوقات کی تکذیب کرنے یعنی ان مخلوقات کو جھٹلانے کے مترادف ہے، اور وہ اس طرح کہ یہ موجودات کی اس گواہی کو جھٹلاتا ہے جو گواہی یہ موجودات وحدانیت پر دے رہی ہیں۔ بنابریں، کفر انسان کی قوتوں اور صلاحیتوں کو اس حد تک فاسد کردیتا ہے کہ ان سے خیر واصلاح کے قبول کرنے کی قدرت بھی سلب کرلیتا ہے۔ پس کفر بہت بڑا ظلم ہے؛ کیونکہ وہ تمام مخلوقات اور اسمائے حسنیٰ کے حقوق پر دست درازی ہے، اس لیے ان حقوق کے تحفظ اور نگہداشت کی رُو سے، اور اس وجہ سے کہ کافر کا دل حق کو قبول کرکے اُسے مضبوطی سے پکڑتا نہیں: اس لیے کافر کو عفو ودرگزری سے محروم کردینا ضروری ٹھہرا۔ آیت کریمہ ﴿اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) تواتر (succession) کسی خبر کا اتنے زیادہ لوگوں سے منقول ہونا جن کے بارے میں یہ تصور نہ ہوسکتا ہو کہ ان سب نے مل کر صلاح مشورے سے یہ جھوٹ گڑھا ہے۔ مترجم

Marfat.com

تک جا پہنچے ہیں، اور مقام و مرتبے کے لحاظ سے اس طرح کے ہیں کہ نوعِ بشری کے چاند ستارے، اور کسی نہ کسی جماعت کی آنکھوں کی ٹھنڈک، اور کسی نہ کسی ملّت کے ہاں گرامی قدر ہیں۔ اور اس مسئلے میں ان کی اہمیت یہ ہے کہ وہ ''اہل اثبات واہل اختصاص'' ہیں۔ اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ کسی بھی علم یا صنعت کے دو سپیشلسٹوں کی بات دوسرے ہزاروں آدمیوں کی بات سے زیادہ وُقعت رکھتی ہے۔ اور اخبار و روایات میں قانون یہ ہے کہ ایک طرف اگر ہزاروں کے حساب سے نفی کرنے والے اور انکار کرنے والے ہوں اور دوسری طرف دو اثبات کرنے والے ہوں تو ان دو کی بات کو ان ہزاروں کے مقابلے میں ترجیح دی جائے گی۔ جیسے رمضان کا چاند دیکھنے کا معاملہ ہے، کہ اگر دو قابلِ اعتماد شخص گواہی دے دیں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے تو ان کی بات مان لی جائے گی اور ان کے مقابلے میں ہزاروں نفی کرنے والوں کی بات نظر انداز کر دی جائے گی۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ: اس کائنات میں اِس سے زیادہ سچی بات کوئی نہیں، اس سے زیادہ صحیح سالم کوئی دعویٰ نہیں اور اس سے زیادہ واضح، روشن اور آشکار کوئی حقیقت نہیں ہے۔

پس دنیا بلاشک آخرت کی کھیتی ہے، محشر خرمن اور کھلیان ہے اور جنت و جہنم دو خزانے ہیں۔

☆ ☆ ☆

## دسویں حقیقت

### حکمت، عنایت، رحمت اور عدالت کا دروازہ جو کہ

### اسم ''حکیم، کریم، عادل اور رحیم'' کی جلوہ گری ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ مالکُ الملک ذُوالجلال والاکرام جس نے اس فانی دنیا کے مہمان خانے میں، اس زوال پذیر دارُالامتحان میں اور زمین کی اس دگرگوں اور تغیر پذیر نمائش گاہ میں اس درخشاں حکمت، اس واضح عنایت اور مہربانی، اس عدالتِ قاہرہ اور اس رحمتِ واسعہ کے اس قدر، اس حد تک اور اس درجے کے آثار ظاہر کیے ہیں، کیا اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ اتنا کچھ کر کے پھر اپنے مُلک و ملکوت کے دائرے میں دائمی رہائش گاہیں، ابدی قرار گاہیں اور بقا بردوش قیام گاہیں اور ان میں قیام کرنے والی مخلوقات پیدا نہ کرے اور یوں اس حکمت، اس عنایت، اس عدالت اور اس رحمت کے تمام روشن حقائق یونہی بے کار چلے جائیں؟

کیا یہ بات معقول ہے کہ وہ حکیم ذو الجلال جس نے تمام مخلوقات کے درمیان انسان کو نمایاں فضیلت دی اور اسے اپنے خطاب کا کلّی مخاطب بنایا، اُسے تمام مخلوقات کے مابین اپنے اسمائے حسنیٰ کا جامع ترین آئینہ بنایا، اپنی رحمت کے خزانوں کے تمام مشمولات کا ذائقہ شناس، اُن کا معیار و میزان اور اُن کا تعارف کنندہ بنایا، اور جسے اس نے اپنے تمام

Marfat.com

اسمائے حسنیٰ کے توسط سے اپنی ذاتِ بزرگوار کا علم دیا اور جس کے ساتھ اس نے محبت کی اور جس کا وہ خود محبوب بنا۔ کیا ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے یہ بات معقول ہو سکتی ہے کہ وہ ''حکیم ذو الجلال'' اس مسکین انسان کو اپنی اُس ابدی اور جاودانی مملکت کی طرف روانہ نہ کرے؟ اور اِسے اس پُر سعادت رہائش گاہ کا باسی نہ بنائے جہاں رہنے کے لیے اس نے خود اسے دعوت دی ہے؟

کیا یہ بات معقول ہو سکتی ہے کہ وہ ہر مخلوق کو___ خواہ وہ ایک بیج ہی کیوں نہ ہو___ درخت کے پھلوں کے برابر بھاری ذمہ داریوں سے بوجھل کیے رکھے، اُسے اُس کے پھولوں کے برابر حکمتوں سے مالا مال کر دے، اسے اس درخت کے پھلوں کے برابر مصلحتوں سے مزیّن کر دے، اور پھر ان تمام ذمہ داریوں، حکمتوں اور مصلحتوں کی غرض وغایت صرف وہ معمولی سا صلہ رکھ دے جس کا تعلق اس دنیا کے ساتھ ہے؟

یعنی وہ اس وجود کی غرض وغایت صرف اس دنیا کے چند روزہ قیام کو بنا دے جس کی اہمیت رائی کے ایک دانے کے برابر بھی نہیں ہے؟ اور ان ذمہ داریوں، حکمتوں اور مصلحتوں کو اس عالمِ معنیٰ کا بیج اور عالمِ آخرت کی کھیتی نہ بنائے تا کہ یہ ذمہ داریاں، حکمتیں اور مصلحتیں ان حقیقی اغراض ومقاصد کو بروئے کار نہ لا سکیں، جو کہ واقعتاً ان کے شایانِ شان ہیں؟

اور کیا یہ بات معقول ہے کہ یہ تمام دلکش تہوار، دلپذیر جشن اور عظیم الشان محفلیں بے مقصد، بے معنی، بے کار اور بے حکمت چلی جائیں؟!

یا کیا یہ بات معقول ہے کہ ان سب کا رُخ عالمِ معنیٰ اور عالمِ آخرت کی طرف نہ کیا جائے تا کہ ان کے اصلی اہداف و مقاصد اور ان کے وہ ثمرات سامنے آسکیں جو ان کے شایانِ شان ہیں؟

جی ہاں! کیا یہ ممکن ہے کہ یہ سب اس کے اوصافِ مقدسہ اور اَسمائے حسنیٰ ''حکیم، کریم، عادل اور رحیم'' کے برخلاف اور حقیقت کے برعکس ظہور میں آجائے؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

یا کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کائنات کے اُن تمام حقائق کو جھٹلا دے جو اس کی حکمت، عدل، کرم اور رحمت جیسی صفاتِ مقدسہ پر دلالت کرتے ہیں، اور تمام موجودات کی گواہی کو رد کر دے اور تمام مصنوعات کے دلائل کا ابطال کر دے؟

کیا عقل یہ بات قبول کرتی ہے کہ وہ انسان کو معمولی سی دنیاوی اجرت عطا کر کے فارغ کر دے، ایک بال جتنی معمولی سی، حالانکہ اس نے اس کے اور اس کے حواس کے ذمے اس کے سر کے بالوں کے برابر ذمہ داریاں لگائی ہوئی ہیں؟ کیا وہ اپنے حقیقی عدل اور حقیقی حکمت کے خلاف ایسا بے معنی اور لایعنی کام کر سکتا ہے؟

یا پھر کیا یہ ممکن ہے کہ وہ سبحانہ وتعالیٰ ہر ذی حیات کے بلکہ اس کے ہر عضو جیسے زبان وغیرہ کے بلکہ ہر مخلوق کے ذمے اپنی مطلق حکمت کے اظہار کے لیے درختوں کے پھلوں کے برابر حکمتیں اور مصلحتیں لگا دے اور پھر انسان کو خلود و بقا سے

Marfat.com

بہرہ ورنہ کرے؟ اور اُسکو بقاء، لقاء اور سعادت ابدی سے ہمکنار نہ کرے جو کہ تمام حکمتوں، مصلحتوں، نعمتوں اور رحمتوں کا سرچشمہ ہے جسکے طفیل حکمت حکمت، نعمت نعمت اور رحمت رحمت بنی۔ اور وہ اسطرح کر کے خلود و بقا اور ابدی سعادت کو چھوڑ دے، اُسے نظر انداز کر دے اور ان تمام امور کو عبثِ مطلق کے گڑھے میں دھکیل دے؟ اور ایسا کر کے وہ خود اپنی ذات کو اس آدمی کے درجے پر لے جائے جو ایک عالی شان محل تعمیر کرے، اس کے ہر پتھر پر ہزار طرح کی مینا کاری اور نقش نگاری کرائے، اس کے ہر کونے زاویے میں ہزاروں قسم کی زیبائش و آرائش کرائے اور اس کے ہر کمرے میں ہزاروں قسم کا قیمتی اور ضروری ساز و سامان رکھوائے۔ لیکن اس کی چھت نہ بنائے اور یوں اسے ہر قسم کی خرابی اور بوسیدگی کے لیے کھلا چھوڑ دے! نہیں، وہ پروردگار ایسا مہمل کام کبھی نہیں کرسکتا؛ کیونکہ خیرِ مطلق سے خیر کا صدور ہوتا ہے، جمیلِ مطلق سے حسن و جمال پنپتا ہے اور حکیم مطلق سے کسی عبث کام کا صدور نہیں ہوتا ہے۔

جی ہاں! جو سمندرِ تاریخ پر سوار ہو کر خیالی راستے طے کرتے ہوئے ماضی میں چلا جائے اُسے نظر آئے گا کہ ہمارے اس موجودہ وقت کی اس دنیا کی منزل، میدان ابتلا اور متاع الغرور کی نمائش گاہ کی طرح کی اُتنی ہی منزلیں، نمائش گاہیں، میدان ہائے ابتلا اور کائناتیں صفحہ ہستی سے مٹ کے چکی ہیں جتنے وہ مہ و سال ہیں جب سے یہ دنیا بنی ہے۔ یہ سب چیزیں انتظام، عجائبات اور صانع عالم کی حکمت اور قدرت کے باب میں ایک دوسری کے مشابہ ہیں اگرچہ صورت اور کیفیت میں مختلف ہیں۔

بصیرت نے اگر ساتھ نہیں چھوڑا تو تمہیں یہ بھی نظر آئے گا کہ ان تغیر آشنا منزلوں، ان زوال پذیر میدانوں اور ان فانی نمائش گاہوں میں حکمت کے اتنے درخشاں نظام، مہر و عنایت کے اتنے روشن اشارے، عدل و انصاف کے اتنے ہمہ گیر نشانات اور وسیع رحمت کے اتنے ثمرات ہیں جن سے اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ:

کوئی حکمت اس حکمت سے زیادہ مکمل نہیں جس کا مشاہدہ ہم کر رہے ہیں۔ کوئی عنایت اس عنایت سے زیادہ دلکش نہیں جس کے آثار ہماری آنکھوں کے سامنے نمایاں ہیں۔ کوئی عدالت اس عدالت سے زیادہ پُر جلال نہیں جس کے نشانات یہاں ضوء فشاں ہیں۔ اور کوئی رحمت اس رحمت سے زیادہ ہمہ گیر نہیں جس کے ثمرات یہاں جلوہ گر ہیں۔

چلو تھوڑی دیر کے لیے ــــ بفرض محال ــــ یہ مان لیتے ہیں کہ وہ سلطانِ سرمدی جو اِن تمام امور کا انتظام کر رہا ہے اور بالاستمرار ان مہمانوں اور مہمان خانوں کو تبدیل کر رہا ہے، مان لیتے ہیں کہ اُس کی نہ تو دائمی رہائش گاہیں ہیں، نہ بلند و بالا منزلیں ہیں، نہ مستقل اور پائدار قیام گاہیں ہیں اور نہ ان میں ہمیشہ رہن بسیرا کرنے والے رہائشی ہیں اور نہ اس کی خلود آشنا مملکت میں اس کے خوش نصیب اور سعادت مند بندے ہیں، تو پھر اس صورت میں ان چار حقائق (حکمت، عدالت، عنایت اور رحمت) کا انکار لازم آتا ہے، اور یہ وہ حقائق ہیں جو مٹی، پانی، آگ اور ہوا کی طرح ہمہ گیر عناصر کا حکم رکھتے ہیں

Marfat.com

،اوران کے اِس وجود کا انکار کرنا ایسے ہی ہے جیسے آگ، پانی، مٹی اور ہوا کے وجود کا انکار کر دیا جائے؛ کیونکہ یہ سب کے علم میں ہے کہ یہ دنیا و مافیہا ان حقائق کی جلوہ گری کے لیے کافی نہیں، اور اگر ان کی جلوہ گری کے لیے کوئی اور ایسی جگہ نہ ہو جو ان کے شایانِ شان ہو تو ہر اُس حکمت کا انکار لازم آئے گا جو ہر چیز کے اندر ہمیں کھلی آنکھوں نظر آ رہی ہے ___ اس دیوانے کی طرح جو نصف النہار میں چمکنے والے سورج کا انکار کر دے ___ اور ہمیں اس مہر و عنایت کا بھی انکار کرنا پڑے گا جس کا مشاہدہ ہم اکثر اشیاء میں اور خود اپنی ذاتوں میں کر رہے ہیں، اور پھر ہمیں اس عدل و انصاف کا انکار بھی کرنا پڑے گا جس کی نشانیاں ہمارے چاروں طرف ضوء فشاں ہیں۔ (حاشیہ:۱)

اور پھر ہمیں اس رحمت کا انکار بھی کرنا پڑے گا جو ہمیں ہر طرف نظر آ رہی ہے۔ اور پھر اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اِس کائنات کو چلانے والے کی یہ حکیمانہ کاروایاں، کریمانہ کارگزاریاں اور رحیمانہ نعمتیں، سب کی سب حاشا، ثم حاشا لہو و لعب، ظلم و بربریت اور دھوکہ فریب ہیں ایسی احمقانہ سوچ سے تو تمام حقائق ہی الٹ جاتے ہیں، اور یہ بات بالکل ہی محال ہے، اتنی کہ ایک احمق سوفسطائی بھی جو کہ ہر چیز حتی کہ اپنے وجود تک کا انکار کرتے ہیں وہ بھی اس احمقانہ تصور اور اس ناممکن بات کو آسانی سے قبول نہیں سکتے ہیں!

**حاصل کلام:** یہ ہے کہ زندگی کے یہ وسیع پیمانے پر نظر آنے والے اجتماعات اور موت کے ہاتھوں بسرعت ظہور میں آنے والے یہ افتراقات، یہ بھاری بھرکم اکٹھ اور چشم زدن میں نمایاں ہو جانے والی پراگندگیاں، یہ جمگھٹے اور یہ دل آویز جلوہ طرازیاں۔ ان وقتی اغراض و مقاصد اور فانی دنیا کے اس تھوڑے سے وقفے اور عمرِ کوتاہ کے درمیان کوئی جاندار تعلق یا مناسبت نہیں پائی جاتی ہے۔ بنابریں، ان دونوں کے مابین کوئی تعلق باندھنا یا کوئی مناسبت پیدا کرنا نہ تو کسی عقل کے

---

(حاشیہ:۱) عدل و انصاف کے دو پہلو ہیں: 1: ایجابی یا مثبت 2: سلبی یا منفی۔ ایجابی پہلو یہ ہے کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے۔ عدل و انصاف کی یہ قسم دنیا میں تمام اور بدیہی طور پر ہر چیز کو شامل ہے جیسے کہ ہم نے ''تیسری حقیقت'' میں ثابت کیا ہے کہ: وہ چیز جس کی ہر چیز کو طلب ہے اور جو چیز اس کے وجود اور دوامِ حیات کے لئے ضروری ہے، یعنی جس کی طلب ہر چیز اپنی استعداد، فطری حاجات و ضروریات اور اپنی مجبوری کی زبان سے اپنے فاطرِ ذوالجلال سے کر رہی ہے، اس کی اس فطری طلب اور قدرتی ضرورت کے مطابق وہ چیز ایک خصوصی گہرے میزان، اور معین پیمانوں کے حساب کتاب سے اس تک پہنچ رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عدل و انصاف کی یہ قسم ایسے ہی نمایاں ہے جیسے خود وجود اور زندگی ظاہر اور نمایاں ہے۔

رہا عدل و انصاف کا سلبی یا منفی پہلو! تو یہ حق ناشناسوں کے لیے تأدیب سے عبارت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان پر جزا و سزا نازل کر کے حق کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ انصاف کے اس پہلو کا ظہور اگرچہ اس دنیا میں واضح طور پر نہیں ہوتا ہے، تاہم کچھ علامات و اشارات ایسے ہیں جو اس حقیقت کا پتا دیتے ہیں، مثال کے طور پر تأدیب و تعذیب کے وہ کوڑے جو عاد و ثمود کو لگائے گئے اور جن کا مزا عصرِ حاضر کی سرکش اقوام کو چکھایا جا رہا ہے، ایک ایسی حقیقت ہے جو اس قطعی گمان کے سامنے ایک عالیشان انصاف کی حاکمیت کے وجود کے آثار واضح طور پر نمایاں کر دیتی ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

ساتھ میل کھاتا ہے اور نہ کسی حکمت کے ساتھ موافقت رکھتا ہے؛ کیونکہ یہ کام تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی پہاڑ جیسی گرانڈیل حکمتوں اور عظیم الشان غایتوں کا تعلق ایک چھوٹی سی کنکری کے ساتھ جوڑنا شروع کردے اور ایک عارضی، وقتی، جزوی اور کنکری کی طرح بے حیثیت غرض وغایت کو بہت بڑے پہاڑ کے ساتھ باندھنے کی کوشش میں مصروف ہو جائے!!!

مطلب یہ ہے کہ اِن موجودات، اُن کے شؤون واَحوال اور اُن کے دنیا سے تعلق رکھنے والے اغراض ومقاصد کے مابین اِس درجے کی عدمِ مناسبت اور عدمِ تعلق کا پایا جانا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ اِن تمام موجودات کا رُخ عالمِ معنی کی طرف ہے، یعنی یہ کہ اپنے لطیف اور شایانِ شان ثمرات وہاں عطا کریں گے، اور یہ کہ ان کی آنکھیں اسمائے حسنیٰ کی طرف لگی ہوئی ہیں اور ان کے اغراض ومقاصد کا دارومدار وہی عالم ہے۔ اور باوجود اس کے کہ ان کے بیج اس دنیا کی مٹی کے نیچے پوشیدہ ہیں مگر ان کے غنچے اور بالیاں عالمِ مثال میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اور یوں انسان ــــ اپنی استعداد کے مطابق ــــ اِس جہاں میں بوتا اور بویا جاتا ہے اور وہاں جہانِ آخرت میں کاٹتا ہے۔

جی ہاں، اگر ان موجودات کو اُن پہلوؤں سے دیکھیں جو کہ اسمائے حسنیٰ اور عالم آخرت کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں تو نظر آئے گا کہ: بے شک ہر بیج کے ــــ جو کہ فی نفسہٖ قدرت الٰہیہ کا معجزہ ہے ــــ

☆ اتنے ہی بڑے اغراض ومقاصد ہیں جتنا بڑا کہ ایک درخت ہوتا ہے۔

☆ اور یہ کہ ہر پھول کے ــــ جو کہ ایک کلمہ حکمت ہے ــــ اتنے زیادہ معانی ہیں جتنے کہ ایک درخت کے پھول ہوتے ہیں (حاشیہ:۱)

☆ اور یہ کہ ہر پھل ــــ جو کہ صنعت گری کا ایک معجزہ اور رحمت کا قصیدہ ہے ــــ اتنی حکمتوں پر مشتمل ہے جتنی کہ خود اس درخت کے پھلوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان ہزاروں حکمتوں میں سے ایک نمایاں ترین حکمت یہ ہے کہ یہ پھل ہمارا رزق ہیں، اور وہ اس طرح کہ یہ پھل اپنی ذمہ داری نبھانے اور اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے کے لیے موت کو گلے لگا کر ہمارے معدوں میں جا کر دفن کر دیے جاتے ہیں۔

جب بات یہ ہے کہ یہ فانی اشیاء اپنے ثمرات اس جگہ کے علاوہ کہیں اور دے رہی ہیں اور کسی اور جہت میں اپنی دائمی صورتیں محفوظ کر رہی ہیں اور ابدی معانی کا مفہوم دے رہی ہیں اور اپنی سرمدی تسبیحات ادا کر رہی ہیں، تو انسان صحیح معنوں میں انسان اسی صورت میں بن سکتا ہے جب ان موجودات کے ان چہروں میں غور وفکر کرے گا جو اپنی توجہ خلود وبقا کی طرف کیے ہوئے ہیں، ایسا کرتے ہی وہ عالم فانی سے عالم باقی کی طرف جانے کا راستہ پا لے گا۔

---

(حاشیہ:۱) اگر آپ یہ سوال کریں کہ میں زیادہ تر پھول، بیج اور پھل ہی کی مثال کیوں دیتا ہوں؟ تو جواب یہ ہے کہ: کیونکہ یہ چیزیں قدرتِ الٰہیہ کے عجیب ترین، لطیف ترین اور بے نظیر معجزات ہیں اہلِ ضلالت، نیچر پرست اور مادہ پرست فلاسفہ چونکہ اُن دقیق نوشتوں کو پڑھنے سے قاصر ہیں جو قدر وقدرت کے قلم نے رقم کیے ہیں، اس لیے وہ بہک گئے، مادیت میں غرق ہو گئے اور نیچر کے متعفن کیچڑ میں گر گئے۔ مؤلف۔

Marfat.com

تو پتا یہ چلا کہ موت وحیات کے اس میدان میں لڑھکنے، جمع اور منتشر ہونے والی ان موجودات کے تحت یقیناً کوئی اور غرض وغایت ہے، اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ ان کے حالات ___ مثال دینے میں مضائقہ نہیں ___ عام طور پر ان حالات واطوار کے ساتھ ملتے جلتے ہیں جو کسی چیز کو ڈرامائی تشکیل دینے کے لیے ترتیب دیئے جاتے ہیں، چنانچہ اس کام کے لیے بڑا بھاری خرچہ کیا جاتا ہے تاکہ تھوڑے سے عرصہ کے ملاپ اور جدائی کا منظر تیار کیا جاسکے اور پھر فلم کی صورت میں اسے ہمیشہ کے لیے سینما کی سکرین پر پیش کیا جاسکے۔

اسی طرح یہ دنیاوی زندگی ہے، یہاں ___ انفرادی اور اجتماعی ___ زندگی گزارنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس تھوڑے سے عرصے میں اس زندگی کی تمام حرکات وسکنات، اس کے تمام نقوش وآثار اور تمام کارگزاریوں کے نتائج محفوظ کرلیے جائیں تاکہ ایک سب سے بڑے اجتماع گاہ اور سب سے بڑی نمایش گاہ میں انہیں پیش کر کے ان کا محاسبہ کیا جاسکے، اور تاکہ انسان اُس سب سے بڑی سعادت سے ہمکنار ہونے کے لیے اپنی صلاحیتوں کو تیاری میں لگادے۔ تو پتہ چلا کہ اس حدیث شریف میں پایا جانے والا قول: حدیث شریف: "اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَةِ" (حاشیہ:۱)

"دنیا آخرت کی کھیتی ہے" اسی حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے۔

اور دنیا چونکہ فعلاً موجود ہے، اور اس میں حکمت، عنایت، رحمت اور عدالت کے آثار بھی پائے جاتے ہیں، اس لئے آخرت بھی حتماً موجود ہے اور اس کا وجود بھی اس دنیا کے وجود کی طرح قطعی طور پر ثابت ہے اور چونکہ اس دنیا کی ہر چیز ایک پہلو سے اُس عالم کی طرف جھانک رہی ہے، تو سفر بھی اسی طرف کا درپیش ہے اور کوچ بھی اسی طرف ہی کرنا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ آخرت کا انکار دنیا ومافیہا کا انکار ہے۔ اور جس طرح اجل اور قبر انسان کے منتظر ہیں، اسی طرح جنت اور دوزخ بھی اس کے انتظار میں اور گھات میں ہیں۔

## گیارہویں حقیقت

### انسانیت کا دروازہ جو کہ

### اسمِ "حق" کی جلوہ گری ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ الٰہُ الحق اور معبود بالحق انسان کو پیدا کر کے اُسے حیثیت تو یہ دے کہ وہ کائنات میں پائی جانے والی اُس کی مطلق ربوبیت اور تمام جہانوں میں پائی جانے والی اُس کی عمومی ربوبیت کے بالمقابل اہم ترین

(حاشیہ:۱) سخاوی "المقاصد الحسنة" میں کہتے ہیں: اگرچہ غزالی نے اس حدیث کو "احیاء العلوم" میں درج کیا ہے لیکن مجھے اس کا علم نہ ہوسکا۔ ملاعلی قاری کہتے ہیں: "اس حدیث کا معنی صحیح ہے جو کہ اس آیت کریمہ سے ماخوذ ہے: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ﴾ جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی بڑھا دیتے ہیں۔ از: کشف الخفاء للعجلونی ص 1320۔ مترجم۔

Marfat.com

بندہ ہے۔

اُس کے سبحانی خطابات کو سب سے زیادہ سمجھنے والا ہے۔

اُس کے اسمائے حسنیٰ کی مظہریت کا جامع ترین آئینہ ہے۔

اُس کے اسمِ اعظم کی تجلی کے مظہر کے خوبصورت ترین سانچے میں، اور ہر اسم میں موجود اسم کی اعظمیت کے مرتبے کی تجلی کے لیے قدرت کا حسین ترین معجزہ ہے۔

رحمت کے خزانوں کے سرمائے کو ماپنے تولنے کا اور اُن کی پہچان کرنے والے آلات وموازین کا سب سے زیادہ باریک بین مالک ہے۔

اُس کی لاانتہا نعمتوں کا سب سے زیادہ محتاج ہے۔

فنا وزوال سے سب سے زیادہ دکھ پاتا ہے اور بقا ودوام کا سب سے زیادہ مشتاق ہے۔

تمام جاندار مخلوقات کے مابین سب سے زیادہ نرم ونازک، سب سے زیادہ ناز بردار، سب سے زیادہ فقیر اور سب سے زیادہ حاجت مند ہے۔

دنیاوی زندگی کے حساب سے بڑا بدنصیب ہے۔

استعداد کے لحاظ سے بلند ترین ماہیت کا مالک ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اُسے پیدا تو اِس صورتِ حال میں کرے لیکن پھر اسے اُس دارِ ابدیت کی طرف روانہ نہ کرے جس کے لیے وہ مستعد ہے، جس کا مشتاق ہے اور جس کا سزاوار ہے؟ اور یوں وہ انسانی حقیقت کو باطل کردے اور وہ کام کرے جو اُس کی حقانیت کے کلی طور پر اُلٹ ہے اور حقیقت کی نظر میں انتہائی بدصورت ہے؟

کیا یہ بات معقول ہے کہ وہ حاکم بالحق اور رحیم مطلق جس نے انسان کو وہ فطری اور بلند استعداد بخشی ہے جو اُسے اُس امانت کا بوجھ اٹھانے کے قابل بناتی ہے جسے اٹھانے سے زمین، آسمان اور پہاڑ گریزاں رہے، یعنی اُسے اِس لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ اپنے جزوی پیمانوں اور اپنی ناچیز مہارتوں کے ساتھ اپنے خالق کی ہمہ گیر صفات، اس کے اَعمال وافعال اور اس کی عمومی تجلیات کی معرفت حاصل کر سکے۔ اور جسے اُس نے لطیف ترین، عاجز ترین اور ضعیف ترین شکل پر پیدا کیا ہے لیکن پھر اس کے لیے تمام نباتات وحیوانات مسخر کر دیے اور اسے ان تمام مخلوقات کی تسبیحات وعبادات کی تمام اقسام میں نگران، دخل انداز اور منتظم بنا دیا ہے۔ جس نے اُسے کائنات میں ۔ چھوٹے چھوٹے پیمانوں پر ۔ ہونے والی تمام الٰہی کارروائیوں کا نمونہ بنا دیا ہے اور جس نے اُسے کائنات میں اس کی ربوبیتِ سبحانیہ کے اعلان واظہار کے لیے رہنما بنا دیا ہے۔ حتیٰ کہ اسے خلافت کے مرتبے پر فائز کرتے ہوئے فرشتوں سے بھی زیادہ قدر ومنزلت سے نوازا ہے۔ تو کیا یہ ممکن

Marfat.com

ہے کہ وہ سبحانہ وتعالیٰ انسان کو یہ تمام وظائف تو بخش دے لیکن پھر اسے ان وظائف کے اغراض ومقاصد، ان کے نتائج اور ان کے ثمرات یعنی ابدی سعادت سے ہمکنار نہ کرے؟ اسے ذلّت وخواری، مسکنت، مصیبت اور بیماریوں کی کھائی میں پھینک دے اور یوں اُسے ایک طرح کی بدترین مخلوق بنادے؟ اور اس عقل کو_ جو کہ اس کی حکمت کا ایک بابرکت نورانی تحفہ اور سعادت کی پہچان کا وسیلہ ہے_ تعذیب، نحوست اور بدفالی کا وسیلہ بنادے جو کہ اس کی مطلق حکمت کے خلاف اور مطلق رحمت کے یکسر منافی ہے؟ اللہ تعالیٰ اس کردار سے یقیناً بہت بلند ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ: جیسے کہ ہم نے ایک کہانی میں دیکھا کہ ایک افسر کے شناختی کارڈ اور اس کی خدمت گزاری کے رجسٹر میں اس کا عہدہ، ڈیوٹی اور ذمہ داری، اس کی تنخواہ اور دیگر ہدایات ومراعات درج تھیں اور ہمیں معلوم ہوگیا تھا کہ یہ افسر اس وقتی اور عارضی میدان کے لیے نہیں ہے بلکہ اُس دائمی اور پائیدار مملکت کے لیے کام کررہا ہے جہاں وہ عنقریب کوچ کر کے جائے گا اور اسے وہاں انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔

اسی طرح انسان کے دل کے شناختی کارڈ میں جو لطائف ہیں اور اس کی عقل کے رجسٹر میں جو حواس ہیں اور اس کی فطرت میں جو آلات ہیں وہ تمام کے تمام مجموعی طور پر اس ابدی سعادت کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں، بلکہ یہ تمام چیزیں اسے بخشی ہی اس ''ابدی سعادت'' کے لیے گئی ہیں۔ اہلِ تحقیق وکشف کا اس حقیقت پر اتفاق ہے۔

مثال کے طور پر:

انسان کی قوّتِ متخیلہ جو کہ عقل کے لیے ایک خادمہ اور مصوّرہ کی حیثیت رکھتی ہے، اسے اگر یہ کہا جائے کہ: تمہیں اس دنیا کی بادشاہی اور تمام زیب وزینت عطا کردی جائے گی اور اس کے ساتھ ساتھ تمہاری عمر میں لاکھوں سال کا اضافہ کردیا جائے گا لیکن آخر کار تمہارا حتمی انجام فنا اور زوال ہے، تو اگر وہم اور ہوائے نفس مداخلت نہ کریں تو وہ بجائے واہ کرنے کے آہ کرے گی اور حسرت کا اظہار کرے گی۔ مطلب یہ ہوا کہ سب سے بڑی فناپذیر چیز یعنی دنیا، انسان میں پائے جانے والے سب سے چھوٹے آلے یعنی خیال کا پیٹ بھی نہیں بھر سکتی ہے!

اس سے واضح طور پر آشکار ہو جاتا ہے کہ یہ انسان جو اُس فطری استعداد کا مالک ہے جس کی آرزوئیں ابد تک پھیلی ہوئی ہیں، جس کے افکار کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور جس کی خواہشات ورغبات ابدی سعادت کی انواع واقسام کے چاروں طرف منتشر ہیں، یہ انسان ابد ودوام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور بہر صورت اس طرف کوچ کرے گا؛ پس یہ دنیا ایک عارضی مہمان خانہ اور آخرت کے لیے انتظار گاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

Marfat.com

# بارہویں حقیقت

## رسالت اور وحی کا دروازہ جو کہ

## "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کی جلوہ گری ہے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شخصیت جس کے کلام کی تائید تمام معزز اور پاکباز انبیاء نے اپنے معجزات کے ساتھ کی ہے اور جس کے دعوے کی تصدیق تمام اُولیاء نے اپنے کشف و کرامات اور روحانی تجربات کے ساتھ کی ہے، جس کی حقانیت کی گواہی تمام علماء واصفیاء نے اپنی تدقیقات و تحقیقات کے ذریعے دی ہے۔ یعنی وہ معزز پیغمبر ﷺ جس نے اپنی خداداد قوّت کے ساتھ اپنے ہزاروں ثابت شدہ معجزات اور اُس قرآن حکیم کے ذریعے _ کہ جس کا اعجاز چالیس پہلوؤں سے ثابت ہے _ آخرت کا راستہ اور جنّت کا دروازہ کھولا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ پراگندہ اوہام جو کہ ایک مکھی کے پر سے بھی زیادہ کمزور ہیں، وہ آخرت اور جنت کے اُس دروازے کو بند کر سکیں جسے اس معزّز پیغمبر نے چوپٹ کھول دیا ہے؟

سابقہ صفحات میں جو حقائق ہم نے واضح کیے ہیں ان سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ حشر یا موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا مسئلہ اتنی ٹھوس اور مضبوط حقیقت ہے کہ زمین کو اٹھا کر پٹخ دینے والی بڑی قوت بھی اسے نہیں ہلا سکتی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس حقیقت کا اثبات اپنے تمام اسمائے حسنیٰ اور صفات جلیلہ کے ساتھ کر رہا ہے، اور اس کا معزّز پیغمبر اپنے معجزات اور دلائل و براہین کے ساتھ اس کی تصدیق کر رہا ہے، قرآن حکیم اپنی تمام آیات اور اپنے تمام حقائق کے ساتھ اس کو ثابت کر رہا ہے، اور کون ومکان اپنی تمام تکوینی آیات اور حکمت بھرے حالات و معاملات کے ذریعے اس کی گواہی دے رہا ہے۔

تو کیا یہ ممکن ہے کہ کفار کے علاوہ حشر کی حقیقت کے بارے میں تمام موجودات اُس واجبُ الوجود سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ہم آہنگ ہوں پھر کوئی کمزور سا شیطانی شبہہ آئے اور اِس فلک بوس مضبوط پہاڑ جیسی حقیقت کو ہلا دے؟ نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا ہے۔

اور اس بات کا گمان بھی نہیں کرنا کہ حشر کے دلائل صرف انہیں بارہ حقیقتوں میں منحصر ہیں جن کا ذکر ہم نے کیا ہے، بلکہ صرف قرآن پاک ہی جہاں ہمیں واضح طور پر اس حقیقت کا علم دیتا ہے وہاں وہ ہزاروں ایسی علامات واشارات سے بھرا پڑا ہے جن سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ہمارا خالق ہمیں عنقریب اس دار الفنا سے دار البقا کی طرف منتقل کردے گا۔

اور یہ بھی کبھی نہ سوچنا کہ حشر کے دلائل صرف --- حکیم، کریم، رحیم، عادل، حفیظ --- اور ان جیسے صرف انہی اسمائے حسنیٰ کے مقتضیات میں منحصر ہیں جن پر ہم نے گفتگو کی ہے، بلکہ تمام اسماءِ حسنیٰ جو کہ کون ومکان کی تدبیر میں جلوہ ریز ہیں، ان سب کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ آخرت ایک واقعی اور حتمی حقیقت ہے۔

Marfat.com

اور یہ بھی کبھی گمان نہ کرنا کہ حشر پر دلالت کرنے والی تکوینی آیات صرف وہی ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں، بلکہ اکثر موجودات کی تہ میں بہت سے آفاق اور بے شمار پہلو ہیں جن کے پردے تھوڑا سا غور کرنے سے دائیں بائیں کھلتے چلے جاتے ہیں، ایک پہلو اگر خالق اور کاریگر کا پتہ دیتا ہے تو دوسرا پہلو حشر اور بقائے دوام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

**مثال کے طور پر:** انسان کی بہترین ساخت پر تخلیق میں جو مضبوط صنعت کا حُسن جلوہ گر ہے، وہ جس طرح اُس کے صانع کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی طرح اُس میں پائی جانے والی صلاحیتیں اور ہمہ گیر قوتیں ـ جو کہ تھوڑی سی مدت میں زائل ہو جائیں گی ـ حشر کی طرف اشارہ کرتی ہیں، حتیٰ کہ اگر صرف ایک ہی پہلو کو دو نظروں سے دیکھا جائے تو وہ پہلو صانع اور حشر دونوں پر بیک وقت دلالت کرتا ہے۔

**چنانچہ مثال کے طور پر:** اکثر اشیاء میں پائی جانے والی حکمت کی تنظیم، مہر و عنایت کی تزیین، عدل و انصاف کے اندازے اور قدر و قیمت اور رحمت کے لطف و کرم کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت ابھر کر واضح ہو جاتی ہے کہ اس دلربا کائنات کا صدور ایک صاحب حکمت صنعت گر اور ایک حکیم، کریم، عادل اور رحیم کے دستِ قدرت سے ہوا ہے۔ اسی طرح اس دنیا میں ان موجودات کی زندگی بہت مختصر اور بے قیمت ہونے کے باوجود، اِن جلیل القدر صفات کی عظمت، ان کی قوّت اور ان کی کشادگی کو دیکھا جائے تو ان کے درمیان سے آخرت کا چہرہ جلوہ گر ہو جاتا ہے۔

یعنی ہر چیز اپنی زبانِ حال سے یہ پڑھ رہی ہے اور دوسروں سے پڑھنے کے لیے کہہ رہی ہے کہ:

آمنتُ باللّٰہ و بالیوم الآخر.

☆☆☆

Marfat.com

## خاتمہ

ان گذشتہ بارہ حقیقتوں میں سے ہر حقیقت دوسری حقیقت کی تائید کرتی ہے، اس کی تکمیل کرتی ہے اور اسے قوت دیتی اور مضبوط کرتی ہے، اور یوں ان کے باہم اتحاد و اجتماع سے نتیجہ ظہور میں آتا ہے۔ اب کون سا ایسا وہم ہے جو لوہے بلکہ الماس کی ان بارہ دیواروں سے گزر کر ایمان بالحشر کے محکم قلعے پر غارتگری کر سکے گا؟

اور آیت کریمہ ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾

واضح کرتی ہے کہ: تمام نوعِ بشری کی تخلیق اور ان کا حشر و نشر قدرتِ الٰہی کے لیے ایسے ہی آسان ہے جیسے ایک انسان کی تخلیق اور حشر۔ اور واقعتاً ایسے ہی ہے۔ اس آیت کی حقیقت پر ہم نے اپنے ''نقطہ نامی رسالہ'' میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، یہاں ہم اشارۃً اس کا خلاصہ کچھ تمثیلات کیساتھ کریں گے۔ اگر تفصیل چاہتے ہو تو اس نقطہ نامی رسالہ کیطرف رجوع کر سکتے ہیں۔

مثال کے طور پر: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى﴾، اور مثال دینے میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسے سورج ___ ارادتاً ہی سہی ___ اپنی روشنی انتہائی سہولت کے ساتھ ایک ذرّے تک پہنچاتا ہے، اسی طرح وہ اسی سہولت کے ساتھ اپنی یہ روشنی ان تمام شفاف چیزوں تک پہنچاتا ہے جن کا کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ اس معاملے میں جو راز کارفرما ہے وہ ہے ''نورانیت''۔

ایک شفاف ذرے کی آنکھ کی پُتلی سورج کی تصویر کو اسی طرح منعکس کرتی ہے جس طرح ایک بیکراں سمندر کا وسیع چہرہ۔ اور اس میں جو راز ہے وہ ہے ''شفافیت''۔

ایک بچہ جس طرح اپنی انگلی کے ساتھ اپنی کھلونا کشتی کو حرکت دے سکتا اور چلا سکتا ہے اُسی طرح وہ جنگی بیڑے کو بھی چلا سکتا ہے۔ اور اس میں جو راز ہے وہ ہے ''انتظام''۔

ایک کمانڈر جس طرح ایک سپاہی کو آگے ''بڑھو'' کہہ کر چلا سکتا ہے اسی طرح وہ اس ایک لفظ ''آگے بڑھو'' سے پوری فوج کو چلا سکتا اور حرکت میں لا سکتا ہے۔ اور اس میں جو راز پنہاں ہے وہ ہے: ''اطاعت و فرمانبرداری''

اگر یہ فرض کرلیں کہ فضا میں ایک بہت حساس ترازو نصب کیا گیا ہے، اتنا حساس کہ معمولی سے وزن سے بھی متاثر ہو جاتا ہے، اُس کے دونوں پلڑوں میں برابر وزن کے دو اخروٹ رکھ دیں یا دو بھاری بھرکم سورج۔ اب وہ قوّت جو اخروٹوں کی صورت میں ایک پلڑے کو عرش تک اوپر اٹھانے اور دوسرے کو فرش تک نیچے گرانے میں صَرف ہوگی، بعینہ وہی قوت دو سورجوں کی صورت میں ایک کو اوپر اٹھانے اور دوسرے کو نیچے گرانے میں صَرف ہوگی اور اس میں جو راز پایا جاتا ہے وہ ہے ''توازن یا موازنہ''۔

تو جب ایک سب سے بڑی چیز سب سے چھوٹی چیز کے برابر ہے، اور وہ چیز جو اعداد و شمار میں بھی نہ آتی ہو وہ ان

Marfat.com

عمومی مخلوقات وممکنات کے جھرمٹ میں ایک ہی چیز کی طرح ظاہر ہوتی ہے، اور یہ ممکنات ازبس ناقص اور فنا پذیر ہیں؛ کیونکہ ان میں "نورانیت، شفافیت، تنظیم یا نظم وضبط، اطاعت وفرمانبرداری اور توازن" کا عنصر پایا جاتا ہے؛ تو پھر یہ ضروری ٹھہرا کہ اس قادرِ مطلق کے ہاں قلیل وکثیر اور صغیر وکبیر سب برابر ہوں، اور ایک فرد کا اور تمام افراد کا حشر ایک ہی زوردار آواز سے وقوع پذیر ہو جائے۔ اور یہ ہوگا:

_ اس کامل ترین، مطلق اور ہمہ گیر ذاتی قدرت کی مطلق "نورانی" تجلّیات سے

_ اشیاء کی ملکوتیت میں پائی جانے والی "شفافیت" اور "نورانیت" سے

_ حکمت اور قدرت کے ساتھ چلنے والے انتظام سے

_ تمام اشیاء کی تکوینی اَوامر کی مکمل "اطاعت وفرمانبرداری" سے

_ اور اس "توازن" کے اِمکان کے راز سے جو کہ تمام موجودات کو وجود وعدم میں برابری کا درجہ دیتا ہے۔

پھر ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ہر چیز میں پائے جانے والے قوّت وضعف کے مراتب ان اضداد کے حساب سے بنتے ہیں جو اس چیز کے وجود میں دخل انداز ہوتی اور سرایت کرتی ہیں، مثال کے طور پر حرارت کو دیکھیں کہ اس کے مختلف درجات ہیں اور اس کے یہ درجات اس برودت کے حساب سے ہیں جو اس میں دخل انداز ہے۔ یہی معاملہ خوبصورتی کا ہے، یعنی اس کی کمی زیادتی بدصورتی کی دخل اندازی کے حساب سے ہوگی، یہی معاملہ روشنی کے طبقات و درجات کا ہے، کہ وہ تاریکی کی دخل اندازی کے حساب سے بنتے ہیں، لیکن اگر کوئی چیز ذاتی ہو عرضی نہ ہو، تو اُس کی ضد اس میں دخل اندازی نہیں کر سکتی ہے؛ کیونکہ اِس صورت میں اجتماعِ ضِدَّین (ایک دوسری کے مخالف دو چیزوں کا اجتماع) لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اصلی اور ذاتی چیزوں میں مراتب نہیں ہوتے ہیں۔

اب اُس قادرِ مطلق کی قدرت اور طاقت چونکہ ذاتی ہے عرضی نہیں جیسے کہ ممکنات کی ہوتی ہے، اور یہ قدرت اور طاقت حدِّ کمال کو پہنچی ہوئی ہے، اس لیے عاجزی جو کہ اس کی ضد ہے اس پر اثر انداز ہونا محال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس صاحبِ جلالت ذات کے لیے پورے موسم بہار کو پیدا کرنا ایسے ہی آسان ہے جیسے ایک پھول کو پیدا کرنا، اور تمام لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا ایسے ہی آسان ہے جیسے کہ ایک آدمی کو زندہ کر کے اٹھانا۔ بخلاف اس کے کہ اگر یہ معاملہ اسباب کی طرف منسوب کر دیا جائے تو اس وقت ایک پھول کو پیدا کرنا ایسا ہی دشوار ہوگا جیسے مکمل موسم بہار کو پیدا کرنا۔

☆ ☆ ☆

حشر نشر کی مختلف صورتوں اور حقیقتوں کے بارے میں شروع سے لے کر اب تک جتنی مثالیں اور وضاحتیں ذکر ہوئی ہیں سب قرآن حکیم کے فیضان سے ہیں، اور یہ سب اس لیے ہیں کہ روح کو تسلیم اور دل کو قبول کرنے کے لیے آمادہ

Marfat.com

کریں؛ کیونکہ فیصلہ کن بات وہی ہے جو قرآن کہتا ہے، بات وہی ہے جو وہ بتائے، سخن وہی ہے جو وہ سنائے اور کلام وہی ہے جو وہ کرے۔ ہمیں چاہیے کہ اُس کی بات سنیں ﴿فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾ ﴿فَانْظُرْ اِلٰى آثَارِ رَحْمَةِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذَالِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِىْ اَنْشَأَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ﴾ (حاشیہ:۲)

﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ☆ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَمَاهُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ﴾ (حاشیہ:۳)

﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ (حاشیہ:۴)

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِىْ نَعِيْمٍ ☆ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِىْ جَحِيْمٍ﴾ (حاشیہ:۵)

﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ☆ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ☆ وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ☆ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ☆ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ☆ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ☆ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ☆ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ (حاشیہ:۶)

﴿اَلْقَارِعَةُ ☆ مَا الْقَارِعَةُ ☆ وَمَا اَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ☆ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ☆ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ☆ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ ☆ فَاُمُّهُ هَاوِيَةٌ ☆ وَمَا اَدْرَاكَ مَاهِيَهْ ☆ نَارٌ حَامِيَةٌ﴾ (حاشیہ:۷)

﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (حاشیہ:۸)

☆☆☆

ہمیں چاہیے کہ ان پر اور ان جیسی دیگر آیاتِ بیّنات پر کان دھریں اور کہیں:

آمنّا و صدّقنا:

آمنتُ باللّٰه وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وبالقدر خيره وشره من الله تعالىٰ، والبعث

---

(حاشیہ:۱) الروم:50 (حاشیہ:۲) یٰس:78,79 (حاشیہ:۳) الحج:1,2

(حاشیہ:۴) النساء:87 (حاشیہ:۵) الانفطار:13-14 (حاشیہ:۶) سورہ زلزال

(حاشیہ:۷) سورہ القارعہ (حاشیہ:۸) النحل:77

Marfat.com

بعد الموت حق، وان الجنة حق والنار حق، وان الشفاعة حق،وان منكرا و نكيرا حق، وأن الله يبعث من في القبور.وأشهد ان لااِله اِلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله .

اللهم صل على ألطف و أشرف و أكمل وأجمل طوبىٰ رحمتك الذي أرسلته رحمة للعالمين ووسيلة لوصولنا اِلي أزين وأحسن و أجلي وأعلى ثمرات تلك الطوبىٰ المتدليّة على دار الآخرة أي الجنة.

اللهم أجرناوأجروالدينا من النار وأدخلنا وأدخل والديناالجنة مع الأبرار بجاه نبيك المختار .. آمين.

میرے اس مضمون کو بنظرِ انصاف پڑھنے والے بھائی! یہ مت کہنا کہ میں اس مضمون ''دسویں مقالے'' کو ایک دم مکمل طور پر سمجھ نہیں سکتا ہوں۔ پریشان اور دلبرداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ ابن سینا جیسے نامور فلاسفہ کا یہ کہنا ہے کہ: ''حشر کا مسئلہ عقلی پیمانوں سے نہیں ماپا جاسکتا ہے'' (الحشر ليس على مقاييس عقلية)۔اس کا مطلب یہ ہے کہ: ''اس پر صرف ایمان لایا جاسکتا ہے، اس کی راہ پر چلنا اور اس کی گہرائی تک عقل کے توسط سے پہنچنا ممکن نہیں ہے''۔اسی طرح علماء اسلام اس بات پر بھی اتفاق کرتے ہیں کہ حشر یعنی موت کے بعد زندہ کرنے کا مسئلہ منقول ہے یعنی اس کا تعلق ان دلائل کے ساتھ ہے جو بارگاہِ ربوبیت اور بارگاہِ نبوت سے ہم تک پہنچے ہیں، اس لیے اس کی کُنہہ تک پہنچنا عقل کے توسط سے ناممکن ہے۔ بنابریں، ایک ایسا راستہ جو بیک وقت گہرائی میں بھی اُترتا ہو اور بلندی کو بھی چڑھتا ہو، ایسا راستہ نہ تو آسانی کے ساتھ ایک عمومی راستہ بن سکتا ہے اور نہ ہر سالک اُس پر چل سکتا ہے۔

لیکن اس دور میں جبکہ حسنِ اتباع کی روش نابود اور تسلیم ورضا کی عادت مفقود ہوگئی ہے، ایسے دور میں قرآنِ کریم کے فیضان اور پروردگار مہربان کی رحمت سے ہم پر یہ خاص احسان ہوا ہے کہ ہمیں اس عالیشان اور گہرے راستے پر گام فرسائی کی توفیق ملی ہے، اس لیے ہم پہ واجب ہوگیا ہے کہ ہم اس فضلِ عظیم اور لطفِ عمیم پر اس کا ہزار بار شکرادا کریں، اور چونکہ جو کچھ اُس نے ہمیں عطا کردیا ہے وہ ہمارے ایمان کو بچانے کے لیے کافی ہے اس لیے اب یہ ضروری ہے کہ جتنا ہم سمجھ گئے ہیں اس پر راضی رہیں اور مطالعہ کی تکرار کے ساتھ اپنی اِن معلومات میں اضافہ کرتے رہیں۔

مسئلہ حشر کے اسرار ورموز کا عقل کی روشنی میں ادراک کرنا اس لیے بھی دشوار ہے کہ ''حشرِ اعظم'' ''اسم اعظم'' کی ایک تجلی ہے، اس لیے اسم اعظم سے صادر ہونے والی تجلی اور اسمائے حسنیٰ میں سے ہر اسم کی تجلی کے سب سے بڑے مرتبے سے صادر ہونے والے عظیم الشان افعال کو دیکھنا اور دکھانا ہی ''حشرِ اعظم'' کے اثبات کو سہل، آسان اور موسم بہار کی طرح قطعیُ الثبوت بنا سکتا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو قطعی تسلیم ورضا اور حقیقی ایمان کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔

Marfat.com

یعنی اس چیز کو مادی دلیل کے ساتھ ساتھ ایسے ہی یقینی بنایا جا سکتا ہے جیسے ہم آنے والی اور برپا ہونے والی بہار پر یقین رکھتے ہیں۔

یہی وہ بنیاد ہے اور یہ ہی وہ صورت ہے جس کی روشنی میں مسئلہ حشر کی وضاحت ہو سکتی ہے اور "دسویں مقالے میں" قرآن کریم کے فیضان سے اس مسئلے کی وضاحت اسی صورت پر کی گئی ہے، وگرنہ اگر عقل اپنے کوتاہ دامن دساتیر و قیاسات پر اعتماد کر کے بیٹھ رہے گی تو عاجز آ جائے گی اور تقلیدی روش اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

## آخرت پر ایمان کی ضرورت

### دسویں مقالے کا اہم ضمیمہ اور ذیلی بحث

(یہ ضمیمہ بہت اہمیت کا حامل ہے اور دو حصوں پر مشتمل ہے)

پہلا حصہ:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَانِ الرَّحِيْمِ

﴿فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُونَ وَحِيْنَ تُصْبِحُونَ ☆ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِيْنَ تُظْهِرُونَ ☆ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُونَ ☆ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُم بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ☆ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ☆ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِيْنَ ☆ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُم مِّنْ فَضْلِهِ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ☆ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفاً وَطَمَعاً وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ☆ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ☆ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ☆ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ﴾ (حاشیہ:۱)

اس (نویں شعاع) میں ہم ایمان کے مرکز و محور یعنی حشر پر دلالت کرنے والے اُس نکتۂ کبریٰ اور حجتِ عظمیٰ کا ذکر کریں گے جس کی وضاحت یہ آیاتِ کریمہ کر رہی ہیں۔

---

(حاشیہ:۱) الروم: 27-17

Marfat.com

آئندہ صفحات میں حشر پر دلالت کرنے والے وہ دلائل و براہین ذکر کریں گے جن سے پتہ چلتا ہے کہ حشر یقیناً وہ مرکزومحور ہے جس کے گرد ایمان کی دنیا گھوم رہی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت ہے کہ ''سعید قدیم'' (حاشیہ:۱)

نے جب تیس سال پہلے اپنی کتاب (المحاکمات) کے آخر میں لکھا تھا:

''۔اس دوسرے مقصد میں ان دو آیتوں کی تفسیر کی جائے گی جو حشر کے مسئلے پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالتی ہیں''

لیکن اُس نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر جب آغاز کیا تو اس کا قلم رُک گیا اور وہ کچھ بھی لکھ نہ پایا۔

اور اب میں اپنے خالق الکریم کے لیے حشر کے دلائل و اَمارات کی تعداد کے برابر سپاس گزار ہوں جس نے مجھے پورے تیس سال بعد وہ تفسیر لکھنے کی توفیق بخشی ہے: اور یوں آیتِ کریمہ:

﴿فَانْظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

کی تفسیر منصۂ شہود پر آئی۔ اور یہ تقریباً نو، دس سال پہلے ہوا۔ اور یوں (دسواں مقالہ) اور (انیسواں مقالہ) دو ایسی قوی دلیلوں کی صورت میں رونما ہوئے جنہوں نے منکرین حشر کا ناطقہ بند کر دیا۔

حشر کے ضمن میں اس مضبوط قلعے جیسی دلیل کے بیان کے تقریباً دس سال بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فیضان سے نوازا اور ان دوسری آیات کی تفسیر کی توفیق دی جو ابھی ذکر کی گئی ہیں۔ اور اس طرح یہ مضمون ظہور میں آیا جسے ''نویں شعاع'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں ایک اہم مقدمہ اور نو عدد مقامات عالیہ ہیں۔ جن کی طرف یہ آیات اشارہ کر رہی ہیں۔

## مقدمہ

اس مقدمے میں دو نکتے ہیں: پہلے ہم اختصار کے ساتھ اُن نتائج وثمرات میں سے ایک نتیجے کا ذکر کریں گے جو حشر کے عقیدے سے ہماری مادی اور روحانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں، اور اس ضمن میں ہم اس بات کی پوری وضاحت کریں گے کہ یہ عقیدہ انسان کی عمومی اور خاص طور پر اجتماعی زندگی کے لیے کتنا ضروری ہے! اور اس چیز کی وضاحت کرتے ہوئے ہم ایمان بالحشر کے عقیدے سے متعلق متعدد دلائل میں سے صرف ایک جامع قسم کی دلیل اجمال کے ساتھ بیان کریں گے اور بتائیں گے کہ یہ دلیل اتنی بدیہی، بے ساختہ اور واضح ہے کہ کسی قسم کا کوئی شک وشبہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹک

(حاشیہ:۱) رسائل نور کی تالیف سے پہلے والے دور میں نورسی صاحب اپنے آپ کو ''سعید قدیم'' کہتے ہیں۔ یہ وہ دور ہے جب آپ علم و معرفت کی قدیم اور عمومی روش پر گام فرسا تھے۔ لیکن 1926ء میں جب آپ نے رسائل نور کی تالیف کا آغاز کیا اور ایمان کو بچانے کی مہم اپنے کندھوں پر اُٹھالی اور قرآنِ کریم سے براہ راست فیض حاصل کرنا شروع کیا تب آپ نے اپنی ذات پر ''سعید جدید'' کا اطلاق کیا۔

Marfat.com

سکتا ہے۔

## پہلا نکتہ

یہاں ہم سینکڑوں دلائل میں سے بطور مثال صرف چار دلیلوں کی طرف اشارہ کریں گے تا کہ باقی کو ان پر قیاس کر لیا جائے، اور وضاحت کریں گے کہ عقیدۂ آخرت ہی انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اور اس کے کمالات، افتخارات اور سعادت مندی کی بنیاد ہے۔

### پہلی دلیل:

بچے جو کہ نوعِ انسانی کا تقریباً آدھا حصہ ہیں اپنے سامنے رونما ہونے والے موت کے جو المناک اور تکلیف دہ حالات دیکھتے ہیں انہیں صرف اپنی اُس روحانی قوت سے ہی برداشت کر سکتے ہیں جو ان کی نرم و نازک ہستی میں ''جنت پر ایمان'' کے سبب سے پیدا ہوتی ہے، وہ ایمان جو ان کی اُن نرم و نازک طبیعتوں کے سامنے جو حالات کی شدت کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور گردشِ روزگار کے سامنے سینہ سپر نہیں ہو سکتیں، اور معمولی معمولی باتوں پر رو پڑتی ہیں، یہ ایمان ان کے سامنے ایک ایسی روشن امید کا دروازہ کھولتا ہے جس کی برکت سے فرح و سرور اور شادمانی کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک مومن بچہ جنّت کے بارے میں خود سے ہمکلام ہو کر کہے گا: میرا چھوٹا بھائی یا میرا محبوب دوست جو کہ فوت ہو گیا ہے، اب جنت کا ایک پرندہ بن گیا ہے، اس لیے وہ جنت میں جہاں چاہے سیر و تفریح کر سکتا ہے، اور وہ ہم سے بہتر اور پر آسائش زندگی گزار رہا ہے، ورنہ اگر جنّت کے بارے میں یہ ایمان نہ ہوتا تو موت جس سے اس جیسے بچے ____ اور اسی طرح بوڑھے ____ دوچار ہوتے ہیں ان کی اس روحانی قوّت کو منہدم کر دیتی جن کے پاس اس قوّت کے علاوہ نہ کوئی اور قوّت ہے نہ وسیلہ۔ اور ان کی نفسیات تباہ کر دیتی اور ان کی زندگی زیر و زبر کر دیتی، تب ان کی آنکھوں کے ہمراہ ان کے تمام اعضاء و جوارح اور روح و قلب و عقل بھی گریہ کناں رہتے، اور اس صورت میں یا تو ان کے احساسات مر جاتے اور ان کے شعور پتھرا جاتے، یا پھر بدبخت اور بے راہ رَو آوارہ گرد حیوانات بن کر رہ جاتے۔

### دوسری دلیل:

بوڑھے جو کہ -- ایک لحاظ سے -- نوعِ انسانی کا نصف ہیں، وہ گور کنارے پہنچے ہوئے زندگی کا بوجھ پورے صبر و تحمّل سے صرف ''ایمان بالآخرت'' کی وجہ سے اٹھائے ہوئے ہیں، ان کی حیاتِ عزیز کا شعلہ جب بجھنے کے قریب ہوتا ہے۔ اور ان کی خوبصورت اور میٹھی میٹھی زندگی کا دروازہ جب ان پر بند ہونے کے قریب ہوتا ہے، تو ایسے میں وہ کون سی چیز ہے جو انہیں تسلی دیتی ہے، انہیں سہارا دیتی اور ان کی ڈھارس بندھاتی ہے؟ صرف ایک چیز یعنی ''ایمان بالآخرت''۔ یہ بوڑھے لوگ جو نفسیاتی لحاظ سے بچوں کی طرح انتہائی حساس طبیعت کے مالک بن چکے ہوتے ہیں، یہ موت اور زوال سے

Marfat.com

پیدا ہونے والی انتہائی المناک اور قاتل قسم کی ناامیدی کا مقابلہ اور اس کی بے رحم گرفت میں صبر ایک ہی چیز کے سہارے تو کر سکتے ہیں، اور وہ ہے یہ امید کہ آخرت کی زندگی میں سارے دھونے دُھل جائیں گے۔ وگرنہ اگر یہ ''ایمان بالآخرت'' نہ ہو تو یہ آباؤ اُجداد اور یہ مائیں ـ جو کہ شفقت و رحمت کے مستحق اور سکون، اطمینان اور پُرسکون زندگی کے بہت زیادہ ضرورت مند ہیں ـ یہ لوگ بہت زیادہ روحانی آشفتگی، نفسیاتی اضطراب اور قلبی پریشانی کا شکار ہو جائیں اور یہ وسیع و عریض اور روشن دنیا ان کے لیے ایک تنگ و تاریک اور وحشت ناک قید خانے کا روپ دھار جائے اور زندگی ایک سخت ترین اور دردناک عذاب میں تبدیل ہو جائے۔

## تیسری دلیل:

نوجوان جو کہ اجتماعی زندگی کا مرکز و محور ہیں ان کے احساسات و جذبات نہ تو تھمتے ہیں اور نہ انہیں ظلم و تعدّی اور تخریب کاری سے رکنے دیتے ہیں اور نہ ہی ان کی نفسانی خواہشات اور جذبات کنٹرول میں رہتے ہیں۔ صرف ایک ہی چیز ہے جو ان لوگوں کی خودسری اور بے لگامی کو کنٹرول میں رکھ سکتی ہے اور ان کے معاشرتی رہن سہن کو پُرامن اور پُرسکون راستے پر چلا سکتی ہے اور وہ ہے آتشِ دوزخ کا خوف۔ دوزخ کی آگ کا یہ خوف اگر نہ ہو تو ''اَلْحُکْمُ لِلْغَالِب'' کے قاعدے کی رُو سے یہ سرمست اور خودسر دیوانے اپنی خواہشوں سے مغلوب ہو کر اس دنیا کو وہ جہنم بنا دیں گے کہ جس کی آگ بوڑھوں، غریبوں اور کمزوروں پر بھڑکتی رہے گی، اور اس اعلیٰ ترین انسانیت کو پست ترین حیوانیت میں تبدیل کر دیں گی۔

## چوتھی دلیل:

اس میں کوئی شک نہیں کہ عائلی زندگی اور نسلِ انسانی کے لیے سعادت کی جنت، اس کا محفوظ قلعہ، اس کی پرامن پناہ گاہ اور اس کا وہ مرکز و محور ہے جس کے گرد دنیاوی زندگی گھومتی ہے۔ ہر انسان کا گھر اس کا ایک اپنا جہان اور مخصوص چھوٹی سی دنیا ہے۔ اب اس خاندانی زندگی کی روح کی خوشی اور سعادت مندی صرف اس بات میں مضمر ہے کہ خاندان کا ہر فرد دوسرے کا احترام کرے اور اس کے لیے وفاداری کا دم بھرے، اور ان سب لوگوں کے درمیان اس طرح کی سچی محبت ،شفقت اور رحمت کا دور دورہ ہو جس کی حدّیں ایثار اور قربانی کو چھو رہی ہوں۔ اور یہ متبادل احترام اور خالص مہر و وفا صرف ایک ہی چیز سے حاصل ہو سکتی ہے، اور وہ ہے اس بات پر پختہ ایمان کہ ایک ابدی صداقت، دائمی رفاقت، اور سرمدی معیت کا وجود بہر کیف موجود ہے جو ایسے وقت میں حاصل ہو گی جس کی کوئی انتہا نہیں، ایسی زندگی کے سائے میں جس کی کوئی حدود نہیں، جس زندگی کا تانا بانا ایک قابلِ رشک اور قابلِ احترام پدری، خالص اور بے عیب برادری، بے عیب وفاداری اور اخلاص سے بھری ہوئی دوستی کے تعلقات سے بنا ہوا ہے۔ اس جہان کے بارے میں خاوند اپنے آپ سے کچھ اس طرح

Marfat.com

ہمکلام ہوگا: ''میری یہ بیوی آج بدشکل یا بوڑھی ہوگئی ہے تو کوئی پرواہ نہیں؛ کیونکہ اسے عنقریب ایک ابدی خوبصورتی عطا ہونے والی ہے، اس لیے میں ہر وہ چیز پیش کرنے کے لیے تیار ہوں جس کا تقاضا محبت اور وفاداری مجھ سے کرے گی، اور میں ہر وہ قربانی دینے کے لیے تیار ہوں جس کا مطالبہ وہ دائمی دوستی مجھ سے کرے گی''۔ اور اس طرح یہ ممکن ہے کہ انسان اپنی اس بوڑھی بیوی کے لیے اپنے دل میں محبت اور مہربانی کے وہی جذبات سجا کر رکھے جو جذبات وہ حورعین کے لیے رکھتا ہے۔ وگرنہ یہ گھڑی دوگھڑی کی ہم نشینی، دوستداری اور ظاہری تعلق، یہ اپنے دامن میں ابدی فراق اور دائمی جدائی کو چھپائے ہوئے ہے؛ کیونکہ یہ بے بنیاد اور ناپائیدار میل جول اور تعلق داری جو بظاہر دوستی اور ہمراہی کا روپ دھارے ہوئے ہے، سراپا جدائی ہے۔ اس لیے یہ دوستی تمہیں صرف مجازی رحمت اور مہربانی، احترام اور حیوانی جذبات سے مغلوب شفقت دے سکتی ہے مزید یہ کہ اس محبت اور دوستی میں چونکہ نفسانی خواہشات اور ذاتی مصلحتوں کی آمیزش ہوتی ہے اس لیے یہ کسی بھی وقت اس مجازی رحمت اور مصنوعی احترام پر غالب آسکتی ہے اور یوں نتیجتاً یہ دنیاوی جنت ناقابلِ برداشت جہنم ہوجائے گی۔

اور اسی طرح ایمان بالحشر کے وہ سینکڑوں نتائج جو کہ انسان کی اجتماعی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور جو سینکڑوں جہتوں اور پہلوؤں کے حامل ہیں، اگر ان سینکڑوں نتائج میں سے صرف ایک نتیجہ ان چار دلائل پر چسپاں کیا جائے جو ابھی ذکر ہوئے ہیں تو اس بات کی تہ تک پہنچا جاسکتا ہے کہ حشر کا وقوع پذیر ہونا ایسے ہی حتمی اور قطعی ہے جیسے انسان اور اس کی جملہ حاجات وضروریات ایک عظیم الشان ثابت شدہ حقیقت ہے۔ بلکہ یہ معدے کے غذا وطعام کے حاجت مند ہونے کی حقیقت سے بھی ٹھوس حقیقت اور واضح گواہی ہے۔ اور اس کے تحقق کا ادراک اس وقت زیادہ گہرا ہوسکتا ہے جب انسانیت میں اس انسانیت کی ماہیت جو کہ بہت بلند، عالی شان اہمیت کی حامل اور زندگی سے مزین ہے، ایک بے جان بدبودار لاش اور جراثیموں اور میکروبات کی پناہ گاہ میں تبدیل ہوجائے گی علماء اجتماع علماءِ سیاست اور علماء اخلاق جو کہ انسان کے اجتماعی سیاسی اور اخلاقی معاملات کے ساتھ دلچسپی رکھتے ہیں، انہیں آگے بڑھ کے بتانا چاہیے کہ وہ اس خلا کو کس چیز کے ساتھ پُر کرسکتے ہیں؟ اور ان گہرے زخموں پر کون سا مرہم رکھ سکتے ہیں اور ان کا کیا مداوا کرسکتے ہیں؟

**دوسرا نکتہ:**

اس نکتہ میں انتہائی اختصار کے ساتھ بے شمار دلائل وبراہین میں سے صرف ایک دلیل بیان کی جائے گی جو کہ حشر کی حقیقت پر روشنی ڈالے گی، یہ دلیل تمام ارکانِ ایمان کے حاصل کی شہادت سے جنم لیتی ہے۔ اور اس کا بیان کچھ اس طرح سے ہے:

وہ تمام معجزات جو جناب محمد ﷺ کی رسالت پر دلالت کرنے والے دلائل اور ان کی سچائی کی براہین کے ساتھ مل کر

Marfat.com

ان کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں، وہ تمام معجزات مجموعی طور پر بیک قلم حشر کی حقیقت پر گواہی دیتے ہیں، اس پر دلالت کرتے ہیں اور اس کا اثبات کرتے ہیں؛ کیونکہ آپ ﷺ نے اپنی تمام حیاتِ مبارکہ میں جو دعوت دی ہے اس کا مرکز و محور توحید کے بعد حشر یا حیات بعد الموت رہا ہے۔ اور آپ ﷺ کے وہ تمام معجزات اور تمام دلائل جو تمام انبیاء کی سچائی پر دلالت کرتے ہیں اور دوسروں کو ان کی سچائی پر ابھارتے ہیں، یہ تمام معجزات بھی اُسی حقیقت یعنی حشر پر گواہی دیتے ہیں۔ اسی طرح ''آسمانی کتابوں'' کی شہادت جس نے اِن ''پاکباز پیغمبروں'' کی طرف سے صادر ہونے والی اس گواہی کو بداہت (intuition) کے درجے تک پہنچا دیا ہے، آسمانی کتابیں اور پیغمبر بھی اسی حقیقت کی گواہی دیتے ہیں۔

اور اس کا بیان کچھ اس طرح ہے:

قرآن کریم جو کہ معجز بیانی کا سرچشمہ ہے، اپنے تمام معجزات، دلائل اور حقائق کے ساتھ ــ جو کہ اس کی حقانیت کا اثبات کرتے ہیں ــ حشر کے وقوع پذیر ہونے کی گواہی دیتا ہے اور اس کا شدت کے ساتھ اثبات کرتا ہے؛ اور وہ اس طرح کہ قرآن کا تیسرا حصہ مکمل طور پر اور زیادہ تر چھوٹی سورتوں کا آغاز حشر کی واضح ترین دلیلیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اپنی ہزاروں آیات کے ذریعے صراحتاً یا اشارتاً اس حقیقت کی خبر دیتا ہے، واضح طور پر اس کا اثبات کرتا ہے اور اس پر روشنی ڈال کر اسے آشکار کرتا ہے۔ مثال کے طور پر:

☆﴿اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ﴾

☆﴿يَا اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِيۡمٌ﴾

☆﴿اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا﴾

☆﴿اِذَا السَّمَاۤءُ انۡفَطَرَتۡ﴾

☆﴿اِذَا السَّمَاۤءُ انۡشَقَّتۡ﴾

☆﴿عَمَّ يَتَسَاۤءَلُوۡنَ﴾

☆﴿هَلۡ اَتَاكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ﴾

قرآن کریم ایسی آیات کے ذریعے جو تقریباً چالیس سورتوں کے آغاز میں واقع ہوئی ہیں، یہ چیز ثابت کرتا ہے کہ حشر لامحالہ اور لاریب وقوع پذیر ہوگا، اور یہ کہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو اِس کارگہِ حیات میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اور یہ کہ اس کا ظہور میں آنا ایسا ضروری امر ہے کہ جس کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے ان آیات کے علاوہ وہ دیگر آیات میں بھی اس حقیقت پر بڑے اطمینان بخش دلائل پیش کرتا ہے۔

ذرا سوچو کہ اگر ایک ایسی کتاب ہو جس کی کوئی ایک آیت ان سائنسی اور کائناتی حقائق کے بارے میں ایک اشارہ

Marfat.com

دے دے جنہیں اسلامک سائنسز کہا جاتا ہے، تو پھر اس کی ان ہزاروں آیتوں اور دلیلوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہوگا جو حشر پر ایمان کے بارے میں سورج کی طرح جگمگا رہی ہیں؟ ایسی حقیقت کا انکار کر دینا سورج کا انکار کر دینے بلکہ ساری کائنات کو معدوم کر دینے کے مترادف نہیں ہوگا؟ اور کیا یہ بات سو مرتبہ محال در محال نہیں ہوگی؟

اچھا یہ بتاؤ کہ: کیا ایک صاحب قدرت اور عظیم الشان بادشاہ کے ہزاروں وعدوں وعیدوں کو جھوٹا کہا جا سکتا ہے ، جبکہ مشاہدہ یہ ہے کہ ایک لشکر محض اس بنا پر بے جگری سے میدان جنگ میں اتر پڑتا ہے تاکہ حکمران کی طرف سے صادر ہونے والے اشارے کو جھٹلایا نہ جاسکے۔

تو اس عظیم الشان روحانی حکمران کے بارے میں کیا خیال ہے جس کی حکومت وفرمانروائی روحوں، عقلوں، دلوں اور نفسوں پر بغیر انقطاع کے تیرہ سو سال قائم رہی، اور اس دوران اس نے اُن کی ذہنی نشو ونما کی اور انہیں حق وحقیقت کی راہ پر لگایا؟ کیا حشر کے اثبات کے لیے اس کا ایک اشارہ ہی کافی نہیں، اس یاد دہانی کے ساتھ کہ اس کا ایک اشارہ بھی ہزاروں صراحتوں اور وضاحتوں کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے؟

اب تم ہی کہو کہ جو آدمی یہ سادہ سی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتا ہے، ناداں ترین احمق نہیں تو اور کیا ہے؟ اور ایسے آدمی کا ٹھکانہ اگر جہنم ہوگا تو وہ عدل وانصاف کے عین مطابق نہیں ہوگا؟

پھر تمام آسمانی صحائف اور مقدس کتابیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں قوموں پر حکمرانی کی ہے، ان سب نے تکرار واثبات کے ساتھ قرآن پاک کے اس دعوے کی تصدیق کی ہے جو وہ حشر کی حقیقت کے ضمن میں کرتا ہے، حالانکہ ان کتابوں کے وہ بیانات جو اس ضمن میں آئے ہیں، اپنے زمانے کے پیشِ نظر بہت مختصر طریقے سے وارد ہوئے ہیں قرآن کریم کی بیان کردہ یہ قطعی حقیقت جس کا حکم گزشتہ تمام زمانوں میں چھایا رہا اور تمام مستقبل پر حاوی رہے گا، اس قطعی حقیقت کی وضاحت اور صراحت کے باب میں اس نے بڑی فراخدلی سے کام لیا ہے۔

اس بحث کی مناسبت سے ہم یہاں اس مضمون کا متن درج کرتے ہیں جو ہمارے رسالہء ''مناجات'' کے آخر میں ہے، اور جو کہ مسئلہ حشر کے بارے میں ایک مختصر سی قطعی دلیل کی حیثیت رکھتا ہے اس کا سرچشمہ تمام ارکانِ ایمان کی گواہی اور ان سے برآمد ہونے والے وہ دلائل ہیں جو ایمان بالآخرت، اور خاص کر ایمان بالرُسُل اور ایمان بالکُتُب سے متعلق ہیں۔ یہ مضمون چونکہ مختصر اور ''مناجات'' کی صورت میں ہے، اس لیے شکوک واوہام کو تتّر بتّر کر دیتا ہے:

''اے میرے مہربان پروردگار! میں نے رسول کریم ﷺ کی تعلیم اور قرآن کریم کی تدریس کی برکت سے اس حقیقت کا ادراک کیا ہے کہ تمام مقدس کتابیں _ اور ان میں قرآن سرِ فہرست ہے _ اور تمام انبیاء کرام _ اور ان میں محمد ﷺ سرِ فہرست ہیں _ بالاتفاق اس بات کی رہنمائی، گواہی اور اشارہ دیتے ہیں کہ اسمائے حسنٰی کی جلالت مآب وہ

Marfat.com

تجلیات اور جس کے آثار اس دنیا میں اور تمام جہانوں میں آشکار ہیں، تابندہ تر اور درخشندہ تر رہتی ہوئیں ابدالآباد تک قائم دائم رہیں گی۔ اور اِن اسمائے حسنیٰ کی رحمت سے بھرپور وہ تجلیاں اور وہ نعمتیں جن کے نمونوں کا مشاہدہ ہم اس عالم فانی میں کر رہے ہیں، یہ اس سے بھی زیادہ آب وتاب کے ساتھ اُس دارِ سعادت میں جلوہ گر ہوں گی اور ہمیشہ رہیں گی۔ اور ان کے والہ وشیدا وہ لوگ جو اس فانی دنیا میں ان کی چاہت میں سرگرداں ہیں عنقریب ان کے اور ان کے درمیان دوستی اور محبت کا ایک اٹوٹ اور لازوال تعلق قائم ہو جائے گا، وہ ان سے ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ اور یہ کہ تمام انبیاء جو کہ نورانی روحوں کے مالک ہیں اور محمد ﷺ جن میں سرِفہرست ہیں، اور تمام اولیاء جو کہ تابندہ دلوں کے مالک اور زمین کے قطب ہیں، اور تمام صدّیقین جو کہ منور اور تیز بین عقلوں کے سرچشمے ہیں؛ یہ سب کے سب حشر پر پختہ اور گہرا ایمان رکھتے ہیں، اس کی شہادت دیتے ہیں اور نوعِ انسانی کو ابدی سعادت کی خوشخبری دیتے ہیں، اور اہل ضلالت کو خبردار کرتے ہیں کہ ان کا انجام آگ ہے، اور اہل ہدایت کو خوشخبری دیتے ہیں کہ ان کی عاقبت جنّت ہے اور اس باب میں ان کی سند سینکڑوں درخشاں معجزے اور قطعی نشانیاں اور وہ ہزاروں وعدے اور وعیدیں ہیں جن کا ذکر اے پروردگار تو نے بارہا دفعہ آسمانی صحیفوں اور مقدس کتابوں میں کیا ہے۔ اور ان کی سند اور اعتماد تیرے جلال کی عزت، تیری ربوبیت کی سلطنت ہے۔ اور پھر وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کی بنیاد میں ان کے وہ لاتعداد کشف اور مشاہدے ہوتے ہیں جو آخرت کے نقوش و آثار کے بارے میں خبر دیتے ہیں اور پھر اس کی بنیاد میں ان کا وہ پختہ ایمان اور اعتقاد ہوتا ہے جو علم الیقین اور عین الیقین کے مرتبے پر ہوتا ہے۔

پس اے قادرِ حکیم، اے رحمانِ رحیم اے وعدہ نبھانے والے، اے صاحب عزت وعظمت، اے صاحب قہر وجلال! تو مقدس ہے، منزّہ ہے، پاک ہے، تو اس چیز سے بہت بلند ہے کہ اپنے تمام اولیاء، تمام وعدوں، اپنی تمام صفات جلیلہ اور اَعمالِ مقدسہ کو جھوٹ سے داغدار کر کے انہیں جھوٹا قرار دے دے اور اپنے ان بندوں کی طرف سے جن سے تو نے محبت کی ہے اور انہوں نے تجھ سے محبت کی ہے اور جن بندوں نے تجھ پر ایمان لا کر، تیری تصدیق کر کے اور تیری اطاعت کر کے تیری محبت پالی ہے؛ اپنے ان نیک بندوں کی طرف سے صادر ہونے والی دعاؤں کو قبول نہ کر کے اپنی ربوبیت کے اقتدار کے آگے پردہ تان لے (اور ان دعاؤں کو قبول کر کے اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرے)! تُو اس بات سے یقیناً پاک اور بلند ہے کہ اہل کفر وضلالت کے اس دعوے کو سچا کر دکھائے کہ حشر برپا نہیں ہوگا! حالانکہ یہ وہ اہلِ کفر وضلالت ہیں جو اپنے کفر، نافرمانی اور تیرے وعدوں کی تکذیب کرنے کی وجہ سے تیری عظمت وکبریائی کی بغاوت اور تیرے جاہ وجلال کے اقتدار، تیری الوہیت کی عظمت اور تیری ربوبیت کی شفقتوں کی تحقیر کر رہے ہیں!

پس ہم ایسے بے شمار ظلم سے، اور بے شمار برائی سے، تیرے بے شمار عدل کو اور بے شمار جمال کو اور تیری بے شمار رحمت

Marfat.com

کی بے شمار تقدیس کرتے ہیں۔

اور ہم اپنی تمام صلاحیت کے ساتھ اس بات پر ایمان اور اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہزار ہا رسول اور انبیائے کرام اور بے شمار اولیاء واصفیاء جنھوں نے تیری منادی کی ہے وہ تیری رحمتوں کے اخروی خزانوں، عالم بقا میں تیرے احسانات کے ذخیروں اور تیرے اسمائے حسنیٰ کی دارِ سعادت میں منکشف ہونے والی تجلیات کے حق الیقین، علم الیقین اور عین الیقین کے درجے کے گواہ ہیں۔

اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ یہ شہادت حق ہے اور حقیقت ہے، اور یہ کہ ان سب کے اشارے سچے اور حقیقی ہیں اور ان کی بشارتیں صحیح اور واقعی ہیں۔ یہ تمام کے تمام مانتے ہیں کہ یہ حقیقتِ کبریٰ یعنی حشر اسمِ ''الحق'' کی ایک بہت بڑی شعاع ہے، وہ اسم ''الحق'' جو کہ تمام حقائق کا مرجع اور ان تمام کرنوں کا سورج ہے۔ اور یوں یہ لوگ تیری اجازت سے حق کے دائرے میں لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور انہیں حقیقت کی آنکھ سے تعلیم دیتے ہیں۔

پس اے میرے پروردگار! ان لوگوں کی اس تعلیم کے طفیل اور ان کی ان راہنمایوں کی حرمت کے طفیل ہمیں اور نوری طالب علموں کو ایمان کامل اور حسنِ خاتمہ سے عنایت کر اور اُن کی شفاعت سے بہرہ ور فرما۔ آمین''

اور اسی طرح وہ دلائل و براہین جو قرآن کریم بلکہ تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں، اور وہ معجزات اور براہین جو محمد ﷺ بلکہ تمام انبیاء کی نبوت کا اثبات کرتے اور اُسی چیز کی رہنمائی کرتے ہیں جس کی تمام انبیاء دعوت دیتے ہیں اور وہ ہے آخرت کا تحقق اور اس کی یقین دہانی، بالکل ایسے جیسے وہ تمام دلائل و براہین جو واجبُ الوجود کے وجوب اور اس کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں،، وہ تمام کے تمام اُس دارِ سعادت اور عالم بقا کی گواہی دیتے ہیں جو کہ ربوبیت اور الوہیت کا مدار اور اُن کا سب سے بڑا مظہر ہے اور یہ دلائل و براہین اُس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس گھر یعنی دارِ آخرت کا وجود ہے اور اس کے دروازے ضرور کھلیں گے۔ جیسے کہ آئندہ صفحات پر اس چیز کی وضاحت ہوگی، کیونکہ پروردگار سبحانہ وتعالیٰ کا وجود، اس کی صفاتِ جلیلہ، اس کے زیادہ تر اسمائے حسنیٰ، اس کے حکیمانہ اعمال و افعال اور اس کی مقدس صفات جیسے ربوبیت، اُلوہیت، رحمت، عنایت، حکمت اور عدالت وغیرہ، یہ تمام کی تمام آخرت کا لازمی تقاضا کرتی ہیں بلکہ یہ تمام کی تمام عالم بقا اور ثواب وعقاب کے لیے حشر ونشر کا درجہ وجوب تک تقاضا کرتی ہیں۔

جی ہاں، جب اللہ موجود ہے، اور وہ واحد، ازلی اور ابدی ہے، تو پھر یہ ضروری ہے کہ اس کی الوہیت کے اقتدار کا مرکز ومحور بھی موجود ہو، اور وہ ہے آخرت۔

اور جب ربوبیتِ مطلقہ اس کائنات میں اور خاص کر زندگی سے بہرہ ور چیزوں میں جلوہ ریز ہے، اور یہ مطلق ربوبیت واضح طور پر عظمت وجلال اور حکمت وشفقت کا سرچشمہ بھی ہے، تو پھر یہ ضروری ہے کہ ایک ابدی سعادت کا وجود

Marfat.com

بھی ہو جو اس ربوبیت کے بارے میں جنم لینے والے تمام شکوک وشبہات دور کر دے جو اس وہم میں مبتلا کرتے ہیں کہ مخلوق کی صرف یہی زندگی ہے جو نظر آ رہی ہے اس کے بعد نہ جزا ہے نہ سزا، نہ ثواب ہے نہ عقاب، اور یہ بتائے کہ حکمت کے ہاتھوں کوئی عبث کام صادر نہیں ہوتا اور شفقت ورحمت کا دامن غدر وفریب سے پاک ہے، یعنی یہ کہ دارِ سعادت قطعی طور پر موجود ہے اور اس میں داخلہ حتمی اور ضروری ہے۔

اور جب انعام واحسان، لطف وکرم اور عنایت ورحمت کی یہ انواع واقسام نمایاں طور پر موجود ہیں اور بیدار عقلیں اور زندہ دل ان کا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں اور یہ نعمتیں ہمیں یہ رہنمائی بھی دے رہی ہیں کہ ان کے پس پردہ رحمان الرحیم پروردگار کا وجود بہر طور پر موجود ہے، تو پھر ایک ہمیشہ رہنے والی زندگی کا ہونا ضروری ہے تا کہ وہ انعام واکرام کو استہزاء سے محفوظ رکھ سکے، یعنی انعام واکرام کا وجود محض مذاق بن کر نہ رہ جائے، اور تا کہ وہ زندگی احسان کو مکر وفریب سے بچا سکے اور اس طرح سے احسان اپنی حقیقت کو نمایاں کر سکے، اور تا کہ وہ مہر وعنایت کو عبث وبے ہودگی سے محفوظ کر سکے اور مہر وعنایت مکمل صورت میں جلوہ گر ہو سکے، اور تا کہ یہ زندگی رحمت کو انتقام سے نجات دلا دے اور رحمت اپنی کامل شکل میں جلوہ گر ہو سکے، اور تا کہ یہ دائمی زندگی لطف وکرم بندگان خدا پر اپنا سایہ دراز کر سکے۔ بے شک وہ چیز جو احسان کو حقیقی احسان بناتی ہے، اور نعمت کو واقعتاً نعمت بناتی ہے، وہ صرف ایک لازوال، غیر فانی ابدی اور دائمی زندگی ہی ہو سکتی ہے جس کا وجود عالم البقا اور عالم الخلود میں ہے۔ ایسی زندگی کا جلوہ گر ہونا بہر کیف ضروری ہے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ یعنی صرف حیاتِ جاوید ہی ایک ایسی چیز ہے جو احسان کو حقیقی احسان اور نعمت کو حقیقی نعمت بنا سکتی ہے۔

اور جب قدرت کا وہ قلم جو فصل بہار میں ایک تنگ اور چھوٹے سے صفحے پر ہزاروں کتابیں اس طرح لکھ دیتا ہے کہ اس کے تمام حروف وکلمات باہم آمیختہ اور باہدگر پیوست ہوتے ہیں، لیکن ان میں کوئی غلطی واقع ہونے نہیں پاتی اور وہ تمام ہماری آنکھوں کے سامنے بالکل واضح اور نمایاں ہوتے ہیں، اور پھر یہ کہ اسے ایسا محنت طلب کام کرتے وقت کوئی خستگی، ملال یا تھکاوٹ بھی لاحق نہیں ہوتی ہے اور اس قلم کے مالک نے بشدّ ومدّ ہزاروں بار یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ضرور لکھے گا ایک ایسی کتاب جو تمہاری آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی اس فصل بہار کی کتاب سے بہت آسان ہوگی اور اس کی لکھائی دائمی اور ابدی ہوگی، وہ کتاب ایسی جگہ میں لکھی جائے گی جو اس تنگ، آشفتہ اور پیچیدہ جگہ سے کئی گنا زیادہ وسیع، فراخ اور خوبصورت ہوگی۔ ایسی کتاب کہ جو کبھی فنا نہ ہوگی اور جس پر کبھی زوال نہیں آئے گا، تم اس کتاب کو ضرور بالضرور بصد حیرت واستعجاب پڑھو گے! اور وہ پروردگار متعال اس کتاب کا ذکر اپنے تمام اوامر میں کرتا ہے، یعنی اس کتاب کے اصول وضوابط اور اصلی متن بلاشک وشبہ معرضِ تحریر میں آ چکا ہے اور حواشی وہوامش حشر ونشر میں لکھے جائیں گے، اور سب کے اعمالنامے بھی اس میں تدوین پائیں گے۔

Marfat.com

اور جب یہ زمین اس وجہ سے خصوصی اہمیت کی حامل بن گئی ہے کہ یہ بہت سی مخلوقات اور ہزار ہا گونا گوں اور تغیر پذیر ذی حیات اور ذی روح حیوانات کی آماجگاہ ہے، اور یوں یہ کون و مکان کے دل، اس کے جوہر، اس کے مرکز، اس کے حاصل اور اس کے سببِ تخلیق کی حیثیت اختیار کرگئی ہے، حتیٰ کہ تمام آسمانی اوامر میں اس کا ذکر آسمانوں کے مقابل میں ہوتا ہے جیسے کہ ﴿رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ میں۔

اور جب ابن آدم ایسی ماہیات و خصوصیات کی حامل زمین کی مختلف جہتوں میں فرمانروائی کرتا ہے اور بیشتر زندہ چیزوں کو اپنا مسخر کرکے ان میں تصرّف کرتا ہے، اور اس کی اکثر مصنوعات میں اس طرح کا عمل دخل کرتا ہے کہ وہ اس کے قیاسات اور خواہشات اور فطری حاجات کے مطابق اسی کے اردگرد گھومتی ہیں، یہ انہیں منظم کرتا ہے، ان کی تزیین اور آرائش کرتا اور انہیں پیش کرتا ہے، ان عجیب و غریب انواع و اقسام کو ہر جگہ اس طرح ترتیب دیتا ہے کہ صرف جن و انس ہی نہیں بلکہ اہل آسمان اور تمام کون و مکاں حتیٰ کہ مالکِ کون و مکان کی نظروں میں وہ بھلی لگتی ہیں، اور اس کی تگ و تاز کو پسند کیا جاتا ہے، اس کی قدر کی جاتی ہے، اور اسے بنظرِ تحسین دیکھا جاتا ہے، اور یوں وہ اس پہلو سے عظیم اہمیت اور عالی شان قیمت کا مالک بن جاتا ہے اپنے علم اور مہارت کے ذریعے اس حقیقت کو واشگاف کیا ہے کہ کائنات کی تخلیق میں جو حکمت پائی جاتی ہے اُس سے مقصودِ اصلی یہ انسان ہی ہے، اور یہ انسان ہی اس کائنات کا سب سے بڑا حاصل اور نفیس ترین پھل ہے، اس لیے اس زمین پر خلیفہ اسے ہی ہونا چاہیے۔ اور چونکہ یہ خالق کی نادرِ روزگار چیزوں کی نمائش کرتا ہے اس شکل و صورت میں ترتیب دیتا ہے جو اس دنیا میں جاذبِ نظر بن سکے، اس لیے اس کے کفر و عصیان پر مرتب ہونے والا عذاب مؤخر کردیا گیا ہے، اسے دنیا میں زندگی گزارنے اور بود و باش کی اجازت اور مہلت دے دی گئی ہے تاکہ یہ اس ذمہ داری کو کامیابی کے ساتھ نبھا سکے۔

اور جب ابنِ آدم کا جو کہ خلقی اور طبعی طور پر اس ماہیت کا مالک ہے، اور اُس کی حاجات و ضروریات بے حد و شمار ہیں اور خود یہ انتہائی کمزور ہے، اور اس کے آلام و مصائب لاتعداد ہیں اور خود یہ انتہائی عاجز اور بے بس ہے۔ جب تک اس کا ایسا پروردگار موجود ہے جو اُس مطلق قدرت اور رأفت کا مالک ہے جس کی وجہ سے یہ ہولناک زمین:

☆ ان انواع و اقسام کی معدنیات کا بہت بڑا خزانہ ہے جن کی انسان کو احتیاج ہے۔ اور اُن رنگا رنگ کھانوں کا سٹور ہے جن کی انسان کو ضرورت ہے۔

☆ اور ان مختلف قسم کے مال و متاع کی ایک دوکان ہے جن کی انسان رغبت رکھتا ہے اور پروردگار اس پر عنایت و شفقت کی نگاہ رکھتا ہے اور وہ جو چیز بھی چاہتا ہے اسے وہ چیز مہیا کرکے اس کی پرورش کرتا ہے۔

اور جب پروردگار سبحانہ وتعالیٰ اس انسان سے محبت کرتا ہے اور خود کو اس کا محبوب گردانتا ہے، اور وہ باقی رہنے والا

Marfat.com

اور باقی رہنے والے جہانوں کا مالک ہے، وہ تمام امور اپنے عدل کے حساب سے انجام دے رہا ہے، ہر کام اپنی حکمت کے مطابق کر رہا ہے، اور یہ کہ اس خالقِ ازلی کی بادشاہی کی عظمت اور اس کی حاکمیت کی سرمدیت کا احاطہ یہ چھوٹی سی دنیوی زندگی نہیں کر سکتی، اور انسان کی یہ چھوٹی سی عمر بھی اس کے لیے کافی نہیں ہے اور اس وقتی عارضی اور فانی زمین کی عمر بھی اس کے لیے ناکافی ہے؛ کیونکہ انسان اس دنیا میں ظلم کے واقعات کا ارتکاب کرتا ہے اور اپنے پروردگار کی نعمتوں اور مہربانیوں کے مقابلے میں کفر و عصیان کا مظاہرہ کرتا ہے، وہ پروردگار جس نے اس پر نعمتوں کی برکھا برسائی ہے اور اسے رأفتِ کاملہ اور شفقتِ تامہ سے پروان چڑھایا ہے، یہ انسان اپنے اس مشفق پروردگار کے مقابلے میں آ کر ایسے ظلم اور کفر و عصیان کا ارتکاب کرتا ہے جو کہ اس منظم کائنات کے سراسر منافی، اِس میں پائے جانے والے کامل عدل و توازن کے مخالف اور اس کے حُسن و جمال کے سر بسر متضاد ہے؛ اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک سنگدل ظالم انسان اپنی زندگی راحت سے گزارتا ہے، جبکہ ایک درماندہ مظلوم انسان اپنی زندگی محنت مشقت سے گزارتا ہے، اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عدلِ مطلق کی ماہیت جس کے آثار کا مشاہدہ ہم کائنات کے ذرّے ذرّے میں کر رہے ہیں، یہ بات کسی بھی طور نہ قبول کرتی ہے نہ پسند کہ ان سرکش ظالموں کو مرنے کے بعد اُن بیچارہ و درماندہ مظلوموں کے ہمراہ اٹھایا نہ جائے جن کے درمیان موت نے بظاہر کوئی فرق نہیں رکھا ہے۔

اور جب یہ بات حقیقت ہے کہ اس مالک نے اس کائناتِ ہستی کے درمیان سے زمین کو اور زمین سے انسانوں کو چن لیا ہے، اسے بلند مرتبے پر فائز کیا ہے اور اسے خصوصی اہتمام اور نظرِ عنایت اور لطف و کرم سے نوازا ہے، اور انسانوں کے درمیان سے انبیاء، اُولیاء اور نیکوکار لوگ چُنے ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو ربانی مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ ہیں اور جو ایمان و تسلیم کی بدولت خود کو اس کا محبوب بنا چکے ہیں اور خود اللہ نے انہیں اپنے محبوب دوست بنایا ہے، انہیں اپنے کلام کا مخاطب بنایا ہے اور انہیں معجزات اور اعمال کو سرانجام دینے کی توفیق عطا کر کے ان کی عزّت افزائی کی ہے اور ان دشمنوں کی آسمانی طمانچوں کے ذریعے گوشمالی کی ہے اپنے محبوب بندوں کے درمیان سے اس کے امام محمد ﷺ کو چنا ہے جن کی ذات ان بندگانِ خدا کے لیے سراپا عزّت و افتخار ہے، اور ان کے نور سے اہم آدھے اور نوعِ انسانی کے پانچویں اہم حصے کو صدہا سال منوّر کیا، گویا کہ یہ کائنات صرف انہیں کی خاطر پیدا کی گئی ہے اور تمام مقاصد کو اُنکے اور اُنکے دین اور اُنکے قرآن کے ذریعے ظاہر کیا اور کر رہا ہے۔ اس نظر سے دیکھا جائے تو وہ اپنی غیر محدود جلیل القدر خدمت کی بنا پر مستحق تو اس بات کے ہیں کہ ان کی عمر لمبی اور غیر محدود ہو، اور وہ اس کے اہل بھی ہیں، لیکن ہوا یہ ہے کہ انہوں نے صرف تریسٹھ (63) سال کی مختصری عمر پائی، اور وہ بھی تمام کی تمام جہد و مجاہدہ، مشقت اور خستگی کی نذر رہی! ایسے میں کیا یہ بات معقول ہے، اور کیا ایسا کوئی احتمال ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھیوں کو دوبارہ مبعوث نہ کیا جائے گا؟

Marfat.com

اور یہ کہ آپ اس وقت روحانی طور پر زندہ نہ ہوں؟ اور یہ کہ آپ آخری طور پر فنا ہو کر معدوم ہو جائیں؟ نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ چیز ہزاروں بار ناممکن ہے۔ جی ہاں، یہ کون ومکاں اور اس عالمِ ہست وبود کے تمام حقائق ان کی بعثت کی دعا کر رہے ہیں اور کائنات کے پروردگار سے ان کی زندگی کی خواہش اور مطالبہ کر رہے ہیں!

ہماری کتاب ''الآیۃ الکبریٰ'' یعنی ''ساتویں شعاع'' میں تینتیس قسم کے بڑے بڑے اجماع نقل کیے گئے ہیں، ان میں سے ہر اجماع جو کہ اپنی دلیل کی قوت میں سر بفلک پہاڑ کی طرح ہے، یہ بات ثابت کرتا ہے کہ اس کائنات کا صدور صرف ایک ہی ہستی کے ہاتھ سے ہوا ہے اور ان کے دلائل ومراتب کے ذریعے اس کتاب میں بدیہی طور پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ توحید ہی کمالِ الٰہی کا مرکز ومحور ہے۔ اس کتاب نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ اس وحدت (Oneness) اور احدیّت (uniqueness) کے ذریعے تمام کائنات اس ایک اور اکیلی ذات کے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے لشکر اور سراپا تسلیم ورضا ماتحت ملازموں کی طرح ہو جاتی ہے، اور آخرت کے برپا ہونے اور اس کے وجود کے ذریعے اُس کے کمالات بروئے کار آتے اور سقوط سے محفوظ ہوتے ہیں، اس کے عدل کا بول بالا ہوتا ہے اور وہ ظلم سے نجات پاتا ہے، اس کی حکمتِ عامہ عبث وسفاہت سے پاک ٹھہرتی ہے، اس کی رحمتِ واسعہ اپنی اصل منزل گاہ پر قرار پکڑتی اور عیب دار عذاب سے نجات پاتی ہے، اس کی مطلق عزّت اور قدرت نمایاں ہوتی ہے اور ذلت وعاجزی سے محفوظ ہو جاتی ہے، اور اس کی ہر صفت تقدّس یعنی ہر عیب سے دوری پاتی ہے اور پاک صاف اور جاہ وجلال کو دامن میں لیے جلوہ گر ہوتی ہے۔

یہ آٹھ فقرے جن کی ابتداء ''جب'' سے ہوتی ہے، اِن فقروں میں جو حقائق پائے جاتے ہیں، ان میں سے ہر فقرہ ایمان باللہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے سینکڑوں دقیق مسائل اور پر مغز ولطیف معنی پر مشتمل ہے۔ اور ان فقروں میں پائے جانے والے حقائق اس بات کے مقتضی ہیں کہ قیامت ضرور قائم ہوگی اور حشر ونشر بہر صورت برپا ہوگا، اور ثواب وعقاب اور جزا وسزا کے دروازے ضرور کھولے جائیں گے، اور یہ اس لیے تاکہ زمین کی اہمیت ومرکزیت اور انسانیت کی اہمیت وقدر ومنزلت متحقق ہو جائے۔ اور تاکہ زمین اور انسان کے خالق اور پروردگار کی عدالت، اس کی حکمت، اس کی رحمت اور اس کی سلطنت قرار پکڑے اور تاکہ اُس لافانی پروردگار کے حقیقی دوست، محب اور مشتاق ابدی فنا پزیری اور دائمی نیستی سے نجات حاصل کر لیں۔ اور تاکہ ان میں سے بزرگ ترین، محبوب ترین اور معزز ترین مخلوق اپنے عمل کا ثواب پا لے، اور اپنی جلیل القدر خدمات کے نتائج دیکھ لے، وہ خدمات جنھوں نے کائنات کو دائمی امتنان مندی شکر گزاری اور رضامندی کا مرکز بنا دیا ہے۔

اور تاکہ اس کی سرمدی سلطنت کی کاملیت کسی بھی طرح کے نقص وتقصیر اور کمی کوتاہی سے پاک ہو اور اس کی قدرت

Marfat.com

عجز و بیچارگی سے منزہ ہو جائے، اس کی حکمت سفاہت و حماقت سے بری ہو جائے اور اس کی عدالت ظلم و تعدّی سے بلند ہو جائے۔

## خلاصہ

جب اللہ جل جلالہ موجود ہے البتہ آخرت بھی موجود ہے۔

اور جس طرح ایمان کے ارکانِ ثلاثہ جن کا ابھی ذکر ہوا اپنے تمام دلائل کے ساتھ حشر کا اثبات کرتے ہیں اور اس کی شہادت فراہم کرتے ہیں، اسی طرح ''وَبِمَلٰئِکَتِهٖ وَبِالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی'' ایمان کے یہ دو رکن بھی حشر کو مستلزم ہیں، یعنی ان دو رکنوں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ حشر ضرور برپا ہو گا، اور یہ دونوں رکن ایک لافانی اور باقی رہنے والی دنیا پر شہادت قائم کرتے ہیں اور مندرجہ ذیل طریقے سے اس پر دلالت کرتے ہیں:

وہ تمام دلائل مشاہدات اور مکالمات جو فرشتوں کے وجود اور ان کی عبودیت کے وظائف پر دلالت کرتے ہیں، وہ تمام دلائل گھوم پھر کر عالم الارواح، عالم الغیب، عالم البقا، عالم الآخرت، دارُ السعادت اور جنت اور دوزخ پر دلالت کرتے ہیں، وہ جنت اور دوزخ جن میں جنوں اور انسانوں کو مستقبل میں آباد کیا جائے گا، کیونکہ ملائکہ کے لیے اللہ کے حکم سے اُن جہانوں کا مشاہدہ کرنا اور ان میں داخل ہونا ممکن ہے اس لیئے ملائکہ مقرّبین جیسے جبریل جس نے بشر کا سامنا کیا ہے بالاتفاق یہ خبر دیتے ہیں کہ ان جہانوں اور کائناتوں کا وجود ہے اور وہ ان میں گھومتے پھرتے ہیں، اس لیے جیسے ہم بدیہی طور پر براعظم امریکا کا وجود مانتے ہیں حالانکہ ہم نے اسے دیکھا نہیں ہے بلکہ ہمارا اسے جاننا اور ماننا صرف ان لوگوں کے بیانات اور خبر دہی پر موقوف ہے جو وہاں سے ہو کر واپس لوٹتے ہیں، اسی طرح اس دنیا یعنی عالم بقا، دارِ آخرت اور جنت دوزخ وغیرہ کو ماننا بالکل بدیہی ہے، جن کے بارے میں فرشتے خبر دیتے ہیں اور فرشتوں کا یہ خبر دینا سو قسم کے تواتر کی قوت رکھتا ہے۔

یہ ہے وہ پہلو جس کی رو سے ہم ایمان رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ دلائل جو ''ایمان بالقدر'' کا اثبات کرتے ہیں جیسے کہ ''چھبیسویں مقالے'' میں ''رسالہ تقدیر'' کے نام سے بیان ہوا ہے، یہ دلائل بھی اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ حشر برپا ہوگا، اعمالنامے برملا کھولے جائیں گے اور اعمال کا سب سے بڑے ترازو میں وزن کیا جائے گا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز کے اندازے، منصوبے نظام اور میزان کی لوحوں میں مدوّن ہیں، ہر ذی حیات کی زندگی کے حادثات و واقعات اس کے حافظے کی قوتوں میں _ جیسے انسان و حیوان _ اور اس کے بیجوں اور گٹھلیوں میں _ جیسے نباتات وغیرہ _، اور مثالی لوحوں میں مکتوب ہیں اور ہر ذی روح اور خاص کر انسان کے اعمال کے صحیفوں اور ریکارڈ کے رجسٹروں کا وجود ثابت ہے اور الواحِ محفوظہ میں برقرار ہے۔ اس ہمہ

Marfat.com

گیرانداز ے کی ہر مقدار اور اُس حکیمانہ تقدیر، منصوبہ بندی، اس کی باریک اور گہری تدوین اور اس کی امانتدارانہ کتابت ہر حصہ اور ہر پہلو صرف ایک ہی مقصد کے لیے ممکن ہے، اور وہ ہے عدالتِ عظمیٰ اور دائمی ثواب وعقاب تک رسائی، وگرنہ یہ ہمہ گیر اور باریک ریکارڈ اور محافظہ، سراپا بے معنی، بے فائدہ رہ جاتا اور یہ حکمت اور حقیقت کے منافی ہوتا۔ اور یوں اگر حشر وقوع پذیر نہ ہو تو کتابِ کائنات کے تمام حقیقی معانی جو کہ قدَر یعنی قدرت کے قلم سے لکھے گئے ہیں، سب مسخ، فاسد، بے مصرف اور بے فائدہ ہو جائیں گے! اور ایسا ہونا علی الاطلاق ناممکن ہے اور اس چیز کا کبھی احتمال بھی نہیں ہو سکتا ہے بلکہ یہ چیز محال در محال ہے، ایسے ہی جیسے اس کون ومکاں کے وجود کا انکار کر دیا جائے، بلکہ یہ چیز یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی کے علاوہ کوئی مفہوم ہی نہیں رکھتی ہے!

ماحصل ان تمام گزارشات کا یہ ہے کہ ایمان کے ارکانِ خمسہ یعنی: اللہ، اُس کے فرشتوں اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت پر ایمان، کے تمام دلائل حشر اور اس کے وجود، نشر اور اس کے برپا ہونے، آخرت کی رہائش گاہ اور اس کے دروازوں کے کھلنے کے دلائل ہیں، بلکہ ان دلائل کا تقاضا ہی یہی ہے اور یہ اسی چیز کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ اس لیے یہ ایک کامل توافق اور پوری ہم آہنگی ہے کہ اس معجز بیان قرآن کریم کا مکمل تیسرا حصہ اسی چیز سے متعلق بحث کرتا ہے، کیونکہ اس مسئلے کی ایسی مضبوط بنیادیں اور ایسے براہین ہیں جن میں کوئی تزلزل راہ نہیں پاتا ہے، قرآن پاک اس مسئلے کو اپنے ان تمام حقائق کی بنیاد اور اساس کا پتھر قرار دیتا ہے، جس پر اپنے ان حقائق کی عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے۔

## ضمیمے کا دوسرا حصہ

یہ حصہ ان نوقسم کے دلائل وبراہین کے نو مقامات میں سے پہلا مقام ہے جو کہ حشر کے اردگرد گھومتے ہیں اور جن کے بارے میں زیر نظر آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ. وَلَهُ الْحَمْدُ فِيْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ. يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ﴾

ان شاء اللہ یہاں اس روشن دلیل اور قطعی حجت کا بیان ہوگا جو اس آیت سے برملا آشکار ہو رہی ہے (حاشیہ:۱)

## تیسویں لمعے کے پانچویں نقطے کی چوتھی رمز

زندگی کی اٹھائیسویں خصوصیت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ زندگی ایمان کے ارکانِ ستہ (اللہ، ملائکہ، کتابیں،

(حاشیہ:۱) یہ مقام تا ہنوز لکھا نہیں گیا۔ لیکن چونکہ ''زندگی'' کے مسئلے اور قضیے کا حشر کے ساتھ خصوصی تعلق ہے اس لیے اسے یہاں درج کر دیا گیا ہے۔ اور اس مسئلے کے اختتام پر یہ چیز واضح کی گئی ہے کہ مسئلہ حیات میں ایمان کے رکن ''تقدیر'' کی جانب اشارے پائے جاتے ہیں۔ بہر کیف یہ مسئلہ کافی دقیق اور گہرا ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

رسول، قیامت اور تقدیر پر ایمان) کا اثبات کرتی ہے، اس کی توجہ انہیں کی طرف ہے اور یہ انہیں کو بروئے کار لانے میں سرگرم عمل ہے۔

جی ہاں، جب ''حیات'' ہی وہ حکمت ہے جو تخلیقِ کائنات کے پس منظر میں کارفرما ہے، اور یہ حیات ہی اس کائنات کا اہم ترین نتیجہ اور اس کا خلاصہ اور ماحصل ہے، تو پھر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بلند و بالا حقیقت اس فانی، چھوٹی سی، ناقص اور الم خیز و رنج انگیز دنیا میں کسی بھی طور منحصر نہیں ہو سکتی ہے، بلکہ ''زندگی'' کی انتیس خصوصیات، اس کی ماہیت کی عظمت، اس کا درخت اور اس کا نتیجہ اور اس کا وہ پھل جو اس کی عظمت کے شایانِ شان ہے، وہ صرف اور صرف حیاتِ ابدی، حیاتِ اخروی اور وہ زندگی ہے جو ابدی دار السعادت میں اپنے شجر و حجر اور آب و خاک سمیت پائی جاتی ہے، وگرنہ زندگی کا یہ درخت جوذی شعور مخلوق اور خاص کر انسان میں مختلف، متنوع اور گوناگوں قسم کے آلات سے تیار کیا گیا ہے، یہ درخت، بے ثمر، بے حقیقت اور بے کار رہے، اور انسان زندگی کی سعادت مندیوں کے لحاظ سے بدنصیب، بدبخت، ذلیل اور ایک چڑیا سے بھی بیس درجے نیچے رہے، حالانکہ یہ تمام ذی حیات مخلوق سے اعلیٰ، افضل، معزز اور چڑیا سے بیس درجے بالاتر مخلوق ہے۔
بلکہ عقل جو کہ ایک قیمتی ترین نعمت ہے، یہ نعمت اس وقت انسان کے لیے بلائے بے درماں اور مضیبتِ کبریٰ کا روپ دھار جائے گی جب انسان گزشتہ ہموم و غموم اور آئندہ پیش آنے والے خطرات کے خوف میں مبتلا رہے گا، اور یوں وہ ایک لذت میں نو قسم کے رنج و الم سے مکدر کر کے اپنے دل کو ہمیشہ مبتلائے عذاب رکھے گا! اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چیز سو فیصد ناممکن اور باطل ہے۔

پس اس سے یہ پتا چلا کہ دنیاوی زندگی ایمان کے ایک رُکن ''ایمان بالآخرت'' کا قطعی اِثبات کرتی ہے، اور وہ اس طرح کہ یہ زندگی ہر موسم بہار میں حشر کے تین لاکھ سے زائد نمونے ہماری آنکھوں کے سامنے آشکار کر دیتی ہے۔
سو اب تم خود ہی بتاؤ کہ وہ صاحبِ قدرت پروردگار جو تمہاری زندگی سے تعلق رکھنے والی تمام لازمی ضرورتیں تیار کرتا ہے اور ان سے متعلق تمام ساز و سامان مہیا کرتا ہے خواہ ان کا تعلق تمہارے جسم کے ساتھ ہے، تمہارے باغیچے کے ساتھ ہے یا پھر تمہارے شہر کے ساتھ، اس تمام ساز و سامان کو تیار کر کے انتہائی حکمت، عنایت اور رحمت کے ساتھ بھیج دیتا ہے، اس ضمن میں وہ یہاں تک جانتا ہے کہ تمہارے معدے کو کون سی ایسی غذا کی ضرورت ہے جو تمہاری گزر بسر اور بقا کی کفالت کر سکے، اور وہ معدے کی اس خاص جزوی دعا کو بھی سنتا ہے جو وہ رزق کے لیے مانگتا ہے اور پھر معدے کے اطمینان کے لیے بے شمار لذت بھرے کھانے فراہم کر کے یہ چیز ظاہر بھی کرتا ہے کہ اس نے یہ دعا قبول کر لی ہے۔ اب خود ہی کہو کہ ایسی صاحبِ قدرت اور صاحب تدبیر ہستی کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ تمہیں پہچان نہ پائے؟ تمہیں نہ دیکھے؟ اور انسان کی سب سے بڑی غرض و غایت یعنی حیاتِ جاوید کے لیے ضروری اور مطلوبہ اسباب مہیا نہ کرے؟ اس کی سب سے اہم اور سب

Marfat.com

گیر اندازے کی ہر مقدار اور اُس حکیمانہ تقدیر، منصوبہ بندی، اس کی باریک اور گہری تدوین اور اس کی امانتدارانہ کتابت ہر حصہ اور ہر پہلو صرف ایک ہی مقصد کے لیے ممکن ہے، اور وہ ہے عدالتِ عظمٰی اور دائمی ثواب و عقاب تک رسائی، وگرنہ یہ ہمہ گیر اور باریک ریکارڈ اور محافظہ، سراپا بے معنی، بے فائدہ رہ جاتا اور یہ حکمت اور حقیقت کے منافی ہوتا۔ اور یوں اگر حشر وقوع پذیر نہ ہو تو کتابِ کائنات کے تمام حقیقی معانی جو کہ قَدَر یعنی قدرت کے قلم سے لکھے گئے ہیں، سب مسخ، فاسد، بے مصرف اور بے فائدہ ہو جائیں گے! اور ایسا ہونا علی الاطلاق ناممکن ہے اور اس چیز کا کبھی احتمال بھی نہیں ہو سکتا ہے بلکہ یہ چیز محال در محال ہے، ایسے ہی جیسے اس کون و مکاں کے وجود کا انکار کر دیا جائے، بلکہ یہ چیز یاوہ گوئی اور ہرزہ سرائی کے علاوہ کوئی مفہوم ہی نہیں رکھتی ہے!

ماحصل ان تمام گزارشات کا یہ ہے کہ ایمان کے ارکانِ خمسہ یعنی: اللہ، اُس کے فرشتوں اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور قیامت پر ایمان، کے تمام دلائل حشر اور اس کے وجود، نشر اور اس کے برپا ہونے، آخرت کی رہائش گاہ اور اس کے دروازوں کے کھلنے کے دلائل ہیں، بلکہ ان دلائل کا تقاضا ہی یہی ہے اور یہ اسی چیز کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ اس لیے یہ ایک کامل توافق اور پوری ہم آہنگی ہے کہ اس معجز بیان قرآن کریم کا مکمل تیسرا حصہ اسی چیز سے متعلق بحث کرتا ہے، کیونکہ اس مسئلے کی ایسی مضبوط بنیادیں اور ایسے براہین ہیں جن میں کوئی تزلزل راہ نہیں پاتا ہے، قرآن پاک اس مسئلے کو اپنے ان تمام حقائق کی بنیاد اور اساس کا پتھر قرار دیتا ہے جس پر اپنے ان حقائق کی عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے۔

## ضمیمے کا دوسرا حصہ

یہ حصہ ان نو قسم کے دلائل و براہین کے نو مقامات میں سے پہلا مقام ہے جو کہ حشر کے ارد گرد گھومتے ہیں اور جن کے بارے میں زیرِ نظر آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿فَسُبۡحَانَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ. وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِى السَّمَاوَاتِ وَالۡاَرۡضِ وَ عَشِيًّا وَ حِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ. يُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَ يُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَىِّ وَ يُحۡيِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ كَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ﴾

ان شاء اللہ یہاں اس روشن دلیل اور قطعی حجت کا بیان ہوگا جو اس آیت سے برملا آشکار ہو رہی ہے (حاشیہ:۱)

## تیسویں لمعے کے پانچویں نقطے کی چوتھی رمز

زندگی کی اٹھائیسویں خصوصیت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ زندگی ایمان کے ارکانِ ستہ (اللہ، ملائکہ، کتابیں

(حاشیہ:۱) یہ مقام تا ہنوز لکھا نہیں گیا۔ لیکن چونکہ ''زندگی'' کے مسئلے اور قضیے کا حشر کے ساتھ خصوصی تعلق ہے اس لیے اسے یہاں درج کر دیا گیا ہے۔ اور اس مسئلے کے اختتام پر یہ چیز واضح کی گئی ہے کہ مسئلہ حیات میں ایمان کے رکن ''تقدیر'' کی جانب اشارے پائے جاتے ہیں۔ بہر کیف یہ مسئلہ کافی دقیق اور گہرا ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

رسول، قیامت اور تقدیر پر ایمان) کا اثبات کرتی ہے، اس کی توجہ انہیں کی طرف ہے اور یہ انہیں کو بروئے کار لانے میں سرگرم عمل ہے۔

جی ہاں، جب ''حیات'' ہی وہ حکمت ہے جو تخلیقِ کائنات کے پس منظر میں کارفرما ہے، اور یہ حیات ہی اس کائنات کا اہم ترین نتیجہ اور اس کا خلاصہ اور ماحصل ہے، تو پھر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بلند و بالا حقیقت اس فانی، چھوٹی سی، ناقص اور الم خیز و رنج انگیز دنیا میں کسی بھی طور منحصر نہیں ہو سکتی ہے، بلکہ ''زندگی'' کی انتیس خصوصیات، اس کی ماہیت کی عظمت، اس کا درخت اور اس کا نتیجہ اور اس کا وہ پھل جو اس کی عظمت کے شایانِ شان ہے، وہ صرف اور صرف حیاتِ ابدی، حیاتِ اخروی اور وہ زندگی ہے جو ابدی دار السعادت میں اپنے شجر و حجر اور آب و خاک سمیت پائی جاتی ہے، وگرنہ زندگی کا یہ درخت جو ذی شعور مخلوق اور خاص کر انسان میں مختلف، متنوع اور گونا گوں قسم کے آلات سے تیار کیا گیا ہے، یہ درخت، بے ثمر، بے حقیقت اور بے کار رہے، اور انسان زندگی کی سعادت مندیوں کے لحاظ سے بدنصیب، بدبخت، ذلیل اور ایک چڑیا سے بھی بیس درجے نیچے رہے، حالانکہ یہ تمام ذی حیات مخلوق سے اعلیٰ، افضل، معزز اور چڑیا سے بیس درجے بالاتر مخلوق ہے۔

بلکہ عقل جو کہ ایک قیمتی ترین نعمت ہے، یہ نعمت اس وقت انسان کے لیے بلائے بے درماں اور مصیبتِ کبریٰ کا روپ دھار جائے گی جب انسان گزشتہ ہموم و غموم اور آئندہ پیش آنے والے خطرات کے خوف میں مبتلا رہے گا، اور یوں وہ ایک لذت میں نو قسم کے رنج والم سے مکدّر کر کے اپنے دل کو ہمیشہ مبتلائے عذاب رکھے گا! اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چیز سو فیصد ناممکن اور باطل ہے۔

پس اس سے یہ پتا چلا کہ دنیاوی زندگی ایمان کے ایک رُکن ''ایمان بالآخرت'' کا قطعی اِثبات کرتی ہے، اور وہ اس طرح کہ یہ زندگی ہر موسم بہار میں حشر کے تین لاکھ سے زائد نمونے ہماری آنکھوں کے سامنے آشکار کر دیتی ہے۔

سو اب تم خود ہی بتاؤ کہ وہ صاحبِ قدرت پروردگار جو تمہاری زندگی سے تعلق رکھنے والی تمام لازمی ضرورتیں تیار کرتا ہے اور ان سے متعلق تمام ساز و سامان مہیا کرتا ہے خواہ ان کا تعلق تمہارے جسم کے ساتھ ہے، تمہارے باغیچے کے ساتھ ہے یا پھر تمہارے شہر کے ساتھ، اس تمام ساز و سامان کو تیار کر کے انتہائی حکمت، عنایت اور رحمت کے ساتھ بھیج دیتا ہے، اس ضمن میں وہ یہاں تک جانتا ہے کہ تمہارے معدے کو کون سی ایسی غذا کی ضرورت ہے جو تمہاری گزر بسر اور بقا کی کفالت کر سکے، اور وہ معدے کی اس خاص جزوی دعا کو بھی سنتا ہے جو وہ رزق کے لیے مانگتا ہے اور پھر معدے کے اطمینان کے لیے بے شمار لذت بھرے کھانے فراہم کر کے یہ چیز ظاہر بھی کرتا ہے کہ اس نے یہ دعا قبول کر لی ہے۔ اب خود ہی کہو کہ ایسی صاحب قدرت اور صاحب تدبیر ہستی کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ تمہیں پہچان نہ پائے؟ تمہیں نہ دیکھے؟ اور انسان کی سب سے بڑی غرض و غایت یعنی حیاتِ جاوید کے لیے ضروری اور مطلوبہ اسباب مہیا نہ کرے؟ اس کی سب سے اہم اور سب

Marfat.com

سے عام پکار یعنی بقاوخلود کا جواب نہ دے؟ اور حیاتِ آخرت اور جنت ایجاد کر کے اس کی دعا کو قبولیت سے نہ نوازے؟ اس انسان کی پکار نہ سنے جو کہ کائنات کی بلند ترین مخلوق بلکہ زمین کا بادشاہ اور اس کا حاصل ہے۔ وہ عمومی اور طاقتور پکار جو کہ دل کی گہرائیوں سے صادر ہوتی ہے۔ اور جو کہ عرش وفرش پر لرزہ طاری کر دیتی ہے! تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اس دعا کا اتنا بھی اہتمام نہ کرے جتنا اہتمام ایک چھوٹے سے معدے کی دعا کا کرتا ہے اور اس طرح کر کے وہ اس انسان کو راضی نہ کرے؟ اور اس طرح سے وہ اپنی حکمتِ کاملہ اور رحمتِ مطلقہ کو انکار کی بھینٹ چڑھا دے؟ ہر گز نہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہزار بار ہر گز ہر گز نہیں ہو سکتا۔

کیا اس بات کا تصور ہو سکتا ہے کہ وہ زندگی کے ادنیٰ ترین جزء کی پست ترین آواز سُن لے، اس کی شکایت پر کان دھرے، اس کی شکایت دور کرے، اس کی دادرسی کرے، اس پر مہربانی کرے، کامل نظرِ عنایت سے، مکمل توجہ اور رُو رِعایت سے، آخری درجے کے اہتمام کے ساتھ کائنات کی بڑی سے بڑی مخلوق کو اس کے لیے مسخر اور اس کے ماتحت کر کے اسے درجہ بدرجہ پروان چڑھائے اور تکمیل تک پہنچائے، لیکن پھر عظیم ترین، بلند ترین، لطیف ترین اور پائندہ ترین زندگی کی آسمانی گرج جیسی آواز نہ سنے؟ اور کیا یہ بات معقول ہو سکتی ہے کہ وہ اس کی اہم دعا یعنی بقاودوام کی دعا کی طرف توجہ نہ دے اور اس کی گریہ زاری، اس کی امید اور اس کی وسیلہ جوئی کی طرف دھیان نہ دے؟ اور اس معاملے میں وہ اس آدمی کا سا برتاؤ کرے جو ایک سپاہی کو تو پورے اہتمام کے ساتھ ساز وسامان دے کر تیار کرے لیکن اپنے وفادار لشکر جرار کو نظر انداز کیے رکھے!! اور وہ آدمی جو ایک ذرّے کو تو دیکھ لے لیکن سورج کو نہ دیکھ سکے! یا پھر وہ آدمی جو مکھی کی بھنبھناہٹ تو سن لے لیکن بادلوں کی گرج نہ سُن سکے؟ پناہ بخدا! لاکھوں بار پناہ بخدا! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

اور کیا عقل یہ بات کسی بھی پہلو سے قبول کر سکتی ہے کہ وہ قادر وحکیم، وسیع رحمت، بلند محبت اور ہمہ گیر شفقت کی مالک ہستی جو کہ اپنی پیداوار کو بہت زیادہ پسند کرتی ہے، اور اس پیداوار کے توسط سے اپنی ذات کی محبت اپنی مخلوقات کے دل میں ڈالتی ہے، اور جو اپنے چاہنے والوں کے ساتھ ٹوٹ کر شدت سے محبت کرتی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ہستی اُس مخلوق کی زندگی کو فنا کر دے جو اس کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتی ہے، اور وہ خود محبوب بھی ہے، اس قابل ہے کہ اُس کے ساتھ محبت کی جائے اور فطری طور پر اپنے خالق کی پرستش کرتی ہے؟

اور کیا عقل یہ بات قبول کر سکتی ہے کہ وہ جوہرِ حیات اور خلاصہء کائنات اور روحِ موجودات کو ابدی موت اور آخری عدم کے ذریعے فنا کر دے! اور اپنے دوستوں اور محبوں کے درمیان جفا کاری اور ناسازگاری کی فضا پیدا کر کے انہیں مبتلائے آلام کر دے اور اس طرح اپنی رحمت کے راز اور محبت کے نور کو انکار کی بھینٹ چڑھا دے! ہزار بار حاشا وکلا! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ پس وہ جمالِ مطلق جس نے اپنی جلوہ گری سے اس کون ومکان کو زیب وزینت بخشی ہے، اور وہ رحمتِ

Marfat.com

مطلقہ جس نے تمام مخلوقات کو سرسبز و شاداب اور آراستہ پیراستہ کیا ہے، بلا شک ایسا حسن و جمال اور ایسی رحمت اس مطلق قباحت، مطلق ظلم اور مطلق قساوت سے قطعی طور پر پاک اور بہت دور ہیں۔

**نتیجہ:**

اس دنیا میں جب زندگی ہے، یہ بات ضروری ہے کہ وہ لوگ جو زندگی کا راز سمجھتے ہیں اور اپنی زندگی کا استعمال بُرے طریقے سے نہیں کرتے ہیں، وہ لوگ بہر صورت باقی رہنے والی جنت میں باقی رہنے والی زندگی سے ہمکنار رہوں گے۔ آمنّا

☆ ☆ ☆

پھر سطح زمین پر چمکنے والی چیزیں، سطح سمندر پر اٹھنے والی جھاگ اور بلبلے ایک سورج کا منظر پیش کر رہے ہے لیکن بلبلوں کے غائب ہوتے ہی ان پر منعکس ہونے والی تمام روشنی اور تابندگی و درخشندگی گم ہو جاتی ہے۔ اور یہ چیز ہمیں اس حقیقت کی خبر دیتی ہے کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر ہونے والے یہ ہزاروں سورج صرف خیالی تھے جو کہ ایک ہی بلند و بالا سورج کی تجلّی کا انعکاس تھے، اور یہ نظر آنے والے ہزاروں سورج اپنی اپنی زبان میں ہمیں یہ پیغام دے جاتے ہیں اور سب اپنی نورانی انگلیوں کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کر جاتے ہیں کہ ایک حقیقی سورج موجود ہے۔ بالکل اسی طرح زمین کی سطح پر اور سمندر کے پانی میں ذی حیات کے قدرتِ الٰہیہ کے طفیل اور ''حی قیوّم'' کے اسم گرامی ''المُحی'' کی بدولت چمکنے دمکنے اور ''یا حیّ'' کا ورد کرنے کے بعد اپنے بعد میں آنے والوں کے لیے جگہ چھوڑنے کی غرض سے پردۂ غیب کے پیچھے چھپ جانے کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے، کہ یہ سب حیاتِ سرمدی اور الحی القیوم سبحانہ وتعالیٰ کے واجب الوجود ہونے کی شہادتیں اور اشارتیں ہیں۔

اسی طرح وہ تمام دلائل جو اُس علمِ اِلٰہی پر دلالت کرتے ہیں جس کے آثار موجودات کے نظم وضبط میں نظر آرہے ہیں، وہ تمام براہین جو اُس قدرت کا اثبات کرتے ہیں جو کائنات میں تصرّف کناں ہے، وہ تمام دلائل جو کون ومکان کی تدبیر و تنظیم اور اُس ارادے اور مشیت کا اثبات کرتے ہیں جو کون ومکان کی تدبیر و تنظیم پر غالب اور اس میں عمل دخل رکھتی ہے، اور وہ تمام نشانات اور معجزات جو اُن نبوّتوں کا اثبات کرتے ہیں جو کلام ربّانی اور وحیٔ الٰہی کا دار و مدار ہیں۔ یہ تمام دلائل جو کہ اللہ تعالیٰ کی جلیل القدر ''صفاتِ سبعہ'' (حاشیہ:۱)

یعنی سات صفتوں پر دلالت کرتے اور ان کی گواہی دیتے ہیں، یہ تمام دلائل بالاتفاق ''حیّ قیوم'' کی حیات پر دلالت کرتے ہیں اور اس کی گواہی دیتے ہیں؛ کیونکہ اگر کسی چیز میں رویت کا وجود ہو تو اُس کے لیے زندگی کا ہونا بہت

(حاشیہ:۱) صفاتِ سبعہ سے اللہ تعالیٰ کی یہ سات صفات مراد ہیں: حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ مترجم۔

Marfat.com

ضروری ہوگا اور اگر اس میں سماعت پائی جائے گی تو یہ بھی اس کی زندگی کی علامت ہوگی، اگر اس میں کلام کرنے کی قوت پائی جائے گی تو یہ چیز بھی اس میں زندگی کے وجود کا اشارہ دے رہی ہوگی، اگر وہ چیز اختیار وارادہ کی مالک ہوگی تو یہ چیز بھی زندگی ہی کا مظہر ہوگی۔ اسی چیز کو سامنے رکھ کر کہا جائے گا کہ یہ غیر محدود اور بے حد وحساب قدرت، ہمہ گیر ارادہ، احاطہ کُناں علم جیسی تمام جلیل القدر صفات جن کے آثار کا مشاہدہ ہم کر رہے ہیں اور جن کے حقیقی وجود کا علم ہمیں بالکل بدیہی طور پر ہو رہا ہے، یہ تمام صفات ''حیّ قیوم'' کی حیات اور اس کے واجب الوجود ہونے پر دلالت کرتی ہیں، اور اس کی اس حیاتِ سرمدی کی گواہی دے رہی ہیں جس کی ایک شعاع سے یہ تمام کائنات منوّر ہے اور جس کی ایک تجلّی سے تمام دارِ آخرت اپنے ذروں کے ساتھ جگمگا رہا ہے۔

☆☆☆

اور اسی طرح زندگی ایمان کے رُکن ''ایمان بالملائکہ'' کو دیکھتی ہے، اس پر دلالت کرتی اور رمزی طور پر اس کا اثبات کرتی ہے، کیونکہ جب ''حیات'' کائنات کا اہم ترین نتیجہ ہے اور یہ کہ ذی حیات کا نفیس اور گراں بہا ہونے کی بنا پر انتشار سب سے زیادہ ہے اور اِن کے مابین باہمِ دِگر تکاثُر (مقابلے کی دوڑ) کی رُوح پائی جاتی ہے۔ اور یہ ذی حیات ہی قافلہ در قافلہ زمین کے اس مہمان خانے میں پے در پے آ جا رہے ہیں جس کی وجہ سے یہ سرائے شاد وآباد ہے، اور جب یہ کرۂ ارض ذوی الحیات کے اس سیل بے پناہ کی فرودگاہ ہے اور تجدید، تکاثر اور استمرار کی حکمت کی رو سے یہ سرائے بھرتی اور خالی ہوتی رہتی ہے، اور کمترین اور بدبودار اشیاء سے بھی جاندار مخلوق کثرت سے پیدا ہو رہی ہے، حتیٰ کہ یہ کرۂ ارض جاندار مخلوق کا محشر بن گیا ہے۔ اور جب سطحِ زمین پر عقل، شعور اور لطیف روح کی صورت میں زندگی سے کشید کیا ہوا ثابت و برقرار جوہر وافر مقدار میں پیدا ہو رہا ہے جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ زمین زندگی، عقل، شعور اور ارواح کے ذریعے زیب و زینت حاصل کرتی ہے۔ البتہ یہ بات ناممکن ہے کہ اجرام سماوی جو کہ زمین سے زیادہ لطیف، روشن اور اہمیت والے ہیں، وہ جامد، مردہ اور شعور سے خالی ہوں،

اس سے پتہ چلا کہ آسمانوں، سورجوں، ستاروں کو آباد کرنے والے اور زندگی سے بھرپور کرنے والے، آسمانوں کی تخلیق کے نتیجہ کو دکھانے والے اور خطابات سبحانیہ کا مخاطب ہونے والے ذی شعور، ذی حیات اور آسمانوں کیساتھ ہم آہنگ باسی، بہر حال زندگی کے راز کی وجہ سے موجود ہیں، اور وہ ہیں فرشتے۔

☆ ☆ ☆

اسی طرح زندگی کی ماہیت میں پایا جانے والا راز ''ایمان بالرسل'' کو دیکھتا ہے اور رمزی طور پر اس کا اثبات کرتا ہے۔

Marfat.com

جی ہاں، جب یہ بات حقیقت ہے کہ کون ومکاں کی تخلیق زندگی کے لیے ہوئی ہے، اور یہ کہ حیات ''الحیّ القیوم'' ہستی کی سب سے بڑی تجلّی، کامل ترین نقش اور حسین ترین صنعت گری ہے، اور اس کی حیاتِ جاوداں اپنا کشف و اظہار پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے کرتی ہے، کہ اگر یہ ''پیغمبر'' اور ''کتابیں'' نہ ہوتیں تو اُس ازلی اور ابدی حیات کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہ ہوتا، اب جس طرح ایک فرد کے بولنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہ شخص زندہ اور زندگی سے بھرپور ہے، اسی طرح انبیاء و رسل اور ان پر نازل ہونے والی کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ وہ ہستی جو کائنات کے مستور پردوں کے پیچھے سے ان پیغمبروں کے ساتھ ہمکلام ہوئی ہے اور جس نے اپنے الفاظ وکلمات کے ذریعے اپنے احکام نازل کیے ہیں، وہ ایک زندہ و جاوید ہستی ہے، اب اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ کائنات میں پائی جانے والی حیات اس ''ازلی زندہ ہستی'' اور اس کے واجبُ الوجود ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ جیسے کہ حیاتِ ازلی کی شعاعوں اور تجلّیوں کی نظر اور رُخ اور گہرا ربط ''اِرسالِ رسل'' اور ''اِنزالِ کتب'' جیسے ارکان ایمان کے ساتھ ہے جن کا اثبات ان سے رمزی طور پر ہوتا ہے، اور خاص کر ''رسالتِ محمدیؐ'' ''وحیِ قرآنی''؛ کیونکہ ان دونوں کے بارے میں یہ بات بلاخوف وتردّد کہی جاسکتی ہے کہ ''یہ دونوں ہی اُسی طرح قطعی طور پر ثابت ہیں جیسے خود زندگی؛ کیونکہ یہ دونوں زندگی کے لیے روح اور عقل کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

جی ہاں، جس طرح زندگی اس کون ومکان سے کشید کیا ہوا ایک خلاصہ ہے؛ اور شعور اور حس بھی، زندگی سے کشید کیا گیا، زندگی کا ایک خلاصہ ہے؛ اور عقل بھی، شعور اور حس سے کشید کیا گیا، شعور کا ایک خلاصہ ہے، اور روح بھی، زندگی کا صاف اور خالص ایک جوہر ہے، اور ثابت اور مستقل بالکل اسی طرح مادی اور روحانی حیاتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی؛ زندگی اور روحِ کائنات سے کشید کیا ہوا خلاصۃ الخلاصۃ ہے۔ اور رسالتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کائنات کی حس، شعور اور اس کی عقل سے کشید کیا ہوا سب سے صاف خلاصہ ہے، بلکہ مادی اور روحانی حیات محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے نقوش وآثار کی شہادت کی رُو سے کائنات کی زندگی کی زندگی ہے۔ اور رسالتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کون ومکان کے شعور کا شعور اور اس کا نور ہے اور وحیِ قرآنی اپنے زندہ حقائق کی شہادت کی رُو سے کون ومکاں کی زندگی کی روح اور اس کے شعور کی عقل ہے۔ جی ہاں۔ بالکل ایسے ہے۔ بالکل ایسے ہی ہے۔

بنابریں، اگر رسالت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور کائنات کو چھوڑ کر چلا جائے تو کون ومکان پر موت طاری ہوجائے۔ اور اگر قرآن کون ومکاں کو چھوڑ کر غائب ہوجائے تو کائنات دیوانہ ہوجائے گی اور اپنے سر اور عقل سے مفقود ہو جائے گی۔ بلکہ پہلے سے شعور سے خالی اپنے سر کو ایک پہاڑ کیساتھ ٹکرا کر ایک قیامت کو برپا کردے گی۔

☆☆☆

حیات اسی طرح رکنِ ایمانی ''تقدیر'' کو دیکھتی ہے، اس پر دلالت کرتی ہے اور رمزی طریقے سے اس کا اثبات کرتی

Marfat.com

ہے؛ کیونکہ زندگی عالم شہادت یعنی نظر آنے والی دنیا کی روشنی ہے، ایسی روشنی جو اس میں رچی بسی ہوئی ہے اور جس نے اس پر غلبہ حاصل کر رکھا اور اسے گھیر رکھا ہے، اور زندگی وجود کا حاصل، اس کی غرض و غایت، منزلِ مقصود، خالقِ کائنات کی تجلیات کا وسیع و عریض عکاس آئینہ ہے۔ جس میں ربانی کارگزاریوں کی مکمل فہرست اور تمام ریکارڈ نظر آتا ہے، حتی کہ _ اگر تشبیہ دینے میں کوئی حرج نہ ہو تو _ یہ کائنات ایسے ہے جیسے مالک کی تمام کاروائیوں اور کارگزاریوں کا پروگرام اور منہج ہو۔

اب حیات کے اس راز کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ عالم الغیب کا وجود ہو۔ اس سے مراد ماضی بھی ہے اور مستقبل بھی، یعنی نظر نہ آنے والی مخلوقات چاہے ان کا تعلق ماضی سے ہو چاہے مستقبل سے۔ یہ غیبی کائنات پورے نظم وضبط میں ہو، معلوم و مشہود ہو، متعیّن ہو اور تکوینی اوامر و احکام کے لیے آمادۂ اطاعت ہو، یعنی گویا کہ وہ جہاں ایک معنوی زندگی ہے، اُس کی مثال درخت کے اصلی بیج، اس کی جڑوں، اس کی گٹھلیوں اور اس کی چوٹی پر لگنے والے پھلوں کی سی ہے، یہ پھل مختلف قسم کی امتیازی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں، بالکل ایسے جیسے خود درخت مختلف قسم کی ساخت اور امتیازی خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں، بلکہ کبھی یہ بیج ایسے قوانینِ حیات کے حامل ہوتے ہیں جو درخت کے قوانینِ حیات سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور دقیق ہوتے ہیں۔

تو جس طرح وہ بیج اور جڑیں جو گزشتہ خزاں سے بچ رہے ہیں اور جو رواں موسم بہار میں بھی بچ رہیں گے، جس طرح یہ تمام بیج اور جڑیں نورِ حیات کی حامل اور قوانین حیات کے مطابق چلتی ہیں، اور جس طرح موجودہ موسم بہار زندگی سے معمور ہے، یہی حال کائنات کے درخت کا اس کی ہر ٹہنی اور ہر شاخ اور برگ و بار کا ہے، اس کا ماضی بھی ہے اور مستقبل بھی، اس کے گزشتہ اور آئندہ اوضاع و اطوار اور ادوار کی باہم دیگر پیوستہ ایک زنجیر ہے، ان میں سے ہر نوع اور اس کا ہر جزء انفرادی طور پر مختلف مراحل کے لحاظ سے علمِ الٰہی میں متعدد وجود رکھتا ہے اور اس طرح سے وہ علمی وجود کا ایک سلسلہ تشکیل دیتا ہے، (یعنی اس کے وجود کے تمام مراحل کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے)، اور یہ علمی وجود جو کہ خارجی وجود کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، عمومی حیات کی معنوی تجلی کا مظہر ہے، اس حیثیت سے زندگی کے تمام منصوبہ جات تقدیر کی اُن زندہ اور پُر مغز الواح سے اخذ کیے جاتے ہیں۔

جی ہاں، عالم اَرواح _ جو کہ عالم غیب کی ایک قسم ہے _ کا روحوں سے پُر ہونا جو کہ حیات کا مادہ، اس کا سرچشمہ اور اُس کا اصل جوہر اور بنیاد ہے۔ اُس عالم کا بھی لازمی تقاضا یہ ہے کہ ماضی اور مستقبل _ جو کہ عالم الغیب کی دو قسمیں ہیں _ جلوہ ہائے حیات سے مزیّن ہوں۔ اور اسی طرح علمی وجود میں اس کے اَوضاع و اطوار میں مکمل نظم وضبط اور بھرپور ہم آہنگی، اس کے نتائج و ثمرات اور اس کے ترتیب وار مراحلِ حیات اِس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ یہ علمی وجود ایک قسم کی معنوی حیات کا مظہر ہے۔

Marfat.com

جی ہاں، حیات کی اس طرح کی جلوہ گریاں جو کہ حیاتِ ازلی کے سورج کی ضیاباریاں ہیں، صرف عالمِ شہادت، اس موجودہ زمانے اور اس خارجی وجود میں ہی منحصر نہیں ہوسکتی ہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ جتنے بھی جہان ہیں اُن میں سے ہر جہان اپنی قابلیت کے حساب سے اس روشنی کی جلوہ گریوں کے مظہر ہیں، اس بنا پر کون ومکاں کا ہر عالم اُن جلوہ گریوں کی بدولت زندہ روشن اور شعاعیں بکھیر رہا ہے، اگر ایسا نہ ہو_ جیسے کہ چشم ضلالت کو نظر آتا ہے_ تو ہر عالم اس وقتی، عارضی اور ظاہری دنیا کے نیچے دبے ہوئے ایک ہولناک اور پرخوف جنازے اور ظلمت بھرے کھنڈرات کی صورت اختیار کر جاتے!

اس طریقے سے زندگی کا راز سمجھ جانے سے یہ قضا وقدر پر ایمان کا ایک پہلو پوری وضاحت سے سمجھ میں آجاتا ہے اور ثابت ہوجاتا ہے یعنی جسطرح عالمِ شہادت اور نظر آنے والی اشیاء کی قوتِ حیات، ان میں پائے جانے والے نظم وضبط، ترتیب اور ان کے نتائج وثمرات سے نظر آتی ہے۔ یہی صورتِ حال گزشتہ اور آئندہ مخلوقات کی ہے، جو کہ عالم الغیب یعنی نظر نہ آنے والی دنیا کی مخلوقات شمار ہوتی ہیں، جو معنوی حیات کی حامل ہیں، لیکن ان کا بھی وجود علمی طور پر ثابت اور روح کا حامل ہے، اس معنوی حیات کے آثار کا ظہور ونمود لوحِ قضا وقدر کی وساطت سے ہوتا ہے، قضا وقدر کی اس لوح پر زندگی کے تمام مراحل سے متعلق لکھی ہوئی تحریروں کے مطابق جو کچھ ظہور میں آتا ہے اسے عالم ظہور یا عالم شہادت میں مقدّرات یعنی فیصلوں، اندازوں اور منصوبہ بندیوں کا نام دیا جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

## ضمیمے کا تیسرا حصہ

حشر کے بارے میں وارد ہونے والا ایک سوال:

قرآن پاک میں بار بار جو اس طرح کی آیات وارد ہوئی ہیں:

﴿إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً﴾

اور ﴿وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ﴾

ایسی آیات ظاہر کرتی ہیں کہ: حشرِ اعظم اچانک برپا ہوجائے گا اور بغیر کچھ وقت لیے آنِ واحد میں مکمل ہوجائے گا، لیکن کمزور عقلوں اور ناقص فہموں کا یہ تقاضا ہے کہ ایک ایسا غیر معمولی واقعہ جو پہلے کبھی پیش ہی نہ آیا ہو اسے سمجھانے کے لیے کچھ واقعاتی اور نظر آنے والی مثالیں ہونی چاہئیں تاکہ یہ چیز قابلِ قبول صورت میں ذہنوں میں اتر جائے۔

**الجواب:** حشر کا مسئلہ بنیادی طور پر تین مسائل پر مشتمل ہے:

1۔ روحوں کا اجسام میں لوٹنا

2۔ اجسام کا زندہ کرنا

Marfat.com

3۔اجسام کو نئے سرے سے بنانا

پہلا مسئلہ: روحوں کا اپنے جسموں میں لوٹ کر آنا۔

اسے مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں: تفریح کے پیریڈ میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے فوجی بِگل کی آواز پر پلک جھپکنے میں اکٹھے ہو جاتے ہیں، جی ہاں، اسرافیل کا صور اس فوجی بِگل سے کمتر یا گیا گزرا نہیں ہے۔ اسی طرح وہ روحیں جو اَبد کی جہت اور کائنات کے ذرات میں بکھری ہوئی ہیں، اور جنہوں نے ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ کی دلنشیں اور ازل کی گہرائیوں سے آنے والی آواز کا جواب ﴿قَالُوا بَلٰى﴾ سے دیا تھا، ان روحوں کی اطاعت و فرمانبرداری اور ان کا نظم وضبط ایک منظم فوج کی فرمانبرداری سے ہزاروں درجہ زیادہ ہے۔ ''تیسویں مقالے'' میں یہ چیز قوی ترین دلائل کے ساتھ ثابت کی گئی ہے کہ صرف روحیں ہی اللہ کی فرمانبردار فوج نہیں ہیں بلکہ ذرّہ ذرّہ اس کا فرمانبردار اور کمر باندھے ہوئے تیار سپاہی ہے۔

دوسرا مسئلہ: اجسام کو زندہ کرنا۔

اسے مثال سے یوں سمجھیں:

جیسے کسی بہت بڑے شہر میں جشن وغیرہ کے موقع پر رات کے وقت لاکھوں کی تعداد میں بجلی کے بلبوں کو پاور ہاؤس میں لگے ہوئے سوئچ کی مدد سے ایک ہی لمحے میں روشن کرنا ممکن ہے، ایسے ہی کروڑوں چراغوں کو زندہ یعنی روشن کرنا اور سطح زمین پر لا کھڑا کرنا ممکن ہے۔ تو جب بجلی جو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اور اس کے اس مہمان خانے میں روشنی کا انتظام کرنے کی خدمت پر مامور ہے، جب اس میں یہ خصوصیت اور یہ قدرت پائی جاتی ہے کہ وہ انہی تعلیمات، نظام کار اور ہدایات کی روشنی میں اپنی ڈیوٹی ادا کرتی ہے جو اسے اس کے خالق و مالک کی طرف سے موصول ہوتی ہیں، تو پھر یہ ضروری ٹھہرا کہ حشرِ اعظم بھی اُن منظم الٰہی قوانین کے تحت پلک جھپکنے کی مدت میں برپا ہو جائے گا، جن قوانین پر عملدر آمد کے نمونے بجلی جیسے لاکھوں خادم پیش کر رہے ہیں۔

تیسرا مسئلہ: اجسام کو فوراً نئے سرے سے بنانا۔

اسے مثال سے یوں سمجھتے ہیں:

کائنات میں درختوں اور پودوں کی تعداد انسانی آبادی سے ہزاروں گنا زیادہ ہے، یہ تمام درخت اور ان کے برگ و بار موسم بہار میں صرف چند دنوں میں ایک ہی دفعہ اپنی اس مکمل شکل وصورت اور وضع قطع میں واپس آ جاتے ہیں جس شکل و صورت اور وضع قطع میں وہ سابقہ بہار میں تھے۔ اسی طرح ان درختوں اور پودوں کے پھل، پھول اور پتے پلک جھپکنے میں آموجود ہوتے ہیں بالکل اسی ساخت و ہیئت میں جس پر سابقہ بہار میں تھے۔ یہی حال بیجوں اور گٹھلیوں کا ہے جن کی تعداد اعداد وشمار سے باہر ہے یہ سب کے سب موسم بہار کے آتے ہی گہری نیند سے بیدار ہو کر آنِ واحد میں جلوہ نما ہو کر اپنی

Marfat.com

زندگی کا ثبوت فراہم کر دیتے ہیں۔ یہی حال درختوں کے اُن تنوں کا ہے جو خزاں کی دستبرد سے بے برگ و بار ہو جاتے ہیں، ''قُم باذنِ الله'' کا حکم پاتے ہی' پھلوں پھولوں اور پتوں سے مُزیّن ہو جاتے ہیں۔ یہی حال ان جاندار چوپاؤں وغیرہ کا ہے جن کی ان گنت انواع واقسام ہیں، یہ سب کے سب اپنی لطیف، دقیق اور مضبوط بناوٹ سمیت سطح زمین پر کلبلیں بھرنے لگتے ہیں۔ یہی حال کیڑوں مکوڑوں اور دوسرے حشرات الارض کا ہے (اور خاص کر مکھیوں کا زندہ ہونا قابل توجہ ہے، یہ ہمہ وقت ہماری آنکھوں کے سامنے رہتی ہیں، اور اپنے ہاتھوں، آنکھوں اور پروں کو مسلسل صاف کرتی ہوئی ہمارے چہروں پر بیٹھ کر اٹھکیلیاں کرتی رہتی ہیں اور اپنی اس صفائی ستھرائی کی روش سے ہمیں وضو اور نظافت کی یاد دلاتی رہتی ہیں)، مکھیوں کی صرف ایک سال کی پیدائش اتنی تعداد میں ہوتی ہے جو آدم سے لے کر تا ایں دم تمام نوعِ انسانی کی تعداد سے بڑھ سکتی ہے۔ اب اس ایک مکھی کو موسم بہار میں دیگر حشرات الارض کے ساتھ ازسرِ نو چند دنوں میں زندہ کرنا اور اٹھانا انسانی جسموں کو قیامت کے دن زندہ کرنے اور اٹھانے پر ایک نہیں ہزاروں مثالیں فراہم کرتا ہے۔

جی ہاں، یہ دنیا چونکہ ''دارِ حکمت'' ہے اور دارِ آخرت ''دارُ القدرت''، اِس لیے دنیا میں اشیاء کی ایجاد کے باب میں کچھ تدریج اور وقت درکار ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکیم، مرتب، مدبر اور مربّی جیسے اکثر اسمائے گرامی میں پائی جانے والی حکمتوں کا یہی تقاضا ہے۔ لیکن جہاں تک دارُ الآخرت کا تعلق ہے، تو وہاں ''حکمت'' کی بہ نسبت ''قدرت'' اور ''رحمت'' کا زیادہ اور بھرپور مظاہرہ ہوگا، اس لیے اُس جہاں میں اشیاء کی تخلیق وایجاد کے لیے زمان ومکان، مدت اور مواد اور انتظام کی حاجت نہیں ہوگی، وہاں ہر چیز بغیر کسی مادے کے اور وقت لیے بغیر ایک آن میں تیار ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک کی آیت ﴿ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ﴾ میں اسی چیز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، یعنی جو چیز یہاں دنیا میں ایک دن یا ایک سال میں بنتی ہے وہ آخرت میں لحہ بھر میں صرف پلک جھپکنے کی مدت میں بن جاتی ہے۔

اگر تم حشر کے بارے میں یہ سمجھنا چاہتے ہو کہ حشر کی آمد ایسے ہی قطعی اور حتمی ہے جیسے کہ آنے والا موسم بہار، تو پھر اس ضمن میں ہماری وہ تفصیلات گہری نظر سے پڑھ لیں جو ہماری کتاب ''مقالات'' میں ''دسویں مقالے'' اور ''انتیسویں مقالے'' میں بیان ہوئی ہیں۔ ان تفصیلات کو پڑھنے کے بعد اگر تم اس نتیجے پر نہ پہنچو کہ حشر کا برپا ہونا اُسی طرح قطعی، حتمی اور یقینی ہے جیسے آنے والے موسم بہار کا آنا قطعی، حتمی اور یقینی ہے، تو پھر بے شک میری آنکھیں پھوڑ دینا۔

چوتھا مسئلہ: دنیا کی موت اور قیامت کا برپا ہونا۔ (حاشیہ:)

جہاں تک دنیا کی موت اور قیامت کے برپا ہونے کا مسئلہ ہے:

تو اگر کوئی سیارہ یا دُمدار ستارہ اللہ کے حکم سے ہماری اس زمین کے ساتھ ٹکرا جائے جو ہمارا مہمان خانہ، ہماری رہائش گاہ اور پناہ گاہ ہے، تو یہ اسی طرح آناً فاناً تباہ ہو جائے گی جس طرح دس سال میں بنا ہوا محل ایک منٹ میں تباہ ہو جاتا ہے۔

---

(حاشیہ:) یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جو کہ بیان کیے گئے تین مسائل سے علیحدہ حیثیت رکھتا ہے۔ مترجم۔

Marfat.com

## ضمیمے کا چوتھا حصہ

﴿قَالَ مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ. قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ (حاشیہ:۱)

''کہتا ہے یعنی انسان کہ ان ہڈیوں کو گل سڑ جانے کے بعد کون زندہ کرے گا، آپ کہہ دیجیے کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ اپنی تمام مخلوقات کے بارے میں علم رکھتا ہے''

''دسویں مقالے'' کی ''نویں حقیقت'' کی تیسری مثال میں بیان ہوا ہے کہ اگر تمہیں یہ کہا جائے کہ ایک بہت بڑا آدمی جس نے ہماری آنکھوں کے سامنے ایک بہت بڑا لشکر ایک ہی دن میں نئے سرے سے تشکیل دیا ہو، اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ فوج کے ایک ادھر ادھر بکھرے ہوئے ایک مکمل ڈویژن کو بگل کی ایک ہی آواز سے اکٹھا اور ڈویژن کے نظم و ضبط کے تحت یکجا کر سکتا ہے، اور تم آگے سے کہو کہ: نہیں، میں یہ بات نہیں مان سکتا، تو کیا تمہارا یہ جواب جنون، بے عقلی اور دیوانے کی بڑ شمار نہیں ہوگا؟ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ وہ ذات جو تمام حیوانات اور ذی حیات کے اجسام کو عدم سے وجود میں لائی ہے، وہ اجسام جو کائنات کے فوجی دستے ہیں جیسے ایک بہت بڑے لشکر کے کئی دستے ہوتے ہیں۔ اور پھر اس نے ان اجسام کے ذرّات اور دیگر لطیف اجزاء و عناصر کو مکمل نظم و نسق اور پُر حکمت توازن کے ساتھ ''كُنْ فَيَكُونُ'' کہہ کر ان کے مناسبِ حال مقامات پر فٹ کیا ہے۔ اور وہ وہی ذات ہے جو ہر صدی میں بلکہ ہر فصلِ بہار میں لاکھوں قسم کے جاندار اور ان کے مختلف گروہ پیدا کر دیتی ہے جو کہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں جس کے تحت اَن گنت دستے ہوں۔ تو کیا ایسی قدیر اور علیم ذات سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ وہ اسرافیل کے صور کی ایک ہی آواز کے ساتھ کیونکر تمام اساسی ذرّات اور بنیادی اجزاء کو جسم کے دستے اور اس کے ڈسپلن کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرلے گی؟ اور کیا یہ کام اس کی قدرت سے باہر ہے؟ اور کیا اس کام کا اس کی قدرت سے باہر سمجھنا پاگل پن اور حماقت نہیں ہے؟

اور پھر یوں بھی ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے اس دنیا کے ساتھ تعلق رکھنے والے عجیب و غریب افعال کا ذکر کرتا ہے، اس سے اُس کا مقصد آخرت میں پیش آنے والے اُس کے اُن معجزانہ افعال کی تصدیق کے لیے ذہنوں کو تیار اور دلوں کو آمادہ کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے مستقبل اور آخرت میں وقوع پذیر ہونے والے عجیب و غریب افعال کی تصویر کشی اس طرح سے کرتا ہے کہ جسے دیکھ کر ہم مطمئن ہو جائیں اور سمجھ جائیں کہ کل کو وہاں وقوع پذیر ہونے والے واقعات انہیں واقعات کی طرح ہیں جن کا مشاہدہ ہم آج یہاں کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر فرمانِ گرامی:

---

(حاشیہ:۱) یٰس:78,79

Marfat.com

﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ کے ذریعے قرآن حکیم مختلف قسم کی سات آٹھ صورتوں اور دلائل و براہین کے ساتھ حشر کے قضیے کا اثبات کرتا ہے:

**اولاً:** وہ ہمارے سامنے نشأۃِ اُولیٰ یعنی پہلی پیدائش کا منظر رکھتا ہے اور کہتا ہے، تم دیکھ رہے ہو کس طرح کہ تمہاری پہلی پیدائش نطفے سے ہوئی، پھر یہ جمے ہوئے خون میں تبدیل ہوا، پھر یہ جما ہوا خون گوشت کا ٹکڑا ابن گیا، اور پھر یہ پارۂ گوشت بڑھتا ہوا مکمل انسان کی شکل اختیار کر گیا، تو اس نشأۃِ اُخریٰ یعنی دوسری پیدائش کا انکار تم کس طرح کر رہے ہو؟ حالانکہ یہ دوسری پیدایش پہلی پیدائش ہی کی طرح ہے بلکہ اس سے زیادہ آسان ہے؟

**ثانیاً:** پھر وہ کہتا ہے کہ تمہارا خالق وہ ہے ﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا﴾ اور یہ کہہ کر وہ ان انعامات اور احسانات کی طرف توجہ دلاتا ہے جو اس نے انسان پر کیے ہیں، وہ کہتا ہے کہ جس نے تم پر اس طرح کے انعامات کی برکھا کی ہے وہ تمہیں کبھی بھی عبث اور بے کار نہیں چھوڑے گا، کہ تم قبروں میں جاؤ وہاں لمبی تان کر سوئے رہو اور کوئی تمہیں اٹھانے والا نہ ہو۔ پھر وہ رمزی انداز سے کہتا ہے: یہ منظر تمہارے سامنے کتنی بار آتا ہے تم دیکھتے ہو کہ ٹنڈ منڈ درختوں پر برگ و بار نکل آتے ہیں، جب ایسا ہو جاتا ہے تو پھر تمہیں یہ بات بعید از قیاس کیوں لگی ہے کہ درخت کی سوکھی ہوئی ٹہنیوں جیسی ہڈیاں نئی زندگی سے ہمکنار ہو جائیں گی؟۔ پھر خود ہی سوچو کہ وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ انسان کو مارنے اور زندہ کرنے سے کیونکر عاجز آ جائے گا جو کہ زمین و آسمان کا ثمرہ ہے؟۔ اور کیا یہ ممکن ہے کہ اس درخت کی نگہداشت و نگہبانی کرنے والا خالق اس کے تنے کی نگرانی تو کرے لیکن اس کے پھل اور اُس کے حاصل کو ضائع ہونے کے لیے دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دے؟۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تخلیق کے اس درخت کو جس کا تانا بانا حکمت سے بنایا گیا ہے بے کار اور اس کے پھل پھول کو فضول چھوڑ دیا جائے گا؟۔ وہ جو حشر کے دن تمہیں زندہ کرے گا وہ وہی ہے جس کے ہاتھ میں زمین و آسمان کی کنجیاں ہیں، کائنات اس کے حضور ایسے ہی سر جھکائے ہوئے ہے جیسے فرمانبردار سپاہی سر جھکائے اطاعت کا مجسمہ بنے ہوتے ہیں، چنانچہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے امر ''كُنْ فَيَكُونُ'' کے آگے سراپا اطاعت و انقیاد ہے۔ اور وہ وہی ہے جس کے لیے مکمل موسم بہار کو وجود میں لانا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ ایک عدد پھول بنانا، اور جس کے لیے کائنات کے تمام جانداروں کو پیدا کرنا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ ایک مکھی کو پیدا کرنا۔ ایسی لامحدود اور مطلق قدرت کے مالک کو عاجز اور لاچار باور کرانے کی غرض سے یہ کبھی بھی نہیں پوچھا جا سکتا ہے کہ: ﴿مَن يُحْيِ الْعِظَامَ﴾؟

**ثالثاً:** پھر یہ عبارت: ﴿فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾

وضاحت کرتی ہے کہ ہر شے کی فرمانروائی اس کے ہاتھ میں اور ہر شے کی چابی اس کے پاس ہے۔ وہ رات اور دن، اور گرمی سردی کو انتہائی آسانی کے ساتھ ایسے اَدل بدل کرتا رہتا ہے جیسے وہ کتاب کے صفحات ہوں، اور دنیا اور آخرت اس

Marfat.com

کے ہاں ایسے ہیں جیسے دو کمرے ہوں، اور وہ اِس کو بند کرتا اور اُس کو کھول دیتا ہو۔ تو معاملہ جب ایسے ہے، تو نتیجہ پھر تمام دلائل کا یہ نکلتا ہے کہ: ﴿وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ﴾ ۔یعنی وہ تمہیں قبر سے زندہ کر کے نکالے گا اور میدان حشر میں لے جائے گا، اور اپنے مقدس دربار میں تمہارے اعمال کا پورا پورا حساب کرے گا۔ اور یوں ہم دیکھتے ہیں کہ ایسی آیات جب حشر کے دن وقوع پذیر ہونے والے اعمال و افعال کے نظائر اس دنیا سے پیش کرتی ہیں، تو اس سے ہمارے ذہنوں کو اور دلوں کو حشر کا قضیہ قبول کر لینے کے لیے آمادہ و تیار کرتی ہیں۔

قرآن پاک یوں کرتا ہے کہ آخرت میں پیش آنے والے افعال کا ذکر محسوس شکل میں کرتا ہے اور دنیا میں پیش آنے والے ان جیسے افعال کی طرف اشارہ کرتا جاتا ہے تاکہ انکار اور شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہ رہے، مثال کے طور پر:

﴿ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ .الخ﴾

﴿ إِذَا السَّمَاء انفَطَرَتْ .الخ﴾

﴿ إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ .الخ﴾

یہ سورتیں جیسے کہ آپ دیکھ رہے ہیں۔ بڑے بڑے انقلابات اور خالقِ کائنات کے ہاتھوں رونما ہونے پر عظیم الشان تصرّفات کو بیان کرتی ہیں، ایسے اسلوب کے ساتھ کہ جس سے دل ہولناک دہشت کا اسیر اور عقل حیران و سرگرداں رہ جاتی ہے۔ لیکن انسان ان واقعات کو بہر کیف آسانی سے قبول کر لیتا ہے، کیونکہ ان آیات میں جن الٰہی افعال اور ربانی تصرّفات کا ذکر ہے ان کا نظارہ وہ اس دنیا میں موسم بہار اور موسم خزاں کی آمد و رفت میں کرتا رہتا ہے۔ ان تینوں سورتوں کی تفسیر چونکہ تفصیل طلب ہے اس لیے ہم بطور نمونہ صرف ایک کلمے پر گفتگو کریں گے۔ مثال کے طور پر آیت

﴿وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾، یہ آیت ہمیں بتا رہی ہے کہ حشر کے دن انسان کے تمام اعمال تحریری حالت میں کھول دیے جائیں گے۔ اس دنیا میں کیے گئے تمام اعمال کا ایک رجسٹر کے صفحات پر لکھا ہوا موجود ہونا بادی النظر میں اتنا عجیب سا ہے کہ عقل اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی ہے لیکن جس طرح یہ سورت حشرِ ربیعی یعنی موسمِ بہار کی آمد و رفت کی طرف اشارہ کرتی ہے، اور جس طرح دیگر نقاط کے نظائر و امثال موجود ہیں، اسی طرح اعمالناموں کے کھولے جانے کی نظیر و مثیل بھی بالکل واضح و آشکار ہے۔ کیونکہ ہر پھل دار درخت، ہر پھول دار جڑی بوٹی اور ہر درخت کے ذمے کچھ اعمال، افعال اور وظائف ہیں، اور یہ سب اپنی بندگی اور تسبیحات اس شکل میں ادا کرتے ہیں جس شکل سے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ تمام اعمال اُن کی تاریخِ حیات سمیت اُن کے بیجوں اور گٹھلیوں میں محفوظ ہیں اور تمام کے تمام آنے والے موسمِ بہار میں کسی اور جگہ پر کھل کر سامنے آجائیں گے جہاں یہ بیج نشوونما پائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ اِس ظاہری شکل و صورت کے ساتھ کمال فصاحت سے اپنی ماؤں اور سرچشموں کے اعمال ناموں کا ذکر کرتا

Marfat.com

رہا ہے، اسی طرح یہ اپنی شاخوں پتوں اور پھلوں پھولوں کو پھیلا کر اپنے اعمال کے صحیفوں کو پھیلا دیتا ہے۔

جی ہاں، وہ جو اس تمام معاملے کو انتہائی حکمت، حفاظت، تدبیر اور تربیت اور لطف و کرم کے ساتھ چلاتا ہے، وہ وہی ہے جو کہتا ہے: ﴿وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾

اس میں پائے جانے والے دیگر نقاط کو تم اسی اسلوب پر قیاس کر سکتے ہو اور اگر تم میں استنباط کی قوت ہے تو استنباط بھی کر سکتے ہو۔

تمہاری مساعدت اور معاونت کے لیے ہم ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ کی بھی وضاحت بھی کیے دیتے ہیں۔ دیکھیں، لفظ ''کُوِّرَتْ'' جو کہ یہاں ''لپیٹ دینے اور ''تہہ کر دینے'' کے معنی میں آیا ہے۔ یہ لفظ اس حقیقت کی ایک خوبصورت اور تابندہ مثال ہے۔ اور اِس پر مزید یہ کہ یہ لفظ دنیا میں اپنی نظیر اور مثیل کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ اِس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ:

اولاً: سورج ایک چمکدار موتی ہے جو کہ دنیا میں چراغ کی طرح اپنی روشنی پھیلا رہا ہے۔ اور یہ موتی عدم، ایتھر اور آسمانوں کے دبیز پردوں میں چھپا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اِن پردوں کو دور کر کے اُسے اپنی رحمت کے خزانوں سے برآمد کر کے دنیا پر جلوہ ریز کر دیا۔ اور جب یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور اس کے دروازے بند ہو جائیں گے تو اس گوہر آبدار کو دوبارہ انہی پردوں میں لپیٹ دیا جائے گا۔

ثانیاً: سورج کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ صبح کے وقت اپنی کرنیں اطرافِ عالم میں بکھیرے اور شام ہوتے ہی انہیں سمیٹ لے تا کہ اس طرح سطحِ زمین پر شام و سحر یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہیں، اور زمین سورج کی طرف سے آنے والی اس سوغات سے مستفید ہوتی رہے۔ اور چاند بھی ـــ کسی حد ـــ تک سورج کی اس سوغات یعنی روشنی کو زمین میں تقسیم کرتا رہتا ہے، لیکن سورج زمین کے ساتھ اپنے اخذ و عطا کے اس معاملے کو محدود پیمانے پر رکھنے کے لیے شام ہوتے ہی ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور اپنی فائلیں سمیٹ لیتا ہے۔ تو جس طرح یہ کام وہ روزانہ کرتا ہے اسی طرح ایک دن ایسا بھی ضرور آئے گا جب اسے اس کی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش اور ڈیوٹی سے ریٹائر کر دیا جائے گا۔

اگرچہ اس سبکدوشی اور ریٹائرمنٹ کی کوئی ظاہری وجہ نظر نہ بھی آ رہی ہو گی، سطحِ خورشید پر نظر آنے والے دو چھوٹے چھوٹے داغ جو آہستہ آہستہ پھیلتے چلے جا رہے ہیں، ممکن ہے یہ پھیلاؤ بڑھتا چلا جائے اور ایک دن سورج اللہ کا حکم پا کر اپنی اس تمام روشنی کو گھیر گھار کر اکٹھا کر لے جو وہ زمین پر بکھیر چکا ہو گا اور ان دونوں گڑھوں کو دو بازوؤں کی طرح اپنے گرد لپیٹ لے! تب اللہ رب العزت کہے گا: تمہاری ڈیوٹی زمین سے ختم کر کے جہنم میں لگا دی جاتی ہے، وہاں جا کر اپنی ذمہ داری سنبھالو اور اُن لوگوں کو جلاؤ جنہوں نے تجھے معبود بنا کر پوجا تھا اور تم جیسے تابع فرمان، امانتدار اور پابندِ وقت ملازم پر

Marfat.com

خیانت اور بے وفائی کا الزام لگا کر اس کی توہین کی تھی۔

﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ کے فرمان کو اپنے داغدار اور سیاہ چہرے کے ذریعے ان لوگوں کے چہرے پر پڑھتا ہے۔

☆ ☆ ☆

## ضمیمے کا پانچواں حصہ

ایک لاکھ چوبیس ہزار برگزیدہ انبیاء نے بالا جماع تواتر کے ساتھ خبر دی ہے، ان میں سے بعض کا اعتماد کشف وشہود پر ہے اور بعض کا حق الیقین پر، ان سب نے یہ خبر دی ہے کہ دارِ آخرت کا وجود حتمی اور یقینی ہے۔ لوگوں کو وہاں کشاں کشاں لے جایا جائے گا، اور یہ کہ خالق کائنات اسے بہر صورت برپا کرے گا، یہ اس کا قطعی وعدہ ہے۔

ایک سو چوبیس ملین اُولیاء کرام نے کشف وشہود کے ذریعے اُس چیز پر مہرِ تصدیق ثبت کی ہے جس کے بارے میں انبیاء کرام نے خبر دی ہے، اور ان لوگوں کی یوم آخرت کے بارے میں علم الیقین پر بنیاد رکھنے والی گواہی آخرت کے وجود پر انتہائی معقول اور قطعی دلیل ہے۔

اُس صانع الحکیم کے اسمائے حسنیٰ کی تمام تجلّیات جو کہ اطراف عالم میں جلوہ ریز ہیں، بدیہی طور پر اس چیز کی مقتضی ہیں کہ ایک دوسرا جہاں موجود ہے جو ہمیشہ رہے گا۔ یہ بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آخرت کا وجود ہے۔

یہی حال اللہ تعالیٰ کی لامحدود قدرت اور حکمت کا ہے جس میں کمی زیادتی اور بے کاری کا شائبہ تک نہیں، اور جو کہ ہر سال موسم بہار میں ''کُنْ فَیَکُوْنُ'' کے امر سے بے حد وحساب درختوں کے مردہ تنوں اور سوکھی لکڑیوں کو زندہ کر کے حشر اور حیات بعد الموت کی زندہ نشانی پیش کر دیتی ہے اور اس طرح حیوانات ونباتات کی تین لاکھ سے زائد اقسام روئے زمین پر بکھیر کر حشر نشر اور آخرت کے وجود کے لاکھوں نمونے مہیا کر دیتی ہے۔

یہی حال اس کی اُس بے کراں رحمت کا ہے جو کہ رزق کے محتاج تمام جانداروں کی زندگی کو دوام بخشتی ہے اور اپنی کمال شفقت کے ساتھ انہیں گزر بسر کا انتہائی معجزانہ سامان فراہم کرتی ہے، اور اس کی دائمی مہر وعنایت جو کہ ہر موسم بہار کی قلیل مدت میں آرائش ومحاسن کی بے حد وحساب انواع واقسام کو سطحِ زمین پر نمایاں کر دیتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس رحمت اور عنایت کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ آخرت کا وجود ضرور ہونا چاہیے۔

یہی حال بقا کے اس عشق، ابدیت کے اُس شوق، اور سرمدیت کی ان آرزوؤں کا ہے جو انسان کی فطرت میں اس طرح سے پیوست ہیں کہ اس سے علیحدہ ہو ہی نہیں سکتیں۔ اس انسان کی فطرت میں جو کون ومکان کا کامل ترین ثمر اور خالقِ کون ومکان کی محبوب ترین مخلوق ہے اور جو کون ومکاں کی تمام موجودات کے ساتھ سب سے زیادہ پختہ تعلق رکھتا ہے۔ بقاد

Marfat.com

دوام کا یہ عشق بلاشک اس بات کا بدیہی اشارہ ہے کہ اس فانی دنیا کے بعد ایک ایسی دنیا ضرور موجود ہے جو لافانی ہے، جہانِ امروز کے بعد ایک ایسا جہانِ فردا ہے جو ابدی سعادتوں سے معمور ہے۔

پس یہ تمام دلائل آخرت کے وجود کو اِس دنیا کے بدیہی وجود کی طرح ایسے قطعی طریقے سے ثابت کرتے ہیں کہ مان لینا لازم ہو جاتا ہے۔ (حاشیہ:۱)

تو جب قرآن کریم کا سب سے اہم درس جسے وہ ہمارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہے ''ایمان بالآخرت'' ہے، اور یہ درس اس حد تک پختہ اور محکم ہے، اور اس ایمان میں وہ نورِ تاباں، وہ جاں فزا اُمید اور وہ عظیم الشان تسلی اور حوصلہ ہے کہ اگر ایک شخص میں ایک لاکھ بڑھاپا بھی جمع ہو جائے تو اس ایمان سے پھوٹنے والا یہ نور، یہ امید اور یہ تسلی اس کے لیے کافی ہو جائے گی۔؛ تو پھر ہم بوڑھوں کو چاہیے کہ اپنے بڑھاپے پر خوشی کا اظہار کریں اور شادمانی سے جھومتے ہوئے کہیں:

''الحمد لله علی کمال الایمان''

---

(حاشیہ:۱) ''امرِ ثبوتی'' یعنی کسی چیز کے ہونے کی خبر دینے میں کتنی آسانی ہے، اور ''امرِ انکاری'' یعنی کسی چیز کے نہ ہونے کی خبر دینے میں کتنی دشواری ہے، اسے مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے:

اگر کوئی آدمی یہ خبر دے کہ فلاں جگہ پر ایک عجیب وغریب باغیچہ پایا جاتا ہے، وہاں درختوں پر جو پھل لگتے ہیں ان کی شکل دودھ کے ڈبوں جیسی ہوتی ہے، لیکن دوسرا آدمی انکار کرے اور کہے کہ: نہیں، ایسا باغیچہ سطحِ زمین پر کہیں نہیں ہو سکتا۔ اب پہلا آدمی اپنا دعویٰ آسانی کے ساتھ ثابت کر سکتا ہے، اور وہ اس طرح کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس جگہ پر لے جائے اور اسے وہ باغیچہ یا اُس کا کوئی پھل دکھا دے۔ لیکن دوسرے یعنی انکار کرنے والے کے لیے اپنا دعویٰ ثابت کرنا نسبتاً بہت مشکل ہوگا؛ کیونکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ساری زمین کا چکر لگائے اور ہر جگہ کی اچھی طرح چھان بین کرے تاکہ یہ ثابت کر سکے کہ ایسا باغیچہ زمین کے کسی بھی کونے میں نہیں پایا جاتا ہے۔ یہی معاملہ ان لوگوں کا ہے جو جنت کے بارے میں خبر دیتے ہیں، یہ لوگ جنت کی سینکڑوں نشانیاں بتاتے ہیں اور اُس کے پھلوں پھولوں کی وضاحت کرتے ہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ان سب کا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے صرف دو سچے گواہ ہی کافی ہیں۔ جبکہ اس کے وجود کا انکار کرنے والوں کی حالت یہ نہیں ہے؛ کیونکہ وہ اپنا دعویٰ صرف اسی صورت میں ثابت کر سکتے ہیں جب وہ یہ کہیں کہ ہم نے اس غیر محدود زمان ومکان کا ہر کونہ کھدرا دیکھ لیا ہے اور ہر گوشے کا بغور جائزہ لے لیا ہے، ہمیں ایسا باغیچہ کہیں نظر نہیں آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ چیز ناممکن ہے۔

میرے عام بھائیوں کو عمومی طور پر اور ازراہِ کبر وعناد انکار کرنے والوں کو خصوصی طور پر جان لینا چاہیے کہ ایمان بالآخرت میں ایک عظیم قسم کی قوت اور پختگی پائی جاتی ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

# گیارہواں مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ☆ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ☆ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ☆ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ☆ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ☆ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ☆ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا...﴾

میرے بھائی! اگر آپ اس جہان کی حکمت، کون و مکاں کے راز، تخلیق انسان کی پہیلی اور نماز کے اسرار و رموز سے کچھ آگاہی چاہتے ہو تو میرے ساتھ اس چھوٹی سی تمثیلی کہانی میں غور کریں۔

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا اس کے پاس بے پناہ دولت، الماس، زمرد اور دیگر زرّ و جواہر کے بھرے بھرے خزانے تھے، اور اُن خزانوں کے علاوہ عجیب و غریب قسم کے خفیہ خزانے اور بھی تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑا عالم فاضل اور ہر قسم کے عجیب و غریب علوم میں دستگاہ کامل رکھتا تھا۔ مزید یہ کہ وہ ہر قسم کی صنعت و حرفت میں بہترین تجربات اور مہارتوں کا مالک تھا۔

ہر صاحبِ جمال و کمال ہستی اپنے جمال و کمال کا خود مشاہدہ کرنا اور دوسروں کو اس کا مشاہدہ کروانا چاہتی ہے، اس بنا پر یہ خواہش اُس بادشاہ کے دل میں بھی پیدا ہوئی، چنانچہ اس نے اپنی رعایا کو اپنی سلطنت کے جاہ و جلال، اپنی دولت و ثروت کی شان و شوکت اور اپنی حیران کن مصنوعات کے کچھ عجیب و غریب اور تحیّر خیز پہلوؤں کا نظارہ کرانے کے لیے ایک بہت بڑی نمائش کا اہتمام کیا، اس سے غرض یہ تھی کہ وہ اپنے معنوی جمال و کمال کا دو پہلوؤں سے مشاہدہ کرے۔

**پہلا پہلو:** یہ کہ وہ اپنی اُن مصنوعات کا خود اپنی تیز اور گہری نظر سے مشاہدہ کرے۔

**دوسرا پہلو:** یہ کہ وہ اپنی اُن مصنوعات کو دوسروں کی نظر سے دیکھے، پھر اس حکمت کی بنا پر اس نے ایک بہت بڑے وسیع و عریض محل کی تعمیر شروع کر دی اور اسے انتہائی مہارت سے بہت سے کمروں اور منزلوں میں تقسیم کیا، اور ہر کمرے اور منزل کو اپنے گوناگوں خزانوں سے مزین کیا، اپنی بہترین مصنوعات سے سجایا اور اپنے علم، فن، حکمت اور ہنر کے بہترین شاہکار اور معجزہ نگارشہ پاروں سے محل کے کونے کونے کو جگمگا دیا۔

اس تمام آرائش و زیبائش کی تکمیل کے بعد اس نے محل میں دسترخواں بچھا دیے اور اُن پر مختلف قسم کے لذیذ او پُر تکلف کھانے لگا دیے اور انہیں گوناگوں نعمتوں سے آراستہ کر دیا۔ اور اس میں یہ خیال رکھا کہ آنے والا مہمان جس گروہ طبقے کے ساتھ تعلق رکھتا ہوگا اسے اس کی حیثیت اور مزاج کے مطابق ہر نعمت ملے گی۔ اور یوں اس نے اپنے جود و سخا

Marfat.com

مظاہرہ کرتے ہوئے ایک پُر فخر اور بے نظیر ضیافت تیار کی اور ہر دستر خوان کو سینکڑوں قسم کی پُر لطف، روح پرور اور بیش قیمت نعمتوں سے سجادیا۔

پھر اس نے اپنی رعایا کے ہر چھوٹے بڑے کو دعوتِ عام دے دی کہ آؤ دیکھو، کھاؤ پیو اور لطف اٹھاؤ۔ اور محل کے تمام معزز سفیروں میں سے سب سے بڑے سفیر کو اس عالی شان محل کے تمام قوانین وضوابط سمجھا دیے اور اسے اس کے ہر گوشے میں پائی جانے والی ہر چیز کے اسرار ورموز سے آگاہ کر کے اس کی یہ ذمہ داری لگا دی کہ وہ ایک معلم اور قائد بن کر تمام رعایا کی رہنمائی کرے، اور محل میں آنے والے ہر مہمان کو بتائے کہ اس محل کو بنانے والا اور اسے اس نقش ونگار سے سجانے والا کتنی عظمت کا مالک ہے، ہر آنے والے کو محل کے اسرار ورموز سے آگاہ کرے اور انہیں بتائے کہ یہ نقوش وآثار کتنے منظم ہیں اور یہ کس چیز کا اشارہ دیتے ہیں، اور کس طرح ان پر غور کرنے سے ہمیں محل کے مالک کی عظمت، اس کے کمال اور اس کی گہری مہارتوں کا پتہ چلتا ہے! نیز انہیں یہ بھی بتائے کہ اس محل میں داخل ہونے اور اس سے باہر جانے کے کیا آداب ہیں اور اس میں گھومنے پھرنے کے وہ کون کون سے اصول ہیں جنہیں اس کا مالک پسند کرتا ہے، وہ مالک جو پس پردہ بیٹھا ہر آنے جانے والے پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ یہ معلم اس پُر ہیبت اور تحیُّر خیز محل کے سب سے زیادہ وسیع حلقے میں اپنے شاگردوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اور اس کے معاونین محل کے دوسرے گوشوں میں جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ اُس نے کہا:

''اے لوگو! ہمارا آقا جو کہ اس وسیع وعریض اور عجیب وغریب محل کا مالک ہے، اس نے یہ جو محل بنایا ہے اور اس میں جو نعمتیں سجائی ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو، اس سب سے اس کی غرض یہ ہے کہ وہ تمہیں اپنی ذات کی پہچان کرائے، سو اُسے پہچانو اور اچھی طرح سے پہچاننے کی کوشش کرو اور یہ جو اس نے محل میں خوبصورت تزیین وآرائش کی ہے، یہ اس لیے ہے کہ وہ تمہارے دلوں میں اپنی محبت جاگزیں کرے، اس لیے تم بھی اس کے کاموں کی تحسین وآفرین کر کے اور اس کی کاریگری کی داد دے کر اپنے آپ کو اس کا محبوب بنا لو۔ اور وہ جو تم پر نعمتوں اور احسانوں کی بارش کرتا ہے، اس سے وہ تمہیں اپنی اس محبت کا جلوہ دکھاتا ہے جو اُسے تمہارے ساتھ ہے۔ اور وہ تم پر اپنی نعمتوں کی بارش کر کے تمہیں جو عزت دے رہا ہے، اس سے وہ تمہارے لیے اپنی شفقت ورحمت کا اظہار کر رہا ہے۔ اور وہ اُن خوبصورت اور تکمیل بردوش مصنوعات کے ذریعے اپنے کمال کا اظہار کر کے اپنے معنوی حسن وجمال کا اظہار کرنا چاہتا ہے، اس لیے تمہاری طرف سے بھی اس سے ملنے، اُسے دیکھنے اور اس کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے بھرپور ذوق وشوق کا اظہار ہونا چاہیے۔ اور وہ تمہارے لیے یہ بات واضح کرنا چاہتا ہے کہ صرف وہی اکیلا بلا شرکت غیرے مستقل حاکمیت کا مالک حکمران ہے؛ کیونکہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ تمام مصنوعات پر اس کا خاص نشان، اس کی خصوصی مہر اور اس کا امتیازی ٹھپا لگا ہوا ہے۔ چنانچہ ہر شے اُسی کی ہے، اُسی کے لیے خاص ہے اور اُسی کے دست قدرت سے صادر ہوئی ہے، اس لیے تمہیں اس بات کا اچھی طرح سے

Marfat.com

ادراک ہونا چاہیے کہ: سروری فقط اس ذات بے ہمتا کو زیبا ہے۔ پس وہی یگانہ و یکتا بادشاہ ہے جس کا کوئی مثیل و نظیر نہیں۔ یہ رہنما معلم محل میں داخل ہونے اور اس میں چہل قدمی کرنے والوں کے ساتھ ایسی ہی گفتگو کر رہا تھا جو اس بے مثل حکمران کے مقام و مرتبے کے شایان شان تھی۔ پھر محل میں داخل ہونے والے لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے:

پہلا گروہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کی عقلیں روشن اور دل پاک صاف اور پُر سکون ہیں، جو اپنی قدر و قیمت کا ادراک رکھتے ہیں، یہ لوگ جوں جوں اس عظیم الشان محل میں پھرتے اور اس کے عجائبات کی طرف نظر دوڑاتے ہیں، پکار اُٹھتے ہیں: محل کی اس طرح کی بناوٹ میں بہت بڑا راز ہے!! اس کے پیچھے کوئی بہت بلند مقصد کارفرما ہے!! چنانچہ انہیں یہ یقین ہو گیا کہ کوئی چیز عبث نہیں ہے، یہ کوئی کھیل نہیں، بازیچہ اطفال نہیں۔ اور یوں وہ حیرت کے عالم میں کہتے ہیں:

کیا خیال ہے، محل کی اس حیرت انگیز پہیلی کا حل کہاں چھپا ہوا ہے اور یہ منظر جو ہم نے دیکھا ہے اور دیکھ رہے ہیں اس میں کون سی حکمت کارفرما ہے؟

وہ اسی خیال میں مستغرق اور اس معاملے میں ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھے کہ اچانک ان کے کانوں میں اس راہنما اور معلم کی دل آویز گفتگو کی آواز پڑ جاتی ہے، اور انہیں پتا چل جاتا ہے کہ اس کے پاس تمام رازوں کی چابیاں اور پہیلیوں کے حل موجود ہیں، چنانچہ وہ بھاگ کر اس کی طرف جاتے ہیں۔

السلام وعلیکم استادِ محترم!'' اس طرح کے عالی شان محل کا کوئی آپ جیسا سچا اور گہری نظر کا مالک راہنما ہونا چاہیے، براہ کرم آپ کو جو ہمارے آقا نے بتایا ہے وہ ہمیں بھی بتائیں''۔

تو استاد نے ان سے وہی گفتگو کی جو ان لوگوں نے پہلے سنی تھی، انہوں نے وہ گفتگو بڑی دلجمعی کے ساتھ سنی اور اس کی ہر بات کو بطیب خاطر قبول کیا، اس سے انہیں بہت زیادہ فائدہ ہوا، کیوں کہ انہوں نے سنی اَن سنی نہیں کی بلکہ اس کے مطابق عمل بھی کیا، اب یہ ہدایات چونکہ محل کے مالک کی طرف سے تھیں اس لیے جب انہوں نے دل و جان سے راضی ہو کر اُن پر عمل کیا تو مالک اُن پر خوش ہو گیا، چنانچہ اس نے اپنی خوشی سے ایک اور عظیم الشان اور ناقابل بیان خوبیوں والے محل میں بلایا اور وہاں انہیں ایسی دائمی سعادت مندیوں اور خوش نصیبیوں سے نواز جو اس مالک الجوادُ الکریم کے شایان شان اور، اُن باادب معزز مہمانوں کے مناسب اور اُن اطاعت گزاروں اور فرمان برداروں کے لائق تھیں۔

دوسرا گروہ: یہ وہ لوگ تھے جن کی عقلوں میں فساد تھا، جن کے دلوں کے شعلے سرد ہو چکے تھے، محل میں داخل ہوتے ہی اُن کی خواہشات و شہوات ان پر غالب آ گئیں، اُن کا دھیان صرف پُر لذت کھانوں پر ہی مرکوز رہا، انہوں نے محل کی خوبیوں اور خوبصورتیوں سے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا اور اس عظیم القدر معلم کی ہدایات اور اس کے شاگردوں کی تنبیہات سننے سے گریزاں رہے۔ چنانچہ انہوں نے ندیدے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے جانوروں کی طرح کھایا اور بے سُدھ ہو کر

Marfat.com

سوئے رہے، حتی کہ ممنوعہ قسم کے مشروبات جو وہاں کسی وجہ سے رکھے گئے تھے، بکثرت پینے کی وجہ سے ازخود رفتہ ہو گئے اور اپنی مدہوشانہ اور بے حجابانہ حرکتوں سے دوسرے مہمانوں کے لیے وبال جان بن گئے، اس طرح انہوں نے شاہی آداب وقوانین کی دھجیاں اڑادیں۔ اس بنا پر سپاہی انہیں پکڑ کر اُن کی اس بدتمیزی و بدتہذیبی کی سزا دینے کے لیے ہتھکڑیاں لگا کر اُس جیل میں لے گئے جو ایسے بے ادبوں کے لیے مناسب تھی"۔

اے میرے ساتھ اس کہانی کو غور سے سننے والے دوست! آپ یہ لازماً سمجھ گئے ہوں گے کہ اس بادشاہ نے اپنا یہ عظیم الشان محل یقیناً انہی مقاصد کے لیے بنایا ہے جن کا ابھی ذکر ہوا، لیکن ان مقاصد کا حصول دو چیزوں پر موقوف ہے:

**پہلی چیز:**۔ اس استاد اور معلم کا وجود ہے، جسے ہم نے ابھی دیکھا اور جس کی گفتگو سنی، کیونکہ اگر وہ نہ ہوتا تو یہ تمام مقاصد بے فائدہ اور بے معنی رہتے، کیونکہ سمجھ نہ آنے والی ایک کتاب اگر بغیر اُستاد کے رہ جائے تو اس کی حیثیت ایک بے معنی کاغذ سے زیادہ نہیں ہوتی۔

**دوسری چیز:**۔ یہ ہے کہ لوگ اس معلم کی بات غور سے سنیں، سمجھیں اور اسے بدل و جان قبول کریں، اس سے پتا چلا کہ اس استاد کا وجود اس محل کی تعمیر کا سبب ہے اور لوگوں کا اُس کی باتیں سننا محل کی بقاء کا سبب ہے۔ اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اگر یہ استاد یا معلم نہ ہوتا تو بادشاہ یہ محل تعمیر نہ کرتا اور اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اگر لوگ اس استاد اور معلم کی باتوں پر کان نہیں دھریں گے تو بادشاہ اس محل کو تبدیل کر دے گا۔

یہاں کہانی تو میرے دوست ختم ہوئی۔ اب اگر آپ اس کہانی کی تہ تک پہنچ گئے ہیں تو پھر اس سے اصل حقیقت سمجھنے کی کوشش کریں، اور وہ یوں ہے:

محل سے مراد یہ جہانِ رنگ و بُو ہے جس پر ہنستے مسکراتے چمک دار ستاروں سے بھرے ہوئے آسمان کی چھت ہے ،اور جس کا فرش یہ زمین ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک رنگ برنگے پھولوں سے مزین ہے۔

اور اس سلطانِ معظم یعنی محل کے مالک سے مراد اللہ تعالیٰ ہے جو کہ سلطانُ الازل والابد ہے، ساتوں آسمان، زمین اور ان میں پائی جانے والی ہر شے اپنی مخصوص زبان کے ساتھ جس کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے، جو صاحبِ قدرت و حشمت بادشاہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر اپنے عرش ربوبیت پر جلوہ فرما ہوا۔ جو رات اور دن کو یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے آگے پیچھے لاتا ہے، بالکل ایسے جیسے سیاہ و سفید دو لکیریں ہوں۔ اور یوں وہ صفحہ کائنات پر اپنی آیات رقم کرتا ہے۔ وہ ذات کہ سورج، چاند اور ستارے جس کے امر کے تابع فرمان ہیں۔

رہیں اس محل کی منزلیں، تو ان سے مراد وہ اٹھارہ ہزار جہان ہیں جن میں سے ہر جہاں میں ایسی مخلوق آباد ہے جو

Marfat.com

وہاں کی آب وہوا کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔

اور محل میں ہر طرف سجی ہوئی جو حیران کن مصنوعات ہیں، ان سے مراد قدرت الٰہیہ کے وہ معجزات ہیں جو ہماری اس دنیا میں ہر چشم بینا کو واضح نظر آ رہے ہیں۔ اور رہے وہ لذّت بھرے کھانے جو تمہیں محل میں نظر آ رہے ہیں ،تو وہ دراصل رحمت الٰہیہ کے اُن خارقِ عادت اور غیر معمولی ثمرات کی طرف اشارہ ہیں جن کا مشاہدہ ہم اس دنیا میں سال کے ہر موسم میں کرتے ہیں، اور خاص کر موسم گرما میں، اور اس سے بھی خاص کر ''بارلا'' کے اِن باغات میں۔ (حاشیہ:۱) اور اس محل کا باورچی خانہ زمین کی سطح اور اس کا مرکز ہے جو آگ سے دہک رہا ہے۔

اور کہانی میں تم نے جو خفیہ قسم کے بھرپور خزانوں کے ہیرے جواہر دیکھے ہیں، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے مقدس اسمائے حسنیٰ کی تجلیات ہیں جن کے لیے اُن قیمتی موتیوں کی مثال دی گئی ہے۔

اور محل میں ہمیں جو نقش ونگار نظر آئے ہیں، ان سے مراد تمام خوبصورت مصنوعات ہیں جو کائنات کی تزیین وآرائش کا کام دے رہی ہیں، اور یہ وہ خوبصورت اور موزوں نقش ونگار ہیں جو قدرتِ الٰہیہ کے قلم سے نکلے ہیں اور جو اُس قدیر ذوالجلال کے اسمائے حسنیٰ پر دلالت کرتے ہیں۔

اور استاد معلم سے مراد ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور ان کے معاونین سے مراد دیگر انبیاء، اور شاگردوں سے مراد اولیا واصفیا ہیں۔

بادشاہ کے خدّام وحشم سے مراد فرشتے ہیں جن کی ڈیوٹی اس دنیا میں لگی ہوئی ہے۔

اور رہے وہ تمام لوگ جو اس ضیافت پر بلائے گئے ہیں، تو اُن سے مراد جن وانس اور انسانوں کی خدمت پر مامور چوپائے اور حیوانات ہیں۔

اور رہے دو گروہ تو اُن میں سے:

پہلا گروہ: تو اُن اہل ایمان کا ہے جو قرآن کریم کے آگے زانوئے تلمذ طے کرتے ہیں اور اس کی شاگردی کا دم بھرتے ہیں اور کتابِ کائنات کی آیات کی تفسیر کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ: اہل کفر وطغیان کا ہے، جو گونگے ، بہرے اور گمراہ ہیں، اور جو اپنی خواہشات کے غلام اور شیطان کے پیروکار ہیں۔ اس بنا پر ان کی سمجھ میں زندگی کے صرف چند ظاہری پہلو ہی آ سکے۔ اس لیے یہ لوگ حیوانوں کی طرح زندگی گزارتے ہیں، بلکہ حیوانوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔

---

(حاشیہ:۱) ترکی کے جنوب مغرب میں سپارٹا نامی شہر کی ایک چھوٹی سی پسماندہ بستی جس میں استاد نورسی کو 1926 میں جلاوطن کیا گیا۔ زیادہ تر رسائل نور آپ نے اسی بستی میں تالیف کیے۔ یہاں سے آپ کو 1934 میں ''اسکی شہر'' کی عدالت میں لے جایا گیا۔ مترجم

Marfat.com

جہاں تک پہلے گروہ کا تعلق ہے جو کہ بڑا نیکوکار اور سعادت مند ہے، تو انہوں نے نہ تو اس عظیم الشان معلم اور جلیل القدر استاد کی باتوں کو غور سے سنا جو کہ بیک وقت دو حقیقتوں کا مالک ہے: ایک حقیقت تو یہ کہ وہ عبد ہے اور دوسری یہ کہ وہ رسول ہے، اگر اُس کی عبودیت کی طرف دیکھا جائے تو وہ اپنے پروردگار کی پہچان کرواتا ہے اور اس کی ایسی صفات بیان کرتا ہے جو کہ اس کی عظمت اور جلالت کے شایان شان ہیں، اس پہلو سے دیکھا جائے تو وہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی امت کا نمائندہ ہے۔ اور اس کی رسالت کی طرف دیکھا جائے تو وہ قرآن کریم کے ذریعے جن وانس کو اپنے پروردگار کے اُحکام پہنچاتا ہے۔

اس خوش بخت گروہ نے جب اس رسول کریم ﷺ کی باتوں کو غور سے سنا اور قرآن حکیم کے اوامر کے مطابق خود کو ڈھال لیا تو انہوں نے اپنے آپ کو تمام عبادات کی فہرست یعنی نماز کے ذریعے بہت سارے مقامات عالیہ میں بہت سی لطیف ذمہ داریوں کے لباس میں دیکھا۔

جی ہاں، ان لوگوں نے فریضہ نماز کی تمام تفصیلات کا کھلے بندوں مشاہدہ کیا اور اُس کے اُن بلند مقامات میں اُوپر چڑھتے چلے گئے جن کی طرف اس کے ذکر اذکار اور مختلف قسم کی حرکات وسکنات اشارہ کرتی ہیں، اور وہ یوں کہ:

اوّلاً: انہوں نے کائنات میں پھیلے ہوئے ربانی آثار ونقوش کا مشاہدہ کیا، اس سے انہوں نے خود کو آنکھوں سے غائب ونظر نہ آنے والے معاملے میں ایسے مقام پر پایا جیسے وہ عظمت وربوبیت کے محاسن کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہوں۔ چنانچہ وہ اللہ اکبر کہتے ہوئے تکبیر وتسبیح کے وظیفے میں مشغول ہو گئے۔

ثانیاً: وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی خوبصورت اور عجائبات سے بھری ہوئی مصنوعات اور اس کے اسمائے حسنیٰ کی جلوہ طرازیوں کا نظارہ کرنے کی دعوت دینے لگے، اور دعوت کے اس مقام پر فائز ہو کر وہ **سبحان اللہ والحمد للہ** کہتے ہوئے تقدیس وتحمید کے وظیفے میں مشغول ہو گئے۔

ثالثاً: انہوں نے رحمتِ الٰہیہ کے خزانوں میں بھری ہوئی نعمتوں کا ادراک کر لیا اور اپنے ظاہری وباطنی حواس کے ساتھ ان کا ذائقہ بھی چکھ لیا، بنابریں وہ شکر وحمد کے وظیفے میں مشغول ہو گئے۔

رابعاً: اور پھر وہ اس مقام پر پہنچے جہاں انہیں اسمائے حسنیٰ میں چھپے ہوئے خزانوں کی پہچان ہو گئی اور وہ اپنی روحانی صلاحیتوں اور باطنی پیمانوں کی وجہ سے ان خزانوں کی قدر وقیمت تک پہنچ گئے تو وہ تنزیہہ وثناء کے وظیفے میں مصروف ہو گئے۔

خامساً: اور جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں سے اُن ربانی رسائل وپیغامات کا مطالعہ ہوتا ہے جو اس کی قدرت کے قلم سے تقدیر کے صفحے پر رقم کیے گئے ہیں، تو وہ تفکّر واستحسان کے وظیفے میں مشغول ہو گئے۔

Marfat.com

سادساً: موجودات پر غور کرنے کے نتیجے میں مقامِ تنزیہ میں ان کی نظریں جب موجودات میں پائی جانے والی نزاکت، باریکی اور ان کی تکمیل بردوشی میں پائے جانے والے حسن و جمال سے آشنا ہوئیں تو وہ اُس فاطرِ جلیل اور صانعِ جمیل کے حسن و جمال کے عشق ومحبت کے وظیفے میں مشغول ہو گئے۔

اور یوں یہ لوگ ان سابقہ مقامات میں مخلوقات کا مشاہدہ کرتے ہوئے جب غیبی معاملات کے ذریعے بندگی کے وہ آداب بجالائے جو ایسے میں لازم ہو جاتے ہیں، تو اس طرح وہ اس درجے تک جا پہنچے جہاں نظرِ حضوری کے اُس مرتبے پر فائز ہو جاتی ہے جہاں اُسے اُس صانع الحکیم کے تمام افعال و معاملات بالکل سامنے نظر آتے ہیں۔ اور یہ اس لیے ہوا کہ:

انہوں نے اوّلاً تو خالق کی اس پہچان کا سامنا کیا جو پہچان اس نے خود اہلِ عقل و شعور کو اپنی معجزانہ مصنوعات کے ذریعے کروائی ہے، اس کا سامنا انہوں نے حیرت اور تعجب سے بھری ہوئی معرفت کے ساتھ یہ کہتے ہوئے کیا کہ: باوجود اس کے کہ تیری تمام معجزانہ مخلوقات تیری پہچان کروا رہی ہیں، لیکن۔ ''**سبحناک ما عرفناک حقّ معرفتک**''۔

اُس سراپا رحمت ہستی نے اپنے آپ کو اپنی رحمت کے اچھے پھلوں کے ذریعے محبوب بنانے کے مقابلہ میں پھر انہوں نے محبت اور اشتیاق کیساتھ مقابلہ کر کے ''**ایاک نعبد و ایاک نستعین**'' کہا۔

پھر وہ منعمِ حقیقی جس نے اپنی پاکیزہ نعمتوں اور شفقتوں کے ذریعے اپنی بے پایاں رحمتوں کا اظہار کیا ہے، انہوں نے اس منعمِ حقیقی کی رحمت بھری آواز پر اس کے شکر و حمد کے ساتھ لبیک کہا، اور پکار اُٹھے کہ: ''**سبحانک وبحمدک**''۔

اے ہمارے **مالک!** کائنات کے ذرے ذرے میں بکھرے ہوئے تیرے احسانات اپنی فصیح و بلیغ زبانِ حال کے ساتھ تیرے شکر کے زمزمے الاپ رہے ہیں، اور تیری وسیع رحمتوں کے تہ بہ تہ ثمرات اور تیری عمومی نعمتوں کی تمام موزون غذائیں کائنات کے اس بازار میں قطار اندر قطار لگی اور تمام سطحِ زمین پر جابجا بکھری ہوئی نعمتوں کے ذریعے مخلوقات کے سامنے تیرے بے پایاں جود و کرم کی گواہی دے کر اپنی طرف سے تیری شکر گزاری کا حق ادا کر رہی ہیں۔ ان کے مقابلے میں ہم تیری شکر گزاری کا حق کیونکر ادا کر سکتے ہیں؟

پھر اس کے جمال و جلال و کمال کی کبریائی کا جو اظہار سطحِ زمین پر ہر دم تبدیل ہونے والی موجودات کے آئینوں میں ہو رہا ہے، اُس کا سامنا اُن لوگوں نے ''**اللّٰہ اکبر**'' کہتے ہوئے کیا اور تعظیم سے مزین عاجزی و درماندگی کی حالت میں اس کے حضور جھک گئے اور ذلت و پستی اور نابودگی سے بھری ہوئی محبت و تعظیم و تکریم اور وارفتگی کے عالم میں اس کے حضور سجدہ میں گر گئے۔

پھر اس غنیِ مطلق نے اس کائنات میں جو اپنی ختم نہ ہونے والی دولت اور حدود نہ آشنا رحمت بکھیری ہے، اس کے مقابلے میں انہوں نے اپنے فقر و عجز کا اظہار کیا اور سراپا دعا اور سوال بن کر پکار اٹھے: **وایاک نستعین**۔

Marfat.com

پھر اُس صانعِ ذوالجلال نے لوگوں کے سامنے اپنی خوبصورت تخلیقات اور اپنی حیرت انگیز مصنوعات کے جواَن گنت نمونے سجائے ہیں، اُن کا استقبال انہوں نے انتہائی پسندیدگی اور قدر دانی سے کیا؛ کیونکہ پسندیدگی اور قدر دانی کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اور بے اختیار کہہ اُٹھے: ماشاء الله، تبارک الله، یہ کتنی خوبصورت تخلیق ہے!! اِن خوبصورت تخلیقات کی دید سے انہوں نے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیں، جی بھر کے داد دی اور "آمنا" کہہ کر حیرت کے عالم میں لوگوں کو "حیّ علی الفلاح" کہتے ہوئے پکار اُٹھے کہ لوگو! آؤ اِن حیرت انگیز اور دل آویز مصنوعات کا مشاہدہ کرو۔ انہیں غور سے دیکھو اور اُن کے چشم دید گواہ بن جاؤ۔

پھر اُس سلطان ازل و ابد نے اپنی سلطنت کی ربوبیت کا چار دانگ عالم میں جو اعلان کیا ہے اور اس طرح کون ومکاں میں اپنی وحدانیت کا جو پرچار کیا ہے، اس اعلان و اِظہار کا جواب انہوں نے یہ کہتے ہوئے دیا کہ: "سمعنا و اطعنا"، یعنی ہم نے سُن لیا اور مان لیا۔ چنانچہ انہوں نے سُنا اور اس کے مطابق ڈھل کر عملی مظاہرہ بھی کیا۔

پھر ربُّ العالمین نے جو اپنی جلیل القدر اُلوہیت کا اِظہار کیا ہے اور انہوں نے اپنی عاجزی و درماندگی میں گُندھی ہوئی کمزوری، ناتوانی اور اپنی حاجات وضروریات میں اٹے ہوئے فقر و فاقے کو عبودیت اور اسکے خلاصے کا اظہار یعنی نماز کے ذریعے کیا۔

یوں "عبودیت" کے اس طرح کے گوناگوں وظائف اپنا کر انہوں نے اس سب سے بڑی مسجد یعنی دنیا میں اپنی عمر کے اس فریضے اور زندگی کی ذمہ داری کو اس رنگ میں ادا کیا کہ وہ احسن تقویم کے روپ میں ڈھل گئے، اور تمام مخلوقات میں اونچے درجے پر براجمان ہو گئے اور اس طرح وہ اپنے اندرونی ایمان اور امانت داری کی وجہ سے زمین میں ایماندار خلیفہ یا جانشین بن گئے۔

اور دنیا کے اس کمرہ امتحان اور آزمائش کی گھڑی سے نکلنے کے بعد اُن کا ربّ کریم انہیں اُن کی ایمانداری کے صلے کے طور پر ابدی سعادتوں اور دائمی نعمتوں کے سائے میں بلالے گا اور اِن کے اسلام کی جزا دیتے ہوئے انہیں دارالسلام میں داخل کر دے گا۔ اور اُن کی مزید عزت افزائی کے لیے انہیں ایسی نعمتوں سے نوازے گا جو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کان نے سُنیں اور نہ کسی دل میں اُن کا خیال تک گزرا؛ کیونکہ جمالِ سرمدی کا مشاہدہ کرنے والا مشتاقِ دیدار اور عاشقِ زار جو اس حسن و جمال کو آئینے کی طرح خود میں جذب کر کے آگے منعکس کر رہا ہے، ضروری ہے کہ باقی رہے اور ابد تک چلتا جائے۔

قرآن کے شاگردوں کی عاقبت یہی ہے۔

اے اللہ! ہمیں بھی ان میں شامل کر لے!

Marfat.com

رہا دوسرا گروہ جو کہ فاسق، فاجر اور شریر قسم کے لوگ تھے، تو یہ لوگ ہوش سنبھالنے کے بعد جب دنیا کے اس محل میں داخل ہوئے تو انہوں نے وحدانیت کے تمام دلائل کا مقابلہ کفر کے ساتھ اور اِدھر اُدھر وافر مقدار میں بکھری ہوئی نعمتوں کا مقابلہ ناشکری کے ساتھ کیا، اور تمام موجودات عالم کے بارے میں یہ حکم لگایا کہ یہ بالکل نکمی، خسیس، حقیر، بے معنی، بے فائدہ اور فضول ہیں، اور اسمائے الٰہی کی تجلیات کو انہوں نے یکسر ٹھکرا دیا، اور یوں اپنی اس روش سے انہوں نے چار دن کی عمر میں بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا، جس کی پاداش میں وہ دائمی عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ جی ہاں؛ انسان کو عمر جیسا سرمایہ اور اعلیٰ ترین انسانی اُعضاء صرف اس لیے دیئے گئے ہیں کہ وہ ان کی مدد سے مذکورہ وظائف اور ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔

اس لیے اے حیرت زدہ نفس اور خواہشات پر فریفتہ دوست!

تمہارا کیا خیال ہے کہ ''تمہاری زندگی کا مقصد'' صرف یہی ہے کہ تم نفس امارہ کی ہر طلب پر لبیک کہو اور بطن و شرم گاہ کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے تہذیب و تمدن کے تمام وسائل صرف اسی نفس امارہ کی جھولی میں ڈال دو؟ یا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں گہری اور نازک ترین روحانی لطافتوں، حسّاس آلات و اُعضاء، حیرت انگیز جوارح اور جستجو کے پیکر حواس و مشاعر سے صرف اس لیے نوازا گیا ہے کہ تم اِن کے ذریعے اس فانی زندگی میں اس کم ذات نفس امارہ کی پست اور کمینہ خواہشات ورغبات کا پیٹ بھرو؟ حاشا وکلاّ!! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لطائف، مشاعر اور حواس جو تمہارے وجود میں تخلیق کیے گئے ہیں ان کی حقیقت دو بنیادوں پر ہے:

## پہلی بنیاد:

یہ کہ لطیف حواس و مشاعر تمہیں منعمِ حقیقی کی ہر انعام کردہ نعمت کے مقابلے میں شکر ادا کرنے کا شعور دے دیں، یعنی تمہارے اندر یہ احساس پیدا کر دیں کہ ان نعمتوں کو محسوس کرو اور اُن پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اُس کی بندگی کا انداز اپنالو۔

## دوسری بنیاد:

یہ لطائف و مشاعر و حواس تمہیں مقدس اسمائے الٰہیہ کی اُن تمام تجلیات کا ایک ایک کر کے علم دے دیں اور اُن کی پہچان کرا دیں جو کہ تمام عالم میں جلوہ ریز ہیں۔ پس تمہارے لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ تم ان اسمائے حسنیٰ کی ذوقی معرفت حاصل کرو اور ان پر بدل و جان ایمان لاؤ۔

یہی وہ دو بنیادیں ہیں جن پر انسانی کمالات کی عمارت اٹھتی ہے، اُس کی صلاحیتیں نشو و نما پاتی ہیں اور انسان حقیقی انسان بن جاتا ہے۔

اب ہم تمہارے کے سامنے ایک مثال رکھتے ہیں، اُس کی روشنی میں تمہاری سمجھ میں یہ بات آجائے گی کہ انسان

Marfat.com

یہ جو اعضاء و جوارح عطا کیے گئے ہیں اس لیے نہیں ہیں کہ وہ حیوانوں کی طرح ان سے اپنا کام نکالے اور چلتا بنے:

ایک معزز آدمی نے اپنے ایک خادم کو بیس سونے کے سکے دیے تا کہ وہ اُن سے اپنے لیے ایک خاص قسم کے کپڑے کا سوٹ خرید لے، نوکر گیا اور ایک بہترین قسم کے کپڑے کا سوٹ خرید لایا اور اسے سلا کر زیب تن کر لیا۔ پھر مالک نے ایک دوسرے خادم کو سونے کے ہزار سکے دیے اور کاغذ پر کچھ ہدایات لکھ کر اس کی جیب میں ڈال دیں اور اسے تجارت کے لیے بھیج دیا۔

اب یہ بات تو تھوڑی سی سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ رقم اُس نے اُسے سوٹ خریدنے کے لیے نہیں دی ہے، کیونکہ بہترین قسم کا سوٹ تو پہلے ملازم نے بیس سکوں میں خرید لیا تھا! اب اگر دوسرا خادم ان ہدایات کو نہیں پڑھتا ہے جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں اور پہلے خادم کی دیکھا دیکھی اپنی تمام پونجی دکاندار کے حوالے کر کے اُس سے کوئی ہلکا سا سوٹ خرید لیتا ہے، صرف اس بنا پر کہ اس کے ساتھی نے بھی ان پیسوں سے سوٹ ہی خریدا تھا؛ تو خود ہی کہو کہ اُس نے انتہائی بیوقوفی کا مظاہرہ نہیں کیا؟ اور کیا اُس کے خلاف تادیبی کاروائی کرنا اور اُسے کوئی کڑی قسم کی سزا دینا ضروری نہیں تھا تا کہ وہ اس قسم کی حماقت کا ارتکاب دوبارہ نہ کر سکے؟

اس لیے اے میرے نفس اور میرے دوست!

ہوش کے ناخن لو اور اپنی عمر کا قیمتی سرمایہ بے کار میں ضائع نہ کرو، اور اپنی زندگی کی بہترین طاقتیں اور صلاحیتیں اس فانی اور زوال پذیر دنیا، مادی لذات اور حیوانی خواہشات میں برباد نہ کرو۔ یاد رکھو کہ انجام دردناک ہے؛ کیونکہ اس طرح تم حیوانات سے بھی پچاس درجے نیچے جا گرو گے جبکہ تمہارا درجہ تمہارے سرمائے کی وجہ سے حیوانات کے درجے سے پچاس گنا بلند ہے۔

**سو اے میرے غافل نفس!**

اگر تو کچھ سمجھنا چاہتا ہے کہ: تیری زندگی کا مقصد کیا ہے، تیری زندگی کی ماہیت کیا ہے، تیری زندگی کی حقیقت کیا ہے، تیری زندگی کی سعادت مندی کا نقطۂ کمال کیا ہے۔ تو مختصراً یہ سمجھ لے کہ تیری زندگی کے نو مقاصد ہیں: ان میں سے:

پہلا مقصد: یہ ہے کہ تمہارے جسم میں ودیعت کیے گئے حواس کے پیمانوں کے ذریعے رحمت الٰہیہ کے خزانوں میں ذخیرہ کی گئی نعمتوں کو تول کر ان کا کلی شکر ادا کرنا۔

دوسرا مقصد: یہ کہ اللہ تعالیٰ کے قدسی اسمائے حسنیٰ کے مخفی خزانوں کو اُن آلات کی چابیوں کی مدد سے کھولنا جو تمہاری فطرت میں ودیعت کئے گئے ہیں، اور ان اسمائے حسنیٰ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی پہچان کرنا۔

تیسرا مقصد: یہ کہ اسمائے حسنیٰ نے جو تم میں اپنی لطیف تجلیات اور اپنی حیرت انگیز مصنوعات نصب کی ہوئی ہیں اُن کا

Marfat.com

اعلان اور پھر دنیا کی اس نمائش گاہ میں اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں کے ذریعے اُن خوبصورت اور حیرت انگیز لطائف کا پورے علم وشعور کے ساتھ تمام مخلوقات کے سامنے بھرپور اظہار کرنا۔

**چوتھا مقصد:** یہ کہ اپنی زبان اور کردار کے ساتھ اپنے خالق کی ربوبیت کی عظمت کے سامنے اپنی زندگی کا اظہار کرنا۔

**پانچواں مقصد:** یہ کہ اسمائے حسنیٰ کی تجلّیات نے جو تمہیں انسانی لطافتیں ہبہ کی ہیں اُن کے ساتھ خود کو مزین کرنا اور انہیں اس شاہد ازلی سبحانہ وتعالیٰ کی نظروں کے سامنے عیاں کرنا۔ اس ضمن میں تمہاری مثال ایسے ہوگی جیسے ایک سپاہی اپنے حکمران کی طرف سے عطا کیے گئے مختلف قسم کے اعزازات اور تمغے کسی سرکاری تقریب میں سینے پر سجا کر آتا ہے اور وہاں لوگوں کے سامنے اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ دیکھو! سرکار نے کس طرح مجھ پر اپنی نظرِ عنایت رکھی ہوئی ہے!

**چھٹا مقصد:** ذی حیات کا ان کے مظہرِ حیات (زندہ ہونے کی علامت) کہلائے جانے والے، تحیات کو اپنے خالق کے سامنے پیش کرنے اور رموزِ حیات (زندگی کے رموز) کہلائے جانے والی تسبیحات اپنے صانع کو پیش کرنے اور ثمرات وغایات زندگی کہلائے جانے والے، مخلوقات کی عبادت کو واجب الحیاۃ کے سامنے پیش کرنے کا علم وبصیرت کے ساتھ مشاہدہ کرنا اور تفکر کے ساتھ دیکھ کر اس پر گواہی بن کر انہیں نمایاں کرنا۔

**ساتواں مقصد:** اس نے جو تمہاری زندگی کو جزوی علم، جزوی قدرت اور جزوی ارادہ بخشا ہے اسے وحدت قیاسی کر اس خالقِ ذوالجلال کی صفات مطلقہ اور شوؤن مقدسہ کو سمجھنا ہے۔

مثال کے طور پر: جس طرح تم نے اپنے جزوی قدرت، جزوی ارادے اور جزوی علم کے ذریعے اپنے اس گھر کو کمال نظم وضبط کے ساتھ بنایا ہے اسی طرح کائنات کا یہ محل جس قدر تمہارے اس گھر سے بڑا ہے اسی قدر اس کے بانی کو قدیر علیم، حکیم اور مدبر ہستی سمجھنا چاہیے۔

**آٹھواں مقصد:** یہ ہے کہ اس کائنات میں پائی جانے والی ہر چیز سے اس کی مخصوص زبان میں، اس کے خالق کی وحدانیت اور صانع کی ربوبیت کے بارے میں صادر ہونے والے معنوی الفاظ کو سمجھنا۔

**نواں مقصد:** یہ ہے کہ عجز وضعف اور فقر واحتیاج کے پیمانوں کے ذریعے قدرت الٰہیہ امر غناء ربانیہ کی تجلیات کے درجات کو سمجھنا۔ کیونکہ جس طرح رنگ برنگے کھانوں کے درجات ولذّات کا ادراک بھوک کے درجات اور کھانے کی ضرورت کے حساب سے کیا جاتا ہے، اسی طرح تم پر یہ لازم ہے کہ اپنے غیر متناہی عجز وفقر کے حساب سے اُس کی غیر متناہی قدرت ودولت وثروت کو سمجھو۔

تو مختصر یہ کہ تمہاری زندگی کے اغراض ومقاصد ان جیسی چیزیں ہیں۔

رہی ''تمہاری ذاتی زندگی کی ماہیت''، تو وہ مختصراً یہ ہے:

Marfat.com

وہ اسمائے حسنیٰ کے خصوصی عجائب وغرائب کی فہرست ہے۔

وہ الٰہی معاملات وصفات کی پہچان کرنے کا ایک چھوٹا سا آلہ ہے۔ وہ کون ومکان میں پائی جانے والی کائناتوں کے لیے ایک میزان ہے۔

وہ اس عالم کبیر کے مندرجات کی ایک لوح ہے۔

وہ اس وسیع وعریض دنیا کا ایک نقشہ ہے۔

وہ اس بڑی کائنات کا ایک خلاصہ ہے۔

وہ اُن چابیوں کا ایک گچھا ہے جو قدرتِ الٰہیہ کے خفیہ خزانوں کے تالے کھول لیتی ہیں۔

وہ موجودات میں پھیلے ہوئے اور وقتوں اور زمانوں پر منقسم کمالات کی "**اَحسن تقویم**" ہے۔ تو "تمہاری زندگی کی ماہیت" یہ اور ان جیسی چیزیں ہیں۔

اب آتے ہیں اس طرف کہ "**تمہاری زندگی کی صورت**" کیا ہے اور یہ اپنا وظیفہ کس طریقے سے ادا کرتی ہے، وہ اس طرح ہے کہ: تمہاری یہ زندگی قدرتِ الٰہیہ کے قلم سے لکھا گیا ایک پُر حکمت لفظ ہے۔

یہ وہ فصیح وبلیغ مضمون ہے جو آنکھوں سے دیکھے جانے والے اور کانوں سے سُنے جانے والے اسمائے حسنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اور اس جیسی چیزیں تمہاری زندگی کی صورت ہیں۔

رہی "**تمہاری زندگی کی حقیقت**" اور اس کا سرِ نہاں تو:

وہ احدیت کی تجلّیوں اور صمدیت کے جلووں کی آئینہ داری ہے، مطلب یہ ہے کہ تمہاری زندگی ایک آئینے کی طرح ہے جس پر اُس اَحد الصمد ذات کی ہمہ گیر تجلّی منعکس ہوتی ہے۔ گویا کہ تمہاری یہ زندگی تمام کائنات پر جلوہ فگن ہونے والے ہمہ گیر اسمائے الٰہیہ کی ہمہ گیر تجلّیات کو ایک جگہ جمع کرنے والا مرکزی نقطہ ہے۔

رہا "**تمہاری زندگی کی سعادت کا کمال**"، تو وہ یہ ہے کہ تمہاری زندگی کے آئینے میں آفتاب ازلی کے جو انوار جگمگا رہے ہیں، تمہیں اُن کا شعور ہو جائے اور تم اُن کے ساتھ محبت اور اشتیاق کا اظہار کرنے لگ جاؤ، اس طرح کے تمہیں محبت و اشتیاق کے اس شعور پر پورا پورا کنٹرول بھی ہو، پھر تم اُن کی محبت میں فنا ہو جاؤ، اور اپنے دل کی آنکھ کی پتلی میں اُن منعکس ہونے والے انوار وتجلیات کو مظبوطی کے ساتھ محفوظ کرلو۔

ایک حدیث قدسی جس نے تمہیں بلندیوں کی معراج پر پہنچا دیا ہے، اس کا فارسی میں کچھ اس طرح معنیٰ کیا گیا ہے:

"من نگنجم در سماوات و زمین    از عجب گنجم بقلب مومنین"

Marfat.com

**تو اے میرے نفس!**

تمہاری یہ زندگی جس کا رُخ اِن جیسے بلند مقاصد کی طرف ہے، اور جو ان جیسے قیمتی خزانوں سے بھری ہوئی ہے۔ کیا یہ بات عقل وانصاف کی رُو سے جائز ہے کہ تم اُسے نفسِ امارہ کی خواہشات پر لبیک کہتے ہوئے اور اس فانی دنیا کی عدم در عدم فانی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے بے کار صَرف کر کے ضائع کردو؟

اگر تم یہ چاہتے ہو کہ یہ قیمتی زندگی بے فائدہ ضائع ہونے سے بچ جائے تو پھر سورہ شمس میں پائی جانے والی ''قسم'' اور ''جوابِ قسم'' پر غور کرو، اور پھر مقدمہ میں ذکر کی گئی تمثیلی کہانی کو ذہن میں رکھ کر اس کے اُس مقصد کے مطابق عمل کرنا شروع کردو جس کی طرف یہ سورت اشارہ کررہی ہے:

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ☆ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ☆ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ☆ وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ☆ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ☆ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ☆ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ☆ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ☆ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ☆ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾

اللهم صلّ وسلم على شمس سماء الرسالة وقمر برج النبوة وعلى آله وأصحابه نجوم الهداية.

وارحمنا وارحم المؤمنين والمؤمنات

آمين آمين آمين

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# بارہواں مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ (حاشیہ:۱)

اس مضمون میں قرآن کریم میں پائی جانے والی حکمت اور فلسفہ میں پائی جانے والی حکمت کے مابین اجمالی سا موازنہ کیا گیا ہے، نیز اس میں اس بات کی طرف بھی مختصراً اشارہ کیا گیا ہے کہ قرآنی حکمت انسانی زندگی میں اس کی انفرادی اور اجتماعی سطح پر تربیت کرنے کے لیے کیا انداز اختیار کرتی ہے، مزید اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم تمام آسمانی کتابوں پر بھاری اور دیگر ہر قسم کے اقوال سے بہت زیادہ بلند ہے، یعنی اس مضمون کی عمارت چار بنیادوں پر استوار ہے۔

## پہلی بنیاد:

ذیل میں ایک تمثیلی کہانی بیان کی جارہی ہے، اِس کہانی کی دُوربین سے آپ دیکھیں گے تو اس بات کا پتا چل جائے گا کہ قرآن کی حکمت اور فلسفہ وسائنس کی حکمت میں کیا فرق ہے:

ایک انتہائی ماہر، متقی، نیک دل اور عظیم الشان حکمران کے جی میں آیا کہ وہ قرآن حکیم کا ایسی کتابت کے ساتھ ایک نسخہ تیار کرے جو اس کے جلیل القدر معانی کی تقدیس وطہارت کے لائق اور پھر اس کے الفاظ میں پائے جانے والے عجیب وغریب اعجاز کے شایانِ شان ہو، یعنی اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ قرآن حکیم کو ایسی خوشنما اور دیدہ زیب پوشاک پہنائے جو اس کی بلند وبالا معجزانہ حیثیت کے لائق ہو۔

وہ چونکہ خود ماہر کاتب اور معجز نگار مصوّر تھا، اس لیے وہ بنفسِ نفیس اس کام میں مصروف ہو گیا۔ اس نے اس کتاب کے مختلف اور عظیم الشان حقائق کی جانب اشارہ کرنے کے لیے تمام نفیس قسم کے ہیرے جواہر اور قیمتی پتھر استعمال کیے، چنانچہ کچھ حروف کو اس نے زمرد اور الماس سے لکھا، کچھ کو لؤلؤ ومرجان سے، کچھ کو عقیق وجواہرات سے اور کچھ کو سونے اور چاندی سے لکھا اور اس پر اتنی محنت کی کہ اس کے دیدہ زیب حسن کو چار چاند لگا دیے، اور یوں اسے دیکھنے والا ہر انسان

---

(حاشیہ:۱) البقرۃ:269۔

Marfat.com

پڑھنا جانتا تھا یا نہ جانتا تھا۔ مبہوت ہو کر دانتوں میں انگلی دبا لیتا۔ اس شاہکار کو دیکھ کر ہر آدمی حیرت زدہ ہو جاتا اور اس کی عظمت و برتری کا نقش اس کے دل میں جاگزیں ہو جاتا۔ اور خاص کر اہلِ حقیقت تو اس شہ پارے کو انتہائی عقیدت و احترام، پسندیدگی اور قدر دانی کی نظر سے دیکھتے؛ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ظاہری حسن و جمال دراصل اس کے باطنی حسن و جمال کا انتہائی تابندہ و درخشندہ اور سراپا ذوق ولذت ہے۔

پھر اس عظیم القدر حکمران نے اس عجیب وغریب اور دل آویز کتابت والے قرآن کو ایک اجنبی فیلسوف اور ایک مسلمان عالم کے سامنے رکھا اور ان دونوں سے کہا:

''اس قرآن کی حکمت کے بارے میں تم علیحدہ علیحدہ مضمون لکھو! اور دل میں نیت یہ رکھی کہ میں ان دونوں کو آزماؤں گا اور انہیں انعام واکرام سے نوازوں گا''

فیلسوف اور مسلمان عالم ہر دو نے علیحدہ علیحدہ کتابیں لکھیں، فیلسوف نے اپنی کتاب میں لفظوں کی نقش نگاری اور حسن و جمال، ان کے مابین ربط وتعلق، صرف لفظ کی وضع قطع اور ان ہیروں موتیوں کی خصوصیات وصفات کو موضوع بنایا اور قرآن کے معانی ومفاہیم کو ہاتھ تک نہ لگایا؛ کیونکہ وہ عربی رسم الخط سے بالکل ہی ناواقف تھا، وہ یہ بات سمجھ ہی نہ پایا کہ یہ مزیّن قرآن ایک کتاب ہے، ایسی عظیم الشان کتاب کہ جس کے ہر حرف کے نیچے جلیل القدر معانی کا دریا موجزن ہے، بلکہ اس کی نظر اس کے الفاظ کے ظاہری حسن و جمال اور غیر معمولی دلکشی ورعنائی پر اٹکی رہی، پھر وہ عربی زبان سے اگرچہ ناواقف تھا لیکن ایک تجربہ کار انجینئر، ایک فنکار مصوّر، انتہائی قابل کیمیادان اور ماہر سُنار تھا، اس لیے اس نے اپنی یہ کتاب اپنی مہارتوں اور فنکاریوں کی روشنی میں لکھی۔

دوسری طرف جو مسلمان عالم تھا، اُسے اُس اَچھوتی اور نادر قسم کی کتابت کو دیکھتے ہی علم ہو گیا کہ: یہ کتاب مبین قرآن حکیم ہی ہے، اس لیے اس نے اس کی ظاہری زیب وزینت پر بہت کم توجہ دی اور اس کے اچھوتے الفاظ وحروف کی نقش نگاری کی مدح وستائش میں مصروف نہ ہوا، بلکہ وہ چونکہ حق کا مشتاق تھا اس لیے اس کی توجہ کلیتاً اس چیز کی طرف رہی جو ان چیزوں سے لاکھوں گنا زیادہ بلند، قیمتی، گہری، نفع بخش، پُر مغز اور عالم گیر تھی جن چیزوں میں وہ اجنبی فیلسوف اُلجھا رہا۔ چنانچہ اُس نے اُن جاذبِ نظر ظاہری نقش ونگار سے صرفِ نظر کر کے اپنی تمام تر توجہ ان بلند حقائق، عظیم الشان اور تابناک اسرار ورموز پر مرکوز رکھی جو ان الفاظ کی تہوں میں پنہاں تھے اور یوں اس نے جو کتاب لکھی وہ قرآن کی بہترین اور بیش قیمت تفسیر ثابت ہوئی۔

دونوں نے اپنی اپنی لکھی ہوئی کتاب اس عظیم حکمران کی خدمت میں پیش کی۔ اُس نے پہلے تو کچھ دیر تک فلسفی کی کتاب کا بغور جائزہ لیا اور اس سے وہ اس نتیجے پر پہنچا: کہ یہ آدمی جو کہ خود پسند اور نیچر کا پرستار ہے، اس نے کوئی حقیقی حکمت

Marfat.com

تو ایک بھی نہیں لکھی ہے، حالانکہ اس نے اپنا اپنی استطاعت کے مطابق خوب زور لگا دیا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس کتاب کے معانی کو سمجھ ہی نہیں سکا، صرف یہی نہیں بلکہ وہ کج فہم رہا اور معاملہ اُس پر ویسے ہی خلط ملط ہو گیا۔ اس نے اس قرآن کی عظمتِ شان اور تکریم و توقیر کا مظاہرہ بھی نہ کیا، کیونکہ اس نے اُس کے عظیم القدر معانی کی کوئی پرواہ نہ کی اور یہ خیال کیا کہ یہ صرف خوبصورت نقش ونگار اور دل آویز الفاظ و حروف ہی ہیں، اور یوں معنی و مفہوم کے پہلو سے اُس نے قرآن حکیم کی حق تلفی اور گستاخی کر ڈالی۔

بنا بریں، اُس حکمت پرور حکمران نے اُس فیلسوف کی لکھی ہوئی کتاب کو اُس کے سر پر دے مارا اور اُسے دربار سے نکال دیا۔

پھر اُس نے اُس مسلمان محقق اور مدقق عالم کی کتاب پکڑی، اس میں نظر دوڑائی تو اسے پتا چلا کہ یہ ایک انتہائی قیمتی اور نفع بخش تفسیر ہے، اُس نے اُس کے اِس کام کو سراہا، اس کی محنت کی قدر کی، اسے اس کی مبارک دی اور اس کے لیے برکت کی دعا کی اور کہا: یہ ہے وہ چیز جسے حقیقی حکمت کہا جاتا ہے، اس کے مؤلف کو بجا طور پر عالم، حکیم اور دانشور کہا جا سکتا ہے، دوسرا آدمی تو ایک فنکار اور کاریگر ہے جس نے اپنی اوقات سے بڑھ کر کام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے بعد اُس نے اُس مسلمان عالم کو انعام واکرام سے نوازا اور حکم دیا کہ اسے اس کی کتاب کے ہر حرف کے بدلے میں سونے کے دس دینار دیے جائیں۔

اگر آپ اس تمثیلی حکایت کے تمام پہلوؤں کو سمجھ گئے ہیں تو اب ذرا حقیقت کے رُخ پر بھی نظر ڈالیں:

وہ چیز جسے ہم نے خوبصورت قرآن کہا ہے وہ یہ حیرت انگیز کائنات ہے۔ اور وہ رعب و دبدبہ اور شان و شوکت کا مالک حکمران اور سلطانُ الازل والابد اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ اور وہ دو آدمی جو ہیں اُن میں سے ایک یعنی اجنبی سے مراد علم فلسفہ اور فلاسفہ ہیں اور دوسرے سے مراد قرآن کریم اور اس کے شاگرد ہیں۔

جی ہاں، یہ ''پڑھا جانے والا'' قرآنِ حکیم، اس ''نظر آنے والے قرآن'' یعنی اس حیرت خیز کائنات کی ایک عظیم الشان اور بلند پایہ تفسیر اور فصیح و بلیغ ترجمان ہے۔

جی ہاں، یہ قرآن حکیم ہی ہے جو جن وانس کو کون و مکان میں بکھری ہوئی ان آیات کی راہ دکھاتا ہے جنہیں قدرت الٰہی کے قلم نے اُس وسیع وعریض کائنات کے صفحات پر رقم کیا اور زمانوں کے اُوراق پر لکھا ہے۔ اور یہ قرآن حکیم ہی ہے جو اس موجودات کی طرف ـ جس کا ہر حرف پُر مغز اور ذو معنی ہے ـ حرفی معنی کی رُو سے دیکھتا ہے، یعنی اس کی طرف اس نظر سے دیکھتا ہے کہ اُس پر غور وفکر کر کے انسان اس کے پیدا کرنے والے اور بنانے والے تک پہنچ سکتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: اِس کی تخلیق کتنی خوبصورت اور کتنی پیاری ہے! یہ کائنات اُس جلیلُ القدر اور انوکھے خالق کے حسن

Marfat.com

وجمال پر کتنی بڑی رہنمائی دیتی ہے! اور یوں قرآن کریم آنکھوں کے سامنے اس کائنات کے حقیقی حُسن وجمال کے چہرے سے پردہ اُٹھاتا ہے۔ رہی وہ چیز جسے علم الحکمت یعنی فلسفہ کہتے ہیں، تو یہ علم موجودات کی اس کتاب کے حروف کی تزیین و آرائش میں ہی غرق ہوگیا ہے اور اِن حروف کے باہمد گر تعلقات کے بارے میں اس حد تک دم بخود ہوا ہے کہ راہ راست سے بھٹک گیا ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ یہ فلسفہ کائنات کی اس کلی کتاب کو ویسے ہی دیکھتا جیسے اس نے اُن حروف کو دیکھا ہے جو اپنے کاتب پر دلالت کرتے ہیں، لیکن اُس نے اِن موجودات کو اُن کے اِسمی معنی کے ساتھ دیکھا، یعنی اس طرح سے دیکھا کہ یہ بذات خود قائم ہیں۔ اور اُن کی اِسی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے اس نے یہ تو کہہ دیا کہ: یہ کتنی خوبصورت ہے! لیکن اس کی بجائے یہ نہیں کہا کہ: اس کی تخلیق کتنی خوبصورت ہے! یعنی اس کو بنانے والے نے اسے کتنا خوبصورت بنایا ہے! اس نے جب یہ کہا کہ یہ کتنی خوبصورت ہے! تو اِس بات سے اُس نے اُس چیز کو حقیقی حسن سے محروم کر دیا، جب اُس نے کسی چیز کے حُسن و جمال کو خود اُسی چیز کی طرف منسوب کر دیا تو اِس سے اُس نے تمام موجودات کو بدنما بنا دیا اور اُن کی توہین کر دی اور اُن کو ایسی حالت میں لا کھڑا کیا کہ کائنات خود فلسفہ سے شکوہ کُناں نظر آنے لگی۔

جی ہاں، یہ الحاد بھرا فلسفہ سراسر سفسطہ ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور کائنات کی سراسر توہین ہے۔

دوسری بنیاد:

وہ اخلاقی تربیت جو قرآن کریم اپنے شاگردوں کی کرتا ہے، اور وہ درس جس کی تلقین اپنے شاگردوں کو فلسفہ کرتا ہے ان دونوں کے درمیان واضح فرق کو سمجھنے کے لیے ہم دونوں کے شاگردوں کے درمیان ایک موازنہ قائم کرنا چاہتے ہیں:

فلسفے کا مخلص شاگرد ''فرعون'' ہے اور ذلیل ترین فرعون، کیونکہ وہ محض اپنی ذاتی منفعت کی خاطر خسیس ترین چیز کی پرستش کرتا ہے اور ہر اُس چیز کو جو اُس کے لیے نفع بخش ثابت ہو سکتی ہو اُسے اپنا پروردگار بنا لیتا ہے۔

پھر یہ منکر قسم کا شاگرد ''سرکش اور ہٹ دھرم'' بھی ہے لیکن مسکین سرکش ہے، کسی معمولی سی لذت کے حصول کی خاطر آخری درجے تک کی ذلت پر راضی ہو جاتا ہے۔

پس وہ گھٹیا قسم کا ضدی اور ہٹ دھرم ہے؛ کیونکہ وہ معمولی منفعت کی خاطر شیطان صفت لوگوں کے سامنے جھک جاتا ہے، بلکہ اُن کے پاؤں چومتا ہے۔

پھر یہ ملحد شاگرد ''مغرور اور جبّار'' ہے لیکن عاجز اور بے بس جبّار، کیونکہ اسے اپنے دل میں کسی ایسی ہستی کا وجود نہیں ملتا ہے جس پر وہ اعتماد کر سکے، اس لیے اسے اپنی اس ذاتی کمزوری اور عاجزی کا شعور حاصل ہے۔

پھر یہ شاگرد ''خود غرض اور مصلحت پسند'' ہے، اُسے اپنی ذات کے علاوہ اور کچھ بھی نظر نہیں آتا ہے، اس کی تمام تگ

Marfat.com

وہ دو کی منزل نفس، پیٹ اور شرم گاہ کے مطالبات پر لبیک کہنا ہے۔

پھر یہ شاگرد انتہائی ''مکّار اور سازشی'' ہے، اُمت کی مصلحتوں کا ڈھنڈورا پیٹ کر ذاتی مصلحتوں کی تلاش میں رہتا ہے۔

جبکہ قرآن کا مخلص شاگرد ''عبد'' یعنی غلام ہے، لیکن معزز غلام، کسی بڑی سے بڑی مخلوق کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا ہے اور کسی بڑی سے بڑی منفعت حتیٰ کہ جنت جیسی نعمتِ عظمیٰ کو بھی اپنی عبودیت کی منزل نہیں سمجھتا، بلکہ جنت جیسی نعمتِ عظمیٰ کو وہ اللہ تعالیٰ کی پُرخلوص بندگی کا انعام سمجھتا ہے۔

پھر یہ شاگرد ایک ''متواضع، نرم دل اور نرم خُو'' انسان ہے، لیکن ارادی طور پر اپنے جلیلُ القدر خالق و مالک اور اُس کے حکم کے علاوہ کسی چیز کے سامنے پستی کا مظاہرہ نہیں کرتا ہے۔

پھر یہ ''فقیر اور ضعیف'' ہے، اسے اپنے فقر و ضعف کا یقین ہے، لیکن اُسے بھروسا اُن خزانوں پر ہے جو اُس کے مالک نے اُس کے لیے آخرت میں جمع کر کے رکھے ہوئے ہیں، اس لیے، ''ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز''۔

وہ ''قوی'' ہے؛ کیونکہ اسے اپنے مالک کی بے پناہ قوت پر مکمل بھروسا ہے۔

پھر اس کا ہر عمل صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے، بلکہ اچھی اور خوبصورت عادات و اطوار تک پہنچنے کے لیے اس کی تمام تگ و دو صرف اللہ کی رضا کے دائرے کے اندر ہوتی ہے۔

اور یوں جب ہم ان دونوں قسموں کے شاگردوں کے مابین موازنہ کریں گے تو ہمیں وہ فرق صاف سمجھ آجائے گا جو قرآنی حکمت اور فلسفیانہ حکمت کے تربیتی طریقِ کار کے درمیان پایا جاتا ہے۔

## تیسری بنیاد:

قرآنی حکمت اور فلسفیانہ حکمت ایک انسانی معاشرے کی تربیت میں جو کردار ادا کرتی ہیں وہ کچھ اس طرح ہے:

- ❖ فلسفیانہ حکمت کی رُو سے اجتماعی زندگی میں اعتماد صرف ''قوت'' پر کیا جاتا ہے۔
- ❖ اس کا ہدف ہر چیز کے بارے میں صرف ''منفعت'' ہے۔
- ❖ وہ صرف تصادم، کشمکش اور دھکم پیل کو دستورِ حیات بناتی ہے۔
- ❖ وہ قوم پرستی اور نسل پرستی جیسے منفی رجحانات کو مختلف گروہوں کے درمیان میل جول قائم رکھنے کے لیے ضروری قرار دیتی ہے۔

رہے اس کے نتائج و ثمرات، تو وہ یہ ہیں، کہ یہ نفسانی خواہشات و رغبات و رجحانات کا پیٹ بھرتی ہے اور انسانی حاجات و ضروریات میں اضافہ کرتی چلی جاتی ہے۔

Marfat.com

اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ ''قوت'' کی فطرت میں ظلم و جبر ہے، اور ''منفعت'' کی طبیعت میں ''کھینچا تانی، ہجوم خیزی، دھکم پیل اور کھینچا تانی'' پنہاں ہے۔ کیونکہ ایک منفعت تمام لوگوں کی حاجات و ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی ہے اور معاملہ ''ایک انار سو بیمار'' والا ہو جاتا ہے۔ اور ''تصادم اور کھینچا تانی'' کی فطرت میں ''جنگ و جدل اور حریفانہ کشمکش'' پوشیدہ ہے۔ اور ''قومیت اور نسل پرستی'' کی طبیعت میں ''ظلم و زیادتی'' رکھی ہوئی ہے؛ کیونکہ ایک قوم کی نشو و نما دوسری قوموں کی پژمردگی، بربادی اور اُسے نگل جانے پر منحصر ہے۔

**یہیں سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ نوع انسانی سعادت سے محروم کیوں ہو گئی ہے! صرف اس وجہ سے کہ وہ اس فلسفے کی حکمت کے پیچھے دیوانہ وار بھاگ بھاگ کر ہانپ رہی ہے۔**

لیکن قرآنی حکمت اجتماعی زندگی میں ''قوت'' کی بجائے ''حق'' پر اعتماد کرتی ہے۔ ''ذاتی منفعت'' کی بجائے اللہ کی رضامندی اور ''شرفِ انسانیت'' کو مقصد سمجھتی ہے۔ زندگی کے لیے ''تصادم اور کشمکش'' کے دستور کی بجائے ''باہمی تعاون'' کو دستور بناتی ہے۔ مختلف گروہوں اور جماعتوں کے مابین باہمی ربط و ضبط اور میل جول کی فضا قائم رکھنے کے لیے ''قومیت اور نسل پرستی'' کے منفی تصورات کی بجائے دین، ہم خیالی، ہم پیشگی، اور ہم وطنی پر اعتماد رکھتی ہے۔ اور ان سب کے ساتھ ساتھ اس کے سامنے آخری غرض و غایت یہ ہے کہ رُوحِ انسانی نفس امارہ کے شکنجے سے نکل کر بلندیوں پر پرواز کرے اور یوں وہ اس روح کے بلند آہنگ احساسات و مشاعر کو ان کے شایانِ شان غذا مہیا کر کے انسان کو کشاں کشاں انسانیت کے کمالی اور مثالی درجات تک پہنچا دیتی ہے۔

بے شک ''حق'' کی طبیعت میں ''اتفاق'' اور ''فضیلت'' کی فطرت میں باہمی پشتیبانی اور تعاون رکھ دیا گیا ہے۔ اور ''تعاون'' کے دستور کی شان یہ ہے کہ اس سے ''ایک دوسرے کی فریاد رسی'' کی فضا ابھرتی ہے۔ ''دین'' کی فطرت میں یہ چیز رکھ دی گئی ہے کہ اس سے ''اخوت اور ہمدردی'' کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ اور جب ''نفس'' کے گھوڑے کو لگام دے دی جاتی ہے، اس کی سرکشی پر قابو پا لیا جاتا ہے اور روح کو آزادی دے کر اسے کمال کی بلندیوں کو چھو لینے پر اُکسایا جاتا ہے، تو اس وقت ''دونوں جہانوں کی سعادت'' حاصل ہوتی ہے۔

## چوتھی بنیاد

اگر یہ بات سمجھنا چاہتے ہو کہ قرآن کریم کیونکر دوسرے کلماتِ الٰہیہ اور دیگر آسمانی صحائف پر فوقیت رکھتا ہے، اور یہ کہ یہ دوسرے کسی بھی کلام یا تحریر سے کتنی بلندی پر ہے، تو آنے والی دو مثالوں پر غور کرو۔

پہلی مثال: ایک بادشاہ کے پاس گفتگو کی دو قسمیں اور دوسروں کے ساتھ ہمکلام ہونے کے دو انداز ہیں:

پہلی قسم: کی گفتگو وہ ہے جو وہ اپنی کسی خاص ضرورت کے تحت اپنی رعایا میں سے کسی کے ساتھ اپنے خصوصی ٹیلیفون

Marfat.com

کے ذریعے کرتا ہے۔ یہ اس کی ذاتی گفتگو ہے۔

**دوسری قسم:** اس کی گفتگو یا بات چیت کی وہ ہے جو وہ سلطنتِ عظمیٰ کے نام، خلافتِ کبریٰ کے عنوان اور حاکمیتِ عامہ کے عزّ و وقار کے حوالے سے حاکمِ اعلیٰ کی حیثیت سے کرتا ہے یہ بات چیت اس کی اپنے کسی وزیر، شہری حکومت کے کسی اور بڑے عہدیدار کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ بات چیت کسی ایسے بڑے معاملے کے بارے میں ہوتی ہے جو سلطنت کی تمام عوام کے لئے اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور جسے وہ سلطنت کے ہر حصے میں پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ اس کی سرکاری گفتگو اور شاہی فرمان ہے۔

**دوسری مثال:** ایک آدمی سورج کے سامنے آئینہ پکڑ کر کھڑا ہے۔ اب یہ آئینہ اپنی وسعت اور لمبائی چوڑائی کے حساب سے سورج کی سات رنگوں پر مشتمل روشنی کو خود میں جذب کرے گا، اب اس آئینے کی چونکہ سورج کے ساتھ نسبت ہے اور یہ آئینہ اس آدمی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے، اس طرح اُس آدمی کا سورج کے ساتھ تعلق پیدا ہو گیا ہے۔ اب یہ آدمی اس آئینے کا رخ اپنے تاریک کمرے یا چھوٹی سی مسقف کیاری کی طرف کر کے اُس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، یعنی انہیں روشن کر سکتا ہے، لیکن صرف اتنا ہی جتنی روشنی یہ آئینہ سورج سے اخذ کر کے آگے منعکس کرے گا، نہ کہ اُتنی جتنی سورج کی ہے۔

دوسری طرف ایک اور آدمی ہے جو آئینے کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ سورج کے براہِ راست روبرو ہو جاتا ہے، اس کی ہیبت کا مشاہدہ کرتا اور اس کی عظمت کا ادراک کرتا ہے، پھر کسی بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور اس کے وسیع و عریض اور ہیبت ناک سلطنت اور عملداری کی رعنائیوں پر نظر دوڑاتا ہے اور اس کا بغیر کسی حجاب کے ذاتی طور پر سامنا کرتا ہے، پھر وہ گھر واپس آ کر اپنے چھوٹے سے گھر اور مسقف کیاری کی سورج کی طرف کھلنے والی کھڑکیوں کو کھول دیتا ہے اور دور آسمان پر چمکتے سورج تک رسائی کا براہِ راست راستہ تلاش کر لیتا ہے اور پھر اُس حقیقی سورج کی دائمی روشنی کے ساتھ بات چیت کرتا ہے، اور شکر و امتنان سے لبریز جذبات کے ساتھ اسے دل ہی دل میں مخاطب ہو کر کہتا ہے: ''اے آفتاب! اے کائنات کے حسن و جمال کے عرش پر براجمان ہو کر بیٹھنے والے خورشید عالمتاب! اے آسماں کے پھول، اے زمین پر رنگ و نور اور پھولوں میں تبسّم و سرور بکھیرنے والے! تو نے میرے گھر اور میری اس چھوٹی سی کیاری کو روشنی اور حرارت عطا کی ہے، جیسے کہ تو نے تمام عالم کو روشنی اور حرارت سے ہمکنار کیا ہے''۔

جبکہ آئینے والا آدمی سورج کے ساتھ اس اسلوب میں بات چیت نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ سورج کی روشنی اور حرارت اس کے آئینے کی حدود و قیود کے حساب سے محدود اور مقیّد اور اس کی قابلیت اور صلاحیت کے حساب سے منحصر ہے۔

اب ان دو مثالوں کی روشنی میں قرآن کریم پر نظر ڈالیں تو آپ کو اس کی معجز بیانی، پاکیزگی اور اس کی بلندیوں کا از خود ادراک ہو جائے گا۔

Marfat.com

**قرآن کریم کہتا ہے:**

﴿وَلَوْ أَنَّ مَافِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَانَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ، إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (حاشیہ:۱)

''زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہوں گی۔ بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے''۔

وہ کلمات جن کی وسعت کو کوئی حد محدود نہیں کرسکتی ہے، ان کلمات کے مابین قرآن کریم کو جو ایک بلند مرتبہ ملا ہے اُس کا سرچشمہ اسمِ اعظم اور اسمائے حسنیٰ میں سے ہر اسم کا سب سے بلند مرتبہ ہے جس سے اس کا نزول ہوا ہے۔ بنابریں، یہ اللہ کا کلام ہے، اللہ جو ربُّ العالمین ہے۔

یہ اس کا امر ہے، جو کہ موجودات کا اِلٰہ ہے

یہ اُس کا خطاب ہے، جو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے

یہ اس کی بے حدود وقیود ربوبیت کی بلندترین گفتگو ہے

یہ اس کا عظیم الشان اُلوہیت کے مالک ہونے کی حیثیت سے اَزلی خطاب ہے

یہ اس کی عنایتِ رحیمانہ اور التفاتِ کریمانہ کی وہ دستاویز ہے جس کا ظہور اس کی ہمہ گیر رحمت سے ہوا ہے۔

یہ اُن ربانی پیغامات کا مجموعہ ہے جو اُلوہیت کی عظمت کو بیان کرتے ہیں؛ کیونکہ اِن میں سے کچھ پیغام ایسے ہیں جن کا آغاز پُراسرار الفاظ اور مخفی کنایائی زبان (Cipher) سے ہوا ہے۔

اور یہی وہ مقدس کتاب ہے جو حکمت بکھیرتی ہے۔

یہی وہ راز ہیں جن کی وجہ سے قرآنِ کریم کو وہ نام دیا گیا جس کا وہ واقعتاً اہل ہے، یعنی: ''کلام اللہ''

جہاں تک تعلق ہے دوسرے الہامی کلمات کا، تو ان میں سے ایک بڑی قسم تو اُس کلام کی ہے جو کسی عبرت خیز واقعے، کسی جزوی عنوان، کسی خصوصی اسم کی جزوی تجلی، کسی خصوصی ربوبیت کسی خصوصی حاکمیت اور خصوصی رحمت کی وجہ سے ظہور میں آتا ہے۔ اس لئے کُلّی یا خصوصی ہونے کی حیثیت سے اُن کلمات کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔ اکثر الہامات اسی قسم کے تحت آتے ہیں لیکن ان کے درجات ومراتب متفاوت ہیں۔

**مثال کے طور پر:** الہام کی سب سے سادہ اور زیادہ جُزوی قسم وہ ہے جو حیوانات کو ہوتا ہے، پھر اس سے کچھ اوپر والہام ہے جو عام لوگوں کو ہوتا ہے، پھر وہ جو عام فرشتوں کو ہوتا ہے، پھر وہ ہے جو اَولیاء کو ہوتا ہے اور پھر وہ ہے جو بڑے

(حاشیہ:۱) لقمان:27

Marfat.com

فرشتوں کو ہوتا ہے۔

یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کا ایک ولی یہ تو کہتا ہے کہ:

''میرے دل نے مجھے میرے رب کی طرف سے یہ خبر دی ہے''، مطلب یہ ہے کہ اس کے دل کے ٹیلفون کے ذریعے اور فرشتے کے واسطے کے بغیر ایسا ہوا۔ لیکن وہ یہ نہیں کہے گا کہ: ''مجھے ربُّ العالمین نے یہ بات بتائی ہے''۔ اور کبھی وہ یوں بھی کہہ دیتا ہے کہ: ''میرا دل میرے ربّ کی تجلیات کو منعکس کرنے والا آئینہ اور میرے رب کا عرش ہے، لیکن وہ یہ نہیں کہے گا کہ: ''میرا یہ دل ربُّ العالمین کا عرش ہے''؛ کیونکہ یہ چیز عین ممکن ہے کہ اُسے خطابِ الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو جائے، اور یہ شرف کسی بھی ولی کو صرف اِس صورت میں حاصل ہوتا ہے کہ:

**الف:** اس کے ذاتی استعداد اور قابلیت کس درجے کی ہے۔

**ب:** یہ کہ انسان اور خدا کے درمیان جو ستر ہزار پردے ہیں ان میں سے وہ کتنے پردوں کو اُٹھانے میں کامیاب ہوا ہے یعنی اٹھتے ہیں حجاب آخر، کرتے ہیں خطاب آخر والا معاملہ ہے۔

جی ہاں! پہلی مثال کو سامنے رکھو اور سمجھو کہ جس طرح ایک بادشاہ کا وہ فرمان جو سلطنت کا حکمران ہونے کی حیثیت سے صادر کرتا ہے، اس کا وہ مقام و مرتبہ اس کی اس گفتگو سے کہیں زیادہ بلند ہوتا ہے جو وہ جزوی طور پر اپنی رعایا میں سے کسی کے ساتھ کرتا ہے۔

اور دوسری مثال کو سامنے رکھ کر سمجھو کہ: جس طرح آسمان پر چمکتے ہوئے سورج کی روشنی کی تجلیات کے فیضان سے استفادہ کرنے کا مقام و مرتبہ اس استفادے سے کہیں زیادہ ہے جو سورج کی آئینے میں پڑنے والی روشنی سے کیا جائے؛ بالکل اسی طرح قرآن کریم کا مقام و مرتبہ دوسری آسمانی کتابوں سے اور جزوی اور انفرادی طور پر ہونے والے الہامات سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

چنانچہ مقدس کتابیں اور آسمانی صحیفے درجے کی بلندی یا فوقیت کی رُو سے قرآن کریم کے بعد دوسرے درجے میں آتے ہیں، ان میں سے ہر ایک کا اپنا مرتبہ اور فوقیت ہے، اور اس تفوّق اور بلندی میں تفاوت کا راز وہی ہے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اگر جن وانس سے صادر ہونے والے وہ تمام اقوال اور کلمات اکٹھے کر لئے جائیں جو ہیں تو خوبصورت اور دلنشیں، لیکن قرآن سے نہیں ٹپکے ہیں، تو وہ قرآن کریم کی صرف یہی نہیں کہ نظیر نہیں ہو سکتے بلکہ اُس کی نظیر یا مثیل ہونے کے قریب بھی نہیں جا سکتے ہیں۔

اگر تم یہ بات سمجھنا چاہتے ہو کہ قرآن کریم کا نزول اسم اعظم اور اسمائے حسنیٰ میں سے ہر اسم کے اعلیٰ ترین مرتبے سے ہوا ہے تو پھر آیت الکرسی اور آنے والی آیاتِ کریمہ کے عمومی بلند و بالا اور ہمہ گیر معانی پر غور کرو:

Marfat.com

﴿وَعِندَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ﴾ ''اُسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں'' (حاشیہ:۱)

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ﴾ ''کہو، خدایا، ملک کے مالک'' (حاشیہ:۲)

﴿يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ﴾

''جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے۔ جس نے سورج اور چاند تارے پیدا کئے، سب اُس کے فرمان کے تابع ہیں''۔ (حاشیہ:۳)

﴿يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي﴾

''اے زمین، اپنا سارا پانی نگل جا اور اے آسمان رک جا''۔ (حاشیہ:۴)

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾

''اُس کی پاکی ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں'' (حاشیہ:۵)

﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾

''تم سارے انسانوں کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ جلا اٹھانا تو (اُس کے لئے) بس ایسا ہے جیسے ایک مُتنفّس کو (پیدا کرنا اور جلا اٹھانا)''۔ (حاشیہ:۶)

﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾

''ہم نے اس امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا'' (حاشیہ:۷)

﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾

''وہ دن جب کہ آسمان کو ہم یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیے جاتے ہیں''۔ (حاشیہ:۸)

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ﴾

''ان لوگوں نے اللہ کے قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے (اس کی قدرتِ کاملہ کا حال ہے تو یہ ہے کہ) قیامت کے دن پوری زمین اس کی مُٹھی میں ہوگی'' (حاشیہ:۹)

﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾

''اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر بھی اتار دیا ہوتا تو دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا پڑتا ہے''۔ (حاشیہ:۱۰)

یہ اور اس طرح کی دیگر بہت سی آیات، پھر ان۔ سورتوں میں غور کرو جن کا آغاز ﴿الٓ حٰ ۔ مدٓ لٓ ٓ مٓ﴾ اور

(حاشیہ:۱) الانعام:59 (حاشیہ:۲) آل عمران:26 (حاشیہ:۳) الاعراف:54 (حاشیہ:۴) ہود:44 (حاشیہ:۵) الاسراء:44
(حاشیہ:۶) القمان:28 (حاشیہ:۷) الاحزاب:72 (حاشیہ:۸) الانبیاء:104 (حاشیہ:۹) الزمر:67 (حاشیہ:۱۰) الحشر:21

Marfat.com

﴿تسبّح﴾ سے ہوتا ہے تمہیں اس عظیم الشان راز کی جھلک صاف نظر آجائے گی، پھر ان سورتوں پر نظر دوڑاؤ جن کی ابتداء ﴿الٓمٓ﴾، ﴿الٓرٰ﴾ اور ﴿حٰمٓ﴾ سے ہوتی ہے، یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی کہ ربّ العالمین کے ہاں قرآن کریم کی کیا اہمیت ہے؟

اس مضمون (چوتھی بنیاد) میں پائے جانے والے گہرے اور لطیف راز کو اگر تم سمجھ گئے ہو، تو پھر یہ راز سمجھنا تمہارے لئے مشکل نہیں رہے گا کہ:

☆انبیاء کی طرف نازل ہونے والی اکثر وحی فرشتے کی وساطت سے آئی، لیکن الہام بلاواسطہ ہوتا ہے۔

☆بڑے سے بڑا ولی کسی بھی نبی کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

☆قرآن کریم کی عظمت، اس کا مقدس وقار اور اس کے اعجاز کی بلندی میں ایک گہرا راز پوشیدہ ہے۔

☆معراج کا ہونا لازمی اور ضروری تھا، اور اس کے ضروری ہونے میں گہری حکمت پنہاں ہے یعنی اس سے یہ راز بھی سمجھ میں آجائے گا کہ رسول کریم ﷺ کو معراج کے موقع پر جو بلند معراج کے اعزاز سے نوازا گیا اور سدرۃ المنتہیٰ تک کا سفر کرایا گیا، اور اتنی قُربت سے نوازا گیا کہ حتی کہ آپ اللہ کریم سے صرف دو کمانوں بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر رہ گئے، اور پھر آپ ﷺ نے وہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرگوشیاں کیں جبکہ اللہ تعالیٰ تو ﴿أَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ یعنی ان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب تھا، اور پھر آپ ﷺ پلک جھپکنے کے عرصے میں واپس بھی تشریف لے آئے۔

جی ہاں! جس طرح ''شقُّ القمر'' رسالت کے اثبات کے لئے ایک ایسا معجزہ ہے جس کے ذریعے آپ ﷺ کی نبوت کا اظہار جن وانس میں ہوا، اسی طرح معراج آپ ﷺ کی عبودیّت کے اظہار کے لئے معجزہ ہے جس کے ذریعے فرشتوں اور دیگر مقدس روحوں پر آپ ﷺ کی محبوبیّت کا اظہار ہوا۔

اللھم صل وسلم علیه وعلی آله کما یلیق برحمتک وبحرمته.

آمین

Marfat.com

# تیرہواں مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ (حاشیہ:۲)

اگر آپ قرآنی حکمت اور علوم فلسفہ کے مابین موازنہ اور مقارنہ منعقد کرنا چاہتے ہیں، اور دونوں سے حاصل ہونے والے درسہائے عبرت وموعظت کی پہچان کرنا چاہتے ہیں، اور یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ فلسفہ کن علوم پر مشتمل ہے اور قرآن کے دامن میں کون کون سے علوم پائے جاتے ہیں۔ تو اس مضمون کو انتہائی غور و فکر سے پڑھیں۔

قرآنِ معجز بیان اپنے قوی اور دل میں اتر جانے والے بیانات کے ساتھ عادات و مألوفات کے اُس پردے کو چاک کر دیتا ہے جو کائنات میں پائے جانے والی تمام چیزوں پر پڑا ہوا ہے یعنی کائنات میں پائی جانے والی یہ تمام چیزیں عام طور پر ہمارے لیے حیرانی یا دلکشی کا باعث نہیں ہیں؛ کیونکہ ہمارا ان کے ساتھ ہر لمحے کا واسطہ ہے اور ہم ان کے ساتھ گھل مل گئے ہیں اس لئے یہ ہمارے لیے معمول کی چیزیں بن گئی ہیں، حالانکہ یہ تمام چیزیں ایک حیرت انگیز قدرت کے بے مثال اور عظیم الشان معجزات ہیں۔ قرآن پاک یہ کرتا ہے کہ اِن چیزوں پر پڑے ہوئے اُن پردوں کو چاک کر کے اہل عقل و شعور کے لیے عجیب و غریب حقائق کا انکشاف کر دیتا ہے، اور اُن کی توجہ ان حقائق میں پائے جانے والے نتائج اور سبق آموز اور عبرت خیز مقاصد کی طرف کرا دیتا ہے، اور عقلوں کے سامنے بے شمار علوم و فنون کے ختم نہ ہونے والے خزانوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔

لیکن فلسفے میں پائی جانے والی حکمت قدرت الٰہیہ کے تمام معجزات کو عادات و مألوفات کے پردے کے نیچے چھپا کر انہیں آنکھوں سے اوجھل کر دیتی ہے اور اُن پر بے پروایانہ نظر ڈال کر آگے گزر جاتی ہے، بلکہ ان سے بے پروائی کر کے لاعلمی کا اظہار کرتی ہے۔ اور اس طرح اہل شعور کی آنکھوں کے سامنے چند نادر قسم کی چیزیں پیش کر دیتی ہے جو کہ تخلیق کے عمومی نظم وضبط سے ذرا ہٹ کر اور فطرتِ سلیمہ کے کمالی پہلو سے ذرا کم ہوتی ہیں اور ان کے بارے میں وہ یہ دعویٰ کرتی ہے

---

(حاشیہ:۱) الاسراء: 82۔

(حاشیہ:۲) یس: 69۔

Marfat.com

کہ یہ چیزیں حکمت کے نمونے ہیں اور ان میں عبرت پائی جاتی ہے۔

مثال کے طور پر۔ ایک ایسا انسان جو کہ بہترین ڈیل ڈول کا مالک اور اللہ تعالیٰ کی تخلیقی قدرتوں کا بہترین نمونہ ہے، فلسفہ اُسے عمومی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اُس کی طرف خاص توجہ نہیں دیتا۔ لیکن اگر ایک انسان کے تین پاؤں ہوں، یا دو سَر ہوں، یا اُس کے جسم میں اس طرح کا کوئی اور پیدائشی نقص ہو جو بدنما لگتا ہو، تو فلسفہ اُس کمال تخلیق سے ہٹے ہوئے بدنما انسان کی طرف خاص توجہ دے گا، اس کے عجیب وغریب ہونے کا چرچا کرے گا، تمام انسانوں کی توجہ اُس کی طرف مبذول کرائے گا اور اسے عبرت کا نمونہ قرار دے گا۔

یا پھر مثال کے طور پر۔ تمام چھوٹی مخلوقات کی غیب کے خزانوں سے انتہائی منظم طریقے سے پرورش ہو رہی ہے، اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُن گہرے معجزات کی نشاندہی کرتی ہے جو کائنات میں قدم قدم پر بکھرے ہوئے ہیں۔ فلسفہ میں پائی جانے والی حکمت جب رحمت کے اُن معجزات کو دیکھتی ہے تو اُسے یہ عام اور عادی سی چیزیں لگتی ہیں اس لیے وہ ان پر عدمِ توجّہی اور انکار کے پردے ڈال دیتی ہے۔ لیکن اُس کیڑے مکوڑے پر خاص توجہ دیتی ہے جو کائنات کے عمومی نظام کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو سکا ہو، اپنے ہم جنسوں سے پیچھے رہ گیا ہو، سمندر کی تہوں میں تنہا اجنبی رہ رہا ہو، وہاں کسی سرسبز جڑی بوٹی کے پتے کھا کر گزارہ کر رہا ہو، حتیٰ کہ یہ حکمت خود کو رحم وکرم کا پیکر ظاہر کر کے شکاریوں اور ماہی گیروں کو غمگین کر دیتی ہے بلکہ انہیں گریہ زاری پر آمادہ کر دیتی ہے۔ (حاشیہ:۱)

ان دو مثالوں کی روشنی میں آپ کو پتا چل سکتا ہے کہ علم وحکمت اور معرفتِ الٰہیہ کے میدان میں قرآنِ کریم کتنا دولت مند اور سرمایہ دار ہے اور علم وحکمت اور عبرت پذیری اور معرفتِ الٰہیہ کے باب میں فلسفہ کتنا فقیر اور تہی دست ہے! یہی وہ گہرا راز ہے جس کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن حکیم جو کہ بے حد وحساب تابناک حقائق کا مجموعہ ہے، شعری خیالات سے مستغنی ہے۔

قرآن معجز بیان کے شعر سے پاک ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے، اور وہ یہ کہ قرآن کریم حالانکہ خود ایک غیر معمولی اور مکمل ترین نظم ونسق اور معجزانہ انتظام کا حامل ہے، اپنے اِن منظم اُسالیب کے ساتھ کون ومکاں میں پائی جانے والی اِلٰہی مصنوعات کے اندر پائے جانے والے نظم ونسق کی تفسیر کرتا ہے؛ آپ دیکھیں گے کہ اس کے باوجود وہ خود غیر منظوم ہے، اس کی آیات کا کوئی بھی ستارہ وزن کی قید کے ماتحت نہیں۔ اس طرح وہ آیت اکثر دوسری آیات کے لئے ایک مرکز اور سگی بہن کا روپ دھار جاتی ہے؛ کیونکہ وہ معنی ومفہوم میں باہمدیگر پیوستہ آیات کے درمیان تعلقات کی مضبوط ڈوری کا ایک وسیع دائرہ بنا دیتی ہے۔ گویا کہ ہر آزاد آیت جو کہ وزن کے نظام میں قید نہ ہو ایسی آنکھوں کی مالک ہے جو اکثر آیات کی

(حاشیہ:۱) امریکا میں یہ واقعہ واقعتاً پیش آ بھی چکا ہے۔ مؤلف

Marfat.com

طرف دیکھ رہی ہیں، اور کئی چہروں کی مالک ہے جو دوسری آیات کی طرف رُخ کیے ہوئے ہیں۔

یہیں سے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہزاروں قرآن پائے جاتے ہیں، اتنے کہ وہ اپنے ہر ذوق اور مشرب کے قاری کو اپنی طرف سے ایک علیحدہ قرآن عطا کر دیتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ اخلاص ہی کو لے لیں، یہ علم توحید کے ایک بہت بڑے خزانے پر مشتمل ہے جس میں چھتیس (36) سورۂ اخلاص سمائی ہوئی ہیں جو کہ اس کے ان چھ جملوں کی ترکیب سے وجود پاتی ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ گہرے تعلقات کے ذریعے بندھے ہوئے ہیں۔

اس کی وضاحت ''پچیسویں مقالے'' میں کر دی گئی ہے۔

جی ہاں! آسمان کے ستاروں میں بظاہر کوئی نظم وضبط نظر نہیں آتا اور اس کی وجہ سے ہر ستارہ آزاد رو اور غیر مقید ہے اور اس طرح ہر ستارہ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے کہ دوسرے ستاروں کے گول دائرے میں مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، اب اُس کی ذات کی طرف سے ایک ایک کر کے ہر ستارے کی جانب تعلّقات کے دھاگے اور محبت کے رشتے دراز ہو رہے ہیں، اور جو اس بات کے اشارے ہیں کہ تمام موجودات کے درمیان نظر نہ آنے والا ایک گہرا تعلق ہے اور کائنات کی تمام چیزیں ایک دوسری کے ساتھ ایک نظر نہ آنے والے رشتے سے بندھی ہوئی ہیں۔ اور گویا کہ ___ قرآنی آیات کی طرح ___ ہر ستارہ متعدد آنکھیں رکھتا ہے جو دوسرے ستاروں کی طرف دیکھ رہی ہیں! اور ہر ستارہ کئی چہرے رکھتا ہے جو تمام ستاروں کی طرف رخ کئے ہوئے ہیں۔

اب دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو کہ عدمِ انتظام میں کیسا کمال کا انتظام پایا جاتا ہے! اور اس سے یہ بات بھی سمجھ جاؤ کہ آیت کریمہ ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنۢبَغِي لَهُ﴾ میں کتنے گہرے راز پائے جاتے ہیں! اور ﴿وما ينبغي له﴾ میں ایک اور حکمت بھی پائی جاتی ہے، اور اس کی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے:

شعر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے معمولی حقائق کو خیالات کی چمک دمک سے بنا سجا کر پیش کرتا ہے اور اِن خیالات کے ذریعے اُن معمولی حقائق کی ترویج کرتا ہے۔ جبکہ قرآنی حقائق میں اتنی عظمت، بلندی اور جاذبیت ہے کہ روشن سے روشن اور بڑے سے بڑا خیال بھی ان کے سامنے ماند پڑ جاتا ہے۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی: ﴿يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾ (حاشیہ:۱)، ﴿يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا﴾ (حاشیہ:۲)، ﴿إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ﴾ (حاشیہ:۳)، اور قرآن پاک میں پائے جانے والے اس طرح کے دیگر بے شمار حقائق اس بات پر گواہ ہیں۔

---

(حاشیہ:۱) الانبیاء:104 (حاشیہ:۲) الاعراف:54 (حاشیہ:۳) یٰس:53

Marfat.com

اگر آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر آیت کس طرح چمکدار ستارے کی طرح اپنے اعجاز کی روشنی اور رہنمائی بکھیرتی اور کفر کی تاریکیاں تتر بتر کرتی ہے، تو تھوڑی دیر کے لیے یہ تصور کریں کہ آپ اُس دور میں ہیں جس میں قرآن پاک نازل ہوا تھا اور اپنے آپ کو جہالت، بدویّت اور لاعلمی کے اس صحرا میں لے جائیں۔ آپ ایک ایسا منظر دیکھیں گے کہ وہاں غفلت نے ہر چیز پر پردے ڈالے ہوئے ہیں، جہالت کا دَور دورہ ہے، اور نیچر پرستی، جمود اور سنگدلی کا راج ہے۔ اور پھر اچانک قرآن کی آسمانی زبان سے ﴿یسبّح للّٰه۔﴾ اور اس جیسی دیگر آیات کو سُنیں، اور دیکھیں کہ جہانِ رنگ و بُو کی وہ مردہ یا خفتہ موجودات کس طرح سامعین کے ذہنوں میں ﴿یسبح﴾ کی صدائے بازگشت سے زندہ اور بیدار ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور ذکر و تسبیح میں مصروف ہوگئی ہیں۔

پھر یہ ستارے جو کہ تاریک فضائے آسمان میں ٹھوس اور جامد دہکتے ہوئے انگاروں کا منظر پیش کرتے ہیں، اور زمین میں پائی جانے والی یہ کمزور اور پست مخلوقات، یہ سب کے سب سامعین کی نظروں میں ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ﴾ کی صدائے بازگشت سے کچھ اس طرح کا رُوپ دھار جاتے ہیں کہ گویا سطحِ آسمان ایک منہ ہے، تمام ستارے حکمت بھرے کلمات اور حقیقت تک پہنچانے والے انوار ہیں، زمین ایک سَر بن گئی ہے، بحر و بر دو زبانوں کا رُوپ دھار گئے ہیں اور تمام حیوانات و نباتات تسبیح و تقدیس بکھیرنے والے کلمات بن گئے ہیں۔

اور اس طرح آپ جب اِس دور میں ہوتے ہوئے شعوری طور پر اُس دور میں چلے جائیں گے تو اس آیت کریمہ میں پائے جانے والے اعجاز کی گہرائیوں کو محسوس کرنا شروع کر دیں گے۔ لیکن اگر آپ اپنے شعور کو اُس دور میں نہیں لے جائیں گے تو پھر ان گہرے اور دقیق نکتوں کی چاشنی سے محروم رہیں گے۔

جی ہاں! آپ جب ان آیات کریمہ کی طرف اپنے اِن موجودہ حالات کو سامنے رکھ کر دیکھیں گے جو کہ اُس دور سے لے کر اب تک قرآن کے نور سے اتنے روشن ہو گئے ہیں، اور تمام اِسلامی علوم نے جنہیں اتنا پالش کر دیا ہے کہ اب وہ قرآن کے سورج کی روشنی میں جگمگا رہے ہیں، مطلب یہ کہ آپ جب ان آیات کو ان عادی اور مانوس نظروں سے دیکھیں گے تو آپ بلاشک ہر آیت میں پائے جانے والے معجزانہ حسن و جمال کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکیں گے، اور یہ بھی نہیں سمجھ سکیں گے کہ یہ آیات اپنی چمکتی دمکتی روشنی سے کس طرح گھنگھور اندھیروں کو پراگندہ کر دیتی ہیں۔ اور اس کے بعد آپ قرآن کریم کے اعجازی پہلوؤں میں سے کسی بھی پہلو کا ذائقہ نہیں چکھ سکیں گے۔

اگر آپ اعجاز القرآن کے بہت اُونچے درجے کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل مثال کی دوربین سے دیکھیں۔ فرض کریں کہ ایک بہت بڑا درخت ہے جو کہ بہت عجیب و غریب بھی ہے، بہت بلند، چھتنار اور چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اور اُسے غیب کے نظر نہ آنے والے پردوں نے ہر طرف سے ڈھانپا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ تہ در تہ نظر نہ

Marfat.com

آنے والے طبقوں میں پھیلتا چلا گیا ہے۔

اب یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ درخت کی شاخوں، پتّوں، پھلوں اور پھولوں کے درمیان بالکل اُسی طرح توازن ،تناسب، تعلق اور رابطہ ہوتا ہے جس طرح کہ انسانی جسم کے اَعضاء کے درمیان ہے، اور اس درخت کی ماہیت کے لحاظ سے اس کا ہر جزء ایک خاص قسم کی شکل وصورت اختیار کر جاتا ہے۔

اب اگر کوئی آدمی اُٹھے اور اُس درخت کی نمائندگی کرے جو کبھی دیکھا گیا نہ دیکھا جائے گا، اور ایک سکرین پر اس درخت کے ہر انگ کی علیحدہ علیحدہ تصویر بنانا شروع کر دے اور ان کی پہچان بھی کرواتا جائے، اور وہ اس طرح کہ وہ کچھ خطوط اس طرح کے کھینچے جو اس کے پھلوں پھولوں پتّوں اور ٹہنیوں کے درمیان پائے جانے والے تعلقات کی وضاحت کرتے ہوں، اور کچھ تصویریں اور خطوط اس طرح کے بنا دے جو اُس درخت کی ابتدا سے لے کر انتہا تک اس کے ہر دور کی مکمل طور پر اس طرح سے تصویر کھینچے ہوں کہ جس سے اس کے پھلوں پھولوں اور پتّوں ٹہنیوں کی ہر طرح سے مکمل نمائندگی ہوتی ہو۔ اگر کوئی شخص ایسا کر دے تو پھر اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں رہ جائے گا کہ وہ مصوّر یا نقش گر اُس غیبی درخت کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا ہے جو نہ صرف غیب کو دیکھ رہی ہیں بلکہ اُس کا مکمل طور پر احاطہ کیے ہوئے ہیں، اور اپنے اسی براہِ راست مشاہدے کی بنا پر وہ اُس درخت کی ایسی منظر کشی کر رہا ہے۔

اب اس مثال کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کو دیکھیں، اس کے معجزانہ بیانات جو کہ خاص طور پر موجودات کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں (وہ حقیقت جس کا تعلق تخلیق کے اس درخت کے ساتھ ہے جو دنیا کی ابتدا سے لے کر آخرت کی انتہا تک ممتد اور دراز ہے، اور فرش سے لے کر عرش تک اور ذرّے سے لے کر خورشید تک پھیلا ہوا ہے) آپ دیکھیں گے کہ قرآن کریم کے اِن دوٹوک اور امتیازی بیانات نے موازنے اور تناسب کا خصوصی خیال رکھا ہے، اور ہر عضو اور اَنگ کو اور ہر پھل پھول کو وہی نپا تلا نقش عطا کیا ہے جو کہ اُس کے شایانِ شان ہے اور جس کا وہ حق دار ہے، اس حد تک کے محقق علماء اپنی تحقیقات اور علمی کاوشوں کے بعد حیرت زدہ رہ گئے اور بے اختیار پکار اُٹھے کہ:

ماشاء اللہ۔ بارک اللہ ۔صرف قرآن کریم ہی کے پاس وہ چابیاں ہیں جن سے موجودات کے اس طلسم کدے کا دروازہ کھل سکتا ہے اور تخلیق کائنات کا معمہ حل ہوسکتا ہے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی مثالوں سے بہت بلند ہے اُس کے لیے صرف بلند ترین مثال ہی بیان کی جا سکتی ہے اور مثال کے ساتھ سمجھنے سمجھانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں اِس لیے ہمیں سمجھنے سمجھانے کے لیے مثال کا سہارا لینا پڑتا ہے، پس یوں سمجھیں کہ الٰہی اسماء وصفات اور ربّانی شؤون واَعمال کی مثال ایک ایسے ''شجرۂ طوبیٰ'' کی سی ہے جو نور سے بنا ہوا ہے۔ اُس کی عظمت کا دائرہ ازل سے لے کر ابد تک پھیلا ہوا ہے اور اس کی کبریائی کی حدّیں اِس مطلق

Marfat.com

اور غیر محدود فضا کے برابر ہیں بلکہ اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔اور اسماء وصفات اور اعمال وافعال کی کارروائیوں کا دائرہ ﴿يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ﴾ (حاشیہ:۱) اور ﴿فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ﴾ (حاشیہ:۲) اور ﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ (حاشیہ:۳) سے لے کر ﴿خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ (حاشیہ:۴) اور ﴿وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ﴾ (حاشیہ:۵)، اور ﴿سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ (حاشیہ:۶) کی حدود تک پھیلا ہوا ہے۔

اور یوں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم اس نورانی حقیقت کو اس کے تمام اجزاء وفروعات اور غایات وثمرات سمیت بیان کرتا ہے اور وہ اس ضمن میں اتنا خوبصورت اور جامع انداز اختیار کرتا ہے اور اُس کے تمام اجزاء وفروعات کے درمیان اتنی موافقت اور ہم آہنگی کا اہتمام کرتا ہے کہ ایک حقیقت کسی دوسری حقیقت کے آگے رکاوٹ نہیں بنتی، کسی ایک حقیقت کا حکم دوسری حقیقت کے حکم کو فاسد یا غلط نہیں کرتا اور کوئی حقیقت دوسری حقیقت سے وحشت محسوس نہیں کرتی ہے، اور قرآن پاک اسی ہم شکل، ہم جنس، ہم آہنگ طریقے پر اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات، اس کے ربانی معاملات اور حکیمانہ اعمال وافعال کی ایسے معجزانہ بیانات کے ساتھ وضاحت کرتا ہے کہ تمام اہل کشف، اہل حقیقت، اہل معرفت اور اہل حکمت کہ جن کی پرواز عالم ملکوت تک ہوتی ہے، یہ سب کے سب اس کے معجزانہ اسلوبِ بیان کے سامنے حیرت واستعجاب میں ڈوبے ہوئے بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں کہ: سبحان اللہ! یہ بیان کس قدر درست ہے! اس میں کتنی ہم آہنگی ہے! یہ حقیقت کے کس قدر عین بعین مطابق ہے! اور یہ کتنا خوبصورت ہے''!

ہم بطور مثال صرف ایمان کے چھ ارکان لے لیتے ہیں جن کا رُخ ''امکان'' اور ''وجوب'' کے تمام تر دائروں کی طرف ہے جو کہ اُن دو عظیم الشان درختوں _ امکان ووجوب _ کی ایک ٹہنی کا حکم رکھتے ہیں۔قرآن کریم ایمان کے ان ارکان کی ایسی تصویر کھینچتا ہے کہ اس کے کسی خوشے، ٹہنی، پھل اور پھول کو نظر انداز نہیں کرتا ہے، اور پھر جب یہ تصویر کشی کرتا ہے تو اس چیز کا بھرپور خیال رکھتا ہے کہ پھلوں پھولوں اور شاخوں پتوں کے درمیان ہر طرح سے ہم آہنگی رہے۔اور وہ واقعتاً تمام اجزاء کے درمیان اتنا حیرت انگیز توازن اور بے مثال ہمواری واستواری قائم رکھتا ہے کہ عقل انسانی اس کی گہرائیوں کا ادراک کرنے سے عاجز اور اس کے حسن وجمال کے سامنے مبہوت اور انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔

پھر اسلام جو کہ ایمان کی ٹہنی کی ہی ایک شاخ ہے، قرآن کریم نے اس کے پانچ ارکان کی اتنی خوبصورت اور دل آویز تصویر کشی کی ہے، اس کے تمام اجزاء وعناصر کا اتنی گہری نظر سے نقشہ کھینچا ہے اور اس ضمن میں ان تمام اجزاء وعناصر کے درمیان توازن اور تناسب کے حسن وجمال کا اتنا خیال رکھا ہے کہ عقلِ انسانی عش عش کر اُٹھتی ہے، صرف یہی نہیں بلکہ

(حاشیہ:۱) الانفال:24 (حاشیہ:۲) الانعام:95 (حاشیہ:۳) آل عمران:6
(حاشیہ:۴) ہود:7 (حاشیہ:۵) الزمر:67 (حاشیہ:۶) الرعد:2

Marfat.com

اِس ضمن میں اس نے اِن ارکان کے معمولی معمولی آداب، آخری مقاصد و غایات، گہری سے گہری حکمتوں اور چھوٹے سے چھوٹے فوائد و ثمرات کو بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا ہے، اور اس بات کی سب سے زیادہ حیرت انگیز دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات کی نصوص اور اس کے اشاروں اور رمزوں سے پھوٹنے والی عظیم الشان شریعت میں کمال درجے کا نظم وضبط پایا جاتا ہے۔

تو اس درخشاں شریعت میں کمال کا نظم وضبط پایا جانا، اس میں انتہائی دقیق اور باریک قسم کا توازن پایا جانا، اس کے احکام میں انتہائی خوبصورت تناسب اور پختگی کا پایا جانا، یہ تمام چیزیں قرآن کریم کے برسرِ حق ہونے کی ایسی سچی اور عدل بھری گواہیاں ہیں جن پر کبھی جرح نہیں ہوسکتی، اور ایسی قطعی اور یقینی دلیلیں ہیں کہ شک و شبہ جن کے قریب بھی نہیں بھٹک سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ قرآنی بیانات کا سرچشمہ کسی انسان کا جزوی علم نہیں ہوسکتا ہے، اور خاص کر ایک ایسا انسان جو امّی ہو، بلکہ اس کا سرچشمہ وہ علم ہے جس کی وسعتوں کی کوئی حد نہیں، جو ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور جس کی نگاہ میں بیک وقت تمام چیزیں ہیں۔

تو پتا چلا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی ذات کا کلام ہے، جو کہ ازل اور ابد کو بیک وقت نگاہ میں رکھے ہوئے ہے، اور تمام حقائق بیک وقت جس کی نگاہ میں حاضر و موجود ہیں اس اہم حقیقت کی طرف یہ آیت کریمہ اشارہ کرتی ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ (حاشیہ:۱)

اللهم یا منزّل القرآن! بحق القرآن و بحق من أُنزل علیه القرآن نوّر قلوبنا و قبورنا بنور الایمان و القرآن. آمین یا مستعان

☆ ☆ ☆

(حاشیہ:۱) الکھف:1

Marfat.com

# تیرھویں مقالے کا دوسرا مقام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[یہ مضمون دراصل وہ گفتگو ہے جو چند ایسے نوجوانوں کے ساتھ ہوئی جو زندگی کی فریب کاریوں اور جاذبیتوں سے متاثر ہو چکے تھے لیکن ان میں عقل وشعور کی چنگاری ابھی بجھ نہیں پائی تھی]

چند نوجوانوں نے مجھ سے یہ پوچھا کہ: بہکاوے کے حملوں، حرص وہوس کی جاذبیتوں اور لہو ولعب کی فریب کاریوں سے بھرے ہوئے اس دور میں ہم اپنی آخرت کا بچاؤ کیسے کر سکتے ہیں، اور یہ کہ ''رسائل نور'' اس سلسلے میں ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں؟

''رسائل نور'' کی معنوی شخصیت کی حیثیت سے ان کے اس سوال کا جواب میں نے یہ دیا کہ:

قبر کا وجود ایک حقیقت ہے۔ ایک ایسی حقیقت کہ جس کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ اور یہ بات بھی حقیقت ہے کہ ہر انسان اس میں ضرور داخل ہوگا، مانے یا نہ مانے، چاہے یا نہ چاہے۔ اور اس میں داخل ہونے کی صرف تین صورتیں اور تین راستے ہیں:

**پہلا راستہ:**

یہ ہے کہ قبر اہل ایمان کے لیے اس دنیا سے زیادہ وسیع، بہترین اور خوبصورت عالم کا دروازہ ہے۔

**دوسرا راستہ:**

یہ کہ قبر ایک دائمی قید خانے کی طرف دروازہ کھول دے جہاں انسان تمام دوستوں سے الگ تھلگ قید تنہائی میں رہے گا۔ اور یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو آخرت پر ایمان تو رکھتے تھے لیکن ان کی عملی زندگی میں اس چیز کے کوئی اثرات نہیں تھے، یعنی ان کی زندگی جرم وگناہ سے آلودہ رہی اور وہ فسق وفجور اور بے راہ روی کا شکار رہے، بالکل ایسے کہ جیسے آخرت پر ان کا اعتقاد ہی نہ ہو۔ چنانچہ ان کے ساتھ جو سلوک ہوگا وہ ان کی عملی زندگی کے مطابق ہوگا۔

**تیسرا راستہ:**

قبر ہمیشہ کے لیے پھانسی کا دروازہ ہے۔ اور یہ ان اربابِ ضلالت کے لیے ہوگا جو آخرت کے منکر ہیں۔ قبر ان کے لیے پھانسی کا پھندہ ثابت ہوگی جس پر ایسے تمام لوگ اور ان کے یار دوست لٹکائے جائیں گے اور ان کی یہ سزا ان کے عقیدے یعنی آخرت کے انکار کے مطابق ہوگی۔

Marfat.com

یہ دوسری اور تیسری دونوں صورتیں اتنی واضح ہیں کہ ان کے لیے کسی دلیل یا ثبوت کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ ان دونوں صورتوں کا مشاہدہ ہم ان آنکھوں سے کر سکتے ہیں۔ تو جب اجل ایک ایسا راز ہے جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے، اور موت بوڑھے جوان کا فرق کیے بغیر کسی بھی وقت ہمارا گلا دبوچ سکتی ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بے چارہ انسان جو موت جیسے خوفناک مسئلے سے ہمہ وقت دو چار ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ انسان ایسے راستے ضرور تلاش کرے گا جو اسے دائمی پھانسی اور قید تنہائی سے بچا سکیں، اور جو قبر کی تاریکیوں کی طرف کھلنے والے دروازے کو اس جگمگاتی روشنیوں والے دروازے میں تبدیل کر دیں جو ہمیشہ رہنے والی دنیا اور ابدی سعادت اور نورانی کائنات میں پائے جانے والے باغات میں کھلتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مسئلہ انسان کے لیے بہت بڑا بلکہ دنیا کے ہر مسئلے سے زیادہ اہم اور بڑا مسئلہ ہے!

موت اور قبر کی وضاحت کے لیے جن تین راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ حقیقت ان مذکورہ تین طریقوں سے رونما ہوگی، اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کی خبر ہمیں ان سچے مخبروں یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام نے دی ہے جن کے ہاتھوں اپنی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے ہزاروں معجزات کا ظہور ہوا۔

پھر ایک لاکھ چوبیس ہزار ملین اولیاء صالحین نے اپنے کشف وشہود اور ذوق ووجدان کی روشنی میں اس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کی اور بتایا کہ انبیاء کرام نے جو کچھ بتایا ہے سچ ہے۔

پھر ان گنت علماءِ محققین نے علم الیقین کی حدوں کو چھونے والے قطعی عقلی دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ مذکورہ دونوں گروہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ عین بعین حق اور سچ ہے۔ ان سب لوگوں نے جو کچھ بتایا اور ثابت کیا ہے اس سے یہ حقیقت 99 فیصد تک پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ:

دائمی پھانسی اور دائمی قید سے نجات حاصل کرنے اور موت کو ابدی سعادت میں تبدیل کرنے کا ایک ہی راستہ ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی اطاعت۔

اگر کوئی آدمی کسی راستے پر سفر کر رہا ہو اور راستے کا واقف کار کوئی آدمی اس سے یہ بات کہہ دے کہ اس راستے میں خطرات ہیں اس لیے ادھر سے سفر نہ کرو، لیکن یہ آدمی اس واقف کار آدمی کی بات کی پرواہ کیے بغیر اس راستے پر چل پڑے، تو کیا خیال ہے کہ راستے کے خطرات کا جو خوف اس کے دل میں بیٹھ جائے گا وہ بھوک اڑانے کے لیے کافی نہیں ہوگا؟ اگر چہ وہ خطرات ایسے معمولی قسم کے ہوں کہ جن میں جان کا خطرہ صرف ایک فیصد ہی ہو، اور ان خطرات کے بارے میں خبر اسے صرف ایک آدمی نے ہی دی ہو؟ تو پھر اس حقیقت کے بارے میں کیا خیال ہے جس کی خبر لاکھوں ایسے لوگوں نے دی ہے جو کہ صادق ومصدَّق ہیں!

Marfat.com

جن کی خبر سو فیصد سچی ہے! ان سب نے بالاتفاق یہ بتایا ہے کہ بے راہ روی اور کفر انسان کو قبر میں لگی ہوئی سولی اور قید تنہائی تک پہنچا دیتے ہیں اور ایمان اور عبادت سو فیصد گارنٹی کے ساتھ اس صلیب کی لکڑیاں توڑ دیتے ہیں، قید تنہائی کا دروازہ بند کر دیتے ہیں اور قبر کو ایک ایسے دروازے میں تبدیل کرتے ہیں جو آراستہ پیراستہ اور سعادت سے معمور محلوں اور ختم نہ ہونے والے خزانوں کی طرف کھلتا ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رہے کہ یہ لوگ اس حقیقت کی نشانیاں دکھاتے ہیں اور اس کے آثار و نقوش کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔ اب میرا آپ لوگوں سے یہ سوال ہے کہ:

ایک مایوس اور ناامید انسان، اور خاص کر مسلمان، اس عظیم الشان اور خطرناک مسئلے کے مقابلے میں کیا موقف رکھے؟ اگر کسی انسان کو دنیا جہان کی تمام نعمتیں، آسائشیں، لذتیں اور حکومتیں دے دی جائیں، تو کیا یہ تمام چیزیں اس قلق واضطراب کا ازالہ کر سکتی ہیں جو اسے اس وجہ سے لاحق ہے کہ قبر اس کے سامنے تیار کھڑی ہے اور وہ اس میں داخل ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کر رہا ہے؟ اور خاص کر اس وقت کہ جب وہ ایمان اور عبادت کی دولت سے محروم ہو؟

پھر بڑھاپا، بیماری، مصیبت، آزمائش اور لحہ بہ لحہ رونما ہونے والی اموات ہر انسان کے سینے کو اس دردناک غم کی آماجگاہ بنا کر رکھتی ہیں اور اسے اس کے اس انجام سے خبردار کرتی رہتی ہیں جس سے وہ بہر صورت دوچار ہونے والا ہے۔ تو کہنا یہ ہے کہ یہ بے راہ روی، ارباب سفاہت اور بدقماش قسم کے لوگ اگرچہ بظاہر اس دنیا کی رنگینیوں میں سرمت لذتوں میں کھوئے ہوئے دادِ عیش دے رہے ہیں لیکن ان کے دلوں میں اس ان دیکھی جہنم کی وہ آگ مسلسل بھڑک رہی ہے جس سے وہ عنقریب حقیقت میں بھی دوچار ہونے والے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ابھی ان کے احساسات پر غفلت کی تہیں چڑھی ہوئی ہیں اس لیے وہ اس عذابِ الیم کو محسوس نہیں کر رہے ہیں!

اہل ایمان اور اصحاب اطاعت اپنے سامنے تیار کھڑی قبر کو چونکہ دائمی سعادت اور ابدی نعمتوں کے باغات میں کھلنے والا ایک دروازہ سمجھتے ہیں ___ کیونکہ انہیں قدرتِ الٰہی کی طرف سے ان کے ایمان کی گواہی کی بدولت ایک ایسی دستاویز حاصل ہو گئی ہے جو انہیں لازوال خزانوں کا مالک بنا دے گی ___ اس لیے ان میں سے ہر ایک، ایک گہری اور حقیقی لذت اور روحانی سرمستی سے سرشار ہوگا، اس وقت جب ان کا انتظار ختم ہوگا اور انہیں آواز آئے گی کہ: ''آؤ اپنی دستاویزات دکھاؤ اور ٹکٹ لے جاؤ''، اور یہ روحانی مسرت اور سرخوشی اتنی بڑی ہے کہ اگر اسے مادی جسم عطا کر دیا جائے تو اس مومن کی ایک نجی جنت کا روپ دھار جائے، بالکل ایسے جیسے ایک بیج کا دانہ مجسم ہو کر گھنا درخت بن جاتا ہے۔

معاملہ جب اس طرح کا ہے تو پھر وہ آدمی جو جوانی کی بدمستیوں اور حماقتوں سے مغلوب ہو کر ایک عارضی، وقتی، غیر شرعی اور زہر ملے شہد کی طرح دکھوں سے بھری، اور رنج والم سے آلودہ لذتوں کو حاصل کرنے کے لیے اس خالص اور حقیقی روحانی لذت سے منہ پھیرتا ہے وہ حیوانوں کے مرتبے سے بھی سو درجے نیچے گر جاتا ہے۔ بلکہ ایسا شخص تو الحاد

Marfat.com

پرستوں کے برابر بھی نہیں ہوسکتا ہے؛ کیونکہ ان میں سے جو لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرتے ہیں وہ کم از کم دیگر انبیاء میں سے کسی نہ کسی کو تو مانتے ہیں اگر تمام رسولوں کو نہیں مانتے تو کم از کم اللہ تعالی کے وجود کو تو مانتے ہیں!

اور پھر اگر وہ اللہ کو نہ بھی مانیں تو بھی ان میں کچھ قابل تعریف خصلتیں ایسی ہیں جو انہیں انسانی کمالات سے مزین کر دیتی ہیں۔ جبکہ ایک مسلمان کا معاملہ اس سے بالکل علیحدہ ہے؛ کیونکہ مسلمان نے اگر انبیائے کرام کی پہچان حاصل کی ہے، اپنے رب پر ایمان کی سعادت پائی ہے اور انسانی کمالات کی دولت پائی ہے تو صرف اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے پائی ہے؛ اس لیے کوئی مسلمان اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت سے آداب زندگی نہیں سیکھتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام سے روگردانی کرتا ہے تو وہ صرف یہی نہیں کہ کسی بھی دوسرے نبی کا اعتراف نہیں کرتا ہے بلکہ وہ خدا تک کا انکار کر دیتا ہے، پھر وہ اپنی روح میں انسانی کمالات کی روح کی حفاظت بھی نہیں کرسکتا، کیونکہ دین کے اصول اور تربیت کی وہ بنیادیں جو یہ آخری پیغمبر لے کر آئے ہیں، اتنی پختہ اور تکمیل بردوش ہیں کہ ان سے روگردانی کرنے والا کسی روشنی یا کمال سے بہرہ ور ہو ہی نہیں سکتا ہے بلکہ ایسے آدمی کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ وہ پستیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرے گا؛ کیونکہ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں، سید الانبیاء والمرسلین ہیں، اور تمام معجزات میں دینی اور دعوتی اعتبار سے نوع انسانی کے امام اور فخر واعتزازِ انسانیت ہیں۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو گزشتہ چودہ صدیوں میں ببانگ دہل ثابت ہو چکی ہے۔

پس اے وہ نوجوانو! جو اس دنیا کی ظاہری زیب وزینت پر فریفتہ ہو چکے ہو اور موجودہ اور مستقبل کی زندگی کو بچانے کے لیے غم میں آخری حد تک تگ ودو کر رہے ہو!

اے بے چارہ و بے نوا لوگو!

اگر تم اس دنیا میں رامش وراحت، سعادت مندی اور اس کی نعمتوں سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہو، تو یاد رکھو کہ جائز اور شرعی لذتیں اتنی بھرپور ہیں کہ تمہیں باقی کسی بھی لذت سے بے نیاز کر دیں گی اور تمہارے تمام مطالبات پر پوری اتریں گی۔ ہماری اس وضاحت سے تمہیں اس بات کا ادراک یقینا ہو گیا ہوگا کہ جو بھی لذت ناجائز اور شریعت کے دائرے سے باہر ہے اس کے اندر یقینا ہزاروں رنج والم چھپے ہوئے ہیں۔ جس طرح ماضی کے حالات و واقعات آج سینما سکرین پر ڈسپلے کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ حالات و واقعات جو آج سے پچاس سال بعد رونما ہونے والے ہیں انہیں آج سکرین پر ڈسپلے کر دینا ممکن ہو جائے تو یہ سب غفلت بردہ اور فریب خوردہ انسان جن چیزوں پر ہنس رہے ہیں انہیں چیزوں سے نفرت کرتے ہوئے دور بھاگیں اور انہیں دیکھ کر ان کی روتے روتے ہچکی بندھ جائے۔

بنابریں، جو آدمی دنیا وآخرت میں خالص شادمانی، دائمی خوشی اور ابدی سعادتمندی سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے اسے

Marfat.com

چاہیے کہ وہ ایمان کے دائرے میں رہ کر خود کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کے سانچے میں ڈھال لے۔

# کچھ بے چارہ نوجوانوں کے لیے

## ایک تنبیہ، سبق اور نصیحت

میرے پاس ایک دن چند پریشان حال نوجوان آئے، جوانی کی تروتازگی اور ذہانت جن کی پیشانیوں سے ٹپک رہی تھی۔ ان کو خواہش تھی کہ انہیں کوئی ایسی مضبوط قسم کی رہنمائی مل جائے جس کی روشنی میں وہ سفر حیات میں ان خطرات اور نقصانات سے محفوظ رہ سکیں جو دور حاضر میں جوانی کی ترنگوں، چاروں طرف پھیلی ہوئی امنگوں اور زندگی کے دیگر تقاضوں سے ابھرتے ہیں۔ تو میں نے انہیں وہ نسخہ بتایا جو ان لوگوں کو بتایا تھا جو 'رسائل نور' کی وساطت سے کارگاہِ حیات میں مدد چاہتے تھے، میں نے کہا:

تمہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جانی چاہیے کہ تمہاری جوانی کی یہ بہار اور زندگی کی تروتازگی لامحالہ ایک دن تمہیں الوداع کہنے والی ہے۔ جوانی کے یہ چار دن اگر تم نے شریعت کی حدود و قیود میں رہ کر نہ گزارے تو یہ جوانی نہ صرف یہ کہ ضائع اور برباد جائے گی بلکہ دنیا، قبر اور آخرت میں تم پر اتنے آلام و مصائب ڈھائے گی کہ جو ان لذات سے کئی گنا زیادہ ہوں گے جو اس نے اس دنیا میں تمہیں چکھائی ہیں۔ لیکن عنفوانِ شباب کے یہ چار دن اگر تم نے پاکیزگی اور عفت مآبی، خودداری اور اسلامی تربیت کی روشنی میں پروردگار کی اطاعت میں اپنی اس جوانی اور مردانگی کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے گزارے، تو تمہارے لیے تمہارا عہدِ جوانی غیر محسوس طور پر باقی رہے گا۔ اور جنت میں تمہارے لیے دائمی حسن و جوانی کا ایک وسیلہ بن جائے گا۔

رہی زندگی، تو یہ اگر ایمان سے خالی ہو، یا پھر اگر ایمان سے بہرہ ور تو ہو لیکن اس ایمان کا انسان کی عملی زندگی پر کوئی رنگ ہی نہ ہو، یعنی انسان ایمان کا دعویٰ کرتا ہوا بھی گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہو، تو ایسی زندگی بظاہر کتنی بھی پر لطف اور لذیذ کیوں نہ ہو، بہرکیف ان لذتوں اور لطف اندوزیوں سے ہزاروں گنا زیادہ ہموم و غموم کا سبب بنتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی عقل، سوچ فکر اور فطرت کے طفیل اپنے حال کے ساتھ ساتھ ماضی اور مستقبل کے ساتھ بھی مضبوطی سے جڑا ہوا ہے، اس لیے وہ اپنے موجودہ حالات کے ساتھ ساتھ ماضی کے غم اور مستقبل کے خدشات و تفکرات سے بھی متاثر ہوتا ہے؛ بخلاف دیگر حیوانات کے، دیگر حیوانات چونکہ عقل و فکر سے عاری ہیں اس لیے ماضی کے غم اور مستقبل کے قلق و خوف ان کی حاضر لذت کے رنگ میں بھنگ نہیں ڈال سکتے ہیں۔ لیکن انسان کا معاملہ ایسا نہیں ہے، انسان جب غفلت و گمراہی کی

Marfat.com

دلدل میں گر جائے تو ماضی کے رنج وغم اور مستقبل کی گھبراہٹیں اور بے چینیاں اسے تھوڑی سے حاضر لذت سے جی بھر کے لطف اندوز نہیں ہونے دیتی ہیں بلکہ اس لذت کو وہ اس کے لیے تلخ تر بنا دیتی ہیں۔ اور خاص کر اس وقت جب وہ لذت شرعی طور پر حرام بھی ہو، ایسی صورت میں عارضی لذت اس شہد کے روپ میں ہوتی ہے جس میں زہر ملا دیا گیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ زندگی کی لذّتوں سے جتنا حیوانات لطف اندوز ہو رہے ہیں انسان کو اس کا سوواں حصہ بھی نصیب نہیں ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ غفلت وگمراہی کی دھول میں اٹے ہوئے لوگوں کی زندگی، ان کا وجود اور ان کی کائنات صرف وہی چند لمحے ہوتے ہیں وہ جن میں جی رہے ہوتے ہیں۔

اور وہ اس طرح کہ ماضی اور اس میں پائے جانے والی کائناتیں ان کے گمراہ نقطۂ نظر کی رُو سے مردہ اور معدوم ہیں۔ اور خود وہ چونکہ عقل وخرد کے مالک ہیں، اس لیے ماضی کی تلخیوں کی یاد آتے ہی ان کے دلوں پر اتھاہ تاریکیوں کے بادل چھا جاتے ہیں۔ باقی رہا مستقبل، تو وہ بھی ان کی نظروں میں معدوم اور لاشئ ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ مستقبل پر ایمان ہی نہیں رکھتے ہیں، اور وہ چونکہ بعث یعنی دوبارہ جی اٹھنے پر بھی ایمان نہیں رکھتے ہیں اس لیے اس معدومیت کے عقیدے سے حاصل ہونے والا فراق ان کی زندگیوں میں_ جب تک ان میں عقل اور سوچ فکر کا مادہ ہے_ گھنگھور اندھیرے بھر دیتا ہے۔

ایمان جب اس زندگی کے لیے زندگی بن جاتا ہے تو گزرے ہوئے اور آنے والے تمام زمانے اس ایمان کی روشنی سے جگمگا اٹھتے ہیں اور بقائے دوام سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اور اس ایمان کی برکت سے وہ مردِ مومن کے قلب وروح کو ایمان کی روح سے بلند ترین روحانی اذواق ولذات اور دائمی وجود کے انوار سے بھر دیتے ہیں، بالکل ایسے جیسے کہ وہ حال کی لذتوں سے سرشار ہو رہے ہیں۔ اس حقیقت کی پوری وضاحت ہماری کتاب ''رسالۃ الشیوخ'' یعنی ''بزرگوں کے لیے پیغام'' کی ''ساتویں امید'' نامی عنوان میں ہو چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

یہی زندگی ہے... اگر تم اس زندگی کی راحتوں اور شادمانیوں سے لطف اندوز ہونا چاہتے ہو تو پھر اپنی یہ زندگی ایمان کی روشنی میں گزارو اور اسے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کی ادائیگی سے مزین کرو اور گناہوں سے کنارہ کش رہ کر اس کی حفاظت کرو۔

رہی یہ بات کہ موت کی وہ حقیقت کیا ہے جس کی خبر ہمیں وہ اموات دے رہی ہیں جن کا مشاہدہ ہم ہر روز اور ہر جگہ کرتے ہیں تو یہ چیز میں تمہیں بھی اس طرح مثال کے ساتھ سمجھاؤں گا جس طرح تم جیسے دوسرے نوجوانوں کو میں نے پہلے بھی سمجھایا ہے۔

یوں سمجھو کہ یہاں ایک جگہ پر تمہاری آنکھوں کے سامنے پھانسی کے لیے سولی نصب کی ہوئی ہے۔ اور اس کے پہلو

Marfat.com

میں ایک انعام گھر ہے، جہاں جیتنے والوں میں بھاری انعامات تقسیم کیے جا رہے ہیں۔اور ہم یہاں دس لوگ ہیں اور ہمیں ۔ہم چاہیں یا نہ چاہیں۔ وہاں ہر صورت طلب کیا جائے گا۔لیکن چونکہ اس وقت مقرر کا کسی کو پتہ نہیں ہے کہ کس وقت آواز پڑنے والی ہے، اس لیے ہمارا ہر لمحہ اس انتظار میں گزر رہا ہے کہ بلانے والا ہم میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ آواز دے، یا کوئی اُسے یہ کہے کہ آؤ... آگے بڑھو، اپنی پھانسی کا فیصلہ پکڑو اور پھانسی لگ جاؤ یا پھر یوں کہے کہ: آگے آؤ، یہ کارڈ پکڑو، تمہاری کئی ملین ڈالر کا انعام نکلا ہے!

ابھی ہم اس اعلان کے انتظار میں وہاں کھڑے ہی ہیں کہ اس دوران دروازے پر دو شخص نمودار ہوتے ہیں، ان میں سے ایک تو خوبصورت اور فنکار قسم کی عورت ہے جس نے نیم عریاں کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور اس کے ہاتھ میں مٹھائی ہے جو دیکھنے میں بڑی قیمتی اور دلکش محسوس ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس میں زہر ملا ہوا ہے۔وہ یہ مٹھائی کھانے کے لیے پیش کرتی ہے۔

ان میں سے دوسرا آدمی ایک باوقار شخصیت، عقل مند اور سنجیدگی کا مالک ہے جو نہ دھوکا دیتا ہے نہ کھاتا ہے، یہ آدمی اس عورت کے پیچھے متصل ہی داخل ہوتا ہے اور کہتا ہے: میں تمہارے پاس ایک عجیب وغریب طلسم لے کر آیا ہوں، یعنی یہ ایک سبق ہے، اگر تم اسے پڑھ لو اور یہ مٹھائی نہ کھاؤ تو تم پھانسی کے پھندے سے بچ سکتے ہو۔اور مزید یہ کہ اس طلسم کے ذریعے تم وہ قیمتی کارڈ بھی حاصل کر سکتے ہو جس سے وہ قیمتی انعام ملتا ہے۔اور یہ بات تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ جو بھی یہ مٹھائی کھاتا ہے وہ اس میں ملے ہوئے زہر کی وجہ سے معدے کے درد سے تڑپ اٹھتا ہے اور وہ سولی پر بھی لٹکا دیا جاتا ہے۔لیکن وہ لوگ جنہوں نے انعامی کوپن حاصل کر لیا ہے وہ اگرچہ ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں اور بظاہر یہی محسوس ہوتا ہے۔کہ وہ پھانسی کے تختے پر بھی چڑھے ہیں، لیکن ان کے بارے میں لاکھوں عینی گواہ یہ خبر دیتے ہیں کہ وہ پھانسی پر لٹکے نہیں، بلکہ سولی کی لکڑیوں کو سیڑھیاں بنا کر اس کمرے میں داخل ہوگئے ہیں جہاں انعامات تقسیم ہو رہے ہیں۔ یقین نہیں آتا تو آؤ ان کھڑکیوں سے جھانکو، تمہیں انعامات تقسیم کرنے والے اور ان کی نگرانی وغیرہ کرنے والے دیگر ذمہ داران بلند آواز سے یہ اعلان کرتے ہوئے نظر آئیں گے کہ: ''جس طرح تم لوگوں نے سولی پہ چڑھنے والوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اسی طرح یہ بات بھی یقینی ہے کہ اس طلسم پر عمل کرنے والے لوگ انعامات کا ٹکٹ حاصل کر چکے ہیں۔اور یہ بات شک وشبہ سے اسی طرح بالاتر ہے جس طرح دوپہر کے سورج کے بارے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا''۔

اس مثال کی روشنی میں اب یوں سمجھو کہ: جوانی کی وہ رنگینیاں، سرمستیاں، اور لطف اندوزیاں جو شرعی حدود کو پامال کر کے حاصل کی جائیں وہ اس شہد کی طرح ہیں جس میں زہر ملا دیا گیا ہو اور اُس طلسم یا ٹکٹ سے مراد ایمان ہے۔انسان جب حرص وہوا کی رو میں بہ کر حرام لذتوں کا ارتکاب کرے اور بے راہ روی کا شکار ہو جائے تو لامحالہ اس ایمان سے محروم

Marfat.com

ہو جائے گا جو کہ ابدی خزانے اور سرمدی سعادت کے حصول کا کارڈ ہے اور عنقریب قبر کے گہرے گڑھے میں جا گرے گا جو کہ پھانسی گھاٹ کا روپ رکھتا ہے اور یہ قبر ـ جیسے کہ بظاہر محسوس بھی ہوتی ہے ـ اس کے لیے ابدی تاریکیوں کا ڈیرہ ہے۔

پھر موت چونکہ ایک پوشیدہ راز ہے اور وہ کسی بھی لمحے بوڑھے یا جوان کا فرق کئے بغیر کسی کو بھی اپنا لقمہ بنا سکتی ہے، بنا بریں، جب انسان زہر آلود شہد جیسی حرام اور غیر شرعی لذتوں سے کنارہ کشی کرے گا اور اس قرآنی طلسم یعنی ایمان اور فرائض کی ادئیگی کے حصول کی طرف لپکے گا، تو پھر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور بے شمار اولیاء کرام بالاتفاق اس بات کی خوشخبری دیتے ہیں کہ وہ اس ٹکٹ کو حاصل کرلے گا جو اس کے لیے ابدی سعادت کے خزانوں کے حصول کی ضمانت ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ: جوانی لامحالہ زائل ہونے والی ہے اور اس کا سورج بہر کیف ڈھلنے والا ہے، اس لیے اگر اسے غفلتوں اور سرمستیوں میں صرف کردیا جائے تو یہ عنقریب دنیا وآخرت میں ہزاروں مصائب وآلام کا سبب بن جائے گی۔

اگر تم یہ سمجھنا چاہتے ہو، بلکہ اس بات کا یقین حاصل کرنا چاہتے ہو کہ ایسے نوجوان جو اپنی جوانی کو غلط راہوں پر ڈال دیتے ہیں، ان میں سے اکثر تو اپنی غلط کاریوں، بے اعتدالیوں اور نفسانی امراض میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے یا تو ہسپتالوں میں داخل ہو جاتے ہیں، یا اپنی اوچھی حرکتوں اور خود فریبیوں کی وجہ سے جیلوں، حوالاتوں اور دیگر پر ہتک اور توہین آمیز جگہوں میں دھکیل دیے جاتے ہیں۔ اور یا پھر آلام ومصائب اور نفسیاتی پیچیدگیوں سے تنگدل ہو کر تھیٹروں اور شراب خانوں کا رخ کر لیتے ہیں۔ اگر اس چیز کا یقین چاہتے ہو تو جاؤ ہسپتالوں، جیلوں اور قبروں سے پوچھو... تمہیں ہسپتالوں سے وہ آہیں اور کراہیں سنائی دیں گی جو ان بیماریوں کے سبب نکل رہی ہیں جو جوانی کی غلط کاریوں، بے اعتدالیوں اور بد اعمالیوں کی وجہ سے لگی ہیں۔

تمہیں قید خانوں سے افسوس اور پشیمانی کی وہ آوازیں سنائی دیں گی جو ان بدبخت نوجوانوں کے منہ سے نکل رہی ہیں جو جوانی کے اوچھے پن اور بہکاوے کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتے رہے اور یوں وہ شرعی حدود کو پامال کرنے کی وجہ سے اس تادیبی طمانچے کے حق دار ٹھہرے۔

اور تمہیں اس بات کا بھی علم ہو جائے گا کہ قبر یعنی عالم برزخ جس کے دروازے وہاں کثرت سے داخل ہونے والوں کی وجہ سے ہمیشہ کھلتے اور بند ہوتے رہتے ہیں، اس قبر کا عذاب ان اعمال کی ہی بازگشت ہے جو آدمی کے دور شباب میں بے اعتدالیوں کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں، اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ثبوت اہل کشف کے مشاہدات نے فراہم کردیا ہے۔ اور جس کی تصدیق تمام اہل حقیقت کی گواہی نے کردی ہے۔

پھر ذرا ان بوڑھوں اور بیماروں سے پوچھو جو کہ نوع بشری کا غالب حصہ ہیں، ان سے پوچھو تو ان میں سے اکثر یہ

Marfat.com

کہیں گے: ''گزرے ہوئے لمحات پر افسوس! افسوس کہ ہم نے جوانی کے چار دن ناچیز اور بیہودہ بلکہ نقصان دہ کاموں میں ضائع کر دیے۔''

خبردار! اب تم ہمارے کردار کو مت دہرانا اور ہماری طرح پشیمانی نہ اٹھانا؛ کیونکہ وہ آدمی جو دنیا میں شباب کی رنگینیوں سے پانچ دس سال تک لطف اندوز ہونے کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے اور اس کے لیے ہر حرام، ممنوع اور غیر شرعی راستہ اپناتا ہے اور کئی سال دنیا کا غم اور برزخ اور جہنم کا عذاب جھیلنا گوارہ کرتا ہے۔ وہ رحم کا مستحق ہرگز نہیں ہے، حالانکہ جن سخت حالات میں وہ گھرا ہوا ہے ان کے پیش نظر اس کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا برتاؤ ہونا چاہیے؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ جو آدمی غلط راستہ اپناتا ہے اور خود چل کر نقصان کی طرف جاتا ہے وہ رحم کا مستحق نہیں ہوتا ہے اور اس پر ترس نہیں کھانا چاہیے۔ ایک پُرحکمت قول ہے: ''اَلرَّاضِیُ بِالضَّرَرِ لَا یُنظَرُ لَهٗ'' یعنی جو نقصان پر راضی ہو اس پر ترس نہیں کھانا چاہیے''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو اس دور کے دلکش فتنوں اور ان کے نقصانات سے محفوظ رکھے۔ آمین

## تیرھویں مقالے کے دوسرے مقام کا حاشیہ

**باسمہ سبحانہ**

ہم طلابِ رسائل نور نے اپنے استاد و مرشد کی خدمت میں مندرجہ ذیل سوال پیش کیا:

''دوسری جنگ عظیم کو شروع ہوئے دو سال ہو رہے ہیں اور اس جنگ کا عالمِ اسلام کی تقدیر کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ لیکن آپ نے اس کے بارے میں نہ تو کبھی ہم سے کچھ پوچھا اور نہ ہی اپنے ذاتی خدمت گزار ''امین بھائی'' سے، اور اسے آپ نے ان دنوں میں بھی کوئی اہمیت نہیں دی جن دنوں یہ انتہائی زوروں پر تھی؟ ایسا ایک بار بھی نہیں ہوا!

سوال یہ ہے کہ ''کیا کوئی حادثہ یا سانحہ اس سانحے سے زیادہ بڑا اور حقیقت بدوش بھی تھا جس نے آپ کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی اور یوں آپ نے اِس کو زیادہ اہم نہ سمجھا؟ یا یہ کہ آپ کے نزدیک اِس واقعے کو اہمیت دینا اور اس کے حال احوال کے متعلق خود کو مصروف کر لینا زیاں کاری اور نقصان کا باعث ہے؟ تو آپ نے اس کا جواب یوں دیا:

جواب: ہاں، ہے ایک حقیقتِ واقعہ جو کہ اس عالمگیر جنگ سے زیادہ ہولناک ہے، اتنی زیادہ کہ اس کے پہلو میں عالمی جنگ کی اہمیت نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دوسری جنگ دو بڑے ملکوں کے درمیان ہوئی جن میں سے ہر ملک زمین پر اقتدار چاہتا تھا اور اس وقت دو سب سے بڑے آسمانی مذاہب نے مصالحتی عدالت میں اپنے مقدمے پیش کرنے کا آغاز کیا۔ اور یہی وہ وقت ہے جب آسمانی مذاہب اور الحاد پرستی و بے دینی کے سیل بے پناہ کے مابین

Marfat.com

شدید ترین کشمکش کی آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ اور اس وقت جب کہ اشترا کی نظام اور بر جوازی طبقہ بھی اپنے مابین پیدا ہونے والی کشمکش کے مقدمے کو لے کر اپنے سپریم کورٹ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اندریں حالات ایسا مقدمہ سامنے آتا ہے جو ان تمام مقدموں سے زیادہ اہم ہے، اور ایک ایسی حقیقت سامنے آئی ہے جو سطح کائنات میں پائے جانے والے تمام حقائق پر فوقیت رکھتی ہے۔ یعنی وہ مقدمہ جو اس دور میں فرد واحد کو درپیش ہے اور وہ حقیقت جس کا سامنا فرد واحد کو ہے، وہ اس تباہ کن عالمی جنگ کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑا اور اہمیت کا حامل ہے۔

مقدمہ یہ ہے کہ وقتِ رواں میں ہر مومن بلکہ ہر آدمی کے پاس اتنی فرصت ہے کہ وہ ہمارے اس کرۂ ارض سے زیادہ وسیع، دائمی اور ابدی سلطنت کو حاصل کرنے یا گنوانے کا سامان کر سکتا ہے، وہ سلطنت جو اول سے لے کر آخر تک گھنے باغات سے ڈھکی ہوئی ہے اور ان کے درمیان ایسے خوبصورت اور مزین محلات ہیں جن سے عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی کے پیش نظر ایک مقدمہ ہے اور ہر آدمی کی کیفیت کچھ اس طرح کی ہے کہ اگر وہ صاحب عقل وشعور بھی ہو اور اس کے پاس اتنی دولت بھی ہو جتنی کہ تمام انگریزوں اور جرمنوں کے پاس ہے، تو وہ اس مقدمے کو جیتنے کے لیے اپنی یہ تمام عقل اور تمام دولت صرف کر دے۔ لیکن اگر کوئی آدمی یہ مقدمہ جیتنے سے پہلے اپنی توجہ اس سے ہٹا کر دیگر لایعنی کاموں کی طرف لگا دے گا تو وہ بلاشک دیوانہ اور کم عقل شمار ہوگا۔ اور ایک صاحب کشف کے مشاہدے کے مطابق وہ خطرات جو اس مسئلے کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اس حد تک زیادہ اور شدید ہیں کہ مرنے والے ہر چالیس آدمیوں میں سے صرف ایک آدمی ان سے نبرد آزما ہو کر یہ مقدمہ جیت پاتا ہے۔ اور باقی انتالیس ہار جاتے ہیں۔

دنیا میں اگر ایک ایسا وکیل مل جائے جو انتہائی صاحب فراست ہو اور اس نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت کے بل بوتے پر بیس سال کے عرصے میں ہر دس میں سے آٹھ مقدمے لازمی جیتے ہوں؛ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ جو ذرہ برابر بھی عقل کا مالک ہے وہ اپنا کیس ایسے وکیل کے سپرد کر دے گا۔ اور اپنی تمام تر توجہ بھی دوسرے کاموں سے ہٹا کر صرف اسی کام پر لگا دے گا۔ اور اس کے مقابلے میں دوسرا کوئی بھی حادثہ یا واقعہ اس کی نظروں میں بے وقعت رہے گا۔

اس بات کی ہزاروں دلیلیں اور گواہیاں موجود ہیں کہ ''رسائل نور'' جو کہ قرآن کریم کی معجز بیانی کے معنوی اعجاز سے کشیدہ اور وجود پذیر ہوئے ہیں، ان رسائل کا شمار بھی انہیں وکیلوں میں ہوتا ہے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ صفِ اوّل کے وکیل ہیں۔ اور اس بات کی بھی ہزاروں دلیلیں اور گواہیاں موجود ہیں کہ ان کی وکالت کے ذریعے ہزاروں لوگوں نے اپنے مقدمے جیتے ہیں۔

اور یہ بات ایک قطعی طور پر ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ہر انسان کو اس دنیا میں ایک خاص قسم کی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے، اور یہ کہ وہ یہاں ایک عارضی رہائش رکھنے والا مہمان ہے، اور یہ کہ وہ اپنی ماہیت ( True

Marfat.com

(Nature) کی رو سے اس زندگی کی طرف رخ کیے ہوئے ہے جو ابدی اور دائمی ہے۔ لیکن ان دنوں صورت حال چونکہ یہ ہے کہ وہ مضبوط اور مستحکم قلعے جن میں اہل اسلام نے اپنی ابدی زندگی کو بچانے کے لیے پناہ لینی ہے، ان کی دیواروں میں تزلزل آچکا ہے؛ اس لئے اس دنیا کے اس مہمان خانے کے عارضی مہمان انسان کو ایک طرف تو دوست احباب سے بھری ہوئی اس دنیا کو ہمیشہ کے لیے خواہی نخواہی چھوڑنا ہی پڑے گا، لیکن دوسری طرف وہ ایک ایسے مقدمے سے دوچار ہے جس میں اس ابدی اور دائمی سلطنت کے بارے میں فیصلہ ہوگا جو اس دنیا سے ہزاروں درجے اعلیٰ وافضل ہے۔ اندریں حالات اگر انسان کے ہاتھوں میں اب جبکہ کیس کھل گیا ہے اور سماعت جاری ہے ان حالات میں اگر اس کے ہاتھوں میں ایمان کی دستاویزات نہ ہوں گی، اور وہ اس ایمان اور یقین سے مالا مال نہ ہوگا جو ان کاغذات اور دیگر قانونی دستاویزات کو تیار کرتا ہے جن کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ ہونا ہے، تو یقیناً یہ مقدمہ ہار جائے گا۔ اب بتاؤ کہ اگر وہ یہ مقدمہ ہار گیا تو پھر ایسی کون سی چیز ہوگی جو اس خلا کو پر کر سکے گی یا اس نقصان کی تلافی کر سکے گی؟

اب اس حقیقت کی روشنی میں چلتے ہوئے ہمیں سوچنا ہوگا کہ ہماری عقل اور سوچ فکر میں اگر سو فیصد اضافہ ہو جائے، اسی طرح ہمارے دوسرے دوستوں بھائیوں کی عقلوں میں اور سوچ فکر میں سو فیصد اضافہ ہو جائے، تب بھی اس مقدس اور عظیم الشان فریضے کو کما حقہ ادا کرنے کے لیے ناکافی ہوں گی!

رہے ادھر ادھر کے دوسرے تیسرے مسائل، تو ان کے بارے میں غور کرنا یا ان کی طرف زیادہ توجہ دینا تو ہمارے لیے بالکل ہی ایک فضول اور بے کار امر ہوگا۔ ایک بات البتہ ضرور ہے کہ بعض اوقات کچھ ناسمجھ لوگ بغیر کسی وجہ کے طلاب نور کو پریشان کرتے ہیں، ان پر دست تطاول دراز کرتے ہیں اور انہیں اس قسم کے مقدموں میں الجھا دیتے ہیں، ایسی صورت حال میں ہم چار و ناچار ضرورت کی حد تک ایسے مقدمات کی طرف توجہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں، اس حقیقی اور سب سے بڑے مقدمے کی حدود سے باہر دیگر جتنے بھی مقدمات اور تنازعات ہیں ان کی طرف دل و جان سے متوجہ ہو جانا انتہائی نقصان دہ معاملہ ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو آدمی بھی ایسی جذباتی اور جوشیلی قسم کی سیاسی کشاکشوں کی طرف بدل و جان متوجہ ہو جاتا ہے وہ یہ بات بھول ہی جاتا ہے کہ اسے انتہائی تنگ، چھوٹے اور محدود دائرے میں بہت کم مدت کے لیے عمل کرنے پر مامور کیا گیا ہے۔ اور اس کا کم از کم نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ اس تنگ اور محدود سے دائرے میں رہ کر اپنی اصلی اور زیادہ اہم خدمات کو سرانجام دینے سے یا تو بالکل قاصر رہ جاتا ہے اور یا پھر سستی اور کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ جو آدمی اپنی تمام توجہات سیاست کے ان پرکشش اور وسیع میدانوں میں بھاگ دوڑ میں صرف کردے گا، وہ جہاں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے سے قاصر رہے گا وہاں وہ ہر حال میں لوگوں کی تہمتوں کی زد میں رہے گا۔

Marfat.com

اگر چہ فی نفسہ وہ خدمت کے میدان میں کتنا ہی صاف دل، صاف نیت، مخلص، صحیح الفکر اور مثبت سوچ رکھنے والا انسان ہو حتی کہ اس طرح کی سوچ والے لوگ جب کمرۂ عدالت میں کچھ ایسی تہمتوں کی آڑ میں مجھ پر حملہ آور ہوئے تو میں نے ان سے کہا:

''ایمان اور قرآن کی حقیقت سورج کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ یہ سورج زمین کی روشنیوں کی عارضی کشش اور وقتی جاذبیت کا تابع نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی ان کا آلۂ کار ہوسکتا ہے۔ پس جو آدمی اس حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہے وہ اسے __ ان وقتی اور ہر لحہ متغیر دنیاوی حادثات و واقعات سے فائدہ اٹھانا تو ایک طرف __ پوری کائنات کو بھی حاصل کرنے کا وسیلہ نہیں بنا سکتا ہے''۔

اور یوں وہ لاچار ہو کر خاموش ہو گئے۔ (استاد و مرشد کا جواب یہاں ختم ہوا۔ ہم اپنی پوری طاقت سے اس کی تائید کرتے ہیں۔ ''طلاب نور''۔

# قیدیوں کے نام پیغام

باسمہ تعالیٰ

رسائل نور میں تسلی و تشفی اور دلنوازی کا جو خالص اور حقیقی سامان پایا جاتا ہے، قیدیوں کو اس کی یقیناً سخت ضرورت ہے، اور خاص کر ان نوجوانوں کو جو اپنی حرص و ہوا کے جذبات سے مغلوب ہو کر تنبیہ و تادیب کے طمانچے کھا چکے ہیں اور اپنی عمر کی تر و تازگی کے دن جیل میں گزار چکے ہیں، ان نوجوانوں کو ''نور'' کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی روٹی کی۔

جوانی کی رگ عقل و خرد کی بہ نسبت جذبات و احساسات کے لیے زیادہ پھڑکتی ہے، اور حرص و ہوا کے جذبات __ جیسے کہ سب جانتے ہیں __ اندھے ہوتے ہیں، عاقبت کو نہیں دیکھتے ہیں، اس لیے ایک عارضی اور حاضر لذت سے حاصل ہونے والے ایک تولے کو آئندہ حاصل ایک ٹن پر ترجیح دے دیتے ہیں، چنانچہ ایک نوجوان ہوائے نفس کے زیر اثر انتقام سے حاصل ہونے والی ایک منٹ کی لذت کی خاطر کسی انسان کو قتل کر دیتا ہے اور پھر اس کی وجہ سے اسی ہزار گھنٹے قید خانے کے دکھ برداشت کرتا ہے اور ایک نوجوان ایک گھڑی کے لہو و لعب اور بیہودگی سے لطف اندوز ہونے کے لیے اپنی تمام عزت اور وقار کو تیاگ کر دیوانہ ہو جاتا ہے، اور پھر اس کے نتیجے میں جیل، خوف اور گھات میں بیٹھے ہوئے دشمن کی صورت میں ہزاروں دنوں کے لیے مصائب و آلام کا شکار ہو جاتا ہے اور یوں ان کی عمر کی خوش بختی و سعادت مندی قلق و اضطراب اور خوف و آلام کی نذر ہو جاتی ہے۔

اس ڈگر پر چلتے ہوئے بہت سے نوجوان بے شمار پیچیدہ قسم کی مشکلوں اور مصیبتوں کے بھنور میں پھنس جاتے ہیں اور اپنی زندگی کے خوبصورت ترین، شیریں ترین اور نازک ترین ایام کو بدترین، تلخ ترین اور سخت ترین ایام میں تبدیل کر لیتے

Marfat.com

ہیں اور ایسے حالات میں گھر جاتے ہیں کہ ان پر ترس آتا ہے، خاص کر اس بے ہنگم طوفان بدتمیزی کے بعد جوشمال کی طرف سے اٹھا ہے اور جو اپنے پہلو میں عصر حاضر کے تباہ کن فتنے لیے ہوئے ہے؛ کیونکہ وہ عاقبت نا اندیش نوجوانوں کی حیوانی خواہشات کی تکمیل کے لیے عورتوں اور فتنہ خیز دوشیزاؤں کی عزتوں سے کھیلنے کی قانونی طور پر اجازت دیتا ہے، اور ان کے لیے بے حجابانہ اور بے شرمانہ اختلاط پر اکساتا ہے۔ اس پر مزید یہ کہ وہ ابلہ فریب فقیروں کو مالداروں کا مال دولت لوٹنے کی اجازت بھی دیتا ہے۔

بنی نوع انسان ان ہولناک جرائم کے ہولناک انجام سے کانپ کانپ جا رہے ہیں۔

اس پر آشوب دور میں مسلمان اور ترک نوجوانوں کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ کمر ہمت باندھ لیں اور خود کو ان حالات سے محفوظ کرلیں۔ اپنی ہیرے جیسے مضبوط کردار کی تلواریں میان سے نکال کر سونت لیں اور ''رسالۃ الثمرۃ'' اور ''مرشد الشباب'' اور دیگر ''رسائل نور'' میں ذکر کردہ دلائل و براہین کی ہیرے جیسی مضبوط تلواریں سونت کر میدان میں اتریں اور اپنا بھرپور دفاع کریں، اور اس تباہ کن طوفانی یورش کو روکیں جو ان پر ہر طرف سے حملہ آور ہو چکی ہے۔

وگرنہ دنیا میں جوانی کا مستقبل تباہ ہو جائے گا، اس کی سعادت مند زندگی برباد ہو جائے گی اور اس کا آخرت میں نعمتوں سے شادکام ہونا ختم ہو جائے گا، اور یہ تمام چیزیں رنج والم میں تبدیل ہو جائیں گی؛ کیونکہ ایسا نوجوان تھوڑے ہی دنوں میں اپنی حماقتوں اور حدود فراموشیوں کی وجہ سے ہسپتالوں کا، اور اپنے طیش اور بے راہ رویوں کی وجہ سے جیلوں کا مہمان بن جائے گا، اور بڑھاپے کے دنوں میں بے تحاشہ آنسو بہائے گا اور حسرت اور درد بھری المناک آہیں بھرے گا۔

لیکن اگر اس نے خود کو قرآن کی تربیت کے ذریعے محفوظ کرلیا اور رسائل نور کے حقائق کے ذریعے خود کو بچالیا، تو وہ حقیقتاً ایک نمونے کا نوجوان، کامل انسان اور سعادت مند سچا مسلمان بن جائے گا۔

جی ہاں! اگر ایک نوجوان جیل کے اندر چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ فرائض کی ادائیگی کے لیے وقف کر دے اور اپنی ان کوتاہیوں اور سیاہ کاریوں سے توبہ کر جائے جن کی وجہ سے اس نے جیل کی ہوا کھائی ہے، اور گناہوں، پاپوں اور خطا کاریوں سے ایسے ہی دور رہے جیسے جیل نے اُسے ان سے دور رکھا ہوا ہے... تو یہ نوجوان نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی، اپنے مستقبل، اپنے علاقے، اپنی اُمت اور اپنے دوستوں رشتے داروں کو حسنِ کردار کے بے شمار تحفے دے گا، بلکہ وہ اس دس پندرہ سال تک رہنے والی عارضی سی جوانی کے بدلے میں آئندہ زندگی میں نعمتوں سے بھرپور ابدی جوانی سے بھی نوازہ جائے گا۔ اور یہ چیز ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے بارے میں تمام آسمانی کتابیں یقین جازم کے ساتھ خبر دیتی ہیں، اور قرآن کریم ان میں سرفہرست ہے۔

جی ہاں! ایک نوجوان جب سیدھے راستے پر قائم رہ کر اور عبادات کی ادائیگی کے ذریعے زندگی کے خوبصورت اور

Marfat.com

خوشگوار دور یعنی عہد شباب کا شکرادا کرے گا، تو پھر یہ نعمت جو اسے تحفے میں دی گئی ہے بڑھتی جائے گی کم نہیں ہوگی۔ اور غیر فانی ہوجائے اس پر زوال نہیں آئے گا۔ اور زیادہ حسین اور زیادہ دلنواز ہوجائے گی... اور اگر ایسا نہ ہوسکا تو یہی چیز دردناک مصیبت اور الم خیز بلا بن جائے گی اور زندگی دکھ، غم واندوہ اور خوف وہراس سے بھر جائے گی، اور بالکل بے کار جائے گی۔ اور یوں یہی عہد شباب اس نوجوان کے اپنے لیے، اس کے عزیز واقارب کے لیے، اس کے علاقے اور ملک کے لیے اور اس کی قوم وملت کے لیے وبال بن جائے گا۔

اور یہ مظلوم قیدی اگر فرائض پابندی سے ادا کرتا ہے تو اس کی ہر گھڑی ایک کامل دن کی عبادت کی طرح ہوگی۔ اور جیل اس کے حق میں لوگوں سے علیحدگی اور گوشہ نشینی کی جگہ بن جائے گی، بالکل ایسے عباد وزہاد غاروں میں علیحدہ ہوکر بیٹھ جاتے ہیں اور ہمہ تن عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا قیدی ان زاہدوں اور پارساؤں کی طرح ہوسکتا ہے۔

اور یہ قیدی اگر فقیر، مریض اور بوڑھا ہے اس کا دل ایمان کے حقائق سے لبریز ہے، وہ توبہ تائب ہوچکا ہے اور فرائض ادا کررہا ہے، تو ایسے قیدی کی ہر ساعت بیس ساعتوں کی عبادت کے حکم میں ہوگی، اور جیل اس کے حق میں تربیت اور راہنمائی کا مدرسہ اور باہمدیگر دوستی وغمگساری کا مقام بن جائے گی اور وہ اپنے ہم نفسوں کے ساتھ جیل کے یہ ایام راحت ورامش اور آسودگی کے ساتھ گزارے گا۔ اور اس پر مزید یہ کہ وہ دوسرے ساتھیوں کی توجہات اور مہر ومحبت کا مرکز بن جائے گا، بلکہ عین ممکن ہے کہ اب وہ اس آزادی پر جو ہر طرف سے گناہوں اور سیہ کاریوں کی زد میں ہے، اپنی اس قید کو ترجیح دینے لگے اور جیل سے نکلنا پسند نہ کرے، اور اندرون جیل جو تربیت وتزکیہ کے درس ہوتے ہیں ان کے ساتھ مانوس ہوجائے اور جب رہائی پائے تو ایک قاتل کی حیثیت سے یا انتقامی جذبے سے بھرے ہوئے جیل سے باہر نہ جائے بلکہ ایک نیک، صالح اور تائب اِلی اللّٰہ کے روپ میں جائے۔ اب وہ توبہ کرچکا ہے، اپنی زندگی کے تجربات سے بہت سے فائدے حاصل کرچکا ہے، اس لیے اب وہ اپنے ملک وملت کے لیے ایک مفید شہری ثابت ہوگا۔ ''دنیزلی'' کے قیدخانے میں جو لوگ ہمارے ساتھ قید تھے، انہوں نے ــــ تھوڑے عرصے کے لیے ہی سہی ــــ جب ''رسائل نور'' کے ایمان اور اخلاق سے بھرپور بیش قیمت درس سنے تو لوگوں نے ان کے بارے میں رائے دی کہ: ان کی اصلاح کے لیے رسائل نور کا پندرہ ہفتے کا درس انہیں پندرہ سال قیدخانے میں رکھنے سے بہتر ہے''۔

بات جب یہ ہے کہ موت فنا نہیں ہوتی ہے، اجل پردۂ غیب میں ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور وہ کسی بھی وقت ہمیں آدبوچ سکتی ہے ــ اور قبر کا دروازہ بند نہیں ہورہا ہے ــ اور نوع انسانی قافلہ در قافلہ اس دروازے میں داخل ہوکر غائب ہوتی چلی جارہی ہے ــ اور موت ــ جیسا کہ قرآنی حقائق سے واضح کیا گیا ہے اہل ایمان کے لیے قیدِ حیات وبندِ غم

Marfat.com

سے رہائی پانے اور ہمیشہ کے لیے نابود ہو جانے سے رستگاری کا نام ہے، اور گمراہوں اور ابلہ فریبوں کے حق میں عدم محض اور ہمیشہ کے لیے نابود ہو جانے کا نام ہے جیسا کہ ان کا اپنا مشاہدہ ہے؛ کیونکہ ان کے نزدیک اپنے عزیز واقارب، دوست احباب بلکہ تمام موجودات سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو جانے کا نام ہے۔

بات جب ایسے ہی ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ سب سے زیادہ نیک بخت اور سعادت مند انسان وہ ہے جو صبر وتحمل کے ساتھ اپنے اس قید خانے میں اپنے پروردگار کا ثناگو اور سپاس گزار رہے اور اپنے ان لمحات سے فائدہ اٹھائے اور رسائل نور سے راہنمائی لیتا ہوا قرآن وایمان کی خدمت میں مصروف رہے۔

اے لذتوں میں مبتلا اور عارضی فائدوں میں گرفتار انسان!

میں نے اپنی عمر کے پچھتر (75) سالوں میں، اپنی اس زندگی میں ہزاروں تجربوں اور اپنے ساتھ پیش آنے حادثات وواقعات سے یہ جانا ہے کہ حقیقی ذائقہ اور وہ لذت جس میں رنج والم کا شائبہ نہ ہو، اور وہ خوشی جسے کوئی غم مکدر نہ کر سکے اور مکمل سعادت کا وجود صرف ایمان میں اور ایمان کے حقائق کے دائرے میں ہے، دیگر ہیچ۔

قید خانے کی مصیبت میں مبتلا مسکینو!

تمہاری یہ دنیا اگر غم آلود اور اشکبار ہے، اور تمہاری یہ زندگی آلام ومصائب سے دوچار ہے، تو پھر اس بات کی پوری کوشش کرو کہ تمہاری وہ زندگی اشکباری اور گریہ زاری سے محفوظ رہے، اور یہ کوشش کرو کہ تمہاری ابدی زندگی خوش وخرم، شیریں شیریں اور پرسعادت رہے، میرے بھائیو، اس فرصت کو غنیمت جانو؛ کیونکہ جس طرح یہ ممکن ہے کہ شدید حالات میں دشمن کے مقابلے میں سرحدوں پر ایک گھنٹے کی پہریداری ایک سال کی عبادت کے درجے پر فائز ہو جائے، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اگر تم دل وجان سے فرائض کی بجا آوری کرتے رہو تو تمہاری قید خانے کی مشقتوں میں گزرنے والی ایک گھڑی کئی گھڑیوں کے برابر ہو جائے اور یوں یہ مشقتیں اور مصیبتیں رحمتوں اور بخششوں میں تبدیل ہو جائیں۔

Marfat.com

# شبِ قدر میں دل پر وارد ہونے والا ایک اہم موضوع

## تیرھویں مقالے کے دوسرے مقام کا ضمیمہ

(یہ حقیقت بیک وقت وسیع وعریض بھی ہے اور طویل بھی، اس کا القا دل پر شب قدر میں ہوا۔ میں اسے یہاں اختصار کے ساتھ دو نقطوں میں بیان کروں گا)

اوّلاً:

نوعِ انسانی اس دوسری جنگ عظیم کی بدبختیوں اور ہلاکت خیزیوں کی وجہ سے بہت زیادہ مصائب وآلام سے دوچار ہوئی۔ انسانی آنکھوں نے جنگ سے جنم لینے والے بدترین ظلم واستبداد، جبر وتحکم اور عالمگیر تخریب وتباہ کاری کا بڑے قریب سے مشاہدہ کیا۔ ایک آدمی کے جرم میں سینکڑوں لوگ تباہ ہوئے۔ اس جنگ میں ہارنے والے المناک بدبختی وبیچارگی اور مایوسی کا شکار ہوئے اور جیتنے والے:

☆ خوف وہراس اور قلق واضطراب کا شکار ہوئے؛ اس وجہ سے کہ پتہ نہیں وہ اپنی اس سیادت اور قیادت کا تحفظ بھی کر پائیں گے کہ نہیں!

☆ عام لوگوں پر یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ اس دنیا کی زندگی عارضی اور فانی ہے اور تہذیب کی مینا کاریاں محض دھوکے باز اور خواب آور ہیں۔

☆ انسانیت کا دامن ظلم وستم کی ان کاری ضربوں اور تیروں تفنگوں سے تار تار اور اس کی روح اور اس کی فطرت میں رکھی گئی عظیم الشان قابلیتیں اور صلاحیتیں لہولہان ہوگئیں۔

☆ قرآن کی شمشیرِ جوہر دار کی ضرب ہائے کاری سے غفلت، ضلالت اور جامد نیچر کے محلات زمین بوس ہو گئے ہیں۔

☆ دنیا کی بین الاقوامی سیاست کا حقیقی مکروہ اور پرفریب چہرہ لوگوں کے سامنے بے نقاب ہوگیا اور پتہ چل گیا کہ یہ سیاست غفلت اور گمراہی کا ایک دبیز اور لمبا چوڑا پردہ ہے جو لوگوں کی آنکھوں پر ڈال دیا گیا ہے جس سے وہ غفلت وگمراہی کا شکار ہوتے ہیں اور جس میں ان کی روحیں دم گھٹ کر مر جاتی ہیں۔

☆ اس تمام صورت حال سے ایک چیز کھل کر سامنے آگئی ہے، اور وہ یہ کہ انسانی فطرت اب نیا راستہ لے گی اور اپنے ''حقیقی معشوق'' کو تلاش کرے گی، اور حقیقی معشوق اس کا ہے، ''ابدی زندگی''۔ یا ''حیاتِ جاوداں'' اور اپنے حقیقی معشوق کو حاصل کرنے کے لیے وہ اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کردے گی۔ چنانچہ اس چیز کے آثار اب دنیا کے شمال

Marfat.com

مغرب اور امریکا میں واضح طور پر محسوس کیے جا رہے ہیں۔ اور دنیا یہ حقیقت بہت جلد جان لے گی کہ دنیاوی زندگی جس کے عشق میں وہ دیوانی ہو چکی ہے، مجازی معشوق ہے جو کہ انتہائی مکروہ، بدصورت، فانی اور زوال پذیر ہے۔

اسی طرح نوع انسانی عنقریب اس قرآن کی تلاش میں بھی نکل پڑے گی جس کے نزول پر تیرہ سو ساٹھ سال گزر گئے ہیں، جس کے ہر دور میں تین سو پچاس (350) ملین طالب علم رہے ہیں، اس میں پائے جانے والے جتنے احکام، اوامر اور دعوے ہیں ان کی سچائی پر لاکھوں اہل حقیقت کی مہر تصدیق ثبت ہو چکی ہے، ہر لمحہ لاکھوں حفاظ اس کی تقدس کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اسے سینوں میں محفوظ رکھتے ہیں اور اس کے ذریعے تمام نوع انسانی کی انہیں کی زبانوں میں رہنمائی کرتے ہیں، وہ قرآن جو نوع انسانی کو حیات جاوید اور ابدی سعادت کی اس طرح سے خوشخبری دیتا ہے کہ اس کی نظیر کسی کتاب میں نہیں مل سکتی ہے۔ جو نوع بشر کے تمام گہرے اور رِستے ہوئے زخموں پر مرہم رکھتا ہے، جو اپنی مضبوط و متکرر آیات، نا قابل تردید ثبوتوں اور ماورائے شکوک و شبہات دلائل و براہین کے ذریعے صراحتاً اور اشارتاً اس بات کی خوشخبری دیتا اور یقین دہانی کراتا ہے۔ کہ ایک ایسی زندگی بہر کیف موجود ہے جو جاوداں اور ہر دم جواں ہے، جس میں انسانیت ابدی سعادت سے ہمکنار ہو گی۔

تو کہنا یہ ہے کہ جو بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ عالم بشریت اگر _ خدا نکردہ _ کلی عقل و شعور سے محروم نہیں ہو جاتی، اور اس کے سر پر مادی یا روحانی قیامت نہیں ٹوٹ پڑتی، تو دنیا کے تمام براعظم اور تمام بڑی بڑی سلطنتیں عنقریب اس معجزاتی خوبیوں کے حامل قرآن کی تلاش ضرور کریں گی۔ جیسے سویڈن، ناروے، فن لینڈ اور انگلینڈ کے مشہور مبلغین اور اہل فکر و نظر قبول کر چکے ہیں، اور جس کی اہمیت امریکا میں پائی جانے والی ان تنظیموں کے ہاں مسلم ہو چکی ہے جو حقیقی دین کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

یہ لوگ جب قرآنی حقائق سمجھ جائیں گے تب بدل و جان اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حقیقت کی گہرائی کا سراغ جس طرح قرآن لگاتا ہے اس طرح کسی بھی دوسری چیز کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہ اس بے مثل معجزے کا کوئی بدل نہ تو ابھی تک سامنے آیا ہے اور نہ ہی آئندہ کوئی چیز اس کی برابری کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

ثانیاً:

''رسائل نور'' نے دنیا کے اس سب سے بڑے معجزے یعنی قرآن کے ہاتھ میں پکڑی ہیرے کی تلوار کا کام دیا ہے، اور اس کے خود سر اور ہٹ دھرم دشمنوں کو اس کی بے پناہ دلیلوں کے سامنے ہتھیار پھینکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اور یہ رسائل نور قرآنی خزانوں کی خدمت میں اپنی مقدس ڈیوٹی اس طریقہ سے ادا کر رہے ہیں کہ جس سے روح و قلب اور دیگر حواس و مشاعر کو جگمگا دیتے اور ان کے دکھ درد کا درماں بن جاتے ہیں؛ اس لیے کہ ان رسائل کا سرچشمہ قرآن کے علاوہ کوئی اور

Marfat.com

چیز نہیں ہے، ان کے تمام راستے اُسی سے نکلتے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ بنابریں، یہ رسائل قرآن کریم کے متعدد معجزات کے ضمن میں اس کا معنوی معجزہ شمار ہوتے ہیں۔ ان رسائل نے ایک طرف اس ظالمانہ پروپیگنڈے پر کاری ضرب لگائی جو اس کے خلاف کیا گیا، اور دوسری طرف ان ضدی اور الحاد پرست زندیقوں کا ناطقہ بند کیا جو اس کے گہرے حقائق تک رسائی نہ کرسکنے کی وجہ سے انہیں خلافِ واقعہ بتاتے تھے، چنانچہ نیچر کے بارے میں لکھے گئے مضمون ''نیچر کی حقیقت'' نے ''نیچریت'' کے مضبوط ترین قلعے کے در و دیوار ہلا کر رکھ دیئے ''عصائے موسیٰ'' نامی کتاب میں بیان کئے گئے آٹھویں مسئلے کی پہلی، دوسری اور تیسری اور آٹھویں دلیل اور ''ایمان کا پھل'' نامی کتاب کے چھٹے مسئلے نے بھی یہی کام کیا۔

# رسالہ ثمرہ کی چھٹی بحث

(اس مضمون میں اختصار کے ساتھ ایمان باللہ کے بارے میں ان ہزاروں قطعی اور لامتناہی دلائل میں سے صرف ایک دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی وضاحت رسائل نور میں جابجا ہو چکی ہے)

''قسطمونی'' شہر میں میرے پاس ہائی سکول کے طلبہ کا ایک گروہ آیا، انہوں نے مجھ سے کہا کہ: ہم آپ سے اپنے خالق کی پہچان کے بارے میں رہنمائی چاہتے ہیں؛ کیونکہ ہمارے اساتذہ خاص کر اس بارے میں ہماری کوئی رہنمائی نہیں کر پا رہے ہیں!

تو میں نے ان سے کہا: یاد رکھو کہ کائنات سے متعلق جتنے بھی علوم ہیں، ان میں سے ہر علم ہمیشہ اپنی خاص زبان کے ساتھ اللہ کے وجود کے بارے میں بحث کرتا ہے اور خالقِ کائنات کے بارے میں رہنمائی دیتا ہے۔ لہٰذا تم مدرّسین کی بجائے خود سے ان علوم کو سنو۔

مثال کے طور پر: اگر ایک بہت بڑی فارمیسی میں دوائیوں کی بہت زیادہ بوتلیں اور مرتبان پڑے ہوں، ہر مرتبان اور بوتل میں انتہائی منظم آلات اور دقیق اور حساس وزنوں اور مقداروں میں حیات بخش معجونیں، شربت اور دیگر دوائیں پڑی ہوں، تو اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان مرکب دواؤں کے پیچھے ایک بڑے ماہر اور دانا قسم کے دواساز اور انتہائی تجربہ کار کیمیادان کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ کرۂ ارض بھی اسی طرح ایک بہت بڑے دواخانے کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں حیوانات و نباتات کی چار لاکھ سے زیادہ انواع و اقسام کی بوتلیں پائی جاتی ہیں، اور ان میں سے ہر بوتل میں حیات بخش مرکب دوائی پائی جاتی ہے، جسے فنِ طب کے انتہائی گہرے اصولوں اور مقداروں کے مطابق تیار کیا گیا ہے۔ اندھی آنکھ

Marfat.com

کو بھی نظر آجاتا ہے کہ اس کے پیچھے ایک بڑے پُر حکمت اور صاحب جلالت دوا ساز کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کرہ ارض کا یہ دواخانہ جو کہ انسانی دواخانے کی بنسبت کروڑوں درجے بڑا ہے، اس کا خالق بھی بڑا کامل مکمل اور عظمت وجلال والا ہوگا۔

## یا پھر مثال کے طور پر:

ایک غیر معمولی اور عجیب وغریب قسم کا کارخانہ جو ایک ہی سادہ سے سامان سے انواع واقسام کے کپڑے اور دوسرے قیمتی پارچہ جات تیار کرتا ہے، وہ کارخانہ ہمیں ایک ماہر انجینئر، سائنسدان، مکینک اور تجربہ کار کاریگر کی خبر دیتا ہے، یہ کرۂ ارض بھی اسی طرح اس ذات ربانی کی ایک مشین اور الٰہی کارخانہ ہے۔ اس کارخانے کی آگے ہزاروں شاخیں ہیں اور ہر شاخ میں پھر لاکھوں کارخانے پائے جاتے ہیں۔ یہ کارخانہ ہمیں اپنے خالق ومالک کا تعارف کراتا ہے اور بتاتا ہے کہ کرۂ ارض والا یہ کارخانہ انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے کارخانوں سے کہیں زیادہ کامل ومکمل اور عظیم الشان ہے، اور اسی طرح اس کا بنانے والا اور اسے چلانے والا بھی کامل، مکمل اور عظیم الشان ہے۔

## یا پھر مثال کے طور پر:

ایک بہت بڑا ڈپو یا سٹور ہو، جس میں انواع واقسام کے ہزاروں غذائی مواد رکھے گئے ہوں، اور ان میں سے ہر قسم اور ہر ورائٹی علیحدہ علیحدہ ڈیپارٹمنٹ میں رکھی گئی ہو جیسے کہ ڈیپارٹمنٹل سٹور میں ہوتا ہے۔ اس سٹور میں جو ترتیب اور نظم وضبط نظر آرہا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا کوئی مالک، ڈائریکٹر، اور مینیجر وغیرہ ضرور ہے؛ کیونکہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اتنے بڑے سٹور میں اتنی اقسام کی چیزیں بغیر کسی مرتب اور منظم کے اس ترتیب اور نظم وضبط سے پڑی ہوئی ملیں! اسی طرح یہ رحمانی سٹور ہے جو کہ ایک سال میں چوبیس ہزار سالوں کی مسافت کا چکر انتہائی دقیق اور مکمل نظام سے کاٹ لیتا ہے، اور جو اپنے جلو میں ایسی ہزاروں قسم کی مخلوقات رکھتا ہے جن میں سے ہر مخلوق علیحدہ علیحدہ قسم کی خصوصی غذا کی حاجت مند ہے، اور جو اپنے سنگ چار موسم رکھتا ہے، اور جو چاروں موسموں کا وزٹ کرتا ہے اور پھر ہر اس مخلوق کو بہار سے نوازتا ہے جس کی سردیوں میں غذا ختم ہوگئی ہو، ایسے جیسے وہ لذیذ کھانوں سے لدی پھندی مال گاڑی ہو۔ اسے کرۂ ارض کہتے ہیں، یہ اس مقدس ذات کا بحری جہاز ہے جس میں ہزاروں قسم کی غذاؤں کے ڈبے، پیکٹ اور دوسرا ساز وسامان لدا ہوا ہے۔ فن معیشت اور تجارت کے اصولوں کی روشنی میں یہ تمام چیزیں ہمیں بتاتی ہیں کہ جس طرح انسانی ہاتھوں کے بنائے ہوئے کارخانوں اور دکانوں کا مالک اور مینیجر وغیرہ ہوتا ہے، اسی طرح اس کرۂ ارض کے کارخانے کا بھی ایک خالق ومالک، مدبر اور مدبّر ہے جو کہ اسی حساب سے عظیم الشان اور جلیل القدر ہے جس حساب سے کائنات کا یہ کارخانہ عام انسانی کارخانوں سے بڑا اور جلیل القدر ہے۔ اور یوں یہ تمام چیزین ہمیں اس مالکُ الملک کی پہچان بھی کرواتی ہیں اور اس کے بارے میں

Marfat.com

ہمارے دل میں محبت بھی پیدا کرتی ہیں۔

## یا پھر مثال کے طور پر:

ایک بہت بڑے لشکر جرار میں چار لاکھ قسم کی مختلف قومیں ہوں، ان میں سے ہر ایک کا کھانا پینا اور ہتھیار وغیرہ ایک دوسرے سے مختلف ہوں، ہر ایک کی مشق کا طریق کار دوسرے سے جدا اور ہر ایک کے کام کی مدت اور چھٹی کا وقت دوسرے سے علیحدہ ہو، اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہو جس کی کوئی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو، یا اسے نظر انداز کیا جاتا ہو... یہ تمام چیزیں ہماری نظروں کے سامنے ایک ایسا قائد یا سپہ سالار لا کھڑا کرتی ہیں جو بڑا صاحب ہمت اور معجزانہ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ اور دل میں اس کے لیے محبت اور احترام کے جوت جگا دیتی ہیں، زمین میں موسم بہار کی چھاؤنی کی کیفیت بھی یہی ہے، اللہ تعالیٰ کی وہ چھاؤنی جسے چار لاکھ قسم کے ایسے حیوانات ونباتات سے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں ان کا اسلحہ، ان کا کھانا پینا اور ان کا لباس غایت درجے کے مکمل انتظام سے دیا جاتا ہے، جن کی ٹریننگ ہوتی ہے اور پھر انہیں چھٹی بھی دی جاتی ہے۔ اور یہ سب کچھ اتنے گہرے انتظام واہتمام سے ہوتا ہے کہ ان میں سے نہ تو کوئی نظر انداز ہوتا ہے، نہ کسی کی ٹریننگ، رخصت ساز وسامان اور اسلحے کے بارے میں بھول چوک ہوتی ہے، اور نہ ہی ان کے معاملات خلط ملط ہوتے ہیں۔ اب عسکری علوم وفنون کے پیمانے کی رو سے کرۂ ارض کی چھاؤنی کے خالق، مدبر، سپہ سالار اور مربی کی پہچان ہو جائے گی۔ اور پتہ چلے گا کہ جس طرح یہ الٰہی چھاؤنی اس انسانی چھاؤنی سے کہیں زیادہ بڑی اور عظیم الشان ہے، اسی طرح اس چھاؤنی کا خالق و مالک اور سپہ سالار، بھی کہیں زیادہ کامل اور عظیم الشان ہے... اس سے زمین کی اس چھاؤنی کے سپہ سالار اعظم کی دل میں تقدیس پیدا ہوتی ہے، اس کی محبت جاگزیں ہوتی ہے۔ اور دل اس کی تسبیح وتحمید کے جذبات سے بھر جاتا ہے۔

## یا پھر مثال کے طور پر:

کسی بہت بڑے دارالحکومت میں لاکھوں برقی چراغ شہر کے ہر کونے میں گردش کر رہے ہیں، جن میں سے نہ تو ایندھن ختم ہوتا ہے اور نہ ہی ان کی آگ بجھتی ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ اس عمل کے پیچھے ایک ماہر انجینئر اور تجربہ کار الیکٹریشن کا ہاتھ ہے جو اس تمام الیکٹرسٹی کا بندوبست اور اُس کی دیکھ بھال کر رہا ہے! اور ایسے چراغ بھی تیار کرتا جا رہا ہے جو حرکت میں بھی ہیں اور گردش میں بھی! یہ تمام معاملہ یقیناً حیران کن بھی ہے اور تعجب خیز بھی۔ اسی طرح یہ بات سمجھو کہ یہ کائنات ایک حیرت انگیز شہر ہے، اس کی چھت پر ستاروں کی شکل میں بے شمار روشن چراغ لٹک رہے ہیں اور وہ گردش میں بھی ہیں، اور ان میں سے ہر ایک ___ جیسا کہ علم فلکیات ہمیں بتاتا ہے ___ ہماری اس زمین سے ہزاروں گنا زیادہ بڑا ہے اور اپنی حرکت اور گردش میں توپ کے گولے سے ستر گنا زیادہ تیز ہے۔ اس سب کے باوجود نہ تو ان کے نظام میں کوئی خلل آتا

Marfat.com

ہے، نہ یہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، نہ ان کا وہ ایندھن ختم ہوتا ہے جس سے یہ روشن ہیں، اور نہ ہی یہ بجھتے ہیں۔ صرف ایک سورج کو ہی دیکھ لو، جو کہ کرۂ ارض سے ___ جیسا کہ علم الفلکیات سے پتہ چلتا ہے ___ دس لاکھ گنا بڑا اور دس لاکھ سال قدیم ہے، یہ سورج خدائے رحمان کے اس مہمان سرائے میں ایک چراغ اور انگیٹھی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب اسے ہمیشہ ایندھن فراہم کرنے اور جلتا اور گرم رکھنے کے لیے ہر روز زمین میں پائے جانے والے سمندروں کے برابر پٹرول، پہاڑوں کے برابر کوئلے اور کرۂ ارض سے ہزاروں گنا زیادہ لکڑی کی ضرورت ہے تاکہ یہ بجھ نہ پائے اور اس کی گرمی اور روشنی فراہم کرنے کی صفت باقی رہے۔

اب سورج اور اس جیسے دوسرے سیاروں سے ہمیں اس بات کی رہنمائی ملتی ہے کہ:

☆ ایک ایسی ذات موجود ہے کہ جو ان تمام سیاروں کو بغیر پٹرول کوئلے اور لکڑی کے ایندھن فراہم کر رہی ہے۔

☆ اور یہ کہ وہ ذات ان سیاروں کو انتہائی دقیق نظام کے تحت رکھ کر ان کی دیکھ بھال کر رہی ہے اور انہیں کنٹرول کر رہی ہے۔

☆ اور یہ کہ اس نے ان سیاروں کو انتہائی تیز رفتاری سے گردش میں رکھا ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ گردش اتنی منظم ہے کہ ان کا آپس میں کبھی تصادم نہیں ہوتا ہے۔ اور ایسا صرف اور صرف بے انتہا قدرت اور غیر محدود سلطنت ہی سے ممکن ہے۔ کہنا یہ ہے کہ یہ عظیم الشان کون و مکان اس میں پائے جانے والے روشن چراغوں اور لٹکتی ہوئی قندیلوں کے ساتھ ___ الیکٹریکل سائنس کے اصولوں اور پیمانوں کی رُو سے ___ اس عظیم الشان نمائش گاہ اور عالی قدر مہر جان کے مالک کی ہمہ گیر سلطنت پر روشنی ڈالتا ہے اور ان جگمگ کرتے ستاروں کی گواہی کے ذریعے اپنے جلیل القدر صانع اور بے نظیر مدبّر اور روشن کنندہ کا تعارف کراتا ہے، اور تحمید و تسبیح تقدیس کے ذریعے سب کے دل میں اس کی محبت ڈالتا ہے۔ بلکہ سب کو کشاں کشاں اس کی بندگی کے دائرے میں لے آتا ہے۔

## یا پھر مثال کے طور پر:

تمہارے سامنے ایک کتاب ہو جس کی ہر سطر انتہائی دقیق نظری سے لکھی گئی ہو۔ اور اس کے ہر کلمے میں قرآنی سورت لکھ دی گئی ہو۔ جس کے تمام مسائل و مطالب بڑے پر مغز اور گہرے مفاہیم کے حامل ہوں اور تمام کے تمام ایک دوسرے کی تائید کرتے ہوں، تو یہ چیز بدیہی اور قطعی طور پر دوپہر کے سورج کی طرح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کتاب کو لکھنے والا کوئی بہت ماہر انشا پرداز اور حاذق مصنف ہے، جو بڑا صاحب کمال اور صاحب قدرت ہے۔ اس کتاب کے دیکھنے والے تعجب سے ''ماشاء اللہ''! ''بارک اللہ'' کہیں گے اور داد دیتے ہوئے بے اختیار پکار اٹھیں گے کہ:

اس کتاب کی کتابت کتنی پیاری ہے اور اس کے مصنف کا علم کتنا حسین ہے!

Marfat.com

یہ کائنات بھی ایک بہت بڑی کتاب ہے، یہ کتاب سطح زمین پر لکھی جاتی ہے جو کہ اس کا ایک صفحہ ہے، اور اس کے ایک ہی بند___ موسم بہار___ میں مختلف قسم کی تین لاکھ کتابیں___ حیوانات و نباتات اور اجناس کی شکل میں_ لکھی جاتی ہیں_ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر ایک مکمل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ہر کتاب ان میں سے علیحدہ حیثیت بھی رکھتی ہے اور یہ سب کی سب ایک دوسرے سے متعلق اور باہمدیگر پیوستہ بھی ہیں لیکن آپس میں خلط ملط نہیں ہوتی ہیں، لیکن پھر بھی انہیں پہچاننے میں کوئی غلطی یا بھول چوک نہیں ہوتی ہے، پھر ان کا ہر کلمہ اور ہر شوشہ انتہائی مرتب، منظم اور تکمیل بردوش ہے۔ بلکہ اس کے ہر کلمے میں ایک مکمل قصیدہ لکھ دیا جاتا ہے جیسے ایک درخت کی شاخیں، پتے، پھل اور پھول ہوتے ہیں۔ اور اس کے ہر نقطے میں تمام کتاب کی فہرست لکھ دی جاتی ہے، جیسے ایک بیج میں ایک درخت کی مکمل فہرست موجود ہوتی ہے۔ اور یہ تمام منظر ہمارے سامنے ہے، اس کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ اور یہ تمام چیزیں بالبداہت (یعنی بے ساختہ پن سے) ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ ایک طاقتور معجز نگار قلم ہے جو لکھتا چلا جا رہا ہے۔ ایک ماہر نقش گر ہے جو نقش نگاری کرتا چلا جا رہا ہے۔ اب تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ ہوفن قرأت، اور فن کتابت کی رو سے ایک کتاب کو دیکھ کر اگر ایک ماہر اور صاحب علم مصنف کے ہونے کا یقین ابھرتا ہے، تو کون و مکاں کی یہ بے نظیر کتاب جس کا ہر کلمہ اور ہر نقطہ جہانِ معنی ہے، اسے دیکھ کر جس کا تب اور نقش گر کا یقین ابھرتا ہے وہ کیسا ہوگا؟ قرآن پاک ایسے ہی کاتب اور نقش گر کی نشاندہی کرتا ہے۔ وہ ''اللہ اکبر'' کہہ کر اس کی عظمت اور بڑائی اور ''سبحان اللہ'' کہہ کر اس کی تقدیس بیان کرتا ہے، اور ''الحمدللہ'' کے ساتھ اس کی تعریف کر کے بتاتا ہے کہ وہ اس قابل ہے کہ اس کے ساتھ محبت رکھی جائے، کہنا یہ ہے کہ ایک عام کتاب سے جتنی اس کے لکھنے والے کے لیے نشان دہی ہوتی ہے، قرآن پاک سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونے والی نشاندہی اس سے کہیں زیادہ ہے اور یوں یہ بات آخری حد تک ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ جتنے بھی علوم ہیں___ اس قاعدے کلیے کی رو سے ___ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں اور اس کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفات جلیلہ اور کمالات عالیہ کے ذریعے اس کا تعارف کرواتے ہیں؛ کیونکہ یہ علوم وسیع ترین پیمانوں، خصوصی آئینوں، تیز ترین نگاہوں اور عبرت بھری آنکھوں کے مالک ہیں۔ میں نے ان نوجوان طلبہ سے کہا: قرآن پاک میں ''خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ'' اور ''رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ'' جیسی آیات بار بار دہرائی گئی ہیں، ان سے ایک مقصد تو اس مذکورہ حقیقت کی طرف رہنمائی کرنا ہے، دوسرے یہ کہ توحید پر دلالت کرنے والی اس واضح دلیل کی طرف اشارہ ہو جائے، اور تیسرے یہ کہ ہمیں اپنے عظیم الشان خالق کی پہچان ہو جائے،

نوجوانوں نے کہا: ہم اس سراپا حقیقت درس پر اللہ تعالیٰ کا بے حساب شکر ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کو اپنی رضامندی سے نوازے۔

Marfat.com

میں نے کہا: انسان ایک جاندار مشین ہے، ان ہزاروں دکھوں سے دکھی ہوتا ہے جو اسے گھیرے ہوئے ہیں، اور ہزاروں قسموں کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور خود یہ انتہائی عاجز ہے لیکن اس کے ظاہری اور خفیہ بے شمار دشمن ہیں۔ اور پھر یہ انتہائی درجے کا فقیر ہے لیکن اس کی ظاہری اور باطنی خواہشات ورغبات کا کوئی شمار نہیں ہے۔ پھر وہ ایک مسکین مخلوق ہے، ہمیشہ زوال وفراق کے طمانچوں کے دکھ سہتا رہتا ہے۔ لیکن اس سب کچھ کے علی الرغم وہ ایمان اور عبودیت کے طفیل اس سلطان ذوالجلال کی طرف منسوب ہو کر ایک مضبوط قسم کا سہارا اور ایسا عظیم الشان مرکز حاصل کر لیتا ہے جس میں اپنے تمام دشمنوں سے بچنے کے لیے پناہ لے لیتا ہے۔ اور اس نسبت کے طفیل اسے ایک ایسا وسیلہ میسر آ جاتا ہے جس کی طرف وہ اپنی حاجات برآری، فریادرسی اور امیدوں آرزوؤں کو برلانے کے لیے رجوع کرتا ہے۔ جس طرح ہر آدمی اپنے آقا کے ہاں اپنے مقام ومرتبے کو دیکھ کر عزت محسوس کرتا ہے، اسی طرح انسان کی نسبت جب ایمان کے ذریعے اس ذ ادرُ قدیر ذات کی طرف ہو جاتی ہے۔ جس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں ہے، اور اس کی نسبت جب اس خداوند رحیم کی طرف ہو جاتی ہے جس کی رحمت بہت وسیع ہے، اور اطاعت وشکر کے ذریعے وہ جب اس کی عبودیت کے دائرے میں آ جاتا ہے، تو پھر یہ اجل اور موت ابدی طور پر معدوم ہو جانے کی بجائے عالم بقا کے لیے راہداری کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ اب تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ انسان اپنی اس بندگی کی شیرینی سے اپنے آقا کے حضور کتنا لطف اندوز ہوگا، اس کے دل میں جو ایمان ہے اس کی بدولت کتنی بڑی نعمت سے بہرہ مند ہوگا، اسلام کی روشنیوں سے کتنا سعادت مند ہوگا اور اپنے قادرُ الرحیم آقا پر کتنا فخر کر سکے گا اور ایمان واسلام کی نعمت پر اس کا کتنا شکر گزار رہے گا!! اور یہ جو کچھ میں نے اپنے طالب علم بھائیوں سے کہا ہے وہی کچھ اپنے اِن پس دیوار زنداں بھائیوں سے کہتا ہوں کہ:

جو کوئی اللہ کو پہچان کر اس کی اطاعت میں سرگرم ہو جاتا ہے وہ نیک بخت ہے اگرچہ قید خانے کی تہوں میں کیوں نہ ہو، اور جو کوئی اس سے غافل ہو گیا اور اسے بھول گیا، وہ بدبخت ہے اگرچہ پرفخر محلوں میں رہ رہا ہو۔ ایک دن ایک مظلوم نے سولی پر چڑھتے ہوئے ظالموں کے منہ پر خوشی اور مسرت کے ساتھ بھرپور آواز میں کہا تھا:

میں فنا کی طرف نہیں جا رہا ہوں، اور نہ میں معدوم ہوں گا، بلکہ دنیا کے اس تنگ وتاریک قید خانے سے آزاد ہو کر ابدی سعادت کی طرف پرواز کر رہا ہوں، البتہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے لیے ہمیشہ کے لیے نیست ونابود ہو جانے کا حکم صادر ہو چکا ہے، اس لیے کہ تمہاری نظروں میں موت فنا اور نیستی کا نام ہے۔ اس لیے تمہیں معلوم ہو جانا چاہیے کہ میں تم لوگوں سے انتقام لے رہا ہوں۔ پھر اس نے ''لا الہ الا اللہ'' کا ورد کرتے ہوئے پورے اطمینان کے ساتھ جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

﴿سبحانک لا علم لنا إلا ما علمتنا انک أنت العليم الحكيم﴾

Marfat.com

# لفظ ''ھُوَ'' میں پوشیدہ توحیدی نکتہ

باسمہ سبحانہ ﴿ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ﴾

السّلام علیکم ورحمة اللّٰه وبرکاته!

میرے عزیز اور فادار بھائیو! میں نے فکری اور خیالی سیاحت کے دوران ہوا کے ایک صفحے کا مادی پہلو سے مطالعہ کرتے ہوئے توحید کے ایک گہرے اور عجیب وغریب نکتے کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس نکتے کا سرچشمہ لفظ ''ھو'' ہے جو کہ ''لا الـہ إلا ھو'' ''قل ھو اللّٰه احد'' اوران جیسی دیگر آیات میں وارد ہوا ہے۔ اس میں میں نے دیکھا ہے کہ ایمان کا راستہ اتنا صاف، ہموار اور آسان ہے، کہ اسے اختیار کرنا واجب ہو جاتا ہے، اور شرک وضلالت کے راستے میں اتنے زیادہ محالات، ناممکنات اور مشکلات ہیں کہ اس میں چلا ہی نہیں جاسکتا ہے۔

میں انتہائی اختصار کے ساتھ اس طویل اور وسیع وعریض نکتے کو اشارتاً بیان کروں گا۔

مٹی کی ایک مٹھی باری باری سینکڑوں پھول دار نباتات کے لیے کام دے سکتی ہے۔ اس کام کی نسبت اگر نیچر اور اسباب کی طرف کی جائے تو لازم آتا ہے کہ: یا تو اس مشت خاک میں پھولوں کی تعداد کے برابر چھوٹے چھوٹے ان دیکھے سینکڑوں کارخانے لگے ہوئے ہیں اور یا پھر اس مشتِ خاک کا ہر ذرہ یہ بات جانتا ہے کہ اتنے سارے انواع واقسام کے پھولوں کی ساخت پرداخت کیسے کرنی ہے، یعنی ان ذرات کے پاس الٰہی علم اور قدرت کے ساتھ مشابہت رکھنے والا ہمہ گیر علم اور لامحدود قدرت موجود ہے!!۔

ہوا کی بھی یہی صورت حال ہے۔ ہوا جو کہ اللہ تعالیٰ کے امر وارادے کے عرشوں میں سے ایک عرش ہے اس ہوا کے ہر جزء کے، نسیم ہو یا صبا، بلکہ حتی کہ اس ہوا کے جو کہ انسان کے کمزور سے سانس کے ایک جزء میں اس وقت ہوتی ہے جب وہ لفظ ''ھو'' ادا کرتا ہے؛ اس ہوا کے بھی بے شمار وظائف ہیں۔

اب اگر ان وظائف کی نسبت نیچر، اتفاقات اور اسباب کی طرف کی جائے تو پھر دو صورتیں ہو سکتی ہیں،

یا تو یہ کہ ہوا کے پاس ایک چھوٹے سے پیمانے پر ٹیلیفون، ٹیلیگراف اور ریڈیو کے ذریعے صادر و وارد ہونے والی تمام آوازوں اور مکالموں کے ساتھ ساتھ دنیا میں رونما ہونے والی تمام آوازوں، مکالموں اور دیگر تمام قسم کی بے حد وحساب گفتگوؤں کی انواع واقسام کے سینٹرز ہوں، اور اس کے پاس اتنی قدرت ہو کہ وہ آن واحد میں یہ تمام وظائف ادا کر سکے

یا پھر یہ کہ لفظ ''ھو'' کی ادائیگی کے وقت اس میں جو ہوا کا ایک جزء موجود ہوتا ہے، یعنی وہ ہوا جو لفظ ''ھو'' کہنے سے

Marfat.com

ہی پھیل جاتی ہے، اس کے تمام اجزاء اور اس کے تمام ذرات اور عناصر علیحدہ علیحدہ غیر مادی شخصیت کے حامل ہوں، ہر ذرے میں اتنی تعداد میں صلاحیتیں پائی جاتی ہوں جتنی تعداد ٹیلیفون پر بات کرنے والوں، انواع واقسام کے ٹیلیگراف بھیجنے والوں اور ریڈیو وغیرہ پر بولنے والوں کی ہے، وہ ان تمام لوگوں کو جانتے پہچانتے ہوں، ان کی زبانوں اور لہجوں سے واقف ہوں، اور ان آوازوں کو اسی وقت دوسرے ذرات تک منتقل کرسکیں، یاد رہے کہ یہ صورت حال ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ اور ہوا کے تمام اجزاء وعناصر اس صلاحیت کے حامل ہیں یعنی کمیونیکیشن کا یہ معجزاتی سلسلہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ مادہ پرستوں اور نیچر پسندوں کے طرز فکر وعمل سے اٹھنے والے کفر کے راستے میں کوئی ایک نہیں بلکہ ہوا کے ذرات کے برابر واضح محالات ومشکلات اور نا قابل حل پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اگر معاملے کی نسبت اس صانع الجلیل کی طرف کردی جائے تو پھر یہ ہوا اپنے تمام ذرات سمیت ایک ایسا سپاہی بن جاتی ہے جو ہمہ وقت حکم سننے کے لیے تیار رہتا ہے۔ تب اس کے تمام ذرات اپنے کلی اور متنوع قسم کے لامحدود وظائف اپنے خالق کے اذن، اس کی قدرت، اس کی طرف سے اپنی نسبت کے طفیل اور اپنے صانع کی قدرت کی حاضر تجلی کی بدولت بجلی کی سی سُرعت سے اور اتنی سہولت کے ساتھ ادا کرتے ہیں جتنی سرعت اور سہولت سے ایک ذرہ اپنے منجملہ وظائف سے کوئی ایک وظیفہ ادا کرتا ہے، اور اتنی آسانی سے جیسے لفظ ''ھوَ'' ادا کرتے وقت ہوا میں لہریں اٹھ آتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ہوا قدرت الٰہی کے قلم سے نکلی ہوئی حیرت انگیز، منظم اور شمار میں نہ آنے والی تحریروں کا وسیع وعریض صحیفہ ہوگا، اس کے ذرات اس قلم کی شروعات ہوں گی، اور ان ذرات کے وظائف تقدیر الٰہی کے قلم کے نقطے ہوں گے، اس لیے معاملہ ایسے ہی آسان ہوگا جیسے کہ ایک ذرے کا حرکت کرنا آسان ہے۔

اس حقیقت کا مشاہدہ میں نے پوری وضاحت، مکمل تفصیل اور عین الیقین کے ساتھ اس وقت کیا جب میں ''لا الٰہ إلا ہو'' اور ''قل ہو اللہ احد'' میں تأمل کرتا ہوا اپنی فکری سیاحت کے دوران عالمُ الہوا کے مشاہدے اور اس کے صحیفے کے مطالعے میں مشغول تھا۔ اور مجھے علم الیقین کی حد تک معلوم ہوگیا کہ وہ لفظ ''ھوَ'' میں پائی جانے والی تھوڑی سی وحدانیت کی ایک بڑی روشن دلیل ہے، ایسے ہی اس کے معنی میں اور اس کے اشارے میں ''احدیت'' کی درخشاں تجلی اور توحید کی انتہائی قوی حجت ہے، اور وہ اس طرح کہ ''ھوَ'' کی ضمیر میں ایک مطلق اور مبہم سے اشارے کی علامت پائی جاتی ہے، یعنی یہ کہ: ''ھوَ'' میں جو ضمیر ہے وہ کس کی طرف راجع ہے؟ تب مجھے پتہ چلا کہ اہل ذکر اور خود قرآن کریم توحید کے مقام پر آ کر اس کا تکرار کیوں کرتے ہیں!

مثال کے طور پر اگر ایک آدمی ایک سفید کاغذ پر ایک معین جگہ پر ایک نقطہ لگانا چاہے تو معاملہ آسان ہوگا، لیکن اگر اسی آدمی سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ آن واحد میں متعدد جگہوں پر متعدد نقطے لگائے، تو یہ کام اس کے لیے مشکل بھی ہوگا اور

Marfat.com

درہم برہم بھی۔ اسی طرح اگر کوئی ایک وقت میں کئی ایک وظائف سے نبرد آزما ہونا چاہے تو وہ ان کے بوجھ کے نیچے کچلا جائے گا۔ اس لیے یہ چیز بہر کیف مسلم ہے کہ اگر بہت سے کلمات ایک وقت منہ سے اکٹھے نکلیں اور ایک کان میں ایک ہی وقت میں اکٹھے داخل ہوں تو تمام نظام درہم برہم اور پریشان ہو جائے گا۔

لیکن میں نے عین الیقین کے ساتھ اور لفظ ''ھوٗ'' ___ جو کہ ایک چابی، پرکار اور کمپاس کی حیثیت اختیار کر گیا ہے ___ میں نے اس کی رہنمائی میں مشاہدہ کیا کہ ہزاروں قسم کے مختلف نقطے، حروف اور کلمات ہوا کے ہر جزء پر لکھے جا سکتے ہیں ___ اس ہوا کے اجزاء پر جس کے بارے میں مَیں فکری سیاحت کر رہا ہوں ___ بلکہ یہ ممکن ہے کہ نقطے، حروف اور کلمات صرف ایک ذرے کے کندھے پر رکھے جا سکیں بغیر اس کے کہ ان میں کوئی اختلاط واشتباہ واقع ہو یا نظم وضبط میں کوئی خلل آئے، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ذرہ عین اسی وقت میں دیگر بہت سے وظائف سرانجام دیتا رہے اور اس پر کوئی چیز مشتبہ نہ ہو، اور وہ سستی یا ضعف واضمحلال کا اظہار کیے بغیر بہت بھاری بھرکم بوجھ اٹھا لے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے گونا گوں وظائف کی ادائیگی اور نظم وضبط کے تحفظ میں قاصر نہیں رہتے ہیں؛ کیونکہ ہزاروں گونا گوں قسم کے کلمات ہیں جو مختلف طریقوں سے اور مختلف آوازوں میں ان ذرات پر وارد ہوتے ہیں، اور جس نظم وضبط سے ان میں داخل ہوتے ہیں اسی نظم وضبط سے ان سے باہر نکلتے ہیں لیکن مجال ہے کہ یہ آپس میں گڈ مڈ ہو جائیں یا ان میں بعض دوسروں کو خراب کر سکیں! یوں سمجھو کہ جیسے ہر ذرہ اپنے قد کے حساب سے چھوٹے سے کان اور چھوٹی سی زبان کا مالک ہے، چنانچہ یہ کلمات ان کے ان کانوں میں داخل ہوتے ہیں اور ان کی چھوٹی چھوٹی زبانوں سے باہر آجاتے ہیں۔ ان تمام حیرت انگیز امور کے ساتھ ساتھ ہر ذرہ ___ اور ہوا کا جزء ___ زبان حال سے اپنے خالق کو یاد کرتا ہوا اور جذب ووجد میں حقیقت کی زبان کے ساتھ ''لا الہ الا ہو'' اور ''قل ہو اللہ احد'' کہتا ہوا مکمل آزادی سے محوگردش ہے۔ وہ حقیقت کہ جس کی گواہی کا، اور خود جس کا ابھی ذکر ہوا ہے۔

جب تند ہوائیں چلتی ہیں، طوفان اٹھتے ہیں، بجلیاں کڑکتی ہیں اور فضا بجلی کی روشنیوں سے چمک چمک جاتی ہے، تب ہوا سنگین اور تلاطم خیز موجوں کا روپ دھار لیتی ہے۔ لیکن ایک بات ضروری ہے کہ ذرات نہ تو اپنا نظام کھوتے ہیں اور نہ اپنے وظائف کی ادائیگی میں لڑکھڑاتے ہیں، اس لیے کوئی بھی کام انہیں اپنے وظیفے کی ادائیگی سے باز نہیں رکھتا ہے۔

اس حقیقت کا مشاہدہ میں نے اسی طرح بعین الیقین کیا ہے۔

بنابریں! یا تو ہر ذرہ اور ہوا کا ہر جزء مطلق علم، مطلق حکمت، مطلق ارادے، مطلق قوت اور مطلق قدرت کا مالک ہوگا اور دوسرے تمام ذرات پر حاوی ہوگا... تاکہ وہ اپنے اس ہمہ گیر علم اور قدرت وغیرہ سے اپنے تمام وظائف بخوبی سرانجام دے سکے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز ناممکن ہے ذرات کی تعداد کے برابر محالات پر مشتمل اور علی الاطلاق باطل ہے، اتنی کہ شاید

Marfat.com

کوئی شیطان بھی اس کا قائل نہ ہو۔

بنابریں بداہت (Intuition) کا تقاضا یہ ہے، بلکہ یہ بات حق الیقین، عین الیقین اور علم الیقین ہے کہ: ہوا ایک ایسا صحیفہ ہے جس میں تغیر ہوتا رہتا ہے اور خالق اس میں اپنے مطلق اور بے پاں علم کے ساتھ اپنی قدرت، تقدیر اور حکمت کے قلم کے ذریعے جو چاہے لکھتا ہے۔ اس حساب سے ہوا اس لوح کی حیثیت رکھتی ہے جس پر اس عالم تغیر و تبدل (دنیا) میں ان معاملات کے بارے میں محو و اثبات (لکھنے اور مٹانے) کا عمل جاری رہتا ہے جو لوحِ محفوظ پر لکھی ہوئی ہیں۔

تو ہوا جس طرح ان عجیب و غریب امور کے واسطے سے ___ جو ابھی ذکر ہوئے ___ وحدانیت کی تجلی پر دلالت کرتی ہے، اور خاص کر اس وقت جب وہ اپنے منجملہ وظائف میں سے ایک وظیفہ یعنی انتقال اصوات ادا کرتی ہے، اور عین اسی وقت گمراہی کے لامحدود محالات ناممکنات کو وضاحت کے ساتھ آشکار کرتی ہے؛ اسی طرح وہ بجلی، قوتِ جاذبہ، قوتِ دافعہ اور روشنی جیسے لطیف مادوں کو بغیر کسی اختلاط، الجھاؤ اور اشتباہ والتباس کے منتقل کرنے کا انتہائی اہم فریضہ سرانجام دیتی ہے اور عین اسی وقت یہ اپنے حیاتیاتی فرائض مکمل نظم وضبط کے ساتھ ادا کرنے کے لیے تنفس کے ذریعے نباتات اور حیوانات میں داخل ہوتی ہے... اور پھر عین اسی وقت یہ بارآوری (Pollination) کے بیج منتقل کرنے کی ذمہ داری بھی ادا کرتی ہے۔

یعنی پودوں اور جڑی بوٹیوں کو بارآور کرتی ہے، اور یوں ہوا زندگی کو دوام دینے کے لیے اس طرح کے اساسی فرائض سرانجام دیتی ہے۔ جس سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ ہوا امرِ الٰہی اور ارادۂ الٰہی کے زیر فرمان اپنے وظائف سرانجام دیتی ہے۔ اور یہ بات بھی بطور عین الیقین ثابت ہو جاتی ہے کہ ہوا کے اس صحیفے میں لکھی جانے والی تحریروں اور اس کے وظائف کی ادائیگی کے بارے میں یہ احتمال نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ تمام معاملات اندھے اتفاقات، آوارہ و سرگرداں اسباب اور لکھنے پڑھنے سے ناآشنا عاجز اور جامد مادوں کی مداخلت سے چل رہے ہیں۔ چنانچہ اس حقیقت کے بارے میں میں عین الیقین کی حد تک مطمئن ہو گیا۔ اور یہ پہچان گیا کہ ہر ذرہ اور ہوا کا ہر جزء اپنی زبانِ حال سے پکار رہا ہے کہ: "قل هو الله احد" اور "لا اله إلا هو".

"ھُوَ" کی چابی کے ساتھ جیسے ہی میں نے ہوا میں مادی پہلو سے پائے جانے والے ان عجیب و غریب امور کا مشاہدہ کیا، تو ہوا کا عنصر بھی تمام کا تمام لفظِ "ھُوَ" کی طرح عالمِ مثال اور عالمِ معنی کے لیے چابی بن گیا؛ کیونکہ مجھے پتہ چل گیا کہ عالم مثال ایک بہت بڑے مووی کیمرے کی طرح ہے جو دنیا میں ہونے والے تمام حوادث کی آنِ واحد میں بے شمار تصویریں اتار لیتا ہے۔ یہ تصویریں لاتعداد اور بوقلموں ہونے کے باوجود آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتی ہیں۔ اور یوں یہ عالم ایسے بڑے بڑے وسیع و عریض اخروی مناظر و مشاہد کی آماجگاہ بن گیا ہے جن کے دامن میں ہزاروں دنیائیں سمائی ہوئی

Marfat.com

ہیں، اور فنا پذیر موجودات کے فنا پذیر حالات واطوار اور ان کی عبوری اور عارضی زندگی کے ثمرات سرمدی نمائش گاہوں میں ان سکرینوں اور لوحوں پر ڈسپلے ہوتی ہیں جو ابدی سعادت کے مالک اہل جنت کی آنکھوں کے سامنے رکھی ہوئی ہیں۔ یہ تصویریں ان اہل جنت کو دنیا کے واقعات اور ان کی یہاں بیتی ہوئی زندگی کی حسین یادیں ان کے سامنے رکھتی ہیں۔ لوح محفوظ اور عالم مثال کے وجود اور ان کے چھوٹے سے نمونے پر قطعی دلیل انسان کے سر میں پائی جانے والی قوت حافظہ اور قوت خیال ہے، باوجود اس کے کہ یہ دونوں قوتیں رائی کے دانے کے برابر حجم کی مالک بھی نہیں ہیں، لیکن یہ ہے کہ اپنے وظائف اور ذمہ داریاں اس خوبصورت، مکمل اور منظم طریقے سے ادا کرتی ہیں کہ ان میں کسی قسم کا کوئی اختلاط، اشتباہ، آمیزش اور التباس راہ نہیں پاتا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے ان دونوں کے پاس معلومات اور دستاویزات کی ایک بہت بڑی لائبریری ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں قوتیں اس دنیا میں لوحِ محفوظ اور عالم مثال کا نمونہ ہیں۔

اور یوں قطعی یقین کے ساتھ اس بات کا علم ہو گیا کہ ہوا اور پانی۔ خصوصاً نطقی سیّال۔ اللہ کی ذات پر دلالت کرنے کے لیے مٹی کے عنصر سے بلند درجہ رکھتے ہیں، یہ دونوں بڑے لمبے چوڑے صفحے ہیں جن میں قدر و حکمت کا قلم بڑے پُر حکمت اور بڑے بلیغ انداز میں لکھتا رہتا ہے۔ اور ارادہ اور قدر و قدرت کا قلم اِن دونوں میں جاری وساری رہتے ہیں۔ اور یہ کہ اس پر حکمت کتابت میں اندھے اتفاق، نابینا طاقت، بہری نیچر اور حیران و سرگرداں جامد اسباب کی مداخلت کا تصور محال در محال اور ہزاروں بار ناممکن ہے۔

سب کو میری طرف سے ہزاروں نیک تمنائیں اور سلام (سعید نورسی)

---

Marfat.com

# چودھواں مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿الٓرٰ☆ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ (حاشیہ:۱)

اس مضمون میں ہم قرآن حکیم اور اس کے حقیقی مفسّر حدیث شریف کے بلند و بالا حقائق کی بہت سی اقسام میں سے صرف ایک قسم کے کچھ نظائر پیش کریں گے، صرف اس لیے کہ یہ نظائر ان حقائق تک پہنچانے والی سیڑھی کے پائیدانوں کا کام دے سکیں ، اور تا کہ اُن دلوں کے مددگار بن سکیں جن میں تسلیم و رضا کی کمی ہے۔ اور مضمون کے آخیر میں اللہ کی نظرِ عنایت کا ایک خوبصورت راز پیش کیا جائے گا جس میں عبرت کا سبق ہوگا۔

ہم یہاں ان جلیل القدر حقائق میں سے بطور نمونہ صرف پانچ مسائل پیش کریں گے؛ کیونکہ وہ نظائر جو حشر اور قیامت کے ساتھ خاص ہیں ان کا ذکر ''دسویں مقالے'' اور خاص کر اس کے ضمن میں ''نویں حقیقت'' میں تفصیل سے کر دیا گیا ہے اس لیے انہیں دُہرانے کی ضرورت نہیں۔

## پہلا مسئلہ

مثال کے طور پر آیتِ کریمہ:

﴿خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ (حاشیہ:۲)

یہ آیت کریمہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان کی اور حیوان کی دنیا قرآنی ایّام کے حساب سے صرف چھ دن کی ہے۔ قرآن کا ایک دن وہ نہیں ہے جسے ہم اپنی زبان میں دن کہتے ہیں بلکہ قرآنی دن ایک لمبے عرصے اور مدت کا نام ہے، اور بسا اوقات یہ مدت ایک ہزار سال اور کبھی پچاس ہزار سال ہوتی ہے۔ پس وہ فاطرِ جلیل جو ہر دن، ہر سال اور ہر دور میں ـ جو کہ ایک دن کا حکم رکھتا ہے ـ جو روانی میں بہتے چلے جانے والے جہان، چلتی پھرتی کائناتیں اور رواں دواں دنیائیں پیدا کرتا ہے اُسے ہم دل کی تسلّی اور اس بلند پایہ حقیقت کے بارے میں مکمل اطمینان کی خاطر اس انداز سے واضح کرتے ہیں کہ یہ آنکھوں دیکھی حقیقت بن جائے گی۔

جی ہاں، گویا کہ تمام کائناتیں اور دنیائیں بھی انسانوں کی طرح عارضی مہمان ہیں، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اُس ذاتِ ذوالجلال کے امر سے یہ عالم ہر موسم میں بھرتا اور خالی ہو جاتا ہے۔

---

(حاشیہ:۱) ھود:1

(حاشیہ:۲) الاعراف:54

Marfat.com

## دوسرا مسئلہ

﴿وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُبِيْنٍ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْ اِمَامٍ مُبِيْنٍ﴾ (حاشیہ:۲)

﴿لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُبِيْنٍ﴾ (حاشیہ:۳)

اور اس طرح کی دیگر آیات جو کہ یہ بتاتی ہیں کہ:

تمام کی تمام چیزیں اپنے تمام حالات و واقعات سمیت اُن کے وجود میں آنے سے پہلے، وجود میں آنے کے بعد اور وجود سے ختم ہونے کے بعد، لکھی جا چکی ہیں۔

اس ضمن میں ہم دل کے اطمینان کی خاطر فکر ونظر کے لئے اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

بے شک وہ خالق الباریٔ المصوّر بے حدّ وحساب مخلوقات کے وجود منظّم اور مرتّب فہرستیں، اُن کی زندگی کی مکمل تاریخ اور روئداد اور اُن کے اعمال واَفعال کے تمام دستور وقوانین نظر نہ آنے والے طریقِ کار سے ان کے بیجوں، گٹھلیوں، جڑوں اور تنوں میں اس طرح سے درج کر دیتا اور پھر انہیں اس طرح محفوظ رکھتا ہے کہ انسانی سوچ فکر اُس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتی، اور یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں وہ سطحِ زمین پر ہر موسم میں اور خاص کر موسمِ بہار میں تبدیل کرتا رہتا ہے۔

پھر وہ اپنے اسی قلم قدرت کے ساتھ ان کی تاریخ اور اعمال وافعال کے قوانین ودستاویزات کی فہرستیں اسی طرح معنوی طریقے سے اُن کے زوال پذیر ہو جانے کے بعد اُن کے پھلوں پھولوں میں اور ان میں پائے جانے والے چھوٹے چھوٹے بیجوں میں محفوظ رکھ دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ سُبحانہ وتعالیٰ گزشتہ موسم بہار کی تمام خشک وتر مخلوقات کے بارے میں اُن کے محدود، سخت اور ٹھوس بیجوں میں انتہائی مضبوط، پختہ اور پائیدار طریقے سے سب کچھ لکھ دیتا ہے اور انتہائی نظم وضبط کے ساتھ اُن کی نگرانی کرتا ہے، اور اس تمام کاروائی سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے پورا موسم بہار نظم ونسق، عمدگی اور انوکھے پن کی رُو سے ایک ہی پھول ہے جسے اُس صاحبِ جلال وجمال ذات کا ہاتھ سطحِ زمین پر رکھتا ہے اور پھر توڑ لیتا ہے۔

حقیقت جب یہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے، تو پھر انسان کی اس ضمن میں عجیب ترین گمراہی ملاحظہ ہو کہ وہ اس

---

(حاشیہ:۱) الانعام:59

(حاشیہ:۲) یٰس:12

(حاشیہ:۳) سبا:3

Marfat.com

فطری کتابت کو، اس خوبصورت، دل آویز اور حیرت خیز صورت کو اور تمام روئے زمین پر مرقوم و منفعل اور سراپا انجام پائی ہوئی حکمت کو ''نیچر'' کا نام دے دیتا ہے! اُس حکمت کو جو کہ لوحِ محفوظ پر کندہ تحریر کی تجلیات میں سے ایک تجلّی کا عکس یا پرتَو ہے، وہ لوحِ محفوظ جو کہ قدرتِ الٰہی کے قلم سے لکھا ہوا ایک صحیفہ ہے۔

کیا یہ بات تعجب خیز نہیں ہوگی کہ انسان ''نیچر'' کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ وہ بذاتِ خود مؤثر ہے، مصدر ہے، سرچشمہ ہے اور فاعل ہے؟

اہلِ غفلت کے اس ظن و تخمین کی اصل حقیقت کے سامنے کیا وقعت ہے؟ اور پروین و پاتال کا کیا مقابلہ ہے؟

## تیسرا مسئلہ

مخبرِ صادق ﷺ نے ـ مثال کے طور پر ـ عرش کو اٹھائے رکھنے والے، زمین کو اُٹھائے رکھنے والے، اور دیگر فرشتوں کی تصویر کشی کچھ اس طرح کی ہے کہ: ایک فرشتے کے چالیس ہزار سر ہیں، ہر سر میں چالیس ہزار زبانیں ہیں اور ہر زبان چالیس ہزار قسم کی تسبیحات کا ورد کرتی ہے۔

اِس طرح کی حدیثوں میں جو اس طرح کی بلند حقیقت بیان ہوئی ہے، یہ حقیقت بتاتی ہے کہ فرشتوں کے ہاں عبادت کتنی ہمہ گیر اور نظم وضبط کی حامل ہے۔ اس بلند حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ہم ذیل میں چند آیات لکھ رہے ہیں اور ان میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ﴾ (حاشیہ:۲)

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾ (حاشیہ:۳)

اور ان جیسی دیگر آیات جو صراحتاً بیان کرتی ہیں کہ:

ایک بھاری بھرکم، چوڑی چکلی اور وسیع وعریض مخلوق کی اپنی ایک خصوصی تسبیح ہے جو کہ اس کی عظمت اور ہمہ گیری کے مطابق ہے، اور یہ بات بالکل واضح ہے اور مشاہدے میں بھی آتی ہے؛ کیونکہ یہ چاروں طرف پھیلا ہوا آسمان اُس کی تسبیح کر رہا ہے اور یہ سارے سورج، چاند اور ستارے اُس کے تسبیحی کلمات ہیں۔ اسی طرح فضا میں تیرتی ہوئی یہ زمین اس کی تسبیح کر رہی ہے اور اس کی حمد وثنا میں مصروف ہے اور یہ حیوانات، نباتات اور شجر وحجر اس کے تسبیحی الفاظ ہیں۔

---

(حاشیہ:۱) الاسراء:44

(حاشیہ:۲) ص:18

(حاشیہ:۳) الاحزاب:72

Marfat.com

مطلب یہ ہے کہ ہر درخت اور ہر ستارے کی علیحدہ علیحدہ تسبیحات ہیں جو اس کے ساتھ خاص ہیں، بالکل ایسے کہ جیسے تمام زمین کی اپنی خاص تسبیحات ہیں، تمام زمین کی تسبیحات کلّی تسبیحات کا حکم رکھتی ہیں جن میں ہر جزء اور ہر ٹکڑے کی علیحدہ علیحدہ تسبیح ہے، بلکہ اُس میں پائی جانے والی ہر وادی، ہر پہاڑ اور ہر بحر و بر کی علیحدہ علیحدہ تسبیح ہے۔ اور آسمان کی صورت حال بھی اسی طرح ہے، یعنی جس طرح زمین کے تمام اجزاء وقطعات کی علیحدہ علیحدہ تسبیحات ہیں اور یہ تمام مل کر اس کی ایک کُلّی تسبیح بن جاتی ہے، اسی طرح آسمان کے تمام افلاک واَبراج کی علیحدہ علیحدہ تسبیحات ہیں اور یہ سب مل کر اس کی ایک کُلّی تسبیح بن جاتی ہے۔

یہ زمین جس کے ہزاروں سر ہیں، اور ہر سر کی لاکھوں زبانیں ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے لئے ایک ایسا فرشتہ متعین ہے جو اس کی طبیعت کے عین مطابق ہے، جو ہر زبان کی لاکھوں قسموں کی تسبیحات کے پھولوں اور تحمیدات کے پھلوں کی عالم مثال میں ترجمانی کرتا ہے، اور ان کی عالم ارواح میں نمائندگی اور تشہیر کرتا ہے۔

اگر متعدد اَشیاء ایک جماعت یا مجموعے کی صورت میں داخل ہو جائیں تو اُس صورت کی معنوی شخصیت کا رُوپ دھار جائیں گی اور یہ مجموعہ جب باہمدیگر پیوست یا متّحد ہو جائے تو وہ تمام مِل جانے والی چیزیں اس کی معنوی شخصیت ہو گی جو اُن کی نمائندگی کرے گی۔ اِسی طرح وہ اُس مجموعے کی ایک طرح کی معنوی روح ہو گی اور موکّل فرشتہ ہو گا جو اس کا تسبیحی فریضہ ادا کرے گا۔

مثال کے طور پر ہمارے گھر کے سامنے کھڑے اس درخت کو دیکھو، یہ چنار کا درخت ہے جس کی تین بڑی شاخیں ہیں، اب یہ اس پہاڑ کی زبان سے نکلنے والے تسبیحی کلمات کی نمائندگی کر رہا ہے جس پر یہ اُگا ہوا ہے اور جو اِس قصبے ''بارلا'' کے منہ میں ہے، یعنی اُس کی زبان ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ درخت کی تینوں شاخوں کی ٹہنیوا ں کی صورت میں ہزاروں زبانیں ہیں؟ اور ہر زبان کے منہ سے پھلوں کی صورت میں انتہائی نظم وضبط کے ساتھ ہزاروں کلمات نکل رہے ہیں؟ اور ہر پھل میں چھوٹے چھوٹے بیجوں کی صورت میں ہزاروں حروف چُھپے ہوئے ہیں؟ کیا ان میں سے ہر سر اور ہر زبان اُس ''کُنْ فَیَکُوْنُ'' کے مالک کی تسبیح نہیں کر رہی ہے؟ کیا اُن کی یہ تسبیح اور مدح وستائش ایسی فصیح وبلیغ زبان میں نہیں ہے جو واضح طور پر سمجھ میں آ رہی ہو؟

پس اِن پر جس فرشتے کی ڈیوٹی لگی ہوئی ہے وہ متعدد زبانوں کے ساتھ عالمِ معنی میں ان تسبیحات کی نمائندگی کر رہا ہے، بلکہ حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے!

## چوتھا مسئلہ

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

Marfat.com

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ﴾ (حاشیہ:۲)

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (حاشیہ:۳)

﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ (حاشیہ:۴)

اوران جیسی دیگر آیات جومندرجہ ذیل بلندو بالا حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں:

بے شک وہ قادرِ مطلق تمام اَشیاء کو مطلق سہولت اور مطلق سُرعت کے ساتھ اس طرح پیدا کرتا ہے کہ اس میں نہ تو اسے کوئی محنت مشقت کرنی پڑتی ہے اور نہ براہِ راست خود ہاتھوں کے ساتھ کچھ کرنا پڑتا ہے، بس یوں سمجھو کہ تمام چیزیں صرف ''اُمر'' سے معرضِ وجود میں آجاتی ہیں؛ اور یہ اس لیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر وہ صانع الجلیل اپنی مصنوعات کے بالکل قریب ہے، جبکہ مصنوعات اس سے انتہائی دور ہیں۔

پھر وہ سبحانہ وتعالیٰ باوجود یہ کہ مطلق کبریائی کا مالک ہے، اپنی طرف سے کسی چھوٹی سے چھوٹی، نکمی سے نکمی اور جزوی سے جزوی چیز کو بھی مضبوطی، اِتقان اور پختگی واستواری کے دائرے سے باہر نہیں رہنے دیتا!

قرآن کریم کی اس حقیقت پر خود کائنات کا نظم وانتظام گواہ ہے جو کہ انتہائی کامل ومکمل ہے اور مطلق سہولت کے ساتھ چل رہا ہے۔مندرجہ ذیل تمثیل سے اس حکمت کے راز کی مزید وضاحت ہوتی ہے:

مثال کے طور پر ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾ سورج جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی ''النور'' کے ایک کثیف آئینے کا حکم رکھتا ہے، اسے اَمرِ ربانی نے مسخّر کر کے اُس کے ذمّے کچھ ذمہ داریاں لگائی ہیں۔

سورج انتہائی بلند ہونے کے باوجود، شفّاف اور چمکدار مواد کے بالکل قریب ہے، بلکہ وہ اُن چیزوں کے خود اُن کے اپنے وجود سے بھی زیادہ قریب ہے۔اور علی الرغم اِس کے کہ سورج کا اشیائے کائنات کے ساتھ اس طرح کا تعلق ہے کہ اشیاء اُس کی کرنوں سے، اُس کی روشنی، اُس کی گرمی اور اُس کے دیگر تصرّفات سے متاثر ہوتی ہیں؛ یہ تمام چمک دار اور شفّاف چیزیں اس سے ہزاروں سال کے فاصلے پر ہیں اور اس فاصلے اور اس دُوری کو سامنے رکھا جائے تو یہ چیزیں نہ تو سورج پر اثر انداز ہوسکتی ہیں اور نہ ہی اُس سے قریب ہونے کا دعویٰ کرسکتی ہیں۔

پھر یہاں سے ایک اور چیز بھی سمجھ میں آتی ہے، اور وہ یہ کہ ہر شفّاف ذرّے میں اُس کی قابلیت اور صلاحیت اور رنگ

---

(حاشیہ:۱) یٰس:82

(حاشیہ:۲) النحل:77

(حاشیہ:۳) ق:16

(حاشیہ:۴) المعارج:4

Marfat.com

رُوپ کے مطابق سورج کی روشنی کا جو عکس نظر آ رہا ہے، اُس سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہر ذرے میں سورج خود بس رہا ہے اور جہاں جہاں اُس کی کرنیں جا رہی ہیں وہاں وہاں اُس کی نظریں جا رہی ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ سورج کی شعاعوں کا ہر شے میں نفوذ کر جانا، اور اُن تمام چیزوں میں بس جانا اور اُن کا احاطہ کر لینا سورج کی نورانیت کے حساب سے بڑھتا چلا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ نورانیت کی یہ عظمت اور وُسعت ہی وہ چیز ہے جو اپنے ہمہ گیر احاطے اور گھیراؤ کے دائرے میں ہر چیز کو لپیٹ کر اس پر اس طرح سے حاوی ہو جاتی ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی نہ تو اُس سے اوجھل رہ سکتی ہے اور نہ بھاگ سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی کبریائی کی عظمت و وسعت چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی اپنے دائرے سے باہر نہیں پھینکتی، بلکہ اس کے برعکس وہ تمام چیزوں کو اپنی ہمہ گیری کے دائرے میں سمیٹ لیتی ہے۔ نُورانیّت میں یہی راز پایا جاتا ہے۔

اگر ہم بفرضِ محال یہ سمجھ لیں کہ سورج کو جتنی تجلّیوں اور ذمہ داریوں کا مالک بنایا گیا ہے وہ اُن کو استعمال کرنے میں خود مختار ہے، تو پھر ہم یہ تصوّر کر سکتے ہیں کہ اِس کے تمام اعمال و اَفعال اِذنِ اِلٰہی سے انتہائی سہولت، سُرعت، وسعت اور ہمہ گیریّت سے انجام پا رہے ہیں، اور اس کی یہ حکمرانی ذرّوں سے لے کر قطروں، سمندروں، ستاروں اور سیاروں تک پھیلی ہوئی ہے، اور اس طرح ایک ذرّہ اور سیارہ دونوں اس کے حکم کے سامنے ایک ہی حقیقت کے مالک ہوں گے؛ کیونکہ سورج کا وہ فیضان جو وہ سطحِ سمندر پر بکھیر رہا ہے، اُسی فیضان کو وہ پورے انتظام کے ساتھ ایک ذرّے تک بھی اُس کی قابلیت کے حساب سے پہنچا رہا ہے۔

پس یہ سورج جو کہ آسمانی سمندر کی سطح پر تیرتا ہوا ایک چمکتا دمکتا چھوٹا سا بُلبلہ ہے، اور جو کہ اُس صاحب قدرت ذات کے نام نامی ''النور'' کی تجلّی کو منعکس کرنے والا ایک چھوٹا سا کثیف آئینہ ہے۔ یہ سورج اس قرآنی حقیقت کی تینوں بنیادوں کے نمونوں کی وضاحت کرتا ہے۔ کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سورج کی روشنی اور اس کی گرمی کا اگر اُس ذات کے علم اور قُدرت کے ساتھ موازنہ کیا جائے جو **نُورُ النّور، منوّرُ النّور** اور **مقدّرُ النّور** ہے تو پتا چلتا ہے کہ روشنی اور حرارت علم اور قدرت کے مقابلے میں مٹّی کی طرح کثیف ہے۔

تو اس سے پتا چلا کہ وہ ذاتِ ذوالجلال اپنے علم اور قدرت کے ساتھ ہر چیز کے انتہائی قریب ہے اور اُس کے پاس حاضر و ناظر ہے، جبکہ اَشیاء اس سے انتہائی دُور ہیں۔

اور یہ کہ وہ بغیر کسی تکلّف یا محنت مشقت کے انتہائی سہولت کے ساتھ تمام اشیاء میں اس طرح سے تصرّف کر رہا ہے کہ جس سے صرف یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ صرف ''امر'' کرتا ہے اور اشیاء مطلق آسانی اور سہولت کے ساتھ وجود میں آ جاتی ہیں۔

Marfat.com

اور یہ کہ کوئی چھوٹی بڑی جزوی کلی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کے دائرہ قدرت سے باہر ہو اور اس کی کبریائی کے احاطے یا پہنچ سے دور ہو۔

ہم اسی طرح سمجھتے ہیں، اور یقینی اور مشاہدے کے درجے تک پہنچا ہوا ایمان لاتے ہیں، بلکہ ایمان ہونا ہی اسی طرح کا چاہیے۔

## پانچواں مسئلہ

ذیل میں جو آیات درج کی جارہی ہیں یہ اور ان جیسی دیگر آیات اللہ تعالیٰ کی مطلق عظمت اور کبریائی بیان کرتی ہیں: مثال کے طور پر:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ﴾ (حاشیہ:۱) سے لے کر ﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ (حاشیہ:۲) تک اور ﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ (حاشیہ:۳) سے لے کر ﴿يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾ (حاشیہ:۴) تک اور ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ (حاشیہ:۵) سے لے کر ﴿خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (حاشیہ:۶) تک اور ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (حاشیہ:۷) سے لے کر ﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (حاشیہ:۸) تک۔ یہ جلیل القدر آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی عظمت اور اُس کی اُلوہیت کی کبریائی کی حدود ہر چیز کا اِحاطہ کئے ہوئے ہیں اور یہ صاحبِ عظمت سلطانُ الازل والأبد اِس انتہائی عاجز، کمزور فقیر بالکل معمولی اور جزوی ارادے اور کسب واختیار کے مالک بنی آدم کو بڑی شدت کے ساتھ دھمکی دیتا ہے، اس کی سرزنش کرتا ہے، اس کے غصے کا اظہار کرتا ہے اور اسے بُرے انجام سے خبردار کرتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ: قرآن کریم میں جو اللہ تعالیٰ کی جلالت مآب عظمت کی طرف سے اِس کمزور انسان کے لئے جو رُعب دار قسم کی دھمکیاں، جھڑکیاں، گُھرکیاں اور شکوے شکایتیں صادر ہوئی ہیں، اُس میں پائی جانے والی حکمت کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ اور یہ عظمت وکبریائی اور ضعف وناتوانی کے مابین مناسبت کیا ہے؟

اس حقیقت کے بارے میں قلبی اطمینان حاصل کرنے کے لیے اِن مندرجہ ذیل دو تمثیلوں کو نگاہ میں رکھیں:

مثال کے طور پر، ایک بہت بڑا باغ ہے، اُس میں بے شمار پکے ہوئے پھل لگے ہوئے ہیں، اور بہت سے خوبصورت اور پیارے پیارے رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں؛ اِس گلستان کی خدمت اور رکھوالی کے لئے بہت سے ملازم رکھے گئے ہیں۔ مگر ہوا یہ کہ وہ سوراخ جس سے اس باغ کو سیراب کرنے والا اور پینے والا پانی اندر آتا ہے اُس سوراخ کے ڈھکنے

---

(حاشیہ:۱) الزمر:67 (حاشیہ:۲) الانفال:24 (حاشیہ:۳) الزمر:62 (حاشیہ:۴) البقرہ:77

(حاشیہ:۵) الاعراف:54 (حاشیہ:۶) الصافات:96 (حاشیہ:۷) الکہف:39 (حاشیہ:۸) الدھر:30

Marfat.com

کو کھولنے والے متعین آدمی نے سستی کی اور اسے کھولا نہیں، جس کی وجہ سے پانی باغ میں نہ پہنچا اور وہ سوکھ گیا، مطلب یہ کہ وہاں پر متعین آدمی کی وجہ سے باغ سوکھ گیا۔

اب باغ میں کام کرنے والے جتنے بھی ملازم ہیں سب کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ سستی کے شکار مذکورہ ملازم کا شکوہ کریں۔ مزید یہ کہ اُس ربِّ جلیل اور خالقِ کریم کی اِن خوبصورت مخلوقات کو بلکہ حتی کہ ہوا، مٹی اور روشنی کو بھی اس کسلمند ملازم سے شکوے شکایت کا حق حاصل ہے، صرف اس بنا پر کہ اُس کی سستی اور کسلمندی کی وجہ سے اِن سب کی خدمات، ذمہ داریاں اور حرکات وسکنات متاثر ہوئی ہیں۔

## دوسری مثال

مثال کے طور پر: حکمران کا ایک بہت بڑا بحری جہاز ہے اس میں اگر کوئی معمولی سا ملازم بھی اپنی ذمہ داریاں چھوڑ دے گا تو اس کی یہ حرکت جہاز کے دوسرے تمام ملازمین کے کاموں پر اثر انداز ہوگی جس کے ناپسندیدہ نتائج برآمد ہوں گے۔ اس بنا پر جہاز کا مالک سلطانِ معظّم اس قصوروار ملازم کو تمام ملازموں کی ترجمانی کرتا ہوا سخت قسم کی جھڑکی یا دھمکی دے گا۔ اور اِس پر وہ کسلمند اور قصوروار یہ نہیں کہہ سکے گا کہ: میں نے کیا کیا ہے؟ یہی کیا ہے نا کہ ایک معمولی سا کام چھوڑ دیا ہے؟ میں ایک عام آدمی ہوں، اس چھوٹی سی تقصیر پر مجھے اتنی غضبناک دھمکی کیوں دی جارہی ہے؟

وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک عدم بے شمار قسم کے عدموں تک پہنچا دیتا ہے، جبکہ ایک وجود اپنی جنس کے حساب سے بہت سے مزید ثمرات عطا کر دیتا ہے؛ کیوں کہ ایک چیز کا وجود تو تمام اَسباب اور شروط کے وجود پر موقوف ہوتا ہے لیکن نتیجے کے لحاظ سے اس کا معدوم یا منفی ہونا صرف اُس کے ایک جزء کے معدوم ہونے یا ایک شرط کے منفی ہونے پر موقوف ہے۔

یہیں سے مشہور کلیہ یا دستور بن گیا کہ: ''تخریب تعمیر سے آسان ہے''

اب کفر، ضلالت، طغیانی، حدود فراموشی اور معصیت چونکہ انکار، عدم قبول، ردّ وقدح اور ترکِ عمل سے عبارت ہیں اس لئے ان کی ظاہری صورت کتنی بھی مثبت، ایجابی یا وجودی نظر آئے، حقیقت میں منفی اور معدومی ہے، بنابریں یہ چیزیں چلتا پھرتا جرم گناہ ٹھہریں۔

تو یہ اُمور جس طرح موجودات کے تمام اعمال وافعال کے نتائج میں خلل انداز ہوتے ہیں، اسی طرح یہ اسمائے حسنیٰ کی تجلّیات کے حسن وجمال کے سامنے پردہ لٹکا دیتے ہیں اور انہیں آنکھوں سے اوجھل کر دیتے ہیں۔

اِس قاعدے کی رُو سے تمام موجودات کو شکوے شکایت کا بے حد وحساب حق حاصل ہے، اور یہ کہ اِن موجودات کا جلیل القدر سلطانِ معظّم اِن کی ترجمانی کرتا ہوا اس نافرمان انسان کو سخت سے سخت جھڑکی دیتا ہے۔ اور یہ چیز عین حکمت ہے؛ کیونکہ یہ نافرمان انسان بلاشک واقعتاً ایسی رُعب دار اور ہیبت ناک جھڑکی اور دھمکی کا مستحق ہے۔

Marfat.com

# پندرہواں مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے!

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ﴾ (حاشیہ:۱)

اے وہ انسان جس نے کالجوں یونیورسٹیوں میں فلکیات کے چند بے روح قسم کے مسائل پڑھ لیے ہیں جس سے اُس کی عقل سمٹ کر آنکھوں میں آ گئی ہے اور اس کا ذہن اتنا تنگ ہو گیا ہے کہ اس کے لیے اس جلیل القدر آیت میں پائے جانے والے گہرے راز کا ادراک کرنا مشکل ہو گیا ہے! یاد رکھو کہ اس آیتِ کریمہ کے آسمان تک پہنچنے کے لئے ایک سیڑھی ہے جس کے سات زینے یا درجے ہیں، آئیں دونوں مل کر اُن کے ذریعے اوپر چڑھتے ہیں۔

**پہلا درجہ:**

حقیقت اور حکمت دونوں کا یہ تقاضا ہے کہ آسمانوں کے بھی اُن کے ساتھ مناسبت رکھنے والے باسی ہونے چاہئیں، جیسے کہ زمین میں ہے، شریعت کی زبان میں آسمان کے ان باسیوں کو ملائکہ اور روحانی مخلوق کہا جاتا ہے۔

جی ہاں، حقیقت کا تقاضا یہی ہے کہ ایسا ضرور ہو؛ کیونکہ زمین کا آسمان کی بہ نسبت چھوٹی سی اور حقیری سی ہونے کے باوجود زندہ اور ادراک رکھنے والی مخلوق سے بھرپور ہونا، اور پھر اس کا اس طرح کی صاحبِ حیات و ادراک مخلوقات سے یکے بعد دیگرے خالی ہونا اور بھرتے رہنا اس بات کا اشارہ دیتا ہے بلکہ صراحت کرتا ہے کہ مضبوط، بلند و بالا اور خوبصورت محلوں جیسے بُرجوں والا آسمان ایسی مخلوق سے بھرا ہوا ہے جو ادراک اور شعور رکھتی ہے۔ یہ مخلوق جنوں اور انسانوں کی طرح دنیا کے اس محل کا مشاہدہ کرنے والی ہے، کتاب الکون کا مطالعہ کرنے والی ہے، ربوبیت کی عظمت کی منادی کرنے والی اور اس کی رہنمائی دینے والی ہے؛ کیونکہ کائنات کی تزیین و آرائش کے بے حد حساب ساز و سامان اور دل آویز نقش و نگار سے مزیّن ہونے کا بدیہی تقاضا یہ ہے کہ اہل فکر، قدر دان اور شیفتہ لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف بے اختیار اور بے تاب ہو کر اٹھیں؛ کیونکہ حسن یقیناً ایک عاشق کا تقاضا کرتا ہے، اور کھانا بھوکے کو ہی کھلایا جاتا ہے۔ یہ چیز بھی یاد رہے کہ جن و انس تو ان لاکھوں سے زیادہ غیر محدود ذمہ داریوں میں سے ایک آدھ کو ہی کماحقُّہ بڑی مشکل سے ادا کر سکتے ہیں، اس ہیبت ناک نگرانی اور وسیع و عریض عبودیت کا حق ادا کرنا تو بہت دور کی بات ہے!

---

(حاشیہ:۱) الملک:5

Marfat.com

مطلب یہ ہے کہ یہ رنگا رنگ لامحدود ذمہ داریاں، اور یہ غیر محدود بندگی، دونوں ہی ملائکہ کی لامحدود انواع و اقسام اور روحانیات کی اجناس کا تقاضا کرتی ہیں۔ اور یوں بعض روایات و آثار میں پائے جانے والے اشارات کو بنیاد بنا کر اور کائنات کے نظم و ضبط میں پائی جانے والی حکمت کو سامنے رکھ کر یہ کہنا صحیح ہے کہ:

سیاروں سے لے کر دقیق قطروں تک بہت سے متحرّک اَجسام ملائکہ کی ایک قسم کی سواریاں ہیں، چنانچہ یہ ملائکہ اِذنِ الٰہی سے اِن اجسام پر سوار ہوتے ہیں اور عالم شہادت میں سیر و تفریح کرتے ہیں۔

اور یہ کہنا بھی بالکل صحیح ہے کہ: جنت کے وہ پرندے جنہیں حدیث شریف میں "طیرٌ خُضرٌ" (حاشیہ:۱) یعنی سبز پرندے کہا گیا ہے، اُن پرندوں سے لے کر زمین میں پائے جانے والے مچھروں اور مکھیوں تک سب جاندار رُوحوں کی ایک جنس کے لیے ہوائی جہاز ہیں، یہ روحیں ان پرندوں کے اندر امرِ حق سے داخل ہوتی ہیں اور عالم جسمانیات کا مشاہدہ کرتی ہیں اور اُن مخلوقات کے حواس کی کھڑکیوں سے جسمانی فطرت کے معجزات کا مشاہدہ کرتی ہوئی باہر جھانکتی ہیں۔

بے شک خالق کریم جو کثیف مٹی اور گدلے پانی سے مسلسل نورانی، صاحبِ ادراک اور لطیف زندگی کی مالک مخلوق پیدا کر رہا ہے، بلا شک اس کی ایسی مخلوقات بھی ضرور ہوں گی جو اِدراک اور شعور کی حامل ہیں، جنہیں وہ بحرِ نور بلکہ بحرِ ظلمات کے ایسے مواد سے پیدا کرتا ہے جو روح اور زندگی کے بالکل لائق اور مناسب ہے۔ بلکہ یہ مخلوقات بکثرت موجود ہیں۔

اگر آپ مزید تفصیل چاہتے ہیں تو "نقطہ" نامی مضمون اور "اُنتیسویں مقالے" کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ ان دو مضمونوں میں ہم نے دو ضرب دو چار کی طرح ملائکہ اور دیگر روحانی مخلوقات کے وجود کو قطعی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔

### دوسرا درجہ:

زمین اور آسمانوں کے اجزاء و عناصر کے آپس میں گہرے تعلقات ہیں، ایسے جیسے ایک حکومت کی دو ریاستوں کے آپس میں اہم معاملات اور گہرے تعلقات ہوتے ہیں۔ اب زمین کے لیے روشنی، حرارت، برکت اور رحمت وغیرہ جیسی جو بھی چیزیں ضروری ہیں آسمان سے آتی ہیں، یعنی انہیں آسمان سے زمین کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

اسی طرح تمام آسمانی اَدیان و مذاہب جن کی بنیاد وحی پر ہے، اُن کے بالاتفاق اور تمام اہلِ کشف کی مسلسل اور متواتر حاصل ہونے والی گواہیوں کی رُو سے یہ بات پایہءِ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ ملائکہ اور روحانی مخلوقات آسمان سے زمین کی طرف آتی ہیں، اور ایک قطعی اندازے کے مطابق جو کہ شعور و احساس کے قریب قریب ہے۔ اہل زمین کے ہاں

---

(حاشیہ:۱)(عن عبد الله بن مسعودؓ قال :قال رسول الله ﷺ : "...ارواحهم في جوف طير خضر لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاء ت" مسلم كتاب الامارة۔مترجم)

Marfat.com

ایک ایسا راستہ ہے جس کے ذریعے وہ آسمان کو چڑھتے ہیں۔جس طرح ہر فرد کی عقل، نظر اور خیال ہمہ وقت آسمان کی طرف تاک جھانک کرتے ہیں، اِسی طرح اُن انبیاء اور اولیاء کرام کی روحیں جو اپنے زمینی بوجھ اتار کر ہلکے ہوگئے ہیں، اور ان مرنے والوں کی روحیں جو اپنے جسموں کی قیدوں سے آزاد ہو چکے ہیں، اِن سب کی روحیں اذنِ الٰہی سے آسمان کی طرف صعود کرتی ہیں۔اب جس طرح وہ لوگ جو زمینی بوجھ اور اجسام سے آزاد ہو کر ہلکے اور لطیف ہو گئے ہیں، جس طرح یہ لوگ اُوپر جاتے ہیں اِسی طرح زمین اور ہوا کے وہ باشندے جو مثالی جسم میں بسیرا کر لیتے ہیں اور روح کی طرح لطیف اور خفیف ہوجاتے ہیں، یہ ماننا پڑے گا کہ یہ لوگ بھی آسمان کی طرف پرواز کر سکتے ہیں۔

تیسرا درجہ:

بے شک آسمان کا سکون وسکوت، انتظام وانصرام، وسعت، کشادگی اور تابانی ودرخشانی اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آسمان کے رہائشی زمین کے رہائشیوں کی طرح نہیں ہیں، بلکہ وہ سراپا اطاعت ہیں، انہیں جو بھی حکم دیا جاتا ہے وہ اس پر عمل کرتے ہیں۔وہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو مزاحمت اور مناقشے کی وجہ بن سکے؛ کیونکہ وہ مملکت بہت وسیع وعریض ہے اور وہ لوگ فطری طور پر صاف اور پاک طینت ہیں۔معصوم ہیں، اُن کے کھاتے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔اور ان کا مقام ثابت وبرقرار ہے اس میں اُونچ نیچ وغیرہ نہیں ہوتی، بخلاف زمین کے کہ جس میں اضداد کا اجتماع اور اَبرار کے ساتھ اشرار کا اختلاط ہے، جس کی وجہ سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں جو کہ لڑائی جھگڑوں اور دیگر پریشانیوں کا باعث بنتے ہیں۔اِن چیزوں کی وجہ سے امتحان، آزمائش اور مسابقت کا دروازہ کھلا اور ترقی وتنزل کے درجات ومراتب کا ظہور ہوا۔

اور اِس حقیقت میں حکمت یہ پائی جاتی ہے کہ:

بے شک انسان ہی تخلیق کے درخت کا آخری پھل ہے۔اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ پھل درخت کا وہ جزء ہے جو باقی تمام اجزاء سے زیادہ بعید، بہت نازک، بہت اہم اور ہمہ گیر ہوتا ہے، یعنی اس میں درخت کی ہر صفت موجود ہوتی ہے۔اس قاعدے کی رُو سے انسان اس کائنات کا پھل ہے۔وہ قدرت ربانی کا جامع ترین اور عمدہ ترین تخلیقی شاہکار ہے، اور اُس کی تمام مصنوعات سے زیادہ عاجز کمزور اور لطیف ہے۔

یہیں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کا مسکن یا جائے رہائش یعنی زمین بناوٹ اور اندرونی خوبیوں کے لحاظ سے آسمان کی ہم پلہ ہے اور آسمان کی بہ نسبت بالکل چھوٹے اور حقیر ہونے کے باوجود یہ کائنات کا دِل اور مرکز ہے۔قدرتِ ربانیہ کی تمام معجزانہ صنعتکاریوں کے اظہار ونمود کی نمائش گاہ ہے۔اسمائے حسنیٰ کی تمام تجلّیات کا مرکز ومحور ہے۔پروردگار کے مطلق کارہائے نمایاں کی عکّاس ہے۔اُس کی دلچسپ اور خوشنما صنعتکاریوں کا مجمع اور انہیں مطلق جود وسخا کے ساتھ پیش کرنے کی مارکیٹ ہے، اور خاص کر نباتات وحیوانات کو انتہائی کثرت کے ساتھ پیش کرنے کا بہت بڑا بازار ہے۔اور جو

Marfat.com

مصنوعات آخرت کی دنیاؤں میں سجائی جائیں گی اُن سب کا چھوٹا سا ماڈل ہے۔ یہ ایک کارخانہ ہے جو ابدی ''منسوجات'' اور تیزی کے ساتھ بدلتے ہوئے سرمدی مناظر کی پیداوار کے لیے انتہائی سرعت کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اور یہ ابدی اور دائمی باغات کے بیجوں کو اُگانے کے لئے ایک عارضی اور چھوٹا سا کھیت ہے۔

زمین کی اِس معنوی عظمت (حاشیہ:۱) اور بہترین ساخت پرداخت کی حیثیت سے اور اس کی بہت زیادہ اہمیت کے پیش نظر قرآن حکیم نے اسے آسمانوں کا ہم پلہ اور ہمعنان قرار دیا ہے، حالانکہ آسمان کے ساتھ اگر اس کا مقابلہ کیا جائے تو یہ ایسے ہی محسوس ہوگی جیسے آسمان کے گرانڈیل درخت پر لگا ہوا ایک چھوٹا سا پھل ہو۔ قرآن کریم زمین کو ایک پلڑے میں رکھتا ہے اور آسمان کو اس کے مقابلے میں دوسرے پلڑے میں، چنانچہ وہ بار بار یہ الفاظ دہراتا ہے: ﴿رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ پھر ان مذکورہ حکمتوں کی بنا پر زمین کا انتہائی تیز اور دائمی تغیر و تبدّل یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کے باسیوں پر بھی اس طرح کے تغیرات آتے رہیں اور وہ اس طرح کی تبدیلیوں سے آشنا رہیں۔

پھر زمین انتہائی محدودیت کے باوجود قدرتِ الٰہیہ کے معجزات کی غیر محدود اور بے قید تجلّیات سے بہرہ ور ہے، اور یہ اس لیے کہ اس کے ذی شان باسیوں یعنی جن و انس کی قوتوں اور صلاحیتوں کو کسی فطری حدّ میں محدود اور کسی تخلیقی قید میں محصور نہیں کیا گیا ہے جیسے کہ دوسری ذی حیات مخلوقات کا معاملہ ہے، یہی وجہ ہے کہ زمین غیر محدود ترقیوں اور بلندیوں، اور تنزلیوں اور پستیوں کی آماجگاہ بن گئی ہے، یہاں انبیاء و اولیاء سے لے کر نمرودوں، باغیوں، سرکشوں اور شیطانوں کے لئے امتحان اور آزمائش کا کھلا میدان موجود ہے۔

---

(حاشیہ:۱) جی ہاں! زمین چھوٹی سی ہونے کے باوجود آسمانوں کی برابری کر سکتی ہے؛ کیونکہ یہ بات کہنا بالکل صحیح ہے کہ: ایک مسلسل اُبلنے والا چشمہ جس کا فیضان جاری و ساری ہو اُس بڑی جھیل سے بڑا ہے جو واردات سے محروم ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک پیمانے سے کوئی چیز ماپ کر ایک جانب رکھ دی جائے، پھر اس کے محصولات کو اُسی پیمانے سے ماپ کر دوسری جانب رکھ دیا جائے تو اُن محصولات کا انبار اُس پیمانے سے اگرچہ بظاہر ہزاروں گنا بڑا اور بھاری ہو لیکن پیمانے کو پھر بھی اس کے مقابلے میں رکھا جا سکے گا اور اُس کی برابری کر سکے گا۔

زمین کا بھی یہی حال ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے بنایا ہے کہ یہ اُس کی مصنوعات کی تشہیر کا میدان ہے، اس کی ایجادات کی نمائش گاہ ہے، اُس کی حکمتوں کا دارومدار ہے، اس کی قدرتوں کا مظہر ہے، اس کی رحمتوں کا گلستان ہے، اس کی جنت کا کھیت کھلیان ہے، اس کی موجودات کا پیمانہ ہے، یعنی اُس کی مخلوقات کے جتنے بھی جہان ہیں ان سب کو اسی ایک پیمانے پر قیاس کیا جاتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے ایسے مسلسل اُبلنے والے چشمے کی مانند بنایا ہے کہ جس سے موجودات پانی کی طرح بہتی ہوئی ماضی اور عالم الغیب کے سمندروں میں گر رہی ہیں اور پھر اسے اس طرح سے تخلیق کیا ہے کہ اپنی دل آویز اور حیرت خیز کاریگری سے بنائے ہوئے کپڑے اسے ہر سال پہناتا اور تبدیل کرتا رہتا ہے۔ اب اپنی آنکھوں کے سامنے ذرا اُن تمام جہانوں اور کائناتوں کو لاؤ جو عالم غیب میں گر رہی ہیں، اور اُن تمام بے شمار کپڑوں کو لاؤ جو زمین پہنتی اور اُتارتی ہے، مطلب یہ کہ سطح زمین پر جو کچھ بھی ہے اُسے اپنے سامنے حاضر فرض کرو، پھر اُس کا مقابلہ و موازنہ آسمانوں کے ساتھ کرو جو سادہ سے انداز میں ایک ہی وطیرے پر چل رہے ہیں، پھر ان دونوں کو ایک ایک پلڑے میں رکھو۔ آپ دیکھیں گے کہ زمین کا پلڑا آسمان کے پلڑے سے بھاری نہیں تو اُس سے کم بھی نہیں ہے۔ ﴿رَبُّ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ﴾ میں پایا جانے والا راز یہاں سے بخوبی سمجھ میں آ جاتا ہے۔ مؤلف

Marfat.com

بات جب اسی طرح کی ہے تو پھر فرعون طبع شیاطین کو آسمان اور اہلِ آسمان کی طرف سے لامحدود شرارے اور انگارے مارے جائیں گے۔

## چوتھا درجہ:

ان بے شمار جہانوں کے خالق و مالک، مدبّر اور پروردگار ذوالجلال والاکرام کے بے شمار اسمائے حسنیٰ ہیں اور اُن سب کے متغایر احکام اور متفاوت عناوین ہیں۔ اب اسماء، عنوانات یا صفات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ کفار کے ساتھ لڑائی کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ لڑنے والے صحابہ کرام کی صفوں میں ان کی مدد کے لیے فرشتے ارسال کیے جائیں، وہی نام، وہی اسماء و صفات اس بات کا بھی تقاضا کرتے ہیں کہ فرشتوں اور شیطانوں کے درمیان لڑائی رہے اور نیک سیرت اہلِ آسمان اور بدکردار اہلِ زمین کے مابین مبارزت اور مقابلہ کی فضاء قائم رہے۔

وہ قدیرُ الجلیل پروردگار جس کے قبضۂ قدرت میں کافروں کی روحیں، سانسیں اور جانیں ہیں، وہ انہیں کسی چنگاڑیا اپنی طرف سے کسی اور امر کے ساتھ فنا نہیں کرتا ہے بلکہ اپنی عمومی ربوبیت یعنی پروردگاری کے عنوان سے اور اپنے اسمائے حسنیٰ ''الحکیم اور المدبّر'' کے طفیل ان کے لیے امتحان اور مقابلے کا میدان کھولتا ہے۔

مثال سے سمجھنے سمجھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہیے، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ کے اُس کی حکومت کے اداروں کے حساب سے مختلف عنوان اور کئی قسم کے نام ہوتے ہیں، چنانچہ عدلیہ کا ادارہ اُسے ''حاکمِ عادل'' کے نام سے پہچانتا ہے، عسکری ادارہ اُسے ''کمانڈر اِن چیف'' کے نام سے پہچانتا ہے، سینٹ اسے ''خلیفہ'' کے نام سے پہچانتا ہے، سرکاری ادارہ اُسے ''صدر'' کہتا ہے اطاعت گزار رعایا اسے ''رحم دل بادشاہ'' کہتی ہے اور نافرمان اُسے ''ایک زبردست قہرناک حکمران'' سمجھتے ہیں، وغیرہ۔

اب یہ جلیل القدر اور تمام اختیارات کا مالک حکمران کسی عاجز نافرمان اور کمینے شخص کو اپنے حکم سے براہِ راست صفحہ ہستی سے نہیں مٹاتا ہے، بلکہ ایک عدل پرور حکمران ہونے کے ناطے اُسے عدالت کے سپرد کرتا ہے۔ پھر یہ حکمران اپنے ایسے کسی ملازم کو جو اس کی نظروں میں اُس کی ذاتی معلومات کے مطابق عزت و تکریم کا مستحق ہو، اپنے ایسے کسی ملازم کو اپنے خاص ذاتی ٹیلیفون کے ذریعے براہِ راست اپنی نگاہِ التفات سے نہیں نوازتا ہے، بلکہ مقابلے کا میدان سجاتا ہے، اُس کے لیے سرکاری استقبال کا اہتمام کرتا ہے، اپنے وزیر کی ڈیوٹی لگاتا ہے اور تمام رعایا کو مقابلہ دیکھنے کی دعوت دیتا ہے، اور پھر اس ملازم کو بنام سرکار گورنمنٹ اتھارٹی کی طرف سے انعام دیتا ہے، اور سرتوڑ مقابلے کے بعد حکومت کے عہدے داروں اور دیگر حاضرین و ناظرین کے سامنے بھرے میدان میں اُس کی قابلیت اور صلاحیت کا اعلان کر کے اُس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ وغیرہ

Marfat.com

اِسی طرح ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی﴾ اُس سلطان الازل والابد کے بہت سے اسمائے حسنیٰ ہیں، اوراس طرح اس کے بہت سے عناوین اور شئوون وحالات وکیفیات ہیں۔اس کی بے شمار جلالی تجلیات اور جمالی مظاہر ہیں۔اب اسم، عنوان، شان یا حالت جوکہ نُور وظلمت، سردی گرمی اور جنّت دوزخ کا تقاضا کرتے ہیں، ایسے ہی اِس بات کا بھی تقاضا کرتے ہیں کہ مقابلے اور صف آرائی کا جو بھی قانون ہو وہ عام، ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہونا چاہیے، جیسے قانونِ تناسل، قانونِ مسابقت اور قانونِ تعاون اور اِن جیسے دوسرے عمومی اور ہمہ گیر قوانین ہیں۔ مطلب یہ کہ دل کے اردگرد گھومنے پھرنے والے الہاموں اور وسوسوں سے لے کر آفاق وافلاک میں فرشتوں اور شیطانوں تک ،ان سب کے درمیان مبارزت، کشمکش اور مقابلہ بازی کی فضا پائی جاتی ہے، اس حالت کو ''قانونِ مبارزت'' (حاشیہ:۱) کا نام دیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا اسم، عنوان یا شان اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ یہ قانون ہمہ گیر ہو۔

## پانچواں درجہ:

جب زمین سے آسمان کی طرف جانا اور وہاں سے واپس آنا؛ آسمان سے اُترنا اوراس کی طرف اُوپر چڑھنا بھی مسلّم ہے، اور زمین کے اہم لوازمات اور اُس کی ضروریات وہیں سے بھیجی جاتی ہیں۔

نیک ارواح چونکہ زمین سے آسمان کی طرف جاتی ہیں، اس لیے بدروحیں بھی ان نیک روحوں کی تقلید میں آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتی ہیں۔اب یہ روحیں اپنی لطافت، خِفّت اور ہلکے پن کی وجہ سے اوپر تو چلی جاتی ہیں، لیکن چونکہ اُن کی طبع میں نحوست اور برائی ہے، اس لیے آسمان کے باشندے انہیں قبول نہیں کرتے بلکہ دھتکار دیتے ہیں۔

پھر عالمِ شہادت میں برپا ہونے والے اِس معنوی مقابلے اور انتہائی اہمیت کے حامل معاملے پر کوئی علامت موجود ہونی چاہیے؛ کیونکہ ربوبیت کی عظمت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اہم غیبی تصرّفات پر کوئی اشارہ یا علامت رکھے تاکہ اہلِ شعور وادراک اُسے دیکھ سکیں، اور خاص کر انسان جوکہ شہادت، مشاہدہ، دعوت اور نگرانی ونگہبانی کا مالک ہے اس علامت پر بصیرت رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے جیسے بارش کو موسم بہار کے معجزات کے لیے اشارہ بنا دیا ہے اور ظاہری اسباب کو اپنی بے مثال معجزانہ مصنوعات پر علامت یا نشان بنایا ہے اوراس پر عالم شہادت کے باسیوں کو گواہ بنایا ہے۔اس سے وہ بہرکیف زمین وآسمان کے تمام باسیوں کی آنکھیں اس حیرت انگیز منظر کی طرف متوجہ کرے گا اور پھر اس عظیم الشان آسمان کو ایک مضبوط قلعے کی صورت میں ظاہر کرے گا جن کے برجوں کے اردگرد پہرے دار صفیں باندھے کھڑے ہوں، یا ایسے

---

(حاشیہ:۱) قانونِ مبارزت:(Law of Contest)

نوٹ: عام مثال صرف سمجھانے کے لیے دی جاتی ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان تو صرف وہی مثال ہوسکتی ہے جو سب سے اَعلیٰ ہو۔ (و لِلّٰہِ المثل الأعلیٰ).

Marfat.com

آباد شہر کی صورت میں جو اہلِ فکر کو اپنے اندر غور وفکر کی دعوت دے رہا ہو۔

اب اس عالی شانِ مبارزت کا اعلان واظہار چونکہ ضروری ہے، اس لیے اس کے لیے کسی علامت یا اشارے کا ہونا ضروری ہے۔

اور صورت حال یہ ہے کہ کوئی بھی فضائی یا آسمانی حادثہ ایسا نہیں ہے جو اس اعلان کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو یا میل کھاتا ہو، اس لئے جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ اس کے لئے مناسب ترین علامت ہے؛ کیونکہ ستاروں کے حادثات و واقعات جیسے شہابِ ثاقب کا ایسے گرنا جیسے منجنیقیں پتھر پھینکتی ہوں، اور جیسے بلند و بالا قلعوں کے محفوظ برجوں سے گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہو، اِس سے بداہتاً اور بے ساختہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ چیزیں شیطانوں کو شہاب ہائے ثاقب سے مارے جانے کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتی ہیں؛ کیونکہ صورتِ حال یہ ہے کہ شیاطین کو مارے جانے والے واقعے سے اس کے علاوہ اور کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ اور اس کے ساتھ مناسبت رکھنے والا صرف ایک ہی مقصد سمجھ میں آتا ہے، اور وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ مزید یہ کہ رجم شیاطین یعنی شیطانوں کو انگاروں سے مارے جانے والا واقعہ جناب آدم علیہ السلام کے زمانے سے مشہور و معروف ہے اور دوسرے حادثات و واقعات کے برخلاف اہلِ حقیقت کی نظروں میں رہا ہے۔

چھٹا درجہ:

جن و اِنس چونکہ شرّ و انکار کی لامحدود استعداد رکھتے ہیں، اس لئے وہ لامحدود تمرّد و طغیان اور بغاوت وعصیان کی قدرت سے بہرہ ور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اپنی معجزانہ بلاغت اور بلند آہنگ اُسلوب اور واضح ترین امثال وتمثیلات کے ذریعے جن وانس کو ڈانٹ پلاتا ہے اور انہیں طغیان وعصیان سے روکتا ہے اور اس ضمن میں وہ اُن کو ایسی سخت جھڑکیاں دیتا ہے کہ جن سے کون ومکان کانپ اُٹھتے ہیں۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿يَـا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ ٥ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ٥ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِنْ نَارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ﴾ (حاشیہ:۱)

اس آیت میں موجود خوفزدہ کر دینے والی تہدید اور شدید قسم کی زجر وتوبیخ ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ وہ کس طرح اپنی معجزانہ بلاغت کے ساتھ جن وانس کی بے کسی و بے بسی کا اعلان کرتی ہوئی اُن کے تمرّد وعصیان پر کاری ضرب لگاتی ہے، اور بتاتی ہے کہ یہ دونوں مخلوقیں پروردگار کی شاہانہ عظمت اور حاکمانہ وُسعت کے سامنے کتنی بے بس اور بے کس ہیں!

---

(حاشیہ:۱) الرحمٰن: 33-35

Marfat.com

تو گویا کہ یہ آیت اور اس کے ساتھ یہ آیت: ﴿وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ﴾، (حاشیہ:۱)

یہ دونوں آیتیں جن وانس کو مخاطب کر کے یوں کہہ رہی ہیں کہ:

اے گروہِ جن وانس! اے مغرور متمرد اور سر سے لے کر پاؤں تک ضعف ودرماندگی کی دلدل میں پھنسے ہوئے نافرمانو!

اے ضدی، اڑیل اور اپنے فقر و عجز کی دھول میں اَٹے ہوئے سرکشو اور باغیو! تم اگر میرا کہا نہیں مانتے ہو، میرے حکم کی اطاعت نہیں کرتے ہو تو پھر میری بادشاہت اور سلطنت سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ! لیکن اگر تم ایسا نہیں کر سکتے ہو تو پھر یہ بتاؤ کہ تم اُس سلطانِ اعظم کے احکام واوامر کی مخالفت کی جرأت کیسے کرتے ہو کہ یہ سارے چاند ستارے اور سورج جس کی مٹھی میں ہیں اور تربیت یافتہ سپاہیوں کی طرح تابع فرمان ہیں۔ اور تم اپنی اس نافرمانی سے ایسے جلیل القدر اور عظیم الشان فرمانروا کے مقابلے میں اُتر رہے ہو جس کے پاس اتنے طاقتور، ہیبت ناک اور فرمانبردار لشکر ہیں جو پہاڑوں کو بھی اُکھاڑ پھینک سکتے ہیں، حتیٰ کہ تمہارے ان شیطانوں کو اٹھا کر پٹخ سکتے ہیں اگر ان میں برداشت کرنے کا حوصلہ ہو اور تم اپنے اس کفر کے ساتھ اُس جلیل القدر اور عظیم الشان فرمانروا کی مملکت میں بغاوت اور سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہو جس کے پاس اتنے زبردست سپاہی ہیں جو کافر اور نافرمان دشمنوں کو _ چاہے وہ زمین اور پہاڑوں کی ضخامت میں بھی کیوں نہ ہوں _ زمینوں اور پہاڑوں جیسے گرانڈیل دہکتے ہوئے گولوں، بموں اور آگ کے شعلوں سے ہلاک کر سکتے ہیں اور انہیں پارہ پارہ کر کے ہواؤں میں بکھیر سکتے ہیں! اور تم کون ہوتے ہو؟ بالکل ضعیف وناتواں اور تم ایک ایسے قطعی اور حتمی قانون کی مخالفت کرتے ہو جس کے ساتھ اُس ذات کا تعلق ہے جس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ اگر ضرورت ہو تو وہ تمہاری یہ زمین تمہارے منہ پر دے مارے وہ تم پر ستاروں جیسے بڑے بڑے پتھروں اور دیگر گولوں اور بموں کی بارش برسا دیں!

جی ہاں، بے شک قرآن کریم میں ایسی بہت سی تنبیہی اور تہدیدی چیزوں کے انبار لگا دیے گئے ہیں جو کہ انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کا سرچشمہ دشمنوں کی قوّت نہیں بلکہ وہ کچھ دیگر اسباب سے وجود میں آئی ہیں، جیسے اُلوہیت کی عظمت کا اظہار اور دشمنوں کی فضیحت ورسوائی وغیرہ۔

پھر بسا اوقات ایک آیتِ کریمہ کسی چھوٹی سی اور کمزور سی چیز کے لیے عظیم ترین اور قوی ترین اسباب جمع کر دیتی ہے اور ان کو آپس میں اس طرح مربوط کر دیتی ہے کہ کمزور چیز پر زیادتی نہیں ہوتی۔ اور یہ سب کچھ مکمّل انتظام، انتہائی عدل اور آخری درجے کے علم وحکمت کی قوّت کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾ (حاشیہ:۱)

---

(حاشیہ:۱) (الملک:50)

Marfat.com

اس عزت اور احترام کی حدود بیان کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے شایانِ شان ہے، اور اُس وسیع رحمت کی حدود بھی بیان کرتا ہے جو بیویوں کے حقوق پر مشتمل ہے۔

پس دلائل واسباب کی یہ فراوانیاں صرف یہ بتاتی ہیں کہ نبی ﷺ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنی عظمت ہے، اُن کا مرتبہ اللہ کے ہاں کتنا بلند ہے! دو کمزور سی عورتوں نے جو شکوہ کیا اس کی کتنی اہمیت ہے! اور یہ کہ ان دونوں کے حقوق کا کس حد تک خیال رکھا گیا ہے!

## ساتواں درجہ:

جس طرح فرشتوں اور مچھلیوں میں چھوٹے بڑے ہونے کے لحاظ سے بڑے درجات ہیں، اسی طرح ستاروں میں بھی یہ فرق پائے جاتے ہیں، چنانچہ بعض ان میں سے انتہائی چھوٹے ہیں اور بعض بہت بڑے ہیں۔ حتیٰ کہ جو چیز بھی سطح آسمان پر چمکتی دمکتی نظر آجائے اسے لوگ ستارہ ہی کہہ دیتے ہیں۔

اب کچھ ستارے ان میں سے صرف آسمان کی تزیین و آرائش کے لئے ہیں، گویا کہ اُس فاطرُ الجلیل اور صانعُ الجمیل نے اُنہیں آسمان کے اس درخت پر چمکتے ہوئے پھلوں کی صورت میں پیدا کیا ہے، یا اس بحرِ بے کنار میں تسبیح خواں مچھلیوں کی صورت میں پیدا کیا ہے، یا اپنے لامحدود فرشتوں کی ہزاروں منزلوں، چلتی پھرتی رہائش گاہوں اور سواریوں کی صورت میں پیدا کیا ہے۔ اور اسی طرح بعض ستارے چھوٹے چھوٹے حُجم کے بھی پیدا کیے ہیں جن سے شیاطین کو رجم کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔

پھر وہ ستارے جنہیں شہاب ثاقب کہا جاتا ہے اور جو شیطانوں کو رجم کرنے کے لیے پھینکے جاتے ہیں، ان کے تین معنی ومفہوم ہو سکتے ہیں:

### پہلا مفہوم:

یہ وجود کے دائروں میں سے سب سے بڑے دائرے میں بھی ''قانون مبارزت'' کے جاری وساری ہونے پر ایک رمز اور علامت کا کام دیتے ہیں۔

### دوسرا مفہوم:

یہ کہ آسمانوں میں بیدار مغز، چاک و چوبند چوکیدار اور اطاعت گزار باشندے رہ رہے ہیں، اور یہ شہاب ثاقب زمین کے شریر باسیوں کے اللہ کے لشکروں میں گھل مل کر اور چوری چھپے باتیں سننے کی کوشش کرنے پر اللہ کے لشکروں کی طرف سے اِن زمین کے شرارت پسندوں پر غصے کی علامت اور ناراضگی کا اعلان ہیں۔

---

(حاشیہ ۱:) التحریم:40

Marfat.com

تیسرا مفہوم:

یہ شہاب ثاقب گویا کہ پتھر پھینکنے والی منجنیقیں اور روشنی کے گولے اور بم ہیں جو کہ اُن شیطان جاسُوسوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے اور انہیں آسمان کے دروازوں سے دُھتکار کر دور بھگانے کے لیے اُن پر پھینکے جاتے ہیں جو کن سُوئیاں لیتے ہیں اور اہلِ آسمان کی باتیں سننے کی کوشش کرتے ہیں، اور جو زمینی واہیات وخرافات کی بدترین ترجمانی کرتے ہیں؛ اور یہ اس لیے کہ یہ اُس پاکیزہ آسمان کو ملوّث نہ کر سکیں جو کہ پاکیزہ لوگوں کا مسکن ہے، اور اس لیے بھی کہ یہ ان خبیث رُوحوں کے بل پر جاسوسی کرنے والے اِن شیطانوں کے آگے رکاوٹ بن جائیں تاکہ وہ اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں۔

اے اپنی قاصر، کوتاہ اور نارسا عقل پر اعتماد کرنے والے فلک شناس! وہ عقل کہ جس کی روشنی جگنو کی روشنی سے بھی زیادہ نہیں ہے! اور اے قرآن مبین کے سورج کی روشنی سے آنکھیں بند کر لینے والے ماہر فلکیات!

ان سات درجوں میں جن حقائق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اُن سب کو بیک وقت دیکھ اور آنکھیں کھول، اپنی عقل کی معمولی سی روشنی کا پیچھا چھوڑ اور اس آیت کریمہ میں پائے جانے والے دن کی روشنی سے بھی زیادہ چمکدار اعجاز کی روشنی میں اس کے معنی کا مشاہدہ کر اِس آیتِ کریمہ کے آسمان سے صرف ایک حقیقت کے ستارے کو پکڑ لے اور اسے اُس شیطان کے سر پر دے مار جو تمہارے ذہن میں بیٹھا ہوا ہے! ہم بھی اِسی طرح کرتے ہیں اور آ ؤ ایک ساتھ کہیں:

﴿رَبِّ أَعُوذُبِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ﴾

فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ وَالْحِكْمَةُ الْقَاطِعَةُ

﴿سُبْحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# سولھواں مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُo فَسُبْحَانَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (حاشیہ:ا)

| |
|---|
| یہ مضمون میں نے اپنے اندھے من کو بصیرت دینے، اُسے اطمینان سے آشنا کرنے اور اس کے اردگرد پھیلے ہوئے اندھیروں کو دور بھگانے کے لیے لکھا ہے۔ اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اُسے اِس آیت کریمہ میں پائے جانے والے نور کی چار کرنوں کی جھلک دکھائی جائے گی۔ |

## پہلی کرن:

اے میرے نادان من!

تو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں اُحدیت پائی جاتی ہے، حالانکہ اس کے افعال کُلّی اور ہمہ جہت ہیں۔ تو یہ کہتا ہے کہ اس کی ذات میں وحدت پائی جاتی ہے، حالانکہ اس کی ربوبیت عام اور ہر سُو پھیلی ہوئی ہے اور اس میں اس کا کوئی معاون و مددگار بھی نہیں۔ تو یہ کہتا ہے کہ اس کی ذات میں فردیّت پائی جاتی ہے حالانکہ اس کے تصرّفات ہمہ گیر ہیں اور اِن میں اس کا کوئی شریک بھی نہیں۔ تُو یہ کہتا ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر ناظر ہے حالانکہ وہ لامکانی ہے کسی خاص جگہ میں نہیں رہتا ہے۔ تو یہ کہتا ہے کہ وہ مطلق رفعت اور بلندی کا مالک ہے حالانکہ وہ ہر چیز کے قریب ہے۔ تو یہ کہتا ہے کہ وہ وحدانیت کا مالک ہے حالانکہ ہر چیز ذاتی طور پر اُس کے قبضہءِ قدرت میں ہے۔ اور یہ تمام چیزیں قرآنی حقائق ہیں، شک سے بالاتر ہیں۔ پھر تو یہ کہتا ہے کہ قرآن صاحب حکمت یعنی حکیم ہے اور حکیم عقل سے وہ چیز نہیں منواتا جو اُس کے لیے قابلِ قبول نہ ہو! البتہ یہ ضرور ہے کہ عقل کو ان تمام اُمور میں ظاہری تضاد نظر آ رہے ہیں۔ اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ ان چیزوں کی ایسی وضاحت کریں جسے عقل تسلیم کر لے۔

الجواب:

تمہاری کیفیت اگر یہی ہے اور تم یہ وضاحت دلی اطمینان کے لیے چاہتے ہو، تو ہم قرآن کریم کے فیضان کا سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی ''النـــور'' نے ہماری کافی مشکلات حل کر دی ہیں، اور انشاء اللہ اِس

---

(حاشیہ:ا) یٰس: 82-83

Marfat.com

مشکل کو بھی حل کر دے گا۔

ہم یہ مسئلہ حل کرنے کے لیے ایک تمثیل کا انداز اختیار کرتے ہیں جو عقل کے لیے وضاحت اور دل کے لیے روشنی کا کام دے گی، جیسے کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے کہا ہے، چنانچہ ہم کہتے ہیں:

**نہ شبم نہ شب پرستم، من غلام شمسم از شمس گویم خبر**

تمثیل چونکہ اعجاز قرآن کو منعکس کرنے کا سب سے زیادہ چمکدار آئینہ ہے، اس لیے ہم بھی اس راز کو تمثیل کے ذریعے ہی دیکھیں گے اور وہ اس طرح ہے کہ:

ایک فردِ واحد جو کہ حقیقت میں ایک جزئی ہے، مختلف آئینوں کی وساطت سے ایک ہمہ گیر معاملات کی مالک کُلّی کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے، یعنی ایک جُزئی ہونے کے باوجود اس میں کُلّی کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر:

سورج ایک جُزئی ہے اور اس کا ایک تشخص ہے، لیکن شفّاف اشیاء کی وساطت سے یہ ایک کُلّی کا حکم لے لیتا ہے، حتیٰ کہ اپنی متعدد صورتوں اور بے شمار انعکاسات کے ساتھ تمام سطح زمین کو بھر دیتا ہے بلکہ اُس کے جلوے چمکتے دمکتے ذرّات و قطرات کی تعداد کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اور سورج کی حرارت، روشنی اور اس روشنی میں پائے جانے والے سات رنگ، (حاشیہ:۱) اِن میں سے ہر چیز اپنے سامنے آنے والی چیزوں کا احاطہ کر لیتی ہے، اُن کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیتی ہے، اور ایک ہی وقت میں ہر شفّاف چیز اپنی آنکھ کی پتلی میں سورج کی تصویر کے ساتھ ساتھ حرارت روشنی اور سات رنگ بھی محفوظ کر لیتی ہے اور اپنے قلب صافی کو ان تمام چیزوں کا تخت بھی بنا لیتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سورج جس طرح اپنی واحدیت کی صفت کے ساتھ اپنے سامنے آنے والی تمام اُشیاء کا اِحاطہ کر لیتا ہے، اسی طرح وہ اپنی اُحدیت کی حیثیت سے اپنی خاصیت اور بہت سی صفات کے ساتھ اپنی ذات کی کسی نہ کسی تجلّی کے ساتھ ہر چیز میں پایا جاتا ہے۔

ہم چونکہ تمثیل سے تمثّل کی طرف منتقل ہو چکے ہیں، اس لیے اب ہم تمثّل کی تین اقسام کی طرف اشارہ کریں گے اور ہمارے اس مسئلے کا محور یہی تینوں چیزیں ہوں گی۔

## پہلی قسم:

کثیف مادی اُشیاء کی منعکس ہونے والی صورتیں، یہ صورتیں غیر ہیں عین نہیں، یعنی بعینہٖ وہی نہیں ہیں۔ مردہ ہیں، اپنی ظاہری صورت کے علاوہ کسی چیز کی مالک نہیں ہیں۔

(حاشیہ:۱) (سورج کی جو بظاہر سفید نظر آتی ہے، مندرجہ ذیل سات رنگوں پر مشتمل ہے: سُرخ، نارنجی، زرد، سبز، آسمانی، نیلا اور بنفشی۔ مترجم)

Marfat.com

مثال کے طور پر اگر تُو ــــ اے سعید ــــ آئینوں کے کسی بڑے سٹور میں داخل ہو جائے تو ایک سعید ہزار سعید بن جائیں گے، لیکن ان ہزاروں سعیدوں میں سے جو زندگی کا مالک ہوگا وہ صرف تُو ہی ہوگا، باقی سب مردہ ہوں گے اور کسی میں بھی زندگی کی کوئی خاصیت نہیں پائی جائے گی۔

## دوسری قسم:

نُورانی مادی اشیاء کی منعکس ہونے والی صورتیں، یہ منعکس ہونے والی صورتیں بیک وقت نہ عین ہیں نہ غیر؛ کیونکہ یہ نورانی چیز کی مادی ماہیت کا مکمل طور پر احاطہ نہیں کرتی ہیں۔ البتہ اس چیز کے نورانی پہلو اکثر خاصیات کے مالک ہیں، اس لیے یہ اُس کی طرح زندگی کی مالک سمجھی جائیں گی۔

مثال کے طور پر: جب سورج سطح زمین پر اپنی کرنیں بکھیرتا ہے تو اُس کی تصویر ہر آئینے سے ظاہر ہوتی ہے، اور اس طرح ہر منعکس ہونے والی تصویر سورج جیسی خصوصیات کی حامل ہو جاتی ہے، یعنی وہ تصویر بھی حرارت، روشنی اور سات رنگوں کی مالک ہوتی ہے۔ اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سورج شعور کا مالک ہے، حرارت اس کی طاقت ہے، روشنی اس کا علم ہے، اور سات رنگ (حاشیہ:۱) اس کی سات صفتیں ہیں، تو پھر یہ یکتا و یگانہ سورج ایک ہی وقت میں ہر آئینے میں پایا جائے گا، اور ہر آئینے میں اس کا خصوصی تخت ہوگا جس پر وہ براجماں ہوگا، اور ان میں سے ہر آئینے میں ایک قسم کا ٹیلیفون ہوگا، اور یوں کوئی چیز دوسری چیز کے لیے رکاوٹ نہیں بنے گی۔ اور اُس سورج کے لیے ہمارے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے آئینوں کی وساطت سے ہم میں سے ہر ایک کا سامنا کرنا بھی ممکن ہوگا۔ اور باوجود اس کے کہ ہم اُس سے دور ہیں، وہ ہم سے خود ہماری ذات سے بھی زیادہ قریب ہوگا۔

## تیسری قسم:

نورانی اَرواح کی منعکس ہونے والی صورتیں۔ یہ صورتیں زندہ ہیں اور بیک وقت عین وہی ہیں، لیکن ان کا ظہور چونکہ آئینوں کی صلاحیت اور قابلیت پر موقوف ہے اس لیے آئینہ ذاتی طور پر رُوح کی ماہیت کو خود میں واقعتاً سما لینے کی گنجائش نہیں رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر: عین اُس وقت جبکہ سیدنا جبریلؑ ایک صحابی دِحیہ کلبی کی صورت میں مجلس نبویؐ میں حاضر ہوئے تھے، اُسی لمحے وہ اپنے ہیبت ناک پروں کے ساتھ عرشِ اعظم کے سامنے حضرتِ الٰہیہ میں سجدہ ریز ہوتے تھے، اور عین اُسی لمحے وہ بے شمار جگہوں میں موجود ہوتے تھے؛ اور اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا رہے ہوتے تھے لیکن کوئی کام دوسرے کام کے آگے رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔

اس راز کو سامنے رکھیں تو یہ بات بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک ہی وقت میں دنیا کے ہر کونے سے

---

(حاشیہ:۱) (سات صفتیں یا صفات سبعہ سے اللہ تعالیٰ کی یہ سات صفات مراد ہیں: حیات، قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ مترجم)

Marfat.com

اپنی امت کے تمام درود کیسے سن لیتے ہیں، صرف اس لئے کہ آپ کی ماہیت نور اور شناخت نورانی ہے۔

اور یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن ایک ہی وقت میں تمام اصفیاء کے روبرو کیسے رہیں گے۔ پیغمبر تو پیغمبر ہیں وہ اُولیاءِ کرام بھی جنہوں نے کافی حد تک نورانیت حاصل کرلی ہے اور جنہیں ''ابدال'' کہا جاتا ہے، اُن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بیک وقت متعدد جگہوں میں دیکھے جاتے ہیں، اور اُن میں سے ایک ہی شخص بیک وقت مختلف قسم کے کام سرانجام دیتا ہے؛ کیونکہ جس طرح شیشہ، پانی اور ان جیسے دوسرے مواد مادی اجسام کے آئینے بن جاتے ہیں، اِسی طرح ہوا، اثیر اور عالمِ مثال کی دیگر موجودات روحانی چیزوں کے لیے آئینوں کی مانند ہو جاتی ہیں اور اُن کی سیر و گردش کے لیے برق و خیال سے بھی زیادہ تیز وسائل کا روپ دھار لیتی ہیں۔ چنانچہ یہ رُوحانیات اُن لطیف منازل اور نظیف آئینوں میں خیال کی سی تیز رفتاری کے ساتھ سیر و گردش کرتی ہیں اور آنِ واحد میں ہزاروں جگہوں میں داخل ہو جاتی ہیں۔

نورانیت کے اِس راز کو سامنے رکھیں اور فیصلہ کریں کہ سورج جیسی عاجز و مسخر چیز، اور ایسی مصنوعات جو ہیں تو مادی لیکن وہ نورانی مخلوقات کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں_ جیسے کہ روحانی مخلوقات ہیں_ ایسی مخلوقات کا اگر ایک ہی وقت میں ایک جگہ اور ساتھ ہی کئی جگہ پر پایا جانا ممکن ہے، اور یہ چیزیں مقیّد جزئی ہو کر بھی مطلق کُلّی کا حکم لے لیتی ہیں اور اپنے جزوی اختیارات کے باوجود آنِ واحد میں کئی کام سرانجام دے سکتی ہیں۔ تو پھر اُس ہستی کے بارے میں کیا خیال ہے جو مادّہ سے مجرّد اور پاک ہے، جو کسی بھی قید کی تحدید اور کثافت کی ظلمت سے منزّہ اور مبرّا ہے۔ بلکہ یہ جتنے بھی انوار و نورانیات ہیں سب اس کے اُسمائے حسنٰی کے انوار کے کثیف سائے ہیں، بلکہ تمام وجود و حیات، عالمِ اُرواح اور عالمِ مثال سب کے سب_ نیم شفاف_ آئینے ہیں جن میں اُس قدّوسُ الجلیل کے حسن و جمال کا اِظہار ہوتا ہے جس کی صفات ہر شے کو محیط اور جس کے شؤون و معاملات ہر چیز کو شامل ہیں۔ اب خود ہی کہو کہ اُس کی اُس اُحدیّت کی توجہ سے کون سی چیز اوجھل رہ سکتی ہے جو کہ اس کی ہمہ گیر صفات اور اُس کے کُلّی ارادے، مطلق قدرت اور ہمہ گیر علم سے سرزد ہونے والے اُفعال کے ضمن میں داخل ہے۔ اُس کے لئے کون سی چیز کا ادراک کرنا مشکل ہے اور اُس سے کون سی چیز چھپی رہ سکتی ہے۔؟ کس فرد کے لیے ممکن ہے کہ اُس سے دُور رہے۔؟ اور کس شخصیت کے لئے ممکن کہ ہے کہ کُلّی انداز اپنائے اور کمائے بغیر اس کے قریب ہو سکے۔؟

جی ہاں! سورج اپنی مطلق اور غیر مقیّد روشنی اور اپنی منعکس ہونے والی غیر مادی صورتوں کی وساطت سے تمہاری آنکھ کی پُتلی سے بھی تمہارے زیادہ نزدیک ہے، لیکن اس کے باوجود تُم اُس سے مطلقاً دُور ہو؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم مقید ہو۔ اس لیے تمہیں قید و بند کے ان بہت سے سلسلوں کو توڑنا ہوگا اور بہت سے کُلّی مراتب کی وادیوں کو طے کر کے آگے

Marfat.com

جانا ہوگا تا کہ تم اس کے قریب ہوسکو۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تم کرہ ارض کے برابر بڑے اور چاند کی طرح بلند ہو جاؤ، اس کے بعد ہی کہیں تمہارا کسی حد تک اصلی سورج کے مرتبے کے قریب ہونا اور بغیر حجاب کے اُس کا سامنا کرنا ممکن ہوگا۔

اب جو معاملہ سورج کا ہے وہی ربِّ جلیل ذوالجمال وجمیلِ ذوالکمال کا ہے، وہ تمہارے ہر چیز سے زیادہ نزدیک ہے اور تم اُس سے بے حد دور ہو۔ اگر دل میں ہمت ہے اور عقل میں بُلندی ہے تو پھر تمثیل میں ذکر کیے گئے نکتوں کو حقیقت میں ڈھالنے کی کوشش کرو۔

## دوسری کرن:

اے میرے غفلت خوردہ من!

تو یہ کہتا ہے کہ: ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (حاشیہ:۱) اور ﴿إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ﴾ (حاشیہ:۲) یہ اور اس جیسی دوسری آیات یہ بتاتی ہیں کہ اشیائے کائنات صرف امرِ الٰہی سے پیدا کی گئی ہیں اور آن واحد میں ظاہر ہوگئی ہیں، جبکہ ﴿صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (حاشیہ:۳) اور یہ ﴿أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ﴾ (حاشیہ:۴)_ اور ان جیسی دیگر آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ اشیاء کی تخلیق تدریجاً ہوئی ہے اور عظیم الشان قدرت، ہمہ گیر علم وحکمت اور صنعتکاری میں انتہائی اِتقان، پختگی اور پائیداری کے ذریعے ہوئی ہے، ان دونوں بیانوں کے درمیان موافقت یا مطابقت کیسے ہوسکتی ہے؟

**الجواب:** ہم قرآن کے فیضان کا سہارا لیتے ہوئے کہتے ہیں:

**اوّلاً:** آیات کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے؛ کچھ مخلوقات تو ایسی ہیں جن کی تخلیق اُسی طرح ہوتی ہے جیسے پہلی آیات میں بیان ہوا ہے یعنی ایک ہی دم چیزوں کا وجود میں آنا۔ اور کچھ مخلوقات ایسی ہیں جن کی تخلیق ایسے ہوتی ہے جیسے دوسری آیات میں بتایا گیا ہے یعنی اس جیسی مخلوق کو دوبارہ تدریجاً وجود میں لے کر آنا۔

**ثانیاً:** موجودات کی با کمال تخلیق، بناوٹ اور ساخت پرداخت میں جو انتہائی درجے کا نظم وضبط، آخری درجے کی پختگی وپائیداری اور جو اعلیٰ درجے کا حسن وجمال نظر آرہا ہے، اور اس کے تخلیقی عمل میں جو سہولت، سُرعت، کثرت اور وسعت نظر آتی ہے، وہ ان دو آیتوں میں پائے جانے والے حقائق کی مطلق گواہی دے رہی ہے، اس لیے اب اس بات کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ بحث کا دارومدار یہ ٹھہرے کہ ان اُمور کو خارج میں ثابت کیا جائے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ: کائنات کی تخلیق وایجاد ان دو طریقوں سے کیوں کی گئی ہے اور اس پُرحکمت انداز میں کیا راز پایا جاتا ہے؟

---

(حاشیہ:۱) یٰس:82 (حاشیہ:۲) یٰس:53 (حاشیہ:۳) النمل:88 (حاشیہ:۴) السجدہ:7

Marfat.com

اس لیے، ہم حکمت کی طرف قیاس تمثیلی (حاشیہ:۱) کے ساتھ اشارہ کریں گے، مثال کے طور پر، درزی جیسا ایک ماہر کاریگر انتہائی محنت اور مہارت کیساتھ صنعت سے بھرپور ایک چیز ایجاد کرتا ہے، اور اسے ماڈل کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ پھر بغیر مشقت اور تکلیف کے اس جیسی چیزیں مکمل سرعت کیساتھ بنا سکتا ہے، حتیٰ کہ کبھی معاملہ اِس حد تک سہل اور آسان ہوتا ہے کہ گویا کہ وہ حکم دے رہا ہے اور کام ہوتا چلا جا رہا ہے، اور یہ اس لیے کہ اس نے اپنے کام میں اتنی مہارت، پختہ انتظام اور تسلسل حاصل کر لیا ہے کہ گویا کام صرف اس کے حکم سے ہی ہوتا جا رہا ہے، جیسے گھڑی کو چابی دے دی جائے تو وہ خود بخود چلتی رہتی ہے۔

اب اس مثال کو ذہن میں رکھیں، ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى﴾ اور دیکھیں کہ اُس صانعِ الحکیم اور نقاشُ العلیم نے جہاں کے اس محل کو اُس کے ساز و سامان سمیت انتہائی خوبصورت، بے مثل اور بے نظیر بنایا ہے، اور پھر اس کے اندر چھوٹی بڑی، جزئی کلی، انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر چیز اس طرح معیّن مقدار سے ایسے نظم و ضبط کے ساتھ رکھوا دی ہے کہ وہ مقدار اپنی جگہ پر اُس چیز کا ایک نمونہ بن گئی ہے۔

اب اللہ تعالیٰ جو کہ اَزلی نقاش ہے، اگر اس کے کاموں میں غور کریں تو نظر آئے گا کہ وہ ہر زمانے کو ایک ماڈل بنا کر اسے ایک بالکل نئے، تازہ اور لطافت بھرے جہان کی اپنی قدرت کے معجزات سے مزیّن پوشاک پہنا دیتا ہے۔ اور ہر سال کو ایک پیمانہ بنا کر اپنی خارقِ عادت رحمت سے اُس کے قد کے مطابق اُس پر ایک نئی کائنات بُن دیتا ہے۔ اور ہر دن کو ایک سطر بنا کر اُس میں اپنی حکمت کی باریکیوں سے مزیّن نو بہ نو موجودات رقم کر دیتا ہے۔ پھر اُس قادرِ مطلق نے جس طرح ہر زمانے، ہر دور، ہر سال اور ہر دن کو ماڈل بنایا ہے، اسی طرح اُس نے سطحِ زمین کو، بلکہ ہر پہاڑ اور صحرا کو، ہر باغ باغیچے کو اور ہر درخت اور پھول کو ماڈل بنایا ہے، اور وہ زمین پر نئی، تر و تازہ سرسبز و شاداب اور ملتی جلتی کائنات بنا دیتا ہے۔ چنانچہ اس طرح وہ جدید دنیا تخلیق کرتا ہے، اور پہلے عالَم کی بساط لپیٹ کر ایک مرتّب اور منظم عالَم تخلیق کر دیتا ہے۔

اور اس طرح وہ ہر موسم میں اپنی بے قید قدرت کے نئے نئے اور اچھوتے معجزات کا اظہار کرتا ہے، اور ہر باغ باغیچے میں اپنی رحمت کے تازہ بتازہ تحفوں کو بے حجاب کرتا ہے۔ چنانچہ ایک جدید اور اچھوتی حکمت کی کتاب لکھتا ہے، اپنی رحمت کے دستر خوان نئے سرے سے سجاتا ہے، کون و مکان کو ایک نیا، خوبصورت اور دل آویز صنعت سے بھرپور کپڑا پہنا دیتا ہے، ہر درخت کو ہر موسم بہار میں خوبصورت برقعہ پہناتا ہے اور اُس میں چمکتے ستاروں جیسے جگمگ کرتے جواہرات کا جڑاؤ کر کے اُسے مزیّن کر دیتا ہے اور اُس کے ہاتھ رحمت کے تحفوں سے بھر دیتا ہے۔

ان تمام اُمور کو انتہائی حسن و صنعت اور کمال انتظام کیساتھ کرنے والی اور ایک دوسرے کے پیچھے آنے والی اور

---

(حاشیہ:۱) (قیاس التمثیل یہ ہے کہ کسی جامع حکم میں فرع کو اصل کے ساتھ ملا دیا جائے، جیسے نبیذ کو حرمت کے حکم میں شراب کے ساتھ ملا دیا جائے اور اسے بھی شراب کی طرح حرام قرار دیا جائے؛ کیونکہ دونوں کے درمیان جو علت مشترک ہے وہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں نشہ آور ہیں۔ مترجم)

Marfat.com

زمانے کی رسی میں لٹکے ہوئے رواں دواں جہانوں کو، نہایت حکمت، عنایت، کمال قدرت اور صنعت کیساتھ تبدیل کرنے والی ذات، البتہ انتہائی قدیر اور حکیم ہے، اور نہایت درجے کی بصیر اور علیم ہے۔ یہ بات کسی بھی صورت ممکن نہیں کہ یہ اعمال ایسے ہی محض اتفاقی طور پر ظہور میں آ رہے ہیں! وہ جلیل القدر خالق کہتا ہے:

﴿اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿وَمَا اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ﴾ (حاشیہ:۲)

یوں وہ اپنی قدرتِ مطلقہ کا اعلان کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ حشر اور قیامت اُس کی قدرت کے حساب سے انتہائی معمولی اور آسان کام ہیں۔ اور یہ کہ اشیاء تمام کی تمام اس کے اوامر کے سامنے مسخر اور اس کے احکامات کے سامنے مکمل اطاعت گزار اور فرمانبردار ہیں۔ اور یہ کہ وہ اُن تمام اشیاء کو محنت، مشقت، تگ و دو اور براہ راست عمل کے بغیر پیدا کرتا ہے۔ اور اشیاء کی تخلیق و ایجاد میں جو مطلق سہولت اور آسانی کارفرما ہے اُس کے بارے میں قرآن حکیم نے ان الفاظ کے ساتھ وضاحت کی ہے کہ وہ صرف امر کے ذریعے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آیات کی ایک قسم وہ ہے جو اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اشیائے کائنات کی تخلیق میں نہایت درجے کا اِتقان اور غایت درجے کی حکمت پائی جاتی ہے، اور خاص کر آغاز تخلیق میں۔ اور دوسری قسم وہ ہے جو اس حقیقت کو آشکار کرتی ہے کہ اشیائے کائنات کی تخلیق و ایجاد میں سہولت، مطلق سُرعت، انتہائی اطاعت و انقیاد اور عدم تکلّف کارفرما ہے، اور خاص کر ان کی ایجاد میں تکرار اور اِعادہ یعنی دوبارہ پیدا کرنے میں۔

## تیسری کرن:۔

اے میرے وسوسے کے شکار اور اپنی حدود سے گزر جانے والے من!

تو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾، (حاشیہ:۳)

اسی طرح اس کا یہ فرمان:

﴿بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾، (حاشیہ:۴)

اسی طرح اس کا یہ فرمان:

﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾، (حاشیہ:۵)

ان تمام آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ قریب ہے، جبکہ کچھ آیات ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہم سے بہت زیادہ دور ہے، جیسے کہ اُس کا یہ فرمان: ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾، اور یہ فرمان: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ

(حاشیہ:۱) یٰس:82 (حاشیہ:۲) النحل:77 (حاشیہ:۳) ھود:56 (حاشیہ:۴) یٰس:83 (حاشیہ:۵) ق:16

Marfat.com

اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ﴾، (حاشیہ:۱)

اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ایک حدیث شریف میں یہ فرمانا:

''اللہ تعالیٰ کی ذات ستر ہزار پردوں کے پیچھے ہے''،اسی طرح معراج کی حقیقت ہے۔

اس گہرے راز کو ذہنوں کے قریب کرنے کے لیے میں اس مسئلے کی وضاحت چاہتا ہوں۔

**الجواب: اچھا تو پھر سنو!**

**اَوّلاً:** ہم نے پہلی کرن کے اخیر میں ذکر کیا ہے کہ سورج اپنی روشنی کے ساتھ غیر مقید ہے اور اپنی منعکس ہونے والی غیر مادی صورتوں کی حیثیت سے تمہاری آنکھ کی اُس پتلی سے بھی تمہارے زیادہ قریب ہے، جو کہ سورج کے لیے آئینہ اور تمہاری روح کے لیے جھروکا ہے مگر تم اُس سے بہت دور ہو؛ کیونکہ تم مادّے میں محبوس و مقیّد ہو، اور تمہارے لیے صرف اس کی منعکس ہونے والی صورتوں کا اور اُس کے کچھ عکسوں اور سایوں کو چھونا ہی ممکن ہے، اور اسی طرح اُس کے کچھ جزوی جلووں کا سامنا کرنا ہی ممکن ہے، اور اسی طرح تم صرف اُس کے ان رنگوں ہی کے قریب ہو سکتے ہو جو اُس کی صفات کے حکم میں ہیں، اور اُس کی کچھ کرنوں کی جھلک دیکھ سکتے ہو جو کہ اُس کے کچھ اسماء کے حکم میں ہیں۔

اور اگر تم سورج کے اصلی مرتبے کے قریب ہونا چاہو اور اُس کا ذاتی مشاہدہ کرنا چاہو، تو پھر تمہارے لیے بہت سی قیدوں سے خالی اور آزاد ہونا اور بہت سے کلی مراتب کو خیر باد کہنا ضروری ہے، تب تم حدود قیود سے خالی ہونے کی حیثیت سے معنوی طور پر کرہ ارض کے حساب سے بڑھنا شروع ہو جاؤ گے اور روحانی طور پر ہوا کی طرح پھیلتے جاؤ گے، چاند کی طرح بلند ہوتے چلے جاؤ گے اور چودھویں کے چاند کی طرح سورج کے سامنے آجاؤ گے۔ اور اس کے بعد یہ ممکن ہے کہ تم ایسے قرب کا دعویٰ کر سکو جس میں کسی قسم کا حجاب نہ ہو۔

﴿وَلِلّٰہِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی﴾ وہ جلیلِ پُرکمال، وہ جمیلِ بے مثال، وہ واجبُ الوجود اور مُوجدِ ہر موجود، نورِ سرمد اور سلطانُ الازل والابد تمہارے خود تمہاری ذات سے بھی زیادہ قریب ہے اور تم اُس سے مطلق دُور ہو۔

اگر تمہارے پاس قوّت ہے تو تمثیل میں پائے جانے والے باریک نکتوں کو حقائق پر منطبق کر سکتے ہو۔

**ثانیاً:** مثال کے طور پر ﴿وَلِلّٰہِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی﴾، ایک حکمران کی بہت سی حیثیتوں اور بہت سے ناموں میں سے اس کی قائدانہ حیثیت ہے اس حیثیت سے اُس کے نام ''قائد'' کا ظہور اس کی حکومت کے کئی ایسے دائروں میں ہوتا ہے جو آپس میں متداخل اور ملے جلے ہوتے ہیں۔

چنانچہ فوج کے کمانڈر انچیف کے دائرے سے لے کر فیلڈ مارشل، بریگیڈیر جنرل، لیفٹیننٹ، کیپٹن اور عام سپاہی تک کے دائرے میں اس کا یہ نام چلتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے ظہور کا جلوہ بڑے اور چھوٹے اور کلی اور جزوی دائروں میں

(حاشیہ:۱) المعارج:4

Marfat.com

بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ ایک سپاہی اپنی عسکری خدمات کے دوران اپنے تمام معاملات اور تعلقات کا دارومدار اپنی عام ملازمت اور سپاہیانہ حیثیت کو بناتا ہے؛ کیونکہ اس سے اس میں قیادت کی ایک چھوٹی سی اور جزوی سی جھلک ملتی ہے، اور اس جزوی اور مہین سی جھلک کے طفیل اس کا اپنے کمانڈر انچیف کے ساتھ رابطہ اور تعلق رہتا ہے؛ کیونکہ اُس میں اس کے کمانڈر انچیف کے نام کی معمولی سی جھلک پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ حکمران کے ساتھ براہِ راست اُس کے اصلی نام سے میل جول رکھنا چاہے گا تو اس کے لیے اُسے بڑی محنت کرنی پڑے گی، اور ایک عام سپاہی کے عہدے سے لے کر کمانڈر انچیف کے عہدے تک جو مرحلے ہیں انہیں طے کر کے اوپر چڑھنا پڑے گا۔

مطلب یہ ہے کہ سلطان اپنے نام، حکومت، قانون، علم، ٹیلیفون اور تدبر کی وساطت سے اس عام سپاہی سے قریب ہے، اگر وہ سلطان نورانی ہو اور اس کا شمار اولیاء اور ابدال میں ہوتا ہو، اُس وقت وہ اپنی ذاتی حضوری کے ذریعے بھی اُس کے قریب ہوتا ہے؛ کیونکہ اسے نہ تو کوئی چیز روک سکتی ہے اور نہ ہی اس کے آگے رکاوٹ بن سکتی ہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ سپاہی اس سلطان سے بہت زیادہ دُور ہے اور اُس کے اور سلطان کے درمیان ہزاروں مراتب حائل ہیں اور ہزاروں پردے ہیں جو اسے سلطان سے دور رکھے ہوئے ہیں۔ لیکن سلطان کبھی کبھار کسی سپاہی پر شفقت کا اظہار کرتا ہے اور اُسے خلافِ عادت اپنے دیوان خاص میں حضوری کا شرف دیتا ہے اور اس پر اپنے الطاف وعنایات کی بارش برسا دیتا ہے۔

اور اسی طرح ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى﴾ اور ﴿كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ والے حکم کا مالک، کہ یہ سورج چاند ستارے جس کے تابع فرمان سپاہیوں کی طرح مسخر ہیں، وہ ذاتِ ذوالجلال ہر شے کے کسی بھی چیز سے زیادہ قریب ہے، حالانکہ ہر شے اُس سے بے حد دور ہے۔

جب اُس کے دیوانِ قُرب اور حضورِ مقدس میں بلاحجاب داخل ہونے کا ارادہ ہو تو پھر ستر ہزار ظلمانی اور نورانی یعنی مادّی و کائناتی اور اسمائی وصفاتی حجابات کے سامنے سے گزرنا ضروری ہوتا ہے۔ پھر ہر اس اسم تک اُوپر چڑھنا ضروری ہو جاتا ہے جو ہزاروں خصوصی اور عمومی تجلیات کے درجات کا حامل ہے۔ پھر اُس کی جلیلُ القدر بلند صفات کے طبقات سے گزرنا پڑتا ہے۔ پھر اس کے عرشِ اعظم کی جانب اوپر چڑھنا ہے جو اسم اعظم سے بہرہ ور ہے۔ پھر یہ ہے کہ اگر اُس کا لطف وکرم اور جذب وکشش شاملِ حال نہ ہو تو پھر رسائی حاصل کرنے کے لیے سلوک وعمل کے ہزاروں سال درکار ہیں۔

مثلاً اگر تم اُس کے اسم گرامی ''الخالق'' کے ذریعے اس کا قرب چاہتے ہو تو سب سے پہلے تو تمہیں ایسا تعلق اور ربط وضبط پیدا کرنا ہوگا جس میں یہ پہلو نمایاں ہو کہ وہ تمہارا خالق ہے۔ پھر یہ کہ وہ تمام لوگوں کا خالق ہے، پھر اس عنوان سے کہ وہ تمام زندہ کائنات کا خالق ہے۔ پھر اس حیثیت سے کہ وہ تمام موجودات کا خالق ہے۔ لہذا، اگر تم اس طریقے سے

Marfat.com

درجہ بدرجہ اوپر نہیں جاؤ گے تو پھر اصلی صورت کی بجائے پر چھائیوں میں اُلجھے رہو گے اور صرف ایک جزوی سا جلوہ پا سکو گے۔

تنبیہ: سابقہ مثال میں جس سلطان کا ذکر کیا گیا ہے اُس نے قیادت کے نام کے مراتب میں کئی وسائط بنا رکھے ہیں، جیسے فیلڈ مارشل اور لیفٹیننٹ جنرل وغیرہ؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود اکیلا تمام ڈیوٹیاں نبھا نہیں سکتا، لیکن وہ قادرِ مطلق ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے، وہ وسائط وذرائع سے مستغنی ہے، بلکہ یہ وسائط تو صرف خالص ظاہری امور ہیں جو عزت وعظمت کے پردے کی ترجمانی کرتے ہیں، اور چند رہنما اُمور ہیں جو عبودیت، عجز وفقر اور عظمتِ الٰہیہ کے سامنے دم بخود رہ جانے کے حوالے سے ربوبیّت کے سلطان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ وسائط نہ اُس کے معاون ہیں اور نہ ہی قطعی طور پر اس کی ربوبیت میں شریک ہیں۔

## چوتھی کرن:

اے میرے نفس کسل مند!

نماز جو کہ مومن کی معراج ہے، اس کی حقیقت کی تشبیہ بھی اس عام سپاہی سے دی جا سکتی ہے جس کا سلطان اعظم نے محض اپنے لطف وکرم سے _ جیسے کہ سابقہ مثال میں بیان کیا گیا ہے _ اپنے دیوان میں داخلہ قبول کر لیا ہو۔ اسی طرح تمہارا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت وجلال کے سامنے باادب کھڑا ہونا قبول ہو جانا بھی محض اُس کے لطف وکرم کے طفیل ہے۔ چنانچہ تم جب اللہ اکبر کہتے ہو تو اُس وقت تمہارا اَن دیکھا روحانی سفر شروع ہو جاتا ہے اور تم نیت اور خیال کے ذریعے دنیا اور آخرت کی منزلیں طے کرنا شروع کر دیتے ہو، اور تمام مادی قیود سے آزاد ہو جاتے ہو اور ایک قسم کے حضورِ قلبی اور اُس کے سامنے باادب بالملاحظہ قیام کے طفیل کُلی عبودیت کا مرتبہ، یا کلی مرتبے کا سایہ، یا اس کی کوئی صورت حاصل کر لیتے ہو، اور ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ﴾ کے خطاب کے ذریعے سعادتوں کا ایک بہت بڑا حصہ پا لیتے ہو۔ یاد رہے کہ یہ حصہ بقدرِ جثّہ ہوتا ہے۔

جی ہاں بے شک بندے کا نماز کی حرکات میں تکرار کے ساتھ "اللہ اکبر . اللہ اکبر" کہنا قطعِ مراتب اور روحانی ترقیوں کو طے کرنے یا اُس کے جزئیات سے نکل کر کلی دائروں میں داخل ہو جانے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اُس کبریائی کا مجمل ایک عنوان ہے جو ہماری معرفت کی حد سے باہر ہے، گویا کہ "اللہ اکبر" کا ہر لفظ معراج کے کسی مرتبے کو طے کرنے کی نشانی ہے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ نماز کی اس حقیقت کی کسی ایک کرن یا سائے تک معنی ومفہوم کے لحاظ سے نیّت، تصوّر اور خیال سے ہی رسائی حاصل کر جانا نعمتِ عظمیٰ اور سعادتِ کبریٰ ہے۔ اور اسی لیے حج کے موقع پر "اللہ اکبر" کثرت کے ساتھ

Marfat.com

دہرایا جاتا ہے؛ کیونکہ حج ہر حاجی کے لئے خود ذاتی طور پر اور اصلی حیثیت سے ایک کُلّی عبادت ہے۔

اب ایک عام سپاہی کسی خاص دن میں یا کسی تہوار کے موقع پر ویسے ہی بادشاہ کی حضوری سے مشرّف ہوتا ہے جیسے کہ ایک بریگیڈیر جرنل ہوتا ہے اور دونوں بادشاہ کی عنایات شاہانہ اور الطافِ کریمانہ سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔اسی طرح عوامی سطح پر بظاہر چھوٹے سے مرتبے کا حامل حاجی بھی جو اپنے ربّ کی بارگاہ میں اُس کے ربُّ العالمین کی حیثیت سے پہنچتا ہے، بالکل اُس ولی کی طرح ہے جس نے تمام منزلیں طے کر لی ہیں اور کلّی عبودیّت کے شرف سے مشرّف ہو چکا ہے۔اس لیے ربوبیت کے وہ کُلّی مراتب جو حج کی چابی سے کھلتے ہیں، اُلوہیت کی عظمت کے وہ آفاق جن کا مشاہدہ حج کی دوربین سے کیا جاتا ہے، عبودیت کے وہ دائرے جو حاجی کے قلب و خیال میں تُوں تُوں وسیع ہوتے چلے جاتے ہیں جُوں جُوں وہ مناسک حج ادا کرتا ہے، عظمت و کبریائی کے وہ مراتب اور تجلیات کے وہ اُفق جو ربوبیت کی ہیبت اور اُلوہیت کی عظمت کے سامنے شوق کی تپش اور سرمستیوں سے مالامال کرتے ہیں، اِن سب کو تسکین صرف "اللہ اکبر" "اللہ اکبر" ہی سے مل سکتی ہے۔اور صرف "اللہ اکبر" ہی وہ وسیلہ ہے جس کے ذریعے حاجی اُن مراتب کا اعلان کر سکتا ہے جو اس کے سامنے منکشف ہوئے ہیں، جن کا اُس نے مشاہدہ کیا ہے اور جو اُس کے تصوّر میں آئے ہیں۔

ان تمام معانی کا اصل اظہار حج کے بعد نمازِ عید میں بلند، کُلّی اور مختلف درجات میں ہوتا ہے۔اِسی طرح نماز استسقاء، نمازِ کسوف و خسوف اور نمازِ باجماعت میں بھی یہ معانی جلوہ ریز ہوتے ہیں۔

یہاں سے پتا چلتا ہے کہ اسلامی شعائر کتنی اہمیت کے حامل ہیں، حتیٰ کہ اگرچہ وہ سنتِ نبوی کے قبیل ہی سے کیوں نہ ہوں!

سُبحَانَ مَنْ جَعَلَ خَزَائِنَه بَيْنَ الْكَافِ وَالنُّوْنِ (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے خزانے کاف اور نُون کے درمیان رکھے ہیں)۔

﴿فَسُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ﴾

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

وصل وسلم على رسولك الأكرم، مظهر اسمك الأعظم، وعلى آله و أصحابه و اخوانه واتباعه، آمين يا أرحم الراحمين.

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# مختصر سا تتمہ

وہ قدیرُ العلیم اور صانعِ الحکیم اپنی قدرت اور حکمت کا اور اپنے اعمال و افعال میں اتفاقات کی عدمِ مداخلت کا اظہار اُس نظم و انتظام اور ترتیب و تنسیق کے ذریعے کرتا ہے جس نظم و ضبط کا خیال رکھنا اس کی عادت میں شامل ہے، اس کی عادت کو دوسرے لفظوں میں ''قوانینِ فطرت'' کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اس نظم و ضبط کا اظہار وہ کائنات میں پائے جانے والے شاذ و نادر قوانین، غیر معمولی عادات، ظاہری تغیرات، تشخصات یعنی امتیازی علامات کے اختلاف اور نزول و ظہور کے اوقات میں تغیر و تبدّل کے ذریعے کرتا ہے۔ وہ کبھی اس ترتیب اور تسلسل کے پردے کو چاک کر کے اپنی مشیت اور ارادے کا اظہار کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ فاعل و مختار ہے اور کسی قید کے ماتحت نہیں ہے، اور اس طرح وہ اِس بات کی جانکاری کراتا ہے کہ: ہر چیز ہر وقت، ہر حالت میں اور اپنے ہر کام میں اُس کی محتاج ہے اور اُس کی ربوبیت کے ماتحت ہے۔ اور یوں وہ غفلت کے پردے چاک کر دیتا ہے اور جنّ و انس کی نظریں اسباب سے ہٹا کر مسبّب الاسباب کی طرف پھیرتا ہے۔ قرآن کریم کے بیانات اسی اسلوب پر مبنی ہیں۔

مثال کے طور پر: اکثر علاقوں میں یُوں ہوتا ہے کہ کچھ پھل دار درخت ایک سال پھل دیتے ہیں، یعنی اُسے خزینۂ رحمت سے پھل ملتے ہیں اور وہ ان پھلوں کو ہمارے حوالے کر دیتے ہیں، لیکن دوسرے سال پھل لگانے والے تمام ظاہری اسباب کے باوجود وہ پھل لیتا نہیں اور یُوں آگے دے نہیں پاتا ہے۔

یا پھر مثال کے طور پر: بارش ہونے کے اَوقات میں دیگر لازمی اُمور کے بخلاف تغیر و تبدُّل ہوتا رہتا ہے، اس حد تک کہ یہ چیز پانچ غیبی چیزوں میں داخل ہیں۔ (حاشیہ:۱)

کیونکہ وجود میں جو چیز سب سے اہم مقام کی حامل ہے وہ حیات اور رحمت ہے اور بارش حیات اور خالص رحمت کا سرچشمہ ہے، اس لئے یہ پانی جو زندگی اور رحمت جیسے تحفے کا باعث ہے اس عمومی قاعدے قانون کے ضمن میں داخل نہیں ہوگا جو کہ اللہ سے محجوب کرتا اور غفلت کا سبب بنتا ہے بلکہ یہ بغیر کسی حجاب کے براہِ راست اُس ذُو الجلال والاکرام کے قبضے میں، اور اُس رحمانُ الرحیم منعمُ المُحی کے تصرّفات کے ضمن میں ہوگا، صرف اس لئے کہ دُعا اور شکر کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں۔

یا مثال کے طور پر: رزق عطا کرنا اور انسان کی شکل و صورت اور دوسری امتیازی علامات کی تشخیص کرنا اور انہیں

(حاشیہ:۱) پانچ غیبی چیزوں کا ذکر قرآن کریم میں کچھ اس طرح بالترتیب ہوا ہے: قیامت کا علم۔ بارش کے نزول کا علم۔ رحمِ مادر میں کیا ہے؟ کوئی کل کیا کرے گا۔ کوئی کہاں مرے گا۔ مترجم۔ (لقمان:34)

Marfat.com

امتیازی حیثیات دینا، یہ چیز احسانِ الٰہی کی خاص تاثیر ہے جو وہاں سے حاصل ہوتی ہے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کر سکتا۔ یہ چیز یقیناً مشیت الٰہی اور اختیار ربانی کی روشن ترین دلیل ہے۔

تصریفِ ریاح یعنی ہواؤں کے ہیر پھیر اور تسخیر سحاب یعنی بادلوں کی اطاعت گزاری و فرمانبرداری جیسے الٰہی معاملات کو بھی اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# سترہواں مقالہ

[یہ مقالہ دو بلند مقامات اور ایک تابناک ذیلی بحث سے عبارت ہے]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً، وَاِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا﴾ (حاشیہ:۱)

''واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے، آخر اس سب کو ہم ایک چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں''۔

﴿وَمَا الْحَیَاةُ الدُّنْیَا اِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ﴾ (حاشیہ:۲)

خالقِ رحیم، رزّاق کریم اور صانعِ حکیم نے اس دنیا کو روحانی مخلوقات اور عالم اَرواح کے لیے ایک خوشیوں بھری عید، رونق دار میلے اور تہوار، رُعب دار و پُر وقار محفل اور عظیم الشان کانفرنس کی صورت پر بنایا ہے اور اسے اپنے اَسمائے حسنیٰ کے روح پرور اور عمدہ ترین آثار سے مزین کیا ہے، اور ہر چھوٹی بڑی اور پست و بلند روح کو اُس کے قد کاٹھ کے حساب سے جسم پہنا دیا ہے، اور اُسے اِس خوشیوں بھری عید اور عظیم الشان کانفرنس میں بکھری اور سجی ہوئی مختلف قسم کی اَن گنت نعمتوں سے فائدہ اُٹھانے کے لیے اُس کے مناسب حال حواس و مشاعر عطا کر دیے ہیں، اور اُن میں سے ہر روح کو جسمانی وجود عطا کر کے اُسے صرف ایک دفعہ اس عید یا کانفرنس میں بھیجا ہے۔ پھر اس انتہائی وسیع و عریض عید کو زمانے کے لحاظ سے صدیوں، سالوں، موسموں اور دنوں میں تقسیم کر دیا ہے اور مکان کے لحاظ سے برِّ اعظموں میں تقسیم کر دیا ہے۔

اس طرح کہ ہر زمانے، ہر دور، ہر سال، ہر موسم، ہر دن اور حتی کہ ہر براعظم کو اپنی ذی روح مخلوقات اور نباتاتی مصنوعات کے ایک گروہ کے لیے، خاص طور پر سطحِ زمین کو اور خاص کر موسمِ بہار اور موسم گرما میں، ایک اونچے درجے کی کانفرنس اور بلند مرتبے کے تہوار یا عید کی شکل دیتا ہے، اور یوں آگے پیچھے مسلسل عیدیں آتی جاتی ہیں اور انہیں وہ اپنی چھوٹی چھوٹی مخلوقات کے گروہوں کے لیے سجاتا رہتا ہے، حتی کہ وہ دل آویز، پُرکشش اور روح کشا عیدیں بن جاتی ہیں جو اُوپر والے طبقوں میں بسنے والی روحانی مخلوقات، ملائکہ اور کئی آسمان کے باسیوں کی توجہ اپنا مشاہدہ کروانے کے لیے اپنی طرف

---

(حاشیہ:۱) الکھف:7-8

(حاشیہ:۲) الانعام:32

Marfat.com

مبذول کرلیتی ہیں، اور اہلِ فکر کی نظریں اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہیں۔ ان میں ایک جذب وکیف کی حالت نظر آتی ہے جو کہ قلب ونظر میں تفریحِ خاطر کی کشش پیدا کرتی ہے اور اہلِ فکر وتدبر کے لیے ایک اتنی شیریں جلوہ گاہ بن جاتی ہے کہ عقل اسے بیان کرنے سے عاجز ہے۔

لیکن یہ الٰہی ضیافت اور ربانی عید اور ان دونوں میں جو ''الرحمن اور المحی'' جیسے اسمائے گرامی کی تجلّیاں پائی جاتی ہیں، یہ سب موت اور فراق کی زد میں ہیں، اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی ''القهار اور الممیت جلوہ گر ہوکر ان سب رونقوں کو ماند کردیتے ہیں۔ اور یہ چیز بظاہر اللہ تعالیٰ کی اُس ہمہ گیر رحمت کے منافی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہوا ہے: ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (حاشیہ:۱)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ چیز رحمت الٰہیہ کے ساتھ مکمل موافقت رکھتی ہے، اور یہ موافقت کئی پہلوؤں میں نظر آتی ہے، ہم اُن میں سے صرف ایک پہلو کا ذکر کریں گے:

تمام گروہوں کے لیے ربانی پیشکش کے اختتام پر اور اِس پیشکش اور نمائش سے مطلوبہ نتائج حاصل ہونے کے بعد وہ فاطرِ رحیم اور صانعِ کریم ان تمام گروہوں میں سے ہر گروہ پر اپنے فضل وکرم کا اظہار کرتا ہے اور اُن میں راحت وآرام کی رغبت اور شوق اور ایک دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا میلان پیدا کرتا ہے، اور ان کی بہتری کے لیے اُن پر رحمت کا اظہار کرتے ہوئے اُن میں اِس دنیا سے اُکتاہٹ اور بے دلی سی پیدا کردیتا ہے۔ یعنی وہ اس میلے کی رونقوں سے بیزار ہونا شروع کردیتے ہیں۔

اور پھر جب انہیں زندگی کی تکلیفوں اور ذمہ داریوں سے آزاد کردیا جاتا ہے تو پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُن کی روحوں میں اُن کے اصلی وطن کی یاد اور شدید ترین خواہش اور تڑپ بیدار کردیتا ہے۔ اور جس طرح وہ میدانِ جہاد میں دین و وطن کی خدمت میں جان دے دینے والے معمولی سے سپاہی کو شہادت کا مرتبہ دے دیتا ہے، اور جس طرح وہ قربانی میں ذبح کی گئی بکری کو آخرت میں اِس وجود کے بدلے میں ایک ہمیشہ رہنے والا جسمانی وجود بخش دے گا اور اسے براق جیسی ایک سواری بنادے گا جو اپنے مالک کو پُل صراط پر سے لے کر گزرے گی، اسی طرح اس رحمانِ کریم سے یہ چیز بعید نہیں ہے کہ وہ ذی ارواح اور حیوانات کو اُن کی محنتوں مشقتوں، اُن کی اپنی فطری، ربانی اور خصوصی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے جان سپاری اور اُس کے احکام کی بجا آوری میں تکلیفیں جھیلنے کے عوض میں انہیں اپنی وسیع رحمت کے خزانے سے ایسا روحانی ثواب عطا کردے جو اُن کے ساتھ ہم آہنگ ہو، اور انہیں ایسا معنوی اجر عطا کردے جو ان کی استعداد کے موافق ہو، تاکہ وہ دنیا کو چھوڑتے وقت زیادہ تکلیف نہ اٹھائیں اور دُکھ محسوس نہ کریں بلکہ اِسے راضی خوشی الوداع کہیں۔ ﴿لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

---

(حاشیہ ۱) الاعراف:156

Marfat.com

البتہ یہ ضروری ہے کہ انسان جو کہ ان تمام ذی ارواح میں سے اعلیٰ ہے اور کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے اس عید سے سب سے زیادہ استفادہ کرتا ہے، اِسے اللہ تعالیٰ کے خاص لطف وکرم سے روحانی ذوق وشوق کی ایک ایسی حالت بخش دی جاتی ہے جو اُسے اس دنیا سے نفرت دلاتی ہے جس میں وہ مبتلا ہو چکا ہے، تا کہ اس کیفیت کی برکت سے وہ اس دنیا کو عبور کر کے امن وسلامتی کے ساتھ آخرت میں پہنچ جائے۔ پس انسان جس کی انسانیت گمراہی میں غرق نہ ہو چکی ہو وہ اس روحانی حالت یا کیفیت سے پورا پورا فائدہ اٹھالیتا ہے اور ایمان سے بھرپور قلبی اطمینان کے ساتھ دنیا سے کوچ کرتا ہے۔

ہم بطورِ مثال ذیل میں ان پانچ جہتوں پر روشنی ڈالتے ہیں جو اس روحانی کیفیت سے مالا مال کرتی ہیں۔

پہلی جہت: اللہ تعالیٰ انسان کو بڑھاپے کے موسم میں دنیا کی ان خوبصورت اور دل فریب چیزوں پر فنا وزوال کی مُہر دکھاتا ہے اور ان چیزوں کی کڑوی کسیلی اور ناگوار حقیقتیں اُس کے ذہن میں بٹھاتا ہے۔ اِس سے یہ ہوتا ہے کہ انسان اس فانی اور زوال پذیر دنیا سے نفرت کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس کے بدلے ہمیشہ اور باقی رہنے والے مطلوب کی تلاش کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دیتا ہے۔

دُوسری جہت: اللہ تعالیٰ انسان کے شعور میں اُدھر جانے کا شوق اور رغبت ڈال دیتا ہے جدھر اُس کے ننانوے فیصد (99%) وہ دوست احباب جا چکے ہیں جن کے ساتھ اُس کو محبت ہے اور جو اُس دوسری دنیا میں رہائش پذیر ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس سچی اور سنجیدہ محبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان موت کا استقبال فرح وسرور کے ساتھ کرتا ہے۔

تیسری جہت: اللہ تعالیٰ انسان کے شعور میں یہ چیز ڈالتا ہے کہ وہ اپنی غیر محدود کمزوری اور عاجزی اور لاچاری کو سمجھ جائے، خواہ اس کمزوری اور لاچاری کا تعلق بارِ زندگی کے ساتھ ہو، خواہ تکالیف حیات کے ساتھ اور خواہ دیگر امور کے ساتھ اِس سے یہ ہوتا ہے کہ اُس کے دِل میں ایک دائمی راحت سے ہمکنار ہونے کی سنجیدہ رغبت اور دارِ آخرت میں جانے کا خالص شوق ابھرتا ہے۔

چوتھی جہت: اللہ تعالیٰ مردِ مومن کے لیے نورِ ایمان کے طفیل اس چیز کو واضح کرتا ہے کہ موت نیستی یعنی آخری طور پر ختم ہو جانے کا نہیں بلکہ جگہ کی تبدیلی کا نام ہے، اور قبر کسی ظلمت بھرے کنویں کا دھانہ نہیں بلکہ نورانی دنیاؤں میں داخل ہونے کا دروازہ ہے، اور یہ دنیا اپنی تمام تر رنگینیوں اور رعنائیوں سمیت آخرت کی وسعتوں اور خوبصورتیوں کے مقابلے میں ایک تنگ وتاریک جیل خانے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی ہے۔ اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے قید خانے سے نکلنا اور اس کی تنگیوں تاریکیوں سے نجات حاصل کر کے اُخروی جنتوں کے باغات میں جانا، اور اس مادی زندگی کو گدلا دینے والی اور اسے پریشانیوں سے ہمکنار کرنے والی اشیاء سے منتقل ہو کر اس عالم میں چلے جانا جہاں آرام وراحت ہے اور جہاں روحیں اُڑتی پھرتی ہیں، اور مخلوقات کے اِس شور وشغب سے دامن چھڑا کر اللہ تعالیٰ کی اُس بارگاہ میں چلے جانا جہاں سکون

Marfat.com

ہے، آنند ہے اور اطمینان ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ چیز سیر و سیاحت اور تفریح و تماشا ہے، بلکہ ایک ایسی سعادت ہے جو ہزار جان سے بھی حاصل ہو جائے تو غنیمت ہے۔

**پانچویں جہت:** وہ قرآن کریم کو خاموشی اور غور سے سننے والے کو اُس میں پایا جانے والا علمِ حقیقت سمجھا تا ہے اور اُسے حقیقت کی روشنی کے ذریعے یہ بتاتا ہے کہ دنیا کی اصل حقیقت یا ماہیت کیا ہے، اور اس طرح انسان کے دل میں دنیا کی محبت اور دلکشی فضول اور بے معنی سی ہو کر رہ جاتی ہے، یعنی اِس حقیقت کا اثبات کرنے کے لیے اُسے یہ کہتا ہے کہ:

یہ دنیا لوگوں کے لیے ایک کھلی ہوئی ربانی اور صمدانی کتاب ہے۔ اس کے حروف و کلمات اپنی نمائندگی نہیں، بلکہ کسی اور کی ذات، صفات اور اسماء پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے ان کے معانی کو سمجھو اور انہیں مضبوطی سے پکڑ لو اور اِن کی ظاہری صورتوں کو چھوڑ کر آگے نکل جاؤ۔

اور یہ ایک کھیتی ہے، اس میں بیج ڈالو، اس کے پھل کاٹو اور اس کی محصولات کو محفوظ رکھو، اور ان کے چھلکے اور دیگر فضول اور بے کار مواد کو پھینک دو اور اُسے کوئی اہمیت نہ دو۔

اور یہ کچھ آئینوں کا مجموعہ ہے جو مسلسل ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے گزرتے چلے جا رہے ہیں، اِس لیے تم ان کے ذریعے اُس ذات کا تعارف حاصل کرو جو اُن میں جلوہ نما ہے اور اُس کے انوار کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرو اور اس کے ان اسماء کے معانی کا ادراک کرو جو اُن میں ظہور پذیر ہیں اور اُن کے مُسمّٰی سے محبت کرو اور ٹوٹ پھوٹ کر فنا کی آغوش میں چلے جانے والے اُن کانچ کے ٹکڑوں سے اپنا تعلق منقطع کر لو۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ دنیا تجارت کی ایک چلتی پھرتی منڈی ہے۔ لہٰذا یہاں اپنی مطلوبہ چیزوں کی خرید و فروخت کرو اور اس میں آنے جانے والے ان قافلوں کے پیچھے بھاگ کر مت ہانپو جو تمہاری پرواہ کیے بغیر تمہیں چھوڑ کر آگے نکل گئے ہیں، ورنہ بری طرح تھک جاؤ گے۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ دنیا ایک عارضی اور وقتی سیر گاہ ہے، اور جب ایسا ہے تو اس میں اپنی نظر کو عبرت حاصل کرنے کے لیے گھماؤ پھراؤ، اُس خوبصورت چہرے پر نظریں گاڑھے رکھو جو پردے میں ہے اور الجمیلِ الباقی کی طرف نگاہ کیے ہوئے ہے۔ اور اس بدصورت چہرے سے منہ پھیرے رکھو جس کی نظریں ہوائے نفس پر لگی ہوئی ہیں۔ اور یہ خوبصورت مناظر دکھانے والی سکرین پر جب پردہ گر جائے اور یہ مناظر آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں تو نادان اور فریب خوردہ بچے کی طرح آہ و بکا نہ کرنا اور پریشان نہ ہونا۔

اور یہ بھی یاد رکھو کہ یہ دنیا ایک مہمان خانہ ہے اور تم اِس میں ایک معزز مہمان ہو، یہاں میزبان کی اجازت سے کھاؤ پیو اور اس کا شکریہ ادا کرو، یہاں صرف اُسی قدر اور وہیں چلو پھرو جس قدر اور جہاں چلنے پھرنے کی تمہیں اُس کی طرف سے

Marfat.com

اجازت ہے، اور یہاں سے فارغ ہو کر پیچھے دیکھے بغیر آرام سے نکل جاؤ۔ اور خبردار! خواہ مخواہ کسی بھی ایسے معاملے میں دخل اندازی نہ کرنا جس کا تمہارے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی تمہیں اس کا کوئی فائدہ ہے۔ اس لیے خود کو دنیا کے کسی بھی ایسے معاملے میں اُلجھا نہ لینا جو تجھے آج یا کل چھوڑ جائے گا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسے واضح حقائق کے ذریعے انسان کے بہت سے ایسے آلام ومصائب ہلکے کر دیتا ہے جو اسے دنیا کے فراق کی وجہ سے لاحق ہوتے ہیں، بلکہ کبھی اس بات کا اظہار کر کے کہ اس دنیا کی اصل حقیقت کیا ہے، اور یہ کہ اس کا فراق اس کی اُس وسیع رحمت کی ایک جھلک ہے جو ہر چیز میں اور ہر حالت میں پائی جاتی ہے۔

کبھی وہ ایسا کر کے بعض بیدار مغز اور صاحب بصیرت لوگوں کے ہاں اس فراق کو پسندیدہ اور محبوب بنا دیتا ہے۔

قرآن کریم جب ان پانچ جہتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے تو یہ آیات کریمہ کچھ اور بھی خصوصی پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتی نظر آتی ہیں۔

کتنا بدنصیب ہے وہ آدمی جسے ان پانچ جہتوں سے کچھ حصہ نہ مل سکا!

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# سترہویں مقالے کا دوسرا مقام (حاشیہ:۱)

## شکوہ نری مصیبت ہے

ارے مسکین! چیخ و پکار چھوڑ، فریاد چھوڑ اور اپنی مصیبت میں اللہ پر بھروسہ رکھ؛ کیونکہ شکوہ نری مصیبت ہے۔

بلکہ مصیبت در مصیبت، گناہ در گناہ اور تھکاوٹ ہے۔

اگر تجھے وہ مل جائے جس نے تجھے مبتلائے مصیبت کیا ہے،

تو پھر یہ مصیبت عطا در عطا اور صفا در صفا بن جائے گی۔

گلہ شکوہ چھوڑ، اور بلبلوں کی طرح شکر و سپاس کا خوگر بن، کہ ان کی سرخوشیوں سے پھول مسکرا اٹھتے ہیں۔

اور اگر تُو اِس چیز سے محروم رہا تو پھر یاد رکھ کہ یہ دنیا تمام کی تمام درد ہے، رنج ہے، فنا ہے، زوال ہے۔ ہوا کے دوش پر اڑتا ہوا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ہے۔ اِس لیے آ، اور اپنی مصیبت میں اُس پر توکل کر۔

تجھے کیا ہو گیا ہے کہ چھوٹی سی مصیبت میں چیخ پکار کر رہا ہے۔ جبکہ حالت یہ ہے تجھ پر اتنے مصائب کا بوجھ لادا گیا ہے جو کہ ساری دنیا کو پورے آسکتے ہیں!

☆☆☆

توکل کی مدد سے مصیبت کا سامنا کر کے مسکرایا کرتا کہ مصیبت بھی مسکرا دے؛ کیونکہ مصیبت جوں جوں مسکرائے گی چھوٹی ہوتی چلی جائے گی اور دھیرے دھیرے پگھلتے پگھلتے نابود ہو جائے گی۔

جاں لے اے فریب خوردہ انسان کہ:

اس دنیا میں نیک بختی اور سعادت مندی دنیا چھوڑ دینے سے حاصل ہوتی ہے۔

اگر اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ تو پھر وہ کافی ہے۔ چنانچہ اگر دنیا سے منہ پھیر لے گا تو یہ تیری طرف چلتی چلی آئے گی۔

☆☆☆

تو اگر خود پسندی میں مبتلا ہے تو یاد رکھ کہ یہ روش واضح ہلاکت ہے۔ ایسے میں تو جب بھی اور جو بھی کام کرے گا ہر چیز تیری مخالفت کرے گی۔ پس دونوں حالتوں میں دنیا کو چھوڑنا ضروری ٹھہرا۔

☆☆☆

(حاشیہ: ۱) اس دوسرے مقام میں پائے جانے والے قطعات اشعار جیسے لگتے ہیں، لیکن اشعار نہیں ہیں، اور نہ ہی اختیاری طور پر منظم کیے گئے بلکہ حقائق کے کمال انتظام کی وجہ سے کسی حد تک ایک منظوم شکل اختیار کر گئے۔

Marfat.com

دنیا چھوڑ دینے کا مطلب کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کی ملکیت ہے، اس کی طرف اس کی اجازت اور اس کے نام سے دیکھا جائے۔

اگر تو نفع بخش تجارت چاہتا ہے تو اس فانی اور زوال پذیر عمر کو چھوڑ کر باقی رہنے والی اور لازوال عمر کو اختیار کر لے۔

☆☆☆

اور اگر نفسانی خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے تو یاد رکھ کہ یہ خواہشات زوال پذیر، بیہودہ اور ناچیز ہیں، اور اگر آفاق کی تلاش میں ہے تو ان پر فنا کی مہر ہے۔

☆☆☆

پس اس بازار کا سامان کھوٹا اور نقلی ہے، خریدنے کے قابل نہیں، اس لیے اسے چھوڑ دے؛ کیونکہ اچھا مال اس کے پیچھے تیار رکھا ہوا ہے۔

Marfat.com

# کالے تُوت کا ایک پھل

(کالے توت کے مبارک درخت کی چوٹی پر پرانے سعید نے نئے سعید کی زبان سے کہا)

میرا مخاطب ضیاء پاشا (حاشیہ:۱) نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو یورپ کے دیوانے ہو چکے ہیں۔ اور متکلم میرا نفس نہیں بلکہ میرا دل ہے جو قرآن کا شاگرد ہے۔

☆☆☆

بے شک سابقہ ''مقالات'' حقائق ہیں۔ کبھی بھی حیران و سرگرداں نہیں ہونا اور اپنی حد سے آگے بڑھنے سے ڈرنا۔

کج روی سے بچ، بے گانے اجنبیوں کے افکار پر کان مت لگا؛ کیونکہ وہ سراپا ضلالت ہیں جو تجھے کشاں کشاں پچھتاوے تک لے جائیں گے۔

☆☆☆

تو دیکھتا نہیں کہ زیادہ وسیع فکر اور زیادہ تیز نظر والا ہمیشہ حیرت میں کھویا ہوا کہتا ہے:

آہ!! افسوس! کس کا شکوہ کروں اور کس سے۔ میں دیوانہ ہو چکا ہوں!

☆☆☆

میں کہتا ہوں اور تردد نہیں کرتا ہوں؛ کیونکہ قرآن مجھ سے کہلواتا ہے۔ کہ: میں اس کی شکایت اسی سے کرتا ہوں اور تیری طرح متحیر و سرگرداں نہیں۔

☆☆☆

میں حق سے حق کے ذریعے مدد مانگتا ہوں اور اپنی حد سے تجاوز نہیں کرتا ہوں۔ میں زمین سے آسمان تک دعوی کرتا ہوں اور تیری طرح بھاگتا نہیں ہوں!

☆☆☆

قرآن کریم میں ہر بات ہمیشہ حق اور حق ہے۔ میں تیری طرح پیمان شکنی نہیں کرتا۔

قرآن کریم میں ہی ہے حقیقی حکمت۔

میں اسے ثابت کرتا ہوں اور مخالف فلسفے پر بالکل توجہ نہیں دیتا۔

---

(حاشیہ:۱) ترکی شاعر (1825-1880)، تجدید کا داعی تھا، عثمانیوں کی جدت پسند پارٹی میں شامل ہوا۔ پیرس میں مقیم رہا۔ ''ظفر نامہ'' اور ''خرابات'' مشہور شعری مجموعے ہیں۔ آخر الذکر تین جلدوں میں ہے۔ نہایت ذہین شخص تھا لیکن کائنات میں جاری حکمتِ الٰہی کو سمجھ نہ سکا اور سرگرداں رہا۔

Marfat.com

☆☆☆

قرآن کریم میں حقائق کے جواہر پوشیدہ ہیں، میں ان پر اپنی جان قربان کرتا ہوں... انہیں تمہاری طرح فروخت نہیں کرتا ہوں۔

☆☆☆

میں خلق سے حق کی طرف جارہا ہوں، تمہاری طرح بے راہ نہیں چلتا ہوں۔

میں خاردار راستے کے اوپر سے اڑکر گزر جاتا ہوں۔ تمہاری طرح اُسے روندتا نہیں ہوں۔

میں فرش سے عرش کی طرف شکر کررہا ہوں، تمہاری طرح اسباب کو اہمیت نہیں دیتا ہوں۔

☆☆☆

میں موت کو اپنا دوست سمجھتا ہوں، اُس سے تمہاری طرح ڈرتا نہیں ہوں!

میں قبر میں مسکراتا ہوا داخل ہوتا ہوں، تمہاری طرح کانپتا نہیں ہوں!

☆☆☆

اژدھے کا منہ، وحشت کا بستر، عدم کی چوکھٹ۔ میں قبر کو تمہاری طرح ایسی چیزیں خیال نہیں کرتا ہوں!

بلکہ اُسے دوست احباب سے ملنے کی جگہ سمجھتا ہوں، میں قبر کے نام سے بے قرار نہیں ہوتا ہوں اور نہ تمہاری طرح اس سے نفرت کرتا ہوں!

☆☆☆

میں اس سے تنگ دل نہیں ہوتا ہوں اور نہ اس سے خوف کھاتا ہوں؛ کیونکہ وہ رحمت کا دروازہ ہے۔ نور کا دروازہ ہے۔ حق کا دروازہ ہے۔

میں اس دروازے پر اللہ کا نام لے کر دستک دیتا ہوں (حاشیہ ۱)، میں لوٹ کر اپنے پیچھے نہیں دیکھتا ہوں اور نہ ہی مجھ پر دہشت طاری ہوتی ہے۔

میں عنقریب اس میں ٹھنڈی آنکھ سو جاؤں گا، اپنے پروردگار کی حمد وثنا کرتا ہوا۔ نہ میں وہاں کوئی تنگی محسوس کروں گا اور نہ ہی وحشت میں رہوں گا۔

میں عنقریب صبح محشر میں بانگِ اسرافیل پر ''اللہ اکبر'' کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوں گا۔ (حاشیہ ۲)

---

(حاشیہ:۱)، چیخ وپکار کرکے نہیں بھاگتا ہوں

(حاشیہ:۲) حاشیہ۲، حشر کے دن فجر کے وقت اسرافیل علیہ السلام کی آذان کو سن کر ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوں گا، صلوۃ کبری اور مجمعِ اکبر سے نہیں ڈرتا ہوں۔

Marfat.com

میں حشر اعظم سے ڈرتا نہیں ہوں!

میں مسجد اعظم سے پیچھے نہیں رہتا ہوں!

☆☆☆

اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے، قرآن کریم کے نور سے اور ایمان کے فیضان سے ... میں کبھی مایوس نہیں ہوں گا۔

بلکہ میں پرواز کرتا ہوا رواں دواں عرشِ رحمان کے سائے تلے پہنچ جاؤں گا۔

اور تمہاری طرح حیران و سرگرداں نہیں ہوں گا۔ انشاء اللہ۔

☆☆☆

Marfat.com

# هذه المناجات تخطرت في القلب هكذا بالبيان الفارسي

| |
|---|
| یہ مناجات جیسے میرے دل پر وارد ہوئی اسی طرح فارسی زبان میں لکھ دی ہیں۔اور یاد رہے کہ یہ پہلی بار شائع ہونے والے ''حباب'' نامی مضمون کے ضمن میں شائع ہو چکی ہیں۔ |

**یارب ابه شش جهت نظرمی کردم، در دِ خود را در مان نمی دیدم**

پروردگار! میں زمین کی جہات ستہ (اوپر نیچے، آگے پیچھے، دائیں بائیں) میں نظر دوڑا چکا ہوں، اِس اُمید پر کہ شاید مجھے اپنے درد کی دوا مل سکے، اور میں اس ضمن میں تیری ذات پر توکل کرنے کی بجائے اپنے اقتدار و اختیار پر بھروسا کیے رہا، لیکن افسوس کہ میں اپنی بیماری کی دوا نہ پا سکا۔ اور مجھے معنوی طور پر یہ کہہ دیا گیا کہ تیرے لیے یہ چیز کافی نہیں کہ خود تیری بیماری ہی دوا بن گئی ہے؟

**درراست می دیدم که: دی روز مزارِ پدرِمن است**

جی ہاں! میں نے غفلت بھری نظر سے اپنی دائیں جانب یعنی زمانہء ماضی کی طرف دیکھا کہ شاید اُدھر سے تسلی کا کوئی جانفزا جھونکا آئے! لیکن میں نے دیکھا کہ گزرا ہوا کل میرے باپ کی قبر ہے اور گزرے ہوئے تمام دن میرے آباء واَجداد کا بہت بڑا مزار ہیں۔ تب اِس جانب سے مجھ پر اُنسیّت کی بجائے وحشت اور پریشانی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ لیکن میں نے ایمان کی کھڑکی سے دیکھا تو وہ بہت بڑا وحشت ناک مزار اپنے احباب کا ایک اُنس بھرا اجتماع اور تابناک اجلاس نظر آیا۔

**و درچپ دیدم که: فردا قبرِ من است**

پھر میں نے اپنی بائیں جانب یعنی مستقبل پر نظر کی تو اِدھر سے بھی مجھے دوا نہ مل سکی۔ بلکہ آنے والا کل میری قبر کا روپ دھار گیا، اور مستقبل میری نظروں میں اپنے ہم عصروں اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک بہت بڑا مقبرہ بن کر اُبھرا۔ اِس جانب سے بھی مجھ پر اُنسیّت کی بجائے وحشت اور پریشانی کی کیفیت طاری ہوگئی۔

لیکن ایمان اور حضورِ ایمان کے طفیل یہ نظر آتا ہے کہ یہ بہت بڑا خوفناک مقبرہ سعادت مندی و فیروز بختی کے پسندیدہ محلات میں ایک رحمانی دعوت ہے۔

Marfat.com

**و امروز: تابوتِ جِسمِ پُر اضطرابِ من است**

بائیں جانب سے بھی مایوس ہوگیا تو پھر میں نے امروز یعنی آج کے دن کی طرف دیکھا، تو مجھے یوں لگا کہ جیسے آج کا یہ دن ایک تابوت ہے، جس میں میرے اس جسم کا جنازہ رکھا ہوا ہے جو مرغِ بسمل کی طرح موت وحیات کے درمیان تڑپ رہا ہے۔

لیکن ایمان کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ تابوت ایک خوبصورت مہمان خانہ اور ایک پُر رونق تجارت خانہ نظر آتا ہے۔

**بر سرِ عمر جنازئہ من ایستادہ است**

اِس جانب سے بھی مجھے اپنے درد کا درمان نہ مل سکا تو میں نے سر اُوپر اٹھایا تو اپنی عمر کے درخت کی چوٹی کی طرف دیکھا، وہاں میں نے دیکھا کہ اس درخت پر صرف ایک ہی پھل لٹک رہا ہے، اور وہ ہے میرا یہ جنازہ، اور وہ بھی مجھے وہاں سے گھور گھور کر دیکھ رہا ہے۔

لیکن ایمان کی نظر سے دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ وہ پھل جنازہ نہیں ہے بلکہ یہ میری ابدی کی امیدوار روح کے لیے تمام جکڑ بندیوں سے رہائی کا پیغام ہے، تاکہ یہ اپنے پرانے گھونسلے سے نکل کر دور ستاروں کی دُنیا میں آزادانہ گھومے پھرے۔

**در قدم: آب خاک خلقت من و خاکستر عظام من است**

چنانچہ میں نے اس جانب سے بھی مایوس ہو کر سر کو نیچے جُھکا لیا، تو میں نے دیکھا کہ میری بوسیدہ ہڈیاں میری تخلیق کے ابتدائی مواد یعنی مٹی کے ساتھ مل چکی ہیں، اور وہ خاک پاؤں کے نیچے روندی جا رہی ہے۔ اس جانب نے بھی میری بیماری کا کوئی علاج پیش کرنے کی بجائے اُس میں اور بھی اضافہ کر دیا۔

لیکن ایمان نے اِس مٹی کو رحمت کے دروازے اور جنت کے پردے کے رُوپ میں جلوہ گر کر دیا۔

**چوں در پس می نگرم، بینم: ایں دنیائے بے بُنیاد هیچ در هیچ است**

چنانچہ میں نے اس جانب سے بھی نظر پھیر لی۔ اور پھر جب میں نے پیچھے کی جانب دیکھا تو دیکھتا ہوں کہ: یہ فانی دنیا عبث کی وادیوں میں اور عدم کی تاریکیوں میں لڑھکتی چلی جا رہی ہے۔

چنانچہ اس جہت نے بھی میری علت کے لیے مرہم مہیا کرنے کی بجائے اس میں خوف و وحشت کا زہر گھول دیا۔

لیکن ایمان نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ یہ تاریکیوں میں لڑھکنے والی دُنیا صمدانی مکتوبات اور سبحانی صحائف کے نقوش ہیں جنہوں نے اپنی ڈیوٹیاں ختم کر لی ہیں اور اپنے معانی و مطالب ادا کر دیے ہیں اور اپنی طرف سے اپنے وجود کے عوض اپنے نتائج چھوڑ کر رخصت ہو گئے ہیں۔

**و در پیش اندازئہ نظر میکنم، درِ قبر کشادہ است، وراہِ ابد بدور و دراز بدیدار است**

(حاشیہ: ۱) (جُزو لایتجزیٰ، وہ جزء جس کے مزید ٹکڑے یا اجزاء نہ ہو سکیں۔ مادے کا سب سے چھوٹا حصہ جو آگے تقسیم نہ ہو سکے۔ جوہر۔ ایٹم۔ مترجم)

Marfat.com

جب میں نے اِس جہت میں بھی بھلائی کی کوئی کرن نہ دیکھی تو اپنی نظر سامنے کی جانب جمادی، تب میں نے دیکھا کہ راستے کے آغاز ہی میں قبر کا دروازہ چوپٹ کُھلا ہوا ہے اور اُس کے پیچھے دور تک ایک لمبا راستہ نظر آرہا ہے جو ابد تک پھیلا ہوا ہے۔

لیکن ایمان نے قبر کے اس دروازے کو ایسا دروازہ بنادیا جو عالم نُور کی طرف کُھلتا ہے۔ اور اس راستے کو ایسا راستہ بنا دیا جو ابدی سعادت تک پہنچاتا ہے۔ اور یُوں ایمان واقعتاً میرے درد کا درمان اور مرہم شافی بن گیا۔

**مرا جُز جُزءِ اختیاری چیزے نیست در دست**

اور یوں ان جہاتِ سِتہ میں حوصلہ، تسلی، اطمینان، دلجمعی اور دلاسے جیسی کوئی چیز نہ مل سکی، بلکہ ان سب طرف سے مجھے خوف، وحشت، بے چینی، گھبراہٹ اور نامانوسیت کا سامنا ہوا۔ اور ان سب چیزوں کے ساتھ نپٹنے کے لیے میرے پاس سوائے جزوی اختیار کے اور کچھ بھی نہیں۔

لیکن ایمان مجھے اس جُزوِلا یتجزّیٰ جیسے اختیار کے عوض ایک ایسی دستاویز عطا کردیتا ہے جس کے سہارے میں مطلق اور عظیم الشان قدرت پر بھروسا کرسکتا ہوں، بلکہ خود ایمان نام ہی اِسی دستاویز کا ہے۔

**که اُو جزء هم عاجز، هم کوتاه، وهم کم عیاراست**

اور یہ جزوِاختیاری جو کہ انسان کا ہتھیار ہے، یہ بھی از حد عاجز، قاصر، اور نا قابلِ بھروسا ہے۔ کسی چیز کی تخلیق نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کے ہاتھ سے سوائے کسب کے قطعاً کوئی چیز حاصل ہوسکتی ہے۔ بلکہ صرف کسب کرسکتا ہے۔

لیکن ایمان اِس جزوِاختیاری کو فی سبیل اللہ استعمال کرکے ہر چیز کے لیے کافی بنادیتا ہے، اُس سپاہی کی طرح جو حکومت کی فوج میں بھرتی ہوجاتا ہے تو اپنی طاقت سے ہزاروں گنا زیادہ کام سرانجام دیتا ہے۔

**نه در ماضی مجالِ حلول، نه درمستقبل مدارِ نفوذاست**

یہ اختیاری جزء نہ تو ماضی میں پہنچ سکتا ہے اور نہ مستقبل میں سرایت کرسکتا ہے، اس لیے یہ میرے ماضی اور مستقبل کے آلام و مصائب اور امیدوں آرزوؤں کے لیے سُودمند نہیں ہوسکتا۔

لیکن ایمان اِس کمزور سے انسانی جسم کے ساتھ تعلق رکھنے والے اختیاری جزء کی لگام کو حیوانی جسم کے ہاتھوں سے لے کر اُسے قلب و روح کے ہاتھوں میں تھمادیتا ہے، اور یوں یہی جزوی اختیار ماضی میں حلول اور مستقبل میں نفوذ کرنے کے قابل ہوجاتا ہے؛ کیونکہ قلب و روح کی زندگی کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے۔

**میدانِ اُو ایں زمانِ حال، ویک آنِ سیّال است**

اُس اختیاری جُزء کا میدان وقتِ حاضر یا زمانہء حال ہے جو کہ بہت چھوٹا سا ہے، اتنا کہ اُسے ''آنِ سیّال'' یعنی بہت

Marfat.com

ہوالمحہ یالمحہءِ گزراں کہا جاتا ہے۔

**با یں همه فقرها و ضعفها، قلمِ قدرتِ تُو آشکاره**

**نو شته است ، "در فطرتِ ما" میلِ ابد و املِ سر مد**

میرے اس تمام تر فقر و ضعف و عجز، اپنی تمام تر حاجات کے ساتھ ساتھ اور جہاتِ ستہ سے وارد ہونے والے خوف و وحشت کی زد میں ہونے کے باوجود تیری قلمِ قدرت نے واضح طور پر میری فطرت میں ابدیت کے ساتھ ہم آغوش ہونے کا میلان اور سرمدیت کے ساتھ ہمکنار ہونے کی امیدیں لکھ دی ہیں۔

**بلکه هر چه هست ، هست**

بلکہ دنیا میں جو کچھ بھی پایا جاتا ہے ان سب کے نمونے میری فطرت میں پائے جاتے ہیں۔اور یوں میرا اُن تمام چیزوں کے ساتھ قوی تعلق ہے۔ مجھ سے اُن کی خدمت لی جاتی ہے اور میں ان کی خدمت کرتا ہوں۔

**دائره احتیاج مانندِ دائره نظر بزرگی دار است**

احتیاج کا دائرہ نظر کے دائرے کی طرح بہت بڑا اور وسیع وعریض ہے۔

**خیال کدام رسد احتیاج نیز رسد**

**در دست هر چه نیست در احتیاج هست**

خیال جہاں بھی جاتا ہے، احتیاج بھی وہیں تک چلا جاتا ہے، یعنی حاجتوں کا دائرہ خیالات کی طرح وسیع ہے، ہر چیز جو دسترس میں نہیں ہے وہ حاجت کے ضمن میں آتی ہے، اور جو چیز دسترس میں نہیں اس کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔

**دائرئه اقتدار همچو دائرئه دستِ کوتاه ، کوتاه است**

جبکہ اقتدار کا دائرہ میرے دستِ کوتاہ کی طرح تنگ اور کوتاہ ہے۔

**پس فقر و حاجاتِ ما به قدرِ جهان است**

پس میرا فقر اور میری حاجات وضروریات پوری دُنیا کے برابر ہیں۔

**سر مایهء ماهمچو "جزءِ لا یتجزء" است**

میرا سرمایہ جزوِلا یتجزیٰ کی طرح ایک جزوی چیز ہے۔

**ایں جُزء کُدام، وایں کائنات حاجات کُدام است**

دُنیا کے برابر ان حاجات وضروریات کے مقابلے میں اس جُزء کی کیا حیثیت ہے؟ دنیا کی یہ بے حد وحساب ضروریات اِس انتہائی تھوڑے سے اختیار واقتدار سے حاصل نہیں کی جاسکتیں، ویسے ہی جیسے اربوں روپے مالیت کی چیز چند ٹکوں میں خریدی نہیں جاسکتی! اس لیے کسی اور حیلے وسیلے کی تلاش بہت ضروری ہے۔

Marfat.com

**پس در راہِ توازیں جزء ، نیز باز می گز شتن: ، چارئہ من است**

اور وہ حیلہ وسیلہ یہ ہے کہ تیری راہ میں چلنے کے لئے میں اپنے اس اختیاری جُزء سے دستبردار ہو جاؤں اور اپنے تمام کام ارادۂ الٰہیہ کے سپرد کر دوں۔ یعنی یہ کہ انسان اپنی ذات اور اپنے اختیار وارادے سے کُلّیتاً دستبردار ہو کر خود کو اللہ کی ذات اور اس کے اختیار واقتدار کے حوالے کر دے، اس طریقے سے توکّل کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لینے کا عمل پورا ہو جائے گا۔

اس لیے اے پروردگار! نجات کا وسیلہ اگر یہی ہے تو اس اپنی زندگی کے اس حصّے سے دستبردار ہوتا ہوں جس میں مجھے کچھ اختیار بخشا گیا ہے، میں تیرے راستے پر چلنے کے لیے اپنی انانیت سے کنارا کش ہوتا ہوں۔

**تا عنایتِ تُو دستگیرِ من شود**

**رحمتِ بے نہایتِ تُو پناہِ مَن است**

تا کہ تیری عنایت ومہربانی میرے ضعت وعجز پر ترس کھاتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ لے۔ اور تا کہ تیری رحمت میرے فقر واحتیاج پر شفقت کرتے ہوئے میرا سہارا بن جائے۔ اور تا کہ وہ اپنے دروازے میرے لیے کھول دے۔

**آں کس کہ بحرِبے نہایت رحمت یا فت، تکیہ**

**نکند بر یں جزء اختیاری کہ یک قطرئہ سراب است**

جس نے رحمت کا بحرِ بیکراں پالیا وہ اپنے اُس اختیاری جزء پر کبھی بھروسا نہیں کرتا جس کی حیثیت سراب کے ایک قطرے کی سی ہے، اور نہ ہی رحمت سے منہ پھیر کر اپنے معاملات اُس قطرۂ سراب کے سپرد کرتا ہے۔

**اے واہ ایں زندگانی ھمچو خواب است**

**ویں عمر بے بنیاد ھمچو باد است**

افسوس کہ ہم دھوکے میں رہے! چنانچہ اس دنیاوی زندگی کو ثابت وبرقرار سمجھ بیٹھے اور اس غلط فہمی کی بنا پر اسے اس کی بنیاد ہی سے ضائع کر بیٹھے۔

جی ہاں، بے شک یہ رواں دواں زندگی ایک اُونگھ تھی جو خواب کی طرح گزر گئی۔ اور یہ بے بنیاد عمر بھی ہوا کی طرح اُڑتی چلی جا رہی ہے۔

**انسان بہ زوال دُنیا بہ فنا است**

**آمالِ بے بقا آلام بہ بقا است**

یہ فریب خوردہ انسان جو کہ اپنے آپ پر بڑا اعتماد کرتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ میں یہاں ہمیشہ رہوں گا، اس پر فنا کا حکم لاگو ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ تیزی سے چلا جا رہا ہے۔ رہی یہ دنیا جو کہ اس کا ماویٰ ومسکن ہے، تو یہ دنیا عنقریب ظلماتِ عدم میں

Marfat.com

اتر جائے گی، امیدیں فضاؤں میں بکھر جائیں گی اور درد والم روحوں میں رہ جائیں گے۔

**بیا اے نفسِ نافر جام! وجودِ فانی خود را فِدا کُن**

**خالقِ خود را که ایں هستی و دیعه است**

جب حقیقت ایسی ہے تو! اے زندگی کے مشتاق، لمبی عمر کے طلبگار، دنیا کے عاشق اور بے حد وحساب آلام ومصائب میں مبتلا اور بے انتہا امیدوں کے متوالے بدنصیب من! آنکھیں کھول اور ہوش کے ناخن لے۔ کیا تُو اتنی بات نہیں سمجھتا کہ جگنو جو کہ اپنی روشنی پر اعتماد کرتا ہے سیاہ رات کی تاریکیوں میں ہی رہتا ہے، جبکہ شہد کی مکھی جو کہ خود پر اعتماد نہیں کرتی ہے دن کی روشنی پاتی ہے اور پھولوں کی صورت میں اپنے تمام دوستوں کو سورج کی روشنی سے سونے کی طرح چمکتے ہوئے دیکھتی ہے۔ تو بھی اسی طرح ہی ہے، اگر اپنے وجود اور اپنی انانیت پر اعتماد کر کے بیٹھ جائے گا تو جگنو جیسا ہی رہے گا، لیکن اگر اپنے فانی وجود کو اپنے اُس خالقِ کریم کی راہ میں قربان کر دے گا جس نے یہ وجود تجھے دیا ہے، تو پھر شہد کی مکھی کی طرح ہوگا اور اس وجود کی اتنی روشنی پائے گا جس کی کوئی حد نہیں۔ اس لیے اپنی جان کو قربان کر دے؛ کیونکہ تیری یہ ہستی تیرے پاس امانت ہے، تیری اپنی نہیں۔

**وملک اُو، واداده، فنا کن تابقایابد**

**ازاں سِری که: "نفیءِ نفی" اثبات است**

پھر یہ وجود اُس سبحانہ وتعالیٰ کی ملکیت ہے، اُسی نے یہ تجھے ہبہ کیا ہے، اس لئے بغیر کسی تردد کے اور احسان دھرنے کے اسے اس پر فدا کر دے، اور اسے فنا کر دے تا کہ یہ بقا سے ہمکنار ہو جائے کیوں کہ قائدہ یہ ہے کہ: "نفی کی نفی اثبات ہوتا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ اگر عدم معدوم ہے تو پھر موجود ہے اور اگر معدوم عدم ہو جائے تو موجود ہوگا۔

**خدائے پُر کرم، خود ملک خود رامی خرد از تُو،**

**بھائے بیکراں دادہ، برائے تو نگاہ داراست**

خالقِ کریم تجھ سے خُود اپنی اس ملکیت کو خرید رہا ہے اور تجھے جنت جیسی ایک بڑی اجرت دے رہا ہے۔ اور وہ تیرے لیے اس ملکیت کو سنبھال کر رکھتا ہے، اور اس کی قیمت بڑھاتا رہتا ہے۔ اور وہ عنقریب اسے سب سے زیادہ باقی رہنے والی اور کامل ترین صورت میں تجھے واپس کر دے گا۔ بات جب ایسے ہی ہے، تو پھر اے میرے من! ایک لحہ بھی توقف کیے بغیر اس تجارت کو اختیار کر لے جس میں ایک دوسرے میں متداخل پانچ طرح کے منافع جات پنہاں ہیں، تا کہ پانچ قسم کے خساروں سے بچ جائے اور ایک بار کے سودے سے پانچ منافع حاصل کر لے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم

﴿فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ﴾

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے ﴿لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ﴾ کہہ کر جب یہ اعلان کیا کہ یہ کائنات فنا کی آغوش میں چلی جائے گی، تو اُس اعلان نے مجھے رُلا دیا، اُن کے ان الفاظ میں کائنات کے زوال پر نوحہ گری کا سامان پایا جاتا ہے، چنانچہ میرے دل کی آنکھ نے اللہ کے ان معاملات پر غور کر کے آٹھ آٹھ آنسو بہائے اور ان میں سے ہر آنسو اپنے دامن میں ہزاروں دُکھ اور غم لیے ہوئے آہ و بکا اور چیخ و پکار میں مصروف تھا۔ آنکھوں کے یہ تمام قطرے دل میں فارسی شعروں کی صورت میں ڈھل گئے۔ اور یہ اشعار ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نوحے ﴿لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ﴾ کی ایک قسم کی تفسیر ہی ہیں:

**نمی زیبا ست "أفولدہ" گم شدن محبوب**

محبوب، جو کہ دور افق میں غروب ہو جاتا ہے، وہ کوئی خوبصورت محبوب نہیں ہے، کیونکہ عشق ابدی کے لیے اور آئینۂ صمد کے طور پر پیدا کیا گیا دل زوال پذیر چیزوں کو نہ پسند کرتا ہے نہ اسے ایسا کرنا چاہیے۔

**نمی ارزد "غروبدہ" غیب شدن مطلوب**

وہ مطلوب جس کے بارے میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ غروب ہو کر آنکھوں سے اوجھل ہو جائے گا، وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے دل لگایا جائے اور اسے فکر و عمل اور امید و رجا کا مرکز بنایا جا سکے، اس لیے دل اس کے لیے ٹھنڈی آہیں نہیں بھر سکتا، اُس کے ساتھ عشق نہیں کر سکتا، اس کی تلاش میں مارا مارا نہیں پھر سکتا، اور اس کی پوجا پاٹ نہیں کر سکتا۔

**نمی خواھم "فنادہ" محو شدن مقصود**

وہ مقصود جو کہ فنا کے گھاٹ اُتر کر نابود ہو جائے، میں اُس مقصود کو نہیں چاہتا ہوں، کیونکہ میں فانی ہوں، فانی کی تمنا نہیں کرتا ہوں، کیا کروں؟

**نمی خوانم "زوالدہ" دفن شدن معبود**

وہ معبود جو زوال کے ہاتھوں شکست کھا کر مٹی میں دفن ہو جائے، میں اسے نہیں پکاروں گا، اس کے در پر فریاد لے کر نہیں جاؤں گا، اس کی پناہ نہیں چاہوں گا؛ کیونکہ جو خود بے شمار حاجتوں کا مالک، عاجز اور درماندہ ہو وہ کسی بھی طرح میری بھاری بھرکم بیماریوں کا علاج نہیں کر پائے گا اور میرے ابدی زخموں پر مرہم نہیں رکھ سکے گا۔ بنا بریں، وہ معبود جو خود کو فنا و زوال کے قبضے سے چھڑا نہیں سکتا ہے وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟

**عقل فریاد می دارد، نداءِ "لاأحب الآفلین" می زند روحم**

Marfat.com

لحہ بہ لحہ فناوزوال کی گود میں گرنے والی اس کائنات کی حالت کو دیکھو، رنگ و بو کی دلدادہ ''عقل'' اپنی محبوب چیزوں کو زوال کے گھاٹ اُترتی دیکھ کر ناامید ہو کر آہ وفغاں میں مصروف ہے، اور ''روح'' کسی ابدی محبوب کی تلاش میں ماری ماری پھرتی ہوئی کراہ رہی ہے کہ: ''لَا اُحِبُّ الْآفِلِين''۔

نہیں نہیں۔ میں جدائی نہیں چاہتا۔ میں جدائی برداشت نہیں کرسکتا۔

**نمی خواهم ،نمی خوانم ،نمی تابم فراقی**

**نمی ارزد "مراقه" ایں زوال درپس تلاقی**

ایسا وصال جس کے تعاقب میں زوال لگا ہوا ہے یقیناً المناک ہے، اور یہ ملاقاتیں جن پر زوال کے سائے منڈلا رہے ہوں، اس قابل نہیں ہے کہ اسے حاصل کرنے، یا اس سے محروم ہوجانے کی صورت میں ٹھنڈی آہیں بھری جائیں، بلکہ وہ وصال جس کے بعد فراق آنے والا ہے اس قابل ہی نہیں کہ اس کی خواہش کی جائے یا اس کے لیے ذوق وشوق کا اظہار کیا جائے؛ کیونکہ جس طرح لذّت کا زوال المناک ہے اسی طرح لذّت کے زوال کا تصوّر بھی المناک ہے۔

تمام غزل گوشعراء کے مجموعہ ہائے کلام اور ان کے قصیدے زوال کے اسی تصوّر سے جنم لینے والی آہ وپکار ہیں، اس حد تک کہ آپ اگر ان میں سے کسی بھی شاعر کے شعری دیوان کی روح تک کو نچوڑ لیں تو المناک فریادوں کی آہ وپکار ہی ٹپکے گی۔

**ازاں دردی گرین "لا احب الآفلین" می زند قلبم**

یہ زوال خوردہ ملاقاتیں، اور یہ درد والم کا موجب بننے والی مجازی محبوبائیں، یہ سب کی سب میرے دل کو اس قدر زخمی کرتی ہیں کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح گریہ زاری کرتا ہوا پکار اٹھتا ہے: ﴿ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ ﴾۔

اس لیے اگر تم واقعتاً بقا کے طلب گار ہو، لیکن تمہارے پاؤں اُس دنیا میں گڑھے ہوئے ہیں جو فنا پذیر ہے، تو یاد رکھو کہ:

**دریں فانی بقا خوازی، بقا خیز د "فنادن"**

بقا' فنا سے پھوٹتی ہے، اس لیے نفسِ امّارہ کو فنا کردو بقا سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔

**فنا شو، هم فدا کن، هم عدم بیں، کہ از دنیابقایا راه "فنا دن"**

ہر اُس برے اخلاق سے خالی ہو جاؤ جو تمہارے لیے دنیا کی پرستش کا راستہ ہموار کرے، اپنے دائرۂ مِلک اور مال میں پائی جانے اشیاء کو محبوب حقیقی کی راہ میں قربان کردو، اور موجودات کے فنا پذیر ہونے کو دیکھو! کیونکہ اس دنیا میں بقا کا راستہ فنا کی شاہراہ سے ہو کر گزرتا ہے۔

Marfat.com

**فکرِ فیزارمی دارد انین "لا أحب الآفلین" می زند وجدان**

انسان کا وہ فکر جو اسباب کی چراگاہوں میں چرتا پھرتا ہے وہ جب دنیا کے فنا و زوال کے منظر دیکھتا تو حیرت میں بھٹکتا اور قلق و اضطراب میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے، اور پھر مایوسی کے عالم میں فریاد کرتا ہے۔

جبکہ "وجدان" جو کہ حقیقی وجود کی تلاش میں ہے، وہ اپنی فریاد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ﴿لاأحب الآفلین﴾ والے نالہ و فریاد کی پیروی کرتا ہے اور اس ابدی اور حقیقی محبوب کا دامن پکڑ کر ان مجازی محبوبات اور فانی موجودات سے اپنے رشتے ناطے منقطع کر لیتا ہے۔

**بداں اے نفسِ نادانم اکہ، در ہر فرد ازفانی،**

**دوراہ ہست با باقی ، دوسرّ جانِ جانانی**

اے میرے ناداں نفس! تمہیں علم ہونا چاہیے کہ موجودات اور دنیا اگرچہ فانی ہیں، لیکن تم ہر فانی چیز سے بقا و دوام کے دوراستے پا سکتے ہو، یہاں تک کہ تمہارے لیے ان دوراستوں میں اُس دائمی محبوب کے حسن و جمال کے انوار کے دوارزوں اور دو کرنوں کا ادراک کرنا بھی ممکن ہے، اور یہ اُس وقت ممکن ہے جب تُم اپنی اس فانی شکل و صورت سے رُو گردانی کرو اور اپنی شخصیت کی حدود و قیود سے آگے نکل جاؤ۔

**در نعمتها انعام هست ،وپس آثارها ،أسماء بگیر مغزی و میزن درفنا ، آن‌قشر بے معنی**

جی ہاں! صرف ایک نعمت کے پردوں کو اُٹھاتے جاؤ گے تو نوازشوں، مہربانیوں اور کرم فرمائیوں کا مشاہدہ کرتے چلے جاؤ گے، اور اس کے بل کھولتے جاؤ گے تو رحمان و رحیم کے لطف و کرم کی جھلکیاں پاتے جاؤ گے۔ اور یوں اگر تم نعمت کی راہ سے نوازشوں اور مہربانیوں کا مشاہدہ کر سکو تو تمہاری رسائی اُس منعم تک ہو سکتی ہے جس نے یہ نعمتیں بہم پہنچائی ہیں۔

پھر یہ ہے کہ اُس أحدُ الصّمد کے یہ جتنے بھی آثار یہاں پھیلے ہوئے ہیں سب کے سب اس کے لکھے ہوئے مکتوبات ہیں، اِن میں سے ہر مکتوب اپنے کاتب کے اسمائے حسنیٰ پر روشنی ڈالتا ہے۔ اگر تم اس کی ظاہری نقش کو عبور کر کے باطنی معنی تک رسائی حاصل کر سکو تو سمجھو کہ تم نے موجودات کے ان ناموں کے درمیان سے گزر کر اسمائے حسنیٰ تک پہنچنے کا راستہ پا لیا:

اس لیے اے جانِ من! تم چونکہ ان فانی موجودات کے مغز اور نچوڑ تک رسائی حاصل کر سکتے ہو، اس لیے تم چھلکوں کو چھوڑ کر مغز و معنی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ان چھلکوں پر کفِ افسوس ملنے کی بجائے اِن کے پردوں کو چاک کر کے حقیقت تک پہنچ جاؤ؛ کیونکہ ان چھلکوں کی حیثیت اُس خس و خاشاک کی سی ہے جسے فنا و زوال کا سیلِ بے پناہ بہا کر لے جائے گا۔

**بلیٰ، آثار ها گو یند زاسما لفظ پر معنی ،بخواں معنی و میزن در هوا آن لفظِ بے سودا**

Marfat.com

جی ہاں! موجودات میں ہر چیز ایک مجسم لفظ ہے جو بڑے جلیل القدر معانی سے پردے سرکاتا ہے، بلکہ اپنے بے مثل صانع کے اکثر اسماء کے پوشیدہ اسرار کا سراغ دیتا ہے۔

تو جب یہ تمام مخلوقات قدرتِ الٰہیہ کے الفاظ اور مجسم کلمات ہیں، تو پھر جانِ من! ان لفظوں کو پڑھو، ان کے معانی میں غور کرو، ان کی تہ میں اُترو اور انہیں دل کی گہرائیوں میں محفوظ کر لو۔ اور خالی الفاظ جو کہ چھلکوں کی مانند ہیں، انہیں ہواؤں میں بکھیر دو۔ ان پر افسوس کرنے یا ان کے ساتھ ذہن کو مصروف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

**عقل فریاد میدار دغیاثِ "لا أحب الآ فلین" میزن اے نفسم!**

عقل جو کہ دنیا کے ظاہری رنگ و بو میں اُلجھی ہوئی اور افق تک نظر آنے والے چند خارجی حقائق کی معلومات تک رسائی رکھتی ہے، اس کے افکار کا سلسلہ بالآخر اسے کشاں کشاں عدم یا نیستی تک پہنچا دیتا ہے، اور وہ فیصلہ کر دیتی ہے کہ اس ظاہری زندگی کے بعد کائنات کی ہر چیز ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقل اپنی ہی پیدا کردہ حیرانیوں میں غلطاں و پیچاں اور لرزاں و ترساں ہے، پریشانی اور ناامیدی کے عالم میں چیخ چلا رہی ہے، اس گرداب سے نکلنے کا کوئی ایسا راستہ تلاش کر رہی ہے جو اُس کسی ایسے سیدھے راستے پر ڈال دے جس پر چلتی ہوئی وہ حقیقت تک پہنچ جائے۔

جب روح نے ڈوب جانے والی زوال پذیر چیزوں سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ہے، جب دل نے تمام مجازی محبوباؤں سے ناطہ توڑ لیا ہے، اور جب وجدان نے اِن فانی اَشیاء سے منہ موڑ لیا ہے۔ تو پھر اے میری مسکین جان! تُو بھی ابراہیمؑ کے الفاظ کا سہارا لے کر ﴿لاأحب الآفلین﴾ والی فریاد کر اور خود کو بچا لے۔

**چه خوش گوید اُوشیدا "جامی" عشق خوی** (حاشیہ:۱)

اور دیکھ! مولانا جامی نے کیا خوب کہا ہے: وہ جامی جو ایسا عاشق اور والہ وشیدا شاعر تھا کہ گویا کہ جس کی فطرت ہی حُبِّ الٰہی سے گوندھی گئی تھی، اس نے جب نظروں کو کثرت کی پراگندگیوں سے ہٹا کر توحید کی طرف موڑنا چاہا تو کہا:

**یکی خواه، یکی خوان، یکی جوی، یکی بین، یکی دان، یکی گوئی**

صرف ایک ہی کو منزلِ مقصود بناؤ؛ کیونکہ اس کے سوا کوئی بھی دوسرا طلب و قصد کے لائق نہیں۔

صرف ایک ہی کو پکارو؛ کیونکہ اس کے سوا جو کوئی بھی ہے پکار کا جواب نہیں دیتا ہے۔

صرف ایک ہی کے طلب گار رہو؛ کیونکہ اس کے علاوہ دوسرا کوئی بھی مطلوب بننے کے لائق نہیں ہے۔

صرف ایک ہی کو دیکھو؛ کیونکہ دوسرے ہمیشہ نظر نہیں آئیں گے بلکہ زوال کے پردے کے پیچھے غائب ہو جائیں

---

(حاشیہ:۱) نورالدین عبدالرحمان جامی۔ ہرات کے علاقہ ''جام'' میں 817ھ بمطابق 1414ء کو پیدا ہوئے، علمی اور نظری تعلیم مکمل کرنے کے بعد تصوف کی طرف مائل ہوئے اور سعدالدین کاشغری نقشبندی کی صحبت میں تصوف وسلوک کی منزلیں طے کیں۔ تین دیوان اور سات مثنویاں آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کے شعر وجد و ذوق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بیالیس سال کی عمر میں وفات ہوئی۔

Marfat.com

گے۔

صرف ایک کی پہچان رکھو؛ کیونکہ جو چیز اس کی پہچان نہیں کرواسکتی ہے، اس کی پہچان کرنے سے کچھ حاصل ہی نہیں ہے۔

صرف ایک ہی کو یادرکھو؛ کیونکہ جوذکر اذکار یا قول گفتار اس کا پتانہ دے سکے وہ بے کار، لایعنی اور بے سود ہے۔

وہی مطلوب ہے، وہی محبوب ہے، وہی مقصود ہے، وہی معبود ہے۔

جامی تم نے بالکل سچ کہا ہے:

''کہ: لاالہ الاھو' برابرمی زند عالم۔

یعنی کائنات برابر''لاالہ الاھو''الاپ رہی ہے۔

پس یہ تمام عالم ایک حلقہ ءذکر کی مانند ہے جو اپنی انواع واقسام کی زبانوں کے ساتھ''لا الہ الا ھو''کے گونا گوں نغمے الاپ رہا ہے اور یوں تمام کا تمام توحید کی گواہی دے رہا ہے، اور اس طریقے سے اُس گہرے اور رِستے ہوئے زخم پر مرہم رکھ رہا ہے جو زخم ﴿لاَ اُحِبُّ الآفِلِيْنَ﴾ کی وجہ سے اُبھر رہا ہے، گویا کہ یہ تمام عالم یہ کہہ رہا ہے کہ: آؤاس ہمیشہ باقی رہنے والے محبوب کا دامن پکڑلو۔ اوران مجازی اورزوال پذیر محبوباؤں سے کنارا کش ہوجاؤ۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# ''دولوحیں''

آج سے پچیس سال (حاشیہ ۱) پہلے جن دنوں میں مَیں نے ترکِ دنیا کا عزم کرلیا تھا اور میں یُوشع نامی ٹیلے پر تھا، اُن دنوں میرے پاس میرے کچھ عزیز دوست آئے تاکہ مجھے اپنے ارادے سے باز رہنے اور پہلی حالت کی طرف لوٹ جانے کے لیے قائل کرسکیں، تو میں نے اُن سے کہا: مجھے کل تک اکیلا چھوڑ دیں تاکہ میں اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرسکوں۔

اور پھر صبح ہی دل پر یہ دولوحیں وارد ہوئیں۔

دونوں اگرچہ شعروں کے مشابہ ہیں لیکن شعر نہیں ہیں۔ چونکہ یہ ایک بابرکت قلبی واردات ہے، اس لئے میں نے اِن کی بے تکلفی اور بے ساختگی کو برقرار رکھا ہے۔ اور یہ اُسی طرح محفوظ ہوگئی ہیں جس طرح وارد ہوئی تھیں۔ یہ دونوں لوحیں ''تیسویں مقالے'' کے اختتام کے ساتھ مُلحق کردی گئی ہیں۔

لیکن مناسبت کی وجہ سے انہیں یہاں درج کردیا گیا ہے۔

## پہلی لوح

[یہ لوح اہلِ غفلت کی دنیا کی حقیقت کی تصویر کشی کرتی ہے]

مجھے دنیا کی طرف مت بلا؛ میں اس دُنیا کی طرف آیا تو اِس کو فنا پایا۔

جب غفلت حجاب بن گئی اور میں نے نُورِ حق کے مخفی ہوجانے کا مشاہدہ کرلیا۔

تو میں نے دیکھ لیا کہ موجودات تمام کی تمام فانی اور نقصان دہ ہیں۔

اگر تم وجود کا ذکر کرتے ہو تو میں اُسے پہن چکا ہوں۔

آہ! عدم میں مجھے کتنی تکلیفوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اگر تم کہتے ہو زندگی! تو اس کا مزا میں نے چکھ لیا، لیکن کتنا عذاب جھیلا ہے۔

عقل سزا اور بقاء بلا بن گئی ہے

عمر عین خواہشات۔ اور کمال عین فضول ہے

عمل عین ریا۔ امید عین دکھ درد ہے

(حاشیہ ۱) یعنی 1922ء میں۔ مترجم۔

Marfat.com

وصال عین زوال۔ دوا عین بیماری ہے

یہ انوار ظلمات ہیں۔ احباب یتیم ہیں

یہ آوازیں مرگوں کے اعلانات ہیں۔ زندہ لوگ مردے ہیں۔

علوم اوہام میں تبدیل ہو گئے ہیں۔ حکمتوں میں ہزاروں سقم ہیں۔

لذتیں آلام کا روپ دھار گئی ہیں۔ اور وجود میں ہزار عدم ہیں۔

اگر تم کہو محبوب! تو وہ میں نے پالیا ہے۔ آہ! فراق میں کتنا دکھ ہے!

## دوسری لوح

[یہ لوح اہلِ ہدایت کو دنیا کی حقیقت کا اشارہ دیتی ہے]

جب غفلت زائل ہو گئی تو میں نے حق کا نور واضح طور پر آنکھوں سے دیکھ لیا۔ پھر اچانک نظر آیا کہ:

یہ وجود ذاتِ حق کی برہان اور زندگی حق کا آئینہ ہے۔

اور یہ کہ: عقل خزانے کی چابی۔ اور فنا بقا کا دروازہ ہے

کمال کی چنگاری بجھ گئی اور جمال کا سورج طلوع ہو گیا

اب زوال عین وصال اور الم عین لذت بن گیا

خود عمر ہی عمل ہو گئی اور ابد عین عمر بن گیا

تاریکی روشنی کا غلاف بن گئی اور موت کے اندر حقیقی زندگی تھی

اشیائے کائنات مجھے اپنے ساتھ مانوس اور آوازیں ذکر محسوس ہوئیں

اب تمام موجودات ذکر و تسبیح کرتی نظر آئیں۔

مجھے دولتمندی و خوشحالی کا خزانہ فقر میں اور قوت کا سرچشمہ عجز میں نظر آیا اگر تم نے اللہ کو پالیا تو پھر یہ تمام چیزیں تمہاری ہیں

جی ہاں! اگر تم مالکُ المُلک کے غلام بن گئے تو پھر اس کا مُلک تمہارا ہے

اور اگر تم اپنے نفس کے غلام بن گئے اور اس کے بل پر اتراتے رہے تو پھر لاتعداد بلاؤں کا، بے کاریوں کا، بے حد سزاؤں کا اور تباہ کاریوں کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہو

اور اگر تم اللہ پر ایمان رکھنے والے اُس کے حقیقی بندے بن جاؤ گے تو پھر بے حد صدق و صفا، بے شمار ثواب اور بے حد سعادت سے ہمکنار ہو جاؤ گے۔

Marfat.com

# مناجات

آج سے پچیس سال پہلے ایک دن میں نے رمضان المبارک میں عصر کی نماز کے بعد شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرّہ کا اسمائے حسنیٰ والا قصیدہ پڑھا۔ تو میرے دل میں بھی اسمائے حسنیٰ پر قصیدہ لکھنے کی خواہش ہوئی، چنانچہ یہ چند الفاظ اُسی وقت معرضِ تحریر میں آ گئے۔ خیال تو یہی تھا کہ میں اپنے گرامی قدر استاد کی مناجات کی طرز پر کچھ لکھ پاؤں، لیکن مجھ میں چونکہ شعر و نظم کی اہلیت نہیں ہے، اس لیے افسوس! کہ ایسا نہ ہو سکا اِن مناجات کو ''نوافذ'' یعنی ''دریچے'' نامی کتاب کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے جو کہ تینتسویں مقالے کا تینتیسواں مکتوب ہے، لیکن مناسبت کی وجہ سے انہیں یہاں درج کیا جا رہا ہے

## ھُوالباقی

حکیم القضایا نحن فی قبض حکمه

هو الحکم العدل له الارض والسماء

علیم الخفایا والغیوب فی ملکه

هو القادر القیوم له العرش والثراء

لطیف المزایا والنقوش فی صنعه

هو الفاطر الودود له الحسن والبهاء

جلیل المرایا والشؤن فی خلقه

هو الملک القدوس له العز والکبریاء

بدیع البرایا نحن من نقش صنعه

هو الدائم الباقی له الملک والبقاء

کریم العطایا نحن من رکب ضیفه

هو الرزاق الکافی له الحمد والثناء

جمیل الهدایا نحن من نسج علمه

هو الخالق الوافی له الجود والعطاء

Marfat.com

سمیع الشکایا والدعاء لخلقہ
هو الراحم الشافی لہ الشکر والثناء
غفور الخطایا والذنوب لعبدہ
هو الغفار الرحیم لہ العفو والرضاء

اے میرے نفس! میرے دل کی طرح رواور فریاد کراور کہہ کہ:
فانی ہوں، اور فانی کو نہیں چاہتا ہوں،
میں عاجز ہوں، اور عاجز کو نہیں چاہتا ہوں۔
اپنی روح کو الرحمان کے سپرد کر دیا ہے،
اُس کے سوا کسی دوسرے کو نہیں چاہتا ہوں۔
چاہتا ہوں۔ لیکن ایک یارِ باقی چاہتا ہوں،
ذرّہ ہوں۔ لیکن ایک ابدی اور سرمدی سورج کو چاہتا ہوں،
کچھ بھی نہیں ہوں، لیکن ان تمام موجودات کو اکٹھا چاہتا ہوں۔

☆ ☆ ☆

جو بارلا کے بالائی مقام صنوبر، سرو اور چنار کے درختوں کے درمیان غور وفکر سے ظہور میں آیا۔

[یہ گیارہویں مکتوب کا ایک ٹکڑا ہے جسے موقع کی مناسبت سے یہاں درج کیا جارہا ہے]

بارلا میں جلا وطنی کے دنوں میں ایک دن جب میں پہاڑ کی چوٹی پر تھا اور چاروں طرف پھیلے ہوئے صنوبر، سرو اور چنار کے درختوں میں نظر دوڑا رہا تھا اور اُن کے ہیبت ناک قد کاٹھ، وضع قطع اور شکلوں صورتوں سے مرعوب سا ہو کر سوچ وبچار کر رہا تھا۔ کہ اچانک بادِ نسیم کا دلفریب جھونکا آیا اور اُس نے اس پُر ہیبت اور خوفناک ماحول کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اب یہ جذب وشوق سے بھرے ذکر وتسبیحات اور کیف وسرور میں گندھی ہوئی فرحت بخش تہلیلات کے منظر تھے۔ اور اگلے ہی لمحے یہ خوبصورت اور مسرور کن منظر آنکھوں کے لیے عبرت اور کانوں کے لیے حکمت کا سامان مہیا کرنے لگا۔ اور پھر اچانک میرے دل میں احمد جزری (حاشیہ:۱)

کے کُردی زبان میں لکھے ہوئے اِس فقرے نے سر اُٹھایا:

**یا رب! هر حیّ بتماشا گاہ صنع تُو ز هر جائی بتازی**

(حاشیہ: ۱) مُلا احمد جزری۔ احمد نام ہے، 540ھ میں بھوتان نامی جزیرے میں پیدا ہوئے۔ اس جزیرے کو جزیرہ ابن عمر بھی کہا جاتا ہے۔ غزلیات پر مشتمل ایک مطبوعہ دیوان اُن کی یادگار ہے جو ''دیوان مُلا جزری'' کے نام سے مشہور ہے۔ مترجم۔

Marfat.com

زنشیب و أز فرازی، ما نند دلالان بنداء وبآوازی

دمدم ز جمال نقشِ تُو ،در رقص و بازی

ز کمال صنع تُو، خوش خوش بگازی

زشیرینی آواز خود، هی هی دنازی

أز وی رقصه آمد جذبه خوازی

ازیں آثارِ رحمت، یافت هر حیّ، درسِ تسبیح و نمازی

ایستاده ست هر یکی بر سنگ بالا، سرفرازی

دراز کرده است دستهارابدرگاه الهیٰ ، همچو شهبازی

بجنبیده ست زُلفهارا، بشوق انگیز شهنازی

بباله میزند از پرده هائی هاهوئی عشق بازی

میدهد هوشه گرین هائی درینها، زوالی از حب مجازی

بر سرِ محمود، نغمه هائی حزن انگیز ایازی

روحه می آید أزوزمزمهءِ ناز و نیازی

قلب می خواند ازیں آیاتها ، سرِ توحید، ز علو نظم اعجازی

نفس می خواهد در ایں ولوله ها، زلزله ها ، زوقِ باقی، در فناء دنیا بازی

عقل می بیند ازیں زمزمه ها ، دمدما ها ، نظمِ خلقت، نقشِ حکمت، کنزِ رازی

آرزو میدارد هوا، ازیں همهمه ها، هو هو ها، مرگِ خود ، در ترکِ ازواق مجازی

خیال بیند ازیں اشجار، ملائک راه ، جسد آمد سماوی با هزاراں نی

ازیں نی ها شنیدت هوش ، ستائش ها ئی ذات حی

ورقها را زبان دارند همه، هو هو، ذکر آرند بدر معنای حیّ حیّ

چُو "لا اله الا هو" برابر می زند هر شیء

دمادم جو یدند یا حق ، سرا سر گویدند یا حیّ ، برابر می زنند "الله"

فیا حیّ یا قیوم! بحق اسم "حیّ و قیوم"

Marfat.com

**حیاتی دہ بایں قلب پریشان را**

**استقامت دہ بایں عقل مشوش را... آمین**

ان اشعار کی تشریح مندرجہ ذیل ہے۔

**ہر کس بتما شا گہ حُسنَا تَہ زِھَر جائے تشبیہ نگا راں بجما لا تَہ دِنا زَن**

ہرطرف سے لوگ تیرے حسن کے دیدار کے لیے ناز اٹھاتے خراماں خراماں اُمڈے چلے آرہے ہیں۔

اِن عبرت خیز معانی کی تعبیر کرنے کے لیے میرا دل آبدیدہ ہوکر یُوں گویا ہوا:

**یا رَب! ہر حیّ بہ تماشا گہِ صُنعِ تُو زِھر جائے بَتَا زی**

پروردگار! ہر ذی روح مخلوق روئے زمین پر تیری مصنوعات کی نمائش دیکھنے کے لئے ہر طرف سے اُمڈی چلی آرہی ہے۔

**زنشیب از فرازی مانند دلّا لاں بنداء بآ وازی**

یہ سب تماشائی گویا کہ منادی کرنے والے ہیں جو ہر نشیب وفراز سے تمام مخلوق کو دلّالوں کی طرح تیرے حُسن کے دیدار کے لیے پکار رہے ہیں۔

**دم دم زِجمالِ نقشِ تُو در رقص بازی**

یہ دلّالوں جیسے درخت خوش ہورہے ہیں اور یوں تیرے حسن وجمال کے دل آویز نقش ونگار کے نظارے میں مست ناچ رہے ہیں۔(حاشیہ:۱)

**زِ کمالِ صُنع تُو ، خوش خوش بگازی**

اور تیری باکمال صنعت وکاریگری کے نمونوں کو دیکھ دیکھ کر مستی میں خوش الحان اور طرب انگیز آواز میں گا رہے ہیں۔

**زِشیرینئی آوازِ خود ھی ھی دِنازی**

گویا کہ اُن کی آوازوں کی شیرینی اُن کی ہستی اور بیخودی میں مزید اضافہ کرتی ہے اور یہ نازنینوں کی طرح نخرے دکھاتے ہوئے جھوم جھوم جاتے ہیں۔

**از وَی رقصہ آمد جذبہ خوازی**

اس بنا پر یہ درخت جذب وکیف سے محو رقص ہوگئے ہیں۔

**ازین آثارِ رحمت ،یا فت ہر حیّ ،درس تسبیح و نمازی**

(حاشیہ: ۱) نوٹ: ایک نسخے میں ''زِجمالِ نقشِ تُو'' کی بجائے ''زِہوائے شوقِ تُو'' کے الفاظ ہیں۔ یعنی تیرے عشق کے ارمان میں جھوم رہے ہیں۔

Marfat.com

اس رحمت الٰہیہ کے ان آثار سے ہر زندہ مخلوق اپنی مخصوص تسبیح اور خصوصی نماز کا درس لے رہی ہے۔

**ایستا دہ ہر یکے بر سنگِ بالا ،سر فرازی**

صلاۃ و تسبیح کا یہ درس لینے کے بعد ان میں سے ہر درخت پتھر کی مُحکم چٹان پر پورے وقار کے ساتھ اپنا سر عرش کی طرف بلند کر کے کھڑا ہو گیا ہے۔

**دراز کردہ است دستھا،بد رگاہِ الٰھی ،همچُو شهبازی**

ہر درخت عبودیت کا جامہ زیب تن کیے ہوئے ہے اور شہباز قلندر (حاشیہ:۱)
کی طرح گڑگڑاتے ہوئے اپنے سینکڑوں ہاتھ بارگاہِ خداوندی میں پھیلائے ہوئے ہے۔

**به جُنبیداست زُلفھارا ،بشوق انگیزِ شھنازی**(حاشیہ:۲)

یہ درخت اپنی شہناز کی دل رُبا زلفوں جیسی مہین مہین سی شاخیں ہلا کر ناظرین کے سامنے اپنے شوقِ لطیف اور ذوقِ عالی کا اظہار کر رہے ہیں۔

**ببا لا می زنند ازپردہ ھائے ھائے ھُوئے عِشق بازی** (حاشیہ:۳)

یہ نرم و نازک ٹہنیاں نغمہ ہائے عشق کے تہ در تہ طبقوں سے سُر نکال رہی ہیں، اور اس طرح گویا کہ حساس اور نازک ترین تاروں کو چھیڑ رہی ہیں۔

**میدِ هَد هوشه گیر ینها، درِ ینها زوالی اَز حُبِّ مجازی**

یہ تمام منظر فکر کو مجازی محبتوں کے زوال سے ملنے والے دُکھ درد اور دلسوز آہ و فغاں کی یاد دلاتا ہے۔

---

(حاشیہ: ۱) شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے نو عمر خادم تھے انہیں کے زیر نگرانی پروان چڑھے حضرت نے اُن کے لیے بارگاہ خداوندی میں خصوصی دعا کی، جس سے یہ ولایت کے مرتبے پر فائز ہو گئے۔ مؤلف۔

☆ عثمان مروندی رحمہ اللہ جو کہ شہباز قلندر کے نام سے مشہور ہیں، اور جن کا مقبرہ شہر سیوحسن شریف پاکستان میں ہے۔ ان کی پیدائش 538ھ یا 552ھ میں ہوئی۔ اور شیخ عبد القادر جیلانی کی وفات 561ھ میں ہوئی۔ اُن کی وفات کے وقت شہباز قلندر کی عمر 23 سال یا 9 سال تھی۔ اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے حج کرنے کے بعد بغداد میں ٹھہرے اور وہاں سے کیچ مکران کے راستے سے سندھ میں آئے۔ اس لیے یہ بات انتہائی قرینِ قیاس ہے کہ حضرت کے مریدوں میں اگر کوئی اور شہباز قلندر نامی شخص نہیں ہے تو اس سے عثمان مروندی رحمہ اللہ ہی مراد ہیں۔ مترجم

(حاشیہ:۲) شہناز چلکرئی۔ ایک عالمگیر شہرت کی حامل نازنین، جس کی زلفیں اور عموی حُسن ضرب المثل تھا کہتے ہیں کہ اُس کے بالوں کی چالیس چوٹیاں بنتی تھیں۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۳) یہ شعر مقبرے پر اُگے ہوئے سرو کے درخت کی طرف اشارہ کرتا ہے: ببالا میزنند از پردہ ہائے ہائے ہوئے چرخ بازی مُرد ہارا نغمائے اَزلی اَز حُون اَنگیز نوازی۔ مؤلف۔

Marfat.com

**بر سرِ محمُودَ ھا نغمھائے حُزَن انگیز اَیازی** (حاشیہ:۱)

یہ درخت تمام محمودوں، یعنی سلطان محمود کی طرح اپنی محبوباؤں سے بچھڑ جانے والے تمام عاشقوں کو حُزن خیز نغمات سُنا رہے ہیں جدا ہو چکے ہیں۔

**مُر دَ ھارا نَغمھائے اَزَلی اَز حُز نَ اَنگیز نوازی**

گویا کہ یہ درخت اپنے ازلی نغمات کے ذریعے دنیا سے چلے جانے والے لوگوں کو جو کہ دنیاوی آوازوں کو نہیں سُن سکتے اُن کو حزن خیز صدائے بازگشت سنانے کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔

**رُوحہ می آید اَزُو ،زمزمہ نازو نیازی**

ناز و نیاز سے بھرے ان زمزموں سے روح نے یہ سیکھا ہے کہ: کائنات کی تمام اُشیاء تسبیح وتہلیل کے ذریعے اُس صانع الجلیل کے اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کی طرف متوجہ ہیں، گویا کہ یہ ان کی آہوں، اور گریہ زاریوں کی صداہائے باز گشت ہیں۔

**قلب می خواند ازیں آیا تھا: سرِ تُو حید زِ عُلوِّ نظمِ اِعجازی**

دل اس بلند اور معجزانہ نظم وضبط سے توحید کے اَسرار پڑھ رہا ہے، گویا کہ یہ درخت مجسّم آیات ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی تخلیق میں انتہائی غیر معمولی نظام، اَچھوتی کاریگری اور ایک ایسا حکمت بھرا اعجاز پایا جاتا ہے کہ اگر کون ومکاں کے تمام اسباب اکٹھے ہو جائیں اور وہ فاعلِ مختار بھی بن جائیں، تب بھی ایسا نہ کر سکیں۔

**نفس می خواھد دریں ولو لہ ھا، زلزلہ ھا،ذوقِ باقی در فنائے دنیا بازی**

نفس جب درختوں کی اس وضع قطع کا مشاہدہ کرتا ہے تو اُسے ایسے نظر آتا جیسے یہ وجود گویا کہ فراق کے زلزلوں کی زد میں ہے اور فراق وزوال کے گردابوں میں لڑھکتا چلا جا رہا ہے۔ تب یہ کسی دائمی ذوق کی تلاش میں نکل پڑتا ہے اور اس طرح یہ معنی ذہن نشیں کر لیتا ہے کہ: ''دنیا کی پرستش چھوڑ دو گے تو بقا ودوام سے ہمکنار ہو جاؤ گے''۔

**عقل می بیند ازیں زمز مہ ھا، دمد مہ ھا، نَظمِ خِلقت ،نقشِ حِکمت، کنزِرازی**

عقل نے اس سے یہ راز پالیا ہے کہ کارگہ تخلیق کا تانا بانا انتہائی منظّم ہے، اور یہ کہ اِن درختوں سے، بادِ نسیم کے جھونکوں سے، پیڑ پودوں سے اور زندگی سے بہرہ ور دوسری مخلوقات سے یہ جو ایک ساتھ لطافت بھری آوازیں نکل رہی ہیں اِن میں حکمت کے آثار اور بڑے گہرے راز پائے جاتے ہیں۔ یہ اسرار و رموز کے خزانے ہیں۔ اور عقل یہ بات سمجھ رہی

---

(حاشیہ:۱) ایاز محمود غزنوی کا غلام تھا جس کے ساتھ اُسے اتنی زیادہ محبت تھی کہ اردو اور فارسی ادب میں ضرب المثل کا درجہ اختیار کر گئی۔ مترجم

Marfat.com

ہے کہ کائنات کی ہر چیز مختلف پہلوؤں سے اپنے صانع ذوالجلال کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔

**آرزُو میدارد هَوا،ا زِیں هَمهَمَه ،ها هوهو ها ،مر گِ خود، در ترکِ اذواق مجازی**

ہوائے نفس ہواؤں سے ملنے والے ان درختوں کی تھرتھراہٹ سے اور اٹکھیلیاں کرتی بادِنسیم کی سرسراہٹ سے ایک لذیز قسم کا ذوق پا رہی ہے، اور یہ آرزو کر رہی ہے کہ کاش اپنے تمام مجازی ذوق وشوق تیاگ کر اس حقیقی ذوق وشوق کی بانہوں میں جان دے دے؛ کیونکہ یہ حقیقی ذوق وشوق ہی اس کی زندگی کا اصل جوہر ہے جو اُس نے حاصل کر لیا ہے۔

**خیال بینَد ازِیں اَشجار، ملائک را، جَسَد آمد سَماوِی با هزاران نیّ**

خیال یہ دیکھ رہا ہے کہ گویا ان درختوں کے موکل فرشتے اِن کے تنوں میں داخل ہو گئے ہیں اور یہ تنے اور ٹہنیاں اُن کے جسم کے لباس بن گئے ہیں، یعنی ان تنوں اور ٹہنیوں کے اندر فرشتے چھپے بیٹھے ہیں، اور ان ٹہنیوں کی آگے ہزاروں شاخیں ہیں جن میں سے ہر شاخ پر بانسریاں لٹکا دی گئی ہیں جن سے ہزاروں نغمے نکل رہے ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے کہ سلطانِ سرمدی نے اِن درختوں کو ایک رعب دار سرکاری پریڈ میں ہزاروں بینڈ باجوں کی آوازوں کے ساتھ اِن فرشتوں کا لباس بنا دیا ہے۔ اِس سے اُس کی منشاء یہ ہے کہ یہ درخت انتہائی قسم کے شعور وادراک سے مزین کیفیات کا اظہار کریں، نہ کہ ایسے مُردہ تنے جن میں شعور نامی کوئی چیز نہیں۔

**ازیں نیہا شُنیدَت هو ش ستا ئِش هائے ذاتِ حیّ**

یہ پُر تاثیر نغمات والی بانسریاں جب پُر لطف آوازیں نکالتی ہیں تو ایسے لگتا ہے جیسے یہ آوازیں بلند آسمانی موسیقی سے پھوٹ رہی ہیں، اس لیے ہوش وخرد ان آوازوں سے فراق وزوال کے دکھوں کے شکوے نہیں سنتی جیسے کہ ہر عاشق سنتا ہے، اور جن میں مولانا جلال الدین رومی سرفہرست ہیں، (حاشیہ:۱) بلکہ اِن سے اُس منعمِ حقیقی حیّ قیوم کے حضور پیش کی جانے والی رحمانی شکر وربانی ثناء کی آوازیں سنتی ہے۔

**ور قها رازبان دار ند همه "هُو هُو" ذکر آرند به در معنیٔ حیّ حیّ**

درخت جب اجسام بن گئے تو اُن کے پتے زبانیں بن گئیں، اب اُن میں سے ہر درخت اپنی ہزاروں زبانوں کے ساتھ صرف ہوا کے چھو جانے سے ''ہُو۔ ہُو'' الاپتا ہوا اللہ کے ذکر میں

مصروف ہے اور اپنی زندگی کے تحیات و پاکیزہ کلمات اپنے حیّ قیوم خالق کے حضور پیش کر رہا ہے،

**چُو "لا اِلٰہ اَلّا هُو" برابرمی زند هر شی**

کیونکہ تمام اشیاء برابر ''لا الٰہ الاّ ہُو'' الاپ رہی ہیں، اور ساتھ ساتھ کائنات کے عظیم الشان حلقۂ ذکر میں اپنا وظیفہ

(حاشیہ ۱) مولانا رومی کی مثنوی کے پہلے شعر کی طرف اشارہ ہے۔ ''بشنو از نے چوں حکایت می کند..... از جدائی ، ہا شکایت می کند'' (مترجم)

Marfat.com

ادا کر رہی ہیں۔

**دما دم جو یند ند "یا حق" سراسر گو یند ند: "یا حیّ" برابر می زنند "الله"**

تمام چیزیں ہمہ وقت اپنی استعداد اور فطرت کی زبان کے ساتھ ''یا حق'' کا ورد کرتے ہوئے رحمتِ الٰہی کے خزانے سے اپنے حقوقِ حیات مانگ رہی ہیں، اور تمام چیزیں زندگی کے مظاہر حاصل کرنے کے لیے مسلسل اسمِ یا حی کا وظیفہ کر رہی ہیں۔

**فیا حیُ یا قیومُ بحقِ اسم حیُّ قیوم**

**حیاتی ده به ایں قلب پریشان را**

**استقامت ده بایں عقلِ مشوش را**

**آمین**

پس اے حیُ قیوم! اسمِ حیّ قیوم کے طفیل اس قلبِ پریشاں کو زندگی دے اور اس عقلِ پراگندہ کو استقامت دے۔ آمین۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# ستارہ نامہ

ایک دن میں جبلِ چام کی چوٹی پر تھا، رات کے سکون میں میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو اچانک دل پر آنے والے ان چند فقروں کا ورود ہو گیا، گویا کہ میں نے خیال ہی خیال میں تاروں کی سرگوشیاں سُن لیں۔ میں چونکہ شعر و شاعری کے قواعد و ضوابط سے نابلد ہوں اس لئے یہ جملے جیسے وارد ہوئے انہیں اُسی طرح بغیر تراش خراش کے سپرِدِ قلم کر دیا ہے۔

یہاں ان جملوں کو ''چوتھے مکتوب'' اور ''بتیسویں مقالے'' کے اختتام سے نقل کیا گیا ہے۔

**ایک پیغام جو کہ ستاروں سے گفتگو کرواتا ہے**

ذرا ستاروں کی طرف بھی کان لگاؤ اور اُن کی پُر لذت شیریں گفتگو سُنو، اس سے تمہیں نظر آ جائے گا کہ حکمت کی تابندہ مُہر نے وجود پر کیا کیا نقوش ثبت کیے ہیں۔

یہ تمام کے تمام ایک ساتھ زبانِ حق سے یہ کہتے ہیں کہ:

☆ ☆ ☆

ہم ایک قدیرِ ذوالجلال ذات کی شان و شوکت کے نور افشاں دلائل و براہین ہیں۔

ہم صانع الجلیل کے وجود کے، اُس کی وحدانیت کے اور اس کی قدرت کے سچے گواہ ہیں۔

☆ ☆ ☆

اُس کی قدرت کے جن معجزات نے روئے زمین کو حسن و جمال سے آراستہ کیا ہے، ہم ان معجزات پر فرشتوں کی طرح سیر و تفریح کرتے ہوئے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

ہم آسمان سے زمین کی طرف جھانکنے والی اور جنت کی طرف نظریں جمائے ہوئی ہزاروں آنکھیں ہیں۔ (حاشیہ:۱)

---

(حاشیہ ۱) مطلب یہ کہ سطحِ زمین جنت کے پھولوں کی ایک کیاری اور کھیتی ہے جس میں قدرتِ الٰہیہ کے بے شمار معجزات کی نمائش کی جاتی ہے۔ اور جس طرح عالمِ بالا کے فرشتے پھولوں کے ان باغات میں سیر و تفریح کرتے اور ان معجزات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ ستارے بھی جو کہ اجرامِ سماوی کے لیے دیدۂ بینا کے مشابہ ہیں، یہ بھی اِن معجزات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جس طرح یہ ستارے فرشتوں کی طرح سطحِ زمین پر پھیلی ہوئی ان لطیف مصنوعات کا مشاہدہ کرتے ہیں، ایسے ہی عالمِ جنت کا نظارہ بھی کرتے ہیں۔ اور یوں وہ زمین کے اُن وقتی معجزات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو وہاں دائمی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی ایک نظر جب زمین پر ہوتی ہے تو دوسری عین اُسی وقت جنت کی طرف ہوتی ہے، یعنی یہ دونوں جہانوں کو بیک وقت دیکھتے ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

ہم شجرِ تخلیق کے علوی حصے پر، کہکشاؤں کی تمام ٹہنیوں کے سروں پر جمیل ذوالجلال کے دستِ حکمت سے لٹکائے ہوئے انتہائی خوبصورت پھل ہیں۔

☆ ☆ ☆

ہم اہلِ آسمان کے لیے چلتی پھرتی مساجد، گھومتے پھرتے گھر، بلند و بالا گھونسلے، روشنی دینے والے چراغ، گرانڈیل سفینے اور بھاری بھرکم جہاز ہیں۔

☆ ☆ ☆

ہم ایک قدیرِ ذوالکمال کی قدرت کے معجزات ہیں، اور اُس حکیمِ ذوالجلال کی غیر معمولی صنعتکاری کے شاہکار ہیں۔ ہم حکمت کے نادر نمونے ہیں۔ تخلیق کے رعب دار نمونے اور روشنیوں کے تابندہ جہان ہیں۔

☆ ☆ ☆

یوں ہم لاکھوں زبانوں کے ساتھ لاکھوں دلائل و براہین بیان کرتے ہیں اور یہ دلائل و براہین اُس کے کانوں میں ڈالتے ہیں جو حقیقت میں انسان ہے۔

اس مُلحد کی آنکھ اندھی ہو جائے جو ہمارے روشن چہرے نہیں دیکھ پا رہا اور ہماری بالکل واضح اور سیدھی سادی باتیں سن نہیں رہا۔ ہم حق اور حقیقت کی منہ بولتی آیات ہیں۔

☆ ☆ ☆

ہمارا سِکّہ ایک ہے، ہمارا نشانِ امتیاز ایک ہے ہم اپنے پروردگار کی تسبیح اور عبادت کرتے ہیں، اُس کے مسخر اور تابع فرمان ہیں، ہم کہکشاں کے حلقۂ ذکر کے منسوب مجذوب ہیں۔

ستاروں کی اس گفتگو کو خیالی طور پر سنا

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# اٹھارہواں مقالہ

[اس مضمون کو دو مقاموں میں تقسیم کیا گیا ہے، دوسرا مقام لکھا نہیں جا سکا۔ اور پہلا مقام تین نقطوں پر مشتمل ہے]

۱۔ پہلا نقطہ

_ نفسِ امارہ کے لیے ایک تادیبی طمانچہ

۲۔ دوسرا نقطہ

_ حسن و جمال پروردگار

_ کون و مکاں میں پائی جانے والی ہر چیز جمیل ہے، لیکن جمیل چیز دو قسموں پر ہے۔

1۔ جمیل بذاتہ 2۔ جمیل لغیرہ

۳۔ تیسرا نقطہ

کون و مکاں میں پایا جانے والا حُسنِ صنعت حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی لازم دلیل ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا نُقطہ:

﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ (حاشیہ:۱)

میرے نفسِ اَمّارہ کے لیے ایک تادیبی طمانچہ

میرے فخر و ناز پر فریفتہ، شہرت کے دلدادہ، اور مدح وستائش کے پیچھے دیوانہ وار بھاگنے والے من!

اے میرے گمراہ اور خواہش پرست من!

اگر انجیر کا ایک چھوٹا سا بیج جس سے ہزاروں پھل پھوٹتے ہیں، وہ پتلی سی، کمزور سی اور خشک ٹہنی جس کے ساتھ پھلوں کے سینکڑوں خوشے لٹکے ہوئے ہیں۔ اگر یہ تمام پھل اور خوشے اس ایک چھوٹے سے بیج اور کمزور سی ٹہنی کے کارنامے ہیں اور انہیں کی مہارت سے وجود میں آئے ہیں، تو پھر یہ بات لازم آتی ہے کہ جو بھی ان پھلوں پھولوں سے فائدہ اٹھائے وہ اس چھوٹے سے بیج اور کمزور سی ٹہنی کی مدح وثنا میں مگن ہو جائے! کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دعوی صحیح ہے تو پھر تجھے بھی اے میرے مغرور نفس! فخر وغرور کا حق پہنچتا ہے، کیونکہ تُو بھی تو نعمتوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے!

جبکہ تیرا حق تو یہی بنتا ہے کہ تیری جی بھر کر مذمت کی جائے؛ کیونکہ تو نہ تو اس چھوٹے سے بیج کی طرح ہے اور نہ پتلی سی شاخ کی طرح؛ کیونکہ تجھے ایک چھوٹا سا جزوی اختیار دیا گیا ہے اور تو اپنے اس جزوی اختیار کا غلط استعمال کر کے فخر و غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس طرح ان نعمتوں کا حق ادا کرنے میں کمی کا ارتکاب کر کے تو ان کی قدر و قیمت کم کر دیتا ہے، ملکیت کا دعوی کر کے انہیں غصب کر لیتا ہے اور ان کی ناشکری کر کے ان کی تاثیر ہی ختم کر دیتا ہے۔

فخر کرنا تجھے زیبا نہیں، بلکہ تجھے شکر کرنا چاہیے، شُہرت تیرے شایانِ شان نہیں ہے، بلکہ تجھے تواضع اور حیا چاہیے؛ تجھے مدح وثنا کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے، بلکہ ہمیشہ اپنی کمیوں کوتاہیوں پر استغفار اور ندامت اختیار کرنی چاہیے، تیرا کمال تیری انانیت میں نہیں بلکہ اللہ کی معرفت میں ہے۔

جی ہاں! اے میرے نفس! تو میرے جسم میں ایسے ہی ہے جیسے کائنات میں نیچر ہے، تیری اور نیچر کی تخلیق اس طرح سے ہوئی ہے کہ تم دونوں میں نیکی اور بدی کو قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے، تم دونوں خیر وشر کا مرجع ہو، یعنی یہ کہ تم دونوں نہ تو فاعل ہو اور نہ مصدر یا سرچشمہ، بلکہ منفعل یعنی فعل کی تاثیر قبول کرنے والے اور محلِ فعل ہو، لیکن تمہاری دونوں

---

(حاشیہ:۱) آل عمران:188 ''تم اُن لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں کی تعریف انہیں حاصل ہو جو فی الواقع انہوں نے نہیں کیے ہیں۔ حقیقت میں ان کے لئے دردناک سزا تیار ہے''

Marfat.com

کی تاثیر ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ تم دونوں خیرِ مُطلق سے وارد ہونے والی خیر کو اچھے طریقے سے قبول نہ کر کے شرّ کا سبب بن جاتے ہو۔

پھر تم دونوں کی پیدائش اس طرح سے ہوئی ہے کہ تم ایک پردہ بن گئے ہو تا کہ یہ ظاہری خرابیاں اور بدصورتیاں جن کا حسن و جمال ہمیں نظر نہیں آتا ہے، اُن کی نسبت تمہاری طرف کر دی جائے تا کہ تم ذاتِ باری تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا ایک وسیلہ بن جاؤ۔ لیکن دِقت یہ ہے کہ تم نے روپ ایسا دھار رکھا ہے جو تمہارے فطری وظیفے کے خلاف ہے، کیونکہ تم عدمِ قابلیت کی وجہ سے خیر کو شرّ میں تبدیل کر دیتے ہو۔ اس سے ایسے لگتا ہے کہ جیسے تُم فعل میں اپنے خالق کے شریک کار ہو۔ پس جو شخص نفس کی اور نیچر کی پُوجا کرتا ہے وہ پرلے درجے کی حماقت اور ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس لیے اے میرے نفس!

یہ مت کہہ کہ میں جمال کا مظہر ہوں؛ کیونکہ جو بھی جمال حاصل کر لیتا ہے جمیل ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں! تُو نے جمال کی صحیح ترجمانی نہیں کی ہے اس لئے تو جمال کا مظہر نہیں ہو سکتا، تُو تو صرف جمال تک پہنچنے کے لیے ایک گزرگاہ ہے۔

اور یہ بھی مت کہہ کہ:

تمام لوگوں کو چھوڑ کر میرا ہی انتخاب ہوا ہے اور یہ تمام ثمرات میرے ہی واسطے سے ظہور میں آرہے ہیں، یعنی یہ کہ مجھے خصوصی قابلیت اور امتیازی حیثیت سے نوازا گیا ہے! حاشا و کلا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ تجھے ان ثمرات سے اس لئے نوازا گیا ہے کہ تو ان کا سب سے زیادہ محتاج ہے، تو سب سے زیادہ مُفلس اور سب سے زیادہ دُکھی ہے (حاشیہ:۱)

## دُوسرا نُقطہ:

ہم آیت کریمہ: ﴿أَحْسَنَ كُلَّ شَيْئٍ خَلَقَهُ﴾ (حاشیہ:۲)

کے رازوں میں سے ایک راز کی وضاحت کرتے ہیں:

کائنات میں پائی جانے والی ہر چیز خوبصورت ہے۔ جی ہاں! حتیٰ کہ ایک ایسی چیز بھی جو بظاہر سب سے بدصورت نظر آتی ہو، اُس میں بھی حسن و جمال کا ایک حقیقی پہلو موجود ہوتا ہے۔ پس کون و مکاں میں جو چیز بھی پائی جاتی ہے اور یہاں رُونما ہونے والا جو بھی واقعہ ہے وہ یا جمیل بذاتہ ہے، یا جمیل بغیرہ ہے۔ جمیل بذاتہ کا مطلب یہ ہے کہ: وہ بذاتِ خود خوبصورت ہے، اور جمیل بغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اگرچہ بذاتِ خود خوبصورت نظر نہیں آرہا ہے لیکن اس کے جو نتائج برآمد ہونے والے ہیں اُن کے لحاظ سے خوبصورت ہے۔

---

(حاشیہ:۱) اس مناظرے نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا ہے کیونکہ اس میں سعید جدید نے اپنے نفس کو اس حد تک رگیدا اور لاجواب کیا ہے کہ جس کا جواب نہیں۔ میں نے اسے مبارک باد دی اور اس کے لئے ہزاروں برکتوں کی دُعا کی۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) السجدۃ:8

Marfat.com

کچھ ایسے حادثات و واقعات ہیں جو اپنی ظاہری صورت میں بدصورت، پُراضطراب اور پریشان کُن نظر آتے ہیں، مگر ان کے ان ظاہری پردوں کے نیچے دلکش حسن و جمال کی کئی صورتیں اور گہرے نظم وضبط کی کئی طرزیں پنہاں ہوتی ہیں۔

مثلاً: موسم بہار میں برسنے والی مُوسلا دھار بارشوں، چلنے والی تیز ہواؤں، مٹی اور گرد و غبار کے پردے کے نیچے خوشیوں سے کھلتے ہوئے دلفریب پھولوں کی مسکراہٹیں، اور مسحور کن، نازک اندام اور خوبصورت لہلہاتی فصلوں کی دلربائیاں ،رعنائیاں اور خوش ادائیاں پوشیدہ ہیں۔

خزاں کے موسم میں جو تند و تیز آندھیاں چلتی ہیں جو کہ درختوں کو جڑوں سے اُکھاڑ پھینکتی اور فصلوں کو تباہ کر دیتی ہیں، ٹہنیوں پر جھومتے جھامتے ہرے بھرے پتوں کو ٹہنیوں سے جدا کر کے بکھیر دیتی ہیں، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے انہوں نے ہر چیز کو تہ و بالا کرنے، ہر چیز کو دوسری سے جدا کرنے اور چاروں طرف دکھ، درد، موت، اور تباہی کے تار بجانے اور گیت گانے کی نذر مانی ہوئی ہے۔ تباہیوں بربادیوں کے اس ظاہری منظر میں اُن کمزور اور چھوٹے چھوٹے کروڑوں حشرات الارض کے لیے ان کی ڈیوٹیوں اور ذمہ داریوں سے سبکدوشی کا پیغام ہے جو کہ پھولوں کے کھلنے سے زندگی کے لیے آنکھیں کھولتے ہیں اور سردی کی شدت اور موسم کے درجہء حرارت سے ان پھولوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس پر مزید یہ کہ سردی کی سخت اور پریشان کن بارشیں زمین کو بہار کے آنے والے خوبصورت قافلوں کے استقبال کے لیے تیار کرتی ہیں۔

جی ہاں! جب تند و تیز ہوائیں چلتی ہیں، جب زمین زلزلے سے ہلا دی جاتی ہے اور جب وبائی امراض پھیلتے ہیں تو بہت سے ایسے معنوی یا غیر مادی پھول کھلتے ہیں جو اِن آندھیوں، زلزلوں، بیماریوں، ہواؤں اور وباؤں کے پردوں میں پنہاں ہوتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ قابلیتوں کے بیج اور پوشیدہ صلاحیتوں کی گٹھلیاں جو کہ ابھی اُگی نہیں، یہ سب بظاہر بدصورت اور بدنما لگنے والے حوادث کے نتیجے میں خوبصورت بن جاتے ہیں اور پھوٹ کر پروان چڑھتے ہیں۔ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے کائنات میں نظر آنے والے عمومی انقلابات اور کلی تبدیلیاں ایک قسم کی معنوی بارش ہیں جو ان بیجوں پر انہیں اگانے کے لئے نازل ہوتی ہے۔

لیکن انسان جو کہ مظاہر کا دیوانہ ہے، جو ظواہر کا دامن پکڑ لیتا ہے، اور جو ان حادثات و واقعات کی طرف صرف اپنی انانیت اور ذاتی مصلحت کی عینک لگا کر دیکھتا ہے، آپ دیکھیں گے کہ اس انسان کی آنکھیں ایسے تمام معاملات کی ظاہری صورت کو ہی دیکھتی ہیں اور اسی میں منحصر ہو کر رہ جاتی ہیں، اور اس بنا پر ایسے تمام معاملات کے بارے میں اُس کا فیصلہ یہی ہوتا ہے کہ یہ بہت برے اور بدنُما ہیں!۔

اور چونکہ وہ ہر شے کا وزن اس کے اُن نتائج کے حساب سے کرتا ہے جن کا تعلق صرف اُس کی اپنی ذات کے ساتھ

Marfat.com

ہے، اس لیے آپ دیکھیں گے کہ وہ اس چیز کے بارے میں یہ فیصلہ دے دیتا ہے کہ یہ شَر ہے! حالانکہ یہ بات جانی بوجھی ہوئی ہے کہ اشیاء کے جتنے بھی اَغراض و مقاصد ہیں ان میں سے جس غرض کا رخ انسان کی طرف ہے اگر وہ ایک ہے تو وہ اغراض جن کا رُخ اُس کے جلیل القدر صانع کے اسمائے حسنیٰ کی طرف ہے وہ ہزاروں ہیں۔ مثال کے طور پر:

یہ خاردار درخت اور خاردار جڑی بوٹیاں جو قدرت فاطرہ کا بہت بڑا معجزہ ہیں، انسان انہیں بے معنی اور نقصان دہ سمجھتا ہے اور اُن سے تنگ پڑتا ہے، جبکہ وہ دوسرے درختوں اور جڑی بوٹیوں کے مسلح ہیرو ہیں۔

یا مثال کے طور پر باز کا چڑیوں اور دوسرے چھوٹے چھوٹے پرندوں پر جھپٹنا بظاہر رحمت کے منافی ہے، حالانکہ ان کمزور پرندوں کی مخفی صلاحیتیں اور قابلیتیں ظہور میں اُسی وقت آتی ہیں جب وہ خود کو خطرات میں گھرے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔

یا مثال کے طور پر سردی کے موسم میں اتنی برفباری ہو جاتی ہے کہ برف کی تہیں جم جاتی ہیں جس سے بسا اوقات انسان تنگ دل ہو جاتا ہے؛ کیونکہ اس سے وہ گرمی اور سرسبز مناظر کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے، جبکہ اسی برف کے سردی والے چہرے کے پیچھے ایسے مقاصد اور شیریں نتائج پوشیدہ ہیں کہ انسان انہیں سمجھنے اور بیان کرنے سے عاجز ہے۔

پھر انسان اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے کسی بھی چیز پر حکم اُس کی اُس جہت کو سامنے رکھ کر لگاتا ہے جس کا رُخ اس کی طرف ہوتا ہے، اس لیے وہ کئی ایسے امور کو ادب کے منافی سمجھتا ہے جو کہ خالص آداب کے دائرے میں داخل ہیں۔ مثال کے طور پر آپس میں کسی موضوع پر گفتگو کے دوران اگر عضوِ تناسل کے متعلق بات ہو جائے تو وہ شرمندگی کا باعث ہوتی ہے، لیکن شرمندگی کا یہ پردہ صرف اسی چہرے پر ہے جو انسان کی طرف دیکھتا ہے، وگرنہ اس کے وہ رُخ جن کا تعلق خلقت، صنعت اور مقاصدِ فطرت کے ساتھ ہے وہ عین ادب کے پردے ہیں۔ اب اس چیز کی تخلیق کے جتنے بھی پہلو ہیں اُن میں سے ہر پہلو حکمت کے لحاظ سے انتہائی خوبصورت ہے، اور اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اِس کے بارے میں گفتگو خالص ادب کے دائرے میں آتی ہے اور خوش ذوقی اور حیاداری کے منافی نہیں ہے۔

حتی کہ قرآن کریم _ جو کہ ادبِ خالص کا سرچشمہ ہے _ اپنی سورتوں میں ایسے اُسالیب استعمال کرتا ہے جن سے ان حکیمانہ پہلوؤں اور لطیف پردوں کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ بنا بریں، بعض مخلوقات میں جو برے یا بدصورت پہلو نظر آتے ہیں، اُن سب کی گہرائیوں میں بڑے بڑے خوبصورت پہلو، خیر بھری اغراض، بلند ترین مقاصد اور پوشیدہ حکمتیں پائی جاتی ہیں، جن کا رُخ اُسی طریقے سے اپنے خالقِ کریم کی طرف ہوتا ہے جس طرح سے اُس نے اُن کا راستہ متعین کیا ہے، ان کی رہنمائی کی ہے اور جیسے اُس نے چاہا ہے۔ پس بہت سے اُمور ایسے ہیں جو بظاہر بے ڈھنگے، بے ہنگم، بے موسے، غیر واضح اور پریشان کن لگتے ہیں، لیکن جب آپ اُن کی تہہ میں دیکھیں گے تو وہاں سے خوبصورت، دلکش اور

Marfat.com

مقدس ربانی تحریریں جھانکتی ہوئی نظر آئیں گی۔ جو خوبصورتی، رعنائی، نظم وضبط، خیر و برکت اور حکمت و دانائی کا مرقع ہیں۔

## تیسرا نقطہ:

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (حاشیہ:۱)

جب یہ ایک قطعی اور یقینی بات ہے کہ کون و مکاں میں حُسنِ صنعت موجود ہے جو کہ ہر چیز میں نظر آ رہا ہے، تو اس سے قطعی، یقینی اور آنکھوں دیکھی چیز کے درجے تک حضرت محمد ﷺ کی رسالت کا ثابت ہونا لازم آتا ہے؛ کیونکہ ان مصنوعات میں حُسنِ صنعت اور جمالِ صورت کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان مصنوعات کے بنانے والے میں ان اشیاء کو خوبصورت بنانے اور اِن کی تزیین و آرائش کی طلب کا انتہائی قوی ارادہ موجود ہے۔ اور خوبصورت بنانے اور تزیین و آرائش کی طلب، ارادہ، دونوں اس چیز کی دلیل ہیں کہ ان مصنوعات کو بنانے والے میں اپنی مصنوعات کی کاریگری اور فنکاری کے کمالات کے اِظہار کی ایک عالی شان محبت اور مقدس رغبت پائی جاتی ہے، اور اس محبت اور رغبت کا قطعی تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں کا مرکز و محور تخلیق و صنعت کے ایسے نمونے میں پایا جائے جو سب سے زیادہ کامل و مکمل، روشن ترین اور دلکش و نایاب ہو، اور وہ ہے انسان؛ کیونکہ انسان شجرِ تخلیق کا وہ پھل ہے جو ادراک و شعور سے مزین ہے، اور پھل کسی بھی درخت کا وہ جزء ہے جو سب سے زیادہ جامع، سب سے بعید، سب سے زیادہ عام نظر رکھنے والا اور ہمہ گیر شعور کا مالک ہوتا ہے۔

اب جو فرد عمومی نظر اور کُلی شعور کا مالک ہو وہی اِس قابل ٹھہرتا ہے کہ اپنے صانع الجمیل کی طرف سے خطاب کا شرف پائے اور اس کے حضور سراپا اطاعت بن کر جھکا رہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی عمومی نظر اور کلی شعور کو اپنے صانع کریم کی بندگی، اس کی مصنوعات کی قدردانی و استحسان اور اس کی نعمتوں کے شکر و سپاس میں مصروف رکھے گا۔ اس لیے اِس کا بدیہی نتیجہ یہی ہوگا کہ ایسا بے مثال فرد ہی بارگاہِ الٰہی میں مقرّب مخاطب اور محبوب کے درجے پر فائز ہو۔

اب ہمارے سامنے دو لوحیں اور دو دائرے آتے ہیں:

**اَوّلاً:** ربوبیت کا دائرہ جس میں انتہائی نظم وضبط، حسن و جمال اور رعب دبدبہ پایا جاتا ہے، اور بے نظیر حسن و جمال کی لوح جس میں انتہائی مضبوطی اور کمال پایا جاتا ہے۔

**ثانیاً:** انتہائی تابندہ و رخشندہ عبودیت یعنی بندگی کا دائرہ، اور تفکر، استحسان، شکر اور ایمان پر مشتمل انتہائی جامع، وسیع اور ہمہ گیر لوح، اس طرح کہ عبودیت کا یہ دائرہ اپنی تمام جہات میں پہلے دائرے کے نام سے حرکت کرتا اور اُسی کے بل بوتے پر عمل کرتا ہے۔

---

(حاشیہ:۱) آل عمران:31

Marfat.com

اب یہ بات بداہتاً یعنی بغیر کسی تکلف کے سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ دائرہ جو کہ خالق و مالک کے اُن مقاصد کی خدمت کے لیے سرگرم عمل ہے جن کا تعلق ان کی مخلوقات اور مصنوعات کے ساتھ ہے، اِس دائرے کے رئیس کا تعلق صانع کے ساتھ بہت گہرا اور مضبوط ہوگا، اور وہ اس کی محبوب اور پسندیدہ ہستی ہوگی۔

اِس چیز کو ذہن میں رکھیں اور سوچیں کہ کیا کوئی عقل یہ بات قبول کرتی ہے کہ انواع و اقسام کی حسن و جمال سے مزین ان مصنوعات کا صانع، اِن گوناگوں اور بوقلموں نعمتوں کا مُنعِم، مخلوقات کے کام و دہن کے لطیف و دقیق ذائقوں کا خیال رکھنے والا اپنی ان کامل ترین اور خوبصورت ترین مصنوعات کی پروا نہ رکھے، اور ایسی مخلوقات کا خیال نہ رکھے جو اس کی بندگی پر متوجہ ہے، جس نے اِس صانع کی صنعت کی خوبیوں اور خوبصورتیوں کی قدردانیوں میں اُس کی تسبیحات و تہلیلات و تکبیرات سے عرش و فرش میں غلغلہ برپا کر دیا ہے! چنانچہ بحر و بر اس مخلوق کے اپنے فاطرُ الجلیل کی حمد و ثنا اور شکر و سپاس سے لبریز نغمات سے مست ہو کر جھوم اٹھے ہیں! کیا ممکن ہے کہ ایسا خالق ایسی مخلوق کی پروا نہ کرے؟ اُس کی طرف توجہ نہ کرے؟ اُس کی طرف اپنے کلام کی وحی نہ کرے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اُسے پیغمبر نہ بنائے؟ اور یہ نہ چاہے کہ اس کا حسنِ اخلاق اور اس کے خوبصورت حالات و واقعات تمام مخلوق تک پہنچ پائیں؟ نہیں! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ اُسے اپنے کلام سے نہ نوازے اور اُسے تمام لوگوں کے لیے رسول نہ بنائے۔

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ ..﴾ (حاشیہ:۲)

## فراق و اجنبیت سے بھری اسیری میں ہنگامِ صبح رونے والے دل کی آہ و زاریاں

تجلی کی بادِ نسیم سحر کے وقت چلتی ہے، اس لیے اے میری آنکھ سحر کے وقت بیدار رہ اور اپنے مولائے کریم سے اس کی نظرِ عنایت کا سوال کر؛ کیونکہ سحری کا وقت گناہگاروں کے لیے توبہ کا وقت ہے۔ اس لیے اے میرے دل! ہنگامِ فجر بیدار ہو کر توبہ و استغفار کرتا ہوا اپنے آقائے کریم کے دروازے پر ماتھا ٹیک دے۔

سحر حشریست، درو هشیار در تسبیح همه شیی۔

بخواب غفلت سر سم نفسم حتی کی؟

عمر عصر لیست سفر باقبر می باید زهر حی۔

ببر خیز نمازی چو نیازی کو بکن آوازی چُوں نی۔

بگو: یارب پشیما نم خجیلم شر مسارم از گناهِ بے شمارم، پریشانم ذلیلم اشك بارم از حیات بے

(حاشیہ:۱) آل عمران:19 (حاشیہ:۲) الفتح:29

Marfat.com

قرار غریبم بے کسم ضعیفم ناتو انم علیلم عاجزم اختیارم بے اختیارم۔ الامان گویم عفو جویم مدد خواہم زدر گاہت الٰہی۔

''سحری حشر ہے، اس میں ہر چیز ہشیار اور تسبیح میں مگن ہے۔
میرا نفس خواب غفلت میں کب تک؟
عمر ایک دور ہے، ہر زندہ کو قبر کے ہمراہ سفر کرنا چاہیے۔
اے نمازی اُٹھ نیاز مندی سے اُسے بنسری کی طرح صدا لگا۔

اور کہہ کہ: اے پروردگار! میں اپنے بے شمار گناہوں کی وجہ سے پشیمان ہوں شرمندہ ہوں، شرمسار ہوں اور اپنی غیر مستقل زندگی کی وجہ سے اشکبار ہوں، میں اجنبی ہوں، بیکس اور بے بس ہوں، ضعیف ہوں ناتواں ہوں، علیل ہوں، عاجز ہوں، اختیار رکھتے ہوئے بھی بے اختیار ہوں۔ الٰہی! تیری درگاہ سے پناہ، عفوو درگزری اور مدد کا طلبگار ہوں۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# اُنیسواں مقالہ

[اس میں خصوصی طور پر رسالتِ محمدی علی صاحبها التحية والسلام پر گفتگو کی گئی ہے۔]

وما مدحتُ محمدًا بمقالتي ولكن مدحت مقالتي بمحمد (ﷺ)

جی ہاں! یہ مقالہ خوبصورت ہے، لیکن جس چیز نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیے ہیں وہ اُوصافِ محمدیہ ہیں جو کہ حسینوں کے حسین ہیں۔

یہ مضمون ''چودھواں لمعہ ہے اور اس میں چودہ بوندیں ہیں۔

## پہلی بوند:

تین عظیم الشان دلیلیں ہیں جو ہمیں ہمارے پروردگار کی پہچان کرواتی ہیں:

ان میں سے ایک؛ کتابِ کائنات ہے۔ جس کی گواہی کے بارے میں آپ تھوڑا بہت ''المثنوی العربی النوری'' کے چودہویں درس میں تیرہ لمعات کی صورت میں سُن چکے ہیں۔ (حاشیہ:۱)

دوسری دلیل: اس عظیم الشان کتاب کی آیتِ کبری ہے، اور وہ ہیں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

تیسری دلیل: قرآن عظیم الشان ہے۔

ہماری ذمے داری اس وقت یہ ہے کہ ہم اس دوسری دلیل یعنی خاتم الانبیاء اور سیدُ المرسلین کی پہچان کریں، اس دلیل کی اہمیت یہ ہے کہ یہ خود ایک برہانِ ناطق یعنی خود اپنا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اور یہ کہ سراپا نیاز ہو کر اُس کی بات سنیں۔

جی ہاں! اُس برہان کی معنوی شخصیت کو دیکھو کہ سطحِ زمین اُس کی مسجد، مکہ اُس کا محراب اور مدینہ اُس کا منبر بن گیا۔ وہ تمام اہلِ ایمان کے پیشوا ہیں، اہلِ ایمان اُن کے پیچھے صفیں باندھ کر اُن کی اِقتدا کرتے ہیں۔ وہ تمام نوعِ بشر کے خطیب ہیں جو انہیں اُن کی سعادت مندیوں کے دستور بتاتے ہیں۔ وہ تمام انبیاء کے سردار ہیں، وہ واضح برہان ہمارے پیغمبر ﷺ ہیں۔ وہ تمام اہلِ ایمان کے پیشوا، تمام نوعِ بشر کے خطیب، تمام انبیاء کے سالار، تمام اُولیاء کے سردار، تمام انبیاء و اُولیاء سے ترکیب پائے ہوئے حلقہء ذکر کے سربراہ ہیں۔ وہ ایک نورانی درخت ہیں، انبیاء اس درخت کے مضبوط اور زندگی سے بھرپور رگ و ریشے ہیں، اور اولیاء اس کی تر و تازہ اور سر سبز ٹہنیاں اور لطیف و تابناک پھل ہیں۔ وہ جو بھی دعوی کرتے ہیں

(حاشیہ:۱) اُستاد نورسی نے یہ بحث اپنی کتاب ''المثنوی العربی النوری'' میں عربی زبان میں لکھی تھی۔ پھر اس کا ترجمہ ترکی زبان میں کیا اور اسے اپنی کتاب ''مقالات'' میں انیسواں مقالہ بنا دیا۔ ہمارے پیشِ نظر اس وقت وہ مضمون ہے جو عربی مترجم احسان قاسم صالحی نے عربی اور ترکی دونوں کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا ہے۔ مترجم۔

Marfat.com

تمام انبیاء اپنے معجزات پر اعتماد کرتے ہوئے اور تمام اولیاء اپنی کرامات پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اور یوں آپ ﷺ کے ہر دعوے پر تمام کاملین کی مہریں ثبت ہیں: چنانچہ اِدھر آپ نے کہا کہ: ''لا الہ الا اللہ'' اور توحید کا دعوی کیا، اُدھر ہم ماضی اور مستقبل کی جہتوں میں گزرے ہوئے اور آنے والے لوگوں کی دو نورانی صفوں۔ یعنی ذکر کے اس دائرے میں بیٹھنے والے انسانوں کے ان سورجوں اور ستاروں۔ سے سنتے ہیں کہ وہ سب کے سب بالاتفاق عین یہی کلمہ دہرا رہے ہیں، اگرچہ ان کے مسالک، مشارب اور مذاہب میں بظاہر تفاوت نظر آتا ہے۔ گویا کہ وہ سب لوگ بالاجماع ''آپ ﷺ کو معنوی طور پر یہ کہہ رہے ہیں کہ: آپ نے حق اور سچ کہا ہے''۔ اب ایک ایسا دعوی جس کی تائید لامحدود گواہوں کی گواہیوں سے ہو جائے، جن کے حسنِ کردار کی تصدیق اُن کے معجزات اور کرامات کر رہے ہوں، ایسے دعوٰی کو کوئی وہم یا خیال کس طرح رد کر سکتا ہے؟

## دُوسری بوند:

یاد رکھو کہ یہ نورانی بُرہان جس نے توحید کی طرف رہنمائی کی ہے اور نوعِ بشر کو اس راہ پر ڈالا ہے، جس طرح اس کی تصدیق و تائید اجماع و اتفاق اور تواتر و تسلسل کے ساتھ نبوت اور ولایت میں پائی جانے والی قوت سے ہوتی ہے۔ اس طرح اس کی تصدیق تورات، انجیل اور دیگر پہلے آسمانی صحیفوں میں سینکڑوں اشاروں کی صورت میں موجود ہے۔ (حاشیہ:۱) اِسی طرح اس کی تائید نبوت سے پہلے پیش آنے والے متعدد واقعات میں پائی جانے والی ہزاروں رمزوں سے ہوتی ہے۔ اسی طرح اُس کی تصدیق غائب سے آنے والی متعدد آوازوں کی بشارتیں اور پیش گوئی کرنے والے کاہنوں کی متواتر گواہیاں کرتی ہیں۔ اسی طرح اس کی تصدیق وہ دلیلیں کرتی ہیں جو اس کے معجزات میں پائی جاتی ہیں، جیسے: شقُّ القمر، انگلیوں سے کوثر کی طرح پانی جاری ہو جانا، اُن کی آواز پر درختوں کا چلے آنا، اُن کی دعا کے دوران ہی بارش کا نازل ہو جانا، ان کے تھوڑے سے کھانے سے بہت سے لوگوں کا سیر ہو جانا، ہرنی، گوہ، بھیڑیے اور پتھر کا کلام کرنا، اور ان جیسے سینکڑوں معجزات جو محقق محدثین اور مؤرخین نے بیان کیے ہیں۔ اسی طرح اس نُورانی برہان کی تصدیق وہ شریعت کرتی ہے جس میں دونوں جہانوں کی سعادتیں جمع ہیں۔

یاد رکھو کہ! جس طرح اُس کی تصدیق یہ آفاقی دلائل کرتے ہیں اسی طرح وہ ایک ایسا سورج ہے جس کی ذات پر خود اس کی ذات ہی دلیل بن گئی ہے، یعنی آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ مطلب یہ ہے کہ آفاقی دلائل کی طرح انفسی دلائل بھی اُس

---

(حاشیہ:۱) حُسین الجسر نے ان تمام کتابوں کی چھان بین کر کے اِن سے ایک سو چودہ (114) اشارے نکالے ہیں اور انہیں اپنی کتاب ''رسالہ حمیدیہ'' میں درج کر دیا ہے جب اِن کتابوں میں تحریف ہو جانے کے باوجود اتنے اشارے موجود ہیں تو پھر یہ بات کسی بھی شک سے بالاتر ہے کہ تحریف سے پہلے یہ بشارتیں ان میں اشاروں کی بجائے صراحتوں کے ساتھ موجود تھیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

کی ایسے ہی تصدیق کرتے ہیں؛ چنانچہ آپ کی ذاتِ گرامی میں بالاتفاق تمام اعلیٰ قسم کے اخلاقِ حمیدہ کا جمع ہو جانا۔ پھر آپ ﷺ کی معنوی شخصیت کا اپنی روحانی ذمہ داری میں تمام فضیلت سے بھری ہوئی قیمتی اور پاکیزہ عادات واطوار کو سمو لینا۔ پھر آپ ﷺ کے زُہد کی قوت سے مزین آپ کی قوتِ ایمان، قوتِ تقویٰ اور قوتِ عبودیت۔ پھر آپ کا اپنی سیرت وکردار کی گواہی پر کمال قسم کا اعتماد، آپ کا اپنی کمال سنجیدگی اور کمال متانت اور پختگی واستواری پر اعتماد۔ اور پھر اسی طرح آپ میں اطمینان کی جو قوت پائی جاتی تھی اور اس قوت کی گواہی کے بل پر آپ کا اپنی تمام حرکات وسکنات یعنی مشن کی تکمیل میں انتہائی پروقار و پراعتماد رہنا۔ یہ تمام چیزیں روشن آفتاب کی طرح اُن کی تصدیق کرتی ہیں کہ وہ اپنے دعویٰ اور کردار میں حق اور حقیقت کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔

## تیسری بوند:

اگر آپ چاہتے ہیں تو آئیں ذرا خیالوں میں سفر کرتے ہوئے نبوت کے بابرکت اور پُر سعادت زمانے میں جزیرۃُ العرب جا کر آپ ﷺ کی زیارت کرتے ہیں اور انہیں اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ لو اب دیکھو کہ: اس مملکت میں جو چیز سب سے پہلے ہماری آنکھوں کے سامنے اُبھرتی ہے وہ: ایک غیر معمولی آدمی ہے، انتہائی خوبصورت ہے، دلکش حسنِ سیرت کا مالک ہے، وہ اپنے ہاتھوں میں ایک بابرکت معجزانہ کتاب پکڑے ہوئے ہے، اُس کی زبان پر مبنی برحقیقت گفتگو ہے، تمام نوعِ انسانی بلکہ تمام جن وانس، بلکہ تمام موجودات کو خطاب کر رہا ہے اور اُن تک ایک ازلی پیغام پہنچا رہا ہے اور انہیں یہ معجزانہ کتاب پڑھ کر سنا رہا ہے۔

ارے! وہ کیا کہہ رہا ہے؟۔ جی ہاں، وہ ایک بہت بڑے راز سے پردہ اٹھا رہا ہے ایک اہم بات کی خبر دے رہا ہے۔ وہ تخلیقِ عالم کی عجیب وغریب اور الجھی ہوئی گتھی سلجھا رہا ہے وہ کون ومکاں کے اسرار ورموز بتا رہا ہے۔ وہ کائنات میں پائی جانے والی حکمت کی پیچیدہ پہیلی اور عالمِ ہستی کے پوشیدہ طلسم کے بند دروازے کھول رہا ہے، اور اُن تین مشکل ترین سوالوں کی وضاحت کر رہا ہے اور اُن کے جواب ڈھونڈ رہا ہے، جن تین سوالوں نے عقل ودانش کو حیرت کی وادیوں میں گم کر رکھا ہے، اور جن کے بارے میں ہر شخص پریشان ہے اور ان کے جواب ڈھونڈتا ہے یعنی یہ کہ:

تُو کون ہے؟

تُو کہاں سے آیا ہے؟

اور تُو کہاں جائے گا؟

## چوتھی بوند:

دیکھو! کہ وہ نورانی شخص کس طرح حقیقت کا تابناک نور پھیلا رہا ہے!

Marfat.com

اب اگر آپ اس کائنات کو آپ ﷺ کی رہنمائی کی روشنی کے بغیر دیکھیں گے تو یہاں ہر طرف ایک ماتم برپا نظر آئے گا، اور یہاں موجود ہر چیز اجنبی اور دشمن نظر آئے گی، کوئی بھی دوسرے کا محرم اور شناسا نہیں ہوگا، بلکہ سب جنازے محسوس ہوں گے، اور تمام لوگ بلکہ حیوانات تک تمہیں وہ یتیم لگیں گے جو زوال و فراق کے بے رحم طمانچوں سے بلبلا رہے ہیں۔

یہ ہے حقیقت کائنات کی، اُس آدمی کے نزدیک جو آپ ﷺ کے نور کے دائرے میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اب اسی کائنات کو آپ ﷺ کے نور کے ذریعے دیکھو۔ ذرا غور سے دیکھو، کائنات کی شکل وصورت تبدیل ہو چکی ہے، وہ عمومی ماتم کدہ ذکر وفکر کی مسجد اور جذب وکیف اور شکر وسپاس کی ایک روح پرور مجلس بن گیا ہے، موجودات جو کہ اجنبی اور دشمن تھیں سب دوست احباب اور بھائی بہن بن گئی ہیں، تمام مردہ اور گونگے جمادات زندہ مانوس اور مامور ومسخر مخلوقات بن گئے ہیں جو اپنی زبانِ حال سے اپنے خالق کی آیات کے ساتھ گفتگو کر رہی ہیں۔ اور رونے بلبلانے اور شکوہ کرنے والے یتیم اپنے وظائف کو سرانجام دے کر اپنی فراغت اور آسودگی کا شکرانہ ادا کرتے ہوئے اپنی تسبیحات میں مصروف ہیں۔

## پانچویں بوند:

آپ ﷺ کے پھیلائے ہوئے اُس نُور کی برکت سے کائنات کی حرکات، تنوعات، تبدلات اور تغیرات بے مقصد اور بے معنی اتفاقات کا کوئی بیہودہ کھیل نہیں کھیل رہے بلکہ ربانی مکتوبات، تکوینی آیات کے صحیفے اور ایسے آئینے بن گئے ہیں جن میں اسمائے الٰہیہ کے عکس جھلملا رہے ہیں، حتی کہ کائنات ترقی کر کے ایک ایسی ربانی کتاب کی شکل اختیار کر گئی ہے کہ جس کے ہر ہر صفحے پر حکمتِ صمدانیہ کی ہزاروں آیات کندہ وعیاں ہیں۔ اور انسان کی طرف دیکھو کہ کس طرح وہ اپنے عجز وفقر اور ماضی کے غم اور مستقبل کے خوف کو یاد دلاتی رہنے والی ناقص عقل کی وجہ سے حیوانیت کی جن پستیوں میں گر چکا تھا، دیکھو، کہ جب اُس کی اسی عقل اور اسی عجز وفقر میں اُس نور کی نورانیت کی جھلک آئی تو یہی انسان ان پستیوں سے نکل کر اوجِ خلافت پر جا بیٹھا، اور دیکھو، کہ وہ عجز وفقر اور عقل جو کہ اُس کی پستی اور گراوٹ کے اسباب بنے تھے وہی اِس نورانی ہستی کے نُور سے روشن ہو جانے کے بعد اُس کی بلندی اور ترقی کے اسباب بن گئے۔

اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ: اگر اس نورانی شخصیت کا وجود نہ ہوتا تو کائنات اور انسان اتھاہ پستیوں میں گرے ہوتے اور ہر چیز عدم کے درجے تک پہنچ گئی ہوتی، اُس کی نہ کوئی قیمت ہوتی نہ اہمیت۔ چنانچہ اس حسین وجمیل اور بے نظیر کائنات کے لئے ایسی غیر معمولی، عظیم الشان، اعلیٰ مقام، اسرار کائنات کی کُنہ تک پہنچنے والی اور اس کے پوشیدہ رازوں سے آشنا کرنے والی ہستی کا ہونا لازمی ٹھہرا، اگر یہ ہستی نہ ہوتی تو نہ یہ کائنات ہوتی اور نہ افلاک۔

Marfat.com

## چھٹی بوند:

اگر آپ یہ کہیں کہ: یہ کون شخص ہے جو ہم دیکھتے ہیں کہ کون ومکان کا خورشید بن گیا ہے اور اپنے دین کے ذریعے کائنات کے کمالات آشکار کئے جارہا ہے! اور وہ کیا کہتا ہے؟ تو جواباً کہا جائے گا کہ: دیکھو، اور سنو کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں: وہ ابدی سعادت کی خبر دے رہے ہیں اور اس کے بارے میں خوشخبری سنا رہے ہیں، وہ بے انتہا رحمت کو بے حجاب کر رہے ہیں اور لوگوں کو اس کے دامن میں پناہ لینے کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ ربوبیت کی قُدرت اور سلطنت کے محاسن کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دوسروں کو اس کے نظارے کے لئے بلاتے ہیں، اور اسمائے الٰہیہ کے چھپے ہوئے خزانوں سے پردہ اٹھاتے ہیں اور ان کی نشان دہی کرتے اور پہچان کراتے ہیں۔

انہیں اُن کی رسالت کی ذمہ داریوں کے حوالے سے دیکھو تو تمہیں نظر آئے گا کہ وہ بُرہانِ حق، سراجِ حقیقت، شمسِ ہدایت اور وسیلۂ سعادت ہیں۔

پھر انہیں اُن کی شخصیت یعنی عبودیت کے حوالے سے دیکھو تو تمہیں نظر آئے گا کہ وہ محبتِ رحمانی کی مثال، رحمتِ ربانی کا نمونہ، حقیقتِ انسانی کا شرف اور شجرِ تخلیق کا تابندہ ودرخشندہ پھل ہیں۔

پھر دیکھو! کہ آپ ﷺ کے نُور اور دین نے کس طرح چمکتی بجلی کی سی تیزی کے ساتھ شرق وغرب کا احاطہ کر لیا۔ اور اب تک نوعِ انسانی کا پانچواں حصہ اور تقریباً آدھی زمین کے باسی آپ کی پیش کی ہوئی رہنمائی کو قبول کر چکے ہیں، اس دِلی یقین اور اطمینان کے ساتھ کہ اس کے لئے اپنی جانوں تک کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔

تو ہمارے نفس اور شیطان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کو اس کے تمام درجات ومراتب سمیت قبول نہیں کرتے ہیں جو کہ اس معزز انسان کے تمام دعوؤں کی بنیاد ہے؟

ساتویں بوند: اب یہ دیکھو کہ اس لمبے چوڑے جزیرے میں بسنے والی مختلف بدوی اور خانہ بدوش قوموں کو آپ ﷺ نے کیا سے کیا بنا دیا ہے! یہ لوگ اپنی عادات کے پکے اور رسموں رواجوں کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے، اپنی خاندانی عصبیتوں اور دشمنیوں میں پرلے درجے کے ضدی اور معاند تھے، اِن لوگوں کی اِن تمام بداخلاقیوں کا آپ ﷺ نے انتہائی قلیل مدت میں قلع قمع کر دیا اور انہیں بلند ترین اخلاقِ حسنہ سے مزین کر دیا۔ اور یوں انہیں انسانی دنیا کے معلم اور مہذب قوموں کا استاد بنا دیا؟

اب دیکھو کہ آپ ﷺ نے اُن کے صرف ظاہری جسموں کو ہی فتح نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے دلوں اور عقلوں کو فتح کیا، روحوں اور جانوں کو مسخر کیا، حتی کہ آپ ﷺ دلوں کے محبوب، عقلوں کے استاد، نفسوں کے مربی اور روحوں کے سُلطان بن گئے۔

Marfat.com

آٹھویں بوند:

یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ کسی چھوٹے سے گروہ سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی عادت بھی_ بطور مثال سگریٹ نوشی ہی لے لیں_ بالکلیہ چھڑوا دینا کبھی کسی بڑے حکمران کے لیے بھی تمام شان و شوکت، ہمت اور وسائل کے باوجود بھی مشکل ہوتا ہے۔ لیکن دیکھو کہ اس نبی کریم ﷺ نے اپنی عادات میں متعصب اور اپنے احساسات میں ضدی بڑی بڑی اقوام کی بہت سی عادات کو تھوڑی سی قوت اور معمولی سی ہمت کے ساتھ اور تھوڑے سے وقت میں جڑ سے اکھاڑ دیا اور اُن کی جگہ اُن کی طبیعتوں میں بلند عادات اور قیمتی اخلاق واطوار کے بیج بو دیے، چنانچہ آپ ﷺ کے ایسے ہزاروں غیر معمولی کارنامے ہماری آنکھوں کے سامنے گھوم پھر رہے ہیں۔ اب جو اُس مبارک دور کی گواہی ماننے کے لئے تیار نہیں اور کہتا ہے کہ میں نے وہ دور دیکھا نہیں، ہم اس کی آنکھوں میں یہ جزیرۃ العرب داخل کر دیتے ہیں اور اُسے چیلنج کرتے ہیں کہ آؤ خود تجربہ کر لو۔ وہ عمرانیات، معاشیات اور نفسیات کے ماہر سینکڑوں فلسفی لے کر موجودہ جزیرۂ عرب میں چلا جائے اور یہ سب لوگ وہاں سو سال کام کریں، اور پھر دیکھ لیں کہ جو کام نبی ﷺ نے اُس گئے گزرے دور میں صرف ایک سال کے عرصے میں کر دکھایا تھا، کیا یہ لوگ سو سال میں اُس کا ایک فیصد بھی کر سکتے ہیں؟

نویں بوند:

تم جانتے ہو کہ کوئی معمولی قسم کا انسان بھی کسی معمولی واقعے، معمولی ذمہ داری، کسی چھوٹے سے مرتبے میں، چھوٹے سے گروہ کے سامنے اور چھوٹے سے موضوع اور حقیر سے مسئلے کے بارے میں بھی بے باک ہو کر صاف سیدھا جھوٹ نہیں بولتا ہے؛ کیونکہ ایسا کرتے وقت اس کے تکلف، تردّد، اضطراب اور چہرے کے اتار چڑھاؤ سے اس کے تنقید نگار دشمن اُس کا جھوٹ پکڑ لیں گے۔ یہ تو ایک عام آدمی اور عام مسئلے کی بات ہے، لیکن اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو ایک بہت بڑی حیثیت کا مالک ہے، بہت بڑے مسئلے کو ثابت اور آشکار کرنا چاہتا ہے، اور بہت بڑے گروہ کے درمیان رہ کر بہت بڑا دعوی کر رہا ہے، کیا ایسے آدمی کے دعوؤں میں کسی حیلے فریب اور دوغلے پن کا عمل دخل ہو سکتا ہے؟ جبکہ حالت یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ مخالفوں اور تنقید نگاروں کے نرغے میں ہے اور اُسے ایسے ماحول میں اپنے حمایتیوں کی بھی ضرورت ہے؟

اور دیکھو کہ ان کٹھن حالات میں اور اتنے بڑے ہجوم میں وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے برملا کہہ رہا ہے، اس کے لہجے میں تردد، ہچکچاہٹ، خوف وخطرہ، اضطراب اور تشویش نام کی کوئی چیز نہیں، وہ جو کچھ کہہ رہا ہے انتہائی صاف دلی اور سنجیدگی سے کہہ رہا ہے۔ اس کی گفتار مخالفین کے اعصاب کو تحریک دیتی ہے، انہیں جھنجھوڑتی ہے، ان کی عقلوں کو نادرست کہتی ہے، اُن کے نفسوں اور روحوں کو حقیر اور کوتاہ قد دکھلاتی ہے اور شدید آسمانی اسلوب سے غرور و نخوت کو خاک میں ملاتی ہے۔ کیا ایسے

Marfat.com

حالات میں یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح کے آدمی کے دعوے کے پس پردہ کوئی حیلہ وفریب یا بناوٹ کارفرما ہے؟ نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا! ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ (حاشیہ:۱)

جی ہاں! حق دھوکہ نہیں دیتا اور حقیقت کی پہچان رکھنے والا آدمی کبھی دھوکہ نہیں کھاتا۔ اس کا مسلک جو حقیقت پر مبنی ہے، کسی بھی حیلے سے مستغنی ہوتا ہے۔ خیال کی کیا مجال ہے کہ وہ اس کی حقیقت بین نظر کے سامنے حقیقت کے بھیس میں آ کر اُسے دھوکہ دے جائے؟۔

## دسویں بوند:

اب دیکھو کہ آپ کیسے حیرت ناک اور از بس ضروری حقائق کو آشکار کر رہے ہیں، اور کتنے ایسے مسائل کا اثبات کر رہے ہیں جن میں دریافت ہو جانے کی کشش پائی جاتی ہے، اور جو آشکار ہونے کے لیے بے تاب بیٹھے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ وہ چیز جو انسان کو سب سے زیادہ متحرک اور برانگیختہ کرتی ہے وہ کسی چیز کو دریافت کرنے کا شوق ہے۔

کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر آپ کو یہ کہا جائے کہ: اگر آپ اپنی آدھی عمر یا آدھا مال قربان کر دیں تو چاند یا مُشتری سے ایک ایسا آدمی اُتر سکتا ہے جو آپ کو ان سیاروں کے عجیب وغریب حالات اور آپ کے مستقبل کے بارے میں سچ بتائے گا، اگر آپ کے پاس انکشاف کا شوق ہو تو آپ اس سودے پر راضی ہو جائیں گے۔ جبکہ آپ ﷺ ایک ایسے سُلطان کے شؤون ومعاملات کی وضاحت کر رہے ہیں جس کی سلطنت میں چاند کی حیثیت اُس مکھی کی سی ہے جو پروانے کے اِردگرد اڑتی پھر رہی ہے، اور یہ چراغ جو ہے، اُس سلطان کے ہزاروں منازل میں سے اسکے ایک مہمان خانہ میں ہزاروں چراغوں میں سے ایک ہے، اسی طرح وہ نبی ایک ایسے جہان کے بارے میں حقیقی خبر دے رہا ہے، جو غیر معمولی اور عجیب وغریب چیزوں پر مشتمل ہے۔ اور اسی طرح وہ ایک عجیب وغریب انقلاب کے بارے میں خبر دے رہا ہے، ایسا انقلاب کہ اگر ہزاروں کرّہ ارض بم ہو کر پھٹ جائے تو بھی اس عجیب وغریب انقلاب جیسے عجیب نہیں ہو سکے گا۔ اگر چاہیں تو اُن کی زبانِ مبارک سے:

﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ ﴿اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ اور ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ جیسی سورتیں سن کر دیکھ لیں۔

اسی طرح آپ پورے اعتماد کے ساتھ ایک ایسے مستقبل کے بارے میں سچی خبر دیتے ہیں کہ: اس سے انسان کا یہ دنیوی مستقبل اُس کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جیسے ایک ناچیز سُراب کا قطرہ بحرِ بے کنار کے مقابلے میں۔ اسی طرح وہ ایک ایسی سنجیدہ خوش بختی کی خوشخبری دیتے ہیں کہ اس دنیا کی تمام خوش بختیاں اس کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے برقِ

---

(حاشیہ:۱) النجم:4

Marfat.com

رواں کی زوال پذیر روشنی دائمی اور پایدار سورج کے مقابلے میں۔

## گیارہویں بوند:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پُراسرار اور عجیب وغریب کائنات کے پسِ پردہ اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب چیزیں ہمارے انتظار میں ہیں، اِس لئے یہ ضروری ہے کہ اُن عجائب وغرائب کے بارے میں خبر دینے کے لیے کوئی غیر معمولی، عجیب وغریب اور فوق العادت شخص ہو جس کے حالات سے اِس بات کا سُراغ ملے کہ وہ پہلے مشاہدہ کرتا ہے پھر شہادت دیتا ہے، پہلے دیکھتا ہے پھر خبر دیتا ہے۔ جی ہاں! اُس کے حالات واطوار سے ہمیں یہ پتا چلے کہ وہ پہلے مشاہدہ کرتا ہے پھر شہادت دیتا ہے اور پھر خوشخبری دیتا ہے یا بُرے انجام سے باخبر کرتا ہے اور اسی طرح وہ خبر دیتا ہے کہ وہ پروردگار جس نے ہم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی برکھا برسائی ہے اُس کی خوشنودیاں اور رضامندیاں کن چیزوں میں ہیں اور وہ ہم سے کن چیزوں کا مطالبہ کرتا ہے، وغیرہ۔

پس غافلوں پر افسوس ہے! گمراہ لوگوں کے خسارے پر دُکھ ہے، اور اکثر لوگوں کی ناسمجھی اور نادانی پر تعجب ہے کہ وہ اس حق اور درست بات کو دیکھ کیوں نہیں سکے اور اس تابندہ حقیقت کو سن کیوں نہیں سکے؟ وہ اس سراپا کرم نبی کی باتوں کو اہمیت کیوں نہیں دیتے، حالانکہ ایسے شخص پر تو جانیں قربان کردی جاتی ہیں اور تمام دنیا کو چھوڑ کر جلدی سے اُس کا دامن پکڑ لیا جاتا ہے؟

## بارہویں بوند:

یہ پیغمبر ﷺ جس طرح وحدانیت اور توحید کی حقانیت کی سچی، منہ بولتی اور حقیقی دلیل ہیں، اسی طرح وہ ابدی سعادت کے لیے بھی ایک قطعی اور روشن دلیل ہیں۔ بلکہ جس طرح وہ اپنی دعوت اور رہبری کی بنا پر ابدی سعادت کے حصول کا سبب اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں، اِسی طرح وہ اپنی دعا اور عبادت گزاری کی وجہ سے اس ابدی سعادت کے وجود کا سبب اور اس کی ایجاد کا وسیلہ ہیں۔

اب دیکھو آپ ﷺ ایک صلوٰۃِ کبریٰ میں ایسے دعا کر رہے ہیں گویا کہ یہ جزیرۃ العرب بلکہ ساری زمین، اس کی عظمت والی نماز کے ساتھ نماز پڑھ رہی ہے اور نیازمندی کا اظہار کر رہی ہے۔ پھر انہیں اس وقت دیکھو جب وہ یہی نماز اس عظیم الشان جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اِس مرتبے میں کہ گویا کہ وہ اپنے زمانے کے محراب میں امام بن کر کھڑے ہیں اور آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے اس دور اور قیامت تک کی بہترین انسانی نسلیں آپ ﷺ کی اقتداء میں آپ ﷺ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑی ہیں اور آپ ﷺ کی دعا پر آمین کہہ رہی ہیں۔ اب غور سے سنو کہ وہ اس با جماعت نماز میں کہہ کیا رہے ہیں؟۔ دیکھو وہ ایک عمومی اور بہت ضروری اور عظیم الشان ضرورت کے پوری ہونے کی دعا

Marfat.com

مانگ رہے ہیں اور تمام ساکنانِ عرش وفرش بلکہ تمام موجودات اس کی اس دعا میں شریک ہیں، چنانچہ یہ موجودات اپنی زبانِ حال سے کہہ رہی ہیں: اے پروردگار! اس کی دعا قبول کرلے اور جو وہ چاہتا ہے وہ اسے دے دے، اور ہم بھی وہی چاہتے ہیں جو وہ طلب کررہا ہے۔ پھر اُن کا اپنے پروردگار کی درگاہ میں آہ وزاری کرنے اور گڑگڑانے کا انداز دیکھو، دیکھو وہ کس فقر وبے نوائی، شدید اشتیاق، گہرے غم واندوہ، اور غمگین محبوبیت کے ساتھ گریہ زاری کررہے ہیں، اس طرح کہ "ان کارونا سارے گلستان کا رونا" بن جاتا ہے، اور ان کی گریہ زاری تمام کائنات کو آہ وبُکا پر آمادہ کردیتی ہے، چنانچہ کائنات روتی گڑگڑاتی ہوئی اُن کی دعاؤں میں شریک ہوجاتی ہے۔

دیکھو، وہ ایک ایسے مقصد اور غرض وغایت کے لیے دعا کررہے ہیں جو کہ انسان کو بلکہ تمام کائنات کو، بلکہ تمام مخلوقات کو؛ درکِ اسفل، گراوٹ، سقوط، عبث، بطلان اور بے ہودگی کی پستیوں سے نکال کر اعلیٰ علّیین، قدر وقیمت، بقا ودوام اور ایک بلند وظیفے تک لے جاتا ہے۔ پھر دیکھو کہ وہ کس طرح گریہ وزاری کرتے ہوئے مدد کے لیے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں۔ کس شدت سے فریاد کررہے ہیں، اور محبت اور شفقت بھرے غمگین دل کے ساتھ اس طرح مصروفِ دعا ہیں کہ تمام موجودات اور عرش وآسمان تک کو اپنی آواز سنا رہے ہیں اور ان پر وجد طاری کرکے ان سے آمین اَللّٰھُمَّ آمین کہلوا رہے ہیں، حتیٰ کہ ایسے لگتا ہے جیسے عرش وآسمان ان کی دعا پر آمین اَللّٰھُمَّ آمِین کہہ رہے ہیں۔

پھر دیکھو کہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کس کے آگے درخواست کررہے ہیں، جی ہاں! وہ اس ذات سے درخواست کررہے ہیں جو قدیر، سمیع، کریم، علیم، بصیر اور رحیم ہے، جو مخفی سے مخفی جاندار کی مخفی سے مخفی حاجت کے ضمن میں مخفی سے مخفی دعا کو سُن لیتا ہے اور اس کی ضرورت پوری کرتا ہے، اور اس بات کا مشاہدہ تو یقیناً ہر آدمی کررہا ہے۔ اسی طرح وہ ادنیٰ سے ادنیٰ جاندار کی ادنیٰ سے ادنیٰ مقصد کے لئے ادنیٰ سے ادنیٰ آرزو کو دیکھ لیتا ہے اور اس کی یہ آرزو اِس طرح سے پوری کردیتا ہے کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا ہے، اور یہ چیز بھی سب کے مشاہدے میں ہے۔ اور وہ انتہائی حکیمانہ اور منظم طریقے سے لطف وعنایت اور رحم وکرم کا سلوک کرتا ہے۔ اس بات میں ذرہ برابر شک نہیں رہ جاتا ہے کہ یہ تربیت اور ترتیب وتدبیر اُس ذات کی طرف سے ہے جو سمیعٌ علیمٌ اور بصیرٌ حکیمٌ ہے۔

## تیرہویں بوند:

حیرانی اس بات پر ہے کہ نسلِ آدم کے تمام بہترین لوگوں کو اپنے پیچھے جمع کرکے، زمین پر کھڑا ہوکر اپنا رخ عرشِ اعظم کی طرف کیے ہوئے اپنے ہاتھ بلند کرکے دعا کرنے والا اشرفِ نوعِ انسان، یگانۂ زمان، فریدِ کون ومکان اور حقیقت میں فخرِ جہاں آخر کیا طلب کررہا ہے؟

Marfat.com

دیکھو اور اُن سب کے ساتھ ساتھ وہ اُن تمام اسماء الٰہیہ کو چاہتا ہے جو موجودات کے آئینوں میں منعکس ہو رہے ہیں اور اس کے جمال و کلمات کو منعکس کر رہے ہیں۔

غور سے سنو! وہ یہ چیزیں طلب کر رہا ہے:

☆بقا۔ ☆لِقا۔

☆جنت۔ ☆رضاف۔

اگر چہ رحمت، عنایت، حکمت اور عدالت جیسے وہ لاتعداد اسباب نہ بھی پائے جائیں جو اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ابدی سعادت ضرور ہونی چاہیے، پھر بھی اس نورانی شخص کی فقط دعا ہی اُس جنت کی تعمیر کا سبب بن جاتی جس کی تخلیق جو کہ قدرتِ الٰہیہ کے لیے ایسے ہی آسان ہے جیسے ہمارے موسم بہار کو وجود میں لانا۔

جی ہاں، جس طرح آپ ﷺ کی رسالت اس دارالامتحان کے دروازے کو کھولنے کا سبب بن گئی ہے اسی طرح آپ ﷺ کی عبودیت بھی دارالآخرت کا دروازہ کھولنے کا سبب ہے۔

تو کیا یہ بات ممکن ہے کہ اِس بلند و بالا انتظام میں، اِس وسیع و عریض رحمت میں، کسی بھی نقص سے خالی اِس خوبصورت صنعت گری میں، کسی بھی بدصورتی سے پاک اِس حسن و جمال میں، اُس صنعت گری جو اتنی کامل و مکمل اور خوبصورت ہے کہ اہل عقل و تحقیق یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ: "لیس فی الامکان ابدع مما کان"، جو کچھ بن چکا ہے اس سے زیادہ عمدہ اور حیرت انگیز کچھ بھی بنانا ممکن نہیں ہے"؛ کیا یہ ممکن ہے کہ اِن حقائق میں ناپسندیدہ بدصورتی کی آمیزش ہو جائے؟ کسی وحشتناک ظلم و ناانصافی کی ان تک رسائی ہو جائے؟ کسی ناموافق بدنظمی، آشفتگی اور پراگندگی کا ان میں عمل دخل ہو جائے؟ مطلب یہ ہے یہ حسنِ انتظام، یہ رحمت، عنایت، حکمت اور عدالت کے خوشنما حقائق جن کا حسن و جمال یوم آخرت پر موقوف ہے، یہ سب کے سب آخرت کے نہ آنے کی وجہ سے تبدیل نہیں ہو سکتے۔؛ کیونکہ ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کی ادنیٰ سے ادنیٰ حاجت میں کمزور سے کمزور آواز تو سُنی جائے اور پورے اہتمام کے ساتھ اس کی حاجت بھی پوری کر دی جائے لیکن انسان جیسی مخلوق کی شدید ترین حاجت میں بلند ترین آواز میں مانگی گئی دُعا نہ سُنی جائے اور خوبصورت ترین اُمید و آرزو کے ضمن میں حسین ترین درخواست سمجھی نہ جائے اور پوری نہ کی جائے، یہ چیز بہت بڑی بدصورتی اور ایسی کمی کوتاہی ہے کہ اس کے برابر کوئی کمی کوتاہی نہیں ہو سکتی۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا! ایسا بے داغ اور کمی کوتاہی سے پاک حسن جمال ایسی بدصورتی کو قبول کر کے بدصورت نہیں ہو سکتا۔

اے میرے خیالی دوست! فی الحال یہی کافی ہے۔ چلو اب واپس چلتے ہیں ورنہ اگر ہم اس زمانے میں اور اس جزیرے میں سو سال بھی رہ لیں تو بھی ہم آپ ﷺ کی عجیب و غریب کاروائیوں اور نادرِ روزگار کارناموں کا سو میں سے

Marfat.com

ایک حصے کا بھی احاطہ نہیں کر سکیں گے اور جی بھر کر لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے۔ اس لیے ہمیں اب اسی راستے سے واپس لوٹ جانا چاہیے جس سے آئے ہیں۔ اور واپس جاتے ہوئے راستے میں ہر صدی پر اور ہر دور پر نظر ڈالتے جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کس طرح ہر دور پھلا پھولا اور اُس نے دورِ نبوت سے فیض حاصل کیا! جی ہاں، ہم جس دور سے بھی گزرتے ہیں دیکھتے ہیں کہ عصرِ نبوت کے آفتاب کی تب و تاب سے اس دور کی کلیاں چٹکی ہیں اور پھول مسکرائے ہیں، اور ہر دور نے اِس نورانی شخص کے فیضانِ ہدایت سے ابوحنیفہ، شافعی، بایزید بسطامی، شاہ عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، شاہِ نقشبند اور امام مجدد الف ثانی جیسے لاکھوں میٹھے اور تر و تازہ پھل عطا کیے ہیں۔

واپسی کے اس سفر میں ہم نے ہر دور میں کیا کچھ دیکھا، اس کی تفصیلات کسی اور وقت کے لیے اُٹھا رکھتے ہیں، سرِ دست ہم اُس نورانی ذات، ہادی برحق صاحبِ معجزات کو اس طرز کا درود و سلام پیش کرتے ہیں جس میں اُس کے کچھ قطعی معجزات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے:

علـى مَن أُنزِلَ عليهِ القرآنُ الحكيمُ مِن الرحمنِ الرحيمِ من العرش العظيم سيدنا محمد الفُ الفِ صلاةٍ والفُ الفِ سلامٍ بعدد انفاس أمته.

علـى مـن بشر برسالته التوراة والانجيل والزبور والزبر، و بشّر بنبوته الارهاصات و هواتف الـجـن واولـيـاء الِانـس و كـواهن البشر وانشق باشارته القمر. سيدنا محمد الف الف صلاة وسلام بعددانفاس حسنات أمته.

على من جاء ت لدعوته الشجر، و نزل سرعة بدعائه المطر، واظلته الغمامة من الحر، وشبع مـن صاع من طعامه مآت من البشر، ونبع الماء من بين اصابعه ثلاث مرات كالكوثر، وأنطق الله له الـضـب والـظبي والـذئب والجذع والذراع والجمل والجبل والحجر والمدر والشجر. صاحب المعراج وما زاغ البصر.

سيـدنـا و شـفيـعـنا محمد الف الف صلاة وسلام بعدد كل الحروف المتشكلة فى الكلمات الـمتمثلة باذن الرحمان في مرايا تموجات الهواء عند قرائة كل كلمة من القرآن من كل قارىء من أول نزول الى آخر الزمان واغفر لناوارحمنا يا الٰهنا بكل صلاة منها. آمين

نبوتِ محمدیہ کے جن دلائل کی طرف اس مقالے میں اجمال کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، اُن کی تفصیلی وضاحت ترکی میں قلمبند کیے گئے ''معرفتِ نبی کی چند شعاعیں'' نامی مضمون میں اور ''انیسویں مکتوب'' میں سپردِ قلم کر دی گئی ہے۔ اِسی طرح اُس میں اجمالی طور پر قرآنِ کریم کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ اسی طرح ترکی زبان میں لکھے گئے ''لمعات'' نامی مضمون میں

Marfat.com

اور ''پچیسویں مقالے'' میں اس بات پر اجمالی طور پر روشنی ڈال دی گئی ہے کہ قرآن چالیس پہلوؤں سے معجز ہے اور اس میں مَیں نے اعجاز القرآن کے چالیس پہلوؤں کی طرف اشارہ کر دیا ہیف۔ اور ان چالیس پہلوؤں میں سے مَیں نے ''اپنی اشارات الاعجاز'' نامی عربی تفسیر کے چالیس صفحات میں فقط اُس بلاغت پر گفتگو کی ہے جو قرآن کے نظم وترتیب میں پائی جاتی ہے۔

ضرورت ہو تو ان مذکورہ تین کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہو۔

## چودہویں بوند:

یاد رہے کہ قرآن کریم جو کہ معجزات کا خزانہ ہے اور بذات خود بھی سب سے بڑا معجزہ ہے، نبوت محمدی اور اللہ کی وحدانیت کا اس طرح اثبات کرتا ہے کہ اس کے بعد کسی دوسرے ثبوت کی ضرورت نہیں رہ جاتی، اور اس بات پر ایسے دلائل وبراہین قائم کرتا ہے کہ کسی بھی دوسری دلیل سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

ہم یہاں پہلے تو قرآن کی تعریف کریں گے، اور پھر اس کی ان معجزانہ جھلکیوں کی طرف اشارہ کریں گے جن کی وجہ سے کچھ لوگوں کے ذہنوں میں مختلف قسم کے اعتراضات اُٹھتے ہیں۔

قرآنِ حکیم جو ہمیں ہمارے پروردگار کی پہچان کرواتا ہے وہ: اس کائنات کا ازلی ترجمہ اور منہ بولتا مفہوم ہے۔ کائنات کی تکوینی آیات کی تلاوت کرنے والی زبانوں کا ابدی ترجمان اور کتابِ ہستی کا مفسر ہے۔ وہ خداوندِ کریم کے خوبصورت ناموں کے ان مخفی خزانوں سے پردہ اٹھاتا ہے جو زمین وآسمان کے صحیفوں میں پنہاں ہیں۔ اسی طرح وہ اُن اُمور ومعاملات کے حقائق کو کھولنے کی شاہ کلید ہے جو حادثات کی سطروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ اسی طرح وہ اِس عالمِ شہادت میں عالمِ غیب کی زبان ہے۔ اسی طرح وہ پروردگارِ عالم کے ازلی مخاطباتِ سُبحانیہ اور ابدی التفاتات وعنایات رحمانیہ کا خزانہ ہے۔ اِسی طرح وہ اس معنوی اور روحانی عالمِ اسلام کا چمکتا ہوا سورج، اس کی بنیاد واساس، منصوبہ اور عالمِ آخرت کا رہنما نقشہ ہے۔

اِسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اَسماء وصفات اور شؤون ومعاملات کا قولِ شارح، تفسیرِ واضح، برہانِ ناطق اور تابندہ ترجمان ہے۔ اسی طرح وہ عالم انسانی کا مربّی۔ وہ انسانیتِ کبریٰ یعنی اسلامیت کے لئے پانی اور روشنی کی طرح ہے۔ اِسی طرح وہ نوعِ بشری کے لیے حقیقی حکمت کا رُوپ ہے اور نوعِ انسانی کو اس کی حقیقی منزل تک پہنچانے والا حقیقی رہنما ہے۔ وہ ہر انسان کے لیے:

جیسے کتاب شریعت ہے ویسے ہی کتابِ حکمت بھی ہے۔

جیسے کتابِ دعا وبندگی ہے ویسے ہی کتابِ اِمر ودعوت ہے۔ جیسے کتاب ذکر ہے ویسے ہی کتابِ فکر ہے۔

Marfat.com

جیسے وہ ہے تو ایک کتاب لیکن انسان کی تمام نظر نہ آنے والی حاجات وضروریات کے حساب سے متعدد کتابوں کا مجموعہ ہے، ویسے ہی وہ ایک مقدس لائبریری یا کتب خانہ ہے جو بہت سی کتابوں، رسالوں اور جرائد وغیرہ سے بھرا پڑا ہے اور جس میں تمام اولیاء، صدیقین، اصفیاء اور محققین کو اُن سب کے مسالک، مشارب، مذاہب اور اذواق واشواق کے حساب سے علیحدہ علیحدہ پیغام ہے۔ اور اُس کا وہ پیغام اُس مسلک ومشرب کے ذوق، طبعیت اور ذہنی روش اور فکری تصویر کے عین مطابق واقع ہوا ہے۔

ذرا ایک نظر اس کے تکرار میں پائے جانے والی اعجاز کی تابانی پر ڈالیں، جس تکرار کے بارے میں یہ وہم کیا جاتا ہے کہ یہ کوتاہ دامنی کا سبب ہے، قرآن چونکہ کتابِ ذکر، کتابِ دُعا اور کتابِ دعوت ہے، اس لیے اس میں تکرار ایک خوبصورت، مفیدِ مطلب بلکہ لازمی چیز ہے، بے معنی چیز نہیں جیسے کہ کوتاہ نظر لوگ سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر کا تکرار کیا جاتا ہے، دعا دہرائی جاتی ہے اور دعوت کی بار بار تاکید کی جاتی ہے؛ کیونکہ ذکر کے تکرار سے ذہن ودماغ کو روشنی ملتی ہے۔ دعا دہرانے میں پختگی ہے اور امر اور دعوت کے تکرار میں تاکید پائی جاتی ہے۔

یاد رکھو کہ:

ہر کوئی ہر وقت پورا قرآن پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا لیکن ایک سورت پڑھنے کی قدرت اس میں غالباً ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اللہ حکیم الرحیم نے قرآن کریم کے اکثر مقاصد اکثر سورتوں میں مندرج کر دیے ہیں، اور خاص کر طویل سُورتوں میں۔ چنانچہ ہر سورت بذاتِ خود ایک چھوٹا سا قرآن بن گئی ہے، اور یوں اللہ نے ہر آدمی کے لیے کسی کو بھی محروم کیے بغیر راستہ آسان کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر اُس نے توحید، حشر اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بہت دفعہ دہرایا ہے۔

یاد رکھو کہ:

جسمانی حاجات وضروریات مختلف اوقات میں مختلف ہوتی ہیں، اسی طرح انسان کی روحانی کیفیات ہر وقت مختلف ہوتی ہیں۔ اور جس طرح جسم کو ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روح کو بھی اپنی ہوا کی ضرورت ہوتی ہے، بنا بریں، اس کی ایک قسم کی ہمہ وقتی ضروریات کے لئے تو (ھُوَ اللہ) جیسے الفاظ ہیں اور دوسری قسم کے لیے ہر گھنٹہ (بسم اللہ) جیسے الفاظ ضروری ہیں۔

تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آیات وکلمات کا تکرار ضرورت واحتیاج کے تکرار پر دلالت کرنے کے لیے، اس احتیاج کی شدت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے، رگِ احتیاج کو جگانے اور بیدار کرنے کے لیے، اس احتیاج اور شوق کو پیدا کرنے کے لیے، اور ان معنوی غذاؤں کے لیے احتیاج کی اشتہا کو تحریک دینے کے لیے ہے۔

یاد رکھو کہ:

Marfat.com

قرآن اِس دین متین کا مؤسس اور بانی ہے، اور اِس عالم اِسلام کی بنیادوں کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ بشری اجتماعات اور سماجی زندگیوں میں انقلابات، تغیرات اور تبدّلات برپا کرنے والا ہے۔ اور نوع انسانی کے مختلف طبقات کی زبانِ حال اور زبانِ قال سے جو سوالات بار بار اُٹھتے ہیں ان سب سوالوں کا تسلی بخش جواب ہے۔ بنا بریں، مؤسّس یعنی بنانے والے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی نئی چیز کو بناتے وقت اس کی پائیداری و استحکام کے لیے اس کا تکرار اور اعادہ کرے، اسے ذہنوں میں پختہ کرنے کے لیے اس کو بار بار دہرائے، اور اس کی توثیق، تائید اور استواری کے لیے اسے مکرر عمل میں لائے۔

یاد رکھو کہ:

قرآن بڑے بڑے اور عظیم الشان مسائل سے بحث کرتا ہے اور دلوں کو اُن پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اور وہ گہرے اور دقیق حقائق سے بحث کرتا ہے اور عقلوں کو ان کی پہچان کی دعوت دیتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ان مسائل و حقائق کو مختلف صورتوں اور گوناگوں اسالیب میں بار بار دُہرایا جائے تاکہ وہ دلوں میں گھر کر جائیں، ذہنوں میں بیٹھ جائیں اور عمومی افکار میں جم جائیں۔

یاد رکھو کہ:

ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، ایک حد ہے اور ایک مُطّلع ہے (حاشیہ:۱) اور ہر قصے کے کئی پہلو ہیں، اُس میں کئی احکام پائے جاتے ہیں، وہ کئی فوائد پر مشتمل ہوتا ہے اور اسے سنانے کے کئی مقصد ہوتے ہیں۔ اس لیے اُسے ایک جگہ کسی اور وجہ سے اور ایک سورت میں کسی ایک مقصد کے لیے ذکر کیا جاتا ہے تو دوسری جگہ کسی اور مقصد کے لیے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو تکرار صرف ظاہری صورت میں ہی محسوس ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ قرآن آفاقی اور کائناتی مسائل کسی جگہ تو اجمالی طریقے سے بیان کر جاتا ہے اور کہیں مُبہم طریقے سے، تو یہ طریقِ کار بھی رہنمائی کے لیے اُس کے درخشندہ اعجاز کا ایک پَرتو ہے، کمی کوتاہی، عیب اور مدارِ تنقید نہیں جیسے کہ ملحد لوگوں کا خیال ہے۔

---

(حاشیہ:۱) مُطّلع عربی زبان میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے جھانکا جائے۔ انسان اگر کسی عام سطح پر کھڑا ہو کر دیکھے تو اُسے قریب قریب کی چیزیں ہی نظر آئیں گی۔ لیکن جوں جوں بلند ہوتا جائے گا اُسے بہت دُور تک کی چیزیں نظر آتی جائیں گی۔ قرآنِ کریم سے فیض حاصل کرنے کی یہی صورتِ حال ہے، اس کا ایک ظاہری اور اوپری مفہوم ہوتا ہے جو سادہ طور پر پڑھنے سے سمجھ آجاتا ہے اور ایک گہرا مفہوم ہے جو غور و فکر کے بعد سمجھ میں آتا ہے، اور اس گہرے مفہوم کی بے شمار تہیں اور پرتیں ہیں۔

"عن ابن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ انما انزل القرآن على سبعة أحرف لكل آية منها ظهر و بطن ولكل حدّ مُطلع" [شرح السنة]۔ مترجم۔

Marfat.com

اگر آپ یہ کہیں: قرآن کریم جب کائنات کو موضوع بحث بناتا ہے تو وہ انداز کیوں نہیں اپناتا جو فلسفہ و حکمت کا ہے، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کائنات سے متعلقہ بعض مسائل کا کہیں تو بالکل مجمل طور پر ذکر کر جاتا ہے، اور بعض مسائل کا عوام کی سوچ سمجھ اور فکر و شعور کا لحاظ رکھ کر بظاہر بڑے سیدھے سادھے اور سطحی سے انداز میں ذکر کرتا ہے، اس طرح کہ عوام کی سوچ فکر کو کسی تکلیف یا مشقت میں نہیں پڑنے دیتا؟

**تو اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ:**

اس کی وجہ یہ ہے کہ فلسفہ راہِ حقیقت سے برگشتہ ہو کر کسی اور راستے پر جا نکلا ہے۔ اور گزشتہ دروس اور مقالات سے یہ بات تو آپ یقیناً سمجھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کائنات کے بارے میں چلتے چلتے ہلکے پھلکے انداز میں بحث کر جاتا ہے، صرف اس لیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے اسمائے حسنیٰ پر دلائل قائم کر سکے، یعنی وہ کائنات کی اس کتاب کے معانی و مطالب کو اس لیے ذہن نشیں کراتا ہے تاکہ اُس کے خالق و مالک کی پہچان کرا سکے۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ موجودات کو اُن کی ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ اُن کے مُوجد کے لیے دیکھتا ہے، مزید یہ کہ قرآنِ پاک کے مخاطب عوام الناس ہوتے ہیں۔

لیکن فلسفہ ان موجودات کو موجودات کے لیے دیکھتا ہے، اور یہ کہ اس کے مخاطب خصوصی طور پر فلاسفر اور سائنسدان ہوتے ہیں۔

بنابریں، قرآن کریم چونکہ موجودات کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے لیے دلیل اور برہان کے طور پر استعمال کرتا ہے اس لیے یہ یاد رکھیں کہ دلیل اور برہان کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ بالکل واضح، روشن اور ظاہر ہو، تاکہ اِس سے جو نتیجہ برآمد ہو وہ عوام کے لیے بالکل نمایاں اور آشکار ہو۔

مزید برآں قرآن چونکہ ایک مرشد اور رہنما کی حیثیت رکھتا ہے، اِس لیے ارشاد و ہدایت کی بلاغت اور ذہنی رسائی کا حق یہ ہے کہ وہ عوام کی فکر و نظر کی ہمقدم ہو، ان کے احساسات کی ہمنوا و ہم رکاب اور جمہور کی سوچ بچار کے ساتھ مانوس اور ہم آہنگ ہو، تاکہ ان کی نظر بے فائدہ وحشت یا نامانوسیت سے اور ان کا فکر و اندیشہ بے سود آشفتگی و پریشانی سے دو چار نہ ہو۔ اور تاکہ اُن کا اِحساس و شعور بے مصلحت پراگندہ نہ ہو پائے اس لیے ان کے ساتھ بلیغ ترین اور قلب و دماغ تک رسائی حاصل کر جانے والا خطاب یا رہنمائی والا انداز وہ ہوگا جو بالکل واضح، آسان اور سیدھا سادھا ہو جسے سمجھنے سے وہ عاجز نہ آئیں، مختصر سا ہو اُنہیں اُکتاہٹ میں نہ ڈالے، جس مسئلے کی انہیں تفصیل درکار نہیں اُسے اجمالی طور پر بیان کر دینے والا ہو، اور جو چیز اُن کی سمجھ سے بالاتر ہو اُسے مثالوں کے ساتھ سمجھا دینے والا ہو۔

اب قرآن چونکہ انسانوں کے ہر طبقے کا مرشد اور رہنما ہے، اس لیے اِرشاد و رہنمائی کی بلاغت کا لازمی حق یہ ہے کہ

Marfat.com

وہ اُن مسائل کو جو عوام الناس کی ظاہری نظروں میں بالکل بدیہی اور واضح ہیں، ایسے انداز سے ذکر نہ کرے جو انہیں مغالطے میں ڈال دے اور وہ انہیں سمجھ نہ سکنے کی وجہ سے ان کا انکار کر دیں۔ اور اسی طرح جو چیز ان کے ہاں معروف، مانوس اور محسوس ہے اس چیز کو بغیر کسی ضروری وجہ کے تبدیل نہ کرے۔ اور یہ کہ جو چیز ان کے اصل وظیفہء حیات کے ساتھ گہرا تعلق نہیں رکھتی ہے اُسے یا تو نظر انداز کر دے یا پھر اس کا ذکر اختصار کے ساتھ سرسری طور پر کر کے آگے نکل جائے۔

مثال کے طور پر سورج کے بارے میں کہتا ہے، کیونکہ سورج سے سورج کے لیے یا اس کی ماہیت کے بارے میں بحث نہیں کرتا، بلکہ اس طرح کہ ''وہ گھومتا پھرتا ایک چراغ ہے''! بلکہ اس کی ڈیوٹی کے متعلق بحث کرتا ہے کہ کس طرح یہ کائنات کی صنعت گری اور تخلیق کے انتظام کے مرکز و محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور کائنات کا یہ نظم و ضبط اور انتظام و انصرام تو وہ آئینے ہیں جن میں اُس صانع جلیل کی معرفت کی جھلک منعکس ہوتی ہے۔

جی ہاں، وہ کہتا ہے کہ ''والشمس تجری''، یعنی سورج گھومتا یا چکر لگاتا ہے، اور یوں اس تعبیر کے ساتھ وہ گرمی و سردی اور لیل و نہار کی گردشوں میں پائی جانے والی منظم قدرت کے تصرفات کو یاد دلا کر صانع کی عظمت ذہن نشین کراتا ہے۔ اب سورج کے اس ''چلنے'' یا گھومنے کی حقیقت جو بھی ہو، اُس انتظام پر کوئی زد نہیں پڑتی جو مقصود ہے، منسوج ہے اور مشہود ہے۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ: ﴿وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾ (حاشیہ:۱) اللہ نے سورج کو ایک چراغ بنایا ہے۔ سورج کو چراغ کہنے سے کائنات کی تصویر کچھ اس طرح کی بنتی ہے کہ یہ ایک بہت بڑا محل ہے اور اس میں پائی جانے والی تمام چیزیں اس محل کی تزیین و آرائش اور اس میں رہنے والوں اور آنے جانے والے مسافروں کے لئے کھانے پینے کا سامان اور دیگر لوازمات ہیں۔ اور یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ ایک رحیم و کریم ہستی نے اِس محل کے باسیوں کے لئے اپنے ہاتھ سے یہ سب کچھ تیار کیا ہے۔ اور یہ کہ سورج کی حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک تابع فرمان چراغ ہے جو اس محل کے تمام گوشوں میں روشنی پھیلا رہا ہے۔

اور اس کے لطف و کرم کا احساس اس کی سلطنت کی عظمت میں پنہاں ہے۔

اب آؤ اور ذرا دیکھو کہ ایک یاوہ گو فلسفی سورج کے بارے میں کیا کہتا ہے، فلسفی کہتا ہے: ''سورج سیال آگ کا ایک بہت بڑا تودہ ہے جو اپنی جگہ پر تیزی سے اپنے گرد گھوم رہا ہے، تیزی سے گھومنے کی وجہ سے آگ کے اس گولے سے کچھ شرارے ٹوٹ کر اِدھر اُدھر بکھر گئے جو ٹھنڈے ہو کر ہماری یہ زمین اور دیگر سیارے بن گئے اور پھر یہ بڑے بڑے سیارے بھی اس کے ارد گرد گھومنے لگے۔ سورج کی ضخامت اتنی بڑی ہے۔ اور اس کی ماہیت اس طرح کی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

خود ہی بتاؤ کہ فلسفے یا سائنس کی اس وضاحت سے تمہارے قلب و روح کو کیا غذا ملی؟ حقیقت یہ ہے کہ فلسفیانہ

(حاشیہ:۱) نوح:16

Marfat.com

بیانات سے روح کو حیرت، دہشت، آشفتگی اور وحشت کے سوا نہ تو کوئی عملی کمال حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی یہ بحث ونظر کا وہ انداز اپناتا ہے جو قرآن کا ہے۔

اس سے تم پر یہ کھل جائے گا کہ فلسفیانہ مسائل باہر سے تو بڑے شاندار، تابناک اور خوشنما لگتے ہیں لیکن اندر سے بالکل کھوکھلے ہیں، اس لیے اس کی ظاہری چمک دمک سے دھوکا کھا کر قرآن کے معجزانہ طرزِ بیان سے منہ پھیر کر اس کی بے ادبی نہ کر بیٹھنا۔

اللهم اجعل القرآن شفاء لنا ولكاتبه وأمثاله من كل داء ، و مؤنسا لنا ولهم في حياتنا وبعد موتنا ، وفي الدنيا قرينا، و في القبر مؤنسا، وفي القيامة شفيعا، وعلى الصراط نورا، ومن النار سترا وحجابا، وفي الجنة رفيقا، والى الخيرات كلها دليلا و اماما، بفضلك و جودك و كرمك و رحمتك يا أكرم الأكرمين و يا أرحم الراحمين آمين.

اللهم صل و سلم على من أُنزل عليه القرآن الحكيم و على آله وصحبه أجمعين آمين . آمين

تنبیہ:

"المثنوي العربي النوري" میں لکھی گئی چودھویں بوند چھ قطرات پر مشتمل ہے، اور خاص کر چوتھے قطرے کے چھ نکات ہیں جو کہ اعجاز القرآن کی پندرہ انواع کی وضاحت کرتے ہیں، اور ان پندرہ انواع کی تعداد ذیلی تقسیمات کے لحاظ سے چالیس تک جا پہنچتی ہے۔ اُن کے پیشِ نظر ہم نے اس مقام پر اختصار کے ساتھ کام لیا ہے۔ آپ چاہیں تو ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں، یقیناً انہیں معجزات کا خزانہ پائیں گے۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# بیسواں مقالہ

## (اس میں دو مقام ہیں)

### پہلا مقام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلآ ئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِآدَمَ فَسَجَدُوْا اِلَّآ اِبْلِیْسَ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً﴾ (حاشیہ:۲)

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَهِیَ کَالْحِجَارَۃِ اَوْاَشَدُّ قَسْوَۃً﴾ (حاشیہ:۳)

ایک دِن میں ان آیات کریمہ کی تلاوت کر رہا تھا کہ اچانک قرآن کریم کے فیض کے نُور سے ابلیس کے وسوسوں کے آگے بند باندھنے کے لئے ایک الہام ہوا جو تین نکتوں پر مشتمل تھا! شُبہ جو وارد کیا جاتا ہے اس کی صورت کچھ یُوں ہے:

شیطان نے کہا: تم کہتے ہو کہ: قرآن معجزہ ہے اور بلاغت کی چوٹیوں پر فائز ہے، اور یہ کہ وہ ہر وقت اور ہر ایک کے لیے ہدایت ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ جب چھوٹے چھوٹے تاریخی حوادث ذکر کرتا ہے، اُن واقعات وحوادث پر زور دیتا ہے اور انہیں بار بار دہراتا ہے تو اس سے اُس کے سامنے کون سا مقصد ہوتا ہے؟ اور ایک چھوٹا سا جزوی حادثہ ذکر کرنے کا موجب کیا ہے؟ جیسے گائے ذبح کرنے کا واقعہ۔ اور یہ کہ اس ضمن میں اُس نے گائے کے تمام اوصاف تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ اور اس عظیم سورت کا نام ہی ''البقرہ'' رکھ دیا گیا؟۔

پھر قرآن عام طور پر اربابِ عقل وشعور کی رہنمائی کرتا ہے اور بہت سی جگہوں پر ''اَفَلاَ یَعْقِلُوْنَ'' جیسے جملے ذکر کرتا ہے، یعنی عقل کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، جبکہ آدم علیہ السلام کے آگے فرشتوں کے جھکنے کا واقعہ محض ایک غیبی امر ہے جسے عقل قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتی، الا یہ کہ کوئی انتہائی مضبوط ایمان، اطمینان اور تسلیم ورضا کی دولت سے نواز دیا جائے۔

پھر قرآن پتھروں میں اتفاقاً وقوع پذیر ہونے والے طبعی حالات کو جو اس قدر اہمیت دیتا ہے، اُس میں کون سا ہدایت کا پہلو پایا جاتا ہے؟

---

(حاشیہ:۱) البقرۃ:34

(حاشیہ:۲) البقرۃ:67

(حاشیہ:۳) البقرۃ:4

Marfat.com

اور جو نکتے الہام ہوئے اُن کی صورت کچھ اس طرح ہے:

**پہلا نکتہ:**

قرآنِ حکیم میں بہت سے جزوی حوادث وواقعات کا ذکر ہے، لیکن ہر حادثے یا واقعے کے پیچھے ایک عظیم الشان کلّی دستور اور عالمگیر اصول چھپا ہوا ہے، مثلاً آیتِ کریمہ ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾، کہ آدم علیہ السلام کو جو اَسماء کی تعلیم دی گئی وہ اُن کا فرشتوں کے سامنے ایک معجزہ تھا، جس سے مقصود یہ تھا کہ اُن میں خلافت کی جو استعداد تھی اُسے ظاہر کیا جائے۔ اور یہ چیز اگرچہ ایک جزوی حادثہ ہے لیکن ایک ''کلّی دستور'' کا حصہ ہے، اور وہ کلّی دستور یہ ہے کہ:

انسان جو کہ ہمہ گیر استعداد کا مالک ہے، اِسے بے حدوحساب علوم سکھا دینا اور تمام کائنات کا اِحاطہ کر لینے والے بے شمار فنون سے مزین کر دینا، اور اِس پر مزید یہ کہ اُسے خالقِ الکریم کی صفات اور اُس کے پُرحکمت افعال پر مشتمل بہت سے معارف سے آراستہ کر دینا۔ یہی وہ تعلیم ہے جس نے انسان کو امانتِ کُبریٰ کی ذمہ داری اُٹھانے کے باب میں نہ صرف فرشتوں پر بلکہ آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر بھی فضیلت حاصل کر لینے کا اہل بنا دیا ہے۔

قرآن جہاں زمین پر انسان کی معنوی خلافت کا ذکر کرتا ہے وہاں اس بات کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا اور شیطان کا اُسے سجدہ نہ کرنا اگرچہ ایک جزوی اور غیبی واقعہ ہے لیکن اس میں ایک بہت کلّی اور بہت وسیع قسم کا کُھلی آنکھوں نظر آنے والا دستور پایا جاتا ہے۔ اور پھر یہ عین اُسی وقت ایک اور بہت بڑی حقیقت کا احساس دلاتا ہے، اور وہ یہ کہ قرآن کریم جب یہ بتاتا ہے کہ فرشتوں نے حکم کی اِطاعت کی اور آدم علیہ السلام کی شخصیت کے سامنے سرنگوں ہو گئے لیکن شیطان نے تکبر کیا اور انہیں سجدہ نہ کیا، تو اِس سے وہ یہ بات ذہن نشین کراتا ہے کہ کائنات میں پائی جانے والی اکثر مادی انواع واقسام اور اُن کے غیر مادی اور روحانی نمائندے اور نگران ونگہدار۔ یہ سب کی سب چیزیں انسان کے تمام حواس کو مکمل فائدہ دینے کے لیے مسخر اور تیار کی گئی ہیں اور یہ سب انسان کی تابع فرمان ہیں۔ اور وہ چیز جو انسان کی فطری استعداد کو برباد کرتی ہے اور اُسے برائیوں اور گمراہیوں میں کھینچ لاتی ہے وہ شریر مادے اور ان کے خبیث نمائندے اور ان میں سکونت رکھنے والے خبیث رہائشی ہیں، یہ شیطان صفت نمائندے ان شریر مادوں کو خوفناک دشمنوں اور ضدی قسم کی رکاوٹوں کا روپ دے دیتے ہیں جو انسان کی ترقیوں کے راستے روک لیتے ہیں اور اسے بلندیوں کی طرف چڑھنے نہیں دیتے۔

اور پھر جب قرآن آدم علیہ السلام کے ساتھ ہونے والی اُس بات چیت یا بحث کا ذکر چلاتا ہے جو ایک جزوی واقعہ ہے اور فردِ واحد یعنی آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی پیش آیا، تو اِس بات چیت کو صرف فردِ واحد کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ شمار نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اسے ایک ایسی بلند پایہ اور قیمتی بات چیت کا درجہ دیتا ہے جو تمام کائنات اور تمام نوعِ انسانی کے

Marfat.com

ساتھ ہوئی۔یعنی آدم علیہ السلام نے تمام کائنات اور نوعِ انسانی کی نمائندگی کی ہے۔

دوسرا نکتہ:

یہ بات تو سب جانتے ہی ہیں کہ مصر کی سرزمین بنجر اور بے آب وگیاہ ہے؛ کیونکہ وہ صحرائے کبریٰ کا ایک حصہ ہے، لیکن دریائے نیل کی برکت سے انتہائی زرخیز اور قابل زراعت اور بہت زیادہ پیداوار اور محصولات کا ذریعہ بن گئی ہے، اور یوں ایسے تپتے ہوئے بے آب وگیاہ صحراء کے پہلو میں ایسی جنت نظیر زمین کے وجود نے اہل مصر کو زراعت اور کاشت کاری کا ایسا والہ وشیدا بنا دیا ہے کہ یہ پیشہ ان کی طبیعتوں میں رچ بس گیا ہے، اس حد تک کہ زراعت ان کے ہاں ایک آسمانی اور مقدس پیشہ بن گئی تھی اور اسی وجہ سے گائے اور بیل بھی اُن کے ہاں تقدّس کا درجہ اختیار کر گئے تھے بلکہ معاملہ یہاں تک جا پہنچا تھا کہ اہلِ مصر نے_ اُس دور میں_ گائے اور بیل کو اتنا تقدس دیا تھا کہ ان کی پوجا تک کرتے تھے۔ بنواسرائیل چونکہ اسی علاقے اور اسی ماحول میں پروان چڑھے تھے اس لیے اس چیز کا ان کی طبیعتوں پر بھی گہرا اثر پڑا جیسا کہ گائے کے بچھڑے والے مشہور واقعے سے پتا چلتا ہے۔

یوں قرآن کریم ہمیں ایک گائے کو ذبح کرنے کے واقعے سے بتاتا ہے کہ سیدنا موسی علیہ السلام نے اپنی رسالت کے ذریعے گائے کی عبادت کے مفہوم کو ذبح کر دیا تھا، وہ مفہوم جو اُس اُمت کی رگوں میں سرایت کر گیا تھا اور ان کی قابلیتوں اور صلاحیتوں میں گھر کر گیا تھا۔

پس قرآن کریم اِس جزوی حادثے کے ذریعے اپنے معجزانہ اُسلوب کے ساتھ ایک کلی دستور اور حکمت کا ایک ایسا ضروری سبق ذہن نشیں کراتا ہے جسے ہر آدمی کو ہر وقت ضرورت ہے۔

**اب اسی پر قیاس کرتے ہوئے یہ بات سمجھ لو کہ:**

قرآن حکیم میں جن جزوی حوادث وواقعات کا ذکر تاریخی واقعات کی صورت میں ہوا ہے، وہ سب کے سب کچھ کُلّی دساتیر اور ہمہ گیر قوانین کا ایک پہلو یا حصہ ہیں جن کی خبر اُس جزوی واقعے سے ملتی ہے، یہاں تک کہ موسی علیہ السلام کا قصہ جو قرآن کریم کی بہت سی سورتوں میں بار بار دہرایا گیا ہے، ہم نے اپنے اعجاز القرآن کے بارے میں لکھے ہوئے رسالے ''لمعات''میں بطورِ مثال اس کے ساتوں جملوں کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ: کس طرح ان جزوی جملوں کا ہر جزء کسی نہ کسی اہم کلی دستور پر مشتمل ہے! آپ چاہیں تو اُس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

تیسرا نکتہ:

میں نے جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ☆ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا

Marfat.com

يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ ☆ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ☆ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ☆ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ (حاشیہ:۱)

**تو وسوسہ انداز شیطان نے کہا:**

عام چٹانوں کے فطری اور طبعی حالات کے بارے میں تقریباً ہر کوئی جانتا ہے، لیکن قرآن نے اسے اس طرح بیان کیا ہے جیسے یہ کوئی بڑا عظیم الشان مسئلہ ہے، کسی گہرے مسئلے کا اور اس واقعے کا آپس میں کیا جوڑ ہے؟ اس واقعے کو کس مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے؟ اور اس واقعے کو ذکر کرنے کی خاص وجہ یا ضرورت کیا تھی؟

اس شبہے کی راہ روکنے کے لیے میرے دل میں قرآن کریم کے فیضان سے یہ الہام ہوا:

جی ہاں! یہاں تعلق بھی ہے، سبب بھی ہے، وجہ بھی ہے، مقصد بھی ہے اور ضرورت بھی ہے، بلکہ تعلق بڑا گہرا ہے، معنی بڑا اہم ہے، اور حقیقت اتنی ضروری اور عظیم ہے کہ قرآن کریم کے معجزانہ ایجاز اور رہنمایانہ انداز کے لیے ہی ممکن ہے کہ اُسے آسانی کے ساتھ ذہن نشیں کرادے۔

ایجاز واختصار جو کہ اِعجاز کی ایک اہم بنیاد ہے۔ اسی طرح لُطفِ ارشاد یعنی باریک بینی سے رہنمائی کر دینا اور حُسنِ اِفہام یعنی خوبصورت انداز سے کسی بات کو ذہن نشیں کرادینا، ان دونوں چیزوں (ایجاز واختصار، لطفِ اِرشاد اور حُسنِ افہام) کا تقاضا یہ ہے کہ کُلّی حقائق اور عمومی اور ہمہ گیر لیکن گہرے اصول وقوانین ایسی جُزوی صورتوں میں بیان کیا جائے جو عوام کی اُس اکثریت کے ہاں مانوس اور جانی پہچانی سی ہوں جسے قرآن مخاطب کرتا ہے۔ اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ ایسے سیدھی سادی سوچ فکر کے حامل لوگوں کے لیے ایسے عظیم الشان حقائق کی سیدھے سادھے انداز میں صرف چند سادہ اور آسان سی صورتیں ہی بیان کی جائیں، یعنی تفصیلات سے اجتناب کیا جائے۔

مزید یہ کہ زیرِ زمین کام کرنے والی اِلٰہی تدبیریں اور ربانی کاروائیاں جو بالکل غیر معمولی، عام روش سے ہٹ کر اور عام آدمی کی سوچ فکر کی گرفت سے باہر ہیں لیکن اُن پر معمولات اور عام روٹین کا پردہ پڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ عام سی کاروائیاں لگتی ہیں؛ چاہیے یہ کہ ایسی چیزوں کو بھی مختصر طریقے سے بیان کیا جائے۔

اسی راز کی بنا پر قرآن حکیم ان آیات میں کہتا ہے کہ: اے بنی اسرائیل! اور اے بنی آدم! تم پر کون سی شامت آپڑی ہے کہ تمہارے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت، ٹھوس اور کرخت ہو گئے ہیں! کیا تم دیکھتے نہیں کہ زمین کے نیچے پتھروں کی صورت میں پائی جانے والی انتہائی سخت اور کٹھور چٹانیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مکمل طور پر اطاعت گزار ہیں اور پروردگار کی تمام کاروائیوں کی تعمیل میں سرنگوں ہیں؟ تو جس طرح اللہ کے اَوامر واحکام درختوں اور جڑی بوٹیوں کی تکوین و

(حاشیہ:۱) البقرۃ:74-76

Marfat.com

تشکیل کے لئے ہوا کے اندر مطلق سہولت کے ساتھ جاری و ساری ہیں، اُسی طرح اس کے اوامر و احکام زمین کے نیچے پائے جانے والی ٹھوس، سخت اور کٹھور چٹانوں کے بارے میں بھی اُسی سہولت اور کامل انتظام کے ساتھ چلتے ہیں۔ حتیٰ کہ زمین کے نیچے پائی جانے والی نالیوں اور رگوں ریشوں میں پانی اس کامل حکمت اور انتظام سے چلتا ہے کہ ان پتھروں اور چٹانوں کی طرف سے اُسے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے، چنانچہ ان میں پانی ایسے بے تکلفی سے بہتا چلا جاتا ہے جیسے شریانوں میں خون بغیر کسی رکاوٹ اور مزاحمت کے دوڑتا پھرتا ہے (حاشیہ:۱) جس طرح درختوں اور دیگر پودوں کی شاخیں باہر کھلی ہوا میں آسانی سے پھیلتی ہیں اسی طرح نازک اور پتلی پتلی جڑیں امرِ ربانی سے انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ زمین کے نیچے پائی جانے والی ٹھوس چٹانوں میں بغیر کسی روک رکاوٹ کے آسانی کے ساتھ پھلتی پھولتی اور پھیلتی ہیں۔

تو قرآن کریم اس آیتِ کریمہ کے ذریعے ایک بہت وسیع حقیقت کی طرف اِشارہ کرتا ہے اور سخت اور کرخت دل لوگوں کو مخاطب کر کے انہیں وہ حقیقت سمجھاتا ہے اور رمزاً یہ کہتا ہے کہ:

اے بنی اسرائیل اور اے بنی آدم! انتہائی کمزور، بے بس اور فقر و عجز کے پیکر ہونے کے باوجود تم اپنے سینوں میں کس طرح کے دل اٹھائے پھرتے ہو؟ یہ دل جو اپنی قساوت و سنگدلی سے اُس جلالت مآب آقا کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں جس کے آگے ان ٹھوس اور ہولناک چٹانوں کے تہ بہ تہ طبقے بھی سرنگوں ہیں اور اس کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے ہیں؟ یہ چٹانیں اگر چہ زمین کے اندھیروں میں گم نام پڑی ہیں لیکن اپنی بلند قدر ڈیوٹی کو انتہائی خاموشی، رضامندی، فرمانبرداری اور اطاعت گزاری سے ادا کر رہی ہیں بلکہ یہ چٹانیں زمین پر چلنے پھرنے والی تمام زندہ مخلوقات کی ضروریاتِ حیات کے لیے سٹور ہاؤس کا کام دیتی ہیں، حتیٰ کہ یہ پُر جلال اور پُر حکمت قُدرت کے ہاتھ میں ایسے نرم و گداز

---

(حاشیہ:۱) جی ہاں، زمین کے اس چلتے پھرتے ہیبت ناک محل کا بنیادی پتھر اور دارو مدار یہ چٹانوں کا سلسلہ ہی ہے۔ اُس فاطرِ جلیل نے ان چٹانوں کو تین اہم ذمہ داریاں سونپی ہوئی ہیں۔ اور ان ذمہ داریوں کے بارے میں وضاحت سے بتانا صرف قرآن کو ہی زیب دیتا ہے۔

پہلی ذمہ داری: یہ قدرتِ الٰہیہ سے اپنی گود میں مٹی کی دیکھ بھال کرتی اور اُسے پروان چڑھاتی ہیں اور مٹی اپنی باری پر قدرتِ ربانیہ سے پودوں اور جڑی بوٹیوں کے لئے ممتا کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔

دوسری ذمہ داری: یہ زمین کے جسم میں انتہائی منظم طریقے اور پورے سلیقے سے پانی کو گردش میں رکھتی ہیں، بالکل ایسے جیسے ہمارے جسموں میں خون گردش کرتا ہے۔

تیسری ذمہ داری: یہ نہروں، دریاؤں اور چشموں کے لئے ایک تالاب اور ڈیم کا کام دیتی ہیں، خواہ انہیں اپنی پشتوں پر لاد کر محفوظ رکھیں خواہ انتہائی گہرے اور منظم توازن کے ساتھ انہیں جاری و ساری رکھیں۔

جی ہاں، چٹانیں اپنے بھرے ہوئے مونہوں سے پوری قوت کے ساتھ جو حیات خیز پانی بہاتی ہیں، اپنے اس عمل سے وہ سطحِ زمین پر وحدانیت کے دلائل بکھیرتی اور توحید کی شہادتیں رقم کرتی ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

ہو جاتی ہیں جیسے شہد کی موم ہو۔ اور اس طرح یہ اُن تقسیمات کے لیے وسائل و ذرائع کا کام دیتی ہیں جو عدل و انصاف اور حکمت سے انجام پاتی ہیں، بلکہ یہ بادِ نسیم کی طرح نرم و ملائم ہو جاتی ہیں۔ جی ہاں! یہ چٹانیں اللہ جلّ جلالہ کی پُر عظمت قدرت کے سامنے دائمی سجدے میں ہیں۔

یہ مضبوط اور منظم مصنوعات جو سطحِ زمین پر ہمارے سامنے کھڑی ہیں، اور ان کے بارے میں کام کرنے والی باری تعالیٰ کی پُر حکمت اور پُر عنایت تدابیر ہیں، یہ تمام تدابیر بھی بعینہٖ اِسی طرح زمین کے نیچے ہی کام کرتی ہیں، بلکہ ان میں جو حکمتِ الٰہیہ اور عنایتِ ربانیہ جلوہ گر ہے وہ نظم و نسق کے حساب سے اُس سے بھی عجیب تر اور حیرت افزا ہے جو ان چٹانوں میں کارفرما ہے۔

اچھی طرح غور کرو اور دیکھو کہ: کسطرح مضبوط ترین اور بے حس چٹان بھی تکوینی اوامر کے سامنے موم کی طرح پگھل جاتی ہے؟ اور اِن اِلٰہی مُلازموں یعنی رقیق پانیوں، دقیق جڑوں اور ریشم کی طرح لطیف ریشوں کے مقابلے میں کسی قابلِ ذکر مقاومت، مزاحمت یا قساوت کا اظہار نہیں کرتی ہیں، حتیٰ کہ ایسے لگتا ہے جیسے یہ دل جلی عاشق ہوں جو ان نازک اندا موں کی انگلیوں کے چھوتے ہی اپنا دل چیر دیتی ہیں اور نرم و گداز مٹّی بن کر ان کے راستے میں بچھ جاتی ہیں۔

اسی طرح اللہ کا یہ فرمان: ﴿وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ﴾ ہے، یہ بھی ایک بہت بڑی حقیقت کے ایک جزء کو آشکار کرتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

سطحِ زمین پر پائے جانے والے وہ پہاڑ جو پہلے مائع یا سیال مادے کی شکل میں تھے پھر جم کر ٹھوس ہو گئے اور سخت چٹانوں کے ایک ضخیم بلاک کا روپ دھار گئے، یہ پہاڑ اُن جلالی تجلیات کے طفیل ریزہ ریزہ اور پارہ پارہ ہو جاتے ہیں جو زمین میں رونما ہونے والے زلزلوں اور دیگر انقلابات کی صورت میں ظہور میں آتی ہیں، بالکل ایسے جیسے وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا جس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُس وقت تجلی فرمائی تھی جب موسیٰ علیہ السلام نے اُس سے یہ فرمائش کی تھی کہ مجھے اپنا دیدار کراؤ۔

یہ چٹانیں اُس کے جلال کی تجلیات کے ظہور سے سراپا خوف و خشیت ہو کر پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیوں سے نیچے آ گرتی ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتی ہیں، چنانچہ ان کا کچھ حصہ مٹی بن جاتا ہے جس سے جڑی بوٹیاں اور درخت اور پودے اُگتے ہیں، اور کچھ حصہ پتھروں کی صورت میں برقرار رہتا ہے اور لڑھکتا ہوا نیچے وادیوں اور میدانوں میں جا گرتا ہے جسے زمین کے باسی مکانات کی تعمیر اور دیگر مفید کاموں میں استعمال کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بیسیوں پُر حکمت اور پُر منفعت کام ایسے ہیں جن میں یہ استعمال ہوتے ہیں لیکن ہماری ظاہری آنکھوں سے وہ ہمیں نظر نہیں آتے ہیں۔

کہنا یہ ہے کہ یہ چٹانیں قدرتِ الٰہیہ کے سامنے ہمہ وقت سجدے میں اور حکمتِ اِلٰہیہ کے قوانین و ضوابط کے سامنے

Marfat.com

سراپا اطاعت وانقیاد ہیں۔

اس سے پتا چلا کہ یہ سر بفلک مضبوط چٹانیں اللہ کے خوف سے جب اپنے بلند و بالا ٹھکانے چھوڑ کر انتہائی تواضع اور عجز و انکسار کی حالت میں نچلی جگہوں میں براجماں ہو جاتی ہیں، اور بڑے اہم قسم کے فوائد و منافع کا سبب بنتی ہیں، تو یہ تمام تبدیلیاں کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جسے عبث، بے کار اور بے فائدہ کہا جا سکے۔ اور پھر یہ کسی اندھے اتفاق کی وجہ سے بھی ظہور میں نہیں آتا ہے بلکہ اس کے پیچھے اُس قدیر و حکیم ذات کی انتہائی منظم اور پُر حکمت تدبیر کارفرما ہوتی ہے، اگر چہ بظاہر غیر منظم نظر آتا ہے۔

اِس بات کی دلیل وہ منافع ہیں جو ان چٹانوں کی ٹوٹ پھوٹ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور کمال انتظام اور حسنِ صنعت کے شاہکار اور رنگ برنگے خوشنما پھولوں اور پھلوں کی مینا کاریوں سے مزین اور منقش وہ جوڑے ہیں جو اس پہاڑ کے جسم پر بہائے جاتے ہیں جس سے یہ چٹانیں لڑھک کر نیچے گرتی ہیں۔

یہیں سے آپ یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ حکمتِ الٰہیہ کی رُو سے یہ تینوں آیتیں کتنی بڑی اہمیت کی حامل ہیں!

اور اب آئیں ذرا اس چیز میں غور کرتے ہیں کہ قرآن نے ان مذکورہ تین حقائق کو جس طرح سے بیان کیا ہے وہ اسلوب بیان کتنی لطافت اور کتنی اعلیٰ پائے کی بلاغت کا حامل ہے یہ تینوں حقائق انتہائی جلیل القدر اور وسعت بداماں ہیں، لیکن قرآن کریم انہیں تین فقروں میں اور تین مشہور اور مشہود واقعات میں بیان کر دیتا ہے۔ اور تین مزید واقعات کی طرف توجہ کروا دیتا ہے تا کہ وہ اہلِ عقل و دانش کے لیے عبرت کا سامان بنیں اور انہیں اس طرح کی حرکت سے اس طریقے سے روک دیں کہ جس کی مزاحمت نہ کی جا سکے۔

مثال کے طور پر وہ دوسرے فقرے یعنی ﴿وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخۡرُجُ مِنۡهُ الۡمَآءُ﴾ سے ایک تو اس چٹان کی طرف اشارہ کرتا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کی ضرب سے انتہائی شوق سے دو ٹکڑے ہو گئی تھی اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے تھے۔ اور عین اسی وقت میں وہ ذہن میں یہ معنی بٹھاتا ہے کہ:

اے بنی اسرائیل! بڑی بڑی ضخیم اور گرانڈیل چٹانیں جناب موسیٰ علیہ السلام کے صرف ایک معجزے کے طفیل پھٹ جاتی ہیں، نرم پڑ جاتی ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جاتی ہیں اور ان معجزوں کے خشیت سے یا پھر ان سے ملنے والے سرور سے ان کی آنکھوں سے سیلِ رواں کی طرح آنسو جاری ہو جاتے ہیں، یہ سب کچھ دیکھتے بوجھتے ہوئے بھی تم موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کے مقابلے میں سرکشی کا مظاہرہ کیونکر کرتے ہو؟ تمہاری آنکھوں سے ایک آنسو نکلنا تو بڑی دور کی بات ہے اُلٹا یہ خشک ہو جاتی ہیں۔ اور تمہارے دل پسیجتے نہیں بلکہ سخت ہو جاتے ہیں!

Marfat.com

اور تیسرے فقرے: ﴿وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ﴾ میں وہ جلیل القدر حادثہ یاد دلاتا ہے جو طور سینا میں اس دوران پیش آیا جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات میں مصروف تھے، یعنی اللہ تعالیٰ کی وہ تجلی جو اُس نے پہاڑ پر ڈالی، اور جس سے وہ نرم وگداز اور ہموار ہو گیا اور اُس کی خشیت سے ریزہ ریزہ ہو کر اطراف میں بکھر گیا۔ وہ جب یہ واقعہ یاد دلاتا ہے تو عین اُسی وقت مندرجہ ذیل معنی ومقصد کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے:

اے قومِ موسیٰ! تم اللہ کی نافرمانی سے احتیاط کیوں نہیں کرتے اور اس سے ڈرتے کیوں نہیں جبکہ سربلند پہاڑوں کی ٹھوس چٹانیں اس کی خشیت سے ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتی ہیں؟ عین اس وقت جب تم دیکھتے ہو کہ اُس نے تم سے عہد لیا تھا اور اُس نے تمہارے سروں پر کوہِ طور کو بلند کر کے تم سے عہد وفاداری لیا تھا۔ اور یہی پہاڑ اُس وقت تجلی کی تاب نہ لا کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا کی تھی۔ لیکن تم اتنے دیدہ دلیر اور جرأت مند ہو گئے ہو کہ اس کے خوف وخشیت سے تمہارے جسموں پر کبھی کپکپی بھی طاری نہیں ہوئی، بلکہ تمہارے دل انتہائی سخت، کٹھور اور کرخت ہو گئے ہیں۔!

اور ﴿وَاِنَّ مِنَ الۡحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنۡهُ الۡاَنۡهٰرُ﴾ میں پہلے فقرے میں اشارتاً بابرکت دریائے نیل، دجلہ اور فرات کی یاد دلاتا ہے جو پہاڑوں کے اندر سے پھوٹتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بات بتاتا ہے کہ یہ پتھر تکوینی اُوامر کے سامنے مسخر اور اُن کے لئے معجزانہ اور غیر معمولی اطاعت وفرمانبرداری کی فضلیت سے مشرف ہیں۔ اور یوں بیدار اور ہشیار دلوں کے اندر یہ معنی بٹھاتا ہے کہ:

یہ ضخیم پہاڑ ایسے عظیم الشان دریاؤں کے حقیقی سرچشمے قطعاً نہیں ہو سکتے ہیں؛ کیونکہ اگر یہ پہاڑ اپنی تہوں سے لے کر چوٹیوں تک بھی مکمل طور پر پانی سے بھرے ہوئے ہوں، یعنی اگر یہ مخروطی حوض بن جائیں اور اُن دریاؤں کا سرچشمہ صرف وہی پانی ہو جو ان حوضوں میں ہے، تو بھی ایسے دریاؤں کو صرف چند مہینے تک ہی پانی مہیا کر سکیں گے؛ کیونکہ یہ دریا ہمہ وقت اور تیز رفتاری سے بہتے ہیں پھر بارشیں بھی ایسے دریاؤں کا سرچشمہ نہیں ہو سکتی ہیں؛ کیونکہ بارش کا پانی زیادہ سے زیادہ ایک میٹر تک زمین کے اندر جا سکتا ہے اس لئے ان بارشوں کی آمدنی بھی اتنی نہیں ہو سکتی جتنا پانی آگے خرچ ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان دریاؤں کا معاملہ کوئی معمول کا طبعی واقعہ نہیں ہے، اور ایسا اتفاقاً بھی نہیں ہو سکتا ہے، بلکہ وہ فاطرُ الجلیل انہیں صرف خزانہ غیب سے بہا رہا ہے اور انہیں غیر عادی، غیر معمولی اور مافوق الفطرت طریقے سے چلا رہا ہے۔ اس چیز کی طرف ایک حدیث شریف میں بھی اشارہ ملتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ: ان تینوں دریاؤں میں ہر آن جنت سے پانی کے قطرے گرتے ہیں اس وجہ سے یہ تینوں بابرکت ہو گئے ہیں۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ ان تینوں دریاؤں کے سرچشمے جنت میں ہیں اور یہ وہیں سے پھوٹتے ہیں۔ (حاشیہ: ۱) اس روایت کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ:

---

(حاشیہ: ۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "سِيحَانُ وجيحانُ والفراتُ والنيل كلٌّ من أنهار الجنة" "سیحون، جیحون فرات اور نیل، یہ سب دریا جنت سے پھوٹتے ہیں" صحیح مسلم، کتاب الجنۃ۔ مترجم۔

Marfat.com

مادی اسباب ان دریاؤں کو جاری کرنے اور اس کو بھرپور انداز سے بہانے کے لیے ناکافی ہیں، اس لیے یہ ضروری ہے کہ ان کے سرچشمے کہیں عالمِ غیب میں ہوں، اور یہ رحمت کے کسی غیبی یا ان دیکھے خزانے سے آتے ہوں۔ یہی ایک صورت ہے جسے مانا جائے تو آمدن اور خرچ میں توازن اور تسلسل قائم رہ سکتا ہے۔ اور قرآن کریم ایک دلوں میں اتر جانے والا سبق دیتا ہے اور مندرجہ ذیل معنی کی طرف توجہ دلاتا ہے:

اے بنی اسرائیل! اور اے بنی آدم!

تم اپنے دلوں میں پائی جانے والی سختی کی وجہ سے ربِ جلیل کے احکام و اوامر کی نافرمانی کرتے ہو اور اپنی غفلت کی وجہ سے تم اُس نور سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہو اور اُسے پہچان نہیں پا رہے ہو جو اتنا پیارا نقش گر ہے کہ اُس نے مصر کی زمین کو گھنی چھاؤں والی جنت بنا دیا ہے، جس نے عظیم الشان اور بابرکت نیل اور اس جیسے دوسرے دریاؤں کو ٹھوس اور چوڑی چکلی چٹانوں کے مونہوں سے جاری کر دیا ہے، اور اس طرح اس نے اپنی بے پناہ قدرت کے ہزاروں معجزات اور اپنی وحدانیت کے ہزاروں ایسے شواہد نمایاں کر دیے ہیں جو عظیم الشان دریاؤں کی مضبوطی کی طرح مضبوط اور ان کے شدید بہاؤ اور فیضان کی طرح نمایاں اور آشکار ہیں۔ وہ ان دلائل و شواہد کو کائنات کے دل میں بٹھاتا، زمین کے دماغ تک پہنچاتا اور جن و انس کے قلوب و عقول میں چلاتا ہے۔

پھر وہ سبحانہ وتعالیٰ ان ٹھوس اور جامد اور شعور سے عاری (حاشیہ:۱) چٹانوں کو اس طرح بنا دیتا ہے اور انہیں ایسی صلاحیت بخش دیتا ہے کہ یہ اُس کی قدرت کے معجزات کی حامل ہو جاتی ہیں اور اُس فاطرُ الجلیل کی ہستی پر ایسے دلالت کرتی ہیں جیسے سورج کی روشنی سورج پر دلالت کرتی ہے۔ جب ایسا ہے تو پھر تم اے بنی اسرائیل اور اے بنی آدم! تم اُس کی معرفت کے نور کو دیکھ کیوں نہیں پاتے ہو اور تمہاری آنکھوں کی بینائی کو کیا ہو گیا ہے؟

اب دیکھو! ان تینوں حقیقتوں کو کس طرح دیدہ زیب بلاغت کا جامہ زیب تن کرا دیا گیا ہے! اور تعجب کی بات یہ ہے

---

(حاشیہ:۱) دریائے نیل ''جبلِ قمر'' سے پھوٹتا ہے، اور دجلہ کا سب سے اہم چشمہ ترکی کے ایک شہر ''وان'' میں ایک پہاڑ کی غار سے نکلتا ہے جو کہ ''مگس'' نامی مقام پر واقع ہے۔ اور فرات کا سب سے بڑا سرچشمہ ''دیادین'' نامی جگہ پر ایک پہاڑ کے دامن سے نکلتا ہے۔ پہاڑوں کی اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک سیال مادے سے بنے ہیں جو جم کر پتھر بن گیا تھا، جیسے کہ یہ چیز سائنس کی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اور اس پر رسول اللہ سے وارد ہونے والا ایک حمدیہ ذکر بھی دلالت کرتا ہے جس میں آپؐ نے فرمایا ہے: ''سبحان من بسط الارض علی ماء جمد'' ''پاک ہے وہ ذات جس نے زمین کو جمے ہوئے پانی پر بچھایا ہے''۔ یہ دونوں حقیقتیں اس چیز کی قطعی دلیل ہیں کہ زمین کی بناوٹ اس طرح سے ہوئی ہے کہ: پانی جیسا ایک مائع اور سیال مادہ اللہ کے حکم سے جم کر ٹھوس پتھر بن گیا، اور پتھر اِذنِ الٰہی سے مٹی بن گیا۔ مذکورہ ذکر میں جو ارض یعنی زمین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد مٹی ہے، اس معنی میں کہ وہ پانی (سیال مادہ) اتنا نرم اور لطیف ہے کہ اُس پر کوئی چیز ٹِک نہیں سکتی اور پتھر اپنی ذات میں اتنا سخت تھا کہ اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا تھا، اس لیے اُس حکیم الرحیم ذات نے پتھر کے اوپر مٹی بکھیر دی تا کہ زندہ مخلوقات اس پر رہائش رکھ سکیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

کہ آخر وہ کون سی ایسی سختی و کرختگی ہے جو اتنی حرارت والی بلاغت کے مقابلے میں ٹھہر جائے اور پاش پاش نہ ہو سکے؟۔

اِس مضمون کو اگر تم اول سے لے کر آخر تک سمجھ گئے ہو، تو پھر قرآن حکیم کے دعوت وارشاد کے معجزانہ اُسلوب کی ایک جھلک سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور اس نعمت پر اپنے پروردگار کا شکر ادا کرو۔

**(سبحا نک لا علم لنا الا ما علمتنا اِنک انت العلیم الحکیم).**

**اللھم فهِّمنا أسرار القرآن كما تحب و ترضى و وفقنا لخدمته.. آمين، برحمتك ياارحم الراحمين. اللهم صل وسلم على من أنزل عليه القرآن الحكيم وعلى آله وصحبه أجمعين.**

Marfat.com

# بیسویں مقالے کا دوسرا مقام

قرآنی اعجاز کی ایک کرن جو انبیاء کے معجزات کے حسین چہرے پر جگمگا رہی ہے۔

(مضمون کے اختتام پر جو دو سوال اور دو جواب لکھے گئے ہیں انہیں ذرا زیادہ غور سے پڑھیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ اِلاَّ فِیْ كِتَابٍ مُبِيْنٍ﴾ (حاشیہ:۱)

آج سے چودہ برس پہلے میں نے اپنی ''اِشاراتُ الاعجاز فی مظان الایجاز'' نامی تفسیر میں جو کہ عربی زبان میں ہے، بالخصوص اِس آیتِ کریمہ کے بہت سے اسرار میں سے صرف ایک سرّ کے بارے میں ایک مضمون قلمبند کیا تھا۔ اور اب اپنے دو انتہائی عزیز بھائیوں کی فرمائش پر اُس مضمون کو مزید وضاحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق پر اعتماد کرتا ہوا اور قرآن کریم کے فیضان کے بھروسے پرترکی زبان میں لکھ رہا ہوں۔

آیت کریمہ میں جو لفظ (کتابِ مبین) وارد ہوا ہے: اس سے مراد ایک قول کے مطابق قرآن کریم ہے۔ چنانچہ اس قول کے مطابق آیتِ کریمہ یہ واضح کرتی ہے کہ: قرآنِ کریم میں خشک وتر ہر چیز موجود ہے۔

کیا خیال ہے واقعی ایسا ہے؟

جی ہاں! بے شک قرآن میں ہر چیز ہے، لیکن اس میں ہر چیز کو دیکھ لینا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں؛ کیونکہ قرآن کریم میں جتنی بھی چیزیں ہیں مختلف درجات وسطحات پر سامنے آتی ہیں چنانچہ کبھی کسی چیز کے بیج یا گٹھلیاں پائی جاتی ہیں۔

کبھی کسی چیز کا اجمالی نقشہ یا خلاصہ پایا جاتا ہے۔

کبھی کسی چیز کے دساتیر وقوانین بیان کیے جاتے ہیں۔

کبھی کسی چیز کی علامات ونشانات کا اشارہ کردیا جاتا ہے اور ان تمام سطحوں میں ان چیزوں کا بیان کبھی صراحت سے کردیا جاتا ہے، کبھی اشارے سے، کبھی رمز وکنایہ سے اور کبھی مُبہم طریقے سے کبھی تنبیہ کے طریقے سے۔ اور قرآن کریم یہ تمام اغراض ومقاصد اپنی بلاغت کے اسالیب کے ضمن میں ضرورت کے حساب سے اور موقع محل کی مناسبت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق بیان کرتا ہے۔

مثال کے طور پر: ہوائی جہاز، بجلی، ٹرین، وائرلیس اور جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس جیسے دوسرے شاہکار جو سائنس اور انڈسٹری کے میدان میں انسانی ترقی ما حصل ہیں، یہ تمام ایجادات انسان کے فکر ونظر اور اہتمام کا دارومدار بن گئی

(حاشیہ:۱) الانعام:59

Marfat.com

ہیں اور اس مادی زندگی میں اپنی خصوصی جگہ بنا چکی ہیں۔ اس وجہ سے قرآن کریم جو کہ تمام نوع بشری کو مخاطب کرتا ہے، انسانی زندگی کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرتا، جی ہاں! وہ ان سائنسی معجزات کی طرف دو جہتوں سے اشارہ کرتا ہے:

پہلی جہت: وہ جب اَنبیاء کے معجزات کا ذکر کرتا ہے تو اُس ضمن میں سائنسی حقائق کی طرف اشارہ کرتا جاتا ہے۔

دوسری جہت: بعض تاریخی واقعات کا ذکر کرتے وقت ان کی طرف اشارہ کرتا چلا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر مندرجہ ذیل آیات میں اُس نے ریل گاڑی کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِo النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِo اِذۡهُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ وَّهُمۡ عَلٰى مَايَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌo وَمَانَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ﴾ (حاشیہ:۱)

اِسی طرح یہ آیت کریمہ ہے:

﴿فِى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِo وَخَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ مَا يَرۡكَبُوۡنَ﴾ (حاشیہ:۲) ''ان اور مندرجہ ذیل آیت کریمہ جہاں بجلی کے وجود کی طرف اشارہ کرتی ہے وہاں اس میں اور بھی بہتیرے انوار واسرار پنہاں ہیں:

﴿اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ مَثَلُ نُوۡرِهٖ كَمِشۡكٰوةٍ فِيۡهَا مِصۡبَاحٌo اَلۡمِصۡبَاحُ فِىۡ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوۡكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيۡتُوۡنَةٍ (1) لَّا شَرۡقِيَّةٍ وَّلَا غَرۡبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيۡتُهَا يُضِىۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌo نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ يَهۡدِى اللّٰهُ لِنُوۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ﴾ (حاشیہ:۳)

بہت سے فاضل علماء نے اس موضوع یعنی تاریخی واقعات کے ضمن میں جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کی طرف اشارہ کرنے والی آیات پر چونکہ بہت کچھ لکھا ہے اور اس کی وضاحت کے لیے کافی محنتیں کی ہیں، اور یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ اس موضوع پر بحث کرنے کے لئے انتہائی گہری فکر، تفصیلی نظر اور بہت زیادہ وضاحت درکار ہے، مزید یہ کہ اس پر وافر مقدار میں مثالیں موجود ہیں، اس لیے سرِ دست ہم یہ دروازہ نہیں کھولیں گے اور اِنہیں مذکورہ بجلی اور ریل کی طرف اشارہ کرنے والی آیات پر اکتفا کریں گے۔

رہی پہلی قسم یعنی جس میں قرآن پاک انبیاء کرام کے معجزے بیان کرتا ہوا سائنس اور ٹیکنالوجی کے حقائق کی طرف اشارہ کر جاتا ہے۔ تو اس میں سے ہم بطور نمونہ چند چیزیں ذکر کریں گے۔

---

(حاشیہ:۱) البروج: 4-8

(حاشیہ:۲) یٰس: 41-42

(حاشیہ:۳) جملہ ﴿يَكَادُ زَيۡتُهَا يُضِىۡٓءُ وَلَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍ﴾ اس رمز پر بخوبی روشنی ڈال رہا ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

# مقدمہ

قرآن کریم اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو مختلف معاشروں کی طرف اِس لیے بھیجا گیا تا کہ وہ ہدایت کے ایسے امام بن جائیں جن کی لوگ اپنی روحانی اور اخلاقی ترقی کے باب میں اقتدا کریں۔ اور قرآن کریم ساتھ ہی یہ بھی بتاتا ہے کہ اللہ نے ان میں سے ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی مادی معجزہ دیا تھا اور ان سب کو انسانی معاشرے کی مادی ترقی کے لئے معلم اور استاد بنایا تھا۔ مطلب یہ کہ وہ انسانی معاشرے کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے مادی اور معنوی تمام امور میں پیغمبروں کی مکمل پیروی کریں۔

قرآن کریم جب ابنیاء کے روحانی کمالات کے بارے میں بحث کرتا ہے تو اُس وقت انسان کو اُن خصالِ حمیدہ سے زیادہ سے زیادہ مزین ہونے پر ابھارتا ہے، جن سے انبیاء کرام مزین تھے۔ اسی طرح جب انسان کے اندر یہ شوق ابھارتا ہے کہ وہ انبیاء کے ان معجزات کی تقلید کرے اور اشارتاً اُسے بتاتا ہے کہ ہو بہو ایسے تو نہیں، البتہ اِن جیسے غیر معمولی کام تمہارے ہاتھوں بھی انجام پاسکتے ہیں، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ: یہ معجزے ہی کا ہاتھ ہے جس نے سب سے پہلے نوعِ انسانی کو مادی کمالات اور معمول سے ہٹ کر انوکھی قسم کی ایجادات کا تحفہ دیا ہے۔ بالکل ایسے جیسے اسے روحانی کمالات کا تحفہ دیا ہے۔

اب سفینۂ نوح علیہ السلام کو ہی لے لیں، یہ جناب نوح علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا۔ یوسف علیہ السلام کی گھڑی کو لے لیں، یہ ان کا ایک معجزہ تھی یہ دونوں چیزیں سب سے پہلے معجزے نے ہی اپنے ہاتھوں سے نوعِ انسانی کو تحفے میں دیں۔ اور اس چیز میں اِس حقیقت کی طرف ایک نہایت لطیف اشارہ پایا جاتا ہے، اور وہ یہ کہ جتنے بھی پیشہ ور لوگ ہیں وہ اپنے اپنے پیشوں میں کسی نہ کسی نبی کو اپنا قائد، پیش رَو اور اپنے پیشے کا بانی سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحوں اور جہاز رانوں نے نوح علیہ السلام کو اپنا قائد بنایا ہے، گھڑی سازوں نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو اپنا امام اور درزیوں نے سیدنا ادریس علیہ السلام کو اپنا مرشد بنایا ہے۔

یہ بات محقق علماءِ بلاغت کے ہاں بالاتفاق طے شدہ ہے کہ ایک ہی آیت کریمہ میں ارشاد و ہدایت کے کئی پہلو ہوتے ہیں اس لئے یہ بات ناممکن ہے کہ معجزات سے متعلقہ سب سے زیادہ تابناک آیات کا مقصد صرف تاریخی واقعات کو دُہرا دینا ہو، ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ ان آیات میں بہتیرے ایسے معانی و مطالب پائے جاتے ہیں جو دِلوں کی تہوں میں اُتر جاتے ہیں اور نوعِ انسانی کی کامل رہنمائی کے لیے کافی ہیں۔

جی ہاں! قرآن جب ابنیاء کے معجزات بیان کرتا ہے تو اِس سے وہ ان تمام راہوں کی نشاندہی کر دیتا ہے جن پر گام فرسا ہو کر انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کی آخری منزلوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اور وہ اپنے اس انداز سے سائنس اور انسانی

Marfat.com

صنعت وحرفت کی اُن آخری حدود و مقاصد کی طرف اشارہ کر دیتا ہے جہاں تک نوع بشری کی رسائی ممکن ہو سکتی ہو۔اس طرح وہ انسان کے لیے بعید ترین اہداف کا تعین کر کے اُسے وہاں تک پہنچنے اور اُن مقاصد کو حاصل کرنے پر ابھارتا ہے۔ کیونکہ جس طرح ماضی ایک ایسے سٹور کا حکم رکھتا ہے جس میں مستقبل کے بیج رکھے ہوئے ہیں، اور ایسے آئینے کا حکم رکھتا ہے کہ جس میں مستقبل کے حالات منعکس ہوتے ہیں، اِسی طرح مستقبل بھی ماضی کے بوئے ہوئے بیجوں کی فصل یا پیداوار اِس کی امیدوں کا آئینہ ہے۔

چنانچہ ہم بطورِ مثال اس وسیع وعریض سرچشمے سے بطور مثال کچھ نمونوں کا ذکر کریں گے:

﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ﴾ (حاشیہ:۱)

یہ آیت کریمہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک اہم معجزے کی خبر دے رہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہوا آپ کے تابع فرمان کر دی گئی تھی، اور یہ کہ آپ نے دو مہینوں میں طے ہونے والی مسافت کو ہوا میں اُڑ کر صرف ایک دن میں طے کر لیا۔

پس یہ آیت اس بات کا اشارہ دیتی ہے کہ بنی نوع انسان کے سامنے ہوا میں اُڑ کر ایسی مسافتیں طے کرنے کے لیے راستے کھلے ہیں۔

اس لیے اے انسان! اس مرتبے پر پہنچنے کی کوشش کر اور جب تک راستہ تیرے سامنے صاف اور کھلا ہے تو اس مقام کے قریب ہونے کی تگ ودو کر۔

گویا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے مفہوم کے بارے میں فرما رہا ہے:

''اے انسان! میرے بندوں میں سے ایک نے اپنی نفسانی خواہشات کو تیاگ کر دیا تو میں نے اُسے ہواؤں پر سوار کر دیا۔ اور تُو بھی اے انسان! اگر نفس کی کسل مندی کو اپنے سے دور پھینک دے گا اور کون ومکاں میں جاری وساری میرے قوانین سے مناسب طور پر فائدہ اٹھائے گا، تو تیرے لیے بھی ہوا کی پشت پر بیٹھنا ممکن ہو سکتا ہے''

اور مثال کے طور پر یہ آیت: ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ (حاشیہ:۲)

یہ آیت کریمہ جناب موسیٰ علیہ السلام کا ایک بہت بڑا معجزہ بیان کر رہی ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کا اشارہ دے رہی ہے کہ: زمین کے اندر چھپے ہوئے رحمت کے خزانوں سے بالکل سادہ سے آلات کے ذریعے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، بلکہ پانی جو کہ سرچشمہء حیات ہے اُسے بھی ایک لاٹھی کے ذریعے پتھر جیسی سخت اور مردہ زمین سے بہایا جا سکتا ہے۔

---

(حاشیہ:۱) سبا:12

(حاشیہ:۲) البقرۃ:60

Marfat.com

چنانچہ یہ آیت نوعِ انسانی کو اس معنی میں مخاطب کرتی ہے:

پانی جو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے فیضانات میں سے ایک لطیف ترین فیضان ہے اسے تم ایک لاٹھی کی مدد سے حاصل کر سکتے ہو، اب تمہارا کام یہ ہے کہ اسے حاصل اور دریافت کرنے کے لیے پوری سنجیدگی سے بھاگ دوڑ کرو۔

پس اللہ تعالیٰ انسان کو اس آیت کے رمزی معنی کے ذریعے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

''اے انسان! میں جب اپنے ایک بندے کے ہاتھ میں جس نے مجھ پر اعتماد کیا ایک ایسی لاٹھی تھما سکتا ہوں جس سے وہ جہاں چاہے پانی بہا سکتا ہے، تو تُو بھی اے انسان! اگر میری رحمت کے قوانین پر اعتماد کرے گا تو اُس لاٹھی سے ملتا جُلتا کوئی ایسا آلہ ایجاد کر سکتا ہے جس کے ذریعے زمین سے پانی نکالا جا سکے۔ جا اور ایسا آلہ ایجاد کرنے کی کوشش کر۔

آپ یہاں سے یہ بات اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں کہ اس آیت نے کتنے سال پہلے اس بات کی خبر دے دی کہ انسان ایک ایسا آلہ ایجاد کر سکتا ہے جس کے ذریعے جگہ جگہ سے پانی نکالا جا سکے، اور یہی آلہ انسانی ترقی کے لیے ایک بہت بڑا وسیلہ ہو گا۔ بلکہ آیتِ کریمہ نے اس آلے کو استعمال کرنے اور اس سے اغراض و مقاصد حاصل کرنے کے ضمن میں اُن آخری حدود تک کی نشاندہی کر دی ہے جہاں تک انسانی فکر جا سکتی ہے، بالکل ایسے جیسے پہلے والی آیت نے اُن انتہائی نُقطوں کی نشاندہی کر دی ہے جہاں تک انسانی فکر دورِ حاضر میں ہوائی جہاز وغیرہ کی ایجاد کی صورت میں پہنچ گئی ہے۔

اور مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک معجزے سے متعلق یہ آیت: ﴿وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (حاشیہ:۱)

قرآن کریم جب نوعِ انسانی کو صراحتًا اُن بلند اخلاق و آداب کی پیروی کرنے پر اُبھارتا ہے جن سے جناب عیسیٰ علیہ السلام مزین تھے، تو رمزی طور پر اُس کے دل میں طبِّ ربانی جیسے اِس مقدس اور عالی شان پیشے کو اپنانے کی رغبت پیدا کرتا ہے۔

تو یہ آیتِ کریمہ اِس بات کا اشارہ دیتی ہے کہ:

''کسی ایسی دوا کا سراغ لگانا ممکن ہے جو پرانے سے پرانے اور ہٹیلے امراض سے شفا کا ذریعہ بن سکے، اس لیے اے انسان اور اے مصیبت زدہ بنی آدم! اُمید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ؛ کیونکہ بیماری جیسی بھی ہو اس کی دوا بہر کیف موجود ہے اور اس کا علاج ممکن ہے، لیکن ہے کہاں؟ اس چیز کا کھوج لگانا تمہارا کام ہے، اس لیے اُٹھو اور اُسے تلاش کرو یقینًا پا لو گے، کمرِ ہمت باندھو اور جن پردوں کے نیچے وہ پوشیدہ ہے ان پردوں کو دُور ہٹا دو۔ صرف امراض پر ہی کیا موقوف ہے موت کو بھی _ اگرچہ تھوڑے سے وقت کے لیے ہو_ زندگی کا رنگ دینا ممکن ہے۔

---

(حاشیہ:۱) آل عمران:49

Marfat.com

گویا کہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے اشاری معنی کی رُو سے کہہ رہا ہے:

اے انسان! میرا ایک بندہ جس نے میری خاطر یہ دُنیا چھوڑ دی تھی اور اس سے لاتعلق ہو گیا تھا، اپنے اس بندے کو میں نے دو تحفے دیے تھے:

ایک: رُوحانی بیماریوں کی دوا

دوسرا: مادی یا جسمانی بیماریوں کا علاج۔ چنانچہ مردہ دل اُس کی رہنمائی کی روشنی سے جی اُٹھتے ہیں اور قریب الموت مریض اُس کی پھونک سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔ اور تُو اے انسان! تجھے بھی میری حکمت کی فارمیسی میں تیری ہر بیماری کی دوا مل سکتی ہے اِس لیے اس راستے میں جتنی کوشش کر سکتا ہے کر اور اس دوا کا سُراغ لگا اور اسے بے نقاب کر، اور اس بات کا یقین رکھ کہ اگر تلاش کرے گا تو ضرور پا لے گا۔

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ آیت اُن آخری قسم کے اہداف و مقاصد کی نشاندہی کرتی ہے جہاں تک نوع انسانی کی میڈیکل سائنس پہنچ سکتی ہے۔ اور انسان کی ہمت بندھاتی ہے اور اس کے دل میں یہ اہداف و مقاصد حاصل کرنے کا جذبہ اُبھارتی ہے۔

اور مثال کے طور پر یہ آیت: ﴿وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ﴾ (حاشیہ:۱) ﴿وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ﴾ (حاشیہ:۲)

یہ دونوں آیتیں خصوصی طور پر سیدنا داؤد علیہ السلام کے معجزے کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اور آیتِ کریمہ: ﴿وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ﴾ (حاشیہ:۳)

جناب سلیمان علیہ السلام کے معجزے کے ساتھ خاص ہے۔

اور یہ آیات اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ:

لوہے کو نرم کر دینا اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس ضمن میں ایک عظیم الشان نبی کی فضیلت بیان کر رہا ہے۔ تو لوہے کو نرم کر کے گُندھے ہوئے آٹے کی طرح کر دینا، تانبے کو پگھلا دینا اور معدنیات کا انکشاف نوعِ بشری کی تمام صنعتوں کی جڑ اور اساس ہے، اور اس پہلو سے یہ چیز تمدّنی ترقیوں کی اصل بنیاد اور سرچشمہ ہے۔

کہنا یہ ہے کہ یہ آیت اشارتاً ہمیں یہ بتاتی ہے کہ لوہا اور تانبا جو کہ عام صنعتوں کا مرکز و محور ہیں، ان دونوں کو گندھے آٹے کی طرح نرم گداز کر لینا، پگھلا کر ان کی تاریں اور دیگر اشیاء تیار کرنا: یہ چیز ایک نعمتِ عُظمیٰ کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ

---

(حاشیہ:۱) سبا:10

(حاشیہ:۲) ص:20

(حاشیہ:۳) سبا:12

Marfat.com

نعمت اللہ تعالیٰ نے زمین کے ایک عظیم الشان خلیفہ اور پیغمبر کو ایک بہت بڑے معجزے کی صورت میں عطا کی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جب ایک ایسے انسان کو اپنے خاص فضل و کرم سے نوازا جو بیک وقت پیغمبر بھی تھا اور خلیفہ بھی، یعنی معنوی طور پر بھی حاکم تھا اور مادی طور پر بھی، اور جس کی زبان سے حکمت بھری اور فیصلہ کن گفتگو کے سوتے جاری کر دیے اور جس کے ہاتھ میں بے نظیر صنعت گری اور ہنر مندی کی صلاحیت رکھ دی، تو وہ نوعِ بشری کو واضح طور پر اس بات پر اُبھارتا ہے کہ گفتگو کا وہی حکیمانہ اور دانشمندانہ انداز اپناؤ جو میں نے اپنے اس بندے کو دیا تھا، اور اُسی ماہرانہ ہنر مندی اور کاریگری کے نمونے پیش کرنے کی کوشش کرو جو اُس کے ہاتھوں سے ظہور میں آتے تھے۔

پس اللہ تعالیٰ اس آیت کی اشاری تفسیر کی رُو سے معنوی طور پر فرماتا ہے:

''اے بنی آدم! میں نے اپنے ایک بندے کو جس نے میرے احکام و اوامر کی اطاعت کی اور میری عائد کردہ پابندیوں کے سامنے گردن جھکائی، میں نے اپنے اس بندے کی زبان اور دل کو حکمت سے مزیّن کر دیا، چنانچہ وہ ہر چیز کے بارے میں دلیل اور بصیرت کی روشنی میں فیصلہ کرتا تھا۔

اور میں نے اس کے ہاتھ میں ایک ایسی دلکش حقیقت رکھ دی جس سے لوہا اس کے ہاتھ میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا، اور یوں وہ اُسے جس شکل میں چاہتا تبدیل کر لیتا تھا اور جس سانچے میں چاہتا ڈھال لیتا۔ اور پھر وہ اس سے اپنی خلافت کے معاملات کو استوار رکھنے اور اپنی حکمرانی کو دوام دینے کے لیے قوت اور طاقت کشید کرتا تھا۔ اب چونکہ یہ کام ممکن ہے اور واقعہ میں ہو بھی چکا ہے اور اس چیز کی تمہاری اجتماعی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت اور ضرورت بھی ہے، تو تم بھی اے بنی آدم! اگر میرے تکوینی اوامر کی اطاعت اور فطری قوانین کی پیروی کرو گے تو تمہیں بھی یہ حکمت، دانائی، ہنر مندی اور کاریگری عطا کی جا سکتی ہے اور پھر مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ تم بھی اس معجزے کے قریب قریب پہنچ جاؤ گے اور پھر تمہارے لئے بھی ایسا کرنا ممکن ہو جائے گا اور یہی لوہا تمہارے ہاتھوں میں بھی موم بن جائے گا۔

نوعِ انسانی صنعت و حرفت کے باب میں جو اپنی آخری خواہشوں سے ہمکنار ہوئی ہے، اور مادی قوت کے میدان میں اُس نے جو بے پناہ طاقت حاصل کر لی ہے، یہ سب لوہے کو نرم کرنے اور تانبے کو پگھلانے کی بدولت ہوا ہے۔ اس آیت میں جو لفظ ''القطر'' استعمال ہوا ہے اس سے مراد تانبا ہے۔ پس یہ آیات نوعِ انسانی کی توجہ اسی حقیقت کی طرف مبذول کرواتی ہیں اور گزرے ہوئے اور موجودہ وقت کے اُن تمام کاہلوں اور کسلمندوں کی آنکھیں کھولتی اور انہیں بیدار کرتی ہیں جنہوں نے اس حقیقت کو اہمیت نہیں دی اور اس کی قدر نہیں کی۔

اور مثال کے طور پر یہ آیت ﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ اَنَا آتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ.﴾ (حاشیہ:۱)

(حاشیہ:۱) النمل:40

Marfat.com

یہ آیت اس چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ چیزوں کو دور دراز کی مسافتوں سے_ عین اُسی صورت میں یا ان کی شبیہوں کی صورت میں_ اپنے پاس لا حاضر کر لینا ممکن ہے؛ کیونکہ اس پر وہ غیر معمولی واقعہ دلالت کرتا ہے جو سیدنا سلیمان علیہ السلام کے دربار میں اُس وقت پیش آیا جب انہوں نے اپنے اس وزیر سے بلقیس کا تخت لانے کے لیے کہا جس کے پاس علمُ التحضیر یعنی چیزوں کو حاضر کر لینے کا گہرا علم تھا۔ اور اُس نے کہا کہ میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اُس تخت کو لائے دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے جناب سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت اور نبوت ایک ساتھ عطا کی تھی اور انہیں ایک ایسے معجزے سے مشرّف کیا تھا کہ جس کے ذریعے وہ بذاتِ خود بغیر کسی تکلیف اور مشقت کے اپنی رعایا کے حالات و واقعات اور مملکت میں ہونے والی ہر ظلم زیادتی کا مشاہدہ براہِ راست کر لیتے تھے۔ اور اس معجزے کی برکت سے وہ رعایا کے معاملات میں کسی قسم کی ناانصافی اور بیدادگری سے محفوظ رہتے تھے۔ اور یہ چیز مملکت کے چاروں کونوں میں عدل و انصاف کا جھنڈا لہرانے کا ایک مضبوط وسیلہ تھی۔

اب جو شخص بھی اللہ پر اعتماد کرے گا اور اُس کے فیصلوں پر مطمئن رہے گا، اور اپنی فطری قابلیت اور استعداد کی زبان کے ذریعے اُس سے سوال کرے گا اور اپنی زندگی میں سُنَنِ الٰہیہ اور عنایتِ ربانی کے مطابق چلے گا، یعنی الٰہی قوانین کی پابندی کرے گا تو ممکن ہے کہ یہ وسیع و عریض دنیا اُس کے سامنے ایک منظم شہر کا روپ دھار جائے، جیسے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ہُوا کہ جب انہوں نے نبوت کی معصوم زبان سے ملکہ بلقیس کے تخت کو اپنے سامنے حاضر دیکھنے کی درخواست کی تو وہ تخت لمحہ بھر میں_ بعینہٖ یا شبیہی صورت میں_ اُن کے سامنے پڑا تھا۔ یاد رہے کہ جناب سلیمان علیہ السلام اُس وقت شام میں تھے اور یہ تخت یمن کے شہر صنعاء میں تھا جو کہ ملکہ بلقیس کا پایۂ تخت تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دربار کے حاشیہ بردار جو اُس وقت تخت کے اردگرد موجود تھے ان کی آوازیں سنائی دینے کے ساتھ ساتھ اُن کی تصویریں بھی دیکھی گئیں۔

تو یہ آیت کریمہ مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ:

”اے حکمرانو! اور اے آدابِ جہانگیری کے رازدانو! اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری مملکت میں چاروں طرف عدل و انصاف کا دور دورہ ہو تو پھر جناب سلیمان علیہ السلام کی اقتدا کرو، اور زمین کے اطراف و اکناف میں جنم لینے والے تمام حادثات و واقعات کا اُس کی طرح مشاہدہ کرو اور جائزہ لو۔ کیونکہ جو حکمران اپنی رعایا کو عزیز رکھتا ہے اور ان کے معاملات کا خیال رکھتا ہے وہ اپنے مقاصد صرف اسی صورت میں حاصل کر سکتا ہے جب اور جس وقت چاہے اپنی مملکت کے کونے کونے سے آگاہی حاصل کر سکے۔ حقیقی انصاف صرف اِسی صورت میں بروئے کار آ سکتا ہے اور حکمران خود کو ضمیر کی ملامت

Marfat.com

سے بچا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس آیت کے رمزی معنی کی رُو سے یہ فرما رہا ہے کہ:

''اے بنی آدم! میں نے اپنے ایک بندے کو ایک وسیع وعریض مملکت کی حکومت عطا کی اور اُسے زمین کے تمام احوال واحداث کے بارے میں براہِ راست جانکاری کی صلاحیت بخش دی تاکہ وہ اپنی قلمرو میں مکمل طور پر انصاف نافذ کر سکے۔ اور میں نے چونکہ ہر انسان کو زمین میں خلیفہ بننے کی فطری قابلیت دی ہوئی ہے، اس لیے میں نے بلاشک اُسے۔ اپنی حکمت کے تقاضے کے پیشِ نظر۔ اُس لیاقت اور استعداد سے مالا مال کر دیا ہے جو اس کی فطری قابلیت سے میل کھاتی ہے؛ تاکہ وہ زمین کے اطراف واکناف کا مشاہدہ کر سکے اور جس چیز کا ادراک ہو سکتا ہو اس کا ادراک کر سکے اور ایک اکیلا انسان اگر اپنی اس انفرادی شخصیت کے بل پر اس مرتبے پر نہ پہنچ سکے تو اتنا تو ضرور ہے کہ بنی نوعِ انسان مجموعی طور پر تو ایسے مرتبے تک پہنچ سکتی ہے۔ اگر یہ مادی طور پر نہ بھی پہنچ سکے تو اہلِ ولایت کی طرح رُوحانی طور پر پہنچ سکتی ہے۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اے بنی نوعِ انسان! یہ نعمت جو تمہیں بخش دی گئی ہے اس سے فائدہ اٹھانا تمہاری استطاعت میں ہے، اس لئے پوری سنجیدگی سے میدان میں اُترو اور کمرِ ہمت باندھ کر تگ ودو میں لگ جاؤ تاکہ اس زمین کو ایک چھوٹے سے خوبصورت باغیچے کی شکل میں تبدیل کر دو، پھر اس باغیچے میں چلو پھرو، اس کے ہر حصے اور کونے کھدرے کو دیکھو اور لطف اٹھاؤ، اس کے ہر کونے اور زاویے کے احداث وواقعات کے بارے میں سُنو اور معلومات حاصل کرو۔ یہ سب کچھ کرو لیکن ایک چیز مت بھولو، اور وہ یہ کہ تم اس کے بندے ہو اور تمہاری اصل ذمہ داری بندگی ہے۔

مندرجہ ذیل آیت پر غور کرو:

﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ﴾ (حاشیہ:۱)

آیت میں پائے جانے والے فرمانِ الٰہی کو غور سے سُنو کہ: کس طرح انسان کے عزم کو ابھارنے اور اس کی ہمت کو بیدار کرنے کی طرف واضح اشارہ کر رہا ہے تاکہ وہ ایسے وسائل وذرائع کو بروئے کار لانے کا اہتمام کرے جن کے ساتھ گہری اور نازک ترین صنعت وحرفت اور سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے میدان میں ترقی کر کے دور دراز مقامات سے تصویریں اور آوازیں اپنے سامنے حاضر کر سکے۔ اب دیکھو اس آیت نے کس طرح دُور دراز مقامات سے تصویریں اور آوازیں اپنے سامنے حاضر کرنے کی آخری حدود کا تعین کر دیا ہے!

---

(حاشیہ:۱) الملک:۱۵

---

(حاشیہ:۱) الملک:15

Marfat.com

اورمثال کےطور پر یہ آیتیں:﴿وَ آخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْأَصْفَادِ﴾ (حاشیہ:۱)اور یہ آیت:﴿وَمِنَ الشَّيَاطِيْنِ مَنْ يَغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلاً دُوْنَ ذٰلِكَ وَ كُنَّا لَهُمْ حَافِظِيْنَ﴾ (حاشیہ:۲) یہ آیات کریمہ بتاتی ہیں کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے جنوں، شیطانوں اور دیگر خبیث روحوں کو اپنے تابع فرمان بنالیا تھا اور ان کے نقصان دہ پہلوؤں کو روک کر انہیں مفید کاموں میں استعمال کیا تھا، یعنی آیات کہتی ہیں:

جِن جو کہ انسانوں کے بعد زمین میں بسنے والی دوسری اہم اور باشعور مخلوق ہیں، انسانوں کے خادم بن سکتے ہیں اور ان سے رابطہ اور ملاقات رکھناممکن ہے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ شیاطین انسانوں کے ساتھ دشمنی رکھتے ہوئے بھی مجبوراً اس کی خدمت کریں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ایک بندے کے لئے اس طرح سے مسخر کردیا کہ وہ اُس کے ہر حکم پر بلا چُون وچرا عمل کرتے تھے۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے رمزی معنی کی رُو سے انسان کو یوں مخاطب کرتا ہے:

''اے انسان! میں نے اپنے ایک اطاعت گزار بندے کے لیے شریر قسم کے جنوں اور شیطانوں کو اس طرح مسخر کر دیا تھا کہ وہ اس کے حکم کے آگے سرتابی نہیں کرتے تھے، پس اگر تُو بھی میرے اوامر کے سامنے مسخر بن جائے تو ممکن ہے کہ جنوں اور شیطانوں سمیت بہت سی مخلوق تیرے لئے مسخر ہو جائے''۔

یُوں یہ آیتِ کریمہ ہمارے لئے آخری حدوں تک پہنچنے کے لیے لائن کھینچتی ،نشانِ راہ دیتی اور منصوبہ بندی کرتی ہے،اور ایسے بہترین اور سیدھے راستوں کا تعین کرتی ہے جن میں نفع ہی نفع ہے، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ آیات ہمارے سامنے ایک اور علم کے راستے کھول رہی ہیں،اور وہ ہے علم تحضير الأرواح ،یعنی روحوں کو حاضر کرنا اور ان سے گفتگو کرنا،اور جنوں کے ساتھ گفتگو کرنا جو کہ انسانی علوم وفنون یعنی سائنس اور آرٹ کے حسین امتزاج سے ٹپکا ہے اور انسان کی فوق العادت اور غیر معمولی مادی قوتوں اور روحانی احساسات سے ظہور میں آیا ہے۔لیکن ایسے نہیں ہے جیسے عصرِ حاضر میں سمجھا جاتا ہے کہ اِن معاملات میں دلچسپی لینے والے لوگ ایک مذاق بن کر رہ گئے ہیں، بلکہ ایسے لوگ اُن جنوں کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گئے ہیں جو کبھی کبھار مرے ہوئے لوگوں کے نام سے اِن کے پاس آکر انہیں اُلو بنالیتے ہیں،اور شیطانوں اور خبیث روحوں کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ بلکہ یہ مقصد صرف اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب قرآن کریم کے طلسم کی مدد سے ان کو مسخر کیا جائے اور ان کی شر سے محفوظ رہا جائے۔

پھر آیت کریمہ ﴿فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾(حاشیہ:۳)

اوراس جیسی دوسری آیات جو کہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ روحیں کوئی ایسی صورت شکل اختیار کرسکتی ہیں

---

(حاشیہ:۱) ص:38 (حاشیہ:۲) الانبیاء:82 (حاشیہ:۳)مریم:17

Marfat.com

جونظر آسکے۔اور پھر وہ آیات جو بتاتی ہیں کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے دیو اور بھوت پریت اکٹھے کر کے اپنے قابو میں اور تابع فرمان کر لیے تھے، یہ تمام آیات جہاں یہ اشارہ دیتی ہیں کہ روحانی چیزیں کوئی نظر آنے والا روپ دھار سکتی ہیں، وہاں یہ اشارہ بھی دیتی ہیں کہ روحوں کو حاضر بھی کیا جا سکتا ہے۔ البتہ نیک اور پاکیزہ روحوں کو حاضر کرنے کی جس صورت کا اشارہ قرآن مجید دیتا ہے وہ صورت یا طریق کار وہ نہیں ہے جسے عصر حاضر میں کچھ لوگ استعمال کر رہے ہیں، یہ لوگ اپنے کھیل تماشے اور دل لگی کی جگہوں پر مردوں کی روحوں سے رابطہ کر کے انہیں حاضر کر لیتے ہیں۔ یہ عمل ایک بالکل معمولی اور بیہودہ مذاق ہے جو اُن سنجیدہ اور معزز روحوں کے شایانِ شان ہرگز نہیں ہے جو دنیا میں سنجیدگی کی نمائندہ اور بیہودگی سے کوسوں دور اور نفور ہیں۔ بلکہ روحوں کو بلانا اُس طرح ممکن ہے جس طرح محی الدین ابن عربی جیسے اولیاء کرتے تھے، کہ وہ کسی اچھے سنجیدہ اور با مقصد کام کے لیے جب چاہتے تھے ان پاکیزہ روحوں کے روبرو ہو کر اُن سے بات چیت کر لیتے تھے، اور اس کے طفیل وہ اس طرح ہو گئے تھے کہ ان روحوں کے ساتھ ان کا رابطہ رہتا تھا، اُن کے لیے ان کے دلوں میں کشش رہتی تھی اور وہ ان کے ٹھکانوں پر پہنچ کر اور ان کی دنیا میں جا کر ان کی روحانیت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہ ہے وہ روحانیت جس کی طرف یہ آیات کریمہ اشارہ کرتی ہیں اور اپنے اس اشارے سے انسان کے اندر اس چیز کی رغبت اور شوق پیدا کرتی ہیں، ان مخفی علوم اور اعلی مہارتوں کی آخری حدود کا تعین کرتی ہیں اور وہاں تک پہنچتی ہیں اور انہیں خوبصورت اور دلنشیں پیرائے میں پیش کرتی ہیں۔

اور مثال کے طور پر یہ آیات: ﴿اِنَّا سَخَّرْ نَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِ شْرَاقِ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿يَاجِبَالُ أَوِّبِىْ مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾ (حاشیہ:۲)

اور ﴿عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ (حاشیہ:۳)

یہ آیاتِ کریمہ جو کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے معجزات بیان کر رہی ہیں، اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اُن کی تسبیحات اور ذکر واذکار کو ایسی عظیم الشان قوت، بلند آواز اور حسنِ ادا سے نواز دیا تھا جس سے پہاڑ بھی وجد و شوق میں جھوم اٹھتے تھے۔ گویا کہ پہاڑ بہت بڑے گراموفون تھے جو تسبیحات واذکار کو دہراتے تھے، یا پھر وہ بھاری بھرکم انسانوں کی طرح تھے جو ذکر کے حلقے میں حلقے کے رئیس کے ارد گرد تسبیح بیان کر رہے ہوں۔

آپ کیا سمجھتے ہیں، کیا یہ بات حقیقت ہے؟ اور کیا واقعہ میں ایسا ہونا ممکن ہے؟!

جی ہاں! یہ ایک قطعی حقیقت ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ کئی غاروں پر مشتمل پہاڑ اپنی زبان کے ساتھ ہر انسان کے ساتھ

---

(حاشیہ:۱) ص:18

(حاشیہ:۲) سبأ:10

(حاشیہ:۳) النمل:16

Marfat.com

ہمکلام ہو جائے اور اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر کلمے کو طوطے کی طرح دہراتا جائے؟ مثلاً اگر آپ کسی پہاڑ کے سامنے جا کر کہیں گے "الحمد لله" تو وہ بھی کہے گا: "الحمد لله" یعنی صدائے بازگشت کے ذریعے وہ اس آواز کی ہو بہو نقل اُتارے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ صلاحیت پہاڑوں کو عطا کر دی ہے تو اس قابلیت کو مزید بڑھایا اور پھیلایا جا سکتا ہے اور یہ مزید نکھر کر سامنے آسکتی ہے۔ بیج خوشہ بن سکتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا داؤد علیہ السلام کو رسالت کے ساتھ ساتھ چونکہ زمین کی خلافت بھی عطا کی تھی، اس لیے دونوں کی صلاحیت رکھنے والے اس بیج کی اُس نے اپنے ہاں خوب نشو و نما کی اور معجزانہ طریقے سے اُسے اس انداز سے پھل پھول لگائے جو ایک وسیع و عریض پیغمبری اور عظیم الشان حاکمیت کے حالات و اطوار کے شایانِ شان ہو۔ حتی کہ مضبوط اور فلک بوس پہاڑ کسی بھی ایماندار سپاہی کی طرح، اور کسی بھی شاگرد اور مرید کی طرح اُن کے حکم پر لبیک کہتے تھے اور ان کا ذکر ہوتے وقت سر جھکاتے تھے۔ اور یوں یہ پہاڑ اُن کے حکم کے مطابق اور اُن کی زبان میں عظیم الشان خالق کی تسبیح کرتے تھے اور آنحضرت علیہ السلام جو بھی ذکر کرتے یا تسبیح کرتے تھے یہ پہاڑ بعینہ وہی چیز دہراتے تھے۔

جی ہاں! موجودہ دور میں رسل و رسائل اور نشر و اشاعت کے جو وسائل و ذرائع ظہور میں آچکے ہیں، اُن کے بل پر فوج کا ایک کمانڈر اپنی مختلف پہاڑوں پر منتشر فوج سے ایک ہی وقت میں "الله اکبر" کا نعرہ صادر کروا سکتا ہے۔ اور یہ منظر کچھ ایسے لگے گا جیسے خود پہاڑ بول رہے ہوں اور "الله اکبر" اور "لا اله الا الله" وغیرہ جیسے الفاظ دہرا رہے ہوں۔ تو اگر انسانی فوج کا ایک قائد پہاڑوں پر بکھری ہوئی فوج کی زبان سے "مجازی طور پر" پہاڑوں کو بلوا سکتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے اُس رُعب دبدبے والے سپہ سالار کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا وہ اِن پہاڑوں سے "حقیقی" گفتگو اور حقیقی تسبیح نہیں کروا سکتا ہے؟۔ اس پر مزید ہماری وہ وضاحت بھی سامنے رکھیں جو ہم نے کئی سابقہ مضمونوں میں کی ہے، اور وہ یہ کہ: ہر پہاڑ کی اپنی ایک خاص معنوی شخصیت اور شناخت ہے، اور اُس کی اپنی ایک خاص تسبیح ہے جو اُسی کے ساتھ میل کھاتی ہے، اور اس کی اپنی ایک خاص عبادت ہے جو اُس کی شخصیت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ پس جس طرح ایک پہاڑ انسانی آواز کی بازگشت کے ذریعے تسبیح کرتا ہے، اُسی طرح اُس کی اپنے خالق الجلیل کے لئے کچھ ایسی تسبیحات بھی ہیں جنہیں وہ اپنی خصوصی زبانوں کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

اسی طرح یہ آیت: ﴿وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً﴾ (حاشیہ:۱)

اور ﴿عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ﴾ (حاشیہ:۲)

یہ آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سیدنا داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو تمام قسم کے پرندوں

(حاشیہ:۱) ص:19

(حاشیہ:۲) النمل:16

Marfat.com

کی بولیاں اور اُن کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کی زبانیں سکھادی تھیں، قابلیتوں اور صلاحیتوں کی زبان کا مطلب اِس بات کی سمجھ بوجھ تھی کہ کون سے کام ان کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں؟ اور یہ کہ اِن سے استفادہ کیسے ممکن ہے؟

جی ہاں! یہ حقیقت ایک بہت بڑی حقیقت ہے؛ کیونکہ جب یہ حقیقت ہے کہ سطحِ زمین اللہ تعالیٰ کا ایک رحمتوں بھرا دسترخوان ہے جو کہ انسان کی عزت وتکریم کی خاطر بچھایا گیا ہے، تو پھر یہ بات انتہائی ممکن ہے کہ وہ چرند پرند جو اس دستر خوان سے مستفید ہوتے ہیں وہ انسان کے لئے مسخر اور اس کے تابع فرمان ہوں، اس کے تصرف میں اور اُس کی خدمت میں ہوں۔ انسان جس نے شہد کی مکھی اور ریشم کے کیڑے سے خدمت لی ہے اور اس اِلہام سے نفع اٹھایا ہے جو اُن کی طرف اللہ نے کیا ہے، جس نے اپنے کئی معاملات میں پیغام رساں کبوتر کو استعمال کیا ہے، طوطے اور اس جیسے دیگر جانوروں کو بولنا سکھایا ہے اور اس طرح انسانی تہذیب وتمدن میں نئی نئی خوبصورتیوں کا اضافہ کیا ہے، تو پھر ایسا انسان جب پرندوں کی اور دوسرے جانداروں کی فطری استعداد اور صلاحیتوں سے واقف ہو جائے تو اُس کے لیے اس سے بھی زیادہ فائدہ اٹھانا ممکن ہے، اس حیثیت سے کہ ان جانداروں کی بہت زیادہ انواع واقسام اور بہت سے گروہ ہیں اور ہم اُن کی ہر نوع اور ہر قسم سے کوئی نہ کوئی فائدہ لازماً لے سکتے ہیں۔ بالکل ایسے جیسے اس نے پالتو جانوروں سے فائدہ اُٹھایا ہے، مثال کے طور پر: جب انسان اُن تلیروں کی صلاحیت کی زبان کا علم حاصل کر لے جو ٹڈیوں کو تباہ وبرباد کرتے ہیں اور انہیں پھلنے پھولنے کے لیے زندہ نہیں رہنے دیتے ہیں۔ اور جب وہ اِن کے تمام معاملات اور کام کاج کو ترتیب دے لے گا تو پھر اُس کے لیے ممکن ہے کہ انہیں ان ٹڈیوں کا صفایا کرنے کے لیے مسخر کر لے جو فصلوں کو تباہ وبرباد کر دیتا ہے۔ اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا تو سمجھو کہ اُس نے ان تلیروں سے بڑے اہم کاموں میں مفت کی خدمت لے لی۔

پرندوں کی صلاحیتوں کو سمجھ کر ان سے فائدہ اٹھانا، ٹیلیفون اور گراموفون جیسے جمادات کو بُلوا لینا، یہ آیات ایسی چیزوں کی آخری حدود تلک خط کھینچتی ہیں اور اُن کے بعید ترین ہدف کا تعین کرتی ہیں، اور اُن کی سب سے عظیم الشان صورت کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے اُس تک رسائی حاصل کرنے کا شوق دلاتی ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ ان آیاتِ کریمہ کے رمزی معنی کی رُو سے کہتا ہے:

اے بنی نوعِ انسان! میں نے اپنے ایک مکمل فرمانبردار بندے کے لیے جو تمہاری ہی جنس سے تھا، میں نے اس کے لیے اپنی بادشاہت میں عظیم الشان مخلوقات مسخر کر دیں اور اُنہیں اس کے لیے بولنا سکھادیا، اور انہیں اس کے لیے دیانتدار خدمت گزار اور اطاعت گزار سپاہی بنا دیا تا کہ بطور ایک پیغمبر کے اس کی نبوت معصوم اور بطور ایک حکمران و فرمانروا اُس کی عدالت محفوظ رہے۔ اور میں نے تم میں سے ہر ایک کو اتنی استعداد اور صلاحیتیں دے دی ہیں جن کے ساتھ وہ زمین میں خلیفہ بن سکے۔ اور تمہارے اندر سب سے بڑی امانت رکھ دی ہے، وہ امانت جسے اٹھانے سے زمین وآسمان اور پہاڑوں

Marfat.com

نے انکار کر دیا تھا۔ پس اب تمہیں یہ چاہیے کہ تم اُس ذات کے اوامر واحکام کے سامنے سرنگوں ہو جاؤ جس کے ہاتھ میں ان تمام مخلوقات کی چابیاں اور باگ ڈور ہے۔ اس سے یہ ہوگا کہ اس کی وہ تمام مخلوقات جو اس کی بادشاہت میں بکھری ہوئی ہیں، تمام کی تمام تمہارے آگے سرنگوں ہو جائیں گی۔ پس راستہ تمہارے سامنے ہموار ہے، چاہو تو اُس خالق العظیم کا نام لے کر ان تمام مخلوقات کی لگام ہاتھ میں لے سکتے ہو۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اُس مرتبے تک بلند ہو جاؤ جو تمہاری استعداد اور تمہاری صلاحیتوں کے شایانِ شان ہے۔

پس جب حقیقت یہ ہے تو پھر اے انسان! کسی بھی ایسے کام میں خود کو مت اُلجھاؤ جو فضول اور بے معنی ہو، کسی بھی ایسے کھیل تماشے میں مت پڑو جس سے کچھ حاصل نہ ہو، جیسے ریکارڈ پلیئر، گراموفون اور دیگر آلات موسیقی، کبوتر بازی اور طوطوں کو باتیں سکھانا وغیرہ۔ بلکہ کسی ایسی تفریح کی طلب میں رہو جو سب سے زیادہ پر لطف خوشنما اور پاکیزہ ہو، اور دل کے لئے کسی ایسی تسلی کی تلاش میں رہو جو سب سے زیادہ لذیذ اور خوشگوار ہو۔ تا کہ یہ پہاڑ تمہارے لیے گراموفون اور ساؤنڈ سسٹم کا کام دیں اور تمہارے ذکر واذکار کی آواز کو تمہارے سنگ سنگ دہراتے رہیں جیسے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے لیے کرتے تھے۔ اور اپنے کانوں کو درختوں اور پیڑ پودوں کے اُن اذکار وتسبیحات سے مزین کرلو جو اُن کی زبانوں سے دھیمے دھیمے اور میٹھے سُروں میں اُس وقت نکلتی ہیں جب بادِ نسیم انہیں چُھو کر آگے نکل جاتی ہے اور ان کے دل کے تار ہلا جاتی ہے۔ اس بلند آہنگ آسمانی ذکر کے ذریعے پہاڑ تمہارے سامنے ہزاروں زبانیں رکھ دیں گے جن میں سے ہر زبان ذکر و تسبیح میں مصروف ہوگی اور تمہارے سامنے اِس عجیب ترین مخلوق کی اصل ماہیت سے پردہ اُٹھا دے گی یعنی بتا دے گی کہ پہاڑوں کی اصل حقیقت یہ ہے۔ اور تب اکثر پرندے _ سلیمان علیہ السلام کے ہُد ہُد کی طرح _ ایک قریبی، مانوس اور غمگسار دوست کا لباس پہن لیں گے اور تمہارے فرمانبردار اور خدمت گزار بن جائیں گے، اور یوں تمہیں بے نظیر قسم کی تسلی فراہم کریں گے اور ایسی تفریح مہیا کریں گے جو کسی بھی قسم کے نقصان دہ پہلو سے پاک ہو۔ اور اس پر مزید یہ کہ یہ عالی شان ذکر تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں تمہاری ان صلاحیتوں اور قابلیتوں کے کمال درجے تک لے جائے گا جو تمہاری فطرت یا طبعیت کے نہاں خانوں میں چھپی ہوئی ہیں، یہ اُن صلاحیتوں کو آشکار کرے گا اور انہیں گم نامی کے پردوں سے باہر نکالے گا۔ اور اس طرح وہ تمہارے آگے رکاوٹ نہیں بن جائے گا اور تمہیں انسانیت کے بلند و بالا مقام اور عالی شان حقیقت کی طرف جانے کا شوق دلائے گا۔ اور پھر اُس کے بعد کوئی فضول اور بے فائدہ لہو ولعب تمہیں پستیوں کے گڑھے میں نہیں گرا سکے گا۔

اور مثال کے طور پر ﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَ سَلامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ﴾ (حاشیہ۱)

یہ آیت کریمہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ایک معجزہ سے متعلق ہے، اور اس میں تین لطیف اشارے ہیں:

---

(حاشیہ۱) الانبیاء:69

Marfat.com

## پہلا اشارہ:

دوسرے اسباب وعناصر کی طرح آگ کی باگ ڈور بھی خود اُس کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے، اِس لیے وہ اپنی مرضی کے مطابق جیسے چاہے اندھا دھند کام نہیں کرتی، بلکہ اپنی ذمہ داری ویسے ہی نبھاتی ہے جیسے اُس پر فرض کر دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلایا نہیں؛ کیونکہ اُسے نہ جلانے کا حکم دیا گیا تھا۔

## دوسرا اِشارہ:

آگ کا ایک درجہ ایسا بھی ہے جہاں وہ اپنی ٹھنڈک کی وجہ سے جلا دیتی ہے، یعنی ٹھنڈک وہی کام کرتی ہے جو حرارت کرتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ٹھنڈک کو ''سلامًا (حاشیہ ا) کے لفظ سے مخاطب کر کے کہتا ہے کہ: ''جس طرح حرارت نے ابراہیم علیہ السلام کو نہیں جلایا، اس طرح تُو بھی اُنہیں نہیں جلانا''۔ مطلب یہ ہے کہ آگ جب اس درجے میں پہنچ جاتی ہے تو اپنی ٹھنڈک سے ایسی تاثیر پیدا کرتی ہے جیسے کہ جلا رہی ہو، گویا کہ وہ آگ بھی ہے اور ٹھنڈک بھی۔

جی ہاں! آگ کے مختلف درجات ہیں_ جیسے کہ علمِ طبیعیات میں یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے_ اور ان میں سے ایک درجہ سفید آگ کی شکل میں ہے، یہ آگ حرارت نہیں پھیلاتی ہے بلکہ اردگرد کی حرارت کو کھینچ لیتی ہے، اور ماحول کو ٹھنڈا کر دیتی ہے اور یُوں اردگرد کی تمام مائع اور سیال چیزوں کو جما دیتا ہے۔ گویا کہ یہ اپنی ٹھنڈک سے انہیں جلا دیتی ہے۔ زمہریر بھی آگ ہی کی ایک قسم ہے جو اپنی ٹھنڈک کے ساتھ جلا دیتی ہے، اس لیے دوزخ میں اس کا ہونا بہت ضروری ہے؛ کیونکہ دوزخ میں آگ کے تمام درجوں اور تمام قسموں کا پایا جانا ضروری ہے۔

## تیسرا اِشارہ:

جس طرح ایمان جو کہ ایک معنوی یعنی ''غیر مادی'' چیز ہے، دوزخ کی آگ کے اثرات سے بچاتا ہے اور اہلِ ایمان کو اس سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور جس طرح اسلام آگ سے بچانے کے لیے ایک مضبوط زِرہ ہے، اسی طرح یہ ایک ''مادی'' چیز بھی ہے جو دنیا کی آگ سے بچاتی ہے اور اس کے لیے ایک زِرہ کی حیثیت رکھتی ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں_ جو کہ دار الحکمت ہے_ اپنی تمام کاروائیاں اپنے اسم گرامی (الحکیم) کے تقاضے کی رُو سے اسباب کے پردے کے تحت کرتا ہے، اس لیے آگ نے جس طرح جناب ابراہیم علیہ السلام کے جسم کو نہیں جلایا، اِسی طرح آپ کے کپڑے کو بھی نہیں جلایا۔ اور آپ کو اس آگ کے مقابلے میں ایسی مزاحمت والی حالت عطا کر دی گئی جس سے آگ نہ آپ کے جسم کو جلا سکی اور نہ آپ کے کپڑے کو۔

تو یہ آیت اس بات کا اشارہ دیتی ہے کہ:

---

(حاشیہ ۲) ایک تفسیر میں ہے کہ: اگر اللہ تعالیٰ ''سلامًا'' یعنی سلامتی والی ہو جا نہ کہتا، تو یہ اپنی ٹھنڈک سے اُنہیں جلا دیتی۔ مؤلف۔

Marfat.com

اے قومِ ابراہیم! ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو تاکہ تمہارا مادی و معنوی لباس دنیا و آخرت میں تمہارے لیے تمہارے سب سے بڑے دشمن یعنی آگ کے مقابلے میں بچاؤ کے لیے مضبوط زِرہ بن جائے۔ مزید برآں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کے نیچے ایسا مواد چھپا رکھا ہے جو تمہیں آگ کے نقصان سے بچا سکتا ہے، بالکل ایسے جیسے ایمان کا وہ لباس جو تُم نے اپنی روحوں کو پہنایا ہے تمہیں جہنم کی آگ کے نقصان سے بچائے گا۔ اس لیے اٹھو اور زمین کے باطن سے وہ مواد تلاش کر کے باہر نکالو اور اپنے اُوپر اس کی تہہ چڑھا لو جو تمہیں حرارت سے بچائے۔

اور یوں انسان نے اپنی تلاش و جستجو کے نتیجے میں وہ مادہ دریافت کر لیا جسے آگ جلا نہیں سکتی، بلکہ وہ مادہ آگ کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور انسان نے اُس کے کپڑے بنا کر پہن لیے۔

پھر یہ بھی دیکھیں کہ یہ آیت کس طرح ایک ایسے عُمدہ اور خوبصورت کپڑے کی نشاندہی کرتی ہے جو ﴿حَنِيفًا مُّسْلِمًا﴾ یعنی خالص اطاعت اور فرمانبرداری کے کارخانے میں تیار ہوا ہے، جو پُرانا نہیں ہو گا پھٹے گا نہیں اور اپنے حسن و جمال کے ساتھ ابد تک باقی رہے گا۔

اور مثال کے طور پر ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ (حاشیہ:۱) یہ آیتِ کریمہ بیان کرتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خلافت کبریٰ کے دعوے میں سب سے بڑا معجزہ تعلیمُ الاسماء ہے۔

تو جس طرح ہر نبی کا معجزہ کسی نہ کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کہ خارقِ عادت اور غیر معمولی ہے اور جس کا صدور خصوصی طور پر اُسی سے ہوا ہے، اِسی طرح ابو الانبیاء اور فاتحہء دیوانِ نبوت آدم علیہ السلام کا معجزہ پوری صراحت کے ساتھ نوع بشری کے انتہائی کمال کی طرف اشارہ کرتا ہے، انسانی ترقی کی آخری چوٹی اور اس کے آخری اہداف و مقاصد کا تعین کرتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ معنوی طور پر اس آیت کے اشاری معنی کی رُو سے فرماتا ہے:

''اے بنی آدم! تمہارے باپ کو جو دعوائے خلافت میں ملائکہ پر فوقیت کی حجت ملی ہے وہ اُن اسماء کی وجہ سے ملی ہے جو میں نے اسے سکھائے تھے۔ اور تم اس کے بیٹے اور اس کی صلاحیتوں اور استعدادوں کے مالک ہو، اس لیے یہ ضروری ہے کہ تم ان تمام اسماء کا علم حاصل کرو تاکہ تمام مخلوقات کے مقابلے میں اِس امانتِ عظمیٰ کا وارث بننے کے لئے اپنی اہلیت ثابت کر سکو۔ اور یاد رکھو کہ کائنات میں اعلیٰ مراتب تک پہنچنے کے لیے تمہارے سامنے راستہ ہموار ہو چکا ہے اور زمین جیسی گرانڈیل مخلوق تمہارے لیے مسخر کر دی گئی ہے، اس لیے اٹھو، کمرِ ہمت باندھو اور آگے بڑھو کیونکہ راستہ تمہارے سامنے کھلا پڑا ہے۔ میرے تمام ناموں میں سے ایک ایک نام کو مضبوطی سے پکڑ لو، پوری قوت کے ساتھ اُس کا دامن تھام لو تاکہ تم بلندیوں کو چھو سکو، لیکن پورے احتیاط کے ساتھ! کیونکہ شیطان تمہارے باپ کو ایک دفعہ ورغلا چکا ہے اور اُسے دھوکا دے

(حاشیہ:۱) البقرہ:31

Marfat.com

چکا ہے، جس کے وجہ سے وہ وقتی طور پر جنت جیسے بلند مقام سے زمین پر گر گئے تھے، اس لیے خبردار! اپنی اس ترقی وتقدم کی دوڑ میں شیطان کی پیروی نہ کر بیٹھنا؛ کیونکہ اگر ایسا ہو گیا تو پھر یہ شیطان تمہیں حکمتِ الٰہیہ کے آسمانوں کی بلندیوں سے مادیات اور طبیعیات کی گمراہیوں میں گرا دینے کا ذریعہ بن جائے گا۔ وقتاً فوقتاً سر اُٹھاؤ اور میرے اسمائے حسنیٰ میں غور وفکر کرو اور اپنی سائنسی ترقیوں اور علمی فتوحات کو ان بلند آسمانوں تک پہنچنے کا زینہ بناؤ، تاکہ تم اپنے ان علوم اور کمالات کے حقائق تک رسائی حاصل کر سکو اور ان کے اصلی سرچشموں تک پہنچ جاؤ۔ اور ان کے اصلی سرچشمے صرف میرے اسمائے حسنیٰ ہیں۔

اور ان اسمائے حسنیٰ کی دوربین کے ذریعے اپنے دلوں کی بصیرت کے ساتھ اپنے پروردگار کا نظارہ کرو'

## ایک اہم نکتہ اور ایک گہرے راز کی وضاحت

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو جامع قسم کی صلاحیتیں رکھ دی ہیں اُن کی رُو سے اُس نے سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے میدان میں جتنی بھی ترقیاں کی ہیں، اور عجیب وغریب صنعت وحرفت اور ایجادات وانکشافات کے ضمن میں اُس نے جو معرکے سَر کیے ہیں اُن سب کی تعبیر آیتِ کریمہ: ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ "تعلیم الأسماء" کے عنوان سے کرتی ہے۔ اور یہ تعبیر ایک بلند شان اور گہری رمز پر مشتمل ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

**بے شک ہر علم ہر فن، ہر ترقی اور ہر کمال کی ایک بُلند اور عالی شان حقیقت ہوتی ہے، اور وہ حقیقت اللہ تعالیٰ کے اُسمائے حسنیٰ میں سے کسی نہ کسی نام کے سہارے کھڑی ہیف۔ اور وہ اسم مختلف پردوں اور انواع واقسام کی تجلیوں کا حامل ہوتا ہے اور مختلف متنوع اور گوناگوں دائروں میں اُس کا ظہور ہوتا ہے۔ اب یہ حقیقت جب اُس اسم کا سہارا لے لیتی ہے تو وہ علم، وہ فن، وہ ترقی اور وہ کمال تکمیل پالیتا ہے اور عروج پر پہنچ جاتا ہے اور واقعتاً ایک حقیقت بن جاتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ علم وفن ناقص ادھورا، بے کار، بے ہنگم، بدنظم، بے رونق اور پرچھانواں رہ جاتا ہے۔**

مثال کے طور پر انجینئر نگ سائنس کا ایک شعبہ ہے اِس کی حقیقت اور آخری غرض وغایت اللہ تعالیٰ کے اِسم "العدل" یعنی ہر چیز کو اُس کے اصل مقام اور موقع محل پر تخلیق کرنے والا اور "المقدِر" یعنی ہر چیز کو ایک خاص اندازہ یا پیمائش دینے والا، تک رسائی حاصل کرنا ہے، اور انجینئر نگ کے آئینے میں اس اسم کی تمام عظمت اور ہیبت بھری حکیمانہ تجلیات کا مشاہدہ کرنا ہے۔

اور مثال کے طور پر طب یا میڈیکل ایک سائنس ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک مہارت اور پیشہ بھی ہے۔ اس علم کی حقیقت اور غرض وغایت اللہ تعالیٰ کے اُسمائے حسنیٰ میں سے اسمِ "الشافی" پر اعتماد کرتی ہے، اب یہی طب جب ایک بہت بڑی فارمیسی کا روپ رکھنے والی سطحِ زمین پر پھیلی ہوئی دواؤں میں اسم "الشافی" کی رحمتوں بھری تجلیات کا مشاہدہ

Marfat.com

کرتی ہے تو اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے اور بالفعل ایک حقیقت بن جاتی ہے۔

اور سائنس کی وہ شاخیں جو موجودات کی حقیقت کے بارے میں بحث کرتی ہیں ــ جیسے فزکس، کیمسٹری، باٹنی اور وغیرہ ــ سائنس کی یہ تمام شاخیں جو کہ حکمتِ اشیاء ہیں، واقعتاً حقیقی حکمت بن سکتی ہیں، اُس وقت جب یہ اشیاء میں پائی جانے والی اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی "الحکیم" کی تجلیاتِ کُبریٰ کا مشاہدہ کرلیں، اور یہ تجلیات تدبیر، تربیت اور نگہداشت کی تجلیات ہیں۔ اِن اشیاء میں پائے جانے والے منافع اور مصالح کی تجلیات کے مشاہدے سے یہ حکمت واقعتاً حکمت بن جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ اسم "الحکیم" کا سہارا لے گی اور اُس پر بھروسا کرے گی تو یہ بالفعل حکمت بن جائے گی صرف لفظی گورکھ دھندہ نہیں رہے گی۔ اور اگر اس کی نسبت اس اسم گرامی کی طرف نہ ہوسکی اور اس کا اعتماد اس پر نہ رہا تو پھر یہ حکمت خرافات کا روپ دھار جائے گی جس میں کسی قسم کا کوئی بھی فائدہ نہیں ہوگا، اور یا پھر گمراہی کے کئی دروازے کھول دے گی جیسے کہ مادی طبیعیاتی فلسفے کا حال ہے۔

ان تینوں مثالوں میں غور کرو اور علوم وفنون وکمالات کے باقی جتنے بھی شعبے ہیں سب کو ان پر قیاس کرلو۔

اور یوں قرآن حکیم اس آیتِ کریمہ کے ذریعے نوعِ بشری کا ہاتھ پکڑ کر اسے نئی نئی راہیں سُجھاتا ہے، اُس کی کمر پر تھپکی دے کر اُس کے دل میں آگے بڑھنے کا شوق اُبھارتا ہے اور اسے اُن بلند ترین نقاط، بعید ترین حدود اور آخری مقاصد و مراتب تک پہنچنے کا انگلی سے اشارہ دیتا ہے جن تک وہ اپنی موجودہ انتہائی ترقی کے باوجود نہیں پہنچ سکا ہے، گویا کہ قرآن اُسے کہتا ہے کہ: اٹھ، اور آگے بڑھ۔

اِس آیت کریمہ کے لَبالَب خزانے سے ہم صرف اِسی ایک نفیس موتی پر اکتفا کرتے ہیں، اور یہ دروازہ سردست بند کرتے ہیں۔

اور مثال کے طور پر تمام انبیاء کو جتنے بھی معجزے دیے گئے ہیں وہ تمام کے تمام مل کر ایک ایسا معجزہ شمار ہوں گے جس سے نبی ﷺ کی رسالت کی تصدیق ہوتی ہے، وہ نبی ﷺ جو خاتم دیوانِ نبوت، سیدُ المرسلین اور فخرُ العالمین ہیں، جو تمام اَسمائے حسنیٰ میں پائے جانے والے اُن تمام مراتب کی واضح اور تفصیلی علامت ہیں جن مراتب کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کو مجمل طور پر دی تھی۔ یہ ہیں وہ محبوب پیغمبر محمد ﷺ جنہوں نے اللہ کے جلال کے ساتھ انگلی اوپر اٹھائی تو چاند دو ٹکڑے ہوگیا، اور اللہ کے جمال کے ساتھ وہی مبارک انگلی نیچے کی تو کوثر کی طرح پانی جاری ہوگیا۔ جن کی ہزار معجزے سے تصدیق وتایید ہوئی۔ اس پیغمبر نے قرآن کریم کو سب سے بڑے معجزے کے طور پر پیش کیا، جس سے جن و انس کو اس طرح چیلنج کیا: ﴿قُل لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا﴾ (حاشیہ:۱)

(حاشیہ:۱) الاسراء:88

Marfat.com

یہ اور اس جیسی دوسری آیات جن وانس کی نظروں کو اس دائمی معجزے میں پائے جانے والے نمایاں اور روشن ترین پہلوؤں کی طرف پھیرتی ہیں، اور اُن کی توجہ اُس کے بیان میں پائی جانے والی حقیقت اور الفاظ وتراکیب میں پائی جانے والی فصاحت مضبوطی اور عمدگی، اُس کی تعبیروں میں پائی جانے والی بلند آہنگ بلاغت، اُس کے معانی میں پائی جانے والی جامعیت اور ہمہ گیریت، اور اُس کے مختلف اور متنوع اُسالیب میں پائی جانے والی رفعت اور شیرینی کی طرف مبذول کراتی ہیں۔ پس اس معجز بیان قرآن نے تمام جنوں اور انسانوں کو چیلنج دیا ہے اور مسلسل دے رہا ہے۔ اس سے وہ اپنے خیر خواہوں میں شوق پیدا کرتا ہے، اپنے بدخواہوں کے پوشیدہ عناد کو حرکت دیتا ہے اور تمام لوگوں کو شدید شوق اور ترغیب کے ساتھ اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اس جیسی کتاب لا کر دکھائیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس معجزۂ کبریٰ کو تمام لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ایک بہت اونچے مقام پر رکھتا ہے جس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا انسان کا اس دنیا میں آنے کا صرف ایک ہی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ وہ اس مُعجزہ عظمیٰ کو اپنی زندگی کا دستور اور اپنی آرزوؤں کی منزل بنا کر اس معجزے میں غور کر کے پورے علم وشعور کے ساتھ انسانیت کی تخلیق کے نتیجے کی طرف چلتا جائے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ: انبیاء کرام کے جتنے بھی معجزے ہیں اُن میں سے ہر معجزہ کسی نہ کسی غیر معمولی انسانی پیشے، فن، آرٹ اور صنعت وحرفت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور آدم علیہ السلام کا معجزہ تو تمام علوم وفنون وکمالات وعجائبات اور سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے ہر شعبے اور ہر برانچ کی جامع فہرست کی حیثیت رکھتا ہے اور ان تمام علوم وفنون اور پیشوں کی بنیادوں کی طرف مختصر سا اشارہ کر کے ان میں کمال حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے نبی ﷺ کے معجزۂ کُبریٰ یعنی قرآنِ معجز بیان کا، تو چونکہ تعلیم الاسماء کی حقیقت اس میں پوری آب وتاب سے جگمگا رہی ہے، اور پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ پائی جاتی ہے، اس لیے یہ حقیقی علوم وفنون کے صحیح اور بامقصد اہداف کا تعین کرتا ہے۔ اور پوری وضاحت سے بتاتا ہے کہ دنیا وآخرت کے اصل کمالات اور حقیقی سعادتیں کون سی ہیں اور کیسے حاصل ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہ نوعِ انسان کی توجہ اس طرف مبذول کرتا ہے، اس میں اِس چیز کو حاصل کرنے کی شدید رغبت پیدا کرتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے کشاں کشاں منزل تک لے جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ تشویق وترغیب کے اسلوب میں بیان کرتا ہے کہ: ''اے انسان! اس کون ومکان کی تخلیق کا بلند ترین مقصد یہ ہے کہ تو ربوبیت کے مقابلے میں اپنی کلی عبودیت کا مظاہرہ کرے۔ اور تیری تخلیق کی انتہائی غرض وغایت یہ ہے کہ تیری یہ عبودیت سائنس اور دیگر علمی و عملی کمالات سے اپنی انتہاؤں کو چھو لے''۔

اور یوں وہ مختلف معجز بیان اور دلفریب تعبیروں کے ساتھ اس چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ:

بنی نوعِ انسان زمین پر اپنے آخری ایام میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی رو میں بہتے چلے جائیں گے۔ وہ اپنی ہر قسم کی

Marfat.com

طاقت اور قوت علوم وفنون سے حاصل کریں گے، یعنی یہ کہ اُس دور میں حکم اور طاقت کی لگام علم کے ہاتھ میں ہوگی۔

قرآن معجز بیان چونکہ جزالتِ بیان اور بلاغتِ کلام کا خاص خیال رکھتا ہے اور اپنی ہر بات جا بجا اسی اسلوب میں دہراتا ہے، تو اس سے گویا وہ اس چیز کا اشارہ دیتا ہے کہ بیان کی پختگی اور فصاحت اور کلام کی دلنشینی اور بلاغت جو کہ علوم و فنون کے روشن ترین روپ ہیں؛ آخری دور میں یہ دونوں انتہائی خوبصورت لباس اور دلکش صورت میں ظاہر ہوں گے۔ حتیٰ کہ لوگوں کا اس دور میں سب سے زیادہ تیز اور کارآمد ہتھیار یہی سخنوری اور سحر بیانی ہوگی، اور سب سے رعب دار قوت یہی جادو بیانی اور بلاغتِ سامانی ہوگی، یعنی اُس وقت جب لوگ دوسروں کو مطمئن کرنے اور انہیں قائل کر کے اپنا ہمنوا بنانے کے لیے اپنے افکار و معتقدات کا اظہار کریں گے اور یا پھر جب اپنی آراء و افکار اور قراردادوں کو پاس کروانا چاہیں گے۔

حاصل یہ ہے کہ:

قرآن کریم کی اکثر آیاتِ کریمہ بلند کمالات اور علمی جواہرات سے بھرے ہوئے عظیم الشان خزانوں کی چابیاں ہیں، سو اگر تم قرآن کریم کے آسمانوں اور آیاتِ کریمہ کے ستاروں تک پہنچنا چاہتے ہو تو (گزشتہ بیس مقالوں) کو بیس زینوں والی سیڑھی بنا کر ان بلندیوں تک پہنچ جاؤ (حاشیہ:۱) اور پھر وہاں بلندیوں پر بیٹھ کر دیکھو کہ قرآن کریم کتنا روشن سورج ہے۔

اور غور کرو کہ قرآن کریم کس طرح اُلوہیت کی حقیقت اور موجودات کے حقائق پر اپنی تابناک روشنی بکھیر رہا ہے۔ اور کس طرح تمام مخلوقات پر اپنے چمکدار نُور کی جگمگاتی کرنوں کی بارش برسا رہا ہے۔

نتیجہ:

الف: وہ آیات جن میں خصوصی طور پر انبیاء کے معجزات کا ذکر ہوا ہے، اُن میں اُن تمام غیر معمولی اور خارقِ عادت ترقیوں کی طرف گہرے قسم کے اشارے پائے جاتے ہیں جو دورِ حاضر میں سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے میدان میں ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں۔

ب: ان آیات کا اپنا ایک خصوصی اندازِ بیان ہے، گویا کہ وہ اُن ترقیوں کی آخری حدود تک وہ لائن کھینچ دیتی ہیں جس پر چل کر انتہاؤں تک پہنچا جاسکتا ہے۔

ج: یہ بات قطعی طور پر ثابت شدہ اور علماء کے ہاں متفق علیہ ہے کہ ہر آیت بہت سے معانی و مفاہیم پر دلالت کرتی ہے۔

---

(حاشیہ:۱) بلکہ ''تینتیس مقالات''، ''تینتیس مکتوبات''، ''اکتیس لمعات'' اور ''تیرہ شعاعیں''، یہ ایک سو بیس مضامین سیڑھی کے ایک سو بیس زینے ہیں جن کے ذریعے اُوپر چڑھا جاسکتا ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

۵: انبیاء علیہم السلام کی اتباع واقتداء کا مُطلق حکم ہے اور اِس باب میں استثنائی صورت کوئی نہیں۔ اِس لیے ان تمام حقائق کے پیشِ نظر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ:

اِن مذکورہ آیات کے کچھ معانی ومفاہیم تو وہ ہیں جن پر یہ صراحتًا دلالت کرتی ہیں اور کچھ معانی ومفاہیم وہ ہیں جن پر یہ اشارتًا دلالت کرتی ہیں۔ اور اُن معانی ومفاہیم سے مراد وہ علوم وفنون اور صنعتیں ہیں جن کی آخری حدود تک پہنچنے کے لیے یہ آیتیں نوعِ انسانی کو شوق دلا رہی ہیں۔

## دو اہم سوال اور اُن کے دو اہم جوابات

**پہلا سوال:** اگر آپ یہ کہیں کہ قرآن کریم کا نزول انسان کی خاطر ہوا ہے تو پھر وہ تہذیبِ حاضر کے اُن معجزات کا ذکر صراحت کے ساتھ کیوں نہیں کرتا جو انسان کی نظر میں بڑے اہم ہیں، بلکہ اس کی بجائے صرف پوشیدہ رمزوں، مخفی اشاروں اور کمزور قسم کی تنبیہوں اور یاددہانیوں پر ہی اکتفا کرتا ہے؟

**جواب:** انسانی تہذیب کے موجودہ کارناموں کا ذکر_ حق یہی ہے کہ_ صرف اتنی مقدار میں ہی کیا جائے، اس سے زیادہ نہیں؛ کیونکہ قرآن کریم کا بنیادی وظیفہ دائرہ ربوبیت کے حالات ومعاملات وکمالات اور دائرہ عبودیت کے وظائف واحوال کی تعلیم دینا ہے۔

اس لیے انسانی تہذیب وتمدن کی ان فتوحات کا ان دونوں دائروں میں سے صرف اتنا ہی حق یا حصہ بنتا ہے کہ ان کی طرف کمزور سی رمز اور مخفی سا اشارہ کر دیا جائے اور بس۔ کیونکہ اگر یہ چیزیں ربوبیت کے دائرے سے اپنے حقوق کا دعویٰ کریں گی، تو بالکل تھوڑا سا حق لے سکیں گی۔

**مثال کے طور پر:** اگر انسانی ہوائی جہاز (حاشیہ:۱) قرآن کریم سے اپنے حق کا مطالبہ کرے اور کہے کہ: مجھے بولنے کا حق دو اور اپنی آیات کے مابین جگہ دو'، تو پھر دائرہ ربوبیت کے تمام جہاز یعنی سیارے، زمین اور چاند وغیرہ قرآنِ کریم کے نام سے کہیں گے: تم یہاں جگہ لے سکتے ہو لیکن اپنے جسم، حُجم اور سائز کے مطابق، اس سے زیادہ ہرگز نہیں''

اور اگر بشری آبدوزیں آیاتِ کریمہ کے درمیان اپنا مقام بنانے کا مطالبہ کریں تو پھر زمین اور ستارے جو کہ اس دائرے کی آبدوزیں ہیں۔ یعنی جو ایتھر اور محیطِ ہوائی کے سمندر میں تیر رہے ہیں، سب پکار اُٹھیں گے کہ: تجھے ہمارے درمیان صرف اتنی سی جگہ مل سکتی ہے جو شاید نظر بھی نہ آسکے۔

اور اگر بجلی اپنے ستاروں جیسے جگمگاتے چراغوں کو لے کر حقِ کلام کا مطالبہ کرتے ہوئے آیات کے درمیان اپنی جگہ

---

(حاشیہ:۱) اس سنجیدہ موضوع پر بحث کرتے ہوئے میرا قلم بے اختیار اس ہلکے پھلکے انداز (Dialogue) کی طرف چلا گیا، اور میں نے اسے روکا نہیں۔ امید ہے کہ یہ انداز موضوع کی سنجیدگی پر اثرانداز نہیں ہوگا۔ مؤلف۔

Marfat.com

بنانی چاہے، تو پھر اُس دائرے کی بجلیاں، شہاب ہائے ثاقب، ستارے اور روئے آسمان کو زینت دینے والے روشن چراغ جو کہ اس دائرے کے جگمگاتے ہوئے کہربائی چراغ ہیں۔ اُسے جواب دیں گے کہ:

تو ہمارے ساتھ قرآن کے مضامین اور بیانات میں جگہ پا سکتی ہے لیکن صرف اُتنی مقدار میں کہ جتنی روشنی کی تُو مالک ہے"

اور اگر دورِ حاضر کی تمام تمدّنی اختراعات وایجادات _ اپنی گہری اور دقیق صنعت گری کی زبان سے _ اپنے حقوق کا مطالبہ شروع کر دیں اور آیاتِ کریمہ کے درمیان اپنا مقام لینا چاہیں۔ تو اُس وقت ایک چھوٹی سی مکھی اُن کے روبرو آکر کہے گی:

"خاموش رہو! تمہیں میرے ایک پر کے برابر بھی دعویٰ کرنے کا حق نہیں پہنچتا! اگر تمہاری تمام اختراعات و ایجادات _ جو کہ انسان کے جزوی ارادے کی مرہونِ منت ہیں _ اور تمہاری یہ تمام سائنسی مشینری، اگر یہ سب چیزیں اکٹھی کردی جائیں تو یہ اُس لطیف مشینری اور دقیق ٹیکنالوجی سے زیادہ عجیب وغریب اور حیران کُن نہیں ہوسکتی ہیں جس کا نمونہ میرا یہ چھوٹا سا جسم پیش کر رہا ہے۔ اور یہ آیتِ کریمہ تم سب کو لاجواب کر دے گی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾ (حاشیہ:۱)

اور یہ تمام تمدّنی اختراعات وایجادات اگر عبودیت کے دائرے میں جا کر اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گی تو وہاں سے کچھ اس طرح کا جواب پائیں گی:

"تمہارا تعلق ہمارے ساتھ بہت کمزور اور بالکل تھوڑا سا ہے، اس لیے تمہارا ہمارے دائرے میں داخل ہونا کوئی آسان کام نہیں؛ کیونکہ ہمارا اُسلوبِ حیات یہ ہے کہ:

یہ دنیا ایک مہمان خانہ ہے، اور انسان ایک مہمان ہے جو کہ یہاں بہت تھوڑی دیر کے لیے قیام کرے گا۔ اور اس کی ذمہ داریاں بڑی بھاری اور بے شمار ہیں۔ اور اُسے اس چیز کا مکلف کیا گیا ہے کہ وہ اس چھوٹی سی عمر میں ابدی اور دائمی زندگی کے لوازمات کی تیاری کرے۔ بنابریں، اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اس چیز کو ترجیح دے جو زیادہ اہم اور زیادہ ضروری ہے۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ تم پر غالبًا ایسی نفسیات وکیفیات غالب آجاتی ہیں جو غفلت اور کھیل تماشے کے دبیز پردوں کے نیچے دبے ہونے کی وجہ سے اس فانی دنیا کی محبت میں گرفتار ہوتی ہیں، چنانچہ تم دنیا سے اس طرح سے چمٹ جاتے ہو جیسے کہ یہ سدا بہار اور ہمیشہ رہنے والی ہو، اس بنا پر تمہارا حصہ عبودیت کے اُس دائرے میں سے _ جس کی بُنیاد حق کی ہدایت اور آخرت کے بارے میں غور وفکر پر رکھی گئی ہے، بہت کم ہے۔

---

(حاشیہ:۱) الحج:73

Marfat.com

لیکن۔ اگر تمہارے درمیان یا تمہارے پیچھے کوئی ماہر صنعتکار، ہنر مند موجد اور تعلق باللہ رکھنے والے سائنسدان پائے جاتے ہوں، جو کہ بہت کم ہوتے ہیں اور وہ مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیے پورے اخلاص کے ساتھ سرگرمِ عمل رہیں_ اور ظاہر ہے کہ یہ ایک بڑی قیمتی عبادت ہے_ اور مصلحتِ عامہ، لوگوں کی فلاح و بہبود اور اجتماعی زندگی کی ترقی اور کمال کے لیے تگ و دو کرتے ہوں، اگر ایسے لوگ معاشرے میں پائے جاتے ہوں تو قرآنِ کریم کے یہ رموز واشارات ان حساس لوگوں کی فنکاریوں اور ہنرمندیوں کی قدردانی، حوصلہ افزائی، اُن کی ذہنی بالیدگی اور اُن میں سعی واجتہاد کا شوق اُبھارنے کے لیے کافی ہیں۔

## دوسرے سوال کا جواب:

اگر تم کہو کہ: ''اِس تحقیق کے بعد میرے دل میں اب کوئی شبہ نہیں رہ گیا ہے۔ میرے ہاں یہ بات اب یقینی طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ قرآن میں ہر وہ چیز یقیناً موجود ہے جو دنیا اور آخرت کی سعادت مندی کے لئے ضروری ہے، لیکن ہر چیز کا وجود اس کی قدر و قیمت اور اہمیت کے حساب سے ہے؛ مثلاً موجودہ تہذیب وتمدن کے عجائبات سے متعلق اس میں رموز واشارات پائے جاتے ہیں، بلکہ اس سے بھی آگے ایسے ہزاروں حقائق ہیں جن کی طرف اشارات ملتے ہیں اور اُن سے پھر آگے کئی دیگر حقائق کے نشانات ملتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن کریم نے ایسے حقائق اور ایسے عجائبات کو مکمل صراحت کے ساتھ ذکر کیوں نہ کر دیا، اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ ضدی اور ہٹ دھرم قسم کے کافر ماننے اور تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتے اور ہمارے دل مطمئن ہو جاتے !!!

## الجواب:

دین نام ہے آزمائش اور امتحان کا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو جن احکام واوامر کا مکلف کیا گیا ہے ان سے بھی ایک قسم کا تجربہ اور امتحان ہی مقصود ہے، تاکہ مقابلے اور مسابقت کے میدان میں پست و بلند روحوں میں امتیاز ہوتا رہے۔

جیسے معدنیات کو آگ میں ڈال کر پگھلایا جاتا ہے تاکہ ہیرے کوئلے سے اور سونا مٹی سے الگ ہو جائے، اسی طرح یہی حال اس دارُالامتحان میں اللہ کی طرف سے عائد کردہ تکالیف یعنی احکامات کا ہے۔ تو گویا کہ یہ احکام واوامر آزمائش، تجربہ اور مسابقت کا انعقاد ہیں تاکہ انسان کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کی معدنیات میں سے نفیس زر و جواہر دوسرے گھٹیا اور بے کار مواد سے ممتاز ہو جائیں۔

قرآن اس دارالامتحان میں چونکہ انسان کی آزمائش کے لئے نازل ہوا ہے تاکہ مسابقت کی اِس فضا میں وہ ہر پہلو سے مکمل ہو کر میدان عمل میں اُترے، اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ وہ اُن دُنیاوی امور سے متعلق صرف اشارہ کر دے جو ابھی پردۂ غیب میں ہیں اور جو مستقبل میں سب کے سامنے واضح ہو کر آجائیں گے۔ اور اس طرح وہ عقل کے لیے صرف اُتنا ہی

Marfat.com

دروازہ کھولتا ہے جتنا کہ اُس کی دلیل کو ثابت کرنے کے لیے ضروری ہو۔ وگرنہ اگر قرآنِ کریم ان اُمور کو صراحت کے ساتھ ذکر کردیتا تو احکام کے ذریعے مکلف کرنے میں جو حکمت پائی جاتی ہے وہ بے معنی سی ہو کر رہ جاتی؛ کیونکہ اس طرح ہر حکم کی حکمت اور غرض وغایت وغیرہ بالکل اتنی بدیہی اور واضح ہو جاتی جیسے کہ آسمان کی سطح پر ستاروں کے ساتھ بالکل واضح طور پر ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' لکھ دیا جائے، جس کی تصدیق ہر دیکھنے والے کو_ وہ چاہے یا نہ چاہے_ کرنی ہی پڑے گی؛ کیونکہ وہ ہر ایک کو صاف نظر آرہا ہوگا۔ اور ایسے میں کسی مقابلے، مسابقے، آزمائش اور پرکھ پڑچول کا کوئی معنی ہی نہ ہوتا، اور سفلی روحیں جو کہ کوئلے کی طرح ہیں ہیرے جیسی علوی روحوں کے برابر ہو جاتیں۔ (حاشیہ:۱)

**خلاصہ:**

یہ ہے کہ قرآن حکیم پُر حکمت کتاب ہے اِس لیے وہ ہر چیز کے مقام کا تعین اُس کی قدر و قیمت کے حساب سے کرتا ہے۔ نوعِ انسانی کی تعمیر و ترقی اور تہذیب و تمدن کے وہ ثمرات جو ہمیں آج نظر آرہے ہیں، ان ثمرات کو اُس نے آج سے تیرہ سو سال پہلے_ جب کہ یہ مستقبل کی تاریکیوں میں چھپے ہُوئے تھے_ پردہ غیب کے پیچھے سے اتنا واضح طور پر دیکھ لیا تھا جتنا واضح ہم آج بھی نہیں دیکھ پارہے ہیں اور نہ ہی آئندہ دیکھ سکیں گے، حالانکہ آج یہ ہماری آنکھوں کے بالکل سامنے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ایسی ذات کا کلام ہے جو ہر زمانے کے معاملات اور اس میں واقع ہونے والی موجودات کو آنِ واحد میں دیکھ لیتی ہے۔ یہ ہے قرآنی اعجاز کی ایک کرن جو انبیاء کے معجزات کے چہرے پر جھلملا رہی ہے۔

اللهم فهمنا اسرار القرآن ووفقنا لخدمته فی کل آن و زمان

﴿سُبۡحَانَکَ لاَ عِلۡمَ لَنَا اِلاَّ مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ﴾

﴿رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِذۡنَا اِنۡ نَسِیۡنَا اَوۡ اَخۡطَاۡنَا﴾

اللهم صل وسلم وبارک و کرم علی سید نا ومولانا محمد، عبدک ونبیک ورسولک النبی الأمی و علی آله و أصحابه وأزواجه وذریاته وعلی النبیین والمرسلین والملائکة المقربین والأولیاء الصالحین، أفضل صلاة وأزکی سلام و أنمی برکات بعدد سُور القرآن وآیاته وحروفه وکلماته ومعانیه واشاراته ورموزه و دلالاته ۔ واغفر لنا وارحمنا والطف بنا یاالٰهنا، یاخالقنا، بکل صلاة منها برحمتک یاأرحم الراحمین.

والحمد لله رب العالمین آمین

☆ ☆ ☆

---

(حاشیہ:۱) یعنی ابوجہل ملعون اور صدیق رضی اللہ عنہ برابر دکھائی دیتے، اور آزمائش میں جو راز پایا جاتا ہے وہ بالکل ختم ہو جاتا۔ مؤلف۔

Marfat.com

# اکیسواں مقالہ

## [اس مقالے میں دو مقام ہیں]

### پہلا مقام:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا﴾ (حاشیہ:۱)

عمر، جسم اور منصب میں بڑے آدمی نے ایک دن مجھ سے کہا: نماز پڑھنا کام تو بہت اچھا ہے، لیکن روزانہ پانچ وقتوں میں پانچ دفعہ ادا کرنا بہت زیادہ ہے، جس کی وجہ سے انسان اُکتا سا جاتا ہے!۔

اس بات پر ایک لمبا عرصہ گزر گیا، پھر ایک دن اچانک میں نے اپنے 'مَن'' کی آواز پر کان دھرا تو سنا کہ وہ بالکل وہی الفاظ دہرا رہا ہے! میں نے تھوڑی دیر کے لیے غور کیا تو پتا چلا کہ میرے مَن نے بھی سستی اور کسلمندی کی راہ سے شیطان سے وہی سبق حاصل کر لیا ہے، تب مجھے یقین ہو گیا کہ اُس آدمی نے جب یہ کلمات کہے تھے تو گویا کہ اس نے تمام نفسہائے امارہ کی زبان سے مستعار لیے تھے، یا یوں کہو کہ تمام نفسہائے امارہ نے اس کے زبان سے یہ الفاظ کہلوائے تھے۔ ''تو میں نے کہا میرا نفس چونکہ امّارہ ہے اور جو اپنے نفس کی اصلاح نہیں کر سکتا وہ دوسروں کی اصلاح کسی بھی صورت نہیں کر سکتا۔ پھر میں اپنے نفس سے شروع کرتا ہوں''۔

اے میرے نفس! جہلِ مرکب کی دلدل میں سر تا پا ڈوبے ہوئے اور کاہلی کے بستر پر غفلت کی نیند میں مدہوشی کی حالت میں پڑے ہوئے تم نے یہ جو بڑا بول بولا ہے، اس کے مقابلے میں، میں تمہیں پانچ تنبیہیں سناتا ہوں، ان میں غور کرو:

### پہلی تنبیہ:

اے میرے بدبخت من! کیا تمہاری عمر کبھی ختم نہیں ہوگی؟ کیا تمہارے پاس اس چیز کی قطعی ضمانت ہے کہ تم اگلے سال تک، بلکہ کل تک زندہ رہو گے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر عمرِ دوام کے وہم میں مبتلا رہ کر تم نماز کے تکرار سے اکتانے اور گھبرانے کیوں لگے؟ یہ ناز و نخرہ جس کا اظہار تم کر رہے ہو اس سے تو ایسے لگتا ہے کہ تمہیں اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ تم اس دنیا میں ہمیشہ رہو گے!! اگر تم یہ بات سمجھ جاؤ کہ تمہاری عمر نہایت مختصر ہے اور یہ بُری طرح بے فائدہ ضائع ہو رہی ہے،

(حاشیہ:۱) سورۃ النساء، الآیۃ:۳

Marfat.com

تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ ایک ایسی خدمت اور ایسی ذمہ داری میں صرف کرنا جو انتہائی خوبصورت، پُرلطف راحت بخش، تمہارے لیے سراپا رحمت اور ابدی اور ہمیشہ کی پُرسعادت زندگی کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے؛ یہ ایک گھنٹہ تمہارے لئے یقیناً گرانبار اور اکتاہٹ کا باعث نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ شوقِ خالص اور ذوق عالی کو حرکت دینے والا بہترین وسیلہ بن جائے گا۔

## دوسری تنبیہ:

اے میرے شکم پرور من! تم ہر روز روٹی کھاتے ہو، پانی پیتے ہو، سانس لیتے ہو، کیا ان سب کاموں کا تکرار تنگدلی اور اکتاہٹ پیدا کرتا ہے؟؟ بے شک نہیں؛ کیونکہ ضرورت کا تکرار ملال کا باعث نہیں ہوتا بلکہ لذت کی تجدید کرتا ہے، اس لیے نماز جو کہ میرے دل کو غذا فراہم کرتی ہے، میری روح کے لیے آبِ حیات ہے اور میرے جسم میں پوشیدہ لطیف ربانی احساسات کے لیے بادِ نسیم کا جھونکا ہے، ضروری ہے کہ تمہیں اس طرح کا بنادے گی کہ پھر تم کبھی بھی اکتاہٹ یا بیزاری کا اظہار نہیں کروگے۔

جی ہاں!

بے شک وہ دل جو بے حد وحساب ہموم وغموم اور آلام ومصائب سے دوچار رہتا ہے، جو بے حد وحساب آمال ولذائذ پر فریفتہ رہتا ہے، اس دل کے لیے قوت اور غذا کا حصول ایک ہی طریقے سے ممکن ہے، اور وہ یہ کہ وہ مکمل گریہ زاری کا وسیلہ لے کر اس رحیم وکریم کا دروازہ کھٹکھٹائے جو **عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر** ہے۔ اور بے شک وہ روح جس کا تعلق ان مخلوقات کے ساتھ بہت زیادہ ہے جو اس فانی دنیا میں تیز رفتاری سے آتی اور چلی جاتی ہیں، وہ روح آبِ حیات سے صرف اسی صورت میں سیراب رہ سکتی ہے جب وہ نماز کے ذریعے اس معبودِ باقی اور محبوبِ سرمدی کی رحمت کے چشمے کی طرف رخ کرلے گی۔

جی ہاں! انسان کے جسم میں پایا جانے والا وہ لطیفہ جسے "سِر" کہا جاتا ہے، وہ لطیفہ جو انتہائی حساس اور گہرے شعور اور اتھاہ لطافت کا مالک ہے، وہ ایک نورانی اور ربانی لطیفہ ہے، جو دوام وخلود کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ فطری طور پر وہ دوام وخلود کا مشتاق ہے اور اُس جلالت مآب ذات کی تجلیات کو منعکس کرنے والا آئینہ ہے۔ اس حساس لطیفے کو اس دنیا کے تنگ وتاریک، گلوگیر، عارضی اور مہلک حالات سے جنم لینے والی اس مشقت، قساوت، دباؤ اور تناؤ بھری فضا میں سانس لینے کی سخت ضرورت ہے، اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ جب وہ نماز کی کھڑکی کے روبرو کھڑا ہو کر تازہ ہوا اندر کھینچے۔

## تیسری تنبیہ:

اے میرے بے صبرے من! آج تم ماضی میں کی ہوئی عبادت سے ملنے والی تکلیفوں، مشقتوں اور نماز کی صعوبتوں

Marfat.com

اور سابقہ مصائب سے لاحق ہونے والی زحمتوں کو یاد کر کے تلملاتے ہو، اور پھر آنے والے دنوں میں عبادات وواجبات، نمازوں کو ادا کرنے کی خدمات اور مصائب کی تکلیفوں کے بارے میں سوچتے ہو اور پھر جزع فزع کرتے ہو، قلتِ صبر بلکہ عدمِ صبر کا مظاہرہ کرتے ہو۔ خود ہی بتاؤ کہ ایسی حرکت کسی بھی ایسے آدمی سے صادر ہو سکتی ہے جس کے پاس تھوڑی سی بھی عقل ہو؟ اس بے صبری کے مظاہرے کے بارے میں سوچ سوچ کر ہلکان ہونا سوائے حماقت اور بیوقوفی کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا ہے، یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کل کو لاحق ہونے والی بھوک اور پیاس کے خوف اور فکر سے آج ہی چیخنا چلانا شروع کر دیا جائے کہ اب کیا بنے گا! مجھے تو کل بہت سخت بھوک لگے گی!!

جب حقیقت یہی ہے، تو پھر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ صرف آج کی عبادت کے لیے صرف آج ہی سوچو اور کہو کہ: آج کے دن سے ایک گھنٹہ میں ایک خوبصورت، لذیذ اور بہت زیادہ اہمیت کے حامل فریضے کی ادائیگی اور اس انتہائی عظیم اور بلند مرتبے والی خدمت میں صرف کروں گا جس میں تکلیف تو برائے نام ہے لیکن اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ یہاں آکر تم محسوس کرو گے کہ: تمہاری الم خیز سستی ایک شیریں ہمت اور لذیذ ولولے میں تبدیل ہو گئی ہے۔

سو اے میرے بے صبرے من! تم تین طرح کے صبر کے مکلف ہو:

ا۔ اطاعت پر صبر

ب۔ معصیت سے رکنے پر صبر

ج۔ مصیبت کے وقت صبر

اگر تم سمجھداری سے کام لو تو اس تنبیہ میں پائی جانے والی جلیل القدر حقیقت کو اپنا قائد بنالو اور اس سے عبرت اور رہنمائی حاصل کرو، اور پورے اعتماد سے مردانہ وار کہہ دو: یا صبور. اور پھر صبر کی ان تینوں قسموں کی چلتی پھرتی تصویر بن جاؤ، اور صبر کی اس قوت سے مزیّن ہو جاؤ، اور اسی قوت پر اعتماد کرو جو تم میں ودیعت کر دی گئی ہے، اور یقین رکھو کہ یہ ایک ایسی قوت ہے کہ اگر اسے کسی غلطی سے ادھر ادھر کے کاموں میں بکھرنے نہیں دو گے تو یہ تمام مشقتوں اور آلام ومصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے کافی ہو جائے گی۔

## چوتھی تنبیہ:

اے میرے بے لگام اور حواس باختہ من!

کیا خیال ہے کہ نماز جیسی بندگی کی ادائیگی بے نتیجہ اور بے فائدہ ہے؟ اور کیا اس کی اُجرت اتنی معمولی ہے کہ تم نے اس سے اکتانا شروع کر دیا ہے؟ جبکہ حالت یہ ہے کہ ہم میں سے کسی کو اگر کوئی آدمی کچھ پیسوں کا لالچ دے کر یا ڈرا دھمکا کر کسی کام پر لگا دے تو کسی تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا مظاہرہ کیے بغیر شام تک پوری محنت سے کام کرتا رہے گا!

Marfat.com

بے شک وہ نماز جو اس عارضی مہمان سرا میں تمہارے اس عاجز، فقیر اور مسکین دل کے لیے قوت اور سکون کا باعث ہے، جو نماز تیرے اُس تاریک گھر یعنی قبر کے لیے غذا اور ضیاء ہے جہاں تو عنقریب جا رہا ہے، جو اُس عدالت یعنی محشر کے لیے تمہاری برأت اور نجات کا پروانہ ہے جہاں تم عنقریب پیش کیے جاؤ گے، اور جو نماز تمہارے لیے اُس پل صراط پر روشنی اور بزاق بنے گی جس پر سے تمہیں بہر صورت گزرنا ہے۔ جس نماز کے یہ عظیم الشان نتائج ہیں کیا وہ بے نتیجہ اور بے فائدہ ہے؟ یا وہ معمولی اجرت کی حامل ہے؟

اگر کوئی آدمی تمہیں سو دن کام کرنے کے عوض سو ڈالر دینے کا وعدہ کرے تو تم اس کے اس وعدے پر اعتبار کرتے ہوئے پوری مستعدی کے ساتھ کسی بھی تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا اظہار کیے بغیر کام کرتے رہو گے، حالانکہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی کر جائے، تو اس ذات کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے اور وہ وعدے کی کبھی بھی خلاف ورزی نہیں کرتا ہے؟ اس کے ہاں وعدہ کی خلاف ورزی محال ہے۔ اس نے تمہارے ساتھ ایک اجرت اور معاوضہ دینے کا وعدہ کیا ہے، اور وہ ہے جنت، اس نے تمہارے ساتھ تمہیں ابدی سعادت سے نوازنے کا وعدہ کیا ہے صرف ایک ایسا وظیفہ ادا کرنے کے بدلے میں جو انتہائی آسان، راحت بخش اور پر لطف ہے اور بہت تھوڑا وقت لیتا ہے۔ تم یہ سوچتے نہیں کہ اگر اس معمولی سے وظیفے اور چھوٹی سی خدمت کو سرانجام دینے کے لیے کمر بستہ نہ ہوئے، یا سرانجام تو دیا لیکن بے دلی سے اور تسلسل کے ساتھ نہیں، تو تم اس کے تحفے کی توہین کرو گے اور اس کے وعدے کو کم تر ہونے کی نظر سے دیکھو گے! تو کیا ایسی صورت میں اے جانِ من! تم تادیب، گوشمالی اور سزا کے مستحق نہیں ٹھہرو گے؟ کیا جہنم جو کہ ایک ابدی قید خانہ ہے، اس کا خوف اس انتہائی، آسان اور لطیف وظیفے کو ادا کرنے کے لیے تمہاری ہمت نہیں بندھاتا ہے؟ تمہیں برانگیختہ نہیں کرتا ہے؟ جبکہ یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ تم دنیا کے اس قید خانے کے خوف سے بڑے پر مشقت اور کمر توڑ کام بغیر کسی تھکاوٹ اور اکتاہٹ کے انجام دیتے ہو۔ دنیا کا یہ قید خانہ جہنم کے ابدی قید خانے کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟

## پانچویں تنبیہ:

اے میرے دنیا کے دیوانے من! ۔ کیا تمہاری عبادت میں سستی اور کسلمندی اور نماز میں کوتاہی کا باعث تمہاری دنیاوی مصروفیات کی کثرت ہے؟ یا ہموم عیش کے غلبے کی وجہ سے تمہیں اس چیز کی فرصت نہیں ملتی؟! بڑے تعجب کی بات ہے! کیا تم صرف اسی دنیا کے لیے پیدا کیے گئے ہو کہ اپنا تمام وقت اسی کے لیے صرف کر رہے ہو؟

غور کرو کہ! باوجود اس کے کہ تم قابلیت کے لحاظ سے تمام جانداروں سے افضل ہو اور تم جانتے ہو کہ زندگی کے لوازمات کے حصول میں ایک چڑیا کے برابر بھی نہیں ہوسکتے ہو۔ اس سے تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ تمہاری

Marfat.com

اصل ذمہ داری جانوروں کی طرح دنیا میں انہماک اور اسی کے ساز وسامان کا اہتمام کرتے رہنا نہیں، بلکہ حقیقی انسان کی طرح اس دائمی اور ابدی زندگی کے لیے تگ ودو کرنا ہے۔اور پھر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ دنیا کی وہ مشغولیات ومصروفیات جو ہمہ وقت تمہارے پیش نظر رہتی اور تمہارے حافظے کے ساتھ چپکی رہتی ہیں، وہ لایعنی اور بیکار قسم کی مصروفیات ہیں، اور یہ وہ مصروفیات ہیں جن میں تم خواہ مخواہ دخل اندازی کر کے ایسی باتوں میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہو جن کی نہ کوئی قیمت ہے نہ ضرورت، اور نہ ہی ان سے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا ہے۔مثال کے طور پر یہ کہ امریکا میں پائی جانے والی مرغیوں کی کل تعداد کتنی ہے؟ یا یہ کہ زحل کے گرد کتنے دائرے ہیں وغیرہ۔گویا کہ اس بات کا پتا چل گیا تو تم ایک بہت بڑے ماہر حساب دان بن جاؤ گے یا فلک سے تمہیں کچھ حصہ مل جائے گا!! یوں تم زیادہ ضروری، زیادہ اہمیت والے اور زیادہ لازمی کاموں کو اس طرح چھوڑ دیتے ہو گویا کہ تمہیں اس دنیا میں ہزاروں برس جینا ہے!!

اگر آپ یہ کہیں کہ: نماز اور عبادت کے بارے میں میری سستی اور کمزوری کی وجہ یہ فضول باتیں نہیں ہیں بلکہ فکرِ معاش اور غمِ روزگار ہے، تو میں تمہیں ایک مثال سناتا ہوں:

اگر ایک آدمی کی یومیہ اجرت سو روپیہ ہو، اور ایک شخص اسے کہے کہ: آؤ اور دس منٹ کے لیے یہاں سے زمین کھودو تمہیں یہاں سے ایک زمرّد ملے گا جو کہ سو (۱۰۰) ڈالر کی مالیت کا ہے۔اب وہ آدمی یہ پیشکش یہ کہہ کر رد کر دے کہ میری سو روپے کی دیہاڑی ضائع ہو جائے گی اس لیے میں یہ کام نہیں کر سکتا، تو اس کا یہ عذر کتنا فضول بلکہ کتنا بڑا پاگل پن ہوگا!۔

تمہاری حالت بھی یہی ہے، اگر تم فرض نماز چھوڑ دو گے، تو اس باغ میں تمہاری سعی وعمل کے تمام ثمرات بے کار کے دنیاوی نان ونفقہ میں منحصر ہو جائیں گے اور تمہیں ان سے کوئی فائدہ یا برکت حاصل نہیں ہوگی، لیکن اگر تم سعی وعمل کے درمیان والے تفریحی وقفے نماز میں گزارو گے، جو کہ روح کی راحت اور دل کے سکون کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے، تو تمہارے اخروی نان ونفقہ اور زادِ راہ کے ساتھ اس بابرکت دنیاوی نان ونفقہ کو بھی ملا کر اُس چیز کا بھی اضافہ کر دیا جائے گا جو تم مندرجہ ذیل دو عظیم روحانی خزانوں کے سرچشمے سے حاصل کرو گے:

**پہلا خزانہ:**

اس باغ میں (حاشیہ:۱) تم نے خالص نیت کے ساتھ جتنی بھی نباتات، جڑی بوٹیاں اور پھل پھول تیار کیے ہیں وہ سب اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، اور ان کی تسبیحات سے تمہیں حصہ وافر ملے گا۔جب تم اچھی نیت کے ساتھ کرو گے۔

**دوسرا خزانہ:**

تمہارے اس باغ کے پھلوں پھولوں سے جو بھی مستفید ہوگا خواہ وہ کوئی حیوان ہو، انسان ہو، دوکان دار ہو یا چور، یہ

(حاشیہ:۱) مخاطب یہاں وہ سائل ہے جو 'بارلا' کے ایک باغ میں بطور مالی کے کام کرتا تھا۔مولف۔

Marfat.com

سب تمہاری طرف سے صدقۂ جاریہ کے حکم میں ہوگا۔اس شرط پر کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کے مال کو اس کی مخلوقات میں بانٹنے کے لیے نمائندے اور ملازم مقرر کیے گئے ہو، یعنی تم اپنا ہر تصرف اس رازقِ حقیقی کے نام سے اور اس کی رضامندیوں کی روشنی میں کرو۔اب ہم ذرا اس آدمی کا جائزہ لیتے ہیں جس نے نماز چھوڑ دی، یہ آدمی کتنے بڑے خسارے سے دوچار ہوا؟ اور وہ اتنی بڑی دولت وثروت سے کتنی بڑی محرومی کا شکار ہوا؟ اور کس طرح وہ ان دو دائمی اور ابدی خزانوں سے محروم اور نادار رہے گا جو انسان کو عمل کے لیے ایک عظیم روحانی قوت مہیا کرتے ہیں اور اس میں سعی ونشاط کا شوق پیدا کرتے ہیں؟! حتی کہ جو جو بھی بڑھاپے کے قریب ہوتا جائے گا؛ باغیچہ میں کام کرنے سے اکتا جائے گا اور تنگ پڑ جائے گا اور اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہے گا: مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں خود کو تھکاتا پھروں؟ میں کس کے لیے کام کروں؟؛ کیونکہ میں ویسے ہی اس دنیا سے کوچ کرنے والا ہوں!۔اور اس طرح وہ خود کو کاہلی اور کسلمندی کی گود میں گرا دے گا۔جبکہ پہلا آدمی خود کو مخاطب ہو کے کہتا ہے: میں اپنی اس روز افزوں عبادت کے پہلو بہ پہلو حلال کام کے لیے بھرپور محنت اور اَن تھک تگ ودو کروں گا، تاکہ میں اپنی قبر کے لئے زیادہ سے زیادہ روشنی کا انتظام کرسکوں اور اپنی آخرت کے لیے زیادہ سے زیادہ ذخیرہ اندوزی کرسکوں۔

خلاصۂ کلام:

اے میرے نفس یاد رکھو کہ:۔گزرا ہوا کل تو تمہیں چھوڑ چکا، رہا آنے والا کل، تو وہ ابھی آیا نہیں، اور اگر آ بھی جائے گا تو تمہارے پاس اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ تم زندہ رہو گے، اس لیے یہ یقین رکھو کہ فقط امروز ہے تیرا زمانہ۔اور تمہاری حقیقی عمر آج کا دن ہی ہے۔اس میں کم از کم یہ کرلو کہ اس کے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ اُس صندوق میں ڈالتے جاؤ جس میں آخرت کا ذخیرہ کیا جاتا ہے، اور وہ ہے مسجد یا مُصلّٰی، تاکہ تمہارے لیے حقیقی اور دائمی مستقبل کی ضمانت دی جاسکے۔اور تمہیں اس بات کا بھی علم ہونا چاہیے کہ ہر نیا دن تمہارے اور دوسروں کے لیے ایک نئے عالَم کی طرف کھلنے والا دروازہ ہے۔اور اگر تم نے اس دن میں نماز ادا نہ کی تو اس دن کا عالَم عالَمُ الغیب کے ہاں تاریک، غمگین اور شکوہ کناں جائے گا اور تمہارے خلاف گواہی دے گا اور یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کا اس عالَم کے متوازی اپنا ایک خاص عالَم ہے، یعنی ہم میں سے ہر انسان کی اپنی ایک الگ دنیا ہے، اور اس دنیا کا تانا بانا ہمارے عمل اور ہمارے دل سے بنتا ہے۔اس کی مثال ایک آئینے کی طرح ہے کہ اس میں ہر تصویر اُس کے رنگ ڈھنگ کے مطابق ظاہر ہوتی ہے، آئینہ اگر زنگ آلود اور سیاہ ہوگا تو تصویر بھی سیاہ اور غیر واضح ہی نظر آئے گی اور اگر صیقل شدہ اور جلا دار ہوگا تو تصویر بالکل واضح نظر آئے گی، اور پھر اگر آئینہ ناہموار ہوگا تو تصویر بھی ناہموار، بھدی، بہت بڑی یا بہت چھوٹی نظر آئے گی۔تم بھی اے میری جان! ایسے ہی ہو، تم اپنے دل، عقل اور عمل کے ساتھ اپنی دنیا کی تصویروں میں تبدیلی لا سکتے ہو، یہ تمہارے ارادہ واختیار کا کرشمہ ہے کہ اس

Marfat.com

کائنات کو اپنے حق میں کرلو یا اپنے خلاف۔ بالکل اسی طرح تم جب نماز ادا کرو گے اور اپنی اس نماز کے ذریعے اپنا رخ اس عالم کے خالقِ ذوالجلال کی طرف کیے رکھو گے تو وہ عالم جس کا رخ تمہاری طرف ہے، اسی وقت جگمگا اٹھے گا، گویا کہ تم نے نماز کی نیت سے روشنی کا بٹن دبا دیا اور تمہاری نماز کے بلب نے اس عالم کو جگمگا دیا۔ اس موقع پر تمہارے اردگرد دنیا کی جتنی پریشانیاں، بے تابیاں اور پراگندگیاں ہیں آن کی آن میں تبدیل ہو جائیں گی؛ کیونکہ روشنی ہوگئی ہے۔ اور تمہیں یہ ہموم وغموم اور آلام ومصائب ایک پرحکمت نظام اور ایسے الفاظ وحروف نظر آئیں گے جو بڑے بامعنی، مفہوم دار اور پُرمغز ہیں، جو قدرتِ ربانی کے قلم سے لکھے گئے ہیں! تب تمہارے دل میں ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ کی بے پناہ روشنیوں کا ایک کوندا در آئے گا، اس سے تمہارے اس دن کا وہ عالم روشن ہو جائے گا، اور وہ اللہ کے ہاں اپنی نورانیت کے ذریعے تمہارے حق میں گواہی دے گا۔

خبردار میرے بھائی! یہ مت کہنا کہ: ایسی حقیقی نماز کے سامنے میری اس نماز کی بھلا کیا حقیقت ہے؟ کیونکہ جس طرح ایک معمولی سی گٹھلی کے اندر ایک مکمل کھجور کا تار و پود چھپا ہوا ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ اجمالی کھجور ہے اور وہ تفصیلی۔ اسی طرح میرے اور آپ جیسے عام لوگوں کی نماز میں اس نور کا ایک حصہ اور اس حقیقت کے اسرار ورموز کی ایک رمز ہوتی ہے۔ اور یہ حصہ اور یہ رمز ہمارے تمہارے جیسے لوگوں کی نمازوں میں بھی ایسے ہی ہوتی ہے جیسے بڑے بڑے اولیاء کرام کی نمازوں میں ہوتی ہے۔ اگرچہ بے شعور ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اس نماز کی نورانیت کے درجات مختلف ہیں، بالکل ایسے جیسے کھجور کی گٹھلی سے لے کر مکمل درخت بننے تک کے درجات ومراتب میں تفاوت پایا جاتا ہے، اور قطع نظر اس سے کہ نماز کے درجات ومراتب بہت زیادہ ہیں، ان تمام کے تمام مراتب میں وہ نورانی حقیقت اساسی طور پر موجود ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مَنْ قَالَ: (اَلصَّلَاةُ عِمَادُ الدِّيْن) وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْن.

---

Marfat.com

دوسرا مقام:

# (دل کے پانچ قسم کے زخموں کے لیے پانچ مرہم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُبِکَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَأَعُوذُبِکَ رَبِّ أَنْ يَّحْضُرُوْنَ﴾ (حاشیہ:۱)

میرے وسوسے کی بیماری میں مبتلا بھائی! کاش تمہیں معلوم ہو جائے کہ تمہارا یہ وسوسہ کس چیز کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے؟ یہ مصیبت کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتا ہے جو چھوٹی سی شروع ہوتی ہے اور پھر تم جتنا اس کا اہتمام کرو گے اس کے حساب سے بڑی ہوتی جاتی ہے، اور اگر اس کی طرف توجہ نہ دی جائے تو زوال پذیر ہو کے فنا ہو جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ اگر اسے بڑا سمجھیں گے تو یہ بڑی ہو جائے گی اور اگر اسے چھوٹا سمجھیں گے تو چھوٹی ہو جائے گی، اگر آپ اس سے ڈریں گے تو یہ تمہیں پاؤں کے نیچے کچل دے گی اور تمہیں بیماریوں کی آماجگاہ بنا کر عاجز اور ذلیل کر دے گی، اور اگر اس سے ڈریں گے نہیں تو یہ تمہارے پاؤں کی نوک پر ہوگی، منہ چھپائے گی اور غائب ہو جائے گی۔ اگر آپ اس کی اصلیت نہ سمجھ سکیں گے تو یہ آتی رہے گی اور آنگن میں ڈیرے ڈال دے گی، اور اگر آپ اس کی اصلیت پہچان جائیں گے، تو یہ معدوم ہو جائے گی۔ بات جب یہی ہے تو میں اس وسوسے کی عام طور پر سامنے آنے والی وجوہات میں سے پانچ کی وضاحت کیے دیتا ہوں، امید ہے کہ یہ وضاحت اللہ کے فضل و کرم سے ہم دونوں کے سینوں کے لیے شفا کا کام دے گی؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ جہالت اور بے علمی وسوسوں کو مقناطیس کی طرح کھینچتے ہیں، جبکہ اس کے برعکس علم وسوسوں کو دور دھکیلتا ہے۔ اس لیے اگر تم اس کے بارے میں جاہل اور لاعلم رہو گے تو یہ تمہاری طرف لپکیں گے اور قریب ہو جائیں گے، اور اگر تم ان کی پہچان حاصل کر لو گے تو یہ منہ پھیر کر دور بھاگ جائیں گے۔

## پہلی وجہ

شیطان پہلے تو اپنی طرف سے دل میں شبہہ ڈالتا ہے، پھر دل کی گہرائیوں میں اس کی بازگشت پر نظر رکھتا ہے۔ پھر دل اگر اس شبہے کو قبول نہ کرے تو پھر شبہے سے بچ کر، سبّ وشتم، لعن طعن اور گالی گلوچ کی آماجگاہ بن جاتا ہے، تب وہ اس میں گندے اور بیہودہ تصورات اور آداب کے منافی ایسے خیالات بھر دیتا ہے جو سبّ وشتم، گالی گلوچ اور بُرا بھلا کہنے کے

(حاشیہ:۱) سورۃ المؤمنون، الآیۃ: ۹۷۔۹۸۔

Marfat.com

ساتھ مشابہت رکھتے ہوں۔ تب یہ بیچارہ دل ناامیدی کے بوجھ تلے دبا ہوا بلبلاتا ہے اور چیختا چلاتا ہوا کہتا ہے: اے کاش! ہائے مصیبت!۔ جس سے وسوسہ زدہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کا دل گناہگار ہے اور اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے اور برائیوں کا ارتکاب کیا ہے، اس سے اس پر قلق واضطراب اور انفعال کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، وہ سکون واطمینان کے دائرے سے نکل جاتا ہے اور غفلت کی گہرائیوں میں ڈوبنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اس زخم کا مرہم یہ ہے:

اے وسوسے کی بیماری میں مبتلا مسکین!

ڈرنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ جو چیز تمہارے ذہن کے سامنے سے گزری ہے وہ نہ گالی ہے نہ دشنام طرازی اور نہ بدگفتاری، وہ تو صرف چند عکس اور منتشر خیالات ہیں جو تمہارے ذہن کے آئینے کے سامنے سے گزر جاتے ہیں، اور چونکہ کفر کا خیال کرنا کفر نہیں ہے اس لیے سبُّ وشتم کا خیال کرنا بھی سبُّ وشتم نہیں ہے، کیونکہ منطق کا ایک معروف کُلیہ ہے کہ "تخیل یا تصور حکم یا فیصلے کا درجہ نہیں رکھتا ہے"۔ جبکہ سب وشتم حکم یا فیصلہ ہے"۔

مزید یہ کہ یہ نامناسب کلمات تمہارے دل سے صادر نہیں ہوئے ہیں، کیونکہ تمہارا دل ان پر افسوس کرتا ہے اور ان سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ کلمات شیطان کی اس کانا پھوسی سے صادر ہوئے ہوں جو وہ دل کے قریب جا کر کرتا ہے! اس لیے وسوسے کا نقصان اس وقت ہوتا ہے جب نقصان کا وہم پال لیا جائے، مطلب یہ ہے کہ دل کے لیے اس کا نقصان وہ ہے جو ہمارے وہم کی پیداوار ہوتا ہے؛ کیونکہ بسا اوقات انسان از راہِ تخیل کسی بے بنیاد چیز کی اس طرح سے وہمی صورت گری کر لیتا ہے گویا کہ وہ کوئی حقیقی چیز ہو، پھر اس کی طرف شیطان کے ایسے اعمال منسوب کر دیتا ہے جن سے وہ بالکل بری ہو، اور اس طرح گمان یہ کرتا ہے کہ شیطان کی یہ وسوسہ اندازیاں اس کے اپنے دل کے خیالات وواردات ہیں اور ان وسوسوں کے نقصانات کا تصور کرتا رہتا ہے اور پھر ان کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور شیطان اس سے چاہتا بھی صرف یہی کچھ ہے۔

## دوسری وجہ

معانی جب دل سے چل نکلتے ہیں تو خیال میں اس طرح سے نفوذ کرتے ہیں کہ ان کی کوئی خاص شکل وصورت نہیں ہوتی ہے۔ لیکن وہاں پہنچ کر مختلف شکلیں اور صورتیں اختیار کر جاتے ہیں۔ اور خیال ہی وہ قوت ہے جو کچھ معین اسباب کے تحت کئی قسم کی صورتوں کے لباس بنتا رہتا ہے۔ اور جن صورتوں کو اہتمام دیتا ہے انہیں برسرِراہ سجائے رکھتا ہے، پھر جو معنی بھی وارد ہوتا ہے خیال اسے یا تو وہی لباس پہنا دیتا ہے جو اس سے بنا ہے، یا اسے اس پر لٹکا دیتا ہے، یا اسے اس سے آلودہ کر دیتا ہے اور یا اسے اس لباس کے ساتھ ڈھانپ دیتا ہے، پھر اگر تو وہ معانی صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں اور صورتیں

Marfat.com

اور لبادے آلودہ اور کمترین ہوں تو پھر نہ اوڑھانا ہوتا ہے نہ پہناوا، بس ایک رابطہ ہوتا ہے یعنی پھر ان معانی کو نہ کوئی چیز اوڑھائی جاتی ہے نہ پہنائی جاتی ہے صرف اتنا ہوتا ہے کہ یہ لباس یا صورتیں ان معانی کو چھو کر نکل جاتی ہیں۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں ایک وسوسہ زدہ انسان حیرت اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور مجرد رابطے کے بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ معانی کو شکل وصورت کا لباس پہنا دیا گیا ہے، اور پھر وہ کفِ افسوس ملتا ہوا دل میں ہائے وائے کرتا ہوا کہتا ہے ''میرا دل ہلاکت کے گھاٹ جا گرا اور یہ نفسیاتی خست اور کمینگی عنقریب مجھے اللہ کی رحمت کے دروازے سے دھتکار دے گی''

اور شیطان اس کی اس حساس رگ سے بڑے بُرے طریقے سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

اس گہرے زخم کا مرہم یہ ہے:

سن لے اے بیچارے! جس طرح پیٹ میں پائی جانے والی نجاست نماز کو توڑتی ہے نہ کسی اور پہلو سے نقصان دیتی ہے، بلکہ اس کے لیے صرف بدن کی ظاہری طہارت ہی کافی ہے، اسی طرح پاکیزہ اور مقدس معانی کے پہلو میں آلودہ اور ناپاک صورتوں شکلوں کا ہونا بھی ان معانی کے لیے نقصان دہ نہیں ہے، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ: کبھی آپ قرآن کریم کی کسی آیت میں غور فکر کر رہے ہوتے ہیں کہ اچانک کوئی بیماری، اشتہاء یا پھر پیشاب وغیرہ کا زور ہو جاتا ہے، اور پھر یہ چیز آپ کے خیالات پر شدت کے ساتھ قبضہ کر لیتی ہے۔ اب ایسی صورتِ حال کا نتیجہ یہی ہوتا ہے اور ہوگا کہ تمہارا خیال اس چیز کے تقاضے کے تحت ذلیل تصویروں اور شکلوں کا لباس بنتا ہوا یا تو دوائی لانے کی تدبیر میں مشغول ہو جائے گا اور یا پھر پہلے قضائے حاجت کا سوچے گا، اور تمہارے غور وفکر کے آئینے میں وارد ہونے والے بلند پایہ معانی ان پست قد خیالی صورتوں کے درمیان سے گزرتے رہیں گے، آپ انہیں گزرنے دیں؛ کیونکہ انہیں کسی قسم کے خطرے، آلودگی یا نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ خطرہ صرف اس صورت میں ہے جب فکر ان خیالی صورتوں پر اپنی مکمل توجہ مرکوز کر دے اور اس وہم کا شکار ہو جائے کہ مجھے ان سے لامحالہ نقصان پہنچنے والا ہے۔

## تیسری وجہ

یہ ہیکہ اشیاء کے درمیان کچھ نظر نہ آنے والے تعلقات اور روابط پائے جاتے ہیں، اور بسا اوقات تو اس تعلق اور رابطے کے یہ دھاگے ایسے چیزوں کے درمیان بھی مل جاتے ہیں جن کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے ہیں، یہ دھاگے یا تو مستقل طور پر ہوتے ہیں، یعنی واقعتاً ان کا وجود ہوتا ہے، یا پھر یہ ہمارے اُس خیال کا نتیجہ ہوتے ہیں جس نے یہ اپنے اُن اعمال کے حساب سے بنائے ہیں جن اعمال میں وہ مشغول ہے۔ کبھی کبھی خصوصی مقدس کاموں کے سلسلے میں فکر ونظر کے وقت جب اِدھر اُدھر سے خیالات کا ہجوم ہو جاتا ہے، اس میں یہی راز پایا جاتا ہے؛ جیسے کہ علم البیان کا ایک مشہور قاعدہ ہے۔ کیونکہ ''وہ تناقض جو خارج میں دوری کا سبب بنتا ہے وہ تصور اور خیال میں قربت اور ہمسائیگی کا باعث ہوتا ہے''۔ اس

Marfat.com

کا مطلب یہ ہے کہ دو متناقض چیزوں کی صورتوں کو یکجا کرنا صرف خیال کی فسوں گری ہوتی ہے، اور اس ذریعے سے جنم لینے والے خیالات وتصورات کو ''تداعِی الأفکار'' (Association of Thoghts) کہتے ہیں۔ یعنی مختلف خیالات وتصورات اور افکار کا باہمدیگر پیوستہ ہونا۔ اس کی مثال یہ ہے:

عین اس وقت جبکہ آپ نماز میں انتہائی خشوع وخضوع اور حضورِ قلب کے ساتھ کعبہ معظمہ کی طرف منہ کیے ہوئے اپنے پروردگار کے ساتھ محوِ مناجات ہوتے ہیں، اس ''تداعی الأفکار'' کی یلغار ہو جاتی ہے، اور خیالات وافکار کا یہ مجموعہ تمہیں ایسے لایعنی امور میں الجھا دے گا جو شرمندگی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لیے میرے برادر! اگر آپ خدانخواستہ اس ''تداعی الأفکار'' کی بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں تو جزع فزع اور قلق واضطراب کے اظہار کی قطعاً ضرورت نہیں ہے بلکہ جبھی تمہیں اس چیز کا شعور ہو جائے فوراً اپنی فطری حالت کی طرف لوٹ جاؤ اور یہ مت کہو کہ: ''مجھ سے بہت بڑی خطا سرزد ہوگئی ہے''، اور اس طرح دل کو ہلکان مت کرو۔ اور پھر اس کا سبب تلاش کرنے میں مصروف نہ ہو جاؤ۔ بلکہ ان کی طرف بالکل ہی توجہ نہ دو تا کہ یہ کچے دھاگے سے بھی کمزور اور عارضی تعلقات تمہارے توجہ دینے کی وجہ سے مضبوط نہ ہو جائیں؛ کیونکہ آپ جب ان پر غم اور افسوس کا اظہار کریں گے اور ان کی طرف زیادہ توجہ دیں گے، تو یہ عارضی خیالات ایسی عادت میں تبدیل ہو جائیں گے جو بتدریج دل میں جڑ پکڑ جائیں گے اور ایک خیالی مرض کا روپ دھار جائیں گے۔ لیکن نہیں۔ کبھی خوف زدہ نہ ہوں، کیونکہ یہ کوئی قلبی مرض نہیں ہے؛ کیونکہ مَن میں پیدا ہونے والے یہ اندیشے اور خیالی وسوسے غالباً انسان کے عزم اور ارادے کے برخلاف در آتے ہیں۔ اور یہ غالباً حساس اور ذہین لوگوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ اور شیطان ان وسوسوں کے ہمراہ من میں زبردستی گھس جاتا ہے۔

## اس بیماری کا علاج یہ ہے:

یاد رکھیں کہ ''تداعی الأفکار'' کے سلسلے میں انسان ذمہ دار نہیں ہے؛ کیونکہ یہ غالباً بلا ارادہ در آتے ہیں؛ کیونکہ یہاں نہ تو اختلاط ہے، نہ آمیزش اور نہ باہم میل ملاپ، بلکہ یہ تو صرف مجاورت اور ہمسائیگی کی عارضی حالت ہے، اور اس کے بعد کچھ بھی نہیں۔ بنا بریں، ان افکار وخیالات کی طبیعتیں ایک دوسرے میں سرایت نہیں کرتی ہیں، اور اس بنا پر ایک دوسرے کو نقصان بھی نہیں دیتیں ہیں؛ جسطرح الہام والے فرشتوں کی دل کے آس پاس شیطان کے ساتھ ہمسائیگی میں کوئی حرج نہیں، اور ایک رہائش گاہ میں نیکوکاروں اور بدکاروں کے اکٹھے اور قریب قریب رہنے میں کوئی نقصان نہیں، اسی طرح جب ایسے غلط اندیشے اور برے اَفکار جو مقصود نہ ہوں ان صحیح، پاکیزہ اور صاف ستھرے افکار میں گڈ مڈ ہو جائیں تو نقصان دہ ثابت نہیں ہوتے، اِلّا یہ کہ وہ مقصود ہوں یا یہ کہ آپ ان پر زیادہ توجہ دے کر خود کو اس وہم میں اُلجھا لیں کہ یہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دل تھکا ماندا اور اکتایا سا ہوتا ہے جس کی وجہ سے فکر اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے

Marfat.com

اتفاق سے کسی نہ کسی چیز کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے، تب شیطان اس موقع سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور بُرے قسم کے خیالات انکے سامنے بکھیر دیتا ہے۔

## چوتھی وجہ

یہ وسوسے کی وہ قسم ہے جو ہر کام میں افضل ترین اور کامل ترین صورت کی جستجو اور تگ ودو میں ضرورت سے زیادہ تشدد اور سختی برتنے کی صورت میں جنم لیتی ہے، چنانچہ انسان کا ورع وتقوی کے نام سے یوں یوں تشدد بڑھتا جاتا ہے۔ معاملہ مزید پیچیدہ ہوتا اور بگڑتا چلا جاتا ہے حتی کہ نوبت اس حد تک جا پہنچتی ہے کہ عین اس وقت جب انسان اعمالِ صالحہ میں بہترین اور کامل ترین صورت کا خواہش مند اور متلاشی ہوتا ہے، قریب قریب حرام کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ ''سنت'' کی جستجو کی وجہ سے کسی ''واجب'' کو چھوڑ بیٹھتا ہے اور اپنے آپ سے ہمیشہ اپنے عمل کی صحت اور درستگی کے بارے میں پوچھتا رہتا ہے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنے آپ سے کہتا ہیکہ کیا میرا یہ عمل ٹھیک ہو گیا ہے؟ پھر اُس سے مطمئن نہ ہو کر اسکو بار بار دہراتا ہے۔ حتی کہ معاملہ بڑھ جاتا ہے اور نوبت مایوسی تک جا پہنچتی ہے، تب شیطان اس کی اس حالت سے فائدہ اٹھاتا ہے، اسے اپنے تیرِ نظر کا نشانہ بناتا ہے۔

### اس زخم کی دو دوائیں ہیں:

**پہلی دوا:** - یاد رکھیں کہ ایسے وسوسے صرف فرقہ ءِ معتزلہ کو ہی جچتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ''بندوں کو جن امور کا مکلّف کیا گیا ہے وہ اُخروی جزا کی رُو سے فی نفسہٖ یعنی اپنی ذات کے لحاظ سے اچھے یا برے ہیں، پھر شریعت آ کر ان کی حیثیت متعین کر دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ چیز یا کام اچھا اور خوبصورت ہے اور یہ بُرا یا بدصورت۔ مطلب یہ ہے کہ حسن وقبح اخروی جزا کے حساب کی رو سے خود اشیاء کی طبیعت اور ساخت کے اندر موجود ہے اور ہر چیز ذاتی طور پر حسین یا قبیح ہوتی ہے۔ رہے اوامر ونواہی، تو وہ اس چیز کے تابع ہیں جس کو شریعت مقرر کر دے''، یہی وجہ ہے کہ اس مذہب کی طبیعت انسان کو یہاں تک پہنچا دیتی ہے کہ وہ اپنے ہر عمل کے بارے میں ہمیشہ یہی پوچھتا رہتا ہے: ''کیا خیال ہے، میرا یہ عمل بالکل اسی طرح کامل صورت میں پایہ تکمیل کو پہنچا ہے جیسا کہ ہونا چاہیے تھا یا کہ نہیں؟'' لیکن مذہب حق یعنی اھلُ السنّہ والجماعہ کہتے ہیں: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس چیز کو بجالانے کا حکم دیتے ہیں وہ حسین ہو جاتی ہے اور جس چیز سے منع کرتے ہیں وہ قبیح ہو جاتی ہے''، یعنی حُسن وقبح کا تعلق امر ونہی کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حسن وقبح کا تقرر اور تعیّن مکلّف کے نقطہءِ نظر سے ہوتا ہے لیکن آخرت میں خاتمے کے لحاظ سے ان کا تعلق انجام کے حساب سے ہوتا ہے، دنیاوی نقطہءِ نظر سے نہیں۔

اس کی مثال یوں ہے:

آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی، لیکن کسی ایسی مخفی چیز کی وجہ سے آپ کا وضو اور نماز فاسد ہو گئے جس کا آپ کو پتا نہیں،

Marfat.com

اب اس حالت میں آپ کا وضو اور نماز بیک وقت صحیح اور حسین ہیں۔لیکن معتزلہ کے ہاں: وضو اور نماز دونوں اصل میں تو فاسد اور قبیح ہیں لیکن تم سے لاعلمی کی وجہ سے قبول ہو گئے؛ کیونکہ لاعلمی بھی ایک عذر ہے۔

اس طرح جب آپ اہل السنۃ والجماعہ کے مذہب پر عمل کریں گے تو شریعت کے ظاہر کے ساتھ موافق ہونے کی وجہ سے تمہارا عمل بغیر کسی شک وشبہے کے صحیح ہوگا۔لیکن یہاں دو باتوں کا دھیان رکھیں: ایک تو یہ کہ اپنے عمل کے صحیح ہونے کے بارے میں کسی وسوسے کا شکار نہ ہونا۔اور دوسری یہ کہ اس بات پر پھول نہ جانا کہ میرا عمل صحیح ہے؛ کیونکہ تم یقینی طور پر یہ نہیں جانتے ہو کہ تمہارا یہ عمل اللہ کے ہاں شرفِ قبولیت پاتا ہے کہ نہیں۔

دوسری دوا:- یاد رکھو کہ اسلام اللہ کا حقیقی دین ہے، جو آسانی کا دین ہے، جس میں تنگی اور مشقت نام کی کوئی چیز نہیں، اور یہ مذاہبِ اربعہ چاروں ہی برحق ہیں۔انسان کو جب اپنی تقصیر کا ادراک ہو جائے تو اس تقصیر کی تلافی اُس استغفار سے ہو سکتی ہے جو اس خود بینی، غرور اور گھمنڈ سے کہیں وزنی ہوتا ہے جو اعمال صالحہ پر اترانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، اس لیے اگر وسوسے میں مبتلا انسان اپنے آپ کو کسی عمل میں کمی کوتاہی کا مرتکب سمجھ کر توبہ واستغفار میں مصروف ہو جائے تو یہ اس کے لیے اپنے عمل پر اترانے اور غرور میں مبتلا ہونے سے زیادہ بہتر ہے۔بات جب یہی ہے تو پھر وسوسوں کو جھٹک دو اور شیطان کے سامنے آکر برملا کہہ دو: اس چیز کا تعلق اس 'حــــرج' (حاشیہ:۱) کے ساتھ ہے جس کی شریعت میں نفی کی گئی ہے. اور یہ کہ احوالِ واقعی سے مطلع ہونا بہت مشکل کام ہے، بلکہ یہ چیز 'یُسـرٌ فـی الدِّین'، "لَا حَـرَجَ فِـی الدِّیْنِ" اور "اَلـدِّیْنُ یُسْرٌ" جیسے سنہری قاعدے اور ضابطے کے خلاف ہے۔اور یہ کہ میرا عمل اسلام کے مبنی برحق مذاہب میں سے کسی ایک مذہب کے ساتھ ضرور مطابقت رکھتا ہے۔

اور میرے لیے یہی کافی ہے کہ یہ چیز میرے لیے اس چیز کا وسیلہ بنے گی کہ میں خود کو اپنے خالق و مالک کے حضور سجدے میں گرادوں، تضرع اور گریہ زاری کے ساتھ اس سے بخشش طلب کروں اور عمل میں اپنی کمی کوتاہی کا اعتراف کر لوں۔اور وہ سمیع مجیب ہے۔

## پانچویں وجہ

وہ وسوسے جو ایمان کے معاملات میں شبہات کی مختلف شکلوں کا لبادہ اوڑھ کر حملہ آور ہوتے ہیں۔

اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک وسوسہ میں مبتلا حیرت زدہ انسان پر خیالات کے اندیشے اور خلجانات گڈمڈ ہو جاتے ہیں اور وہ انہیں اپنی عقل کے نتائج سمجھنا شروع کر دیتا ہے، یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ شبہات جو اس کے خیال میں پے در پے وارد ہو رہے ہیں وہ اس کی عقل سے جنم لینے والے شبہات ہیں، اس طرح وہ گمان یہ کرتا ہے کہ اس کے اعتقاد میں کوئی خلل آگیا

(حاشیہ:۱) حَرَجٌ (narrowness) گھنے درختوں والی تنگ جگہ، گناہ، قصور، اعتراض، تنگی، سختی۔مترجم

Marfat.com

ہے۔اور کبھی وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ شبہ جس کا اسے وہم پڑ گیا ہے وہ ''شک'' ہے جو اس کے ایمان کو نقصان پہنچائے گا۔کبھی وہ یہ گمان کرتا ہے کہ وہ شبہات جو اس کے تصور میں جاگزیں ہو چکے ہیں اس کی عقل نے بھی انہیں تسلیم کر لیا ہے۔کبھی اس کو یہ وہم آن گھیرتا ہے کہ کفر کے معاملات میں ہر سوچ فکر کفر کا درجہ رکھتی ہے، یعنی وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہر بحث و تمحیص اور تحقیق و تفتیش، ہر فکری تگ ودو اور اسبابِ ضلالت کی پہچان کے لیے ہر بے طرفدانہ محاکمہ خلافِ ایمان ہے، اور وہ ان پُر فریب شیطانی تلقینات کے سامنے ڈرتا اور کانپتا رہتا ہے اور کہتا ہے: "ہائے افسوس! میرا دل فاسد ہو گیا، اور میرا اعتقاد راہ سے بھٹک گیا اور اس میں خلل آ گیا"۔اور اس پر وارد ہونے والے یہ حالات چونکہ غالباً غیر ارادی ہوتے ہیں اور وہ انہیں اپنے جزوی اور کمزور ارادے سے سنوار نہیں سکتا ہے، اس لیے وہ مہلک نا امیدی کے گہرے گڑھے میں جا گرتا ہے۔

### اس زخم کا علاج یہ ہے:

یاد رکھیں کہ کفر کا توہّم یعنی وہم کرنا کفر نہیں ہے، جیسے کہ کفر کا تخیّل یعنی خیال کرنا کفر نہیں ہے، اور ضلالت یعنی گمراہی کا تصور ضلالت نہیں ہے، جیسے کہ ضلالت کے بارے میں تفکّر یعنی غور و فکر کرنا ضلالت نہیں ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ تخیل، توہم، تصوّر، تفکّر، تصدیقِ عقلی اور اِذعانِ قلبی یعنی دلی یقین سے متباین اور متغایر ہیں؛ کیونکہ تخیل، توہم، تصوّر اور تفکر سب کے سب کسی حد تک آزاد اور بے قید امور ہیں، اس لیے یہ انسان کے ارادے سے پھوٹنے والے اختیاری جزء کی کوئی پروا نہیں کرتے، اور دینی ذمہ داریوں کے بوجھ کے نیچے زیادہ دبنا بھی پسند نہیں کرتے۔جبکہ تصدیق اور اذعان کی حالت یہ نہیں ہے، یہ دونوں کسی میزان کے تابع ہیں۔اور یہ بھی ہے کہ تخیل، توہم، تصور اور تفکر میں سے کوئی بھی تصدیق اور اذعان نہیں ہوتا، اس لیے شبہ یا تردّد شمار نہیں ہوتا، لیکن اگر یہ حالت بغیر کسی جواز کے بار بار پیش آئے اور نفس میں استقرار اور جماؤ کی حالت تک پہنچ جائے تو پھر کبھی کبھار اس سے حقیقی شبہات کا کوئی نہ کوئی رنگ ابھر آتا ہے، پھر وسوسے میں مبتلا انسان غیر جانبدار عقلی محاکمات یا انصاف کے نام سے طرفِ مخالف کا ہی ہو کر رہ جانے کی وجہ سے کبھی پھسل کر ایسی حالت میں گر جاتا ہے جسے مخالف بھی اپنانا اپنے لیے لازم کر لیتا ہے، اور یہ ہے وہ مقام جہاں خواہی نخواہی وہ ان فرائض و واجبات سے دور نکل جاتا ہے جو حق کی خاطر اس پر عاید ہوتے ہیں، اور یوں وہ ہلاکت کے گھاٹ جا اُترتا ہے۔کیونکہ اس کے ذہن میں ایک ایسی حالت بیٹھ جاتی ہے جو کہ طرفِ مخالف یعنی مدِّ مخالف یا شیطان کی طرف سے ذمہ دار، وکیل یا عہدیدار کے مشابہ ہوتی ہے۔شاید اس خطرناک وسوسے کی ایک اہم قسم یہ ہے کہ:

وسوسہ زدہ انسان کے لیے ''امکانِ ذاتی'' اور ''امکانِ ذہنی'' کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے، یعنی وہ جس چیز کو ذاتی طور پر ممکن سمجھتا ہے اس کے بارے میں اپنے ذہنی طور پر بھی ممکن اور عقلی طور پر مشکوک سمجھتا ہے، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ ''علم الکلام'' میں ایک قاعدہ کلیہ پایا جاتا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ''امکانِ ذاتی یقینِ علمی کے منافی

Marfat.com

نہیں"۔اور ذہنی ضروریات وبدیہیات (جن چیزوں کو ذہن ضروری سمجھتا ہے) کے درمیان کوئی تعارض یا تضاد نہیں ہے۔
اس کی وضاحت ہم ایک مثال کے ساتھ کرتے ہیں:

یہ بات ممکن ہے، بحرِ اسود کا پانی ابھی خشک ہو جائے، یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا "امکانِ ذاتی" کی رو سے واقع ہونے کا احتمال ہے۔لیکن ہم اس بات کا حکم یقینی طور پر لگا سکتے ہیں کہ یہ سمندر اپنے موجودہ موقع محل میں موجود ہے، اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں۔تو امکانی احتمال اور ذاتی امکان کوئی شک شبہ پیدا نہیں کرتے، بلکہ ہمارے یقین میں کوئی تزلزل بھی پیدا نہیں کرتے ہیں۔

اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ:

یہ ممکن ہے کہ سورج آج غروب نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کل کو طلوع نہ ہو، لیکن یہ امکان اور یہ احتمال کسی بھی حال میں ہمارے یقین پر اثر انداز نہیں ہوتا، اسے کمزور نہیں کر سکتا اور نہ ہی اس کی وجہ سے ہمارے ایمان و یقین پر کوئی چھوٹا موٹا شبہ وارد ہو سکتا ہے۔اس طرح کی اور مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔

تو وہ اوہام جو "امکانِ ذاتی" کی رُو سے دنیاوی زندگی کے غروب ہونے اور اُخروی زندگی کے طلوع ہونے سے وارد ہوتے ہیں اور جن کا تعلق غیب کے ان ایمانی حقائق کے ساتھ ہے، یہ اوہام جیسے بھی ہوں ہمارے ایمانی یقین میں خلل انداز نہیں ہوتے ہیں۔اس ضمن میں اصولِ دین اور اصولِ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے:

"لَا عِبْرَةَ لِلْاِحْتِمَالِ الغَيْرِ النَّاشِئِ عَنْ دَلِيلٍ" یعنی وہ احتمال جس کا سرچشمہ کوئی خاص دلیل نہ ہو، اس کا کوئی اعتبار نہیں"

اگر تم نے کہا کہ اہلِ ایمان کو ان دل آزار وسوسوں میں مبتلا کرنے میں کیا حکمت کارفرما ہے؟

الجواب:-اگر ہم غیر جانبدار ہو کر تجزیہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ وسوسہ انسان کو چوکنا رکھنے کے لیے مہمیز، تحقیق و جستجو کے لیے محرک اور باعث، اور سنجیدگی کے لیے ایک بہترین وسیلہ ہے۔یعنی یہ بے پروائی کی نفسیات کو دور بھگاتا اور کاہلی و کسلمندی کو قریب نہیں پھٹکنے دیتا ہے۔اسی وجہ سے اُس حکیم مطلق ذات نے وسوسہ کو شوق کے ابھارنے والے ایک تازیانے کی حیثیت دے کر اُسے شیطان کے ہاتھ میں تھما دیا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اس دارُالامتحان اور مقابلے کے میدان میں انسان کو اِن حکمتوں کے لیے آمادہ کرتا رہے۔اور جب وہ اس کوڑے کے ذریعے ہمیں زیادہ تکلیف پہنچانا شروع کر دے تو ہم "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" کا ورد کرتے ہوئے اس حکیمؒ رحیمؒ کے دامن میں پناہ لینے کے لیے بھاگ کھڑے ہوں۔

Marfat.com

# بائیسواں مقالہ

## [یہ مقالہ دو مقامات پر مشتمل ہے]

### پہلا مقام:

بسم اللہ الرحمان الرحیم

﴿وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (حاشیہ:۲)

ایک دفعہ دو آدمی نہانے کی غرض سے ایک بڑے سے تالاب میں اُترے تو وہاں دورانِ غسل اُن پر کچھ ایسی خودی چھائی کہ وہ ازخود رفتہ سے ہو گئے، ہوش آیا تو انہوں نے خود کو کسی دوسرے عالم میں پایا، ایسا عجیب وغریب عالم جو انتہائی گہرے نظم ونسق پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک مملکت جیسا لگ رہا تھا، بلکہ ایک شہر، بلکہ ایک محل لگ رہا تھا۔ وہ حیرت و استعجاب سے بھرے ہوئے بڑے والہانہ انداز سے اپنے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لینے لگے؛ دیکھا کہ اگر ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو ایک بہت بڑا عظیم الشان اور حیرت خیز عالم نظر آرہا ہے، اور ایک پہلو سے دیکھا جائے تو سراپائے نظم وضبط ایک مملکت، دوسری جانب سے دیکھا جائے تو ہر پہلو سے مکمل ایک خوبصورت شہر۔ اور دیگر پہلوؤں سے وہ ایک بلند وبالا محل نظر آتا تھا جس میں خود ایک حیرت انگیز عالم آباد تھا۔ اس عجیب وغریب عالم میں اُنہوں نے گھومنا پھرنا شروع کر دیا، پھرتے پھراتے اچانک ان کی نظر ایسی مخلوقات پر جا پڑی جو ایک خاص قسم کی ایسی بولی بول رہی تھی جو اُن دونوں کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی، البتہ انہیں ان کے اشاروں کنایوں اور حرکات وسکنات سے اتنا پتا چل گیا کہ وہ کچھ عظیم الشان اور جلیل القدر اعمال وفرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا:

اس بات میں تو کوئی شک نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس عجیب وغریب عالم کا کوئی منتظم اور تدبیر کنندہ ہے جو اس کے اُمور ومعاملات کی تدبیر کر رہا ہے، اور اس کا کوئی مالک ہے جو اس کا خیال رکھ رہا ہے، اس جاذبِ نظر شہر کا کوئی ناظم ہے جو اس کا نظم ونسق سنبھالے ہوئے ہے، اور اس دلربا محل کا کوئی بنانے والا ہے جس نے اسے انوکھی طرزِ تعمیر کا ایک نمونہ بنایا ہے۔

---

(حاشیہ:۱) ابراهیم:25

(حاشیہ:۲) الحشر:21

Marfat.com

ہمیں اس کی جان پہچان کے لیے کوشش کرنی چاہیے؛ کیونکہ محسوس یہ ہوتا ہے کہ وہ خود ہی ہمیں یہاں پر لایا ہے، کیونکہ اگر ہم اُس کو پہچان نہ پائے تو اس عجیب وغریب عالم میں اُس کے سوا اور کون ہے جو ہمارے کام آئے گا، ہماری مدد کرے گا اور ہماری ضروریات پوری کرے گا؟ اور تمہارے خیال میں ان عاجز، درماندہ اور کمزور سی مخلوقات سے کوئی امید کی جاسکتی ہے جن کی زبان ہم سمجھ نہیں پار ہے ہیں اور وہ ہماری بات ہی نہیں سنتے ہیں؟ پھر وہ جس نے اس عظیم عالم کو ایک منظم مملکت، خوبصورت اور دلفریب شہر اور حیرت انگیز محل کی شکل وصورت دی ہے، اور اسے انوکھی اور غیر معمولی چیزوں کا خزانہ بنایا ہے، اسے سب سے خوبصورت اور دلرُ با حسن و جمال سے مزین کیا ہے، اور اس کے ہر کونے زاویے کو حکیمانہ معجزوں سے آراستہ کیا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا صانع جو اِس عظمت و ہیبت کا مالک ہے وہ ہم سے اور ان سب سے جو یہاں آتے ہیں کچھ چاہتا ہے، اس لیے ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اس کی اچھی طرح سے پہچان کریں اور یہ جاننے کی کوشش کریں کہ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔

اُس کے ساتھی نے اُس سے کہا:

یہ فضول باتیں چھوڑو۔ میں یہ بات مان ہی نہیں سکتا کہ اِس عجیب وغریب عالم کو کوئی ایک اکیلی ہستی چلا رہی ہوگی۔

تو اس نے کہا:

نہیں میرے دوست ایسا نہیں، آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ دیکھیں ہم اگر اس کی پہچان نہ کر پائے تو پھر کچھ بھی حاصل نہیں کرسکیں گے، اور ہماری اس بے پروائی کا ہمیں بہت زیادہ نقصان ہوگا۔ لیکن اگر ہم نے اس کی جان پہچان کے لئے بھاگ دوڑ کی تو اِس میں مشقت بہت کم ہوگی، جبکہ منفعت ہوئی تو بہت بڑی ہوگی، اس لیے یہ بات معقول نہیں ہے ہم اِس کے تعارف اور جان پہچان سے بے اعتنائی کا مظاہرہ کریں۔

لیکن اُس کا بے وقوف ساتھی بولا:

میں سکون اسی چیز میں محسوس کرتا ہوں کہ اس عجیب وغریب صانع کے بارے میں لاعلم ہی رہوں اور ایسی باتوں میں اپنی سوچ فکر کو خواہ مخواہ مصروف نہ کروں، اس لیے مجھے ایسی کسی بھی بات میں خود کو اُلجھانے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ہے جو میری عقل میں سما نہ سکے، بلکہ میری رائے میں اس دُنیا میں نظر آنے والے جتنے بھی افعال ہیں تمام کے تمام اتفاقات کا نتیجہ ہیں، اور باہمدیگر پیوستہ اور ایک دوسرے میں داخل کچھ ایسے امور ہیں جو خود بخود چل رہے ہیں اور کام کر رہے ہیں! اس لیے میں ان باتوں کے بارے میں دلچسپی نہیں رکھتا ہوں!

اس کے عقلمند ساتھی نے اُسے کہا:

مجھے خطرہ ہے کہ تمہاری یہ ضد ہمارے لیے کوئی نہ کوئی مصیبت اور آزمائش کھڑی کردے گی اور ہمارے ساتھ ساتھ

Marfat.com

دوسروں کو بھی لے ڈوبے گی! کیا تم نہیں جانتے کہ کسی ایک بے ادب نافرمان کی وجہ سے آباد مملکت ملبے کا ڈھیر بن جاتی ہے!۔

دوبارہ وہ بے وقوف اس کی طرف مڑ کر بولا:

یا تو تم کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر قطعی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کر دو کہ اس عظیم الشان مملکت کا ایک ہی مالک اور ایک اکیلا صانع ہے، یا پھر مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔

اس کے دوست نے کہا:

آپ کی ہٹ دھرمی چونکہ جنون اور ہذیان کی حدوں کو چھونے لگی ہے، اور اس ضد اور عناد کا نتیجہ ہماری اور اس مملکت کی تباہی کے سوا کچھ بھی برآمد ہونے والا نہیں ہے، اس لیے میں تمہارے سامنے بارہ قسم کے دلائل و براہین سے یہ ثابت کروں گا کہ یہ جو ایک دلکش اور من موہن محل جیسی دنیا ہے، اور ایک شہر کی طرح کی منظم اور مرتب مملکت ہے، اس کا ایک صانع یا بنانے والا ہے، وہ بالکل انوکھا، یکتا اور یگانہ ہے، وہی ان تمام امور کی تدبیر کرتا ہے، ایسی تدبیر کہ تمہیں کسی چیز میں کوئی خلل یا قصور نظر نہیں آئے گا۔ یہ ہے وہ صانع اور مُوجد جسے ہم دیکھ نہیں پا رہے ہیں، لیکن وہ ہمیں اور ہر چیز کو برابر دیکھ رہا ہے اور ہر چیز کا کلام سُن رہا ہے، چنانچہ اس کے تمام اَعمال و افعال بڑے معجز نما اور حیرت انگیز ہیں۔ اور یہ مخلوقات جن کی ہم بولیاں نہیں سمجھ پا رہے ہیں یہ اُس کی سلطنت کے خدام و حشم اور ملازم ہیں۔

## پہلی دلیل:

آؤ میرے دوست میرے ساتھ آؤ تا کہ ہم ذرا اپنے گردو پیش پھیلی ان اشیاء و اُمور کا جائزہ لیں۔ آپ یہ بات محسوس نہیں کر رہے ہیں کہ ان تمام چیزوں کے پیچھے کوئی خفیہ ہاتھ کام کر رہا ہے؟ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ ایک چیز جو اتنی عاجز اور لاچار ہے کہ خود اپنا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکتی ہے ہزاروں ٹن بوجھ اٹھائے ہوئے ہے؟ (حاشیہ:۱) کیا تمہارے مشاہدے میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ وہ چیز جس کے پاس نہ ادراک ہے نہ شعور، وہ ایسے کام کر رہی ہے جو انتہائی حکمت پر مشتمل ہیں (حاشیہ:۲) اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں بذاتِ خود کوئی کام نہیں کرتی ہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ پس پردہ کوئی صاحبِ قدرت ذات ہے جو تمام چیزوں کا بندوبست کر رہی ہے؛ کیونکہ اگر یہ چیزیں خود کار ہوتیں تو پھر یہ لازم آتا کہ ہر کام جو یہاں اس مملکت میں ہم نے دیکھا وہ ایک معجزہ اور ہر چیز خود بھی معجزے کی مالک ایک عجوبہ ہو۔ اور یہ تو نرا

---

(حاشیہ:۱) بیجوں اور گٹھلیوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے سروں پر بھاری بھرکم درخت اُٹھائے ہوئے ہیں۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) یہ۔ بطور مثال۔ انگوروں کی بیلوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے نرم و نازک ہاتھ پھیلا کر دوسرے درختوں کے ساتھ بغلگیر ہو جاتی ہیں، کیونکہ وہ اپنے بھرپور گچھوں کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہوتی ہیں۔ مؤلف؟۔۔۔

Marfat.com

سفسطہ ہے۔ (حاشیہ:۱)

## دوسری دلیل:

آؤ، اب ذرا اُن چیزوں کا گہری نظر سے مشاہدہ کریں جو ان میدانوں اور ہموار زمینوں کو زینت دے رہی ہیں، اِن میں زینت کی ہر ایک قسم میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو ہمیں ایک غیبی ذات کی خبر دیتی ہیں اور اس تک پہنچنے والا راستہ دکھاتی ہیں، گویا کہ یہ سب چیزیں اس کا سکہ اور مُہر ہیں جو اس غیبی ذات کی خبر دیتی ہیں، بالکل ایسے جیسے بادشاہ کا سکہ اور خاص مہر اُس کے وجود کی دلیل ہوتی ہے، اور ڈھلے ہوئے سکوں پر اس کا خصوصی نشان یا ٹھپہ اُس کی عظمت وہیبت کی خبر دیتا ہے۔ چاہو تو اس انتہائی چھوٹے سے جسم کو دیکھو جس کی قدر و قیمت انسان کے نزدیک نہ ہونے کے برابر ہے (حاشیہ:۲)، مولائے کریم نے اُس سے ایسے لمبے لمبے پارچہ جات تیار کیے ہیں جو خوشنما رنگوں بھرے جاذبِ نظر نقش و نگار سے مزین ہیں۔ اور اُس سے ایسی چیزیں نکال رہا ہے جو مٹھائیوں اور شہد بھری پیسٹریوں سے بھی زیادہ لذیذ ہیں۔ اور یہ سب کچھ اتنی زیادہ مقدار میں ہے کہ اگر تمہارے جیسے لاکھوں لوگ بھی یہ کپڑے پہن لیں اور یہ ماکولات کھالیں تو بھی ختم ہونے کو نہ آئیں۔

پھر دیکھو کہ وہ اپنے غیبی ہاتھ سے یہ لوہا، مٹی، پانی، کوئلہ، تانبا، چاندی اور سونا پکڑتا ہے اور ان تمام چیزوں سے گوشت کا ایک ٹکڑا بنا دیتا ہے (حاشیہ:۳) تو اے غفلت پسند آدمی! یہ تمام چیزیں خصوصی طور پر اُسی ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جس کے ہاتھ میں اس مملکت کی زمام کار ہے، جس کی نظروں سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہے، اور جس کے ارادے کے سامنے ہر چیز سراپا اطاعت وانقیاد ہے۔

---

(حاشیہ:۱) سوفسطائی (Sophistr)، قدیم یونان میں چوتھی اور پانچویں صدی قبل مسیح میں معلمین کا ایک گروہ تھا جو اپنی تعلیم وتدریس کی متعلم سے فیس وصول کرتا تھا۔ اور سقراط کی نظروں میں یہ کام نہایت نامناسب تھا۔ قدیم فلاسفہ کے نزدیک سوفسطائی محض لفاظ اور سچ کو جھوٹ بنانے والے چرب زبان لوگ قرار پائے اور اہلِ علم کی نظروں میں گر گئے۔ سوفسطائیت (Sophctry)، غلط، گمراہ کن، پُراز مغالطہ، نمائشی حجت بازی چالاکی، چرب زبانی ایک غیر صحیح اندازِ حجت یا گمراہ کن دلیل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ قطعِ نظر اِس کے کہ موضوع بحث لائقِ توجہ یا کسی قدر وقیمت یا اہمیت کا حامل ہو یا نہ ہو۔ (کشاف اصطلاحات فلسفہ) مترجم۔

(حاشیہ:۲) مثلاً خشخاش کا بیج جو کہ ایک ذرے جیسا ہوتا ہے، خوبانی کا بیج اور تربوز کا بیج جو کہ درہم جیسے ہوتے ہیں، یہ بیج کس طرح ایسے پتے لے آتے ہیں جو سلے ہوئے کپڑوں سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ اور ایسے زرد وسفید پھول لاتے ہیں جو کاٹن کے کپڑوں سے زیادہ زرد وسفید ہوتے ہیں۔ اور ایسے پھل لاتے ہیں جو مٹھائیوں سے زیادہ میٹھے اور ڈبوں اور پیکٹوں سے زیادہ عمدہ اور نفیس ہوتے ہیں۔ اور وہ ہمیں یہ سب کچھ رحمتِ الٰہیہ کے خزینے سے پیش کرتے ہیں۔ مؤلف

(حاشیہ:۳) اس طرف اشارہ ہے کہ حیوانی جسم مختلف عناصر سے تخلیق پاتا ہے، اور ایک جیتا جاگتا وجود نطفے کی ایک بوند سے ایجاد ہوتا ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

## تیسری دلیل:

آؤ! اب ذرا وہ عجیب وغریب مصنوعات دیکھتے ہیں جو متحرک اور چلتی پھرتی ہیں (حاشیہ:۱) ان میں سے ہر چیز ایسے بنائی گئی ہے کہ گویا وہ اس عظیم الشان محل کا ایک چھوٹا سا نسخہ اور کاپی ہو؛ کیونکہ اس میں ہر وہ چیز پائی جاتی ہے جو اس تمام محل میں موجود ہے! تو کیا ایسا ممکن ہے کہ اس کے انوکھے خالق وصانع کے علاوہ کوئی اور ہو جو اس عجیب وغریب محل کو ایک چھوٹی مشین میں داخل کر دے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ایسا عالم جو ایک ڈبے کے سائز کی مشین میں سمو دیا گیا ہے، اُس میں تمہیں کوئی عبث، بیہودگی اور اتفاقی حادثہ نظر آ جائے؟

مطلب یہ ہے کہ یہ جتنی بھی عجیب وغریب مشینیں نظر آ رہی ہیں یہ سب کی سب وہ نشانیاں اور علامات ہیں جو اس انوکھے اور بے مثل مُوجد وصانع پر دلالت کر رہی ہیں، اس کی عظمت کا اعلان کر رہی ہیں اور اپنی زبانِ حال سے یہ کہہ رہی ہیں کہ:

''ہم اُس ذات کے بے نظیر شاہکار ہیں جس نے اِس عالم کو بغیر کسی پہلے نمونے کے مطلق سہولت کے ساتھ بنایا ہے اور ہمیں بھی جس نے مطلق سہولت کے ساتھ ایجاد کیا ہے''۔

## چوتھی دلیل:

اے میرے ضدی دوست! آؤ تمہیں ایک اور حیرت انگیز چیز دکھاؤں۔ دیکھو اس مملکت میں تمام معاملات تبدیل ہو گئے ہیں اور تمام چیزوں میں تغیر آ رہا ہے، اور یہ تبدُّل وتغیُّر ہم اپنی ان آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہاں نظر آنے والی کسی بھی چیز کو ثبات یا قرار نہیں ہے بلکہ ہر چیز تبدیل ہوتی ہے اور نئے روپ میں سامنے آتی ہے۔

ان ٹھوس اور جامد اجسام اور ادراک سے عاری ان ڈبوں کو دیکھو جو ہمارے مشاہدے میں رہتے ہیں، ایسے لگتا ہے جیسے اِن میں سے ہر ایک مُطلق حاکم ہے اور باقی اس کے ماتحت اور محکوم ہیں، اور جیسے کہ ان میں سے ہر ایک تمام چیزوں پر غلبہ وتسلط رکھتا ہے، ہماری اس قریبی مشین کو ہی دیکھ لو (حاشیہ:۲)، ایسے لگتا ہے جیسے کہ یہ حکم کرتی ہے اور دور دور سے ہر وہ چیز اس کی طرف بھاگی چلی آتی ہے جو اس کی زیب وزینت اور کام کاج کے لیے ضروری ہے۔ اور اس بے شعور جسم کی

---

(حاشیہ:۱) اس سے انسانوں اور حیوانوں کی طرف اشارہ ہے؛ کیونکہ حیوان اس عالم کی چھوٹی سی ایک فہرست ہے، اور انسانی ماہیت اس کائنات کا چھوٹا سا ایک نمونہ ہے، چنانچہ کائنات میں جو چیز بھی پائی جاتی ہے اُس کا نمونہ انسان میں بہرکیف موجود ہے۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) پھل دار درختوں کی طرف اشارہ ہے؛ کیونکہ وہ اپنی نرم ونازک ٹہنیوں میں سینکڑوں کارخانے اور فیکٹریاں اٹھائے پھر رہے ہیں، چنانچہ وہ نرم وملائم پتے، روح افزا اور دلفریب پھول اور تر وتازہ پھلوں کو پکا کر ہماری خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ انہی میں سے صنوبر کے بلند وبالا درخت ہیں جنہوں نے اپنے کارخانے اور فیکٹریاں پہاڑوں کی مضبوط چٹانوں میں لگائی ہوئی ہیں اور کام کر رہے ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

طرف دیکھو (حاشیہ:۱) ایسے لگتا ہے جیسے کہ وہ ایک اشارے سے اپنے خصوصی کاموں کے لیے سب سے ضخیم اور بھاری بھر کم جسم کو مسخر کر لیتا ہے۔ ان دو مثالوں پر دوسرے معاملات کو قیاس کر سکتے ہو؛ کیونکہ اس دنیا میں ہر چیز گویا دوسری مخلوقات کو مسخر کر رہی ہے۔

پس اگر تم اس مملکت کے نظم ونسق کے معاملات اُس مالک کے سپرد نہ کر دو گے جو ہماری ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آ رہا ہے، تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ ان عجیب وغریب مخلوقات میں سے ہر مخلوق میں جو بھی مضبوطی اور کمال نظر آتا ہے اُسے اُس مخلوق کا ذاتی کمال اور انفرادی کرشمہ سمجھا جائے، اگر چہ وہ پتھر، مٹی، حیوان، انسان یعنی کوئی سی بھی مخلوق کیوں نہ ہو!

اگر تمہاری عقل اِس بات کو محال سمجھے کہ عجیب وغریب اور انوکھی طاقتوں کی مالک ذات ہی اس مملکت کی مالک ہے اور وہی اس کا نظم ونسق چلا رہی ہے تو پھر تمہیں یہ بات ماننا پڑے گی کہ اس کائنات کے ایک آقا ومولا کی بجائے کروڑوں خالق وصانع اور موجد ہوں، بلکہ ان کی تعداد اتنی ہو جتنی کہ اِن موجودات کی، اور یہ سب کے سب ایک دوسرے کے متماثل، ایک دوسرے کے متناقض اور باہم گر متداخل ہیں، یعنی ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مدّ مقابل، اس کا ہمسر اور اس جیسی صلاحیتوں کا مالک ہے، ہر ایک دوسرے کا بدل ہو سکتا ہے، اس کی جگہ لے سکتا ہے اور اس کے معاملات میں دخل اندازی کر سکتا ہے، لیکن پھر بھی یہ انتظام خراب نہ ہو اور ماحول تباہ نہ ہو حالانکہ اس طرح کی بڑی مملکت میں اگر دو ہاتھ ایک کام میں داخل ہو جائیں تو پورا نظام تباہ وہ جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ایک مملکت کے دو بادشاہ ہوں، ایک صوبے کے دو گورنر ہوں یا ایک شہر یا گاؤں کے دو سردار ہوں تو تمام معاملات درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ تو اگر ایک منظم، منسّق اور مرتّب مملکت کے بے شمار مطلق حکمران ہوں گے تو پھر اس کا انجام کیا ہو گا؟۔

## پانچویں دلیل:

اے میرے شکی مزاج دوست! آؤ ذرا اِس عظیم الشان محل کے نقش ونگار کو باریکی سے دیکھیں، اس آباد شہر کی تزیین و آرائش پر ذرا گہری نظر ڈالیں اور اس عالم رنگ وبو کی مضبوط صنعت گری میں غور وفکر کریں۔ تو دیکھو لو کہ یہ بات واضح طور پر ہماری سمجھ میں آ رہی ہے کہ یہ خوبصورت نقش ونگار اگر اُس بے مثال خالق ومالک کے معجز نگار قلم کے شاہکار نہ ہوں جس کے معجزات وعجائبات کی کوئی حد نہیں ہے، بلکہ اس کی بجائے ان کی نسبت شعور سے خالی اسباب، اندھے اتفاقات اور گونگی

---

(حاشیہ:۱) بیجوں، دانوں اور حشرات الارض کے انڈوں کی طرف اشارہ ہے، مثال کے طور پر ایک مچھر اپنے انڈے درخت کے پتوں میں دیتا ہے اور وہ درخت ان کے لئے رحم مادر اور نرم ونازک جھولے کا کام دیتا ہے اور شہد کی طرح میٹھی غذا سے بھر جاتا ہے۔ گویا کہ یہ غیر پھل دار درخت ایک زندہ مخلوق کی شکل میں پھل دیتا ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

بہری نیچر کی طرف کردی جائے، تو پھر یہ بات لازم آتی ہے کہ اس مملکت کے ہر پتھر، جڑی بوٹی، درخت اور پیڑ پودے میں ایک ایسا مصور اور معجز نگار کاتب بیٹھا ہو جو ایک حرف کے اندر ہزاروں کتابیں لکھ سکتا ہو، اور ایک نقش میں لاکھوں کے خوبصورت، عمدہ اور تکمیل بردوش اعمال مندرج کر سکتا ہو! کیونکہ تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارے سامنے لگی ہوئی اس اینٹ میں اُبھرا ہوا جو نقش نظر آرہا ہے (حاشیہ:۱) اس میں اس محل کے تمام نقوش و نگار مندرج ہیں، اس شہر کے تمام قوانین اور تمام نظام ہائے زندگی اور اس میں جاری ہر کام کے تمام منصوبے پائے جاتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان خوبصورت اور دل آویز نقوش کو ایجاد کرنا بذاتِ خود اس تمام مملکت کو ایجاد کرنے کی طرح بہت بڑا معجزہ ہے، اور اس کی ہر تعجب خیز، حیرت انگیز صنعت و کاریگری ایک ایسا سائن بورڈ ہے جو اس عجیب وغریب صانع کے اوصاف کا اعلان کر رہا ہے، اور اس کا ہر خوبصورت نقش ایک ایسی مُہر ہے جو اُس کے وجود پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہے۔

تو جب یہ بات ممکن ہی نہیں کہ کوئی حرف اپنے کاتب پر دلالت نہ کرے، اور کوئی نقش اپنے نقش گر کے متعلق نہ بتائے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا حرف جس میں کوئی عظیم الشان کتاب لکھی گئی ہو وہ اپنے کاتب پر دلالت نہ کرے، اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ایسا نقش جس میں ہزاروں نقوش بنائے گئے ہوں، وہ اپنے نقاش کا پتا نہ دے؟

## چھٹی دلیل:

آؤ ذرا اپنے سامنے تاحدِ نگاہ تک پھیلے ہوئے صحرا میں گھومتے پھرتے ہیں۔ (حاشیہ:۲) یہ دیکھو، یہ ایک بلند و بالا پہاڑ بچھا ہوا ہے، آؤ اس پر چڑھتے ہیں تاکہ چاروں اطراف کا مشاہدہ کرنے میں ذرا آسانی رہے، اور ہمارے پاس دوربین لازمی ہونی چاہیے تاکہ دور کی چیزیں قریب سے دیکھی جا سکیں۔ اِس مملکت میں اتنے عجیب معاملات اور اتنے حیرت انگیز واقعات ظہور میں آتے ہیں جو کسی کے خیال میں بھی نہیں آسکتے۔ ان دور تک پھیلے ہوئے پہاڑوں اور وادیوں، اور ان شاد آباد شہروں کو دیکھو، یہ آنِ واحد میں تبدیل ہو رہے ہیں۔ کیسے تبدیل ہو رہے ہیں! ایسے جیسے اربوں کھربوں باہم دِگر پیوستہ اُمور و معاملات مکمل نظم و ضبط اور ترتیب سے تبدیل ہو رہے ہیں، گویا کہ یہ کروڑوں گز خوبصورت اور رنگارنگ کپڑے

---

(حاشیہ:۱) انسان کی طرف اشارہ ہے جو کہ تخلیق کا پھل ہے۔ اور پھل کی طرف اشارہ ہے جس کے اندر اُس کے درخت کی مکمل فہرست اور پروگرام موجود ہے۔ پس قلمِ قدرت نے کائنات کی اس کتاب کبیر میں جو کچھ لکھا ہے اُسے مجمل طور پر انسان کی ماہیت میں لکھ دیا ہے۔ اور قلمِ تقدیر نے ایک درخت کے اندر جو کچھ لکھا ہے اُسے مجمل طور پر اس کے چھوٹے سے پھل میں درج کر دیا ہے۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) بہار اور گرمی کے موسم میں سطحِ زمین کی طرف اشارہ ہے جب ہزاروں ہزار گھنی، گنجان اور باہم دِگر پیوستہ مخلوقات پیدا ہوتی ہیں اور رُوئے زمین پر بغیر کسی غلطی اور کمی کے لکھ دی جاتی ہیں اور انتہائی مکمل انتظام کے ساتھ تبدیل کر دی جاتی ہیں، اور یوں رحمانی ضیافت کے ہزاروں دسترخوان بچھا دیے جاتے ہیں۔۔۔ پھر انہیں لپیٹ کر نئے بچھا دیے جاتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہر ایک درخت ٹرے ہے، اور ہر ایک باغ پتیلا ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

ہماری آنکھوں کے سامنے آنِ واحد میں بنتے جا رہے ہیں، جیسے بہت عظیم الشان تبدیلی ہو رہی ہو۔ دیکھو! وہ ہنستے مسکراتے پھول کہاں گئے جو ابھی ہمارا دل بہلا رہے تھے؟۔ وہ رخصت ہوئے اور ہماری آنکھوں سے غائب ہو گئے اور اُن کی جگہ پر دیگر ایسے پھول آ گئے جو ماہیت میں تو اُن جیسے ہیں لیکن شکل وصورت میں اُن سے علیحدہ ہیں۔ تو گویا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلے ہوئے یہ صحراء اور پہاڑ، ان میں سے ہر ایک، ایک صحیفہ ہے جس میں لاکھوں مختلف کتابیں بغیر کسی خطا، بھول چوک اور کمی کوتاہی کے لکھی جا رہی ہیں۔ تو آپ کا کیا خیال ہے میرے دوست! کہ اِن تمام احوال ومعاملات وکیفیات میں رونما ہونے والے یہ انتہائی منظم اور متوازن تغیرات وتحولات از خود ہی ہو رہے ہیں؟ کیا یہ چیز سو فیصد ناممکن اور محال نہیں ہے؟

جی ہاں! ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی یہ چیزیں جو ساخت بناوٹ میں انتہائی مضبوط اور تکمیل بردوش ہیں، ان کے متعلق یہ کہنا کہ یہ خود سے ایسے ہو گئی ہیں، ناممکن اور محال در محال ہے، بلکہ یہ چیزیں تو اُتنی اپنی دلیل آپ نہیں جتنی وضاحت کے ساتھ اپنے بے مثال خالق وصانع پر دلالت کرتی ہیں! کیونکہ وہ یہ بات پوری وضاحت سے بتاتی ہیں کہ ہمارے بے مثال صانع اور مُوجِد کو نہ کوئی چیز لاچار کر سکتی ہے اور نہ تھکا سکتی ہے۔ اس کے لیے ایک ہزار کتاب لکھنا ایسے ہی آسان ہے جیسے ایک حرف لکھنا۔ پھر میرے بھائی ذرا چاروں طرف نظر دوڑاؤ تو تمہیں نظر آئے گا کہ اس صانع اعظم نے پوری حکمت کے ساتھ ہر چیز کو ایسی جگہ پر رکھا ہوا ہے جو اُس کے لئے مناسب ہے اور ہر چیز پر اپنی نعمتوں کی بارش برسائی ہے اور اسے اپنے بے پایاں فضل وکرم سے عزت بخشی ہے۔ وہ ہر چیز کے سامنے اُس کی خواہش اور طلب ورغبت کے حساب سے اپنی عمومی نعمتوں کے دروازے کھولتا ہے اور اُس کی آرزو پوری کرنے کے لیے اس کی طرف وہ چیز بھیج دیتا ہے جو اُسے مطمئن کر دے۔ اور عین اُسی وقت اس مملکت کی حیوانات ونباتات پر مشتمل تمام مخلوقات پر نعمتوں کی برکھا برساتا ہوا اپنے جود وسخا سے بھرے ہوئے پُر فخر دستر خوان بچھاتا ہے، بلکہ ہر فرد کی طرف اس کے نام اور پہچان کے حساب سے ایسی نعمت بھیجتا ہے جو اُس کے عین مطابق ہوتی ہے، اور اس میں ذرہ برابر بھول چوک، غلطی یا کمی کوتاہی رونما نہیں ہوتی ہے۔ اب خود ہی کہو کہ یہ تمام کام محض اتفاقیہ طور پر ہی ظہور میں آ رہے ہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو؟ یا اِن میں کسی بے سُودگی یا بے ہُودگی کا کوئی شائبہ پایا جاتا ہے؟ یا اس کے بے مثل صانع کے علاوہ اِس میں کسی کا کوئی عمل دخل ہے؟ یا اس بات کا تصور ہو سکتا ہے کہ اس کی مملکت میں کوئی چیز ایسی بھی ہو سکتی ہے جو اُس کی باغی یا نافرمان ہو؟۔ میرے دوست! یہ جو کچھ تمہیں نظر آ رہا ہے اس کے انکار کے لئے تمہارے پاس کوئی وجہ جواز ہے؟۔ اگر ہے تو ڈھونڈ لاؤ!۔

## ساتویں دلیل:

اے میرے دوست! آؤ ان جزوی چیزوں سے صرفِ نظر کرتے ہیں اور اس عجیب وغریب محل نما عالم میں تھوڑی دیر

Marfat.com

کے لیے غور کرتے ہیں اور اِس کے اُن اجزاء وعناصر اور حالات واطوار کا مشاہدہ کرتے ہیں جو ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں۔ دیکھو اس حیرت انگیز عالم میں کلی اُمور اور عمومی انقلابات کیسے آخری قسم کے ضبط وانتظام کے ساتھ جاری وساری ہیں، اور رونما ہوتے جارہے ہیں، ایسے لگتا ہے جیسے یہ پتھر، مٹی اور درخت وغیرہ ہر چیز بذاتِ خود فاعل ومختار ہے۔

اور مملکت کے تمام نظم وضبط کی نگرانی کر رہی ہے اور اس عمومی نظام کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر چل رہی ہے۔ اور یہ ہم آہنگی اِس حد تک ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک دوسرے سے دُور دُور کی چیزوں میں سے ہر چیز آپس میں تعاون اور امدادِ باہمی کے لیے ایک دوسرے کی طرف بھاگی چلی آرہی ہے۔

اِدھر دیکھو! غیب سے ہماری جانب ایک عجیب وغریب قافلہ روانہ ہوا ہے (حاشیہ:۱) اُن کی سواریاں درختوں، پودوں اور پہاڑوں کے مشابہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے سر پر رزق سے بھری پلیٹیں اُٹھائے ہوئے ہے۔ اُدھر دیکھو! یہ قافلہ اِس طرف انتظار کرنے والے جانداروں کے لیے رزق اُٹھائے آرہا ہے۔

پھر اس روشن چراغ (حاشیہ:۲) کو دیکھو جو مملکت کے قُبّے میں لٹکا ہوا ہے، وہ اُن کے اطراف واکناف کو روشن کر رہا ہے اور اُن کے تمام کھانوں کو اچھے طریقے سے پکا رہا ہے، صرف یہ ہے کہ اُن پکے ہوئے کھانوں کو ایک غیبی ہاتھ کی جانب سے نازک سے دھاگوں پر لٹکا کر اس چراغ کے سامنے کیا جاتا ہے۔ نازک سے (حاشیہ:۳) اب ذرا اس طرف! ان ضعیف ونحیف اور عاجز ولاچار جانداروں کو دیکھو! کس طرح ان کے سروں کے سامنے خالص اور نرم ونازک غذا سے بھرپور دو چشموں جیسے دو نلکے لگا دیے گئے ہیں۔ ان عاجز ولاچار مخلوقات کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اپنے منہ کو اُن کے ساتھ جوڑ دیں۔ (حاشیہ:۴)

بطور خلاصہ ہم یہ کہیں گے کہ: اس دنیا میں جو چیز بھی پائی جاتی ہے، ایسے لگتا ہے کہ جیسے وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہی ہے، اور مدد کر رہی ہے اور اس طرح ایک چیز دوسری چیز کا کام مکمل کر رہی ہے اور اس کی معاون ومددگار ہے۔ اور مجموعی طور پر سب کی سب چیزیں پہلو بہ پہلو راہِ حیات میں آگے بڑھ رہی ہیں۔ پس یہ تمام کے تمام منظر پورے یقین کے ساتھ اس چیز کی قطعی دلیل ہیں کہ اس عجیب وغریب اور حیرتناک محل میں جو بھی چیز ہے وہ اپنے مالکِ قدیر اور صانع بدیع کے سامنے مسخّر ہے اور اُس کے نام کے طفیل اور اس کی راہ میں کام کرتی ہے، بلکہ ہر چیز اُس فرمانبردار سپاہی کی طرح ہے جو

---

(حاشیہ:۱) یہ جڑی بوٹیوں، پیڑ پودوں اور درختوں کا قافلہ ہے جو تمام جانداروں کا رزق اٹھائے ہوئے ہے۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) سورج کی طرف اشارہ ہے۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۳) درختوں کی اُن نرم ونازک ٹہنیوں کی طرف اِشارہ ہے جو کہ لذیذ پھل اٹھائے ہوتی ہیں اور ان پر لٹکے ہوئے کھانوں سے مراد ان ٹہنیوں کے لذیذ پھل ہیں۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۴) ماؤں کے پستانوں کی طرف اشارہ ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

آرڈر سننے کے لیے بالکل چاک وچوبند اور تیار کھڑا ہے۔ پس ہر چیز اپنی ڈیوٹی اپنے مالک کی طاقت اور قوت کے بل پر ادا کر رہی ہے، چنانچہ اُس کے حکم سے حرکت کرتی ہے، اُس کی حکمت سے نظم وضبط میں آتی ہے، اُس کے فضل وکرم سے آپس میں تعاون کرتی اور اس کی رحمت سے بھاگ دوڑ کرتی ہے، یعنی اُس سے دوسروں کی مدد کے لیے تگ ودو کرائی جاتی ہے۔ اب اگر میرے بھائی! اس دلیل کے مقابلے میں تمہیں کوئی اعتراض یا شک ہے تو پیش کرو۔

## آٹھویں دلیل:

میرے خود کو عقل مند سمجھنے والے اور میرے نفسِ اَمّارہ کے ساتھ مشابہت رکھنے والے دوست! تُو بھی میرے نفسِ امارہ کی طرح خود کو بڑا سیانا سمجھتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تو اس انوکھے محل کے مالک کی پہچان نہیں کرنا چاہتا ہے، حالانکہ ہر چیز اُس پر دلالت کر رہی ہے، ہر چیز اُس کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور ہر چیز اُس کے وجود کی گواہی دے رہی ہے۔ لیکن پھر بھی یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ تو اِن تمام گواہیوں کو جھٹلانے کی جرأت کس طرح کر رہا ہے؟۔ تب یا تو تجھے خود اس محل کے وجود کو ہی جھٹلانا پڑے گا، بلکہ تجھے علی الاعلان کہنا پڑے گا کہ یہاں محل یا مملکت نامی کسی بھی چیز کا کوئی وجود نہیں ہے، بلکہ تمہیں خود اپنی ذات ہی کا انکار کر دینا چاہیے اور اسے معدوم سمجھنا چاہیے!۔ اور یا پھر تجھے سمجھ سوچ سے کام لے کر میری باتوں کو دھیان سے سننا چاہیے۔ میں تمہارے سامنے یہ ایک منظر رکھ رہا ہوں:

ان عناصر اور معدنیات (حاشیہ:۱) میں غور کرو جو اس تمام مملکت میں پھیلی ہوئی ہیں اور اس محل کے کونے کونے میں پائی جاتی ہیں۔ اور یہ بات تو سب کو ہی معلوم ہے کہ اس مملکت میں جو چیز بھی وجود میں آتی ہے انہیں مادوں سے آتی ہے، تو جو ان عناصر اور مواد کا مالک ہوگا وہ ہر اُس چیز کا مالک ہوگا جو اِس مملکت میں ان سے بنائی جاتی ہے اور پیدا کی جاتی ہے؛ کیونکہ جو کھیت کا مالک ہوتا ہے وہ اُس کھیت سے حاصل ہونے والی پیداوار کا بھی مالک ہوتا ہے اور جو سمندر کا مالک ہوتا ہے وہ سمندر میں پائی جانے والی تمام چیزوں کا بھی مالک ہوتا ہے۔

پھر ان خوبصورت رنگوں اور رنگارنگ پھولوں سے مزین کپڑوں پر ذرا نظر کرو، یہ سب کے سب ایک ہی مادے سے بنائے جاتے ہیں، اس لیے جس نے یہ مادہ تیار کیا ہے اور اُسے کاتا ہے اُس کا بھی ایک ہی ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ یہ صنعت اشتراک قبول نہیں کرتی ہے۔ اس لیے یہ پارچہ جات جو ہر طرح سے مضبوط، مکمل اور کسی بھی کمی بیشی سے پاک ہیں سب اُسی کے لئے خاص ہیں۔ پھر ایک اور چیز کی طرف توجہ کرو، اور وہ یہ کہ ان تمام پارچہ جات کی اجناس اِس عجیب و

---

(حاشیہ:۱) ہوا اور پانی کے اجزاء وعناصر کی طرف اشارہ ہے جو کہ انتہائی اہم وظائف ادا کر رہے ہیں، اور اللہ کے حکم سے ہر محتاج کی مدد کرتے ہیں اور ہر جگہ پھیل کر ذی حیات مخلوق کے لیے لوازمِ حیات مہیا کرتے ہیں۔ الٰہی مصنوعات کے نقش ونگار کا اصل تانا بانا یہی اجزاء وعناصر ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

غریب عالم کے ہر جزء میں موجود ہیں اور وہ اس وسیع پیمانے پر پھیل چکی ہیں کہ یہ پارچہ جات ہر جگہ پر، ایک ہی وقت میں، ایک ہی نمونے پر بُنے جاتے ہیں اور اُن کے تمام اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے اور ایک دوسرے میں داخل ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ تمام کے تمام ایک ہی فاعل کا فعل ہیں اور سب کے سب ایک ہی کے حکم سے متحرک ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے ایک ہی کاریگر کا ہاتھ کارفرما ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر تمام اطراف واکناف میں عمل کے میدان میں ایک ہی وقت میں ایک ہی طرح کی اور ایک ہی حالت میں مکمل ہم آہنگی اور واضح قسم کی موافقت کا پایا جانا محال ہے۔ اس لیے ہر وہ چیز جس کی ساخت پرداخت میں پختگی اور کاملیت پائی جاتی ہے، وہ چیز واضح طور پر اُس نظر نہ آنے والے فاعل پر دلالت کر کے اس کا اعلان کر رہی ہے۔ بلکہ بُنی ہوئی ہر چیز جو خوبصورت پھولوں سے آراستہ ہے، اور ہر انوکھی مشین اور ہر لذیذ لقمہ اُس معجز نگار صانع اور مُوجد کی ایک نشانی ہے، اس کی مہر ہے، اس کی علامت طُغرائے امتیاز ہے۔

اور یوں ہر چیز اپنی زبانِ حال سے کہہ رہی ہے: ''جس ذات کی کاریگری کا میں شاہکار ہوں، میری جائے پیدائش و رہائش اُس ذات کی بادشاہی ہے''۔ اور نقش کہتا ہے: ''وہ ذات جس نے مجھے بنایا ہے اور میری نوک پلک سنواری ہے، وہ لبائی جس میں مَیں ہوں وہ اُس کی بُنی ہوئی اور بنائی ہوئی ہے''۔ اور ہر لذیذ لقمہ یہ کہتا ہے: ''مجھے جو بناتا اور پکاتا ہے، وہ ہنڈیا اُس کی ہے جس میں میں پکایا جاتا ہوں''۔ اور ہر مشین یہ کہتی ہے کہ: ''جس نے مجھے بنایا ہے''۔ اس نے ہی اس مملکت میں پھیلی ہوئی میرے جیسی تمام مشینوں کو بنایا ہے، جو اس مملکت اور محل کا مالک ہے وہ ہی ہمارا مالک ہو سکتا ہے۔ اور یہ ایسے ہی ہے کہ اگر کوئی حکومت کے خصوصی اموال میں سے ایک باریک بیلٹ یا باریک بٹن کے مالک ہونے کا دعویدار ہے تو اس سے یہ چیز لازم آتی ہے کہ وہ اُن تمام فیکٹریوں کا مالک ہو جہاں یہ بٹن بنتے ہیں تاکہ اُس کی ملکیت واقعتاً ثابت ہو جائے، وگرنہ اس کا مالک ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہوگا اور اُسے اپنی اِس حرکت کی سزا بھگتنا ہوگی۔

خلاصہ: جس طرح اس مملکت کے عناصر ایسے مادے ہیں جو مملکت کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں اور اِس بنا پر اُن کا مالک ایک ہے جو مملکت میں پائی جانے والی ہر چیز کا مالک ہے، اسی طرح ساری مملکت میں پھیلی ہوئی مصنوعات ایک دوسرے کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور ایک ہی علامت اور سکّے کا اظہار کرنے کی وجہ سے صرف اُسی ایک ذات پر دلالت کرتی ہیں جس کا ہر چیز پر حکم چلتا ہے۔

اس لیے اے میرے دوست! اس کائنات میں وحدت کی علامت بالکل ظاہر ہے اور توحید کی نشانی بالکل واضح اور آشکار ہے، اور یہ اس لیے کہ اشیاء کی ایک قسم ایسی ہے جو ''واحد'' ہونے کے باوجود تمام عالم میں موجود ہے، اور ایک دوسری قسم ایسی ہے جو متعدد شکلوں صورتوں کی حامل ہونے کے باوجود اپنی ہم سر اور ہم رنگ اشیاء کے ساتھ ایک قسم کی وحدت و یگانگت کا اظہار کرتی ہے، کیونکہ وہ اُس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں اور تمام اطراف واکناف میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور جیسے

Marfat.com

کہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ''وحدت'' ''واحد'' پر دلالت کرتی ہے، اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ ان تمام اشیاء کا صانع اور خالق و مالک ایک اور یکتا و یگانہ ہو۔

مزید برآں، یہ چیز بھی غور سے دیکھو کہ غیب کے پردے سے ایک مضبوط رسی (حاشیہ:۱) ظاہر ہوتی ہے، پھر دیکھو کہ اُس سے ہزاروں رسیاں نکل کر اِدھر اُدھر دراز ہوگئی ہیں۔ ہر ایک رسی کے سرے پر ایک ایک ہیرا، ایک ایک میڈل، ایک احسان اور بہت سے تحفے لٹکا دیے گئے ہیں۔ ہر ایک کو اس کے ساتھ مناسبت رکھنے والے تحفے دیے جا رہے ہیں۔

اب تم خود ہی اندازہ لگا لو کہ جو شخص اُس ہستی کو نہیں جانتا جو ان عجیب وغریب اُمور کو چلا رہی ہے اور یہ انوکھے اور عمدہ ترین تحفے پیش کر رہی ہے، وہ شخص کتنا بڑا ناسمجھ، مُورکھ اور ناداں ہوگا؟ اور ان نعمتوں کے مقابلے میں شکر کے جذبات سے عاری ہونے کی وجہ سے وہ کتنا بدبخت ہوگا؟ کیونکہ اگر آپ اس کو نہیں مانیں گے تو یہ بات کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ یہ رسیاں خود اِن ہیروں اور دوسرے تحفوں کو بنا بنا کر پیش کر رہی ہیں۔

یعنی اس کی جہالت اُس پر یہ بات لازم کر دیتی ہے کہ وہ اِن میں سے ہر رسی کو بادشاہ کا مفہوم دے دے! حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک غیبی ہاتھ ہی ہے جو ان رسیوں کی طرف بڑھتا ہے، انہیں شکل وصورت دیتا ہے اور ان میں یہ قیمتی تحفے پرو دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس محل میں جو کچھ بھی ہے وہ جتنی وضاحت سے اُس ہستی پر دلالت کرتا ہے اُتنی وضاحت سے خود اپنی ذات پر بھی دلالت نہیں کرتا ہے! اس لیے اے میرے دوست! اگر تم اُس ہستی کو کما حقہ پہچان نہ پائے تو پھر حیوانوں سے بھی نچلے درجے میں جا گرو گے؛ کیونکہ اس طرح تم ان تمام چیزوں کا انکار کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔

## نویں دلیل:

اے میرے بے محا کمانہ دوست! تمہاری باتیں یقین اور اعتماد پر مبنی نہیں ہیں بلکہ تم صرف اٹکل سے کام لے رہے ہو، تم اس محل کے مالک کو نہ تو جانتے ہو اور نہ ہی اُسے جاننے کا کوئی شوق رکھتے ہو، تمہاری عقل چونکہ ان نمایاں معجزات اور انوکھے نوادرات کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے، اِس لیے تم اس محل کے مالک اور اس کے عجیب وغریب احوال واوصاف کو بعید از عقل سمجھتے ہو اور انہیں ناممکن سمجھ کر ان کے انکار پر تُلے ہوئے ہو، اور بہت سی اُلجھی ہوئی مشکلات وصعوبات اور ٹیڑھی رکاوٹوں کا سامنا اُس وقت ہوتا ہے جب مالکِ حقیقی کی پہچان نہ ہو سکے کیونکہ جب ہم اسے پہچان جائیں گے تو یہ محل اور یہ تمام دنیا ایسے ہی آسان ہو جائے گی جیسے کہ ایک ہی چیز ہو، اور میدانِ کار میں مبذولیت، ارزانی، فراخی یعنی کثرت کا دارومدار بن جائے گی۔ لیکن اگر ہم اسے پہچان نہ پائیں، اور وہ نہ ہو تو پھر ہر چیز اِس تمام محل کی مقدار میں مشکل ہو جائے

(حاشیہ:۱) مضبوط رسی سے مراد پھل دار درخت ہیں اور ہزاروں رسیوں سے مراد اُن کی شاخیں اور ٹہنیاں ہیں۔ اور جو رسیوں کے سروں پر لٹکے ہوئے ہیرے، جواہرات، میڈل، احسان اور تحفے ہیں ان سے مراد انواع واقسام کے پھل پھول ہیں۔ مؤلف

Marfat.com

گی، تب نہ ارزانی رہے گی، نہ مبذولیت، کیونکہ ہر چیز اس محل میں صنعت سے بھر پور ہے، بلکہ جو چیزیں ہمارے مشاہدے میں آرہی ہیں اُن میں سے کوئی بھی چیز صرف یہی نہیں کہ ہمارے ہاتھ میں نہیں رہے گی بلکہ کسی کے ہاتھ میں بھی نہیں رہے گی۔

چاہو تو مربوں سے بھرے ہوئے ان ڈبوں (حاشیہ:۱) کو دیکھ لو جوان دھاگوں سے لٹک رہے ہیں۔

یہ بھرے ہوئے ڈبے اگر اُس معجزانہ قدرت کے باورچی خانے کی مصنوعات نہ ہوں تو ہم بجائے چالیس پیسوں کے، سو روپے میں بھی نہیں خرید سکتے تھے۔

جی ہاں! استبعاد، مشکلات، صعوبات اور ناممکنات کا وجود صرف عدمِ معرفت میں ہے، یعنی صرف اس صورت میں ہے جب اُس مالک کی پہچان نہ ہو پائے؛ کیونکہ ۔ بطورِ مثال سمجھو کہ ۔ ایک پھل کا تعلق اگر متعدد مراکز اور مختلف قوانین کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو اُس کو ایجاد کرنا ایسے ہی مشکل ہوگا جیسے خود ایک پورے درخت کو ایجاد کرنا، لیکن اگر ایک پھل کو ایک قانون اور ایک مرکز کے تحت ایجاد کیا جائے تو پھر ہزاروں پھلوں کا ایجاد کرنا ایسے ہی سہل اور خوشگوار ہوگا جیسے کہ ایک پھل کو ایجاد کرنا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک لشکر کو مکمل ساز و سامان سے تیار کرنا، اگر اُس کی تیاری کے پیچھے ایک مصدر، ایک مرکز اور ایک ہی کارخانے کا ہاتھ کارفرما ہو تو معاملہ عقلی طور پر آسان اور خوشگوار ہوگا، لیکن اگر ہر سپاہی کو ایک خاص قانون، ایک خاص مصدر و مرکز اور کسی خاص کارخانے سے تیار کیا جائے تو معاملہ انتہائی مشکل اور دشوار ہو جائے گا۔

بلکہ ایسے میں وہ سپاہی ساز و سامان بنانے والے اتنے ہی مرکزوں، کارخانوں اور قوانین کا محتاج ہوگا جتنے کہ ایک مکمل لشکر میں افراد ہوتے ہیں۔

اب ان دو مثالوں سے یہ سمجھ لو کہ: اِس عظیم الشان محل، خوبصورت شہر، اس ترقی یافتہ مملکت اور اِس ہیبت ناک دنیا میں اِن چیزوں کی ایجاد کی نسبت اگر ایک اکیلی ذات کی طرف کی جائے تو معاملہ بالکل سیدھا سادھا، آسان اور خوشگوار رہتا ہے، اور اشیاء کا بکثرت اور وافر مقدار میں ہونا بالکل واضح طور پر سمجھ میں آجائے گا۔ لیکن اگر یہ معاملہ اُس ایک کی طرف منسوب نہ کیا جائے تو پھر کسی بھی چیز کو ایجاد کرنا انتہائی مشکل امر ہوگا، بلکہ اُس کی ایجاد ہو ہی نہیں سکے گی اگر چہ تمام دنیا اُس کی قیمت میں دے دی جائے۔

## دسویں دلیل:

میرے لمحہ بہ لمحہ انصاف کے قریب آنے والے دوست! دیکھو ہم یہاں پندرہ دن سے ہیں (حاشیہ:۲) اور ان پندرہ

(حاشیہ:۱) مربوں سے بھرے ڈبوں سے تربوز، خربوزے، انار اور انار یل ہر جیسے پھلوں کی طرف اشارہ مقصود ہے، جو قدرتِ الٰہیہ کے ڈبے ہیں اور یہ سب چیزیں رحمتِ الٰہیہ کے لذیذ تحفے اور دودھ کے ڈبوں کی طرح ہیں۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) اُس عمر کی طرف اشارہ ہے جس میں پہنچ کر انسان مکلف ہو جاتا ہے، اور وہ پندرہ سال ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

دنوں میں بھی اگر ہم اس علاقے کے انتظامی امور اور قوانین وضوابط سے واقف نہ ہو سکے اور یہاں کے حاکم کی پہچان نہ کر پائے، تو پھر تو ہم سزا کے مستحق ہیں؛ کیونکہ ہمارے پاس عذر خواہی کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی ہے۔ان لوگوں نے اتنے دن ہمارے ساتھ رعایت برتی ہے اور ہمیں کچھ نہیں کہا ہے، لیکن ہم یہ بات ضرور سمجھتے ہیں کہ ہم بالکل آزاد آوارہ اور غیر ذمہ دار نہیں ہیں، بلکہ ہم ایک ایسی مملکت میں ہیں جو انتہائی خوبصورت، حیرت انگیز اور دل آویز ہے، اُس کی کامل اور مضبوط مصنوعات اتنی گہری اور باریک کاریگری سے کام کر رہی ہیں جس سے اس کے مالک کی عظمت اُبھر کر سامنے آرہی ہے ۔اِس لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی گرفت بھی مضبوط ہو۔ہم اس مالک کی عظمت اور قدرت کو یوں سمجھ سکتے ہیں:

وہ اس بھاری بھرکم کائنات کو اتنی سہولت سے منظّم کرتا ہے جیسے کہ ایک محل کو کیا جاتا ہے اور اس عجیب وغریب دنیا کے اُمور اتنی آسانی کے ساتھ چلاتا ہے جیسے کہ یہ ایک چھوٹا سا گھر ہو، اور اس آباد شہر کو اتنے کامل انتظام کے ساتھ بھرتا اور اُسے اُس کے باسیوں سے اتنی کامل حکمت کے ساتھ خالی کرتا ہے جیسے کہ ایک پلیٹ بھر کر خالی کر دی جاتی ہے۔اور اپنے کمال فضل وکرم سے اپنے غیبی ہاتھ کے ساتھ انواع واقسام کے پُرفخر دستر خوان (حاشیہ:۱) سجاتا اور اُن پر لذت بھرے کھانے لگاتا ہے، اس دستر خوان کو وہ دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک بچھاتا ہے اور پھر اسے انتہائی سہولت کے ساتھ اٹھا لیتا ہے، بالکل ایسے جیسے ایک چھوٹا سا دستر خوان بچھایا اور لپیٹ دیا جاتا ہے۔پس اگر آپ سمجھدار آدمی ہیں تو فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ عظمت وہیبت لازمی طور پر ایسے فضل وکرم اور جود وسخا کی حامل ہے جس کی کوئی حد ہی نہیں ہے۔

پھر دیکھو کہ جس طرح یہ تمام اشیاء اُس غیبی ذات کی سلطنت اور یکتائی کی طرف گواہی دیتی ہیں، اِسی طرح یہ پے در پے آنے جانے والے قافلے اور یکے بعد دیگرے تحوّلات وتغیرات اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ سلطان وحکمران دائمی اور باقی ہے؛ کیونکہ یہ جتنی بھی زوال پذیر اَشیاء ہیں ان کے زوال کے ساتھ ساتھ اُن کے اسباب بھی زائل ہو جائیں گے، یعنی اشیاء اور اُن کے اسباب ایک ساتھ زائل ہو جائیں گے۔حالانکہ ان کے پیچھے سے، جنکی طرف ہم نے انکی نسبت کی تھی وہ نئے سرے سے ہو رہے ہیں۔مطلب یہ کہ یہ اشیاء اِن اسباب کے مرہونِ منت نہیں ہیں بلکہ ان کا سرچشمہ وہ ہستی ہے جس کو زوال نہیں۔جس طرح جاری نہر کے بلبلوں کے زائل ہو جانے کے بعد اُن کی چمک دمک بعد میں آنے والے بلبلوں میں منتقل ہو جاتی ہے۔

اس سے ہماری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اس چمک دمک کا تعلق اِن بلبلوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اِن کا مصدر ومنبع ایک دائمی اور بلند روشنی کا مالک ہے۔اسی طرح ان افعال اور اشیاء کا حیران کن سُرعت کے ساتھ تبدیل ہو جانا اور بعد میں

(حاشیہ:۱) سطحِ زمین کی طرف اشارہ ہے جب وہ بہار اور گرمی کے موسم میں رحمت الٰہیہ کے باورچی خانے سے انواع واقسام کے لذیذ ترین کھانے نکالتی ہے، اور ہمیشہ رنگا رنگ نعمتوں کے نت نئے دستر خوان سجاتی ہے چنانچہ ہر باغ دیگ ہے اور ہر درخت ایک ریڑھی والا ہے۔مؤلف۔

Marfat.com

آنے والی اشیاء کا انہی کے رنگ میں رنگا جانا اور اُن کی صفات میں ڈھل جانا ہمارے لیے اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ افعال اُس ذات کی تجلیات ہیں جو سدا ہے، زوال پذیر نہیں، اور قائم و دائم ہے، تبدُّل آشنا نہیں۔ اور اشیاء تمام کی تمام اُس کے نقوش، اس کے آئینے اور اُس کی مصنوعات ہیں، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

## گیارہویں دلیل:

آؤ میرے دوست اب میں تمہارے سامنے ایک ایسی دلیل رکھتا ہوں جو گزشتہ دس دلیلوں جیسی قوت کی مالک ہے۔ چلو ہم ایک سمندری کشتی (حاشیہ:۱) میں سوار ہو جاتے ہیں تاکہ ایک دور دراز جزیرے کی طرف جا سکیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہم وہاں کیوں جانا چاہتے ہیں؟ اس لیے کہ اُس دور میں اس کائنات کی پہیلیوں، سربستہ رازوں اور عجائبات کی چابیاں پائی جاتی ہیں، کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ سب کی آنکھیں اُسی پر لگی ہوئی ہیں؟ سب کے سب اُس کی طرف سے فرمان وہی کے منتظر ہیں اور اُس سے احکام وصول کرتے ہیں۔ ہم بھی اپنے سفر کی ابتدا کرتے ہیں۔ یہ دیکھو ہم اُس جزیرے تک پہنچ گئے ہیں، ہمارے قدم اس کی سرزمین پر پڑ رہے ہیں۔ اب ہم لوگوں کے ایک بہت بڑے انبوہ کے سامنے کھڑے ہیں، اِس انبوہِ کثیر میں مملکت کے تمام اَشراف اور سرکردہ لوگ جمع ہیں۔ میرے دوست! ذرا اِس ہیبت خیز اجتماع کے صدر مجلس کو غور سے دیکھو۔ دیکھو کہ اس کے سینے پر ایک ہزار سے زائد اعلیٰ درجے کے تمغے سجے ہوئے ہیں (حاشیہ:۲) اور وہ خوبصورت اور اعتماد و اطمینان سے بھری ہوئی گفتگو کر رہا ہے۔ میں چونکہ گزشتہ پندرہ دنوں میں اس کی باتیں سمجھ چکا ہوں اس لئے وہ باتیں تمہارے بھی ذہن نشیں کرنے کی کوشش کروں گا۔ وہ اس مملکت کے بادشاہ کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے جو کہ ایک معجزانہ صفات کی حامل عجیب و غریب ہستی ہے، وہ کہہ رہا ہے: مجھے تمہاری طرف اُسی نے بھیجا ہے، دیکھو وہ عجیب و غریب اور انوکھے اور اَن ہونے واقعات اور معجزات ظہور میں لا رہا ہے، جن سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعتاً اُس سلطانِ عظیم کا نمائندہ اور اس کا بھیجا ہوا مامور خاص ہے۔ اُس کی بات غور سے سُنو؛ کیونکہ تمام مخلوقات نے اپنے کان اُس کی

---

(حاشیہ:۱) سفینے سے تاریخ کی طرف اشارہ ہے، اور جزیرے سے خیرُ القرون کی طرف اشارہ ہے جو نبوت کی سعادتوں سے بھرپور صدی ہے۔ دورِ حاضر کی کمینی تہذیب نے جو لباس ہمیں پہنایا ہے اُسے اگر ہم اِس دورِ ظلمت کے ساحل پر اُتار پھینکیں اور خود کو زمانے کے سمندر میں پھینک دیں، اور تاریخ اور سیرتِ طیبہ کی کتابوں کے سفینے میں بیٹھ کر نُورِ سعادت کے دور کے جزیرے تک پہنچ جائیں اور یوں جزیرہ عرب میں داخل ہو جائیں، اور رسول گرامی ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہو جائیں، اور وہ نبوت کی مقدس ذمہ داری نبھا رہے ہوں۔۔۔ تو اُس وقت ہمیں پتا چلے گا کہ نبی ﷺ توحید کی تابندہ برہان اور درخشندہ دلیل ہیں، اور آپ ﷺ نے اپنی اس حیثیت سے تمام روئے زمین کو روشن کر دیا ہے۔ زمانے کی دونوں جہتوں یعنی ماضی اور مستقبل کو جگمگا دیا ہے اور کفر و ضلالت کے اندھیروں کو مٹا دیا ہے۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) اُن معجزات کی طرف اشارہ ہے جو رسول گرامی ﷺ سے ظہور میں آئے، اور جو اہلِ علم و تحقیق کے ہاں ایک ثابت شدہ حقیقت ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

باتوں کی طرف لگائے ہوئے ہیں۔ بلکہ یہ مملکت از اول تا آخر تمام کی تمام اُسی کی باتوں میں محو ہے۔ اس مملکت کے تمام باشندے اس کی دلنواز گفتگو سننے اور اس کا نظر نواز چہرہ دیکھنے کے لیے بے قراری سے لپک رہے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ اُس کی باتیں صرف انسان ہی سنتے ہیں؟ نہیں، بلکہ حیوانات بھی بلکہ حتیٰ کہ پہاڑ اور جمادات بھی اس کے احکام پر کان دھرتے ہیں اور ذوق وشوق سے وجد میں آکر جھومتے ہیں اور فرمانبرداری کے جذبات سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ دیکھو درخت اُس کے احکام واوامر کے آگے سر جھکاتے ہیں اور انہیں جدھر جانے کا اشارہ کرتا ہے اُدھر چل پڑتے ہیں! وہ جہاں سے چاہتا ہے پانی کا چشمہ جاری کر دیتا ہے، حتیٰ کہ اپنی انگلیوں کے درمیان سے بھی پانی بہا دیتا ہے اور لوگ اس صاف ستھرے خوشگوار پانی سے سیر ہو جاتے ہیں۔ ذرا اس روشن چراغ کو دیکھو جو مملکت کی چھت (حاشیہ:۱) سے لٹک رہا ہے، وہ روشن چراغ اُس کے صرف ایک اشارے سے دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ تو گویا کہ تم اس مملکت کو اور اس میں پائی جانے والی تمام چیزوں کو بڑی اچھی طرح سے جانتے ہو اور یہ بات بھی یقیناً جانتے ہو۔ کہ یہ آدمی کسی اہم کام کے لیے بادشاہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ یہ بادشاہ کا نمائندہ ہے اور اُس کے جلیل القدر اوامر واحکام کو پوری ایمانداری سے آگے پہنچانے والا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مملکت کے باشندے ایک فرمانبردار سپاہی کی طرح اُس کی بات مانتے ہیں۔ اس کے اردگرد جو بھی عقل منداور سمجھ سوچ والا آدمی ہے وہ یہی کہتا ہے کہ یہ شہنشاہِ معظم کا معزز نمائندہ ہے۔ وہ اس کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کا کہنا مانتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ مملکت میں پائے جانے والے پہاڑ اور عظیم الشان چراغ (حاشیہ:۲) بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور تمام کے تمام انتہائی احترام کے ساتھ سر جھکا کر اپنی زبان حال سے کہتے ہیں کہ: جی ہاں۔ جی ہاں، یہ جو کچھ بھی کہتے ہیں سب حق ہے، سچ ہے، عدل ہے اور درست ہے۔

تو اے میرے غافل دوست! کیا خیال ہے کہ اس معزز شخصیت کی گفتگو میں کسی قسم کے جھوٹ یا فریب کا احتمال بھی ممکن ہے؟ بخدا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ تو وہ شخصیت ہے جسے بادشاہ نے ہزاروں قسم کے تمغوں، اعزازوں اور میڈلوں سے نوازا ہوا ہے۔ اور یہ بادشاہ کی طرف سے اُس کے لیے تصدیق نامہ ہے، اور مملکت کے تمام سرکردہ اور اشراف اُس کو سچا سمجھتے ہیں۔ اس کی گفتگو تمام کی تمام اعتماد اور اطمینان ہے۔ اس کی تمام گفتگو سلطانِ معظم کے معجزانہ اوصاف اور دلنشیں اوامر کی تلاش کے اردگرد گھومتی ہے۔ اگر تمہیں اس ضمن میں جھوٹ کا کوئی احتمال محسوس ہوتا ہے تو پھر تمہارے لیے یہ

(حاشیہ:۱) قمر اور معجزہ شق القمر یعنی چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔ مولانا جامی کہتے ہیں: ''ایک ناخواندہ کتاب کہ جس نے تمام عمر ایک حرف تک نہ لکھا، اُس نے اپنی انگلی کی قلم کے ساتھ روئے آسمان پر الف لکھا'' مؤلف۔

(حاشیہ:۲) مشہور واقعے کی طرف اشارہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے، اس اثناء میں سورج غروب ہونے ہی والا تھا اور جناب علی رضی اللہ عنہ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی چنانچہ آپ ﷺ نے اشارہ کیا تو وہ پیچھے لوٹ آیا اور علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز ادا کر لی جو کہ قضا ہو رہی تھی۔ مؤلف۔

Marfat.com

لازم ہے کہ اُن تمام گروہوں کی تکذیب کردو جو اس کی تصدیق کر رہے ہیں، بلکہ یہ لازم ہے کہ تم اس محل کا اور اِن چراغوں کے وجود کا انکار کردو، ہر چیز کے وجود کا انکار کردو اور تمام موجودات کے حقائق کی تکذیب کردو۔ اگر ایسا نہیں ہوسکتا ہے تو پھر تمہارے پاس اگر دلیل نامی کوئی چیز ہے تو پیش کرو؛ کیونکہ دلائل و براہین کو چیلنج کیا جاسکتا ہے۔

## بارہویں دلیل:

میرے بھائی! ہوسکتا ہے کہ ہماری اس گفتگو سے ہم راہ پر آگئے ہوں، پر راستہ آپ کے سامنے دھیرے دھیرے واضح ہوگیا ہو، اس لیے میں اب آپ کے سامنے ایک شاہکار دلیل رکھتا ہوں جو سابقہ تمام دلائل و براہین پر بھاری ہے۔

اِن سلطانی اوامر و احکام پر نظر کرو جو اُفُقِ اَعلیٰ سے نازل ہوئے ہیں، سب لوگ ان کی توقیر کرتے ہیں اور انہیں عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور تمغوں سے آراستہ نورانی شخصیت ان نورانی اوامر (حاشیہ:۱) کے پہلو میں کھڑی نظر آرہی ہے۔ اور اکٹھے ہونے والے اُن تمام گروہوں کے لئے اُن اوامر کے معانی کی وضاحت کر رہی ہے اب ذرا اُن اوامر کے اُسلوب کی طرف دیکھو کہ وہ کتنا درخشندہ و تابناک ہے، اتنا کہ سب لوگ اُس کے سامنے انگشت بدنداں حیرت کی تصویر بنے ہوئے ہیں؛ کیونکہ وہ ایسے سنجیدہ مسائل کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو سب کے لئے اہم ہیں، اسی لئے سب لوگ ان مسائل کو سراپا گوش ہوکر سُننے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ وہ بادشاہ کے تمام احوال و معاملات، افعال و اوامر اور عادات و اوصاف کو پوری تفصیل سے بیان کررہا ہے۔ اب جس طرح ان سلطانی اوامر پر خود بادشاہ کا امتیازی نشان بنا ہوا ہے، اسی طرح اُس کی ہر سطر پر اس کی خصوصی علامت (Mark) ہے، بلکہ اگر تم ذرا گہری نظر سے دیکھو گے تو تمہیں نظر آئے گا کہ ان سطروں کے معانی، مقاصد اور اوامر و نواہی تو رہے ایک طرف اس کے ہر ہر حرف پر اُس کی تقلید قبول نہ کرنے والی ایک مہر لگی ہوئی ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ سلطانی اوامر و احکام اس سلطانِ معظم پر ایسے ہی دلالت کرتے ہیں جیسے روشنی دن پر دلالت کرتی ہے۔

☆ ☆ ☆

اے میرے دوست! مجھے یقین ہے کہ تم ہوش میں آگئے ہو اور خوابِ غفلت سے بیدار ہوگئے ہو؛ کیونکہ جتنے دلائل و براہین ہم نے ذکر کیے ہیں وہ مقصود و مُدّعا کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اب اگر کوئی بات ذہن میں ہے تو بتادو۔

اِس پر اُس ضدی انسان نے صرف یہ کہا کہ:

میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہ''، میں مان گیا ہوں اور میرے دل نے اِسے بطور ایک سچائی کے تسلیم

---

(حاشیہ:۱) نورانی اوامر و احکام سے قرآن کریم کی طرف اشارہ ہے اور اس کے لئے وضع کی گئی علامت سے اُس کے اعجاز کی طرف اشارہ ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

کرلیا ہے، بلکہ ایسے مانا ہوں جیسے چمکتے سورج اور روشن دن کو مانا جاتا ہے۔ اس مملکت کا ایک ہی صاحبِ کمال پروردگار ہے، اس کون و مکاں کا ایک ہی صاحبِ جلال آقا و مولا ہے اور اس محل کا ایک ہی صاحبِ جمال صانع ہے۔ میرے دلی دوست! اللہ تم پر راضی ہو، کہ تم نے مجھے خواہ مخواہ کی اس ضد، تعصب اور عناد سے بچالیا ہے جس کی وجہ سے میں پاگل پن اور بے وقوفی کی حدوں کو چھونے لگا تھا۔ اور میرے بھائی میں تم سے یہ بات چھپاؤں گا نہیں کہ تم نے جتنی بھی دلیلیں دی ہیں اُن میں سے ہر دلیل اس نتیجے تک پہنچانے کے لیے کافی تھی، لیکن میں پھر بھی خاموش رہ کر تمہاری ہر دلیل بگوشِ ہوش سنتا رہا؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہر دلیل نے مجھے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کی خالص محبت تک پہنچانے کے لیے میرے سامنے زیادہ وسیع آفاق اور وسیع و عریض دریچے کھول دیے ہیں''۔

☆ ☆ ☆

اور یوں وہ کہانی مکمل ہوئی جو توحید اور ایمان باللہ کی حقیقتِ عظمیٰ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور اس مضمون کے ''دوسرے مقام'' میں ہم اللہ کے فضل و کرم اور قرآن کے فیضان اور ایمان کی روشنی سے اس تمثیلی حکایت میں آنے والی بارہ دلیلوں کے بالمقابل آنے والی ''بارہ کرنوں'' کی وضاحت کریں گے۔ حقیقی توحید کی ان بارہ کرنوں کی وضاحت کرنے سے پہلے ہم بطور تمہید ایک مقدمہ لکھیں گے۔ ومن اللہ التوفیق والھدایۃ۔

Marfat.com

# بائیسویں مقالے کا دوسرا مقام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْئٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ وَكِيلٌ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْئٍ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ (حاشیہ:۲)

﴿وَاِنْ مِنْ شَيْئٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ اِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ﴾ (حاشیہ:۳)

﴿مَامِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّي عَلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (حاشیہ:۴)

## مقدمہ

ہم نے اپنے ''بحرِ توحید سے ایک قطرہ'' نامی مضمون میں ارکانِ ایمان کے قطب یعنی ایمان باللہ کے بارے میں اجمالی طور پر بیان کیا ہے۔ اور وہاں یہ ثابت کیا ہے کہ کائنات میں پائی جانے والی ہر چیز پچپن (55) زبانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور اُس کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہے۔ اور اسی طرح ہم نے اپنے (اللہ کی معرفت کے نور کا ایک نقطہ) نامی مضمون میں اللہ تعالیٰ کے وجود کے واجب ہونے اور اس کی وحدانیت پر ہمہ گیر قسم کی چالیس دلیلیں ذکر کی ہیں، اُن میں سے ہر دلیل ایک ہزار دلیلوں کی طاقت رکھتی ہے۔ اسی طرح ہم نے اپنے عربی زبان میں لکھے گئے لگ بھگ بارہ مضامین میں سینکڑوں ایسے قطعی دلائل بیان کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے ہم جو کچھ بیان ہو چکا ہے اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور گہری تفاصیل میں نہیں جاتے۔ البتہ اِس ''بائیسویں مقالے'' میں ہم ''ایمان باللہ کے خورشید تاباں کی'' ''بارہ کرنیں'' ذکر کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور یہ وہی کرنیں ہیں جو رسائلِ نور میں جابجا بکھری ہوئی روشنی بکھیر رہی ہیں۔

### پہلی کرن:

توحید کی دو قسمیں ہیں۔ اس کی وضاحت ہم ایک مثال کے ساتھ کریں گے:

---

(حاشیہ:۱) الزمر:62-63

(حاشیہ:۲) یٰس:83

(حاشیہ:۳) الحجر:21

(حاشیہ:۴) ھود:56

Marfat.com

اگر آپ کسی ایسے بازار میں یا شہر میں وارد ہوں جہاں کسی بڑے آدمی کا مختلف قسم کا ساز وسامان پڑا ہوا ہو، تو اس ساز وسامان کی ملکیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

## پہلی صورت:

عام اور اجمالی صورت، یعنی جو عام لوگوں کے ذہن کے مطابق ہے، اور وہ یہ ہے کہ: ''اس طرح کے وافر مال ومتاع کا مالک اُس کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا''۔ لیکن عام آدمی کی اِس نظر کے ضمن میں اس بات کا اِمکان بہر کیف موجود ہے کہ چھینا جھپٹی ظہور میں آئے اور بہت سے لوگ اس کے حصوں اور ٹکڑوں کی ملکیت کا دعویٰ کردیں۔

## دوسری صورت:

ساز وسامان کے ہر بنڈل اور کاٹن پر لکھی ہوئی تحریر کو پڑھا جائے اور ہر پیکٹ پر لگے ہوئے مارک اور خصوصی علامت کو پہچانا جائے، اور ہر علامت پر لگی ہوئی مہر کے متعلق جانا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اس حالت میں ہر چیز ضمنی طور پر اپنے مالک پر دلالت کرتی ہے۔

تو جس طرح ساز وسامان کے مالک کی پہچان کی دو صورتیں ہیں، اسی طرح توحید کی بھی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ظاہری اور عامی توحید۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ: ''بے شک اللہ ایک ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ ہمسر، اور یہ کائنات تمام کی تمام اُس کی ملکیت ہے''۔

دوسری قسم: حقیقی توحید۔ اور وہ یہ ہے کہ: اتنے یقین کے ساتھ مانا جائے کہ آنکھوں سے دیکھنے کے قریب جا پہنچے، کہ: ''اللہ تعالیٰ ایک ہے، ہر چیز اس کی قدرت کے ہاتھ سے صادر ہوئی یا ظہور میں آئی ہے، اس کی اُلوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں، اُس کی ربوبیت میں اس کا کوئی مددگار نہیں اور اس کی بادشاہت میں اس کا کوئی مثیل ونظیر نہیں۔ ان تمام چیزوں پر ایسا ایمان ہو جو کہ انسان کو دائمی اطمینان اور دلی سکون سے سرشار کردے، اور جس سے اُسے ہر چیز پر اُس کی قدرت کی نشانی، اس کی ربوبیت کی مہر اور اس کے قلم کے نقوش صاف نظر آنے لگ جائیں۔ اور اس طرح ہر چیز کے اندر سے اس کے سامنے اپنے مالک کے نُور کی جانب ایک کشادہ کھڑکی کُھل جائے۔

اس ''مقالے'' میں ہم اس عظیمُ الشان حقیقی توحید پر روشنی ڈالیں گے۔

## تنبیہ:

اے اسباب کی پرستش میں ڈوبے ہوئے غافل انسان!

یاد رکھو کہ اسباب قدرتِ الٰہیہ کے تصرفات کے سامنے حجابات کی حیثیت رکھتے ہیں؛ کیونکہ عزت اور عظمت حجاب کا تقاضا کرتے ہیں۔ لیکن فاعلِ حقیقی دراصل قدرتِ صمدانیہ ہی ہے؛ کیونکہ توحید اور جلال اسی چیز کو چاہتے ہیں اور مستقل

Marfat.com

بالذات رہنا اُن کا لازمی تقاضا ہے۔

یاد رکھو کہ اُس سلطانِ ازلی کے ما ٔمور، خدمت گزار اور ملازم جو ہیں وہ ربوبیت کی سلطنت کے امور کو حقیقت میں نافذ کرنے والے نہیں ہیں؛ بلکہ وہ اس سلطانِ معظم کا اور اُس کی عظمت اور قدرت کا راستہ دکھانے والے ہیں اور اُس کی طرف بلانے والے ہیں۔ اُن کو وجود دینے کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ قدرتِ ربانیہ کی عزت، اس کی ہیبت اور اُس کی عظمت کا اظہار کرتے رہیں۔ اور یہ اس لیے کہ چھوٹے موٹے جزوی اُمور کے بارے میں قدرت کے ہاتھ کا براہِ راست عمل دخل ظاہر نہ ہونے پائے؛ کیونکہ کچھ اُمور بظاہر اتنے چھوٹے اور کمینے سے ہوتے ہیں کہ اکثر غفلت خوردہ لوگ اُن کے حسن و جمال کا ادراک نہیں کر پاتے اس لیے ناحق شکوے کرتے ہیں اور بغیر علم کے اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ دنیاوی بادشاہوں کے ملازموں کی طرح نہیں ہیں کہ جنہیں اُس نے اپنی سلطنت میں صرف اس لیے تعینات کیا ہے، اور انہیں اپنے کاروبارِ حکمرانی میں صرف اس لیے شریک کیا ہے کہ وہ خود عاجز ہے اور حاجت مند ہے۔

تو پتا چلا کہ اسباب صرف اس لیے وضع کیے گئے ہیں تا کہ ''قُدرت'' کی عزت وعظمت عقل کی ظاہری نظر کی طرف سے محفوظ رہے؛ کیونکہ ہر چیز کے آئینے کی طرح دو رُخ ہوتے ہیں۔

ایک رُخ ''مُلک'' کا ہے، یہ رخ آئینے کے اُس رُخ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جو رنگدار اور پالش کیا ہوا ہوتا ہے۔ اس رخ کے کئی قسم کے رنگ اور کئی طرح کی حالتیں ہو سکتی ہیں۔

دوسرا رُخ ''ملکوت'' کا ہے، یہ رخ آئینے کے اُس رخ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے جو آبدار اور صیقل شدہ ہے۔ اب ظاہری یعنی ملکوت والا رُخ جو ہے اس میں بظاہر ایسے حالات نظر آتے ہیں جو قدرتِ صمدانیہ کی عزت وعظمت اور کمال کے منافی ہیں اس لیے اسباب وضع کر دیے گئے تا کہ وہ ان حالات کا مرجع بنیں اور اُن کے وسائل کا کام دیں۔ لیکن جو رُخ ملکوت اور حقیقت والا ہے، اُس میں ہر چیز صاف شفاف، خوبصورت اور ذاتی طور پر قدرت کے ہاتھ کے ساتھ مطابقت رکھنے کے قابل ہے اور اُس کی عزت کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے اسباب صرف ظاہری چیزیں ہیں اور ملکوتیت اور حقیقت میں اُن کی کوئی حقیقی تا ٔثیر یا عمل دخل نہیں ہے۔

ظاہری اسباب میں ایک اور حکمت بھی پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

بے جا شکوے شکایات اور باطل اعتراضات کا رُخ اُس عدل مطلق ذات کی طرف نہ کیا جائے، یعنی یہ کہا جائے کہ یہ واقعہ جس میں ظلم نظر آ رہا ہے یہ اُس پروردگار کی طرف سے ظہور میں آیا ہے جو کہ سراپا عدل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسباب اس لیے وضع کیے گئے ہیں تا کہ ان شکووں شکایتوں اور اعتراضوں کے تیروں کا ہدف بنیں؛ کیونکہ تقصیر انہیں سے صادر ہوئی ہے، اور کمی ان کی طرف سے سامنے آئی ہے، اس لیے کہ یہ پوری قابلیت یا صلاحیت کے مالک نہیں تھے۔

Marfat.com

اس راز کی وضاحت کے لیے ایک بڑی لطیف مثال اور روحانی قسم کا محاورہ نقل کیا جاتا ہے، اور وہ اس طرح ہے کہ:

عزرائیل علیہ السلام نے ربُّ العزت سے کہا:

''میں جب اپنی ڈیوٹی نبھانے کے لیے تیرے بندوں کی روحیں قبض کروں گا تو وہ میری شکایت کریں گے اور مجھ سے ناراض ہوں گے''!

تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی زبانِ حکمت سے فرمایا:

''میں تیرے اور اپنے بندوں کے درمیان مصیبتوں اور بیماریوں کے پردے تان دوں گا، تاکہ اُن کے شکووں اور شکایتوں کا رُخ اُنھیں کی طرف رہے''۔

اور یوں غور کرو کہ کس طرح یہ امراض اُن پردوں کا روپ دھار جاتی ہیں جن کے ذمے وہ تمام چیزیں لگا دی جاتی ہیں جو بظاہر بُری محسوس ہوتی ہیں جیسے روحوں کے قبض کرنے میں جو جمال پایا جاتا ہے_ جو کہ ایک حقیقت ہے_ اس کا مرجع عزرائیل علیہ السلام کی ڈیوٹی ہے، اس لیے عزرائیل علیہ السلام ایک پردہ ہیں۔ وہ اس ڈیوٹی کی ادائیگی کے لیے پردہ اور قدرتِ الٰہیہ کے لیے ایک حجاب ہیں؛ کیونکہ وہ ایسے حالات کا مرجع بن گئے ہیں جو بظاہر رحمت وشفقت کے پہلو سے خالی ہیں اور قدرتِ ربانیہ کے کمالی پہلو کے لائق نہیں ہیں۔

جی ہاں! عزت وعظمت اس بات کے مقتضی ہیں کہ اسباب عقل کی نظر میں دستِ قدرت کے لیے پردے کا کام دیں۔لیکن توحید وجلال اس بات کو مستلزم ہیں کہ اسباب اپنے ہاتھ حقیقی تاثیر سے روکے رکھیں۔

## دوسری کرن:

اس کائنات کے باغ میں غور کرو، اس زمین کی جنتوں میں نظر دوڑاؤ اور جھلملاتے اور جگمگاتے تاروں بھرے آسمان کے خوبصورت چہرے کو دھیان سے دیکھو، تمہیں ہر بنی ہوئی چیز پر اس صانع ذوالجلال اور فاطر ذوالجمال کا سکہ نظر آئے گا جو کہ ہر چیز کے خالق کا خصوصی سکہ ہے۔ اور ہر مخلوق چیز پر ایک مہر ملے گی جو کہ ہر چیز کے صانع کی خصوصی مہر ہوتی ہے۔ اور تمہیں لیل ونہار اور بہار وخزاں کے صفحات میں اس کے قلم قدرت کے ساتھ لکھی ہوئی موجودات کے تمام طبقات پر ایک نا قابلِ تقلید نشانی ملے گی۔

اُن مہروں اور علامتوں میں سے بطور نمونہ ہم چند ایک کا ذکر کریں گے: اُس کی بے حد وشمار علامات میں سے اُس علامت کو دیکھو جو کہ ''حیات'' میں پائی جاتی ہے:

''وہ صرف ایک چیز سے ہر چیز پیدا کرتا ہے اور ہر چیز سے صرف ایک چیز پیدا کرتا ہے'' چنانچہ نطفہ کے پانی سے بلکہ پینے کے پانی سے حیوانات کے بے حد وحساب آلات واعضاء پیدا کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عمل خاص طور پر

Marfat.com

اس قادر وقدیر ذات کا ہے جو مطلق قدرت کا مالک ہے۔

پھر انواع واقسام کے کھانوں کو، گوشت ہو یا سبزیاں وغیرہ، انتہائی کامل اور گہرے نظام کے تحت ایک خاص جسم میں تبدیل کر دینا، اور ان انواع واقسام کے مأکولات ومشروبات سے ایک جسم پر اس جیسی خاص قسم کی جلد بُن دینا اور اس سے تعلق رکھنے والے دیگر آلات واعضا بنا دینا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کام ایسی قادر قدیر ہستی کا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور ہر چیز کے بارے میں بے قید اور لامحدود علم رکھتی ہے۔

جی ہاں، خالقُ الموتِ والحیاۃ اس دنیا میں زندگی کا نظام ایسے حکیمانہ طریقے اور معجزانہ قانون کے ذریعے چلا رہا ہے کہ ایسا قانون صرف وہی لاگو کر سکتا ہے جو تمام کون مکاں میں تصرف کر رہا ہو۔

تمہاری عقل کی چنگاری اگر بجھ نہیں گئی ہے اور تمہارے دل کی بصیرت اگر مفقود نہیں ہوگئی ہے تو سمجھ جاؤ گے کہ مطلق سہولت اور کامل انتظام کے ساتھ ایک چیز کو ہر چیز بنا دینا، اور دقیق میزان، حیرت انگیز انتظام اور انوکھی اور تعجب خیز مہارت سے تمام چیزوں کو ایک چیز بنا دینا، اُس ہستی کے حق میں ایک واضح علامت اور روشن دلیل ہے، جو کہ ہر چیز کا خالق اور صانع ہے۔

مثال کے طور پر، اگر آپ ایک ایسے آدمی کو دیکھتے ہیں جو غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے اور غیر معمولی کام کرتا ہے: وہ رتی بھر وزن کی روئی سے سو میٹر اُون، کئی میٹر ریشم اور دیگر انواع واقسام کے کپڑے بُن لیتا ہے۔ اور پھر وہ اُسی روئی سے بہت سے انواع واقسام کے کھانے اور رنگ برنگی مٹھائیاں بنا لیتا ہے۔ پھر آپ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی مُٹھی میں لوہا، پتھر، شہد، گھی، پانی اور مٹی پکڑتا ہے اور ان چیزوں سے خالص سونا بنا لیتا ہے: ایسے آدمی کو دیکھ کر آپ یہی فیصلہ کریں گے کہ وہ خصوصی قسم کی معجزانہ مہارت کا مالک ہے اور اس کے پاس کوئی ایسی خاص ہمہ گیر قسم کی طاقت ہے جس سے وہ موجودات میں اپنی مرضی کے مطابق ایسے تصرّف کر سکتا ہے جیسے زمین کے تمام عناصر اس کے حکم کے تابع ہوں، اور مٹی سے پیدا ہونے والی ہر چیز اس کے حکم کی پابند ہو۔

آپ تو اس مثال سے حیران ہو رہے ہیں! لیکن اگر آپ ''حیات'' میں پائی جانے والی قدرتِ الٰہیہ کی تجلی اور حکمت پر غور کریں گے تو اِس سے ہزاروں درجے زیادہ حیران ہوں گے۔ ''حیات'' کے بارے میں متعدد علامات میں سے ایک علامت پیشِ خدمت ہے۔

## تیسری کرن:

اُس ذی حیات مخلوقات میں غور کرو جو اس بہتی چلی جاتی ہوئی کائنات کے سمندر میں اور رواں دواں موجودات کے درمیان محوِ گردش ہے، تمہیں نظر آئے گا کہ ہر زندہ وجود پر اُس 'الحیُّ القیوّم' کی بہت سی مہریں لگی ہوئی ہیں۔ ان میں

Marfat.com

سے صرف ایک مہر پر غور کرو۔

وہ زندہ وجود انسان ہی سمجھ لیں، ایسے ہے جیسے اِس کائنات کا چھوٹا سا ماڈل، شجرِ تخلیق کا پھل اور دُنیا کی گٹھلی ہو؛ کیونکہ یہ انواع واقسام کی کائناتوں کے اکثر نمونوں کا جامع ہے۔ اور یہ زندہ وجود گویا کہ ایک ایسا قطرہ ہے جو کہ تمام کائنات سے کشید کیا گیا ہے اور انتہائی حساس سائنسی پیمانوں پر ناپا تولا گیا ہے۔ اِس لیے اس زندہ وجود کو تخلیق کرنے کے لیے، اُسے پروان چڑھانے کے لیے اور اس کی نگرانی ونگہداشت کے لیے یہ ضروری ہے کہ کائنات تمام کی تمام خالق کے قبضہءِ قدرت میں اور اس کی تصرف میں ہو۔ تمہاری عقل اگر توہمات میں غرق نہیں ہے تو پھر سمجھ جاؤ گے کہ:

شہد کی ایک مکھی کو _ جو کہ قدرتِ ربانیہ کے کلمات میں سے صرف ایک کلمے کی نمائندگی کرتی ہے _ بہت سی اشیاء کی چھوٹی سی فہرست بنا دینا۔

کتابِ کائنات کے اکثر مسائل کو اُس انسان کے وجود میں رقم کر دینا جو کہ خالقِ کائنات کی قدرت کے ایک صفحے کی نمائندگی کرتا ہے۔

انجیر کے بھاری بھر کم درخت کی زندگی کے تمام منہج کا اُن ننھے مُنے بیجوں میں اندراج کر دینا جو کتابِ قدرت کے ایک نقطے کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اُسمائے حُسنیٰ کے اُن ہمہ گیر آثار کو جو کہ اس عظیم کائنات کے صفحات پر جلوہ گر ہیں اِن آثار کو جو کہ اس کے کتاب کے صرف ایک حرف کی نمائندگی کرتا ہے۔

انسان کی تفصیلی زندگی کا ریکارڈ جس کے لیے ایک بہت بڑی لائبریری درکار ہے، اس ریکارڈ کو اُس کے انتہائی چھوٹے سے حافظے میں درج کر دینا۔

یہ تمام چیزیں بلاشک ایسی مُہر کی حیثیت رکھتی ہیں جو خصوصی طور پر صرف اُسی ذات کی ہو سکتی ہے جو ہر چیز کا خالق اور جہانوں کا پروردگار ہے۔

اگر بہت سی ربانی مہروں میں سے صرف ایک مُہر نے اِن تمام ''ذی حیات'' پر اتنی چمکدار روشنی کی برکھا برسا دی ہے کہ خالقِ کائنات کی آیات واضح طور پر ہیں۔ تو پھر اگر تُم میں ان تمام ''ذی حیات'' کو دیکھنے، اور اُن پر لگی ہوئی مہروں کا اکٹھے اور ایک ہی دفعہ مشاہدہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو پھر تمہاری کیفیت کیا ہوگی؟ کیا تم یہ نہیں کہو گے کہ:

''پاک ہے وہ ذات جو اس حد تک ظاہر ہوتے ہوئے بھی آنکھ سے اوجھل ہے''

## چوتھی کرن:

سطحِ زمین پر پھیلی ہوئی اِن رنگ برنگی دیدہ زیب مخلوقات کو دیکھو، اور آسمانوں کے سمندر میں تیرتی ہوئی اِن اَنواع

Marfat.com

واقسام کی مصنوعات کو دیکھواور ان میں اچھی طرح غور کرو۔ تمہیں نظر آئے گا کہ: ان سب پر زمین و آسمان میں روشنی بکھیرنے والے اُس ازلی پروردگار کا ناقابلِ تقلید طغرائے امتیاز موجود ہے۔ تو جس طرح ''حیات'' پر اس کی آیات اور خصوصی علامات پائی جاتی ہیں، اسی طرح ''ذی حیات'' پر اُس کی مہریں ملتی ہیں۔ اور کچھ کا نظارہ تو ہم نے کر ہی لیا ہے۔ اور اسی طرح ''زندگی بخشنے اور زندہ رکھنے'' میں اُس کی بڑی بڑی آیات اور طغراہائے امتیاز مشاہدے میں آرہے ہیں۔ اس چیز کی حقیقت کو ہم ایک مثال سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ دقیق اور گہرے معانی کو ذہنوں کے قریب کر دیتی ہے۔

فضا میں تیرنے والے سیاروں پر، پانی کے قطروں پر، شیشے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر اور برف کے تابناک بلوریں گالوں پر۔ سورج کی شکل وصورت کی خصوصی علامات اور اس کے انعکاسات کی مہر اور اُس کی خصوصی نورانی تاثیر ہے۔ اب اگر آپ یہ بات قبول نہیں کرتے کہ ان چیزوں پر چمکنے والے یہ چھوٹے چھوٹے غیر محدود سورج دراصل اُس اصل سورج کے انعکاسات اور اُس کی تجلیات ہیں تو پھر مجبوراً آپ کو یہ بات بھی ماننا پڑے گی کہ ہر قطرے میں، سورج کے سامنے پڑے شیشے کے ہر ٹکڑے میں اور روشنی کے بالمقابل ہر شفاف ذرے میں ایک اصلی سورج موجود ہے، اور اس سے یہ بات بھی لازم آئے گی کہ تم پرلے درجے کی حماقت اور آخری درجے کے جنون کے گڑھے میں جا گرو گے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جو کہ ازلی آفتاب ہے، اُس کی ''احیاء'' یعنی زندگی دینے اور زندہ رکھنے کی حیثیت سے نورانی تجلیات ہیں، اور اُس کی یہ صفت ایک ایسی واضح اور امتیازی علامت ہے جس سے وہ ہر ذی حیات کو نوازتا ہے، اس طرح کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ تمام اسباب جمع ہو جائیں اور اُن میں سے ہر سبب فاعل اور مختار ہو جائے، تو بھی یہ سب کے سب کسی وجود کو زندگی دینے کی طاقت نہیں رکھیں گیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ذی حیات چیز اپنی ذات میں قدرتِ الٰہیہ کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے کیونکہ وہ اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے لیے ایک مرکزی نقطہ کی حیثیت رکھتا ہے، وہ اسمائے حسنیٰ جن میں سے ہر ایک اسم اُس کے نور کی شعاع کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اس لیے اس زندہ وجود کی صورت میں نظر آنے والی اس بے مثال صناعی اور کاریگری، نظم وضبط میں حکمتِ بالغہ اور احدیت کے راز میں پائی جانے والی واضح تجلی کی نسبت اگر اُس أحدُ الصمد جل جلالُہ کی طرف نہ کی جائے تو پھر یہ بات قبول کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ ہر ذی حیات اور جاندار چیز میں ایک مطلق اور غیر متناہی تخلیقی قوت چھپی ہوئی ہے۔ اُس کے اندر بہت وسیع اور ہمہ گیر قسم کا علم پایا جاتا ہے اور وہ ایسے مطلق ارادے کی مالک ہے کہ جس کے ذریعے اس کائنات کا نظم ونسق چلانے کی قدرت رکھتی ہے بلکہ اُن بقیہ تخلیقی صفات کو قبول کرنا بھی واجب ہو جائے گا جو کہ صرف خالق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں گویا کہ وہ اس جاندار وجود میں بھی پائی جاتی ہیں، اگرچہ جاندار ایک مکھی یا پھول ہی کیوں نہ ہو! مطلب یہ ہیکہ اس صورت میں یہ لازم

Marfat.com

آئے گا کہ الوہیت کی صفات ہر مخلوق کو دے دی جائیں اور ذرے ذرے کا اُن سے متصف ہونا مان لیا جائے! اور انہیں قبول کر لیا جائے جو بالکل ہی محال ہیں اور جو ضلالت اور خرافات کی پست ترین حماقتوں کے گڑھے میں گرا دینے کا باعث بنتی ہیں! وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہر چیز کے ذرات کو _ اور خاص کر جب وہ بیج اور گٹھلی کے ذرات ہوں _ ایک خاص قسم کی شکل وصورت اور وضع قطع عنایت کی ہے، گویا کہ وہ ذرّہ اُس تمام زندہ وجود کی طرف دیکھ رہا ہے _ اگرچہ وہ خود اُس وجود کا ایک جزء ہے _ اور اُس وجود کے نظام کے مطابق ایک معین جگہ اختیار کر لیتا ہے، بلکہ ایک ایسی خاص شکل وصورت اختیار کر لیتا ہے جو اُس کی نوع ونسل کے دوام اور اس کے ہر جگہ پھلنے پھولنے پھیلنے اور اُس کے جھنڈے گاڑنے کے لیے مفید ہو۔ گویا کہ یہ ذرہ اس وجود کی زمین میں پائی جانے والی تمام انواع واقسام پر نظر رکھتا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر وہ ایک بیج کو ایسی صلاحیت دے دیتا ہے جیسے کہ اُسے پھلنے پھولنے اور اُڑنے کے لیے چھوٹے چھوٹے پر دے دیے ہوں۔ اور یہ زندہ وجود ایک ایسی جگہ پر براجمان ہو جاتا ہے جس کا تعلق زمین کی ہر ایسی مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے جس کی اُسے اپنی زندگی کے بقا ودوام، اپنی نموّ ونمائش اور اپنے رزق اور دیگر معاملات میں ضرورت ہوتی ہے۔ پس اگر یہ ذرہ اُس قدیرِ مطلق ہستی کی طرف سے مامور نہ ہو اور اس کی نسبت اُس قدیرِ مطلق سے منقطع ہو جائے تو یہ چیز لازم آئے گی کہ اسے ایک ایسی آنکھ کا مالک مانا جائے جس سے وہ تمام چیزیں دیکھتا ہے، اور ایسے شعور کا مالک سمجھا جائے جو ہر چیز کا احاطہ کر لیتا ہے!!

حاصلِ کلام: جس طرح یہ ہے کہ اگر قطروں اور شیشے کے ٹکڑوں میں چمکنے والے چھوٹے چھوٹے سورجوں اور مختلف رنگوں کے انعکاسات کی نسبت اگر سورج کی روشنی کی طرف نہ کی جائے تو پھر ایک سورج کے بجائے بے شمار سورجوں کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے اور اس سے ایک ناممکن خرافت اور بیہودگی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے، اسی طرح یہ ہے کہ اگر ہر چیز کی تخلیق کی نسبت اُس قادرِ مطلق کی طرف نہ کی جائے تو ایک ہی اللہ کے بجائے غیر متناہی بلکہ کائنات کے ذرّوں کی تعداد کے برابر خداؤں کا وجود قبول کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ یعنی سو درجوں کے محال کے برابر محال کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کا مطلب خود کو پاگل پن کی بیہودگی کے حوالے کرنا ہے۔

مختصر یہ کہ: ہر ذرے کے اندر تین کھڑکیاں پائی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے نور اور اُس کے وجود کے واجب ہونے کی جانب کھلتی ہیں۔

## پہلی کھڑکی:

ہر ذرے کی حیثیت اُس فوجی جوان کی طرح ہے جس کا فوج کے ہر شعبے کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، یعنی اپنے یونٹ، کمپنی، گروپ، بریگیڈ، رجمنٹ اور پلاٹون کے ساتھ اس کا دور نزدیک کا تعلق ہوتا ہے، اور اس کی اُس تعلق کے حساب سے

Marfat.com

کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں، اور وہ اِن ذمہ داریوں کے حساب سے اپنے فوجی ڈسپلن کے دائرے میں رہ کر نقل وحرکت کرتا ہے۔ پس تمہاری آنکھ کی پُتلی میں پائے جانے والے انتہائی چھوٹے اور جامد ذرے کا بھی ایک خاص تعلق اور معین ذمہ داری ہے، تمہاری آنکھ میں، تمہارے سر میں، تمہارے جسم میں، قوتِ مولّدہ، قوتِ جاذبہ، قوتِ دافعہ اور قوتِ مصورہ میں، آنتوں شریانوں اور پٹھوں میں۔ غرضیکہ ہر چیز کے ساتھ خاص تعلق اور ہر چیز میں خاص ذمہ داری ہے، بلکہ اُس کا پوری نوعِ انسانی کے ساتھ تعلق ہے۔

تو ایک ذرّے کے ان تعلقات اور ان ذمہ داریوں کا وجود اہلِ بصیرت کو بداہتاً یہ رہنمائی دیتا ہے کہ ایک ذرہ بھی اُس قادرِ مطلق کی صناعی کا ایک نقش ہے، اور یہ کہ وہ اُس کے تصرف کے تحت مأمور، ملازم اور تابعِ فرمان ہے۔

## دوسری کھڑکی:

ہوا کا ہر ذرّہ کسی پھول یا پھل کی زیارت کرسکتا ہے اور اُس میں داخل ہو کر دخل اندازی کرسکتا ہے۔ اب یہ ذرہ اگر اس قادر مطلق اور ہر ایک چیز کو نگاہ اور علم میں رکھنے والی ذات کی طرف سے ماموروسخر نہ ہو تو پھر یہ بات لازم آتی ہے کہ ایک سرگرداں ذرّہ پھلوں پھولوں کے تمام اجزاء وعناصر اور اُن کی ساخت پرداخت کی تمام کیفیات کا علم رکھتا ہے! اور وہ اُن میں پائی جانے والی طرح طرح کی دقیق کاریگری کا ادراک رکھتا ہو اور اُن کی جتنی بھی اوضاع واشکال ہیں سب کی سب اُس کے علم میں ہو وہ اُن کے تانے بانے کے بارے میں مکمل جانکاری رکھتا ہو اس لیے انہیں مکمل اور مضبوط شکل وصورت میں بنا کر سامنے لاسکتا ہے!!

یوں ایک ذرّہ بھی نورِ توحید کی ایک تابندہ ودرخشندہ شعاع بکھیرتا ہے، بالکل سورج کی طرح واضح اور آشکار۔ آپ روشنی کو ہوا پر اور پانی کو مٹی پر قیاس کرسکتے ہیں، اس حیثیت سے کہ اشیاء کا سرچشمہ یہی چار عناصر ہیں۔ اور اسی طرح جدید سائنس کے عناصر اربعہ یعنی ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کو انہی مذکورہ چار عناصر پر قیاس کرلیں۔

## تیسری کھڑکی:

یہ ممکن ہے کہ انتہائی چھوٹے چھوٹے اور باریک ذرّات سے مرکب مٹی کا ایک ڈھیر تمام زمین میں پائی جانے والی کسی بھی پھولدار اور پھلدار نبات کی روئیدگی اور بالیدگی کا سرچشمہ بن جائے۔ (۱) جبکہ اس میں اُس نبات کے چھوٹے چھوٹے بیج رکھ دے جائیں، وہ جو کہ ایک دوسرے کے مشابہ اور کاربن، نائیٹروجن، آکسیجن، اور ہائیدورجن سے مرکب ہیں، یہ بیج ماہیت کے لحاظ سے اگر چہ ایک دوسرے کے ہم شکل ہیں لیکن کیفیت کے لحاظ سے مختلف ہیں، کہ تقدیر کے قلم کے ذریعے اُن میں اُن کا اصل پروگرام اور سفرِ حیات کی فہرست رکھ دی گئی ہے جو کہ معنوی یا غیر مادی ہے۔ اگر یہ بیج

Marfat.com

ہم پے در پے ایک گملے یا کیاری میں لگا دیں تو ان میں سے ہر بیج بلا شک وشبہ اس شکل وصورت میں پھوٹے گا کہ اُس کے غیر معمولی اجزاء وعناصر اور خصوصی شکلیں صورتیں اور معین ترکیبیں اُبھر کر سامنے آ جائیں گی۔ پس اگر اس مٹی کے تمام ذرّے اُس ہستی کے حکم کے مطابق مامور، ملازم اور سرگرم عمل نہ ہوں جو کہ ہر چیز کے اوضاع واحوال کا علم رکھتی ہے اور ہر چیز کو اُس مناسب اور موافق جسم دے کر دوام بخشتی ہے، یعنی اگر ہر چیز اُس کی قدرت کے سامنے مسخر اور تابع فرمان نہ ہو تو پھر یہ چیز لازم آئے گی کہ مٹی کے ہر ذرّے میں ان پھلدار، پھولدار نباتات کی تعداد کے برابر غیر مادی کارخانے، فیکٹریاں، مشینیں اور پریس موجود ہوں۔ تاکہ ان مختلف اور متباین قسم کی موجودات ونباتات اور ان میں پائے جانے والے گوناں گوں نظاموں کا مصدر اور سرچشمہ ہوں۔ یا پھر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ہر ذرّے کو ایسے ہمہ گیر علم کا مالک سمجھا جائے جو اِن تمام موجودات کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور ایسی قدرت کا مالک سمجھا جائے جو ہر قسم کے نظامِ ترکیبی اور شکلوں صورتوں کو عمل میں لا سکتی ہو تاکہ ان تمام گوناگوں نباتات کا منبع ومصدر ہو سکے۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نسبت ٹوٹ جائے تو پھر مٹی کے ذرّات کے برابر خداؤں کا وجود قبول کرنا پڑے گا!! اور یہ بیہودگی ہزار در ہزار دفعہ محال ہے!! لیکن اگر ہر ذرہ مامور اور ماتحت ملازم ہو جائے تو معاملہ بالکل آسان ہو جاتا ہے، جیسے ایک بڑے بادشاہ کا کوئی عام سپاہی بادشاہ کے نام اور طاقت کے بھروسے پر ایک آباد شہر کو خالی کرنے کا حکم دے سکتا ہے یا دو وسیع دریاؤں کو آپس میں ملا سکتا ہے، یا کسی بڑے قائد کو قید کر سکتا ہے وغیرہ۔ اس طرح ایک چھوٹا سا مچھر کسی بڑے نمرود کو زمین پر گرا سکتا ہے، ایک عام سی چیونٹی کسی فرعون کے محل کو برباد کر سکتی ہے، اور انجیر کا ایک چھوٹا سا بیج اپنی پیٹھ پر انجیر کا ضخیم درخت اٹھا سکتا ہے۔ یہ سب اُس سلطانُ الازل والأبد کے امر سے اور اس کی طرف انتساب کی بدولت ہے۔

جیسے کہ ہم نے دیکھا ہے کہ یہ تین کھڑکیاں ہر ذرّے کے اندر سے توحید کے نور کی جانب کھلتی ہیں۔ اسی طرح ان میں دو سچے گواہ اور بھی ہیں جو صانع کے وجود اور اُس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔

**پہلا گواہ:** ہے ذرّے کا مطلق عاجز ہونے کے باوجود اپنے کاندھوں پر بہت عظیم الشان اور انواع واقسام کی ذمہ داریاں اٹھا لینا۔ اور

**دوسرا گواہ:** ہے اس ذرّے کے جامد ہونے کے باوجود یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہمہ گیر شعور کا مالک ہے اور اس کی تمام حرکات وسکنات پورے ناپ تول کے ساتھ عمومی نظم وضبط کے ساتھ موافقت اور مطابقت رکھتی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہر ذرّہ اپنی عاجزی کی زبان سے ایک قادرِ مطلق ہستی کے واجب ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ اور کون ومکان کے نظم وضبط کے ساتھ مکمل ہم آہنگی کا اظہار کر کے خالق کائنات کی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے۔

Marfat.com

كَمَا فِيْ كُلِّ ذَرَّةٍ شَاهِدَيْنِ عَلٰى اَنَّهُ وَاجِبٌ وَاحِدٌ كَذَالِكَ فِيْ كُلِّ حَيٍّ لَهُ آيَتَانِ عَلٰى اَنَّهُ أَحَدٌ الصَّمَدُ

جی ہاں! ہر زندہ وجود میں دو نشانیاں ہیں۔
ان میں سے ایک۔ اُحدیّت کی نشانی
ان میں سے دوسری۔ صمدیّت کی نشانی

کیونکہ ہر ''زندہ'' وجود اسمائے حسنٰی کی اُن تجلیات کو ظاہر کر رہا ہے جو اکثر کائنات میں نظر آ رہی ہیں اور ان تمام تجلیات کو وہ اپنے آئینے میں ایک ہی وقت میں ظاہر کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ ایک مرکزی نقطہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے اسمِ اعظم ''الحی القیوم'' کی تجلی بکھیر رہا ہے، یعنی وہ اسم ''المُحی'' کے پردے کے تحت ذات کی اُحدیت کے سائے کی ایک نوع کو ظاہر کرنے کی وجہ سے ''اُحدیت'' کی نشانی کا حامل ہے۔

یہ زندہ وجود چونکہ کائنات کے ایک چھوٹے سے ماڈل کی طرح ہے اور شجرِ تخلیق کے پھل کے مشابہ ہے اس بنا پر اس کائنات میں اُس کی زندگی کے انتہائی چھوٹے سے دائرے کو اُس کی طول طویل حاجات وضروریات کامل سہولت کے ساتھ بیک وقت مہیا کرنا، یہ سب کچھ ''صمدیت'' کی نشانی کو روزِ روشن کی طرح واضح کرتا ہے، یعنی یہ وضع بتاتی ہے کہ اس زندہ وجود کا ایک بہت اچھا ربّ ہے، اس طرح کا کہ اس کی توجہ اُسے ہر چیز سے بے نیاز کر دے گی اور اس کی ایک نگہِ التفات اسے ہر چیز سے کفایت کر جائے گی۔ اور کائنات کی تمام اشیاء اُس کی ایک نگہِ التفات کے برابر نہیں ہو سکتی ہیں۔

'' نَعَمْ يَكْفِي لِكُلِّ شَيْءٍ شَيْءٌ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلاَ يَكْفِيْ عَنْهُ كُلُّ شَيْءٍ وَلَوْ لِشَيْءٍ وَاحِدٍ''

''جی ہاں، ہر چیز کے لیے ایک چیز ہر چیز کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے، لیکن اُس کی ذات کی طرف سے ہر چیز ایک بھی چیز کے لیے کافی نہیں ہو سکتی''

اسی طرح یہ حالت یہ چیز بھی بیان کرتی ہے کہ اُس کا وہ پروردگار جل شانہ جس طرح کسی بھی چیز کا محتاج نہیں اُسی طرح اس کے خزانوں میں سے کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی قدرت کے آگے کوئی مشکل یا دُشوار ہے۔ ایک آیت کی مثال تمہارے سامنے رکھتے ہیں جس سے ظلِّ صمدیّت یعنی صمدیت کے سائے کی وضاحت ہوتی ہے۔

یعنی ہر ذی حیات اپنی زبانِ حیات سے ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ☆ اَللّٰهُ الصَّمَدُ'' کی تلاوت کر رہا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی بڑی اہم کھڑکیاں ہیں جنہیں یہاں مختصر ذکر کیا گیا ہے لیکن دوسرے مقامات پر اُن کے بارے میں تفصیل سے گفتگو ہوئی ہے۔

اس کون ومکاں کا ہر ذرّہ چونکہ تین کھڑکیاں اور دو روشندان کھولتا ہے اور خود حیات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی سمت

Marfat.com

میں بیک وقت دو دروازے کھولتی ہے، اس لیے آپ اس سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ ذرّات سے لے کر سورج تک موجودات کے جتنے بھی طبقات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے انوار کسطرح بکھیرتے ہیں اس پر قیاس کرلو!!۔اور یہیں سے آپ یہ بھی سمجھ لو اور قیاس کرلو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معرفت کے باب میں روحانی ترقی کے جو درجات ہیں ان میں کتنی وسعت ہے، اور اطمینان اور قلبی سکون کے کتنے مراتب ہیں۔بس ان پر قیاس کرتے چلے جاؤ۔

## پانچویں کرن:

یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ کسی بھی کتاب کو منظر عام پر لانے کے لیے ایک قلم کافی ہے اگر وہ کتاب مخطوط ہو، اور حروف کی تعداد کے برابر قلم ضروری ہیں اگر مطبوع ہو۔یعنی متعدد لوہے کے حروف کا وجود ضروری ہے تاکہ وہ کتاب طبع ہو کر وجود میں آجائے، اگر کتاب کا ایک بڑا حصہ اُس کے کسی ایک حرف میں انتہائی باریک حروف سے لکھ دیا جائے، جیسے لفظ ''یٰس'' میں مکمل سورت ''یٰسن'' لکھ دی جائے، تو اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ یہ تمام لوہے کے حروف بالکل چھوٹے چھوٹے ہوں تاکہ اس ایک حرف کے اندر لکھے اور طبع کیے جاسکیں۔

اب جو معاملہ ایک نقل کی جانے والی یا طبع کی جانے والی کتاب کا ہے وہی معاملہ کائنات کی اس کتاب کا ہے۔اگر آپ یہ کہیں گے کہ قدرت ایک ایسی تحریر کا نام ہے جو کہ اس بے نیاز واحدُ الاحد ذات کے قلم سے لکھی گئی ہے، تو آپ نے اتنا آسان راستہ اختیار کرلیا جس کا آسان ہونا گویا کہ واجب ہے، اور اتنا معقول راستہ اپنایا جس کا معقول ہونا بدیہی ہے۔ لیکن اگر آپ اس کی نسبت نیچر یا اسباب کی طرف کریں گے تو پھر آپ نے اتنا دشوار گزار راستہ اختیار کرلیا جس پر چلنا ممکن ہی نہیں، اور اتنی پیچیدگیوں سے بھرا ہوا ہے جن کا حل ہونا محال ہے۔مزید یہ کہ یہ راستہ خرافات سے بھرا ہوا ہے؛ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نیچر مٹی کے ہر جزء میں، پانی کے ہر قطرے میں اور ہوا کے ہر بلاک میں کروڑوں کی تعداد میں معدنی پرنٹنگ پریس اور بے حد وحساب غیر مادی کارخانے تیار کرے تاکہ ان میں سے ہر جزء بے حد وحساب پھلدار اور پھولدار نباتات اُگائے اور بروئے کار لائے۔یا پھر یہ ایک ایسے علم کے وجود کو قبول کرنے پر مجبور ہوگی جو ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ایسی قوت کا وجود تسلیم کرنے پر مجبور ہوگی جو ہر چیز پر اقتدار رکھتی ہے تاکہ ان مصنوعات کا حقیقی مرجع ومصدر بن سکے؛ کیونکہ مٹی، پانی اور ہوا کے ہر جزء کا اکثر نباتات کے لیے سرچشمہ ہونا ممکن ہے۔اور حالت یہ ہے کہ نبات کی ترکیب انتہائی منظم، موزوں اور نوع کے لحاظ سے مختلف اور امتیازی حیثیت کی حامل ہے، اس حیثیت سے دیکھا جائے تو ہر نبات اور ہر جڑی بوٹی علیحدہ طور پر ایک ایسی غیر مادی فیکٹری اور ایک ایسے پریس کی محتاج ہے جو صرف اسی کے لیے خاص ہوں۔ اس سے پتا چلا کہ نیچر جب موجودات کے وحدتِ قیاسی کے دائرے سے نکل کر اُن کے وجود کے مصدر ومنبع کے دائرے میں آجائے گی تو پھر اُس کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ہر چیز میں تمام چیزوں کی مشینیں لاکر مہیا کرے!!

Marfat.com

اس نظر سے دیکھو تو پتا چلتا ہے کہ نیچر کی پرستش کا نظریہ کتنی بڑی خرافت اور بیہودگی ہے، اتنی بُری کہ خود یہ اہلِ خرافات بھی اپنی اس حرکت پر شرم محسوس کرتے ہیں! وہ اہلِ ضلالت جو خود کو بڑے عقلمند اور دانشور سمجھتے ہیں کس طرح ایک ایسے نظریے کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں جو بالکل ہی غیر معقول ہے۔ دیکھ اور عبرت حاصل کر!!

## خلاصہ:

کسی بھی کتاب کا کوئی بھی حرف خود کو ایک حرف کی مقدار کے برابر ظاہر کرتا ہے اور اپنے وجود پر ایک معین صورت میں دلالت کرتا ہے، مگر وہ اپنے کاتب کا تعارف دس کلمات کے ساتھ کرواتا ہے اور اس پر متعدد پہلوؤں سے دلالت کرتا ہے، مثال کے طور پر وہ کہتا ہے کہ: ''میرے کاتب کا خط بڑا خوبصورت ہے اُس کا قلم سرخ ہے وغیرہ وغیرہ۔''

کون ومکاں کی اس عظیم الشان کتاب کا ہر حرف بھی ایسے ہی ہے، اپنی ذات پر وہ اپنے جرم کی مقدار کے مطابق دلالت کرتا ہے مگر خالقُ البارئُ المصور کے اسمائے گرامی کا تعارف ایک قصیدے کے برابر کرواتا ہے اور ان اسمائے حسنیٰ کا جب وہ اظہار کرتا ہے یا اُن کی طرف جب اشارہ کرتا ہے تو اپنی انواع واقسام کی تعداد کے حساب سے کرتا ہے اور ہر اسم کے مسمّیٰ (Named) کی گواہی دیتا ہوا کرتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کوئی صانعِ ذوالجلال کے انکار کی جسارت نہ کرے، حتیٰ کہ احمق سوفسطائی کو بھی ایسا نہیں کرنا چاہیے جو خود اپنا اور کائنات کا انکار کرتا ہے۔

## چھٹی کرن:

خالقِ ذُوالجلال نے جس طرح اپنی مخلوقات میں سے ہر ''فرد'' کی پیشانی پر اور اپنی مصنوعات میں سے ہر ''جُزی'' کے چہرے پر اپنی احدیت کی آیت یعنی نشانی چسپاں کردی ہے (ان میں سے ایک قسم کی جھلک آپ سابقہ کرنوں میں دیکھ چکے ہیں)، اسی طرح اُس نے ہر ''نوع'' پر بڑی واضح اور تابناک شکل میں اپنی احدیت کی نشانی رکھ دی ہے اور ہر ''کُلی'' پر اس نے وحدت کی متعدد مہریں وضع کر رکھی ہیں۔ بلکہ تمام عالم پر اس نے اپنی واحدیت کی انواع واقسام کی امتیازی علامات وضع کر رکھی ہیں اور جب ہم ان بہت سی آیات وعلامات اور نشانیوں اور مہروں میں سے کسی ایک پر غور کرتے ہیں جو سطحِ ارض کے صحیفے پر موسم بہار میں لگی ہوئی ہیں، تو یہ حقیقت اُبھر کے ہمارے سامنے آتی ہے کہ:

بے شک نقاش ازلی سبحانہ و تعالیٰ نے موسم گرما اور بہار میں سطح زمین پر حیوانات ونباتات کی تین لاکھ سے زائد قسمیں جمع کر رکھی ہیں، ان میں سے ہر قسم دوسری سے علیحدہ ہے اور اپنی الگ پہچان رکھتی ہے، حالانکہ یہ تمام ایک دوسرے کے مشابہ اور آپس میں مکمل طور پر اختلاط رکھتی ہیں لیکن اختلاط وافتراق کا یہ سلسلہ اتنا منظم ہے کہ سمجھ سے باہر ہے۔ اور اس طرح اس نے ہمارے لیے توحید کی اتنی وسیع علامت ظاہر کردی ہے کہ جو خود موسم بہار کی طرح واضح اور تابناک ہے، یعنی یہ کہ موسم بہار میں مردہ زمین کو مکمل انتظامات کے ساتھ زندہ کر کے اس نے ہمارے لیے حشر ونشر کے تین

Marfat.com

لاکھ کے لگ بھگ نمونے پیش کر دیے۔ اور پھر تین لاکھ کی مختلف انواع واقسام کو سطح زمین پر اتنا گنجان لکھنا کہ سب ایک دوسرے میں گھسے ہوئے ہوں اور پھر بھی اس کام میں کوئی غلطی اور کوئی بھول چوک یا کمی سامنے نہ آئے، بلکہ یہ چیز انتہائی نظم وضبط، توازن اور کمال کا نمونہ ہو، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ چیز اس ہستی کی خاص نشانی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی اور ہر چیز کی چابیاں ہیں اور جو حکیم وعلیم ہے۔

یہ آیت یا نشانی اتنی واضح ہے کہ اس کا ادراک ہر وہ آدمی کر سکتا ہے جس کے پاس ذرہ برابر بھی شعور ہے۔

قرآن حکیم فرماتا ہے:

﴿فَانظُرْ اِلٰی آثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾(۱)

جی ہاں! اُس فاطرُ الحکیم کی وہ قدرت جس نے چند دنوں کے اندر اندر زمین کو زندہ کر کے حشر کے تین لاکھ نمونے پیش کر دیے، لازمی بات ہے کہ اُس کے لیے انسانوں کا حشر بالکل آسان ہے۔ اسے ایک اور مثال سے یوں سمجھو کہ: ایک آدمی اتنی خارقِ عادت اور غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے کہ انگلی کے ایک اشارے سے ایک پہاڑ کو اِدھر اُدھر کر سکتا ہے، اب اس آدمی کے بارے میں کوئی یہ کہے کہ: کیا یہ اس چٹان کو ہٹا سکتا ہے جو سڑک پر آ گری ہے اور جس کی وجہ سے راستہ بلاک ہو گیا ہے؟ کیا اُس کا یہ کہنا صحیح ہوگا؟ اسی طرح کوئی عقلمند اس قادر و کریم اور حکیم و رحیم ذات کے بارے میں جس نے زمین اور آسمانوں کو چھ دن میں پیدا کیا اور جوان دونوں کو وقتاً فوقتاً بھرتا اور خالی کرتا رہتا ہے، ایسی ذات کے بارے میں کوئی عقلمند آدمی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا ہے کہ ''مٹی کا یہ طبقہ جو ہمارے اوپر ہے اور جس نے ہمارا وہ راستہ روک رکھا ہے جو اس کے دائمی مہمان خانے کی طرف جاتا ہے وہ اس طبقے کو کیسے ہٹائے گا؟''

یہ توحید کی ایک آیت یا نشانی کی مثال ہے جو موسمِ بہار اور موسم گرما میں جلوہ نما ہوتی ہے!

اب غور کرو کہ واحدیّت کی مہر کس طرح واضح طور پر انتہائی حکمت اور بصیرت سے بھری ہوئی سطح زمین پر بہار کے موسم میں تمام امور میں نمایاں نظر آتی ہے، کیونکہ یہ تمام امور و معاملات جو مشاہدے میں آرہے ہیں مطلق وسعت، بھرپور تخلیق، کامل اور نادر ترین کاریگری کے شاہکار ہیں۔ پھر یہ مطلق وسعت سے جاری وساری ہیں، اور اس وسعت کے ساتھ ساتھ یہ مطلق سُرعت اور برق رفتاری سے انجام پاتے ہیں۔ اور پھر اس سُرعت کے ساتھ ساتھ یہ مطلق سخاوت سے ظہور میں آتے ہیں۔ کیا یہ چیز اس بات کی وضاحت نہیں کرتی ہے کہ یہ ایک نمایاں ترین مُہر ہے اور یہ اسی کی ملکیت ہو سکتی ہے جو غیر متناہی علم اور غیر محدود قدرت کا مالک ہو۔

جی ہاں! ہم جب تمام روئے زمین پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ یہاں تخلیق وتصرف

Marfat.com

،اور کاروائی وکارگزاری کی ایسی حقیقت پائی جاتی ہے جو مطلق وسعت کے ساتھ جاری وساری ہے، اور اس وسعت کے ساتھ ساتھ وہ مطلق تیزی سے سرانجام پا رہی ہے، اور اس سرعت اور وسعت کے ساتھ ساتھ یہاں افراد کی بڑھوتری کی صورت میں مطلق سخاوت مشاہدے میں آرہی ہے، اور سخاوت وؤسعت اور سرعت کے ساتھ ساتھ یہاں ہر کام میں شدید اختلاط اور مکمل امتزاج کے باوجود کارسازی میں مطلق نظم وضبط، صنعت وکاریگری میں بھرپور حیرت انگیزی، معجز نگاری، مکمل امتیاز اور تفریق نظر آرہی ہے اور غیر محدود وفرت اور کثرت کے باوجود یہاں بڑے قیمتی نقوش وآثار اور بڑی قیمتی مصنوعات مشاہدے میں آرہی ہیں اور ان سب میں انتہائی وسیع پیمانے میں پھیلاؤ کے باوجود مکمل ہم آہنگی ہے، اور انتہائی سہولت اور آسانی کے ہوتے ہوئے بھی صنعت کی مہارت، کاریگری کی گہرائی نُدرت اور عمدگی پائی جاتی ہے۔ اب ان سب چیزوں کو غیر معمولی صنعت گری اور معجزانہ ہنرمندی سے ایک آن میں، ہر جگہ میں اور ایک ہی طرز پر ایجاد کرنا۔ بلا شک ایک روشن بُرہان اور ایسی مہر ہے جو صرف اسی کے ساتھ خاص ہے جو لامکاں ہونے کے باوجود ہر جگہ موجود ہے، حاضر ناظر اور نگہبان ہے، ہر چیز کا حساب رکھتا ہے اور جس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ جس کی قدرت کے لیے ذرّوں اور ستاروں کو پیدا کرنا ایک برابر ہے۔

ایک دن میں نے انگور کی لٹکی ہوئی بیل کی دو انگلیوں کے برابر موٹے تنے کی شاخوں پر لٹکے ہوئے خوشوں کو شمار کیا۔ وہ خوشے جو کہ اس رحیم ذُوالجمال کے فضل وکرم کے باغ کے معجزات ہیں_ تو وہ ایک سو پچپن تھے۔ پھر میں نے ان میں سے ایک خوشے کے دانوں کو شمار کیا تو وہ ایک سو بیس تھے۔ میں نے غور کیا اور دل میں کہا: اگر یہ پتلا سا اور کمزور سا تنا شہد ملے پانی کا نلکا ہو اور اُسے یہ پانی مسلسل ملتا رہے، یعنی وہ کسی بھی وقت خالی نہ ہونے پائے، تب بھی اس کا یہ پانی ان سینکڑوں دانوں کو پلانے کے لیے کافی نہ ہو جو کہ رحمت کے میٹھے شربت سے بھرے ہوئے ہیں۔ جبکہ حالت یہ ہے کہ انہیں اپنی ان ٹہنیوں سے معمولی قسم کی رطوبت ہی نصیب ہوتی ہے۔ اس لیے یہ لازمی بات ہے کہ جو ہستی ان دانوں میں میٹھی شراب بھر رہی ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس "سُبْحَانَ مَنْ تَحَيَّرَ فِيْ صُنْعِهِ الْعُقُوْلُ"

"پاک ہے وہ ذات جس کی صنعت گری میں عقلیں حیران ہیں"۔

## ساتویں کرن:

اگر تھوڑی سی گہری نظر سے دیکھیں تو آپ کو أحَدُ الصَّمد ذات کی وہ مہریں نظر آئیں گی جو صحیفہ ارض پر لگی ہوئی ہیں، اسی طرح اگر سر اٹھاؤ، آنکھیں کھولو اور کون ومکان کی اس عظیم الشان کتاب پر نظر ڈالو تو تمہیں نظر آئے گا کہ اس تمام کائنات پر اس کی وسعت کے برابر واضح ایک خاتم وحدانیت لگی ہوئی ہے اور بغیر کسی تکلف کے پڑھی جاتی ہے: کیونکہ یہ تمام موجودات ایک منظم کارخانے کے اجزاء، ایک منظم محل کے ارکان اور ایک آباد شہر کے کونوں زاویوں کی طرح ہیں، ان

Marfat.com

میں سے ہر جزء دوسرے کا مددگار ہے اور اس کی حاجت روائی کے لیے لبیک سر آنکھوں پر کہتا ہے، اور تمام اجزاء پورے نظم و ضبط کے ساتھ یہ کام کر رہے ہیں اور پہلو بہ پہلو کندھے سے کندھا ملا کر' ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اس ایک مدبرِ حکیم کی اطاعت میں ایک معین مقصد کے لئے ذی حیات مخلوق کی خدمت کے لئے بھاگ دوڑ میں مصروف ہیں۔

جی ہاں، بے شک کائنات کی ہر چیز میں ''تعاون'' اور اِمدادِ باہمی کا دستور جاری ہے، اور ''تعاون'' کا یہ دستور جو بظاہر نظر آ رہا ہے اور جو سورج اور چاند کے چلنے، رات اور دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے جانے، گرمی اور سردی کی آمدورفت سے لے کر نباتات کا محتاج اور بھوکے حیوانات کی مدد کرنے تک اور حیوانات کا کمزور اور معزز انسان کی مدد کرنے تک معزز انسان کی مدد کرنے کے لیے دوڑ دھوپ کرنے تک حتی کہ غذائی مواد کا انتہائی تیزی کے ساتھ چھوٹے، نازک اور کمزور شیر خوار بچوں اور پھلوں کی امداد کرنے تک اور غذائی مواد کے ذرّوں کا جسم کے خلیوں کی خدمت میں مصروف رہنے تک۔ تعاون کے دستور کے مطابق یہ جتنی حرکات وسکنات ہیں، ایک صاحب بصیرت آدمی کو صاف نظر آتا ہے کہ یہ سب کی سب اُس اکیلے پروردگار کی قوت کے بل پر جاری وساری ہیں جو مطلق فضل وکرم کا مالک ہے۔ اور اس اکیلے مدبر کے حکم سے رواں دواں ہیں جو مطلق حکمت کا مالک ہے۔

پس یہ باہمی تعاون، یہ ایک دوسرے کا سہارا بن کر چلنے کی فضا، ایک دوسرے کی طرف میلان اور کھچاؤ، ایک دوسرے کے ساتھ بغلگیری اور ہمکناری کا ماحول، ایک دوسرے کی ماتحتی، فرمانبرداری، خدمت گزاری اور کون ومکاں میں جاری وساری یہ نظم وضبط۔ یہ سب اس چیز کی قطعی شہادت پیش کرتے ہیں کہ ایک مدبر ہستی ہے جو اس کون ومکاں کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے، اور کوئی اکیلا مربی اور پروردگار ہے جو اس کائنات میں سب کو چلا رہا ہے۔ اس پر مزید یہ کہ ان عجیب و غریب اشیاء کی تخلیق میں جو واضح طور پر بداہتاً ایک عمومی حکمت نظر آ رہی ہے، اس حکمت میں جو بھرپور عنایت پائی جاتی ہے اور اس عنایت میں جو وسیع رحمت پائی جاتی ہے، اور اس رحمت پر جو گوناگوں قسم کے رزق بکھرے ہوئے ہیں جو ہر جاندار کی حاجت پوری کرتے ہیں اور اسے اس کی ضرورت کے مطابق گزر بسر کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ توحید کی ایک عظیمُ الشان مہر ہے اور اتنی چمک دار ہے کہ جسے ہر وہ آدمی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے جس کی عقل کی چنگاری بجھ نہیں گئی ہے، اور جسے ہر وہ آدمی آسانی کے ساتھ دیکھ سکتا ہے جس کی آنکھ اندھی نہیں ہے۔

جی ہاں! بے شک ''حکمت'' کی پوشاک جس سے قصد، شعور اور ارادے کی روشنی جھلک رہی ہے۔ وہ پوشاک تمام کون ومکاں کو پہنا دی گئی ہے اور اُس نے کائنات کا ہر کونا زاویہ اپنے نیچے ڈھانپ رکھا ہے۔ اور حکمت کی اس پوشاک پر ''عنایت'' کی پوشاک ڈال دی گئی ہے جس سے لطافت، تزیین، تحسین اور احسان کی کرنیں جھلکتی ہیں۔ اور عنایت کی اس پاکیزہ اور چمکدار پوشاک پر ''رحمت'' کی پوشاک ڈال دی گئی ہے جس سے محبت، تعارف اور انعام واکرام کی روشنی چھن

Marfat.com

چھن کر باہر آ رہی ہے۔ اور رحمت کی اس پوشاک نے کائنات کے تمام وجود کو اپنے دامن میں لیا ہوا ہے۔ اور رحمتِ عامہ کی اس روشن پوشاک پر ''ارزاق عامہ'' یعنی ہر قسم کے عمومی رزقوں کی صفیں بچھا دی گئی ہیں، اور وہ دستر خواں دراز کر دیے گئے ہیں جو کہ رحم، احسان، اکرام، شفقت، رأفت، حسنِ تربیت اور لطفِ ربوبیت کے نمونے پیش کرتے ہیں۔

جی ہاں! یہ موجودات _ ذروں سے لے کر سورجوں تک _ افراد ہوں یا انواع، چھوٹی ہوں یا بڑی، ان تمام موجودات کو انتہائی خوبصورت اور دل آویز کپڑا پہنا دیا گیا ہے، یہ کپڑا ''حکمت'' کے اُس خام مال سے تیار کیا گیا ہے جو ثمرات و نتائج، غایات و مقاصد اور فوائد و مصالح کے نقش و نگار سے مزین ہے۔ اور اس حکمت کو ''عنایت'' کی پوشاک پہنائی گئی ہے جس پر لطف و احسان کے پھول کاڑھے گئے ہیں اور جس کی کٹنگ ہر چیز کے قد و قامت کے حساب سے ہوئی ہے۔ اور عنایت کی اس پوشاک پر ''رحمت'' کے زرق برق تمغے لٹکا دیے گئے ہیں جو محبت، مودّت، عزت، شفقت، انعام و اکرام اور فضل و کرم کی کرنوں اور شعاعوں سے جگمگا رہے ہیں۔ اور ان روشن مُرصَّع تمغوں پر سطحِ زمین کی لمبائی چوڑائی کے حساب سے ''رزقِ'' عام کے اتنے دستر خواں بچھا دیے گئے ہیں جو تمام جانداروں کی تمام حاجات و ضروریات کے لیے کافی وافی ہیں۔

اس طرح یہ عمل سورج کی طرح روشن اشارہ دیتا ہے کہ اس کے پیچھے ایک حکیمِ مطلق، کریمِ مطلق، رحیمِ مطلق اور رزّاقِ مطلق کی قدرت اور ارادہ کارفرما ہے۔

کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا ہر چیز رزق کی محتاج ہے؟

جی ہاں! جس طرح ہر فرد اپنی زندگی کو دوام دینے والے رزق کا محتاج ہے، اسی طرح تمام موجوداتِ عالم اور خاص کر جاندار اشیاء کی کلی اور جزئی یا کل اور جزء کے طور پر اپنی ہستی، زندگی اور اپنے بقا و دوام کے سلسلے میں بہت سی مادی اور غیر مادی حاجات و ضروریات ہیں۔ اور یہ منظر تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے کہ یہ جاندار یا غیر جاندار مخلوقات اتنی زیادہ چیزوں کی محتاج ہیں کہ ان سب کو حاصل کرنا اس کے بس کی بات نہیں، بلکہ ان کی قوت اور قدرت اپنی ایک چھوٹی سے چھوٹی مطلوبہ چیز کو حاصل کرنے کے لیے بھی کافی نہیں ہے۔ لیکن ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ انہیں ان کے تمام مطلوبات اور مادی و غیر مادی رزق ایسے طریقے سے پہنچ رہا ہے جو گمان سے بھی باہر ہے۔ اور یہ رزق ان تک کامل نظم و ضبط کے ساتھ اور ایسے صحیح وقت میں پہنچتا ہے جو کہ ان کی زندگی کے ساتھ عین مطابقت رکھتا ہے اور کامل حکمت سے مزین ہوتا ہے۔

مخلوقات کا یہ فقر و احتیاج اور اس طرح اعانت اور غیبی امداد، کیا سورج کی طرح غیبی امداد ایک حکیمِ ذوالجلال پروردگار اور رحیمِ ذوالجمال مدبر کے وجود پر دلالت نہیں کرتا ہے؟

Marfat.com

## آٹھویں کرن:

جس طرح کسی کھیت میں بیج بونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کھیت اس آدمی کی ملکیت ہے جو اس میں بیج بو رہا ہے ،اور وہ بیج بھی اس کی ملکیت اور اس کے تصرف میں ہیں ،اسی طرح روئے زمین بھی ایک کھیت ہے ،اور اس کھیت میں پائے جانے والے تمام عناصر کا ایک اور بسیط ہونے کے باوجود کلّی ہونا اور کھیت کے ہر جزء میں موجود ہونا ،اور اس کے اکثر مقامات پر نباتات وحیوانات جیسی مخلوقات کا پھلنا پھولنا اور پھیلنا_ جو کہ رحمتِ الٰہیہ کے ثمرات ،اس کی قدرت کے معجزات اور اس کی حکمت کے کلمات شمار ہوتی ہیں_ نباتات وحیوانات کی شکل میں یہ مخلوقات اگرچہ ایک دوسرے کے مشابہ، ہم صورت اور ملتی جلتی ہیں اور ہر طرف قدم جمائے ہوئے ہیں - یہ دونوں چیزیں یعنی عناصر کا کلّی ہونا اور ان کا پھیلنا ،اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ یہ ایک اکیلے پروردگار کے تصرف کے تحت ہیں ـ حتی کہ ایسے لگتا ہے جیسے ہر پھول ،ہر پھل اور ہر حیوان اس ربّ کریم کی نشانی ،مہر اور طرائے امتیاز ہے ،ان میں سے جو بھی جہاں بھی پایا جائے گا اپنی زبان حال سے کہے گا:

''جس کی میں نشانی ہوں یہ زمین اُس کی بنائی ہوئی ہے ـ جس کی میں مہر ہوں یہ مکان اس کا لکھا ہوا ہے ،اور جس کی میں علامت ہوں یہ جگہ اس کی بُنی ہوئی ہے ـ''

تو پتا چلا کہ ادنی ترین مخلوق کو بھی ربوبیت کے دائرے میں رکھنا صرف اسی ہستی کی شان ہے جو اپنے قبضہِ تصرف میں تمام عناصر کو سنبھالے ہوئے ہے ،اور ادنی ترین جاندار کا پورا پورا خیال رکھنا صرف اس کی شان ہے جو اپنے قبضۂ ربوبیت کے ضمن میں تمام حیوانات ونباتات ومخلوقات کی نشو ونما کر کے انہیں پروان چڑھا سکتا ہے!

یہ حقیقت ہر چشمِ بینا رکھنے والے شخص پر بالکل واضح ہے ـ

جی ہاں ! ہر فرد تمام افراد کے ساتھ اپنی مماثلت اور مشابہت کی زبان سے کہتا ہے: جو میری نوع کے تمام افراد کا مالک ہے صرف اسی کے لیے میرا مالک ہونا ممکن ہے ـ اگر وہ ایسا نہیں ہے تو پھر وہ میرا مالک نہیں ہو سکتا ہے ـ'' اور ہر نوع تمام انواع کیساتھ ساتھ زمین میں پھیل جانے کی زبان سے ،اور اسی طرح زمین تمام سیاروں کے ہمراہ ایک سورج کے ساتھ مربوط ہونے اور آسمانوں کی ہمعنان ہونے کی زبان سے کہہ رہی ہے: ''جو تمام کون ومکان کا مالک ہے وہی میرا مالک ہو سکتا ہے وگرنہ نہیں ـ

پس اگر ایک شعور رکھنے والے سیب سے کہا جائے کہ: ''تجھے میں نے بنایا ہے'' تو وہ جواباً زبانِ حال سے یہ کہے گا کہ: ''خاموش رہو ـ اگر تم سطح زمین پر پائے جانے والے سیبوں کو ترکیب دے سکتے ہو ،بلکہ اگر تم ہماری جنس کے ان تمام پھل دار پودوں کو جوڑ کر ان میں تصرف کر سکتے ہو نہیں ،بلکہ اگر تم خدائے رحمان کے اُن تحفوں میں تصرف کر سکتے ہو جو وہ خزینہ

Marfat.com

رحمت سے ارزانی کر رہا ہے، تو پھر تم میرے پروردگار ہونے کا دعویٰ بھی کر سکتے ہو!!''

اور یوں سیب اس طرح کہہ کر ایسے احمق کے منہ پر طمانچہ مارے گا۔

## نویں کرن:

ہم نے ان علامتوں، نشانیوں اور مہروں کی طرف اشارہ کیا ہے جو جزء میں جزئی میں؛ کل میں کلی میں؛ عالمِ کلی میں ؛حیات میں؛ ذی حیات میں؛ اور اِحیاء یعنی زندہ کرنے میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہاں ہم ان بے شمار نشانیوں میں سے صرف ایک کی طرف اشارہ کریں گے جو ''انواع'' میں پائی جاتی ہیں۔

جی ہاں! ایک پھل دار درخت کے متعدد پھلوں پر اُٹھنے والی محنت مشقت، تکالیف اور اخراجات آسان اور دسترس میں ہیں۔ اتنے کہ ان تکالیف و اخراجات کے برابر ہیں جو اس ایک پھل پر اُٹھتے ہیں جو بہت سے ہاتھوں کے ذریعے نشو ونما پاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک پھل کی تربیت اور نشو ونما ایک ہی ادارے اور مرکز سے، ایک ہی طریقے سے اور ایک ہی قانون کے تحت ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اداروں کی کثرت اور مراکز کی بہتات کا تقاضا یہ ہے کہ ہر پھل کے لیے_ کمیت کو سامنے رکھتے ہوئے_ اتنی ہی محنت اور اتنے ہی آلات و مصارف و اخراجات ہوں جتنے ایک مکمل درخت کے لیے درکار ہیں۔ اور نوعیت میں بھی یہی فرق ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے فوج کے ایک سپاہی کے لیے عسکری ساز وسامان تیار کرنا ہو، کہ اس عمل میں اتنے ہی کارخانوں اور فیکٹریوں کی ضرورت ہوگی جتنی کہ ایک مکمل فوج کی تیاری کے لیے درکار ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ عمل جب وحدت کے ہاتھ سے نکل کر کثرت کے ہاتھ میں چلا جائے تو پھر تکالیف اور اخراجات وغیرہ افراد کی تعداد کے حساب سے بڑھ جاتے ہیں۔ ہر ''نوع'' میں جو ظاہری سہولت اور آسانی کے آثار نظر آ رہے ہیں وہ اسی برتر اور عظیم الشان سہولت سے نکلتے ہیں جو وحدت اور توحید میں پائی جاتی ہے۔

## خلاصہ:

جس طرح ایک جنس کی تمام انواع، ایک نوع کے تمام افراد کے اساسی اعضاء میں پایا جانے والا تشابہ اور توافق یہ بات ثابت کرتا ہے کہ یہ تمام انواع و افراد ایک ہی صانع کی مخلوقات ہیں کیونکہ وحدتِ قلم اور اتحادِ مہر کا یہی تقاضا ہے۔ اسی طرح نظر آنے والی مطلق سہولت اور تکالیف و تکلفات کا معدوم ہونا اس چیز کو واجبی حد تک لازم کرتے ہیں کہ یہ سب چیزیں ایک ہی صانع کی مصنوعات ہوں؛ اگر ایسا نہ ہو تو پھر ایسی صعوبت اور مشقت سامنے آتی، جو جنس و نوع کو عدم و انعدام اور نیستی کے گھاٹ اُتار دیتی۔

## حاصل کلام یہ ہے کہ:

مخلوق کی نسبت جب حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف کی جائے تو پھر تمام اشیاء کی تخلیق ایسی سہولت اور آسانی کے حکم میں

Marfat.com

آجاتی ہے جیسے کہ وہ ایک ہی چیز ہو لیکن اگر ان کی نسبت اسباب کی طرف کی جائے تو پھر ہر چیز کی تخلیق ایسی صعوبت اور مشقت کے حکم میں آجاتی ہے جیسے کہ تمام اشیاء کو پیدا کرنا ہو، اور معاملہ جب ایسے ہے تو پھر کائنات میں پائی جانے والی یہ ارزانی اور آنکھوں کے سامنے بے حد فراوانی سے اس طرح واضح طور پر وحدت کی نشانی کا اظہار ہوتا ہے جیسے دوپہر کے وقت سورج چمک رہا ہو۔ یہ کثرت کے ساتھ پائے جانے والے فوائد و ثمرات جو کہ ہماری پہنچ میں ہیں، اگر یہ ایک اور اکیلی ذات کی ملکیت نہ ہوتے تو پھر ساری دنیا بھی دے دی جاتی تو ہمارے لیے ایک انار بھی کھانا ممکن نہ ہوتا۔

دسویں کرن:

جس طرح زندگی جو کہ جمالِ ربانی کی تجلّی کو ظاہر کرتی ہے، اَحدیّت کی دلیل ہے، بلکہ یہ وحدت کی تجلّی کی ایک نوع ہے، اسی طرح موت جو کہ جلالِ الٰہی کی تجلّی کو ظاہر کرتی ہے، واحدیت کی ایک دلیل ہے۔

جی ہاں! مثال کے طور پر: ''وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الاعلیٰ'' سطحِ دریا پر تیرنے والی جھاگ اور بُلبلے جن پر سورج چمک رہا ہے اور جو ایک دوسرے کے ساتھ جُڑے ہوئے بہتے چلے جاتے ہیں، اور سطحِ زمین پر پایا جانے والا شفاف اور چمکدار مواد سورج کے وجود کی گواہی دیتے ہیں؛ کیونکہ یہ اپنے وجود سے سورج کی تصویر اور اس کا روشن عکس دکھاتے ہیں۔ اب اِن قطرات کے غروب ہونے اور اِس مواد کے زوال پذیر ہونے کے ساتھ سورج کی تجلّی کا اپنی رعنائیوں سمیت قائم دائم رہنا اور پھر آنے والے قطرات اور شفاف مواد پر اس تجلّی کا نئے سرے سے جاری ساری رہنا، اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے مثالی سورج اور یہ منعکس ہونے والی روشنیاں، اور نظر آنے والی وہ روشنیاں جو جلتی بجھتی اور بدل بدل کر نئے سرے سے رونما ہوتی ہیں، یقیناً یہ اُس ایک سورج کی روشنی کی تجلیات ہیں جو باقی رہنے والا، دائمی، بلند و بالا، ایک اور لازوال ہے۔ تو جس طرح یہ جھلمل کرتے قطرات اپنی ظہور پذیری اور آمد کے ساتھ سورج کے وجود پر دلالت کرتے ہیں اس طرح ان جھلمل کرتے قطرات کا غروب ہونا اور زوال پذیر ہونا سورج کے بقاء، دوام اور اس کی وحدت پر دلالت کرتے ہیں۔

بالکل اسی طرح اب اِس مثال کی روشنی میں ہم پاتے ہیں کہ:

یہ سیّال موجودات اپنے وجود اور اپنی زندگی کے ذریعے خالق کے واجب الوجود ہونے اور اُس کی احدیّت کی گواہی دیتی ہیں، اور اسی طرح اپنی موت اور زوال کے ساتھ بھی خالق کے وجود، اُس کی ازلیّت و سرمدیت اور احدیت کی گواہی دیتی ہیں۔

جی ہاں، اِن خوبصورت مصنوعات اور لطیف مخلوقات کا طلوع و غروب، اختلافِ لیل و نہار، گرمی سردی اور عُصُور و دُہُور کے تغیّر و تبدّل کے حساب سے لحہ بہ لحہ لیے نئے پن کے ساتھ ظہور میں آنا، یہ چیز جس طرح ایک ذی

Marfat.com

جمال، سرمدی، رفیع الدّرجات اور دائمُ التجلی ذات کے وجود، اُس کی بقا اور وحدت پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح ظاہری اسباب کے ہاتھوں ان مصنوعات کی موت اور زوال ان اسباب کی بے وقعتی اور عاجزی و درماندگی کا اعلان کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ اسباب تو صرف ایک پردہ ہیں اس کے علاوہ ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ پس یہ وضع اِس بات کا قطعی طور پر اثبات کرتی ہے کہ یہ مخلوقات اور مصنوعات، یہ نقوش اور تجلّیات اُس خالقِ عزّ وجل کی نت نئی ظہور میں آنے والی مخلوقات و مصنوعات ہیں جس کے تمام اسمائے حسنیٰ مقدس ہیں، بلکہ یہ اُس کے گرداں نقوش، متحرک آئینے، پے در پے آنے والی آیات وعلامات اور حکمت کیساتھ تبدّل اور تغیّر ہونے والی مُہریں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ:

کون ومکاں کی یہ کتابِ کبیر جب ہمیں اُن تکوینی آیات کا علم دیتی ہے جو اُس کے وجود اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، اُسی طرح یہ کتاب اُس ذاتِ گرامی کے تمام اوصاف کمالیہ، جمالیہ، اور جلالیہ کی بھی گواہی دیتی ہے۔ اور اِسی طرح یہ ثابت کرتی ہے کہ اس کی باکمال اور جلالت مآب ذات ہر نقص سے مبرّا اور ہر کمی کوتاہی سے منزّہ ہے؛ کیونکہ کسی بھی نتیجے میں کمال کا ظہور اُس فعل کے کمال پر دلالت کرتا ہے جو اُس نتیجے کا سرچشمہ ہے۔ اور یہ بات سبھی جانتے ہیں۔ اور فعل کا یہ کمال اِسم کے کمال پر دلالت کرتا ہے، اور اسم کا کمال صفات کے کمال پر دلالت کرتا ہے، اور صفات کا کمال ذاتی حالت کے کمال پر دلالت کرتا ہے، اور ذاتی حالت کا کمال ظنّ وتخمین، ضرورت اور بداہت، غرضیکہ ہر لحاظ سے اُس ذات پر دلالت کرتا ہے جو ان حالات کی حامل ہے۔

**مثال کے طور پر:** جس طرح کسی خوبصورت محل کے پُر مہارت، انوکھے اور نادر نقش ونگار کسی ماہر اور فنکار کاریگر کے افعال کے کمال پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ان افعال کا کمال اور مہارت اِس بات کی منہ بولتی گواہی ہیں کہ اِس کے فاعل کاریگر کے جتنے بھی اسماء اور عناوین ہیں سب اپنے اپنے مرتبے میں کمال کے ہیں، اور اسماء وعناوین کا کامل ہونا صناعی اور کاریگری کی جہت سے اس صانع اور کاریگر کی بے شمار کامل اور مکمل صفات کی گواہی دیتا ہے اور ان صفات کا کمال اور حیرت انگیز صناعی اور کاریگری اُس کاریگر کی ذاتی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے کامل ہونے کی گواہی دیتے ہیں، ان قابلیتوں اور صلاحیتوں کو دوسرے لفظوں میں شئوون کہا جاتا ہے اور ان شئوون اور ذاتی صلاحیتوں کا کامل ہونا صانع کی ذات کی ماہیت کے کامل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

اس طرح یہ بے قصور و بے فطور ﴿هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ﴾ (حاشیہ ۱) کے راز کے مظہر، یہ نظر آنے والے آثارِ عالم، اور یہ کون ومکان میں پائے جانے والی منظّم مصنوعات شہودِ یقینی کیساتھ ایک موثر ذی الاقتدار کے کمالِ افعال پر دلالت کرتا

---

(حاشیہ ۱) الملک: ۳

Marfat.com

ہے، اور کمالِ افعال بہر صورت اُن اسماء کے صاحبِ جمال مُسَمّی کی کمال صفات پر گواہی دیتا اور دلالت کرتا ہے اور یہ کمال صفات یقینی طور پر ایک صاحب کمال ہستی پر دلالت کرتا ہے، جو کمال سے متصف ہے، اور کمال سے متصف ہونا یقینی طور پر ایک ایسی مقدس ذات پر دلالت کرتا ہے جو کمال شؤون کی مالک ہے، ایسی واضح دلالت کہ کائنات میں کمالات کے جتنے بھی جلوے نظر آرہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ جمال، رموزِ جلال اور اشاراتِ جمال کا کمزور سا ٹمٹماتا ہوا سایہ ہے۔

## سورجوں کی طرح قوی گیارہویں کرن:

انیسویں مقالے میں اس حقیقت کی پہچان ہو چکی ہے کہ کائنات کی کتابِ کبیر کی سب سے بڑی آیت اور اس قرآنِ کبیر میں پایا جانے والا سب سے بڑا نام یعنی اسمِ اعظم، شجرِ کائنات کا بیج اور اس کا سب سے خوبصورت پھل قصرِ عالم کا چمکتا ہوا سورج، عالمِ اسلام کا دمکتا ہوا چاند، اللہ کی ربوبیت کی سلطنت کا رہنما اور کائنات کی اُلجھی ہوئی پہیلی کو سلجھانے والا وجود محمد ﷺ ہے۔ وہ جس نے تمام انبیاء کو رسالت کے دامن میں لپیٹ لیا، اور پورے عالم اسلامی کو اسلام کے پروں کی پناہ میں محفوظ کر دیا اور ان دونوں کو تمام انبیاء و مرسلین، تمام اولیاء و صدیقین اور تمام اصفیاء و محققین کے قافلے سے آگے بڑھ کر اپنی خدا داد قوت سے وحدانیت کو پوری طرح واضح کرتے ہوئے، احدیت کے عرش کی طرف سیدھا صاف راستہ کھولتے ہوئے، ایمان باللہ کے راستے کی رہنمائی کرتے ہوئے اور حقیقی وحدانیت کا اثبات کرتے ہوئے حقیقت کے طبقات میں ایک حلقہ بنا دیا۔ اب کوئی وہم یا کوئی شبہہ اس صاف سیدھے راستے میں رکاوٹ ڈالنے یا اسے بند کرنے کی جرأت کیونکر کر سکتا ہے؟

ہم نے چونکہ اجمالی طور پر ''انیسویں مقالے'' میں اور ''انیسویں مکتوب'' میں چودہ قطروں اور اُنیس اشاروں کی صورت میں اس بُرہان قاطع کے متعلق بیان کر دیا ہے جو کہ زندگی کے لیے پانی کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ ہم نے آپ ﷺ کے مختلف قسم کے معجزات کی بھی وضاحت کر دی ہے، اس لیے یہاں اس اشارے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور اس کا اختتام ہم وحدانیت کی اس برہان قاطع پر درود و سلام کے ساتھ کرتے ہیں، ایسا درود و سلام جن میں ان بنیادوں کی طرف اشارہ ہو جو اس کی پاکیزگی بیان کریں اور اس کی صداقت کی گواہی دیں۔

اللهم صل على من دلّ على وجوب وجودك ووحدانيتك، و شهد على جلالك وجمالك وكمالك. الشاهدُ الصادقُ المصدَّقُ والبرهانُ الناطقُ المُحَقَّقُ. سيّد الانبياء والمرسلين، الحامل سرّ اجماعهم و تصديقهم و معجزاتهم. و امام الأولياء والصديقين الحاوي سرّ اتفاقهم و تحقيقهم و كراماتهم ذوالمعجزات الباهرة والخوارق الظاهرة والدلائل القاطعة المحققة المصدقة له. ذوالخصال الغالية في ذاته، والأخلاق العالية في وظيفته، والسجايا السامي

Marfat.com

فی شریعته المکملة المنزهة عن الخلاف، مهبط الوحی الربّانی بِاجماع المنزِل والمنزَّل والمنزل علیه. سیّار عالم الغیب والملکوت. مشاهد الارواح و مصاحب الملائکة.

انموذج کمال الکائنات شخصاً و نوعاً و جنساً.. انور ثمرات شجرة الخلقة، سراج الحق ،برهان الحقیقة، تمثال الرحمة، مثال المحبة، کشاف طلسم الکائنات، دلّال سلطنةالربوبیت المرمز بعلویة شخصیته المعنویة الی انه نصب عینَ فاطر العالم فی خلق الکائنات. ذوالشریعة التی هی بوُسعة دساتیرها وقوّتها تشیر الی انها نظام ناظم الکون ووضع خالق الکائنات.

نعم، ان ناظم الکائنات بهذا النظام الاتم الاکمل هو ناظم هذا الدین بهذاالنظام الأحسن الأجمل، سیّدنا نحن معاشر بنی آدم و مهدینا الی الایمان نحن معاشر المؤمنین، محمد بن عبد الله بن عبد المطلب علیه افضل الصلوات و أتم التسلیمات ما دامت الارض والسماوات، فان ذلک الشاهدالصادق المصدق یشهد علی رؤوس الأشهاد منادیا و معلما لأجیال البشرخلف الأعصار والأقطار، نداءً علویا بجمیع قوته و بغایة جدیته وبنهایةوثوقة و بقوة اطمئنانه و بکمال ایمانه:

"باشهد أن لا اله الا الله وحده لا شریک له"

## آفتابوں کی قوت کے برابر بارہویں کرن:

بائیسویں مقالے کی بارہویں کرن حقائق کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، ایسا کہ سابقہ بائیس مقالے اس بحرِعظیم کے صرف بائیس قطرے ہیں۔ یہ کرن انوار کا بہت بڑا سرچشمہ ہے، اتنا بڑا کہ سابقہ بائیس مقالے اس چمکتے دمکتے سورج کی صرف بائیس کرنیں ہیں۔

جی ہاں! سابقہ ''بائیس مقالوں'' میں سے ہر مقالہ قرآن کریم کے آسمان پر چمکتی ہوئی آیت کے ستارے کی صرف ایک کرن ہے، اور قرآن کریم کے سمندر میں چلتی ہوئی آیت کی ایک نہر کا صرف ایک قطرہ ہے۔ اور یہ کتاب اللہ کی صرف ایک آیت کے بہت بڑے خزانے کے جواہرات سے بھرے ہوئے صندوق میں سے صرف ایک ہیرا ہے، اس لیے ''انیسویں مقالے'' کا ''چودہویں بوند'' اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان کلام کی تعریف کی ایک معمولی سی جھلک تھا۔ وہ کلام جواسمِ اعظم کی جہت سے نازل ہوا ہے۔ جو عرشِ اعظم سے اُترا ہے۔ جو ربوبیتِ عظمیٰ کی سب سے بڑی تجلی کا شاہکار ہے۔ جو مطلق وسعت کا نمونہ اور مطلق بلندی پر فائز ہے۔ جو ازل کو ابد اور فرش کو عرش کے ساتھ جوڑتا ہے اور جو اپنی تمام قوت اور اپنی آیات کے قطعی انداز میں تمام کون ومکان کو گواہ بناتا اپنی ''لا الہ الا ھو'' دہراتا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ کائنات تمام کی تمام ایک ساتھ بولتی ہے کہ: ''لا الــــہ الا ھـــو ''جی ہاں! لا الہ الا ھو برابری زند

Marfat.com

عالم۔

اگر آپ اس قرآن کی طرف قلبِ سلیم کی بصیرت کے ساتھ دیکھیں گے تو پائیں گے کہ اس کی جہاتِ ستہ ایسے روشن ،ایسے چمکدار، تاباں اور صاف شفاف ہیں، اس طرح کہ کسی ظلمت ،ضلالت ،شک وشبہے اور حیلے کے لیے ممکن ہی نہیں کہ کوئی سوراخ یا دراڑ ڈھونڈ کر اُس سے اس کی مقدس بارگاہ میں کسی بھی طرح بار پا جائے! کیونکہ:

اُس کے اوپر اعجاز کا تمغہ ہے

اُس کے نیچے دلیل و برہان ہے

اُس کے پیچھے اس کی تکیہ گاہ خالص وحیٔ ربانی ہے

اُس کے آگے سعادت دارین ہے

اُس کی داہنی جانب عقل کی تصدیق ہے

اُس کی بائیں جانب وجدان کے تسلیم ورضا کا اثبات ہے

اُس کے اندرون میں بے ساختہ خالص رحمانی ہدایت ہے

اُس کے بیرون میں خالص ایمانی انوار ہیں جو نظر آ رہے ہیں

اور اس کے نتائج وثمرات اصفیاء، محققین ،اولیاء اور صدیقین ہیں کہ جو عین الیقین طور پر انسانی کمالات سے آراستہ ہیں۔

چنانچہ آپ اگر پوری توجہ سے لسانُ الغیب کے سینے پر کان لگائیں گے تو آپ اتھاہ گہرائیوں سے وہ آسمانی صدائیں سنیں گے جو اُنس اور نفع بخشی سے بھری ہوئی ،اور دلیل و برہان سے آراستہ پیراستہ سنجیدگی اور بلندیوں کی معراج پر ہوگی ،اور قطعی انداز کے ساتھ " لا الہ الا ھو "کہہ رہی ہو اور اُسے پوری سنجیدگی سے دہرا رہی ہوگی۔ اور تمہیں جو کچھ حق الیقین سے کہہ رہی ہوگی اُسے علمُ الیقین کے فیضان سے عینُ الیقین کے درجے میں کہہ رہی ہوگی۔

## حاصل کلام:

یہ ہے کہ: رسول کریم ﷺ اور فرقانِ حکیم، دونوں ہی جگمگاتے نور ہیں، اور اُن دونوں نے ایک ہی چیز کو آشکار کیا ہے، اور وہ ہے حقیقتِ توحید۔

اُن میں سے ایک عالم شہادت کی زبان ہے، اس نے اس حقیقت کی طرف اسلام اور رسالت کی انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا ہے اور اپنی خداداد قوّت کے ساتھ اپنے ہزاروں معجزات اور تمام انبیاء واصفیاء کی تصدیق کے ذریعے پوری وضاحت سے بیان کیا ہے۔

Marfat.com

اور دوسری عالمِ غیب کی زبان کی طرح ہے، اُس نے اُسی حقیقت کو آشکار کیا ہے اور اُس کی طرف حق و ہدایت کی انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا ہے، اور اُسے اعجاز کے چالیس پہلوؤں سے اور کائنات کی تمام تکوینی آیات کی طرف سے تصدیق سے پوری سنجیدگی اور اصلیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کیا یہ حقیقت سورج سے زیادہ روشن، تاباں اور دن سے زیادہ واضح اور درخشاں نہ ہوگی؟!!

**اے متمرّد اور ضلالت میں بھٹکنے والے ناچیز انسان!** (حاشیہ:۱)

تیرے سر میں جو تھوڑی سے ٹمٹماتی ہوئی عقل کی روشنی ہے جس کی روشنی جگنو سے بھی کم ہے، اُس سے تو اِن جگمگاتے سورجوں کا مقابلہ کیونکر کر سکے گا؟ اور تو ان سورجوں سے بے پروائی کا اظہار کیسے کر سکتا ہے، اور تُو انہیں مُنہ کی پھونکوں سے کیونکر بجھا سکے گا؟ تیری انکار کی عادی عقل تباہ ہو جائے تو اُس بات کا انکار کیسے کر سکتا ہے جو لسانِ غیب اور لسانِ شہادت نے ربُّ العالمین اور مالکِ کون ومکاں کا نام لے کر کہی ہے؟ اور اس کی دعوت کو رد کیسے کر سکتا ہے؟

**اے بدبخت اور مکھی سے بھی زیادہ عاجز اور حقیر انسان!** تیری اوقات کیا ہے جو مالکِ کون ومکاں کی تکذیب پر تُلا ہوا ہے؟

---

(حاشیہ:۱) اس کلام کا رخ اس آدمی کی طرف ہے جس نے قرآن کریم کو ختم کر دینے کی معاشرے سے ہٹانے کی کوشش کی ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

# خاتمہ

اے میرے ہوشیار عقل اور بیدار دل والے دوست! اگر تم یہ بائیسواں مقالہ سمجھ گئے ہو تو پھر ان ''بارہ کرنوں'' کو ایک ہی دفعہ ہاتھ میں پکڑو اور انہیں حقیقت تک پہنچنے کے لیے قندیلِ راہ بنالو۔ یہ ہزاروں چراغوں کے برابر ہے۔ اور اُن قرآنی آیات کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو جو عرشِ اعظم سے چل کر ہم تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور توفیق کی براق پر سوار ہو کر حقائق کے آسمانوں کی طرف پرواز کرو اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے عرش پر جا بیٹھو اور کہو کہ:

أشهد ان لا اله الا انت وحدك لاشريك لك

اور کائنات کی اس عظیم الشان مسجد میں کون و مکاں کی موجودات کے رُوبرُو وحدانیت کا یہ کہتے ہوئے اعلان کرو کہ:

لا الـه الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، يحي ويميت، وهو حي لا يموت، بيده الخير، وهو على كل شيء قدير.

سبحانك لا علم لنا الا ما علّمتنا انك أنت العليم الحكيم

﴿ربـنـا لا تـواخـذنـا ان نسينـا أو أخطأنا ربنا ولا تحمل علينا اصرًا كما حملته على الذين من قبلـنـاربـنـا ولا تـحملنا مالا طاقة لنا به واعف عنا واغفرلنا وارحمنا أنت مولانا فانصرنا على القوم الكـافـريـن﴾ ﴿ربـنـا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا و هب لنا من لدنك رحمة انك أنت الوهاب﴾ ﴿ربنا انك جامع الناس ليوم لا ريب فيه ان الله لا يخلف الميعاد﴾

الـلهـم صل وسلم على من أرسلته رحمة للعالمين وعلى آله وصحبه أجمعين وارحمنا وارحم أمته برحمتك يا أرحم الراحمين. آمين.

﴿وآخر دعواهم أن الحمد لله رب العالمين﴾

---

Marfat.com

# تئیسواں مقالہ

## رمزِ ایمان

(اس میں دو مبحث ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴾ (حاشیہ:۱)

### پہلا مبحث:

یہاں ہم پانچ نقطوں میں ایمان کی ہزاروں خوبیوں میں سے پانچ خوبیوں کا ذکر کریں گے۔

### پہلا نقطہ:

انسان ایمان کی روشنی سے اعلیٰ علیین تک بلند ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح وہ ایسی قیمت حاصل کر لیتا ہے جو اُسے جنت کے قابل بنا دیتی ہے، جبکہ کفر کی تاریکی سے اَسفل سافلین کے گڑھے میں جا گرتا ہے اور اس طرح وہ ایسی حالت اور وضع قطع میں آجاتا ہے جو اسے نارِ جہنم کا اہل بنا دیتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان انسان کو اس کے جلیلُ القدر صانع کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ جوڑ دیتا ہے اور اسے اس کے ساتھ انتہائی مضبوط بندھن اور نسبت کے ذریعے باندھ دیتا ہے۔ پس ایمان نام ہی اُس کی طرف منسوب ہو جانے کا ہے۔ اور یوں انسان ایمان کے طفیل اس حیثیت سے انتہائی بلند قیمت حاصل کر لیتا ہے کہ اُس میں صنعتِ الٰہی جلوہ گر ہے اور اس کے وجود کے صفحے پر اسمائے ربانیہ کے نقوش کی آیات جگمگا رہی ہیں۔ لیکن کفر اس نسبت و انتساب کو کاٹ دیتا ہے اور اس کی تاریکی صنعتِ ربانیہ کو نظروں سے اوجھل کر دیتی ہے اور اس کے نقوش و آثار کو مٹا دیتی ہے۔ اور یوں انسان کی قیمت اس حیثیت سے کم ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے مادے میں منحصر ہو کر رہ جاتی ہے، یعنی مادہ فانی اور زوال پذیر ہونے کی وجہ سے معدوم کے حکم میں ہے اور اس کی زندگی دوسرے جانداروں کی طرح وقتی ہے۔

---

(حاشیہ:۱) التین:4-6

Marfat.com

اس راز کی وضاحت ہم ایک توضیحی مثال سے کرتے ہیں:

مادے کی قیمت انسان کی کاریگری اور ہنرمندی سے علیحدہ حیثیت رکھتی ہے، یعنی مادہ کی قیمت اور ہے اور ہنرمندی کی اور، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی مادہ اور ہنرمندی دونوں کی قیمتیں برابر ہوتی ہیں، اور کبھی مادے کی قیمت خود صنعت اور ہنرمندی سے زیادہ ہوتی ہے، اور کبھی پانچ پیسے والے لوہے میں پانچ روپے کی صنعت ہوتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوہے کا مادہ انتہائی اعلیٰ فنی اور جمالی قیمت کا حامل ہوتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ایک نادر اور نفیس ترین فنکاری و ہنرمندی کروڑوں روپوں کی قیمت کی حامل ہوتی ہے اگرچہ وہ بالکل عام اور معمولی سے مادے پر برتی گئی ہو، چنانچہ ایسی نادر فنکاری کا نمونہ جب ماہرین آثارِ قدیمہ اور گوہرشناس لوگوں کے بازار میں پیش کیا جائے اور انہیں اس کے ماہر اور مشہور و معروف کاریگر کا پتا بھی چل جائے تو اس کی قیمت لاکھوں تک پہنچ جائے گی۔ لیکن اگر یہی تحفہ بازارِ لوہاراں میں لے جایا جائے تو اسے لوہے کے بھاؤ پانچ روپے میں بھی خریدا جا سکتا ہے۔

انسان کی حالت بھی یہی ہے، یہ صانع الخالق سبحانہ وتعالیٰ کی ایک غیر معمولی اور حیرت انگیز صنعت اور اس کی قدرت کا ترقی یافتہ، بلندترین اور لطیف ترین معجزہ ہے، کہ اسے خالقِ الباری نے اس طرح سے پیدا کیا ہے کہ اسے اپنے اسمائے حسنیٰ کی تمام تجلیات کا مظہر، اپنے نادر اور انمول نقوش کا دارومدار اور تمام کائنات کا ایک چھوٹا سا مثالی نمونہ بنا دیا ہے۔

چنانچہ اس انسان میں جب ایمان کا نور جاگزیں ہو جاتا ہے تو یہ نور اس میں پائے جانے والے تمام حکیمانہ نقوش کو نمایاں کر دیتا ہے۔ بلکہ دوسروں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ ان نقوش کو پڑھیں۔ چنانچہ ایک مومن انہیں غور و فکر کے ساتھ پڑھتا ہے اور دوسروں کو اُن نقوش کا مطالعہ کرنے کے قابل بنا دیتا ہے، مطلب یہ کہ انسانی وجود میں صنعتِ ربّانی اس طرح سے باہر چھلکنے لگتی ہے کہ گویا انسان خود پکار پکار کر کہتا ہے کہ: مجھے دیکھو میں اس صانع الجلیل کی تخلیق و صنعت گری کا شاہکار ہوں، دیکھو مجھ میں کس طرح اس کا رحم و کرم جلوہ فرما ہے!''

تو پتا چلا کہ ایمان جو کہ صانع کی طرف منسوب ہو جانے کا نام ہے، انسان کے اندر پائے جانے والے صنعت اور کاریگری کے پوشیدہ آثار کو ظاہر کرتا ہے، اور اس صنعتِ ربانیہ کے ظہور اور اس آئینۂ صمدانیہ کی چمک دمک کے حساب سے انسان کی قیمت متعین ہوتی ہے۔ اور یوں یہ غیر اہم انسان تمام مخلوقات سے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے، کیونکہ اس طرح یہ خطابِ الٰہی کا اہل ہو جاتا ہے اور ایسا شرف حاصل کر لیتا ہے جو اسے جنت میں ضیافتِ ربانیہ کے قابل بنا دیتا ہے۔

لیکن جب کفر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نسبت کے کٹ جانے کا نام ہے، انسان میں آہستہ آہستہ سرایت کر جاتا ہے تب اللہ تعالیٰ کے حکمت بھرے اسمائے حسنیٰ کے نقوش و آثار کے تمام معانی و مطالب اندھیرے میں جا گرتے ہیں اور بالکل مٹ جاتے ہیں اور ان کا مطالعہ کرنا اور انہیں پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے؛ کیونکہ صانع الجلیل سبحانہ وتعالیٰ کو بھلا کر ان معنوی

Marfat.com

جہتوں کو سمجھنا ممکن ہی نہیں جو اس انسان میں پائی جاتی ہیں اور جن کا رُخ اس صانع الجلیل کی طرف ہے بلکہ اس صورت میں وہ معنوی جہتیں بالکل اُلٹا رُخ اختیار کر جائیں گی اور اکثر بلند پایہ معنوی نقوش اور نفیس حکمت بھری صنعت گری کی بہتیری آیات وعلامات پوشیدہ رہ جائیں گی۔ اور اگر ان میں سے کچھ بچ جائیں گی اور آنکھوں کو نظر آئیں گی تو اس کی نسبت بیہودہ اسباب، نیچر اور اتفاقات کی طرف کر دی جائے گی، اور یوں وہ آخری حد تک زوال کے گھاٹ جا گریں گی، اور ان آبدار موتیوں میں سے ہر موتی سیاہ اور تاریک شیشے کی صورت میں تبدیل ہو جائے گا اور تب ان کی اہمیت صرف حیوانی مادے میں منحصر ہو کر ہی رہ جائے گی۔ اور جیسے کہ یہ بات ہم نے پہلے بھی بتائی ہے کہ مادے کی غایت، نتیجہ اور آخری منزل یہی ہے کہ وہ چھوٹی سی اور جزوی قسم کی زندگی گزارے اور ختم ہو جائے، اور یہ عاجز ترین محتاج ترین اور غمگین ترین مخلوق ہے، اسی لئے یہ بالآخر پھٹ کر زائل ہو جاتا ہے۔ اور یوں کفر انسانی ماہیت کی خوبصورت عمارت کو منہدم کر کے اس نفیس ترین موتی کو خسیس ترین کوئلے میں تبدیل کر دیتا ہے۔

دوسرا نقطہ:

جس طرح ایمان ایک ایسا نور ہے جو انسان کو منور کر دیتا ہے اور اس پر لکھے ہوئے تمام صمدانی نقوش وآثار کو نکھار کر واضح کرتا اور انہیں پڑھے جانے کے قابل بنا دیتا ہے، اسی طرح ایمان ایک ایسا نور ہے جو کائنات کو بھی منور کر دیتا ہے، اور گزشتہ اور آئندہ صدیوں کو سیاہ تاریکیوں سے بچا لیتا ہے۔

اس راز کی وضاحت ہم ایک مثال کے ساتھ درج ذیل آیت کریمہ کے رازوں میں سے ایک راز کو سامنے رکھ کر کریں گے۔

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (حاشیہ:۱)

میں نے ایک خیالی واقعے میں دیکھا کہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے دو بہت اونچے اونچے پہاڑ ہیں، ان دونوں کی چوٹیوں پر ایک بڑا دہشتناک سا پُل بنا ہوا ہے اور اس کے نیچے ایک گہری کھائی ہے اور میں اس پل پر کھڑا ہوں۔ تمام کائنات پر چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا ہے کہ کوئی چیز نظر نہیں آ رہی ہے۔ میں نے اپنی دائیں جانب دیکھا تو مجھے ان بے انتہا تاریکیوں کے دامن میں ایک بہت بڑا قبرستان نظر آیا، پھر میں نے اپنی بائیں جانب دیکھا تو مجھے ایسے لگا جیسے سرکش تاریکیوں کی بے رحم موجوں میں ہوشربا مصائب وآلام اس طرح سے دھکم پیل کر رہے ہیں کہ گویا ٹوٹ پڑنے کی تیاری میں ہیں۔ پھر میں نے پل کے نیچے دیکھا تو میری آنکھوں کے سامنے ایک اتنا گہرا گڑھا اُبھرا جس کی کوئی تہہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ اور میرے پاس اِن گھمبیر تاریکیوں کی بلبلاہٹ میں سوائے ایک تھوڑی سی روشنی والی ہینڈ ٹارچ کے کچھ بھی

(حاشیہ:۱) البقرۃ:257

Marfat.com

نہیں تھا، میں نے اسے روشن کیا تو ایک خوفناک منظر میرے سامنے تھا، میں نے دیکھا کہ ہر طرف حتی کہ پل کے اوپر اور اس کے اطراف میں بھی شیر، چیتے اور دوسرے خطرناک درندے گھوم پھر رہے ہیں۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور دل میں کہا کہ: کاش میرے پاس یہ ٹارچ نہ ہوتی جس کی وجہ سے یہ تمام خوفناک مخلوقات مجھے نظر آنا شروع ہو گئی ہیں، کیونکہ میں ٹارچ کی روشنی جدھر گھماتا تھا اُدھر ہی یہ خوفناک مناظر میرا سامنا کرتے تھے۔ میں نے ایک حسرت بھری آہ بھری اور دل میں کہا: ''یہ ٹارچ تو میرے لئے بجائے خود ایک مصیبت اور آزمائش ہے۔'' چنانچہ میں نے غصے میں آ کر اُسے زور سے زمین پر پٹخ دیا جس سے وہ چکنا چور ہو گئی۔

اور پھر ایسے لگا کہ جیسے اس کے ٹوٹتے ہی میرا ہاتھ دنیا کو روشن کر دینے والے بجلی کے کسی بہت بڑے بلب کے سوئچ پر جا پڑا۔ اور پھر اچانک تاریکیاں چھٹ گئیں اور تمام کائنات تاحدِ نگاہ روشن ہو گئی اور ہر جگہ اور ہر جہت اس روشنی سے بھر گئی اور ہر شئے کی حقیقت واضح طور پر نکھر کر سامنے آ گئی۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ ہیبتناک لٹکتا ہوا پل تو ایک کشادہ سڑک ہے جو نرم ہموار اور دور تک پھیلی ہوئی زمین میں سے گزر کر آگے جا رہی ہے، اور میں نے دیکھا کہ دائیں جانب نظر آنے والا قبرستان قبریں نہیں بلکہ ذکر و تہلیل کی مجلسیں، ایک پُر لطف اور باوقار محفل اور قلب و روح میں خوشی و سعادت اور نور و سرور بکھیرنے والی سرسبز و شاداب جنتوں میں نورانی لوگوں کی نگرانی میں سرانجام دی جانے والی بلند پایہ عبادات اور جلیل القدر خدمات ہیں۔ رہیں وہ گہری کھائیاں، دہشتناک مصیبتیں اور سمجھ سے بالاتر ایسے واقعات جو میں نے اپنی بائیں جانب دیکھے تھے، تو وہ سرسبز اور نظر نواز درختوں سے بھرے ہوئے پہاڑ تھے اور ان کی پچھلی جانب میں روح پرور چراگاہیں اور دلکش سیرگاہیں تھیں۔ جی ہاں! میں نے اس خیالی منظر میں کچھ اسی طرح دیکھا۔ اور وہ جو خوفناک مخلوقات اور خطرناک وحشی درندے تھے، وہ تو صرف اونٹ، بیل اور بھیڑ بکریوں جیسے پالتو جانور تھے۔ تب میں نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ﴾، اور بار بار یہ کلمات دہرانے لگا کہ: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے نورِ ایمان سے نوازا ہے۔

الحمدالله علی نور الایمان

اور پھر میں اس خیالی واقعے سے بیدار ہو گیا۔

ان دو پہاڑوں سے مراد آغازِ حیات اور انتہائے حیات ہے، یعنی وہ عالم ارض اور عالم برزخ ہیں۔ پُل سے مراد راہ حیات ہے۔ دائیں جہت سے مراد ماضی کا اور بائیں جانب سے مستقبل کا زمانہ مراد ہے۔ رہی ہاتھ والی ٹارچ تو اس سے مراد انسان کی وہ انانیت ہے جو خود پر اعتماد کرتی ہے اور اپنے علم پر نازاں ہے، اور جو آسمانی وحی پر کان نہیں دھرتی۔ رہے وحشی درندے اور دوسری بد بلائیں تو ان سے مراد دنیا کے عجیب و غریب حادثات اور دیگر موجودات ہیں۔

Marfat.com

اب جو انسان اپنی انانیت اور غرور پر بھروسا کرتا ہے غفلت کی تاریکیوں کے جال میں جا اُلجھتا ہے اور قاتل گمراہی کے طوقوں اور ہتھکڑیوں میں پھنس جاتا ہے۔ وہ اس واقعے میں پیش آنے والی میری پہلی حالت کے مشابہ ہے۔ اس حیثیت سے کہ اسے اس دستی چراغ کی ٹمٹاتی روشنی کے ذریعے _ جو کہ انتہائی ناقص، منحرف اور غلط رُخی سے آلودہ معرفت ہے_

اُسے ماضی کا زمانہ ظلماتِ عدم میں بسا ہوا ایک قبرستان نظر آتا ہے، اور وہ مستقبل کو ایسا وحشتناک زمانہ تصور کرتا ہے جس میں مصائب و آلام کا دور دورہ ہے اور اسے وہ اندھے اتفاقات کا کرشمہ قرار دیتا ہے۔ اسی طرح وہ اُن تمام حادثات و موجودات کو جو کہ رب رحیم و حکیم کی طرف سے مسخر اور تابع فرمان ملازموں کی طرح ہیں، وہ ان کو چیر نے پھاڑنے والے وحشی جانور تصور کرتا ہے۔ اور یوں وہ اس حکم کا مستحق ہو جاتا ہے جو اس آیت کریمہ میں پایا جاتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاءُ هُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ﴾ (حاشیہ:۱)

''اور جو لوگ کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں اُن کے حامی اور مددگار طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں''

البتہ جب ہدایت الٰہی انسان کی دستگیری کرلے اور ایمان اس کے دل میں جاگزیں ہو جائے، اور نفس کی فرعونیت ٹوٹ پھوٹ جائے، اور وہ کتاب اللہ کو غور سے کھلے کانوں سننا شروع کر دے، تو پھر وہ اس واقعے میں پیش آنے والی میری دوسری حالت کے مشابہ ہو جاتا ہے، تب یہ کائنات رات کے بجائے دن کے رنگ میں رنگی جاتی ہے، اور نورِ الٰہی سے بھر جاتی ہے، اور پھر تمام عالم اول سے لے کر آخر تک پکار اُٹھتا ہے: ﴿اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (حاشیہ:۲)

اب گزار ہوا زمانہ ایک بہت بڑا قبرستان نہیں رہا جیسے کہ گمان کیا جاتا ہے، بلکہ اُس ماضی کا ہر دور _ قلبی بصیرت کی گواہی کے مطابق _ کسی نبی مُرسل یا اُولیائے صالحین کے گروہ کی قیادت میں عبودیت کے وظائف کا بحرِ زخار ہے جو رعایا میں اس بلند قدر وظیفے کی مکمل اور بھر پور طریقے سے تشہیر کر رہا ہے اس کی وضاحت کر رہا ہے اور اس کی بنیادیں مضبوط کر رہا ہے، اور پھر جب پاکیزہ روحوں والی اَنبیاء و اَولیاء کی یہ جماعتیں اپنی زندگی کے یہ وظائف اور فطری واجبات ادا کر چکتی ہیں تو پھر'' الله اکبر '' کہتی ہوئیں اور مستقبل کے پردے چاک کرتی ہوئیں اُوپر مقاماتِ عالیہ کی جانب پرواز کر جاتی ہیں۔ اور ایسا انسان جب اپنی بائیں جانب دیکھتا ہے تو نورِ ایمان کی اس دُور بین کے ذریعے اسے دور سے بلند و بالا اور ضخیم پہاڑوں جیسے برزخی اور اخروی انقلابات کے پیچھے جنتی سعادتوں کے محلات نظر آتے ہیں جن میں رحمانی ضیافتوں کے ایسے سلسلے ہیں جن کا نہ کوئی اوّل نظر آتا ہے نہ آخر_ تب یہ یقین کر لیتا ہے کہ کائنات کے تمام حوادث _ آندھیاں،

---

(حاشیہ:۱) البقرة:257 (حاشیہ:۲) النور:35

Marfat.com

زلزلے اور طاعون وغیرہ۔ سب کے سب مامور اور مسخر ملازم ہیں، اب اُسے نظر آتا ہے کہ آندھیاں، بارشیں اور ان جیسے دیگر حوادث جو بظاہر غم انگیز اور بدصورت نظر آتے ہیں درحقیقت ان میں بڑی گہری حکمتیں پنہاں ہوتی ہیں، حتیٰ کہ ایمان کی روشنی پا جانے والا یہ انسان موت کو بھی ایک ابدی زندگی کی تمہید اور قبر کو ابدی سعادت کا دروازہ سمجھتا ہے۔ اس مذکورہ مثال سے حقیقت کا کھوج لگا کر باقی تمام جہتوں یا سمتوں کو بھی اسی پر قیاس کرلو۔

تیسرا نقطہ:

ایمان جس طرح ایک روشنی ہے اسی طرح ایک بے پناہ قوت بھی ہے، چنانچہ وہ انسان جو حقیقی ایمان سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے وہ اپنی ایمانی قوت پر بھروسا کرتا ہوا تمام کائنات کو چیلنج کرسکتا ہے اور اپنی قوتِ ایمانی کے حساب سے حادثات و واقعات کی گھٹن سے نجات پاسکتا ہے، اور تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ کہتا ہوا سفینۂ حیات میں پہاڑوں جیسے منہ زور حوادث کی بپھری ہوئی لہروں کے درمیان بے خوف و خطر محوِ سفر رہتا ہے۔ اور اپنے بھارے اور کمر توڑ بوجھ بطور امانت اس قادرِ مطلق کے ہاتھوں کے سپرد کردیتا ہے، اور یوں وہ دنیا کا یہ راستہ پورے اطمینان، آسانی اور سکھ چین سے طے کرلیتا ہے، تا آنکہ وہ برزخ تک پہنچ جاتا ہے، وہاں آرام کرتا ہے اور پھر وہاں سے ابدی سعادت سے ہمکنار ہونے کے لئے جنت کی طرف اونچی پرواز کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

لیکن اگر انسان توکّل کو چھوڑ دے تو پھر صرف یہی نہیں کہ وہ جنّت کی طرف پرواز نہیں کرسکتا بلکہ یہ گرانبار بوجھ اسے کھینچتے ہوئے اَسفلَ سافلین تک لے جائیں گے۔ پس ایمان توحید کا تقاضا کرتا ہے، توحید کھینچ کر تسلیم کی راہ پر ڈالتی ہے، تسلیم توکّل کو بروئے کار لاتی ہے اور توکّل سعادت دارین کا راستہ ہموار کرتا ہے لیکن یہ سمجھنے میں غلطی نہ کھانا اور یہ خیال ہرگز بھی نہ کرنا کہ توکّل اسباب کو کلیتاً چھوڑ دینے اور رد کردینے کا نام ہے، بلکہ اِس چیز کو جان لینے کا نام ہے کہ اسباب دستِ قدرت کے آگے پردوں کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا خیال رکھنا ضروری ہے، اور یہ کہ اِن کے ساتھ مضبوطی سے چمٹ جائیں اور ان پر کلیتاً بھروسا کرلیں تو وہ فعلی دعا کی ایک قسم بن جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نتائج کی طلب اور توقع صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے رکھنی چاہیے اور مطلوبہ نتائج حاصل ہو جانے پر حمد وثنا صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہونی چاہیے۔

متوکل علی اللہ اور غیر متوکل کی مثال آنے والی کہانی سے مماثلت رکھتی ہے، ایسے ہے جیسے دو آدمی ہوں، ان دونوں کے سروں اور پشتوں پر بوجھ لادا گیا ہو، دونوں نے ٹکٹ لیا اور بحری جہاز پر سوار ہوگئے، اب ان میں سے ایک نے تو جہاز میں داخل ہوکر اپنے کندے کا بوجھ اتار کر نیچے رکھا اور اس پر بیٹھ کر اس کا نظارہ کرنے لگا لیکن دوسرے نے اپنی حماقت اور خودفریبی کی وجہ سے ایسا نہ کیا، اسے کسی نے کہا:

''اپنا یہ سامان اتار کر نیچے رکھ کر آرام سے بیٹھ کیوں نہیں جاتے؟''

Marfat.com

تو اس نے کہا:

"میں ایسا نہیں کرسکتا؛ کیونکہ اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور مجھ میں اسے اٹھائے رکھنے کی ہمت بھی ہے، اس لئے یہ سامان میرے سر اور کمر پر ہی رہے گا" اسے دوبارہ کہا گیا کہ:

"یہ شاہی سفینہ جس پر ہم سوار ہو کر محوِ سفر ہیں انتہائی ایماندار، محفوظ اور ہم سے زیادہ قوی اور مضبوط ہے، اور یہ ہمارے سامان کی اور خود ہماری ہم سے بھی زیادہ حفاظت کرسکتا ہے۔ تمہیں کھڑے کھڑے چکر بھی آسکتا ہے اور یوں تم سازو سامان سمیت سمندر میں گر بھی سکتے ہو۔ اور مزید یہ کہ تمہاری قوّت آہستہ آہستہ جواب بھی دے جائے گی۔ تمہاری یہ کمزور کمر اور یہ ناسمجھ کھوپڑی دونوں اس بوجھ کو اُٹھانے سے عاجز آجائیں گے جو لحہ بہ لحہ شدید ہوتا جائے گا، اور پھر جب جہاز کا کپتان تمہیں دیکھے گا تو تمہیں ہوش وخرد سے عاری دیوانہ سمجھ کر جہاز سے باہر پھینکوا دے گا یا تمہیں گرفتار کروا کے جیل بھجوا دے گا، اس دلیل سے کہ یہ کوئی خیانت کار آدمی ہے جو ہمارے جہاز کو بد دیانت سمجھ کر ہماری توہین کر رہا ہے اور یوں لوگ تم پر ہنسیں گے اور تمہارا مذاق اڑائیں گے؛ کیونکہ تم نے اپنی اس روش سے تکبر کا اظہار کیا ہے اور اہل بصیرت کہتے ہیں کہ تکبر کا اظہار کر کے انسان دراصل اپنی کوئی کمزوری چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور تم نے غرور کا اظہار کیا جو کہ عاجزی کی علامت ہے۔ اور پھر تم نے بناوٹ کا اظہار کیا جس کی تہ میں ریاکاری اور کمینگی چھپی ہوتی ہے، اس لیے تم لوگوں کے لیے ہنسی مذاق کا سامان بن گئے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ سب لوگ تم پر ہنس رہے ہیں! یہ تمام باتیں سننے کے بعد وہ مسکین ہوش میں آیا اور اپنا سامان نیچے رکھ کر اس پر بیٹھ گیا اور بولا:

الحمدللہ۔ اللہ تم پر راضی رہے کہ تم نے مجھے تھکاوٹ، ذلالت، جیل، رسوائی اور جگ ہنسائی سے بچالیا۔

پس اے توکّل سے دور بھاگتے ہوئے انسان! ہوش میں آ اور سمجھ جا، جیسے یہ آدمی ہوش میں آیا اور سمجھ گیا۔ اور اُس کی طرح تو بھی اللہ پر توکّل کرتا کہ تمام کائنات کے آگے ہاتھ پھیلانے اور حوادثِ دہر کے سامنے کانپنے، گھبرانے اور کپکپانے سے نجات پا جائے، اور تاکہ خود کو ریاکاری واستہزاء، دنیا کی تنگیوں تُرشیوں اور ابدی شقاوت سے محفوظ کرسکے۔

## چوتھا نقطہ:

ایمان ایک انسان کو انسان بلکہ سلطان بنا دیتا ہے، اسی لئے اس کا اساسی وظیفہ یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھے اور اس سے دعا مانگتا رہے۔ جبکہ کفر انسان کو ایک انتہائی عاجز اور لاچار درندہ بنا دیتا ہے۔

ہم یہاں اس مسئلہ پر ہزاروں دلائل میں سے صرف ایک واضح دلیل اور قطعی برہان ذکر کریں گے، اور وہ ہے: انسان کے اور حیوان کے درمیان اس دنیا میں آمد کے لحاظ سے فرق اور تفاوت۔

جی ہاں! انسان کے اور حیوان کے اس دنیا میں آنے کے درمیان جو فرق ہے اس بات کی دلیل ہے کہ انسانیت کی

Marfat.com

تکمیل وترقی اوراس کی حقیقی انسانیت تک پہنچ صرف ایمان کے ذریعے ہی ممکن ہے؛ کیونکہ حیوان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس طرح سے آتا ہے کہ گویا وہ کسی اور دنیا میں پہلے مکمل ہو چکا ہے اور اس استعداد کے مطابق اسے کامل و مکمل کر کے اسے اس دنیا میں بھیج دیا جاتا ہے، چنانچہ وہ دو گھنٹوں میں، دو دنوں میں یا دو مہینوں میں اپنی زندگی کی تمام شرائط وقوانینِ حیات اور دوسری کائناتوں کے ساتھ اپنے تمام تعلقات کے بارے میں جانکاری حاصل کر لیتا ہے اور یہ چیز اس کا ملکہ بن جاتی ہے یعنی اس کی ذات میں رچ بس جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک چڑیا یا شہد کی مکھی کو لے لیں، یہ ربانی الہام اور رہنمائی کے ذریعے زندگی گزارنے کی قدرت اور راہِ عمل سیکھ لیتی ہے اور بیس دنوں میں وہ کچھ حاصل کر لیتی ہے جو ایک انسان بیس سال میں بھی نہیں سیکھ سکتا۔ اس سے پتا چلا کہ حیوان کا اساسی وظیفہ علم وتعلیم اور معرفت کے ذریعے تکمیل حاصل کرنا اور ترقی کے زینوں پر چڑھنا اور عاجزی ولاچاری کا اظہار کر کے مدد مانگنا اور دعا کرنا نہیں، بلکہ اس کا اصلی وظیفہ ہے: اپنی استعداد کے مطابق عمل کرنا، جو کہ فعلی عبودیت ہے۔

لیکن انسان کی صورت حال اس سے مکمل طور پر علیحدہ ہے، چنانچہ انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو اس طرح آتا ہے کہ وہ ہر چیز کے علم وادراک کا محتاج ہے؛ کیونکہ وہ تمام قوانین حیات سے مکمل طور پر لاعلم ہوتا ہے حتی کہ وہ کبھی اپنی زندگی کے قوانین وشرائط کے بارے میں بیس سال میں بھی آگاہی حاصل نہیں کر پاتا، بلکہ تمام عمر سمجھنے سمجھانے کا محتاج رہتا ہے۔ اس پر مزید یہ کہ وہ جب زندگی کے میدان میں آتا ہے تو اتنا کمزور اور لاچار ہوتا ہے کہ بڑی مشکل سے ایک دو سال میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سیکھتا ہے اور پندرہ سال کی عمر تک بمشکل اپنے نفع ونقصان میں تمیز کر پاتا ہے۔ انسان کے لیے اپنی زندگی کے منافع ومصالح کو حاصل کرنا اور نقصانات سے اپنا دفاع کرنا اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ اجتماعی زندگی کی تسبیح کا دانہ بن جائے اور اُسے دوسروں کا تعاون حاصل رہے۔

اس سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کا فطری وظیفہ ''تعلُّم'' ہے، یعنی یہ کہ وہ علم ومعرفت کے حصول کے ذریعے اپنی ذات کی تکمیل کرے اور اُسے پروان چڑھائے۔ اور اِس کا دوسرا بنیادی وظیفہ ''دُعا'' کے ذریعے عبودیت کا اظہار ہے، یعنی اپنے دل میں اس بات کا ادراک کرے اور خود سے سوال کرے کہ کس کی رحمت اور شفقت کے ساتھ میری اس طرح کی حکیمانہ رُورعایت اور نگہداشت کی جارہی ہے؟!'' کس کے جود وکرم سے میری یہ شفقت اور رحمت بھری پرورش کی جارہی ہے؟ اور کس کے لطف وکرم سے مجھے اس گہرے اور پُراسرار رزاقانہ انداز سے غذا مہیا کی جارہی ہے؟!'' ایسا کرنے سے اُسے نظر آجائے گا کہ واقعتاً اُس کا حقیقی وظیفہ یہی ہے کہ وہ فقر وعجز کی زبان کے وسیلے سے قاضی الحاجات کی بارگاہ میں دعا مانگے، گڑگڑائے اور اس کی چوکھٹ کو اپنی اُمیدوں کا مرکز بنائے، تاکہ وہ اس کی اُن ہزاروں درخواستوں اور ضرورتوں کو پورا کر دے جن میں سے ایک تک بھی اُس کی رسائی نہیں ہو سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا اَساسی وظیفہ

Marfat.com

''عجز وفقر'' کے دو پروں کے ساتھ پرواز کر کے عبودیت کے بلند مقام تک پہنچنا ہے۔

تو پتا چلا کہ انسان کو اس دنیا میں اس لیے لایا گیا ہے تا کہ وہ معرفت اور دعا کے ذریعے اپنے ہر پہلو کی تکمیل کرے؛ کیونکہ اس کی ماہیت اور استعداد ہی ایسی ہے کہ اس میں ہر چیز کا رُخ علم کی طرف ہے اور اُس کی ہر چیز معرفت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ پس تمام حقیقی علوم کی اساس، سرچشمہ، اُن کا نور اور اُن کی روح ''اللہ کی معرفت'' ہے اور اِس اساس کی اُسُّ الاساس ایمان باللہ ہے۔

انسان چونکہ عاجز مطلق ہونے کی وجہ سے بے شمار آلام ومصائب، دکھوں تکلیفوں اور دشمنوں کے حملوں کی زد میں رہتا ہے، پھر اس کی خواہشات وحاجات وضروریات بے شمار ہیں جبکہ خود یہ فقر مطلق کی چلتی پھرتی تصویر ہے؛ اس لیے ایمان کے بعد اس کا فطری اور اساسی وظیفہ ''دُعا'' ہے، اور دُعا عبادت کی اساس اور اس کا مغز ہے۔ جس طرح ایک عاجز اور لاچار بچہ جب اپنی ایسی خواہشوں کو پورا کرنے میں ناکام رہے جو اُس کی دسترس سے باہر ہوں تو وہ رونا چلانا شروع کر دیتا ہے یا اپنی مطلوبہ چیز مانگنا شروع کر دیتا ہے، یعنی وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی عاجزی اور لاچاری کی زبان کے ذریعے قولی یا فعلی دعا مانگتا ہے تب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے، اس طرح انسان جو کہ تمام زندہ مخلوقات میں سے سب سے زیادہ نازک، درماندہ اور لاچار مخلوق ہے اور جو ایک نرم ونازک اور کمزور سے بچے کی طرح ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ یا تو روتا چلاتا ہوا اور اپنے عجز ودرماندگی اور ضعف ولاچاری کا اظہار کرتا ہوا، اور اپنے فقر واحتیاج کی دہائی دیتا ہوا رحمان ورحیم کی پناہ میں آجائے اور خود کو اس کے سامنے چت گرادے تا کہ اس کی آرزو برلائی جائے اور خواہش پوری کی جائے۔ اُس نے جب ایسا کر لیا تب اپنی ان دعاؤں کا شکر ادا کر دیا جو پوری ہوئیں ان صداؤں کا حق ادا کر دیا جو سنی گئیں اور ان چیزوں کا حق ادا کر دیا جو اس کے لیے مسخر کر دی گئیں۔ لیکن اگر اُس نے ایسا نہ کیا اور ایک احمق بچے کی طرح غرور سے کہا: ''میں اپنی سوچ فکر اور تدبیر کے بل پر ان چیزوں کو مسخر اور اپنے ماتحت کر سکتا ہوں'' حالانکہ وہ چیزیں اُس کی طاقت اور قوت سے ہزار گنا زیادہ ہیں! تو ایسی روش اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور بہت بڑی معصیت ہے جو کہ انسانی فطرت کے یکسر منافی اور متناقض ہے اور اُسے عذاب الیم کا مستحق بنادینے کا بہت بڑا سبب ہے۔

### پانچواں نقطہ:

جس طرح ایمان ''دُعا'' کا تقاضا کرتا ہے اور وہ اس دعا کو ایک مومن اور اس کے پروردگار کے مابین ایک واسطہ اور قطعی وسیلہ بناتا ہے، اور جس طرح انسانی فطرت دعا کی طرف دیوانہ وار لپکتی ہے اور اس پر فریفتہ ہے، اسی طرح خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ بھی انسان کو یہی کہتا ہے کہ اگر تمہاری دعائیں نہیں ہوں گی تو تم لوگوں کی اہمیت ہی کیا ہوگی، چنانچہ فرمان گرامی ہے:

Marfat.com

﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُ بِكُمْ رَبِّىْ لَوْلَا دُعَاءُ كُمْ﴾ (حاشیہ:۱)

اور حکم دیتا ہے: ﴿اُدْعُوْنِىْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (حاشیہ:۲)

شاید آپ یہ کہیں کہ: ''ہم تو اللہ سے بہت دعائیں مانگتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتی۔ جبکہ آیت اپنے عمومی مفہوم سے بتا رہی ہے کہ ہر دعا کا جواب آتا ہے''

## جواب:

دعا کا جواب دینا اور چیز ہے اور قبول کرنا اور چیز۔ ہر دعا مستجاب ہے لیکن اُس کے قبول ہونے اور مطلوبہ چیز کے حاصل ہو جانے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ساتھ ہے۔

مثال کے طور پر ایک بیمار بچہ چیخ کر ڈاکٹر سے کہتا ہے:

''ڈاکٹر صاحب! مجھے چیک کریں''

تو ڈاکٹر جواب دیتا ہے: تمہیں کیا چاہیے! تو بچہ کہتا ہے:

''مجھے یہ والی دوائی دے دیں۔ اب یا تو ڈاکٹر اسے وہی دوائی دے دے گا جو اُس نے مانگی ہے یا اُس سے زیادہ اچھی اور مفید دوائی دے گا، یا پھر ڈاکٹر یہ جانتا ہے کہ یہ دوائی اس کی مرض کے لیے نقصان دہ ہے اس لیے وہ اُسے کچھ بھی نہیں دے گا اور اُس کا علاج کرے گا ہی نہیں، یعنی حکمت اور مصلحت کے تحت جو اسے بہتر لگے گا وہی کرے گا۔

حق تعالیٰ کا معاملہ بھی ایسے ہی ہے، وہ چونکہ حکیم مطلق اور حاضر و ناظر ہے، اس لیے وہ اپنے بندے کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ اور اپنے جواب اور موجودگی سے اس کی تاریک، وحشت خیز اور ہیبتناک اجنبیت کا ازالہ کر کے اس کے اندر اُمید، اُنس اور اطمینان کی جوت جگاتا ہے۔ وہ یا تو بندے کی دعا کو بعینہٖ قبول کر کے اس کا مطلب پورا کر دیتا ہے، یا اُسے اس کی مطلوبہ چیز سے افضل چیز دے دیتا ہے اور یا پھر اس کی دعا کو رد کر دیتا ہے۔ اور یہ سب کچھ حکمت ربانیہ کے تقاضے کے تحت ہوتا ہے نہ کہ انسان کی ہوا پرستانہ اور ہوس کارانہ خواہشوں کے مطابق۔

پھر یہ چیز بھی یاد رہے کہ دعا عبودیت کی ایک قسم ہے، اور عبودیت کے ثمرات و نتائج آخرت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور جہاں تک دنیاوی مقاصد کا تعلق ہے تو وہ اِس قسم کی دعا اور عبادت کے لیے وقت کی حیثیت رکھتے ہیں غایت کی نہیں۔

مثال کے طور پر:

نماز استسقاء عبادت کی ایک قسم ہے اور اس عبادت کا وقت وہ ہے جب بارش نہ ہو رہی ہو۔ اب یہ عبادت اور دعا بارش کو لانے کے لیے نہیں ہے۔ اگر یہ عبادت صرف اسی نیت کے تحت ادا کی جائے گی تو خالص عبادت نہ ہونے کی وجہ

---

(حاشیہ:۱) الفرقان:77 (حاشیہ:۲) غافر:60

Marfat.com

سے قبولیت کے لائق نہیں رہے گی۔

اسی طرح غروبِ شمس مغرب کی نماز کا وقت ہے اور سورج گرہن اور چاند گرہن نمازِ کسوف اور نمازِ خسوف کا وقت ہے، مطلب یہ ہے کہ سورج دن کی علامت ہے اور چاند رات کی علامت۔ اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اعلان کرتے ہیں۔ اور اللہ اپنے بندوں کو یہ کہتا ہے کہ وہ ان دونوں کو گرہن لگ جانے کی صورت میں ایک قسم کی عبادت کا اہتمام کریں۔ وگرنہ یہ نماز چاند اور سورج کا گرہن دور کرنے کے لیے نہیں ہے؛ کیونکہ اس کے ختم ہو جانے کا تو ایک وقت مقرر ہے جس میں وہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ جیسے کہ ہر ماہر فلکیات جانتا ہے۔

اب جو معاملہ یہاں ہے بالکل وہی قحط اور بارش کے رُک جانے کے وقت میں ہے جو کہ نمازِ استسقاء کا وقت ہے۔ اور بلاؤں کا پے در پے نازل ہونا، شرور اور دیگر نقصان دہ چیزوں کا مسلط ہو جانا وغیرہ بعض خاص دعاؤں کا وقت ہے؛ کیونکہ ان چیزوں سے دو چار ہونے کے وقت انسان کو اپنے عجز و فقر کا ادراک ہو جاتا ہے اور وہ فوراً دعا کرنے میں اور قدیرِ مطلق کے دروازے کی دستک میں پناہ لیتا ہے لیکن اگر بہت زیادہ دعاوں کے باوجود بھی بلائیں، مصیبتیں اور نقصان دہ چیزیں دور نہ ہوں، تو بھی یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ: دُعا قبول نہیں ہوئی یا پکار کا جواب نہیں ملا، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ دعا کا وقت ابھی ختم نہیں ہوا۔

اور جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان مصیبتوں کو دور کر دیتا ہے اور دُکھ ٹال دیتا ہے تو سمجھو کہ دعا کا وقت ختم ہو گیا۔ یہاں سے پتا چلتا ہے کہ دعا میں عبودیت کا ایک بہت بڑا راز پایا جاتا ہے۔

عبودیت کے لئے ضروری ہے کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اور وہ اس طرح کہ انسان اپنے عجز کا اظہار کرتا ہوا دعا کے ذریعے اپنے رب کی پناہ میں آئے، اس کے ساتھ ساتھ اپنے رب کی ربوبیت کی کاروائیوں میں دخل اندازی یا اُن پر اعتراض نہ کرے اور تمام امر و تدبیر کی باگ ڈور اُس اکیلے کے حوالے کر دے، اس کے ساتھ ساتھ وہ اُس کی حکمت پر مکمل بھروسا رکھے، اس کی رحمت پر کوئی اعتراض نہ کرے۔

جی ہاں! یہ حقیقت آیات بینات کے ذریعے ثابت ہو چکی ہے کہ موجودات تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی حالت میں ہیں۔ ہر مخلوق ایک خاص تسبیح، خاص عبادت اور خاص سجدے میں مصروف ہے۔ عبادت کے ان لاتعداد حالات و اطوار کے بطن سے دعا کے ایسے راستے نکلتے ہیں جو ربِّ عظیم کے حضور پہنچا دیتے ہیں۔

دعا کا صدور یا تو استعداد اور قابلیت کی زبان سے ہوتا ہے، جیسے کہ تمام نباتات و حیوانات کی دعا ہے، اور وہ اس طرح کہ دونوں اُس فیاضِ مطلق سے اپنی اپنی اُس معیّن صورت کی آرزو کرتے ہیں جس میں اس کے اسمائے حسنیٰ کے معانی پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

یا پھر اس دعا کا صدور فطری حاجت کی زبان سے ہوتا ہے جیسے کہ تمام ذی حیات مخلوقات اپنی اپنی اُن ضروری حاجات کے حصول کے لیے دعا کرتی ہیں جو ضروری ہیں لیکن اُن کی طاقت سے باہر ہیں۔ چنانچہ ہر ذی حیات اس جواد مطلق سے اپنی فطری حاجت کی زبان سے وہ عناصر طلب کرتا ہے جو اس کے وجود کے استمرار کے لئے ضروری ہیں اور جو ان کے لیے اُن کے رزق کے مترادف ہیں۔

اور یا پھر اس دعا کا صدور اضطرار کی زبان سے ہوتا ہے، چنانچہ ہر مضطرو بے قرار ذی رُوح کامل التجاء وگریہ زاری کے ساتھ دعا مانگتا اور کسی اَن دیکھے حمایتی کی حمایت چاہتا ہے، بلکہ وہ ہمہ تن اپنے ربّ رحیم کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

دعا کی یہ تینوں قسمیں مقبول ہیں بشرطیکہ کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو جائے جو انہیں غیر مقبول بنا دے۔ دعا کی چوتھی اور سب سے مشہور قسم وہ ہے جسے ہم سب جانتے پہچانتے ہیں اور وہ ہے ہماری دعا اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

الف۔ فعلی وحالی دعا

ب۔ قلبی وقولی دعا

مثال کے طور پر: اسباب اختیار کرنا فعلی دعا ہے یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے کہ اسباب اکٹھے ہو جانے کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اب مسبَّب وجود میں آجائے گا، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایسی وضع اپنائی جائے جو اللہ تعالیٰ سے زبان حال کے ذریعے مسبب یعنی مطلوبہ چیز طلب کرنے کے لیے مناسب اور اُسے راضی کرنے والی ہو، حتیٰ کہ کھیتی باڑی اور کاشتکاری بھی رحمت الٰہیہ کے خزانے کا دروازہ کھٹکھٹانے کے مترادف ہے۔ اور فعلی دعا کی یہ قسم چونکہ اسم گرامی "الجواد" اور اس کے عنوان کی طرف رُخ کیے ہوئے ہے اس لئے یہ عام حالات میں شرفِ قبولیت پاتی ہے اور رد نہیں ہوتی۔

رہی دوسری قسم: تو وہ ہے زبان اور دل کے ساتھ دعا، یعنی اُن مطالب وحاجات کے حصول کی طلب جو دسترس سے باہر ہیں۔ تو اس دعا کی اہم ترین جہت، لطیف ترین مقصد اور لذیذ ترین پھل یہ ہے کہ دعا کنندہ اس بات کا ادراک کر لے کہ کوئی ہے جو اس کے دل کی آوازیں سنتا ہے اور ہر چیز اُس کی دسترس میں ہے، جو اُس کی تمام خواہشات ورغبات کو پورا کرنے پر قادر ہے، اُس کے عجز پر رحم کھاتا ہے اور اس کے فقر میں اُس کی دادرسی کرتا ہے۔

اس لئے اے عاجز وفقیر انسان! خبردار! اس وسیع رحمت کے خزانے کی چابی اور مضبوط قوت کے سرچشمے یعنی دُعا سے محروم نہ رہنا، اس کا دامن مضبوطی سے تھام لو تا کہ انسانیت کی بلندیوں پر پہنچ جاؤ۔ اور ایک سلطان کی طرح تمام کائنات کی دعا کو اپنی دعا میں ملا کر ایک عبد کلی اور وکیل عام کیطرح ﴿إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کہہ کر اس کائنات کے "احسن تقویم" بن جاؤ۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

## دوسرا مبحث

(پانچ نقطوں پر مشتمل ہے جو کہ انسان کی سعادت وشقاوت کا دار و مدار ہیں۔)

انسان کو اس دنیا میں اِس حیثیت سے بھیجا گیا ہے کہ وہ قدرت کا معجزہ، تخلیق کا حاصل اور صنعتگری کا انوکھا شاہکار ہے، چنانچہ اس کے سامنے دو راستے کھول دیے گئے ہیں جو لا انتہا ترقی وتنزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ اور اسے امتحان کے ایک ایسے میدان میں پھینک دیا گیا ہے جہاں وہ گر بھی سکتا ہے اور ایسے مقامات ودرجات ودرکات میں داخل ہوسکتا ہے جو اسفل سافلین سے لے کر اعلیٰ علیین تک، فرش سے لے کر عرش تک اور ذرّے سے لے کر سورج تک قطار در قطار چلے گئے ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اسے احسن تقویم میں پیدا کیا گیا ہے اور انتہائی جامع قسم کی استعداد سے نوازا گیا ہے۔

یہاں ہم ان پانچ نکات میں انسان کی ہیبت ناک ترقی اور تنزل کا راز آشکار کریں گے۔

### پہلا نکتہ:

انسان کائنات کی اکثر انواع واقسام کا محتاج ہے۔ اور اس کا اُن کے ساتھ گہرا تعلق ہے اس کی حاجات وضروریات کائنات میں ہر طرف پھیلی ہوئی ہیں اور اس کی آرزوئیں اور رغبات وخواہشات ابد تک چلی گئی ہیں۔ وہ جیسے ایک پھول کا طلبگار ہے ویسے ہی ایک ہنستے مسکراتے اور وسیع وعریض موسم بہار کا طلبگار ہے، جیسے وہ خوشنما گلستان اور سبزہ زار کی خواہش رکھتا ہے ایسے ہی ابدی جنت کی خواہش رکھتا ہے، جیسے اپنے محبوب کے دیدار کے لیے بے قرار ہوتا ہے ایسے ہی جنت میں اُس جمیلِ ذوالجلال کے دیدار کا بھی مشتاق ہے۔ جس طرح وہ ایک ایسے کمرے کے دروازے کو کھولنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے جس میں اس کا جگری دوست مقیم ہو، اِسی طرح وہ اس عالمِ برزخ کی ضرورت محسوس کرتا ہے جس میں اُس کے ننانوے فیصد دوست احباب ہیں۔ پھر اسی طرح وہ فراقِ ابدی سے بچنے کے لیے اُس قدیرِ مطلق کے دَر پر پناہ لینے کی ضرورت محسوس کرتا ہے جو عنقریب اس پر وسیع وعریض کائنات کا دروازہ بند کردے گا اور عجائبات سے بھرا ہوا آخرت کا دروازہ کھول دے گا اور جو عنقریب اِس دنیا کو اُٹھا کر اُس کی جگہ پر آخرت کو رکھ دے گا۔

اس لئے ایسی صورتِ حال میں انسان کا معبود صرف وہی ہوسکتا ہے کہ جس کے ہاتھ میں تمام امور کی لگامیں ہوں اور جس کے پاس ہر چیز کے خزانے ہوں جو ہر چیز کا نگران ونگہبان ہو جو ہر جگہ حاضر ہو جو مکان سے منزہ ہو، جو عجز ودرماندگی سے مبرّہ ہو جو کمی سے پاک اور کوتاہی سے بلند ہو جو قادرِ ذوالجلال، رحیم ذوالجمال اور حکیم ذوالکمال ہو، اور یہ اس لیے کہ انسان کی لامحدود حاجات وضروریات وخواہشات کو پورا صرف وہی کرسکتا ہے جو لا انتہا قدرت اور ہر چیز کا احاطہ کرنے والے غیر محدود علم کا مالک ہو؛ پس بندگی کی مستحق صرف ایسی ذات ہی ہوسکتی ہے۔

Marfat.com

پس اے انسان! جب تو اللہ وحدہ کی بندگی اختیار کر لے گا تو ایسے بلند مرتبے پر فائز ہو جائے گا جس پر تمام مخلوقات رشک کریں گی، لیکن اگر بندگی سے کترائے گا، پہلو تہی کرے گا اور اس سے ناواقفیت کا اظہار کرے گا تو پھر یاد رکھ کہ تجھے اس عاجز ولاچار مخلوقات کی غلامی اختیار کرنی پڑے گی۔ اور اگر تو اپنی طاقت اور انانیت پر فخر کرنے لگ گیا اور دعا اور توکل سے کنارہ کش ہو گیا اور تکبر، خود پسندی میں مبتلا ہو کے حق وصواب کے راستے سے دُور ہٹ گیا تو یاد رکھ کہ تجھ میں خیر کی ایجاد کی صلاحیت نہ ہونے کے برابر رہ جائے گی اور تو اس میدان میں چیونٹی، شہد کی مکھی، بلکہ مکڑی اور مکھی سے بھی کمزور ثابت ہوگا اور شر و تخریب کے میدان میں پہاڑ سے زیادہ بوجھل اور طاعون سے زیادہ نقصان دہ ہو جائے گا۔

جی ہاں اے انسان! تیرے دو پہلو ہیں:

ایک پہلو ایجاد، وجود، خیر، ایجابیت اور فعل کا ہے۔

اور دوسرا پہلو تخریب، عدم، شر، سلبیت اور انفعال کا ہے۔

پہلے یعنی ''ایجاد'' کے پہلو سے تُو شہد کی مکھی اور چڑیا سے بھی کم مرتبہ اور مکھی اور مکڑی سے بھی زیادہ کمزور ہے اور دوسرے یعنی ''تخریب'' کے پہلو سے تُو زمین، پہاڑوں اور آسمانوں سے آگے جالیتا ہے، اور تو اپنے کندھے پر وہ چیز بھی اُٹھاتا ہے جس سے یہ سب ڈر گئے تھے اور ان پر اپنی عاجزی و درماندگی کے احساس سے لرزہ طاری ہو گیا تھا۔ اور اس طرح تُو زیادہ وسیع وعریض میدان میں جولانیاں کرسکتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تو خیر اور ایجاد کے میدان میں آئے گا تو اس صورت میں اپنی طاقت، قدرت اور قوت کی وسعت اور کوشش کے حساب سے عمل کرے گا، لیکن جب برائی اور تخریب کاری کے میدان میں اترے گا تو اس صورت میں تیری برائی حد سے بڑھے گی اور اس کی رفتار میں تیزی آئے گی اور تیری تخریب کاری پھیلے گی اور ہر جگہ پہنچے گی۔

مثال کے طور پر کفر برائی، بگاڑ، تخریب اور تکذیب ہے، لیکن یہ ایک اکیلی برائی تمام کائنات کی تحقیر، دھتکار اور بندا تک پہنچا دیتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی تحقیر اور ان کا انکار چھپا ہوا ہے، پھر اس سے انسانیت کی توہین اور تذلیل ٹپکتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان موجودات کا ایک اونچا مقام ہے اور یہ ایک بڑی پُر مغز ڈیوٹی ادا کر رہی ہیں، اس حیثیت سے کہ یہ ربانی مکتوبات سبحانی آئینے اور الٰہی ملازم وخدمتگار ہیں۔ اس لئے کفر صرف یہی نہیں کہ ان موجودات کو ملازمت، خدمت گزاری اور تسخیر کے مقام ومرتبے اور عبودیت کی ذمہ داری سے نیچے گرا دیتا ہے بلکہ اُنہیں بیہودگی اور اتفاقات کی گہری کھائیوں میں پھینک دیتا ہے اور انہیں از بس بے قیمت اور بے وزن مخلوق سمجھتا ہے؛ کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو چیزیں زوال پذیر اور فراق کی زد میں ہیں۔ اور فراق اور زوال دونوں مل کر اپنی تخریبی کاروائیوں کے ذریعے جن چیزوں کا حلیہ تک بگاڑ دیتے ہیں اور انہیں بے معنی، بے فائدہ، بے کار اور بے حاصل بنا کر فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں؛ اُن

Marfat.com

چیزوں کی نہ کوئی اہمیت ہو سکتی ہے اور نہ کوئی قدر و قیمت اور نہ ہی ان سے کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اور پھر اس لیے کفر اسمائے الٰہیہ کا انکار کرتا ہے اور ان سے لاعلمی کا اظہار کرتا ہے، وہ اسماء جن کے نقوش اور حسن و جمال کی تجلیات تمام کائنات اور موجودات کے آئینوں میں جلوہ گر ہیں حتیٰ کہ وہ چیز جسے ''انسانیت'' کہا جاتا ہے جو کہ ایسا حکمت بھرا قصیدہ ہے جس میں تمام مقدس اسمائے الٰہیہ کی تجلیاں جگمگا رہی ہیں اور جو مقدس اسمائے الٰہیہ کی تمام تجلیات کا بہترین طریقے سے اعلان و اظہار کر رہی ہے اور جو قدرت کا نمایاں ترین معجزہ ہے، جو بقا بدوش درخت کے ساز و سامان کے لیے جامع قسم کے حکم کی حیثیت رکھتی ہے، جو خلافتِ ارضی کی علم بردار ہے، جو امانتِ کبریٰ کی حامل ہونے کی وجہ سے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر فوقیت رکھتی ہے اور جس کا پلہ فرشتوں پر بھی بھاری رہا۔ یہ کفر اس انسانیت کو اُن بلند و بالا چوٹیوں سے اٹھا کر ایسے درکات میں پھینک دیتا ہے جو کسی بھی ذلیل، فانی، عاجز، ضعیف اور فقیر مخلوق کے درکات سے زیادہ پست ہوتے ہیں، بلکہ اُسے ایسی معمولی، بے ہنگم اور نفرت خیز صورتوں کے درکات میں لا پھینکتا ہے جو بہت جلد فنا ہونے والی اور دم بدم تغیر پذیر ہیں۔ یاد رہے کہ اس ''انسانیت'' کی زندہ صورت وہ ہے جس کی وجہ سے اسے فرشتوں پر فضیلت دی گئی، اس کا پلہ اُن پر بھاری رہا اور یہ زمین کی خلافت کے مرتبے پر فائز ہوئی۔

**حاصلِ کلام:** یہ بات نفسِ امارہ کے اِمکان میں ہے کہ وہ شر و تخریب کی جہت میں لا انتہا گناہوں کا ارتکاب کر سکتی ہے۔ لیکن خیر و ایجاد کی جہت میں اس کی طاقت محدود اور جزوی سی ہے؛ جی ہاں! انسان ایک گھر ایک دن میں منہدم کر سکتا ہے لیکن اسے تعمیر سو دنوں میں بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن جب انسان ''انانیت'' سے دستبردار ہو جاتا ہے اور توفیق الٰہی سے خیر اور وجود کا طلب گار ہوتا ہے، تمام معاملے کی باگ ڈور اُس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے اور شرّ و تخریب سے دُور ہو جاتا ہے، اور نفس پر اعتماد کرنا چھوڑ دیتا ہے اور یوں توبہ استغفار اور ذکر اذکار کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کا کامل بندہ بن جاتا ہے، تو وہ آیت کریمہ ﴿يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّآتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتا ہے۔ تب اُس کی شر و تخریب کی قابلیت خیر و ایجاد کی قابلیت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اس طرح انسان احسن تقویم کی قیمت پا لیتا ہے اور اعلیٰ علیین کی بلندیوں پر پرواز کرتا ہے۔

اے غافل انسان! ذرا اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ملاحظہ کر کہ عین اُس وقت جب عدل کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک برائی کو سَو بنا کر اور ایک نیکی کو صرف ایک ہی لکھے یا پھر لکھے ہی نہ کیونکہ اس کی خیر و مصلحت کا تعلق خود انسان کے ساتھ ہے، اُس وقت وہ ایک برائی کو تو صرف ایک ہی لکھتا ہے لیکن ایک نیکی کو اُس جیسیاں دس، ستر، سات سَو یا پھر سات ہزار تک لکھ دیتا ہے۔ اس نکتے سے یہ بات سمجھ جاؤ کہ: جہنم میں داخلہ عمل کی سزا ہے اور یہ عین عدل ہے لیکن جنت میں داخلہ محض فضل الٰہی اور خالص رحم و کرم ہے۔

Marfat.com

## دوسرا نکتہ:

انسان کے اندر دو جہتیں ہیں:

پہلی: انانیت کی جہت: جس کی نظرِ حیات دنیا تک محدود ہے۔

دوسری: عبودیت کی جہت: جو کہ حیاتِ ابدی کو نظر میں رکھتی ہے۔

پہلی جہت کے لحاظ سے وہ ایک مسکین مخلوق ہے؛ کیونکہ اس کے پاس جزوی ارادے کی صورت میں جو سرمایہ ہے اُس کی حیثیت بال کی طرح ایک چھوٹے سے جزء کی ہے۔ اقتدار اور اختیار اُس کے پاس نہایت کمزور ہے۔ اس کی زندگی کی حیثیت اس شعلے کی سی ہے جو پَل بھر میں بجھا چاہتا ہو۔ اس کی عمر تیزی سے گزر جانے والا ایک وقفہ ہے اور اس کا وجود ایک ایسا جسم ہے جو بسرعت بوسیدہ ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ انسان کائنات کے باہم گر پیوستہ طبقات میں پائے جانے والے غیر محدود افراد اور اَن گنت انواع واقسام کے مابین ایک نازک، لطیف اور کمزور سے وجود کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور دوسری جہت کی طرف دیکھا جائے جس میں عجز اور فقر کا تعلق عبودیت کے ساتھ ہے، تو اس حیثیت سے انسان بڑی وسعتوں اور عظمتوں کا مالک ہے؛ کیونکہ فاطرُ الحکیم نے اُس کی روحانی ماہیت میں بے انتہا عاجزی اور لامحدود فقر رکھ دیا ہے؛ اس لیے کہ یہ اُس ذات کی غیر محدود تجلیات کو منعکس کرنے والا وسیع وعریض آئینہ بن جائے جو قدیرُ الرحیم ہے اور جس کی قدرت اور رحمت کی کوئی حد نہیں، اور غنیُّ الکریم ہے اور جس کے غناوکرم کی کوئی حد نہیں۔

جی ہاں، انسان ایک بیج کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے بیج کو ''قدرت'' کی طرف سے ایک معنوی نظام سے نوازا گیا ہے اور تقدیر کی جانب سے اس کے اندر ایک بڑا اہم اور گہرا لائحہ عمل رکھ دیا گیا ہے تاکہ وہ مٹی کے باطن میں نوعمل ہو سکے اور تاکہ نشوونما پاکر اس تنگ وتاریک عالم سے کھلی ہوا اور وسیع کائنات میں منتقل ہو سکے اور تاکہ وہ آخر میں ایک مکمل درخت بننے اور اپنے مطلوبہ کمال کو پہنچنے کے لیے اپنی استعداد اور قابلیت کی زبان کے ساتھ اپنے خالق کے حضور گڑگڑائے۔ لیکن اگر یہ بیج اپنی بدمزاجی اور فسادِ ذوق کی وجہ سے نقصان دہ مواد کو جذب کرنا شروع کر دے اور اپنے معنوی نظاموں کو اس مواد میں صرف کرنا شروع کر دے جس سے اُسے کوئی سروکار نہیں ہے، تو انجام بے شک وشبہ خطرناک ہوگا، کیونکہ وہ بیج اُسی تنگ وتاریک جگہ میں بوسیدہ ہو کر گل سڑ جائے گا۔ لیکن اگر اُس نے اپنے اس معنوی نظام کو ﴿فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى﴾ (حاشیہ:۱) والے تکوینی امر کے تابع کر لیا اور اس کا استعمال خوبصورت طریقے سے کیا تو پھر یہ بیج اپنی اس تنگ وتاریک دنیا کے اندر بہت جلد پھوٹ پڑے گا تاکہ ایک قد آور ثمر دار درخت بن سکے اور تاکہ اُس کی جزوی حقیقت اور اُس

---

(حاشیہ:۱) الفرقان:70

Marfat.com

کی چھوٹی سی معنوی روح اپنی حقیقی، کلّی اور بڑی صورت میں جلوہ گر ہو جائے۔ انسان کی صورت حال بھی بالکل بیج ہی کی طرح ہے، اس کی ماہیت میں بھی قدرتِ الٰہیہ کی جانب سے بڑے اہم قسم کے نظام رکھ دیے گئے ہیں، اور تقدیر الٰہی کی طرف سے اسے انتہائی گہرے اور قیمتی پروگراموں سے نوازا گیا ہے۔ پس یہ انسان جب تقدیر اور اختیار کے باب میں غلطی کرتا ہے اور اپنے معنوی ساز و سامان کو دنیاوی زندگی کے پاتال کے نیچے اور زمین کی تنگ اور محدود دنیا میں اور ہوائے نفس کی رضا جوئی کے لیے استعمال کرتا ہے تو یہ اُس گلے سڑے بیج کی طرح متعفّن ہو جائے گا اور گل سڑ جائے گا۔ صرف اُس تنگ اور محدود جگہ اور دکھ دائیک اور غم انگیز حالت میں عمر قصیر کے چند لمحات میں ایک جزوی سی لذّت کے حصول کی خاطر!

اور اس کی مسکین روح پر اس معنوی ذمہ داری کا تمام بوجھ پڑ جائے گا تب یہ انسان اس دنیا سے خائب و خاسر و نامراد کوچ کرے گا۔

لیکن اگر انسان اپنی استعداد کے بیج کی نشو و نما اور آبیاری اسلام کے پانی سے کرلے اور اس کے خورد و نوش کا انتظام خاکِ عبودیت کے نیچے ایمان کی روشنی کے ساتھ کرے، اِس طرح کہ معنوی کل پُرزوں اور صلاحیتوں کا رُخ قرآنی اوامر کی تعمیل میں اُن کے حقیقی مقاصد کی طرف رکھے تو پھر یہ بیج بہر صورت اور بہت جلد پھوٹے گا، اُس کی شاخیں اور ٹہنیاں پھیلتی چلی جائیں گی، پتے لگیں گے اور کلیاں چٹکیں گی اور اس کے پھول عالم برزخ میں جا کھلیں گے اور عالمِ آخرت میں اور جنت میں وہ بے حد و حساب اور با کمال نعمتوں کی فصلیں اُگائے گا۔ اور یوں انسان ایک ایسا قیمتی بیج بن جائے گا جو ہمہ گیر اور دائمی حقیقت اور باقی رہنے والے درخت کے تمام کل پُرزوں پر مشتمل ہو اور ایک نفیس اور خوبصورت رونق دار آلہ بن جائے گا اور شجرِ کائنات کا مبارک اور منوّر پھل بن جائے گا۔

جی ہاں، حقیقی ترقی اس میں ہے کہ دل، سر، روح، عقل حتیٰ کہ خیال اور انسان کو عطا شدہ دیگر تمام قوتوں کا رُخ ابدی اور باقی رہنے والی زندگی کی طرف کر دیا جائے اور ان میں سے ہر ایک کو عبودیت کے ایسے وظیفے میں مصروف کر دیا جائے جو بالخصوص اس کے مناسبِ حال ہو۔

رہا اہل ضلالت کا یہ وہم کہ ترقی صرف زندگی کی فضولیات میں ڈوب جانے، اس کی بے قیمت لذتوں سے لطف اندوز ہونے اور اس کی فانی لذتوں کی جزئیات پر مَر مٹنے اور کلیات کے حسن و جمال اور ہمیشہ اور باقی رہنے والی لذتوں کی طرف التفات ہی نہ کرنے کا نام ہے، اور اس ضمن میں وہ قلب و عقل اور تمام انسانی لطائف کو نفس امارہ کے مسخر اور ماتحت کر کے انہیں اُس کی خدمت میں لگا دیتے ہیں، تو یاد رہے کہ اسے کسی بھی صورت میں ترقی نہیں کہا جا سکتا ہے، بلکہ یہ تنزّل، انحطاط، سقوط اور ہبوط ہے۔

میں نے اس حقیقت کو ایک خیالی واقعے میں کچھ ایسی مثال کی صورت میں دیکھا۔

Marfat.com

میں ایک بہت بڑے شہر میں داخل ہوا، دیکھا کہ وہاں بڑے اونچے اونچے محلات ہیں مجھے بعض محلوں کے دروازے نظر آئے اور ان محلوں کے سامنے لہو ولعب کی بڑی پر رونق اور خوشیوں بھری محفلیں برپا نظر آئیں جن میں بڑی کشش اور جاذبیت تھی۔ پھر میں نے غور سے دیکھا تو ایک محل کا مالک اپنے محل کے دروازے کے سامنے کھڑا اپنے کتے سے دل بہلا رہا تھا اور عورتیں کچھ اجنبی نوجوانوں کے ساتھ خوش گپیاں کر رہی تھیں، اور دوشیزائیں بچوں کے کھیل کود کا ساز وسامان ترتیب دے رہی تھیں، اور محل کا دربان اس تمام مجمعے کی قیادت اور نگرانی کر رہا تھا۔ تو میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ مکاں مکینوں سے خالی ہے اس لیے یہاں گھروں میں ہونے والے کسی بھی نازک کام کاج کی رونق نظر نہیں آ رہی ہے۔ اور یہ لوگ جو اِس وقت رونقِ محفل بنے ہوئے ہیں انتہائی مردہ اخلاق، بے ضمیر، بے عقل اور مردہ دل لوگ ہیں اس لیے چوپاؤں کی طرح آوارہ ہیں اور محل کے سامنے بے ہنگم اُچھل کود میں مصروف ہیں۔

پھر میں تھوڑا سا آگے چلا تو ایک دوسرا محل نظر آیا اُس کے دروازے کے آگے ایک کتا سویا ہوا تھا اور پاس ہی ایک مضبوط جسم کا پُر وقار اور خاموش طبیعت کا گیٹ کیپر کھڑا تھا اور محل کے سامنے کوئی بھی حیران کن یا قابل توجہ چیز نظر نہ آئی۔ میں اس پر اسرار خاموشی پر بڑا حیران ہوا اور میرے دل میں وجہ جاننے کی خواہش اُٹھی کہ وہ ویسا کیوں تھا اور یہ ایسا کیوں ہے؟ چنانچہ میں محل کے اندر داخل ہو گیا۔ اب دیکھا تو تمام محل اس کے باسیوں سے بھرا ہوا تھا، ہر کوئی اپنی اپنی نازک ڈیوٹی بڑی خوشی، خاموشی اور خوش دلی کی فضا میں ادا کر رہا تھا۔ چنانچہ محل کی پہلی منزل پر کچھ لوگ اس کا نظم وضبط کنٹرول کر رہے تھے، اِس سے اوپر والی منزل میں بچے بچیاں پڑھ رہے تھے، تیسری منزل میں بیگمات کپڑوں کی سلائی، کڑھائی اور مینا کاری کا کام کر رہی تھیں اور آخری منزل میں محل کا مالک باسیوں کے امن وسکون، تعمیر وترقی اور آزاد اور خوش باش زندگی کے لئے حکمران کے ساتھ ٹیلیفونک رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہاں ہر آدمی اپنی اپنی جگہ پر اپنی مخصوص ڈیوٹی کمال حسن وخوبی کے ساتھ نبھا رہا تھا۔ میں چونکہ ان لوگوں کو نظر نہیں آ رہا تھا اس لئے مجھے کسی نے روکا نہیں اور میں محل میں آزادانہ گھومتا پھرتا رہا اور اسی وجہ سے تمام کاموں کا جائزہ بغیر کسی کھٹکے کے پوری آزادی سے لیتا رہا۔ پھر میں نے محل سے باہر نکل کر شہر میں گھومنا پھرنا شروع کر دیا، میں نے دیکھا کہ شہر میں ہر جگہ یہ دونوں قسم کے محلات اور عمارتیں پائی جاتی ہیں، میں نے اس بارے میں پوچھا تو مجھے جواب ملا کہ: پہلی قسم کے محلات جو اندر سے خالی ہیں لیکن اُن کے باہر والے اور سامنے والے حصے بڑے خوبصورت، دلکش، مزین اور پر رونق نظر آ رہے ہیں وہ ائمہ کفر وضلالت کے ٹھکانے ہیں اور دوسری قسم کے محلات حیادار اور غیرت مند اکابر مومنین کے مسکن ہیں۔ پھر میں نے شہر کے ایک کونے میں ایک محل دیکھا جس پر لکھا ہوا تھا (سعید)، تو مجھے اس پر بڑی حیرانی ہوئی۔ پھر میں نے ذرا غور سے دیکھا تو محسوس ہوا کہ اس میں میری تصویر جھلک رہی ہے میری تو مارے دہشت کے چیخ نکل گئی اور میں خیال کی اس دنیا سے باہر آ گیا۔

Marfat.com

اب میں اللہ کی توفیق سے اس خیالی واقعے کی تفسیر کرتا ہوں: وہ شہر نوعِ بشری کی اجتماعی زندگی اور انسانی تہذیب و تمدن ہے، اور اس کے ہر محل سے مراد انسان ہے۔ رہے اس محل کے باشندے تو ان سے مراد انسان کے اعضاء جوارح ہیں جیسے آنکھ کان وغیرہ، اُس کے لطائف ہیں جیسے قلب و روح سِرّ وغیرہ، اُس کی خواہشات و میلانات ہیں جیسے حرص و ہوا اور قوتِ شہوانیہ و قوّت غصبیہ وغیرہ۔ اور اُن لطائف میں سے ہر لطیفہ ایک معیّن عبودیت کا وظیفہ ادا کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے اور اس کی اپنی لذتیں اور اپنے دکھ ہیں۔ رہا نفس، حرص و ہوا، قوتِ شہوانیہ اور قوتِ غصبیہ وغیرہ، تو یہ سب کے سب گیٹ کیپر اور کتے کے حکم میں ہیں۔ اب ان بلند قدر لطائف کو نفس و ہوائے نفس کے حکم کے تابع کر دینا اور ان کے اصل وظائف کا حلیہ بگاڑ دینا بے شک سقوط و انحطاط ہے نہ کہ ترقی و عروج۔ اب باقی تمام جہتوں کو اس تعبیر پر قیاس کر لو۔

## تیسرا نکتہ:

انسان فعل و عمل کی جہت سے اور مادی تگ و دو کے اعتبار سے ایک ضعیف جاندار اور عاجز مخلوق ہے، اس جہت سے اس کے تصرفات اور ملکیت کا دائرہ تنگ اور محدود ہے، بالکل اُس کے چھوٹے سے ہاتھ کی لمبائی کے برابر، حتی کہ وہ پالتو جانور جن کی باگ ڈور انسان کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے، اُن جانوروں میں انسان کے ضعف و عجز اور کسلمندی کا ایک بڑا حصہ سرایت کر چکا ہے، دلیل کے لیے پہاڑی بکری اور گھریلو بکری، جنگلی بیل اور پالتو بیل کے درمیان موازنہ کر کے دیکھ لو تمہیں بہت بڑا فرق نظر آئے گا۔

لیکن انفعال، قبول کرنے اور دعا و سوال کی جہت سے انسان دنیا کے اس مہمان خانے میں ایک معزز مہمان ہے ،مولائے کریم نے اس کی انتہائی معزز طریقے سے مہمان نوازی کی ہے حتی کہ اُس کے لیے اپنی وسیع رحمت کے خزانے کھول دیے ہیں اور اپنی بے نظیر اور لامحدود مصنوعات کو خُدّام و حشم کی طرح اُس کے تابع فرمان کر دیا ہے اور اس کی سیر و تفریح، راحت و رامش اور حصولِ منفعت کے لیے انتہائی وسیع میدان مہیا کر دیا ہے جس کا نصف قُطر وہاں تک ہے جہاں تک اُس کی آنکھ بلکہ اس کا خیال جا سکتا ہے۔

پس اگر انسان اپنے غرور اور انانیت پر بھروسا کرے گا اور دنیاوی زندگی کو ہی اپنی آرزوؤں کی غرض و غایت بنا لے گا تو اس کی جدوجہد حصولِ معاش کی بھاگ دوڑ اور ان سے حاصل ہونے والی عارضی لذتوں میں منحصر ہو کر رہ جائے گی تو بہت جلد وہ ایک تنگ سے دائرے میں محصور ہو کر رہ جائے گا اور اس کی تمام تگ و تاز لا حاصل جائے گی اور اُسے جن اعضاء و جوارح، لطائف اور دیگر کل پرزوں سے نوازا گیا ہے وہ سب کے سب حشر کے روز سراپا احتجاج، سراپا غیظ و غضب اور سراپا انتقام ہو کر اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ لیکن اگر انسان اس بات کا ادراک کر گیا کہ وہ ایک معزز مہمان ہے اور اس نے اپنی تمام حرکات و سکنات میں اپنے میزبان یعنی ذاتِ کریم ذوالجلال کی مرضی کو پیش نظر رکھا اور اپنی عمر کے سرمایہ کو شرعی

Marfat.com

دائرے کے اندر صرف کیا تو پھر اس کی ہر سرگرمی اور ہر عمل اتنے وسیع و عریض دائرے کے اندر رہے گا جو ابدی اور سرمدی زندگی تک پھیلا ہوا ہے، اور وہ امن و سلامتی اور اطمینان کی زندگی بسر کرے گا، سکون بخش فضا میں آزادانہ سانس لے گا اور اعلیٰ علّیین تک پہنچنا اس کے امکان میں ہوگا۔ اور یوں اس کے تمام اعضاء و جوارح اور لطائف جو اُسے اللہ نے عطا کیے ہیں وہ سب کے سب آخرت میں اس کے حق میں گواہی دیں گے۔

جی ہاں، یہ اعضاء و جوارح اور جسم کے دوسرے کل پرزے جو انسان کو عطا کیے گئے ہیں وہ صرف اسی خسیس زندگی کے لیے نہیں ہیں بلکہ یہ نعمتیں اُسے اہمیت والی باقی اور دائمی زندگی کے لیے عطا کی گئی ہیں؛ کیونکہ جب ہم انسان اور حیوان کے مابین موازنہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انسان کو حیوان کے مقابلے میں سو فیصد زیادہ آلات و اوزار سے نوازا گیا ہے اور اس باب میں وہ حیوان سے کہیں زیادہ مال دار ہے، لیکن وہ دنیاوی لذّات سے لطف اندوز ہونے کی حیثیت سے اُس سے سو درجہ زیادہ فقیر ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب بھی کسی لذت سے لطف اُٹھاتا ہے اُس کے نتیجے میں اُسے ہزاروں دکھوں، مصیبتوں اور بدمزگیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے: ماضی کے دکھ ہیں اور حال کی بدمزگیاں ہیں، مستقبل کے خوف ہیں اور آنے والے دور کے وہم ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ حاصل ہونے والی لذّت کے زوال سے جنم لینے والے آلام ان پر مستزاد ہیں۔ یہ سب کے سب اس کے مزے، ذائقے اس کی چاشنیاں اور لطف اندوزیاں غارت کر دیتے ہیں؛ کیونکہ ہر لذّت اپنے پیچھے الم کے آثار چھوڑ دیتی ہے۔ لیکن حیوان کی حالت یہ نہیں ہے، حیوان بغیر اَلم کے لذت اٹھاتا ہے اور تمام اشیا کے ذائقوں سے بغیر کسی تکدّر اور بدمزگی کے لطف اندوز ہوتا ہے، چنانچہ نہ اُسے ماضی کے دُکھ عذاب دیتے ہیں اور نہ مستقبل کے خوف ہراساں کرتے ہیں اس لئے وہ اپنے خالق کا شکر اور حمد و ثنا کرتا ہوا بڑی راحت بھری اور خوش باش زندگی بسر کرتا اور گہری نیند سوتا ہے۔

پتا چلا کہ انسان جسے ''أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ'' میں پیدا کیا گیا ہے جب وہ اپنی سوچ کو صرف دنیاوی زندگی میں منحصر کرلے گا تو پستیوں میں جا گرے گا اور چڑیا جیسے جانور سے بھی سو درجے نیچے چلا جائے گا، حالانکہ وہ اپنے سرمایہ حیات کی حیثیت سے حیوان سے سو درجے زیادہ بلند ہے۔ اس مسئلے کی وضاحت میں نے کسی اور جگہ پر ایک مثال کے ساتھ کی ہے، موضوع کی مناسبت سے اُسے یہاں دوبارہ درج کرتا ہوں:

ایک آدمی نے اپنے خادم کو سونے کے دس دینار دیے اور اسے کہا کہ وہ ان سے اپنے لئے کسی بہترین کپڑے کا ایک سوٹ بنالے اور اپنے دوسرے خادم کو سونے کے ایک ہزار دینار دیے ان کے ساتھ کچھ چیزوں کی ایک چھوٹی سی لسٹ بھی لگا دی اور دینار اور لسٹ اس کی جیب میں ڈال دیے اور ان دونوں کو بازار روانہ کر دیا۔ پہلے خادم نے اپنے دس دیناروں سے پُرفخر سوٹ خرید لیا اور دوسرے خادم نے اپنی حماقت اور کم عقلی کی وجہ سے اس کی تقلید میں جیب میں پڑی لسٹ دیکھنے کی

Marfat.com

زحمت کیے بغیر ہزار کے ہزار دینار ایک دکاندار کو تھما دیے اور اُس سے کپڑے طلب کیے، اُس ظالم دکاندار نے بے کار کپڑے سے سوٹ اُس کے حوالے کر دیے پھر جب وہ واپس مالک کے پاس آیا تو مالک کا تو اُسے دیکھ کر پارہ چڑھ گیا۔ چنانچہ اس نے اُسے بہت جھڑکیاں دیں، اس کی سرزنش کی اور اُسے سخت سزا بھی دی۔

اب جس آدمی کے پاس تھوڑی سی بھی سوچ سمجھ ہے یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس دوسرے خادم کو ایک ہزار دینار صرف ایک سوٹ خریدنے کے لیے نہیں بلکہ کسی نفع بخش کاروبار کے لیے دیے تھے۔

انسان کو عطا کیے گئے ان باطنی آلات واوزار اور انسانی لطائف کی حالت بھی یہی ہے کہ یہ آلات واوزار اور کل پرزے حیوان کو عطا کیے گئے کل پرزوں سے سوگنا زیادہ قوی اور کارآمد ہیں، مثال کے طور پر انسان کی آنکھ جو حُسن و جمال کے تمام مراتب میں امتیاز کرتی ہے، اس کی قوت ذائقہ جو طرح طرح کے مأکولات ومشروبات کے تمام خصوصی ذائقوں میں تمیز کرتی ہے، اس کی عقل جو کہ حقائق کی گہرائیوں تک پہنچتی ہے اور اُن کی دقیق تفصیلات تک نفوذ کرتی ہے، اور اس کا دل جس میں ہر قسم کے کمالات کی بلندیوں تک پہنچنے کا اشتیاق اور ارمان ہے، ان سب کا حیوان کی آنکھ، عقل اور دل اور دیگر سیدھے سادھے اعضاء وقُویٰ کے ساتھ کیا جوڑ ہے جن کا ظہور وانکشاف صرف ایک یا دو درجوں میں ہوا ہے؟۔ یقیناً ان کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔ البتہ یہ ہے کہ کچھ خاص حیوان ایسے ہیں جن کا کوئی خاص عضو کسی معین عمل کے لیے مخصوص ہے، اس کے اس خصوصی عضو کی یہ قوت انسان کی قوت سے بڑھ جاتی ہے۔ لیکن یہ بڑھوتی اِس لیے ہوتی ہے کہ انسان کے اُس عضو کے ذمے وہ کام نہیں ہوتے ہیں جو وہ حیوان کرتا ہے۔

انسان کو جو اِس کثرت سے آلات واعضاء عطا کیے گئے ہیں اس میں راز یہ ہے کہ: انسان کے پاس جو عقل وفکر کا سرمایہ ہے اُس کی وجہ سے اُس کے حواس ومشاعر ولطائف کی قوت، نشوونما اور وسعت وانکشاف میں اضافہ ہو گیا ہے، اور اس کی بہت زیادہ حاجات وضروریات کی وجہ سے اُس کے احساسات ومشاعر متعدد اور متنوع ہو گئے ہیں، اور پھر وہ چونکہ ایک جامع قسم کی فطرت کا مالک ہے اس لئے وہ بہت زیادہ امیدوں آرزؤوں اور گوناگوں مقاصد کی توجہ کا مرکز ومحور بن گیا ہے۔ اور اُس کے فطری وظائف چونکہ بہت سے ہیں اِس لیے اُس کے آلات واُعضاء وسعت پکڑ گئے ہیں۔ اور اس کی انواع واقسام کی عبادت کے لیے تیار کی گئی عجیب وغریب فطرت کی وجہ سے اُسے ایسی جامع قسم کی استعداد سے نوازا گیا ہے جو ہر قسم کے کمالات کے بیجوں کا مجموعہ ہے؛ اس لئے اسے جو اس طرح کے اور اتنے زیادہ آلات سے نوازا گیا ہے اس کا یہ مطلب کبھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اسی قیمتی سرمائے سے صرف یہ عارضی اور فانی زندگی حاصل کرنے کا کام ہی لے اور بس، بلکہ انسان کی انتہائی غرض وغایت یہ ہے کہ وہ ان آخری درجے کے مقاصد تک دسترس رکھنے والے وظائف کے ساتھ وفا کرے اور انہیں کما حقہ استعمال کرے۔ اور اپنی عبودیت کی صورت میں اللہ کی جناب میں اپنے عجز وفقر اور کمی کوتاہی کا

Marfat.com

اظہار کرے، اپنی وسیع نظر کے ساتھ موجودات کی تسبیحات کا مشاہدہ کرے اور ان کا شاہد بن جائے، رحمت الٰہیہ جو نعمتیں مہیا کر رہی ہے اُن پر اطلاع پائے اور ان پر اللہ کا شکر ادا کرے اور ان مصنوعات کے اندر پائے جانے والے قدرتِ ربانیہ کے معجزات کا معائنہ کر کے ان میں غور وفکر کرے اور انہیں عبرت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھے۔

اے دنیا کے پرستار اور فانی زندگی کے عاشقِ زار اور ''أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ '' کے راز سے غافل انسان! ایک خیالی واقعہ سنو جس میں دنیا کی حقیقت مجسم ہو کر سامنے آئی ہے۔ یہ وہ واقعہ ہے جو ''قدیم سعید'' نے دیکھا تھا اور جس نے اُسے ''جدید سعید'' بنا دیا ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ:

میں نے خود کو ایسے دیکھا کہ جیسے میں ایک طویل راستے پر سفر کر رہا ہوں یعنی کسی دُور دراز جگہ پر بھیجا جا رہا ہوں، اور میرے مالک نے میرے لیے ساٹھ کے قریب سونے کے دینار مخصوص کیے ہیں جن سے وہ مجھے روزانہ کے حساب سے تھوڑے بہت دیتا جو وقتاً فوقتاً مجھے ملتے رہیں گے۔ میں چلتا چلاتا تھیٹر کی طرح کے ایک ہوٹل میں پہنچ گیا جہاں عیش وطرب شہرت پرستی کا ہر سامان مہیا تھا۔ میرے پاس اس وقت دس دینار تھے جو میں نے جوئے کی میز پر ایک ہی رات میں ہار دیے۔ اب میں صبح خالی ہاتھ تھا، میں نے نہ تو کوئی کاروبار کیا اور نہ ہی کوئی ایسی چیز خریدی جو منزلِ مقصود پر پہنچ کر میرے کام آتی۔ جوئے، شب بیداری اور اس جیسی دیگر غیر شرعی لذتوں سے حاصل ہونے والے آلام ومصائب اور احساس گناہ کے غم سے میں کفِ افسوس مل رہا تھا کہ اچانک میرے سامنے ایک آدمی آ کھڑا ہوا اور گویا ہوا:

''تو نے اپنا تمام سرمایہ بے فائدہ صرف کر دیا ہے اِس لیے طمانچے کا مستحق بن گیا ہے اب تُو منزل پر اس حالت میں پہنچے گا کہ تیرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہوگی! تاہم اگر تیرے پاس سوچ سمجھ والی کوئی چیز ہے تو پھر عقل کے ناخن لے کیونکہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اب جو پندرہ دینار تجھے ملنے والے ہیں اُن میں سے تو آدھے سنبھال کر رکھ سکتا ہے اور منزل پر پہنچ کر ان سے ضرورت کی چند چیزیں خرید سکتا ہے۔'' تب میں نے اس بارے میں اپنے نفس کے ساتھ مشورہ کیا تو دیکھا کہ وہ اس تجویز پر راضی نہیں ہو رہا تھا۔ اس آدمی نے کہا آدھے نہیں تو تیسرا حصہ ہی بچا لو لیکن میرا نفس اس پر بھی راضی نہ ہوا۔ پھر اس نے کہا: چلو چوتھا حصہ ہی رکھ لو میں نے اپنے نفس کی طرف دیکھا تو وہ اپنی پرانی عادت سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تب وہ آدمی غصے سے جدھر سے آیا تھا اُدھر واپس چلا گیا۔ اور پھر اچانک تمام منظر ہی بدل گیا۔

میں نے دیکھا کہ میں ایک تیز رفتار ٹرین میں بیٹھا ہوا ہوں جو زمین دوز سرنگ میں چل رہی ہے، مجھ پر تو گویا ایک دہشت طاری ہوگئی لیکن میں اُس سے نکل کر ادھر اُدھر بھاگ بھی نہیں سکتا تھا، اور عجیب بات یہ ہے کہ ٹرین کے دائیں بائیں طرف انتہائی پُرکشش اور جاذبِ نظر پھول اور لذیذ پھل ناظرین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا رہے تھے، اور میں نادانوں کی طرح ادھر دیکھتا ہی چلا جا رہا تھا اور ہاتھ بڑھا کر پھول اور پھل توڑنا چاہتا تھا، لیکن وہ سب کانٹوں سے بھرے ہوئے تھے ہاتھوں

Marfat.com

کو زخمی کر رہے تھے۔اور ٹرین تھی کہ پوری رفتار سے بھاگی جارہی تھی، اس لیے میں بے فائدہ کوشش میں مصروف رہا۔ اچانک ٹرین کے ایک ملازم نے مجھے کہا لاؤ مجھے پانچ روپے دو میں تمہیں جتنے پھل اور پھول چاہتے ہو لا کر دیتا ہوں وگرنہ اس طرح تو تم سو روپے کے زخم ہی لگا بیٹھو گے، پھر یہ بھی یاد رکھو کہ جس طریقے سے تم یہ پھل پھول توڑنے کی کوشش کر رہے ہو وہ غیر قانونی ہے اور تمہیں اس کی سزا بھی مل سکتی ہے۔میرے لئے یہ حالت بڑی تکلیف دہ تھی۔ میں نے کھڑکی سے آگے کی طرف دیکھا اور تنگ آ کر کہا: یہ سرنگ کب ختم ہوگی؟۔تو میں نے دیکھا کہ وہاں سرنگ کے دروازے کی بجائے باہر نکلنے کے لیے بہت سی کھڑکیاں اور روشندان نظر آ رہے ہیں اور ٹرین کے مسافروں کو اُن کھڑکیوں اور روشندانوں سے باہر پھینکا جا رہا ہے اور میں نے دیکھا کہ ایک کھڑکی میرے عین بالمقابل تھی اور اس کے دونوں طرف ان پتھروں کی طرح کے دو پتھر نصب کیے ہوئے تھے جو قبر کے دونوں طرف نشانی کے لیے رکھتے ہیں۔ میں نے ذرا غور سے دیکھا تو ایک پتھر پر بڑے جلی حروف کے ساتھ ''سعید'' لکھا ہوا نظر آیا، تو میں حیرانی کے عالم میں چیخ اُٹھا کہ: ہائے افسوس۔تب میرے کانوں میں اُس آدمی کی آواز پڑی جس نے اُس ہوٹل کے دروازے پر مجھے نصیحتیں کی تھیں، اُس نے کہا: کیا نشہ ہرن ہوگیا؟ میں نے کہا: ہاں، لیکن میرا جسم ٹوٹا جا رہا ہے، میں بے بس ہو چکا ہوں۔تو اُس نے کہا: توبہ کرو اور توکل کرو! میں نے کہا: میں نے توبہ کی اور توکل کیا۔ پھر میں ہوش میں آ گیا تو ''قدیم سعید'' درمیان سے جا چکا تھا اور اس کی جگہ ''جدید سعید'' آ گیا تھا۔ ہم اللہ سے امید کرتے ہیں کہ وہ اس خیالی واقعے کو بہتری اور بھلائی کا ذریعہ بنادے۔

میں اس واقعے کے کچھ حصے کی تفسیر تمہیں بتاتا ہوں اور باقی تمہارے لئے چھوڑتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ: یہ سفر وہی ہے جو عالم اُرواح سے شروع ہو کر عالمِ رحم کے مختلف حالات، عالم شباب، عالم شیخوخت، قبر، برزخ، حشر اور صراط سے ہوتا ہوا اَبَدُ الآباد تک چلا جاتا ہے۔

ساٹھ دینار ساٹھ سالہ عمر ہے۔اور میں نے یہ خیالی واقعہ جب دیکھا تھا اُس وقت میں میرا خیال ہے کہ عمر کے پنتالیسویں سال میں تھا اور میرے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں تھی جس کی بنا پر میں کہہ سکتا کہ میں ساٹھ سال تک جی سکوں گا، بس یہ ہوا کہ قرآن کریم کے استاد نے مجھے یہ رہنمائی دی کہ میں عمر کے باقی ماندہ غالباً پندرہ سال آخرت کی راہ میں صرف کروں۔

وہ تھیٹر صرف میرے اپنے لئے استانبول ہے۔اور ٹرین سے مراد زمانہ یا وقتِ رواں ہے۔اور اس میں سے ہر سال ٹرین کے ایک ڈبے کی طرح ہے۔اور سرنگ سے مراد حیات دنیا اور کانٹوں والے پھولوں پھلوں سے مراد حرام لذتیں اور ممنوعہ کھیل کود ہیں کہ ان کے زوال وفراق کے تصور سے دل خون کے آنسو روتا ہے اور ان کی دوری سے دل زخمی ہوتا ہے اور شدید ترین تکلیف جھیلتا ہے۔ٹرین کے ملازم نے جو یہ بات کہی تھی کہ: ''مجھے پانچ روپے دو میں تمہیں تمہارے مطلوبہ پھل

Marfat.com

پھول لا کر دیتا ہوں‘‘، اس کا مطلب یہ ہے کہ: انسان اپنی جائز تگ و دو کے ذریعے اور شرعی دائرے کے اندر رہ کر جو ذائقے حاصل کر لیتا ہے اس کی سعادت اور راحت کے لئے وہی کافی ہیں، اور اس طرح وہ حرام کھانے پر مجبور نہیں ہوتا اور نہ ہی اُسے اُس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ بقیہ کی تفسیر تم خود کر سکتے ہو۔

## چوتھا نکتہ:

انسان اس کائنات میں اس ضعیف اور محبوب بچے کی طرح ہے جو اپنے ضعف میں بہت سی قوت اور اپنے عجز میں عظیم قدرت کا مالک ہوتا ہے؛ کیونکہ یہ اُس کے ضعف کی قوت اور اس کے عجز کی قدرت ہی ہے کہ اس کے سامنے یہ تمام موجودات مسخر و منقاد ہیں۔ پس جب انسان اپنے ضعف کا ادراک کر کے اپنے قول و فعل و حال احوال غرض ہر صورت میں اپنے رب سے دعا مانگتا رہے اور اپنے عجز کا ادراک کر کے اپنے پروردگار سے مدد مانگتا رہے اور کائنات کے اپنے لئے مسخر ہونے پر شکر و ثنا کا خوگر ہو جائے، تو اُسے اپنے مطلوب کو حاصل کرنے کی توفیق ملے گی، اُس کے مقاصد اس کے سامنے سرنگوں ہوں گے، اُس کی آرزوئیں بر آئیں گی اور تمنائیں اُس تک سر کے بل آئیں گی۔ حالانکہ اگر وہ اپنی جزوی اور محدود سی ذاتی قدرت کے ساتھ یہ سب کچھ حاصل کرنا چاہے تو اپنی عاجزی و درماندگی کی وجہ سے اِن کا ایک فیصد بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان جو اغراض و مقاصد اُس دعا کے ذریعے حاصل کرتا ہے جو وہ اپنی زبانِ حال سے ہمہ وقت کرتا رہتا ہے، اُن کے حصول کو وہ اپنی ذاتی قدرت کا کمال قرار دے دیتا ہے۔ مثال کے طور پر: مرغی کے بچے کے ضعف و عجز میں جو قوت چھپی ہوئی ہے وہ اُس کی ماں کو اس قدر بہادر بنا دیتی ہے کہ وہ اُس سے شیر پر حملہ کروا دیتی ہے اور شیر کا نوزائیدہ بچہ بھوکے درندہ شیر کو اس طرح مسخر کر لیتا ہے کہ وہ خود تو پیٹ بھر کر کھاتا ہے لیکن شیر بھوکا دھاڑتا رہتا ہے۔ کمزوری میں جو قوت پنہاں ہے اور رحم و کرم کی جو تجلی پائی جاتی ہے وہ بھی قابلِ دید اور عبرت خیز ہے۔

تو جس طرح ایک پیارا اور نرم و نازک بچہ اپنی گریہ و زاری سے، یا اپنی چیخ و پکار سے، اور یا اپنی غمگین حالت کے ساتھ دوسروں کی شفقت حاصل کر لیتا ہے، اور اپنے مطالبات منوا لیتا ہے، بڑے بڑے طاقت وروں کے سر بھی اس کے سامنے جھک جاتے ہیں اور اس طرح وہ اپنے اتنے مطالبات حاصل کر لیتا ہے کہ اگر اپنی کمزور سی قوت استعمال کرے تو اس کا ہزارواں حصہ بھی حاصل نہ کر پائے۔ اس سے پتا چلا کہ اس کا ضعف و عجز ہی ایسی چیزیں ہیں جو اُس کے لئے دوسروں کے دلوں میں شفقت اور حمایت کے جذبات پیدا کرتی ہیں اور اُس کے اس ضعف عجز میں وہ طاقت ہے کہ وہ بڑے بڑے سورماؤں کو اپنی انگلی کے اشارے پر چلا لیتا ہے اب یہ بچہ اگر اس شفقت اور رحمت کا انکار کر دے اور اس حمایت پر شک کرے اور اس سے بدگمان ہو جائے اور حماقت اور غرور سے یہ کہے کہ: ’’مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں بڑے بڑے طاقتوروں کو اپنی انگلی کے اشارے پر نچا سکتا ہوں‘‘، تو بلا شک وہ منہ پر تھپڑ کھانے کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح انسان اگر اپنے خالق کی

Marfat.com

رحمت کا انکار کر دے اور اس کی حکمت پر طعنہ زنی کرے اور اُسی طرح کہنا شروع کر دے جیسے قارون نے اپنے اوپر کی گئی نعمتوں کا انکار کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ﴿اِنَّمَا اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ﴾ (حاشیہ:۱) تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے آپ کو خود عذاب کے حوالے کرے گا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جاہ و منزلت، یہ سلطنت، یہ ترقیاں اور تہذیب و تمدن کے یہ پھیلاؤ یہ سب کچھ انسان کو اس لئے نہیں مل گیا ہے کہ وہ بڑا بلند شان، پاور فل اور دلائل باز ہے اور نہ ہی وہ اپنے بل بوتے پر یہ سب کچھ کر سکتا ہے، بلکہ یہ سب کچھ اسے عطا ہوا ہے اس کے ضعف کی وجہ سے، اس کی جانب دست تعاون دراز ہوا ہے اس کے عجز کی وجہ سے، اُس کے ساتھ احسان کیا گیا ہے اس کے فقر کی وجہ سے، اس کی عزت افزائی ہوئی ہے اس کے احتیاج کی وجہ سے۔ اور اس جاہ و سلطنت کا سبب اُس کی جسمانی قوت یا علمی قدرت نہیں ہے بلکہ ربانی شفقت و رأفت اور الٰہی رحمت و حکمت ہی نے اس کے لئے یہ تمام اشیاء مسخر کی ہیں۔ جی ہاں، یہ انسان جو بچھو سے مغلوب ہے جس کی آنکھ نہیں اور جو سانپ سے خوفزدہ ہے جس کے پاؤں نہیں_ جو چیز اس انسان کو ایک چھوٹے کیڑے سے نکلا ہوا ریشم پہناتی ہے اور زہریلے ڈنک والی مکھی سے نکلا میٹھا شہد پلاتی ہے، وہ چیز اس کی ذاتی طاقت یا قدرت نہیں بلکہ اس کے ضعف و عجز کا ثمر ہے جو تسخیر ربّانی اور اکرام رحمانی سے پیدا ہوا ہے۔

اس لئے اے انسان! جب حقیقت واقعہ یہی ہے تو پھر غرور وانانیت کو چھوڑ دے، مدد طلبی کی زبان سے اپنے ضعف و عجز کا اعلان کر دے، اور دعا اور گریہ زاری کی زبان سے الوہیت کی چوکھٹ پر اپنے فقر و احتیاج کا اعلان کر دے اور اپنے عبد ہونے کا اظہار کر کے ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ'' کہہ دے اور بلندیوں کی معراج تک پہنچ جا۔

اور یہ مت کہہ کہ: میں کوئی چیز نہیں ہوں، میری اہمیت ہی کیا ہے کہ وہ حکیم مطلق اس کائنات کو بقصد و عنایت میرے لئے مسخر کر دے اور مجھ سے شکر کا مطالبہ کرے؟''

اس کی وجہ یہ ہے کہ تو اپنے نفس اور ظاہری صورت کے لحاظ سے اگر چہ معدوم کا حکم رکھتا ہے لیکن اپنے وظیفے اور رُتبے کے لحاظ سے اور اس عظیم کائنات کے گہرے مشاہدے کا مالک ہے، اور اس پر حکمت موجودات کی ترجمانی کرنے والی فصیح و بلیغ زبان ہے۔ اور کتابِ کائنات کو سمجھ کر پڑھنے والا ذہین قاری ہے۔ اور تو ان تسبیحات میں مصروف مخلوقات کے بارے میں غور و فکر کرنے والا اور ان سجدے میں پڑی ہوئی عبادت گزار مصنوعات کا معزز اور باخبر معمار ہے۔

جی ہاں اے انسان! تو اپنے اس جسم نباتی اور نفسِ حیوانی کی جہت سے چھوٹا سا جزء، حقیری جزئی، فقیر مخلوق اور ضعیف حیوان ہے، موجودات کی دہشت خیز موجوں کے درمیان تو اِدھر اُدھر بے بسانہ ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ لیکن اپنی اسلامی تربیت کے ذریعے تکمیل پانے والی اور محبتِ الٰہی کی روشنی پر مشتمل ایمان کے نور سے منوّر انسانیت کی حیثیت سے تو

(حاشیہ:۱) القصص:78

Marfat.com

اپنی اس عبدیت میں سلطان ہے۔ اپنی جزئی میں کلّی ہے۔ اپنے چھوٹے پن میں ایک وسیع عالم ہے۔ حقیر ہونے کے باوصف اونچے نظر آنے والے مقام پر فائز ہے اور اپنی درخشاں بصیرت کے ساتھ اس وسیع وعریض دائرے پر نظر رکھنے والا ہے۔ تو اپنی اس حیثیت کو سامنے رکھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ: ''میرے ربّ رحیم نے اِس دنیا کو میرے لیے مسکن و ماڈی بنادیا ہے، سورج اور چاند کو میرے لئے سراج اور نور بنا دیا ہے، بہار کو میرے لئے پھولوں کا گلدستہ اور موسم گرما کو نعمت کا دسترخوان اور حیوان کو میرے لئے تابع فرمان خادم بنادیا ہے، اور آخر میں نباتات کو میرے لئے زینت اور میرے اس گھر کا سازوسامان بنادیا ہے''۔

خلاصۃ القول یہ ہے کہ:

اگر تو نفس اور شیطان کی باتوں پر کان لگائے گا تو اَسفلِ سافلین کے پاتال تک جاگرے گا، اور جب حق اور قرآن کی طرف دھیان دے گا تو اعلیٰ علّیین کی بلندیوں پر جا پہنچے گا اور اس کون و مکاں میں ''اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ'' کہلائے گا۔

## پانچواں نکتہ:

انسان کو اس دنیا میں مہمان اور ملازم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور اُسے انتہائی اہم صلاحیتوں اور استعدادوں سے نوازا گیا ہے، اور اِسی بنا پر اُس کے ذمے بڑے جلیل القدر وظائف لگائے گئے ہیں۔ اور پھر اس کے دل میں بہت زیادہ رغبت اور بہت زیادہ خوف وڈر ڈال دیا گیا ہے تاکہ یہ اپنے اعمال کو سرانجام دینے اور ان عظیم الشان اغراض و مقاصد اور وظائف تک پہنچنے کے لئے محنت اور کوشش سے کام لے۔

یہاں ہم ''اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ'' کے اسرار کو سمجھنے کے لئے اجمالی طور پر اُن اِنسانی وظائف اور عبودیّت کی بنیادوں کا ذکر کریں گے جنہیں ہم نے کسی دوسری جگہ پر وضاحت سے بیان کردیا ہے:

اِس کائنات میں آنے کے بعد انسان کے ذمّے دو جہتوں سے عبودیت کی ذمہ داری لگ جاتی ہے۔

پہلی جہت: غائبانہ صورت میں غور وفکر اور سوچ بچار کی عبودیت

دوسری جہت: حاضرانہ مخاطبت کی صورت میں دعا ومناجات کی عبودیّت۔

پہلی جہت کا مطلب یہ ہے کہ:

سرِ تسلیم خم کرکے ربوبیت کی اس حکمرانی کی تصدیق کرنا جو کون ومکاں میں جلوہ گر ہے، اور اُن کے کمالات وحواس کو حیرت واستعجاب کی نظر سے دیکھنا۔ پھر اُس کے مقدس اسمائے حسنیٰ کے بے نظیر نقوش وآثار سے درسِ عبرت لینا، انہیں دوسروں کی نظرِ عبرت کے لیے پیش کرنا اور اُن اسماء کا اعلان واظہار اور اُن کی نشر واشاعت کرنا۔

Marfat.com

پھر اسمائے الٰہیہ کے ہیرے جواہرات_ جن میں سے ہر ایک خفیہ معنوی خزانے کی حیثیت رکھتا ہے_ کا وزن ادراک و بصیرت کے میزان کے ساتھ کرنا اور ان کی قیمت کا اندازہ دل سے پھوٹنے والی رحمت و عظمت کے انوار سے کرنا۔

پھر ارض و سماء کے اوراق اور موجودات کے اُن صحائف کا مطالعہ کرنا جو قلمِ قدرت کے شہ پاروں کا حکم رکھتے ہیں اور ہنگامِ مطالعہ ان میں حیرت و استعجاب سے غور و فکر کرنا۔

پھر موجودات کی زیب و زینت اور اس کے خوبصورت فن پاروں کو ایسی تحسین و آفرین کی نظر سے دیکھنا جس سے اُس فاطر ذُوالجمال کی معرفت کی محبت اُبھرے اور صانعِ ذُوالکمال کی حضوری کے مقام تک پہنچنے اور اُس کی نگہِ التفات حاصل کرنے کا اشتیاق پیدا ہو۔

دوسری جہت کا مطلب ہے کہ:

وہ مقامِ حضور اور مقامِ خطاب جو کہ اثر سے مؤثر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، ایسے میں اُسے یہ نظر آ جاتا ہے کہ صانعِ جلیل اپنی معجزانہ مصنوعات کے ذریعے سے اپنی پہچان کروانا چاہتا ہے، تب وہ بھی اس کا سامنا ایمان اور معرفت کے ساتھ کرتا ہے۔

پھر اُسے نظر آتا ہے کہ ایک ربِ رحیم اپنی رحمت کے میٹھے اور لذیذ پھلوں کے ذریعے اپنی ذات کو اُس کے ہاں محبوب بنانا چاہتا ہے، تب وہ اُس کا سامنا خالص محبت اور اس کی خالص بندگی کے ذریعے خود کو اس کا محبوب بنا کر کرتا ہے۔

پھر وہ دیکھتا ہے کہ ایک منعمِ کریم اُسے اپنی مادی اور معنوی لذیذ نعمتوں سے نہال کرنا چاہتا ہے، وہ بندہ بھی اُس منعمِ کریم کے مقابلہ میں اپنے افعال، احوال اور اقوال حتی کہ اگر اسکے بس میں ہو تو اپنے تمام مادی اور معنوی حواس کے ذریعے شکر اور حمد و ثنا کرتا ہے۔

پھر وہ دیکھتا ہے کہ ایک جلیل و جمیل اِن موجودات کے آئینے میں اپنی کبریائی، عظمت اور کمال کا اظہار کرتا ہے اور ان میں اپنے جلال و جمال کو اس طرح سے آشکار کرتا ہے کہ آنکھیں بے اختیار اُن کی طرف اُٹھتی جاتی ہیں، تب اس چیز کے مقابلے میں وہ ''الله اکبر ...... سبحان الله......'' پکار اٹھتا ہے۔ اور انتہائی حیرت و استعجاب اور محبت کے جذبات سے لبریز اپنی ہستی کو مٹا کر فنا کے عالم میں سربسجود ہو جاتا ہے۔

پھر وہ دیکھتا ہے کہ ایک غنیِٔ مطلق اپنی ثروت اور ختم نہ ہونے والے خزانوں کا اظہار سخائے مطلق کے ساتھ کرتا

Marfat.com

ہے، تب وہ اِس چیز کا سامنا اُس کی تعظیم وثنا کر کے اور اپنے کمالِ فقر کا اظہار کر کے اُس کے دَر کا سوالی اور طالب بن کے کرتا ہے۔

پھر وہ دیکھتا ہے کہ اُس فاطرُ الجلیل نے زمین کو اپنی تمام عجیب وغریب اور نادر قسم کی مصنوعات کو پیش کرنے کے لئے نمائش گاہ بنایا ہوا ہے، تب وہ اس میں ان تمام چیزوں کی قدردانی کرتے ہوئے کہتا ہے: "ماشاالله" ، اوران کے حسن وجمال کی تعریف کرتا ہوا کہتا ہے: "بارک الله"، اوراُن پر حیرانگی کا اِظہار کرتا ہوا کہتا ہے: "سبحان الله" اوراُن کے خالق کی تعظیم کرتا ہوا کہتا ہے: "الله اکبر"۔

پھر وہ دیکھتا ہے کہ وہ 'واحدُ الاحدُ' تمام موجودات پر توحید کی مہر اور اپنے نا قابلِ تقلید سکّے کا نشان اور اپنے طغرائے امتیاز کی چھاپ لگا رہا ہے، اُن پر توحید کی آیات منقش کر رہا ہے اور اپنی ربوبیت کا اعلان کرتا ہوا آفاقِ عالم میں توحید کے جھنڈے لگا رہا ہے۔ تب وہ اس چیز کے مقابلے میں تصدیق، ایمان، توحید، اطاعت گزاری اور شہادت اور عبودیت کا اظہار کرتا ہے۔

چنانچہ انسان اس قسم کی عبادت اور اِس طرح کے تفکر کے ساتھ حقیقی انسان بن جاتا ہے اور اپنی ذات کو "اَحْسَنِ تَقْوِیْم" کے رُوپ میں نمایاں کرتا ہے، اوراس طرح وہ ایمان کی برکت سے امانتِ کُبریٰ کا اہل اور زمین کا امانت دار خلیفہ بننے کے لائق ہو جاتا ہے۔

اس لئے اے "اَحْسَنِ تَقْوِیْم" کے سانچے میں پیدا کئے گئے اور اپنے سوءِ اختیار کی وجہ سے 'اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ' کی پستیوں کی طرف جانے والے غافل انسان! میری بات اچھی طرح سُن اور اُن دو لکھی ہوئی لوحوں کو اچھی طرح پڑھ جن کا ذکر 'سترہویں مقالے' کے دوسرے مقام میں ہوا ہے تا کہ تجھے بھی پتا چل جائے کہ کس طرح میں بھی جب شباب کی مستیوں میں غافل تھا تیری طرح اس دُنیا کو میٹھی اور سرسبز سمجھا کرتا تھا، لیکن پھر جب بڑھاپے کی صبح ہوئی اور شباب کی سرمستیوں سے آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ دنیا کا وہ چہرہ جس کا رُخ آخرت کی طرف نہیں ہے اور جسے میں بڑا حسین وجمیل سمجھا کرتا تھا، دُنیا کا وہ چہرہ بڑا بدصورت ہے۔ اوراس کا وہ چہرہ جس کا رُخ آخرت کی طرف ہے بڑا حسین و جمیل ہے۔ تو ان میں سے

Marfat.com

## پہلی لوح:

اہل غفلت کی دنیا کی حقیقی تصویر دکھاتی ہے، وہ دنیا کہ جس کا مشاہدہ میں عرصہ دراز سے اہل ضلالت کی طرح حجابِ غفلت کے ساتھ لیکن بقائمی ہوش وحواس کرتا رہا تھا۔ اور

## دوسری لوح:

اہلِ ہدایت اور زندہ دل لوگوں کی دنیا کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ میں نے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی ہے۔ یعنی اسے ویسے ہی رہنے دیا ہے جیسے کہ وہ پہلے تھی، اور یہ لوح اگرچہ شاعری کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ لیکن شاعری نہیں ہے۔

﴿سُبْحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ أَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ أَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى الذَّاتِ الْمُحَمَّدِيَّةِ اللَّطِيفَةِ الأَحَدِيَّةِ شَمْسُ سَمَاءِ الأَسرَارِ، وَ مَظهَرِ الانوَارِ، وَ مَركَزُ مَدَارِ الجَلاَلِ، وَقُطبُ فَلَکِ الجَمَالِ.

اَللّٰهُمَّ بِسِرِّهِ لَدیکَ وَبِسَیرِهِ اِلَیکَ، آمِن خَوفِي، وَأَقِلِ عِثرَتِي، وَأذهَب حُزنِي وَ حِرصِي، وکُن لِي، وَخُذ نِي اِلَیکَ مِنِّي، وَارزُقنِي الفِنَاءَ عَنِّي، وَلا تَجعَلنِي مَفتُونَا بِنَفسِي مَحجُوبَا بِحِسِّي، وَاکشِف لِي عَن کُلِّ سِرٍّ مَکتُومٍ.

یَا حَيُّ یَا قَیُّومُ، یَا حَيُّ یَا قَیُّومُ، یَا حَيُّ یَا قَیُّومُ

وَارحَمنِي وَارحَم رُفَقَائِي وَارحَم اَهلَ الاِیمَانِ وَالقُرآنِ

آمِین آمِین یَا أَرحَمَ الرَّاحِمِینَ وَ یَا أَکرَمَ الاَکرَمِینَ.

﴿وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾

Marfat.com

# چوبیسواں مقالہ

## یہ مقالہ پانچ شاخوں پر مشتمل ہے، اِن میں سے خصوصی طور پر چوتھی شاخ میں غور کرو اور پانچویں شاخ کو مضبوطی سے پکڑ کر اوپر چڑھو تاکہ اس کے پھل توڑ سکو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اَللّٰهُ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى﴾

اس آیت جلیلہ کے نورانی شجرہ کے بے شمار حقائق میں سے ہم صرف ایک حقیقت کی پانچ شاخوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

### پہلی شاخ

جس طرح ایک حکمران کے اپنی حکومت کے متعدد حلقوں میں اپنی رعایا کے مختلف طبقوں کی نسبت سے مختلف عنوان اور متباین اوصاف ہوتے ہیں، اور مختلف حکومتی عہدوں اور مرتبوں کے ضمن میں اُس کی پہچان کے لیے طرح طرح کے نام اور علامات ہوتی ہیں، مثال کے طور پر عدل وانصاف کے دائرہ کار میں وہ حاکمِ عادل کے نام سے جانا جائے گا، عسکری حلقوں میں وہ کمانڈر انچیف ہوگا اور قانونی اور شرعی اداروں میں وہ خلیفہ ہوگا، سول سروس میں وہ حکمران ہوگا۔ اس کے دیگر نام اور عنوان بھی اسی طرح ہوں گے۔ اور یوں اُس کی حکومت کے ہر حلقے اور ہر ادارے میں اس کا ایک الگ مقام ہوگا اور اس کے لیے الگ کرسی ہوگی جو اس کی ایک معنوی تخت کی حیثیت رکھتی ہوگی۔ اس بنا پر یہ ممکن ہے کہ ایک سلطان حکومت کے ان طبقات و مراتب میں اور ان حلقوں اور اداروں میں ہزاروں ناموں کا مالک ہو، یعنی یہ ممکن ہے کہ اس کے ہزار در ہزار تخت ہوں حتیٰ کہ ایسا لگے کہ وہ اپنی حکومت کے ہر حلقے میں حاضر و موجود ہے۔ اور اپنی معنوی شخصیت اور ٹیلیفون کے ذریعے ان میں رونما ہونے اور انجام پانے والے تمام معاملات کا علم رکھتا ہے اور اپنے قانون، نظام اور اپنے نمائندوں کے ذریعے ہر طبقے کو نگاہ میں رکھتا ہے۔ اور اپنے علم، حکمت، قوّت اور فہم و فراست کے ساتھ پس پردہ ہر درجے اور ہر مرتبے کی نگرانی اور اِدارت کر رہا ہے۔ پس ہر حلقے کا ایک خاص مرکز اور خاص موقع محل ہے، اس کے احکام مختلف ہیں اور طبقات

Marfat.com

علیحدہ علیحدہ ہیں۔

ربُّ العالمین بھی بالکل ایسے ہی ہے۔ وہ سلطانُ الازل والابد ہے۔ اُس کے اپنی ربوبیت کے درجات و مراتب کے ضمن میں مختلف عناوین اور احوال ہیں۔ لیکن اس اختلاف کے باوجود وہ سب آپس میں ملے جلے نظر آتے ہیں۔ اور اس کے اپنی اُلوہیّت کے حلقوں کے ضمن میں علیحدہ علیحدہ اسماء و علامات ہیں، لیکن علیحدہ علیحدہ ہونے کے باوجود ان میں سے ہر ایک کا مشاہدہ ایک دوسرے میں کیا جاسکتا ہے۔ اُس کی اپنی عظیم الشان کاروائیوں کے ضمن میں متباین تجلّیات ہیں، لیکن ان میں سے ہر تجلّی ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ اور اُس کے اپنی قدرت کے تصرّفات کے ضمن میں متنوّع عناوین ہیں لیکن وہ سب کے سب ایک دوسرے کا اشارہ دیتے ہیں۔ اور اُس کے اپنی صفات کی تجلیات کے ضمن میں مقدّس متفاوت مظاہر ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک دوسرے کو آشکار کرتا ہے۔ اور اُس کے اپنے افعال کی تجلّیات کے ضمن میں الگ الگ لیکن ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہوئے حکیمانہ تصرفات ہیں۔ اور اپنی صنعت و مصنوعات کے ضمن میں جدا جدا ہیبت ناک ربوبیت ہے، لیکن ان میں سے ہر ایک دوسری پر نظر رکھتی ہے۔

اور اس کے باوجود اسمائے حسنٰی کے عناوین میں سے کسی نہ کسی اسم کا کوئی نہ کوئی عنوان، ہر عالم میں اور ہر عالم کے ہر گروہ میں جلوہ گر ہے، اور وہ اسم اس دائرے میں حاکم اور بالادست ہوتا ہے اور بقیہ اسماء وہاں اس کے تابع اور اس کے منجملہ افراد کے حکم میں ہوتے ہیں۔

پھر اس اسم کی چھوٹی بڑی، قلیل کثیر اور خاص و عام، غرض ہر قسم کی مخلوقات کے ہر طبقے میں خصوصی تجلّی اور خصوصی ربوبیت ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اسم اگرچہ عام اور ہر چیز پر محیط ہوتا ہے لیکن بالقصد بالغ اہمیت کے ساتھ اس کا رخ کسی ایک چیز کی طرف ہی ہوتا ہے، حتّٰی کہ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسم بالذات صرف اُسی چیز کی طرف متوجہ ہے اور گویا کہ صرف اسی چیز کے ساتھ خاص ہے۔

اس پر مزید یہ کہ خالقِ الجلیل اگرچہ ستّر ہزار نورانی پردوں کے پیچھے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ ہر چیز کے قریب ہیں۔ اس کا اندازہ اس طرح کرسکتے ہو کہ اِسم ''الخالق'' کی ایک تجلّی وہ ہے جو تمہاری ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، اور اس کا تعلق اُس اسم میں پائے جانے والے مخلوقیت کے ابتدائی اور جزوی مرتبے کے ساتھ ہے اور اس کی انتہائی، کلّی اور آخری مرتبے کی تجلّی وہ ہے جس کا تعلق تمام جہانوں کے خالق یعنی سب سے بڑے عنوان کے ساتھ ہے۔ اب تم اندازہ کرسکتے ہو کہ اسمِ خالق کے ابتدائی مرتبے سے لے کر انتہائی مرتبے تک کتنے حجابات ہوں گے! اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مخلوقیت کے دروازے سے ہو کر اسم ''الخالق'' میں پائی جانے والی تجلیات کی انتہاؤں تک جاسکتے ہو، شرط یہ ہے کہ تم اس کائنات کو اپنے پیچھے چھوڑ دو، تب تم صفات کے دائرے کے قریب پہنچ پاؤ گے۔

Marfat.com

ان تمام پردوں میں چونکہ کھڑکیاں ہیں جو ایک دوسری کی طرف دیکھتی ہیں، تمام شئون و معاملات میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا دکھایا جاتا ہے، تمام اسماء کے عکس ایک دوسرے پر پڑ رہے ہیں، تمام ہم مثل اشیاء ایک دوسری میں ملی جلی ہوئی ہیں، تمام عناوین باہم دیگر پیوستہ ہیں، تمام تجلیات کا ظہور ایک دوسرے کے مشابہ ہے، تمام تصرفات ایک دوسرے کی امداد کرتے ہوئے ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں، ربوبیت کے تمام معاملات ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں، اس لیے یہ چیز بہر کیف بہت ضروری ہے کہ جو بھی ان اسماء، عناوین اور ربوبیت میں سے کسی ایک چیز کی پہچان کر جائے، وہ دیگر اسماء و عناوین و شئون و معاملات کا انکار ہرگز نہ کرے، بلکہ اس چیز سے وہ بداہتاً اور بے ساختہ یہ بات سمجھ جائے کہ یہ وہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا اور دوسرے اسماء کی تجلیات سے محجوب رہا اور ایک اسم کی تجلی سے دوسرے اسم کی تجلی کی طرف منتقل نہ ہوسکا تو نقصان اُٹھائے گا۔

مثال کے طور پر: اگر وہ اسمِ قدیر اور خالق کے اثرات دیکھ لے اور اسم علیم کے اثرات نہ دیکھ سکے تو غفلت اور نیچر کی گمراہی میں گر سکتا ہے۔ اس لیے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نظر کو اِرد گرد گھمائے اور هُـوَ هُـوَ الله پڑھے اور دیکھے اور ہر چیز میں اس کی تجلی کا مشاہدہ کرے۔ اور یہ کہ اس کا کان ہر چیز میں سے غور کے ساتھ ﴿قُلْ هُـوَاللّٰهُ أَحَدٌ﴾ سنے اور اس کی زبان ہمیشہ " لا الهٰ الا هو برابر میزند عالم "کا اعلان کرتی رہے۔

یہ حقائق جن کی طرف ہم نے ذکر کیا ہے قرآن کریم ان کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے: ﴿اَللّٰـهُ لاَ اِلٰـهَ اِلاَّهُوَ لَهُ الْاَسْـمَـاءُ الْـحُسْـنٰـى﴾ اگر کبھی ان عالی شان حقائق کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا شوق چرائے تو کسی بپھرے ہوئے سمندر یا زلزلے سے لرزتی ہوئی زمین کی طرف چلے جاؤ اور ان سے پوچھو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تو تم حتماً یہ سنو گے کہ وہ کہہ رہے ہیں:

یا جلیل ۔ یا جلیل۔ یا عزیز۔ یا جبار۔

پھر کبھی حیوانات کے ان چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرف چلے جاؤ جو سمندر میں یا سطح زمین پر رہ رہے ہیں، اور جو انتہائی شفقت و رحمت کے سائے میں پرورش پا رہے ہیں، اور ان سے پوچھو کہ: کیا کہہ رہے ہو؟ بلاشبہ وہ الاپ رہے ہیں:

یا جمیل۔ یا جمیل ۔ یا رحیم ۔ یا رحیم۔ (حاشیہ:۱)

---

(۱) حتی کہ میں نے ایک دن بلیوں کو دیکھ کر ان کے بارے میں غور کیا اور دیکھا کہ یہ کھا پی کر کھیلتی کودتی ہیں اور سو جاتی ہیں، تو میرے ذہن میں سوال اُبھرا کہ یہ حیوانات جو کہ چیرنے پھاڑنے والے درندوں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں، انہیں پالتو، بابرکت اور پاکیزہ کیوں کہا جاتا ہے؟ پھر رات جب میں سونے کے لیے بستر پر لیٹا تو ان میں سے ایک بلی میرے تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر لیٹ گئی، پھر اس نے اپنا منہ میرے کان کے قریب کیا اور بالکل واضح طور پر 'یارحیم--- یارحیم--- یارحیم --- یارحیم ' کہہ کر اللہ کا ذکر شروع کر دیا گویا کہ اس طرح اس نے اپنی جماعت کی ترجمانی کرتے ہوئے میرے اعتراض اور تحقیر کو مسترد کرتے ہوئے مجھے میرے منہ پر پھینک دیا۔ (بقیہ صفحہ:۷)

Marfat.com

ذرا آسمان کی طرف کان لگاؤ اور سنو کہ وہ کس طرح پکار رہا ہے: یا جلیل ذوالجمال! اور زمین کو سنو وہ کس طرح الاپ رہی ہے: یا جمیل ذُوالجلال! اور ان حیوانات کو غور سے سنو وہ کس طرح کہہ رہے: یا رحمٰن یا رزّاق، اور موسمِ بہار سے پوچھو تو سنو گے کہ وہ کہہ رہا ہے: یا حنان، یا رحمن، یا رحیم، یا کریم، یا لطیف، یا عطوف، یا مصوّر، یا منوّر، یا محسن، یا مزیّن. اور اس طرح کے بہت سے دیگر اسماء۔

اور ایسے ہی انسان سے پوچھو جو کہ واقعتاً انسان ہو اور پھر مشاہدہ کرو کہ وہ تمام اسمائے حسنیٰ کیسے پڑھتا ہے، اور کیسے یہ اسمائے حسنی اس کی پیشانی پر لکھے ہوئے ہیں۔ اگر غور سے دیکھو گے تو خود آسانی کے ساتھ پڑھ سکو گے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ تمام کون ومکان خوش الحان گیتوں والی خوبصورت موسیقی ہے، چنانچہ اس کے سب سے دھیمے سُر کا جب سب سے اونچے سُر کے ساتھ ملاپ ہوتا ہے تو اس سے بڑے دلکش اور لطافت بھرے نغمات جنم لیتے ہیں۔ باقی سات سُروں کو اس پر قیاس کر لو۔

البتہ یہ بات ہے کہ انسان اگر چہ تمام اسمائے حسنیٰ کا مظہر ہے مگر اسمائے حسنیٰ کا تنوع _ کسی حد تک _ انسان کے تنوع کا سبب بن گیا ہے، کائنات میں پائے جانے والے تنوع اور ملائکہ کی عبادت میں پائے جائے والے اختلاف کا بھی یہی حال ہے، بلکہ اسی تنوع اور گونا گونی سے انبیاء کی مختلف شریعتوں، اولیاء کے متفاوت طُرق اور اصفیاء کے متنوع مشارب کا ظہور ہوا ہے۔

مثال کے طور پر: سیدنا عیسی علیہ السلام کی ذات میں دیگر اسماء کے ساتھ ساتھ اسم (القدیر) کی تجلی غالب تھی، اہلِ عشق پر اسم (الودود) حاوی ہے اور اہلِ تفکر پر اسم (الحکیم) کا غلبہ ہے۔

چنانچہ اگر ایک آدمی بیک وقت عالم، سپاہی، عدالت میں ریڈر اور حکومتی اداروں میں انسپکٹر ہو، تو اس کا ہر محکمے کے ساتھ ایک تعلق ہوگا، رابطہ ہوگا اور ہر ادارے میں اس کے ذمے کوئی نہ کوئی کام ہوگا۔ اور ہر ادارے میں اس کی خاص تنخواہ اور ذمہ داری ہوگی۔ اور اِسی طرح اُس کی ہر عہدے میں مختلف مراتب پر ترقی بھی ہوگی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے

---

(بقیہ گزشتہ صفحہ) تو میری عقل میں یہ بات آئی کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا یہ ذکر صرف اسی ایک بلی کے ساتھ خاص ہے یا کہ بلیوں کی تمام نسل ایسے کرتی ہے؟ اور پھر اس کا یہ ذکر صرف میرے لیے یا میرے جیسے بلاحق اعتراض کرنے والے کے لیے ہی سنا جانا ممکن ہے کہ یا پھر جو انسان بھی غور کرے گا وہ _ کسی حد تک سہی _ سن سکے گا؟ اور پھر صبح ہوئی تو میں نے دوسری بلیوں کی طرف بھی کان لگانا شروع کر دیا، تو دیکھا کہ ہر ایک کی زبان پر مختلف درجات میں اُسی کا تکرار ہے اگر چہ پہلے والے کی طرح زیادہ صراحت کے ساتھ نہیں تھا، لیکن ابتداء میں خُرخُر کی آواز میں یہ ذکر پوری طرح واضح نہیں ہوتا تھا، پھر دھیرے دھیرے یارحیم ۔۔۔ یارحیم ۔۔۔ واضح طور پر سننا شروع ہو گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد اُن کی خُرخُر بالکل ہی یارحیم میں تبدیل ہوگئی۔ چنانچہ وہ حروف کی ادائیگی کے بغیر ہی واضح طور پر اللہ تعالی کا غم آگیں ذکر کر رہی تھیں، اس طرح کہ وہ اپنا منہ بند کر کے اچھے طریقے سے یارحیم کہہ کر اللہ کا ذکر کرتی تھیں۔

Marfat.com

کافی حاسد بھی ہوں گے جو اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کی کوشش کرتے ہوں گے۔ اب ان حالات واطوار کا حامل انسان جس طرح حکمران کی بارگاہ میں بہت سے مختلف عناوین سے جانا پہچانا جاتا ہے، اور وہ بھی ان متنوع عناوین کی روشنی میں بادشاہ کو دیکھتا ہے، اور مختلف الفاظ اور بہت سی زبانوں کے ساتھ اُس سے مدد مانگتا ہے، حکمران کے بہت سے عناوین کے ذریعے اس کے ساتھ رابطہ کرتا ہے اور اپنے دشمنوں سے بچاؤ کے لیے بہت سے مواقع پر اس کی پناہ میں آنا چاہتا ہے؛ اسی طرح وہ انسان جو بہت سے اسماء کی تجلیات سے بہرہ ور ہو جائے اور اس کے ذمّے بہت سی ذمہ داریاں لگا دی جائیں ، اور اس کے بہت سے دشمن پیدا ہو جائیں، ایسا انسان اپنی دعاؤں اور مناجاتوں میں اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسماء کا ذکر کرے گا، جیسے کہ فخرِ انسانیت اور حقیقت میں انسانِ کامل محمد ﷺ اپنی دعا مسمّیٰ ''الجوشن الکبیر'' میں اللہ تعالیٰ سے اس کے ایک ہزار ایک نام سے دعا کرتے ہیں اور آگ سے اُس کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس راز کو سامنے رکھیں تو پتا چلتا ہے کہ قرآن پاک تین عنوانوں کے ساتھ پناہ مانگنے کا حکم کیوں دیتا ہے، جیسے کہ سورۃ الناس میں ہے: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ☆ مَلِكِ النَّاسِ ☆ إِلٰهِ النَّاسِ ☆ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔﴾ اور ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾ میں اپنے تین اُسمائے حسنیٰ کے ذریعے مدد مانگنے کی رہنمائی دیتا ہے۔

## دوسری شاخ:

دو ایسے رازوں کی وضاحت کرتی ہے جس میں بہت سے اسرار ورموز کی چابیاں پائی جاتی ہیں۔

### پہلا راز:

اُولیائے کرام کے مابین اپنے مشہودات وکشفیات میں اس قدر اختلاف کیوں ہوتا ہے، حالانکہ وہ اُصولِ ایمان میں متفق ہیں؟ ، کیوں ان کے کشوف جو کہ شہود کے درجے میں ہیں، کبھی کبھار خلافِ واقعہ اور خلافِ حق ہوتے ہیں؟ اور اصحابِ فکر اور اربابِ نظر کو اپنے افکار میں حقیقت متناقض یعنی ایک دوسرے کے اُلٹ نظر آتی ہے، حالانکہ ان میں سے ہر ایک کے ہاں وہ حقیقت برہانِ قاطع کے ساتھ ثابت ہوتی ہے؟ کیوں ایک ہی حقیقت متعدد رنگوں میں رنگی جاتی ہے؟

### دوسرا راز:

سابقہ انبیاء علیہم السلام نے حشرِ جسمانی کی طرح ایمان کے کئی ارکان کو اجمالی طور پر بیان کیا ہے اور اس کی تفصیلات میں کیوں نہیں گئے جیسے کہ قرآن پاک نے کیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اُمتوں میں سے بعد میں آنے والے کچھ لوگ ان مجمل ارکان کے انکار تک پہنچ گئے؟ پھر کیوں کچھ حقیقی عارف باللہ اُولیائے کرام صرف توحید کے میدان میں اتنا آگے چلے گئے کہ حق الیقین کے درجے تک پہنچ گئے، جبکہ اس کے بالمقابل ان کے مشارب میں دیگر ارکانِ ایمان بالکل مُجمل اور نادر سے نظر آتے ہیں، اس بنا پر ان کے بعد میں آنے والے پیروکاروں نے ان ارکان کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی؟ بلکہ کچھ

Marfat.com

تو اس باب میں راہ راست سے دُور جا پڑے۔

حقیقی کمال جب تمام کے تمام ارکانِ ایمان کے انکشاف کے ذریعے حاصل ہوتا ہے تو پھر اہل حقیقت ان میں سے کچھ ارکان میں بہت آگے کیوں نکل گئے ہیں اور کچھ میں پیچھے کیوں رہ گئے ہیں؟ اور اس بات کا تو سب کو علم ہے کہ رسول کریم ﷺ جو کہ امام المرسلین ہیں اور اسمائے حسنیٰ کے تمام مراتبِ عظمیٰ پر فائز ہیں، اور اسی طرح قرآن حکیم بھی جو کہ تمام آسمانی کتابوں کا درخشاں امام ہے، اِن دونوں نے ارکانِ ایمان کو واضح طور پر پوری تفصیل کے ساتھ اور سنجیدہ اور بامقصد اسلوب کے ساتھ بیان کیا ہے۔

جی ہاں! کیونکہ حقیقی اور بھرپور کمال درحقیقت اسی طرح ہے۔ اور ان اسرار میں پائی جانے والی حکمت کچھ اس طرح ہے کہ: باوجود اس کے کہ انسان کو تمام کمالات تک پہنچنے اور تمام اسمائے حسنیٰ کے انوار حاصل کرنے کی استعداد عطا کردی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود وہ ہزاروں حجابوں اور برزخوں کے درمیان سے حقیقت کی تلاش میں رہتا ہے؛ کیونکہ اُس کا اقتدار جزوی ہے، اُس کا اختیار جزوی ہے، اُس کی قابلیتیں اور صلاحیتیں مختلف ہیں اور اس کی خواہشات و میلانات متفاوت ہیں۔

اِسی بناپر انکشافِ حقیقت اور مشاہدۂ حق کے آگے رکاوٹیں حائل ہو جاتی ہیں، چنانچہ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو اس برزخ یا رکاوٹ سے آگے نہیں گزر پاتے ہیں۔ اور چونکہ قابلیتیں مختلف ہیں اس لئے کچھ لوگوں کی قابلیت ایمان کے بعض ارکان کے انکشاف کا منشا و مصدر نہیں بن سکتی۔

پھر مظاہر کے حصول کے حساب سے اسماء کی تجلیات کے رنگ جدا جدا اور انواع و اقسام کے ہیں، اس لیے اگر کوئی شخص کسی اسم کے کسی ایک مظہر سے بہرہ یاب ہو جائے تو وہ اس کی کامل تجلّی کا دارومدار نہیں ہوسکتا۔ مزید برآں یہ کہ اسماء کی تجلّی کلّیت، جزئیت، ظلّیت اور اَصلیت کے اعتبار سے مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس لیے کچھ استعدادیں جزئیت کو عبور کرنے اور ظلّ سے باہر نکلنے سے قاصر رہ جاتی ہیں۔ اور استعداد کے لحاظ سے جب کوئی اسم غالب آجاتا ہے تو صرف اسی کا حکم لاگو ہو جاتا ہے اور وہ اس استعداد پر حاوی ہو جاتا ہے۔

یہ ہے وہ گہرا راز اور ایک وسیع و عریض، پُر اسرار اور کسی حد تک حقیقت سے آمیختہ تمثیل جس کے ساتھ چند اشارے کریں گے۔

مثلاً فرض کریں کہ ایک نقش و نگار سے مزیّن زہرہ نامی ''پھول'' ہے۔ اور ایک چاند کا عاشق زندگی سے بہرہ ور ''قطرہ'' ہے۔ اور ایک سورج کی طرف دیکھنے والی شفاف ''شبنم کی بوند'' ہے، اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک صاحبِ شعور اور صاحبِ کمال ہے اور ہر ایک کے دل میں کمال تک پہنچنے کا شوق ہے۔

Marfat.com

تو یہ تینوں چیزیں بہت سے حقائق کی طرف اشارہ کرتی ہیں، مزید یہ کہ یہ نفس، عقل اور قلب کے طرزِ عمل کی طرف اشارے کرتی ہیں۔ اور یہ مثالیں اہلِ حقیقت کے تین طبقوں کے لیے ہیں۔ (حاشیہ:۱)

پہلا طبقہ:

اہلِ فکر، اہلِ ولایت اور اہلِ نبوت کا ہے۔ یہ تین چیزیں ان کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

دوسرا طبقہ:

جسمانی آلات و اعضاء کے ساتھ (حواس کے ذریعے) اپنے کمال تک پہنچنے کے لیے حقیقت کی راہ پر چلنے والے سالکین۔ اور تزکیۂ نفس اور عقل کے استعمال کے ساتھ مجاہدے کے ذریعے حقیقت کی طرف گامزن ہونے والے اور تصفیۂ قلب اور ایمان و تسلیم کے ساتھ حقیقت کی طرف سفر کرنے والے۔ یہ تین چیزیں ان لوگوں کے لیے مثال ہیں۔

تیسرا طبقہ:

جنہوں نے حقیقت کا سفر استدلال کے ذریعے طے کیا اور اپنی اَنانیت اور غرورِ نفس سے دستبردار نہ ہو سکے اور نقوش و آثار میں غلطاں و پیچاں رہے۔

اور وہ جو حقیقت کو علم، حکمت اور معرفت کے ذریعے ڈھونڈتے ہیں۔

اور وہ جو ایمان، قرآن، فقر اور عبودیت کے ذریعے حقیقت تک بہت جلد رسائی کر جاتے ہیں۔

تو یہ تینوں چیزیں تمثیلیں ہیں جو مختلف استعدادوں کے حامل اِن تین گروہوں کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کی حکمت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

پس وہ گہرا راز اور وسیع حکمت جو ان تینوں طبقوں کی ترقی میں پنہاں ہے، اُسے ہم مثال کے ساتھ، اور ''پھول''، ''قطرہ'' اور ''بوند'' کے عنوانوں کے تحت واضح کریں گے۔

مثال کے طور پر سورج کو لے لیں، اس کی_ خالق کے اِذن اور امر سے_ تجلی، انعکاس اور اِفاضہ کے لحاظ سے تین مختلف قسمیں ہیں۔

ا۔ پھولوں پر ہونے والی تجلی، انعکاس اور فیضاں۔

ب۔ چاند اور سیاروں پر ہونے والی تجلی۔

ج۔ شیشے اور پانی جیسے دوسرے چمکنے والے مواد پر پڑنے والی تجلی۔

(۱) ان میں سے ہر طبقے میں بھی آگے تین گروہ ہیں۔ تمثیل میں وارد ہونے والی تین مثالوں کا رُخ اُن تین گروہوں کی طرف ہے، جو ہر طبقے میں پائے جاتے ہیں، بلکہ اُن میں پائے جانے والے نو طبقات کی طرف ہے نہ کہ صرف تین طبقات کی طرف۔ مؤلف۔

Marfat.com

## تجلّی کی پہلی قسم:

اس تجلّی، اِفاضہ اور انعکاس کی پہلی قسم کے تین پہلو ہیں:

اوّل: ایک تجلّی اور کلّی وعمومی انعکاس۔ اور وہ ہے اس کا تمام پھولوں پر بحیثیت مجموعی بیک وقت فیضان۔

ثانی: خصوصی تجلّی، اور ہر نوع کے حساب سے خصوصی انعکاس۔

ثالث: جزوی تجلّی، اور یہ ہر پھول تک انفرادی طور پر فیضان پہچانا ہے۔

یاد رہے کہ ہماری یہ مثال اُس رائے پر بنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ پھول کے یہ خوشنما رنگ سورج کی سات رنگوں پر مشتمل روشنی کی تحلیل کے انعکاس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس قول کی بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ پھول بھی سورج کے آئینوں کی ہی ایک قسم ہے۔

## تجلّی کی دوسری قسم:

وہ فیضان اور نور ہے جو سورج فاطرُ الحکیم کے اِذن سے چاند اور سیاروں کو عطا کرتا ہے، چنانچہ چاند اُس روشنی سے جو کہ سورج کی روشنی کے سائے کے حکم میں ہے، مکمل استفادہ کرتا ہے۔ اور سورج کی بے حدوحساب روشنی سے کلّی فائدہ حاصل کرنے کے بعد چاند یہ فیضان آگے منتقل کرتا ہے، چنانچہ وہ یہ فیض خصوصی شکل میں سمندروں، ہواؤں اور چمکیلی مٹی تک پہنچاتا ہے، اور جزوی شکل میں سمندر کے بُلبلوں، مٹی کے شفاف حصوں، ٹکڑوں اور ہوا کے ذرّوں تک پہنچاتا ہے۔

## تجلّی کی تیسری قسم:

سورج کا امرِ الٰہی کے ذریعے کلّی، صافی اور بغیر سائے کے انعکاس ہے، کہ وہ ہوا کی فضا اور سمندر کی سطح دونوں کو آئینے بنا دیتا ہے۔ پھر یہ سورج اپنی جزوی شکل وصورت سمندروں کے بُلبلوں، پانی کے قطروں، ہوا کے ریزوں اور برف کے گالوں کو عطا کر دیتا ہے۔

اور یوں اِن مذکورہ تینوں جہتوں میں دو طریقوں سے ہر پھول، چاند کی طرف رُخ کئے ہوئے ہر قطرے اور ہر بوند کی طرف سورج کی توجہ ہے اور اُس کا فیضان اُن میں جاری ہے۔

پہلا طریقہ: ذاتی طور پر کسی برزخ یا رُکاوٹ سے گزرے بغیر، اور بغیر کسی حجاب کے براہِ راست فیضان پہنچانا۔ یہ طریقہ نبوّت کی عکاسی کرتا ہے۔

دوسرا طریقہ: اس میں برزخیں (رکاوٹیں) حائل ہوتی ہیں، کیونکہ آئینوں اور مظاہر کی قابلیات سورج کی کرنوں کو کوئی نہ کوئی رنگ دے دیتی ہیں۔ یہ طریقہ طریقِ ولایت کی نمائندگی کرتا ہے۔

اور یوں ''پھول، قطرہ اور بوند'' اِن میں سے کوئی پہلے طریقے کی رُو سے یہ کہہ سکتا ہے کہ '' میں تمام عالم کے سورج کا

Marfat.com

آئینہ ہوں"۔ لیکن دوسرے طریقے کی رُو سے ایسا نہیں کہہ سکتا، بلکہ دوسرے طریقے کی رُو سے وہ یہ کہے گا کہ: "میں اپنے سورج کا آئینہ ہوں"، یا بلکہ یہ کہ: "میں اُس سورج کا آئینہ ہوں جو میرے ہم جنسوں پر جلوہ گر ہے؛ کیونکہ اُسے سورج کی پہچان اسی طریقے سے ہوئی ہے؛ وہ اُس سورج کو نہیں دیکھ سکتا ہے جس کا رخ کل عالم کی طرف ہے؛ کیونکہ اُس کی ذات ،اُس کی نوع یا اُس کی جنس کا سورج اُس کے سامنے ایک تنگ برزخ کے اندر اور ایک محدود قید کے تحت جلوہ نما ہوتا ہے، اِس لیے یہ ممکن نہیں کہ اُس کی ذات اِس مقیّد سُورج کو کسی بھی برزخ وغیرہ کی قید سے آزاد سورج کے آثار واحکام دے دے، یعنی یہ کہ وہ تمام روئے زمین کو حرارت اور روشنی دینے ،تمام حیوانات ونباتات کی زندگی کو حرکت میں رکھنے اور تمام سیاروں کو سورج کے گرد گھمانے اور اِن جیسے دوسرے پُر جلال وپُر ہیبت آثار کو جن کا سرچشمہ وہ بے قید سُورج ہے اور جن کا مشاہدہ اُس نے اُس تنگ قید اور محدود برزخ کے دائرے میں کیا ہے،اُن آثار کو وہ قلبی شہود کے ساتھ اپنے اُس مقیّد سورج کی جاگیر نہیں بنا سکتا۔

اور حتی کہ اگر یہ تینوں چیزیں ــ جنہیں ہم نے باشعور فرض کیا ہے ــ اس سورج کو وہ عجیب وغریب آثار دے بھی دیں جن کا مشاہدہ یہ اُس تنگ اور مقید ماحول میں کرتی ہیں، تو یہ چیز خالص عقلی اور ایمانی پہلو سے ممکن ہوسکتی ہے۔ اور یہ حقیقت مکمل طور پر تسلیم کرنے سے ہوسکتی ہے کہ یہ مقیّد سورج دراصل وہ آزاد اور بے قید سورج ہی ہے۔

چنانچہ یہ "پھول، قطرہ اور بوند" جنہیں ہم نے عقلمند انسان کے مشابہ قرار دیا ہے، اُن کا اِن عظیم الشان آثار واُحکام کی نسبت اپنے سورجوں کی طرف کرنا عقلی طور پر ہوگا نہ کہ شہودی طور پر۔ بلکہ کبھی اُن کے ایمانی احکام اُن کے مشہودات سے متصادم ہوں گے اِس لیے اُن کی تصدیق کرنے میں بڑی مشکل پیش آئے گی۔ اِس لیے ہم تینوں کے لیے اِس حقیقت کے ساتھ ممزوج تمثیل کے اندر جانا ضروری ہے جس کا دامن اتنا تنگ ہے کہ حقیقت اُس میں سما نہیں سکتی ہے۔ اور جس کے بعض پہلوؤں میں حقیقت کے اُعضاء واجزاء کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

ہم تینوں اپنے آپ کو "پھول" "قطرہ" اور "بوند" فرض کر لیتے ہیں، ہماری مفروضہ چیزوں میں جو شعور پایا جاتا ہے وہ چونکہ کافی نہیں ہے اس لیے ہم ان کے ساتھ اپنی عقلیں بھی ملا لیتے ہیں، یعنی ہم پر اس بات کا ادراک کر لینا لازم ہو جاتا ہے کہ جس طرح یہ تینوں اپنے مادی سورج سے فیضان حاصل کرتے ہیں اِسی طرح ہم بھی اپنے معنوی سورج سے فیضان حاصل کرتے ہیں۔

اب تُو اے میرے دوست جو کہ دنیا کو بھول نہیں پا رہا ہے اور مادیات کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے اور جس کا نفس بڑا کثیف ہو چکا ہے! تُو "زہرہ نامی پھول" بن جا؛ کیونکہ تیری استعداد اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے، کیونکہ یہ پھول وہ رنگ پکڑے گا جو سورج کی روشنی سے تحلیل ہوا ہے اور اُس رنگ سے سورج کی مثال اُس میں رچ بس جائے گی اور یوں وہ

Marfat.com

اس روشنی کے طفیل ایک خوشنما رنگ میں رنگا جائے گا۔

اور جہاں تک تعلق ہے اس فلسفی کا جو ماڈرن سکولوں میں پڑھا ہے اور جو اسباب کا معتقد ہے اور ''قدیم سعید'' کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، وہ چاند کا عاشق ''قطرہ'' بن جائے، چاند جو اُسے سورج سے حاصل کی ہوئی روشنی کا عکس عطا کرتا ہے، چنانچہ وہ جب اُس قطرے کی آنکھ کی پتلی کو روشنی دیتا ہے تو وہ اُس روشنی سے جگمگا اُٹھتا ہے۔ لیکن ''قطرے'' کی نظر اس روشنی کے ذریعے صرف چاند تک جا سکتی ہے، وہ سورج کو نہیں دیکھ سکتا، البتہ وہ سورج کو اپنے ایمان کے بل پر دیکھ سکتا ہے۔

اور یہ فقیر جس کا یہ اعتقاد ہے کہ ہر چیز براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور وہ اسباب کو حجاب سمجھتا ہے، اُسے چاہیے کہ وہ ''بوند'' بن جائے، پس یہ اپنی ذات میں فقیر بوند ہے، اس کے پاس پھول کی طرح کوئی ایسی چیز نہیں جس پر وہ بھروسا کر سکے، اور نہ ہی اس کا کوئی رنگ ہے جس کے ذریعے اُس کا مشاہدہ کیا جا سکے، اور نہ ہی اُس کی دیگر ایسی چیزوں کے ساتھ جان پہچان ہے جن کی طرف یہ متوجہ ہو سکے۔ یہ خالص بے رنگی کا مالک ہے جو سورج کی طرح اُس کی آنکھ کی پتلی میں چھپی رہتی ہے۔

اور اب جبکہ ہم نے یہ تینوں مقام حل کر لیے، ہمیں خود اپنی طرف دیکھنا چاہیے، تاکہ ہمیں پتا چلے کہ ہمارے دامن میں کیا ہے؟ اور ہمیں اپنی صلاحیت کی رُو سے کیا کرنا چاہیے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صاحبِ کرم ہم پر اپنی نعمتوں اور احسانوں کی بارش برساتا ہے، ہمیں روشن کرتا ہے، ہمیں نشوونما دیتا ہے اور زیب و زینت بخشتا ہے۔ اور انسان احسان کا غلام ہے اور جس ذات کو عبادت اور محبت کا اہل سمجھتا ہے اُس کے قریب ہونا چاہتا ہے اور اُس کا دیدار چاہتا ہے۔ اس لیے ہم میں سے ہر کوئی اپنی اُس استعداد کے حساب سے چلتا ہے جو اُس محبت کی کشش کے لیے اُس میں ہوتی ہے۔

**تو اے ''پھول'' کے مشابہ انسان!** تو اپنے سیر و سلوک میں رواں دواں رہ، لیکن پھول بن کر۔ تو چل چکا ہے اور ترقی کرتا ہوا درجہ بدرجہ کلی مرتبے تک جا پہنچا ہے۔ گویا کہ تو تمام پھولوں کی جگہ لے گیا ہے، جبکہ پھول ایک کثیف آئینہ ہے، اور روشنی کے سات رنگ اس میں ٹوٹتے پھوٹتے اور تحلیل ہوتے ہیں اور اس طرح منعکس ہونے والے سورج کی تصویر کو اوجھل کر دیتے ہیں اور یوں تم اپنے محبوب سُورج کی تصویر کبھی نہیں دیکھ پاؤ گے؛ کیونکہ مقید رنگ اور خصائص سورج کی روشنی کو بکھیر دیتے ہیں اور اُس کے آگے پردہ تان دیتے ہیں، اور یوں اس کے پیچھے جو کچھ ہوتا ہے آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں تم اُن فراقات سے کبھی بھی نجات نہیں پا سکو گے جو ان صورتوں اور برزخوں کے حائل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں، البتہ ایک شرط پر نجات پا سکتے ہو، اور وہ یہ ہے کہ:

Marfat.com

صرف اپنی ذات کی محبت میں مگن رہنے والے سر کو اپنے گریباں سے اُوپر اُٹھالو، اپنی اُس نظر کو روک لو جو صرف تمہاری ذات کے محاسن دیکھتی ہے اور اُسی پر فریفتہ ہے، اور اُس کے ساتھ آسمان کے وسط میں چمکتے ہوئے سورج کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھو، پھر مٹی پر نظریں جمائے ہوئے اور رزق مانگتے ہوئے اس چہرے کو اوپر آسمان والے سورج کی طرف پھیرلو؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم اُس سورج کا آئینہ ہو اور تمہاری ذمہ داری آئینہ داری اور سورج کی تجلّی کو آشکار کرنا ہے۔ رہا تمہارا رزق، تو وہ خزینہ رحمت کے دروازے یعنی مٹی سے آئے گا، تمہیں اس کا علم ہو یا نہ ہو۔

جی ہاں، جس طرح پھول سورج کا ایک چھوٹا سا آئینہ ہے، اُسی طرح یہ ضخیم سورج بھی ایک آئینہ ہے، آسمان کے سمندر میں قطرے کی طرح جو اللہ تعالیٰ کے اسم ''النّور'' کے ایک درخشاں جلوے کو منعکس کرتا ہے۔ اس لیے اے دلِ انسان اس بات کا ادراک کرلے کہ وہ سورج کتنا عظیم الشان ہے جس کا تُو آئینہ ہے!

یہ شرط پوری کرلے گا تو اپنا کمال حاصل کرلے گا، لیکن تو سورج کو اُس کی ذاتی حیثیت میں اور جس طرح وہ نفس الامر میں ہے اُس طرح نہیں دیکھ سکے گا۔ اس حقیقت کا مجرد صورت میں ادراک نہیں کرسکے گا، تیری صفات کے رنگ اسے کوئی نہ کوئی رنگ دے دیں گے۔ کیونکہ تیری کثیف دوربین اُسے کوئی صورت دے دے گی اور تیری مقیّد قابلیت اُسے کسی قید میں محدود کردے گی۔

اور اب ''قطرے'' میں داخل اے فیلسوف حکیم!

تو اپنے فکر کے قطرے کی دوربین اور فلسفے کی سیڑھی کے ذریعے اوپر چڑھتا چلا گیا ہے حتیٰ کہ چاند تک پہنچ گیا ہے اور چاند میں داخل ہوگیا ہے۔ دیکھ! چاند اپنی ذات میں کثیف اور تاریک ہے، اس میں نہ روشنی ہے نہ زندگی، اس لیے تیری کوشش رائیگاں اور علم بے فائدہ اور لاحاصل گیا۔ اب تو نااُمیدی کی تاریکیوں، اجنبیت کی وحشت اور خبیث روحوں کے شوروشغب سے نجات پاسکتا ہے، لیکن ان شرطوں پر، اور وہ یہ کہ:

اگر تُو نیچر کی تاریکی کو چھوڑ دے، اور حقیقت کے سورج کی طرف متوجہ ہو جائے، اور بالیقین یہ اعتقاد رکھے کہ اس رات کے یہ انوار دن کے سورج کے سائے ہیں۔ اگر تُو یہ شرط پوری کرجائے گا تو کمال کو پہنچ جائے گا اور فقیر اور اندھیارے چاند کی بجائے ہیبت ناک سورج کو پالے گا۔ لیکن تُو بھی اپنے دوسرے دوست کی طرح سورج کو صاف شفاف حالت میں نہیں دیکھ پائے گا بلکہ اُسے صرف اُن پردوں کے پیچھے سے دیکھ سکے گا جن کے ساتھ تیری عقل اور فلسفہ مانوس ہو چکے ہیں۔ اُسے اُن پردوں کے پیچھے سے دیکھے گا جو تیرے علم وحکمت نے بُن رکھے ہیں، اُس رنگ میں دیکھے گا جو تیری قابلیت اور صلاحیت نے اُسے دے دیا ہے۔

اور تمہارا یہ ''بوند'' کے ساتھ مشابہت رکھنے والا تیسرا دوست فقیر ہے، بے رنگ ہے، سورج کی حرارت سے

Marfat.com

بسرعت بخارات بن کر اُڑ جاتا ہے۔ یہ اپنی انانیت چھوڑ کر بخارات پر سوار ہو کر فضا میں بلندیوں پر جا پہنچتا ہے، اس کے اندر جو کثیف مادہ ہے وہ عشق کی آگ سے بھڑک اٹھتا ہے، چمک کے ذریعے روشنی میں تبدیل ہو جاتا ہے، اس چمک کی تجلیات سے صادر ہونے والی شعاع کا دامن پکڑ لیتا ہے اور اُس سے قریب ہو جاتا ہے۔

تو اے ''بوند'' کے ساتھ مشابہت رکھنے والے جب تُو براہِ راست سورج کے آئینے کی ذمہ داری نبھا تا رہے گا تو پھر تُو جس مرتبے پر بھی رہے گا، تجھے ایک صاف کھڑکی میسّر رہے گی جس سے تو عین الیقین کے ساتھ عین سورج کی طرف جھانک سکے گا۔ اور یوں سورج کے عجیب وغریب آثار واحوال کی نسبت اُس کی طرف کرنے میں تجھے کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ یعنی اُس کے ہیبت ناک اوصاف کو تُو اُس کی طرف بلاتردّد منسوب کر سکے گا۔ اُس کے حیرت انگیز اور مدہوش کن آثار کی نسبت اُس کی ذاتی سلطنت کی طرف کرنے میں کوئی چیز تیرا ہاتھ پکڑ کر تجھے قطعاً روک نہیں سکے گی۔ اب برزخوں کی تنگی، قابلیتوں کی قید اور آئینوں کی چھوٹائی تجھے پریشان نہیں کر سکے گی، اور ان میں سے کوئی بھی چیز تجھے حقیقت کے اُلٹ نہیں چلا سکے گی؛ کیونکہ تو صاف شفاف اور خالص ہے اور اُس کی طرف براہِ راست دیکھتا ہے۔ اور اسی بنا پر تُو اس بات کا ادراک کرلے گا کہ وہ جس کا مشاہدہ مظاہر میں ہو رہا ہے اور جو آئینوں میں نظر آرہا ہے، سورج نہیں ہے بلکہ یہ اس کی تجلیات کی ایک نوع ہے اور اس کے رنگ برنگے انعکاسات کی ایک قسم ہے۔ اور یہ انعکاسات تو فقط اُس کے دلائل و عناوین ہیں اور سورج کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اپنی ہیبت کے تمام آثار کا اظہار کر سکے۔

کہنا یہ ہے کہ یہ تمثیل جو کہ حقیقت کے ساتھ ممزوج ہے، اِس میں کمال کی طرف تین مختلف اور متنوع راستوں کے ذریعے پہنچا جاسکتا ہے۔ چنانچہ سالکین اِن کمالات کی امتیازی خوبیوں اور مرتبۂ شہود کی تفصیلات میں تو اگرچہ مختلف ہوتے ہیں لیکن نتیجے میں، حق کو تسلیم کرنے میں اور حقیقت کی تصدیق کرنے میں متفق ہوتے ہیں۔

جس طرح وہ انسان جس نے رات کے وقت اصلی سورج کا مشاہدہ نہیں کیا بلکہ وہ چاند میں اُس کے پرتَو کو دیکھ رہا ہے، اس کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنی عقل میں سورج کی خالص روشنی کی ہیبت اور اُس کی عظیم الشان جاذبیت کو جگہ دے سکے۔ بلکہ وہ تو صرف یہ کر سکتا ہے کہ اُس آدمی کی بات مان لے جس نے سورج دن کے وقت دیکھا ہے، اسی طرح وہ آدمی جو نبوت کی وراثت کے ذریعے ''القدیر'' اور ''المُحی'' جیسے اسمائے گرامی کے عظیم مرتبوں کا ادراک نہیں کر سکا وہ حشرِ اعظم اور قیامت کُبریٰ کا مشاہدہ اسی صورت میں کر سکتا ہے کہ اُن لوگوں کی بات تسلیم کرلے جو اس مرتبے پر فائز ہو چکے ہیں، اور سراپا تسلیم ہو کر کہہ دے کہ یہ عقلی مسئلہ نہیں ہے؛ کیونکہ حشر اور قیامت کی حقیقت اُسمائے حسنیٰ کی ایک قسم کے مراتب عظمی اور اسم اعظم کی تجلّی کے مظاہر ہیں، اب جس کی نظر اس مرتبے تک نہیں پہنچ سکتی وہ تقلید واقتدا کے لیے مجبور ہوگا، لیکن جس کی نظر وہاں تک پہنچ جائے گی وہ حشر اور قیامت کو ایسے ہی آسانی کے ساتھ دیکھ لے گا جس طرح کہ رات دن اور بہار و

Marfat.com

سرما کے آنے جانے کا نظارہ کرتا ہے اور مطمئن رہتا ہے۔

یہی وہ راز ہے جس کے پیش نظر قرآن نے حشر اور قیامت کو سب سے بڑے مرتبے اور مکمل ترین تفصیلات میں پیش کیا ہے، اور ہمارے نبی ﷺ جو کہ اِسمِ اعظم کے انوار سے بہرہ ور تھے اُنہوں نے بھی ان دونوں کے بارے میں یہی رہنمائی دی ہے۔

سابقہ انبیائے کرام نے حشر کے مسئلے کو سب سے بڑے درجے میں اور وسیع ترین تفصیل کے ساتھ نہیں بلکہ اجمالی شکل میں پیش کیا ہے تو اِس میں دعوت وارشاد اور رہنمائی کی حکمت پیشِ نظر تھی؛ کیونکہ ان کی اُمتیں ابھی سادہ لوح اور ابتدائی حالات میں تھیں۔

اور یہی وہ راز ہے جس کی رُو سے کچھ اولیائے کرام نے بعض ارکانِ ایمان کو سب سے اعلیٰ مرتبے میں نہیں دیکھا، یا یہ ہے کہ وہ اُنہیں اِس طرح بیان نہیں کر سکے ہیں۔

اور یہی وہ راز ہے جس کی رُو سے عارف باللہ لوگوں کے درجات میں معرفت کے ضمن میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ اور یوں اس حقیقت سے اس طرح کہ بہت زیادہ اسرار کھلتے ہیں۔

تمثیل کے ضمن میں ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ اس سے ہمیں حقیقت کا _ کسی حد تک _ شعور مل جاتا ہے، وگرنہ حقیقت تو بہت وسیع اور بڑی گہری ہے، اور جو اسرار ورموز ہماری حد سے بالا اور طاقت سے باہر ہیں ہم ان میں مداخلت نہیں کرتے ہیں۔

## تیسری شاخ:

''علامات وواقعاتِ قیامت'' اور ''فضائل وثوابِ اعمال'' کے بارے میں جو احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں اُن میں سے بعض کا مفہوم واضح نہ ہونے کی وجہ سے انہیں سمجھنے میں کچھ دشواری پیش آتی ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اِن میں سے کچھ کو بعض عقل پر اعتماد کرنے والے اہلِ علم نے ضعیف قرار دے دیا ہے، کچھ کو ''موضوعات'' کے کھاتے میں ڈال دیا ہے، اور کچھ کمزور ایمان اور مضبوط انانیت والے لوگ اُن کے انکار تک جا پہنچے ہیں۔ ہم یہاں تفصیل میں نہیں جائیں گے بلکہ ''بارہ عدد'' ایسے اصولوں اور عمومی قاعدوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں جن سے اس قسم کی احادیث شریفہ کو سمجھنے میں کافی حد تک رہنمائی مل سکتی ہے:

### پہلا اُصول:

اور یہ وہ مسئلہ ہے جس کی وضاحت ہم نے ''بیسویں مقالے'' کے آخر میں وارد ہونے والے سوال کے جواب میں کی ہے، اور وہ اجمالی طور پر اس طرح ہے کہ:

Marfat.com

دین امتحان اور آزمائش ہے جو کہ ارواحِ عالیہ کو ارواحِ سافلہ سے ممتاز کرتا ہے۔ اس لیے وہ ایسے حوادث کے بارے میں بحث کرتا ہے جن کا مشاہدہ لوگ مستقبل میں کریں گے، اور ایسے صیغے کے ساتھ کرتا ہے جو اِس حد تک مجہول یا مبہم نہیں ہوتا کہ سمجھ میں ہی نہ آسکے، اور نہ ہی اتنا واضح ہوتا ہے کہ بغیر سوچ بچار کے بے ساختہ سمجھ میں آجائے اور پھر اس کی تصدیق کرنا ضروری ہو جائے، بلکہ وہ اسے اس طریقے سے پیش کرتا ہے کہ عقل وفکر کے استعمال سے اُس کا معنی کھل جائے اور سمجھ سے بالا نہ رہے۔ اور عقلوں سے اُن کی قدرت اور اختیار سلب نہیں کرتا ہے۔

اگر قیامت کی علامات میں سے کوئی علامت اُن معاملات کی طرح بالکل واضح طور پر ظاہر ہو جاتی جو بے ساختہ بدیہی طور پر سمجھ میں آجاتے ہیں اور ہر کوئی اُس کی تصدیق پر مجبور ہوتا، تو پھر ایک کوئلے جیسی استعداد اور ہیرے جیسی استعداد دونوں برابر ہو جاتیں۔ اور انسان کو مکلّف کرنے میں جو راز پایا جاتا ہے وہ ضائع ہو جاتا اور امتحان کا نتیجہ بے فائدہ رہتا۔

اِسی وجہ سے مہدی اور سفیانی جیسے مسائل کی طرح بہت سے مسائل میں اختلاف رونما ہو چکا ہے۔ جیسے کہ مہدی اور سفیانی کا مسئلہ ہے، اور روایات میں کثرتِ اختلاف کی وجہ سے متضاد احکام سامنے آگئے ہیں۔

## دوسرا اُصول:

اسلامی مسائل کے کچھ طبقات و مراتب ہیں، چنانچہ ایک مسئلے میں اگر برہانِ قطعی کی ضرورت ہوتی ہے _ جیسے عقائد کے مسائل _ تو دوسرے میں ظنِ غالب ہی کافی ہوتا ہے، اور کچھ میں صرف تسلیم وقبول اور انکار نہ کرنے سے ہی کام چل جاتا ہے۔

اس لیے ہر فرعی مسئلے میں اور اُن تاریخی واقعات میں جن کا تعلق بنیادی ایمانیات کے ساتھ نہیں، قطعی دلیل و برہان اور یقین واذعان کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ان میں تسلیم وقبول اور عدمِ انکار ہی کافی ہوتا ہے۔

## تیسرا اُصول:

صحابہ کرام کے دور میں بہت سے عیسائی اور بنی اسرائیلی علماء مسلمان ہوئے اور وہ اپنی سابقہ معلومات بھی ساتھ ہی لائے، اب ان کی ان سابقہ معلومات میں سے بہت سی ایسی چیزیں بھی اسلام میں داخل ہو گئیں جن کے بارے میں یہ سمجھا جانے لگا کہ ان کا تعلق بھی اسلامی علوم کے ساتھ ہی ہے۔

## چوتھا اُصول:

حدیث کے متن میں راویانِ حدیث کے کچھ اقوال اور اُن کے استنباط کردہ معانی درج ہو گئے ہیں اور اُنہیں یُوں کا تُوں لے لیا گیا ہے۔ اور انسان چونکہ خطا کا پتلا ہے، اس لیے اُن کے وہ اَقوال اور استنباطات خلافِ واقعہ ظاہر ہوئے جو کہ حدیث کے ضعیف ہونے کا سبب بنے۔

Marfat.com

## پانچواں اُصول:

محدثین میں سے جو لوگ اولیاء اور اہلِ کشف تھے اُن کے کچھ الہامی معانی کو' اِنَّ فِی اُمَّتِیْ مُحَدَّثُوْنَ مُلْهَمُوْنَ'' کی بنیاد پر حدیث شمار کرلیا گیا۔(۱)

جب کہ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ اولیاء اللہ کا کشف والہام کبھی بعض وجوہات کی بنا پر غلط بھی ہوتا ہے۔ اِس لیے یہ بات ممکن ہے کہ ایسی روایات میں کچھ ایسی چیزیں بھی رونما ہوجائیں جو خلافِ حقیقت ہوں۔

## چھٹا اُصول:

کچھ حکایات لوگوں میں اتنی مشہور ہو جاتی ہیں کہ ضربُ المثَل بن جاتی ہیں۔ اس لیے امثال کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ اُن کے حقیقی معنی کی طرف نہیں دیکھا جاتا بلکہ اُس مقصد کی طرف دیکھا جاتا ہے جس کے لیے وہ مثل بیان کی گئی ہو۔ اس لیے بعض اَحادیث میں صرف رہنمائی کی خاطر نبی ﷺ نے کنایۃً اور تمثیلاً اُن قصوں کہانیوں کا تذکرہ کر دیا جو لوگوں کے درمیان متعارف تھیں۔

اِس لیے ایسے مسائل میں اگر حقیقی معنی میں کوئی کمی کوتاہی آجائے تو اُس کا تعلق لوگوں کے عادات واطوار اور اُن کی آپس میں سنی سُنائی اور جانی پہچانی کہانیوں کے ساتھ ہوگا۔

## ساتواں اُصول:

بہت سی ایسی تشبیہات وتمثیلات ہیں جو مرورِ زمانہ کے ساتھ یا علمی دائرے سے نکل کر جاہلوں کے ہاتھ چڑھ جانے کی وجہ سے مادی حقائق کا درجہ لے چکی ہیں، اس کا نقصان یہ ہوا کہ لوگ اُنہیں مادی حقائق سمجھ کر غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر دو فرشتے ہیں، اُن میں سے ایک کا نام ثور (بیل) ہے اور دوسرے کا حُوت (مچھلی)۔ اور یہ دونوں عالمِ مثال میں ان دو ناموں کی شکلوں کی نمائندگی کرتے ہیں، حالانکہ وہ دونوں اللہ کے وہ فرشتے ہیں جو بَرّی اور بحری حیوانات کی نگرانی کرتے ہیں۔ اب لوگوں کا یہ غلط تصور بن چکا ہے کہ وہ دونوں بھاری بھرکم بیل اور مچھلی کا جسم رکھتے ہیں، اور وہ اس عقیدے پر پختہ ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے حدیث پر اعتراض کا دروازہ کھل گیا۔

اور مثال کے طور پر: رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں ایک آواز سنی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک پتھر کی آواز ہے جو ستر سال سے جہنم میں گر رہا ہے اور اب اُس کی تہ میں پہنچا ہے۔ اب جو اس حدیث کو سنے گا اور اُسے اصل حقیقت کا پتا نہیں ہوگا، تو وہ حدیث کا انکار کر دے گا اور گمراہ ہو جائے گا، حالانکہ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں ایک منٹ بعد ایک آدمی نے آپ ﷺ کو خبر دی کہ فلاں مشہور منافق بیس منٹ پہلے مر گیا ہے، تب اُسے یقین ہو جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بے نظیر نبوی بلاغت کے ساتھ اُس منافق کی صورت گری کی تھی جو ستر سال کا ہو گیا تھا لیکن اُس

Marfat.com

پتھر کی طرح رہا جو مسلسل جہنم کی تہ کی طرف لڑھکتا رہا۔اُس کی تمام زندگی کفر اور اسفل سافلین کی جہنم میں گرنے سے عبارت تھی ۔اب اُس کی موت ہوئی اور وہ جہنم کی تہ کے ساتھ جاٹکرایا تو اللہ تعالیٰ نے وہ آواز سنوائی اور اُسے اس کے جہنم و اصل ہونے کی نشانی بنایا۔

## آٹھواں اُصول:

وہ مطلق حکیم اس دارُالامتحان اور دارُالابتلاء میں بہت سے اہم ترین امور کو بہت سے امور کی کثرت اور بہتات کی تہوں کے درمیان چھپا کر رکھتا ہے،اور اس ادامیں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں پائی جاتی ہیں:

مثال کے طور پر:اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے''لیلة القدر ''کو رمضان کے مہینے میں چھپادیا ہے،دُعا کی قبولیت کی گھڑی کو (جمعے کے دن میں چُھپا دیا ہے،اپنے (اَولیائے صالحین) کو لوگوں کے جھمگٹوں میں چھپا دیا ہے،(اَجل) کو عمر میں اور (قیامت کی گھڑی) کو دنیا کی عمر میں چُھپا دیا ہے۔اس لیے کہ اگر انسان کی اجل معیّن ہوتی اور اُس کا وقت معلوم ہوتا تو یہ مسکین انسان اپنی آدھی عمر مکمل غفلت میں گزارتا اور باقی آدھی عمر خوف اور دہشت کے مارے اس طرح گزارتا کہ جیسے کسی کو لحہ بہ لحہ پھانسی کے پھندے کی طرف لے جایا جارہا ہو،جبکہ دنیا اور آخرت کے درمیان توازن،اور خوف و رجا کے درمیان لٹکتے ہوئے دل والے انسان کی بقا کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان پر گزرنے والے ہر لمحے میں موت کے حدوث اور حیات کے استمرار کا امکان ہو۔اس بنا پر مجہولُ الاجل عمر کے بیس سالوں کو معلومُ الاجل عمر کے ایک ہزار سال پر ترجیح دے دی جائے گی۔

اور اس طرح قیامت کا قائم ہونا اِس دنیا کی اجل ہے،یہ دنیا جو کہ ایک بڑے انسان کی طرح ہے۔چنانچہ اگر اس کی موت کا وقت معیّن اور معلوم ہوتا تو پہلی اور وسط کی صدیاں غفلت کی نیند میں مدہوش گزرتیں اور آخری صدیاں خوف اور دہشت کے عالم میں گزرتیں؛اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے سب سے بڑے مسکن اور سب سے بڑے شہر یعنی دنیا کے ساتھ اپنی معاشرتی اور انسانی زندگی کی رُو سے ایسے ہی مضبوط تعلق رکھتا ہے جیسے کہ وہ اپنی روزمرّہ کی اور شخصی زندگی کے تحت اپنے چھوٹے مسکن یعنی اپنے گھر اور گاؤں کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے کہ:﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ (حاشیہ:۱) اس آیت کریمہ میں جس قرب کا ذکر ہے،ایک ہزار یا اس سے زیادہ سالوں کا اُس کے ساتھ اختلاف یا تناقض نہیں ہے؛کیونکہ قیامت دنیا کی اجل یا موت ہے،اور دنیا کی عمر کے ایک ہزار یا دو ہزار سال ایسے ہی ہیں جیسے انسانی عمر کا ایک دن ہو،دو دن ہوں،یا ایک منٹ یا دو منٹ ہوں۔

اسی طرح ہمارے ذہنوں سے یہ بات بھی اوجھل نہیں ہونی چاہیے کہ قیامت کی گھڑی صرف انسانیت ہی کی اجل

---

(حاشیہ:۱) ''قیامت کی گھڑی قریب آگئی ہے''

Marfat.com

نہیں ہے کہ اُس کا قُرب وبعد انسانیت کی عمر کے حساب سے ماپا جائے، بلکہ وہ تمام کائنات اور ارض وسماوات کی اجل ہے جن کی ہولناک عمریں قیاس وحساب سے باہر ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ خدائے حکیم مطلق نے قیامت کے برپا ہونے کے وقت کو مغیباتِ خمسہ میں کر کے اپنے علم میں چھپا دیا ہے، اس ابہام کے راز کی وجہ سے ہر دور حتیٰ کہ عصرِ حقیقت میں جو کہ عصرِ سعادت ہے لوگ بھی قیامت کے برپا ہونے سے خوفزدہ رہتے تھے۔ اور اس کو مخفی رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ لوگ ہر دور میں قیامت کے آجانے سے ڈرتے رہیں، حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ اپنے دور میں اس بارے میں دوسرے لوگوں سے کہیں زیادہ خوفزدہ رہتے تھے، حالانکہ وہ خیرُ القرون کے باشندے تھے، اور وہ دور سعادت اور حقائق کی جلوہ گریوں کا دور تھا۔ بلکہ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ قیامت کی اشراط وعلامات ظہور میں آچکی ہیں اور وہ بے انصاف لوگ جو اس حقیقت سے لاعلم ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ: ایک ایسی اہم حقیقت جو کہ چودہ سو سال کے بعد وقوع پذیر ہونے والی تھی، اُس کے بارے صحابہ کرامؓ نے اپنے دور میں یہ گمان کیسے کر لیا کہ وہ بالکل قریب ہے، حالانکہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ وہ لوگ بڑے دور اندیش، بیدار مغز، انتہائی لطیف احساسات کے مالک، آخرت کی تمام تفصیلات کا درس لینے والے، اُس کے معانی کے بارے میں سب سے زیادہ ادراک رکھنے والے، سب سے زیادہ صاحبِ بصیرت تھے تو پھر اُن کی سوچ فکر حقیقت سے ایک ہزار سال پیچھے کیوں رہ گئی؟

الجواب: اِس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبوت کی صحبت اور فیض یابی کی برکت سے آخرت کے بارے میں سب سے زیادہ فکر مند، دنیا کے فنا وزوال کے بارے میں سب سے زیادہ پختہ یقین اور قیامت کے برپا ہونے کے وقت کو مخفی رکھنے میں جو حکمت پائی جاتی ہے اُس کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے، اِسی بنا پر دنیا کی موت اور آخری لمحات کا سامنا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار اور سراپا انتظار رہتے تھے، بالکل ایسے جیسے کوئی آدمی اپنی ذاتی موت کا منتظر رہتا ہو، اِس لیے انہوں نے اس کے لیے بھرپور محنت کی۔

پھر نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ﴿......فَانتَظِرُوا السَّاعَةَ﴾ یعنی قیامت کا انتظار کرو کے الفاظ میں جو تکرار ملتا ہے اُس کا سرچشمہ بھی اِخفاء وابہام میں پائی جانے والی یہی حکمت ہے اور اس میں نبی ﷺ کی انتہائی بلیغ انداز میں پائی جانے والی ایک رہنمائی ملتی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وحی کے ذریعے قیامت کے وقت کا تعین ہو رہا ہے، اس لیے اِس بدگمانی میں مبتلا ہونے کی چنداں ضرورت نہیں کہ یہ بات حقیقت سے دور ہے؛ اِس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شے میں پائی جانے والی حکمت اور چیز ہے اور علّت اور چیز۔ اس لیے وہ احادیث جو اس قبیل سے تعلق رکھتی ہیں ان کا سرچشمہ اِخفاء وابہام ہے۔

اور اسی حکمت کی بنا پر لوگوں نے بہت مدّت پہلے حتیٰ کہ تابعین کے دور سے ہی مہدی اور دجال سفیانی کے ظہور کا

Marfat.com

انتظار کرنا شروع کر دیا تھا، صرف اِس اُمید پر کہ وہ ان کے دور کو پالیں گے اور اُن کے ساتھ ہو جائیں گے، حتیٰ کہ بعض اُولیاء نے تو یہاں تک بھی کہہ دیا ہے کہ ان کے ظہور کا وقت گزر چکا ہے۔

تو اُن کے ظہور کے اوقات کے عدمِ تعیّن میں جو حکمت پائی جاتی ہے، وہ بعینہ وہی حکمت ہے جو یوم قیامت کے عدمِ تعیّن میں پائی جاتی ہے۔

کیونکہ ہر وقت اور ہر زمانہ ''مہدی'' کے اُس ''معنی'' کا محتاج ہے جو معنوی قوّت کی بنیاد اور نا اُمیدی سے رہائی کا موجب ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہر دور کا اِس معنی سے کچھ حصہ ہو۔ اِسی طرح یہ چیز بھی واجب ہے کہ لوگ ہر دور میں ایسی شریر شخصیات سے محتاط، ہوشیار اور بیدار رہیں جو نفاق کے سرغنے ہوں گی اور شرّ و تخریب کاری کے ایک بہت بڑے دھارے کی قیادت کریں گی۔ اور یہ اِس لیے تاکہ سستی اور بے پرواہی کی وجہ سے نفس کی باگ ڈور کہیں ڈھیلی نہ پڑ جائے۔

چنانچہ اگر مہدی، دجال اور ان جیسی دیگر شخصیات کے ظہور کے اوقات کو معیّن کر دیا جاتا تو عمومی راہنمائی کی مصلحت ختم ہو جاتی۔

رہی یہ بات کہ مہدی اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں وارد ہونے والی روایات میں اختلاف کیوں پایا جاتا ہے، تو اس میں راز یہ ہے کہ:

جن لوگوں نے ایسی اَحادیث کی تفسیر کی ہے انہوں نے حدیث کے متن میں اپنے شخصی استنباطات و اجتہادات بھی مندرج کر دیے ہیں۔ مثال کے طور پر ان لوگوں نے اپنی تفسیروں میں اپنے تصوّر کے مطابق لکھا ہے کہ مہدی اور دجال کے وقائع و احداث شام بصرہ اور کوفہ کے ارد گرد رونما ہونگے کیونکہ یہ شہر اُن دنوں مرکز خلافت یعنی مدینہ منورہ اور شام کے اِرد گرد واقع تھے۔

یا پھر اُنہوں نے ان احادیث کی تفسیر اس طرح سے کی کہ وہ عظیم الشان آثار و واقعات جن کی نقشہ کشی اُن کی معنوی شخصیت کرے یا جن کا ظہور ان کی جماعتوں سے ہوگا، ان کے متعلق انہوں نے یہ تصور کر لیا کہ وہ اُن کی ذاتی اور انفرادی شخصیت سے ظہور میں آئیں گے، جس سے یہ سوچ سامنے آئی کہ ان شخصیات کا ظہور چونکہ سادہ رنگ اور غیر معمولی طریقے سے ہوگا اس لیے تمام لوگ انہیں فوراً پہچان لیں گے۔ جبکہ حالت _ جیسے کہ ہم نے بتایا ہے _ یہ ہے کہ یہ دنیا امتحان اور

---

(۱) حکمت اور علت میں یہ فرق ہے کہ: کسی حکم کی حکمت جلب منفعت اور دفع مضرت سے تعلق رکھنے والی اس حکمت کو کہتے ہیں جسے بروئے کار لانے کے لیے شارع نے وہ حکم دیا ہے۔

اور علت اُس وصف کو کہتے ہیں جس پر حکم کا دار و مدار ہو۔ یعنی جہاں وہ وصف پایا جائے گا وہاں حکم بھی پایا جائے گا اور جہاں وہ وصف نہیں ہوگا وہاں حکم بھی نہیں ہوگا۔ عقل اس وصف اور حکم کے درمیان پائی جانے والی مناسبت کا ادراک کر جائے تو اُسے علت اور سبب بھی کہا جاتا ہے اور اگر اس مناسبت کا ادراک نہ کر سکے تو صرف سبب کہلاتا ہے۔ (حجة الله البالغة۔ الوجيز في اصول الفقه) مترجم۔

Marfat.com

آزمائش کا میدان ہے، اور اللہ تعالیٰ جب انسان کو آزماتا ہے تو اسے مسلوب الاختیار نہیں بنا دیتا بلکہ اس کی عقل کے سامنے دروازہ کھول دیتا ہے، اس لیے یہ اشخاص _ مہدی اور دجال _ جب ظاہر ہوں گے تو اکثر لوگ انہیں پہچان نہیں پائیں گے بلکہ خود دجال کو بھی بادیٔ الامر میں اپنے دجال ہونے کا پتا نہیں چل سکے گا۔ اُنہیں پہچان صرف وہ سکے گا جو انہیں گہرے ایمان کی روشنی سے دیکھے گا۔

اور دجال جو کہ قیامت کی ایک علامت ہے، اُس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''اُس کا پہلا دن ایک سال جیسا ہوگا، دوسرا دن ایک مہینے جیسا اور تیسرا دن ایک ہفتے جیسا اور چوتھا دن عام دنوں جیسا ہوگا۔ جب وہ نکلے گا تو دنیا اُس کے بارے میں سُنے گی۔(۱) اور وہ چالیس دنوں میں زمین کا چکّر لگالے گا۔''

اب وہ لوگ جو اِنصاف کے خوگر نہیں ہیں اُن کا کہنا ہے کہ اس روایت کا مضمون محالات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے اُنہوں نے اس کا انکار کر دیا ہے اور اسے باطل قرار دے دیا ہے۔

لیکن _ حاشا کلّا _ بات ایسے نہیں جیسے وہ سمجھ بیٹھے ہیں بلکہ اصل حقیقت _ واللہ اعلم _ یہ ہے:

اس حدیث شریف میں ایک شخص کی طرف اِشارہ ہے جس کا ظہور اُس شمالی علاقے کی طرف سے ہوگا جو کہ سخت ترین کفر کا گڑھ ہے، وہ شخص انکار سے بھری ہوئی مادیت سے جنم لینے والے ایک بہت بڑے سیلاب کی قیادت کرے گا اور الحاد اور خالق کے انکار کا علمبردار ہوگا۔ تو اس حدیث کے معنی میں دنیا کے شمال کی طرف سے برآمد ہونے والے اسی شخص کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس اشارے کے اندر ایک بڑی پُرحکمت رمز پائی جاتی ہے، اور وہ یہ کہ:

قطبِ شمالی کے قریبی دائرے میں ایک سال ایک دن اور ایک رات کا ہوگا، اور وہ اس طرح کہ چھ مہینے کی رات ہوگی اور چھ مہینے کا دن۔ یعنی دجال کا یہ دن ایک سال کا ہوگا جیسے کہ حدیث میں آیا ہے کہ: (ایک دن ایک سال جیسا ہوگا)۔ تو یہ اِس چیز کا اشارہ ہے کہ اُس کا ظہور قطب شمالی کے اس دائرے کے قریب ہوگا۔ اور یہ جو آیا ہے کہ (اس کا دوسرا دن ایک مہینے جیسا ہوگا)، تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جُوں جُوں قطب شمالی سے اپنے اِن علاقوں کی طرف آتے جائیں گے وہاں کئی علاقوں میں ایک دن کبھی ایک مہینے کے برابر ہوگا، وہاں جہاں سورج گرمی کے موسم میں ایک مہینہ تک غروب نہیں ہوتا ہے اور اس میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ دجال شمال سے نکلنے کے بعد دنیائے تہذیب وتمدن تک بڑھ آئے گا۔ اور یہ اشارہ ہمیں اس چیز سے ملتا ہے کہ دِن کی نسبت دجال کی طرف کی گئی ہے۔ اور یوں ہم جیسے جیسے شمال سے اُترے ہوئے جنوب کی طرف آجائیں گے ہم ایسے علاقے میں پہنچ جائیں گے جہاں سورج ایک ہفتہ تک غروب نہیں ہوتا۔ تا آنکہ پھر ہم ایسے علاقے میں پہنچ جائیں گے جہاں سورج کے طلوع وغروب میں صرف تین گھنٹوں کا فرق رہ جاتا ہے۔

میں جن دنوں روس میں قید تھا مجھے اسی طرح کے علاقے میں رکھا گیا تھا، چنانچہ ہمارے بالکل قریبی جگہ میں سورج ایک ہفتہ تک غروب نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ لوگ غروبِ شمس کے اس عجیب وغریب منظر کا نظارہ کرنے کے لیے نکلا کرتے تھے۔

Marfat.com

رہی یہ بات کہ ''دجال کے بارے میں ساری دنیا سُنے گی'' تو اس کو ریڈیو اور ٹیلی گرام وغیرہ نے حل کر دیا اور جہاں تک ''اس کا چالیس دن میں پوری دنیا کا چکر لگانے کی بات ہے'' تو اس کو ریلوے اور ہوائی جہاز وغیرہ نے حل کر دیا ہے۔ اب جو ملحد لوگ کل تک اِن چیزوں کا انکار کرتے تھے۔ اور انہیں ناممکن اور محال سمجھتے تھے، آج یہ چیزیں ان کے ہاں عام اور معمولاتِ زندگی میں شامل ہیں۔

رہا مسئلہ یاجوج ماجوج اور سدِّ ذوالقرنین کا جو کہ قیامت کی علامات میں سے ہیں، تو ان دونوں کے بارے میں کسی دوسری جگہ پر تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، اُسے وہاں دیکھا جاسکتا ہے۔ (حاشیہ:۱) یہاں صرف اِتنا کہوں گا کہ:

کل جس طرح مینچو ر اور منگول قبیلوں نے انسانی معاشروں کو تباہ و برباد کیا تھا اور وہ دیوارِ چین کی تعمیر کا سبب بنے تھے، اسی طرح کچھ روایات ایسی بھی ہیں جن میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ قیامت کے نزدیک جدید تہذیب و تمدن بھی زمین بوس ہو جائے گی اور اُن کے بے لگام تخریبی اور خوفناک افکار کے قدموں کے نیچے روندی جائے گی۔

**اب کچھ الحاد پرست لوگ یہاں سوال کرتے ہیں کہ:**

یہ انسانی گروہ کہاں پایا جاتا ہے جنہوں نے ایسے تخریبی کام کیے اور آئندہ بھی کریں گے؟

**الجواب:** ٹڈی دَل ایک زرعی آفت ہے جو کسی خاص موسم میں خاص سرزمین پر حملہ آور ہوتا ہے اور وہاں کی فصلیں تباہ کر دیتا ہے، اور پھر موسم کی تبدیلی کے ساتھ کہیں چھپ جاتا ہے۔ لیکن اُن کے خواص و حقائق اُن میں سے بعض محدود افراد کی سرشت میں مخفی رہتے ہیں۔ پھر عین وہی آفت _ حکمِ الٰہی سے _ کسی معین موسم میں وقت آنے پر بے شمار تعداد میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اُس کی جنسی پیدائش کی جو حقیقت ہے وہ _ نابود نہیں ہوتی بلکہ _ سکڑ جاتی ہے اور کسی کونے کھدرے میں جا لگتی ہے تا کہ کسی خاص موسم میں ازسرِ نو ظہور میں آئے۔

اب جو معاملہ ٹڈیوں کا ہے، وہی معاملہ اُن اقوام کا ہے جنہوں نے کسی وقت میں دنیا میں فساد برپا کیا تھا۔ وہ اقوام اللہ کے حکم اور اُس کی مشیّت سے کسی مقرر وقت میں نوعِ بشری کو ہلاک کرنے کے لیے نکلیں گی اور انسانی تہذیب و تمدن کو ایک مرتبہ پھر تباہ و برباد کر دیں گی۔ صرف یہ ہے کہ اب کی بار اُن کا برانگیختہ ہونا اور حرکت میں آنا کسی اور طریقے سے ہوگا۔ ''لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ''

## نواں اُصول:

ایمانیات کے کچھ مسائل ایسے ہیں کہ جن کے ماحصل کا تعلق اس تنگ و تاریک اور مقیّد دنیا کے ساتھ ہے اور کچھ کا

(حاشیہ:۱) اس باب میں بہت سی احادیث مروی ہیں اور زیادہ تر حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی۔ باب علامات الساعۃ۔ (مترجم)

Marfat.com

تعلق آخرت کی اُس وسیع وعریض اور آزاد کائنات کے ساتھ ہے۔

اور فضائل اعمال کے ضمن میں چونکہ کچھ ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے ترغیب وترہیب کی مناسبت سے اُسلوب اختیار کیا، اس لیے سطحی نظر سے دیکھنے والے بعض لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان حدیثوں میں مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے۔ جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ تمام کی تمام احادیث عین حق اور مبنی بر حقیقت ہیں اور ان میں کسی بھی قسم کا کوئی بھی قطعاً مبالغہ نہیں ہے۔

مثال کے طور پر وہ حدیث جو سب سے زیادہ بے انصاف لوگوں کو ذہنی پریشانی اور تشویش میں مبتلا کرتی ہے وہ یہ ہے: ''اگر یہ دنیا اللہ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پیتا'' ''لَوْ كَانت الدُّنيا تعدل عِندَ الله جناح بعوضة ما شرب الكافر منها جرعة ماء'' (حاشیہ:۱)

اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ:

''عند الله'' کا لفظ عالم باقی کی ترجمانی کر رہا ہے، چنانچہ عالمِ بقا سے پھوٹنے والا نور اگرچہ مچھر کے پر کے برابر ہی کیوں نہ ہو، چونکہ ابدی ہے اس لیے عارضی اور وقتی نور سے کہیں زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے اگرچہ اس وقتی نور نے تمام زمین کو بھر دیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث مچھر کے پر اور اِس لمبی چوڑی دنیا کے درمیان موازنہ قائم نہیں کر رہی ہے بلکہ موازنہ یہاں ہر فرد کی انفرادی اور اُس کی چھوٹی سی عمر کے دائرے میں منحصر دنیا اور اللہ تعالیٰ کے فیضان اور اُس کے احسانِ عمیم سے پھوٹنے والے دائمی تابناک نور کے درمیان ہے، اگرچہ وہ مچھر کے پر کے برابر ہی ہو۔

پھر اس دنیا کے دو بلکہ تین رُخ ہیں:

ان میں سے ایک: اس آئینے کی طرف ہے جو اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کو منعکس کرتا ہے۔

اور دوسرا: آخرت کی طرف دیکھتا ہے، یعنی یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

اور تیسرا: عدم وفنا کی طرف دیکھتا ہے اور یہ تیسرا رُخ ہی اللہ کے ہاں ناپسندیدہ دنیا ہے، اور یہ وہی ہے جو گمراہوں کی دنیا کے نام سے مشہور ہے۔

تو پتا چلا کہ اس حدیث شریف میں جس دنیا کا ذکر ہے اُس سے مراد وہ عظیم دنیا نہیں ہے جو کہ اسمائے حسنیٰ کے آئینوں کی حیثیت رکھتی ہے اور جو صمدانی رسائل و پیغامات کا روپ ہے، اور نہ ہی اِس سے مراد وہ دنیا ہے جو آخرت کی کھیتی ہے، بلکہ اس سے مراد وہ دنیا ہے جو آخرت کی نقیض ہے اور تمام گناہوں، خطاؤں اور مصیبتوں اور بلاؤں کا سرچشمہ ہے۔ وہ دنیا پرستوں کی دنیا جو آخرت کی اس ابدی اور سرمدی دنیا کے مقابلے میں ایک ذرّے کی حیثیت بھی نہیں رکھتی ہے جو اللہ کے

(۱) اصل حدیث اس طرح ہے: ''لو كانت الدنيا تعدل عندالله جناح بعوضة ماسقى كافرا منها شربة ماء'' اس دنیا کی حیثیت اللہ کے ہاں اگر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ تک نہ دیتا'' (صحیح ترمذی) او کما قال۔ مترجم۔

Marfat.com

مومن بندوں کو عطا کی گئی ہے۔اب اس سچی حقیقت کا اُس وہم وگمان کے ساتھ کیا تعلق ہے جو بے انصاف الحاد پرستوں نے مبالغے سے کام لیتے ہوئے قائم کرلیا ہے؟

## دوسری مثال:

ان احادیث کے بارے میں جو اعمال کے ثواب اور قرآن کریم کی بعض سورتوں کے فضائل کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ملحد لوگوں نے اس بارے میں ہٹ دھرمی سے کام لیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ثواب وفضائل کے بارے میں یہ جو کچھ وارد ہوا ہے سب غیر معقول مبالغے پر مبنی ہے، بلکہ اُنھوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہ چیز ناممکن ہے!

**مثال کے طور پر:** حدیث میں وارد ہوا ہے کہ''سورۃُ الفاتحہ'' کا ثواب قرآن کے ثواب کے برابر ہے(حاشیہ:۱)،اور''سورۃ الاخلاص'' ثلثِ قرآن کے برابر ہے، (حاشیہ:۲)ور''سورۃُ الزلزال'' رُبعِ قرآن کے برابر ہے(حاشیہ:۳)،اور''سورۃُ الکافرون'' رُبع قرآن کے برابر ہے۔(حاشیہ:۴)اور''سورۃ یٰس'' کا ثواب دس قرآنوں کے ثواب کے برابر ہے اب جو لوگ گہری اور منصفانہ نظر وفکر کے مالک نہیں ہیں وہ ایسی روایات کے مضامین کو ناممکن اور محال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: سورہ یٰس اور دوسری فضیلت والی سورتیں قرآن ہی میں ہیں۔اس لیے یہ بات کہنا بے معنی ہے؟

**الجواب:** ان روایات کی حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم کے ہر ایک حرف کا ایک ثواب ہے،اور وہ ایک نیکی ہے،لیکن اللہ

---

(حاشیہ:۱)حدیث کے الفاظ ہیں:"الحمد للہ رب العالمین ھی سبع المثانی الذی أُوتیتہ و القرآن العظیم" صحیح البخاری 6/322، ابوداود:1/145،نسائی:2/139،عن ابی سعید المعلّی

(حاشیہ:۲)"قُل ھو اللہ أحد تعدل ثُلث القرآن" صحیح البخاری: 325 /6،موطا امام مالک،مسند احمد،ابوداود،ترمذی،عن ابی سعید الخدریؓ۔مترجم

(۲)عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ: أن رسول اللہ ﷺ قال لرجل من أصحابہ : ھل تزوجت یا فلان ؟ قال لا واللہ ولا عندی ما أتزوج بہ . قال الیس معک "قل ھو اللہ أحد"؟ قال :بلی . قال ثُلث القرآن. قال: ألیس معک "اذا جاء نصر اللہ والفتح" ؟. قال : بلی . قال : رُبع القرآن . قال : ألیس معک " قُل یا أیھا الکافرون"؟ قال : بلی . قال رُبع القرآن. قال الیس معک "اذا زلزلت الارض زلزالھا"؟ قال: بلی . قال رُبع القرآن . قال : تزوج تزوج.

صحیح ترمذی(3058)، وقال: ھذا حدیث حسن ، مسند أحمد:3/146,147، تاریخ بغداد: 11/380،وابن ابی شیبہ وابن الشیخ.

(حاشیہ:۳)حدیث ابن عمر :"قل ھو اللہ أحد تعدل ثُلث القرآن، وقل یا أیھا الکافرون تعدل ربع القرآن ". حسن.الطبرانی فی الکبیر:(13494) والبزار(512) ، والھیثمی فی مجمع الزوائد (2/90)، صحیح الجمع الصغیر وزیادۃ (4281)، انظر سلسلۃ آحادیث الصحیحۃ(588).مترجم.

(حاشیہ:۴)عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ "ان لکل شیئی قلبا و قلب القرآن یٰس. ومن قرا یٰس کتب اللہ لہ بقراء تھا قراء ۃ القرآن عشر مرّات" صحیح الترمذی مع التحفۃ:(3048,3049)،والدارمی:(2/456)۔مترجم

Marfat.com

تعالیٰ کے فضل وکرم سے اِن حروف کا ثواب بڑھتا چلا جاتا ہے، چنانچہ کبھی ایک نیکی کی دس نیکیاں ہوجاتی ہیں، کبھی ستر اور کبھی سات سو (جیسے کہ آیت الکرسی کے حروف میں ہے) اور کبھی ایک ہزار پانچ سو (جیسے کہ سورۃ الاخلاص کے حروف میں ہے)۔اور کبھی دس ہزار نیکیاں (جیسے فضیلت والے اوقات میں اور شعبان کی پندرہویں رات میں آیات کریمہ کی تلاوت کرنا)، اور کبھی تیس ہزار نیکیوں تک جا پہنچی ہیں (جیسے کہ آیات کی تلاوت لیلۃ القدر میں کرنا)، اور یہ نیکیاں خشخاش کے دانوں کی طرح بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ثواب کا تیس ہزار گنا تک پہنچ جانا آیت کریمہ ﴿خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَھۡرٍ﴾ (القدر:3) سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔

اس لیے قرآن کریم کا موازنہ مذکورہ ثواب کی بڑھتی چلی جانے والی تعداد کے ساتھ کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اسے اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے، بلکہ یہ چیز بعض سورتوں کے اصلی ثواب کے ساتھ ممکن ہے۔

اِس کی وضاحت ہم ایک مثال کے ساتھ کرتے ہیں:

فرض کریں کہ ایک کھیت میں مکئی کے ایک ہزار دانے کاشت کئے گئے ہیں، اب اگر اُن میں سے کچھ دانوں میں سات بالیاں لگتی ہیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں۔اس صورت میں مکئی کا ایک دانہ کھیت کی تمام فصل کے دوتہائی کے برابر ہوگا۔

اور اگر ہم۔ مثال کے طور پر۔ یہ فرض کرلیں کہ ایک اور دانے میں دس بالیاں لگی ہیں اور اُن میں سے ہر بالی میں سو دانے ہیں، تو اس صورت میں ایک دانہ تمام کاشت کئے گئے دانوں کے بالکل دوگنوں کے برابر ہوگا۔پس اس مثال کی روشنی میں قیاس کرلو۔

اب ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ قرآن کریم ایک مقدس نورانی آسمانی کھیت ہے، اس میں ہر حرف اپنے اصلی ثواب کے ساتھ ایک دانے کی طرح ہے۔اس دانے کی ڈالیوں کو حد نظر نہیں رکھیں گے۔سورۃ یٰس، اخلاص، فاتحہ، قل یاایھا الکافرون اور اذا زلزلت الارض کی طرح والی دوسری سورتوں کے فضائل جن کے بارے میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں، ان سورتوں اور آیتوں کے اضافی ثواب کا موازنہ قرآن کے اصلی ثواب کے ساتھ ہوسکتا ہے۔

اس کی مثال یوں ہے: قرآن کریم کے تین لاکھ چھ سو بیس (3,00620) حروف ہیں، اور سورۃ الاخلاص کے بسم اللہ سمیت انہتر (69) حروف ہیں، انہتر کو اگر تین گنا کریں تو دو سو سات (207) حروف ہوں گے۔مطلب یہ ہوا کہ سورۃ الاخلاص کے ہر حرف کی نیکیاں پندرہ سو کے قریب ہیں۔اسی طرح آپ جب سورۃ یٰس کے حروف شمار کریں اور ان کے اور قرآن کے مجموعی حروف کا تناسب نکالیں اور دس گنا بڑھوتی کا حساب سامنے رکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس کا ہر حرف پانچ سو نیکیوں کے برابر جا پہنچتا ہے۔

اور یوں آپ جب احادیث میں وارد ہونے والے سورتوں کے فضائل کو اِس طریقِ کار پر قیاس کریں گے تو یقیناً اس

Marfat.com

بات کا ادراک کر جائیں گے کہ یہ جو کچھ کہا گیا ہے۔عین حقیقت، گہراراز اور سو فیصد درست بات ہے اور کسی بھی قسم کی مبالغہ آرائی سے اور لاف وگزاف سے کوسوں دور ہے۔

## دسواں اصول:

کچھ لوگ اس طرح کے سامنے آتے ہیں کہ ان کے ہاتھوں خارقِ عادت اعمال وافعال کا ظہور ہوتا ہے، اور یہ چیز انسانوں کے علاوہ اکثر دیگر مخلوقات میں بھی پائی جاتی ہے۔تو اگر یہ فردِ یگانہ خیر وصلاح میں دوسروں سے آگے بڑھا ہے تو اپنے ہم جنسوں کے لیے فخر واعتزاز کا دارومدار بنے گا،لیکن اگر اُس کا دائرہ عمل خیر وصلاح نہیں ہے تو پھر اُن کے لیے نحوست اور آزمائش کا باعث بنے گا۔پھر وہ افراد معاشرہ میں چھپ کر رہتے ہیں۔گویا کہ ایک شخص معنوی بن کر لوگوں کیلئے ایک منزلِ مقصود بن جاتا ہے۔اور دوسرے افراد میں سے ہر فرد وہ شخص ہونا چاہتا ہے اور وہ شخص ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ تو پتا یہ چلا کہ یہ قضیہ منطق کی رو سے قضیہ ’’ممکنہ‘‘ ہے؛ کیونکہ ایسے غیر معمولی فرد کا وجود ہر جگہ پر مبہم یا مطلق طور پر پایا جانا ممکن ہے۔مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اس عمل سے ایک ’’کلّی شخص‘‘ بن گیا ہے۔یعنی اس قسم کے عمل کے لیے اس قسم کا نتیجہ پیدا کرنا ممکن ہے۔

اب اس مثال کی روشنی میں اُن احادیث شریفہ کو دیکھو جو اس معنی میں وارد ہوئی ہیں: جس نے فلاں وقت میں دو رکعت نماز پڑھی اس کے لیے ایک حج کا ثواب ہے،(حاشیہ:۱) یعنی خاص اوقات میں دو رکعتوں کا ثواب ایک حج کا مقابلہ کرتا ہے، اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔تب تو یہ جائز ہے کہ ہر نماز کی دو رکعتیں بالکل اس معنی کی حامل ہوں۔لیکن اس قسم کی روایات کا عملاً وقوع پذیر نہ تو دائمی ہے اور نہ کلّی،اس حیثیت سے کہ قبولیت کی اپنی معین شرائط ہیں۔اس لیے ایسی روایات سے کلّیت اور عمومیت کی صفت منتفی ہو جاتی ہے، چنانچہ ایسی روایات یا تو بالفعل مؤقت اور معین ہیں، اور یا ایک ممکنہ کُلّیہ قضیہ ہیں۔اس قسم کی احادیث میں کُلّیت کی صفت اعتباری اِمکان کی حیثیت سے ہوتی ہے، جیسے کہ اس جملے میں ہے: الغیبة کا لقتلِ (غیبت قتل کی طرح ہے)، یعنی ایک شخص غیبت کی وجہ سے زہرِ قاتل بن جاتا ہے۔اور جیسے کہ اس جملے میں ہے: اچھی بات اُسی طرح ایک صدقہ ہے جیسے کہ گردن آزاد کرانا۔

اور ان روایات کو ایسے صیغوں کے ساتھ بیان کرنے میں حکمت یہ ہے کہ: اس بات کے امکان کو واضح کر دیا جائے کہ یہ کامل معنوی صفت اپنی مطلق صورت میں ہر جگہ پر وقوع پذیر ہو سکتی ہے؛ کیونکہ یہ انداز ترغیب وترہیب کے باب میں

---

(۱) عن ابی أمامة الباهلی رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ من صلی صلاة الغداة فی جماعة ثم جلس یذکر الله حتی تطلع الشمس ، ثم قام فرکع رکعتین انقلب بأجر حجة و عمرة. اخرجه الطبرانی فی الکبیر :7740، قال المنذری فی الترغیب والترهیب: اسناده جید ومثله کلام الهیثمی فی مجمع الزوائد، 10/104، وانظر الأحادیث الواردة فی ذلک فی صحیح الترغیب والترهیب برقم: 468,469,470 ۔مترجم۔

Marfat.com

زیادہ موثر، دلوں کو بھلائی پر اُبھارنے اور انہیں برائی سے دور رکھنے کے لیے زیادہ کارگر ہے۔

پھر یہ کہ اس عالم ابدی کے شئوون و معاملات ہماری اس دنیا پر قیاس نہیں کیے جاسکتے ہیں؛ کیونکہ ہمارے ہاں جو چیز سب سے زیادہ ضخیم ہے ممکن ہے وہ اُس دنیا میں سب سے زیادہ چھوٹی ہو۔ اب اعمال کے ثواب کا تعلق چونکہ اُس ابدی دنیا کے ساتھ ہے اس لیے ہماری دنیاوی اور محدود نظر اُس کا ادراک کرنے سے قاصر ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی ان محدود عقلوں کے بل پر اس کے بارے میں مکمل جانکاری سے عاجز رہ جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر:

ایک روایت جوان لوگوں کے لیے توجہ طلب ہے جو کوئی فیصلہ کرتے وقت گہری نظر سے اور انصاف سے کام نہیں لیتے ہیں، یہ ہے:

مَنْ قَرَأَ هٰذَا أُعْطِيَ لَهُ مِثْلُ ثَوَابِ مُوسٰى وَ هَارُوْنَ

یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَ رَبِّ الْاَرَضِيْنَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اِلٰهِ الْكِبْرِيَاءِ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَ رَبِّ الْاَرَضِيْنَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلَهُ الْعَظَمَةُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ، وَلَهُ الْمُلْكُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ.

اب یہ اور اس جیسی دوسری احادیث جو کہ ذہنوں کے لیے پریشانی کا باعث بنتی ہیں، ان کی حقیقت یہ ہے کہ:

یہ دو عظیم نبی یعنی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام جتنا ثواب حاصل کرتے ہیں اس کی مقدار کا ادراک ہم اپنے تصور کے حساب سے، اپنے تنگ فکر کے دائرہ کار کے مطابق اور اپنی کوتاہ دنیاوی نظر کی حدود کے ضمن میں ہی کرسکتے ہیں، بنابریں ایک عاجز بندہ اس ورد کو پڑھ کر اُس ابدی اور دائمی زندگی میں اپنے وسیع رحمت والے ربِّ رحیم کی جناب سے جو ثواب پاتا ہے، ممکن ہے وہ اُس ثواب کے مماثل ہو جس کا تصور ہم نے اپنی کوتاہ عقلوں سے ان دو عظیم نبیوں کے لیے کیا ہے۔ اور وہ ہمارے علمی دائرے اور فکری اُفق کے حساب سے ہے۔

ہماری مثال اس میں اُس دیہاتی کی سی ہے جس نے نہ بادشاہ کو دیکھا ہے اور نہ وہ اُس کی عظمت و ہیبت سے واقف ہے، اس کی محدود نظر اور محدود سوچ کے حساب سے بادشاہ گاؤں کے نمبردار کی طرح یا اس سے کچھ بڑا ہوگا۔ چنانچہ ہمارے علاقے مشرقی اناضول میں ہمارے اردگرد اس طرح کے سادہ لوح دیہاتی بھی تھے جو کہتے تھے: سلطان چولہے کے قریب بیٹھ جاتا ہے اور اپنے پکتے ہوئے کھانے کی بذاتِ خود نگرانی کرتا ہے، اور جو کام بادشاہ چولہے کے پاس کرتا ہے ہمارے گاؤں کے نمبردار کو اس کا علم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک بدوی سلطان کی عظمت و ہیبت کے بارے میں جو انتہائی تصور کرسکتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ فوج میں کوئی کمانڈر ہوگا۔ چنانچہ اگر ان میں سے کسی کو یہ کہا جائے کہ: اگر تو یہ کام

Marfat.com

کر لے تو میں صلے میں تجھے سلطان_ فوجی کمانڈر کا_ عہدہ دے دوں گا، تو تمہارا یہ کہنا صحیح اور درست ہوگا؛ کیونکہ سامع کے محدود ذہن و فکر میں سلطان کی عظمت ایک فوجی کمانڈر کی عظمت کے برابر ہی ہے۔

ہماری حالت بھی کچھ ایسی ہی ہے، ہم بھی اس سادہ دیہاتی کی طرح اپنی محدود عقلوں، کوتاہ فکروں اور بیمار دنیاوی نظروں کے ساتھ اُن حقائق کو سمجھ نہیں سکتے ہیں جو آخرت رُخی اعمال کے ثواب کے بارے میں وارد ہوئے ہیں؛ کیونکہ حدیث شریف میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے مقصود اُن دو ثوابوں کے درمیان موازنہ قائم کرنا نہیں ہے، ایک وہ حقیقی ثواب جو موسیٰ اور ہارونؑ کو حاصل ہونے والا ہے اور جس کی کیفیت ہمارے لیے مجہول ہے، اور دوسرا وہ ثواب جو ایک عبادت گزار کسی وِرد کا ذکر کر کے پاتا ہے؛ کیونکہ تشبیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ اُس میں مجہول کو معلوم پر قیاس کیا جاتا ہے، یعنی معلوم کے حکم سے مجہول کے حکم کا ادراک کیا جاتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں موازنہ ان دونوں کے اُس ثواب کے جو ہمارے تصور کے مطابق ''معلوم'' ہے اور عبدِ مومن کے ورد وظیفے کے اُس حقیقی ثواب کے درمیان ہے جو ہمارے نزدیک ''مجہول'' ہے۔

پھر یہ کہ سورج کی وہ صورت جو سطحِ بحر سے منعکس ہو رہی ہے، بالکل وہی صورت ہے جو قطرۂ آب کی آنکھ کے تِل سے منعکس ہو رہی ہے، بس فرق صرف کیفیت میں ہے؛ کیونکہ دونوں صورتیں سورج کی صورت اور اُس کی روشنی منعکس کر رہی ہیں، اِس لیے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام دونوں کی رُوحیں سمندر کی طرح ایک صاف شفاف آئینہ ہیں، اُن پر ایک آیت کے ثواب کی ماہیت سے وہی چیز منعکس ہو رہی ہے جو عبدِ مومن کی رُوح پر ہو رہی ہے، اور جو کہ پانی کے ایک قطرے کی مانند ہے۔ مطلب یہ کہ دونوں ماہیت اور کمیت کے لحاظ سے ایک ہی ثواب ہیں صرف کیفیت مختلف ہے، کیونکہ کیفیت قابلیت کے تابع ہے۔

پھر یہ ہے کہ کسی معین تسبیح کو تکرار کے ساتھ پڑھنے سے یا ایک ہی آیت کو دہرانے سے کبھی رحمت و سعادت کے وہ دروازے کھل جاتے ہیں جو ساٹھ سالہ عبادت سے بھی نہیں کھلتے۔ مطلب یہ کہ کبھی حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن میں صرف ایک آیت اتنے فوائد تحفے میں دے دیتی ہے جو تمام قرآن پڑھنے سے ملتے ہیں۔

پھر وہ فیوضاتِ ربانیہ جو کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف ایک آیت کی تلاوت سے جلوہ ریز ہوتے ہیں وہ کبھی کسی دوسرے نبی پر نازل ہونے والے کامل فیضانِ الٰہی کے مساوی ہو سکتے ہیں؛ کیونکہ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی اسمِ اعظم کی جلوہ گاہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کوئی ذاکر آدمی وراثتِ نبوت کی برکت سے اسمِ اعظم کے پَرتَو سے دوچار ہو گیا ہے اور اپنی قابلیت کے حساب سے اُس جھلک کے طفیل کسی دوسرے نبی پر نازل ہونے والے فیضان کی مقدار میں ثواب پا گیا ہے، تو یہ بات خلافِ حقیقت نہیں ہوگی۔

Marfat.com

پھر یہ بھی ہے کہ اجر وثواب کی آمد اس ابدی نور کے عالم سے ہوتی ہے جس کا ایک عالم ایک ذرّے میں منحصر ہو جاتا ہے، بالکل ایسے جیسے آسمان اپنے تمام ستاروں سمیت شیشے کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے میں سما جاتا ہے اور نظر آتا ہے۔ اسی طرح خالص نیت کے ساتھ کسی ایک آیت کی قراءت یا کسی معیّن ذکر کا ورد ممکن ہے کہ روح میں شیشے کی طرح شفافیت پیدا کردے اور اِس سے روح اُسی طرح بے شمار نورانی ثواب سمیٹ لے جس طرح شیشہ وسیع آسمان کو خود میں سمیٹ لیتا ہے۔

## نتیجہ:

ہر چیز کو گہرائی میں اُترے بغیر تنقید و تجریح کی نظر سے دیکھنے والے، اور کمزور ایمان اور مادی فلسفے سے لبریز سوچ فکر رکھنے والے! کچھ انصاف سے کام لے! ان دس اصولوں کو ہمیشہ نگاہ میں رکھ! اور خبر دار صرف اس بہانے سے کہ کسی روایت کا مضمون تجھے قطعی طور پر خلافِ واقعہ یا حقیقت کے منافی نظر آتا ہے، صرف اس بہانے سے احادیث شریفہ پر نکتہ چینی اور عیب گری کر کے رسول کریم ﷺ کی عصمت کے مرتبے کو گھٹانے کی کوشش اور حماقت کا ارتکاب نہ کر بیٹھنا۔

یاد رکھو کہ یہ دس اصول جو بیان ہوئے ہیں ان اصولوں کی تطبیق کے میدان میں اُترو گے اولاً تو یہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں ردّ وانکار سے باز رکھیں گے۔ پھر تمہیں مخاطب ہو کر کہیں گے: اگر واقعتاً کوئی حقیقی کمی بیشی ہے تو اس کا تعلق ہمارے ساتھ ہے، حدیث شریف کے ساتھ قطعاً نہیں اور اگر کوئی حقیقی کمی بیشی نہیں ہے تو پھر تمہارے اپنے فہم وفکر کا قصور ہے، حدیث شریف کا نہیں۔

## حاصل کلام:

جو آدمی ردّ وانکار میں اصرار کے ساتھ مسلسل آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ ان مذکورہ دس اصولوں کو غلط ثابت کرے، وگرنہ وہ انکار نہیں کر سکے گا۔ اگر تم واقعتاً انصاف پرست آدمی ہو تو ان دس اصولوں کو اپنے غور وفکر کی جولانگاہ بناؤ۔

اچھی طرح غور کرو، ایسا کرلو گے تو پھر کسی بھی ایسی حدیث نبوی ﷺ کا انکار نہیں کرو گے جسے تمہاری عقل خلاف واقعہ سمجھ رہی ہوگی، بلکہ یہ کہو گے کہ: ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی اور تفسیر ہو! کوئی اور مفہوم ہو! کوئی اور مطلب ہو! بس اعتراض نہ کرو!

## گیارھواں اصول:

جس طرح قرآن حکیم میں کچھ متشابہ آیات ہیں جو تاویل کی محتاج ہیں یا مطلق تسلیم کی طلبگار ہیں، اسی طرح کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جنہیں سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے اور بادی ءالنظر میں ان کا مفہوم واضح نہیں ہوتا، اس لیے وہاں

Marfat.com

گہری تفسیر وتشریح کی ضرورت پیش آتی ہے۔مذکورہ مثالوں سے یہ چیز بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

جی ہاں! جس طرح ایک بیدار آدمی سوئے ہوئے آدمی کے خواب کی تعبیر کر سکتا ہے اسی طرح بعض اوقات سویا ہوا آدمی جو اپنے اردگرد کے بیدار لوگوں سے کچھ سنتا ہے تو ان کی گفتگو کو انہیں حالات کے مطابق ڈھال لیتا ہے جن سے وہ خواب میں دوچار ہوتا ہے اور پھر اس گفتگو کی تعبیر بھی اپنے خواب کے مطابق ہی کرتا ہے۔

اس لیے اے غفلت اور مادی فلسفے کی نیند کے ماتے انسان! اے بے انصاف آدمی! وہ ذات جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کہے کہ: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی﴾ (حاشیہ:۱) اور جو خود اپنے بارے میں کہے کہ تَنَامُ عَيْنَيَّ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔ وہی حقیقی بیدار ہے۔ اس لیے وہ جو کچھ دیکھتا (حاشیہ:۲) ہے تم اپنے خواب میں اس کا انکار مت کرو بلکہ اس کی تعبیر کرو اور اس کی تعبیر اپنی خواب میں حاصل کرو، اور اس کے کہے کی تفسیر کر؛ کیونکہ اگر کسی سوئے ہوئے آدمی کو مچھر کاٹ جائے تو اس کے اثرات اُس پر ایسے ظاہر ہوں گے جیسے کہ وہ جنگ میں زخمی ہوا ہو، اور جب بیدار ہونے کے بعد اس سے پوچھا جائے گا تو وہ کہے گا: جی ہاں، بڑی خونریز جنگ ہوئی، توپوں کا رخ سیدھا میری طرف تھا، جبکہ اس کے اردگرد بیٹھے ہوئے بیدار لوگ اس کی اس پریشانی کا مذاق اڑائیں گے۔ اس لیے نیند کی ماتی نظر غفلت اور فکرِ فلسفہ کسی بھی طور پر نبوی حقائق کا معیار نہیں بن سکتی۔

## بارہواں اصول:

بے شک نبوت، توحید اور ایمان کی نظر الوہیت، آخرت اور وحدت کائنات کے نور میں حقائق دیکھ لیتی ہے؛ کیونکہ اس کا رخ ان حقائق کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک تجرباتی سائنس اور جدید فلسفے کا تعلق ہے تو وہ ہر چیز کو بہت سے مادی اور فطری اسباب کے زاویے سے دیکھتے ہیں؛ کیونکہ ان کا رخ اِن اسباب کی طرف ہے۔ تو گویا کہ اِن ہر دو زاویہ نگاہ کے درمیان بہت لمبی مسافت ہے، اتنی کہ ہوسکتا ہے کہ ایک مقصد اہلِ فلسفہ کے ہاں بہت عظیم و جلیل ہو لیکن علماءِ اصول دین اور اہلِ کلام کے مقاصد کی فہرست میں وہ پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہ رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تجرباتی سائنس دان موجودات کے خواص، ان کی تفصیلات اور ان کے دقیق اوصاف کی معرفت میں تو اکثر بہت آگے نکل گئے ہیں لیکن حقیقی علم یعنی علومِ الٰہیہ اور معارفِ اخرویہ کے میدان میں ایک سادہ اور مومن سے بھی پیچھے رہ گئے ہیں۔

اب وہ لوگ جو اس راز کا ادراک نہیں کر پاتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ محققینِ اسلام علمائے طبیعت اور فلاسفہ سے پیچھے رہ

---

(حاشیہ:۱) النجم:17

(حاشیہ:۲) مسند احمد: (2/438,151)، ابن حبان: (124)، حدیث حسن ہے لیکن شواہد کی وجہ سے صحیح کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے وہ حدیثیں بھی ہیں جو حضرت عائشہ، انس اور ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ دیکھئے مسند احمد: (10/274)، ترمذی: (5/121)، مجمع الزوائد: (8/242)، طبقات ابن سعد (1/107)۔ حدیث کے الفاظ اس طرح سے ہیں (تنام عيناي ولا ينام قلبي) مترجم۔

Marfat.com

گئے ہیں، حالانکہ حالت یہ ہے کہ جن لوگوں کی عقلیں ان کی آنکھوں میں محدود ہو کر رہ گئی ہوں اور جن کی سوچ فکر صرف انہی چیزوں میں منحصر ہوگئی ہو جنہیں وہ دیکھ پاتے ہیں اور جو مخلوقات کی کثرت میں غرق ہو گئے ہوں، ایسے لوگوں میں انبیاء علیہم السلام کے وارثوں کی برابری کی جرأت کیسے پیدا ہوسکتی ہے؟ وہ وارثین انبیاء جو بلند ترین اور اعلیٰ ترین الٰہی مقاصد وغایات تک رسائی کر گئے ہیں۔

پھر ایک بات اور یاد رکھنے کے قابل ہے، اور وہ یہ کہ نظر اگر دو مختلف زاویوں سے ڈالی جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بیک وقت دو متباین حقیقتیں ظہور میں آئیں گی اور یہ بات حتمی ہے کہ ایک قطعی علمی اور سائنسی حقیقت قرآن کریم کی مقدس نصوص کے متعارض نہیں ہوسکتی ہے؛ کیونکہ تجرباتی سائنس کا ہاتھ قرآن کریم کے مقدس اور بلند و بالا حقائق کے دامن تک بھی نہیں پہنچ سکتا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت ہم ایک مثال کے ساتھ کریں گے:

سائنسدانوں کی نظر میں کرۂ ارضی کی حقیقت یہ ہے:

یہ متوسط درجے کے حجم کا ایک سیارہ ہے جو سورج کے اردگرد گھومتا ہے، اور یہ دوسرے لاتعداد اور اَن گنت ستاروں کے مقابلے میں ایک چھوٹا سا جرم ہے۔

لیکن اگر ہم اس کرۂ ارضی کو اہلِ قرآن کی نظر سے دیکھیں تو اس کی حقیقت (جیسے کہ پندرہویں مقالے) میں وضاحت کی گئی ہے کچھ اس طرح ہے۔

انسان کائنات کا ثمر ہے۔ جو جامع ترین، عجیب ترین، عاجز ترین، عزیز ترین، ضعیف ترین، لطیف ترین ایک معجزۂ قدرت ہونے کی وجہ سے یہ زمین جو اس کا مسکن اور گہوارہ ہے۔ اور یہ زمین آسمان کے مقابلے میں چھوٹی حقیر اور ناچیز ہونے کے باوجود معنی ومفہوم اور حیرت خیزی کی حیثیت سے عظیم الشان اور جلیل القدر ہے، حتی کہ قرآنی نقطہ نظر سے ایسی حیثیت اختیار کرگئی ہے کہ یہ:

معنی کے لحاظ سے کون ومکاں کا دل ہے۔ تمام معجزانہ مصنوعات کی نمائش گاہ ہے۔ تمام اسمائے حسنیٰ کی جلوہ گاہ ہے، گویا یہ ان تمام انوار وتجلیات کو اکٹھا کر لینے والا مرکز اور تمام مطلق ربّانی اعمال کا محشر اور ان کا آئینہ ہے۔ اللہ کی مطلق خلاّقیت کو نمایاں کرنے والا لمبا چوڑا بازار ہے، اور خاص کر اس روپ میں کہ یہ انتہائی جود وکرم کا مظاہرہ کرتے ہوئے سمجھ سے بالاتر چھوٹی چھوٹی حیوانات ونباتات کی انواع کو حیرتناک وافر مقدار میں ایجاد کرتی ہے۔ اور یہ آخرت کے وسیع و عریض عالم کی مصنوعات کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ اور یہ ایک ایسا کارخانہ ہے جہاں انتہائی تیزی کے ساتھ ابدی اور سرمدی لباس تیار ہوتے ہیں۔ اور انتہائی تیزی کے ساتھ تبدیل ہونے والے مناظر کے نمونوں کو پیش کرنے کی نمائش گاہ ہے۔ اور خُلد بداماں خوشنما باغات میں بیجوں کو بونے کے لیے ایک چھوٹی سی وقتی، تنگ اور عارضی کھیتی، میدانِ پرورش۔ اور

Marfat.com

تربیت گاہ ہے۔

لہٰذا ان تمام چیزوں کے پیش نظر قرآن حکیم اس زمین کی معنوی عظمت اور صنعتی اہمیت کی وجہ سے اسے آسمان کا ہم پلّہ قرار دیتا ہے، گویا کہ یہ ایک ضخیم درخت کا ایک چھوٹا سا پھل ہے اور گویا کہ یہ ایک ضخیم جسم کا چھوٹا سا دل ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم اس کا ذکر آسمان کے ساتھ ملا کر کرتا ہے، یعنی یہ زمین ایک پلڑے میں اور تمام آسمان دوسرے پلڑے میں۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ بار بار دہرائی جاتی ہے: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾

بقیہ تمام مسائل کو بھی اس اسلوب پر قیاس کر کے اچھی طرح سمجھ لو کہ:

فلسفے کے مردہ اور بجھے ہوئے حقائق قرآن کریم کے زندہ اور روشن حقائق سے متصادم نہیں ہو سکتے ہیں اختلاف صرف زاویہ نظر کا ہے، جس کی وجہ سے یہ حقائق متباین لگتے ہیں۔

چوتھی شاخ:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِى السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَن يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَايَشَاءُ﴾ (حاشیہ:۱)

اس آیت کریمہ کے عظیم الشان وسیع خزانے میں سے ہم صرف ایک ہیرے کے متعلق کچھ بتائیں گے۔ اور وہ یہ ہے کہ: قرآن حکیم اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک، فرشتے سے لے کر مچھلی تک، کہکشاؤں سے لے کر حشرات تک اور ستاروں سے لے کر مکھیوں تک ہر شے اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ ریز ہے اور اس کی پرستش اور بندگی میں مصروف اور اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس میں مگن ہے۔ صرف اتنا ہے کہ ان سب کی عبادتیں مختلف، متفاوت، متنوع اور متباین ہیں۔ ہر کوئی اپنی قابلیت اور اسمائے حسنیٰ کی تجلیات میں حصہ داری کے حساب سے مختلف ہے۔ مخلوقات کی عبادات میں یہ جو تباین پایا جاتا ہے اُسے ہم یہاں ایک تمثیل کے ساتھ واضح کرتے ہیں:

مثال کے طور پر۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى۔ ایک بڑا سلطان اور عظیم الشان بادشاہ کوئی محل یا شہر تعمیر کرنے کے سلسلے میں چار قسم کے کاریگر استعمال کرے گا:

پہلی قسم: اُس کے غلام ہیں، ان کے لیے کوئی با قاعدہ تنخواہ یا اُجرت نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ کام کاج کر کے لذت پاتے اور لطف اٹھاتے ہیں اور مالک جو حکم دیتا ہے اُسے انتہائی ذوق و شوق سے سرانجام دیتے ہیں، بلکہ یہاں تک کہ اگر کوئی ان کے مالک کی تعریف میں کوئی کلمہ کہہ دیتا ہے تو اُن کے دل میں خوشی و شادمانی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ان کی عزت و عظمت کے لیے یہی چیز کافی ہے کہ ان کی نسبت اُن کے آقا کی طرف ہو رہی ہے۔ اور یہ چیز تو ان کے لیے سونے پر

(حاشیہ:۱) الحج:18

Marfat.com

سہاگہ اور روحانی لذت میں اضافے کا باعث ہے کہ اپنے آقا کا جو کام وہ کر رہے ہیں اس کی نگرانی وہ خود کر رہا ہے اور ان پر پوری توجہ رکھے ہوئے ہے، اس لیے انہیں کسی تنخواہ، مزدوری اور مرتبے وغیرہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔ آقا کی نظرِ کرم ہی کافی ہے۔

دوسری قسم: اس کے سادہ لوح خدمتگزاروں کی ہے، جو یہ نہیں جانتے کہ وہ یہ کام کیوں کر رہے ہیں بلکہ وہ سلطانِ معظم خود اپنی سوچ، فکر اور علم کی روشنی میں ان سے خدمت لے رہا ہے اور انہیں تھوڑی بہت مزدوری دے رہا ہے۔ اور یہ خدّام وحشم اُن عظیم مصالح ومنافع اور کلی مقاصد سے لاعلم ہیں جو اُن کی اس محنت مزدوری پر مرتّب ہونے والے ہیں۔ ان میں سے بعض کو یہ وہم بھی ہو گیا ہے کہ اِن کی محنت مشقت کا صرف ایک ہی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ ان کو جزوی اجرت اور تنخواہ ملتی ہے۔

تیسری قسم: وہ حیوانات جو اس عظیم بادشاہ کی ملکیت میں ہیں اور جنہیں وہ محل یا شہر کی تعمیر میں استعمال کر رہا ہے اور انہیں صرف ان کا چارہ وغیرہ دیتا ہے۔ اب ان حیوانات کو اپنی استعداد کے مطابق کام کرنے میں لذت ملتی ہے؛ کیونکہ ایک قابلیت یا ایک استعداد جو کہ پہلے مخفی قوت کی حالت میں ہوتی ہے جب فعل اور عمل کی حالت میں آجاتی ہے تو سانس لیتی ہے اور خوب پھیلتی پھولتی ہے اور لذت پیدا کرتی ہے، تمام اعمال وانفعال میں جو لذت پائی جاتی ہے اس کا سرچشمہ یہی راز ہے۔

پس اِن خدمتگزاروں کی اُجرت اور تنخواہ صرف چارہ اور یہ لذت معنوی ہے، چنانچہ وہ اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

چوتھی قسم: یہ وہ کاریگر ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں، کیوں کر رہے ہیں اور کس کے لیے کر رہے ہیں۔ اور اس پر مزید یہ کہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ دوسرے کاریگر اور مزدور یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں، شاہِ مُعظّم کیا چاہتا ہے اور اس نے سب کو کام پر کیوں لگا رکھا ہے؟

کاریگروں کے اس گروہ کو دوسرے کاریگروں اور خدمتگزاروں پر سرداری کا درجہ حاصل ہے، یہ ان کی نگرانی بھی کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی ان کے درجات ومراتب کے لحاظ سے تنخواہیں بھی مقرر ہیں۔

بالکل اسی طرح زمین وآسمان کا مالک ذوالجلال اور دنیا وآخرت کا بانی ذوالجمال ہے، جو رب العالمین ہے وہ ملائکہ، حیوانات، جمادات نباتات اور انسانوں سے کون ومکاں کے اس محل میں اسباب کے دائرے میں کام لیتا ہے اور انہیں کشاں کشاں اپنی بندگی کے میدان میں لاتا ہے، اپنی کسی ضرورت کے لیے نہیں کہ وہ خالق ہے، بلکہ عزت، عظمت، ربوبیت کے شئوون ومعاملات اور ان جیسی دوسری بہتیری حکمتوں کو بروئے کار لانے کے لیے۔

اور یوں اس نے ان چاروں قسم کے کاریگروں اور خدمتگزاروں کو عبودیت کے مختلف وظائف کا مکلف کر دیا ہے۔

Marfat.com

پہلی قسم: جو دی گئی مثال میں غلاموں کی نمائندگی کرتے ہیں، اور یہ فرشتے ہیں جو اپنی محنت مجاہدے سے مراتب میں ترقی حاصل نہیں کر سکتے ہیں؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا مقام ومرتبہ متعین ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ذمے لگائے گئے کام کو سرانجام دے کر ایک خاص قسم کا ذائقہ پاتا ہے، اور وہ سب کے سب اپنی اپنی عبادت میں اپنے درجات کے حساب سے ربانی فیوضات سے شادکام ہوتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ان کی خدمات کی اجرت عین ان کے اعمال میں رکھ دی گئی ہے جیسے انسان پانی، ہوا، روشنی اور غذا سے لذت یاب ہوتا ہے، اسی طرح ملائکہ ذکر، تسبیح، حمد، عبادت، معرفت اور محبت کے انوار سے لذت پاتے، غذا حاصل کرتے اور نعمت یاب ہوتے ہیں؛ چونکہ وہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں اس لیے انہیں غذا کے لیے نور ہی کافی ہے، بلکہ نور کے قریب قریب جو پاکیزہ خوشبوئیں ہیں وہ بھی ان کی ایک قسم کی خوراک میں شامل ہیں وہ ان سے بڑے مسرور ہوتے ہیں۔

جی ہاں! پاکیزہ روحیں پاکیزہ خوشبوئیں پسند کرتی ہیں۔

پھر فرشتے سعادتِ عظمیٰ کے اُس درجے پر فائز ہیں کہ جس کا پتا صرف خود فرشتوں کو چل سکتا ہے، عقلِ بشری اُس کا ادراک نہیں کر سکتی۔

اور یہ چیز ان تمام مصروفیات میں ہے جن میں وہ اپنے معبود کے حکم سے مصروف ہیں اور اُن تمام اعمال میں ہے جو وہ اُس کی راہ میں سرانجام دیتے ہیں، اور خدمات جو وہ اس کے نام سے سرانجام دیتے ہیں اور نگرانی جو وہ اُس کی نظر سے کرتے ہیں، اور جو شرف وہ اس کی طرف منسوب ہونے سے پاتے ہیں، اور جو تفریح، تازگی اور خوش طبعی جس سے وہ اس کی بادشاہی میں نظر وفکر دوڑا کر فیض یاب ہوتے ہیں، اور وہ عیش وآرام جو وہ اُس کے جلال و جمال کے مشاہدے سے حاصل کرتے ہیں۔

فرشتوں کی ایک قسم فقط عبادت گزار ہے، اور کچھ ایسے ہیں جو اپنی عبادت اپنے اعمال کے ضمن میں ادا کرتے ہیں، اور فرشتوں کا عامل یا کارکن گروہ نوعِ انساں کے مشابہ ہے _ اگر یہ تعبیر جائز ہے تو _ چنانچہ اُن میں سے کچھ تو حیوانات کا خیال رکھتے ہیں اور وہ چرواہے کہلاتے ہیں، اور کچھ زمین کی نباتات کی نگرانی کرتے ہیں، اور انہیں کسان کہا جاتا ہے۔

یعنی یہ کہ سطحِ زمین ایک عمومی کشتِ زار ہے جس کی نگرانی وہ فرشتہ کر رہا ہے جو اس چیز پر مامور ہے، یعنی وہ خالقِ جلیل کے حسبِ فرمان، اس کے اِذن سے اس کی راہ میں اور اُس طاقت اور قوت کے بل پر زمین پر رینگنے والے تمام جانداروں کی نگرانی کر رہا ہے۔ اور ایک چھوٹا سا فرشتہ اور بھی ہے جو خصوصی طور پر حیوانات کی تمام انواع واقسام کی علیحدہ علیحدہ نگرانی پر لگا ہوا ہے۔

اور سطحِ زمین چونکہ ایک کشتِ زار ہے، جس میں ہر قسم کی نباتات بوئی جاتی ہیں، اس لیے ایک ایسا فرشتہ موجود ہے جو

Marfat.com

اللہ کے نام اور اس کی قوت کے طفیل ان تمام نباتات کی کلی طور پر نگرانی کر رہا ہے، اور ایک اور ہے جو اس سے ذرا کم درجے کا ہے اور وہ ان نباتات کے علیحدہ علیحدہ گروہوں کی نگرانی کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بہت سے فرشتے ہیں جو نگرانی پر مامور ہیں، اور سیدنا میکائیل جو کہ رزاقیت کے عرش کے حاملین میں سے ایک ہیں، وہ ان تمام ملائکہ کے نگرانِ اعظم ہیں۔

اور وہ ملائکہ جو چرواہوں اور کسانوں کی طرح ہیں وہ انسانوں سے مختلف ہیں؛ کیونکہ ان کا جُملہ امور کی نگرانی کرنا خالص فی سبیل اللہ عمل ہے، اس کے نام پر، اُس کی قوت کے ذریعے اور اس کے امر کے ساتھ ہے، بلکہ ان کے ذمے جس قسم کی چیز کی نگرانی لگائی گئی ہے بلکہ اُن کی نگرانی اس چیز سے عبارت ہے کہ وہ اُس چیز میں ربوبیت کی تجلیات کا مشاہدہ کریں جس کی نگرانی پر وہ مأمور ہیں۔ اس میں قدرت اور رحمت کی تجلیات کا مطالعہ کریں۔ اُس چیز کے لیے اوامرِ الٰہیہ کا الہام کریں۔ اور اُس چیز کے اختیاری اعمال و افعال کا انتظام یا بندوبست کریں۔ اور خاص کر زمین کی اس کھیتی میں جو نباتات کی نگرانی کا عمل ہے۔ وہ ان نباتات کی معنوی تسبیحات کی فرشتے کی زبان سے تمثیل یا نمائندگی ہے، زندہ ہونے کی وجہ سے اُن معنوی تحیات کا اعلان ہے جو وہ ملائکہ کی زبان سے اپنے جلیلُ القدر خالق کی جناب میں بھیج رہی ہیں۔ مزید یہ کہ اُنہیں جن آلات و اعضاء سے نوازا گیا ہے یہ فرشتے انہیں اُن آلات کے انتہائی خوبصورت اور منظم طریقے سے اور معین غایات و مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے ضمن میں رہنمائی دیتے ہیں۔

اور یہ خدمات جو ملائکہ سرانجام دیتے ہیں جز و اختیاری کے وسیلے سے کسب کی ایک قسم شمار ہوتی ہے، بلکہ یہ عبادت وعبودیت کی ایک قسم ہے۔ فرشتے حقیقی تصرف کے مالک اور موجد نہیں ہیں، کیونکہ ہر چیز خالق کل شیء کے خصوصی سکے اور معین مہر کی حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے ہرگز ممکن نہیں کہ وہ خود کو ایجاد کے دائرے میں لا کھڑا کرے۔ مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کی کارگزاری کی یہ قسم جو ہے وہ ان کی عبادت ہے، عادت نہیں جیسے کہ انسان میں ہے۔

**دوسری قسم:** قصرِ عالم کے مزدوروں کی دوسری قسم حیوانات کی ہے۔

حیوانات چونکہ جزوی اختیار اور اشتہار رکھنے والے نفس کے مالک ہیں، اس لیے ان کے اعمال خالص اللہ کے لیے نہیں ہو سکتے ہیں بلکہ نفس اُن کے اعمال سے اپنا حصہ اور اپنی خواہش نکالتا رہتا ہے۔ بنابریں مالکُ الملک ذو الجلال والاکرام سخی ہونے کی وجہ سے ان حیوانات کو ان کے اعمال کے ضمن میں مقرر اُجرت اور مزدوری دیتا ہے جس سے اُن کے نفس سخی ہونے کی وجہ سے سیر ہو جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر بلبل کو لے لیں جو کہ پھولوں کی عاشق ہے۔

وہ فاطرُ الجلیل اس چھوٹے سے پرندے کو پانچ مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔

**پہلا مقصد:** یہ کہ حیوانی قبائل کا ترجمان ہونے کے سبب نباتات کے تمام گروہوں کے ساتھ مضبوط تعلقات کا

Marfat.com

اعلان کرنے پر مامور و مکلّف ہے۔

دوسرا مقصد: تالی بجا بجا کر وہ رزّاقُ الکریم کی طرف سے بھیجے گئے تحفوں کا خوشی خوشی استقبال کرنے اور انہیں خوش آمدید کہنے کا مکلّف ہے، اس حیثیت سے کہ وہ ربانی خطیب ہے، اپنی آواز کے ساتھ ان حیوانات یعنی روزی کے ان محتاج ضیوفُ الرحمان کے لیے روزی کا سوال کرتا ہے۔

تیسرا مقصد: اپنے ابنائے جنس کی امداد کے لیے بھیجی جانے والی نباتات کے روبرو ہر ایک کے سر پر بیٹھ کر حسنِ استقبال کا اظہار کرنا۔

چوتھا مقصد: اس بات کا سرِعام اعلان و اظہار کہ حیوانات نباتات کے شدید محتاج ہیں، اور ان کا یہ احتیاج اِن خوبرُو نباتات کے عشق کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔

پانچواں مقصد: مالک الملک ذُوالجلال والجمال والاکرام کی بارگاہِ رحمت میں لطیف ترین ایک تسبیح کو لطیف ترین ایک شوق و وجد میں گلاب کی طرح لطیف ترین ایک چہرے میں پیش کرنا ہے۔

ان پانچ مقاصد کے علاوہ اس میں اس طرح کے مزید بھی کئی معانی پائے جاتے ہیں۔

تو یہ معانی اور یہ مقاصد وغایات بلبل کے عمل کی وہ غایت ہے جسے اُس نے حق کی خاطر اپنی آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ پس بلبل اپنی زبان میں چہچہاتی ہے اور ہم یہ معانی اس کے غمگین نغمات سے خود سمجھتے ہیں، ایسے ہی جیسے انہیں ملائکہ اور روحانی دنیا والے سمجھتے ہیں۔ بلبل اگر اپنے گیتوں کا مطلب مکمل طور پر نہیں سمجھتی ہے تو اُس کا یہ نہ سمجھنا ہماری سمجھ کے آگے رکاوٹ نہیں بن سکتا اور نہ ہی اس سے ہماری سمجھ میں کوئی کمی آسکتی ہے؛ کیونکہ ایک مشہور مثل ہے کہ: ''سننے والا کہنے والے سے زیادہ سمجھتا ہے''۔

پھر اگر بلبل کو ان اہداف ومقاصد کی مکمل طور پر آگاہی نہیں ہے تو یہ ان کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ اُس کی حالت کم از کم اس گھڑی کی سی ہے جو تمہیں تمہارا ٹائم بتاتی ہے لیکن اُسے خود اپنے کام کے بارے میں کوئی پتا نہیں ہوتا۔ اب اُس کی یہ لاعلمی تمہارے علم یا معرفت کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔

رہی بلبل کی تنخواہ یا اُس کی جزوی مزدوری تو وہ اُسے اُس ذوق کی صورت میں ملتی ہے جو وہ خوبصورت پھولوں کی مسکراہٹوں سے پاتی ہے، اور وہ لذت ہے جو اُسے ان پھولوں کے ساتھ سرگوشیاں کر کے ملتی ہے۔ یعنی اُس کے غمگین نغمے اور نازک آوازیں اس کے حیوانی دکھ دردوں سے جنم لینے والے شکوے نہیں ہیں بلکہ رحمانی عطایا وہدایا کے مقابلے میں شکر وسپاس اور حمد وثنا کے زمزمے ہیں۔

---

(۱) بلبل کی آواز چونکہ شاعرانہ سی ہوتی ہے اس لیے ہماری اس بحث میں بھی شاعری کی روح در آئی ہے، بس اتنا ہے کہ یہ محض خیال نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

اِس بلبل پر نحل و عنکبوت، چیونٹیوں، کیڑوں مکوڑوں اور دوسرے چھوٹے نر جانداروں کو جو افزائشِ نسل کا سبب ہیں ان کو قیاس کرلو، اِن میں سے ہر ایک کے سامنے اس کے عمل و کردار میں بہت سے مقاصد ہیں، اُن میں باضابطہ تنخواہ اور جزوی مزدوری کے عنوان سے ایک خاص قسم کا ذوق اور مخصوص قسم کی لذت رکھ دی گئی ہے، چنانچہ یہ سب کے سب اس ذوق کی بدولت صنعتِ ربانی کے لیے بڑی جلیل القدر خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ پس جیسے بادشاہ کے سفینے میں ایک سادہ سے کارکن کی جزوی سی تنخواہ ہوتی ہے اسی طرح یہ جاندار جو یہ سُبحانی خدمات سرانجام دیتے ہیں، ان کی بھی جزوی اُجرت ہے۔

## بلبل کی بحث کا تتمہ:

یہ نہ سمجھو کہ اعلان، رہنمائی اور تسبیحات کی صورت میں اُن سریلے نغمات کا اظہار کرنا صرف بلبل کے ساتھ ہی خاص ہے، بلکہ مخلوقات کی اکثر انواع و اقسام میں سے ہر نوع میں کوئی نہ کوئی ایسی صنف پائی جاتی ہے جو بلبل کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے، اس نوع میں ایک فرد یا متعدد افراد ایسے پائے جاتے ہیں جو لطیف ترین احساسات کے مالک ہوتے ہیں اور جو اس نوع کے لطیف ترین جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں اور لطیف ترین میں سے لطیف ترین تسبیحات گنگناتے ہیں، اور خاص کر حشرات الارض کی انواع و اقسام کہ ان کی بہت سے بلبلیں اور انواع و اقسام کی عندلیبیں ہیں۔ یہ چھوٹے سے چھوٹے جاندار سے لے کر بڑے سے بڑے جاندار تک سب کے سب اپنی آوازوں کے ساتھ کان لگا کر غور سے سننے والوں کو متاثر کرتے ہیں اور اپنے خوبصورت نغمات کے ساتھ اپنی دلنشین تسبیحات ان کے سروں پر نچھاور کرتے ہیں۔

ان میں سے کچھ بلبلیں تو لیلی یعنی شب زندہ دار ہیں جو اُس ساکن رات اور خاموش موجودات میں ان چھوٹے چھوٹے جانداروں کے لیے رات کے ساتھی اور قصہ گو کا کردار ادا کرتی ہیں جو رات کے اندھیرے میں چپ سادھے بیٹھے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ ان تمام بلبلوں میں سے ہر ایک اُس مجلس کے وسط میں ذکرِ خفی کے حلقے کا قطب ہے جس مجلس میں ہر فرد سکوت و خاموشی کا خوگر اور اپنے مطمئن دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ایک قسم کے ذکر اور تسبیح کی طرف کان لگائے ہوئے ہے۔

اور ان بلبلوں کی ایک دوسری قسم نہاری ہے، یعنی وہ جو دن کی روشنی میں درختوں کے منبروں پر برسرِ عام رحمان و رحیم کی رحمت کا اعلان کرتی ہیں اور اس کے گیت گاتی ہیں، اور خاص کر موسم گرما اور فصلِ بہار میں؛ اور اپنی دلنشیں آواز مترنم چہچہاہٹ اور خوش آہنگ تسبیحات کے ذریعے ہر سامع کے دل میں ذوق و وجد کے تار چھیڑتی ہیں، حتیٰ کہ سامع اپنی خاص زبان اور مخصوص نغمات کے ذریعے اپنے خالقِ جلیل کے ذکر میں لگ جاتا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ موجودات کی ہر نوع کی ایک بلبل ہے جو ان کے خصوصی حلقۂ ذکر کی سربراہ ہے، حتیٰ کہ

Marfat.com

آسمان کے ستاروں کی اپنی خصوصی بلبل ہے جوان کی روشنیوں کے ساتھ چہچہہ زن اور نغمہ سرا رہتی ہے۔

لیکن۔ان تمام بلبلوں سے کلی طور پر بہترین، معزز ترین، منورترین، درخشندہ ترین، عظیم ترین، مکرم ترین اور آواز کے لحاظ سے بلند ترین، اوصاف کے لحاظ سے تابندہ ترین، ذکر کے لحاظ سے مکمل ترین، شکر کے لحاظ سے جامع ترین، ماہیت کے لحاظ سے کامل ترین، شکل وصورت کے لحاظ سے حسین ترین، کون ومکان کے باغ میں، زمین وآسمان کی تمام موجودات میں اپنے لطیف زمزموں، لذیذ نالوں اور بلند بانگ تسبیحوں کے ساتھ وجد وجذب اور کیف وشوق کی لہر دوڑا دیتی ہے۔اور وہ ہے کون ومکاں کے اس گلستان میں نوع بشری کی عظیم الشان بلبل، بنی آدم کا بلبل ذوالقرآنی، محمد عربی علیہ وعلی آلہ وامثالہ افضل الصلوات واجمل التسلیمات.

**گذشتہ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ:**

کون ومکان کے اس محل میں پائے جانے والے جو خدمت گزار حیوانات ہیں وہ تکوینی اوامر کی مکمل طور پر بجا آوری کرتے ہیں اور فطرت میں پنہاں مقاصد کا اللہ کے نام کے ساتھ زیبا ترین صورت میں اظہار کرتے ہیں۔پس ان کی تسبیحات یہ ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے وظائف کو اللہ کی قوت کے ساتھ انوکھے اور دل آویز طریقے سے ادا کرتے ہیں۔اور اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں پوری جدوجہد صرف کرتے ہیں۔اور ان کی عبادات وہ تحفے اور ہدیے ہیں جو وہ فاطرُ الجلیل اور واھبُ الحیات کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔

**مزدوروں کی تیسری قسم:** نباتات وجمادات سے عبارت ہے۔ان مزدوروں اور کاریگروں کا کوئی معین معاوضہ یا مشاہرہ نہیں ہے؛ کیونکہ یہ خود مختار نہیں ہیں۔چنانچہ ان کے اعمال خالصتاً لوجہ اللہ ہیں اور محض اُس کے ارادے، اس کے نام اُس کی طاقت اور قوّت کے سہارے اور اس کے راستے میں سرانجام پاتے ہیں۔البتہ یہ ضرور ہے کہ نباتات کے حالات سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ یہ تلقیح وتولید (Polination) اور پھلوں کی بارآوری وافزودگی کے وظائف کو ادا کرتے وقت لذت پاتی ہیں۔بس یہ ہے کہ یہ حیوانات کے برخلاف درد والم محسوس نہیں کرتی ہیں۔حیوانات کے آلام لذات کے ساتھ آمیختہ ہیں؛ کیونکہ انہیں ایک قسم کے اختیار سے نواز دیا گیا ہے۔نباتات وجمادات کے اعمال میں اختیار کی عدم مداخلت کی وجہ سے اِن کے آثار وثمرات بااختیار حیوانات کے اعمال سے زیادہ مضبوط اور کامل ہوتے ہیں۔شہد کی مکھی ۔ مثال کے طور پر۔ جو وحی والہام سے روشنی پاتی ہے، اس کے اعمال کسی بھی دوسرے حیوان سے جو اپنے جزوی اختیار پر بھروسا کرتا ہے زیادہ کامل اور استوار ہوتے ہیں۔

اور زمین کی اس کھیتی میں نباتات کے جتنے گروہ ہیں سب کے سب اپنے فاطرُ الحکیم سے اپنی حال واستعداد کی زبان کے ساتھ یہ کہتے ہوئے سوال کرتے اور اس سے دعا کرتے ہیں کہ:

Marfat.com

اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی طرف سے قوت عطا فرما تا کہ ہم اپنے گروہ کا جھنڈا اطراف عالم میں لہرادیں، تا کہ ہم اپنی زبانوں کے ساتھ تیری ربوبیت کی عظمت کا اعلان کریں۔ اے ہمارے رب ہمیں توفیق دے کہ ہم زمین کی اس مسجد کے ہر کونے میں تیری عبادت کرسکیں۔ ہمیں وہ قدرت عطا فرما کہ جس کے ذریعے ہم زمین کی اس نمائش گاہ کے ہر گوشے کی سیر کرسکیں تا کہ ہم اس میں تیرے اسمائے حسنیٰ کے نقوش اور تیری عجیب وغریب وحیرت انگیز مصنوعات کی تشہیر کرسکیں۔

اور فاطرُ الحکیم نباتات کی اس معنوی دعا کو قبول کرتا ہے چنانچہ وہ اُن میں سے ایک گروہ کے بیجوں کو دقیق بالوں کے چھوٹے چھوٹے پر عطا کرتا ہے تا کہ وہ اُن کے ساتھ اُڑ کر ہر جگہ پہنچ جائیں اور یوں وہ اپنے ناظرین کے اندر ایسی کیفیت پیدا کردیتی ہے جس سے وہ اللہ کے اسمائے حسنیٰ کا ورد کرتا ہے، جیسے کہ یہ چیز اکثر خاردار بوٹیوں اور ایک قسم کے زرد رنگ کے پھولوں کے بیجوں میں پائی جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کچھ دیگر نباتات کو کچھ ایسا تازہ اور پاکیزہ گوشت عطا کردیتا ہے جن کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے اور جنہیں حاصل کر کے وہ خوش ہوتا ہے، حتیٰ کہ اُن کو انسان کا خادم بنا دیتا ہے۔ چنانچہ انسان اُن کی کاشت ہر کونے کھدرے میں کردیتا ہے۔ اور کچھ دیگر کو ہضم نہ ہونے والی ہڈیوں جیسی چیز عطا کردیتا ہے اور اُس کو ایسا مادہ پہنا دیتا ہے جیسے کہ ہڈیوں پر چڑھایا ہوا گوشت ہو اور جسے حیوانات بآسانی نگل لیتے ہیں اور اس طرح اُسے زمین کے کونے کونے میں بکھیر دیتا ہے۔ اور کچھ کو اس طرح کے چھوٹے چھوٹے اور نازک ترین کانٹے دے دیتا ہے کہ جو کسی بھی چیز کے ساتھ معمولی سے چھو جانے سے چمٹ جاتے ہیں اور اس طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں اور وہاں جا کر اپنے گروہ کا جھنڈا اگاڑ لیتے ہیں۔

اور اس طرح نباتات صانع ذوالجلال کی عجیب وغریب مصنوعات کو منتشر کرتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ بعض دیگر نباتات کو دانوں سے بھرپور ڈبے عطا کردیتا ہے جنہیں وہ پکتے وقت چند گزوں کے فاصلے پر پھینک دیتی ہیں۔

اسی نہج پر آپ قیاس کرسکتے ہیں کہ نباتات فاطرُ الجلیل کے ذکر وتقدیس میں کتنی زبانوں کو بولنا سکھا دیتی ہیں! اس فاطرُ الحکیم اور قدیرُ العلیم نے ہر چیز کو خوبصورت ترین صورت اور مکمل ترین انتظام میں پیدا کیا ہے، اور اسے بہترین مشینری سے آراستہ کیا ہے، اُس کا رخ بہترین سمت کی طرف پھیرا ہے اور اس کے سپرد بہترین ذمہ داری کی ہے، چنانچہ ہر چیز افضل ترین اور خوبصورت ترین تسبیحات میں مصروف ہے اور عبادات کو بأحسن وجوہ ادا کرواتا ہے۔

اے انسان! اگر تو حقیقت میں انسان ہے تو پھر ان خوبصورت اُمور میں نیچر، اتفاق بیہودگی اور گمراہی کو خواہ مخواہ گھسیڑنے کی کوشش نہ کر، اور قبیح عمل کے ساتھ ان کے حسن وجمال کو بدنما کر کے خود بدنما نہ ہو جا۔

چوتھی قسم: انسان ہے، انسان جو کون ومکاں کے اس محل میں منجملہ خدّام وعُمّال میں سے ایک ہے، یہ انسان ایک

Marfat.com

جہت سے فرشتوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور دوسری جہت سے حیوانات کے ساتھ: وہ کلی عبادت، ہمہ جہت نگرانی ،احاطۂ معرفت اور ربوبیتِ جلیلہ کی طرف دعوت دہندہ کی حیثیت سے فرشتوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، بلکہ فرشتوں سے زیادہ جامعیت کا حامل ہے؛ کیونکہ وہ _ فرشتوں کے برعکس_ سینے میں ایک شہوت بھرا شریر نفس رکھتا ہے۔ اور اُس کے سامنے دو راستے ہیں اور وہ دونوں میں سے ایک کو اختیار کرسکتا ہے، چاہے تو عظیم تر ترقی کا راستہ اپنا لے اور چاہے تو ہولناک پستی کا۔ اور انسان کی حیوان کے ساتھ مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال میں اپنے حظِّ نفس اور ذاتی حصّے کی تلاش میں رہتا ہے، اس جہت سے انسان کے لیے دو قسم کے اجر ہیں۔

پہلا: جزوی حیوانی اور معجّل اجر

دوسرا: کلی ملائکی اور مؤجّل اجر

ہم نے سابقہ ''تیئیس مقالہ جات'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ انسان کی اجرت یا تنخواہ کیا ہے، اس کے وظائف کیا ہیں اور اُس کی ترقی و تنزلی اور پستی و بلندی کے کیا مدارج ہیں، اور خاص کر ''گیارہویں اور تیئسویں مقالے'' میں، کہ ان دونوں میں یہ چیز تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ اس لیے ہم یہاں پر یہ بحث مختصر کرتے ہیں اور اس کا دروازہ سرِ دست بند کرتے ہیں، خدائے علیُّ القدیر سے سوال کرتے ہوئے کہ وہ ہم پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور ہمیں یہ مقالہ مکمل کرنے کی توفیق دے۔ اور ہم اس کی جناب سے اُمید کرتے ہیں کہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کردے گا اور ہماری خطاؤں پر پردہ ڈالے گا۔

## پانچویں شاخ:

اس شاخ کے پانچ پھل ہیں:

**پہلا پھل:** اے میرے خود سے محبت رکھنے والے من اور دنیا کے عاشق دوست!

یاد رکھ کہ: محبت اس کائنات کے وجود کا ایک سبب اور اس کے اجزاء کو اکٹھا رکھنے والا بندھن ہے، اور محبت ہی تمام کائناتوں کا نور اور اُن کی حیات ہے۔

اور انسان چونکہ اس کائنات کا جامع ترین پھل ہے اس لیے اس کے دل میں _ جو کہ اس پھل کی گٹھلی یعنی مرکز ہے_ اِس تمام کائنات کو مٹھی میں لے لینے کی قدرت رکھنے والی محبت رکھ دی گئی ہے۔ اس لیے اس طرح کی غیر متناہی محبت کے لائق صرف وہی چیز ہو سکتی ہے جو غیر متناہی کمال کی مالک ہو۔

اس لیے اے نفس! اور اے دوست!

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں دو آلے رکھ دیے ہیں تاکہ وہ دونوں خوف اور محبت کے وسیلے بن جائیں۔ اور اس

Marfat.com

محبت اور خوف کا رخ یا مخلوق کی طرف ہوگا یا خالق کی طرف۔اس یاداشت کے ساتھ ساتھ کہ مخلوق کا خوف اگر المناک ہے تو مخلوق کی محبت بھی دردناک مصیبت ہے؛ کیونکہ تو اے انسان! ہر اُس شخص سے ڈرتا ہے جو تجھ پر رحم نہ کرے یا تیری رحم کی اپیل پر کان نہ دھرے تو پتا چلا کہ خوف کی یہ حالت بلائے بے درماں ہے۔

رہی محبت، تو تم جس کے ساتھ محبت کرتے ہو وہ یا تو تمہیں جانتا نہیں ہوگا، اس صورت میں وہ تجھے الوداع کہے بغیر کوچ کر جائے گا، جیسے کہ تمہاری جوانی اور تمہارا مال ہے۔ یا وہ تمہاری اس محبت کی وجہ سے تمہیں حقیر سمجھے گا! کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ ننانوے فیصد مجازی عاشق اپنے معشوقوں کا گلہ شکوہ ہی کرتے رہتے ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ بتوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والے ان دنیاوی محبوباؤں کے ساتھ پرستش کی حد تک اُس دل کی گہرائیوں سے عشق رکھنا جو کہ خدائے صمد کا آئینہ ہے، ان محبوباؤں کی نظر میں بڑا ابوجہل ہے، یہ محبوب اس پاگل محبت کو بارگراں سمجھتے ہیں اور اُسے یکسر رد کر دیتے ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ فطرت ہر اُس چیز کو رد کر دیتی ہے جو کہ غیر فطری ہو اور اُس کے شایانِ شان نہ ہو (شہوانی محبت ہماری بحث سے خارج ہے)

مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں سے تم محبت رکھتے ہو اُن کی تین صورتیں ہیں: یا وہ تمہیں جانتی پہنچانتی نہیں ہوں گی۔ یا تمہیں حقیر جانیں گی۔ اور یا تمہارا ساتھ نہیں دیں گی بلکہ تمہیں تڑپتا پھڑکتا چھوڑ جائیں گی۔

معاملہ جب کچھ ایسے ہی ہے تو پھر اس محبت اور خوف کا رخ اُس ذات کی طرف پھیر دو جو تمہارے اس خوف کو لذت بخش ذلت اور فروتنی میں تبدیل کر دے گا اور یوں تمہاری محبت سعادت بن جائے گی۔

جی ہاں! خالق الجلیل کے خوف کا مطلب اُس کی پناہ میں جانے کے لیے اُس کی رأفت و رحمت کا راستہ ڈھونڈ نکالنا ہے، اس پہلو سے خوف خدا شوق کا ایک تازیانہ ہے جو انسان کو دھکیل کر اس کی رحمت کی آغوش میں ڈال دیتا ہے؛ کیونکہ یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ ماں اپنے بچے کو ڈراتی ہے تا کہ اُسے سینے کے ساتھ چمٹا لے، چنانچہ وہ خوف اُس بچے کے لیے بڑا لذیذ ہے، کیونکہ وہ اسے ماں کی مہر و محبت سے بھرے ہوئے سینے کی طرف دھکیلتا ہے۔ اور اس بات کا تو سب کو پتا ہے کہ تمام ماؤں کی محبت رحمتِ الٰہیہ کی ایک معمولی سی جھلک ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا خوفی کے اندر بہت بڑی لذت رکھ دی گئی ہے۔ تو اگر اس سے خوف کھانے اور ڈر کر رہنے میں اس حد تک لذت پائی جاتی ہے تو اس کی محبت کا کیا حال ہوگا؟ کیا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس میں بے انتہا لذتیں رکھ دی گئی ہیں؟

پھر یہ ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ دوسروں کی پتھر دلی اور مصیبتوں سے لبریز خوف سے نجات پاتا جاتا ہے۔

پھر وہ محبت جو انسان ان مخلوقات کے ساتھ کرتا ہے اگر فی سبیل اللہ ہوگی تو غم اور فراق کی آلائشوں سے پاک ہوگی۔

جی ہاں! انسان اوّلاً خود سے محبت کرتا ہے، پھر اپنے اقارب کے ساتھ، پھر اپنی اُمت کے ساتھ، پھر دوسری جاندار

Marfat.com

مخلوقات کے ساتھ، پھر کائنات کے ساتھ اور پھر دنیا کے ساتھ، چنانچہ اس کا ان تمام دائروں سے ہر دائرے کے ساتھ ایک ایک قسم کا تعلق ہے اور ممکن ہے کہ وہ ان سب کی لذتوں سے لذت اُٹھائے اور ان کی مصیبتوں سے مصیبت پائے۔ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ شور وغوغا سے پُر اور فتنہ وفساد سے موجزن اور تباہ کن طوفانوں کی زد میں رہنے والی دمادم تغیر پذیر اس دنیا میں کسی بھی چیز کو قرار نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس مسکین انسان کا دل ہمیشہ زخمی رہتا ہے۔

اور وہ اس طرح کہ جن چیزوں کو یہ مضبوطی کے ساتھ پکڑتا ہے وہی اسے فراق سے دوچار کر کے زخمی کر جاتی ہیں، بلکہ کبھی اسے نہتا تک کر جاتی ہیں، اس بنا پر انسان دائمی قلق واضطراب سے کبھی رہائی نہیں پاتا۔ اور بسا اوقات وہ خود کو غفلت اور مدہوشی کی آغوش میں گرا دیتا ہے۔

**سوا ے جان من!** اگر تو کچھ عقل رکھتا ہے تو محبت کی اِن تمام اقسام کو یک جا اکٹھا کر لے اور انہیں حقیقی محبوب کے حوالے کر کے ان تمام بلاؤں سے نجات حاصل کر لے۔

پس محبت کی یہ جو غیر متناہی انواع واقسام ہیں یہ صرف اُسی ہستی کے لیے خاص ہیں جو غیر متناہی کمال اور جمال کی مالک ہے۔ اور جب تو محبت کی اِن اَقسام کو اُن کے حقیقی مالک کے سپرد کر دے گا تو اُس وقت تیرے لیے یہ ممکن ہو جائے گا کہ تو ان تمام اشیاء کے ساتھ بغیر کسی آشفتگی واضطراب، اُس کے نام کے حوالے سے محبت کر سکے؛ کیونکہ یہ تمام چیزیں اُس کی تجلیوں کے آئینے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے اس محبت کا رخ براہِ راست اس کائنات کی طرف رکھنا جائز نہیں، وگرنہ یہ محبت لذیذ نعمت سے تبدیل ہو کر المناک قسمت کا روپ دھار لے گی۔

ایک بات اور رہ گئی جو مذکورہ چیزوں کے مابین بڑی اہمیت کی حامل ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

**تو اے نفس!** اپنی محبت کا رخ براہِ راست اپنی ذات کی طرف رکھتا ہے اور اس طرح اپنی ذات کو اپنا محبوب بلکہ اپنا معبود بنا کر رکھتا ہے، اور اس کی راہ میں ہر چیز کو قربان کر دیتا ہے، گویا کہ تو اُسے اپنا ایک طرح کا پروردگار بنائے ہوئے ہے ، جبکہ محبت یا تو کمال کی وجہ سے ہوتی ہے اور کمال بذات خود محبوب چیز ہے، یا پھر محبت کسی منفعت، لذت اور فضیلت کی وجہ سے کی جاتی ہے، یعنی کسی بھی ایسے سبب سے جو محبت تک پہنچانے والے ان اسباب کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو۔

**اور اب اے نفس!**

ہم نے یہ بات متعدد "مقالات" میں قطعی طور پر ثابت کی ہے کہ تیری اصلی ماہیت یہ ہے کہ تو نقص وقصور اور فقر وعجز سے گندھا ہوا ایک مرکب ہے، اور تو اس ضدّیت کے حساب سے ایک آئینے کی ذمہ داری ادا کرتا ہے۔ اور اس نقص وقصور اور فقر وعجز کے ساتھ جو تیری ماہیت میں اُصولی طور پر موجود ہے، تو فاطرِ الجلیل کے کمال، اُس کے جمال، اُس کی قدرت

Marfat.com

اور اُس کی رحمت کا اظہار کرتا ہے، بالکل ایسے جیسے گھٹا ٹوپ اندھیرا روشنی کی درخشانی کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس لیے اے میرے نفس!

تیرے لیے ضروری ہے کہ تو اپنے نفس سے محبت نہ کرے بلکہ تیرے لیے بہتر یہ ہے کہ اُس کے ساتھ عداوت رکھے یا اُس پر افسوس کرے، یا نفس مطمئنہ میں تبدیل ہو جانے کے بعد اس پر ترس کھائے۔

پس اگر تو اپنے نفس سے اس لیے محبت رکھتا ہے کہ وہ لذت و منفعت کا سرچشمہ ہے اور لذت و منفعت پر فریفتہ ہے، تو پھر اس ذرہ برابر نفسانی لذت کو اُس لامتناہی لذت پر اور اس محدود سی منفعت کو اُس غیر محدود منفعت پر ترجیح نہ دے، اُس جگنو کی طرح مت بن جو خود میں پائی جانے والی معمولی سی چمک کے زعم میں اپنی تمام محبوب اشیاء اور اپنے احباب کو تاریکی کی وحشت میں غرق کر دیتا ہے؛ کیونکہ تیری نفسانی لذت اور منفعت اور تیرے وہ فوائد منافع جات جو تو اپنے احباب کی منفعت سے حاصل کرتا ہے اور تیری وہ سعادتیں جو تو اُن کی سعادت کے طفیل پاتا ہے اور کائنات کے تمام منافع در منافع جات، یہ سب کے سب اُس محبوبِ ازلی کے لطف و کرم کا کرشمہ ہیں۔

بنابریں تیرے لیے یہ ضروری ہے کہ تو اُس محبوب ازلی کے ساتھ محبت رکھے تاکہ تو اپنی اور اُن سب کی سعادت کے طفیل کمالِ مطلق کی بے انتہا محبت کی لذت پالے۔

درحقیقت تیرے اندر جو اپنی ذات کے لیے شدید محبت رکھ دی گئی ہے وہ صرف ایک ذاتی محبت ہے جس کا رخ اللہ تعالیٰ کی جلیل القدر ذات کی طرف ہے، لیکن تو نے اس محبت کے استعمال میں سنگین غلطی کی ہے اور اس کا رخ اللہ کی ذات کی بجائے اپنی ذات کی طرف کر لیا ہے، اس لیے اے نفس تیرے اندر جو ''انا'' ہے اسے تار تار کر دے اور صرف ''ھُو'' کا اظہار کرنا شروع کر دے؛ کیونکہ تیری محبت کی تمام تر انواع و اقسام جو کہ اس کائنات میں بکھری پڑی ہیں، یہ صرف اُسی محبت کا پَرتَو ہیں جو تجھے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ جلیلہ کی جناب سے عطا کی گئی ہے، ہوا صرف یہ ہے کہ تُو نے اس کا استعمال غلط کیا ہے اس لیے تو اپنے کیے کی سزا بھر طور پا رہا ہے۔ کیونکہ غیر مشروع اور بے جا محبت بجائے خود ایسی مصیبت ہے کہ اس میں رحم و کرم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور بے شک اس محبوب ازلی نے اپنے اسم رحمٰن، رحیم کی برکت سے ایک ایسی رہائش گاہ تیار کر رکھی ہے جس میں تیری تمام مادی خواہشوں کا ہر سامان موجود ہے، اور وہ رہائش گاہ جنت ہے جو حورِ عین کے ساتھ مزین کر دی گئی ہے، اور اُس نے اپنے تمام اسمائے حسنیٰ کے ساتھ تیری روح، قلب، سِرّ، عقل اور بقیہ لطائف اور رغبات و خواہشات کو سیر کرنے کے لیے اپنی فراواں نعمتیں تیار کر رکھیں ہیں۔ بلکہ اُس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہر اسم میں احسان و کرم کے کبھی ختم نہ ہونے والے معنوی خزانے موجود ہیں۔ اس لیے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اُس ازلی محبوب کی محبت کا ایک ذرہ تمام کائنات

Marfat.com

کا بدل ہونے کے لیے کافی ہے۔اور یہ چیز ممکن نہیں کہ یہ کُل کائنات اس کی محبت کی تجلیات میں سے ایک جزوی تجلی کا بدل ہو سکے۔

پس اے نفس! اس فرمانِ اَزلی کو غور سے سن اور اس کی پیروی کر جو اس ازلی محبوب نے اپنے حبیب کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ کیا ہوا ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (حاشیہ:۱)

دوسرا پھل: اے نفس! بندگی کی جتنی بھی ذمہ داریاں اور تکالیف ہیں وہ بعد میں آنے والے ثواب کا مقدمہ نہیں بلکہ سابقہ نعمت کا نتیجہ ہیں۔ جی ہاں، ہم اپنی مزدوری پہلے لے چکے ہیں اور پیشگی لی ہوئی مزدوری کی وجہ سے ہم خدمت اور بندگی کے مکلف بن چکے ہیں۔اور وہ اس طرح کہ: اے نفس!

وہ خالقِ ذُوالجلال والاکرام جس نے تیرے بدن پر_ میری جان_ وجود کی پوشاک پہنائی ہے جو کہ خیرِ محض ہے۔ اُس نے تجھے اپنے نامِ نامی "رزّاق" کی برکت سے معدہ عطا کیا ہے، جس کے ذریعے تو ان تمام ماٗ کولات کو چکھتا اور ان سے لذت یاب ہوتا ہے جو اس نے تیری نعمتوں کے اس دسترخوان پر چن رکھے ہیں۔ پھر اس نے تجھے ایک حساس زندگی عطا کی ہے، پس یہ زندگی بھی معدے ہی کی طرح اپنا رزق مانگتی ہے۔اور یہ کہ اُس نے تمہارے آنکھ اور کان جیسے حواس کے سامنے_ جو کہ ہاتھوں ہی کی طرح ہیں_ زمین جیسا وسیع وعریض دسترخوان رکھ دیا۔ پھر اس نے تجھے انسانیت عطا کی اور وہ بھی بہت سے معنوی رزقوں کی طلب میں رہتی ہے، اس بنا پر اس نے انسانیت کے معدے کے سامنے ملک وملکوت کے اتنے آفاق کھول دیے جتنے کہ عقل کی پہنچ میں آسکتے ہیں۔

پھر اس نے تجھے اسلام اور ایمان سے نوازا ہے جو کہ "انسانیت کبریٰ" ہے اور جو لا انتہا نعمتوں کا طلبگار ہے اور نہ ختم ہونے والی رحمت سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے، اِس خاطر اُس نے ممکنات کے دائرے کے ضمن میں اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ ربانیہ مقدّسہ کی نعمت، سعادت اور ہمہ گیر لذت کا دسترخوان بچھا دیا۔ پھر اس نے تجھے اس محبت سے نواز دیا جو کہ ایمان کے انوار کا ایک نُور ہے، اور یوں اس نے تجھے نعمت وسعادت ولذت کے ایسے دسترخوان سے نواز دیا جس کی کوئی انتہا نہیں اور جو ابد تک چلتا جائے گا۔

مطلب یہ کہ تو جسمانیت کے لحاظ سے چھوٹا، ضعیف، عاجز، ذلیل، مقیّد، محدود ایک جزء ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے احسان وکرم کے طفیل سے جزوی ایک جزء سے کلی اور کلّی نورانی بن گیا ہے۔ کیونکہ اس نے تجھے جزئیت سے اُوپر اٹھا کر "زندگی" عطا کر کے کلّی کی ایک قسم میں ترقی دے دی، پھر "انسانیت" سے نواز کر حقیقی کلّیت تک بلند کر دیا۔ پھر "ایمان" کا احسان کر کے بلند نورانی کلیت پر ترقی دی۔اور پھر اس سے "محبت اور معرفت" کی نعمت سے نواز کر ہمہ گیر نورِ محیط تک بلند

(حاشیہ:۱) آل عمران:31

Marfat.com

کردیا۔

سوائے نفس! تو نے یہ تمام اُجرتیں، مزدوریاں اور قیمتیں چونکہ پہلے ہی حاصل کر لی ہیں، اس بنا پر تجھے عبودیت یعنی بندگی کا مکلف کیا گیا ہے۔ بندگی جو کہ ایک لذیذ خدمت، ایک پاکیزہ بلکہ راحت بخش اور آسان اطاعت ہے۔ کیا اس سب کے بعد بھی تو اس باشرف وعظمت خدمت کو انجام دینے میں سستی یا کوتاہی کا مظاہرہ کرے گا؟ اور ناز برداری سے کہے گا کہ: میری دعا قبول کیوں نہیں ہوتی؟ حتیٰ کہ جب تو ایک ناقص شکل اور معمولی انداز میں کوئی خدمت سرانجام دیتا ہے تو فوراً ہی ازراہِ تحکّم بہت سی چیزوں کا مطالبہ شروع کر دیتا ہے، گویا کہ تو نے سابقہ اُجرت پر اکتفا نہیں کیا ہے!

جی ہاں! تجھے ناز برداری کا کبھی بھی کوئی حق ہی نہیں پہنچتا ہے، بلکہ تیری ذمہ داری تو صرف یہ ہے کہ تو گڑگڑاتا رہے اور آہ وزاری کے ساتھ دعا کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے محض اپنے فضل وکرم سے جنت اور ابدی سعادت سے نوازے گا۔ اس لیے اس کی رحمت کی پناہ میں آجا، اس پر بھروسا کر اور اس بلند آہنگ ربانی آواز کو غور سے سنو! ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ (حاشیہ:۱)

اگر تو یہ کہے کہ ان لامحدود وکلّی نعمتوں کا اپنے محدود اور جزوی شکر کے ساتھ سامنا کرنا میرے لیے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

الجواب: کلّی نیت اور لامحدود اعتقاد جازم کے ساتھ۔

مثال کے طور پر ایک آدمی بادشاہ کے دربار میں ایک سستا اور ناچیز سا تحفہ لے کر داخل ہوتا ہے جس کی قیمت صرف پانچ روپے ہے، اور وہاں دیکھتا ہے کہ دربار میں کروڑوں روپوں کے قیمتی تحفے سجے ہوئے ہیں جو با ثر افراد کی طرف سے بھیجے گئے ہیں۔ تب وہ دل میں کہتا ہے: کیا کروں؟ میرا تحفہ تو بالکل کم قیمت اور ناچیز ہے! پھر اسے جلد ہی اس کا حل سوجھ جاتا ہے اور وہ اچانک بول اٹھتا ہے:

میرے آقا! میں آپ کی خدمت میں یہ تمام اپنی طرف سے پیش کر رہا ہوں کیونکہ آپ اس کے اہل ہیں۔ کاش کہ اگر میری استطاعت میں ہوتا کہ میں ان جیسے مزید تحفے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا۔

اسی طرح یہ سمجھو کہ وہ بادشاہ جو کسی کا محتاج نہیں ہے اور جو اپنی رعایا کے تحفے تحائف قبول کرتا ہے، اور قبول کر کے اس چیز کا اشارہ دیتا ہے کہ اُس کی رعایا اُس کے حق میں مخلص ہے اور دل سے اُس کی تعظیم کرتی ہے؛ وہ بادشاہ اس مسکین آدمی سے اس کا خاکسارانہ ہدیہ بھی اس طرح قبول کر لے گا کہ گویا کہ وہ سب سے بڑا اور قیمتی تحفہ ہے، اور اس کی وجہ اُس آدمی کی کلّی نیت، سچی رغبت، خوبصورت اور بلند یقینِ جازم ہے جو اس کے اِس اقدام کے پیچھے کارفرما ہے۔

اور یوں ایک عبدِ عاجز جب نماز میں کہتا ہے: (التحیّات للّٰہ) تو اس سے اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میرے خدا میں تیری خدمت میں اپنے نام سے ان تمام مخلوقات کی بندگی کے ہدیے پیش کر رہا ہوں۔ وہ بندگی جو کہ ان مخلوقات کی زندگی

(حاشیہ:۱) یونس:58

Marfat.com

ہے۔ میرے پروردگار! اگر مجھ میں یہ استطاعت ہوتی کہ میں ان مخلوقات کی تعداد کے برابر ہدیے پیش کرسکوں تو کبھی بھی دریغ یا تردد نہ کرتا؛ کیونکہ تو اس کے قابل ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کے قابل ہے۔

پس یہ سچی نیت اور پختہ اعتقاد، ہی وسیع وعریض اور کلی شکر ہے۔

اب ہم ایک مثال نباتات سے لیتے ہیں، اس حیثیت سے کہ اُن کے بیج اور گٹھلیاں ان کی نیتوں کی طرح ہیں۔ تو ایک تربوز ـ مثال کے طور پر ـ اپنے دل میں ہزاروں بیجوں کی نیتوں کے بل پر کہتا ہے: اے میرے خالق! میرے دل میں اس چیز کا بہت زیادہ شوق اور رغبت ہے کہ میں تیرے اسمائے حسنیٰ کے نقوش زمین کے کونے کونے میں ثبت کردوں۔

اور اللہ تعالیٰ کو چونکہ اس آنے والی چیزوں کا علم ہوتا ہے، اس لیے وہ سچی نیت کو ایسے ہی قبول کرلیتا ہے جیسے کہ وہ عملی عبادت ہو، یعنی گویا کہ وہ کام ہوگیا ہے۔ یہیں سے آپ یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ مومن کی نیت اُس کے عمل سے کیونکر بہتر ہے، اور آپ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ:

(سُبْحَانَکَ وَبِحَمْدِکَ عَدَدَ خَلْقِکَ وَ رِضَا نَفْسِکَ وَزِنَةَ عَرْشِکَ وَمِدَادَ کَلِمَاتِکَ وَ نُسَبِّحُکَ بِجَمِیْعِ تَسْبِیْحَاتِ اَنْبِیَائِکَ وَ اَوْلِیَائِکَ) (حاشیہ: ۱)

جیسے کلمات میں لاانتہا تعداد کی تسبیحات کرنے میں کیا حکمت پنہاں ہے!

جس طرح فوج کا ایک ذمہ دار آفیسر اپنے سپاہیوں کے تمام اعمال اور کارناموں کا ریکارڈ حکمران کی خدمت میں اپنے نام سے بھیجتا ہے، اسی طرح یہ انسان جو تمام مخلوقات کے لیے آفیسر ہے اور نباتات وحیوانات کا قائد ہے اور زمین کی موجودات پر خلیفہ بننے کا اہل ہے، اور خود کو اپنی خصوصی دنیا میں ہر کسی کا وکیل اور ذمہ دار سمجھتا ہے۔ وہ اِن سب کی زبانِ ترجمان کی حیثیت سے کہتا ہے: ﴿اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾، اور اس طرح وہ مخلوقات کی تمام عبادات اور اِستعانات کو معبودِ ذوالجلال کی بارگاہ میں اپنے نام پر پیش کرتا ہے۔ اور تمام مخلوقات کو اس حالت میں لے آتا ہے کہ وہ اس کی زبان سے بولتی ہیں، اور وہ اس وقت جب وہ یہ کہتا ہے کہ:

”سُبْحَانَکَ بِجَمِیْعِ تَسْبِیْحَاتِ جَمِیْعِ مَخْلُوْقَاتِکَ وَبِاَلْسِنَةِ جَمِیْعِ مَصْنُوْعَاتِکَ“

پھر وہ نبی ﷺ پر زمین کی تمام اشیاء کی ترجمانی کرتا ہوا ان الفاظ کے ساتھ درود بھیجتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ ذَرَّاتِ الْکَائِنَاتِ وَمُرَکَّبَاتِھَا۔ کیونکہ عالمِ موجودات میں جو بھی چیز پائی جاتی ہے اُس نورِ محمدی علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

اور یوں تسبیحات وصلوات میں جو بے انتہا تعداد پائی جاتی ہے اُس کی حکمت تیری سمجھ میں آسکتی ہے۔

**تیسرا پھل:** اے نفس! اگر تُو واقعتاً عمرِ قصیر میں آخرت کا ابدی عمل حاصل کرنا چاہتا ہے، اگر تُو واقعتاً اپنی عمر کے لیے

(۱) مسند احمد: 6/325,429,430، صحیح مسلم: 2726، ترمذی: 3626، ابوداود: 2503، سنن نسائی: 4/77 حدیث صحیح ہے۔ مترجم۔

Marfat.com

میں عمرِ طویل جیسا فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر تو واقعتاً عادت کو عبادت میں اور غفلت کو سکون واطمینان میں بدلنا چاہتا ہے، تو پھر سنت نبوی کی پیروی کر۔ کیونکہ کسی بھی معاملے میں سنت اور شرع پر عمل کرنا سکون واطمینان کا باعث بنتا ہے، اور وہ عمل بہت سے اُخروی ثمرات دینے کی وجہ سے ایک قسم کی عبادت کا درجہ اختیار کر جاتا ہے۔

مثال کے طور پر: اگر تُو کوئی چیز خریدتا ہے، تو اس میں جب تُو امرِ شرعی _ ایجاب وقبول _ کو اپنے اس معاملے میں لاگو کرتا ہے، تو یہ خرید وفروخت عبادت کا حکم لے لے گی؛ کیونکہ یہ تجھے حکم شرعی کی یاد دلاتی ہے۔ اور یہ چیز وحی کی یاد دلاتی ہے۔ اور یہ چیز تجھے شارع جلیل سبحانہ وتعالیٰ کی یاد دلاتی ہے، یعنی تجھے توجہ الٰہی عطا کرتی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو دل میں سکون واطمینان کی بارش برسا دیتی ہے۔

یعنی سنت کے مطابق اعمال کو سرانجام دینے سے یہ فانی عمر ہمیشہ رہنے والے ثمرات پیدا کرتی اور ایسے فوائد عطا کرتی ہے جو ابدی زندگی کا دارومدار بن جاتے ہیں۔ حیاتِ ابدی کے لیے دارومدار بن جاتا ہے جو ہمیشہ بارآور رہے گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے اس قول کو غور سے سن:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (حاشیہ:۱)

اور یہ کوشش کر کہ تو سنت اور شرع شریف کے احکام میں بکھری ہوئی اسمائے حسنیٰ کی تجلیات میں سے ہر اسم کی تجلی کے فیضان کا جامع ترین اور ہمہ گیر مظہر بن جائے۔

چوتھا پھل: اے نفس! اہل دنیا کی تقلید نہ کر، اور خاص کر ان میں سے اہلِ سفاہت واہلِ کفر کی جو کہ اپنی ظاہری اور شکلی زیب وزینت، اور فریب دہندہ غیر شرعی لذتوں سے دھوکہ کھائے بیٹھے ہیں، کیونکہ تو تقلید سے ان جیسا ہو جانے کی بجائے بہت ذلیل وخوار ہو جائے گا، اتنا کہ حیوان سے بھی آگے بڑھ جائے گا؛ کیونکہ عقل جو کہ تیرے سر میں ہے، یہ ایک منحوس اور پریشان کن آلے میں تبدیل ہو جائے گی اور تیرے سر پر اپنے ہتھوڑوں سے ضربیں لگائے گی۔ جیسے اگر ایک بہت بڑا محل ہو، اس میں ایک بہت بڑا بجلی کا بلب روشن ہو، اس سے برقی قوت تقسیم ہو کر اُن تمام چھوٹے چھوٹے بلبوں میں جا رہی ہو جو کہ محل کے چھوٹے چھوٹے کمروں میں لگے ہوئے ہیں اور اس مرکزی بلب کے ساتھ مربوط ہیں، اب اگر کوئی اس مرکزی بلب کو بجھا دے تو تمام کمروں میں اندھیرا پھیل جائے گا اور وحشت کا راج ہوگا۔ لیکن چونکہ وہاں دیگر محلوں میں اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے بلب ہیں جو اس بڑے محل والے مرکزی بلب کے ساتھ مربوط نہیں ہیں، اس لیے اس محل کا مالک اگر اس بڑے اور مرکزی بلب کو بجھا بھی دے تو دوسرے محلوں میں چھوٹے چھوٹے بلب روشنی کا کام دیتے رہیں گے، اور اس محل کے مالک کے لئے ان بلبوں کی روشنی میں اپنے کام کرنا ممکن ہوگا، اور یوں چور اس محل سے کوئی چیز چرا نہیں سکیں گے۔

پس اے نفس! پہلے محل سے مراد مسلمان ہے اور بڑے بلب سے مراد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو کہ اس مسلمان

(حاشیہ:۱) الاعراف:158

Marfat.com

کے دل میں ہیں۔ پس اگر وہ اُن کو بھول گیا اور اُن پر ایمان کو اس نے اپنے دل سے نکال دیا تو پھر اس کا کسی بھی دوسرے نبی پر ایمان نہیں رہے گا_ والعیاذ باللہ_ بلکہ اس کی روح میں کمالات کے لیے کوئی جگہ نہیں رہے گی، بلکہ وہ اپنے ربّ جلیل کو بھول جائے گا اور اس کی ماہیت میں جو منازل اور لطائف رکھ دیے گئے ہیں وہ تاریکیوں کا لقمہ بن جائیں گے، اور اس کا دل ہولناک بربادی کی آماجگاہ بن جائے گا اور اس میں وحشت خیمہ زن ہو جائے گی۔ بتا کیا خیال ہے کہ ان تخریب کاریوں سے اور اس ہولناک وحشت کے مقابلے میں کس چیز کا دامن تھامے گا اور کس چیز سے مانوس ہوگا۔ اس میں تجھے کون سا نفع حاصل ہوگا جس کے ساتھ تو اس تخریب کاری اور وحشت خیزی کے نقصان کو پورا کر سکے گا؟

رہے اجانب، تو وہ دوسرے محل کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، کہ اگر وہ اپنے دلوں سے محمد ﷺ کا نور نکال دیں گے تو ان کے پاس_ اُن کی بہ نسبت_ کچھ انوار باقی رہیں گے یا کم از کم وہ یہ سمجھتے رہیں گے کہ باقی ہیں! کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے عقیدے اور موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر ایمان کے کچھ آثار باقی ہوں جو ان کے با کمال اخلاقیات کا محور ہوں!

**پس اے نفس امارہ!**

اگر تو یہ کہے کہ میں اجنبی بیگانہ نہیں بلکہ حیوان بننا چاہتا ہوں، تو پھر ہم نے اے نفس! یہ بات تجھے بار بار یاد دلائی ہے کہ تو حیوان کی طرح بھی نہیں بن سکتا؛ کیونکہ تو عقل کا مالک ہے، اور یہ عقل جو کہ ماضی کے آلام اور مستقبل کے مخاوف کی جامع ہے، ترے چہرے، سر اور آنکھ پر دردناک ضربیں اور المناک طمانچے لگا رہی ہے اور اس طرح وہ تجھے صرف ایک لذت کی تہ میں رکھے ہوئے ہزاروں غموں سے دوچار کر رہی ہے، جبکہ حیوان ایسی لذت سے شاد کام ہوتا ہے جو آلودۂ آلام نہیں اس لیے اوّلاً تو اپنی عقل کو نکال پھینک اور پھر حیوان بن جا اور پھر آیت کریمہ ﴿كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ﴾ (حاشیہ:۱) میں پائے جانے والے تادیبی تازیانے کا سامنا کر۔

**پانچواں پھل:** اے نفس! ہم نے یہ بات بتکرار بتائی ہے کہ انسان تخلیق کے درخت کا پھل ہے، چنانچہ وہ پھل کی طرح بیج سے سب سے زیادہ دور اور اپنے کل کی تمام خصوصیات کا جامع ہے، اور اُس کی نظر عموم پر ہے اور وہ کُل اور عموم کی وحدت کی جہت اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ پس وہ ایک ایسی مخلوق ہے جو قلب کی گٹھلی کی حامل ہے، اور اس کے چہرے کا رخ کثرت، فنا اور دنیا کی طرف ہے۔ لیکن عبادت جو کہ مبدء و منتہیٰ کے درمیان حبل الوصال یا مبدء و منتہیٰ کے درمیان نقطۂ اتصال ہے، وہ اس کے چہرے کو فنا سے بقا کی طرف، مخلوق سے حق کی طرف، کثرت سے وحدت کی طرف اور منتہیٰ سے مبدء کی طرف موڑ دیتی ہے۔

اگر ایک قیمتی اور صاحبِ شعور پھل جو کہ قریب ہے کہ کئی ایک بیجوں کی تشکیل کر دے، اگر ایسا پھل اپنے حسن و جمال پر

---

(حاشیہ:۱) الاعراف:179

Marfat.com

ناز کرے اور اپنے سے بہت نیچے والی ذی اَرواح کی طرف نظر رکھے اور خود کو اُن کے ہاتھوں میں گرا دے یا کہ غافل ہو کر اُن کی جھولی میں جا گرے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دوسرے عام پھلوں کی طرح اُن کے ہاتھوں ریزہ ریزہ، مضمحل اور ضائع ہو جائے گا۔ لیکن وہ باشعور پھل اگر کوئی نقطۂ اعتماد پالے اور اتنا سوچ لینے پر قادر ہو جائے کہ وہ اپنی ذات میں چھپائی ہوئی درخت کی وحدت کی جہت سے عنقریب اس درخت کی بقا، اس کی حقیقت کے اظہار اور اُس کے دوام کا وسیلہ بن جائے گا تو اس صورت میں اُس ایک پھل کا صرف ایک بیج باقی، دائمی اور پائدار عمر کے ضمن میں دائمی پائدار اور کلی حقیقت کا مظہر بن جائے گا۔

اس طرح انسان کثرت میں داخل ہو کر، کائنات میں غرق ہو کر، دنیا کی محبت میں مدہوش ہو کر، فانیوں کی مسکراہٹوں سے دھوکہ کھا کر اُن کی آغوش میں جا گرا تو بلاشک وہ انتہائی بڑے خسارے میں جا گرے گا۔ ضلالت و عدم وفنا کے دامن میں جا گرے گا، یعنی خود کو معنوی طور پر نیست و نابود کر بیٹھے گا۔

لیکن یہی انسان جب سر کو کچھ اوپر اٹھائے گا اور قرآن کی زبان سے قلبِ شہید اور دلِ آگاہ کے ساتھ ایمان کے دروس سنے گا اور وحدانیت کی طرف متوجہ ہو جائے گا تو اس وقت عبادت کی سیڑھی کے ذریعے کمالات وفضائل کے عرش تک جا پہنچے گا اور ایک زندہ و پائندہ انسان بن جائے گا۔

اے میرے نفس! حقیقت جب یہی ہے، اور تیرا تعلق ملّتِ ابراہیمی کے ساتھ ہے، تو پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مانند کہہ دے کہ: ﴿لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ﴾، اور اس زندہ و پائندہ محبوب کی طرف منہ کر لے، اور میری طرح رو رو کر دامن تر کر لے اور یہ شعر پڑھتا رہ: (وہ فارسی اشعار ہیں جو کہ سترہویں مقالے کے دوسرے مقام میں درج کیے گئے ہیں، وہاں سے ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں)

---

Marfat.com

# پچیسواں مقالہ

# قرآنی معجزات

ہاتھ میں قرآن جیسا ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہوتے ہوئے، کوئی دوسری دلیل و برہان کو تلاش کرنا مجھے فضول لگتا ہے۔ جب قرآن جیسی ایک برہان حقیقت ہاتھ میں ہے، تو کیا منکرین کو الزام کرنا دل کیلئے بوجھ ہے؟

تنبیہ:

عزم یہ تھا کہ اس مقالے کے آغاز میں ہم ایک مضمون پانچ شعلوں کے عنوان سے لکھیں گے لیکن پہلے شعلے کے آخر میں _ نئے رسم الخط کو لازمی قرار دینے سے دو ماہ قبل _ (حاشیہ:۱)

قدیم حروف میں طباعت کی وجہ سے ہمیں لکھائی کا کام بہت جلد نپٹانا پڑا حتی کہ بعض دنوں میں دو سے تین گھنٹوں کے درمیان بیس سے تیس صفحات تک بھی ڈالتے تھے، اس وجہ سے ہمیں صرف تین شعلوں پر اکتفا کرنا پڑا جنہیں ہم نے انتہائی اجمال اور اختصار کے ساتھ لکھا، اور فی الحال دو شعلوں کو چھوڑ دیا۔

اپنے معزز بھائیوں سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری طرف سے صادر ہونے والی کمیوں کوتاہیوں اور غلطیوں کو انصاف اور درگزری کی نظر سے دیکھیں گے۔

اس کتاب (قرآنی معجزات) میں وارد ہونے والی اکثر آیات یا تو وہ ہیں جو ملحدین کی تنقید کا نشانہ بن چکی ہیں، اور یا وہ ہیں جن پر جدید سائنسدانوں کی طرف سے اعتراضات کیے گئے ہیں، اور یا پھر وہ ہیں جن پر شیاطین الجن والانس کی طرف سے شبہات واوہام وارد کیے گئے ہیں۔

اس "پچیسویں مقالے" میں ایسی تمام آیات کو زیر بحث لایا گیا ہے اور ان میں پوشیدہ حقائق اور گہرے نکتوں کی بہترین انداز میں وضاحت کی گئی ہے، اس طرح کہ الحاد پرستوں اور جدید سائنسدانوں نے جن نقاط کو ضعف و نقص کا دارومدار ٹھہرایا ہے ان کے بارے میں اس مضمون نے ان سے متعلقہ سائنسی قواعد کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ یہی نقاط حقیقت میں اعجاز کی کرنیں اور قرآن کے کمالِ بلاغت کے سرچشمے ہیں۔

---

(حاشیہ:۱) اس دور کی طرف اشارہ ہے جس میں ترکی میں عربی حروف پر پابندی لگا دی گئی تھی اور ان کی جگہ لاطینی حروف کا استعمال ضروری قرار دے دیا گیا تھا، اور یہ 23/11/1928 میں ہوا۔ مترجم۔

Marfat.com

رہے شبہات، تو ان کے بارے میں انداز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ خود شبہات کا ذکر کیے بغیر اُن کے قطعی جواب ذکر کر دیے گئے ہیں صرف اِس لیے کہ شبہات کے ذکر سے ذہن پراگندہ نہ ہوں۔ جیسے کہ آیت کریمہ ﴿والشمس تجری.....﴾ اور آیت کریمہ ﴿وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ میں ہے۔ البتہ اُن کے چند شبہات کا ذکر ہم نے ''بیسویں مقالے'' کے پہلے مقام میں اُن چند آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کر دیا ہے جن کے بارے میں وہ شبہات وارد ہوئے ہیں۔

پھر یہ رسالہ ''قرآنی معجزات'' اگرچہ انتہائی اختصار اور انتہائی سُرعت کے ساتھ لکھا گیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ایسے پختہ اور دقیق علمی اسلوب کے ساتھ بلاغت اور علوم عربیہ کے دیگر بتہیرے پہلوؤں کو کچھ اس طرح سے اُجاگر کرتا ہے کہ علماء کے لیے بھی حیرت کا باعث بنتا ہے۔

اور باوجود اس کے کہ اس موضوع کے ساتھ دلچسپی رکھنے والا کوئی بھی گہری نظر رکھنے والا آدمی اِس کے ہر پہلو کا احاطہ نہیں کر سکتا اور ایسی دقیق بحثوں سے ہر اہل تحقیق بھی کما حقہ استفادہ نہیں کر سکتا ہے، تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس سرسبز و شاداب گلستان سے ہر سنجیدہ آدمی حصہ بقدر جُثہ ضرور حاصل کر لے گا۔ اور یہ رسالہ اگرچہ انتہائی مضطرب اور آشفتہ حالات اور جلد بازی میں لکھا گیا ہے، اس بنا پر خیالات کے اظہار کے ضمن میں اس میں کمی بیشی کا در آنا ضروری ہے، اس کے باوجود اتنا ضرور ہے کہ علمی نقطۂ نظر یا سائنسی انداز سے اس میں کئی اہم مسائل اور گہرے حقائق کو طشت از بام کر دیا گیا ہے۔

سعید نورسی

Marfat.com

# قرآنی معجزات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَن يَأْتُواْ بِمِثْلِ هَـذَا الْقُرْآنِ لاَ يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً﴾ (حاشیہ:۱)

اپنے عربی مضامین میں، عربی زبان میں لکھے گئے رسائل میں، اپنی ''اشارات الاعجاز فی مظان الایجاز'' نامی تفسیر میں اور سابقہ چوبیس مقالہ جات میں، ہم رسول کریمؐ کے معجزۂ کبریٰ اور اُن کے دیگر معجزات کے سرچشمے قرآن حکیم کے اَن گنت معجزات میں سے چالیس پہلوؤں کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

اس رسالے میں ہم ان میں سے پانچ پہلوؤں کی طرف اشارہ کر کے اُن پر کچھ تفصیلی روشنی ڈالیں گے اور اُن پانچ پہلوؤں کے اندر ہم دیگر تمام پہلو بھی اجمالاً درج کر دیں گے۔

مقدمے میں، ہم قرآن کریم کی تعریف اور اس کی ماہیت کی طرف اشارہ کریں گے۔

(۱) الاسراء:88

Marfat.com

# مقدمہ

## ''یہ تین اجزاء پر مشتمل ہے''

☆ پہلا جزء:

قرآن کیا ہے؟ اس کی تعریف کیسی ہے؟

الجواب: جیسے اُنیسویں مقالے میں اس چیز کی وضاحت کی جاچکی ہے اور دیگر مقالات میں بھی یہ چیز ثابت کی گئی ہے کہ قرآن: کائنات کی اس کتاب کبیر کا ازلی ترجمہ۔ اور اس کی تکوینی آیات کو تلاوت کرنے والی گوناگوں زبانوں کا ابدی ترجمان۔ عالمُ الغیب والشہادہ کی کتاب کا مفسّر۔ ارض وسماء کے صحائف میں پنہاں اسمائے الٰہیہ کے معنوی خزانوں کے پوشیدگیوں کا انکشاف کرنے والا۔ اسی طرح وہ واقعات کی سطور میں مضمر معاملات کے حقائق کی کلید۔ عالم شہادت میں عالم غیب کی زبان۔ اس عالمِ شہادت کے پردے کے پیچھے چھپے ہوئے عالم غیب کی طرف سے وارد ہونے والے ابدی رحمانی التفاتات اور ازلی سبحانی خطابات کا خزینہ۔ اسلام کے معنوی عالم کا سورج اُس کی اساس اور اُس کا خاکہ۔ اُخروی جہانوں کا مقدس نقشہ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے اسماء وصفات اور اس کے معاملات کا تابندہ ترجمان، قطعی برہان، واضح تفسیر اور تشریح کرنے والا قول۔ اس عالم انسانی کا مربّی۔ انسانیت کبریٰ یعنی اسلام کا پانی اور روشنی۔ اور نوعِ بشر کیلئے حقیقی حکمت۔ انسانیت کو کشاں کشاں سعادت کی طرف لے جانے والا حقیقی ہادی و مرشد۔ اور انسان کے لیے کتاب شریعت، کتاب حکمت، کتاب دعا، کتاب بندگی، کتاب امر، کتاب دعوت، کتاب ذکر اور کتاب فکر۔ یہی وہ واحد مقدس کتاب ہے جس میں وہ تمام کتابیں جمع ہیں جو انسان کی تمام روحانی حاجات کو بروئے کار لانے والی ہیں۔ حتی کہ اس نے اولیاء و صدیقین اور عرفاء و محققین کے تمام مختلف اور متباین مشارب و مسالک میں سے ہر ایک مشرب اور مسلک کے لیے ایسا پیغام ظاہر کیا ہے جو اُس مشرب کے ذوق کے مطابق ہے اور اُسے روشن کرتا ہے اور جو اس مسلک کو آگے بڑھانے اور اُس کی تصویر کشی کرنے کے لئے انتہائی مناسب ہے۔ گویا کہ یہ آسمانی کتاب ایک ایسی مقدس لائبریری کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے جو کتابوں سے بھری ہوئی ہو۔

**دوسرا جزء اور تعریف کا تتمّہ**

''بارہویں مقالے'' میں اس بات کی وضاحت اور اثبات کیا گیا ہے کہ:

جب قرآن عرش اعظم سے، اسم اعظم سے اور اسمائے حسنیٰ میں سے ہر اسم کے عظیم ترین مرتبے سے اُترا ہے۔ تو

Marfat.com

قرآن اللہ کا اُس کے رب العالمین ہونے کی حیثیت سے کلام ہے۔ وہ اللہ کا اس کے الٰہ الموجودات ہونے کی حیثیت سے اَمر ہے۔ خالق السماوات والارض ہونے کی حیثیت سے اُس کا خطاب ہے۔ وہ مطلق پروردگاری کے عنوان سے ایک بلند آہنگ مکالمہ ہے، وہ ہمہ گیر عظیم الشان سلطنت کے نام سے ازلی خطاب ہے، وہ اس کی ہر چیز کو محیط و وسیع رحمت سے پھوٹنے والے کریمانہ ورحیمانہ التفات کا رجسٹر ہے، یہ ایسی خبر رسانیوں کا مجموعہ ہے جن کے آغاز میں بسا اوقات الوہیت کی عظمت کے پیشِ نظر کوڈ ورڈ کی صورت میں گفتگو ہے، یہ حکمت سے بھرپور ایک مقدّس کتاب ہے جو اسم اعظم کے محیط سے نازل ہوئی ہے اور اُن اُمور کی طرف نظر رکھے ہوئے ہے جن کا عرشِ اعظم نے احاطہ کیا ہوا ہے۔ یہی وہ راز ہے جس کے پیش نظر قرآن کریم کو ''کلام اللہ'' کہا گیا ہے اور ہمیشہ اسے ہر اس نام سے پکارا جائے گا جس کا وہ مستحق ہوگا۔ قرآن کریم کے بعد دوسرے درجے میں دیگر انبیاء کی مقدّس کتابیں اور صحیفے آتے ہیں۔ رہے دوسرے کلماتِ الٰہیہ جو کبھی ختم نہیں ہوں گے، تو ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو کسی الہام کی صورت میں ایک قسم کے مکالمے سے عبارت ہیں، وہ الہام جس کا سرچشمہ کوئی خاص اعتبار، کوئی جزوی عنوان، خصوصی تجلی، جُزوی اسم، کوئی خاص ربوبیت، کوئی مخصوص سلطنت اور کوئی خصوصی رحمت ہوتی ہے۔ چنانچہ کلیّت اور خصوصیت کے لحاظ سے فرشتے، بشر اور حیوانات کے الہامات بہت مختلف ہیں۔

## تیسرا اجزء

قرآن کریم ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جو اجمالی طور پر مختلف ادوار میں آنے والے تمام انبیاء کی کتابوں کو، مختلف مشارب کے تمام اُولیاء کے رسائل کو اور مختلف مسالک کے تمام اصفیاء کے آثار کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ اس کی شش جہات روشن، تابناک، اوہام کی تاریکیوں سے مبرا اور شبہات کے شائبوں اور آلائشوں سے پاک صاف ہیں، اور اس کا نقطۂ استناد یقینی طور پر وحیِ آسمانی اور کلامِ ازلی۔ اس کا ہدف اور غرض وغایت مشاہداتی طور پر سعادت ابدی۔ اس کا مضمون بداہتاً ہدایتِ خالص۔ اس کی اوپر والی جانب بدیہی طور پر ایمان کے انوار۔ اس کے نیچے علم الیقین کے ساتھ دلیل و برہان۔ اس کی دائیں جانب تجربے کے ساتھ قلب ووجدان کی تسلیم ورضا۔ اس کی بائیں جانب عین الیقین کے ساتھ عقل واذعان کی تسخیر۔ اس کا ثمرہ حق الیقین کے ساتھ منزل گاہِ بہشت میں خدائے رحمان کی رحمت۔ اور اس کا مقام یقین صادق کے ساتھ فرشتوں اور جنوں کا اسے قبول کر لینا ہے۔

قرآن کریم کی تعریف میں ان تین اجزاء میں جتنی بھی صفات ذکر کی گئی ہیں ان میں ہر صفت دیگر مقامات پر قطعی طور پر ثابت کی جا چکی ہے یا ثابت کر دی جائے گی۔ اس لیے ہمارا دعوی بغیر دلیل کے خالی دعوی ہی نہیں ہے، بلکہ ہر دعوی کی قطعی برہان کے ساتھ ثابت ہے۔

Marfat.com

# پہلا شعلہ

## (اس شعلے کی تین شعاعیں ہیں)

### پہلی شعاع قرآن کی اعجاز کے درجے تک پہنچی ہوئی بلاغت ہے

وہ بلاغت جو کہ نظمِ قرآن کی جزالت، پختگی، عمدگی اور اس کی خوبصورت مضبوطی واُستواری سے، اس کے عجیب و غریب، اچھوتے، حیرت خیز اور دل آویز اسالیب سے، اس کے بیان کی یکتائی، تفوق اور صفائی ستھرائی سے، اس کے معانی کی قوت اور صداقت سے اور اس کے الفاظ کی وضاحت اور سلاست سے پھوٹی ہے۔

اس غیر معمولی بلاغت کے بل پر قرآن کریم نے تیرہ سو سال قبل سے بنی آدم کے ذہین ترین لوگوں کو، ان کے سربر آوردہ سخنوروں کو اور زبردست علماء کو دعوت مبارزت دے رکھی ہے لیکن اس شدید ترین چیلنج کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی میدان میں اترنے کی جرأت نہیں کی اور مقابلے میں ایک لفظ تک نہیں بولا۔

بلکہ ان کی گردنیں ذلت سے خم ہوگئیں اور انہوں نے خفت اور خواری سے اپنے سر جھکا لئے، حالانکہ ان میں ایسے ایسے بلغاء بھی موجود تھے جو غرور میں آکر بادلوں سے سینگ لڑا لیا کرتے تھے۔

قرآن کی معجزانہ بلاغت کی جانب ہم دو صورتوں میں اشارہ کریں گے۔

#### پہلی صورت:

یہ ہے کہ قرآن میں یقیناً اعجاز پایا جاتا ہے اور وہ بدستور موجود ہے، کیونکہ جزیرہ عرب کے بیشتر باشندے ان دنوں ناخواندہ تھے، اس بنا پر وہ اپنے پُرفخر کارنامے، اپنے تاریخی واقعات، اپنی ضرب الامثال، اپنے اقوال، حکمت اور محاسنِ اخلاق اپنے شعروں میں یاد کر کے رکھتے تھے، اور اپنی فصیح و بلیغ کلام کے شہ پاروں کو قلمبند کرنے کی بجائے زبانی بیان کرتے تھے۔ چنانچہ کوئی بھی پُرحکمت اور پُرمغز کلام ان کے اذہان میں قرار پکڑ جاتا تھا اور بعد میں آنے والے اپنے اسلاف سے اسے نقل کرتے رہتے۔ پس ان کی اس فطری حاجت نے ان کا رجحان اس طرف کر دیا کہ ان کے بازار کی مرغوب ترین اور مروّج ترین سوغات جو ٹھہری وہ تھی: فصاحت و بلاغت، حتیٰ کہ ایک فصیح و بلیغ آدمی اپنے قبیلے کے مجد و شرف کی علامت اور اس کے عزّ و افتخار کا ہیرو سمجھا جاتا تھا۔ تو یہ قوم جس نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی ذہانت و فطانت کے ساتھ دنیا کی قیادت کی، دنیا کی دیگر اقوام کے مابین بلاغت کے میدان میں صدر نشینی کے درجے پر تھی۔ اس لیے

Marfat.com

بلاغت کی گرم بازاری تھی اور اس کی انہیں ضرورت بھی بہت زیادہ تھی، یہاں تک کہ ان لوگوں نے اِسے اپنے فخر واعتزاز کا دارومدار قرار دے دیا تھا، حتیٰ کہ دو قبیلوں کے درمیان جنگ یا صلح کا فیصلہ کسی ادیب سے صادر ہونے والی بلیغ کلام سے ہو جاتا تھا، بلکہ اُنہوں نے اپنے سات بلیغ ترین شعراء کے سات قصائد کو آبِ زر سے لکھ کر کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیا تھا، چنانچہ یہ سات قصیدے (**المعلقات السبع**) اُن کے فخر کی علامت بن گئے تھے۔

اب ان حالات میں جبکہ بلاغت اپنے مجد وشرف کی بلندیوں کو چھو رہی تھی اور اس حد تک مرغوب ہو چکی تھی، قرآن نازل ہو گیا۔ بالکل ایسے جیسے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب عروج پر تھی۔ تو اُن کے معجزات کا ایک بڑا اہم حصہ بھی اسی نوعیت کا تھا۔ بنا بریں قرآن نے اُس وقت کے بُلغاءِ عرب کو چھوٹی سے چھوٹی سورت جیسی کوئی سورت لانے کی دعوت دی اور انہیں اپنے اس قول کے ساتھ چیلنج کیا: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ﴾ (حاشیہ:۱) اور اس چیلنج کے ضمن میں سختی کے ساتھ فرمایا۔ ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ ﴾ (حاشیہ:۲) یعنی تمہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔ یہ چیلنج اُن کا غرور توڑ رہا تھا، ان کی عقلوں کو سُبک بنا رہا تھا۔ اور ان کی دانشمندیوں پر بے وقوفیوں کی مہریں لگا رہا تھا، اور ان کے لیے دنیا وآخرت میں نیستی ونابودی کے احکامات صادر کر رہا تھا، مطلب یہ کہ: قرآن کہہ رہا تھا یا تو تم اس کا مقابلہ کر دیا پھر تمہاری جان اور تمہارے مال ہلاکت میں ہیں۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر معارضہ اور مقابلہ ممکن ہوتا تو کیا پھر حرب وضرب اور تخریب کاری جیسا پُر خطر اور پُر مشقت راستہ اپنانے کا کوئی امکان رہ جاتا؟ جبکہ اُن کے سامنے پُر امن اور پُر سہولت راستہ موجود تھا، اور وہ یہ تھا کہ وہ اِس کے دعوے اور چیلنج کو باطل کرنے کے لیے اس کے معارضے یا مقابلے میں اس جیسی چند سطریں لے آتے؟

جی ہاں! کیا اس ذہین قوم کے لیے جنہوں نے اپنی سیاست وفطانت کے ساتھ دنیا کی قیادت کی، اس کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ آسان ترین اور سالم ترین راستہ چھوڑ کر اس مشکل ترین راستے کا انتخاب کرے جو ان کی جانوں اور مالوں کو ہلاکت کے گھاٹ اُتار دے؟

کیونکہ اگر بلغائے عرب کے لیے چند حروف کے ساتھ قرآن کا مقابلہ کرنا ممکن ہوتا تو قرآن اپنے دعوے سے دستبردار ہو جاتا اور وہ خود مادی اور معنوی تباہ کاری سے بچ جاتے، جبکہ ایسا ہوا نہیں؛ کیونکہ حالات بتاتے ہیں کہ اُنہوں نے طویل خوفناک جنگ کا راستہ اختیار کیا۔ مطلب یہ کہ الفاظ وحروف کے ساتھ مقابلہ محال تھا اور وہ اس میدان میں کسی بھی حالت میں نہیں اُتر سکتے تھے، اس لیے اُنہوں شمشیر زنی کا راستہ اختیار کیا۔

---

(حاشیہ:۱) البقرۃ:23

(حاشیہ:۲) البقرۃ:24

Marfat.com

پھر قرآن کے معارضے، اس کی تقلید اور اس جیسی کتاب لانے کے دو اور بھی انتہائی قوی محرّکات موجود تھے:

(۱) یہ کہ دشمن اس کا مقابلہ کرنے کے حریص تھے۔ (۲) یہ کہ دوست اس کی تقلید کے شیدائی تھے۔

ان دو اسباب کے زیرِ اثر عربی زبان میں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں، لیکن ان میں سے کوئی ایک کتاب بھی قرآن کی کبھی بھی مشابہت نہ کر سکی، کیونکہ جو بھی ان کو دیکھتا ہے _ خواہ وہ عالم ہو یا جاہل _ وہ بہر صورت یہی کہتا ہے: قرآن ان کتابوں کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا، اور ان میں سے کوئی بھی قطعاً قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس بنا پر یا تو قرآن اِن سب سے فروتر ہے _ اور یہ چیز دشمنوں دوستوں کے بالاتفاق محال ہے _ اور یا پھر قرآن اِن سب پر فوقیت رکھتا ہے، اور اِن سب سے بلند ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ: ہمیں اس بات کا کیسے پتا چلے گا کہ کسی نے بھی اس کے ساتھ معارضہ (Dispute) کرنے کی کوشش نہیں کی؟ کیا کسی کو بھی اپنے آپ پر اور اپنی صلاحیت پر اعتماد نہیں تھا کہ وہ میدانِ تحدّی میں اُترتا؟ کیا ان کا آپس کا تعاون اور پشتیبانی بھی ان کے کام نہ آ سکی؟

**الجواب:** اگر معارضہ ممکن ہوتا، تو کوشش لامحالہ ظہور میں آتی؛ کیونکہ مسئلہ شرف وعزت اور ارواح واموال کی بربادی کا تھا، اس لیے اگر معارضہ ظہور میں آیا ہوتا تو بہت سے لوگ اس سے وابستہ ہو جاتے، کیونکہ حق کے معارض اور ضدّی لوگ ہمیشہ سے بہت زیادہ رہے ہیں، اس لیے اگر کوئی شخص اس معارضے کی تائید کر دیتا تو لوگوں میں مشہور ہو جاتا؛ کیونکہ وہ لوگ تو چھوٹے چھوٹے اور معمولی قسم کے جھگڑوں میں بھی قصیدے لکھ کر انہیں اپنے کارناموں کے دیوانوں میں سجا لیتے تھے: تو پھر اس طرح کی عجیب وغریب کشمکش تاریخ میں ڈھکی چھپی کیونکر رہ سکتی تھی؟

اسلام کے بارے میں بدترین الزامات اور قبیح ترین اعتراضات لوگوں میں مشہور ہوئے ہیں، لیکن منقول صورت میں صرف وہی چند کلمات سامنے آئے ہیں جو مسیلمہ کذاب نے قرآن کے مقابلے میں کہے ہیں۔ یہ مسیلمہ اگرچہ معتدبہ بلاغت کا مالک تھا لیکن اُس کی اِس بلاغت کا موازنہ جب قرآن کی ہر حُسن وجمال سے بالاتر بلاغت کے ساتھ کیا جاتا ہے تو وہ ہرزہ سرائی اور ہذیانی کلام کے درجے سے اُوپر نہیں اُٹھتی ہے۔ اُس کی کلام کے کچھ نمونے تاریخ کے صفحات میں نقل کیے گئے ہیں۔

بس یوں سمجھو کہ قرآن کی بلاغت میں اعجاز کا پایا جانا ایسا یقینی امر ہے جیسے دو ضربِ دو کا حاصل یقینی طور پر چار ہوتا ہے۔ اس حساب سے یہ معاملہ بالکل یقینی ہے۔

**دوسری صورت:**

بلاغتِ قرآن میں پائے جانے والے اعجاز کی حکمت کی وضاحت ہم پانچ نقطوں میں کریں گے:

Marfat.com

**پہلا نقطہ:**

نظمِ قرآن میں غیر معمولی جزالت اور استحکام ہے۔ ہماری کتاب (اشارات الاعجاز فی مظان الایجاز) میں اول سے لے کر آخر تک نظمِ قرآن میں پائے جانے والی اِس جزالت اور پختگی و اُستواری کی اچھی طرح وضاحت کر دی گئی ہے۔ جس طرح گھڑی کی سیکنڈ، منٹ اور گھنٹے شمار کرنے والی سوئیوں میں سے ہر سوئی دوسری کے نظام کو مکمل کرتی ہے، اسی طرح قرآنِ حکیم کے تمام جملوں میں سے ہر جملے کی ہیئات و کیفیات میں پایا جانے والا نظم، اس کے کلمات میں پایا جانے والا نظام اور ہر جملے کے مناسب طور پر ایک دوسرے کے پہلو میں ہونے میں جو نظام پایا جاتا ہے، اس کی حالت بھی یہی ہے۔ مذکورہ بالا تفسیر میں شروع سے لے کر آخر تک اِس چیز کی پوری پوری وضاحت کر دی گئی ہے جو چاہے اُس کی طرف مراجعت کر کے اِس غیر معمولی پائیداری و اُستواری کا اُس کی زیبا ترین صورتوں میں مشاہدہ کر سکتا ہے۔ البتہ اس مقام پر ہم ہر جملے کے باہمدیگر پیوستہ کلمات میں پائے جانے والے نظم کی وضاحت کے لیے صرف ایک دو مثالیں دیں گے۔

## پہلی مثال:

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے: ﴿وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ﴾ (حاشیہ:۱)

یہ جملہ عذاب کی ہولناکی کو ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے، اور وہ اس طرح کہ کم از کم عذاب کی تاثیر کتنی شدید ہوگی، اس لیے جملے کی وہ تمام کیفیات جو تقلیل کا مفہوم ادا کرتی ہیں اُن کی نظر اُس تقلیل کی طرف ہے۔ اور ہول و ہراس کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی قوت میں اضافہ کرتی ہیں:

لفظ (لَئِنْ) شک پیدا کرنے کے لیے ہے، اور شک قلّت کا اشارہ دیتا ہے۔

لفظ (مَسّ) صرف معمولی سا چھونے کا معنی دیتا ہے اِس لیے یہ بھی قلّت کا اشارہ دیتا ہے۔

لفظ (نَفْحَةٌ) کا بنیادی معنی ہوا کا تھوڑا سا جھونکا ہے، اس لیے قلت کا معنی دے رہا ہے، پھر اس کا صیغہ واحد یا اکیلے پن پر دلالت کرتا ہے، یعنی ایک چھوٹا سا۔ پھر صرفی تعبیر کے لحاظ سے یہ مصدرُ المَرۃ ہے جو کہ یکبارگی کا معنی دیتا ہے، اس لیے یہ بھی قلّت کی طرف اشارہ ہے۔

پھر (نَفْحَةٌ) میں تنوین تنکیر کی ہے، اور یہ بھی قلّت کا معنی دیتی ہے۔ یعنی یہ اس حد تک چھوٹی سی چیز ہے کہ جس کا علم بھی نہیں ہو سکتا، اس لیے اسے نکرہ لایا گیا ہے۔

---

(حاشیہ:۱) الانبیاء:46

Marfat.com

اور لفظ (مِـنْ) عربی میں تبعیض یعنی حصے یا اجزاء بنانے کے لیے آتا ہے، یعنی ایک حصہ یا ٹکڑا، چنانچہ یہ بھی قلت کا معنی دے رہا ہے۔

اور لفظ (عذابٌ) "نکالٌ" اور "عقابٌ" کے مقابلے میں ہلکی سزا کے معنی میں آتا ہے، اس لیے یہ بھی قلت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

اور القهار، الجبار اور المنتقم کی بجائے لفظ (ربک) استعمال کیا گیا ہے۔ اور قہاری وجباری کی بجائے شفقت ورحمت کا احساس دلانے میں بھی قلت کا معنی پایا جاتا ہے۔

اور یوں جملہ یہ مفہوم ہمارے ذہن نشیں کرا رہا ہے کہ:

جب عذابِ الٰہی کا اتنا قلیل سا جھونکا بھی اس قدر شدید اور مؤثر ہے تو پھر عقاب الٰہی کی ہولناکی کا کیا عالم ہوگا؟ اس جملے میں اچھی طرح غور کرو تا کہ تمہیں پتا چلے کہ چھوٹی چھوٹی ہیئات وکیفیات کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہیں اور باہم دیگر تعاون کرتی ہیں! اور ان میں سے ہر ایک خود اپنی زبان کے ساتھ اصلی مقصد کو تقویت دیتی ہے۔

مذکورہ بالا مثال میں لفظ اور مقصد ہر دو کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

دوسری مثال:

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ (حاشیہ:۱)

اِس جملے کی ہیئات وکیفیات صدقے کی قبولیت کے لیے پانچ شرائط کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

**پہلی شرط:** لفظ (مـمّـا) میں پائے جانے والے (مِن) سے سمجھ میں آ رہی ہے جو کہ تبعیض کا معنی دے رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: صدقہ خیرات کرنے والا اتنا کھلا خرچ نہ کرے کہ پھر خود اُسے دوسروں سے صدقہ لینے کی ضرورت پڑ جائے۔

**دوسری شرط:** لفظ (رَزَقْـنَـاهُـمْ) سے سمجھ میں آ رہی ہے، مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایک سے لے کر دوسرے پر خرچ نہ کرے، بلکہ واجب یہ ہے کہ اُس مال سے خرچ کرے جو اُس کا اپنا ہے، یعنی اس مال سے صدقہ خیرات کرو جو تمہارا اپنا ہے۔

**تیسری شرط:** (رزقـنـا) کے لفظ (نـا) سے حاصل ہو رہی ہے، یعنی: خیرات کرنے والا آدمی احسان نہ جتلائے۔ مطلب یہ کہ تم نے جو صدقہ خیرات کیا ہے اُس میں تم نے لینے والوں پر احسان نہیں کیا ہے کیونکہ رزق روزی تو تمہیں میں پہنچا رہا ہوں اور تم میرے مال میں سے میرے بندے پر خرچ کر رہے ہو۔

**چوتھی شرط:** (يُـنـفِـقُـوْنَ) سے حاصل ہو رہی ہے، یعنی اُس آدمی پر صدقہ وخیرات کرو جو اُسے ضروری حاجات د

(حاشیہ:۱) البقرة:3

Marfat.com

ضروریات اور نان نفقہ میں صرف کرے، وگرنہ اگر اُس آدمی کو دے دیا جو اُسے بُرے کاموں میں صرف کرے گا تو وہ غیر مقبول ہوگا۔

**پانچویں شرط:** بھی لفظ (رَزَقْنَاهُمْ) سے مستفاد ہے، یعنی یہ کہ صدقہ خیرات اللہ کے نام پر ہونا چاہیے، یعنی یہ مال میرا ہے اس لیے تمہارا یہ فرض بنتا ہے کہ تم اسے میرے نام پر خرچ کرو۔

اِن شروط میں اضافہ ہوسکتا ہے کہ: صدقہ جس طرح مال کے ساتھ ہوتا ہے، اسی طرح علم، قول، فعل اور نصیحت کے ساتھ بھی ہوتا ہے، اور صدقہ کی اِن تمام اقسام کی طرف ''مِمَّا'' میں پایا جانے والا کلمہ ''ما'' اشارہ کر رہا ہے جس میں ہر جگہ عمومیت کا مفہوم پایا جاتا ہے، اور خصوصی طور پر اس جملے میں؛ کیونکہ یہ مطلق ہے اور عموم کا معنی دیتا ہے۔

اور یوں یہ مختصر سا جملہ جو کہ _صدقہ کا مفہوم_ دے رہا ہے، انسان کی عقل میں صدقہ وخیرات کی پانچ شرطیں بٹھا رہا ہے اور اُسے اُس کی کیفیات ذہن نشین کرا رہا ہے اور یہ بتا رہا ہے کہ صدقے کا میدان بہت وسیع ہے۔

پس بتانا یہ ہے کہ قرآنی جملوں کی ہیئات وکیفیات میں اس طرح کے نظم وترتیب کے کئی ایک پہلو پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح قرآنی کلمات کی بھی یہی حالت ہے، ان میں بھی ایک دوسرے کے بالمقابل نظم وترتیب کا اسی طرح کا وسیع میدان ہے۔

اسی طرح قرآنی کلام اور قرآنی جملے اِس طرح کے نظم وترتیب کے کئی دائروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔

☆ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

اِس جلیل القدر سورت میں چھ جملے ہیں، ان میں سے تین مثبت ہیں اور تین منفی۔ اور یہ سب کے سب توحید کے چھ مراتب کا اِثبات اور چھ قسم کے شرک کا رد کر رہے ہیں۔ پس ان میں سے ہر جملہ دوسرے جملوں کے لیے بیک وقت دلیل اور نتیجے کا کام دے رہا ہے کیونکہ ہر جملے کے دو معنے ہیں۔ اِس طرح وہ جملہ ایک معنی کے لحاظ سے نتیجہ ہوگا اور دوسرے معنی کے لحاظ سے دلیل۔

مطلب یہ کہ سورۃ الاخلاص تیس سورت ہائے اخلاص پر مشتمل ہے، اور وہ تمام سورتیں منظم، مرتّب اور ایک دوسرے کا اثبات کرنے والے دلائل سے مرکّب ہیں، اور وہ اس طرح کہ:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ لِاَنَّهٗ اَحَدٌ لِاَنَّهٗ صَمَدٌ لِاَنَّهٗ لَمْ يَلِدْ لِاَنَّهٗ لَمْ يُوْلَدْ لِاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

اسی طرح: وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ لِاَنَّهٗ لَمْ يُوْلَدْ لِاَنَّهٗ لَمْ يَلِدْ لِاَنَّهٗ صَمَدٌ لِاَنَّهٗ اَحَدٌ لِاَنَّهٗ هُوَ اللّٰهُ

اسی طرح: هُوَ اللّٰهُ فَهُوَ اَحَدٌ فَهُوَ صَمَدٌ فَاِذًا لَمْ يَلِدْ فَاِذًا لَمْ يُوْلَدْ فَاِذًا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

Marfat.com

اس طرح اس پر قیاس کرتے جاؤ۔

اور مثال کے طور پر اللہ تعالی کا فرمان: ﴿ الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ﴾ (حاشیہ:۱)

ان چاروں جملوں میں سے ہر ایک جملے کے دو معنے ہیں: ایک معنی کے اعتبار سے ہر جملہ دوسرے جملوں کے لیے دلیل بنے گا اور دوسرے اعتبار سے اس کے لیے نتیجہ ہوگا۔ اور یوں مناسبت کے اِن سولہ خطوط سے نظم کا ایک معجزانہ نقش اُبھرتا ہے۔ اشارات الاعجاز نامی کتاب نے نظم کے اس معجزاتی نقش پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے کہ قرآن کی اکثر آیات کے پاس ایک دیدۂ بینا ہے جو بہت سی آیات پر نظر رکھے ہوئے ہے، اور ایک چہرہ ہے جو اپنا رُخ اُن کی طرف کیے ہوئے ہے۔ اور اس طرح ہر آیت دوسری آیات کی طرف اعجازی نقش نگاری کرتی ہوئی مناسبات و تعلقات کے معنوی خطوط کھینچتی چلی جاتی ہے، جیسے کہ اس چیز کی وضاحت ''تیرہویں مقالے'' میں کر دی گئی ہے۔

اس حقیقت کا سب سے بڑا گواہ'' اشارات الاعجاز '' ہے جو کہ اول سے لے کر آخر تک اس مستحکم اور پائیدار نظم و ترتیب کی شرح و وضاحت ہے۔

دوسرا نقطہ:

اس کے معنی میں پائی جانے والی غیر معمولی بلاغت ہے۔ اگر آپ آیت کریمہ ﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ (حاشیہ:۲) میں پائی جانے والی معنوی بلاغت کا ذائقہ چکھنا چاہتے ہیں تو (تیرہویں مقالے) میں بیان کی گئی اس مثال پر غور کریں، تصور میں خود کو ذرا نزول قرآن سے پہلے والے جاہلی دور میں لے جائیں اور خود کو ذرا جہالت و بداوت کے اُس صحرا میں بھٹکنے دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ہر چیز پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے، وہ جہالت کے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی ہے اور جمود اور نیچر کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہے۔ پھر اچانک آپ قرآن کی آسمانی زبان سے ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یا ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ﴾ (حاشیہ:۳) کی صدائے بازگشت سنتے ہیں اور اس کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ: ( سَبَّحَ )اور( تُسَبِّحُ ) کی گونج سے سامعین کے ذہن میں اِن ساکت، جامد اور مردہ موجودات کے زندہ و پائندہ ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے، یعنی یہ تمام موجودات زندگی سے بہرہ ور ہیں اور اللہ کا ذکر و تسبیح کرتے ہوئے جھوم رہی ہیں۔ اور تاریک آسمان کہ جس میں جامد ستارے شعلوں کی طرح دمک رہے ہیں، اور زمین کہ جس میں عاجز مخلوقات رینگ رہی ہے، یہ سب ( تُسَبِّحُ ) کی گونج

---

(حاشیہ:۱) البقرۃ:1-2

(حاشیہ:۲) الحدید:1

(حاشیہ:۳) (الاسراء:44

Marfat.com

اور اُس کے نور سے سامعین کی نظر میں ایک ذکر کرنے والے منہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ہر ستارہ حقیقت کا نور اور دل میں گھر کر جانے والی حکمت کا چھڑکاؤ کر رہا ہے، اور اُس آسمانی گونج اور روشنی سے روئے زمین ایک عظیم سر کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ اور بحر و بر تسبیح و تقدیس کی متوالی دوزبانیں بن جاتے ہیں اور تمام نباتات وحیوانات ذکر و تسبیح کرنے والے کلمات کا روپ دھار جاتے ہیں، حتیٰ کہ گویا تمام زمین میں زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے۔

اور مثال کے طور پر اُس مثال پر ایک نظر ڈال لیں جو پندرہویں مقالے میں ذکر کی گئی ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی: ﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ ۞ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۞ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ ۞ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ (حاشیہ:۱) ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ﴾ (حاشیہ:۲)

ان آیات کو کان لگا کے سنو اور جو کچھ یہ کہہ رہی ہیں اُس میں غور کرو، یہ کہہ رہی ہیں: ''اے گروہِ جن وانس! اے ضعف و عجز کی دلدل میں پھنسے ہونے کے باوجود مغرور اور سرکش نادانو! اے فقر و ضعف سے اَٹی ہوئی ضدی، باغی اور خود سَر مخلوق! تم اگر میرے اوامر کی اطاعت نہیں کرتے تو پھر اگر نکل سکتے ہو تو میری بادشاہی اور سلطنت سے باہر نکل جاؤ! تمہارے لئے جب ایسا کرنا ممکن نہیں ہے تو پھر ایسے عظیم بادشاہ کے احکام کی نافرمانی کی جرأت کیسے کر سکتے ہو کہ یہ تمام چاند ستارے اور سورج جس کے قبضے میں ہیں اور وہ تربیت یافتہ سپاہیوں کی طرح اس کے اَحکام کی بجا آوری کرتے ہیں؟۔ پس تم اپنی اس طغیانی اور سرکشی سے ایک ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر حکمران کے خلاف بغاوت پر اُتر رہے ہو جس کے پاس اتنے طاقتور سپاہی ہیں جو انتہائی فرمانبردار اور ہیبت ناک ہیں کہ تم پر پہاڑوں جیسے گولوں کی بارش برسا سکتے ہیں، حتیٰ کہ وہ اِن سے تمہارے اِن شیطانوں کو بھی رجم کر سکتے ہیں، اگر یہ برداشت کر سکیں تو۔ اور تم اپنی اس ناسپاسی و ناشکری کی روش سے ایسے عظیم الشان بادشاہ کی سلطنت کے اندر سرکشی کر رہے ہو کہ جس کے پاس اتنی طاقتور فوجیں ہیں جو زمین اور پہاڑوں کے سائز کے شعلہ بار میزائلوں اور زمین اور پہاڑوں کی جسامت کے آتشیں ٹکڑوں کے ساتھ منکر دشمنوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینک سکتی ہیں _ اگر چہ وہ ارض و جبال کی ضخامت میں بھی کیوں نہ ہوں _ چنانچہ وہ انہیں پارہ پارہ کر کے بکھیر کر رکھ دیں گی! تو تم جیسی کمزور مخلوقات کی حیثیت کیا ہے؟۔ اور تم ایک ایسے دوٹوک قانون کی مخالفت کر رہے ہو جس کے ساتھ وہ فوجیں مربوط ہیں جن کے پاس _ اللہ کے حکم سے _ اتنی قدرت ہے کہ وہ تم پر ستاروں جیسے بھاری بھرکم میزائل اور گولے برسا دیں۔

(حاشیہ:۱) الرحمٰن:36-33

(حاشیہ:۲) الملک:5

Marfat.com

اس مثال کی روشنی میں تمام آیات کے معانی کی قوت، اُن کی بلاغت کی پختگی اوراُن کے بیان کی بلندی کو ان پر قیاس کر سکتے ہیں۔

## تیسرا نقطہ:

اس کے اسلوب میں پائی جانے والی غیر معمولی عمدگی اور نیا پن ہے، جی ہاں، قرآن کریم کے اسالیب عجیب وغریب ،انوکھے، اچھوتے اور تسلّی بخش ہیں۔قرآن کریم نے اس باب میں نہ خود کسی کی تقلید کی ہے اور نہ ہی کوئی اس کی تقلید کر سکتا ہے۔اس نے اپنے اسالیب کی تازگی، شباب اور اچھوتے پن کی حفاظت کی ہے اور کرتا چلا آرہا ہے۔ چنانچہ یہ آج بھی بالکل ایسے ہی تروتازہ ہے جیسے کہ اُس وقت تھا جب پہلی مرتبہ نازل ہوا تھا۔

مثال کے طور پر: حروف مقطعات جو کہ متعدد سورتوں کے آغاز میں مذکور ہیں، رموز واشارات کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں:

مثال کے طور: الٓمٓ ،الٓرٰ۔طٰہٰ۔یٰسٓ ۔حٰمٓ ۔عٓسٓقٓ، ہم نے (اشارات الاعجاز) میں ان کے اعجاز کی پانچ، چھ کرنیں ذکر کردی ہیں، اِن میں سے کچھ کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔

سورتوں کے آغاز میں جو حروف مذکور ہیں وہ حروف ہجا کی مہموسہ، مجہورہ، شدیدہ اور رخوہ جیسی بہت سی اقسام کے تمام جوڑوں کا نصف ہیں۔لیکن جو حروف طاق ہیں، جفت ہیں اور نصفا نصفی تقسیم نہیں ہوتے ہیں، اُن کی تقسیم اس طرح ہے کہ اُن کا نصفِ قلیل حروفِ ثقیلہ ہیں جیسے قلقلہ۔اور نصفِ کثیر حروفِ خفیفہ ہیں جیسے حروف ذلاقہ۔پس قرآن کریم کا حروف کی تمام اقسام کو آدھا آدھا تقسیم کرنے کی روش اختیار کرنا اور دوصد احتمالات کے مابین متردّد اور متداخل راستوں میں سے وہ مخفی راستہ اختیار کرنا کہ جس کا ادراک نہ ہو سکے، اور پھر اس سیاق میں اور اس وسیع وعریض اور غیر واضح نشان ہائے راہ والے میدان میں کلام کرنا، کسی بھی طرح اتفاقی بات نہیں ہو سکتی اور نہ ہی یہ کسی انسان کا کام ہو سکتا ہے۔

تو یہ حروف جو سورتوں کے اوائل میں ہیں اور جو الٰہی رموز واشارات ہیں، یہ اعجاز کی مزید پانچ یا چھ کرنیں بیان کرتے ہیں، بلکہ علمُ الحروف کے اسرار ورموز کے ماہرین اور محقق اُولیاء نے ان مقطعات سے بہت سے اسرار برآمد کئے ہیں اور ان جلیل القدر حقائق سے وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حروف مقطعات بذاتِ خود ایک تابندہ معجزہ ہیں۔لیکن ہم فی الحال یہ دروازہ نہیں کھولیں گے کیونکہ ہم ان کے اسرار کو سمجھنے کے اہل نہیں ہیں۔اس پر مزید یہ کہ ہم ان اسرار کا اثبات اس انداز سے نہیں کر سکتے کہ جس سے یہ مشہود ہو کر سب کے سامنے آجائیں، بلکہ اس ضمن میں ہم آپ کو (اشارات الاعجاز) میں بیان کی گئی مقطعات سے متعلقہ اعجاز کی پانچ یا چھ کرنوں کی طرف رجوع کرنے کے لئے کہنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

اور اب ہم سورت، مقصد، آیات، کلام اور کلمہ کے اعتبار سے قرآن کے اسالیب کی طرف چند اشارے کریں گے۔

Marfat.com

مثال کے طور پر: سورت ''النبأ'' ﴿عَمَّا يَتَسَاءَلُونَ﴾ مکمل طور پر، اس میں جب گہری نظر ڈالیں تو نظر آتا ہے کہ یہ آخرت، حشر، جنت اور دوزخ کے حالات کا پوری وضاحت کے ساتھ ایسے اچھوتے اور دلکش اسلوب میں اثبات کرتی ہے کہ جو دل کو مطمئن اور قناعت آشنا کر دیتا ہے، یہ اس چیز کی وضاحت کرتی ہے کہ اس دنیا میں افعالِ الٰہیہ اور آثارِ ربانیہ کی صورت میں جو کچھ بھی ہے سب کا سب اخروی احوال کی طرف رُخ کیے ہوئے ہے۔

اس سورت کے اسلوب کی وضاحت چونکہ بہت لمبی ہو جائے گی اس لیے ہم یہاں صرف ایک یا دو نقطوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

سورت اپنی ابتدا میں قیامت کے دن کا اثبات کرتی ہوئی کہتی ہے:

ہم نے اس زمین کو تمہارے لیے گہوارہ اور بستر بنا دیا ہے جو کہ خوبصورت اور پُرکشش انداز میں بچھا دیا گیا ہے۔ اور ان پہاڑوں کو ہم نے تمہارے لیے ستون اور میخیں بنا دیا ہے اور یہ تمہاری بود و باش اور سامانِ حیات کے خزانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور تمہیں ہم نے جوڑے جوڑے بنا دیا ہے اور یوں تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور مانوسیت کا برتاؤ کرتے ہو۔ رات کو ہم نے تمہارے لیے پردہ پوش بنا دیا ہے تاکہ تم راحت حاصل کرو۔ اور دن کو تمہاری معیشت کا میدان بنا دیا ہے۔ اور سورج کو روشن چراغ بنا دیا ہے جو تمہیں حرارت بھی پہنچاتا ہے۔ اور ہم نے تمہارے لیے بادلوں سے آبِ حیات نازل کیا جو چشموں کی طرح بہتا ہے۔ اور ہم سادہ پانی سے انتہائی سہولت کے ساتھ پھل دار اور پھولدار چیزیں پیدا کرتے ہیں جو اپنے کندھوں پر تمہارے لیے سامان ہائے رزق اُٹھائے ہوئے ہیں۔ پس فیصلے کا دن _ جس کا دوسرا نام قیامت کا دن ہے _ تمہارے انتظار میں ہے اور اُس کا لانا ہمارے لیے مشکل نہیں ہو سکتا۔

اور اس کے بعد وہ ایک مخفی سا اشارہ ان حالات کی طرف کرتا ہے جو قیامت کے دن پیش آئیں گے، جیسے پہاڑوں کا چلنا اور ان کا بکھر جانا، آسمان کا پھٹ جانا اور جہنم کا تیار ہو جانا، اور جنت کا اپنے باسیوں کو خوبصورت باغات بخش دینا۔ گویا کہ وہ کہتا ہے کہ:

وہ ہستی جو پہاڑوں میں اور زمین میں تمہاری آنکھوں کے سامنے ایسے کام کر سکتی ہے وہ عنقریب اسی طرح کے کام آخرت میں بھی کرنے والی ہے۔

یعنی سورت کے آغاز میں جو پہاڑ آئے ہیں وہ قیامت کے دن پہاڑوں کے حالات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور سورت کی ابتدا میں جو باغ باغیچے آئے ہیں وہ آخرت میں جنت کے باغ باغیچوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

دیگر نقطوں کو اس پر قیاس کر لو تاکہ تمہیں اس اسلوب کی بلندی اور لطافت کا مشاہدہ ہو سکے۔

اور مثال کے طور پر: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ

Marfat.com

تَشَاءُ۔ الخ﴾ (حاشیہ:۱)

یہ آیت ایک عالی شان اسلوب کے ساتھ بنی نوع انسان میں پائے جانے والے الٰہی شؤون و معاملات، لیل ونہار کے یکے بعد دیگرے آنے جانے میں پائی جانے والی الٰہی تجلیات، سال کے موسموں میں پائے جانے والی ربانی تجلیات اور حیات و ممات اور سطح زمین پر برپا ہونے والے دنیاوی حشر ونشر میں پائے جانے والے ربانی اقدامات وتصرفات کو بیان کرتی ہے۔ یہ اسلوب اتنا بلند، اچھوتا اور حیرت خیز ہے کہ اہلِ نظر کی عقلوں کو مسخر کر لیتا ہے۔ اور یہ عالی مرتبہ اسلوب چونکہ اتنا روشن ورخشاں ہے کہ ادنیٰ سی نظر ڈالنے سے نظر آجاتا ہے، اس لیے ہم سردست اس خزانے کو کھولیں گے نہیں۔

اور مثال کے طور پر: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ ۞ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۞ وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ ۞ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ۞ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ﴾ (حاشیہ:۲)

یہ آیات انتہائی بلند اسلوب کے ساتھ یہ چیز بیان کر رہی ہیں کہ زمین وآسمان اللہ تعالیٰ کے اوامر کے کس حد تک فرمانبردار ہیں! جس طرح ایک عظیم قائد جہاد کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے دو قسم کے فوجی دائرے ترتیب دیتا ہے: ایک سرحدوں پر نقل وحرکت اور جنگی حکمت عملی ترتیب دینے اور جنگجوئی کے لیے، اور دوسرا فوجیوں کے ناموں کا اندراج کرنے اور انہیں میدانِ جنگ تک پہنچانے کے لیے۔ اور پھر جنگ اور سرحدوں کی نگرانی وغیرہ ختم ہو جاتی ہے تو وہ ان دونوں دائروں کی طرف توجہ دیتا ہے اور انہیں دوسرے کاموں کے لیے استعمال کرتا ہے، کیونکہ ان دونوں کی مہم اب ختم ہو چکی ہے۔ گویا کہ وہ دونوں دائرے اپنی اور اپنے عملے اور ملازموں کی زبان سے یہ کہتے ہیں کہ:

''اے ہمارے سپہ سالار! ہمیں تھوڑی سی مہلت دو تاکہ ہم اپنی حالت ٹھیک کر لیں اور اپنے دفاتر کو پہلے کاموں کی بچی کھچی چیزوں سے صاف کر کے ان چیزوں کو باہر پھینک دیں۔ پھر تشریف لے آئیں! اور پھر وہ اس کے بعد یہ کہتے ہیں کہ: ''ہم نے بقیہ تمام ساز وسامان باہر پھینک دیا ہے ہم آپ کے حکم کے تابع ہیں، آپ جو چاہتے ہیں کریں ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے، کیونکہ آپ جو کچھ بھی کریں گے وہ حق، درست، خوبصورت اور بہتر ہوگا''۔

اسی طرح زمین وآسمان بھی وہ دائرے ہیں جو انسان کو مکلّف کر کے اس کے امتحان اور آزمائش کے لیے بنائے گئے ہیں، پس جب مدت ختم ہو جائے گی تو زمین وآسمان ہر اس چیز سے خالی ہو جائیں گے جو انہیں مکلّف کرنے کے دائرے میں آتی ہے اور کہیں گے: اے ہمارے رب، ہمیں جس کام کے لیے چاہیں استعمال کریں آپ کے حکم کی تعمیل ہم پر حق واجب ہے، اور آپ جو کام بھی کریں گے حق ہوگا۔

ان جملوں میں پائے جانے والے خارقِ عادت اسلوب کی بلندی کو دیکھو اور غور کرو۔

اور مثال کے طور پر: ﴿وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ

(حاشیہ:۱) آل عمران: 27-26　　(حاشیہ:۲) الانشقاق: 5-1

Marfat.com

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾(حاشیہ:۱)

اس آیت کریمہ کے بحرِ بلاغت کے ایک قطرے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہم تمثیل کے آئینے میں اِس کے صرف ایک اسلوب کی وضاحت کرتے ہیں:

ایک عظیم قائد جنگِ عظیم میں فتح حاصل کرنے کے بعد اپنی فوج کے ایک دستے کو حکم دیتا ہے: اب گولہ باری بند کردو۔ اور دوسرے سے کہتا ہے۔ جہاں ہو وہیں کھڑے رہو آگے بڑھ کر حملہ نہیں کرنا ہے۔ پس وہ ایک ہی لحظے میں گولہ باری سے بھی روکتا ہے اور پیش قدمی سے بھی اور انہیں مخاطب ہو کر یہ بھی کہتا ہے: جنگ ختم ہو گئی ہے، ہم دشمنوں پر غالب آچکے ہیں، ہمارا جھنڈا دشمن کے قلعوں کی چوٹیوں پر لہرا رہا ہے۔ اِن ظالموں اور فاسدوں نے اپنے کیے کی سزا پالی ہے اور نہایت ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوئے ہیں۔

اسی طرح وہ حکمران جس کا کوئی مثیل اور نظیر نہیں ہے، اُس نے زمین و آسمان کو قوم نوح کی بربادی کا حکم دیا، ان دونوں نے جب حکم کی تعمیل کر لی تو ان سے کہا: اے زمین تو اپنا پانی نگل لے، اور تو اے آسمان! رُک جا اور پانی برسانا بند کر دے کیونکہ تمہاری مہم اب ختم ہو گئی ہے۔ چنانچہ پانی فوراً اُتر گیا اور اُس مامورِ الٰہی کا سفینہ گاڑھے ہوئے خیمے کی طرح پہاڑ کی چوٹی پر جا ٹھہرا اور ظالم اپنے کیفرِ کردار تک پہنچ گئے۔

اس اُسلوب کی بلندی ملاحظہ کریں کہ زمین و آسمان دو مطیع و فرمانبردار سپاہیوں کی طرح ہیں جو حکم کی تعمیل کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار ہیں۔ پس آیت اس اسلوب کے ذریعے اس چیز کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ بے شک کائنات انسان کی نافرمانی سے غضبناک ہوتی ہے، اور زمین و آسمان غصے سے بھڑک اٹھتے ہیں چنانچہ وہ اس اشارے کے ساتھ کہتی ہے: ''بے شک وہ ذات کہ زمین و آسمان جس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں، اُس کی نافرمانی نہیں ہوتی اور ہونی بھی نہیں چاہیے۔'' اور اس انداز میں انسان کے لیے زبردست ڈانٹ ڈپٹ کا سامان پایا جاتا ہے کہ وہ نافرمانی سے باز آجائے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ آیتِ کریمہ نے اپنے مختصر، معجز، خوبصورت اور مجمل سے بیان کے ساتھ چند جملوں میں طوفان کے اس واقعے کو اس کے تمام نتائج و حقائق سمیت اپنے اندر سمو لیا ہے جو کہ ایک عمومی اور عالمگیر حادثہ تھا۔ اس سمندر کے دیگر قطرات کو اس قطرے پر قیاس کر لیں۔

اور اب کلمات کے دریچوں سے ذرا اُس اسلوب کی ایک جھلک دیکھتے ہیں جو قرآن دکھا رہا ہے:

مثال کے طور پر: آیت کریمہ ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ﴾ میں پائے جانے والے کلمے ''كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ'' کی طرف نظر کرو اور دیکھو کہ یہ کیسی لطافت کے ساتھ ایک انوکھا اسلوب پیش کر رہا ہے، اور وہ اس طرح کہ:

---

(۱) ھود:44

Marfat.com

چاند کی ایک منزل ہے جو کہ ثریا کا دائرہ ہے۔ جب چاند اس میں ہلال بن جاتا ہے تو ایک سفید رنگ کھجور کی پرانی نازک ٹہنی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ آیت کریمہ اس تشبیہ کے ذریعے سامع کی چشمِ خیال کے سامنے یہ منظر رکھتی ہے کہ: گویا کہ اس ہرے آسمان (حاشیہ:۱) کے پردے کے پیچھے ایک درخت ہے جس کی ایک خمیدہ اور نوکدار سی سفید نورانی شاخ نے اس پردے کو چاک کر دیا ہے اور اپنا سر آگے باہر کو نکال رکھا ہے، اور ثریا ایسے لگتی ہے جیسے اس میں لٹکتا ہوا ایک خوشہ ہو۔ اور باقی تمام ستارے ایسے لگتے ہیں جیسے تخلیق کے شجرِ مستور کے نورانی پھل ہوں۔ بے شک اُن لوگوں کے لیے جن کی گزر بسر کا اور اکثر خورد و نوش کا دار و مدار کھجور پر ہو ہلال کو ایسی تشبیہ کے ساتھ پیش کرنا آخری درجے کے حسن و جمال، لطافت، ترتیب و تنسیق اور بلندی پر مشتمل ہے۔ صاحب ذوق ہو تو اس کا ادراک کر لو گے۔

اور مثال کے طور پر:

آیت کریمہ ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ﴾ (حاشیہ:۲) میں پایا جانے والا کلمہ (تَجْرِیْ) ایک نہایت عالی شان اسلوب کا دروازہ کھولتا ہے، جیسے کہ "انیسویں مقالے" کے آخر میں ثابت کیا گیا ہے، اور وہ اس طرح کہ: بے شک لفظ (تَجْرِیْ) جو کہ دورانِ شمس کا معنی دے رہا ہے، یہ تعاقُبِ لیل و نہار اور دورانِ صیف و شتا میں قدرت الٰہیہ کے منظم تصرفات کی یاد دلا کر صانع جلیل کی عظمت ذہن نشین کرا رہا ہے، اور اِن موسموں کے صحیفوں میں قدرتِ الٰہیہ کے قلم سے لکھے ہوئے صمدانی مکتوبات کی طرف توجہ مبذول کرا رہا ہے۔ اور یوں خالقِ ذوالجلال کی حکمت کی تعلیم دے رہا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول ﴿ وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴾ (حاشیہ:۱) سراج کا معنی ہے چراغ۔ اب یہ قول لفظِ (سِرَاجًا) کی تعبیر کے ذریعے اِس طرح کے اسلوب کی کھڑکی کھولتا ہے کہ:

یہ صانع کی عظمت اور خالق کا احسان ذہن نشین کراتا ہے، یہ بات یاد دلا کر کہ: یہ کائنات ایسے ہے جیسے کہ ایک محل ہو، اور اس میں جو بھی کھانے پینے اور زیب و زینت کا ساز و سامان اور دیگر لوازمات ہیں وہ انسانوں اور دوسرے جانداروں کے لیے تیار کیے گئے ہیں، اور یہ کہ سورج کی حیثیت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ ایک تابعِ فرمان چراغ ہے۔ چنانچہ اس چیز کے ذریعے توحید کی دلیل بیان کرتا ہے، وہ بتاتا ہے کہ وہ سورج جسے مشرکین اپنے ہاں سب سے بڑا اور تابناک

---

(۱) "ہرا آسمان یا سبزگوں خیمہ۔ آسمان کو نیلے کے بجائے سبز رنگ کا کہا گیا ہے اس لیے کہ سبز رنگ گہرا ہو جائے تو نیلگوں سیاہی مائل ہو جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے "مَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ أَصْدَقَ لَهْجَةً مِنْ أَبِيْ ذَرٍ۔" اس حدیث میں آسمان کو سبزگوں کہا گیا ہے۔ حافظ شیرازی کا ایک شعر ہے: دریائے اخضر فلک و کشتیءِ ہلال ہستند غرقِ نعمتِ حاجی قوامِ ما
عراق میں سرسبز زمین کو "ارضِ سواد" کہا جاتا ہے۔ سوڈان میں سبز چیز کو "نیلی" کہا جاتا ہے۔ گہرے سمندر کا پانی سبز نظر آتا ہے، اسی بنا پر "سی گرین" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مترجم"

(۲) یٰس:38

Marfat.com

معبود خیال کرتے ہیں وہ ایک مسخر چراغ اور جامد مخلوق کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔

پس وہ جب (سِرَاجًا) کہتا ہے تو خالق کی اُس ربوبیت میں پائی جانے والی رحمت کی یاد دہانی کراتا ہے، اور اس کی وسیع رحمت میں پائے جانے والے احسان کو ذہن نشین کراتا ہے، اور اس ذہن نشینی کے ذریعے اُس کی حکمرانی میں پائی جانے والی عظمت کا شعور دلاتا ہے، اور اِس شعور دہی کے ذریعے وحدانیت کو ذہن میں بٹھاتا ہے اور ضمناً کہتا ہے کہ: ایک مسخر اور جامد چراغ کسی بھی حالت میں پرستش کا مستحق نہیں ہوسکتا ہے۔

پھر (تَجْرِیْ) کی تعبیر کے ذریعے جریانِ شمس، دورانِ صیف وشتا اور لیل ونہار میں پائے جانے والے حیرت خیز اور منظم تصرفات کی یاد دہانی کراتا ہے، اور اس یاد دہانی کے ذریعے اپنی ربوبیت میں انفرادی حیثیت رکھنے والے صانع کی قدرت ذہن نشیں کراتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ انسان کے ذہن کو شمس وقمر سے لیل ونہار اور صیف وشتا کے صحائف کی طرف منتقل کردیتا ہے، اور اس کی نظر کو ان صحائف کی سطور میں مکتوب واقعات کی طرف کھینچ لیتا ہے۔

جی ہاں! قرآن جب سورج کے بارے میں بحث کرتا ہے تو اُس کی ذات کو زیرِ بحث نہیں لاتا بلکہ اُس کی بحث کا موضوع وہ ذات ہوتی ہے جس نے اِسے روشن کیا ہے اور اِسے چراغ بنایا ہے، اور وہ اس کی ماہیت کے بارے میں بحث نہیں کرتا ہے جس کی انسان کو ضرورت نہیں، بلکہ اس کے وظیفے کے بارے میں بحث کرتا ہے؛ کیونکہ یہ اُس ربانی صنعت کے ضبط وانتظام کے لیے وہی وظیفہ ادا کررہا ہے جو گھڑی میں سپرنگ کا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ ربانی تخلیقات کے لیے ایک مرکز کا وظیفہ ادا کررہا ہے۔ اور وہ نقاشِ ازلی شب وروز کے دھاگوں کے ساتھ جو چیزیں بُن رہا ہے اُن چیزوں کے درمیان صنعتِ ربانیہ کے نظم وضبط اور ترتیب کو قائم رکھنے کے لیے پاور لوم کے شٹل کا کردار ادا کررہا ہے۔

آپ کے لیے تمام قرآنی کلمات کو اس پر قیاس کرنا ممکن ہے۔ یہ کلمات بظاہر تو بڑے مألوف، جانے پہچانے اور آسان سے لگتے ہیں لیکن یہ انتہائی لطیف معانی کے گنج ہائے گرانمایہ کی چابیوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔

اس بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کے اسلوب کی بلندی کی وجہ سے _ جیسے کہ سابقہ بہت سی وجوہات میں ہے _ کبھی ایک بدو صرف ایک جملے کا عاشق ہوجاتا تھا اور ایمان لانے سے پہلے سجدہ ریز ہوجاتا تھا۔ جیسے کہ ایک بدوی نے آیت کریمہ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ (حاشیہ:۱) سنی تو سجدے میں گرگیا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ: کیا تو مسلمان ہوگیا ہے؟ تو اس نے کہا: نہیں، بلکہ میں اس کلام کی بلاغت کو سجدہ کررہا ہوں!

## چوتھا نقطہ:

**اس کے لفظ میں پائی جانے والی غیر معمولی فصاحت:**

---

(حاشیہ:۱) نوح:16

Marfat.com

جی ہاں، قرآن جس طرح اپنے اسلوب اور بیانِ معنی کی حیثیت سے بلیغ اور خارقِ عادت ہے، اسی طرح وہ اپنے لفظ میں انتہائی سلاست کے ساتھ فصیح ہے، اور اس کی فصاحت پر قطعی دلیل یہ ہے کہ وہ تھکن اور اُکتاہٹ کا باعث نہیں بنتا اور فنِّ بیان اور معانی کے ماہرین کی گواہی اِس کی فصاحت کی حکمت کی واضح برہان ہے۔

جی ہاں! اگر اسے ہزاروں دفعہ بھی پڑھا جائے تو اُکتاہٹ یا ملال پیدا نہیں کرتا ہے بلکہ اس کی لذّت اور حلاوت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ پھر یہ ایک سادہ سے بچے کے ذہن پر بھی بوجھ نہیں بنتا ہے، چنانچہ وہ اسے آسانی سے حفظ کر سکتا ہے۔ پھر ایک لاعلاج مرض میں مبتلا مریض جو کہ معمولی سی گفتگو بھی برداشت نہیں کر سکتا اُس کا کان بھی اُس سے اُکتاہٹ محسوس نہیں کرتا ہے بلکہ اس سے لذت پاتا ہے۔ گویا کہ یہ ایک میٹھا شربت ہے جیسے سکراتُ الموت میں مبتلا قریبُ المرگ آدمی کے منہ میں انڈیل دیا گیا ہو، اور وہ اس کے کان اور دماغ کو وہی لذت دیتا ہے جو آبِ زمزم منہ کو دیتا ہے۔ اور قرآن کریم سے اُکتاہٹ اور ملال پیدا نہ ہونے کے راز میں پائی جانے والی حکمت یہ ہے کہ:

بے شک قرآن دلوں کے لیے قوت وغذا، عقلوں کے لیے قوت وغنا، روحوں کے لیے آب وضیا اور نفوس کے لیے دوا اور شفا ہے، اس لیے اِس سے اُکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔ اِس کی مثال روٹی ہے جو ہم بغیر کسی اُکتاہٹ کے روزانہ کھاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اچھے سے اچھا پھل بھی روزانہ کھانا شروع کر دیں تو اُکتا جائیں گے۔ پس قرآن چونکہ حق، حقیقت، صداقت، ہدایت اور غیر معمولی فصاحت کا مالک ہے اِس لیے اُکتاہٹ اور ملال پیدا نہیں کرتا، بلکہ اپنی تر و تازگی اور شیرینی کی طرح اپنی جوانی کی بھی ہمیشہ حفاظت کرتا ہے، حتیٰ کہ یکے از رؤسا و بلغائے قریش قرآن سننے کی غرض سے جب نبی ﷺ کے پاس گیا تو سننے کے بعد اس نے آپ ﷺ سے کہا: ''بخدا اس میں ایک عجیب قسم کی شیرینی اور تر و تازگی ہے۔ اور کوئی بشر ایسی گفتگو نہیں کر سکتا''۔ پھر اُس نے اپنی قوم سے کہا: تم میں سے کوئی آدمی بھی یعنی شعر و شاعری کے بارے میں میرے جتنا علم نہیں رکھتا ہے۔ اور نہ کوئی میری طرح جنوں کی شاعری کے بارے میں جانتا ہے، بخدا جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ جنوں یا انسانوں کی شاعری کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی ہے''۔

اب اُن کے سامنے ایک ہی راستہ بچا تھا، اور وہ یہ کہ وہ آپ ﷺ کو جادوگر کہہ دیں تاکہ اپنے پیروکاروں کو اس طرح کا دھوکہ دے کر آپ ﷺ کی پیروی سے روک سکیں۔ اور یوں قرآن کا پرلے درجے کا ہٹ دھرم دشمن بھی اس کی فصاحت کے آگے درماندہ و حیران رہ جاتا تھا۔

قرآن حکیم کی آیات اور اِس کے کلام اور جملوں میں فصاحت کے جو اسباب ہیں بہت زیادہ ہیں لیکن ہم طوالت سے بچتے ہوئے بطور مثال صرف ایک آیت میں پائے جانے والے حروف ہجا کی اوضاع و کیفیات سے پیدا ہونے والے

---

(حاشیہ: ۱) الحجر: 94

Marfat.com

اعجاز کی ایک درخشاں کرن کی وضاحت پر اکتفا کریں گے، اور وہ آیت کریمہ یہ ہے:

﴿ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاساً يَغْشَى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ (حاشیہ:۱)

اس آیت میں تمام حروف ہجا اور ثقیل حروف کی اجناس کو جمع کر دیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کی سلاست اور روانی میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اِن حروف کے اجتماع سے اِس کے حسن و جمال میں مزید اضافہ ہو گیا ہے اور اس میں متنوع لیکن باہمد گر ہم آہنگ تاروں سے اُبھرنے والے نغمے کی آمیزش ہو گئی ہے۔

اس اعجاز بھری کرن کو غور سے دیکھو، اور وہ یہ ہے: الف اور یاء، کیونکہ یہ خفیف ترین حروف ہجا ہیں اور ایک دوسرے میں تبدیل ہو جاتے ہیں گویا کہ بھائی بھائی ہوں، یہ دونوں حروف اکیس (21) مرتبہ دہرائے گئے ہیں۔ پھر میم اور نون ہیں، (حاشیہ:۲)

کیونکہ یہ دونوں بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے کی جگہ لے لیتے ہیں ان دونوں کا ذکر تینتیس (33) مرتبہ ہوا ہے۔ اور صاد، سین اور شین کے مابین مخرج، صفات اور صوت کے حساب سے مؤاخات ہے اس لیے ان میں سے ہر ایک تین مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔ اور عین غین برادر ہیں اس لیے عین کا ذکر اُس کی خفّت کی وجہ سے چھ مرتبہ ہوا ہے جبکہ غین کا ذکر اُس کے ثقل کی وجہ سے تین مرتبہ یعنی غین سے آدھا کیا گیا ہے۔ اور طاء، ظاء، ذال اور زا مخرج، صفت اور صوت کے حساب سے بہن بھائی ہیں اس لیے ان میں سے ہر ایک کا ذکر دو دو مرتبہ ہوا ہے۔ اور لام اور الف (لا) کی صورت میں متحد ہیں اور الف کا حصہ (لا) کی صورت میں نصف ہے اس لیے لام کا ذکر بیالیس (42) مرتبہ ہوا ہے اور الف کا اس سے نصف مرتبہ یعنی اکیس (21) مرتبہ۔

اور ہمزہ اور ہاء مخرج کے لحاظ سے بہن بھائی ہیں اس لیے ہمزہ کا ذکر تیرہ مرتبہ ہوا اور ہاء کا الف سے ایک درجہ خفیف ہونے کی وجہ سے چودہ مرتبہ۔

اور قاف، فاء اور کاف بہن بھائی ہیں۔ اس لیے قاف کا ذکر دس مرتبہ ہوا کہ اس میں ایک نقطہ زیادہ ہے، اور فاء اور

---

(حاشیہ:۱) آل عمران: 154

(حاشیہ:۲) تنوین بھی نون ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

کاف کا ذکر نو نو مرتبہ ہوا ہے۔

اور باء کا ذکر نو بار اور تاء کا بارہ مرتبہ ہوا ہے کیونکہ اس کا درجہ تیسرا ہے۔

اور راء لام کی بہن ہے، لیکن راء کے عدد حروف ابجد کے حساب سے دو سو ہیں اور لام کے تیس یعنی راء اعداد کے لحاظ سے لام پر چھ درجے فوقیت رکھتی ہے اس لیے لام اس سے چھ درجے نیچے ہوا۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ راء تلفظ کرتے وقت چونکہ تکرار سے بولی جاتی ہے اور بھاری ہو جاتی ہے، اس لیے اس کا ذکر صرف چھ مرتبہ ہوا ہے۔

اور چونکہ حاء، خاء، ثاء اور ضاد ثقیل ہیں اور ان کے درمیان مناسبتیں ہیں اس لیے ان میں سے ہر ایک کا ذکر ایک ایک بار ہوا۔

اور واو کیونکہ ہاء اور ہمزہ سے زیادہ خفیف ہے اور "یاء والف" سے زیادہ ثقیل ہے، اس لیے اس کا ذکر ہمزہ ثقیلہ سے چار درجے اوپر اور الف خفیفہ سے چار درجے نیچے، سترہ بار ہوا۔

اور اس طرح یہ حروف اس غیر معمولی منظم وضع قطع اور ترتیب، ان مخفی مناسبات، خوبصورت انتظام، دقیق نظام اور لطیف انسجام کے ذریعے دو ضرب دو حاصل چار کی طرح قطعی یقین کے ساتھ یہ بات ثابت کر رہے ہیں کہ ایسا کرنا کسی انسان کا کام نہیں اور انسان ایسا کر بھی نہیں سکتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اتفاقاً ایسا ہو گیا ہے، تو اتفاق اِس کے ساتھ ایسا مذاق نہیں کر سکتا ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ ان حروف کی وضع قطع میں جو عجیب وغریب انتظام اور اچھوتا نظام پایا جاتا ہے، وہ نظام و انتظام جس طرح فصاحت اور لفظی سلامتی کا دارومدار ہے، اسی طرح یہ بات بھی ممکن ہے کہ اُس کے دامن میں اور بھی بہت سی پوشیدہ حکمتیں پائی جاتی ہوں۔

حروف کے مابین جب اس طرح کا انتظام ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اُن کے کلمات وجمل ومعانی میں ایک پر اسرار قسم کا انتظام اور پر انوار انسجام پایا جاتا ہے، اس طرح کا کہ آنکھ اگر اسے دیکھ لے تو تعجب سے بول اُٹھے: ماشاء اللہ۔ اور اگر عقل اس کا ادراک کر لے تو حیرت کے عالم میں پکار اُٹھے: بارک اللہ!

## پانچواں نقطہ:

• براعةُ البیان۔ یعنی بیان کا تفوق، متانت اور ہیبت۔ جس طرح نظم قرآن میں مظبوطی، اصابت اور فصاحت پائی جاتی ہے یعنی اس کے لفظ میں فصاحت ہے، اس کے معنی میں بلاغت ہے اور اس کے اسلوب میں اچھوتا پن ہے، اُسی طرح اس کے بیان میں یگانہ قسم کی برتری ہے۔

جی ہاں! بے شک قرآن کا بیان اقسامِ کلام اور طبقاتِ خطاب کے مراتب کے مابین سب سے بلند مرتبہ رکھتا ہے،

Marfat.com

جیسے ترغیب وترہیب، مدح وذم، اثبات وارشاد اور افہام و افحام (حاشیہ:۱) "ترغیب وتشویق" کے مقام کی ہزاروں مثالوں میں سے ایک مقام سورۂ "هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ" ہے، اس سورت میں قرآن کا بیان آبِ کوثر کی طرح میٹھا، سلسبیل کے چشمے کی طرح رواں دواں، جنت کے پھلوں کی طرح لذیذ اور حورِ عین کی پوشاکوں کی طرح خوبصورت ہے (حاشیہ:۲) اور "ترہیب وتہدید" کے مقام کی لامحدود مثالوں میں سے ایک سورۂ "هَلْ اَتَاکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَه" کا مقدمہ ہے، اس سورت میں قرآن کے بیان کی تاثیر وہی ہے جو کہ گمراہوں کے کانوں میں ابلتے ہوئے سکّے، ان کی عقلوں میں آگ کے شعلے، ان کے حلقوں میں تھوہر، ان کے چہروں میں جہنم کی حرارت اور ان کے معدوں میں تلخ اور خاردار درخت کی ہے۔

جی ہاں! ایک حکمران کی تہدید کا اظہار عذاب دینے پر مأمور جہنم جیسی چیز کر رہی ہے، جس کی حالت یہ ہے کہ غیظ و غضب اور جوش واضطراب سے پھٹی جارہی ہے اور ﴿تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾ کہہ رہی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اُس حکمران کی تہدید وترہیب کا کیا عالم ہوگا!۔

اور مقامِ "مدح" کی ہزاروں مثالوں میں سے ایک مثال وہ پانچ سورتیں ہیں جن کی ابتداء "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے ہوتی ہے، ان سورتوں میں قرآن کا بیان سورج (حاشیہ:۳) کی طرح چمکدار، ستاروں کی طرح مزیّن، ارض وسماوات کی طرح پرہیبت، ملائکہ کی طرح محبوب ومانوس، دنیا میں چھوٹوں پر رحمت کی طرح لطیف ورؤف اور آخرت میں لطیف جنّت کی طرح خوبصورت اور خوش منظر ہے۔

اور "ذمّ وزجر" کے مقام کی ہزاروں مثالوں میں سے ایک مثال یہ آیت کریمہ ہے: ﴿اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾ (حاشیہ:۴)

اس آیتِ کریمہ میں درجہ بدرجہ چھ درجات پر اور چھ طریقوں سے غیبت کی مذمت کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

یہ آیتِ کریمہ چھ درجات ومراتب پر غیبت سے منع کرتی ہے اور اس کے بارے میں شدت اور سختی کے ساتھ ڈانٹ پلاتی ہے۔ آیتِ کریمہ میں مخاطب چونکہ غیبت کرنے والے لوگ ہیں، اس لیے اس انداز کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا معنی کچھ یوں ہوگا:

---

(حاشیہ:۱) دلیل دے کر خاموش اور لاجواب کر دینا

(حاشیہ:۲) اور یہ اسلوب اس سورت کے آل کا لباس پہن چکا ہے۔ مؤلف

(حاشیہ:۳) ان عبارتوں میں اس سورت میں پائے جانے والے موضوعات کی طرف اشارہ ہے۔ مؤلف

(حاشیہ:۴) الحجرات:۱۲

Marfat.com

آیت کے شروع میں جو ہمزہ ہے استفہامِ انکاری کے لیے ہے۔ مراد اس سے انکار ہے، یعنی تم ایسا نہیں کرتے ہو۔ اور اس کا حکم پانی کی طرح بہتا ہوا بعد میں آنے والے تمام کلمات میں سرایت کر رہا ہے، اور اس طرح ان میں سے ہر کلمہ ایک مستقل حکم کا حامل ہو گیا ہے۔

ا: پہلے لفظ میں آیتِ کریمہ ''ہمزہ'' کے ساتھ یوں خطاب کر رہی ہے: کیا سوال اور جواب کا محل یعنی تمہارا عقل نہیں ہے کہ اتنی بڑی چیز کو نہیں سمجھتے ہو؟

ب: دوسرے لفظ ''یُحِبُّ'' میں آیت کریمہ مخاطب کر کے کہہ رہی ہے: کیا تمہارے دل میں ___ جو کہ محلِ حُبّ و نفرت ہے ___ اس قدر بگاڑ آ گیا ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو پسند کرنے لگا ہے جو کہ سب سے زیادہ ناپسند اور سب سے زیادہ قابلِ نفرت ہیں؟

ج: تیسرے لفظ ''أَحَدُكُمْ'' میں آیت کریمہ اس طرح خطاب کر رہی ہے: تمہاری اجتماعی زندگی ___ جس کا دارومدار جماعتی زندگی پر ہے ___ کو کیا ہو گیا ہے؟ اور تمہاری تہذیب و ثقافت کو کیا ہو گیا ہے کہ اس نے اس روش کو پسند کر لیا ہے جو تمہاری زندگی میں زہر بھر دے اور تمہاری شفافیت کو گدلا کر دے؟

د: چوتھے لفظ ''أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ'' میں آیت کریمہ اس طرح مخاطب ہو رہی ہے: تمہاری انسانیت کو کیا روگ لگ گیا ہے کہ تم نے اپنے جگری دوست کو چیرنا پھاڑنا شروع کر دیا ہے؟

ہ: پانچویں لفظ ''أَخِيهِ'' میں آیت کریمہ اس طرح خطاب کر رہی ہے: تمہارے دل میں اپنے ابنائے جنس کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں ہے؟ تمہارے درمیان رشتہ داری اور اپنائیت کا کوئی ایسا بندھن نہیں ہے جو تمہیں اُن کے ساتھ باندھ دے؟ تم یہاں تک پہنچ گئے ہو کہ اُنہیں لوگوں پر حملہ آور ہو رہے ہو جو کئی جہتوں سے تمہارے بھائی ہیں؟ اور ان کی مظلوم روحانی شخصیت کو بری طرح سے بھنبھوڑ رہے ہو۔ کیا اس آدمی کے پاس تھوڑی سی بھی عقل ہے جو پاگلوں کی طرح اپنے ہی جسم کا کوئی عضو چبا ڈالے؟

و: چھٹے لفظ ''مَيْتاً'' میں آیتِ کریمہ اس طرح سے مخاطب ہو رہی ہے: تمہارا شعور اور وجدان کہاں چلا گیا ہے؟ تمہاری فطرت اِس حد تک مسخ ہو گئی ہے کہ تم انتہائی قابلِ نفرت اور بدترین چیزوں کا ارتکاب کرنے لگے ہو؟ اور وہ ہے تمہارا اپنے بھائی کا ایسے وقت میں (یعنی اُس کی غیر حاضری میں اُس کی غیبت کر کے اُس کا) گوشت کھانا جبکہ وہ مکمل عزت واحترام کا حقدار ہو؟

اس آیت کریمہ اور اس کے الفاظ وکلمات سے متعلق ہمارے ذکر کردہ وضاحتی دلائل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غیبت عقلی، قلبی، انسانی، وجدانی، فطری، قومی اور ملّی، ہر لحاظ سے مذموم ہے۔ پس اس آیت پر غور کرو اور دیکھو کہ یہ کس طرح

Marfat.com

بلند پایہ معجزانہ اور انتہائی مختصرانہ انداز کے ساتھ چھ درجات میں غیبت جیسے جرم کے ارتکاب سے روک رہی ہے۔

اور مقام اثبات کی ہزاروں مثالوں میں سے ایک مثال یہ آیت کریمہ بھی ہے۔

"فَانْظُرْ اِلیٰ آثَارِ رَحْمَةِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (حاشیہ:۱)

یہ آیت ایسے شافی اور وافی بیان کے ذریعے حشر کا اثبات اور اس کے استبعاد کا ازالہ کرتی ہے کہ اس سے اُوپر کوئی بیان نہیں ہوسکتا۔ اور وہ _ جیسے کہ ہم نے دسویں مقالے کی نویں حقیقت اور بائیسویں مقالے کی چھٹی کرن میں ثابت کیا ہے _ کچھ اس طرح ہے کہ:

موسم بہار جب بھی ڈیرہ ڈالتا ہے ایسے لگتا ہے کہ جیسے زمین کو نیا جسم دے دیا جاتا ہے، چنانچہ حشر ونشر کی تین لاکھ انواع واقسام ظہور میں آتی ہیں، اور وہ سب کی سب انتہائی اختلاط اور باہمدیگر پیوستگی کے باوجود انتہائی پختہ نظم وضبط اور مکمل طور پر اپنی اپنی علیحدہ علیحدہ پہچان لیے ہوئے ہوتی ہیں، اور یہ ظہور اور نیا وجود اتنا واضح ہوتا ہے کہ ہر ایک کے مشاہدے میں آجاتا ہے۔ گویا کہ وہ یہ کہتا ہے کہ: جس نے زمین کو اس طریقے سے زندہ کیا ہے اس کے لیے حشر ونشر برپا کرنا مشکل نہیں، پھر ذی حیات کی اِن ہزاروں ہزار انواع واقسام کو قلم قدرت کے ساتھ بغیر کسی غلطی اور کمی بیشی کے صفحہ زمین پر لکھنا اس واحدُ الاَحد کی ایک واضح مہر ہے۔ تو جس طرح اس آیت نے توحید کا اثبات کیا ہے، اسی طرح یہ قیامت اور حشر کا اثبات کر رہی ہے۔ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ اُس قدرت کے لیے حشر ونشر سورج کے طلوع وغروب ہونے کی طرح بالکل آسان اور قطعی ہے۔

پھر آیت کریمہ اِس حقیقت کی وضاحت لفظِ " کیف " سے کرتی ہے، یعنی کیفیت کے پہلو سے: کیونکہ دیگر بہت سی سورتوں نے اس کیفیت کی تفصیل کردی ہے۔ ان میں سے مثال کے طور پر سورہ "قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ " ہے کہ یہ سورت حشر اور قیامت کا اثبات انتہائی خوبصورت، واضح اور عالی شان بیان کے ساتھ کرتی ہے۔ اور یہ بیان اس چیز کو ذہن نشین کراتا ہے کہ جس طرح موسم بہار کے آنے میں کوئی شک نہیں اسی طرح حشر کے آنے میں بھی کوئی شک نہیں۔ غور کرو کہ منکرین کفار جو بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنے اور انہیں خلقِ جدید کا رُوپ دیئے جانے پر حیرانی کا اظہار کرتے تھے، اُنہیں قرآن کریم نے اُن کے اِس شبہے کا کیا جواب دیا ہے، قرآن کہتا ہے:

﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبَارَكًا فَاَنْبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝ وَالنَّخْلَ بَاسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝ رِزْقًا

(حاشیہ:۱) الروم:50

Marfat.com

لِّلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتاً كَذٰلِكَ الْخُرُوجُ ﴾(حاشیہ:۱)

یہ بیان آب رواں کی طرح بہتا چلا جارہا ہے اور درخشاں ستاروں کی طرح چمک رہا ہے، دل کو میٹھی کھجوروں جیسی مزیدار غذا دے رہا ہے، چنانچہ یہ بیان بیک وقت غذا بھی ہے اور لذت بھی۔

اور مقام اثبات کی ایک اور لطیف ترین مثال یہ ہے:

﴿یٰس ۞ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۞ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴾(حاشیہ:۲)

یہ قسم قطعی یقین اور واضح حقیقت کے ساتھ رسالت کی حجیت اور برہان کی طرف اشارہ کررہی ہے حتیٰ کہ یہ رسالت حقانیت اور صداقت کے باب میں اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اس کے لیے قرآن کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔

قرآن کریم اس اشارے کے ذریعے کہتا ہے: آپ رسول ہیں کیونکہ آپ کے ہاتھ میں قرآن حکیم ہے اور قرآن بذاتِ خود حق ہے اور کلامِ حق ہے کیونکہ اس میں حقیقی حکمت ہے اور اس پر اعجاز کی مہر ہے۔

مقام "اثبات" کی ایجاز اور اعجاز پر مشتمل مثالوں میں ہم اس آیت کریمہ کا ذکر کررہے ہیں:

"قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۞ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ"(حاشیہ:۳)

یعنی کہتا ہے کون اِن ہڈیوں کو زندہ کرے گا جبکہ یہ بوسیدہ ہوچکی ہوں۔ اُس سے کہو انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلے انہیں پیدا کیا تھا اور وہ تخلیق کا ہر کام جانتا ہے۔

دسویں مقالے میں نویں حقیقت کے عنوان کی تیسری تمثیل میں اس مسئلے کی بڑے لطیف پیرائے میں یوں تصویر کشی کی گئی ہے: ایک عظیم شخص ہماری آنکھوں کے سامنے ایک ہی دن میں ایک بھاری بھرکم لشکر تشکیل دے سکتا ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ یہ شخص اگر چاہے تو اپنی بٹالین کی تفریح واستراحت کے لیے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے سپاہیوں کو فوجی بگل کی ایک ہی آواز سے ایک جگہ جمع کرسکتا ہے، اور تو اے انسان اگر یہ کہے کہ: میں نہیں مانتا!! تو تجھے خود ہی پتا چل جائے گا کہ تیرا یہ انکار عقل سے کتنا دور ہے۔

بعینہٖ اسی طرح ایک قدیر وعلیم ہستی جو کہ "کُنْ فَيَكُونُ" کے امر کے ذریعے لشکروں کے ساتھ مشابہت رکھنے والے تمام حیوانات اور ذی حیات کے اجساد کو ضبط میں لاتی ہے اور اِن بدنوں کے چھوٹے چھوٹے دستوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والے ذرّات ولطائف کو ریکارڈ میں لاتی ہے اور انہیں اُن اجسام میں کمال انتظام اور حکمت کے میزان کے ساتھ۔

اور مقام "ارشاد" میں قرآنی بیانات از بس مؤثر، بلند مونس اور نرم وگداز ہیں۔ اتنے کہ روح کو شوق، دل کو ذوق، عقل کو دلچسپی اور آنکھ کو آنسوؤں سے بھردیتے ہیں۔ اس کی ہزاروں مثالوں میں سے صرف یہ ایک مثال لیتے ہیں:

(۱) ق:11-6 (۲) یٰس 3-1 (۳) یٰس 79-78

Marfat.com

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُکُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِکَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً۔الخ﴾ (حاشیہ:۱)

جیسے کہ بیسویں مقالے کے مقام اُول کی تیسری آیت کے مبحث میں اس چیز کو واضح اور ثابت کیا گیا ہے، یہ آیت بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہہ رہی ہے کہ: اے بنی اسرائیل تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات کی پرواہ نہیں کرتے ہو؟ تمہاری آنکھیں خشک ہو گئی ہیں، ان سے کوئی آنسو نہیں بہتا ہے، اور تمہارے دل سخت ہو گئے ہیں جن میں کوئی حرارت ہے نہ شوق، جب کہ ایک ٹھوس چٹان نے عصائے موسیٰ کی ایک ضرب سے اپنی بارہ آنکھوں سے آنسو بہا دیے تھے۔ اور یہ ان کے من جملہ معجزات میں سے ایک معجزہ تھا!

یہاں ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں اور قارئین کو اُسی مقالے کی طرف رجوع کرنے کا کہتے ہیں جہاں اس ارشادی معنی کی کافی وضاحت کر دی گئی ہے۔

اور مقام (اِفحام و اِلزام) کے بارے میں ہزاروں مثالوں میں سے صرف آنے والی دو مثالوں میں غور کرو:

## پہلی مثال:

﴿وَإِنْ كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (حاشیہ:۲)

ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اُتارا ہے اُس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اُس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو۔

یہاں ہم صرف ایک اجمالی سا اشارہ کریں گے؛ کیونکہ "اشارات الاعجاز" میں ہم اس کی وضاحت اور اثبات کر چکے ہیں، اور وہ اس طرح کہ قرآن معجز بیان کہتا ہے:

"اے گروہ جن وانس اگر تم قرآن کے کلام اللہ ہونے پر شک کرتے ہو اور تم اس وہم میں مبتلا ہو کہ یہ کسی بشر کا کلام ہے، تو پھر آؤ چیلنج کا میدان سامنے ہے۔ (تم محمد ﷺ جیسے ایک قرأت و کتابت سے ناواقف اُمّی اور _بقول تمہارے_ امین شخص کی طرف سے صادر ہونے والے اس قرآن کی طرح کا قرآن لا کر دکھا دو۔")

چلو اگر تم کسی اُمّی کی طرف سے نہیں لا سکتے تو کسی مشہور و معروف ادیب اور بلیغ عالم کی طرف سے لے آؤ۔

اور اگر تم ایسا بھی نہیں کر سکتے تو پھر ایک شخص سے نہیں بلکہ بلغاء کی کسی جماعت کو مکلّف کرو، یہی نہیں بلکہ اپنے بلغاء و خطباء، اپنے اگلوں کے تمام علمی شہ پارے، بعد میں آنے والوں کی مدد اور اپنے معبودوں کی ہمت ساتھ لے لو اور تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے سب کا سب اس قرآن جیسی کتاب مہیا کرنے کے لیے صَرف کر ڈالو۔

---

(۱) البقرة:74 (حاشیہ:۲) البقرة:23

Marfat.com

اور اگر تم یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر قرآن پاک کے عظیم حقائق اور معنوی معجزات سے قطع نظر ایک ایسی کتاب لے آؤ جس کی بلاغت اور نظم اِس کی بلاغت اور نظم جیسی ہو۔

بلکہ قرآن کریم نے تو انہیں اِس سے بھی کم تر کا چیلنج دیا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: ﴿فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ﴾ (حاشیہ:۱)

یعنی یہ ضروری نہیں کہ وہ کتاب سچے اور درست معنی پر مشتمل ہو، لاؤ سہی، خواہ اکاذیب و افتراءات کا پلندہ ہی کیوں نہ ہو۔

اور اگر تم یہ بھی نہیں کر سکے تو چلو اِس کی دس سورتوں جیسی سورتیں لے آؤ اور اگر تم یہ چیز بھی مشکل سمجھتے ہو تو پھر کوئی چھوٹی سی سورت ہی لے آؤ۔

اور آخر میں اگر تم عاجز ہوا ایسا نہیں کر سکتے اور کبھی کر بھی نہیں سکو گے، حالانکہ تمہیں یہ کام کرنے کی سخت ضرورت بھی ہے؛ کیونکہ تمہاری عزت اور دین، تمہاری عصبیت اور شرف، تمہارے جان و مال اور تمہاری دنیا اور آخرت کا بچاو صرف ایسی صورت میں ہے کہ تم اس کا مثیل بنا کر لاؤ، وگرنہ دنیا میں تمہارا یہ عزّ وشرف اور تمہارا دین خطرے سے دوچار ہے، ذلیل وخوار ہوگے اور تمہارے اموال رائیگاں جائیں گے اور آخرت میں تم اپنے بتوں کے ہمراہ جہنم کا ایندھن بنو گے اور ابدی قید خانے میں محکوم بن کر رہو گے۔ اس لیے ﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾۔ پس اگر تم اِن آٹھ مراتب کے ذریعے اپنی عاجزی ودر ماندگی کو پہچان چکے ہو تو پھر تمہارے لیے اس چیز کی پہچان کرنا بہت ضروری ہے کہ قرآن آٹھ مراتب کی رُو سے معجز ہے، اس لیے یا تو تم یہ چیز مان لو یا بالکل خاموش ہو جاؤ ورنہ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت بُرا انجام ہے۔

اب جب کہ تمہیں "مقام اِفحام" یعنی لاجواب اور خاموش کر دینے کے مقام میں قرآنِ معجز بیان کے الزامی بیان کی اچھی طرح پہچان ہوگئی ہے تو پھر بلا جھجک کہہ دو کہ:

بالکل صحیح ہے۔ جی ہاں، قرآن کے بیان کے بعد کوئی بیان ممکن بھی نہیں اور ایسے کسی بیان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

## دوسری مثال:

﴿فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ۞ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ ۞ قُلْ تَرَبَّصُوا فَإِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ۞ أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُم بِهَٰذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ۞ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَل لَّا يُؤْمِنُونَ ۞ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ۞ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ

(حاشیہ:۱) ہود:13

Marfat.com

هُمُ الْخَالِقُونَ ۞ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَل لَّا يُوقِنُونَ ۞أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ۞ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۞ أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ ۞ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْراً فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ۞ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ۞ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْداً فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ۞ أَمْ لَهُمْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾(حاشیہ:۱)

ان آیات کریمہ میں پائے جانے والے ہزاروں حقائق میں سے مدّ مخالف کو خاموش اور لاچار کرنے (الزام و افحام) کے ضمن میں ہم صرف ایک حقیقت کی وضاحت کریں گے، اور وہ اس طرح ہے کہ: یہ آیات کریمہ ہر قسم کے اہل ضلالت کو لاجواب و خاموش کرتی ہیں اور شکوک وشبہات کے تمام سرچشموں کو بند کر کے ان کا ازالہ کرتی ہیں، اور یہ سب کچھ کرتی ہیں "اَم ،اَم" کے لفظ کے ساتھ جو کہ استفہام انکاری تعجبی کے پندرہ طبقات کے ساتھ آیا ہے، چنانچہ وہ اہلِ ضلالت کے پناہ لینے کے لیے کوئی سوراخ نہیں چھوڑتی ہیں، یعنی ہر اُس شیطانی سوراخ کو بند کر دیتی ہیں جس میں اہل ضلالت پناہ لے سکیں، ہر اُس پردے کو پھاڑ دیتی ہیں جس کے پیچھے وہ چھپ سکتے ہیں، اور ان کے ہر جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ دیتی ہیں جس کا وہ سہارا لے سکتے ہیں۔ پس اس کا ہر فقرہ کفر کے اُن افکار کے خلاصے کو باطل کر دیتا ہے جو کہ کسی بھی کافر گروہ کا اپنایا ہوا ہے؛ اور وہ اس طرح کے یا تو اُس کی مختصر سی تعبیر کرتا ہے، یا اس کے بطلان کے بالکل واضح ہونے کی وجہ سے اس کے بارے میں خاموشی اختیار کر کے اسے عقل کی بداہت کے حوالے کر دیتا ہے، اور یا پھر اس کی طرف مجمل سا اشارہ کر دیتا ہے؛ کیونکہ ان کفریہ افکار کا دندان شکن رَدّ کسی دوسری جگہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہوتا ہے، مثال کے طور پر:

پہلا فقرہ آیت کریمہ ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ﴾ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور پندرہواں فقرہ آیت کریمہ ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ کی طرف اشارہ کرتا ہے، اس فقرے کی روشنی میں آپ بذاتِ خود دیگر تمام فقرات کو قیاس کر سکتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ مقدمہ میں کہہ رہی ہیں: اُحکام الٰہیہ کی تبلیغ کرو، کیونکہ آپ کاہن نہیں ہیں، کیونکہ کاہن کا کلام جھوٹ سے مزیّن اور مخلوط ہوتا ہے جو کہ ظن و وہم سے آگے نہیں جا سکتا ہے جبکہ آپ کا کلام بعینہٖ حق اور یقین ہے۔

اور آپ ہرگز ہرگز دیوانے نہیں ہیں کیونکہ آپ کے دشمن آپ کی عقل کے کمال پر گواہی دے رہے ہیں۔

﴿أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ﴾ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ یہ لوگ جو عام کافروں کی طرح عقل سے فیصلہ نہیں کرتے کہ آپ کو شاعر کہتے ہیں! یا یہ آپ کی موت کا انتظار کر رہے ہیں! ان سے کہہ دیں: کہ انتظار کرو

---

(۱) الطور:43-29

Marfat.com

میں بھی انتظار کر رہا ہوں۔ کیونکہ آپ کے عظیم الشان واشگاف حقائق شعری خیالات وتزیینات سے پاک اور مستغنی ہیں۔

﴿أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهَٰذَا﴾ یا وہ اپنی فارغ عقلوں پر بھروسا کرنے والے فلسفیوں کی طرح تمہاری اتباع سے گریز کر رہے ہیں؟ فلاسفہ جو کہتے ہیں: ہماری عقلیں ہمارے لیے کافی ہیں حالانکہ خود عقل کہتی ہے کہ تمہاری اتباع کی جائے، چنانچہ آپ جو بات بھی کہتے ہیں معقول ہوتی ہے، لیکن اکیلی عقل اس بات کا ادراک نہیں کرسکتی ہے۔ ﴿أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ﴾، یا اُن کے انکار کا سبب یہ ہے کہ وہ ظالموں اور باغیوں کی طرح حق کے انکاری ہیں؟

حالانکہ ظالم وجابر اور نافرمان فرعونوں اور نمرودوں کا انجام سب کو معلوم ہے، ﴿أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ یا یہ آپ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ قرآن تمہارا اپنا کلام ہے جیسے کہ بے ضمیر و بے وجدان جھوٹے منافق کہتے ہیں؟ حالانکہ یہ وہی لوگ ہیں جو اب تک آپ کو آپ کے کلام کی سچائی کی وجہ سے ''امین'' کا لقب دیتے آئے ہیں! اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ ماننا ہی نہیں چاہتے۔ اور اگر ایسے ہی ہے تو پھر انہیں کسی بشر کی کہی ہوئی کلام میں سے قرآن کی کوئی نظیر مل جانی چاہیے!۔

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ﴾، یا یہ لوگ خود کو آوارہ جانور سمجھتے ہیں جنہیں بغیر کسی غرض وغایت اور مقصد کے پیدا کیا گیا ہو اور جن کا کوئی خالق وسرپرست نہ ہو؟ اور کائنات کے بارے میں ان کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ بالکل عبث پیدا کی گئی ہے جیسے کہ بیہودہ فلسفیوں کا عقیدہ ہے؟ کیا ان کی آنکھیں اندھی ہوگئی ہیں؟ کیا یہ کائنات کے اِس سرے سے لے کر اُس سرے تک نگاہ نہیں دوڑاتے ہیں کہ کس طرح وہ حکمتوں سے مزیّن اور اغراض ومقاصد سے بارآور ہے؟ اور موجودات تمام کی تمام ذرّوں سے لے کر آفتابوں تک جلیل القدر وظائف کی پابند اور اَوامر الٰہیہ کے لیے مسخر ہیں؟

﴿أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾، یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں بذات خود شکل پذیر ہوتی ہیں اور خود بخود پروان چڑھتی اور اپنے لوازم حیات خود پیدا کرتی ہے جیسے کہ فرعونیت کا دعویٰ کرنے والے مادہ پرست کہتے ہیں؟ حتیٰ کہ ان کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ وہ ایمان سے کتراتے اور اللہ کی بندگی سے جی چراتے ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود کو خالق سمجھتے ہیں، جبکہ حال یہ ہے کہ ایک شے کے خالق کو ہر شے کا خالق ہونا ضروری ہے۔ پتا یہ چلا کہ ان کے غرور اور سرکشی نے انہیں انتہائی حماقت اور جہالت میں دھکیل دیا ہے، حتیٰ کہ اُنہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جو مکھی اور میکروب جیسی ضعیف ترین مخلوق کے سامنے عاجز ہے وہ قادرِ مطلق ہے۔ اگر وہ اس حد تک عقل سے خالی اور انسانیت سے عاری ہوگئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ڈھور ڈنگروں سے بھی زیادہ گمراہ اور جمادات سے بھی زیادہ گئے گزرے ہیں۔ پس آپ ان کے نہ ماننے کو اہمیت نہ دیں اور پریشان نہ ہوں بلکہ ان کا شمار نقصان دہ حیوانات اور فاسد مواد میں کریں، اُن کی بالکل پرواہ نہ کریں اور اُن کی طرف قطعاً توجہ نہ دیں۔

Marfat.com

﴿أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ﴾، یا وہ خالق کا انکار کرنے والے اُحمق معطلہ (حاشیہ:۱) کی طرح خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے ہیں؟ کیا وہ قرآن کو غور سے نہیں سنتے! تب تو انہیں زمین و آسمان کا انکار کر دینا چاہیے، یا انہیں یہ کہنا چاہیے کہ:

ہم ہی خالق ہیں، انہیں عقل سے کلی طور پر نکل کر جنون کے ہذیان میں داخل ہو جانا چاہیے؛ کیونکہ توحید کی براہین بالکل واضح ہیں اور کائنات کے ہر کونے میں آسمان کے تاروں اور زمین کے پھولوں کی تعداد میں پڑھی جاتی ہیں، یہ تمام کی تمام اُس کے وجود پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی بھر پور طریقے سے وضاحت کرتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حق و یقین کو تسلیم کرنے کی رغبت ہی نہیں رکھتے ہیں، اگر ایسی بات نہ ہوتی تو وہ یہ گمان کیسے کر سکتے تھے کہ کون و مکان کی یہ عظیم کتاب جس کے ہر حرف میں ہزاروں کتابیں مندرج ہیں، کسی لکھنے والے کے بغیر ہی وجود میں آ گئی ہے؟ حالانکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی کاتب کے بغیر ایک حرف بھی تحریر نہیں ہو سکتا ہے۔

﴿أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ﴾، یا وہ بعض گمراہ فلاسفہ کی طرح ارادۂ الٰہیہ کی نفی کرتے ہیں، یا برہمنوں کی طرح نبوّت کے اصل کا انکار کرتے ہیں، اس لیے تم پر ایمان نہیں لاتے ہیں؟ تب تو انہیں تمام آثار حکمت، جلیل القدر اغراض و مقاصد، حیرت انگیز انتظامات، ثمر آور فوائد، وسیع رحمت کے آثار، تمام موجودات پر غالب، ظہور پذیر، چھائی ہوئی اور الٰہی ارادہ و اختیار پر دلالت کرنے والی توجہ کا انکار کر دینا چاہیے! اور تب تو انہیں انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات کا انکار کر دینا چاہیے، یا پھر انہیں یہ کہنا چاہیے کہ وہ خزانہ جس سے تمام مخلوق پر احسانات کا فیضان جاری ہے وہ ہمارے پاس ہے اور اُس کا کنٹرول ہمارے ہاتھ میں ہے اور انہیں اپنی حقیقت سے پردہ اُٹھا دینا چاہیے کہ وہ نہ تو خطاب کے مستحق ہیں اور نہ اہل۔ اس لیے آپ ان کے انکار پر افسردہ نہ ہوں، کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے حیوانات ہیں جو اِدھر اُدھر بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

﴿أَمْ هُمُ الْمُسَيْطِرُونَ﴾، یا وہ خود کو اللہ تعالیٰ کے اعمال کا نگہبان سمجھ بیٹھے ہیں؟ کیا وہ اللہ کو مسئول بنانا چاہتے ہیں، معتزلہ کی طرح کہ جنہوں نے عقل کو حاکم مانا ہے! آپ ان کی کوئی پرواہ نہ کریں اور انہیں خاطر میں نہ لائیں، کیونکہ ایسے سر پھرے لوگوں کے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

﴿أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ﴾، یا وہ اپنے آپ کے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ اُنہوں نے عالمِ غیب کی طرف کوئی اور راستہ پا لیا ہے جیسے کہ جنوں اور شیطانوں کے پیروکار کاہنوں کا اور روحیں حاضر کرنے والے شعبدہ بازوں کا دعویٰ ہے؟

یا وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اُن کے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے جس کے ذریعے وہ اُن آسمانوں میں جا سکتے ہیں جن کے دروازے شیطانوں پر مضبوطی سے بند کر دیئے گئے ہیں، اس لیے وہ آسمان سے ملنے والی خبر کی تصدیق نہیں کر رہے ہیں! تو

---

(حاشیہ:۱) اسلام کا ایک فرقہ جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتا ہے۔ مترجم

Marfat.com

اِن فاجروں، کافروں اوران جیسے دیگر لوگوں کا انکار عدم کا حکم رکھتا ہے۔

﴿أَمْ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ﴾، یا یہ لوگ عقول عشرہ اورارباب انواع کے نام سے اُس اُحدُ الصمد کی طرف شرک کی نسبت کررہے ہیں جیسے کہ مشرک فلاسفہ کا اعتقاد ہے، یا نجوم وملائکہ کی طرف منسوب الوہیت کے نام سے شرک کرنا چاہتے ہیں جیسے کہ صابئین کا عقیدہ ہے، یا اس کی طرف بچے کی نسبت کر کے شرک کرنا چاہتے ہیں جیسے کہ ملحد گمراہوں کا عقیدہ ہے، یا یہ لوگ اس کی طرف بیٹے کی نسبت کرتے ہیں جو اُحد الصمد کے واجب الوجود ہونے کے منافی ہے، اس کی وحدانیت اور صمدانیت کے منافی ہے، اور وہ مستغنی اور متعال ہے! یا یہ ملائکہ کو مؤنث کہتے ہیں جبکہ مؤنث ہونا ان کی عبودیت، اُن کی عصمت اور اُن کی جنس کے منافی ہے؟ کیا اِن کا گمان یہ ہے کہ وہ اپنے اِس طرز عمل سے فرشتوں کو اپنا سفارشی بنارہے ہیں اور اِس بنا پر آپ کی اتباع نہیں کررہے ہیں؟ بے شک یہ فانی انسان جو کہ ایک معین وارث کا طلبگار ہے اور حبّ دنیا جس کی طبیعت میں دیوانگی کی حد تک رچی بسی ہوئی ہے، اور وہ اپنی نوع کی بقا کے لیے عاجز اور فقیر ہے اور تناسل یعنی نسل کی پیدائش، افزودگی اور جسمانی طور پر اجزاء میں تقسیم ہونے کی قابلیت رکھتا ہے، وہ تناسل جو بقا کا رابطہ اور تمام تر مخلوقات کی زندگی کا مضبوط رشتہ ہے۔ تو اس تناسل کی نسبت اس کی طرف کرنا جو کہ واجبُ الوجود ہے، دائم وباقی ہے، اَزلی واَبدی اور ذاتی ہے، جسمانیت سے پاک ہے، ماہیت کے تجزیے سے مبرّا ہے، اس بات سے بلند ہے کہ اس کی قدرت کو عاجزی کا ہاتھ چھو سکے، اور وہ الواحد الاحد الجلیل اور ذوالجلال ہے۔ اوراس کی طرف اولاد کی نسبت کرنا اور خاص کر کمزور وعاجز اولاد یعنی بیٹیوں کی جنھیں اُن لوگوں کی خودسری پسند نہیں کرتی۔ یقیناً یہ چیز انتہائی درجے کا سفسطہ، آخری درجے کا پاگل پن اور پرلے درجے کی یاوہ گوئی ہے، اس حد تک کہ ان کی افترا پردازیوں کا پول کھولنے اوران کی باطل پرستیوں کو واشگاف کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، بنابریں، آپ اِن کی باتوں پر کان نہ دھریں اوران کی پرواہ نہ کریں؛ کیونکہ ہر مدہوش کی فضولیات اور ہر پاگل کے ہذیانات پر کان نہیں لگایا جاتا ہے۔

﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ﴾، یا اُنہیں عبودیت کی وہ تکالیف خود پر بوجھل نظر آرہی ہیں جن کا آپ ان سے مطالبہ کررہے ہیں؟ جیسے کہ حریص سرکش باغی اور کمینہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ ان تکالیف سے بھاگتے ہیں! کیا وہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ آپ ان سے بلکہ کسی سے بھی کسی قسم اجرت کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ آپ اپنا اجر صرف اللہ سے چاہتے ہیں؟ کیا انہیں اللہ کے عطا کردہ مال سے خرچ کرنا مشکل لگتا ہے، حالانکہ اس سے مال میں برکت آتی ہے اور مال فقراء کے حسد سے محفوظ رہتا ہے اور مالک کو بددعا سے نہیں لگتی، تو دسواں حصہ یا چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکال کر اسے اپنے ہی فقراء پر تقسیم کردینا کوئی بڑا کام ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اسلام سے بھاگ رہے ہیں؟ یہ لوگ اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ان کی تکذیب کا جواب بھی دیا جائے، کیونکہ یہ چیز بالکل واضح ہے، بلکہ جواب کی بجائے یہ لوگ سرزنش کے مستحق ہیں۔

Marfat.com

﴿أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ﴾، یا انہیں وہ خبریں اچھی نہیں لگتیں جو آپ غیب سے حاصل کرتے ہیں، چنانچہ اس بنا پر وہ بدھشٹوں اور عقل پرستوں کی طرح جو کہ اپنے گمانوں کو یقین کا درجہ دیتے ہیں، غیب کی معرفت کا دعویٰ رکھتے ہیں! کیا ان کے پاس غیب کی طرف سے کوئی کتاب ہے جو ان کے سامنے کھلی پڑی ہے اور وہ اس سے دیکھ کر لکھ رہے ہیں، اور اس بنا پر آپ کی غیبی کتاب کو جھٹلا رہے ہیں؟ بے شک وہ عالم ایسا عالم ہے جس کا پردہ صرف وحی پانے والے رسولوں کے لیے ہی سرکایا جاتا ہے اور کوئی بھی اپنی طاقت سے اُس عالم میں داخل نہیں ہو سکتا ہے۔

یہ خود پسند اور متکبر لوگ جو اپنی اُوقات سے بڑھ چکے ہیں، اِن کی تکذیب تمہیں اپنے کارِ دعوت میں سست اور کمزور نہ بنا دے، کہ عنقریب آپ کے حقائق اُن کے تمام خواب چکنا چور کر دیں گے اور ان کے یہ خواب و خیالات نیست و نابود ہو جائیں گے۔

﴿أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ﴾، یا وہ یہ چاہتے ہیں کہ منافقوں کی طرح ہو جائیں جن کی فطرت فاسد اور وجدان مسخ ہو چکا ہے، یا مکار زندیقوں کی طرح ہونا چاہتے ہیں جو مکر و فریب کے ساتھ سیدھے راستے سے بھٹکا کر اس ہدایت سے روکنا چاہتے ہیں جس سے یہ خود محروم ہو چکے ہیں، یہاں تک کہ ان لوگوں نے آپ کو کاہن، مجنوں اور ساحر تک کہہ دیا ہے، حالانکہ اُنہوں نے خود بھی اپنے اس دعویٰ کو صحیح نہیں سمجھا ہے، تو پھر دوسروں کے بارے میں کیا خیال ہے، وہ اس دعوے کو کیسے سچ مانیں گے؟ اس لیے ان جھوٹے اور مکاروں کو اہمیت نہ دینا اور انہیں انسانوں کے زمرے میں بھی شمار نہ کرنا، بلکہ دعوت الی اللہ کے راستے میں چلتے رہیں اور کوئی چیز آپ کی سستی کا باعث نہ بن جائے۔ اور اِس فساد اور فریب کے میدان میں ان کی جو کچھ کامیابی نظر آ رہی ہے وہ ایک وقتی اور زوال پذیر امر ہے، بلکہ یہ استدراج اور تدبیر الٰہی ہے۔

﴿أَمْ لَهُمْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾، یا یہ لوگ آپ سے مقابلہ کرتے ہیں اور خود کو آپ سے بے پرواہ بناتے ہیں؛ کیونکہ انہیں یہ وہم ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ بھی ہے جس پر وہ بھروسا کر رہے ہیں، مجوسیوں کی طرح کہ جنہوں نے خالق الخیر اور خالق الشر کے نام سے دو دو بھی الٰہ بنا رکھے ہیں! یا اصنام کے پرستاروں کی طرح جو اسباب کو ایک قسم کی اُلوہیت سونپ رہے ہیں اور انہی پر اعتماد اور بھروسہ کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی آنکھیں اندھی ہو چکی ہیں، اس لیے اِنہیں اِس کائنات میں جاری و ساری روز روشن کی طرح واضح و کامل انتظام اور خوبصورت ترین انسجام نظر نہیں آ رہا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ کے تقاضے کے مطابق اگر ایک بستی میں دو خود مختار آدمی ہوں، ایک ولایت میں دو والی ہوں یا ایک علاقے کے دو حاکم ہوں، تو ایسی صورت میں انتظام میں خلل آ جاتا

Marfat.com

ہے اور انسجام آخری حد تک خراب ہو جاتا ہے، حالانکہ مچھر کے پر سے لے کر آسمان کی قندیلوں تک یہ جو دقیق انتظام کارفرما ہے اس حد تک واضح ہے کہ مچھر کے پر کے برابر بھی شرک کی گنجائش نہیں ہے۔ پس اگر یہ لوگ عقل وحکمت کے خلاف چلتے ہیں، حس وشعور کے منافی رویہ اختیار کرتے ہیں اور اس درجے کے بدیہی اُمور کے برعکس رہتے ہیں، تو آپ ان کی تکذیب سے دلبرداشتہ ہو کر تذکیر وارشاد کا فریضہ ترک نہ کریں۔

اور یوں یہ آیات جو کہ حقائق کا ایک سلسلہ ہیں، ہم نے ان میں پائے جانے والے سینکڑوں ہیروں میں سے ایک ہیرے کی تفصیل سے وضاحت کی ہے، وہ ہیرا جس کا خصوصی طور پر "اِلزام واِفحام" کے مضمون کے ساتھ تعلق ہے، اگر میرے پاس اس کے دیگر ہیروں کی وضاحت کرنے کی قدرت ہوتی تو تم بھی ضرور کہہ دیتے کہ یہ آیات بذات خود معجزہ ہیں!

رہا قرآن کا بیان "افہام وتعلیم" کے بارے میں، تو وہ خارق عادت اور لطافت وسلاست کا حامل ہے، حتیٰ کہ اس اندازِ بیان کے ذریعے ایک عام سادہ ترین آدمی بڑی سے بڑی اور گہری سے گہری حقیقت کو بھی انتہائی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔

جی ہاں! قرآن معجز بیان بہت سے گہرے حقائق کی طرف اشارے کرتا ہے اور وہ حقائق ایسے آسان اور واضح اسلوب اور شافی بیان کے ساتھ لوگوں کے ذہن نشین کرا دیتا ہے کہ جس میں عوامی نقطہ نظر کی رعایت رکھی جاتی ہے اور اُن کے شعور کو مجروح اور ان کی سوچ وفکر مخدوش نہیں کیا جاتا ہے، جیسے اگر کوئی انسان کسی بچے کے ساتھ بات چیت کرے تو اس وقت مخصوص بچگانہ اسلوب اختیار کر لیتا ہے۔ قرآنی اسالیب بھی جنہیں "تنز لات الٰہیہ بر عقولِ بشر" کہا جاتا ہے، اِسی طرح سے ایسا خطاب ہیں جو مخاطب لوگوں کے ادراک کے درجات کا خیال رکھتے ہیں، حتیٰ کہ پرلے درجے کے اَن پڑھ عوام بھی اِن پیچیدہ حقائق اور ربانی اسرار کو سمجھ جاتے ہیں جن کا ادراک اپنے فکر وفہم کے ساتھ کرنے سے متبحر حکماء بھی عاجز رہتے ہیں۔ اور قرآن یہ حقائق متشابہات کی صورت گری اور تشبیہات وتمثیلات کے ذریعے واضح کرتا ہے۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ ربوبیت الٰہیہ اور اس کے اُمورِ عالم کو چلانے کی کیفیت ووضاحت، مرتبہءِ ربوبیت کی تشبیہ وتمثیل اس بادشاہ کے ساتھ دے کر کرتی ہے جو اپنے تخت پر بیٹھ کر امور سلطنت چلاتا ہے۔

جی ہاں! قرآنِ کریم اس کائنات کے خالقِ ذوالجلال کا کلام ہونے کی حیثیت سے اُس کی ربوبیتِ جلیلہ کے بالا ترین مرتبے سے نازل ہوا ہے اس لیے دیگر تمام مراتب پر حاوی ہے اور اِن مراتب تک پہنچنے والوں کا مرشد ہے، اس نے ستر ہزار پردوں کو چاک کر دیا ہے، اِن پردوں کی طرف متوجہ رہنے والا اور انہیں روشن کرنے والا ہے، اور فہم وادراک میں متباین مخاطبین کے ہزاروں طبقات پر اپنا فیض نشر کر چکا ہے، اور استعدادات میں متفاوت عصور وقرون میں اپنے نور کا فیضان بکھیر چکا ہے۔ اور اس بات کے علی الرغم کہ اس نے اپنے معانی تمام زمانوں میں اور تمام کونوں کھدروں میں انتہائی

Marfat.com

آسانی کے ساتھ نشر کیے ہیں، اس نے اپنی حیویت، تروتازگی اور شادابی کی مکمل حفاظت کی ہے اور ان میں سے کسی بھی چیز کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے، بلکہ تروتازگی، جدت اور لطافت میں سہل ممتنع رہا ہے؛ کیونکہ یہ کسی عام آدمی کو درس دیتے وقت انتہائی آسان ہوتا ہے، اسی طرح سمجھ سوچ میں مختلف اور ذہانت میں متباین بہت سے متفاوت طبقات کو درس دیتا ہے، انہیں درست راستہ دکھاتا ہے اور انہیں قناعت واطمینان سے ہمکنار کرتا ہے۔

پس اس کتاب مبین میں جہاں بھی نظر ڈالو گے اعجاز کے پرتَو کا مشاہدہ کرسکو گے۔

## حاصل کلام:

جس طرح ایک قرآنی لفظ مثلاً " اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ " جب پڑھا جاتا ہے تو وہ لفظ غار کو بھر دیتا ہے جو کہ پہاڑ کے لیے کان کی حیثیت رکھتی ہے، اس طرح عین وہی لفظ ایک مچھر کے بالکل چھوٹے سے کان کو بھی بھر دیتا ہے، چنانچہ یہ ایک ہی لفظ دونوں کانوں میں بیک وقت قرار پکڑ جاتا ہے۔ قرآن کریم کے معانی کی صورت حال بھی یہی ہے، کہ یہ معانی جیسے پہاڑ جیسی بڑی بڑی جابر عقلوں کو مطمئن کرتے ہیں ویسے ہی چھوٹی چھوٹی اور سادہ لوح عقلوں کو بھی تعلیم دیتے ہیں اور ان کو اُنہی کلمات سے مطمئن کر دیتے ہیں؛ کیونکہ قرآن جن وانس کے تمام طبقات کو ایمان کی طرف دعوت دیتا ہے اور ان سب کو ایمان کے علوم سکھاتا ہے اور ان سب کے لیے ان علوم کا اثبات کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کا درس اَخص الخواص اور کم سمجھ عامی لوگ پہلو بہ پہلو کندھے ملائے ایک ساتھ بیٹھ کر سنتے ہیں۔

یعنی قرآن کریم ایک ایسا آسمانی دسترخوان ہے جس پر ہزاروں مختلف افکار وعقول اور قلوب واَرواح کے حامل طبقات اپنی اپنی اشتہا کے حساب سے غذا پاتے ہیں، اور یہ اُن کے مقاصد پر پورا اُترتا ہے۔ حد یہ ہے کہ قرآن کے بہت سے دروازے تاہنوز مغلق ہیں تاکہ مستقبل میں کھولے جاسکیں۔ اس مقام پر آپ اگر کوئی مثال چاہتے ہیں تو یہ سمجھ لیں کہ قرآن میں اوّل سے لے کر آخر تک اِس مقام کی مثالیں ہیں۔

جی ہاں! بے شک قرآن کریم کے تلامذہ اور اس کے ارشادات کو سننے والے مجتہدین، صدیقین، حکمائے اسلام، علمائے محققین، علمائے اصول فقہ، متکلمین، اولیائے عارفین، اقطاب عاشقین، علمائے مدققین اور عامۃُ المسلمین۔

سب کے سب بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ: ''ہم اپنا درس بہترین انداز سے قرآن سے لیتے اور اچھی طرح سمجھتے ہیں''۔

خلاصہ: اعجازُ القرآن کی کرنیں یہاں اِس مقام ''افہام وتعلیم'' میں بھی ویسے ہی جگمگا رہی ہے جیسے کہ دیگر تمام مقامات میں۔

Marfat.com

# دوسری شعاع

## قرآن کی خارقِ عادت جامعیت ہے
## اس شعاع کی پانچ کرنیں ہیں

### پہلی کرن:

قرآن کے لفظ میں پائی جانے والی خارقِ عادت جامعیت کے بارے میں ہے

یہ جامعیت سابقہ "مقالہ جات" اور اس "مقالے" میں ذکر کردہ آیات میں واضح طور پر جلوہ گر ہے۔

جی ہاں! قرآنی الفاظ کی وضع قطع کچھ اس طرح کی ہے کہ: ہر کلام، بلکہ ہر کلمہ، بلکہ ہر حرف حتیٰ کہ کبھی کسی سکوت کے بھی بہت سے پہلو ہوتے ہیں جو ہر مخاطب کو مختلف دروازوں سے اُس کا حصہ اور نصیب عطا کرتے ہیں، جیسے کہ اس چیز کی طرف حدیث شریف بھی اشارہ کرتی ہے: لِکُلِّ آیۃٍ ظَھْرٌ وَ بَطْنٌ وَمُطَّلَعٌ وَلِکُلٍّ شُجُوْنٌ وَ غُصُوْنٌ وَفُنُوْنٌ (حاشیہ:۱)

مثال کے طور پر ﴿وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا﴾ ہے۔

اب اس کلام سے ایک عام آدمی کا حصہ یہ ہے کہ وہ: پہاڑوں کو زمین میں گڑھی ہوئی میخیں سمجھتا ہے، جیسے کہ اُسے اپنی ظاہری آنکھ سے نظر آ رہا ہے۔ پس وہ اِن میں پائی جانے والی نعمتوں اور فائدوں کے بارے میں غور کرتا ہے اور اپنے خالق کا شکر ادا کرتا ہے۔

اور ایک شاعر کا اس کلام سے حصہ یہ ہے کہ وہ: یہ خیال کرتا ہے کہ زمین ایک پھیلا ہوا ہموار میدان ہے، آسمان بہت بڑا سبز گون خیمہ ہے جو اس پر تانا گیا ہے، اس خیمے کو بہت سے چراغوں سے مزیّن کیا گیا ہے اور پہاڑ اُفق کا گول دائرہ بھرتے ہوئے نظر آتے ہیں جن کی چوٹیاں آسمان کے دامن کو چھو رہی ہیں، گویا کہ وہ اس عظیم خیمے کی میخیں ہیں، تب وہ حیرت اور اعجاب میں ڈوب جاتا ہے اور صانع الجلیل کی تقدیس میں لگ جاتا ہے۔

ایک خانہ بدوش ادیب کا اس سے حصہ یہ ہے کہ وہ: سطح زمین کو ایک وسیع و عریض صحرا تصور کرتا ہے اور پہاڑ گویا کہ

---

(۱) "انزل القرآن علی سبعة احرف. رواه احمد والترمذی عن أبیٍّ و احمد عن حذیفة. وهو عند الطبرانی من حدیث ابن مسعود بزیادة... وفی روایة اخری عنده: لِکُلٍّ حرف منها ظهر و بطن، ولکل حرف حد ولکل حد مطلع" مترجم

Marfat.com

متنوع مخلوقات کے مختلف الانواع خیموں کا دور تک پھیلا ہوا سلسلہ ہے، حتی کہ طبقہ خاک پردے کی ایک چادر سے عبارت ہے جو ان اُبھری ہوئی میخوں پر ڈال دی گئی ہے، چنانچہ اس چادر کو اُنہوں نے اپنے تیکھے سروں کے ذریعے اُوپر اُٹھا رکھا ہے اور اس سے مختلف الانواع مخلوقات کے مساکن تیار کر رکھے ہیں۔

اور یوں سمجھ کر وہ حیرت و اعجاب کے عالم میں سجدے میں گر جاتا ہے کہ اس نے اِن عظیم مخلوقات کو اس طرح کا رُوپ دیا ہے کہ گویا وہ زمین پر گاڑھے ہوئے خیمے ہیں۔

اور ایک جغرافیہ دان ادیب کا اس کلام سے حصہ یہ ہے کہ: کرۂ ارض ایک سفینہ ہے جو ہوا اور اثیر کے بحرِ محیط کی لہروں کو چیرتا ہوا رواں دواں ہے، اور یہ پہاڑ میخیں ہیں جو اس سفینے میں ٹھونکی گئی ہیں تاکہ یہ ثبات اور توازن میں رہے۔

ایک جغرافیہ دان کچھ اسی طرح سوچے گا، اور وہ قدیر ذوالکمال جس نے اس ضخیم کرۂ ارض کو ایک منظّم سفینہ بنایا ہے اور ہمیں اس میں سوار کیا ہے، اور وہ ہمیں عالم میں لیے پھرتا ہے۔ وہ اس قدیر ذوالجلال کی عظمت کے سامنے بول اُٹھے گا کہ: (سُبْحَانَکَ مَا اَعْظَمَ شَأْنُکَ!)

علم الاجتماع کے ماہر اور جدید تہذیب کے تقاضوں کے ساتھ شغف رکھنے والے آدمی کا حصہ اس کلام سے یہ ہے کہ: وہ زمین کو ایک مسکن سمجھتا ہے۔ اور اس مسکن کی حیات کا ستون ذی حیات مخلوق کی حیات ہے۔ اور اس حیات کا ستون پانی ہوا اور مٹی ہے جو کہ حیات کی لازمی شروط ہیں۔ اور ان تینوں چیزوں کا ستون پہاڑ ہیں؛ کیونکہ پہاڑ پانی کے خزانے ہیں، ہوا کی صفائی ستھرائی اور مشاطگی کا سامان ہیں کہ یہ نقصان دہ گیسوں کو نیچے تہہ میں بٹھا دیتے ہیں۔ اور مٹی کو بچانے والے ہیں۔ کہ وہ اُسے سمندر کی اور دلدل کی چیرہ دستی سے بچاتے ہیں۔ اور انسانی زندگی کے تمام تقاضوں کے خزانے ہیں۔ وہ اسی طرح سمجھے گا اور اس صانعِ ذوالجلال والاکرام کی تحمید و تقدیس کرے گا، جس نے ان سر بفلک پہاڑوں کو سطحِ زمین پر جو کہ ہمارا مسکن ہے، میخیں اور خزانے بنایا ہے۔

اور ایک ماہر طبیعیات فلسفی کا اس میں حصہ یہ ہے کہ وہ: اِس بات کا ادراک کرلے گا کہ بطن زمین میں جو امتزاجات، انقلابات اور زلزلے رونما ہوتے ہیں وہ پہاڑوں کے ظہور سے سکون واستقرار پاتے ہیں، پس یہ پہاڑ زمین کے لیے اس کے اپنے محور اور مدار کے ارد گرد گھومتے وقت سکون و استقرار کا سبب ہوں گے تاکہ وہ اپنے سالانہ مدار سے اِدھر اُدھر نہ ہو جائے، اور گویا کہ زمین پہاڑوں کی کھڑکیوں سے سانس لیتی ہے جس سے اس کا غضب تھمتا ہے اور حدت سکون پاتی ہے۔

اور یوں وہ ایسا سمجھ کر مطمئن ہو کر "الحکمة لله" کہتا ہوا ایمان کے دائرے میں آجاتا ہے۔ اور مثال کے طور پر:

﴿اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا﴾ اس آیت میں پایا جانے والا کلمہ (رتقا) فلسفے سے بچے

Marfat.com

ہوئے صاحبِ علم کو یہ فائدہ دے رہا ہے کہ: آسمان صاف تھا، اس میں کوئی بادل نہیں تھا۔ اور زمین بنجر تھی اس میں کوئی زندگی نہیں تھی، ایسے میں جس نے آسمان کے دروازوں سے بارش برسائی اور زمین کو سبزے کا فرش بنایا، وہ وہی ہے جس نے اس پانی سے تمام ذی حیات کو پیدا کیا، گویا کہ ان دونوں کے درمیان ایک قسم کا ملاپ اور تولیدی عمل ظہور میں آیا، اور یہ کام صرف اُس قدیرِ ذوالجلال کا ہے کہ سطحِ زمین جس کا ایک چھوٹا سا باغیچہ ہے۔ اور وہ بادل جو آسمان کے چہرے کو محجوب کر دیتے ہیں، وہ اس باغیچے کے لیے آب پاشی کا سامان کرتے ہیں۔

وہ ایسا سمجھ کر اس کی قدرت کی عظمت کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

اور یہی کلمہ "رَتْـقًـا" فلسفہ کی گہرائیوں میں آلودہ ایک عالم آدمی کو یہ بات سمجھاتا ہے کہ: تخلیق کے آغاز میں زمین و آسمان بغیر شکل وصورت کے دو تودے تھے، اور گندھے ہوئے خمیرے کی طرح دو نرم و گداز بے فائدہ ڈھیر تھے۔

یہ دونوں اس صورت میں ایسا مادہ تھے جس پر نہ تو کوئی مخلوق تھی اور نہ ان پر رینگنے والا کوئی جاندار۔ تب فاطرُ الحکیم نے انہیں خوبصورت شکل میں بچھایا اور پھیلایا اور انہیں مفید صورتیں، پُرفخر زیب و زینت اور بے شمار مخلوقات سے نواز دیا۔

وہ فلسفی اِس طرح سمجھے گا اور خدائے برتر کی حکمت کی وسعت کے سامنے انگشت بدنداں رہ جائے گا۔

اور معاصر فلاسفہ کو یہ کلمہ یہ فائدہ دیتا ہے کہ:

ہمارا کرۂ ارض اور دوسرے تمام سیّارے جو کہ نظام شمسی کی شکل میں ہیں، ابتدا میں یہ تمام گندھے ہوئے خمیر کی طرح سورج کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، پھر قادرُ القیوم نے اس خمیرے کو علیحدہ کیا اور اس میں تمام سیاروں کی جگہ بنا کر ہر سیارے کو اُس کی جگہ پر استوار کیا، یہاں زمین وہاں سورج۔

اور زمین کو مٹی ملا بچھونا بنایا اور اس پر آسمان سے بارش نازل کی اور اُس پر انسان کو بسایا۔

فلسفی کچھ اسی طرح سمجھے گا اور نیچر کے کیچڑ سے یہ کہتا ہوا سر اُوپر اُٹھائے گا کہ: **آمنت بالله الواحد الاحد**۔

اور مثال کے طور پر ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾۔ (لِمُسْتَقَرٍّ) میں جو لام ہے وہ خود (لام) کا، اور (فی) کا، اور (الی) کا معنی دے رہا ہے۔

عام لوگ اس (لام) کو (الی) کے معنی میں لیتے ہیں اور اس کی روشنی میں اس کا معنی یوں سمجھتے ہیں: بے شک یہ سورج جو تمہیں روشنی اور حرارت دے رہا ہے، یہ اپنے مستقر کی طرف رواں دواں ہے جہاں وہ ایک دن پہنچ جائے گا، تب تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکے گا۔ ایک عام آدمی یہ معنی لیتے ہوئے ان عظیم نعمتوں کو یاد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورج کے ساتھ وابستہ کر رکھی ہیں، تب وہ سبحان اللہ والحمد للہ کہتا ہوا اپنے رب کی حمد و تقدیس میں محو ہو جاتا ہے۔

اور آیت کریمہ ایک عالِم کے لیے بھی (لام) کو (الی) کے معنی میں ظاہر کرتی ہے، لیکن اس معنی میں نہیں کہ سورج تنہا

Marfat.com

روشنی کا سرچشمہ ہے، بلکہ اس معنی میں کہ سورج پارچہ بافی کی ایک پھرکی یا شٹل ہے جو تمہیں موسم بہار اور گرما کے موسم کے کارخانے میں بُنے ہوئے ربانی پارچہ جات تحفہ کرتا ہے، اور یہ کہ یہ "الصمد" کے نور کی ایک روشنائی اور دوات ہے جس سے لیل ونہار کے صفحات پر اُس بے نیاز ذات کے مکتوبات لکھے جاتے ہیں۔ وہ اسی طرح سمجھے گا اور کائنات کے اس عجیب وغریب نظام میں غور کرے گا جس کی طرف سورج کی یہ ظاہری گردش اشارہ کر رہی ہے۔ صانع الحکیم کی صنعت کو ماشاء اللہ اور حکمت کو بارک اللہ کہ کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

رہا ایک ماہر فلکیات، تو وہ اس (لام) کو (فی) کے معنی میں لیتا ہے، یعنی یہ کہ سورج اپنے نظام کی حرکت کو گھڑی کی سوئی کی طرح خود اپنے اردگرد حرکت محوری کی صورت میں امر الٰہی سے منظم کرتا ہے۔ تب وہ اس صانع جلیل کے سامنے کہ جس نے یہ اتنا بڑا گھڑیال پیدا کر کے منظم کر دیا ہے، حیرت زدہ ہو کر "اَلْعَظَمَةُ لِلّٰهِ وَالْقُدْرَةُ لِلّٰهِ" پکار اُٹھتا ہے اور فلسفے کو ایک طرف پھینکتا ہوا قرآنی حکمت کے دامن میں آ جاتا ہے۔

اور اس (لام) کو ایک باریک بین عالم "علت" اور "ظرفیت" کے معنی میں لیتا ہے، یعنی یہ کہ اس صانع حکیم نے ان ظاہری اسباب کو اپنے افعال کے لیے پردہ اور اپنے معاملات کے لیے حجاب بنایا ہے، چنانچہ اس نے تمام سیاروں کو اپنے (کشش ثقل) نامی قانون کے ذریعے سورج کے ساتھ باندھ رکھا ہے، اور وہ مختلف سیاروں کو مختلف لیکن منظم حرکات کے ساتھ رواں دواں رکھے ہوئے ہے اور سورج کو اس کی جاذبیت کی تولید کے لیے ظاہری سبب بنا کر اس کے مرکز یا محور کے اردگرد گھما رہا ہے، یعنی ﴿لِمُسْتَقَرٍّ﴾ کا معنی ہے: فِيْ مُسْتَقَرٍّ لَهَا وَ اِسْتِقْرَارِ مَنْظُوْمَتِهَا۔ یعنی سورج اپنے نظام کے استقرار کے لیے اپنے مستقر میں چل رہا ہے، کیونکہ حرکت حرارت پیدا کرتی ہے، حرارت قوت پیدا کرتی ہے اور قوت بادیٔ النظر میں جاذبیت پیدا کرتی ہے، اور یہ قانونِ ربانی اور سنتِ الٰہیہ ہے۔ اور اس ترتیب سے یہ باریک بین دانش ور قرآن کریم کے صرف ایک حرف سے اس طرح کی حکمت سمجھ جاتا ہے اور کہتا ہے: الحمد للہ، حقیقی حکمت ودانائی صرف قرآن میں ہے، آج کے بعد میں فلسفے کو چنداں اہمیت نہ دوں گا۔

اور اسی (لام) سے شاعرانہ قلب وفکر رکھنے والے آدمی کے ذہن میں یہ معنی آتا ہے: بے شک سورج ایک نورانی درخت ہے اور اس کے اردگرد جو سیارے ہیں وہ اسی کے متحرک سیاحی پھل ہیں، چنانچہ سورج دوسرے درختوں کے برخلاف حرکت میں رہتا ہے تاکہ اس کے یہ پھل گر نہ جائیں، اور اگر اس کے برعکس ہو تو تمام پھل گر جائیں گے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ سورج حلقہ ذکر میں ایک مرشد کی حیثیت رکھتا ہے، اس حلقے کے مرکز میں وہ ایک عاشق زار کی طرح اللہ کا والہانہ ذکر کرتا ہے، حتیٰ کہ دوسروں پر اپنے اس والہانہ ذکر کے ساتھ جذب کی کیفیت پیدا کر کے حال طاری کر دیتا ہے۔

Marfat.com

اپنے کسی اور رسالے میں میں نے اِسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے۔

جی ہاں، سورج بار آور ہے، خود حرکت میں رہتا ہے تا کہ اُس کے متحرک سیار پھل گر نہ پڑیں، اگر یہ رُک گیا اور اس کے پھل گر گئے تو جذب و کشش ختم ہو جائے گی، تب اس بے کراں فضا میں قطار در قطار منظم عشاق سقوط وضیاع کے خوف سے چیخ اُٹھیں گے۔

اور مثال کے طور پر ﴿اُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ اس میں سکوت بھی ہے اور اطلاق بھی، کیونکہ اس میں اس بات کا تعین نہیں کیا گیا ہے کہ کون سی فلاح کے ساتھ ہم کنار ہوں گے؟ تا کہ ہر شخص اس سکوت میں اپنا مقصد پالے۔ پس آیت نے کلام کو مختصر کر دیا ہے تا کہ معنی میں وسعت آجائے۔

کیونکہ مخاطبین کی ایک قسم آگ سے بچ جانے کو فلاح سمجھتی ہے، ایک قسم صرف جنت کی فکر میں گھلتی رہتی ہے، ایک قسم ابدی سعادت کی امیدوار ہوتی ہے، ایک قسم صرف رضائے الٰہی کی اُمید لگائے رکھتی ہے اور ایک قسم کی آخری اُمید خدا کی دید ہوتی ہے، وغیرہ۔

پس قرآن نے مختلف مقامات پر کلام کو مطلق رکھا ہے تا کہ معنی عام رہے، اور اس چیز کو محذوف رکھ دیا ہے تا کہ کلام بہت سے معانی عطا کر دے، اور اختصار سے کام لے رہا ہے تا کہ ہر شخص اپنا حصہ پالے۔

کہنا یہ ہے کہ (اَلْمُفْلِحُوْنَ) یہاں اس بات کا تعین نہیں کرتا کہ وہ لوگ کس چیز میں فلاح پائیں گے، گویا کہ آیت اپنی خاموشی کے ساتھ کہہ رہی ہے: اے **مسلمانو!** تمھارے لیے خوشخبری ہے۔ اے **متقی!** تیرے لیے آگ سے نجات ہے۔ اے **صالح عبادت گزار!** تیری کامیابی بہشت میں ہے۔ اے **عارف باللہ!** تو عنقریب اس کی رضا حاصل کر لے گا۔ اے **عاشقِ جمالِ خدا!** تو عنقریب اس کے دیدار سے مشرّف ہوگا، وغیرہ۔

کلام، کلمہ، حروف اور سکوت کے ضمن میں لفظ کی جامعیت کی رُو سے ہم نے قرآن کریم کی ہزاروں مثالوں میں سے صرف ایک مثال پیش کی ہے، پس آیت اور قصے کو ہماری گزشتہ وضاحت پر قیاس کر لو۔

اور مثال کے طور پر ﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ﴾۔ اس آیت کے بہت زیادہ پہلو اور متعدد مراتب ہیں، حتیٰ کہ تمام طبقات کے اَولیاء نے اپنے سلوک و مراتب کے مختلف وسائل میں اس آیت کی ضرورت محسوس کی ہے، چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اس مرتبے کے لائق کہ جس میں وہ ہے، معنوی غذا حاصل کی ہے؛ کیونکہ لفظ جلالت "اللہ" تمام اسمائے حسنیٰ کا جامع اسم ہے، چنانچہ اس میں توحید کی وہ تمام انواع واقسام موجود ہیں جو کہ خود اسمائے حسنیٰ کے اندر پائی جاتی ہیں، یعنی: " لا رازق الا هو، لا خالق الا هو" لَا رَحْمٰنَ اِلَّا هُوَ۔ وغیرہ

اور مثال کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآنی قصص میں سے ایک ہے، اس میں عصائے موسیٰ میں پائے جانے

Marfat.com

والے فوائد کی طرح ہزاروں دروس و عبر پائے جاتے ہیں: اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی اور اطمینان دیا گیا ہے، کفار کو ڈرایا اور دھمکایا گیا ہے، منافقین کی قباحت آشکار کی گئی ہے، یہود کو سرزنش کی گئی ہے۔ اور ان جیسے دیگر مقاصد ملتے ہیں۔ گویا کہ اس قصے کے بہت زیادہ پہلو ہیں، اسی لیے اسے بہت زیادہ سورتوں میں دہرایا گیا ہے۔ اب باوجود اس کے کہ یہ ہر جگہ پر تمام مقاصد ادا کرتا ہے لیکن ان سب میں سے صرف ایک مقصد مقصود بالذات ہے، باقی سب اس کے تابع ہیں۔

اگر تم کہو کہ: ہم یہ بات کیسے سمجھیں کہ سابقہ مثالوں میں جتنے بھی معانی آئے ہیں وہ سب کے سب قرآن کا مقصود ہیں اور قرآن ان کی طرف اشارہ بھی کرتا ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ: قرآن جب ایک ازلی خطاب ہے جس کے ذریعے اللہ سبحانہ وتعالیٰ زمانوں کے پیچھے صفیں باندھے ہوئے طبقاتِ بشریہ کو خطاب کرتا ہے، اور ان سب کی رہنمائی کرتا ہے، تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خود میں متعدد معانی مندرج کرتا ہے تاکہ مختلف ذہنوں کے موافق آجائیں، اور وہ اپنے اس انداز کی نشانیاں بھی بتاتا ہے۔

جی ہاں! "اشارات الاعجاز" نامی کتاب میں ہم نے یہاں پائے جانے والے قرآنی کلمات کے اِن معانی کا اور ان جیسے دیگر معانی کا ذکر کیا ہے، اور اس چیز کا اثبات صرف ونحو کے قواعد، علمِ بیان اور فنِ معانی کے دساتیر اور فنِ بلاغت کے قوانین کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ چیز بھی یاد رکھیں کہ وہ تمام وجوہات و معانی جو کہ علوم عربیہ کے حساب سے صحیح ہیں، اصول دین کے مطابق درست ہیں، فنِ معانی میں قابل قبول ہیں، علم بیان کی رُو سے مناسب ہیں اور علم بلاغت میں مستحسن ہیں، وہ تمام معانی مجتہدین، مفسّرین اور علماءِ اصولِ دین واصولِ فقہ کے اجماع اور ان کے نقطہ ہائے نظر میں اختلاف کی شہادت کی رُو سے درست اور قرآن کے وجوہات و معانی میں سے ہیں۔ اور قرآن کریم نے ان تمام معانی پر ان کے درجات کے حساب سے علامتیں قائم کردی ہیں، اور یہ علامتیں لفظی ہیں یا معنوی، اور معنوی علامتیں یا کلام کا سیاق سباق ہیں اور یا پھر دیگر آیات سے ملتی ہیں جو اس کی طرف اشارہ کررہی ہوتی ہیں۔

بے شک علماءِ محققین کی لکھی ہوئی ایسی لاکھوں تفاسیر جن میں سے بعض بیس، تیس، چالیس، ساٹھ حتیٰ کہ بعض اسّی جلدوں تک جا پہنچی ہیں جو قرآنی لفظ کی جامعیت اور خارقیت پر برہانِ قاطع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ اگر ہم اس مقالے میں ہر اُس علامت کی وضاحت کردیں جو اپنے قاعدے کے مطابق کسی نہ کسی معنی پر دلالت کرتی ہے، تو یہ موضوع بہت لمبا ہوجائے گا، اس لیے ہم یہاں اختصار سے کام لے رہے ہیں اور "اشارات الاعجاز فی مظان الاعجاز" نامی کتاب کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

Marfat.com

## دوسری کرن:

### قرآن کے معانی میں موجود خارقِ عادت جامعیت کے بارے میں ہے

جی ہاں، بے شک قرآن نے اپنے جلیل القدر معانی کے خزانے سے تمام مجتہدین کے مصادر و مآخذ، تمام عارفین کے اذواق، تمام واصلین کے مشارب، تمام کاملین کے مسالک اور تمام محققین کے مذاہب کا فیضان جاری کر دیا ہے، اور اس پر مزید یہ کہ قرآن کریم ہر وقت ان کا رہنما، ہر ترقی میں اور ہر لمحے میں اُن کا مرشد ہے، چنانچہ اُس نے اپنے ختم نہ ہونے والے خزانے سے اُن کے راستوں میں اپنے تابندہ انوار بکھیر دیے ہیں۔ اور یہ بھی کہ وہ سب کے سب اُس کی تصدیق بھی کرتے ہیں اور اس پر اتفاق بھی کرتے ہیں۔

## تیسری کرن:

### قرآن کے علم میں موجود خارقِ عادت جامعیت کے بارے میں ہے

جی ہاں، قرآن کریم نے جس طرح اپنے علوم کے سمندر سے شریعت کے متعدد اور بہتیرے علوم، حقیقت کے متنوع اور وافر علوم اور طریقت کے مختلف اور غیر محدود علوم جاری کیے ہیں، اسی طرح وہ اپنے اس سمندر سے پورے انتظام اور کثرت کے ساتھ دائرۂ الممکنات کی حکمت سے حقیقی حکمت، دائرۂ الوجوب کے علوم سے حقیقی علوم، اور دائرۂ الآخرت کے معارف سے پوشیدہ اور گہرے معارف کا اجراء کر رہا ہے۔

اس کرن کے لیے اگر ہم کوئی مثال دینا چاہیں تو اس کے لیے ایک مکمل کتاب درکار ہوگی! اس لیے سابقہ "پچیس مقالہ جات" میں کی گئی وضاحت ہی کافی ہے۔

جی ہاں، ان "پچیس مقالہ جات" میں پائے جانے والے تمام سچے حقائق قرآنی علوم کے سمندر کے صرف پچیس قطروں کی حیثیت رکھتے ہیں، پس اگر ان میں کوئی کمی کوتاہی نظر آئے تو اس کا تعلق میرے ناقص فہم کے ساتھ ہوگا۔

## چوتھی کرن:

### قرآن کے مباحث میں پائی جانے والی خارقِ عادت جامعیت کے بارے میں ہے

جی ہاں، قرآن کریم نے وہ تمام کلی مباحث اکٹھے کر دیے ہیں جو انسان اور اس کی ذمہ داری، کائنات اور اس کے خالق زمین و آسمان، دنیا و آخرت، ماضی و مستقبل اور ازل و ابد کے ساتھ خاص ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس نے انسان کی نطفے سے تخلیق سے لے کر دخولِ قبر تک، آدابِ اکل و نوم سے لے کر قضا و قدر کے مباحث تک، چھ دنوں میں تخلیقِ عالم سے لے کر ان ہواؤں کے چلنے کے وظائف تک جن کی طرف ﴿وَالْمُرْسَلَاتِ﴾ اور ﴿وَالذّٰرِيَاتِ﴾ میں پائی جانے والی قسم اشارہ کرتی ہے، اور آیات کریمہ ﴿وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ﴾، ﴿يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ قَلْبِهِ﴾

Marfat.com

کے اشارات کی رُو سے اللہ تعالیٰ کے انسان کے قلب وارادے میں مداخلت سے لے کر ﴿وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ﴾ یعنی سارے آسمانوں کے اُس کی مٹھی میں ہونے تک، ﴿وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ﴾ زمین کے پھول کھجور اور انگور سے لے کر اس عجیب حقیقت تک جس کی تعبیر آیت ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ کرتی ہے، آسمان کی حالت ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ﴾ سے لے کر آسمان کے پھٹ جانے اور ستاروں کے بے نور ہو کر فضائے بیکراں میں بکھر جانے تک، دنیا کے بغرضِ امتحان افتتاح سے لے کر امتحان کی انتہا تک، پہلی منزل قبر سے لے کر، برزخ سے لے کر، حشر سے لے کر، پل صراط سے لے کر جنت اور سعادتِ ابدی تک، آدم کی تخلیق اور اس کے دو بچوں کی کشمکش سمیت زمانہء ماضی کے تمام واقعات سے لے کر طوفان تک، قومِ فرعون کی ہلاکت تک اور زیادہ تر انبیاء کے حوادثِ جلیلہ تک، اور ﴿أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ والے ازلی حادثے سے لے کر ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ تک جو کہ ابدیت کا معنیٰ دے رہی ہے، یہ تمام اہم اور اساسی مباحث اکٹھے کر دیے ہیں۔

یہ تمام کے تمام اہم اور اساسی مباحث قرآن میں اُسی طرح ایسے انداز کے ساتھ بیان کیے جا رہے ہیں جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات گرامی کے لائق ہے، جو اس کائنات کو ایسے چلا رہا ہے جیسے کہ یہ ایک محل ہو، جو دنیا و آخرت کو ایسے کھول رہا ہے جیسے کہ یہ دو کمرے ہوں جنہیں وہ کھولتا اور بند کرتا ہے۔ زمین میں ایسے تصرف کرتا ہے جیسے کہ یہ ایک باغیچہ ہو، آسمانوں میں ایسے تصرف کرتا ہے جیسے کہ یہ چراغوں سے مزیّن ایک چھت ہو، ماضی اور مستقبل پر بیک وقت ایسے اطلاع رکھتا ہے جیسے کہ وہ اس کے سامنے رات اور دن کی طرح دو صفحے ہوں، ازل اور ابد، کل اور آج کی طرح اُس کے مشاہدے میں ہیں، ان دونوں کا ایسے مشاہدہ کر رہا ہے جیسے زمانہء حاضر ہو جس میں شئونِ الٰہیہ کے سلسلے کی دونوں اطراف ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ تو جس طرح ایک صانع یا کاریگر اپنی بنائی ہوئی دو عمارتوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا ہے، اُس کے نظم وضبط کو نگاہ میں رکھتا ہے اور اُن سے متعلقہ کاموں کو اپنے کام کاج کا صفحہ اور نظام کی فہرستیں بناتا ہے، اِسی طرح قرآن کریم کلامِ مبین ہے، اُس ذات کے لائق ہے جس نے یہ کائنات پیدا کی ہے اور اِسے چلا رہا ہے، اور جس نے اس کے کام کاج کا صفحہ اور اس کے تمام پروگراموں کی فہرستیں لکھی ہیں_ اگر یہ تعبیر جائز ہو تو_ اور انہیں آشکار کیا ہے، چنانچہ اس میں کسی بھی جہت سے کسی بھی قسم کے تصنّع یا تکلّف کے کوئی آثار نظر نہیں آتے ہیں، اِسی طرح اس میں کسی بھی شخص کے کلام کی تقلید یا نقل یا خود کو اپنے اصل مقام ومرتبے کے علاوہ کسی اور کے مقام ومرتبے میں فرض کرنے اور اس جیسی دوسری فریب کاری کا شائبہ تک بھی نظر نہیں آتا ہے، چنانچہ یہ اپنی تمام تر سنجیدگی، صفائی ستھرائی اور تمام تر خلوص کے ساتھ بالکل صاف شفاف، چمکدار اور تابندہ ودرخشندہ ہے، بالکل ایسے کہ جیسے سورج کی روشنی کہتی ہے کہ: میں سورج سے پھوٹی ہوں۔ قرآن کریم بھی اسی طرح یہ کہتا ہے کہ: ''میں ربّ العالمین کا کلام اور اُس کا بیان ہوں''

Marfat.com

جی ہاں، جس نے اِس دنیا کو خوبصورت بنایا اور اسے اپنی قیمتی مصنوعات کے ساتھ مزیّن کیا ہے، اسے اپنی مزیدار نعمتوں سے بھر دیا ہے اور سطحِ زمین پر اپنی عجیب وغریب مخلوقات اور اپنی قیمتی نعمتیں مکمل جدت طرازی، انوکھے پن، حسن و جمال اور تنظیم وتنسیق کے ساتھ بکھیر دی ہیں، ایسے صانع اور منعم کے علاوہ کون اس لائق ہے کہ اس سے ایسا بیان صادر ہو، قرآنِ کریم کا بیان جس نے تمام دنیا کو قدر دانی، تعظیم، استحسان، پسندیدگی اور حمد وشکر سے پُر کر دیا ہے، حتی کہ اُس نے اِسے ایک خانقاہ بنا دیا ہے جس میں ذکر وتہلیل کی صدائیں گونجتی ہیں، اور اُسے ایک مسجد بنا دیا ہے جس میں اللہ کا نام بلند ہوتا ہے اور اُسے ایک نمائش گاہ بنا دیا ہے جس میں صنعتِ اِلٰہیہ کے نادرِ روزگار نمونوں کی نمائش ہوتی ہے؟

اور اس کے علاوہ اور کون ہوسکتا ہے جس سے ایسی کلام کا صدور ہو؟ اور ایسا دعوی کر بھی کون سکتا ہے؟

کیا وہ روشنی جس نے ساری دنیا کو تابانیوں سے بھر دیا ہے اس کا سورج کے علاوہ کسی اور طرف سے ہونا ممکن ہے ؟اور قرآن کا وہ بیان جس نے کائنات کے معمے کا انکشاف کر کے اسے روشن تر کر دیا ہے، زمین وآسمان کی تخلیق کنندہ کے نور کے علاوہ اور کس کا نور ہوسکتا ہے؟ پس اس کی تقلید کون کرسکتا ہے اور اس کی مثیل ونظیر کون لاسکتا ہے؟

وہ صانع جس نے اپنی نادرِ روزگار صنعت کے ساتھ اس دنیا کو مزین کیا ہے، ناممکن ہے کہ وہ اپنی صنعت گریوں اور ندرت خیزیوں کے سامنے مغلوب وحیرت زدہ انسان کے ساتھ کلام نہ کرے۔ اگر وہ کام کرتا اور جانتا ہے تو پھر کلام بھی لازماً کرتا ہے، اور اگر وہ کلام کرتا ہے تو اس کے کلام کے لائق صرف قرآن ہی ہوسکتا ہے۔ پس وہ مالکُ الملک جو ایک پھول کے نظم وضبط کا اہتمام کرتا ہے، وہ ایسے کلام کی پرواہ کیونکر نہیں کرے گا جس نے اُس کی بادشاہی کو ذکر وتہلیل کی جاذبیت میں تبدیل کر دیا ہے؟ اور کیا وہ ایسے کلام کو کسی اور کی ملکیت میں دے کر اس کی قدر ومنزلت میں کمی کرے گا اور اُسے بالکل ہی نابود کر دے گا؟

## پانچویں کرن:

### قرآن کے اسلوب اور ایجاز میں پائی جانے والی خارقِ عادت جامعیت کے بارے میں ہے

اس کرن میں پانچ روشنیاں ہیں۔

## پہلی روشنی:

قرآن کے اسلوب میں عجیب قسم کی جامعیت ہے۔ حتی کہ صرف ایک سورت بھی قرآن کے اس سمندر کو دامن میں لیے ہوئے ہوتی ہے جس نے تمام کائنات کو اپنے دونوں پہلوؤں میں سمیٹ رکھا ہے، اور صرف ایک آیت ہی اس سورت کے تمام خزانے اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہوتی ہے۔ اکثر آیتوں میں سے ہر ایک آیت ایک چھوٹی سی سورت کی

Marfat.com

طرح ہے اور اکثر سورتوں میں سے ہر سورت ایک چھوٹا سا قرآن ہے۔ پس اس اعجاز بداماں ایجاز سے رہنمائی کا لطفِ عظیم اور خوبصورت سہولت ظہور میں آتی ہے؛ کیونکہ ہر انسان کو_ علی الرغم اس کے کہ وہ ہمہ وقت قرآن کی تلاوت کا محتاج ہے_ کبھی تلاوت کا وقت نہیں ملتا ہے، وجہ اُس کی نا سمجھی، کم فہمی یا کوئی اور بھی ہو سکتی ہے، اس لیے ہر سورت ایک چھوٹے سے قرآن کا حکم رکھتی ہے بلکہ ہر طویل آیت ایک چھوٹی سی سورت کا مقام رکھتی ہے، تا کہ کوئی بھی قرآن سے محروم نہ ہو۔ حتی کہ اہل کشف اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن فاتحہ میں ہے اور فاتحہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے۔ رہی اس بات کی دلیل، تو وہ محقق علماء کا اجماع ہے۔

## دوسری روشنی:

بے شک قرآنی آیات اپنی دلالات اور اپنے اشارات کے ذریعے کلام کی تمام انواع و اقسام، حقیقی معارف اور بشری حاجات و ضروریات اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہیں، جیسے امر و نہی، وعدو عید، ترغیب و ترہیب، زجر وارشاد، قصص و امثال، اَحکام و معارف الٰہیہ، علوم کونیہ، انفرادی، اجتماعی، قلبی، معنوی اور اخروی زندگی کے قوانین و شروط۔ حتی کہ اس پر وہ مثل صادق آتی ہے جو اہل حقیقت کے ہاں رائج ہے، یعنی "خُذْ مَا شِئْتَ لِمَا شِئْتَ"، یعنی قرآن سے جو چاہو اور جس چیز کے لیے چاہو لے لو۔ مطلب یہ ہے کہ قرآنی آیات میں ایسی جامعیت پائی جاتی ہے جس سے قرآن کریم ہر بیماری کی دوا اور ہر ضرورت کی غذا بن سکتا ہے۔

جی ہاں، ایسے ہی ہونا چاہیے؛ کیونکہ اہلِ کمال کے تمام طبقات جو کہ ہمیشہ ترقی کی منزلیں طے کرتے رہتے ہیں اُن تمام طبقات کے_ جو مطلق اور کامل مرشد یعنی قرآن کریم کو_ ایسی ہی صفات کا حامل ہونا چاہیے۔

## تیسری روشنی:

قرآن کا معجزانہ ایجاز۔ چنانچہ کبھی قرآن کسی لطیف سلسلے کی ابتدا و انتہا ایسے لطیف پیرائے میں کرتا ہے کہ جس سے وہ سلسلہ تمام کا تمام آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے، اور کبھی کسی دعوے کی صرف ایک ہی کلمے میں صراحت، اشارت اور رمز و ایماء کی صورت میں بہت سی براہین درج کر دیتا ہے، مثال کے طور پر:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ﴾ (حاشیہ:۱)

یہ آیتِ کریمہ تخلیق کائنات کے سلسلے کی ابتدا و انتہا کا تذکرہ کر رہی ہے، اور وہ توحید کی آیات اور اس کے دلائل کا سلسلہ ہے، پھر یہ آیت قاری کو پہلے سلسلے کی پڑھائی میں لگا کر دوسرے سلسلے کی وضاحت میں لگ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ: عالمِ کون و مکاں میں صانع الحکیم کی ذات پر گواہی دینے والا سب سے پہلا صحیفہ خلقُ السماوات والارض، پھر

(حاشیہ:۱) الروم:22

Marfat.com

آسمانوں کی ستاروں سے آراستگی و پیراستگی اور زمین میں ذی حیات مخلوق کی آبادکاری ہی ہے، پھر سورج اور چاند کی تسخیر سے موسموں کی تبدیلی ہے، پھر لیل ونہار کے اختلاف اور ان کے ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے جانے میں ربانی معاملات کا سلسلہ ہے۔اور یہ آیت بتدریج چلتی ہوئی صورتوں اور آوازوں کی خصوصیات، اِن کے اُن امتیازات وتشخصات تک پہنچ جاتی ہے جو کہ اُن جگہوں کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں کثرت زیادہ مقدار میں منتشر ہے۔

پس جب ایک عجیب وغریب، اَچھوتا، پُر حکمت اور محیّرُ العقول انتظام موجود ہے، اور صانع الحکیم کے قلم کا عمل اکثر جگہوں میں بظاہر ایسے نظر آتا ہے کہ کسی بھی نظم وضبط سے بہت دور اور اتفاقات کی انتہائی زیادہ زد میں ہے۔اور وہ جگہیں ہیں انسانی چہروں کے خدوخال اور نوع انسان کے مختلف رنگ۔تو پھر یہ بات ضروری ہے کہ دیگر صحائف جن کا نظام بالکل ظاہر ہے بذات خود سمجھ میں آجائیں گے اور اپنے بدیع اور حیرت انگیز مصور کی ذات پر دلالت کریں گے۔

پھر چونکہ ابداع اور حکمت کے آثار زمین وآسمان اور اُس زمین کی تخلیق کی اصل میں نظر آرہے ہیں جس زمین کو اُس صانع الحکیم نے اس کون ومکاں کا بنیادی پتھر قرار دیا ہے، اس لیے کہ حکمت کا نقش اور ابداع کا اثر کون ومکاں کے تمام اجزاء میں بالکل واضح نظر آرہا ہے۔

پس اِس آیت نے خفی کے اظہار اور ظاہر کے اخفا کے باب میں ایک لطیف ترین ایجاز اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے، چنانچہ اس نے اس ضمن میں ایجاز اور اجمال سے کام لیا ہے۔حق بات ہے کہ براہین کا وہ سلسلہ جو﴿فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِينَ تُمْسُونَ﴾ سے لے کر﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾تک چلا ہے اور جو''ومن آیاتہ۔ومن آیاتہ'' کے الفاظ میں چھ مرتبہ دہرایا گیا ہے، بے شک وہ جواہر کا سلسلہ ہے۔نور کا سلسلہ ہے، اِعجاز کا سلسلہ ہے، اعجاز بھرے ایجاز کا سلسلہ ہے، دل تمنا کرتا ہے کہ کاش ان خزانوں میں پوشیدہ جواہر آشکار کردوں، لیکن کیا کروں یہ مقام اس کا متحمل نہیں ہے، اس لیے میں یہ دروازہ نہیں کھولوں گا اور اُسے کسی اور وقت پر اٹھا رکھتا ہوں جب اللہ چاہے گا کھول دیا جائے گا۔

اور مثال کے طور پر:﴿فَأَرْسِلُونِ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ﴾(حاشیہ:۱) اب یہاں (فارسلون) اور (یوسف) کے درمیان یہ عبارت پوشیدہ ہے:''الی یوسف لاستعبر منه الرؤیا، فارسلوه، فذهب الی السجن وقال''۔ مطلب یہ ہے کہ اُس نے پانچ جملوں کو ایک جملے میں مختصر کر دیا ہے، بغیر اس کے کہ یہ ایجاز آیت کی وضاحت میں دخل انداز ہو سکے یا اُس کے سمجھنے میں کوئی اشکال پیدا کرے۔

**اور مثال کے طور پر فرمانِ گرامی:**﴿الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا﴾(حاشیہ:۲)

---

(حاشیہ:۱) یوسف 46,45

(حاشیہ:۲) یٰس:80

Marfat.com

اُس گنہگار انسان کے ردّ میں جو یہ کہہ کر خالق کو ایک طرح کا چیلنج کرتا ہے کہ: ﴿مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾ (حاشیہ:۱)

قرآن کہتا ہے: وہ ذات جس نے ابتدا میں پیدا کیا ہے وہی عنقریب اسے زندہ کرے گی؛ کیونکہ وہ خالق ہر چیز کا ہر حالت اور ہر کیفیت میں علم رکھتا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جس نے تمہارے لیے ہرے بھرے درخت سے آگ نکالی ہے وہ بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

پس یہ کلام زندہ کرنے کے دعوے کو متعدد جہتوں سے ثابت کرتا ہے، اولاً وہ اس طرح کہ سلسلہ کلام کا آغاز احسانات کے اُس سلسلے سے ہوتا جو اللہ تعالیٰ نے انسان پر کئے ہیں اور وہ اُسے ان کی یاد دہانی کراتا ہے اور اس کا شعور بیدار کرتا ہے، لیکن یہ ہے کہ اُس نے کلام میں اختصار کو ملحوظ رکھا ہے کیونکہ تفصیلی کلام وہ دیگر آیات میں کر چکا ہے۔ اور کلام کو وہ عقل کے اعتماد پر مختصر کرتا ہے۔ اور اختصار سے کام اس لیے بھی لیا ہے کہ اُس نے کلام کو عقل کے حوالے کر دیا ہے۔ یعنی وہ ذات جس نے تمہیں سبز درخت سے پھل اور آگ عطا کی ہے، اور جڑی بوٹیوں سے رزق اور دانے عطا کئے ہیں، اور مٹی سے دانے اور نباتات عطا کی ہیں، اُس نے تمہارے لیے اس زمین کو ایک گہوارہ بنا دیا ہے، اُس میں تمہارا ہر قسم کا رزق ہے۔ اور کائنات کو ایک محل بنا دیا ہے جس میں تمہارے تمام لوازمِ حیات رکھ دیے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ تمہیں بے کار چھوڑ دے اور تم اس سے بھاگ جاؤ اور اُس کی نگاہوں سے دور کہیں عدم میں چھپ جاؤ؟

پس یہ ممکن نہیں ہے کہ تم بے کار ہو کر قبر میں داخل ہو جاؤ۔ اور وہاں آرام سے سو جاؤ، اور وہاں نہ تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے اور نہ تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے! پھر وہ اس دعوے کی ایک دلیل کی طرف اشارہ کرتا ہے اور رمز کے انداز میں (الشجر الأخضر) کے لفظ کے ساتھ کہتا ہے:

اے حشر کے منکر! درختوں کی طرف دیکھ! کہ جو سردی کے موسم میں مر کر ہڈیوں جیسے ہو چکے، وہ ایسے بے حدّ وحساب درختوں کو بہار کے موسم میں زندہ اور سرسبز کر دیتا ہے۔ بلکہ وہ ہر درخت میں حشر کے تین نمونے آشکار کرتا ہے، پتوں میں، پھولوں میں اور پھلوں میں۔ ایسے صاحبِ قدرت کی قدرت کو انکار کر کے اور حشر کو اُس سے بعید سمجھ کر اُسے چیلنج نہیں کیا جا سکتا ہے۔

پھر ایک اور دلیل کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے: بے شک وہ جس نے تمہارے لیے آگ نکالی ہے، آگ جو کہ ایک خفیف نورانی مادہ ہے، اس مادے کو اُس نے ایک کثیف ثقیل اور تاریک درخت سے نکالا ہے، تُم اُس سے اِس بات کو بعید کیوں سمجھتے ہو کہ وہ لکڑی جیسی ہڈیوں کو نُور جیسا شعور اور نار جیسی لطیف زندگی عطا کر سکے؟

پھر ایک اور دلیل صراحتاً بیان کرتا ہے اور کہتا ہے: بے شک وہ جو بدوؤں کے ہاں ایک مشہور درخت سے دو ڈالیوں کو

(حاشیہ:۱) یٰس:78

Marfat.com

ایک ساتھ رگڑنے سے آگ پیدا کرتا ہے اور رطوبت اور حرارت دو متضاد صفتوں کو ایک جگہ اکٹھا کرتا ہے اور ان میں سے ایک کو دوسری کا سرچشمہ بناتا ہے، وہ ہماری اس چیز کی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ہر چیز، حتی کہ عناصرِ اصلیہ اور طبائع اصلیہ صرف اُسی کی قوّت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں؛ اور اُسی کا حکم مانتے ہیں، اور ان میں سے کوئی چیز بھی بذات خود یا بے سود حرکت نہیں کرتی ہے۔ تو اِس طرح کے عظیم الشان خالق سے انسان کو مٹی کے اندر سے دوبارہ زندہ کرنا بعید نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔ جبکہ اُس نے اُسے مٹی سے پیدا کیا ہے اور وہ اُس کو اُسی کی طرف لوٹائے گا۔ چنانچہ اُسے نافرمانی کا چیلنج بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

پھر اِس کے بعد (الشجر الأخضر) کے لفظ سے وہ موسیٰ علیہ السلام کے مشہور درخت کی یاد دلاتا ہے اور اس طرح وہ انبیاء کے اتفاق کی طرف ایک لطیف اشارہ کرتا ہے کہ یہ دعوائے محمد ﷺ جو ہے بعینہ وہی دعویٰ ہے جو موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ اور اِس سے اُس لفظ کے ایجاز کے حسن ولطافت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

## چوتھی روشنی:

قرآن کا ایجاز جامع اور معجز ہے پس اگر اس میں گہری نظر ڈالی جائے تو یہ بات بڑی واضح نظر آئے گی کہ قرآن کریم نے ایک جزوی مثال اور خصوصی واقعے میں وسیع کُلی دساتیر اور طویل عمومی قوانین بیان کر دیے ہیں، گویا کہ اُس نے کوزے میں سمندر بند کر دیا ہے۔

اِس ضمن میں ہم ہزاروں میں سے صرف دو مثالوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

## پہلی مثال:

اس بارے میں وہ تین آیتیں ہیں جن کی شرح ''بیسویں مقالے کے پہلے مقام'' میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے: اور وہ یہ ہے:

آدم علیہ السلام کو جو تمام اُسماء کی تعلیم دی ہے اُس سے یہ آیت آدم کو الہام کیے جانے والے تمام علوم وفنون کے بارے میں بتاتی ہے۔

اور فرشتوں کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے اور شیطان کے سجدہ نہ کرنے سے آیت کریمہ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ: اکثر موجوداتِ عالم۔ مچھلی سے فرشتے تک۔ بنی آدم کے لیے مسخّر ہیں، جیسے کہ نقصان دہ مخلوقات۔ سانپ سے شیطان تک۔ انسان کی ماتحتی میں نہیں آتی ہیں بلکہ اس کے ساتھ دشمنی رکھتی ہیں۔

اور قوم موسیٰ علیہ السلام کے گائے کو ذبح کرنے والے واقعے سے یہ آیتِ کریمہ یہ مفہوم دیتی ہے کہ: گائے کی پرستش کی سوچ موسیٰ علیہ السلام کی چھری سے ذبح ہو چکی ہے، وہ سوچ جو کہ مصر میں اتنی زیادہ رائج تھی کہ اس کی بچھڑے

Marfat.com

والے اس واقعے میں براہِ راست تاثیر تھی۔

اور پتھر سے پانی کے پھوٹ پڑنے اور چٹانوں کے ریزہ ریزہ ہوجانے اور ان میں سے پانی کے بہہ پڑنے سے آیت کریمہ یہ اشارہ کرتی ہے کہ: مٹی کے نیچے جو چٹانوں کا طبقہ ہے وہ پانی کے خزانوں پر مشتمل ہے، وہ مٹی کو وہ چیز مہیا کرتا ہے جو اس میں زندگی کی روح پھونک دیتی ہے۔

## دوسری مثال:

موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن کریم میں جابجا تکرار کے ساتھ بیان ہوا ہے، اور ہر جگہ اُس کے ہر جملے میں اور ہر جملے کے ہر جزء میں کسی نہ کسی کُلی دستور کے کسی نہ کسی پہلو کا اظہار ہے، اور وہ اُس دستور کی تعبیر کرتا ہے۔

اُن میں سے ایک آیت کریمہ ﴿یَا ھَامَانُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا﴾ (حاشیہ:۱) ہے، فرعون اپنے وزیر کو حکم دیتا ہے: میرے لیے ایک بلند و بالا بُرج تعمیر کر دو تا کہ میں آسمانوں کے حالات کا جائزہ لوں اور دیکھوں کہ کیا وہاں کوئی معبود پایا جاتا ہے جو وہاں کے معاملات چلاتا ہے جیسے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کا دعویٰ ہے؟ اب آیتِ کریمہ (صرحا) کے لفظ کے ساتھ ایک جزوی حادثے کے ذریعے ایک عجیب و غریب دستور اور رواج کی وضاحت کر رہی ہے جو فراعینِ مصر کی نسل میں چلا آرہا تھا جو پہاڑوں سے خالی صحراء میں رہتے تھے اور پہاڑوں سے محروم ہونے کی وجہ سے وہ انہیں پسند کرتے تھے، جنہوں نے خالق کا انکار کر کے اور نیچر پر ایمان رکھنے کی بنا پر ربوبیت کا دعویٰ کیا تھا اور اپنے جبر و عصیان کے بل پر اپنے نام کو دوام دیا تھا، چنانچہ اُنہوں نے وہ مشہور اہرام تعمیر کیے جو کہ اُونچے پہاڑ معلوم ہوتے ہیں، یہ سب اُنہوں نے اس لیے کیا کہ ان کی وجہ سے مشہور ہوسکیں، اور اُنہوں نے اپنی لاشوں کو حنوط کر کے اُن اونچی اونچی قبروں میں محفوظ رکھا، کیونکہ وہ تناسخِ ارواح اور جادو پر اعتقاد رکھتے تھے۔

اور ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ﴾ (حاشیہ:۲) ، اس میں خطاب کا رُخ اُس فرعون کی طرف ہے جو غرق ہوا تھا۔ اور عین اُسی وقت میں آیتِ کریمہ یہ بیان کر رہی ہے کہ: فرعونوں نے اپنی زندگی میں جو دستور بنایا ہوا تھا وہ موت کی یاد دلاتا ہے اور عبرتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور وہ دستور یہ ہے کہ وہ اپنے مردوں کے اجسام کو حنوط کر کے ماضی سے مستقبل میں آنے والی نسلوں کے لیے منتقل کر لیتے تھے تا کہ تناسخِ ارواح پر اپنے اعتقاد کے مطابق ان اجسام کو اپنے سامنے رکھ سکیں۔ مزید یہ کہ یہ آیتِ کریمہ معجزانہ اُسلوب کے ساتھ یہ غیبی اشارہ دیتی ہے کہ: اُس کے بدن کو زمانے کے سمندر سے اُچھال کر اعصار و ادوار کی موجوں کے اُوپر سے گزار کر عصرِ حاضر کے ساحل پر پھینک دیا

---

(حاشیہ:۱) غافر:36

(حاشیہ:۲) یونس:92

Marfat.com

جائے گا۔ اور یہ کہ وہ لاش جو اِس دور میں برآمد ہوئی ہے وہ بالکل اُسی فرعون کی ہے جو غرق ہوا تھا۔ اُسے اُسی سمندر کے ساحل پر پھینک دیا گیا ہے جس میں وہ غرق ہوا تھا۔

اوران میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

﴿یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَ کُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَاءَ کُمْ﴾ (حاشیہ:۱) عہد فرعون میں بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کیا جاتا تھا اور اُن کی عورتوں اور بیٹیوں کو زندہ رکھا جاتا تھا، قرآن کریم اس واقعے کے ذریعے ایک تو اُس قتلِ عام کو بیان کررہا ہے جس کا شکار یہودی اکثر علاقوں میں اور ہر دور میں ہوتے رہے ہیں، اور دوسرے اُس اہم کردار کو بھی بیان کررہا ہے جو اُن کی عورتیں اور اُن کی بیٹیاں نوعِ انسانی کی ناسمجھی اور اخلاقی گراوٹ کے دور میں ادا کرتی رہی ہیں۔

اوران میں سے ایک آیت یہ ہے:

﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ﴾ (حاشیہ:۲)

﴿وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (حاشیہ:۳)

﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ (حاشیہ:۴)

﴿وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ﴾ (حاشیہ:۵)

﴿وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾ (حاشیہ:۶)

یہ دو حکم _ حرص وفساد _ جن کا یہودیوں کے بارے میں فیصلہ کیا گیا ہے، اِن دو عام اور اہم دستوروں پر مشتمل ہیں جن پر وہ قوم مکروفریب اور حیلہ سازی کے ساتھ انسانی معاشرے کی زندگی میں عمل پیرا تھی۔ تو آیت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ: یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے انسان کی اجتماعی زندگی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور مزدوروں کو دولتمندوں کے خلاف بھڑکا کر فقراء واغنیاء کے درمیان آگ بھڑکا رکھی تھی۔ اور یہی لوگ دوگنا چوگنا سود کھانے کی وجہ سے بینکوں کی تاسیس کا سبب بنے تھے۔ اور ان لوگوں نے ہر پست سے پست وسیلے اور مکروفریب کے ذریعے زیادہ سے زیادہ مال جمع کیا تھا۔ اور یہ بھی کہ یہ لوگ وہی ہیں جو کہ غالب قوموں سے اور ان حکومتوں سے انتقام لینے کے لیے جن کی طرف سے یہ محرومیوں سے اور مختلف سزاؤں سے دوچار ہوئے، یہ لوگ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہر تخریب کار تحریک میں شامل ہوئے اور ہر بغاوت کے دست وبازو رہے۔ اوران میں سے ایک یہ آیت ہے: ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ﴾ (حاشیہ:۷)

---

(حاشیہ:۱) البقرہ:49 (حاشیہ:۲) البقرہ:96 (حاشیہ:۳) المائدۃ:62

(حاشیہ:۴) المائدۃ:64 (حاشیہ:۵) الاسراء:4 (حاشیہ:۶) البقرۃ:60

(حاشیہ:۷) البقرہ:94-95

Marfat.com

یہ آیت نبی ﷺ کی چھوٹی سی مجلس میں پیش آنے والے ایک جزوی واقعے کے عنوان سے بتا رہی ہے کہ یہودی جو کہ زندگی کے سب سے زیادہ حریص اور موت سے سب سے زیادہ خوف زدہ ہیں، یہ لوگ قیامت تک کبھی بھی موت کی تمنا نہیں کر سکتے اور نہ ہی زندگی کی حرص سے دستبردار ہو سکتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ (حاشیہ:۱)

یہ آیت کریمہ اِس عنوان کے ذریعے عمومی صورت میں یہودیوں کو پیش آنے والے حالات کی وضاحت کر رہی ہے اور یہ کہ حرص و فساد چونکہ اُن کی فطرتوں میں گھر کر چکے اور ان کی طبیعتوں پر غالب آ چکے ہیں اس لیے قرآن کریم اپنی گفتگو میں اُن پر سختی برت رہا ہے اور انہیں زندگی کے آداب سکھانے کے لیے شدید ڈانٹ ڈپٹ سے کام لے رہا ہے۔ اب ان مثالوں کی روشنی میں موسیٰ علیہ لسلام کا قِصہ اور بنی اسرائیل کو پیش آنے والے حالات و واقعات کو تم خود قیاس کر سکتے ہو۔

مختصر یہ کہ قرآن کریم کے سادہ سادہ الفاظ اور جزوی مباحث کے پیچھے اس چوتھی روشنی میں پائی جانے والی اعجاز کی کرنوں جیسی بہت سی کرنیں ہیں اور عقلمند کو اشارہ ہی کافی ہے۔

## پانچویں روشنی:

قرآن کے مقاصد اور مسائل، معانی اور اَسالیب، لطائف اور محاسن میں پائی جانے والی خارقِ عادت جامعیت کے بارے میں ہے۔ جی ہاں! جب قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں میں اور خاص کر سورتوں کے آغاز، آیتوں کے مبادی و مقاطع میں ذرا غور سے دیکھا جائے تو یہ چیز اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ:

قرآنِ معجز بیان نے بلاغت کی تمام انواع، فضائل کلام کی تمام اقسام، اَسالیب عالیہ کی جمیع اَصناف، محاسنِ اخلاق کی تمام صورتیں، کائناتی علوم کے تمام خلاصہ جات، معارفِ اِلٰہیہ کی تمام فہرستیں، انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے فائدہ مند تمام دساتیر اور حکمتِ کون و مکان کے تمام بلند پایہ نورانی قوانین کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔ اور ان تمام چیزوں کو اپنے دامن میں رکھتے ہوئے بھی اُس پر ترکیب یا معنی میں اختلاط یا عدمِ استقامت کے کسی بھی طرح کے کوئی آثار نظر نہیں آتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اِن بہت سی مختلف اور تمام اجناس کو ایک جگہ پر اس طرح اکٹھا کر دینا کہ اس سے کسی نظام میں خلل اور اختلاط یا تشویش پیدا نہ ہو، یہ صرف ایک قاہرانہ اعجاز کے حامل نظام کی شان ہی ہو سکتی ہے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عادی اور معمول کی چیزوں کا پردہ چاک کر دینا_ جو کہ جہلِ مرکب کا سرچشمہ ہیں_ اور اس پردے کے نیچے چھپی ہوئی خارقِ عادات اور غیر معمولی چیزوں کو باہر نکال کر انہیں سرِ عام جلوہ گر بنا دینا، اور ہیرے جیسے

(حاشیہ:۲) البقرۃ:61

Marfat.com

ٹھوس دلائل و براہین کی تلوار کے ساتھ نیچر کے طاغوت کو پاش پاش کر دینا_ جو کہ گمراہی کا سرچشمہ ہے_ اور خوابِ غفلت کے کثیف پردوں کو رعد جیسی چنگھاڑ سے تتر بتر کر دینا، اور کون و مکاں کے اس سربند طلسم اور دنیا کے عجیب و غریب معمّے کا حل سُجھا دینا جس نے بشری فلسفے اور انسانی حکمت کو عاجز کر دیا ہے۔ یہ کام صرف اس قرآنِ معجز بیان کا ہی ہوسکتا ہے جو کہ حقیقت کا ادراک اور غیب پر اطلاع رکھتا ہے اور جو ہدایت عطا کرتا اور حق کا اظہار کرتا ہے۔

جی ہاں، اگر قرآن کریم کی آیات میں نظرِ انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس بات کا مشاہدہ صاف طور پر ہو جاتا ہے کہ یہ کسی مسلسل تدریجی فکر کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی ہیں جو کہ ایک یا دو مقاصد کے درپے رہتا ہے جیسے کہ عام کتابوں کا حال ہے، بلکہ آیاتِ قرانی القاء کی جاتی ہیں اور یکبارگی اور آناً فاناً جیسی حالت کی مالک ہیں۔ اور ان کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ ان کا ہر مجموعہ جو ایک وقت میں اکٹھا آتا ہے وہ مستقل حقیقت میں آتا ہے، مختصر حالت میں ہوتا ہے، اور انتہائی اہمیت اور سنجیدگی کا حامل ہوتا ہے۔

جی ہاں، ربُّ العالمین کے علاوہ اور کون ہے جو کائنات اور خالقِ کائنات کے ساتھ مضبوط تعلق رکھنے والے اِس کلام کو اس سنجیدہ صورت میں جاری کرسکتا ہو؟ اور اُس کے علاوہ اور کون ہے جو اپنی اس حد سے آگے بڑھے جس کی کوئی حد نہیں ہے اور اپنی خواہش کے مطابق خالق ذوالجلال اور کون و مکاں کے نام سے اِس طرح کا صحیح اور درست کلام کرے؟

جی ہاں؛ قرآن کریم کے بارے میں یہ بات بالکل واضح اور واشگاف ہے کہ وہ ربُّ العالمین کا کلام ہے، ایسا درست، سنجیدہ، حق، بلند و بالا، حقیقی اور خالص کلام کہ جس پر کوئی بھی ایسی علامت نہیں جو تقلیدی روش کی طرف اشارہ کرتی ہو۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مسیلمہ کذاب جیسا کوئی آدمی سامنے آیا اور اُس نے اپنی حدود فراموشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے خالق ذی العزت والجبروت کے کلام کی نقل اُتار لی اور اپنی خواہش کے مطابق بات کرتے ہوئے اس نے خود کو کائنات کے بارے میں بات کرنے والا منوالیا، تو یاد رکھو کہ اُس میں تقلید، تصنع، دھوکہ دہی اور تکلّف کی ہزاروں علامتیں ہوں گی جو سب کے سامنے آجائیں گی؛ کیونکہ جو بھی اپنی پست حالت کو بھول کر خود کو بہت بڑا دکھلانے کی کوشش کرے گا، بلاشک اس کی ہر حالت تقلید اور تصنع پر دلالت کرے گی۔

پس اُس حقیقت کو غور سے دیکھو جس کا اعلان یہ قسم کر رہی ہے: ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۞ مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَاغَوٰى ۞ وَمَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوحٰى﴾ (حاشیہ:۱)

## تیسری شعاع:

قرآن معجز بیان کا وہ اعجاز جو کہ اُس کے غیب کی خبریں دینے، اس کے جاوداں و ہر دم جواں رہنے اور اُس کے ہر

---

(۱) النجم: 1-4

Marfat.com

طبقۂ انسانی کے مطابق ہونے کی جہت سے جنم لیتا ہے۔ اِس شعاع کی تین جلوہ گریاں ہیں:

## پہلا جلوہ:

اس کا غیب کے بارے میں خبریں دینا۔ اِس کی تین چمکیں ہیں۔

**پہلی چمک:** اس کا ماضی کے بارے میں غیبی خبریں دینا۔

قرآن حکیم بالاتفاق ایک ایماندار اُمّی کی زبان کے واسطے سے آیا ہے جو کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اُس بہترین صدی تک کی خبریں دیتا ہے جس میں وہ نازل ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ دیگر انبیاء کے اہم حالات و واقعات پر بھی روشنی ڈالتا چلا جاتا ہے۔ اور وہ جو حالات و واقعات ذکر کرتا ہے انتہائی قوت، تحقیق اور تورات، انجیل جیسی سابقہ کتابوں کی تصدیق کے ساتھ کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا بیان سابقہ کتابوں کے متفق علیہ بیانات کے مطابق ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ حقیقتِ واقعہ کی تصحیح بھی کرتا ہے اور مختلف فیہ مباحث کی تفصیلات بھی مہیا کر دیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی نظر وہ نظر ہے جو غیب کی پوری پوری اطلاع رکھتی ہے اور ماضی کے حالات و واقعات کے بارے میں ان تمام کتابوں سے بہتر اور زیادہ جانتی ہے، اس طرح کہ وہ متفقٌ علیہا مسائل میں ان کتابوں کی تصدیق کرتی اور انہیں درست قرار دیتی ہے، اور مختلف فیہا مباحث کی تفصیلات بتاتی اور ان کی تصحیح کرتی ہے۔ یہ چیز بھی یاد رہے کہ قرآن کریم کی وہ خبریں جن کا تعلق ماضی کے احوال و واقعات کے ساتھ ہے وہ صرف عقلی معاملات ہی نہیں ہیں کہ ان کے بارے میں عقل کے ذریعے گفتگو کی جائے، بلکہ وہ ایک نقلی معاملہ ہے جو کہ سماع پر موقوف ہے۔ اور نقل کا تعلق بالخصوص اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پڑھنا لکھنا جانتے ہوں۔ اور اس بات پر دوستوں دشمنوں سب کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم ایک ایسے شخص پر نازل ہوا ہے جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا، اُمّی تھا لیکن امانت داری میں مشہور تھا۔ اور پھر قرآن جب ماضی کے ان واقعات کے بارے میں بتاتا ہے تو اس طرح سے بتاتا ہے کہ جیسے وہ ان تمام واقعات کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر رہا ہو، چنانچہ وہ ایک طویل واقعے کی روح اور اس کے عُقدۂ حیات یعنی زندگی کی گرہ کو گرفت میں لے لیتا ہے، ان کے بارے میں خبر دیتا ہے اور انہیں اپنے مقصد کا مقدمہ بنالیتا ہے۔ مطلب یہ کہ قرآن کریم میں مذکور خلاصہ جات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ: وہ شخص جس نے ان واقعات کا اظہار کیا ہے وہ تمام ماضی کو اس کے تمام حالات سمیت اچھی طرح جانتا ہے بالکل ایسے کہ جیسے جب کوئی کسی فن یا صنعت کا خصوصی ماہر آدمی اس فن کا خلاصہ یا اُس صنعت کا نمونہ پیش کر دے تو یہ کام اس کی مہارت کی دلیل ہوگا۔ یہی صورتِ حال قرآن کریم میں بیان کیے گئے واقعات کی رُوح اور خلاصہ جات کی ہے، وہ بتاتے ہیں کہ:

وہ شخص جو یہ واقعات بیان کر رہا ہے وہ اس طرح سے بیان کر رہا ہے کہ وہ ان کا احاطہ کر چکا ہے، وہ انہیں اپنی

Marfat.com

آنکھوں سے دیکھتا ہے اور پھر انتہائی غیر معمولی مہارت کے ساتھ ان کے بارے میں خبر دیتا ہے (اگر یہ تعبیر جائز ہو تو)۔

## دوسری چمک:

**مستقبل کے بارے میں غیبی خبریں۔**

اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔

**پہلی قسم:** یہ اہل کشف وولایت کے ساتھ خاص ہے۔ مثال کے طور پر:

محی الدین ابن عربیؒ نے سورۃ الروم ﴿الٓمٓ ۞ غُلِبَتِ الرُّوْمُ﴾ میں بہت سی غیبی خبروں کا سراغ لگایا۔

اور امام ربانی مجدد الف ثانی نے سورتوں کی ابتدا میں آنے والے حروف مقطعات میں بہت سے غیبی معاملات کے اشارات کا مشاہدہ کیا۔

اور علماء باطن کے بقول قرآن کریم اوّل سے لے کر آخر تک غیب کے متعلق خبروں کی ہی ایک قسم ہے۔

ہم ان میں ایک قسم کے متعلق اشارہ کریں گے۔

اور اس قسم کے بھی کئی طبقات ہیں، ہم ان میں سے صرف ایک طبقے پر کلام کریں گے۔

قرآن حکیم رسول اکرم ﷺ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے: (حاشیہ:۱)

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ﴾ (حاشیہ:۲)

﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ﴾ (حاشیہ:۳)

﴿هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (حاشیہ:۴)

﴿وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۞ فِىْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ﴾ (حاشیہ:۵)

﴿فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ۞ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ﴾ (حاشیہ:۶)

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۞ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّىْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ﴾ (حاشیہ:۷)

---

(حاشیہ:۱) (یہ آیات غیب کے بارے میں خبریں دے رہی ہیں جن کی وضاحت بہت سی تفاسیر نے کر دی ہے۔ یہاں ان کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کیونکہ اس کتاب کو عربی کے قدیم حروف میں طبع کرانے کا عزم تھا اس لیے مؤلف کو جلد بازی کی غلطی کرنی پڑی، چنانچہ یہ قیمتی خزانے مقفل پڑے رہے۔ مؤلف۔)

(حاشیہ:۲) الروم:60 (حاشیہ:۳) الفتح:27 (حاشیہ:۴) الفتح:28

(حاشیہ:۵) الروم:3-4 (حاشیہ:۶) القلم:5-6 (حاشیہ:۷) الطور:30,31

Marfat.com

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾(حاشیہ:۱)

﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا﴾(حاشیہ:۲)

﴿وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ اَبَدًا﴾(حاشیہ:۳)

﴿سَنُرِيْهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾(حاشیہ:۴)

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾(حاشیہ:۵)

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهُ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾(حاشیہ:۶)

﴿قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُوْنَهَا﴾(حاشیہ:۷)

﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلَالٍ مُبِيْنٍ﴾(حاشیہ:۸)

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾(حاشیہ:۹)

اوران جیسی دیگر بہت سی آیات جن میں غیب کے متعلق خبریں ہیں اوروہ بعد میں بالکل اُسی طرح پوری بھی ہوئی ہیں جس طرح قرآن نے بتایا تھا۔

تو غیب کے متعلق بغیر کسی تردّد کے، پوری سنجیدگی اور اطمینان کے ساتھ اس طرح سے خبر دینا جس سے وثوق کی قوّت کا شعور ہواور ایسے شخص کی زبان سے جو معترضین کے اعتراضات اور تنقیدات کا نشانہ تھا اور کسی بھی چھوٹی موٹی غلطی سے اپنے دعوے کو نقصان پہنچا سکتا تھا، اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ وہ پہلے اپنے ازلی اُستاد سے درس لیتا تھا بعد میں لوگوں کو کہتا تھا۔

## تیسری چمک:

### حقائق الٰہیہ، حقائق کونیہ اور اُخروی امور کے بارے میں غیبی خبریں:

جی ہاں! قرآن کے وہ بیانات جو حقائقِ اِلٰہیہ کے ساتھ خاص ہیں، اوراس کے کائناتی بیانات جنہوں نے کون و

(حاشیہ:۱) المائدہ:67 (حاشیہ:۲) البقرہ:24 (حاشیہ:۳) البقرہ:95

(حاشیہ:۴) فصلت:53 (حاشیہ:۵) الاسراء:88 (حاشیہ:۶) المائدہ:54

(حاشیہ:۷) النمل:93 (حاشیہ:۸) الملک:29 (حاشیہ:۹) النور:55

Marfat.com

مکاں کے طلسم کا دروازہ کھولا ہے اور تخلیق عالم کے معمے کا انکشاف کیا ہے، یقیناً عظیم ترین غیبی بیانات ہیں، کیونکہ یہ معاملہ عقل کے بس کا قطعاً نہیں ہے اور نہ اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ گمراہی کے لامحدود راستوں کے مابین چل کر ان غیبی حقائق پر اطلاع پا سکے اور جیسے کہ یہ بات سب جانتے ہیں کہ نوع انسانی کے ذہین ترین فلاسفر بھی اپنی عقلوں کے بل بوتے پر ان میں چھوٹی سے چھوٹی اور سادہ سے سادہ حقیقت تک بھی نہیں پہنچ سکے ہیں۔ پھر یہ بات بھی حقیقت ہے کہ انسانی عقلیں عنقریب قرآن کے ظاہر کردہ الٰہی اور کونی حقائق کے رُوبرو پکار اُٹھیں گی کہ: تُو نے سچ کہا ہے۔ اور یہ حقائق قرآنی اور اس کے بیانات کو غور سے سننے کے بعد اور روح کی ترقی اور عقل کے کمال کو پہنچنے کے بعد صفائے قلب اور تزکیہ نفس کے ساتھ قبول کرلیں گی اور قرآن کو مبارکباد دیں گی۔

چونکہ ''گیارہویں مقالے'' میں اس مسئلے کی وضاحت ہو چکی ہے اس لیے یہاں ہم اسے دوبارہ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں۔

رہیں قرآن کی وہ غیبی خبریں جو وہ آخرت اور برزخ کے بارے میں دیتا ہے، تو عقلِ انسانی تنہا آخرت اور برزخ کے حالات کا ادراک نہیں کرسکتی اور تنہا اُسے دیکھ نہیں سکتی ہے، لیکن یہی عقل قرآن کریم کے بیان سے اس کا ادراک درجہء شہود تک کرلیتی ہے اور اسے دیکھ لیتی ہے۔

''دسویں مقالے'' کی طرف رجوع کریں تاکہ آپ کو پتا چل سکے کہ قرآن کریم نے آخرت کے بارے میں جو غیبی خبریں دی ہیں وہ کس قدر درست ہیں، وہاں اس چیز کی بہترین وضاحت کردی گئی ہے۔

## دوسرا جلوہ (قرآن کی جوانی):

قرآن کریم نے اپنی جوانی، شادابی اور تروتازگی کی حفاظت کی ہے، حتیٰ کہ ایسے لگتا ہے جیسے یہ ہر دور میں نئے سرے سے بالکل تروتازہ نازل ہوتا ہے۔

جی ہاں! قرآن کریم چونکہ ایک ازلی خطاب ہے جو کہ ہر دور میں تمام انسانی طبقات کو براہِ راست خطاب کرتا ہے، اس لیے یہ لازم ٹھہرا کہ وہ اس طرح کی دائمی جوانی کا مالک ہو۔ اُس نے بھرپور جوانی میں ظہور کیا اور وہ اب بھی ویسے ہی ہے جیسے تھا۔ حتیٰ کہ وہ فکر و نظر میں مختلف اور طبیعتوں میں متباین تمام ادوار کی طرف ایسے دیکھتا ہے جیسے کہ وہ اُسی دور کے ساتھ خاص ہے اور اس کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اپنی تعلیمات القا کیے جارہا ہے اور نظریں اپنی ان تعلیمات کی طرف متوجہ کیے جارہا ہے۔

انسان کے تمام آثار و قوانین خود انسان کی طرح بوڑھے ہو جاتے ہیں اور تغیر و تبدل کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں، لیکن قرآن کے احکام و قوانین میں ایسا شباب اور رسوخ و ثبات ہے کہ اس کی مضبوطی و استواری مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مزید

Marfat.com

ابھر کر سامنے آتی ہے۔

بے شک یہ عصرِ حاضر جو کہ خود اعتمادی میں مبتلا اور قرآنی تعلیمات کے سامنے اپنے کان بند کیے ہوئے ہے، اور دورِ حاضر کا اہلِ کتاب انسان، یہ دونوں قرآن کے اس مرشدانہ خطاب کے سب سے زیادہ محتاج ہیں جو انہیں ''یـــا اهـــل الـكـتـاب ۔یـا اهـل الـكتاب ۔'' کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔حتیٰ کہ ایسے لگتا ہے جیسے اس خطاب کا رُخ براہِ راست اِس دورِ حاضر کی طرف ہے، کہ لفظ ''اهل الكتاب ''یعنی اے اہلِ کتاب میں اہلِ تہذیبِ جدید، کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے!

پس قرآن اپنی آواز کے بند کھولتا ہے جس سے آفاق میں چاروں طرف غلغلہ برپا کردیتا ہے اور پوری شدت قوت اور تروتازگی اور شباب سے اطرافِ عالم کو بھر دیتا ہے اور کہتا ہے:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْ اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ﴾ (حاشیہ:۱)

**مثال کے طور پر:** افراد اور جماعتیں باوجود اس کے کہ قرآن کے معارضے سے عاجز آگئے ہیں، لیکن جدید تہذیب و تمدن نے جو کہ بنی نوع انسان اور جنوں کے بھی افکار کا ماحصل ہے ایسا طور طریقہ اپنا لیا ہے جو اس کے خلاف جا رہا ہے اور اپنے ساحرانہ اسالیب سے اس کے مدِ مقابل میں آ رہا ہے۔اب آیت کریمہ:﴿قُـلْ لَـئِـنِ اجْـتَـمَـعَـتِ الْإِنْـسُ وَالْـجِـنُّ﴾ کے دعوے کے مطابق قرآن کے اعجاز کو اس خوفناک معارض کے مقابلے میں ثابت کرنے کے لیے ہم تہذیب کی اِن بنیادوں اور دستوروں کا موازنہ قرآن کی بنیادوں اور دستوروں کے ساتھ کریں گے جو جدید تہذیب نے پیش کیے ہیں۔

**پہلے درجے میں:** ہم وہ موازنات رکھیں گے جو سابقہ مقالہ جات میں پہلے مقالے سے لے کر پچیسویں مقالے تک منعقد کیے گئے ہیں اور وہ ترازو جو ان میں نصب کیے گئے ہیں۔اسی طرح وہ آیات کریمہ جو اِن مقالہ جات کے آغاز میں ثبت کی گئی ہیں اور جو ان مقالہ جات کی حقیقت پر روشنی ڈالتی ہیں، یہ تمام چیزیں قطعی یقین کے ساتھ قرآن کا اعجاز اور جدید تہذیب پر اُس کی برتری کو ثابت کرتی ہیں۔

**اور دوسرے درجے میں:** اجمالی طور پر ہم جدید تہذیب اور قرآن کے دساتیر کی وہ قسم بیان کریں گے جن کی وضاحت اور اثبات (بارہویں مقالے) میں کیا گیا ہے۔

جدید تہذیب کا اپنے فلسفے کے بل بوتے پر یہ ایمان ہے کہ: نوع انسان کی اجتماعی زندگی کا مرکزی نقطہ ''قوت'' ہے ۔اور اُس کا ہدف ہر چیز میں ''ذاتی منفعت'' ہے۔اور یہ تہذیب اس غرض کے لیے ''مقابلہ و کشمکش'' کو زندگی کا دستور بناتی ہے اُس کے نزدیک مختلف طبقات کے درمیان رابطے کا وسیلہ نسل پرستی اور منفی قومیت ہے۔اُس کی غایت نفسانی خواہشات

---

(حاشیہ:۱) آل عمران:64

Marfat.com

ورغبات کا پیٹ بھرنا، اور بشری حاجات میں اضافہ کرنے کیلئے کچھ لہو ولعب ہیں۔اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ ''قوت'' کا کام ''تجاوز اور جارحیت'' ہے۔ ''ذاتی منفعت'' کا کام ''مزاحمت'' ہے جو کہ سب کی حاجات وضروریات اور خواہشات و رغبات کو پورا نہیں کر سکتی۔اور ''مقابلہ وکشمکش'' کا کام ''تصادم'' ہے ''نسل وقوم پرستی'' کا کام ''جارحیت'' ہے جو کہ دوسروں کو ہڑپ کر کے پھلتی پھولتی ہے۔

یہ قوانین و دساتیر جن پر جدید تہذیب کا اعتماد ہے، ان کی وجہ سے یہ کئی خوبیوں کے ہوتے ہوئے بھی صرف بیس فیصد نسلِ انسانی کو ظاہری سعادت سے ہمکنار کر رہی ہے، اور دوسری اَسّی فیصد کو شقاوت، بدبختی اور قلق واضطراب سے دوچار کیئے ہوئے ہے۔

لیکن حکمتِ قرآن اجتماعی زندگی میں ''قوت'' کی بجائے ''حق'' کو اپنا مرکزی نقطہ بناتی ہے۔اور ''ذاتی منفعت'' کی بجائے ''اللہ کی رضا مندی اور حصولِ فضائل'' کو اپنا ہدف قرار دیتی ہے۔اور ''مقابلہ وکشمکش'' کی بجائے ''تعاون'' کو زندگی کی بنیاد بناتی ہے۔مختلف طبقات کے مابین رابطے اور بندھن کا وسیلہ ''نسل پرستی اور منفی قومیت'' کی بجائے ''دین'' اور وطن یا شعبہ ہائے زندگی کو قرار دیتی ہے۔اور انسان کو کمال اور بلند مثالی کرداروں کا خوگر بنا کر اسے حقیقی انسان بنانے کے لیے نفسِ امارہ کی جارحیت کو لگام دینے اور اُس کی روح کو بلندیوں سے ہمکنار کرنے کو اپنی غرض وغایت قرار دیتی ہے۔

''حق'' کا کام ''اتفاق'' کو بروئے کار لانا ہے۔اور ''فضیلت'' کا وظیفہ ''تساند'' یا پشتیبانی ہے، اور ''تعاون'' کا کام ''ایک دوسرے کی فریادرسی'' ہے۔اور ''دین'' کا کام ''اخوت اور باہمی اتحاد'' ہے۔اور نفس کو لگام دینے اور اسے اس کی سرکشی سے باز رکھنے اور روح کو آزاد چھوڑنے اور اسے کمال کے حصول پر اُبھارنے کا وظیفہ ''سعادتِ دارین'' ہے۔

یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے جدید تہذیب _ باوجود اس کے اس نے سابقہ ادیان سے اور خاص کر قرآن سے کچھ محاسن اخذ کر لیے ہیں_ قرآن حکیم کے مقابلے میں مغلوب ہوگئی ہے۔

## تیسرے درجے میں:

ہم ہزاروں مسائل میں سے_ بطورِ مثال _ صرف چار مسائل چار بنیادوں کی صورت میں بیان کریں گے۔

## پہلی بنیاد:

قرآن کریم کے دساتیر وقوانین چونکہ ازل سے آرہے ہیں اس لیے باقی ہیں اور ابد تک جائیں گے، کبھی شکست وریخت سے دوچار نہیں ہوں گے اور کبھی مرگ آشنا نہیں ہوں گے جیسے کہ تہذیب وتمدن کے قوانین مرجھاتے اور مر جاتے ہیں۔قرآن کے قوانین ہر دور میں قوی اور ہر دم جواں ہیں۔

مثال کے طور پر: جدید تہذیب وتمدن کی تمام تخریباتی انجمنیں، بےلاگ قوانین اور جابر نظام، اور تربیتی واخلاقی

Marfat.com

ادارے قرآن کریم کے دومسئلوں کا مقابلہ نہیں کرسکے بلکہ اس سے مات کھا گئے، اور وہ دو مسئلے یہ ہیں: ﴿وَاَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ (حاشیہ:۱) اور ﴿وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا﴾ (حاشیہ:۲)

یہ معجزاتی قرآنی غلبہ ہم ایک مقدمے کے ساتھ بیان کریں گے۔

جیسے کہ (اشارات الاعجاز) میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ: انسانی معاشرے میں جنم لینے والے تمام اضطرابات اور باغیانہ انقلابات کی بنیاد ایک ہی بات ہے۔ اور یہ کہ تمام پست اور رذیل اخلاق کا سرچشمہ بھی ایک ہی بات ہے۔

**پہلی بات:** اگر میرا پیٹ بھر گیا ہے تو دوسروں کے بھوکے رہنے کی مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

**دوسری بات:** تم کماؤ تا کہ میں کھاؤں، تم تھکو تا کہ میں آرام سے بیٹھوں۔

جی ہاں، معاشرے میں خاص و عام یعنی امیر و غریب طبقے کے درمیان توازن قائم رکھے بغیر امن و آشتی کی زندگی ناممکن ہے۔ اور اس توازن کی بنیاد اس بات پر ہے کہ خواص و عوام کے ساتھ رحمت اور شفقت کا برتاؤ کریں اور عوام خواص کی اطاعت کریں اور ان کا احترام کریں۔

اور اب ہوا یہ ہے کہ پہلی بات نے خواص کو ظلم و فساد اور بے رحمی کی راہ کی طرف دھکیل دیا ہے اور دوسری بات نے عوام کو حقد و حسد اور کشمکش میں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نوعِ انسانی گزشتہ کئی صدیوں سے اب تک امن و راحت سے محروم ہو چکی ہے، اور خاص طور پر اس دور میں یورپ میں مزدوروں اور سرمایہ داروں کے درمیان جاری کشمکش کی وجہ سے بڑے بڑے واقعات ظہور میں آئے ہیں، اور یہ بات کسی پر بھی مخفی نہیں ہے۔

پس جدید تہذیب اپنے تمام خیراتی اداروں، اخلاقی تربیت گاہوں، انتظامی وسائل، اور سخت اور قطعی نظم و ضبط کے باوجود ان دو بشری طبقات کے درمیان صلح کرانے اور انسانی زندگی کے ان دو گہرے زخموں پر مرہم رکھنے سے عاجز آچکی ہے۔

لیکن قرآن یہ کرتا ہے کہ وہ پہلی بات کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ کر اس کا علاج وجوبِ زکوۃ کے ساتھ اور دوسری بات کو اس کی بنیاد سے اکھاڑ کر اس کا علاج حرمتِ سود کے ساتھ کرتا ہے۔

جی ہاں، قرآنی آیات دنیا کے دروازے پر کھڑی ہو جاتی ہیں اور سود کو کہتی ہیں: اندر آنا منع ہے۔ اور انسانیت کو حکم دیتی ہیں: سود کے دروازے بند کر دو تا کہ تم پر جنگوں کے دروازے بند ہو جائیں، اور قرآن کے مومن شاگردوں کو ان دروازوں میں داخل ہونے سے منع کرتی ہیں۔

**دوسری بُنیاد:**

جدید تہذیب ایک سے زیادہ بیویوں کو قبول نہیں کرتی ہے، اور تعدّد ازواج کے قرآنی حکم کو حکمت کے خلاف اور

---

(حاشیہ:۱) البقرہ:43 (حاشیہ:۲) البقرہ:275

Marfat.com

انسانی مصلحت کے منافی سمجھتی ہے۔

جی ہاں، اگر شادی میں پائی جانے والی حکمت صرف جنسی تسکین میں ہی منحصر ہوتی تو ضروری تھا کہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا، جبکہ یہ چیز حتی کہ تمام حیوانات کی شہادت اور نباتات کے آپس میں جوڑا جوڑا ہونے کی تصدیق سے ثابت ہے کہ: شادی کی حکمت اور اس کا مقصد تکثیر و تولیدِ نسل ہے۔ رہی قضائے شہوت سے حاصل ہونے والی لذت، تو یہ ایک جزوی اُجرت ہے جو رحمتِ الٰہیہ اس وظیفہ کی ادائیگی پر عطا کرتی ہے۔ تو جب تک حکمت اور حقیقت کی رُو سے شادی کا مقصد تکثیر و تولید نسل اور بقائے نوع ہے، تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عورت جو سال میں صرف ایک دفعہ تولیدی عمل سے گزر سکتی ہے اور ایک ماہ کے صرف نصف ایام میں بار آوری کے لیے آمادہ ہوسکتی ہے اور پچاس سال کی عمر میں سن یاس میں داخل ہو جاتی ہے، وہ عورت اِس مرد کے لیے کافی نہیں ہوسکتی جس کے پاس اکثر اوقات میں حتیٰ کہ سو سال کی عمر میں بھی بار آور کرنے اور افزائشِ نسل کی قدرت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے جدید تہذیب فحاشی، بے حیائی اور عصمت فروشی کے بازار کھولنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

## تیسری بُنیاد:

جدید تہذیب جو کہ اپنا مقدمہ عقلی منطق کی عدالت میں پیش نہیں کرتی ہے، اِس آیت کریمہ: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کو تنقیدی نظر سے دیکھتی ہے جو کہ عورتوں کو وراثت کا تیسرا یعنی مرد سے آدھا حصہ دیتی ہے، کیونکہ عورت کو وراثت کا ایک تہائی اور مرد کو دو تہائی ملتا ہے، یہ بات تو بالکل بدیہی ہے کہ اجتماعی زندگی میں اکثر احکام لوگوں کی اکثریت کو مدنظر رکھ کر مقرر کئے جاتے ہیں، اب عورتوں کی غالب اکثریت کو ایسے شوہر ملتے ہیں جو ان کی کفالت اور حفاظت کرتے ہیں جبکہ بہت سے مرد اپنی بیویوں کے نان نفقہ کی کفالت چار و ناچار کرتے ہیں۔

اب عورت اگر اپنے باپ سے تیسرا حصہ (اُس حصے کا نصف جو شوہر کو اپنے باپ سے ملا ہے) لے لے گی، تو اس کا خاوند اس کی ضروریات کو پورا کرے گا، لیکن اگر مرد اپنے باپ سے دو حصے لے لے گا تو وہ اس سے ایک حصہ اپنی بیوی پر خرچ کرے گا ، اور یوں مساوات حاصل ہو جائے گی اور مرد اپنی بہن کے برابر ہو جائے گا قرآنی عدالت کا تقاضا یہی ہے۔ (حاشیہ:۱)

اور اس نے اسی طرح فیصلہ کیا ہے۔

---

(۱) یہ فقرہ دراصل اُس دفاعی بیان کا ایک ٹکڑا ہے جو 1350ھ میں عدالت میں دیا گیا تھا، اور جس نے عدالت کو لاجواب کر دیا تھا۔۔۔ پھر اِسے اس مقام کا حاشیہ بنا دیا گیا۔۔۔ ''اور میں عدالتِ عالیہ سے کہتا ہوں: ایک ایسے آدمی کے خلاف اِس قسم کا باطل فیصلہ دینا جس نے تیرہ سو سال ہر دور میں ساڑھے تین سو ملین لوگوں کی اجتماعی زندگی میں رہنمائی کرنے والے مقدس ترین دستورِ الٰہی کی ساڑھے تین ہزار تفسیروں کی تصدیق پر اعتماد کرتے ہوئے اور ساڑھے تیرہ سو سال تک اپنے اسلاف کی اقتداء کرتے ہوئے تفسیر کی ہے، بلاشک یہ فیصلہ ظالمانہ ہے اور اگر سطحِ زمین پر عدالت نامی کسی چیز کا وجود ہے تو وہ اس قرارداد اور فیصلے کو ضرور رد کر دے گی''۔ مؤلف۔

Marfat.com

## چوتھی بنیاد:

قرآن کریم جس پوری شدت کے ساتھ بت پرستی سے منع کرتا ہے اِسی طرح وہ ایسی تصویریں رکھنے سے بھی منع کرتا ہے جو بت پرستی سے مشابہت رکھتی ہوں، لیکن جدید تہذیب ایسی تصویروں کو اپنی امتیازی خصوصیات اور فضائل میں شمار کرتی ہے اور قرآن کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے، جبکہ حالت یہ ہے کہ تصویریں کیسی بھی ہوں، سائے والی یا بغیر سائے کے (پتھر کی مورتیاں یا عکس) وہ: یا تو ظلم مُجَسّم ہے، یا ریائے مجسّد، یا ہوسِ مُشکّل۔ اس حیثیت سے کہ وہ خواہشات نفسانیہ کو اُبھارتی ہیں اور انسان کو ظلم، ریا کاری اور ہوائے نفس کے گھاٹ اُتارتی ہیں۔

پھر قرآن عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ حیا کا پردہ استعمال کریں، یہ حکم اُس نے انہیں اس لیے دیا ہے کہ وہ اُن کا ہمدرد ہے، اُن کی عزت وحرمت کی حفاظت چاہتا ہے تا کہ شفقت ورأفت کے ان قیمتی سرچشموں کی توہین نہ ہو، اور مہر ومحبت کے یہ لطیف مصادر ذلت ورسوائی کے پاؤں کے نیچے نہ روندے جائیں، اور تا کہ یہ رذیل خواہشوں اور ناچیز اور بے قیمت لذّتوں کا آلہءِ کار نہ بن سکیں۔ (حاشیہ:۱)

لیکن جدید تہذیب نے عورت کو اُن کے گھروں گھونسلوں سے نکال باہر کیا ہے، ان کا پردہ چاک کر دیا ہے اور انسانیت کو پاگل پن کی حالت تک پہنچا دیا ہے۔ جبکہ اس بات کا سب کو علم ہے کہ عائلی زندگی کا دارو مدار محبت اور میاں بیوی کے مابین باہمی احترام پر ہے اور بے پردگی اور بے حیائی اس خالص محبت کی فضا کو خراب کر دیتی ہے اور خاندانی زندگی کو زہر آلود کر دیتی ہے۔ اور خالص تصویروں کا عشق تو اخلاقی قدروں کو بیخ وبن سے اکھاڑ دیتا ہے اور روح کو پستیوں کی گہرائیوں میں گرا دیتا ہے۔ اس بات کو اس طرح سے سمجھنا ممکن ہے:

جس طرح ایک خوبصورت عورت کا جنازہ جو کہ ہمدردی اور رحم دلی کا مستحق ہے، اُس جنازے کی طرف ہوس ناکی اور شہوت بھری نظر سے دیکھنے سے اخلاقی دنیا تباہ وبرباد ہو جاتی ہے، اسی طرح مردہ یا زندہ عورتوں کی تصویروں پر _ جو کہ ان کے چھوٹے سے جنازے کے حکم میں ہیں _ شہوت بھری نظر انسان کے احساسات میں ہلچل مچا دیتی ہے اور انہیں منہدم کر دیتی ہے۔

ان تین مسائل کی طرح قرآن کریم کے دوسرے ہزاروں مسائل انسانی زندگی کے لیے دنیا اور آخرت میں ابدی سعادت کی ضمانت دیتے ہیں۔ اب آپ دیگر مسائل کو مذکورہ مسائل پر قیاس کر سکتے ہیں۔

اور یہ بھی ہے کہ جس طرح جدید تہذیب قرآن کے اُن قوانین کے سامنے مغلوب ہو جاتی ہے جو اُس نے انسان کی

---

(حاشیہ:۱) (اکتسویں مکتوب کا چوبیسواں لمعہ اس حقیقت کا قطعی طور پر اثبات کرتا ہے کہ: پردہ عورتوں کے لیے ایک فطری امر ہے، اور بے پردگی ان کی فطرت کے یکسر منافی ہے مؤلف۔)

Marfat.com

اجتماعی زندگی کے لیے وضع کیے ہیں۔

اور_ حقیقت کی رُو سے___ قرآن کے معنوی اعجاز کے مقابلے میں اپنے افلاس کا اظہار کردیتی ہے، اسی طرح یورپ کا فلسفہ اور نوع بشر کی حکمت و دانائی یعنی تہذیب وتمدن کی روح اور سابقہ پچیس مقالات میں بیان کردہ قرآنی حکمت کے مابین موازنہ منعقد کیا جائے تو بشری حکمت عاجز اور قرآنی حکمت معجز بن کر سامنے آئے گی۔ اگر آپ فلسفیانہ حکمت کا عجز و افلاس اور قرآنی حکمت کی مالداری و اعجاز محسوس طریقے سے دیکھنا چاہتے ہیں تو گیارہویں اور بارہویں مقالے کی طرف رجوع کریں۔

اور یہ بھی کہ جس طرح تہذیب حاضر قرآن کی علمی اور عملی حکمت کے اعجاز کے مقابلے میں مغلوب ہوگئی ہے، اسی طرح تہذیب کے آداب اور اس کی بلاغت بھی قرآنی ادب اور بلاغت کے سامنے مغلوب ہیں۔ ان دونوں کے درمیان وہی فرق ہے جو ایک یتیم بچے کی مایوس کن آہ وفغاں اور پاکباز غمگین عاشق کی تھوڑی سی جدائی سے پیدا ہونے والے شوق بھرے اور پُر اُمید نغمے میں ہے۔ یا جو فرق پستیوں میں غلطاں و پیچاں مدہوش نشئی کے واویلے اور فتح یابی کے شوق میں مال و جان تک کو قربان کردینے کا جوش پیدا کرنے والے جنگی ترانوں میں ہے۔ کیونکہ ادب و بلاغت کے اسلوب کی تاثیر یہ ہے کہ وہ یا غم پیدا کرتا ہے یا خوشی۔

اور غم کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ایک غم وہ ہے جو اپنے پیاروں کے کھو جانے سے پیدا ہوتا ہے، یعنی اس لیے کہ پیارے دوست احباب نابود ہوگئے ہیں، غم کی یہ قسم اندھیاری اور مایوس کن ہے جو نیچر پر ایمان رکھنے والی، غفلت بھری دور گمراہی کی دلدل میں پھنسی ہوئی تہذیب کی دین ہے۔

دوسری قسم: دوسرا غم وہ ہے جو دوست احباب کے فراق سے پیدا ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ موجود ہیں صرف بچھڑ گئے ہیں، لیکن ان کا فراق ایسے غم پر آمادہ کر رہا ہے جو اشتیاق کی سوزش سے پیدا ہو رہا ہے، غم کی یہی وہ قسم ہے جو ہادی، مرشد اور روشن قرآن عطا کرتا ہے۔

فرح وسرور کی بھی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم نفس انسانی کو اس کی خواہشات کی طرف دھکیلتی ہے۔ تہذیب ڈراما، فلم اور ناول کے رُوپ میں جو ادب پیش کرتی ہے اس کا کام یہی ہے۔

دوسری قسم ایک لطیف اور پاکیزہ فرح وسرور کی ہے جو نفس کی سرکشی کو روکتا اور اُسے لگام دیتا ہے اور روح وقلب و عقل وسرّ کو بلند نظری اور ان کے اصل مقام یعنی ان کے ابدی ٹھکانے اور اخروی دوست احباب کے لیے اُبھارتا ہے۔

Marfat.com

قرآن معجز بیان جو کہ انسان کو جنت، ابدی سعادت اور اللہ تعالیٰ کے حسن و جمال کے مشاہدے پر اُبھارتا ہے، فرح وسرور کی یہی قسم عطا کرتا ہے۔

کچھ کوتاہ بیں اور گہری نظر کی زحمت سے بھاگنے والے لوگوں کا یہ وہم ہے کہ: وہ عظیم معنی اور حقیقتِ کبریٰ جو کہ آیت کریمہ ﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا﴾ عطا کر رہی ہے، وہ ایک محال صورت اور بلاغی مبالغہ ہے۔ حاشاللہ! بلکہ یہ ایک ایسی بلاغت ہے جس میں مبالغہ نام کو نہیں، اور کوئی محال صورت نہیں۔ اور یہ ایک ایسی بلاغت ہے جو کہ عین حقیقت ہے اور ایسی صورت لیے ہوئے ہے جو ممکن ہے اور وقوع پذیر ہے۔ اس صورت کے بہت سے پہلوؤں میں سے ایک یہ ہے کہ:

اگر جن وانس کا وہ خوبصورت ترین کلام اکٹھا کر لیا جائے جو قرآن کریم کی روشنی میں کہا لکھا نہیں گیا ہے اور جس کے ریزے اُس کے دسترخوان سے نہیں چنے گئے ہیں، تو وہ کلام نہ قرآن جیسا ہے اور نہ ہو ہی سکتا ہے۔ اسی لیے قرآن کا مثیل سامنے نہیں آیا۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ: بے شک جدید تہذیب، فلسفیانہ حکمت اور اجنبی آداب جو کہ جن وانس حتیٰ کہ شیاطین کے نتائجِ افکار اور ان کے اعمال کا حاصل ہیں، وہ سب کے سب قرآن کے احکام، اس کی حکمت اور بلاغت کے سامنے عجز ودرماندگی کی گہرائیوں میں گرے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے یہ مسئلہ کچھ مثالوں کے ساتھ واضح کیا ہے۔

### تیسرا جلوہ:

بے شک قرآن حکیم نوعِ انسانی کے ہر طبقے سے ہر دور میں مخاطب ہوتا ہے اور اس طرح سے مخاطب ہوتا ہے کہ گویا خصوصی طور پر بعینہٖ اُسی طبقے کی طرف توجہ دے رہا ہے، کیونکہ قرآن جب بنی آدم کے تمام تر گروہوں کو اُس ایمان کی طرف بلاتا ہے جو کہ بلند ترین اور دقیق ترین علم ہے، اور اللہ کی معرفت کی طرف بُلاتا ہے جو کہ وسیع ترین اور روشن ترین علم ہے، اور اسلامی احکام کی طرف بلاتا ہے جو کہ اہم ترین اور بہت زیادہ انواع واقسام پر مشتمل معرفت ہے، تو پھر یہ ضروری ٹھہرا کہ وہ درس جو قرآن اُن تمام گروہوں کو دیتا ہے، عین اُسی درس میں مختلف طبقات موجود ہوں، جبکہ حالت یہ ہے کہ یہ درس ایک ہی ہے مختلف نہیں ہیں۔ بنابریں یہ ضروری ہے کہ اُسی سبق کے اندر فہم وسمجھ کے بہت سے طبقات ہوں، اور یوں اُن میں سے ہر آدمی_ اپنے اپنے درجے کے حساب سے_ قرآن کے طبقات میں سے کسی نہ کسی طبقے سے اپنے درس کا کوئی حصہ حاصل کر لے۔

اس حقیقت کی ہم نے بہت سی مثالیں پیش کی ہیں جن کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے یہاں ہم اُن میں سے ایک دو جزئی کی طرف اور کسی ایک یا دو طبقوں کے فہم وسمجھ کے حساب سے اُس کے حصے کی طرف اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کریں

Marfat.com

گے۔

مثال کے طور پر:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾

عوام کے طبقے کا۔ جو کہ مطلق اکثریت کی شکل میں ہے۔ اس فرمان سے سمجھ بوجھ کا حصہ یہ ہے:

''بے شک اللہ باپ، بیٹے، بیوی اور ہمسروں سے پاک ہے۔''

متوسط فہم کے طبقے کا حصہ یہ ہے:

''عیسیٰ علیہ السلام، ملائکہ اور ولادت کے عمل سے گزرنے والی تمام موجودات کی اُلوہیت کی نفی کرتی ہے؛ کیونکہ امر محال کی نفی کرنے سے بظاہر کوئی فائدہ نہیں ہے، اِس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ اس سے مراد حکم نہ ہو بلکہ لازم الحکم ہو جیسا کہ بلاغت کا ایک قاعدہ ہے۔ تو یہاں بیٹا یا والد ہونے کی نفی کرنے کا مقصد دراصل ہر اس فرد کی اُلوہیت کی نفی کرنا ہے جس کے والدین، اولاد اور ہمسر ہوں اور یہ بتانا مدِ نظر ہے کہ ایسے افراد اُلوہیت کے قابل نہیں ہو سکتے ہیں؛ کیوں کہ بیٹے ہونے یا والد ہونے کا تعلق جسمانی خصوصیات کے ساتھ ہے۔

پس اس راز سے یہ بات واضح ہوگئی کہ: سورۃ الاِخلاص ہر انسان کو ہر وقت فائدہ دے سکتی ہے۔

اور اس سے زیادہ سمجھ بوجھ کے مالک طبقے کا حصہ اس سے یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ ہر اُس رشتے ناطے سے منزّہ ہے جس کا تعلق موجودات کے ساتھ ہے اور جس سے جنم دینے اور جنم لینے کی بُو سونگھی جا سکتی ہو۔ اور وہ ہر شریک، مُعین اور ہم جنس سے مقدّس ہے، اس کا تعلق مخلوقات کے ساتھ صرف خلّاقیت کا ہے، یعنی وہ موجودات کو ''کُن فیکون'' کے امر سے اپنے ازلی ارادہ واختیار کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔ اور وہ ہر اس رشتے ناطے سے منزہ ہے جو کمال کے منافی ہو، جیسے کسی کام کا صدور اس سے مجبوری، لاچاری اور بغیر قصد وارادے کے بے اختیاری طور پر ہو جائے۔

اور اس سے اعلیٰ طبقے کا حصہ یہ ہے کہ:

بے شک اللہ ازلی، ابدی، اوّل اور آخر ہے، اس کا کسی بھی پہلو میں کوئی نظیر نہیں، کوئی ہمسر نہیں، کوئی شبیہ نہیں، کوئی مثیل اور مثال نہیں، نہ اس کی ذات میں، نہ صفات میں اور نہ افعال میں۔ وہاں تو صرف اور صرف (المَثَل) ہی ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی﴾ جو کہ اس کے افعال ومعاملات میں صرف تشبیہ کا فائدہ دیتی ہے۔

اب آپ ان طبقات پر فہم وادراک کے بارے میں عارفین، عاشقین اور صدیقین وغیرہ جیسے مختلف طبقات کو قیاس کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

دوسری مثال:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ﴾ (حاشیہ:۱)

پہلے طبقے کا اس آیت کی سمجھ بوجھ کے بارے میں حصہ یہ ہے کہ:

زید جو رسول اللہ ﷺ کے خادم اور منہ بولے بیٹے تھے اور جسے آپ ﷺ بیٹا کہہ کر بلاتے تھے، انہوں نے جب محسوس کیا کہ اُن کی عزیز بیوی ان کی ہمسر نہیں ہے تو اُسے طلاق دے دی: تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ گویا کہ (اس مناسبت سے نازل ہونے والی آیت) کہہ رہی ہے: نبی ﷺ جب تمہیں ایسے مخاطب کریں جیسے ایک باپ بیٹے کو کرتا ہے تو وہ ایسا رسالت کے لحاظ سے کرتے ہیں؛ کیونکہ وہ شخصی اعتبار سے تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں کہ کسی کی (بیوہ یا مطلقہ) بیوی اُن کے مناسب نہ ہو۔

دوسرا طبقہ اس آیت سے یہ بات سمجھتا ہے کہ:

ایک عظیم الشان امیرِ قوم اپنی رعایا کو ایک مہربان باپ کی نظر سے دیکھتا ہے، اگر وہ ظاہر و باطن میں روحانی حکمران ہوگا تو اُس کی رحمت و شفقت باپ کی رحمت و شفقت سے سوگنا بڑھ کر ہوگی، حتی کہ رعایا کے افراد اُسے بیٹوں کی نظر سے ہی دیکھیں گے گویا کہ وہ اس کی حقیقی اولاد ہوں۔ اور چونکہ باپ کی طرف دیکھنے والی نظر خاوند کی طرف اٹھنے والی نظر میں تبدیل نہیں ہو سکتی، اور بیٹی کی جانب اٹھنے والی نظر آسانی کے ساتھ وہ نظر نہیں بن سکتی جو بیوی کی طرف اُٹھتی ہے، اس لیے اس راز کی رُو سے عام لوگوں کے ذہن میں رسول اللہ ﷺ کا مومنین کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کرنا عجیب سا لگتا ہے، اِس بنا پر قرآن کریم انہیں یہ کہتا ہوا مخاطب کرتا ہے: اس میں کوئی شک نہیں کہ بے شک نبی ﷺ تمہیں رحمت الٰہیہ کے زاویے سے رحمت اور شفقت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور تمہارے ساتھ ایک مہربان باپ کا سا سلوک کرتے ہیں اور اُن کے رسول ہونے کی بنا پر تم اُن کی اولاد کی طرح ہو۔ لیکن وہ انسانی شخصیت کے لحاظ سے تمہارے باپ نہیں ہیں کہ اُن کا تمہاری عورتوں میں سے کسی کے ساتھ شادی کرنا مناسب نہ ہو۔

تیسرا طبقہ اس آیت کو یوں سمجھتا ہے:

تمہیں رسولِ کریم ﷺ کی رأفت و رحمت اور اُن کی طرف اپنی نسبت کے بھروسے پر گناہوں کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے؛ کیونکہ بہت سے لوگ یہاں ایسے بھی ہیں جو اپنے بزرگوں اور مرشدوں پر توکل کرتے ہیں اور اس بنا پر عمل اور عبادت میں سستی کرتے ہیں، بلکہ کبھی تو یہ بھی کہہ دیتے ہیں:

---

(حاشیہ:۱) الأحزاب: 40

Marfat.com

''ہماری نماز ادا کر دی گئی ہے'' (جیسے کہ کچھ شیعہ لوگ کرتے ہیں) ایک اور طبقہ اس آیت سے ایک غیبی اشارہ سمجھتا ہے اور وہ یہ ہے:

بے شک رسول اللہ ﷺ کے بیٹے بڑی عمر کو نہیں پہنچیں گے، بلکہ اللہ انہیں پہلے ہی وفات دے دے گا، چنانچہ مرد ہونے کی حیثیت سے ان کے ذریعے آپ ﷺ کی نسل آگے نہیں چلے گی اور اس میں جو حکمت ہے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ البتہ لفظِ ''رجال'' اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی نسل مردوں کی بجائے عورتوں سے چلے گی۔

خدا کا شکر ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سے آپ کی پاک اور مبارک نسل جیسے کہ حضرت حسنؓ اور حسینؓ کی صورت میں آپ ﷺ کی پاک اور مبارک نسل ہے جو کہ دو نورانی سلسلوں کو تابندہ رکھنے والے دو چاند ہیں، یہ دونوں چاند نبوت کے اس سورج کی مادی اور معنوی مبارک نسل کو پائندار و برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

اللھم صل علیه و علی آله

''پہلا شعلہ اپنی تین شعاعوں سمیت اختتام کو پہنچا''

Marfat.com

# دوسرا شعلہ

''اس شعلے کے تین نور ہیں''

پہلا نور:

قرآن معجز بیان نے خالص روانی، عالی شان سلامتی، جملوں اور اُن کی ہیئات کے مابین مضبوط تساند اور باہمی اعتماد، مستحکم تناسب اور قوی تعاون اور آیات اور اُن کے مقاصد کے درمیان بلند پایہ ہم آہنگی کو یکجا کر دیا ہے۔ اس چیز پر علم البیان، علم المعانی اور ان علوم کے زمخشری، سکاکی اور عبدالقاہر جرجانی جیسے نامور ماہر ائمہ کرام کی گواہی موجود ہے۔ حالانکہ نو کے قریب اہم اسباب ایسے ہیں جو ہم آہنگی، باہمی تعاون تساند، سلاست اور سلامتی میں خلل انداز ہوتے ہیں، لیکن یہ اسباب و محرکات قرآن کریم کی حدود میں آ کر بے اثر رہے ہیں بلکہ انہوں نے اس کی سلاست، سلامتی اور تساند میں اضافہ کیا ہے اور ان کا بازو تھام کر انہیں آگے بڑھایا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہوا ہے کہ ان میں سے کچھ نے نظام اور سلاست کے پردے کے پیچھے اپنا حکم لاگو کرتے ہوئے اپنا سر باہر نکالا ہے اور یہ اس لیے ہوا ہے کہ وہ نظم قرآن کی سلاست اور روانی کے جلیل القدر معانی پر دلالت کر سکیں۔ یہ ایسے ہی ہیں جیسے ایک مضبوط درخت کے تنے میں سے نکلنے والی چھوٹی چھوٹی شاخیں، ڈالیاں اور کونپلیں وغیرہ ہوتی ہیں، یہ کونپلیں اور پھوٹنیں درخت کی تناوری، تناسق اور تناسب میں خلل انداز نہیں ہوتی ہیں بلکہ یہ کچھ مزید ایسے پھل دینے کے لیے ہوتی ہیں جن سے درخت کی زیب و زینت اور جمال و کمال تکمیل کو پہنچتا ہے۔

🗀 کیونکہ یہ قرآن مبین تئیس سال کے عرصے میں مختلف ضروریات کے مواقع پر متفرق طور پر، علیحدہ علیحدہ، ٹکڑے ٹکڑے اور تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے، اس کے باوجود اس میں ایسی کامل ہم آہنگی پائی جاتی ہے جیسے کہ ایک ہی مرتبہ نازل ہوا ہو۔

🗀 پھر یہ قرآنِ مبین بیس سال کے عرصے میں مختلف اور متباین اسباب نزول کے تحت نازل ہوا ہے، اس کے باوجود اس کے تمام حصوں میں ایسا مکمل اعتماد باہمی پایا جاتا ہے جیسے کہ یہ ایک ہی مرتبہ نازل ہوا ہو۔

🗀 پھر یہ بھی کہ قرآن مکرر اور متفاوت سوالوں کے جواب میں آیا ہے، لیکن اس کے باوجود ایسے امتزاجِ تام اور انتظامِ کامل کا اظہار ہوتا ہے کہ جیسے یہ ایک ہی سوال کے جواب میں ہو۔

🗀 پھر یہ ہے کہ یہ قرآن متعدد مختلف واقعات کے احکام کی وضاحت کی صورت میں اُترا ہے، لیکن یہ ان مختلف

Marfat.com

واقعات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ جیسے یہ ایک ہی واقعے کا بیان ہو۔

☜ پھر یہ بھی ہے کہ یہ قرآن کلامِ الٰہی کے تنزلات پر مشتمل ہو کر ایسے مختلف اور متنوع اسالیب و حالات میں نازل ہوا ہے جو لاتعداد لوگوں کی ہر سطح کی سمجھ سوچ کے ساتھ عین مناسبت رکھتا ہے۔ حالانکہ یہ ایسی لطیف روانی اور خوبصورت تماثل اور تشابہ کے ساتھ وضاحت کرتا چلا جاتا ہے جیسے کہ حالت ایک ہی ہو اور سمجھ سوچ کی سطح بھی ایک ہی ہو، حتیٰ کہ سلاست اور روانی اس طرح چلتی ہے جیسے کہ آبِ سلسبیل ہو۔

☜ پھر یہ بھی کہ یہ قرآن انواع و اقسام کے متعدد اور ایک دوسرے سے دور دور لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کلام کرتا ہے، اس کے باوجود اس کے بیان میں اتنی آسانی، نظم میں اتنی مضبوطی اور سمجھانے کے انداز میں اتنی وضاحت ہے کہ گویا اس کے مخاطب لوگ ایک ہی سطح کے اور ایک ہی نوع کے ہیں، اس طرح کہ ہر سطح کا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اس کا اصلی مخاطب میں ہی ہوں۔

☜ پھر یہ قرآن لوگوں کی رہنمائی کے لیے اور انہیں مختلف اور متفاوت اغراض و مقاصد تک پہنچانے کے لیے آیا ہے، اس کے باوجود یہ ان تمام مختلف اغراض و مقاصد کو ایسی کامل استقامت، ایسے دقیق موازنے اور خوبصورت انتظام کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ جیسے مقصد صرف ایک ہی ہے۔

☜ تو یہ اسباب اگرچہ تشویش پیدا کرنے والے اور لفظ و معنی میں خلل پیدا کرنے والے اسباب ہیں، لیکن ان سے قرآن کے بیان کے اِعجاز، اس کی سلاست و روانی اور اس کی باہمد گر مناسبت کو ظہور میں لانے کی خدمت لی گئی ہے۔

جی ہاں! جو آدمی قلب غیر سقیم، عقلِ مستقیم، وجدانِ غیر مریض اور ذوقِ سلیم کا مالک ہے اُسے قرآن میں خوبصورت روانی، لطافت بھرا تناسق، پُر لذت نغمہ اور منفرد قسم کی فصاحت نظر آئے گی۔ اب جس کے پاس بصیرت بھری صحیح سالم آنکھ ہو گی وہ بلاشک قرآن کریم میں ایک ایسی آنکھ پالے گا جو تمام کائنات کو ظاہراً باطناً واضح طور پر اس طرح دیکھ لے گی کہ گویا وہ کاغذ کا ایک صفحہ ہو جسے وہ جب چاہے اُلٹ پلٹ سکتا ہے اور یوں وہ اُس صفحے کے معانی کو جس اسلوب میں چاہے پیش کر سکے گا۔

اگر اس پہلی روشنی کی ہم مثالوں کے ساتھ وضاحت کرنا چاہیں تو اس کے لیے کئی جلدوں کی ضرورت ہو گی۔ اس لیے ہم انہی وضاحتوں پر اکتفا کرتے ہیں جو اس حقیقت کے متعلق میرے تمام عربی رسائل، ''اِشارات الاعجاز'' نامی تفسیر اور سابقہ ''پچیس مقالہ جات'' میں کی گئی ہیں۔ بلکہ قرآن تمام کا تمام مکمل طور پر اس حقیقت کی مثال ہے میں اسے ایک ہی دفعہ بیان کر رہا ہوں۔

## دوسری روشنی:

یہ روشنی قرآنِ حکیم کے اُس اچھوتے اسلوب کی امتیازی خصوصیات کے بارے میں بحث کرتی ہے جو اُن خلاصہ

Marfat.com

جات اور اسمائے حسنیٰ میں پایا جاتا ہے جن پر آیات کا اختتام ہوتا ہے۔

تنبیہ:

اس دوسری روشنی میں بہت سی آیات آئیں گی، وہ آیات اسی روشنی کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ وہ دیگر ذکر کردہ مسائل اور شعاعوں کی مثالیں بھی ہیں، اگر ہم ان مثالوں کی کماحقہ وضاحت کرنا چاہیں تو بحث بہت لمبی ہو جائے گی، اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ سرِ دست میں خود کو اختِصار و اِجمال کے لیے مجبور سمجھ رہا ہوں، اس لیے ہم نے انتہائی اختصار و اِجمال کے ساتھ ان آیات کی طرف ایک اشارہ کر دیا ہے جو ہم نے اعجاز کے اس عظیم الشان راز کی وضاحت کرتے وقت مثالیں دینے کے لیے درج کی ہیں اور جن کی تفصیلات کسی اور وقت پر اُٹھا رکھ دی ہیں۔ پس قرآن کریم بسا اوقات آیات کے اختتام پر خلاصہ جات ذکر کرتا ہے اور یہ خلاصہ جات یا تو اسمائے حسنیٰ پر مشتمل ہوتے ہیں اور یا ان کے معنی پر۔ اور یا پھر ان آیات میں پائے جانے والے مسائل و معاملات کو عقل کے حوالے کر دیتا ہے اور انسان کو ان میں غور و فکر کرنے پر اُکساتا ہے۔ اور یا پھر ان میں قرآنی مقاصد پر مشتمل کوئی قاعدہ کلیہ ہوتا ہے جس سے وہ آیت کریمہ کے مضمون کی تاکید و تائید کرتے ہیں۔

پس ان خلاصہ جات میں قرآن کی حکمتِ عالیہ کے بعض اشارے پنہاں ہوتے ہیں اور ہدایتِ الٰہیہ کے لیے آبِ حیات کے کچھ قطرے پائے جاتے ہیں اور اعجاز القرآن کی برق کے کچھ شرارے پنہاں ہوتے ہیں۔

ہم اس وقت اِن بہت سے اشارات میں سے اجمالاً ''دس اشاروں'' کا ذکر کریں گے اور ان کی بہت سی مثالوں میں سے صرف ایک مثال کی طرف اشارہ کریں گے اور ہر مثال میں پائے جانے والے بہتیرے حقائق میں سے صرف ایک حقیقت کے اجمالی معنی کی طرف اشارہ کریں گے۔

یاد رہے کہ یہ دس اشارے جو ہیں ان میں سے اکثر کئی آیات میں حقیقی اعجاز کی نقش نگاری کرتے ہوئے اکٹھے آجاتے ہیں اور اکثر وہ آیات جن کا ذکر ہم مثال دینے کے لیے کریں گے وہ آیات اکثر اشارات کے لیے مثالوں کا کام دیتی ہیں۔ پس ہم ہر آیت سے ایک اشارے کی وضاحت کر دیں گے اور ان آیات میں پائے جانے والے اُن دیگر معانی کی طرف ہلکا سا اشارہ کر دیں گے جن کا ذکر ہم نے سابقہ ''مقالہ جات'' میں کر دیا ہے۔

جزالت کی پہلی امتیازی خصوصیت

بے شک قرآن _ اپنی معجز بیانی کے ذریعے _ صانع جلیل کے افعال و آثار کو آنکھوں کے سامنے بچھاتا اور پھیلاتا ہے اور پھر ان افعال و آثار سے اسمائے الٰہیہ کا استخراج کرتا ہے یا پھر ان کے ساتھ قرآن کے اساسی مقاصد میں سے کسی مقصد کا اثبات کرتا ہے، جیسے حشر اور توحید وغیرہ۔

Marfat.com

پہلے معنی کی مثالوں میں سے ایک مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ (حاشیہ:۱)

اور دوسرے معنی کی ایک مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ۞ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ۞ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا. سے لے کر. إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا﴾ تک (حاشیہ:۲)

اب پہلی آیت میں قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے اُن عظیم الشان آثار کو پیش کر رہا ہے جو اپنے اغراض و مقاصد اور نظم و ضبط کے ساتھ اللہ کے علم اور اس کی قدرت پر دلالت کرتے ہیں، قرآن اِن آثار کا ذکر اس طرح کرتا ہے کہ انہیں ایک بڑے اہم نتیجے اور جلیل القدر مقصد کے لیے ایک مقدمے کی صورت دیتا ہے اور پھر اس سے اللہ کے اسمِ گرامی ''العلیم'' کا استخراج کرتا ہے۔

اور دوسری آیت میں قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے اَفعالِ کُبریٰ اور آثارِ عظمیٰ کا ذکر کرتا ہے اور ان سے حشر کا استخراج کرتا ہے جو کہ فیصلے کا دن ہے، جیسے کہ پہلے شعلے کی پہلی شعاع کے تیسرے نقطے میں وضاحت کی گئی ہے۔

## دُوسرا ابلاغی نکتہ:

قرآن کریم صنعتِ الٰہیہ کے بنے ہوئے پارچہ جات کو کھولتا ہے اور اسے انسانی آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور پھر انہیں اسمائے الٰہیہ کے ضمن میں بطور خلاصہ لپیٹ دیتا ہے یا انہیں عقل کے حوالے کر دیتا ہے۔

پہلے معنی کی مثال: ﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ﴾ (حاشیہ:۳)

پس وہ اولاً کہتا ہے کہ: کون ہے جس نے زمین و آسمان کو تیار کیا اور انہیں تمہارے رزق کے خزانے اور سٹور بنا دیا؟ پس وہ وہاں سے بارش اتارتا ہے اور یہاں سے دانے نکالتا ہے؟ اور اللہ کے علاوہ اور کون ہے جو عظیم الشان زمین و آسمان کو اپنے حکم کے تابع فرمان اور خزانچی بنا سکتا ہو؟ اس لیے شکر و حمد صرف اُسی اکیلے کے لیے خاص ہیں۔

اور دوسرے فقرے میں کہتا ہے: یا پھر کون ہے جو تمہارے جسم کے قیمتی ترین اجزاء یعنی کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ تُم نے یہ اجزاء کون سے کارخانے یا دُکان سے خریدے ہیں؟ پس وہ ذات جس نے تمہیں یہ لطیف اور قیمتی حواس

---

(حاشیہ:۱) البقرہ:26 (حاشیہ:۲) النباء: (حاشیہ:۳) یونس:32,31

Marfat.com

عطا کیے ہیں وہ صرف تمہارا رب ہی ہے، اُسی نے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری نشو و نما کر کے تمہیں پروان چڑھایا ہے اور تمہیں یہ حواس عطا کیے ہیں، اس لیے صرف وہ رب اکیلا ہی عبادت کا مستحق ہے اور کوئی نہیں۔

اور تیسرے فقرے میں کہتا ہے، ''یا پھر وہ کون ہے جو لاکھوں مردہ چیزوں کو ایسے ہی زندہ کرتا ہے جیسے زمین کو؟ حق سبحانہ وتعالیٰ اور خالق کائنات کے علاوہ اور کون ہے جو یہ کام کرنے پر قادر ہو؟ پس بلاشک صرف وہی یہ کام کرتا ہے اور وہی مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔ تو وہ چونکہ ''الحق'' ہے اس لیے اس کے ہاں حقوق ضائع نہیں ہوں گے۔ وہ عنقریب تمہیں عدالتِ کبریٰ میں لاکھڑا کرنے کے لیے ایسے ہی زندہ کرے گا جیسے زمین کو زندہ کرتا ہے۔

اور چوتھے فقرے میں کہتا ہے: اللہ کے علاوہ اور کون ہے جو اس عظیم کائنات کے شئوون و معاملات انتہائی تنظیم و ترتیب و تنسیق کے ساتھ ایسے ہی آسانی کے ساتھ چلا رہا ہے جیسے کہ یہ ایک محل یا چھوٹا سا شہر ہو؟ اب چونکہ اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اس لیے اس عظیم کائنات کو اس کے تمام اجرام سمیت آسانی کے ساتھ چلانے والی قدرتِ قادرہ میں نہ تو کسی کی کوتاہی کا وجود ہے اور نہ کسی شریک کار یا معاون کی ضرورت ہے۔ یہ قدرت مطلق ہے حدود و قیود کی پابند نہیں۔ اور جو اس عظیم کائنات کے جملہ اُمور کی تدبیر کر رہا ہے وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کی ادارت کا معاملہ کسی دوسرے پر نہیں چھوڑتا ہے اِس لیے تُم مجبور ہو کر کہو گے کہ: ''اللہ''۔

آپ دیکھتے ہیں کہ پہلا اور چوتھا فقرہ کہتا ہے: اللہ اور دوسرا فقرہ کہتا ہے: رب اور تیسرا فقرہ کہتا ہے: الحق۔ اب ﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ﴾ کے موقع محل پر غور کرو اور سمجھ جاؤ کہ یہ بلاغت کی کن بلندیوں کو چھو رہا ہے۔

اور یوں قرآن کریم پہلے اللہ تعالیٰ کے تصرّفات اور اُس کی عظیم مصنوعات کا ذکر کرتا ہے، پھر اُن خوبصورت آثار اور عظیم الشان مصنوعات کے پیچھے تدبیر کنندہ ہاتھ کا ذکر کرتا ہے: ﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ﴾۔ یعنی یہ کہ: وہ اسمائے الٰہی: اللہ، رب اور حق کا ذکر کر کے ان تصرّفات کے منبع و مصدر کو آشکار کرتا ہے۔

دوسرے معنیٰ کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (حاشیہ:۱)

قرآن کریم ان آیات میں زمین و آسمان کی تخلیق میں پائی جانے والی سلطنتِ اُلوہیت کی اُس تجلی کا ذکر کرتا ہے جو اس کے کمالِ قدرت اور عظمتِ ربوبیت کا اظہار کرتی ہے اور اس کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہے۔ اور اختلاف لیل ونہار

(۱) البقرۃ:164

Marfat.com

میں پائی جانے والی اس کی ربوبیت کی تجلی کا ذکر کرتا ہے اور سفینے کی تسخیر اور اس کے اجتماعی زندگی کے سب سے بڑے وسیلے یعنی سمندر میں چلنے کا منظر دکھا کر رحمت کی تجلی کا ذکر کرتا ہے اور آسمان سے حیات بخش پانی اُتار کر مردہ زمین کو اس پر پائی جانے والی لاکھوں اشیاء سمیت زندہ کر کے اور اسے عجیب و غریب اشیاء کی نمائش گاہ کی صورت بنا دینے میں جو پائی جانے والی عظیم قدرت ہے، اُس کی تجلی کا ذکر کرتا ہے۔ پھر وہ سادہ مٹی سے لاتعداد مختلف جانداروں کی تخلیق میں پائی جانے والی رحمت اور قدرت کی تجلی کا ذکر کرتا ہے۔ پھر وہ ہواؤں کو نباتات کی بارآوری اور اُن کے تنفس جیسی جلیل القدر گونا گوں ذمہ داریاں دے کر اور انہیں جانداروں کے سانسوں کو چلانے اور انہیں حرکت میں رکھنے کے قابل بنا دینے میں پائی جانے والی رحمت اور حکمت کی تجلی کا ذکر کرتا ہے۔ پھر اسی طرح وہ بادلوں کو مسخر کر دینے اور جمع اور متفرق کر دینے اور زمین و آسمان کے درمیان اس طرح لٹکتا ہوا چھوڑ دینے میں کہ جیسے وہ حکم کے تحت حرکت کرنے والے لشکر ہیں جو کہ آرام کرنے کے لیے متفرق ہو جاتے ہیں اور احکام کی بجا آوری کرتے ہوئے کسی عظیم مقصد کے لیے پھر جمع ہو جاتے ہیں، اس تمام عمل میں پائی جانے والی ربوبیت کی تجلی کا ذکر کرتا ہے۔

اور یوں وہ صنعتِ الٰہیہ کی مصنوعات پیش کر کے عقل کو تفصیل کے ساتھ ان کی حقیقتوں کی تہ کی طرف دھکیلتا ہے اور کہتا ہے: ﴿لآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾۔ اور اس کی زمام پکڑ کر اُسے بیدار کر کے تدبّر و تفکر کے میدان میں لے آتا ہے۔

## جزالت کی تیسری امتیازی خصوصیت:

بے شک قرآن کریم کبھی اللہ کے افعال کا تفصیلی ذکر کرتا ہے اور پھر ان کا ایک مختصر سا اجمالی خلاصہ پیش کر دیتا ہے، پس وہ ان کی تفصیل کے ساتھ قناعت اور اطمینان بخشتا ہے اور ایجاز و اجمال کے ساتھ ان کو حفظ کرنا اور ذہن میں بٹھانا آسان بنا دیتا ہے۔

مثال کے طور پر:

﴿وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَى آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَى أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (حاشیہ:۱)

اس آیت کے ذریعے قرآن اُن نعمتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اُس نے سیدنا یوسف علیہ السلام اور اُن سے پہلے اُن کے آباء و اجداد پر کی تھیں، پس وہ کہتا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جس نے تمہیں بنی آدم میں سے مقام نبوت کے لیے چن لیا ہے اور تمام انبیاء کے سلسلے کو تمہارے سلسلے کے ساتھ مربوط کر دیا ہے اور اُسے بنی نوع انسان کے تمام سلسلوں کا سردار بنا دیا ہے، جیسے کہ اس نے تمہارے گھرانے کو تعلیم و ہدایت کا سرچشمہ بنا دیا ہے جو علومِ الٰہیہ اور حکمت

(حاشیہ:۱) یوسف:6

Marfat.com

ربانیہ سکھاتا پڑھاتا ہے، چنانچہ اس نے تمہارے گھرانے میں دنیا کی پُر سعادت سلطنت اور آخرت کی دائمی سعادت کو یکجا کر دیا ہے اور تمہیں علم و حکمت کے ذریعے مصر کا حکمران، عظیم نبی اور پُر حکمت مرشد بنا دیا ہے۔ یہ نعمتیں ذکر کرنے اور گنوانے کے بعد اور یہ یاد دلانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اُسے اور اس کے آباء و اجداد کو علم و حکمت کی امتیازی شان سے نوازا ہے وہ کہتا ہے: ﴿اِنَّ رَبَّکَ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ﴾ یعنی اس کی ربوبیت اور حکمت اسی بات کی مقتضی ہوئی کہ وہ آپ کو اور آپ کے آباء و اجداد کو اسم "العلیم الحکیم" سے حظ اُٹھانے والے بنادے۔

اور یوں اس نے اُن تمام مفصل نعمتوں کا ذکر اس خلاصے کے ذریعے اجمالی طور پر کر دیا۔

اور مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا قول: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِکَ الۡمُلۡکِ تُؤۡتِی الۡمُلۡکَ مَنۡ تَشَآءُ. سے لے کر. وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ﴾ تک (حاشیہ:۱)

یہ آیتِ کریمہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے انسانی معاشرے میں پائے جانے افعال کو پیش کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ:

عزت، ذلت اور فقر و غنا سب کے سب براہ راست اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، یعنی کثرتِ طبقات میں پایا جانے والا تصرف جو ہے، وہ صرف اللہ کی مشیّت اور تقدیر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، اتفاقات کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

آیت کریمہ یہ حکم عطا کر کے کہتی ہے: حیاتِ انسانی میں جو سب سے بڑی چیز ہے وہ اُس کا رزق ہے۔ پس یہ آیت چند مقدمات کے ساتھ ثابت کرتی ہے کہ رزق رزّاقِ حقیقی کے خزانے سے براہِ راست ارسال کیا جاتا ہے۔ اور کہتی ہے کہ تمہارا رزق زمین کی زندگی کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور زمین کی زندگی بہار کے ساتھ بندھی ہوئی ہے اور بہار اس ذات کے ہاتھ میں ہے جو شمس و قمر کو مسخر کرتا ہے اور لیل و نہار ایک دوسرے کے آگے پیچھے لاتا ہے۔ پس کسی انسان کو رزقِ حقیقی کے عنوان سے ایک سیب عطا کر دینا صرف اُس ذات کے فعل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، جو زمین کو انواع و اقسام کے ثمرات سے بھر رہی ہے اور وہ ہے رزّاقِ حقیقی۔

اور اس کے بعد قرآن اُن مفصل افعال کو اجمالی خلاصے کے ساتھ ثابت کرتا ہے: ﴿وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ﴾۔ یعنی جو آپ کو بغیر حساب کے رزق دیتا ہے وہی ہے جو یہ سارے کام کرتا ہے۔

## چوتھا بلاغی نکتہ:

قرآن کریم مخلوقاتِ الٰہیہ کا ذکر ایک معین ترتیب کی صورت میں کرتا ہے، پھر اس ترتیب کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ مخلوقات کے اندر ایک نظام اور میزان پایا جاتا ہے اور یہ نظام و میزان مخلوقات کا ثمرہ نگاہوں کے سامنے رکھتے ہیں،

---

(حاشیہ:۲) آل عمران:27

گویا کہ وہ اِس طرح سے اُن مخلوقات پر ایک قسم کی شفافیت اور درخشانی اِلقاء کرتا ہے، وہ مخلوقات جن کے وجود سے اُن اَسمائے الٰہیہ کا اظہار ہوتا ہے جو کہ ان کے اندر جلوہ گر ہیں، تو گویا کہ یہ مذکورہ مخلوقات الفاظ ہیں اور یہ اسماء اُن کے معانی ہیں۔ یا یہ مخلوقات ثمرات ہیں اور یہ اسماء اُن کے بیج اور مغز ہیں۔

**مثال کے طور پر:**

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ۞ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۞ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَاماً فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْماً ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقاً آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ (حاشیہ:۱)

قرآن کریم انسان کی تخلیق اور اِس تخلیق کے عجیب وغریب، انوکھے، منظم اور موزوں مرحلوں کا ذکر کر رہا ہے اور انہیں ایسے منظم اور مرتب اسلوب کے ساتھ آنکھوں کے سامنے رکھ رہا ہے جو بالکل آئینے کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے کہ جس میں (فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ) کے جملے کا خود بخود مشاہدہ ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ ہر حالت اور ہر مرحلہ اپنی وضاحت کر رہا ہے اور اِس آیت کی خود وحی کر رہا ہے، حتیٰ کہ ایک کاتبِ وحی نے اِس آیت کو اس کے نازل ہونے سے پہلے اپنی زبان سے ادا کیا تھا، پھر جب نازل ہوئی اور وہ لکھنے لگا تو اس کے گمان نے اسے یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ بول پڑا کہ: کیا مری طرف بھی وحی ہوگئی ہے؟ حالانکہ کلامِ اوّل میں پایا جانے والا کمال نظام، اُس کی تابناک شفافیت اور بھرپور انسجام ان کلمات کے آنے سے پہلے ہی اپنے وجود کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

اِسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثاً وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (حاشیہ:۲)

قرآن کریم اس آیت میں قدرتِ الٰہیہ کی عظمت، اور ربوبیت کی سلطنت کو اس طریقے سے بیان کر رہا ہے کہ وہ ایک قدیر ذوالجلال ذات پر دلالت کر رہی ہے جو اپنی ربوبیت کے عرش پر مستوی ہے اور کون ومکاں کے صحیفوں پر اپنی ربوبیت کی آیات رقم کر رہی ہے چنانچہ لیل ونہار کو اس طرح سے اَدل بدل کر رہی ہے کہ گویا وہ سفید اور سیاہ دو لکیریں یا کیسٹ کے دو فیتے ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے گھوم رہے ہیں اور شمس وقمر ونجوم اطاعت گزار لشکریوں کی طرح حکم سننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے بالکل تیار بیٹھے ہیں۔ اِس لیے ہر رُوح جب بھی اس آیت کو سنتی ہے بے اختیار پکار اُٹھتی ہے: بارک اللہ۔ ماشاء اللہ۔ یعنی اس طرح تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ کا جملہ سابقہ جملوں کے لیے بطور خلاصے کے کام

---

(حاشیہ:۱) المؤمنون:12-14　(حاشیہ:۲) الاعراف:54

Marfat.com

دے رہا ہے۔اس طرح یہ جملہ سابقہ جملوں کے لیے ان کے بیج گٹھلی، پھل اور آب حیات کا حکم رکھتا ہے۔

## جزالت کی پانچویں امتیازی خصوصیت:

بے شک قرآن کریم کبھی اُن مادی جزئیات کا ذکر کرتا ہے جو تغیر کا شکار ہیں اور مختلف حالات و کیفیات کا دار و مدار ہیں اور پھر انہیں صورتوں کی طرف منتقل کرنے کے لیے نورانی، کلی اور ثابت و برقرار اسماء کے ساتھ باندھ دیتا ہے اور انہیں اجمالی طور پر بیان کر دیتا ہے اور اُن کا ایک ایسا خلاصہ پیش کر دیتا ہے جو کہ عقل کو کشاں کشاں تفکر اور عبرت پذیری کے راستے پر لے جاتا ہے۔

پہلے معنی کی مثالوں میں ایک مثال یہ ہے:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۞ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ (حاشیہ:۲)

یہ آیت پہلے ایک جزوی حادثہ بیان کرتی ہے اور وہ یہ کہ: خلافت کے باب میں آدم کو جو فرشتوں پر فوقیت دی گئی ہے اس کی وجہ ''علم'' ہے۔اور اس کے بعد علم کے میدان میں فرشتوں کی سیدنا آدم کے مقابلے میں شکست کا ذکر کرتی ہے، پھر اس کے بعد اسمائے حسنیٰ میں سے دو اسم (أنت العليمُ الحكيمُ) کے ذریعے ان دونوں واقعات کا اجمالی بیان دے دیتی ہے۔مطلب یہ کہ ملائکہ کہتے ہیں: اے پروردگار! تُو علیم ہے، چنانچہ تو نے آدم کو علم دیا اور وہ ہم پر غالب آ گیا۔اور تو حکیم ہے، چنانچہ تو ہمیں وہ چیز عطا کرتا ہے جو ہماری استعداد کے مناسب ہے اور اُسے تو اس کی استعدادوں اور صلاحیتوں کے سبب ہم پر برتری دے رہا ہے۔

اور دوسرے معنی کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ آیت ہے:

﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ۞ وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۞ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۞ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (حاشیہ:۲)

یہ آیاتِ کریمہ اس حقیقت کی رہنمائی دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بکری، بھیڑ، گائے، اونٹ اور ان جیسی دوسری مخلوقات کو لذیذ، پاک صاف اور خالص دودھ کے چشمے بنا دیا ہے۔اور اُس نے انگوروں کھجوروں اور ان جیسے دوسرے

---

(حاشیہ:۲) البقرہ:31-32 (حاشیہ:۲) النحل:66-69

Marfat.com

پھلوں کو نعمتوں کی بھری ہوئی طشتریاں اور پر لطف ولذت بھرے ہوئے تھال بنا دیا ہے اور اُس نے شہد کی مکھیوں جیسے جانداروں سے _ جو کہ اس کی قدرت کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں _ شہد بنایا ہے جس میں لذت اور شیرینی کے ساتھ ساتھ شفا بھی پائی جاتی ہے۔اور اخیر میں آیات (اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰاتٍ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ) کہہ کر غور وفکر اور عبرت پذیری وغیرہ پر اُبھارتی ہیں۔

## چھٹا بلاغی نکتہ:

بے شک قرآن کریم بعض دفعہ اس وسیع وعریض منتشر کثرت پر احکام ربوبیت نشر کرتا ہے پھر ان پر وحدت کی ظاہری علامات رکھ کر انہیں ایک ایسے نقطے پر جمع کر دیتا ہے جو ان کے مابین یک جہتی کی حیثیت رکھتا ہے یا انہیں ایک قاعدے کلیے کے تحت کر دیتا ہے۔مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾ (حاشیہ:۱)

اب اس آیت میں مختلف رنگوں میں دس جملوں کے ساتھ توحید کے دس طبقوں کا اثبات کیا گیا ہے۔اور اس کے ساتھ ساتھ یہ آیت ﴿مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ کے جملے کے ذریعے بھر پور قوت کے ساتھ کلی طور پر شرک اور غیر اللہ کی رگ کاٹ رہی ہے۔

اس آیت میں چونکہ اسم اعظم کی جلوہ گری ہے اس لیے حقائق الٰہیہ کی رُو سے اس کے معانی عظیم ترین درجے اور بلند ترین مقام پر ہیں کیونکہ یہ ربوبیت کے تصرفات کو بلند ترین درجے میں بیان کرتی ہیں، پھر بلند ترین مقام اور عظیم ترین درجے پائی جانے والی تمام زمین وآسمان کی طرف متوجہ اُلوہیت کی تدبیر کا ذکر کرنے کے بعد آیت کریمہ اُس "حفیظیت" کا ذکر کرتی ہے جو اپنے تمام معانی سمیت بے قید اور ہر چیز کو شامل ہے، پھر ان عظیم ترین تجلیات کے سرچشموں کا خلاصہ وحدتِ اتحاد کے رابطے اور وحدت کی جہت میں ﴿وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ﴾ کہہ کر کر دیتی ہے۔

اور مثال کے طور پر اللہ کا یہ فرمان:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (حاشیہ:۲)

---

(حاشیہ:۱) البقرہ:255 (حاشیہ:۲) ابراھیم:32-34

Marfat.com

یہ آیاتِ کریمہ اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اس کائنات کو پیدا کیا جو کہ ایک محل کی حیثیت رکھتی ہے، اور آسمانوں سے زمین کی طرف آبِ حیات نازل کیا، اور زمین و آسمان کو اس طرح سے مسخر بنا دیا جیسے کہ یہ دونوں خادم ہوں اور تمام لوگوں تک رزق پہنچانے کے لیے کام کر رہے ہوں اور اس انسان کے لیے سفینہ مسخر کر دیا تاکہ ہر ایک کو فرصت عطا کرے اور تاکہ وہ زمین کے ہر قسم کے پھلوں سے مستفید ہو سکے، تاکہ اس کے لیے گزر بسر کی ضمانت ہو سکے اور یوں نوع انسانی کے تمام افراد آپس میں اپنی اپنی سعی اور کام کاج کے ثمرات کا تبادلہ کر سکیں۔ یعنی اُس نے سمندر، درختوں اور ہوا میں سے ہر ایک کی خاص وضع قطع بنا دی ہے، اس طرح کہ ہوا تازیانے کا کام دے گی، سفینہ گھوڑے کی طرح ہے اور سمندر اس کے نیچے وسیع و عریض صحرا کی طرح۔ اور پھر اُس نے انسان کو اس طرح کا بنایا ہے کہ وہ اس معمورے کے تمام کونوں کھدروں میں پائی جانیوالی ہر چیز کے ساتھ سفینے اور نہروں دریاؤں میں پائے جانے والے دوسرے فطری وسائل نقل و حمل کے ذریعے رابطہ میں رہتا ہے۔ اور اُس کے لیے شمس و قمر کو رواں دواں کر دیا اور انہیں دو ایسے ملاّح بنا دیا جو کائنات کے اس رہٹ کو چلاتے ہیں، مختلف موسم مہیّا کرتے ہیں اور ان موسموں میں پائی جانے والی الٰہی نعمتوں کو تیار کرتے ہیں جس طرح کہ اس نے لیل و نہار کو اس طرح سے مسخّر کیا ہے کہ رات کو لباس اور پردہ پوش بنا دیا ہے تاکہ انسان آرام کر سکے اور دن کو تجارت گاہ بنا دیا ہے تاکہ وہ اس میں تجارت کر سکے۔

ان تمام الٰہی نعمتوں کو شمار کرنے کے بعد آیت کریمہ ﴿وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا﴾ اُن تمام نعمتوں کا خلاصہ بیان کرتی ہے تاکہ یہ بتائے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر جو نعمتیں ارزانی کی ہیں ان کا دائرہ کتنا وسیع ہے اور کس طرح وہ دائرہ انواع و اقسام کی نعمتوں سے بھرا ہوا ہے، یعنی انسان نے اپنی فطری ضرورت اور زبانِ استعداد کے ساتھ جو کچھ بھی مانگا ہے اللہ تعالیٰ نے وہ اسے عطا کر دیا ہے، پس یہ نعمتیں نہ تو اعداد و شمار میں آسکتی ہیں، نہ ختم ہو سکتی ہیں۔

جی ہاں، اگر زمین و آسمان اس کی عظیم الشان نعمتوں کے دستر خوانوں میں سے ایک دستر خوان ہو اور شمس و قمر اور لیل و نہار کا شمار بھی ان نعمتوں میں سے ہو جو اس دستر خوان پر چنی ہوئی ہیں، تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نعمتیں جن کا رُخ انسان کی طرف ہے اعداد و شمار سے باہر ہوں گی۔

### بلاغت کا ساتواں راز:

کبھی آیت مسبب کی غایات و ثمرات کی وضاحت کرتی ہے تاکہ ظاہری سبب کو خلق و ایجاد کی صلاحیت سے علیحدہ کر کے دور ہٹا دے۔ اور تاکہ اس سے یہ پتا چل جائے کہ سبب صرف ظاہری پردہ ہے؛ کیونکہ انتہائی حکیمانہ مقاصد اور مہم ثمرات کا ارادہ کرنا انتہائی علیم اور حکیم ایک ذات کا کام ہونا چاہیے جبکہ انکا سبب جامد اور لاشعور ہے۔

Marfat.com

پس آیت ثمرات وغایات کا ذکر کر کے یہ بتاتی ہے کہ: بے شک اسباب اگر چہ بظاہر اور وجود میں مسببات کے ساتھ متصل ہیں لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اُن کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے۔

جی ہاں! سبب اور مسبّب کی ایجاد کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ ہے کہ بڑے سے بڑے سبب میں بھی ایک ادنیٰ سا مسبّب ایجاد کرنے کی طاقت نہیں ہے، سبب اور مسبب کے درمیان جو یہ بُعد ہے اس میں اَسمائے الٰہیہ درخشاں ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ بنا بریں ان اَسماء کے مطالع یہ معنوی مسافت ہی ہے۔ بالکل ایسے جیسے آسمان کے دامن اُفق کو گھیرے ہوئے پہاڑوں کے ساتھ ملے ہوئے نظر آتے ہیں اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ اس کے ساتھ چپکے ہوئے ہیں، حالانکہ آسمان اور افق کے دائرے کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہے، حالانکہ پہاڑوں سے لے کے اُفق اور آسمان کے دامن کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ اُس میں ستاروں کے مطالع اور دوسری چیزوں کے مساکن پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اسباب و مسبّبات کے درمیان جو معنوی مسافت پائی جاتی ہے بہت زیادہ ہے، اتنی زیادہ کہ صرف ایمان کی دوربین اور قرآن کی روشنی سے ہی دیکھی جاسکتی ہے۔

مثال کے طور پر:

﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ۝ أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ۝ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا وَقَضْبًا ۝ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ۝ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ۝ وَفَاكِهَةً وَأَبًّا ۝ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ﴾ (حاشیہ:۱)

یہ آیاتِ کریمہ قدرتِ الٰہیہ کے معجزات کا اِس طرح مرتّب اور پر حکمت ذکر کر رہی ہیں کہ اسباب کو مسبّبات سے باندھ رہی ہیں۔ پھر اخیر میں ﴿مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ﴾ کے جملے سے غرض وغایت کی وضاحت کر رہی ہیں اور اس غرض وغایت میں یہ بات ثابت کرتی ہیں کہ اسباب و مسبّبات کے اس سلسلے کے پیچھے جو ایک تصرّف کنندہ چھپ کر بیٹھا ہوا ہے وہ ان اغراض و مقاصد پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اور پھر آیات اس حقیقت کی تاکید کرتی ہیں کہ یہ اسباب تو صرف حجابات ہیں جو اس ذات کے آگے تنے ہوئے ہیں۔

جی ہاں، ﴿مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ﴾ کا جملہ تمام اسباب سے خلق و ایجاد کی قدرت سلب کر رہا ہے، کیونکہ وہ ضمناً یہ کہہ رہا ہے:

تمہیں اور تمہارے مال مویشیوں کو رزق مہیا کرنے کے لیے آسمان سے جو پانی نازل ہوتا ہے وہ از خود نازل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں تمہارے لیے اور تمہارے مال مویشیوں کے لیے رحمت و شفقت کی قابلیت نہیں پائی جاتی ہے

(حاشیہ:۱) عبس:24-32

Marfat.com

کہ از خود تمہاری حالت پر ترس کھا کر تمہارے ساتھ شفقت و مہربانی کا برتاؤ کرے گا، اس سے پتا چلا کہ پانی آتا نہیں بھیجا جاتا ہے۔

اور بے شک وہ مٹی جس میں کوئی شعور نہیں ہے اس چیز سے بہت دور ہے کہ اُسے تمہاری حالت پر رحم آئے اور تمہارے لیے رزق فراہم کر دے۔ پس وہ خود بخود نہیں پھٹتی ہے بلکہ کوئی اور ذات ہے جو اسے پھاڑتی ہے اور اس کے دروازے کھولتی ہے اور تمہیں اس سے نعمتیں مہیا کرتی ہے۔

اِسی طرح اشجار و نباتات ہیں، یہ تم پر ترس کھا کر اور تمہاری روزی کی فکر کر کے تمہیں پھل اور دانے کسی طور پر بھی مہیا نہیں کر سکتے ہیں، اُن کی حیثیت تو چند رسیوں اور تاروں کی سی ہے، جو غیب کے پردے کے پیچھے سے لٹکی ہوئی ہیں اور جنہیں وہ حکیم و رحیم دراز کر رہا ہے جس نے اُن کے ساتھ یہ نعمتیں لٹکائی ہوئی ہیں اور انہیں ذی حیات کی طرف بھیج دیا ہے۔

اور یوں اس ترتیب سے، ان بیانات سے رحیم، رزّاق، منعم اور کریم جیسے بہت سے اسمائے حسنیٰ کے مطالع نمایاں ہوتے ہیں۔

اور مثال کے طور پر:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَاباً ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَاماً فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ۝ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (حاشیہ:۱)

بادل جو کہ خزینۂ رحمت کے عجیب ترین حجاب اور ربوبیت کا اہم ترین معجزہ ہیں، یہ آیت ان بادلوں کو تشکیل دینے اور ان سے بارش نازل کرنے میں جو عجیب و غریب تصرّفات پائے جاتے ہیں انہیں پوری وضاحت کے ساتھ ایسے بیان کر رہی ہے کہ جیسے بادلوں کے ٹکڑے جو فضائے آسمان میں بکھر جاتے ہیں اور اس میں چھپ جاتے ہیں کسی بہت بڑے لشکر کے سپاہی ہوں جو ستانے کے لیے اِدھر اُدھر بکھر جاتے ہیں، پس یہ منتشر ٹکڑے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اِدھر اُدھر سے اکٹھے ہو کر بادل بن جاتے ہیں، بالکل ایسے جیسے لشکر کے تمام سپاہی بگل کی آواز کے ساتھ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ بادلوں کے ان ٹکڑوں کو آپس میں جوڑتا ہے، جیسے بکھرے ہوئے سپاہی آپس میں جڑ کر ایک لشکر بن جاتے ہیں۔ تب

(حاشیہ:۱) النور: 43-45

Marfat.com

اللہ تعالیٰ تمام ذی حیات کے لیے ان بادلوں کے ٹکڑوں سے آب حیات بھیجتا ہے جو جسامت میں قیامت کے دن بھاگے پھرنے والے پہاڑوں کی جسامت کے اور اُن کی شکل کے ہوتے ہیں، اور رطوبت کے لحاظ سے برف اور اولوں کی کیفیت رکھتے ہیں۔ لیکن ان کو اِرسال کرنے کے عمل میں قصد وارادہ نظر آتا ہے اور یہ کہ یہ حسب ضرورت آتے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ یہ بھیجے جاتے ہیں، کیونکہ عین اُس وقت کہ جب فضائے آسمان بالکل صاف اور روشن ہوتی ہے اور اس میں اُسے گدلانے والی کوئی چیز نظر نہیں آرہی ہوتی، یک بیک پہاڑوں جیسی ضخامت کے بادلوں کا خود بخود اکٹھے ہوجانا ممکن ہی نہیں، بلکہ انہیں ایک ایسی ذات ارسال کرتی ہے جو تمام ذی حیات کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے۔

پس اس معنوی مسافت میں القدیر، العلیم، المتصرف، المدبر، المربی المغیث اور المحی جیسے اسمائے حسنیٰ جلوہ گر ہوتے ہیں۔

## جزالت کی آٹھویں امتیازی خصوصیت:

قرآن کریم کبھی اللہ تعالیٰ کے دنیا میں رونما ہونے والے عجیب وغریب افعال کا ذکر کرتا ہے، اور اس طرح وہ ذہنوں کو اللہ تعالیٰ کے آخرت میں رونما ہونے والے معجزانہ افعال کی تصدیق کے لیے اور دلوں کو انہیں مان لینے اور قبول کر لینے کے لیے تیار کرتا ہے۔ یا وہ اللہ تعالیٰ کے ان عجیب وغریب افعال کی تصویر کشی کرتا ہے جو مستقبل اور آخرت میں رونما ہونے والے ہیں، اور یہ تصویر کشی وہ ایسے طریقے سے کرتا ہے کہ ہم اس لیے مطمئن ہوجاتے ہیں کہ ان چیزوں کے متعدد نظائر ہمارے مشاہدے میں آتے رہتے ہیں، مثال کے طور پر:

﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُبِيْنٌ﴾ کے اخیر تک۔ یہاں قرآن کریم سات آٹھ مختلف طریقوں کے ساتھ حشر کا اثبات کرتا ہے اور اس کے دلائل و براہین مہیا کرتا ہے اور وہ یوں کہ اوّلاً: وہ نظروں کے سامنے نشأۃِ اُولی (پہلی مرتبہ معرض وجود میں انے) کو پیش کرتا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: تمہاری اپنی نشو ونما تمہارے سامنے ہے کہ کس طرح تم ایک ٹپکی ہوئی بوند سے خون کے لوتھڑے میں، پھر لوتھڑے سے بوٹی کی طرف منتقل ہوئے، پھر بوٹی سے انسانی شکل میں آگئے۔ تو اب تم نشأۃِ اُخریٰ (دوسری مرتبہ جی اٹھنے) کا انکار کیوں کرتے ہو جبکہ یہ بھی تو پہلی کی طرح ہے بلکہ اُس سے بھی آسان ہے۔ اور اسی طرح ﴿اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا﴾ کے جملے سے اُن بڑے بڑے احسانات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر کیے ہیں، چنانچہ کہتا ہے: بے شک وہ ذات جس نے تم پر یہ احسانات کیے ہیں وہ تمہیں کبھی بھی عبث اور بے کار نہیں چھوڑے گی کہ تم قبر میں جا کر سو جاؤ اور دوبارہ نہ اُٹھو۔ اور اسی طرح وہ رمزی طریقے سے کہتا ہے: تم مردہ درختوں کا مشاہدہ کرتے ہو کہ وہ زندہ اور ہرے بھرے ہوجاتے ہیں، پھر تم سوکھی لکڑیوں جیسی ہڈیوں کے زندہ ہوجانے کو بعید کیوں سمجھتے ہو اور ان ہڈیوں کو ان لکڑیوں پر قیاس کیوں نہیں کرتے ہو؟

Marfat.com

پھر وہ کہتا ہے: کیا یہ ممکن ہے کہ جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے وہ اُس انسان کی موت و حیات سے عاجز رہے، انسان جو کہ زمین و آسمان کا پھل اور حاصل ہے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ جو درخت کے نظم و نسق کو سنبھالتا اور اُس کی نگرانی کرتا ہے وہ اس کے درخت کے پھل کا اہتمام نہیں کرے گا اور اُسے دوسروں کے قبضے میں چھوڑ دے گا؟ کیا وہ تخلیق درخت جس کا تانا بانا حکمت سے بنایا گیا ہے، اُس کے پھل، حاصل اور نتیجے کو بے کار چھوڑ دے گا؟ کیا تم اسی طرح سمجھتے ہو؟ یاد رہے کہ جو تمہیں عنقریب حشر میں زندہ کرے گا وہ وہی ہے کہ زمین و آسمان کی چابیاں جس کے ہاتھ میں ہیں اور تمام کائنات ایسے ہی اس کا سر جھکا کر حکم مانتی ہے جیسے کہ وہ اس کے تابع فرمان سپاہی ہوں، اور تمام کائنات اس کے "كُنْ فَيَكُوْنُ" والے امر کے سامنے سراپا اطاعت و انقیاد ہے۔ وہ کہ جس کے لیے موسم بہار کی تخلیق ایسے ہی آسان ہے جیسے ایک پھول کی، اور تمام جانداروں کو وجود دینا ایسے ہی آسان ہے جیسے کہ ایک مکھی کو اس لیے ایسی ذات کی قدرت کو یہ کہہ کر چیلنج نہیں کیا جا سکتا ہے کہ: (مَنْ يُّحْيِي الْعِظَامَ)؟

پھر وہ ﴿فَسُبْحَانَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ کی عبارت کے ساتھ یہ بات واضح کرتا ہے کہ: ہر چیز کی لگام اُس کے ہاتھ میں ہے، ہر چیز کی چابیاں اس کے پاس ہیں، وہ رات دن اور سردی گرمی کو پوری آسانی کے ساتھ ایسے ہی اُلٹ پلٹ کرتا ہے جیسے کہ وہ کسی کتاب کے صفحات ہوں، اور دنیا و آخرت اس کے ہاں ایسے ہی ہیں جیسے کہ ایک گھر کے دو کمرے، وہ ایک کو بند کر کے دوسرے کو کھول دے گا۔ تو معاملہ جب ایسے ہی ہے تو پھر تمام دلائل کا نتیجہ اس کا یہ قول ہے: ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ یعنی: وہ تمہیں قبروں سے زندہ کر کے باہر نکالے گا اور میدان حشر میں لے جائے گا اور اپنے مقدس دیوان میں تمہارا حساب کتاب کرے گا۔

یوں آپ دیکھتے ہیں کہ ان آیات نے دنیا میں حشر کے ساتھ ملتے جلتے معاملات کا اظہار کر کے دلوں کو حشر کا قضیہ قبول کرنے کے لیے حاضر اور ذہنوں کو تیار کر دیا ہے۔

اور کبھی قرآن کریم اُخروی افعال کا ذکر اس شکل میں کرتا ہے کہ اس سے اُن کے دنیاوی نظائر کا احساس ملتا ہے، تا کہ انکار و استبعاد کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ مثال کے طور پر:

﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾. الخ اور ﴿اِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ .الخ اور ﴿اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾. الخ.

ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان سورتوں میں قیامت اور حشر میں پیش آنے والے تصرفات کا ذکر اس اسلوب سے کر رہا ہے جس سے دل میں دہشت پیدا ہوتی ہے اور عقل جنہیں سمجھنے سے درماندہ رہتی ہے لیکن چونکہ انسان اُن کی نظائر کا مشاہدہ موسم خزاں اور بہار میں کرتا ہے اس لیے عقل و قلب انہیں مان لیتے ہیں۔ (اور وہ اس طرح کہ وہ مثال کے طور پر اس دنیا میں ان انقلابات کے نظائر کا مشاہدہ بہار اور خزاں کی صورت میں کر لے) ان تینوں سورتوں کی تفسیر چونکہ لمبی ہے اس لیے

Marfat.com

میں بطور نمونہ صرف ایک کلمہ وضاحت کے لیے سامنے رکھوں گا، مثال کے طور پر:

﴿وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ: حشر میں ایک فرد کے تمام اعمال ایک صفحے پر لکھے ہوئے نشر کر دیے جائیں گے۔ اور یہ مسئلہ چونکہ فی نفسہ بڑا عجیب سا ہے اس لیے عقل کی پہنچ سے باہر ہے، لیکن صحیفوں کے اس نشر ہونے کی نظیر ہمیں حشرِ ربیعی میں واضح طور پر ملتی ہے۔ اور جیسے کہ سورت میں پائے جانے والے دوسرے نقاط کے نظائر و امثال کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، اِسی طرح نشرِ صحائف کے نظائر و امثال بھی واضح طور پر ملتے ہیں، اور وہ اس طرح کہ ہر پھل دار درخت اور پھول دار بوٹی کے کچھ اعمال و افعال و وظائف ہیں، اور وہ اس شکل سے عبودیت اور تسبیحات کا اظہار کرتی ہیں جس سے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ پس ہر درخت اور بوٹی کے تمام اعمال و افعال اس کی تاریخ حیات سمیت اس کے تمام بیجوں اور گٹھلیوں میں مندرج ہیں، جو کہ تمام کی تمام کسی دوسرے موسم بہار میں کسی دوسری جگہ پر ظہور میں آجائیں گی۔ اور جس طرح وہ درخت اپنی ظاہری شکل و صورت کے ذریعے زبانِ حال سے اپنی ماؤں اور اُصول کے اعمال و افعال انتہائی فصاحت کے ساتھ ذکر کرتا ہے اسی طرح اپنی شاخوں، ٹہنیوں، پھلوں، پھولوں اور پتوں کے ذریعے اپنے اعمال و افعال کے صحائف نشر کرتا ہے۔

اب وہ ذات جو یہ کام ہماری آنکھوں کے سامنے مکمل حکمت، حفاظت، تدبیر، تربیت اور لطف و کرم کے ساتھ کرتی ہے وہی ہے جو کہتی ہے: ﴿وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ﴾۔ اب اگر آپ کر سکتے ہیں تو دوسرے تمام نقاط کو اس اُسلوب پر قیاس کر لیں، اور قوتِ استنباط کے مالک ہیں تو دیگر نقاط کا استنباط کر لیں۔ آپ کی مدد کے لیے ہم ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ کا ذکر کریں گے، کیونکہ اس آیت میں جو لفظ ﴿كُوِّرَتْ﴾ آیا ہے وہ لپیٹ دینے اور اکٹھا کر دینے کے معنی میں آیا ہے، یہ مثال جہاں انتہائی خوبصورت اور تابناک ہے وہاں وہ دنیا میں اپنی نظیر اور مثیل کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے۔ اور وہ یوں کہ:

اوّلاً: بے شک اللہ تعالیٰ نے عدم، اثیر اور آسمان کے پردوں کو سورج کے ہیرے جیسے اُس چہرے سے سرکا دیا ہے جو کہ چراغ کی طرح اِس دنیا کو روشن کر رہا ہے، اور یوں اس نے اس روشن چراغ کو اپنی رحمت کے خزانے سے نکالا اور دنیا میں ظاہر کر دیا اور عنقریب وہ اس ہیرے کو جب یہ دنیا انتہا کو پہنچ جائے گی اور اس کے دروازے بند ہو جائیں گے، اس ہیرے کو اس کے پردوں میں لپیٹ دے گا۔

ثانیاً: بے شک سورج اس بات کا مامور و مکلّف ہے کہ وہ صبح دَم اپنی متاعِ نور کو بکھیرے اور شام ہوتے ہی اُسے سمیٹ کر اکٹھی کر لے اور اس طرح زمین پر لیل و نہار کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اور کبھی وہ اس طرح کرتا ہے کہ زمین کے ساتھ چلنے والے اپنے اِن معاملات میں کچھ کمی لے آتا ہے، اور وہ اس طرح کہ کبھی اس کے سامنے بادل کا کوئی ٹکڑا آجاتا

Marfat.com

ہے اور کبھی _ ایک حد تک _ چانداس کے چہرے کا نقاب بن جاتا ہے اور اس کا لین دین روک دیتا ہے۔ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ یہ ڈیوٹی دار جس طرح ان اسباب کی وجہ سے اپنا مال اسباب _ کسی حد تک _ سمیٹ لیتا ہے اور اپنے اعمال وافعال کے تمام دفاتر لپیٹ لیتا ہے، اسی طرح ایک دن بہر کیف ایسا آئے گا جب اسے اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا جائے گا، حتیٰ کہ اگر اس کی سبکدوشی کا کوئی ظاہری سبب نہ بھی پایا گیا تو بھی اس کی سطح میں پائے جانے والے وہ دو داغ جو کہ لحہ بہ لحہ پھیلتے چلے جا رہے ہیں، سورج ان کے اس پھیلاو کے سبب اور امر ربانی سے اُس روشنی کو _ جو اُس نے اذنِ الٰہی سے زمین پر پھیلا دی ہے اور اس کے سر پر باندھ دی ہے _ واپس لے لے گا اور اُسے اپنے سر پر لپیٹ دے گا، پھر رب العزت فرمائے گا: زمین کے ساتھ چلنے والے تیرے معاملات آج ختم ہو گئے ہیں، اب تیری ڈیوٹی جہنم میں لگ گئی ہے تاکہ تو وہاں اُن لوگوں کو جلائے جنہوں نے تیری پرستش کی تھی اور تجھ جیسے مسخر اور تابع فرمان ملازم کی توہین وتحقیر کی تھی اور اُس پر خیانت اور بے وفائی کا الزام لگایا تھا۔ اس بیان پر سورج اپنے سیاہ داغ دار چہرے پر اپنے چہرے کے ساتھ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ کا ربانی منشور پڑھے گا۔

## نواں بلاغی نکتہ:

قرآن حکیم کبھی کچھ جزوی مقاصد ذکر کرتا ہے، پھر ان جزوی مقاصد کو قاعدہ کلیہ بنانے اور انہیں ذہنوں میں رواں دواں رکھنے کی غرض سے، وہ اس جزوی مقصد کو زور دے کر ثابت کرتا ہے، اُس کی تاکید کرتا ہے اور اُسے مضبوط بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ اور یہ کام وہ اسمائے حسنیٰ کے ساتھ کرتا ہے جو کہ قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مثال کے طور پر:

﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ (حاشیہ:۱)

قرآن کہتا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ سمیع مطلق ہے، ہر شے سنتا ہے، حتیٰ کہ وہ اپنے اسم (الحق) کی بنا پر ایک جزوی واقعہ بھی سنتا ہے، اُس ایک عورت کا واقعہ بھی۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی لطیف ترین تجلیات سے بہرہ ور تھی، اور جو کہ شفقت ومہربانی کے عظیم ترین خزانے کی نمائندگی کر رہی تھی۔ اور جو آپ سے اپنے خاوند کا شکوہ کر رہی تھی اور آپ کے ساتھ اس ضمن میں مجادلے کا انداز اپنائے ہوئے تھی اور وہ اپنے دعوے میں سچی بھی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ایک جزوی واقعہ تھا لیکن وہ اپنے اسم "الرحیم" کی برکت سے اس عورت کا شکوہ کسی بھی بڑے معاملے کی طرح بڑے اہتمام سے سن رہا تھا اور اسم "الحق" کی برکت سے اسے کامل توجہ اور سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔

---

(حاشیہ:۱) المجادلۃ:1

Marfat.com

اب اس جزوی مقصد کو قاعدہ کلیہ بنانے کے لیے آیت ہمیں یہ رہنمائی دیتی ہے کہ: وہ جو مخلوقات کا چھوٹے سے چھوٹا حادثہ سنتا اور دیکھتا ہے، ضروری ہے کہ وہ وہی ہو جو ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے اور وہ ممکنات سے منزّہ ہے۔ اور وہ کون و مکاں کا ربّ ہونا چاہیے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ کون و مکاں میں رُو پذیر ہونے والے تمام مظالم دیکھتا ہو اور مظلوموں کے شکوے سنتا ہو۔ پس جو مظلوموں کے مصائب دیکھ نہیں سکتا اور ان کی فریادیں سن نہیں سکتا وہ اُن کا ربّ نہیں ہو سکتا ہے۔

اس لیے ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ کا جملہ دو بہت بڑی حقیقتوں کی وضاحت کر رہا ہے، اور ایک مقصد کو امرِ کلی بنا رہا ہے۔

اور مثال کے طور پر:

﴿سُبْحَانَ الَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِى بَارَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (حاشیہ:۱)

قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کا مسجد الحرام سے لے کر مسجد اقصیٰ یعنی معراج کے نقطۂ آغاز تک _ کے رات کے سفر کا تذکرہ کرتا ہے اور آخر میں کہتا ہے: ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ اب (اِنَّهٗ) کے لفظ میں جو ضمیر ہے وہ یا تو اللہ کی طرف راجع ہے یا نبی ﷺ کی طرف، اگر یہ ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہو تو اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا: بے شک اس جزوی سیاحت میں عمومی سیر اور سدرۃ المنتہیٰ اور قابَ قوسین تک کلی معراج پایا جاتا ہے، اور آپ ﷺ کے سمع و بصر کے لئے جن آیات ربانیہ اور عجائباتِ صنعتِ الٰہیہ کا ظہور ہوا آپ ﷺ نے اسمائے الٰہیہ کے کلی مراتب میں انہیں سنا اور اُن کا مشاہدہ کیا۔ پس قرآن کریم اس جزوی سیاحت کو ایسی کلی سیاحت کے حکم میں رکھتا ہے جو کہ محشرِ عجائب کی چابی کا حکم رکھتی ہے۔ اور اگر ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا: بے شک اللہ نے اپنے بندے کو ایک سیاحت کی صورت میں اپنے ہاں حضوری کے لئے بلایا تا کہ اُسے کوئی ذمہ داری سونپے، اس بنا پر مسجد الحرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک رات ہی رات میں لے گیا، مسجد اقصیٰ جو کہ مجمع الانبیاء ہے پھر آپ ﷺ کی انبیاء کے ساتھ مجلس کروائی اور آپ ﷺ کو بتایا کہ آپ ﷺ تمام انبیاء کے ادیان کے اُصولوں کے مطلق وارث ہیں۔ پھر آپ ﷺ کو اپنے ملک و ملکوت کی سیر کرائی تا آنکہ آپ کو قابَ قوسین اَو ادنیٰ تک پہنچا دیا چنانچہ وہ کہتا ہے: بے شک یہ سیاحت یا سیر اگر چہ جزوی معراج ہے اور جسے یہ سیر یا معراج کرائی گئی ہے اگر چہ وہ عبد ہے، لیکن وہ ایسی امانت کا حامل ہے جو پوری کائنات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، اور اس کے ہمراہ ایسا نور ہے جو اس کائنات کو منوّر کر رہا ہے اور اس کے خد و خال تبدیل کر کے اُسے اپنے رنگ میں رنگ رہا ہے، اور اس پر مزید یہ کہ اُس کے پاس ایک چابی ہے جس کے ساتھ وہ ابدی سعادت کا دروازہ کھول سکتا ہے۔

---

(حاشیہ:۱) الاسراء:1

Marfat.com

ان تمام چیزوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو خود سمیع بصیر کہتا ہے یعنی یہ کہ وہ تمام اشیاء کو سنتا اور دیکھتا ہے تاکہ یہ راز آشکار کرے کہ اس امانت، نور اور چابی میں اتنی بلند پایہ حکمتیں پائی جاتی ہیں جو تمام کائنات کو شامل ہیں۔

اور مثال کے طور پر:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِي أَجْنِحَةٍ مَّثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (حاشیہ:۱)

اس سورت میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے: بے شک فاطرُ السموات والارض ذوالجلال والاکرام نے زمین و آسمان کو مزین کر کے اپنے کمال کے آثار کو نمایاں کیا ہے، اب اس چیز کے ساتھ وہ لامحدود ناظرین و مشاہدین کی طرف سے اُن کے فاطر کے لیے لامحدود مدح و ثناء کراتا ہے۔ اور پھر اسی طرح اُس نے انہیں بے حدوحساب نعمتوں سے مزیّن کیا ہے، اب زمین و آسمان تمام نعمتوں اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے والوں کی زبانوں کے ساتھ اپنے فاطر رحمان کی لانہایت حمد و ثناء اور شکر ادا کرتے ہیں۔ پھر کہتا ہے: بے شک وہ ذاتِ ذوالجلال جس نے اُس مملکت کے باسی یعنی ملائکہ کو سیر و تفریح اور پرواز کرنے کے لیے پَر عطا کیے ہیں جس کے ساتھ وہ آسمانی محلات یعنی ستاروں اور علوی ممالک یعنی بُرجوں میں اُڑتے پھرتے ہیں جیسے کہ انسان حیوانات اور پرندے زمین کے ممالک اور علاقہ جات میں اپنے اُن پروں اور دیگر اعضاء کے ساتھ سیر و سیاحت کرتے ہیں جو انہیں اُن کے فاطر نے عطا کیے ہیں پس اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہو، اس لیے کہ وہ جس نے ایک مکھی کو ایک پھل سے دوسرے پھل تک اُڑ کر جانے کے لیے پَر دیئے ہیں اور ایک چڑیا کو ایک درخت سے دوسرے درخت تک اڑ کر جانے کی صلاحیت بخشی ہے اسی نے ملائکہ کو ایسے پَر دیے ہیں جن کے ذریعے وہ زُہرا سے مُشتری تک اور مشتری سے زحل تک پرواز کرتے ہیں۔ اور وہ یہ اشارہ بھی دیتا ہے کہ ملائکہ زمین کے رہائشیوں کی طرح ایک جزئی میں منحصر یا ایک خاص جگہ میں مقیّد نہیں ہیں بلکہ وہ ایک ہی وقت میں چار یا اس سے زیادہ ستاروں میں ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس چیز کی تفصیل ﴿مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾ کے الفاظ کے ساتھ کرتا ہے۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ ملائکہ کو بال و پر عطا کرنے والے جزوی حادثے کی تعبیر کے ذریعے غایت درجے کی عمومی اور کلّی قدرت کی عظمت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ کے خلاصے کے ساتھ اس کا اثبات اور اس کی تاکید کرتا ہے۔

## دسواں بلاغی نکتہ

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آیت انسان کے عصیان و گناہ گاری والے اعمال کا ذکر کرتی ہے اور اسے شدّت کے ساتھ ڈانٹتی اور منع کرتی ہے، اور پھر اس آیت کا اختتام بعض ایسے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ ہوتا ہے جو رحمتِ الٰہیہ کی طرف اشارہ

---

(حاشیہ:۱) فاطر:1

Marfat.com

کرتے ہیں، تا کہ اُسے کچھ تسلی رہے اور شدید ڈانٹ ڈپٹ کی وجہ سے وہ مایوس اور نا اُمید نہ ہو جائے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذاً لَّابْتَغَوْا إِلَى ذِي الْعَرْشِ سَبِيلاً﴾ ﴿ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوّاً كَبِيراً﴾ ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَـكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيماً غَفُوراً﴾ (حاشیہ:۱)

یہ آیت کریمہ کہتی ہے: ''ان سے کہہ دیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ملک میں اس کا شریک ہوتا جیسے کہ تم لوگ کہہ رہے ہو تو اس میں کوئی شک نہیں اس کا ہاتھ اس کے عرش ربوبیت تک ضرور دراز ہو جاتا اور انتظامی امور اس کی مداخلت کی وجہ سے گڑبڑ ہو جاتے۔ لیکن حال یہ ہے کہ آسمانوں کے ساتوں طبقات سے لے کر جراثیم تک ہر ایک مخلوق کلی ہو یا جزئی چھوٹی ہو یا بڑی، سب کی سب، ان پر جو اسمائے حسنی کی تجلیات نظر آ رہی ہیں اُن تجلیّات کی زبان کے ساتھ اور ان اسمائے حسنیٰ کے نقوش کی طفیل تسبیح کر رہی ہیں اور ان اسماء کے مسمی یعنی اللہ تعالیٰ کی تقدیس کر رہی ہیں اور اُسے شریک و نظیر سے منزّہ قرار دے رہی ہیں''۔

جی ہاں، جس طرح آسمان اُس کی تقدیس کرتا ہے اور اپنی حکمت، انتظام اور اپنے نور فشاں کلمات یعنی شموس و نجوم کے ساتھ اُس کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے۔ اور جس طرح ہوا کی فضا بادل، بجلی کی گرج چمک کڑک اور بارش کے قطرات کی آواز کے ساتھ اُس کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے اور اس کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہے۔ اور جس طرح زمین اپنے جاندار کلمات یعنی حیوانات و نباتات و موجودات کے ساتھ اپنے جلیل القدر خالق کی تسبیح کرتی ہے اور اُس کی وحدانیت بیان کرتی ہے۔ اسی طرح زمین پر پایا جانے والا ہر درخت اپنے پتوں پھولوں اور پھلوں کے کلمات کے ساتھ اس کی تسبیح کرتا ہے اور اس کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے۔ اسی طرح ہر چھوٹی مخلوق اور جزوی مصنوع اپنے چھوٹے پن اور جزئیت کے باوجود اپنے نقوش و کیفیات کے اشاروں اور اپنے بہت سے اسمائے کلّیہ کے اظہار کے ذریعے ان تمام اسماء کے مسمّی یعنی ربّ ذوالجلال کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے اور اس کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہے۔ اور یوں کون و مکاں تمام کا تمام ایک ساتھ اور بیک زبان اپنے ذمے لگائی گئی عبودیت کی ذمہ داریوں کو کمال اطاعت کے ساتھ ادا کرتا ہے بالاتفاق اپنے خالقِ ذوالجلال کی تسبیح کرتا ہے اور اس کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے۔ لیکن انسان جو کہ خلاصہ کائنات، نتیجہ تخلیقات اُس کا معزز خلیفہ اور پکا ہوا پھل ہے، یہ انسان کائنات میں پائی جانے والی تمام اشیاء کے برعکس اور خلاف چلتا ہے اور اپنی اس روش سے اللہ کے ساتھ کفر و شرک کا ارتکاب کرتا ہے، اس کی یہ روش کتنی بدصورت ہے؟ اور کیا خیال ہے کہ وہ اپنی اس روش کی وجہ سے کتنی سزا کا مستحق ہوگا؟

---

(حاشیہ:۱) الاسراء:42-44

Marfat.com

لیکن اس بنا پر کہ انسان یاس و نا اُمیدی کے عمیق گڑھے میں نہ جا گرے آیت کریمہ اس بات کی حکمت بیان کرتی ہے کہ وہ قہارُ ذوالجلال انسان کے اس طرح کے کالے کرتوتوں کی وجہ سے کون و مکاں کو برباد کیوں نہیں کر دیتا ہے؟ چنانچہ وہ کہتی ہے کہ اس لیے کہ ﴿اِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ اور یہ کہہ کر وہ مہلت دینے کی حکمت بیان کرتی ہے اور اس کے سامنے اس اختتام کے ذریعے اُمید کا دروازہ کھول دیتی ہے۔

اب آپ اِن دس اعجازی اشاروں کے ذریعے یہ بات سمجھ جائیں کہ آیتوں کے اختتامی خلاصہ جات و اختصارات میں ایک تو بہت سی اعجازی کرنیں پائی جاتی ہیں اور دوسرے یہ کہ اُن میں رُشد و ہدایت کے بہت سے رشحات پائے جاتے ہیں، اسی بنا پر بڑے بڑے ماہرینِ بلاغت ان عجیب وغریب اَسالیب کے سامنے استعجاب و استحسان کے عالم میں انگشت بدنداں رہ گئے تھے اور پکار اٹھے تھے کہ: یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے، اور اللہ کے فرمان ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ پر حق الیقین کی روشنی میں ایمان لے آئے تھے یاد رکھیں کہ ان تمام مذکورہ اشارات کے پہلو بہ پہلو کچھ آیات اور بھی بہت سی ایسی امتیازی خصوصیات اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہیں جن کو ہم نے اس بحث میں سر دست چھیڑا نہیں ہے، ان تمام خصوصیات میں مجموعی طور پر اعجاز کے ایسے اچھوتے نقش کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جو اندھوں کو بھی نظر آ جائے گا۔

## دوسرے شعلے کا تیسرا نور

اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو کسی بھی دوسرے کلام پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے، کیونکہ طبقاتِ کلام کی سربلندی، قوّت اور حسن و جمال کی جہت سے چار سرچشمے ہیں:

اوّل: متکلم۔ دوم: مخاطب۔ سوم: مقصد۔ چہارم: مقام۔ صرف مقام ہی نہیں جیسے کہ اُدباء اس ضمن میں ٹھوکر کھا گئے ہیں چنانچہ کلام کے بارے میں یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ: کس نے کہا ہے؟ کس سے کہا ہے؟ کیوں کہا ہے؟ اور کس کے بارے میں کہا ہے؟ اس لیے صرف کلام ہی کو دیکھ کر وہاں کھڑے نہ ہو جانا۔

اب کلام چونکہ اپنی قوت اور حسن و جمال ان چار سرچشموں سے حاصل کرتی ہے، اس لیے قرآن کے سرچشموں میں گہری نظر ڈالنے سے اس کی بلاغت کے درجے، اس کے حسن و جمال اور سربلندی کا ادراک بخوبی ہو سکتا ہے۔

جی ہاں، جب کلام متکلم سے قوت پکڑتا ہے لہٰذا اگر وہ کلام امر اور نہی ہو، تو متکلم کے درجے کے حساب سے اُس کے ارادے اور قدرت پر مشتمل ہوتی ہے، اس لیے اس وقت کلام مؤثر ہوتی ہے اور بغیر کسی رکاوٹ کے بجلی کی طرح سرایت کر جاتی ہے اور اس نسبت کے حساب سے اس کی قوّت اور بلندی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر: ﴿يَاأَرْضُ ابْلَعِي مَآءَكِ وَيَا سَمَآءُ أَقْلِعِي﴾ (حاشیہ: ا)

---

(حاشیہ: ا) ھود: 44

Marfat.com

"یعنی اے زمین تیرا کام ختم ہو چکا ہے اپنے پانی کو نگل لیے؛ اے آسمان! ضرورت ختم ہوگئی ہے، بارش کو تھام لے"

اور﴿فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعاً أَوْ كَرْهاً قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ﴾(حاشیہ:۱) یعنی اس نے کہا: اے زمین اور اے آسمان اطاعت گزاری سے یا ناپسندی سے، آؤ اور میری حکمت اور قدرت کے سامنے سراپا تسلیم ہو جاؤ اور عدم کے پردے سے باہر نکل کر کائنات میں میری صنعت کی نمائش گاہ میں چلے آؤ۔ تو اُن دونوں نے کہا: ہم کمال اطاعت کے ساتھ آرہے ہیں اور آپ کی عطا کردہ قوّت اور ارادے پر مشتمل ہیں۔ پھر کسی عام انسان کے کلام کو دیکھیں جب وہ جمادات سے مخاطب ہو کر کہے کہ: "اُسْكُنِي يَاأَرْضُ وَانْشَقِّي يَاسَمَاءُ وَقُومِي أَيَّتُهَاالْقِيَامَةُ" ظاہر ہے کہ یہ کلام کسی بخار میں مبتلا انسان کا ہذیان لگتا ہے جس کا سابقہ دونوں کلاموں کے ساتھ کسی بھی طرح مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ انسان کی فضول خواہشات و رغبات کے زیر اثر جنم لینے والے اوامر کی اپنے عمل پر حاوی حقیقی آمر کی طرف سے صادر ہونے والے اوامر کے سامنے کیا حیثیت ہو سکتی ہے؟

جی ہاں! ایک عظیم الشان قائد جس کے کی حکم عدولی نہ کی جاسکتی ہو وہ جب اپنے سپاہیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دے، تو اس کے امر اور ایک عام بے حیثیت سپاہی کے امر کے درمیان کیا مقابلہ ہے؟ یہ دونوں امر اگرچہ صورتاً ایک ہی جیسے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان معنی کے لحاظ سے بہت زیادہ فرق ہے، بالکل وہی فرق جو کہ کمانڈر جنرل اور سپاہی کے درمیان ہوتا ہے۔

اور مثال کے طور پر: ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (حاشیہ:۲) اور﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ﴾ (حاشیہ:۳) ان دو آیتوں میں پائے جانے والے امر کی قوّت اور بالا دستی ملاحظہ کریں۔ پھر کسی انسان کے امر کے ساتھ مشابہت رکھنے والے کلام کو دیکھیں۔ کیا دونوں کے درمیان وہی فرق نہیں ہوگا جو کہ تابناک سورج اور جگنو کی روشنی کے درمیان ہے؟

جی ہاں! ایک طرف تو ایسے لوگوں کی فضول بحث ہے، جن کا اپنے اعمال و افعال کے ساتھ تعلق بہت کم ہوتا ہے، اور دوسری طرف ایک ایسا مالک حقیقی ہے جو کہ ہمہ وقت اپنے عمل میں مصروف رہ کر اپنے عمل کی تصویر کشی کرتا ہے، ایک صانع حقیقی ہے جو اپنی صنعت کے بارے میں وضاحتیں کرتا ہے، اور ایک محسنِ حقیقی ہے جو کہ مصروفِ احسان رہ کر اپنے احسانات کی تشریح کرتا ہے۔ اور اس کا فعل اس کے قول کے مطابق ہے، یعنی وہ کہتا ہے کہ آؤ دیکھو میں نے ایسے ایسے کیا ہے اور ایسے ایسے کر رہا ہوں۔ اور اس طرح میں نے یہ کام کیا ہے، اس لیے کیا ہے، اور یہ کام اس طرح ہوگا اس لیے میں اس طرح کر رہا ہوں، یعنی وہ قول اور عمل کا سنگم پیش کرتا ہے اور یہ اس طرح اپنے کارنامے کے بارے میں آنکھوں اور کانوں کو

(حاشیہ:۱) فصلت:11 (حاشیہ:۲) یٰس:82 (حاشیہ:۳) البقرہ:34

Marfat.com

ایک ساتھ بتاتا ہے یقیناً ان دونوں میں بہت زیادہ فرق ہے، مثال کے طور پر: ﴿أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ ﴾ ﴿وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴾ ﴿تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۞ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا فَأَنبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۞ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيدٌ ۞ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ﴾ (حاشیہ:۱)

یہ تصویر جو کہ قرآن کے آسمان میں پائی جانے والی اس سورت کے برج میں روشن ستاروں کی طرح جگمگا رہی ہے گویا کہ یہ تصویر جنت کے پھلوں کی ہے۔ اب وہ اپنے ان افعال کے ضمن میں بلاغی نظم و ترتیب کے ساتھ دلائل کے بہت سے طبقات ذکر کرتا ہے اور یوں (کذلک الخروج) کی تعبیر کے ذریعے حشر کا اثبات کرتا ہے جو کہ ان دلائل کا نتیجہ ہے اور سورت کے آغاز میں جن لوگوں نے حشر کا انکار کیا ہے ان پر حجت پوری کر دے۔ اب اِس کلام کا لوگوں کے اُس فضول کلام کے ساتھ کیا مقابلہ ہے، جس کا اُن کی عملی زندگی کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہیں ہوتا؟ ان دونوں کے درمیان وہی فرق ہے جو زندگی سے بھرپور اصلی پھول اور کاغذ پر بنی ہوئی تصویر کے درمیان ہوتا ہے۔

﴿أفلم ينظروا﴾ سے لے کر ﴿كذلك الخروج﴾ تک ان آیات میں پائے جانے والے معانی کی بہترین صورت میں وضاحت کے لیے بہت زیادہ وقت درکار ہے اس لیے ہم سرِ دست اس کی طرف ایک اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

بے شک قرآن کریم پہلے بطور مقدمہ کے چند تفصیلات ذکر کرتا ہے تاکہ منکرین کو قبولِ حشر پر مجبور کر سکے کیونکہ وہ سورت کے آغاز میں حشر کا انکار کر چکے ہیں، چنانچہ وہ کہتا ہے: تم اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھتے ہو کہ ہم نے اُسے کیسے بنایا ہے۔ کتنی منظم اور پر ہیبت بناوٹ ہے اس کی! کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ ہم نے اُسے کس طرح سورج اور چاند ستاروں سے آراستہ کیا ہے، کیا اس میں کسی قسم کی کوئی کمی کوتاہی یا خلل نظر آتا ہے۔؟ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے زمین کو کس طرح تمہارے لیے پوری حکمت کے ساتھ پھیلایا اور ہموار کیا ہے اور اس میں پہاڑوں کو مضبوط گاڑھ دیا ہے تاکہ وہ اُسے سمندر کی دستبرد اور تسلّط سے بچا کر رکھیں۔؟ کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ ہم نے اس میں ہر جنس کی سبزی اور جڑی بوٹی کے خوبصورت اور متنوع جوڑے پیدا کیے ہیں اور ان سے زمین کے تمام اطراف واکناف کو آراستہ پیراستہ کر دیا ہے؟ کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ ہم آسمان کی طرف سے کس طرح بابرکت پانی ارسال کرتے ہیں اور اس کے ذریعے کھجور اور اس جیسے دوسرے لذیذ پھلوں کے باغات اور دانوں کے کھیت اگاتے ہیں اور ان سے اپنے بندوں کے رزق بناتے ہیں؟ کیا تم یہ نہیں دیکھتے ہو کہ ہم کس طرح اس پانی کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں اور اپنی قدرتِ کاملہ کے ذریعے اِس مردہ

(۱) ق:6-11

Marfat.com

زمین سے نباتات نکالتے ہیں، تم بھی اس سے حشر کے دن بالکل اسی طرح نکلو گے، چنانچہ یہ زمین قیامت کے دن مر جائے گی اور تم اس سے زندہ ہو کر نکل آؤ گے۔

اب یہ دیکھو کہ اس آیت میں حشر کے اثبات کے لیے جو قوتِ بیاں پائی جاتی ہے اور جس کی سینکڑوں قسموں میں سے ہم نے صرف ایک قسم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کا ان کلمات کے ساتھ کیا مقابلہ ہو سکتا ہے جو لوگ اپنے کسی دعوے کے لیے دہراتے رہتے ہیں؟۔

☆ ☆ ☆

ہم نے آغازِ کتاب سے لے کر یہاں تک اِعجاز القرآن کے قضیے میں غیر جانب دارانہ انداز اختیار کیا ہے اور قرآن کریم کے بہت سے حقوق پس پردہ مخفی و مستور چھوڑ دیے ہیں، موازنہ اور مقابلہ کرتے وقت ہم نے اِس تابناک سورج کو چھوٹی چھوٹی شمعوں کے مرتبے پر اُتارا ہے، صرف اس لیے کہ ایک سرکش مدّ مقابل اعجاز القرآن کا قائل ہونے پر مجبور ہو جائے۔

اور اب جبکہ علمی تحقیق نے اپنا حق ادا کر دیا ہے اور قرآن کا اعجاز پوری آب و تاب سے ثابت ہو گیا ہے ہم ـ علمی تحقیق کے نام سے نہیں بلکہ ـ حقیقت کے نام سے ایک دو باتوں میں قرآن کے مقام و مرتبے کی طرف کچھ اشارے کرتے ہیں، وہ حقیقی مقام جو کسی بھی موازنے اور مقابلے وغیرہ کے دائرے میں نہیں سما سکتا ہے۔

جی ہاں! دنیا میں جتنے بھی کلام پائے جاتے ہیں اُن کی حیثیت قرآنی آیات کے مقابلے میں ایسے ہی ہے جیسے کہ ستاروں کے مقابلے میں ان کی وہ چھوٹی چھوٹی عکسی تصویریں جو آئینوں میں جھلملا رہی ہوں۔

جی ہاں! قرآن کے وہ کلمات جن میں سے ہر ایک ثابت شدہ حقائق کی تصویر کشی کرتا اور انہیں سرِعام آشکار کرتا ہے ،اُن کے سامنے ان معانی کی کیا حیثیت ہے جن کی تصویریں انسان اپنے کلمات کے ذریعے اپنے فکر و نظر و احساسات کے اظہار کے لیے چھوٹے چھوٹے آئینوں میں بناتا ہے؟

پاکیزہ ملائکہ کی طرح زندگی سے بھرپور کلمات۔ اُس قرآن کے کلمات جس سے ہدایت کی روشنیوں کے سوتے پھوٹتے ہیں اور جو شمس و قمر کے خالق کا کلام ہے۔ ان کلمات کے مقابلے میں انسان کے وہ کلمات کیا مقام رکھتے ہیں جو اپنی تلخ تر اور فریب کارانہ دقیقہ سنجیوں اور ساحرانہ جادوگریوں کے ذریعے خواہشات نفسانیہ کو اُبھارتے ہیں؟

جی ہاں! موذی حشرات الارض اور پاکیزہ ملائکہ اور روحانی مخلوقات کے درمیان جو نسبت ہے وہی نسبت انسان کے کلام اور قرآن کے کلام کے درمیان ہے۔ اور یہ وہ حقیقت ہے جو پچیسویں مقالے سمیت سابقہ چوبیس مقالہ جات میں بخوبی ثابت کر دی گئی ہے۔ اس لیے ہمارا یہ دعویٰ صرف دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ یہ اُس دلیل اور برہان کا نتیجہ ہے جو اس

Marfat.com

دعوے کے پیچھے کارفرما ہے۔

جی ہاں! قرآن کے وہ الفاظ جن میں سے ہر لفظ ہدایت کے موتیوں کا سیپ، ایمان کے حقائق کا سرچشمہ اور ایمان کے اساسیات کی کان ہے اور جو براہ راست عرشِ رحمان سے نازل ہوتے ہیں اور کون و مکان کے اوپر سے اور اُسے اپنا موضوع بناتے ہیں اور جو کہ ازلی خطاب ہیں، یہ ازلی خطاب جو کہ علم، قدرت اور ارادے کو شامل ہے، اس کا اور انسان کے حرص و ہوا سے بھرے ہوئے واہیات الفاظ کا کیا جوڑ ہے؟

جی ہاں! قرآن کریم اُس شجرۂ طوبیٰ کا حکم رکھتا ہے جس نے اپنی شاخیں عالمِ اسلام کے اطراف واکناف میں پھیلا رکھی ہیں، اور اس عالمِ اسلام میں پائے جانے والے تمام معنوی کمالات، شعائر، دساتیر اور احکام اس درخت کے پتے ہیں، پھر اس میں پائے جانے والے تمام اُولیاء و اُصفیا اس درخت کے آبِ حیات سے ظہور میں آنے والے خوبصورت، دیدہ زیب، لطافت بھرے اور تر و تازہ پھول ہیں۔ اور پھر یہ تمام کونی اور الٰہی حقائق و کمالات اس کے پھل ہیں، حتیٰ کہ ان پھلوں کی ہر گٹھلی دستورِ عمل اور منہجِ حیات کا حکم رکھتی ہے۔ جی ہاں، حقائق کا یہ تسلسل جن کا درشن ہمیں قرآن کریم کراتا ہے، اور جن کی حیثیت ایک پھلوں سے لدے شجر سایہ دار کی بھی ہے، ان کے مقابلے میں انسان کے اس عادی اور معمول کے کلام کی کیا حیثیت ہے؟

## چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک؟

بے شک قرآن کریم اپنے تمام حقائق کائنات کے بازار میں گزشتہ تیرہ سو سال سے پھیلاتا چلا آ رہا ہے اور انہیں تمام لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہے، اور ہر فرد، ہر قوم اور ہر علاقے نے اس کے جواہر اور حقائق اپنے دامن میں سمیٹے ہیں اور سمیٹتے چلے آ رہے ہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ مانوسیت ہو جائے اور جو وافر مقدار میں ہو جائے یا جو چیز پرانی ہو جائے اس سے دل بھر جاتا ہے اور اہمیت کم ہو جاتی ہے لیکن اب جبکہ ساڑھے تیرہ سو سال گزر چکے ہیں یہ مانوسیت یہ وفورِ کثرت، مرورِ زمان اور دنیا میں رونما ہونے والی ہولناک تبدیلیاں اس کے قیمتی حقائق اور خوبصورت اسلوب میں خلل انداز نہیں ہو سکیں، بوڑھا نہیں کر سکیں، اس کی تر و تازگی ختم نہیں کر سکیں، اس کی قیمت گھٹا نہیں سکیں اور اس کے حسن و جمال کی رونق کو ماند نہیں کر سکیں۔

بے شک صرف یہی ایک حالت سب سے بڑا اعجاز ہے۔

اور اب اگر کوئی آدمی اُٹھے اور قرآن کے لائے ہوئے حقائق کو اپنی بچگانہ خواہشات و تصرفات کے مطابق نظم کر دے اور پھر قرآن کی بعض آیات پر اعتراض کرنے کی غرض سے اپنے کلام کا قرآن کے کلام کے ساتھ موازنہ کرنا شروع کر

Marfat.com

دے اور کہے کہ: میں نے ایسا کلام کہا ہے جو قرآن کے مشابہ ہے، تو کوئی شک نہیں کہ اس کا یہ کلام اُسی حماقت کے مشابہ ہو گا جو اِس مثال میں پائی جاتی ہے:

ایک معمار نے ایک عظیم الشان محل تعمیر کیا، اس کے پتھر مختلف جواہرات کے تھے، اس نے ان تمام پتھروں کو بہترین وضع میں رکھا اور انہیں ایسے موزوں نقش ونگار کے ساتھ آراستہ کیا جو کہ تمام محل کے بلند نقوش کے ساتھ تعلق رکھتے تھے پھر اس محل میں ایک ایسا آدمی داخل ہوا جو ان عجیب وغریب نقوش کو سمجھنے سے قاصر تھا اور اس کے زر و جواہر کی قیمت اور زیب و زینت سے نابلد تھا، اس لیے اس نے اُن پتھروں کے نقش ونگار اور ان کی وضع قطع کو تبدیل کرنا شروع کر دیا اور انہیں اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ایک ایسے طریقے سے جوڑنا اور بٹھانا شروع کر دیا جس سے وہ محل ایک عام گھر کی شکل اختیار کر گیا، پھر اس کی سجاوٹ کے لیے اس میں معمولی قسم کے منکے اور نگینے جڑ دیے جو بچوں کو پسند آتے ہیں، پھر اُس نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ: دیکھو میرے پاس فنِ تعمیر کی ایسی مہارت ہے جو اس عظیم الشان محل کے بانی سے کہیں زیادہ ہے، اور میرے پاس تزیین وآرائش کے لیے استعمال ہونے والے ہیرے جواہر اِس محل کے بانی سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کا یہ کلام کسی دیوانے کی بڑ ہو گا اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

-------------------------------

Marfat.com

# تیسرا شعلہ

اِس شعلے کی تین روشنیاں ہیں

## پہلی روشنی:

''تیرہویں مقالے'' میں قرآن مُعجز بیان کے اعجازی پہلوؤں میں سے ایک بہت بڑے پہلو کی وضاحت کردی گئی ہے اب اُسے دوسرے اعجازی پہلوؤں کی لڑی میں پرونے کے لیے وہاں سے یہاں منتقل کردیا گیا ہے۔

اگر آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کی ہر آیت کس طرح چمکدار ستارے کی طرح اپنے اعجاز کی روشنی اور رہنمائی بکھیرتی اور کفر کی تاریکیاں تتر بتر کرتی ہے، تو تھوڑی دیر کے لیے یہ تصور کریں کہ آپ اُس دور میں ہیں جس میں قرآن پاک نازل ہوا تھا اور اپنے آپ کو جہالت، بدویّت اور گنوارپن کے اس صحرا میں لے جائیں۔ آپ ایک ایسا منظر دیکھیں گے کہ وہاں غفلت نے ہر چیز پر پردے ڈالے ہوئے ہیں، جہالت کا دَور دورہ ہے، اور نیچر پرستی، جمود اور سنگدلی کا راج ہے۔ اور پھر اچانک قرآن کی آسمانی زبان سے ﴿یسبّح لله۔﴾ اور اس جیسی دیگر آیات کو سُنیں، اور دیکھیں کہ جہانِ رنگ وبُو کی وہ مردہ یا خُفتہ موجودات کس طرح سامعین کے ذہنوں میں ﴿یسبح﴾ کی صدائے بازگشت سے زندہ اور بیدار ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور ذکر و تسبیح میں مصروف ہوگئی ہیں۔

پھر یہ ستارے جو کہ تاریک فضائے آسمان میں ٹھوس اور جامد دہکتے ہوئے انگاروں کا منظر پیش کرتے ہیں، اور زمین میں پائی جانے والی یہ کمزور اور پست مخلوقات، یہ سب کے سب سامعین کی نظروں میں ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ﴾ کی صدائے بازگشت سے کچھ اس طرح کا رُوپ دھار جاتے ہیں کہ گویا سطحِ آسمان ایک منہ ہے، تمام ستارے حکمت بھرے کلمات اور حقیقت تک پہنچانے والے انوار ہیں، زمین ایک سَر بن گئی ہے، بحر و بر دو زبانوں کا رُوپ دھار گئے ہیں اور تمام حیوانات و نباتات تسبیح و تقدیس بکھیرنے والے کلمات بن گئے ہیں۔

اور اس طرح آپ جب اس دور میں ہوتے ہوئے شعوری طور پر اُس دور میں چلے جائیں گے تو اس آیت کریمہ میں پائے جانے والے اعجاز کی گہرائیوں کو محسوس کرنا شروع کردیں گے۔ لیکن اگر آپ اپنے شعور کو اُس دور میں نہیں لے جائیں گے تو پھر ان گہرے اور دقیق نکتوں کی چاشنی سے محروم رہیں گے۔

جی ہاں! آپ جب ان آیات کریمہ کی طرف اپنے اِن موجودہ حالات کو سامنے رکھ کر دیکھیں گے جو کہ اُس دور سے لے کر اب تک قرآن کے نور سے اتنے روشن ہوگئے ہیں، اور تمام اِسلامی علوم نے جنھیں اتنا پالش کردیا ہے کہ اب وہ

Marfat.com

قرآن کے سورج کی روشنی میں جگمگا رہے ہیں، مطلب یہ کہ آپ جب ان آیات کو ان عادی اور مانوس نظروں سے دیکھیں گے تو آپ بلاشک ہر آیت میں پائے جانے والے معجزانہ حسن و جمال کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکیں گے، اور یہ بھی نہیں سمجھ سکیں گے کہ یہ آیات اپنی چمکتی دمکتی روشنی سے کس طرح گھنگھور اندھیروں کو پراگندہ کر دیتی ہیں۔ اور اس کے بعد آپ قرآن کریم کے اعجازی پہلوؤں میں سے کسی بھی پہلو کا ذائقہ نہیں چکھ سکیں گے۔

اگر آپ اعجاز القرآن کے بہت اُونچے درجے کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل مثال کی دوربین سے دیکھیں۔ فرض کریں کہ ایک بہت بڑا درخت ہے جو کہ بہت عجیب وغریب بھی ہے، بہت بلند، چھتنار اور چاروں طرف پھیلا ہوا ہے اور اُسے غیب کے نظر نہ آنے والے پردوں نے ہر طرف سے ڈھانپا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ تہ در تہ نظر نہ آنے والے طبقوں میں پھیلتا چلا گیا ہے۔

اب یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ درخت کی شاخوں، پتوں، پھلوں اور پھولوں کے درمیان بالکل اُسی طرح توازن، تناسب، تعلق اور رابطہ ہوتا ہے جس طرح کہ انسانی جسم کے اعضاء کے درمیان ہے، اور اس درخت کی ماہیت کے لحاظ سے اس کا ہر جزء ایک خاص قسم کی شکل وصورت اختیار کر جاتا ہے۔

اب اگر کوئی آدمی اُٹھے اور اُس درخت کی نمائندگی کرے جو کبھی دیکھا گیا نہ دیکھا جائے گا، اور ایک سکرین پر اس درخت کے ہر انگ کی علیحدہ علیحدہ تصویر بنانا شروع کر دے اور ان کی پہچان بھی کرواتا جائے، اور وہ اس طرح کہ وہ کچھ خطوط اس طرح کے کھینچے جو اس کے پھلوں پھولوں پتوں اور ٹہنیوں کے درمیان پائے جانے والے تعلقات کی وضاحت کرتے ہوں، اور کچھ تصویریں اور خطوط اس طرح کے بنا دے جو اُس درخت کی ابتدا سے لے کر انتہا تک اس کے ہر دور کی مکمل طور پر اس طرح سے تصویر کھینچے ہوں کہ جس سے اس کے پھلوں پھولوں اور پتوں ٹہنیوں کی ہر طرح سے مکمل نمائندگی ہوتی ہو۔ اگر کوئی شخص ایسا کر دے تو پھر اس بات میں ذرہ برابر بھی شک نہیں رہ جائے گا کہ وہ مصوّر یا نقش گر اُس غیبی درخت کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا ہے جو نہ صرف غیب کو دیکھ رہی ہیں بلکہ اُس کا مکمل طور پر احاطہ کیے ہوئے ہیں، اور اپنے اسی براہِ راست مشاہدے کی بنا پر وہ اُس درخت کی ایسی منظر کشی کر رہا ہے۔

اب اس مثال کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کو دیکھیں، اس کے معجزانہ بیانات جو کہ خاص طور پر موجودات کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں (وہ حقیقت جس کا تعلق تخلیق کے اس درخت کے ساتھ ہے جو دنیا کی ابتدا سے لے کر آخرت کی انتہا تک ممتدّ اور دراز ہے، اور فرش سے لے کر عرش تک اور ذرّے سے لے کر خورشید تک پھیلا ہوا ہے) آپ دیکھیں گے کہ قرآن کریم کے اِن دوٹوک اور امتیازی بیانات نے موازنے اور تناسب کا خصوصی خیال رکھا ہے، اور ہر عضو اور اَنگ کو اور ہر پھل پھول کو وہی نپی تلی نقش عطا کیا ہے جو کہ اُس کے شایانِ شان ہے اور جس کا وہ حق دار ہے، اس حد تک کے محقق علماء

Marfat.com

اپنی تحقیقات اور علمی کاوشوں کے بعد حیرت زدہ رہ گئے اور بے اختیار پکار اُٹھے کہ:

ماشاءاللہ۔ بارک اللہ ۔صرف قرآن کریم ہی کے پاس وہ چابیاں ہیں جن سے موجودات کے اس طلسم کدے کا دروازہ کھل سکتا ہے اور تخلیق کائنات کا معمہ حل ہوسکتا ہے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی مثالوں سے بہت بلند ہے اُس کے لیے صرف بلند ترین مثال ہی بیان کی جا سکتی ہے اور مثال کے ساتھ سمجھنے سمجھانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں اِس لیے ہمیں سمجھنے سمجھانے کے لیے مثال کا سہارا لینا پڑتا ہے، پس یوں سمجھیں کہ الٰہی اسماء وصفات اور ربانی شؤون واَعمال کی مثال ایک ایسے ''شجرۂ طوبیٰ'' کی سی ہے جو نور سے بنا ہوا ہے۔اُس کی عظمت کا دائرہ ازل سے لے کر ابد تک پھیلا ہوا ہے اور اس کی کبریائی کی حدیں اس مطلق اور غیر محدود فضا کے برابر ہیں بلکہ اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔اور اسماء وصفات اور اعمال وافعال کی کاروائیوں کا دائرہ ﴿يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ﴾ (حاشیہ:۱) اور ﴿فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ﴾ (حاشیہ:۲) اور ﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ (حاشیہ:۳) سے لے کر ﴿خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ (حاشیہ:۴) اور ﴿وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ﴾ (حاشیہ:۵)، اور ﴿سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ﴾ (حاشیہ:۶) کی حدود تک پھیلا ہوا ہے۔

اور یوں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم اس نورانی حقیقت کو اس کے تمام اجزاء وفروعات اور غایات وثمرات سمیت بیان کرتا ہے اور وہ اس ضمن میں اتنا خوبصورت اور جامع انداز اختیار کرتا ہے اور اُس کے تمام اجزاء وفروعات کے درمیان اتنی موافقت اور ہم آہنگی کا اہتمام کرتا ہے کہ ایک حقیقت کسی دوسری حقیقت کے آگے رکاوٹ نہیں بنتی، کسی ایک حقیقت کا حکم دوسری حقیقت کے حکم کو فاسد یا غلط نہیں کرتا اور کوئی حقیقت دوسری حقیقت سے وحشت محسوس نہیں کرتی ہے، اور قرآن پاک اسی ہم شکل، ہم جنس، ہم آہنگ طریقے پر اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات، اس کے ربانی معاملات اور حکیمانہ اعمال وافعال کی ایسے معجزانہ بیانات کے ساتھ وضاحت کرتا ہے کہ تمام اہل کشف، اہل حقیقت، اہل معرفت اور اہل حکمت کہ جن کی پرواز عالم ملکوت تک ہوتی ہے، یہ سب کے سب اس کے معجزانہ اسلوبِ بیان کے سامنے حیرت واستعجاب میں ڈوبے ہوئے بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں کہ: سبحان اللہ! یہ بیان کس قدر درست ہے! اس میں کتنی ہم آہنگی ہے! یہ حقیقت کے کس قدر عین بعین مطابق ہے! اور یہ کتنا خوبصورت ہے''!

ہم بطور مثال صرف ایمان کے چھ ارکان لے لیتے ہیں جن کا رُخ ''امکان'' اور ''وجوب'' کے تمام تر دائرے کی طرف ہے اور جو کہ اُن دو عظیم ُالشان درختوں _ امکان ووجوب_ کی ایک ٹہنی کا حکم رکھتے ہیں۔قرآن کریم ایمان کے ان

(حاشیہ:۱) الانفال:24 (حاشیہ:۲) الانعام:95 (حاشیہ:۳) آل عمران:6
(حاشیہ:۴) ہود:7 (حاشیہ:۵) الزمر:67 (حاشیہ:۶) الرعد:2

Marfat.com

ارکان کی ایسی تصویر کھینچتا ہے کہ اس کے کسی خوشے، ٹہنی، پھل اور پھول کو نظر انداز نہیں کرتا ہے، اور پھر جب یہ تصویر کشی کرتا ہے تو اس چیز کا بھرپور خیال رکھتا ہے کہ پھلوں پھولوں اور شاخوں پتوں کے درمیان ہر طرح سے ہم آہنگی رہے۔ اور وہ واقعتاً تمام اجزاء کے درمیان اتنا حیرت انگیز توازن اور بے مثال ہمواری و استواری قائم رکھتا ہے کہ عقل انسانی اس کی گہرائیوں کا ادراک کرنے سے عاجز اور اس کے حسن و جمال کے سامنے مبہوت اور انگشت بدنداں رہ جاتی ہے۔

پھر اسلام جو کہ ایمان کی ٹہنی کی ہی ایک شاخ ہے، قرآن کریم نے اس کے پانچ ارکان کی اتنی خوبصورت اور دل آویز تصویر کشی کی ہے، اس کے تمام اجزاء و عناصر کا اتنی گہری نظر سے نقشہ کھینچا ہے اور اس ضمن میں ان تمام اجزاء و عناصر کے درمیان توازن اور تناسب کے حسن و جمال کا اتنا خیال رکھا ہے کہ عقلِ انسانی عش عش کر اٹھتی ہے، صرف یہی نہیں بلکہ اِس ضمن میں اس نے اِن ارکان کے معمولی معمولی آداب، آخری مقاصد و غایات، گہری سے گہری حکمتوں اور چھوٹے سے چھوٹے فوائد و ثمرات کو بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا ہے، اور اس بات کی سب سے زیادہ حیرت انگیز دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات کی نصوص اور اس کے اشاروں اور رمزوں سے پھوٹنے والی عظیم الشان شریعت میں کمال درجے کا نظم و ضبط پایا جاتا ہے۔

تو اس درخشاں شریعت میں کمال کا نظم و ضبط پایا جانا، اس میں انتہائی دقیق اور باریک قسم کا توازن پایا جانا، اس کے احکام میں انتہائی خوبصورت تناسب اور پختگی کا پایا جانا، یہ تمام چیزیں قرآن کریم کے برسرِ حق ہونے کی ایسی سچی اور عدل بھری گواہیاں ہیں جن پر کبھی جرح نہیں ہوسکتی، اور ایسی قطعی اور یقینی دلیلیں ہیں کہ شک و شبہ جن کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ قرآنی بیانات کا سرچشمہ کسی انسان کا جزوی علم نہیں ہوسکتا ہے، اور خاص کر ایک ایسا انسان جو اُمّی ہو، بلکہ اس کا سرچشمہ وہ علم ہے جس کی وسعتوں کی کوئی حد نہیں، جو ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور جس کی نگاہ میں بیک وقت تمام چیزیں ہیں۔

تو پتا چلا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی ذات کا کلام ہے، جو کہ ازل اور ابد کو بیک وقت نگاہ میں رکھے ہوئے ہے، اور تمام حقائق بیک وقت جس کی نگاہ میں حاضر و موجود ہیں اس اہم حقیقت کی طرف یہ آیت کریمہ اشارہ کرتی ہے۔

## دوسری روشنی:

بے شک فلسفۂ بشر جو کہ قرآن کریم کی حکمت کے درپے ہونا چاہتا ہے اور اس سے معارضہ کرنا چاہتا ہے، قرآن کی بلند ترین حکمت کے مقابلے میں چت ہوگیا ہے۔ اس چیز کی وضاحت ہم نے (بارہویں مقالے) میں ایک تمثیلی حکایت کے ساتھ کردی ہے، اور اسے دیگر مقالات میں قطعی طریقے سے ثابت کردیا ہے۔

Marfat.com

اِس لیے ہم ان مقالات کی طرف رجوع کرنے کے لیے کہتے ہیں، البتہ یہاں ہم ایک اور پہلو سے ایک سادہ سا جزوی موازنہ منعقد کرتے ہیں اور وہ پہلو یہ ہے کہ ان دونوں کی نظر دنیا کو کیسے دیکھتی ہے۔

فلسفہ اور انسانی حکمت دنیا کی طرف اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ یہ ثابت و برقرار ہے، چنانچہ وہ موجودات کی ماہیات و خاصیات کا ذکر تو بڑی تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں لیکن جب اِن موجودات کے اُن وظائف کا ذکر کرتے ہیں جو اُن کے صانع کو اُن سے مقصود ہیں تو بالکل اجمال کے ساتھ کرتے ہیں یعنی یہ کتابِ کائنات نقوش و حروف کا ذکر تو بڑی تفصیل سے کرتے ہیں لیکن اُن نقوش و حروف کے مغز و معانی کا اہتمام بالکل نہیں ہیں۔

لیکن قرآن کریم دنیا کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ رواں دواں، فریب کار، دگرگوں اور ہر دم متغیر ہے، اسے کسی بھی پہلو ثبات و قرار نہیں ہے، اس لیے وہ موجودات کی خاصیات اور اُس کی ظاہری و مادی ماہیات کا ذکر بالکل مجمل طور پر کرتا ہے، لیکن جب ان کے ان وظائف کا ذکر کرتا ہے جو ان کی اس عبودیت سے جنم لیتے ہیں جو اُن پر اُن کے صانعِ جلیل نے عاید کر رکھی ہے، تو اُن وظائف کا ذکر بڑی تفصیل کے ساتھ کرتا ہے۔ اسی طرح جب وہ اِن موجودات کے بارے میں یہ ذکر کرتا ہے کہ کس طرح یہ اللہ تعالیٰ کے تکوینی اوامر کے تحت سراپا انقیاد ہیں اور کس طرح یہ اپنے صانع کے اسمائے حسنیٰ پر دلالت کرتے ہیں، تب بھی تفصیل سے کام لیتا ہے۔

پس اپنی اس بحث میں ہم اس اجمال اور تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ دیکھیں گے کہ موجودات کو دیکھنے کے ضمن میں قرآنی حکمت اور انسانی فلسفے کے درمیان کیا فرق ہے۔ اِس طرح یہ بات اُبھر کر سامنے آجائے گی کہ دونوں میں سے خالص حق اور عین حقیقت کس کے پلڑے میں ہے۔

جسطرح ہماری یہ دستی گھڑی جو شکل و صورت سے ثابت اور برقرار نظر آتی ہے، لیکن اس کے اندرونی جانب دندانے دار پہیوں کی دائمی حرکات اور چرخیوں اور دوسرے دقیق آلات کے تھرتھراہٹوں سے بہت سے تغیرات اور تبدلات رونما ہوتے ہیں۔ ہماری یہ دنیا بھی بعینہٖ اسی طرح ہے، بالکل ایک بہت گھڑی جسے قدرت الٰہیہ نے اپنے عجیب اور اچھوتے انداز سے ایجاد کیا ہے، چنانچہ علی الرغم اس کے کہ یہ ثابت و برقرار نظر آتی ہے، زوال و فنا کی تیز لہروں کی زد میں دائمی تغیّر و اضطراب کی کھائی میں لڑھکتی جاتی ہے۔ کیونکہ جب ''زمان'' دنیا میں اُترا تو ''لیل و نہار'' اس گھڑیال کی سیکنڈوں والی دو مونہوں والی سوئی بن گئے۔ اور ''سال'' اس کی منٹوں والی سوئی بن گیا۔ اور ''صدی'' اس گھڑیال کی گھنٹے گننے والی سوئی بن گئی۔ اب ''زمان'' اِس دنیا کو فناء و زوال کی لہروں کے حوالے کرتا رہتا ہے اور ماضی اور مستقبل ہر دو کو عدم کے گھاٹ اُتارتا رہتا ہے اور وجود کے لیے صرف زمانۂ حاضر چھوڑتا ہے۔

پس یہ دُنیا اس شکل پر جو اُسے زمان دے رہا ہے، مکان کے اعتبار سے بھی مسلسل حرکت میں اور غیر ثابت رہنے والی

Marfat.com

گھڑی کے حکم میں ہے؛ کیونکہ ''فضا'' کا مکان لمحوں میں تبدیل ہو جاتا ہے اور بسرعت ایک حالت سے دوسری حالت کی طرح منتقل ہوتا رہتا ہے اور بعض دنوں میں کئی دفعہ بادلوں سے بھرتا اور خالی ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ فضائے محیط اپنے اس سرعتِ تغیّر وتحول میں کائنات کے اس گھڑیال کے لیے سیکنڈ گننے والی سوئی کے حکم میں ہے اور ''زمین'' جو کہ اِس دارُالدنیا کا مرکز ہے، اس کا چہرہ موت وحیات اور حیوانات ونباتات کی جہت سے ہمہ وقت تیزی سے تبدیل ہوتا رہتا ہے، چنانچہ یہ منٹوں والی سوئی کی طرح ہے جو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ: دنیا کی یہ جہت بھی وقتی اور زوال پذیر ہے۔

جس طرح یہ زمین اپنے چہرے کی حیثیت سے دائمی تغیّر وتبدّل میں ہے اِسی طرح اِس کے ''باطن'' میں جو تغیّرات وزلازل وانقلابات پائے جاتے ہیں اور جو پہاڑوں کے ظہور اور زمین کے دھنس جانے کی صورت میں سامنے آتے ہیں، اس کا یہ پہلو گھڑی کی اُس سوئی کی طرح ہے جو گھنٹے گنتی ہے اور جو کہ آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ لیکن یہ چیز ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا کی یہ جہت بھی زوال پذیر ہے۔

رہا آسمان جو کہ دنیا کے اس گھر کی چھت ہے، تو اجرام سماویہ کی حرکات سے حاصل ہونے والے تغیّرات، دُم دار ستاروں کا ظہور، شہاب ہائے ثاقب اور ستاروں کا ٹوٹ کر گرنا اور کسوف وخسوف کا وقوع میں آنا، یہ سب کچھ اس بات کی دلیل ہے کہ آسمان ثابت وبرقرار نہیں ہے بلکہ دھیرے دھیرے بڑھاپے اور بربادی کی طرف جارہا ہے، اور یہ کہ اس کے تغیرات اگرچہ بوجھل اور سست رَو ہیں ایسے جیسے کہ گھڑی کی ہفتے کے دن گننے والی سوئی ہو، لیکن اس کی یہ رفتار بھی وقتی اور فنا وزوال اور بربادی کی طرف رواں دواں ہے۔

اور یوں اس دنیا کی بنیاد ـ اِس کے دُنیا ہونے کے لحاظ سے ـ ان سات ستونوں پر کھڑی ہے۔ اور یہ ستون اسے ہمیشہ حرکت میں رکھتے ہیں۔ لیکن یہ ہر لحہ متحرک، متغیر اور متزلزل دُنیا جب اپنی نظر اپنے صانع کی طرف رکھے گی تو یہ حرکات وتغیرات مکتوبات صمدانیہ کو لکھنے والے قلم قدرت کی حرکت بن جائیں گے، اور حالات کی یہ تبدیلیاں اسمائے الٰہیہ کے آئینے بن جائیں گے، جدّت بداماں آئینے جو اسمائے حسنیٰ کے شؤون واحوال کی جلوہ گریوں پر مختلف اوصاف کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔

اور یوں یہ دنیا ـ اپنی دنیا ہونیکی حقیقت سے ـ فنا کی طرف جارہی ہے اور موت کی طرف چوکڑیاں بھرتی ہوئی بھاگی چلی جارہی ہے۔ اور یہ درحقیقت زلزلوں کے مابین آبِ رواں کی طرح چلی جارہی ہے۔ لیکن غفلت کی وجہ سے بظاہر جمی ہوئی نظر آرہی ہے اور نیچری سوچ فکر کی وجہ سے کثیف، مکدّر اور آلودہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے یہ آخرت کے لیے حجاب بن گئی ہے۔

پس اِس بیمار فلسفے نے اپنی فلسفیانہ بحوث وتدقیقات، مادی نیچری حکمت، اور خیرہ سر تہذیب وتمدن اور اس کی شہوات

Marfat.com

وخواہشات، جاذب نظر لہویات اور مدہوش کُن ہولنا کیوں کے ذریعے دنیا کے اس جمود کو مزید بڑھا دیا ہے اور غفلت کے پردوں کو دبیز کر دیا ہے، کدورت اور گدلاہٹ کی وجہ سے اس کے تغیر کو دوگنا کر دیا ہے اور صانع اور آخرت کو یکسر بھلا دیا ہے۔

لیکن جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے، تو وہ اس دنیا کو اِس حقیقت یعنی اس کے دنیا ہونے کی حیثیت سے _ اپنی اِس جیسی آیات کے ذریعے پورے زور کے ساتھ ہلاتا ہے اور اسے دُھنی ہوئی روئی کی طرح دور پھینکتا ہے: ﴿اَلْقَارِعَةُ. مَاالْقَارِعَةُ.﴾ اور ﴿اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ.﴾ اور ﴿وَالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَسْطُوْرٍ﴾ پھر اپنے انتہائی دلکش بیانات کے ساتھ اس دنیا سے آلودگیاں زائل کر کے اسے صفائی اور شفافیت عطا کرتا ہے: ﴿اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ..﴾ اور ﴿اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا..﴾ اور (اَوَلَمْ يَرَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا..﴾ اور ان جیسی دیگر آیات۔

پھر وہ غفلت کی وجہ سے اس جامد اور ٹھٹھری ہوئی دنیا کو اپنے نیر تاباں کے ساتھ اس طرح پگھلاتا ہے: ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ..﴾ ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ..﴾ اور ان جیسی دیگر آیات۔

پھر وہ دنیا میں ہمیشہ بیٹھ رہنے کے وہم کے پردے کو، اپنی ایسی تعبیرات کے ذریعے چاک کرتا ہے جن میں دنیا کے زوال اور موت کی خبر کی آمیزش ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گرامی:

﴿اِذَا لسَّمَآءُ انْفَطَرَتْ...﴾ اور ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ..﴾، ﴿اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ..﴾ اور ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ اِلَّامَنْ شَآءَ اللّٰهُ..﴾ اور ان جیسی دیگر آیات۔

پھر وہ مادی ''نیچر'' کے مفہوم سے جنم لینے والے فلسفے کے اپنی صاعقہ جیسی گونج دار آوازوں کے ساتھ تار و پود بکھیر دیتا ہے جیسے: ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَاوَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾، (حاشیہ:۱) ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ آيَاتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَاوَمَارَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾، (حاشیہ:۲) اور ان جیسی دیگر آیات۔

پس قرآن کریم کی وہ آیات جن کا رُخ کائنات کی طرف ہے، یعنی جو اُس کی کونی آیات ہیں وہ اول سے لے کر آخر تک اسی بنیاد پر چلتی ہیں، اور یوں وہ دنیا کی حقیقت کھولتی ہیں اور اسے آنکھوں کے سامنے اُسی طرح سے کھولتی ہے جیسے کہ وہ ہے، چنانچہ وہ دنیا کے اس بدصورت چہرے کی بدصورتی کی مقدار بیان کر کے انسان کے چہرے کو اس سے پھیرتی ہیں اور اُس کے سامنے دنیا کا خوبصورت چہرہ ظاہر کرتی ہیں، وہ خوبصورت چہرہ جو صانع کی طرف دیکھتا ہے۔ پس یہ آیات انسان کی نظر کا رُخ اس چہرے کی طرف پھیرتی ہیں اور حقیقی حکمت کا درس دیتی ہیں اور اُسے کتاب کائنات کے معانی کا علم

---

(حاشیہ:۱) الحدید:4 (حاشیہ:۱) النمل:93

Marfat.com

دیتی ہیں۔ اور اس کے حروف ونقوش کی طرف بہت کم دیکھتی ہیں اور بدصورتی پر عاشق نہیں ہوتی ہیں جیسے کہ بدمست فلسفہ کرتا ہے جو کہ لوگوں کو خواہ مخواہ نقوش وحروف میں اُلجھا کر ان کا وقت ضائع کرتا ہے اور معنی اور لُبّ لباب تک اُن کی نظر جانے ہی نہیں دیتا ہے۔

## تیسری روشنی:

ہم نے دوسری روشنی میں انسانی حکمت کی قرآنی حکمت کے مقابلے میں شکست وانہزام اور قرآنی حکمت کے اعجاز کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اب اس روشنی میں ہم شاگردانِ قرآن کا درجہ بیان کریں گے۔ قرآن کے شاگردوں سے ہماری مراد اصفیاء اُولیاء اور اشراقی حکماء کا وہ گروہ ہے جو قرآنی حکمت کے نور سے فیض یافتہ ہے اس جہت کو سامنے رکھ کر ہم اعجاز القرآن کی طرف مختصر سا اشارہ کریں گے۔

بے شک قرآن حکیم کے بلند مرتبے کی سب سے سچی دلیل، اُس کی حقانیت کی سب سے واضح برہان اور اس کے اعجاز کی سب سے قوی علامت یہ ہے کہ: قرآن کریم نے توحید کی تمام اقسام کے تمام مراتب کی ان کے تمام لوازمات سمیت محافظت یعنی پاسبانی کی ہے اور انہیں اس طرح سے بیان کیا ہے کہ کہیں بھی توازن میں خلل نہیں آنے دیا ہے۔ اُس توازن کا خیال رکھا ہے جو بلند پایہ الٰہی حقائق میں پایا جاتا ہے۔ پھر اُس نے ان تمام احکام کو جمع کردیا ہے جن کا تقاضا تمام اَسمائے حسنیٰ کرتے ہیں اور ان احکام میں پائے جانے والے تناسب کا بھی خیال رکھا ہے۔ اور پھر اس نے ربوبیت اور الوہیت کے شئون واحوال کو کامل توازن کے ساتھ اکٹھا کردیا ہے۔

اب یہ تین چیزیں یعنی ''محافظت'' ''توازن اور'' جامعیت'' ایک ایسی خاصیت ہے جو کسی بھی انسانی نقش میں نہیں ملتی ہے، بڑے سے بڑے مفکرین کے نتائج افکار میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ اُولیاء صالحین جن کی عالم ملکوت تک پرواز ہے ان کے آثار میں بھی اس کا سراغ نہیں ملتا ہے۔ اسی طرح اُمور کے باطن کی گہرائیوں تک نفوذ کرنے والے اشراقی حکماء (حاشیہ:۱) کی کتابوں میں بھی نہیں ملتی ہے، اور اسی طرح اُن روحانیوں کے معارف میں بھی نہیں ملتی ہے جو عالمُ الغیب تک رسائی کرچکے ہیں۔ گویا کہ ان میں سے ہر گروہ حقیقت کے عظیم الشان درخت کی کسی ایک یا دو ٹہنیوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور اس کے پھلوں اور پتوں میں کلی طور پر مصروف ہو گیا ہے اور دوسری ٹہنیوں کے بارے میں یا تو لاعلم ہے یا پھر ان کی طرف دیکھتا ہی نہیں ہے۔ گویا کہ ان کے مابین اعمال تقسیم ہو چکے ہیں۔

(۱) (اشراقی: (Emanation) اس اصطلاح کے معنی ہیں: لبریز ہو کر بہ نکلنا۔ فلسفہ وسرّی فلسفہ میں اس سے مراد موجودات کا اپنے ماخذ ازلی اور حقیقتِ کاملہ کا صدور وجوبی ہے۔ اشراقی فکر اپنی مختلف صورتوں میں عہدِ وسطیٰ کے اکثر مفکرین کے یہاں نظر آتی ہے، عیسوی، مسلم اور یہودی فکر میں اس کے اثرات ملتے ہیں۔ مسلم مفکرین میں فارابی اور ابنِ رُشد کے یہاں اشراقی عناصر آتے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ جدید ارتقائی فکر کے سبب اشراقیت اپنی اہمیت کھو بیٹھی ہے۔ (کشاف اصطلاحات فلسفہ، از قاضی عبدالقادر) مترجم۔)

Marfat.com

جی ہاں! بے شک حقیقتِ مطلقہ کا احاطہ ان محدود اور مقید نظروں سے نہیں ہو سکتا ہے، حقیقت مطلقہ کا احاطہ کرنے کے لیے قرآن جیسی کلی نظر کا ہونا بہت ضروری ہے۔اس لیے قرآن کے علاوہ جو بھی ہے_ اگر چہ وہ قرآن سے ہی درس لے_ وہ اپنی جزوی ذہن کی وجہ سے کلی حقیقت کی تمام جوانب میں سے صرف ایک جانب کو یا دو جانبوں کو ہی دیکھ سکے گا اور اسی میں مصروف رہے گا اور اسی میں منحصر ہو رہے گا۔اور یوں وہ حقائق کے مابین پائے جانے میں افراط یا تفریط کے ساتھ خلل انداز ہوتا ہے اور اس کے تناسب کو زائل کر دیتا ہے۔اِس حقیقت کی وضاحت ''چوبیسویں مقالے'' کی دوسری شاخ میں ایک عجیب سی تمثیل کے ساتھ کر دی ہے، اور اب ہم یہاں ایک اور تمثیل پیش کرتے ہیں جو اس مسئلے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔اور وہ اس طرح ہے کہ:

ہم بطورِ مثال یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ایک سمندر کی تہ میں اَن گنت اقسام کے جواہرات سے بھرا ہوا دفینہ پایا جاتا ہے، اب غوطہ خور اس دفینے کے جواہرات کی تلاش میں نکلتے ہیں، اب ان کی آنکھیں چونکہ بندھی ہوئی ہیں اس لیے وہ ان قیمتی جواہرات کی پہچان صرف ہاتھوں سے ٹٹول کر ہی کر سکتے ہیں، اب ان میں سے ایک کا ہاتھ ایک نسبتاً لمبے ہیرے کو جا لگتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ تمام خزانہ ستونوں کی طرح لمبے لمبے ہیروں پر مشتمل ہے، لیکن جب وہ اپنے ہمراہی دوستوں سے دوسرے ہیروں کے بارے میں سنتا ہے تو سمجھتا ہے کہ وہ تمام ہیرے اُسی ہیرے کے تابع ذیلی ہیرے ہیں، اس کے نگینے اور نقش و نگار ہیں۔پھر ان میں سے کچھ کے ہاتھ گول قسم کے یاقوت لگتے ہیں اور کسی کے ہاتھ کہربائی چوکور۔اور یوں ہر آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ ہیرا جو اس کے ہاتھ لگا ہے وہی اصل ہیرا ہے اور خزانہ زیادہ تر اسی قسم کے ہیروں سے بھرا ہوا ہے۔اور جو کچھ وہ اپنے دوستوں سے سن رہا ہے وہ اس خزانے کے زوائد اور اس کی اضافی اور فرعی چیزیں ہیں جن کا اصل خزانے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔اور یوں اس روش سے حقائق کے موازنے میں خلل آجاتا ہے اور تناسب زائل ہو جاتا ہے اور بہت سے حقائق کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے؛ کیونکہ جو حقیقت کے حقیقی رنگ تک پہنچنا چاہتا ہے وہ تاویلات و تکلفات کے لیے مجبور ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ کچھ لوگ تو انکار و تعطیل (حاشیہ:۱) کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔پس جو اشراقی حکماء اور صوفیاء کی کتابوں میں غور کرے گا جو کہ اپنے کشفیات و مشہودات پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کشفیات و مشہودات کو سنت کے میزان میں نہیں رکھتے ہیں، وہ بلاشبہ ہمارے اس فیصلے کی تصدیق کرے گا۔تو پتا یہ چلا کہ یہ لوگ اگرچہ رہنمائی قرآن ہی سے حاصل کرتے ہیں اور جو لکھتے ہیں وہ قرآنی حقائق کی جنس ہی سے ماخوذ ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود_ وہ کیونکہ قرآن نہیں ہے اس لیے_ ان کی تالیفات اور کشفیات و مشہودات ناقص ہوتے ہیں۔

اور قرآن کریم حقائق کا سمندر ہے، اس کی آیات بھی اس سمندر میں غواصی کر رہی ہیں اور اس دفینے کا انکشاف کر

(۱) (اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرنا۔مترجم)

Marfat.com

رہی ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، دفینے کا ہر طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہیں، اور یہ کہ دفینے میں کیا ہے اور کیا نہیں ہے سب کو برابر دیکھ رہی ہیں۔

اور یوں وہ دفینے کے بارے میں جو معلومات دیتی ہیں وہ انتہائی متناسب، منظم، مرتب اور متوازن ہیں اور ان سے اس دفینے کا حقیقی حسن و جمال آشکار ہوتا ہے، وہ ربوبیت کی عظمت کا مشاہدہ ویسے ہی کرتی ہیں جیسے کہ یہ آیاتِ کریمہ بتا رہی ہیں ﴿وَالْاَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِيْنِهِ...﴾ اور ﴿وَيَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ﴾ اور وہ رحمت کے عام اور شامل ہونے کو اس طرح دیکھتی اور بیان کرتی ہیں جیسے کہ یہ آیات بتاتی ہیں ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ...﴾ ﴿مَامِنْ دَابَّةٍ اِلَّاهُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾ اور ﴿وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ﴾۔ اور یہ خلاقیت کی اس وسعت کو دیکھتی اور کھول کر بیان کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اس قول میں پائی جاتی ہے: ﴿خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ﴾۔ اسی طرح یہ ربوبیت کی اُس ہمہ گیری اور تصرُّف کے اس عموم و شمول کو دیکھتی اور وضاحت سے بیان کرتی ہیں جن کے بارے میں ﴿خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ والی آیت بتاتی ہے۔ اور وہ اُس عظیم حقیقت کو دیکھتی اور وضاحت سے بیان کرتی ہے جو آیتِ کریمہ ﴿يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ بتاتی ہے، اور اس کے ساتھ وہ ﴿وَأَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ﴾ میں پائی جانے والی کریمانہ حقیقت کو بھی نتھی کرتی ہے، اور آیتِ کریمہ ﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهِ﴾ میں پائی جانے والی عظیم الشان حقیقتِ آمرہ اور حاکمہ کو بھی اس کے ہمراہ کرتی ہے۔ اور آیتِ کریمہ ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ وَيَقْبِضْنَ مَايُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ﴾ میں پائی جانے والی حقیقت کو وہ آیت کریمہ ﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَؤُدُهُ حِفْظُهُمَا﴾ میں پائی جانے والی عظیم حقیقت اور آیت کریمہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ میں پائی جانے والی نگران و نگہبان حقیقت کے ہمراہ دیکھتی اور آشکار کرتی ہیں، اُس چاروں طرف محیط حقیقت کی طرح جو آیت کریمہ ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ آشکار کرتی ہے۔ اور وہ اُقربیت جس کی وضاحت آیتِ کریمہ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَاتُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ بتاتی اور واضح کرتی ہے، اور وہ بلند ترین حقیقت جس کی طرف آیت کریمہ ﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ اشارہ کرتی ہے، اس حقیقتِ جامعہ کی طرح جس کی وضاحت آیتِ کریمہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ کرتی ہے۔ اور ان جیسی دیگر آیات۔ پس قرآن کریم اُن تمام قوانین و دساتیر کو نگاہ میں

Marfat.com

رکھتا ہے جو سعادتِ دارین کی ضمانت دیتے ہیں، اور وہ ایمان کے ارکانِ ستہ پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتا ہے اور اسلام کے ارکانِ خمسہ کو قصد و سنجیدگی کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اُن کے توازن کی محافظت اور پاسبانی کرتا ہے اور ان کے تناسب کو دوام دیتا ہے، اور اس طرح اُن حقائق کے مجموعی تناسب اور توازن سے حاصل ہونے والے اِس اچھوتے اور دلکش حُسن و جمال کے سرچشمے سے قرآن کریم کا انتہائی خوبصورت معنوی اعجاز موجزن ہے۔

اس گہرے راز سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ: علمائے کلام نے اگرچہ قرآن کریم کے سامنے ہی زانوئے تلمذ طے کیے ہیں اور ہزاروں کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں بعض دس دس جلدوں میں ہیں۔ لیکن انہوں نے چونکہ معتزلہ کی طرح عقل کو نقل پر ترجیح دی ہے اس لیے انہوں نے ارکانِ ایمان و اسلام کے باب میں جو کچھ بھی لکھا ہے اس میں وہ قطعی طور پر اور اطمینان بخش سنجیدگی کے ساتھ ثابت کرنے، وضاحت کرنے اور وہ کچھ بیان کرنے میں بالکل ناکام رہ گئے ہیں جو کچھ قرآن کریم کی صرف دس آیتوں نے کر دکھایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ: وہ دُور دَراز کے پہاڑوں کے دامنوں میں کنویں کھودتے ہیں اور پھر وہاں سے پانی کو پائپوں کے ذریعے دنیا کے آخری کناروں تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، اور یوں وہ اسباب کی اس زنجیر کو کائنات کے اخیر تک پہنچاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر اس زنجیر کو کاٹ دیتے ہیں، اور پھر واجب الوجود کے وجود کا اور آبِ حیات کا حکم رکھنے والی معرفتِ الٰہیہ کا اثبات کرتے ہیں۔

لیکن جہاں تک آیاتِ کریمہ کا تعلق ہے، تو اُن میں سے ہر ایک عصائے موسیٰ کی سی حیثیت رکھتی ہے، جہاں سے چاہے پانی کا چشمہ بہا سکتی ہے اور ہر چیز سے صانعِ ذُوالجلال کی طرف رہنمائی کرنے والی اور اس کا تعارف کرانے والی کھڑکی کھول سکتی ہے۔

اس حقیقت کی وضاحت تمام مقالہ جات میں اور خاص کر عربی مضمون قرآن کے سمندر سے ٹپکنے والے ''قطرے'' میں کر دی گئی ہے۔

اسی طرح اس راز سے ہمیں اس بات کا پتا بھی چلتا ہے کہ گمراہ فرقوں کے تمام وہ پیشوا جنہوں نے باطنی اُمور کی گہرائیوں میں اُترنے کی کوشش کی ہے اور تابندہ و عالی شان سنت کی اتباع کے بغیر اپنے مشہودات پر اعتماد کو ترجیح دی ہے اور یوں وہ اثنائے راہ سے ہی واپس ہو گئے ہیں اور کسی جماعت کے پیشوا بن کر ایک مستقل گمراہ فرقے کی بنیاد رکھنے کا ارتکاب کیے بیٹھے ہیں۔ وہ لوگ لغزش کھا کر بدعتوں اور گمراہیوں میں جا پڑے ہیں اور نوعِ انسانی کو ان جیسے گمراہ راستوں پر چلا چکے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ حقائق کے تناسب، ترتیب اور توازن کی نگرانی و نگہبانی سے عاجز رہے ہیں ان لوگوں کی عاجزی و درماندگی ہی قرآنی آیات کے اعجاز کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

Marfat.com

# اختتام

بے شک قرآن کی دو اعجازی تجلیات کا ذکر انیسویں مقالے کی چودھویں بوند میں ذکر ہو چکا ہے، اور وہ ہیں: تکرارِ قرآن اور علوم کونیہ میں اس کا اجمال سے کام لینا، جن کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کمی کوتاہی کا سبب ہیں، حالانکہ دونوں میں سے ہر ایک اعجاز کی کسی نہ کسی تجلی کا سرچشمہ ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کے اعجاز کا وہ لمعہ جو کہ انبیاء کے معجزات پر چمک رہا ہے اس کی وضاحت بیسویں مقالے کے دوسرے مقام پر ہو چکی ہے۔ اور اس قسم کے بہت سے اعجازی لمعات تمام مقالات میں اور میری عربی کتابوں میں ذکر ہو چکے ہیں۔ اس لیے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ لیکن ہم یہاں ایک بات اور کہیں گے اور وہ یہ کہ: قرآن کا ایک اور معجزہ یہ ہے کہ:

جس طرح انبیاء کے معجزات نے مجموعی طور پر اعجاز قرآن کے نقوش میں سے کسی نہ کسی نقش کا اظہار کیا ہے، اسی طرح قرآنِ کریم اپنے جمیع معجزات کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے، اور آپ ﷺ کے تمام معجزات بھی قرآن کا ایک معجزہ ہیں جو کہ قرآن کی اللہ کی طرف نسبت کا اظہار کرتا ہے، اور اس کا ہر ایک کلمہ اس نسبت کے ظہور سے ایک مستقل معجزہ بن جاتا ہے؛ کیونکہ اس نسبت کی وجہ سے اُس کا صرف ایک کلمہ ممکن ہے کہ معنی کے لحاظ سے حقائق کے ایک درخت پر مشتمل ہو جیسے کے ایک گٹھلی ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ حقیقتِ عظمیٰ کے تمام اعضاء کے ساتھ تعلق رکھتا ہو جیسے کہ دل کا مرکز ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے حروف، کیفیت اور موقع محل کے ساتھ بے حد و حساب اشیاء کی طرف دیکھ رہا ہو، کیونکہ وہ علمِ محیط اور لامتناہی ارادے کے سہارے پر کھڑا ہے۔

یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے علم الحروف کے ماہرین کا دعویٰ ہے کہ: اُنھوں نے قرآن کریم کے صرف ایک حرف میں ایک صفحے کے پھیلاؤ کے برابر اسرار پائے ہیں۔ اور وہ اپنے اس دعوے کو اس فن کے ماہرین کے لیے ثابت کرتے ہیں۔

اس مضمون میں اوّل سے لے کر یہاں تک جو کچھ لکھا گیا ہے اُسے اور تمام شعلوں، شعاعوں، لمعات، انوار، اور اضواء کو ذہن میں رکھو اور ان سب پر مجموعی نظر ڈالو، اس سے تم پاؤ گے کہ آغاز میں جو دعویٰ کیا گیا ہے اور جس کا یہ قطعی نتیجہ ہے، یہ تمام مضامین اسی دعوے اور نتیجے کو پڑھ رہے ہیں اور اپنی بلند آوازوں کے ساتھ اسی کا اعلان کر رہے ہیں، یعنی یہ کہ:

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ

Marfat.com

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا...﴾

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا﴾

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ اَفْضَلَ وَاَجْمَلَ وَاَنْبَلَ وَاَظْهَرَ وَاَطْهَرَ وَاَحْسَنَ وَاَبَرَّ وَاَكْرَمَ وَاَعَزَّ وَاَعْظَمَ وَاَشْرَفَ وَاَعْلٰى وَاَزْكٰى وَاَبْرَكَ وَاَلْطَفَ صَلَوَاتِكَ، وَاَوْفٰى وَاَكْثَرَ وَاَزْيَدَ وَاَرْقٰى وَاَرْفَعَ وَاَدْوَمَ سَلَامِكَ صَلَاةً وَسَلَامًا وَرَحْمَةً وَرِضْوَانًا وَعَفْوًا وَغُفْرَانًا تَمْتَدُّ وَتَزِيْدُ بِوَابِلِ سَحَائِبِ مَوَاهِبِ جُوْدِكَ وَكَرَمِكَ وَ تَنْمُوْ وَتَزْكُوْ بِنَفَائِسِ شَرَائِفِ لَطَائِفِ جُوْدِكَ وَمِنَنِكَ، اَزَلِيَّةً بِاَزَلِيَّتِكَ لَا تَزُوْلُ، اَبَدِيَّةً بِاَبَدِيَّتِكَ لَا تَحُوْلُ، عَلٰى عَبْدِكَ وَحَبِيْبِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ خَيْرِ خَلْقِكَ، النُّوْرِ الْبَاهِرِ اللَّامِعِ وَالْبُرْهَانِ الظَّاهِرِ الْقَاطِعِ، وَالْبَحْرِ الزَّاخِرِ، وَالنُّوْرِ الْغَامِرِ، وَالْجَمَالِ الزَّاهِرِ، وَالْجَلَالِ الْقَاهِرِ، وَالْكَمَالِ الْفَاخِرِ، صَلَاتَكَ الَّتِيْ صَلَّيْتَ بِعَظَمَةِ ذَاتِكَ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ كَذٰلِكَ، صَلَاةً تَغْفِرُ بِهَا ذُنُوْبَنَا، وَتَشْرَحُ بِهَا صُدُوْرَنَا، وَتُطَهِّرُ بِهَا قُلُوْبَنَا وَتُرَوِّحُ بِهَا اَرْوَاحَنَا وَتُقَدِّسُ بِهَا اَسْرَارَنَا، وَتُنَزِّهُ بِهَا خَوَاطِرَنَا وَاَفْكَارَنَا، وَتُصَفِّيْ بِهَا كُدُوْرَاتِ مَا فِيْ اَسْرَارِنَا وَتَشْفِيْ بِهَا اَمْرَاضَنَا، وَتَفْتَحُ بِهَا اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا .

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾

﴿وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾

آمین.....آمین.....آمین

## پہلا ذیل:

ساتویں شعاع کے پہلے مقام کا سترہواں مرتبہ ہے جسے مقام کی مناسبت کی وجہ سے پچیسویں مقالے ''قرآنی معجزات'' کے ساتھ بطور ذیل ملحق کر دیا گیا ہے۔

وہ سیاح جو نہ تھکتا ہے نہ سیر ہوتا ہے، اور جو یہ جان چکا ہے کہ اس دنیا میں غرضِ حیات بلکہ حیاتُ الحیات صرف ایمان ہے، اُس سیاح نے اپنے دل کے ساتھ اِس قسم کی گفتگو کی:

وہ کلام جس کی ہم تلاش میں ہیں وہ اس وجودِ ہستی میں سب سے مشہور، سب سے سچا اور سب سے مضبوط کلام ہے، اور وہ ہر دور میں ہر اُس شخص کو چیلنج کر چکا ہے جو اسے تسلیم نہیں کرتا ہے۔ اور وہ کلام ہے قرآنِ معجز بیان۔ اس بنا پر ہمیں اس

Marfat.com

کتاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور وہ جو کچھ کہتی ہے اُسے سمجھنا چاہیے۔لیکن اس دیدہ زیب دنیا میں داخل ہونے سے پہلے ہم تھوڑا سا رُک کر وہ چیز ڈھونڈیں گے جس سے ہمیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ یہ ہمارے خالق کی کتاب ہے۔اور یوں وہ تحقیق وتدقیق اور بحث وتمحیص میں لگ گیا۔

اور چونکہ سیاح اس موجودہ زمانے کا ہے اس لیے اس نے پہلے پہل ''رسائل نور'' پر نظر ڈالی ہے جو کہ قرآن کریم کے معنوی اعجاز کی جگمگاتی کرنیں ہیں، اس لیے اُس نے دیکھا کہ:

یہ رسائل جن کی تعداد ایک سوتیس ہے، یہ بذاتِ خود قرآنی آیات کی ایک بڑی قیمتی تفسیر ہیں، کیونکہ یہ قرآنی آیات کے دقیق نکتوں اور جگمگاتی روشنیوں سے پردہ اُٹھاتے ہیں۔

اور باوجود اس کے کہ رسائل نور نے اس سرکش اور مُلحد دَور میں جہدِ مسلسل کے ساتھ قرآنی حقائق اطراف و اکنافِ عالم میں پھیلا دیے ہیں، کوئی بھی نہ ان کا مقابلہ کر سکا ہے اور نہ انہیں ہدفِ تنقید بنا سکا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم جو کہ ان رسائل کا قائد، سرچشمہ، مرجع اور سورج ہے وہ ربُّ العالمین کا آسمانی کلام ہے، کسی بشر کا کلام نہیں، حتی کہ ''پچیسواں مقالہ'' اور ''انیسویں مکتوب کا اختتام'' جو کہ سینکڑوں دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے، ''رسائلِ نور'' نے اُس دلیل کو سامنے رکھ کر چالیس پہلوؤں سے اس طرح قرآن کا اعجاز ثابت کیا ہے کہ ہر دیکھنے والا حیران رہ گیا ہے، اُس نے ان رسائل کو پسند کیا ہے اور قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اُن کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔ان پر تنقید کرنے اور اعتراض کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، سیاح نے قرآن کریم کے اعجاز کے پہلو کو اور اس حقیقت کو کہ یہ واقعتاً اللہ کا کلام ہے ''رسائل نور'' کے سپرد کر دیا ہے، البتہ یہ ہے کہ اس نے چند نقطوں میں غور کیا ہے جو کہ اختصار کے ساتھ قرآن کریم کی عظمت کو آشکار کرتے ہیں:

پہلا نقطہ:

جس طرح قرآن کریم اپنے تمام معجزات اور اپنی اَحقیت پر دلالت کرنے والے حقائق کے ساتھ محمد ﷺ کا معجزہ ہے، اسی طرح محمد ﷺ اپنے تمام معجزات، اپنی نبوت کے دلائل اور علمی کمالات کے ساتھ قرآن کریم کا معجزہ اور قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے پر حجتِ قاطعہ ہیں۔

دوسرا نقطہ:

بے شک قرآن کریم نے اجتماعی زندگی کو اس طرح تبدیل کر دیا کہ اُس تبدیلی نے تمام آفاق کو سعادت اور حقائق کی روشنی سے بھر دیا اور اس نے بشری نفوس وقلوب وارواح وعقول اور انفرادی واجتماعی وسیاسی زندگی میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا اور اس انقلاب کو قائم دائم رکھا ہے۔اور اس کی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات چودہ سو سال سے ہر آن کم و

Marfat.com

پیش دس کروڑ آدمیوں کی زبانوں سے پوری عزّت واحترام کے ساتھ تلاوت کی جارہی ہیں۔ اور یوں قرآن لوگوں کی نشوونما کرتا ہے، ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے، ان کے دلوں کی صفائی کرتا ہے، اور رُوحوں کو انکشاف اور ترقی، عقلوں کو استقامت اور نور اور زندگی کو زندگی اور سعادت عطا کرتا ہے۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کتاب کی کوئی مثل، مثیل اور شبیہ نہیں ہے۔ پس یہ کتاب خارق ہے، فوق العادت ہے اور مُعجز ہے۔

## تیسرا نقطہ:

قرآن کریم نے اُس دور سے لے کر ہمارے اس زمانے تک ایک ایسی بے مثل بلاغت کا اظہار کیا ہے جس نے بلیغ ترین شعراء کے نظم کردہ ''المعلقات السبع'' کے نام سے موسوم سات مشہور قصائد کی قیمت کو بھی ماند کر دیا جو کہ سونے کے پانی سے لکھ کر خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکائے گئے تھے، حتی کہ لبید کی بیٹی نے اپنے باپ کا قصیدہ دیوارِ کعبہ سے یہ کہہ کر اُتار دیا کہ: ''اب چونکہ قرآنی آیات آگئی ہیں اس لیے تیرا یہاں کوئی کام نہیں رہ گیا ہے''

اسی طرح جب ایک بدوی ادیب نے آیت کریمہ: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ سنی تو سجدے میں گر گیا، اُس سے کہا گیا: تُو مسلمان ہو گیا ہے؟ تو اُس نے کہا: نہیں، بلکہ میں نے اس آیت کی بلاغت کو سجدہ کیا ہے۔

اور اسی طرح عبد القاہر جرجانی، سکاکی اور زمخشری جیسے ہزاروں اَئمہ بلاغت و ماہرینِ ادب نے بالاتفاق اس بات کا اقرار کیا ہے کہ: ''بے شک قرآن کی بلاغت بشری طاقت سے بلند ہے اور اس تک رسائی حاصل کرنا ممکن نہیں''

اسی طرح قرآن کریم اپنے زمانہ نزول سے کر اب تک ہر مغرور و متعنت ادیب و بلیغ کو چیلنج کرتا آیا ہے اور کیے جارہا ہے اور اُن کی پگڑیاں اُچھال رہا ہے۔ اُنہیں چیلنج کیا کہ وہ اس کی سورتوں جیسی کوئی ایک سورت بنالائیں۔ یا پھر دنیا وآخرت میں ہلاکت اور ذِلت سے دوچار ہونا قبول کر لیں۔

اور عین اُس وقت جب قرآن اپنے اس چیلنج کا اظہار کرتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ اُس دور کے بُلغاء نے مختصر مقابلے، معارضے اور اس جیسی سورت لانے کا راستہ اختیار نہیں کیا اور اس کی بجائے لمبا راستہ چنا، یعنی جان و مال کی تباہ و برباد کر دینے والی جنگوں کا راستہ، جس سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ اس مختصر راستے میں چلنا ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح ہماری دسترس میں جو عربی زبان میں لکھی ہوئی لاکھوں کتابیں جو دوستانِ قرآن نے قرآنی اسلوب کے اقتباس اور اس کی تقلید کے شغف میں لکھی ہیں یا دشمنانِ قرآن نے اس کے معارضے اور تنقید میں لکھی ہیں، پس جو کچھ لکھا گیا ہے اور تلاحقِ اَفکار سے جنم لینے والے اسلوب میں ترقی کے ساتھ ساتھ جو کچھ لکھا جارہا ہے۔ اُن میں سے کوئی تحریر بھی قرآن کے اسلوب کے قریب بھی نہیں پہنچ سکی ہے حتی کہ ایک عام آدمی بھی اگر قرآن کریم کی تلاوت سُن لے تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ: بے شک یہ قرآن ان میں سے کسی بھی کتاب کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا ہے، اور کوئی کتاب

Marfat.com

بھی اس کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی ہے یا تو یہ سب سے نیچے ہے یا سب سے اوپر، اور کوئی بھی انسان کافر ہو یا احمق یہ کبھی نہیں کہہ سکے گا کہ: قرآن ان تمام کتابوں اور تحریروں سے فروتر ہے۔ پس قرآن کی بلاغت کا مرتبہ ان سب کے اُوپر ہے، حتی کہ ان میں سے کسی ایک نے آیت کریمہ ﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ﴾ پڑھی تو کہا: ''اس آیت کریمہ میں بلاغت کا جو پہلو تم لوگوں کو نظر آ رہا ہے مجھے نہیں آتا ہے''!

اس سے کہا گیا:

اِس سیاح کی طرح اپنے خیال کے ذریعے۔ ذرا اُس زمانے میں چلے جاؤ اور اِس آیت کو وہاں جا کر سنو۔

وہ خیال کے دوش پر اپنے آپ کو نزول قرآن کے پہلے والے زمانے میں لے گیا تو اچانک دیکھتا ہے کہ:۔

موجوداتِ عالم ایک دور دراز کی ویران اور غیر محدود فضا میں، فانی اور زوال پذیر دنیا میں پھینکی ہوئی پڑی ہیں، اور وہ نا اُمیدی اور اضطراب کی حالت میں گھنگھور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہیں، اور وہ جامد ہیں اُن میں زندگی اور شعور نامی کوئی چیز نہیں، بے کار ہیں ان کے ذمے کوئی وظیفہ یا ذمہ داری نہیں۔ لیکن جبھی وہ اس آیتِ کریمہ پر کان دھرتا اور اسے غور سے سنتا ہے اچانک دیکھتا ہے کہ:

اِس آیت نے تمام کائنات کے اوپر اور دنیا کے چہرے پر پڑا ہوا پردہ ہٹا دیا ہے اور اب وہ چہرہ پوری آب و تاب سے چمکتا ہوا نمایاں ہو کر سامنے آ گیا ہے اور اس کلامِ ازلی اور امرِ سرمدی نے تمام برگزیدہ اربابِ مشاعر کو اُن سب کے زمانوں کے حساب سے اُن کے سامنے یہ چیز واضح کرتے ہوئے درس دیا کہ:

یہ کائنات ایک بڑی مسجد کے حکم میں ہے، اور یہ تمام مخلوقات۔ اور خاص کر زمین و آسمان۔ زندگی کی طاقت سے بھرپور ذکر و تسبیح و تہلیل میں منہمک ہیں، اُن میں سے ہر ایک اپنی ذمہ داریاں سنبھال چکا ہے اور یہ سب اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری سعادت مندی اور شکر گزاری کے ساتھ ادا کر رہے ہیں۔

اور یوں اس سیاح نے کون و مکان میں اس آیتِ کریمہ کی تاثیر کی روانی کا مشاہدہ کر لیا اور اس کی بلاغت کی بلندی کا ذائقہ پا لیا اور اُس نے دیگر تمام آیات کریمہ کو اس پر قیاس کر لیا اور یوں اس نے قرآن کی بے نظیر بلاغت کے اُس راز کا ادراک کر لیا جس کی وجہ سے وہ زمین کے آدھے اور نوعِ انسانی کے پانچویں حصے پر حکومت کر رہا ہے، اور اسے اُن ہزاروں حکمتوں میں سے ایک حکمت کا علم ہو گیا جس کی بنا پر چودہ سو سال کی مُدت سے بغیر انقطاع کے پوری توقیر و تعظیم کے ساتھ اسکی حکومت کا جلال مسلسل و دوام آشنا رہا ہے۔

## چوتھا نقطہ:

بے شک قرآن کریم نے حقیقت اور اصلیت پر مبنی شیرینی کا اظہار کیا ہے، اور وہ اس طرح کہ زیادہ تکرار۔ کتنی بھی

Marfat.com

اچھی چیز کا کیوں نہ ہو_ اُکتاہٹ پیدا کرتا ہے، لیکن اس کا تکرار_ بشرطیکہ دل فاسد اور ذوق بلید نہ ہو_ اُکتاہٹ پیدا نہیں کرتا ہے، بلکہ اس کی تلاوت کا تکرار اس میں پائی جانے والی شیرینی میں مزید اضافہ کرتا ہے، اور یہ بات اُس دور سے لے کر اب تک اتنی مُسلَّم ہے کہ ضربُ المثل کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔

اور یوں قرآن کریم نے اتنی تروتازگی، نوجوانی اور نئے پن کا اظہار کیا اور ان خوبیوں کی نگہداشت کی ہے کہ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے کہ ابھی نازل ہوا ہو۔ اور اس کے نزول پر چودہ سو سال ہونے کے باوجود اور اس کی آسان دستیابی کے باوجود ہر دور نے اس کا استقبال ایسے ہی تروتازہ نوجوانی میں پایا ہے جیسے کہ یہ براہِ راست اُسی سے مخاطب ہے، اور باوجود اس کے کہ یہ ہر علمی گروہ کی دسترس میں رہا ہے اور وہ اس سے ہر لحہ سیراب ہوتے ہیں اور اس کے اسلوب بیان کے نقشِ پا کی پیروی کرتے رہے ہیں، وہ سب یہ بات سمجھتے ہیں کہ یہ اپنے اسلوب کے اَچھوتے پن اور اپنے طرزِ بیان کی جوانی کو ہمیشہ محفوظ رکھتا ہے۔

## پانچواں نقطہ:

بے شک قرآن نے اپنا ایک بازو ماضی کی طرف اور دوسرا مستقبل کی طرف پھیلا رکھا ہے۔ پس وہ حقیقت جس پر سابقہ انبیاء نے اتفاق کیا ہے وہ قرآن ہی کی جڑ ہے اور اسی کا ایک بازو ہیں، مطلب یہ کہ قرآن کریم ان انبیاء کی تصدیق کرتا ہے اور ان کی تائید کرتا ہے۔ اور وہ بھی اپنی زبانِ حال کے ساتھ اس کی تصدیق و تائید کرتے ہیں۔

اِسی طرح اولیائے صالحین اور علماء و اَصفیاء وہ پھل ہیں جنھوں نے اپنی زندگی قرآن کریم کے درخت سے حاصل کی ہے، چنانچہ ان کی زندگی کی بھرپور کاملیت اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا بابرکت درخت ہی زندگی، عطا، دائمی فیضان اور حقیقت و اصلیت سے بھرپور ہے، پس حقیقی ولایت کے تمام طرق و سلاسل کے تمام بانی و پیروکار اور حقیقی اسلامی علوم کے تمام علماء جو اِس کے اس دوسرے بازو کی حمایت اور نگرانی میں آگئے اور اس کے سائے میں زندگی گزارنے لگے، وہ سب کے سب یہ گواہی دیتے ہیں کہ بے شک قرآن پاک عین حق اور مجمعِ حقائق ہے، اور یہ کہ اُس کا اُس کی جامعیت اور شمولیت میں کوئی مثیل نہیں، پس وہ ایک ظاہر اور آشکار معجزہ ہے۔

## چھٹا نقطہ:

قرآن کریم کی جہاتِ ستہ روشن اور تابناک ہیں جس سے اس کی صداقت اور حقانیت آشکار ہوتی ہے۔

جی ہاں، اس کے نیچے دلائل و براہین کے ستون کھڑے ہیں اور اس کے اوپر اعجاز کا سِکہ جگمگا رہا ہے، اور اُس کے سامنے_ اور اس کا ہدف_ سعادت دارین کی رہنمایاں ہیں، اور اس کے پیچھے یعنی اس کے اعتماد کا مرکز آسمانی وحی کے حقائق ہیں اور اُس کے دائیں ہاتھ مستقیم عقلوں کے لامحدود دلائل کی تصدیق ہے اور اس کے بائیں ہاتھ مضبوط قسم کا

Marfat.com

اطمینان، خالص انجذاب، اور سالم عقلوں اور پاک ضمیروں کا مکمل استسلام ہے۔

جب یہ جہاتِ ستہ اس بات کا اثبات کرتی ہیں کہ قرآن کریم ایک ایسا غیر معمولی اور مضبوط قلعہ ہے جو زمین پر آسمان کے ہاتھوں تعمیر کیا گیا ہے کوئی اس کی دیوار میں دراڑ یا سوراخ نہیں ڈال سکتا ہے۔ ہمارے سامنے چھ مقام ایسے ہیں جو اس بات کو بطور تاکید ثابت کرتے ہیں کہ قرآن بذاتہ صدق ہے اور بعینہٖ حق ہے، اور یہ کسی بھی طور کسی بشر کا کلام نہیں ہے، اور یہ کہ باطل اس کے آگے سے یا پیچھے سے اس میں راہ نہیں پاسکتا ہے ان میں سے پہلا مقام اس کون و مکان کے متصرّف اور مدبّر کا اس کی تائید کرنا ہے، وہ متصرّف و مدبّر جو اپنے اعمال و افعال میں خوبصورتی کے اظہار، نیکوکاری کی حفاظت وحمایت اور فریب کاروں کو نابود کرنے اور افترا پردازوں کو فنا کرنے کی روش کو اپنا معمول بنائے ہوئے ہے۔ پس خدائے سبحانہ و تعالیٰ نے اس قرآن کو احترام و تعظیم کا مقام عطا کر کے اور توفیق و فلاح کے مرتبے سے نواز کر اُس کی اس طرح سے تصدیق و تائید کی کہ وہ تمام کائنات میں سب سے زیادہ مقبول ہوا اور سب سے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوا۔ اور سب سے عظیم غلبے کے مقام کا حامل بنا۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کی جانب سے قرآن کریم کے بارے میں جو اعتقادِ راسخ اور احترام لائق ملا وہ سب سے بلند ہے، جبکہ آپ ﷺ خود منبعِ اسلام اور ترجمانُ القرآن ہیں۔ اور نزول قرآن کے وقت آپ ﷺ کا نیند اور بیداری کے درمیان والی حالت میں ہونا اور یوں وحی کا آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے ارادے کے بغیر نازل ہو جانا، اور آپ ﷺ کی تمام کلام کا اس کے پائے کا نہ ہونا بلکہ آپ ﷺ کے افصح الناس ہونے کے باوجود آپ کی کلام کا ایک حد تک اس کے مشابہ نہ ہونا، اور آپ ﷺ کا اس قرآن کے ذریعے اُمّی ہونے کے باوجود ماضی میں ہو چکنے والے اور مستقبل میں ہونے والے حوادث کے بارے میں غیبی طور پر بغیر کسی تردّد کے اور پورے اطمینان کے ساتھ واضح طور پر بتا دینا، اور باوجود اس کے کہ لوگ آپ کے کردار پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، اس کے باوجود آپ ﷺ کی طرف سے کسی بھی چھوٹی سے چھوٹی حیلہ سازی یا غلطی کا ظہور میں نہ آنا۔ پس ایسے گرامی قدر ترجمان اور عظیم الشان مبلغ کا قرآن کے ہر حکم پر ایمان رکھنا اور اپنی پوری قوت کے ساتھ اس کے ہر حکم کی تصدیق کرنا اور کسی بڑی سے بڑی چیز کا بھی آپ ﷺ کو متزلزل نہ کرسکنا۔ یہ چیز اس بات پر تصدیق ثبت کرتی ہے کہ قرآن آسمانی کتاب ہے، سب کا سب صدق، عدل اور خالق رحیم کا مبارک کلام ہے۔

اور اسی طرح نوعِ انسانی کے پانچویں حصے بلکہ سب سے بڑے حصے کا ان کے مشاہدے میں رہنے والے اس کلام کے ساتھ اس طرح مضبوط جُڑ جانا کہ گویا کہ وہ اس میں جذب ہو گئے ہوں اور اس کے رنگ میں رنگ گئے ہوں، اور اُن کا اسے پورے شوق، سنجیدگی اور وارفتگی سے سُننا، اور جن و ملائکہ اور دوسری روحانی مخلوقات کا اس کی طرف وفد در وفد چلے آنا

Marfat.com

اور ہنگام تلاوت اس کے اردگرد ایسے دائرہ باندھ لینا جیسے کہ روشنی کے عاشق پروانے روشنی کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں، اور بہت سی علامات، واقعات اور سچے کشفیات کی شہادت فراہم ہو جانا، یہ سب کچھ اس بات کی تصدیق ہے کہ یہ قرآن کون و مکان کی رضامندی اور پسندیدگی کے مرتبے پر فائز ہے اور اُس کا اِس میں ایک بلند مقام ہے۔

اور اسی طرح ایک پرلے درجے کے عامی اور غبی شخص سے لے کر ایک عالم اور ذہین ترین انسان تک نوع انسانی کے ہر طبقے کا قرآن کریم کے دروس واسباق سے اپنا اپنا پورا حصہ اَخذ کرنا اور اُن سے گہرے ترین حقائق کا سمجھ لینا اور علماء کے ہر گروہ کا اور خاص کر مجتہدین شریعت محققینِ اُصول دین اور عباقرہ علم الکلام اور اِن جیسے دوسرے لوگوں کا سینکڑوں اسلامی علوم کا استنباط کرنا اور اپنے اِن علوم کے ساتھ تعلق رکھنے والے پیش آمدہ خصوصی مسائل کے قرآن کریم سے شافی جوابات کا استخراج کرنا، یہ سب چیزیں اس بات کی تصدیق ہیں کہ قرآن کریم منبع حق اور معدنِ حقیقت ہے اور اسی طرح سر برآوردہ اُدباءِ عرب کا قرآن کریم کے مقابلے پر نہ اترنا اور خاص ان میں سے اُن اُدباء کا جو اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور مقابلہ ومعارضہ کے لئے پیچ وتاب میں رہتے تھے'' اور ان کا قرآنی اعجاز کے سات بڑے پہلوؤں میں سے صرف ایک یعنی بلاغی پہلو کے سامنے درماندہ رہ جانا اور ان کا قرآنی سورتوں جیسی صرف ایک سورت لانے سے عاجز آنا اور کترا جانا اور مشہور بلغاء اور عبقری علماء جو کہ مقابلہ ومعارضہ کے میدان میں اتر کر مشہوری اور ناموری کے ازبس خواہشمند تھے، ان میں سے کسی ایک کا بھی تا ایں دم قرآن کے کسی بھی اعجازی پہلو کے ساتھ معارضہ نہ کرسکنا اور ان کا واماندہ و درماندہ ہو کر آگے بڑھنے سے کترانا اور خاموش رہ جانا۔ اس بات پر حجّتِ قاطعہ ہے کہ قرآن پاک بشری طاقت سے مافوق قسم کا ایک معجزہ ہے۔

جی ہاں! بے شک کلام کی قیمت، اُس کی سربلندی اور بلاغت تین چیزوں میں واضح ہوتی ہے: ''یہ کس نے کہا ہے؟ اُسے اُس نے کس کے لئے کہا ہے؟ اور اسے کیوں کہا ہے؟''۔

اس بنا پر قرآن کریم کا کوئی مثیل نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی چیز اس کے درجے کے قریب تک پہنچ سکتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم تمام جہانوں کے رب اور ساری کائنات کے خالق کا خطاب اور کلام ہے، اور یہ ایک ایسا مکالمہ ہے جس کی کسی بھی پہلو سے کسی بھی صورت میں تقلید نہیں ہوسکتی ہے، اور اس میں کوئی بھی ایسی علامت نہیں پائی جاتی ہے جو تصنّع یا بناوٹ کی طرف اشارہ کرتی ہو۔

پھر اس کا مخاطب وہ شخص ہے جو تمام بشریت پر بلکہ تمام مخلوقات کے نام پر مبعوث ہوا ہے۔

اور وہ ایسے مخاطب ہیں کہ جن کا ذکر سب سے زیادہ معزز اور سب سے زیادہ بلند ہے، اور وہ ذات گرامی ہیں کہ عظیم القدر ایمان ان کے ایمان کی قوّت اور وسعت سے سیراب ہوا ہے، حتیٰ کہ انہیں قاب قوسین یا اس سے بھی قریب تر بلندی

Marfat.com

تک لے جایا گیا تب آپ ﷺ کو وہاں خطابِ صمدانی کا تاج پہنایا گیا۔

پھر قرآن معجز بیان نے سعادت دارین کا راستہ واضح طور پر دکھا دیا ہے اور کون ومکان کی تخلیق کے اغراض ومقاصد بتائے ہیں، اور اس کون ومکان میں پائے جانے والے ربانی مقاصد بتائے ہیں، اور وہ بلند وبالا اور وسیع وعریض ایمان کہ جس کا دامن تمام اسلامی حقائق سے بھرا ہوا ہے اور جس سے اس کا معزز مخاطب مزین ہے، قرآن پاک اس ایمان کی اس طرح سے وضاحت کرتا ہے کہ کائنات کے ہر کونے کھدرے کو آنکھوں کے سامنے لا پیش کرتا ہے اور اس کائنات کو اس طرح سے آنکھوں کے سامنے گھماتا ہے جیسے کہ کوئی کسی نقشے یا گھڑی کو گھماتا ہے، اور اس طرح وہ ایک انسان کو کون ومکان کے خالق کے بارے میں جانکاری دیتا ہے۔

پس اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے، اور یہ ضروری بھی ہے کہ قرآن کی مثیل لانا کبھی بھی ممکن نہیں ہے، اور اسی طرح اس کے اعجاز کے مرتبے تک پہنچنا بالکل ناممکن ہے۔

اور اسی طرح وہ ہزاروں نادرِ روزگار علماء جن میں سے ہر ایک نے قرآن کریم کی کئی کئی جلدوں میں تفسیر لکھی، اُن میں سے کئی تو تیس یا چالیس بلکہ ستر جلدوں تک پہنچ گئی ہیں، اور ان علماء نے اپنی اسانید اور اپنے دلائل کے ساتھ قرآن کریم کے غیر محدود بلند امتیازات، بلیغ نکات، دقیق خصوصیات، لطیف اسرار، بلند معانی اور انواع واقسام کی مختلف غیبی اخبارات کی وضاحت کی ہے، اور ان سب کا ان امتیازات وخصوصیات کو واضح اور ثابت کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن کریم ایک غیر معمولی معجزۂ الٰہیہ ہے، اور خاص کر ایک سوتیس کی تعداد میں رسائل نور میں سے ہر رسالے کا قرآنِ کریم کی کسی نہ کسی امتیازی خصوصیت کو بروئے کار لانا اور اس کے کسی نہ کسی نادر اور اچھوتے نکتے کا قطعی دلائل کے ساتھ اثبات کرنا، قرآن کے معجزۂ الٰہیہ ہونے پر قطعی دلیل ہے اور خاص کر قرآنی معجزات، ''بیسویں مقالے'' کا دوسرا مقام جو کہ دور حاضر کی ریل گاڑی اور ہوائی جہاز جیسی بہت سی ایجادات کا استخراج قرآن کریم سے کرتا ہے، اور ''شعاع اوّل''، جو کہ ''قرآنی اشارات'' کے نام سے موسوم ہے اور جو اُن کئی آیات کی وضاحت کرتی ہے جن میں رسائلِ نور اور بجلی کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں، اور ''آٹھ اسرار ورموز'' کے نام کے چھوٹے چھوٹے رسائل جو کہ قرآنِ کریم کے حروف میں پائے جانے والے دقیق انتظام پر روشنی ڈالتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ حروف کتنے گہرے اسرار اور وافر معانی پر مشتمل ہیں، اور وہ چھوٹا سا رسالہ جو سورۂ الفتح کی آخری آیات کی وضاحت کرتا ہے اور غیبی خبریں دینے کی جہت سے پندرہ پہلوؤں سے ان میں پائے جانے والے اعجاز پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے، اور ان جیسے دیگر رسائل۔ رسائل نور کے تمام اجزاء میں سے ہر جزء کا قرآن کریم کے حقائق میں سے کسی نہ کسی حقیقت کو ظاہر کرنا اور اس کے انوار میں سے کسی نہ کسی نور کو بروئے کار لانا، یہ چیز اس بات کی تصدیق وتاکید ہے کہ قرآن کریم کا کوئی مثیل نہیں، وہ ایک غیر معمولی معجزہ ہے، اور یہ کہ وہ اس عالم شہادت میں

Marfat.com

لسانُ الغیب ہے اور یہ کہ وہ علاّم الغیوب کا کلام ہے۔

اور یوں قرآن کریم کے ان مزایا و خواص کی وجہ سے جن کی طرف چھ نقطوں میں، چھ جہتوں میں اور چھ مقامات میں اشارہ کیا گیا ہے، اس کی جلیلُ القدر نورانی حاکمیت اور مقدّس سلطنت کمال وقار و احترام کے ساتھ زمانوں کے چہروں کو جگمگاتی اور زمین کے چہرے کو چمکاتی تیرہ سو سال سے قائم دائم ہے۔ اور انہیں خواص کی وجہ سے قرآن کریم قدسی امتیازات کا حامل ہے، کہ اس کے ہر حرف پر کم از کم دس ثواب اور دس نیکیاں اور دس ابدی پھل ہیں، بلکہ آیات و سُور کا ہر حرف ایک سو ایک ہزار یا اس سے زیادہ آخرت کے پھل عطا کرتا ہے، اور ہر حروف کا نور ثواب اور قیمت مبارک اوقات میں دس سے سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔ اور اس طرح کی دیگر مقدّس امتیازی خصوصیات جو اِس سیاحِ عالم کی سمجھ میں آ گئیں، تو اس نے اپنے دل کو مخاطب کر کے کہا:

بے شک یہ قرآن کریم جو ہر پہلو سے معجزانہ حیثیت کا حامل ہے اس نے اپنی سورتوں کے اجماع، اپنی آیات کے اتفاق، اپنے اسرار و انوار کے توافق اور اپنے ثمار و آثار کے تطابق کے ذریعے دلائل کے ساتھ واجب الوجود کے وجود پر، اس کی وحدانیت پر، اس کی جلیلُ القدر صفات پر اور اُس کے اَسمائے حسنیٰ پر ایک ایسی مضبوط شہادت فراہم کی ہے، کہ اس وجود سے تمام اہلِ ایمان کے لیے غیر محدود شہادتیں ٹپک پڑی ہیں۔

اس سیاح نے قرآنِ کریم سے توحید و ایمان کا جو درس سیکھا ہے اس کی طرف مقامِ اوّل کے سترہویں مرتبے میں ایک چھوٹا سا اشارہ کر دیا گیا ہے:

**لا الـه الا الله الواجب الوجود الواحد الاحد الذی دل علی وجوب وجوده فی وحدته : الـقـرآن المعجز البيان ، المقبول المرغوب لاجناس الملك والانس والجان، المقروء كل آياته فـی كـل دقيـقـة بـكـمال الاحترام، بألسنة مئات الملايين من نوع الانسان ، الدائم سلطنته القدسية عـلـی اقطار الارض والاقوام ، و علی وجوه الاعصار والزمان، والجاری حاكميته المعنوية النورانيه عـلـی نـصف الارض و خـمس البشر فی اربعة عشر عصرا بكمال الاحتشام... وكذا شهد وبرهن بـاجـمـاع سوَرِهِ القدسية السماوية، وباتفاق آياته النورانية الالهية وبتوافق اسراره وانواره وبتطابق حقائقه وثمراته وآثاره بالمشاهدة والعيان.**

Marfat.com

# دوسرا ذیل

رسالہ ثمرہ کا دسواں مسئلہ

## امیر داغ کا پھول

[قرآن کریم میں پائے جانے والے تکرار پر وارد ہونے والے اعتراضات کا شافی اور اطمینان بخش جواب]

**میرے معزز وفادار بھائیو!**

میں نے جس وقت یہ مسئلہ لکھنا شروع کیا تھا اس وقت میں شدید اضطرابی اور ناامیدی کی کیفیت میں مبتلا تھا، اس لیے اس میں کسی حد تک ابہام سا پایا جاتا ہے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بے ساختگی میں جیسے لکھا گیا تھا ویسے ہی پڑا رہا۔ لیکن مجھے اس بات کا ادراک ہوا کہ یہ پریشان عبارتیں بڑے خوبصورت اعجاز پر مشتمل ہیں، انتہائی افسوس کی بات ہوگی کہ اس اعجاز کو بیان کرنے کے لیے جو اسلوب اور تعبیر درکار ہے وہ میں بہم نہ پہنچا سکوں پس اس مضمون کی عبارتیں کتنی بھی کم روشن اور غیر واضح کیوں نہ ہوں، لیکن ان کا تعلق چونکہ قرآن کریم کے ساتھ ہے، اس لیے ایک ''فکری عبادت'' اور ایک قدسی اور بلند سیپی اور صدف کی حیثیت رکھتی ہیں جن کے اندر نفیس اور بلند پایہ موتی پائے جاتے ہیں۔ بنابریں مجھے امید ہے کہ آپ لوگ ان کے پھٹے ہوئے چھلکوں اور خولوں سے صرفِ نظر کر کے ان میں پائے جانے والے تابناک موتیوں کو نگاہ میں رکھیں گے پس اگر وہ موتی واقعتاً شائستہ نظر آئیں تو انہیں ''رسالہ ثمرہ'' کا ''دسواں مسئلہ'' بنالیں، وگرنہ اسے اپنی مبارکبادی کے پیغامات کا جواب سمجھ کر قبول کرلیں۔

میں اسے انتہائی اجمال واختصار کے ساتھ لکھنے پر مجبور تھا کیونکہ میں ناقص غذا اور مختلف بیماریوں کی تکلیف سے دو چار تھا، حتیٰ کہ میں نے ان میں سے ایک ایک جملے میں بہت سے حقائق مندرج کر دیے ہیں، اور انہیں ـ بفضل اللہ ـ رمضان المبارک کے ایک دو دنوں میں پورا کر دیا ہے، اس لیے اس میں جو کمی کوتاہی نظر آئے اس پر معذرت خواہ ہوں۔ (حاشیہ: ۱)

**میرے عزیز وفادار بھائیو!**

(۱) ''پھول'' کے نام سے موسوم دسواں لطیف مسئلہ اس معزز مہینے اور ''امیر داغ'' کو روشن کرنے والا ہے، اسے دینزلی شہر کی جیل کے ''پھل'' سے موسوم مسئلے کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے، اس حیثیت سے کہ یہ ''دسواں مسئلہ'' ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ اللہ کے حکم سے اوہام کے اس بدبودار زہر کو زائل کردے گا جو اہلِ ضلالت قرآن کریم میں پائے جانے والے تکرار کے بارے میں پھونک رہے ہیں، اور یہ چیز وہ اس تکرار میں پائی جانے والی بہت سی حکمتوں میں سے صرف ایک آدھی حکمت کا انکشاف کر کے واضح کرلے گا، مؤلف۔

Marfat.com

میں جب رمضان المبارک کے مہینے میں قرآنِ معجز بیان کی تلاوت کیا کرتا تھا، اس وقت میں نے ان تینتیس آیات میں غور کیا جو 'شعاعِ اول' میں مذکور ہیں اور جن میں رسائلِ نور کی طرف اشارے ملتے ہیں، تو میں نے دیکھا کہ ان میں سے ہر آیت کا صفحہ اور اس کا مضمون گویا کہ رسائل نور اور طلاب نور کی طرف جھانک رہے ہیں۔

اِس جہت سے کہ طلابِ نور نے ان کے فیضان اور معانی سے کچھ حصہ پالیا ہے _ اور خاص کر نور والی آیت جو کہ ''سورۃ نور'' میں پائی جاتی ہے، وہ تو دسوں انگلیوں کے ساتھ رسائل نور کی طرف اشارہ کر رہی ہے، جیسے کہ ان کے بعد میں آنے والی آیات _ آیاتِ ظلمات _ رسائل نور کے معارضین ومخالفین کی طرف متوجہ ہیں بلکہ انہیں اپنا بہت بڑا حصہ دے رہی ہیں؛ مجھے ایسا لگا کہ یہ مقام جزئیت سے نکل کر کلیت کو حاصل کر رہا ہے اور اس زمانے میں اس کلیت کا ایک مکمل فرد رسائل نور اور طلاب رسائل نور ہیں۔

قرآن کریم کا صدور چونکہ براہِ راست اُس متکلمِ ازلی کی عام اور ہمہ گیر ربوبیت کے مطلق وسیع مقام سے ہوا ہے، اس بنا پر اُس کے خطاب نے ہمہ گیر احاطے، بلند و بالا رفعت، مطلق وسعت اور کلی صفت کا اکتساب کر لیا ہے۔ اور وہ ان صفات کا اکتساب اُن سے بھی کرلے گا جن پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے، یعنی وہ نبی کریم ﷺ جو کہ تمام نوعِ بشری کے نمائندے ہیں اور تمام تر انسانیت کے بلکہ تمام کائنات کے نمائندے ہیں۔ اسی طرح وہ اِن صفات کا اکتساب اس خطاب سے حاصل کرلے گا جس کا رُخ تمام تر بشری طبقات اور تمام تر زمانوں کے لیے اُس وسیع وعریض عالی مقام کی جانب ہے۔ اور اسی طرح وہ ان صفات کا اکتساب اس وسیع ورفیع اور ہمہ گیر مقام سے حاصل کرلے گا جو مقامِ اللہ تعالیٰ کے اُن قوانین کے شافی بیان سے پھوٹتا ہے جو قوانین دنیا و آخرت، ارض وسما اور ازل وابد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، وہ قوانین جو کہ اس کی ربوبیت کے ساتھ خاص ہیں اور تمام تر مخلوقات کے جملہ امور کو شامل ہیں۔

تو یہ خطابِ جلیل جس نے اس طرح کی وسعت، بلندی: احاطہ، جامعیت اور شمولیت کا اکتساب کر لیا ہے، یہ خطاب ایک انتہائی حیرت انگیز اعجاز اور ہمہ گیر جامعیت کو نمایاں کر رہا ہے اور وہ اس طرح کہ:

اس کے فطری اور ظاہری مراتب جو کہ عام سادہ عوام کے ذہنوں کے لیے سازگار ہیں _ اور عوام ہی اس کے زیادہ تر مخاطب ہیں _ وہ عین اُسی وقت عوام کے ساتھ ساتھ سب سے اعلیٰ فکری مدارج اور بلند ترین عقلی طبقات کو بھی حصہ وافر عطا کرتے ہیں، پس وہ صرف اپنے مخاطبین کو کسی تاریخی حکایت سے عبرت گیری کے لیے خاص نہیں کرتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہر دور میں ہر طبقے کو _ اس کے دستورِ کلی کے منجملہ افراد میں سے ایک فرد ہونے کی وجہ سے _ اس طرح سے تازہ ترین اور جدید ترین خطاب کرتا ہے جیسے کہ وہ اُن پر ابھی ابھی نازل ہو رہا ہے۔

خاص کر ''الظالمین _ الظالمین _ '' کے تکرار کی کثرت اور اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں کو شدت سے ڈانٹنا اور خبردار کرنا کہ

Marfat.com

اُن کے ذنوب و مظالم کی وجہ سے ان پر زمینی و آسمانی مصائب نازل ہو سکتے ہیں، چنانچہ وہ اس تکرار کے ساتھ عاد، ثمود اور فرعون کی اقوام پر نازل ہونے والے انواع و اقسام کے عذاب پیش کر کے دور حاضر میں ہونے والے بے نظیر مظالم کی طرف توجہ منعطف کراتا ہے۔ اور عین اسی وقت میں مظلوم مومنوں کے دلوں میں ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کی نجات کا تذکرہ کر کے مظلوم مومنوں کے دلوں میں تسلی اور اطمینان کی فضا پیدا کرتا ہے۔

پھر یہ قرآن عظیم ہر دور میں ہر طبقے کی دلکش اعجاز کے ساتھ پوری وضاحت کے ساتھ یہ رہنمائی کرتا ہے:

جی ہاں! گزشتہ زمانے اور مٹ جانے والے ادوار جو کہ غافل و گمراہ لوگوں کی نظروں میں ایک وحشتناک، پُر ہراس اور دور دراز عدم کی وادی اور ایک کُہنہ دردناک اور ملال انگیز قبرستان ہے، قرآن انہیں ایک عبرت انگیز اسباق سے بھرے ہوئے زندہ صحیفے کی طرح پیش کرتا ہے، اور ایک عجیب و غریب عالم کی طرح پیش کرتا ہے، جس کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک سراسر زندگی دھڑک رہی ہے، حیات اُبل رہی ہے۔ اور ایک ایسی ربانی مملکت کی طرح پیش کرتا ہے جو بہت سے بندھنوں اور پیوندوں کے ذریعے ہمارے ساتھ بندھی ہوئی ہے چنانچہ وہ اس کو اپنے اچھوتے اعجاز کے ذریعے اس طرح جلوہ گر کرتا ہے کہ جیسے وہ ہمارے سامنے سکرین پر پیش کی جارہی اور دیکھی جارہی ہے۔ پس وہ کبھی تو ان زمانوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرتا ہے اور کبھی ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں ان زمانوں میں لے جاتا ہے۔

اور اسی اعجاز کے ذریعے وہ اس ''کائنات'' کو نمایاں کرتا ہے جس کے بارے میں غفلت شعار لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک لانہایت وحشتناک فضا ہے اور بلا روح کے مضطرب جمادات ہیں جو فراق و آلام کے بھنور میں لڑھک رہے ہیں، قرآن اس کائنات کے بارے میں یہ واضح کرتا ہے کہ: یہ ایک بلیغ کتاب ہے جسے احدُ الصمد نے لکھا ہے اور یہ ایک منظّم شہر ہے جسے رحمان الرّحیم نے تعمیر کیا ہے، اور یہ ایک اچھوتی اور حیرت انگیز نمائش گاہ ہے جسے ربِ رحیم نے اپنی مصنوعات کی تشہیر کے لیے برپا کیا ہے۔ پس وہ اس بیان کے ساتھ ان جمادات میں زندگی کی لہر دوڑاتا ہے اور انہیں اس طرح کا بنا دیتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کے لیے بھاگ دوڑ کرتے ہیں، اور ہر جز دوسرے جُز کا تعاون کرتا ہے گویا کہ وہ اس کے ساتھ گہری محبت کی بات چیت کر رہا ہو، پس ہر شے مسخر ہے اور ہر شے کے ذمے کوئی نہ کوئی ذمہ داری لگا دی گئی ہے۔ اور یوں قرآن عظیمُ الشان تمام جن و انس اور ملائکہ کو پر لطف حکمت اور روشن علم کے درس دیتا ہے، اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم جو کہ بیان میں اس اعجاز کا حامل ہے اس قابل ہے کہ ترقی یافتہ اور بلند و بالا خواص و امتیازات کا حامل ہو۔

اس کے ہر حرف میں دس، بلکہ سو اور کبھی ہزار اور کبھی کئی ہزار نیکیاں ہیں۔ جن و انس اس کا مثیل لانے سے عاجز ہیں اگرچہ اس کام کے لیے سارے اکٹھے کیوں نہ ہو جائیں۔ اس کے مخاطب تمام بنی آدم بلکہ تمام کی تمام کائنات ہے جس سے

Marfat.com

وہ بلیغ حکمت کے ساتھ خطاب کرتا ہے۔ ہر دور میں لاکھوں لوگ پورے ذوق وشوق کے ساتھ اسے حفظ کرنے کے حریص رہے ہیں۔اس میں کئی چیزوں کے تکرار کے باوجود اس کی تلاوت کرتے وقت اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی ہے۔ یہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے سادہ اور نرم ونازک ذہنوں میں مکمل طور پر بیٹھ جاتا ہے حالانکہ اس میں بہت سے ایسے جملے اور مقامات ہیں جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور اُن پر مُشتبہ ہو جاتے ہیں۔ بیمار اور قریب المرگ لوگ جو ادنیٰ سی بات سے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں وہ اسے سُن کر لذّت محسوس کرتے ہیں اور یہ ان کے کانوں میں رس گھولتا ہے۔اور ان کے علاوہ دیگر کئی بلند خاصیات اور مقدّس امتیازات جو قرآن کریم اپنے دامن میں اکٹھے کیے ہوئے ہے اور جن کی وجہ سے وہ اپنے پڑھنے والوں اور شاگردوں کو انواع واقسام کی دارین کی سعادتیں عطا کرتا ہے۔

اسی طرح قرآنِ کریم اپنے خوبصورت اعجاز کا اظہار اپنے ''بلیغ ارشادی اُسلوب'' میں بھی کرتا ہے، اور وہ اس طرح کہ اُس نے اپنے معزز مبلّغ کی اُمّیت کا اپنی فطری سلاست کی مکمل نگہداشت کر کے خوب خیال رکھا ہے، وہ اس چیز سے بہت بلند ہے کہ کسی بھی قسم کی ریا، تکلف یا تصنع اس کے قریب پھٹک سکیں، اسی بنا پر اس کا اسلوب اس طرح کا ہے کہ عوام جو کہ مخاطبین میں اکثریت کی حیثیت رکھتے ہیں، اُن کے لیے خوشگوار ہے اور اپنی کلامی تنزلات کی وجہ سے ان کے ذہنوں کے قریب اور سادہ فہموں کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔اُن کی آنکھوں کے سامنے زمین وآسمان جیسے ظاہری اور بدیہی صحیفوں کو کھول کر رکھ دیتا ہے۔آنکھوں کو عادی اور معمولی اشیاء کے تحت پائے جانے والے قدرتِ الٰہی کے معجزات اور اس کی حکمتِ بالغہ سے لکھی ہوئی تحریروں کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

پھر قرآن کریم اپنے حیرت انگیز اعجاز کا اظہار اپنے ''بلیغ تکرار'' میں بھی کرتا ہے، جب وہ ایک ہی جملے یا ایک ہی واقعے کو بار بار دہراتا ہے، اور یہ اُس وقت ہوتا ہے جب اپنے مخاطب لوگوں متباین طبقات کو اس آیت یا قصے میں پائے جانے والے متعدد معانی اور بہت سی عبرتوں کی راہ دکھاتا ہے اور یہ چیز تکرار کی متقاضی ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دعا اور دعوت کی کتاب ہے، جیسے کہ وہ ذکر و توحید کی کتاب ہے، اور اِن میں سے ہر چیز تکرار کی مقتضی ہے، پس قرآنِ کریم نے جس آیت یا قصے کو دُہرایا ہے وہ کسی نہ کسی جدید معنیٰ اور جدید عبرت پر مشتمل ہے۔

اور قرآن کریم اپنے اعجاز کا اظہار اس وقت بھی کرتا ہے جب وہ اُن ''جزوی حوادث'' کو بیان کرتا ہے جو صحابہ کرام کی زندگی میں اس وقت پیش آئے جب یہ نازل ہو رہا تھا اور اسلام کی اور شریعت کے قواعد کی بنیاد رکھ رہا تھا، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ وہ اہتمام بالغ کے ساتھ اُن حوادث کو لیتا ہے اور ان کے ذریعے اِس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ: چھوٹے سے چھوٹے جزوی حادثے میں پائے جانے والے دقیق ترین اُمور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اور اس کی تدبیر اور ارادے کے دائرے کے اندر ہیں اور اس پر مزید یہ کہ قرآن ان واقعات کے ذریعے کون ومکان میں اللہ تعالیٰ کی جاری عادات اور ہمہ

Marfat.com

گیراور کلی دساتیر آشکار کرتا ہے، اور اس پر مزید یہ کہ وہ حوادث جو کہ اسلام اور شریعت کی بنیاد سازی کے وقت بیجوں اور گٹھلیوں کی حیثیت رکھتے تھے، آئندہ زمانوں میں احکام وفوائد کے پکے ہوئے پھل دیں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تکرارِ حاجت سے تکرار لازم آتا ہے، یہ ایک قاعدہ ثابتہ ہے اِس لیے قرآن کریم نے بیس سالوں کے عرصے میں بہت سے مکرر سوالوں کا جواب دیا ہے اور اپنے ان مکرر جوابات کے ذریعے مخاطبین کے متباین طبقات کی رہنمائی کی ہے۔ پس وہ ایسے جملوں کو مکرر لاتا ہے جو ہزاروں نتائج کے حامل ہوتے ہیں، اور اپنے ان ارشادات کو تکرار کے ساتھ بیان کرتا ہے جو کہ لامحدود دلائل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور یہ اُس وقت کرتا ہے جب وہ ذہنوں اور دلوں میں دنیا میں برپا ہونے والے عظیم انقلاب اور خوفناک تبدیلی، اُسے پہنچنے والی تباہی وبربادی وپراگندگی اور اس کے بعد اس عالم فانی کی جگہ لینے والی دیدہ زیب دائمی آخرت کو ذہنوں میں بٹھاتا اور دلوں میں مضبوط کرتا ہے۔

پھر وہ ان جملوں اور آیتوں کو اس وقت مکرر لاتا ہے جب وہ اِس بات کا اثبات کرتا ہے کہ ذرات سے لے کر نجوم تک تمام جزئیات وکلیات صرف ایک واحدُ الاحد سبحانہ وتعالیٰ کے قبضہ ءقدرت اور تصرُّف میں ہیں۔

اور وہ ان جملوں اور آیتوں کو اس وقت بھی تکرار کے ساتھ بیان کرتا ہے جب انسان اپنا مقصدِ تخلیق بھول کر مظالم کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں غضبِ الٰہی اور سُخطِ ربانی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ وہ مظالم جو کہ کائنات، ارض وسما اور عناصر میں ہیجان برپا کردیتے ہیں اور ظالموں کے خلاف اُن میں غصے کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔

اس لیے ایسے عظیمُ الشان اور ہولناک امور کا ذکر کرتے وقت ان جملوں اور آیتوں کا تکرار کسی بھی صورت بلاغت میں نقص شمار نہیں ہوگا، بلکہ یہ چیز انتہائی خوبصورت اور حیرت انگیز اعجاز اور انتہائی بلندوبالا بلاغت، بلکہ مقتضائے حال کے ساتھ مکمل مطابقت رکھنے والی مضبوط فصاحت وجزالت شمار ہوگی۔ مثال کے طور پر:

﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾ کا جملہ جسکا بیان رسائل نور کے ''چودھویں لمعے'' میں کیا گیا ہے، یہ ایک ایسی حقیقتِ کبریٰ ہے جو کہ کائنات کو نور سے بھر رہی ہے اور فرش کو عرش کے ساتھ بڑے مضبوط بندھن کے ساتھ باندھ رہی ہے۔ پس ہر شخص اس حقیقت کا ہمہ وقت شدید محتاج ہے، اِس لیے اگر یہ حقیقتِ عُظمیٰ لاکھوں مرتبہ بھی دہرائی جائے تو بھی حاجت قائم رہے گی، سیراب نہیں ہوگی؛ نہ ہی یہ روٹی کی طرح کوئی روزانہ کی حاجت ہے بلکہ یہ ہوا اور روشنی کی طرح ہے جس کی مجبوری اور اشتیاق ہر لحظہ قائم ہے۔

اور آیتِ کریمہ ﴿وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیزُ الرَّحِیمُ﴾ سورۃ ''الشعراء'' میں آٹھ مرتبہ مکرر آئی ہے۔ اب ایک ایسی سورت میں جو انبیاء علیہم السلام کی نجات اور ان کی اقوام کے عذاب کا تذکرہ کرتی ہے، اِن ہزاروں حقیقتوں پر مشتمل عظیم الشان آیت کا دہرایا جانا صرف یہ بیان کرنے کے لیے ہے کہ:

Marfat.com

بے شک ان انبیاء کی اقوام کے مظالم تخلیق کی غرض وغایت میں خلل انداز ہو رہے تھے اور ربوبیت مطلقہ کے مقابلے میں آ رہے تھے، پس جس طرح رحمت الٰہیہ کا تقاضا یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو نجات دے، اِسی طرح عزت ربانیہ کا تقاضا یہ تھا کہ ان ظالم قوموں کو ہلاک کر دے۔ بنابریں، اگر یہ آیت ہزاروں مرتبہ بھی دہرائی جاتی تو بھی اس کی ضرورت اور شوق ختم نہ ہوتا، اس لیے اس مقام پر اس کا تکرار اعجاز اور ایجاز سے بھرا ہوا بلند ترین بلاغت کا شاہکار ہے۔

اسی طرح آیت کریمہ ﴿فَبِأَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ ہے جو سورۃ ''الرحمن'' میں دہرائی گئی ہے اور آیتِ کریمہ ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ جو سورۃ ''المرسلات'' میں دہرائی گئی ہے۔ یہ دونوں آیتیں تمام زمانوں کے رُوبرُو اور زمین و آسمان کے اطراف و اکناف میں پکار پکار کر صراحتاً اعلان کر رہی ہیں کہ جن و انس کا کفران کا نعمت ہائے اِلٰہیہ کی ناشکری اور انکار اور اُن کے بدترین مظالم کائنات کے غصے کو بھڑکاتے ہیں اور زمین کو اُن کے خلاف غیظ و غضب میں مبتلا کرتے ہیں۔ تخلیق کائنات کی حکمت اور مقصد میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ تمام مخلوقات کے حقوق پر دستِ تجاوز و تعدّی دراز کرتے ہیں۔ اور عظمتِ الوہیت کی اِہانت اور انکار کرتے ہیں۔ اس لیے یہ دونوں آیتیں اس طرح کے ہزار دں حقائق کے ساتھ مربوط ہیں۔ اور ان دونوں کی وہی اہمیت اور قوّت ہے جو ہزاروں مسائل کی ہو سکتی ہے اس لیے یہ دونوں آیتیں جن و انس کو کیے جانے والے خطاب میں اگر ہزاروں مرتبہ بھی دہرائی جاتیں تو ان کی ضرورت پھر بھی قائم اور حاجت برقرار رہتی پس یہاں پایا جانے والا تکرار ایک مختصر اور عالی قدر بلاغت اور حسن و جمال کا حامل معجزہ ہے۔

☆ (ایک اور مثال ہے جو ہم حدیث نبوی میں تکرار کی حکمت کے ضمن میں پیش کر رہے ہیں)۔ مناجات نبوی جو کہ ''الجوشن الکبیر'' کے نام سے موسوم ہے جو کہ قرآن کریم کی حقیقی اور مکمل مطابقت رکھنے والی ایک مناجات اور اس سے حاصل کیا گیا ایک خلاصہ ہے اِس میں ہمارے سامنے یہ جملہ آتا ہے: سبحانک یا لا الٰہ الا انت الأمان الأمان خلصنا من النار... أجر نا من النار... نجنا من النار... یہ جملے ایک سو مرتبہ دہرائے گئے ہیں، لیکن اگر ہزاروں مرتبہ بھی دہرائے گئے ہوتے تو اکتاہٹ پیدا نہ کرتے؛ کیونکہ یہ کائنات پر پائی جانے والی سب سے زیادہ جلیل القدر حقیقت پر مشتمل ہیں، اور وہ ہے توحید۔ اور مخلوقات کے اپنے ربّ جلیل کے حضور سب سے بڑے وظیفے پر مشتمل ہیں، اور وہ ہے تسبیح و تحمید و تقدیس۔ اور نوع بشری کے سب سے بڑے انجام کار پر مشتمل ہے اور وہ ہے آگ سے نجات اور دائمی بدبختی سے خلاصی پانا۔ اور بشری عبودیت اور عجز و انکساری کی سب سے ضروری غرض و غایت پر مشتمل ہے، اور وہ ہے دعا۔

اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں پایا جانے والا انواع و اقسام کا تکرار جہاں بھی آیا ہے وہاں ان مذکورہ بنیادوں جیسی بنیادیں پائی جاتی ہیں۔ حتی کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک ہی صفحے میں _ صراحتاً یا ضمناً _ بیس سے زیادہ مرتبہ توحید کے بارے میں بتایا جاتا ہے، اور یہ اس لیے کہ وہاں موقع محل کا تقاضا یہی ہوتا ہے، سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے اور

Marfat.com

بلاغت کا تقاضا بھی یہی ہوتا ہے، پس وہ اس تکرار سے شوقِ بلاغت کو اُبھارتا ہے، اور خستگی و ملال پیدا کیے بغیر بلاغت کی قوت اور بلندی میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔

رسائل نور کے مختلف اَجزاء میں یہ بات بڑی وضاحت سے بیان کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم میں پائے جانے والے تکرار میں کیا حکمت ہے، اس کے دلائل تفصیل سے بیان کر دیے گئے ہیں، اور بتایا گیا ہے کہ یہ تکرار بلاغت کے ساتھ کتنی ہم آہنگی رکھتا ہے، اور اس جہت سے یہ کیسے دلکش حسن و جمال سے مالا مال ہے!

رہی یہ بات کہ بلاغت، اعجاز اور تفصیل و اجمال کی جہت سے مکی سورتیں مدنی سورتوں سے مختلف ہیں، تو اس میں یہ حکمت ہے کہ:

مکہ مکرمہ میں قرآن کریم کے صفِ اوّل کے مخاطب اور معارض مشرکین قریش تھے اور وہ ناخواندہ تھے کوئی کتاب نہیں رکھتے تھے، پس یہاں بلاغت مضبوط عالی شان اسلوب، قناعت بخش معجزانہ اجمال اور بات کو ذہنوں میں اچھی طرح بٹھانے کے لیے تکرار کی مقتضی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر مکی سورتوں نے انتہائی قوی اور عالی اسلوب اور انتہائی درجے پر مشتمل ایجاز بھرے معجزانہ اسلوب کے ساتھ ارکان ایمان اور مراتبِ توحید پر بحث کی ہے، اور ایمان باللہ، مبداء و معاد اور آخرت کے مسئلے کو تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے، بلکہ اُس نے ان ارکان ایمانیہ کے بارے میں ہر صفحے میں، یا آیت میں یا جملے میں یا صرف ایک ہی کلمے میں بلکہ بسا اوقات صرف ایک ہی حرف میں۔ تقدیم و تاخیر تعریف و تنکیر اور حذف و ذکر کے پیرائے میں بیان کر دیا ہے۔ اور ارکانِ ایمان کا ان جیسے بلاغی حالات و کیفیات کی صورت میں اس طرح سے اثبات کیا ہے کہ ماہرائمہء بلاغت اس اعجاز بدوش اسلوب کے سامنے انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ رسائلِ نور نے اور خاص کر ''پچیسویں مقالے'' یعنی ''قرآنی معجزات نے اپنی ذیلی بحثوں کے ساتھ اِعجاز القرآن کے بہتیرے پہلوؤں میں سے چالیس پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اِسی طرح تفسیر ''اِشارات الاعجاز'' بھی جو کہ عربی زبان میں ہے، آیات قرآنیہ کے مابین نظم و نسق کی رُو سے بڑے دلکش انداز کے ساتھ اِعجاز قرآن کی وضاحت کرتی ہے۔ پس ان دونوں رسالوں نے عملی صورت میں اس معجزانہ ایجاز کی بلندی اور یکتا و یگانہ بلاغی اسلوب کی برتری ثابت کر دی ہے۔

رہیں مدنی آیات وسُورتو ان کے صفِ اوّل کے مخاطب و معارض یہودی اور عیسائی تھے اور وہ اہل کتاب اور مومن باللہ لوگ تھے، پس یہاں قواعدِ بلاغت، اسالیبِ ارشاد اور اُسسِ تبلیغ کا تقاضا یہ ہوا کہ اہلِ کتاب کی طرف متوجہ خطاب اُن کے حالات کے مطابق ہو، بنابریں اسلوب_ اُصول و ارکانِ ایمان سے قطع نظر_ جزئیات کی توضیح و تبیین کے باوجود انتہائی آسان، واضح اور سلیس ہے: اِس کی وجہ یہ ہے کہ جزئیات ہی احکامِ فرعیہ اور قوانین کلیہ کا سرچشمہ اور شرائع و احکام میں اختلافات کا دار و مدار ہیں۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مدنی آیات قرآنِ کریم کا معجز بیان اسلوب لیے ہوئے بالکل

Marfat.com

واضح اور سلاست سے لبریز ہیں، لیکن قرآن کریم نے کسی جزوی اور فرعی واقعے کے بعد کوئی مضبوط خلاصہ ملخص نتیجہ، محکم اختتام یا حجتِ قاطعہ کا ذکر کیا ہے جس سے وہ اُس جزوی حادثے کو ایک عام قاعدہ کلیہ بنا دیتا ہے، اور اس کے بعد توحید، ایمان اور آخرت کا خلاصہ بتانے کے لیے فواصل جس ایمان باللہ کو بروئے کار لاتا ہے، اُس ایمان کو دلوں میں مضبوط بٹھا دیتا ہے اور اس میں یہ داعیہ رکھ دیتا ہے کہ خود کو اس قاعدے کلیئے کے مطابق ڈھال لو۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ واضح اور سلیس مقام اُن اختتامی فواصل کے طفیل روشن اور بلند ہو جاتا ہے۔ رسائلِ نور نے پچیسویں مقالے کے دوسرے شعلے کی دوسری روشنی میں جو کہ قرآنی معجزات کے ساتھ خاص ہے، ان خلاصہ جات و فواصل میں پائے جانے والی عالی شان بلاغت، بلند پایہ امتیازات اور عظیم الشان قدآور اور بلند و بالا عمدگی کو۔ حتی کہ معاندین کے لیے بھی۔ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾، ﴿إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾، ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾، ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾، اور ان جیسی دیگر آیات پر نظر ڈال سکتے ہیں جو توحید اور آخرت پر مشتمل ہیں، اور جو اکثر آیات کے اختتام پر آتی ہیں، آپ کو نظر آئے گا کہ قرآنِ کریم جب شرعی فروعی احکام اور معاشرتی قوانین بیان کرتا ہے تو۔ ان اختتامی فواصل کے ساتھ۔ اس سہل، واضح اور سلیس اُسلوب کو ایک بلند پایہ اسلوب میں تبدیل کر دیتا ہے، ایسے لگتا ہے جیسے کہ وہ قاری کو درسِ شریعت سے درسِ توحید کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اور یوں وہ اس سے یہ بات کرتا ہے کہ قرآن جس طرح شریعت، احکام اور حکمت کی کتاب ہے اسی طرح وہ عقیدہ و ایمان کی کتاب ہے، اسی طرح ذکر و فکر اور دعا و دعوت کی کتاب ہے۔

اور یوں آپ دیکھتے ہیں کہ موقع محل کے اختلاف اور ارشاد و تبلیغ کے مقاصد میں تنوع کے حساب سے مدنی آیات میں پائی جانے والی چمکدار معجزانہ مضبوطی اور عمدگی کی ایک ایسی طرز نظر آتی ہے جو مکی آیات میں پائی جانے والی بلاغت سے علیحدہ قسم کی ہے۔ کبھی آپ کو یہ طرز صرف دو کلموں میں نظر آئے گی، مثال کے طور پر: ﴿ربک﴾ اور ﴿رب العالمین﴾ کہ وہ اُحدیت کی تعلیم ﴿ربک﴾ کی تعبیر کے ساتھ اور واحدیت کی تعلیم ﴿رب العالمین﴾ کی تعبیر کے ساتھ دیتا ہے، اور یوں وہ احدیت کو واحدیت میں بیان کرتا ہے۔

بلکہ بلاغت کی یہ طرز کبھی ہمیں ایک جملے میں نظر آ جاتی ہے، چنانچہ وہ مثال کے طور پر آپ کو آنکھ کے تل کے ذرے کی جگہ تک اور وسط آسمان میں سورج کے مقام تک اپنے علم کی رسائی کے بارے میں، اور اس قدرت کی ہمہ گیری کے بارے میں جو ایک ہی آلے کے ذریعے ہر ایک کو اس کی جگہ پر رکھتی ہے اور سورج کو یہ حیثیت دے دیتی ہے کہ جیسے وہ آسمان کی آنکھ ہو۔ پھر وہ آیتِ کریمہ ﴿خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ اور ﴿يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ﴾ کے بعد آیتِ کریمہ ﴿وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ کو لاتا ہے، یعنی زمین و آسمان کی تخلیق کی

Marfat.com

عظمت اور زمین کو آنکھوں کے سامنے بچھا دینے کا ذکر کرنے کے بعد اپنے علم کے سینوں کی پوشیدگیوں تک نفوذ کر جانے کا ذکر کرتا ہے، اور یوں وہ ذہنوں میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ وہ زمین و آسمان کی تخلیق اور ان کے معاملات کی تدبیر کے جلال کے ضمن میں دلوں کی دھڑکنیں اور ان کے پوشیدہ حالات جانتا ہے۔ اب اس بیان کے بعد ﴿وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ کا جملہ لانا بیان کا ایک ایسا رنگ ہے جو اس سہل، واضح، فطری اور عوام کے قریب الفہم اسلوب کو ایک بلند پایہ ارشاد اور پرکشش تبلیغ میں تبدیل کر دیتا ہے۔

سوال: ایک سطحی اور عبوری نظر اُن اہم حقائق کو نہیں دیکھ سکتی جو قرآن کریم فراہم کرتا ہے، اس لیے وہ پہچان نہیں پاتی کہ ایک معمولی اور جزوی حادثے اور اس خلاصے کے درمیان کیا تعلق ہے جو بلند پایہ توحید کی تعبیر کر رہا ہے یا کوئی کلی دستور فراہم کر رہا ہے، اس بنا پر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسے مقامات پر بلاغت میں کمی پائی جاتی ہے، مثال کے طور پر: یوسف علیہ السلام نے ایک زیرک تدبیر کے ساتھ جب اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ لیا، تو قرآن نے اس جزوی حادثے کو بیان کرنے کے بعد اختتام پر کہا ہے ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ اور اس اختتام کے ذریعے ایک کلی دستور بیان کیا ہے، لیکن اس حادثے اور اختتام کے درمیان بظاہر کوئی بلاغی مناسبت نظر نہیں آ رہی ہے۔ اس میں کون سا راز اور کون سی حکمت پوشیدہ ہے؟

الجواب: زیادہ تر طویل یا متوسط سورتیں _ جن میں سے ہر کوئی ایک مستقل قرآن کی طرح ہے _ قرآن کے مقاصدِ اربعہ (توحید، نبوت، حشر اور عدل مع عبودیت) میں سے دو یا تین مقاصد پر ہی اکتفا نہیں کرتی ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک ان مقاصد اربعہ اور قرآن کی مکمل ماہیت کو شامل ہے، یعنی ان میں سے ہر ایک کتابِ شریعت و حکمت و ہدایت کی طرح کتاب ذکر و فکر و ایمان ہے۔ پس ان میں سے ہر سورت متعدد کتابوں کو متضمن ہے اور مختلف اور متنوع دروس و اسباق کی رہنمائی دیتی ہے، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ ہر مقام _ بلکہ حتی کہ ایک صفحہ بھی _ انسان کے سامنے ایمان کے ایسے دروازے کھولتا ہے جن کے ذریعے وہ دوسرے مقاصد بروئے کار لاتا ہے، اور وہ اس طرح کہ قرآن ان چیزوں کا ذکر کرتا ہے جو کہ کائنات کی کتابِ کبیر میں مسطور ہیں اور انہیں وضاحت سے بیان کرتا ہے اور مردِ مومن کی گہرائیوں میں اللہ کی اُس ربوبیت کا نقش مضبوط کرتا ہے جو ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اور اُسے انفس و آفاق میں اُس کی ربوبیت کی پُر ہیبت تجلیات دکھاتا ہے۔ بنا بریں، جو مناسبت بظاہر کمزور سی نظر آتی ہے اس پر مقاصد کلیہ کی بنیاد رکھی جاتی ہے تب اس بظاہر کمزور سی مناسبت کے ذریعے مضبوط مناسبات اور قوی تعلقات پے در پے چلے آتے ہیں۔ اور اس پہلو سے یہ اسلوب موقع محل کے تقاضے کے عین مطابق ہوگا اور اس طرح اس کا بلاغی مرتبہ بھی بلند ہو جائے گا۔

ایک اور سوال: اس میں کیا حکمت ہے کہ قرآن کریم امورِ آخرت کے اثبات، توحید کی تلقین اور انسان کے اعمال کی

Marfat.com

پاداش کے بارے میں ہزاروں دلائل مہیا کرتا ہے؟ اور اس میں کیا راز ہے کہ وہ ہر سورت میں بلکہ مصحف کے ہر صفحے میں اور ہر مقام میں صراحتاً، ضمناً اور اشارتاً ان امور کی طرف توجہ دلاتا ہے؟

**الجواب:** کیونکہ قرآن کریم انسان کی توجہ اُس عظیم ترین انقلاب کی طرف کراتا ہے جو تاریخ عالم میں مخلوقات کے ضمن میں اور ممکنات کے دائرے میں برپا ہو رہا ہے۔ اور وہ ہے آخرت۔ اور اُس کی رہنمائی اُس عظیم ترین مسئلے کی طرف کرتا ہے جو بالخصوص اس کے ساتھ اُس کے امانتِ کُبریٰ اور خلافتِ ارض کے حامل ہونے کی حیثیت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور وہ ہے مسئلہ توحید کہ جس پر ابدی سعادت وشقاوت کا دار و مدار ہے۔ اور عین اُسی وقت قرآن مسلسل وارد ہونے والے شبہات کے سیلاب کی روک تھام کرتا ہے اور قابل نفرت انکار وجحود کی شدید ترین اقسام کو پاش پاش کرتا ہے۔

بنابریں اگر قرآن اُن دہشتناک انقلابات پر ایمان لانے کی طرف توجہ مبذول کرائے اور دوسروں کو نوعِ انسان کے اس عظیم الشان ضروری مسئلے کی تصدیق پر اُبھارے۔

جی ہاں، اگر قرآن اس مسئلے کی طرف ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مرتبہ توجہ دلائے، تو بھی یہ چیز اس کی طرف سے بالکل اسراف شمار نہیں ہوگی، اور اسی طرح یہ چیز کبھی بھی اکتاہٹ یا ملال پیدا نہیں کرے گی، بلکہ اس کے برعکس قرآن کریم میں اس کی تلاوت کی تکرار کی ضرورت بہرصورت قائم رہے گی؛ کیونکہ وجودِ کائنات میں توحید سے زیادہ اہم اور بڑا مسئلہ کوئی اور ہے ہی نہیں۔

مثال کے طور پر آیت کریمہ ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ﴾ (حاشیہ:۱) یہ آیت کریمہ دائمی سعادت کی خوشخبری کی حقیقت کو ہر لمحے موت کی حقیقت سے دوچار رہنے والے مسکین انسان کے دامن میں ڈال رہی ہے پس یہ خوشخبری اُسے اس تصور سے بچاتی ہے کہ موت ابدی عدم یا نیست ہو جانے کا نام ہے۔ اور اُسے، اُس کی دنیا کو اور اس کے تمام دوست احباب کو فنا کے قبضے سے نجات دلاتی ہے، بلکہ ابدی سلطنت اور دائمی سعادت کا مالک بناتی ہے۔ بنابریں، اگر یہ آیت کروڑوں مرتبہ بھی دہرائی جائے اور اسے کائنات کے برابر اہمیت دی جائے تو اس کا یہ تکرار اسراف شمار نہیں ہوگا اور اس کی اس قیمت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ہے۔

اور یوں ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم جو کہ اس طرح کے قیمتی مسائل کے حل فراہم کرتا ہے اور مسکت دلائل کے ساتھ ان مسائل کے مخاطبین کو مطمئن کرنے کی سعی کرتا ہے، کون ومکان میں ہونے والے عظیم تحولات اور بھاری بھرکم تغیرات کو قلوب واذہان کی گہرائیوں میں اتارتا ہے، اور ان چیزوں کو وہ ایسے سہل اور واضح انداز سے پیش کرتا ہے کہ جیسے ایک مکان

---

(حاشیہ:۱) ''البروج:11

تغیر وتبدل کے مراحل سے گزرتا ہے اور دوسری شکل اختیار کر جاتا ہے۔ پس یہ ضروری ہوا کہ ان جیسے مسائل کی طرف صراحتاً، ضمناً یا اشارتاً۔ ہزاروں مرتبہ توجہ مبذول کرائی جائے، بلکہ یہ چیز انسان کے لیے ایسے ہی ضروری ہے جیسے کہ روٹی، دوا، ہوا اور روشنی کی نعمت کہ جس کی ضرورت بار بار پیش آتی ہے۔

اور مثال کے طور پر: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ﴾ اور ﴿إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾، اور ان جیسی دیگر انذار وتہدید والی آیات جو قرآن کریم تکرار کے ساتھ لاتا ہے اور انتہائی شدت اور سختی بھرے اسلوب کے ساتھ بیان کرتا ہے، ان میں حکمت ـ جیسے کہ ہم نے رسائلِ نور میں قطعی طور پر ثابت کیا ہے ـ یہ ہے کہ:

انسان کا کفر صرف کائنات اور اَغلب مخلوقات کے حقوق پر تجاوز کا نام ہے، اور یہ چیز ارض وسماوات کے غضب کو بھڑکا دیتی ہے اور عناصر کے سینوں کو کافروں کے خلاف کینے اور غیظ وغضب سے بھر دیتی ہے، یہاں تک کہ یہ عناصر ان ظالموں کو طوفان وغیرہ کے طمانچوں سے سبق سکھانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، بلکہ حتیٰ کہ جحیم بھی ان پر غضبناک ہو جاتی ہے، اتنی کہ قریب ہے کہ غصے سے پھٹ جائے، جیسے کہ آیتِ کریمہ ﴿إِذَا أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ، تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾۔ پس اگر سلطانُ الکون اپنے اوامر میں اس سب سے بڑے گناہ (کفر) اور اس کی سزا کو زجر وتو بیخ وشدت کے اسلوب میں ہزاروں بلکہ لاکھوں بلکہ کروڑوں بار بھی ذکر کرے تو بھی یہ چیز قطعاً اسراف یا بلاغت میں کمی شمار نہیں ہوگی، کیونکہ گناہ بہت بڑا ہے اور حقوق پر دست درازی غیر محدود ہے اور اس چیز کو واضح کرنا مقصود ہے کہ منکرین کے کفر اور بدترین ظلم میں غیر متناہی قباحت پائی جاتی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رعایا کے حقوق کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس لیے یہ چیز انسان کی حقارت یا ناچیز ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لیے بار بار دہرائی جاتی ہے کہ کافر کا حد سے تجاوز کرنا اور اس بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کرنا بڑا ہولناک ہے۔

پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لاکھوں لوگ ہزار سال سے زیادہ عرصے قرآن کریم کو انتہائی ذوق وشوق شیفتگی اور انتہائی ضرورت کے احساس سے پڑھتے ہیں اور اُکتاتے نہیں ہیں۔

جی ہاں، بے شک ہر وقت اور ہر دن ہر انسان کے لیے ایک عالم ہے جو گزر رہا ہے اور ایک دروازہ ہے جو دوسرے عالم کی طرف کھلتا ہے بنابریں ''لا إلٰہ الا اللہ'' کا اس کی ضرورت اور شوق کے ساتھ، اُن تمام رواں دواں جہانوں کو تابناک کرنے کے لیے اور انہیں نورِ ایمان کے ساتھ منور کرنے کے لیے ہزاروں مرتبہ تکرار کرنا، یہ تکرار اس توحیدی جملے کو ایسے بنا دیتا ہے جیسے کہ اُن عوالم وایام کے آسمان میں ان سب کو روشن کرنے والا ایک چراغ ہو۔ اب جس طرح یہ معاملہ ''لا الہ الا اللہ'' میں اس طرح ہے، اسی طرح کا معاملہ قرآن کریم کی تلاوت کا ہے کہ یہ مشاہدے میں آنے والے ان لحہ بہ لحہ دگرگوں جدت آشنا اور رواں دواں اور کثیر تعداد میں نظر آنے والے عوالم پر چھائے ہوئے اندھیروں کو بکھیر دیتی ہے، اور آئینہ

Marfat.com

حیات میں اُن کی منعکس ہونے والی صورتوں سے قباحت اور بدصورتی کو زائل کرتی ہے، اور سامنے آنے والے اَوضاع و اطوار کو قیامت کے دن اس انسان کے خلاف نہیں بلکہ اس کے حق میں گواہ بناتی ہے، اور اُسے اس مرتبے پر پہنچا دیتی ہے جہاں وہ جرائم کی گھناؤنی سزا کی پہچان کر جاتا ہے اور سلطان الازل والابد کی اُن سخت دھمکیوں کا ادراک کر جاتا ہے جو باغی اور ظالم لوگوں سے نجات حاصل کرنے کا شوق دلاتی ہیں۔ پس اِن تمام حکمتوں کے پیشِ نظر قرآن کریم جس چیز کا بھی تکرار کرتا ہے غایت درجے کی حکمت میں کرتا ہے، اس چیز کو آشکار کرتا ہُوا کہ قرآن کی اتنی زیادہ اور اس حد تک اور اتنی قوّت، شدّت اور تکرار سے بھری ہوئی تنبیہات سب سے بڑی حقیقت ہیں، شیطان انہیں باطل سمجھنے یا عبث خیال کرنے سے شکست کھا جاتا ہے۔ جی ہاں! جہنم کا عذاب، دھمکیوں، تنبیہوں اور یاد دہانیوں پر کان نہ دھرنے والے کافروں کے لیے بالکل عین عدل ہے۔

ایک اور چیز جو قرآن میں تکرار سے آئی ہے وہ ہے ''قصص الانبیاء علیہم السلام۔ اب _ مثال کے طور پر _ موسیٰ علیہ السلام کے قصے کو جو تکرار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس میں اتنی حکمتیں اور فوائد ہیں جو خود عصائے موسیٰ میں ہیں۔ اِسی طرح قصص الانبیاء کے تکرار میں جو حکمت پائی جاتی ہے وہ رسالتِ محمدیہ کا اثبات ہے اور وہ اس چیز کو ظاہر کر کے کہ تمام پیغمبروں کی نبوت رسالتِ محمدیہ کی اَحقیت اور صداقت پر دلیل ہے۔ اب اس کا انکار صرف وہی کر سکے گا جو اِن تمام انبیاء کی نبوت کا انکار کرے گا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اُن کی نبوت کا ذکر رسالتِ محمدیہ کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ اکثر لوگ ہمہ وقت مکمل قرآن کی تلاوت نہیں کر سکتے ہیں بلکہ حسبِ توفیق انہیں جتنا میسر ہوا تنا ہی پڑھ سکتے ہیں، یہیں سے یہ حکمت واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے کہ ہر لمبی اور متوسط سورت کو ایک چھوٹے سے قرآن کا درجہ کیونکر دیا گیا ہے۔ ان میں قصوں کا تکرار ایمان کے ضروری ارکان کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، مطلب یہ کہ اِن میں قصوں کا تکرار بلاغت کا تقاضا ہے، اور اس میں اسراف جیسی کوئی چیز قطعاً نہیں ہے۔ اس پر مزید یہ کہ اس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے ظہور کا واقعہ نوعِ انسانی کا سب سے بڑا واقعہ اور کائنات کا سب سے عظیم قضیہ ہے۔

جی ہاں! قرآن کریم میں جو رسول کریم ﷺ کی ذات کو بلند ترین مقام بخشا گیا ہے، اور (محمد رسول اللہ ﷺ) کو جو کہ ایمان کے چاروں ارکان پر مشتمل ہے۔ (لا الہ الا اللہ) کے ساتھ ملا دینا اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ رسالتِ محمدیہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ اور یہ کہ محمد ﷺ تمام تر مخلوقات سے زیادہ شرف والے ہیں۔ اور بے شک حقیقتِ محمدیہ جو محمد ﷺ کی مکمل معنوی شخصیت کی نمائندگی کرتی ہے، تمام جہانوں کے لیے سراج منیر ہے۔ اور بے شک آپ ﷺ اس خارقِ عادت مقام کے اہل ہیں، جیسے کہ یہ بات رسائل نور کے اجزاء میں متعدد دلائل و براہین کے ساتھ قطعی طور پر ثابت کر دی گئی ہے، یہاں، ہم ایک ہزار دلائل میں سے ایک دلیل پیش کرتے ہیں۔ اور وہ اس طرح ہے کہ:

Marfat.com

امتِ محمدیہ نے تمام زمانوں میں جو نیکیاں کمائی ہیں، اتنی ہی نیکیاں آپ ﷺ کے صحیفہء حسنات میں لکھ دی جائیں گی۔ اور یہ اِس قاعدے کی رُو سے ہے کہ: "السببُ کالفاعل" یعنی سبب فاعل کی طرح ہوتا ہے۔

اور آپ ﷺ نے اپنے لائے ہوئے نور سے جو کائنات کے تمام حقائق کو منور کیا ہے، وہ صرف یہی نہیں کہ جن وانس و ملائکہ اور دیگر ذی حیات کو ممنون اور رضامند بنائے ہوئے ہے بلکہ تمام تر کائنات اور زمین و آسمان کو رضامند اور آپ ﷺ کے فضائل کا سپاس گزار بنائے ہوئے ہے۔

اور صالحین اُمت جو ہر روز کروڑوں مقبول و مستجاب فطری دعائیں، آپ ﷺ پر رحمت اور صلوٰۃ و سلام کی دعائیں اور جو اپنی معنوی کمائیوں کے ہدیے آگے بھیجتے ہیں، وہ پہلے آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل کہ ان صالحین امت کی دعائیں مقبول و مستجاب ہیں، یہ ہے کہ نباتات اپنی استعداد کی زبان اور حیوانات اپنی فطری حاجت کی زبان کے ساتھ جو دعائیں کرتے ہیں مشاہدہ بتاتا ہے وہ سب دعائیں فعلی طور پر قبول ہو رہی ہیں۔

اور آپ ﷺ کے حسنات کے دفتر میں آپ ﷺ کی اُمت کی طرف سے قرآن کریم کی خالی تلاوت کی صورت میں جو لامحدود انوار داخل ہو رہے ہیں، ان کا تو کوئی حساب کتاب ہی نہیں ہے یاد رہے کہ قرآن کریم کے ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں اور دس اخروی ثمرات بلکہ سو بلکہ ہزار نیکیاں ملتی ہیں_ اور یہ حروف تین لاکھ سے زائد ہیں_

جی ہاں، بے شک اُس علام الغیوب نے اپنے اَزلی علم سے اس چیز کو جان لیا اور اس کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ اُس ذاتِ مبارکہ ﷺ کی معنوی شخصیت جو کہ حقیقتِ محمدیہ ہے۔ اور اُس نے اپنے اوامر میں اس بات کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا اور اسے باور کروایا ہے کہ آپ ﷺ کی شفاعت کا حصول صرف اور صرف آپ کی اتباع اور آپ کی سنت مبارکہ کی اقتداء پر موقوف ہے، اور یہ مسئلہ انسان کے عظیم ترین مسائل میں سے ایک ہے۔

اور یوں قرآن کے وہ حقائق جو تکرار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اس بلند ترین قیمت کے مالک ہیں، اور ان میں پائی جانے والی حکمتوں کا تو پوچھنا ہی کیا! پس فطرتِ سلیمہ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ قرآن کے تکرار میں ایک بہت بڑا وسعت بداماں اور مضبوط معجزہ پایا جاتا ہے۔ لیکن جس کا دل مریض اور وجدان مادیت کے طاعون سے بیمار ہو، اس پر یہ قاعدہ پورا اُترے گا:

قد یُنکر المرء ضوء الشمس من رمد

وینکر الفم طعم الماء من سقم

Marfat.com

# اِس دسویں مسئلے کا اختتام دو حاشیوں میں

پہلا حاشیہ:

بارہ سال قبل میرے کان میں یہ آواز پڑی کہ ایک ضدی زندیق نے اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کیا ہے اور قرآن کا ترجمہ کرنے کا ناپاک ارادہ کیا ہے، چنانچہ اُس نے قرآن کا ترجمہ کرنے کی کوشش کر کے اس کی قدر گھٹانے کی کوشش کرنے کا ایک خطرناک منصوبہ تیار کیا ہے اور صراحتاً کہا ہے کہ: قرآن کا ترجمہ ہونا چاہیے تاکہ اس کی قیمت کا پتا چل جائے، مطلب یہ کہ لوگ اس کے غیر ضروری تکرارات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور تاکہ اصل کی بجائے صرف اس کا ترجمہ ہی پڑھا جائے اور اس جیسے دیگر مذموم افکار! لیکن رسائلِ نور نے بفضل اللہ تعالیٰ اس سوچ کو شل کر دیا اور اپنے مسکت دلائل اور ہر جگہ پھیلاؤ سے اس تدبیر کو ناکام بنا دیا، اور قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ:

قرآن کریم کا حقیقی ترجمہ قطعی طور پر ناممکن ہے۔ اور یہ کہ فصیح عربی کے علاوہ کوئی بھی دوسری زبان قرآن کریم کی امتیازی خصوصیات اور اس کے لطیف بلاغی نکات کی نگہبانی نہیں کر سکتی۔ اور یہ کہ معمول کے وہ جزوی ترجمے جو لوگ کر رہے ہیں کسی بھی صورت میں اُن قرآنی کلمات کی جامع اور معجزانہ تعبیرات کی جگہ نہیں لے سکتے ہیں جن کے ہر حرف میں اتنی نیکیاں ہیں جو دس سے لے کر ہزار تک جا پہنچتی ہیں، اس لیے اصل کلمات کی جگہ ترجمے کی تلاوت بالکل نہیں ہو سکتی:

لیکن کچھ منافق لوگ جنہوں نے اس زندیق کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے انہوں نے نورِ قرآن کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کے لیے فی سبیل الشیطان احمقانہ تگ ودو کا ارتکاب کیا ہے۔ لیکن میں چونکہ کسی سے میل ملاپ نہیں رکھتا ہوں اس لیے مجھے صورتِ حالات سے کچھ زیادہ آگاہی نہیں ہے۔ لیکن میرا ظنِ غالب یہ ہے کہ میں نے جو کچھ ابھی بتایا ہے وہی اس ''دسویں مسئلے'' کی تحریر کا سبب بنا ہے، حالانکہ میری صحت چنداں میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

دوسرا حاشیہ:

''دنیزلی'' کی جیل سے آزاد ہونے کے بعد میں ایک دن ''شہر'' کے ایک ہوٹل کی دوسری منزل پر بیٹھا ہوا اپنے ارد گرد گھنے باغات اور خوبصورت پارکوں میں پھیلے ہوئے سفیدے کے درختوں میں غور فکر کر رہا تھا، میں نے دیکھا کہ وہ درخت اپنی رقص بھری جاذبِ نظر حرکات کے ساتھ بڑے خوش وخرم نظر آرہے ہیں، اپنی موٹی شاخوں اور پتلی ٹہنیوں سمیت جھوم رہے تھے، اور ان کے پتے بادِ نسیم کے ہلکے۔ سے لمس سے لہرا رہے تھے چنانچہ وہ میری آنکھوں کے سامنے بڑی ہی شیریں اور دل آویز صورت میں نمایاں ہو رہے تھے، ایسے لگتا تھا کہ جیسے ذکر و تہلیل کے حلقے میں اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں۔

Marfat.com

اُن کی اِن لطیف حرکات نے میرے اپنے بھائیوں کے فراق میں غم زدہ دل کے تار چھیڑ دیے، میں اپنی تنہائی اور اکیلے رہ جانے پر مغموم تھا۔ تب اچانک دل میں بہار وخزاں کے دونوں موسموں کی یاد گدگدا گئی اور مجھ پر غفلت سی طاری ہو گئی، کہ عنقریب یہ پتے بکھر جائیں گے اور حسن و جمال رخصت ہو جائے گا۔ اور میں نے ان خوبصورت سفیدوں پر غم کھانا شروع کر دیا اور اُن تمام ذی حیات پر مجھے شدید حسرت آنے لگی جن میں یہ عظیم الشان نشو ونما جلوہ گر ہے، حتیٰ کہ میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور میرے سر میں زوال وفراق سے ٹپکنے والے غموں کے انبار لگ گئے زوال وفراق کے وہ غم کہ جس پر کائنات کا یہ زربفت دیدہ زیب پردہ پڑا ہوا ہے۔

میں اسی غمگین حالت میں ہی تھا کہ اچانک محمد ﷺ کا لایا ہوا نور میری دستگیری کرنے لگا جیسے کہ وہ ہر مومن کی دستگری کرتا ہے۔ اور اس نے ان لامحدود ہموم وغموم کو لامحدود خوشیوں میں تبدیل کر دیا پس میں حقیقت محمدیہ کی ابدی احسان مندی اور دائمی رضا مندی سے نہال ہو گیا جس کے انوار کے غیر محدود فیوضات میں سے صرف ایک ہی فیضان نے تسلی کی لہر دوڑا دی۔ اور یہ کچھ اس طرح تھا:

اُس ایک غافل نظر نے اُن مبارک نازنینوں کو بے فائدہ وبے کار ظاہر کیا تھا، اُن کی نہ تو کوئی ذمہ داری تھی اور نہ کوئی فائدہ، اور یہ کہ ان کی یہ لطافت بھری حرکات شدت شوق یا سرخوشی سے نہیں بلکہ عدم وفراق کے خوف سے صادر ہو رہی ہیں۔ برباد ہو جائے یہ غافل نظر کہ میرے دل کی۔ بلکہ سب کے دل کی ۔ گہرائیوں میں گڑھے ہوئے عشقِ بقا، حُبّ حیات، حسن و جمال پر دیوانگی اور ابنائے جنس پر شفقت کے جذبے پر چوٹ ماری ہے۔ اور یوں اُس نے دُنیا کو ایک معنوی جہنم میں تبدیل کر دیا ہے اور عقل کو ایک ایسے آلے کا روپ دے دیا ہے جو بدبختی اور تعذیب کا سبب بنتا ہے۔ میں اس دردناک حالت سے دوچار تھا کہ اچانک اس نور نے جو محمد ﷺ بطور ہدیہ لائے تھے، پردے کو اُٹھا دیا اور اعدام، عدم، نیستی، بے کاری، عبث، فراق اور فانی ہونے کی بجائے سفیدوں کے پتوں کے برابر اُن کی حکمتوں، معانی، وظائف اور ذمہ داریوں کو نمایاں کر دیا، رسائلِ نور نے اس بات کا اثبات کیا ہے کہ ان وظائف اور حکمتوں کی تین قسمیں ہیں:

قسم اوّل: اِس کا رُخ صانع جلیل کے اسمائے حسنیٰ کی طرف ہے ایک ماہر کاریگر جب کوئی ایسی انوکھی قسم کی مشین تیار کرے کہ جس پر سب اُس کی تعریف کریں اور ماشاء اللہ، بارک اللہ کہیں، اس کی کاریگری کی داد دیں اور اُس کی انوکھی کار یگری میں برکت کی دُعا کریں، تو وہ مشین خود بھی اپنی زبانِ حال سے اپنے بنانے والے کاریگر کے لیے۔ اپنے سے متعلقہ مطلوبہ نتائج کو مکمل طور پر بروئے کار لا کر۔ برکت کی دُعا کرے گی اور اس کی تعریف میں مگن رہے گی۔ اسی طرح ہر ذی حیات اور ہر چیز ایک مشین کی طرح ہے جو اپنے بنانے والے کو تالیاں بجا کر مبارک باد دیتی ہے۔

قسم دوم: اس کا رُخ ذی حیات اور ذی شعور مخلوقات کی طرف ہے، یعنی یہ شیریں مطالعہ اور لذیذ تأمل کا موقع محل

Marfat.com

بنتی ہے، تب ہر چیز ایسے ہو جائے گی جیسے کہ کوئی علم و معرفت کی کتاب ہو، اور اس عالم شہادت کو اس وقت تک نہیں چھوڑتی جب تک کہ اُس کے معانی کو ذی شعور کے ذہنوں میں بٹھا نہیں دیتی اور اس کی شکلوں کو ان کے حافظوں میں نقش نہیں کر دیتی اور اس کی صورت کو علمِ غیب کے دفتروں کی مثالی الواح میں ثبت نہیں کر دیتی، مطلب یہ کہ جب تک یہ وجود کے بے شمار دائروں کے اندرون میں وارد نہیں ہو جاتی اور وجود کی معنوی غیبی اور علمی اقسام کا اکتساب نہیں کر لیتی اُس وقت تک عالم شہادت سے عالمِ غیب کی طرف نہیں جاتا ہے۔

جی ہاں، جب تک اللہ موجود ہے اور اُس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، تو پھر یہ ضروری ہے کہ حقیقت کی رُو سے اہل ایمان کی دنیا میں عدم، اِعدام، اِنعدام، عبث اور محو و فنا کا وجود نہیں ہے۔ جب کہ کفار کی دُنیا عدم، فراق و انعدام سے لبریز اور عبث و فنا سے بھرپور ہے اس حقیقت کی وضاحت اِس مشہور قول سے ہوتی ہے۔

''جس کا اللہ ہو گیا اس کی ہر چیز ہو گئی، اور جس کا اللہ نہ ہوا اس کی کوئی چیز نہ ہوئی''۔

**حاصل کلام:** ایمان جس طرح اثنائے موت میں انسان کو ابدی اِعدام سے بچاتا ہے، اسی طرح وہ ہر شخص کی دنیا کو عدم و انعدام اور عبث و بیہودگی سے نجات دیتا ہے، جبکہ کفر ـ اور خاص کر کفرِ مطلق ـ اُس انسان کو معدوم کر دیتا ہے اور موت کے ذریعے اس کی خصوصی دنیا کو معدوم کر دیتا ہے اور اس کی لذاتِ زندگی کو آلام وغم میں تبدیل کر کے اُسے معنوی جہنم میں جھونک دیتا ہے۔

پس دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کو چوکنا ہو جانا چاہیے اور انہیں ـ اگر وہ سچے ہیں تو ـ اس امر کا علاج فراہم کرنا چاہیے، یا پھر انہیں چاہیے کہ دائرہ ایمان میں داخل ہو جائیں اور اپنے آپ کو اس گھمبیر خسارے سے بچالیں۔

﴿سُبْحَانَکَ لاَعِلْمَ لَنَا اِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾

آپ کی دعاؤں کا انتہائی محتاج اور آپ کے دیدار کا بہت زیادہ مشتاق، آپ کا بھائی

سعید نورسی

Marfat.com

# چھبیسواں مقالہ

## رسالہءِ تقدیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَاِنۡ مِنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ اِلَّا بِقَدَرٍ مَعۡلُومٍ﴾ ﴿وَكُلُّ شَيۡءٍ أَحۡصَيۡنَاهُ فِيۡ اِمَامٍ مُبِيۡنٍ﴾

[تقدیر اور جزِ واختیاری دو بڑے اہم مسئلے ہیں، یہاں ان دونوں کے کچھ اسرار و رموز کو ہم چار مباحث میں حل کرنے کی کوشش کریں گے]

### مبحثِ اول:

تقدیر اور جزِ واختیاری حالی اور وجدانی ایمان کے دو جزو ہیں جو کہ ایمان اور اسلام کی حدود کی انتہاؤں کی وضاحت کرتے ہیں، صرف علمی اور نظری بحثیں نہیں ہیں۔

مطلب یہ کہ ایک مومن آدمی ہر چیز حتی کہ اپنے کام اور ذات کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، لیکن پھر اس اندیشے سے کہ وہ آخیر میں اپنے مکلف اور ذمہ دار ہونے سے بچ نہ جائے، اُس کے سامنے جزِ واختیاری ظاہر ہوتا ہے اور اُسے کہتا ہے: ''تو مسئول اور مکلف ہے''۔ پھر اس لیے کہ وہ اپنی ذات سے صادر ہونے والی حسنات و کمالات پر مغرور نہ ہو جائے، اُس کے سامنے تقدیر آتی ہے اور اُسے کہتی ہے: ''اپنی حد کو پہچان کیونکہ تو خود فاعل نہیں ہے''۔

جی ہاں، بے شک تقدیر اور جزِ واختیاری ایمان اور اسلام کے اعلیٰ مراتب میں سے ہیں۔

پس تقدیر نفس کو غرور سے بچاتی ہے اور جزِ واختیاری اُسے عدم مسئولیت کے شعور سے بچاتا ہے۔ اسی بنا پر یہ مسائل ایمانیہ میں داخل ہیں اور خالص علمی اور نظری مسائل نہیں ہیں جو کہ کلی طور پر تقدیر اور جزِ واختیاری میں پائے جانے والے گہرے راز کی مخالف سمت میں لے جائیں، اور وہ اس طرح کہ انسان جب نفسِ امارہ کے زیرِ اثر گناہوں کا ارتکاب کر لے تو خود کو بری الذمہ اور بے قصور ثابت کرنے کے لیے تقدیر کا سہارا لے، یا جب وہ اللہ کی نظرِ عنایت سے اچھے کام کر لے تو فخر میں مبتلا ہو جائے، ان پر اِترانا شروع کر دے اور انہیں اپنے جزِ واختیاری کا کرشمہ قرار دے۔

Marfat.com

جی ہاں! وہ عوام الناس جو تقدیر میں پائے جانے والے گہرے راز کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں اُن کے لیے تقدیر کے استعمال کا ایک اپنا موقع محل ہے، لیکن یہ موقع محل گزرے ہوئے امور اور خاص کر مصائب و آلام کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، کیونکہ تقدیر کے اس مفہوم میں ناامیدی اور غم کا علاج ہے، اس کا تعلق گناہوں کے ساتھ اور مستقبل کے ایام کے ساتھ نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں تقدیر بیوقوفی اور بے کاری کا سبب بن جاتی ہے۔ یعنی تقدیر کا مسئلہ انسان کو مکلف اور ذمہ دار ہونے سے بچانے کے لیے نہیں بلکہ فخر وغرور سے بچانے کے لیے ہے۔

اور اسی بنا پر یہ ایمان میں داخل ہے، رہا جزءِ اختیاری، تو وہ عقیدے کے مباحث میں داخل ہے تاکہ سیّئات کا مرجع بن سکے، نہ اِس لیے کہ محاسن وفضائل کا مصدر بنے جن پر فخر وغرور انسان کو سرکش اور فرعون بنا دیتا ہے۔

جی ہاں، قرآن کریم اس بات کو بڑی وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ انسان اپنی سیئات کا مکمل طور پر مسئول ہے، کیوں کہ وہ خود ہی سیئات کا طالب ہے، اور سیئات کا تعلق چونکہ تخریبات کے ساتھ ہے اس لیے انسان صرف ایک برائی کے ساتھ کئی ہولناک تخریبی کارروائیوں کا ارتکاب کرسکتا ہے، جیسے یہ کہ ماچس کی ایک تیلی کے ساتھ پورا گھر جلا کر بھسم کر دے اور اس وجہ سے وہ کسی بھی بڑی سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

لیکن جہاں تک حسنات کا تعلق ہے، تو اس بارے میں اسے فخر وغرور کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے، کیونکہ ان میں اس کا اپنا حصہ بہت تھوڑا سا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت اِلٰہیہ حسنات کی طالب ومقتضی ہے، اور قدرتِ ربانیہ ان کی خالق ہے، پس سوال وجواب اور سبب ودائی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں، انسان ان حسنات کا اگر مالک ہے تو صرف دعا وایمان اور شعور ورضا کے ساتھ ہے، لیکن سیّات کی طلب خود نفسِ انسانی سے اُس کی استعداد یا اُس کے اختیار سے ابھرتی ہے، جیسے کہ کچھ مادے سورج کی خوبصورت سفید روشنی سے سیاہ اور متعفن ہو جاتے ہیں، اب اس سیاہی کا تعلق اس مادے کی اپنی استعداد کے ساتھ ہے، لیکن جو اِن سیآت کو بہت سی مصلحتوں پر مشتمل قانون الٰہی کے ذریعے پیدا کرتا ہے وہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے مطلب یہ کہ کسی چیز کے سبب بننے اور کسی چیز کا سوال کرنے کا تعلق نفسِ انسانی کے ساتھ ہے، اس لیے اس کی مسئولیت یا ذمہ داری اُسی پر ہے۔ لیکن خلق وایجاد جو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے وہ بہر کیف خوبصورت ہے، کیونکہ اُس کے بہت سے دیگر خوبصورت ثمرات ونتائج ہیں، پس وہ سراپا حُسن اور سراپا خیر ہے۔

یہی وہ راز ہے جس کی رُو سے کسبِ شر تو شر ہے لیکن خلقِ شر، شر نہیں۔ جیسے کہ ایک کسلمند آدمی جو بارش سے تکلیف پاتا ہے اُسے یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ بارش رحمت نہیں ہے، کیونکہ بارش میں بہت سی مصلحتیں پائی جاتی ہیں۔ پس خلق و ایجاد میں جزوی سے شر کے ساتھ خیرِ کثیر پائی جاتی ہے، اور کسی جزوی سے شر کی وجہ سے خیرِ کثیر کو ترک کر دینا شرِّ کثیر کا باعث بنتا ہے، اس لیے اُس جزوی شر کو بھی خیر کا حکم ہی دیا جائے گا اور وہ خیر ہی شمار ہوگی اِس لئے ایجادِ اِلٰہی میں کسی شر یا قباحت کا

Marfat.com

وجود نہیں ہے، بلکہ شر کا مرجع انسان کا کسب واستعداد ہے۔

اور جیسے تقدیرِ الٰہی نتائج وثمرات کے لحاظ سے شر وقباحت سے منزّہ ہے اسی طرح وہ علت اور سبب کے لحاظ سے بھی ظلم وقباحت سے مقدس ہے؛ کیونکہ قدرِ الٰہی حقیقی علتوں کی طرف دیکھتی ہے اِس لیے عدل کرتی ہے، جبکہ لوگ جب اپنے احکامات کی بنیاد ظاہری علتوں کے مشاہدے پر رکھتے ہیں اس لیے خود تقدیر ہی کے عدل کے ضمن میں ظلم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔ مثال کے طور پر حاکم نے تمہیں چوری کے اِلزام میں جیل بھیج دیا جبکہ تم نے چوری نہیں کی، لیکن تُم نے کبھی کوئی قتل کیا تھا جس کا تمہارے علاوہ کسی کو علم نہیں، اس لیے تقدیرِ الٰہی نے تمہارے خلاف جیل کا فیصلہ ہی دیا اور لوگوں کی نظروں سے اُوجھل اس قتلِ خفی کی وجہ سے عدل سے کام لیا، لیکن حاکم نے چوری کی تہمت کی وجہ سے تمہیں جیل بھیج کر تُم پر ظلم کیا۔ بس یوں سمجھ لو کہ ایک ہی چیز میں دو پہلو موجود ہیں: تقدیر وایجادِ الٰہی کے عدل کا پہلو اور انسان کے ظلم وکسب کا پہلو۔ باقی تمام اُمور کو اس پر قیاس کرلو۔

کہنا صرف یہ ہے کہ تقدیر وایجادِ الٰہی آغاز وانتہا، اُصل وفرع اور عِلت ونتیجہ کے اعتبار سے شر وقبح وظلم سے منزہ ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ: جزوِ اختیاری کے پاس ایجاد کی قابلیت نہیں ہے، اور انسان کے ہاتھ میں کسب کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے، کسب جو کہ امرِ اعتباری کے حکم میں ہے، بات جب ایسے ہی ہے تو پھر ایسا کیوں ہے کہ قرآن معجز بیان انسان کے بارے میں بڑے بڑے شکوے کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ خالق ارض وسماء کا نافرمان ہے، اور یہ شکوے وہ اس طرح سے کرتا ہے کہ جیسے انسان اُس کا سرکش دشمن ہو اور اس نافرمان انسان کے مقابلے میں ایک عبد مومن کی امداد کے لیے اپنے فرشتوں کو بھیجتا ہے اور خود بھی اس کی مدد کرتا ہے، اور اس چیز کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے؟

الجواب: اِس کی وجہ یہ ہے کہ کفر وعصیان اور گناہ، سب کے سب تخریب اور عدم ہیں، اور یہ ممکن ہے کہ ایک اعتباری اور عدمی امر پر بہت سی ہولناک تخریبات اور عدمات مرتب ہو جائیں۔ جس طرح ایک بہت بڑا جہاز کپتان کی اپنی ذمہ داری صحیح طور پر نہ نبھانے کی وجہ سے غرق ہو جاتا ہے اور اس کے تمام عملے کی محنت پر پانی پھر جاتا ہے، اور اس طرح صرف ایک عدمی عمل پر یہ تمام ہولناک تخریب کاریاں مرتب ہوتی ہیں، اسی طرح کفر اور معصیت بھی عدم وتخریب کی ایک قسم ہے، چنانچہ ممکن ہے کہ اس عدم وتخریب کو جزوِ اختیاری امرِ اعتباری کے ذریعے حرکت دے اور یہ دونوں ہولناک قسم کے نتائج کا سبب بن جائیں؛ کیونکہ کفر اگرچہ ایک ہی برائی ہے لیکن وہ تمام کائنات پر کمی کوتاہی اور بے کاری کا دھبہ لگا کر اس کی تحقیر، وحدانیت کے دلائل پر دلالت کرنے والی تمام موجودات کی تکذیب اور اسمائے حُسنیٰ کی تمام تجلیات کو کھوٹا اور بے قیمت کرنے کے مترادف ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کافر کو دھمکاتا ہے اور تمام تر کائنات، ہمہ قسم کی موجودات اور اسمائے

Marfat.com

الٰہیہ کی ترجمانی میں اس کا شدید شکوہ کرتا ہے تو یہ چیز عین حکمت ہوتی ہے اور جب وہ اُسے دائمی عذاب کی سزا دیتا ہے تو یہ چیز عین عدل ہوتی ہے۔

پس انسان جب کفر وعصیان کے ذریعے تخریبی ذہنیت کا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو وہ اپنے جزوی سے عمل کے ذریعے ہولناک تباہی کا سبب بنتا ہے، اسی بنا پر اہل ایمان ان تخریب کاروں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی عنایتِ عظیمہ کے محتاج ہیں، کیونکہ جب دس طاقت ور آدمی ایک گھر کی تعمیر وحفاظت کا ذِمہ اُٹھالیں، اور ایک شریر بچہ اُس گھر کو آگ لگانے کی کوشش کرے تو یہ لوگ اُس بچے کے سرپرست بلکہ حکمران کے ساتھ رابطہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اِس لیے اہل ایمان ان سرکش فاسق وفاجر لوگوں کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عنایات کے بہت زیادہ محتاج ہیں۔

**حاصل کلام:** جو تقدیر اور جزوِ اختیاری کے متعلق بات کرتا ہے وہ اگر کاملُ الایمان، مطمئن القلب اور اہل حضور ہوگا تو کائنات کو اور خود اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کر دے گا اور اِس بات کا اعتقاد رکھے گا کہ ان دونوں کے جملہ اُمور اللہ تعالیٰ کے تصرف اور تدبیر کے تحت چلتے ہیں۔ یہ آدمی تقدیر اور جزوِ اختیاری کے بارے میں گفتگو کرنے کا حق دار ہے، کیونکہ یہ شخص جانتا ہے کہ خود اُس کی ذات اور ہر چیز اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے، تب وہ جزوِ اختیاری پر اعتماد کرے گا اور ذمہ داری کے احساس سے سرشار رہے گا، اور خود کو سیئات کا مرجع قرار دے گا اور اپنے پروردگار کو مقدس قرار دے گا اور عبودیت کے دائرے میں رہے گا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ تکلیف کو اپنی ذمہ داری میں قبول کرے گا اور اپنی طرف سے صادر ہونے والے کمالات وحسنات کے بارے میں اپنی نظر تقدیر پر رکھے گا تاکہ ان کمالات وحسنات پر مغرور نہ ہو جائے، بلکہ فخر کرنے کی بجائے اپنے پروردگار کا شکر کرے، اور جو مصائب اُس پر نازل ہوئے ہیں ان میں تقدیر کا کردار سمجھے اور اس بنا پر صبر کرے۔

لیکن اگر تقدیر اور جزوِ اختیاری کے متعلق بات چیت اور چھان بین کرنے والا اہل غفلت میں سے ہوگا تو اسے اس مسئلے کے بارے میں چھان بین کا کوئی حق نہیں پہنچتا؛ کیونکہ اس کا نفس امارہ غفلت اور ضلالت کے زیرِ اثر کائنات کی باگ ڈور اسباب کے ہاتھوں میں پکڑا دے گا اور اللہ کے مال کو اُن میں تقسیم کرتا، اور اپنی ذات کو بھی اپنا مالک سمجھتا ہے اور اللہ کے فعل کو اپنی ذات اور اسباب کیطرف نسبت کرتا ہے۔ اور مسئولیت، ذمہ داری اور کمی کوتاہی تقدیر کے سر تھوپ دے گا۔ ایسی حالت میں جزوِ اختیاری کے بارے میں بحث کرنا بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے، وہ جزوِ اختیاری کہ جو اخیر میں اللہ تعالیٰ کا سہارا لیتا ہے، اور ایسے میں تقدیر کے بارے میں بحث کرنا بھی بے معنی ہو جاتا ہے، وہ تقدیر کہ جو اخیر میں فکر ونظر کا دارومدار بن جاتی ہے اور یہ بحث ایک ذہنی سازش اور حیلہ سازی کا رُوپ دھار لیتی ہے جس کا مقصد صرف ذمہ داری سے گریز ہے۔ اور یہ چیز تقدیر میں پائی جانے والی حکمت اور جزوِ اختیاری میں پائے جانے والے راز کے سراسر منافی ہے۔

Marfat.com

## مبحثِ دوم:

ایک دقیق علمی تحقیق جو کہ خاص طور پر اہلِ علم (حاشیہ:۱) کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ: تقدیر اور جزوِ اختیاری کے درمیان موافقت کیسے ہو سکتی ہے؟۔ تو

جواب: یہ ہے کہ سات پہلوؤں سے۔

اول: وہ عادل وحکیم جس کی حکمت وعدالت کی گواہی تمام کائنات زبانِ انتظام ومیزان کے ساتھ دے رہی ہے، اُس نے انسان کو ایک ایسا جزِ واختیاری عطا کر دیا ہے جو کہ مجہول الماہیت ہے، تا کہ وہ جزِ واختیاری ثواب وعقاب کا دار ومدار ٹھہرے۔ اب جس طرح اُس حکیم وعادل ذات کی بہت سی ایسی حکمتیں ہیں جو ہمارے علم سے اوجھل ہیں، اسی طرح تقدیر اور جزِ واختیاری کے درمیان موافقت کی کیفیت بھی ہمارے علم سے اوجھل ہے، لیکن اس کے بارے میں عدم علم اس کے عدم وجود کی دلیل نہیں، یعنی ان دونوں کے درمیان پائی جانے والی موافقت اگر ہمارے علم میں نہیں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہے ہی نہیں۔

دوم: ہر انسان کو اس چیز کا شعور بہر کیف ہے کہ اسے اپنی ذات میں کچھ نہ کچھ اختیار حاصل ہے، اور اسے اس اختیار کا علم وجدانی طور پر حاصل ہے۔ اور موجودات کی ماہیت کا علم ایک چیز ہے اور اُن کے وجود کا علم دوسری چیز؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اردگرد بیشتر ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جن کا وجود ہمارے لیے بالکل بدیہی ہے، لیکن اُن کی ماہیت ہمارے علم میں نہیں ہے اس لیے اس جزِ واختیاری کا اپنے جیسی ان چیزوں کے سلسلے میں داخل ہونا ممکن ہے؛ کیونکہ ہر چیز کا ہمارے علم کے دائرے میں آنا ممکن نہیں ہے، اور ہمارا عدمِ علم اس چیز کے عدم وجود کی دلیل نہیں ہے۔

سوم: جزِ واختیاری تقدیر کے منافی نہیں ہے، بلکہ تقدیر تو اختیار کی تائید کرتی ہے؛ کیونکہ تقدیر علمِ الٰہی کی ایک قسم ہے، اور علمِ الٰہی کا تعلق ہمارے اختیار کے ساتھ ہے، اس لیے تقدیر اختیار کی تائید کرتی ہے اُس کا ابطال نہیں کرتی ہے۔

چہارم: تقدیر علم کی ایک قسم ہے اور علم معلومات کے تابع ہے: مطلب یہ ہے کہ معلومات جیسی بھی ہوں گی علم اُن سے متعلق رہے گا، پس معلوم علم کے تابع نہیں ہوگا، یعنی خارجی وجود میں علم کے دساتیر معلوم کی اِدارت کی اساس نہیں ہیں؛ کیونکہ معلوم کی ذات اور اس کا خارجی وجود ارادے پر نظر اور قدرت پر اعتماد رکھتے ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ ازل سلسلۂ ماضی کا ایک سرا نہیں ہے کہ اُسے اشیاء کے وجود میں اَساس بنالیا جائے اور چار و ناچار اُس کا تصور اُسی کے حساب سے کیا جائے، بلکہ ازل اوپر سے جھانکنے والے آئینے کی طرح ہے، چنانچہ وہ ماضی حال اور

(حاشیہ:۱) ''یہ دوسری بحث تقدیر کے مسئلے کی عمیق ترین اور مشکل ترین بحث ہے۔ علمائے محققین کے ہاں یہ عقیدے کے ساتھ تعلق رکھنے والا بڑا اہم اور جلیل القدر کلامی مسئلہ ہے۔ رسائلِ نور نے یہ مسئلہ مکمل طور پر حل کر دیا ہے۔ مؤلف''

Marfat.com

مستقبل تینوں کو بیک وقت منعکس کرتا ہے۔

اس لیے اس بات کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کہ انسان ممکنات کے دائرے میں دراز پھیلے ہوئے زمان کے لیے ماضی کی جہت میں ایک سرِ آغاز کو خیال میں بٹھالے اور اس پر ازل کا اطلاق کر دے، اور اس وہم کا شکار رہے کہ اشیائے کائنات بالترتیب اُس علمُ الازل میں داخل ہو رہی ہیں، اور اپنی ذات کو اس سے باہر سمجھے اور پھر اُس کی روشنی میں فیصلے کرے۔

اس راز کے انکشاف کے لیے یہ مثال دیکھیں:

فرض کرو کہ تمہارے ہاتھ میں ایک آئینہ ہے، اور تمہاری دائیں جانب کی مسافت کو ماضی اور بائیں جانب کی مسافت کو مستقبل فرض کر لیا گیا ہے۔ اب آئینہ صرف اُسی چیز کی صورت منعکس کرے گا جو اُس کے بالمقابل ہے۔

اور دونوں جانبوں کو کسی معین ترتیب سے منعکس کرے گا اس سے زیادہ نہیں، یعنی دونوں جانبوں کی جھلک مکمل طور پر نہیں دکھائے گا، کیونکہ آئینہ جب نیچے ہوگا تو تھوڑی سی مقدار کی عکاسی کرے گا لیکن جوں جوں اُسے اُوپر اٹھایا جائے گا اس کے سامنے والا دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا، اور یوں وہ تدریجاً دونوں جانبوں کی مسافت کو ایک ہی وقت میں مکمل طور پر منعکس کرلے گا۔

اور یوں یہ آئینہ جب اس حالت میں ہوگا تو اُس میں دونوں جانبوں میں رُونما ہونے والے واقعات مرتسم ہوتے جائیں گے، اور اس صورت میں یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ ایک جانب کے حالات واقعات دوسرے جانب کے حالات و اقعات سے مقدم ہیں یا موخر ہیں، یا موافق ہیں یا مخالف ہیں وغیرہ۔

اب یوں سمجھو کہ تقدیرِ الٰہی کا تعلق چونکہ علم ازلی کے ساتھ ہے اور علمِ ازلی ایک ایسے بلندترین مقام میں ہے جہاں سے وہ ہر چیز کا بیک وقت احاطہ کیے ہوئے ہے اور ماکان و مایکونُ کو _ حدیث کی تعبیر کے مطابق _ ایک ہی وقت میں منعکس کر رہا ہے، اس لیے ہم اور ہمارے عقلی محاکمات کسی بھی صورت میں اُس علم سے خارج نہیں ہیں کہ اُسے ایک ایسا آئینہ تصور کریں جو ماضی کی مسافت میں واقع ہے۔

**پنجم:** تقدیر کا بیک وقت سبب اور مسبب دونوں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے، مطلب یہ کہ یہ مسبَّب اس سبب کی وجہ سے واقع ہوگا، اس لیے یہ نہیں کہا جائے گا کہ: فلاں آدمی کی موت فلاں وقت میں مقدر ہے تو پھر اس آدمی کا کیا قصور ہے جس نے اپنے جزوی اختیار کے ساتھ اپنی بندوق سے اُس پر گولی چلادی؟ کیونکہ وہ اگر گولی نہ بھی چلاتا تو مرتو وہ پھر بھی جاتا؟۔

**سوال:** ایسا کیوں نہیں کہا جاسکتا ہے؟۔

**الجواب:** اس لیے کہ تقدیر نے اس کی موت اُس کی بندوق کے ساتھ معین کر دی تھی، پس اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ

Marfat.com

اس بندوق سے گولی نہیں چلے گی تو پھر یہ بھی فرض کرنا پڑے گا کہ تقدیر کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، تو پھر اس کی موت کا فیصلہ کس چیز کے ساتھ کرو گے؟ اور اگر یہ تصور کرو گے کہ تقدیریں دو ہیں، ایک کا تعلق سبب کے ساتھ ہے اور دوسری کا مسبَّب کے ساتھ جیسے کہ جبریہ کا عقیدہ ہے، یا تقدیر کا انکار کردو گے جیسے کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے، تو اھل السنہ والجماعۃ کے مسلک کو خیر باد کہہ کر گمراہ فرقوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ ہم اہل حق یہ کہتے ہیں کہ: اگر وہ بندوق نہ چلاتا تو اس کی موت ہمارے ہاں مجہول ہوتی۔ لیکن جبریہ کہتے ہیں: اگر وہ بندوق نہ بھی چلاتا تو وہ پھر بھی مر جاتا۔ اور معتزلہ کہتے ہیں: اگر وہ بندوق نہ چلاتا تو وہ آدمی نہ مرتا۔

**ششم**: (حاشیہ:۱) میلان جو کہ جزوِ اختیاری کا بنیادی اساس ہے، ماتریدی مکتبِ فکر کے ہاں ایک امرِ اعتباری ہے، اُس کا انسان کے ہاتھ میں ہونا ممکن ہے۔ لیکن یہی میلان اشعری مکتب فکر کے ہاں اعتباری نہیں بلکہ اَمر موجود ہے، چنانچہ وہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے، لیکن اس میلان کے اندر جو تصرف کی جھلک پائی جاتی ہے ان کے ہاں وہ امرِ اعتباری ہے اور انسان کے ہاتھ میں ہے، اِس لیے یہ میلان اور یہ تصرف دونوں ہی نسبتی امر ہیں اور اُن کا کوئی متحقق خارجی وجود نہیں ہے، اور امرِ اعتباری کسی ایسی علتِ تامہ کا تقاضا ہی نہیں کرتا ہے جو اختیار کو لازمی طور پر ختم کردینے کی موجب ہو، بلکہ جب اس امرِ اعتباری کی عِلّت رجحان کے درجے کی کیفیت اختیار کرلے تو اس وقت اس امرِ اعتباری کا ثبوت اس علت کے بغیر بھی ممکن ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عین اسی لمحے میں اُسے ترک کردے، چنانچہ قرآن اسے اس وقت یہ کہتا ہے کہ: یہ چیز شر ہے، اسے مت کرو۔

جی ہاں! اگر انسان اپنے افعال کا خود خالق ہوتا اور ایجاد پر قادر ہوتا تو اس کا اختیار ختم ہو جاتا، کیونکہ علم اُصول و حکمت کا ایک مقررہ اصول ہے کہ: ''مَالَمْ یَجِبُ لَمْ یُوْجَبُ'' یعنی جب تک کسی چیز کا وجود واجب نہ ہو وہ وجود میں نہیں آتی ہے، مطلب یہ کہ پہلے علتِ تامہ وجود میں آئے گی تو پھر اس چیز کا وجود میں آنا ممکن ہوگا۔ اور علتِ تامہ کے لیے معلول کا تقاضا کرنا ضروری بلکہ واجب ہوتا ہے، اس لیے اس صورت میں اختیار باقی نہ رہا۔

**اگر تم یہ کہو کہ**: ترجیح بلا مرجّح (حاشیہ:۲) محال ہے، جبکہ کسبِ انسانی جسے ہم امر اعتباری کا نام دیتے ہیں، یہ کبھی فِعل ہوتا ہے اور کبھی ترکِ فعل، پس اگر کسی مرجّح موجب کا وجود نہ ہو تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی، اور یہ چیز علمُ الکلام کے اصولوں کی سب سے اہم بنیاد منہدم کردیتی ہے۔؟

**الجواب**: ترجُّح بلا مرجّح یعنی کسی چیز کا بغیر کسی مرجح یا سبب کے راجح ہونا محال ہے البتہ ترجیح بلا مرجح کا معاملہ علیحدہ

---

(حاشیہ:۱) ایک اہم ترین حقیقت جو کہ انتہائی قسم کے محقق علماء کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔۔۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) ''ترجُّح الگ ہے اور ترجیح الگ ہے اور دونوں میں بہت فرق ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

ہے؛ کیونکہ وہ جائز بھی ہے اور واقع بھی ہے، کیونکہ ارادہ ایک صفت ہے جس کا کام اس طرح کا عمل سر انجام دینا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ: قتل کا خالق جب حق تعالیٰ ہے تو پھر مجھے قاتل کیوں کہا جاتا ہے؟

الجواب: اس لیے کہ اسم فاعل مصدر سے مشتق ہے جو کہ علم صَرف کے قاعدے کی رُو سے ایک نسبتی امر ہے، اور اس کا اشتقاق حاصلِ مصدر سے نہیں ہوتا جو کہ ایک ثابت شدہ امر ہے، اور مصدر کا تعلق چونکہ ہمارے کسب کے ساتھ ہے، اس لیے قاتل کے عنوان کا بوجھ ہم اُٹھاتے ہیں، اور حاصلِ مصدر جو ہے وہ حق تعالیٰ کی مخلوق ہے اس لیے جس چیز سے مسئولیت یا ذمہ داری کی بُو آئے اُسے حاصلِ مصدر سے مشتق نہیں کیا جائے گا۔

ہفتم: انسان کا جزوی اِرادہ اور اس کا جزوی اختیار ضعیف اور اعتباری امر ہے، لیکن جنابِ حق اور حکیم مُطلق نے اس ضعیف اور جزوی ارادے کو اپنے کلی ارادے کے ساتھ تعلق کے لیے معمول کی شرط بنا دیا ہے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ معنوی طور پر یہ کہتا ہے کہ:

اے میرے بندے! تو اپنے اختیار کے ساتھ جس راستے پر چلنا چاہے گا میں تجھے اُس پر چلا دوں گا، صرف اتنی بات ہے کہ اس کی ذمہ داری تجھ پر ہوگی۔

تشبیہ کے ساتھ سمجھانے میں کوئی مضائقہ نہیں: آپ نے اپنے کندھوں پر ایک کمزور سے بچے کو اٹھایا اور اسے اختیار دیتے ہوئے کہا: جدھر جانا چاہتے ہو بتاؤ میں تمہیں لے کر جاؤں گا۔ تو بچے نے آپ سے کہا کہ: میں اس اونچے پہاڑ پر جانا چاہتا ہوں، آپ اُسے لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے اب بچہ اوپر جا کر سردی سے بیمار ہو گیا یا گر پڑا تو آپ اُسے غصے سے کہیں گے: تُو نے خود ہی مجھے یہاں آنے کے لیے کہا تھا اور اُسے ازراہ تادیب ایک طمانچہ بھی رسید کر دیں گے۔ پس اسی طرح یہ سمجھیں کہ حق تعالیٰ اَحکمُ الحاکمین نے اپنے انتہائی کمزور بندے کے ارادے کو اپنے کلی ارادے کے لیے ایک معمول کی شرط بنا دیا ہے، چنانچہ اس کے کلی ارادے کی نظر بندے کے ارادے کی طرف ہوتی ہے۔

## الحاصل:

اے انسان! تیرے ہاتھ میں ایک قسم کا ارادہ ہے جس کا نام ہے جزوِ اختیاری، یہ ارادہ ہے تو انتہائی کمزور، لیکن اس کا ہاتھ سیئات وتخریبات میں بہت لمبا ہے اور حسنات میں انتہائی چھوٹا۔ پس تو اس ارادے کے ایک ہاتھ میں دعا تھما دے تا کہ اُس کا ہاتھ اس جنت کو حاصل کر لے جو سلسلۂ حسنات کا ایک ثمرہ ہے، اور تا کہ اُس سعادت ابدی تک رسائی حاصل کر لے جو کہ جنت کے پھولوں میں سے ایک پھول ہے۔ اور اس کے دوسرے ہاتھ میں استغفار تھما دے تا کہ وہ سیئات سے باز رہے اور زقوم تک نہ پہنچ سکے جو کہ جہنم کے شجرِ ملعون کا ایک ثمرہ ہے۔ مطلب یہ کہ دعا اور توکل خیر کے میلان کو ایک عظیم

Marfat.com

الشان قوت عطا کرتے ہیں، اور توبہ واستغفار شر کے میلان کو توڑ دیتے ہیں اور اس کے تجاوز کو محدود کر دیتے ہیں۔

**مبحثِ سوم:**

تقدیر پر ایمان، ایمان کا ایک رُکن ہے، یعنی یہ مان لینا کہ ہر شے کا تعلق اللہ کی تقدیر کے ساتھ ہے۔ اور بے شک تقدیر کے قطعی دلائل بہت زیادہ اور بے شمار ہیں۔ ہم یہاں ایک مقدمے کی صورت میں سادہ سے اور واضح اسلوب میں اس رکنِ ایمانی کی قوت اور وسعت کی وضاحت کرتے ہیں۔

**مقدمہ**

ہر چیز وجود میں آنے سے پہلے اور وجود میں آنے کے بعد ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے، اس چیز کی صراحت قرآن کریم ﴿وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ اِلاَّ فِي كِتَابٍ مُبِيْنٍ﴾ جیسی بہت سی آیات میں کرتا ہے، اور یہ کائنات جو کہ قدرتِ الٰہیہ کا قرآنِ کبیر ہے، تمام کی تمام نظام ومیزان وانتظام وامتیاز اور تصویر وتزیین جیسی تکوینی آیات کے ساتھ اس قرآنی حکم کی تصدیق کرتی ہے۔

جی ہاں! کائنات کی اِس کتاب کی منظوم تحریریں اور موزون آیات اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ ہر شے مکتوب ہے۔

یہ بات کہ ہر شے اپنے وجود میں آنے سے پہلے مقدر اور مکتوب ہے، اس کی دلیل تمام مبادی، بیج، گٹھلیاں، مقادیر اور صورتیں ہیں؛ کیونکہ یہ تمام بیج اور گٹھلیاں وہ چھوٹے چھوٹے لطافت بھرے صندوق ہیں جو (ک۔ن) کے کارخانے میں ایجاد ہوئے ہیں اور جن میں تقدیر کے ہاتھوں لکھی ہوئی ایک چھوٹی سی فہرست رکھ دی گئی ہے۔ اور قدرت اس تقدیر کی کاریگری کے حساب سے ذرات کو استعمال کر کے ان بیجوں اور گٹھلیوں پر قُدرت کے عظیم الشان معجزات کی بنیاد رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ درخت کو جتنے بھی اُمور و واقعات پیش آئیں گے وہ انہی احکام کے تحت چلیں گے جو بیجوں میں لکھے ہوئے ہیں؛ کیونکہ مادے کے لحاظ سے تمام بیج سادہ اور ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

پھر ہر چیز کی جو ایک منظم مقدار ہے وہ بھی تقدیر پر واضح دلالت کرتی ہے۔ جی ہاں! جب کسی بھی ذی حیات کو دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ اس کی ایک شکل اور مقدار ہے جیسے کہ وہ پُر حکمت اور خوبصورت بناوٹ کے سانچہ میں سے ڈھل کر باہر آیا ہے، اب اُس نے جو یہ شکل وصورت اور مقدار اختیار کی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ یا تو ایک خارقِ عادت اور انتہائی درجے کے نشیب وفراز والا مادی سانچہ پایا جاتا ہے اور یا پھر قدرتِ ازلی اس شکل وصورت کی تراش خراش کرتی ہے اور ایک تقدیر کی طرف سے آنے والے ایک معنوی، علمی اور موزوں سانچے کے ذریعے اسے یہ شکل دیتی ہے۔

Marfat.com

اب بطورِ مثال_ اس درخت اور اس حیوان کو ذرا گہری نظر سے دیکھیں تو پتا چلے گا کہ یہ جامد، بہرے، اندھے، لاشعور اور ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت رکھنے والے ذرّات اُس کی نشو ونما کے لیے متحرک ہیں، کسی موڑ پر ٹھہر جاتے ہیں اور وہاں قیام کرتے ہیں، بالکل ایسے جیسے کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں کہ فوائد وثمرات کہاں کہاں ہیں، پھر وہ اپنا راستہ اور جگہیں تبدیل کر لیتے ہیں گویا کہ دوسری جگہ میں جا کر کوئی بہت بڑا ہدف پورا کرنا چاہتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ ذرات تقدیر کی طرف سے آنے والی معنوی مقدار کے مطابق اور اس مقدار کے معنوی امر کے حساب سے حرکت کرتے ہیں۔ تو جب اِن مادی مشہود اشیاء میں تقدیر کی اس درجے تجلیات پائی جاتی ہیں، تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ صورتیں جو یہ اشیاء مرورِ زمان کے ساتھ ساتھ پہن لیتی ہیں، اور وہ اوضاع واطوار جو ان کی حرکات سے حاصل ہوتی ہیں، وہ بھی تقدیر ہی کے انتظام کے تابع ہیں۔

جی ہاں! کسی بھی بیج میں تقدیر کی دو تجلیاں پائی جاتی ہیں۔

پہلی تجلی: بدیہی ہے، یہ اس کتابِ مبین کی خبر دیتی اور اس کی طرف اشارہ کرتی ہے جو کہ ارادے اور تکوینی اوامر کا عنوان ہے۔

دوسری تجلی: نظری ہے، یہ اُس اِمام مبین کی خبر دیتی اور اشارہ کرتی ہے جو کہ اِلٰہی علم وامر کا عنوان ہے۔

پس تقدیرِ بدیہی درخت کی ان مادی ہیأت واَوضاع وکیفیات سے عبارت ہے جو اس بیج کے اندر پنہاں ہیں اور جو چندے اِس آنکھ سے نظر آ جائیں گی۔

اور تقدیر نظری بیج کے اندر چھپے ہوئے درخت کی ان اَوضاع واطور واشکال حرکات وتسبیحات سے عبارت ہے جو درخت کی تمام عمر میں سامنے آنے والی ہیں، اور یہ وہ چیز ہے جسے درخت کی تاریخ حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے، پس وہ اَوضاع واشکال وافعال جو وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہتے ہیں ان کی درخت کی ٹہنیوں اور پتوں کی طرح تقدیر کے لحاظ سے منظم مقداریں ہیں۔ جب تقدیر کی معمولی اور سادہ اَشیاء میں اس طرح کی تجلی پائی جاتی ہے تو اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ تمام اشیاء اپنے وجود سے پہلے لکھی جا چکی ہیں، اور یہ چیز تھوڑے سے غور کے ساتھ سمجھ میں آ جاتی ہے۔

اور یہ بات کہ ہر چیز کی تاریخ حیات اُس کے وجود پذیر ہونے کے بعد لکھ دی جاتی ہے، اس کی دلیل وہ تمام ثمرات ہیں جو کہ کتابِ مبین اور امام مبین کی خبر دیتے ہیں، اور پھر انسان کی قوتِ حافظہ ہے جو کہ لوح محفوظ کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس کی خبر دیتی ہے، یہ دونوں چیزیں اس کی گواہ اور علامتیں ہیں۔ جی ہاں، ہر پھل کے بیجوں اور گٹھلیوں میں_ جو کہ ان کے دل کا حکم رکھتے ہیں_ درخت کے مقدراتِ حیات لکھے جاتے ہیں، اور انسان کی قوت حافظہ_ جو کہ رائی کے دانے کی طرح چھوٹی ہے_ اُس میں دستِ قُدرت قلمِ تقدیر کے ساتھ تاریخ حیات انسان اور گزشتہ حوادثِ عام دقیق صورت میں

Marfat.com

لکھ دیتا ہے، گویا کہ دستِ قدرت نے قلم تقدیر کے ساتھ انسان کے اعمال نامے سے ایک وثیقہ لکھ کر انسان کی اس قوتِ حافظہ کو دے دیا ہے اور اُسے اس کے دماغ کے ایک کونے میں رکھ دیا ہے تا کہ وہ محاسبے کے وقت اسے یاد کر کے اُس کی طرف رجوع کرے، اور تا کہ وہ اس بات پر مطمئن ہو جائے کہ اس فنا و زوال اور ہرج مرج کی تخلیق کے اندر بقاء کے بہت سے آئینے پائے جاتے ہیں جن میں وہ قدیرُ الحکیم ان زوال پذیر چیزوں کی امتیازی علامات نقش کرتا ہے اور انہیں ان آئینوں میں باقی رہنے دیتا ہے، اور یہ کہ اس فنا و زوال میں بقا کی بہت سی تختیاں پائی جاتی ہیں جن میں وہ حفیظُ العلیم فانی اشیاء کے معانی لکھتا ہے۔

## ماحاصل

سابقہ بیانات کا یہ ہے کہ نباتات کی زندگی جو کہ ادنیٰ اور سادہ سی زندگی ہے اگر تقدیر کے نظام کی اس حد تک تابع ہے، تو انسانی زندگی جو کہ زندگی کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے ضروری ہے کہ وہ اپنی تمام فروعات سمیت تقدیر کے پیمانے کے مطابق ہو اور اس کے قلم کے ساتھ لکھی گئی ہو۔

جی ہاں، جس طرح قطرے بادلوں کی خبر دیتے ہیں اور چھینٹے پانی کے چشمے پر دلالت کرتے ہیں اور سندیں اور وثیقے ایک بڑے رجسٹر کے وجود کا پتا دیتے ہیں، اسی طرح ثمرات، نطفے، بیج، گٹھلیاں اور شکلیں صورتیں _ جو کہ تقدیر بدیہی یعنی مادی انتظام کے قطروں کا حکم رکھتے ہیں اور تقدیر نظری یعنی ذی حیات کا معنوی اور حیاتیاتی انتظام قطرے اور ان دونوں تقدیروں کی سندیں اور وثیقے _ بدیہی طور پر کتاب مبین پر دلالت کرتے ہیں، اور وہ ارادے اور تکوینی اوامر کا رجسٹر ہے اور لوحِ محفوظ پر دلالت کرتے ہیں جو کہ علمِ الٰہی کا دیوان ہے اور جس کا نام امام مبین ہے۔

نتیجہ: ہمارے مشاہدے میں جب یہ بات آئی ہے کہ ہر ذی حیات کے ذرّات اُس کی نشو و نما کے دوران پیچیدہ حدود تک چلے جاتے ہیں اور وہاں جا کر رُک جاتے اور اپنا راستہ تبدیل کر لیتے ہیں تا کہ ان حدود کے اخیر میں حکمتیں، فوائد اور مصلحتیں ظہور میں آئیں تو پھر یہ چیز بالکل بدیہی ہے کہ اس چیز کی ظاہری مقدار قلمِ تقدیر کے ساتھ لکھی گئی ہے، چنانچہ تقدیرِ بدیہی جو کہ مشہود ہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اِس ذی حیات وجود کے معنوی حالات میں بھی کچھ منظم حدود اور ثمر آور نہایات و غایات ہیں جو کہ قلمِ تقدیر کے ساتھ لکھی گئی ہیں پس قُدرت مصدر یا سرچشمہ ہے اور تقدیر پیمانہ ہے۔ اور قدرت تقدیر کے اس پیمانے پر معانی کی اُس کتاب کو تحریر کرتی ہے۔

پس ہم جب اس بات کا قطعی ادراک رکھتے ہیں کہ یہ جو ثمر آور حدود اور پُر حکمت نہایات ڈیزائن کر دی گئی ہیں وہ مادی اور معنوی تقدیر کے قلم سے انجام پائی ہیں، تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہر ذی حیات اپنی مُدتِ حیات

Marfat.com

میں جو احوال واطوار سرانجام دے گا وہ سب کے سب تقدیر کے قلم کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں؛ کیونکہ اُس کی تاریخ حیات انتظام ومیزان کے ساتھ چلتی ہے؛ چنانچہ وہ تصویریں تبدیل کرتی جاتی اور مختلف شکلیں اختیار کرتی جاتی ہے تو جب قلمِ تقدیر کا حکم تمام ذی حیات میں اسی طرح چل رہا ہے؛ تو پھر اس میں شک نہیں کہ انسان جو کہ کائنات کا کامل ترین پھل، زمین کا خلیفہ اور امانتِ کبریٰ کا حامل ہے، اس کی تاریخ حیات قانونِ تقدیر کی ہر شے سے زیادہ تابع ہے۔

اگر کہو کہ: تقدیر نے ہمیں باندھ کر رکھ دیا ہے اور ہماری آزادی چھین لی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تقدیر پر ایمان دل میں بوجھ اور روح میں تنگی پیدا کرتا ہے؟ جبکہ یہ دونوں شادمانی پھیلانے اور سیر وگردش کے مشتاق ہیں؟

تو جواب یہ ہے کہ: تقدیر پر ایمان قطعاً اور اصلاً شدت یا تنگی پیدا نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ تو ایسا نورُ وسرُور پیدا کرتا ہے جو بے انتہا رامش وراحت، اور امن وامان کا باعث بنتا ہے، کیونکہ انسان جب تقدیر پر ایمان نہیں لائے گا تو اپنے تنگ سے دائرے میں، جُزوی سی آزادی میں اور وقتی سی بے قیدی میں اپنی کمزور اور لاچار روح کے کندھے پر دنیا کے برابر بوجھ لادنے پر مجبور ہوگا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان تمام کائنات کے ساتھ تعلقات رکھتا ہے اور اُس کے مطالب ومقاصد بے حد وحساب ہیں اور دوسری طرف اس کی قدرت، ارادہ اور آزادی ان لاکھوں مطالب ومقاصد میں سے ایک کو بھی پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں۔ اور یہیں سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ انسان اگر تقدیر پر ایمان نہیں رکھے گا تو کیسے دہشت ناک اور وحشت خیز شدید روحانی بوجھ سے دوچار رہے گا۔!

جبکہ تقدیر پر ایمان اس بات پر آمادہ رکھتا ہے کہ وہ اِس قسم کے تمام بوجھ تقدیر کی کشتی میں رکھ دے، اور یہ چیز اُسے مکمل راحت بخشے گی، کیونکہ اس طرح روح وقلب کے گھومنے پھرنے کا ایک وسیع میدان کھل جائے گا۔ اور یہ دونوں اپنے کمالات کے راستے میں پوری آزادی کے ساتھ چلتے ہیں۔ البتہ یہ ہے کہ یہ ایمان نفسِ امارۃ بالسوء سے اُس کی جزوی آزادی ضرور سلب کر لیتا ہے، اُس کی فرعونیت توڑتا ہے، اس کی ربوبیت پاش پاش کر دیتا ہے اور اس کی بے لگام حرکات محدود کر دیتا ہے۔

بے شک ایمان بالقدر میں انتہائی درجے کی لذّت اور سعادت پائی جاتی ہے جو بیان سے باہر ہے۔ یہاں ہم اس لذّت اور سعادت کی طرف ایک تمثیل کے ذریعے اشارہ کرتے ہیں:

دو آدمی ایک ساتھ کسی بادشاہ کے دار الخلافہ جاتے ہیں اور وہاں اس کے قصرِ خاص میں داخل ہوتے ہیں جو کہ عجائبات سے بھرا پڑا ہے۔

اب اُن میں سے ایک بادشاہ کو جانتا نہیں ہے اور چور دروازے سے محل میں بسیرا کرنا چاہتا ہے اور اس طرح زبردستی جائز ناجائز طریقے سے مال جمع کرنا چاہتا ہے، چنانچہ وہ محل کے باغیچے میں کام شروع کر دیتا ہے، لیکن وہاں اُسے پُر مشقت

Marfat.com

تکلیفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ کیونکہ باغیچے اور محل کے کام اُس کی بساط سے باہر تھے، جیسے باغیچے کی دیکھ بھال اور ترتیب، محل میں آنے والی اشیاء کی تنظیم، مشینوں کا استعمال اور غیر مانوس حیوانات کی خوراک کا بندوبست اور ان جیسے دیگر تھکا دینے والے کام۔ جن کی وجہ سے وہ دائمی اضطراب سے دوچار رہنے لگا۔ چنانچہ وہ جنت نشاں باغیچہ ناقابل برداشت جہنم میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب وہ آدمی ہر اُس چیز سے دُکھ اُٹھاتا ہے جس کی تدبیر و تنظیم نہیں کرسکتا، چنانچہ اپنا تمام وقت افسوس سے ہاتھ ملتا ہوا کاٹتا ہے۔ اور بالآخر اُس فاجر چور کو تادیبی کاروائی کے لئے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اور دوسرا آدمی بادشاہ کے ساتھ جان پہچان رکھتا ہے اور خود کو شاہی مہمان سمجھتا ہے، اور اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اس باغ اور محل میں تمام اُمور کسی قانون کے نظام کے تحت چلتے ہیں اور ہر چیز پر کسی منہج کی روشنی میں کمال سہولت کے ساتھ عمل ہوتا ہے، چنانچہ وہ تمام مشقتیں اور تکلیفیں بادشاہ کے قانون کے ذمے چھوڑ دیتا ہے اور اپنی اس روش سے اس جنت نشاں باغ کی لذتوں سے کمال صاف دلی سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور وہاں کی ہر چیز کو اچھی اور پاکیزہ سمجھتا ہے اور اپنی زندگی بادشاہ کی مہربانی اور اس کے اداراتی قوانین کے حُسن و جمال کے سہارے کمال لذت اور سعادت سے گزارتا ہے۔ یہیں سے آپ اس قول میں پائے جانے والے راز کو سمجھ سکتے ہیں: "مَنْ آمَنَ بِالْقَدَرِ أَمِنَ مِنَ الْكَدَرِ" (جو تقدیر پر ایمان لایا وہ زندگی کی آلائشوں سے محفوظ ہو گیا)

## مبحثِ چہارم

اگر آپ یہ کہیں کہ: مبحثِ اول میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ تقدیر کا ہر کام خوبصورت اور بہترین ہے، حتی کہ اُس کی طرف سے آنے والا شر بھی خیر اور بدصورت چیز بھی خوبصورت ہوتی ہے۔ جبکہ ایسا نہیں ہے؛ کیونکہ اس دُنیا میں آنے والے آلام و مصائب اس حکم کی نفی کرتے ہیں۔

**الجواب:** اے میری جان اور اے میرے دوست! تم دونوں شفقت و مہربانی کی شدت سے دُکھی ہوتے ہو، یاد رکھو کہ وجود خیرِ محض اور عدم شرِّ محض ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے وجود تمام محاسن و کمالات و فضائل کا مرجع ہے اور عدم تمام معاصی مصائب اور نقائص کی بنیاد ہے۔

اور عدم چونکہ شرِ محض ہے، اس لیے جو حالات عدم تک لے جاتے ہیں یا جن سے عدم کی بو آتی ہے وہ بھی شر پر ہی مشتمل ہیں، بنابریں زندگی جو کہ اس وجود کا سب سے تابناک نور ہے مختلف حالات کے سانچوں میں گرتی ڈھلتی رہتی اور مضبوط ہوتی رہتی ہے، اور گوناگوں اوضاع میں داخل ہوتی اور پاک صاف ہوتی جاتی ہے، اور متعدد کیفیات پکڑتی اور مطلوبہ ثمرات مہیا کرتی جاتی ہے، اور متنوع اطوار میں داخل ہوتی اور واہبُ الحیات کے اسماء کے نقوش کو بہترین طریقے

Marfat.com

سے آشکار کرتی چلی جاتی ہے۔

پس اس حقیقت کی بنا پر تمام ذی حیات کو آلام ومصائب اور مشقات و بلیات کی صورت میں بعض حالات پیش آجاتے ہیں اور ان حالات کے سبب ان کی زندگی میں وجود کے انوار تجدُّد آشنا ہو جاتے ہیں اور ظلماتِ عدم ان سے دور ہو جاتی ہیں، اور اس طرح ان کی زندگی صاف ستھری ہو جاتی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ توقف سکون، سکوت، بے کاری، استراحت اور بے حرکتی یہ سب چیزیں کیفیات واحوال میں عدم ہیں، حتی کہ بڑی سے بڑی لذت بھی بے حرکتی و بے کاری میں عدم کے گھاٹ اُتر جاتی ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ زندگی چونکہ اسمائے حسنیٰ کے نقوش آشکار کرتی ہے، اس لیے زندگی کے سر پر جو چیز بھی نازل ہوتی ہے حسین وجمیل ہے۔

مثال کے طور پر: ایک بہت زیادہ مالدار ماہر صنعتکار اپنی خوبصورت مصنوعات کی تشہیر اور اپنی قیمتی ثروت کی نمائش چاہتا ہے، اب اس کے لیے وہ ایک مسکین سے آدمی کا انتخاب کرتا ہے اور اسے ایک گھنٹے کی ماڈلنگ کے لیے مکلف کرتا ہے اور اس خدمت کے لیے اسے معقول معاوضہ بھی دیتا ہے چنانچہ وہ اسے اپنے بنے ہوئے اچھوتے اور خوبصورت ترین کپڑے پہناتا ہے، اُسے مختلف پوز دیتا ہے اور اپنی ماہرانہ اور غیر معمولی صنعتکاری کے شاہکاروں کی نمائش کرنے کے لیے اُسے بار بار چھوٹے، بڑے، لمبے، چوڑے اور مختلف شکلوں کے کپڑے پہناتا ہے۔

آپ کا کیا خیال ہے کہ اس فقیر مزدور کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس ماہر صنعتکار سے کہے کہ: ''آپ تو مجھے تھکائے جارہے ہیں'' مجھے کبھی ٹیڑھا ہونا پڑتا ہے، کبھی سیدھا۔ کبھی یہ روپ اپنانا پڑتا ہے کبھی وہ، کبھی چھوٹی قمیص پہناتے ہیں اور لوگوں کی نظروں میں مجھے خوبصورت دکھانے کے لیے مجھے پہنائی جانے والی قمیص کو چھوٹی کر کے اس کا حلیہ ہی بگاڑتے چلے جارہے ہیں؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کیا وہ اسے یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ ظلم کر رہے ہیں اور انصاف سے کام نہیں لے رہے؟ اُس صانع جلیل اور فاطر جمیل کا معاملہ بھی ایسے ہی ہے کہ وہ وجود کی اُس قمیص کو تبدیل کرتا ہے جو کہ اُس نے ذی حیات مخلوق کو پہنائی ہوئی ہے اور اُسے بہت سے حالات میں اُلٹ پلٹ کرتا رہتا ہے، یہ قمیص جو کہ آنکھ، کان، عقل، قلب جیسے حواس سے مزین ہے، اسے اپنے اسمائے حسنیٰ کے نقوش کو آشکار کرنے کے لیے تبدیل کرتا اور اُلٹا تا پلٹا تا رہتا ہے۔

تو وہ کیفیات جو کہ آلام ومصائب کے نام سے موسوم ہیں وہ دراصل اس کے بعض اسماء کے نقوش کے اظہار کے لیے رحمت کی کچھ شعاعیں ہیں جو حکمت کی کرنوں کے دامن سے جھلک رہی ہیں اور ان شعاعوں کے دامن میں لطافت بھرے حسن وجمال کے انوار پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

## خاتمہ

[یہ پانچ فقرے ہیں جنہوں نے ''سعید قدیم'' کے پرفخر، مغرور، سرکش، خود پسند اور ریا کار نفسِ امارہ کو خاموش کر دیا ہے اور اُسے تسلیم و رضا پر مجبور کر دیا ہے]

پہلا فقرہ: یہ کہ جب اشیاء موجود اور خوبصورت صنعت کا شاہکار ہیں تو پھر یہ ضروری ہے کہ ان کا کوئی موجد یا صانع ہو؛ کیونکہ ہر چیز کی نسبت اگر ایک کی طرف نہ ہو تو ہر چیز تمام اشیاء کے برابر مشکل، سخت اور بوجھل ہو جائے گی، اور اگر ہر چیز کی نسبت ایک کی طرف کی جائے تو تمام اشیاء ایک چیز کے برابر آسان ہو جائیں گی جیسے کہ یہ چیز بائیسویں مقالے میں قطعی طور پر ثابت کر دی گئی ہے۔

تو جب زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا واحدُالاَحد ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ وہ حکیم ذات ذی حیات کو جو کہ زمین و آسمان کے ثمرات ونتائج وغایات ہیں۔ اپنے غیر کو دے کر کام خراب نہیں کرے گا، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ یہ چیزیں دوسروں کے ہاتھوں میں دے کر اپنے تمام حکیمانہ افعال کو بیہودہ نہیں کرے گا اور انہیں عدم کے گھاٹ نہیں اُتارے گا اور اسی طرح ان چیزوں کے شکر اور ان کی عبادت کو کسی اور کو نہیں دے گا۔

دوسرا فقرہ: اے میرے مغرور نفس! تو انگور کی بیل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، اس لیے فخر وغرور میں مبتلا نہ ہو؛ کیونکہ اس بیل نے انگوروں کے خوشے اپنے اُوپر خود نہیں بلکہ اُس کے اُوپر کسی اور نے لٹکائے ہیں۔

تیسرا فقرہ: اے میرے ریا کار نفس! غرور میں آ کر یہ مت کہہ کہ میں نے دین کی خدمت کی ہے؛ کیونکہ حدیث شریف میں یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ آ گئی ہے کہ:

(انّ اللّٰہ لیؤ ید ھذا الدین بالرجل الفاجر) (حاشیہ:۱) اس لیے تیرے لیے ضروری ہے کہ تو خود کو وہی فاجر آدمی سمجھے، کیونکہ تیرا تزکیہ نہیں ہو سکا ہے، اور یہ یاد رکھ کہ تیری خدمت اور عبودیت سابقہ نعمتوں کا شکر، وظیفہ فطرت، فریضۂ خلقت اور نتیجہ صنعت ہے، اس لیے خود پسندی اور ریا کاری سے باہر آ جا۔

چوتھا فقرہ: اگر تو علمِ حقیقت اور حقیقی حکمت تک رسائی چاہتا ہے تو پھر جنابِ حق کی معرفت حاصل کر؛ کیونکہ موجودات کے تمام حقائق اسم ''الحق'' کی شعاعیں، اس کے اسمائے حسنیٰ کے مظاہر اور اس کی صفات کی تجلیات ہیں، اور ہر انسان اور ہر مادی، معنوی اور جوہری وعرضی شے کی حقیقت کا مرکز اللہ تعالیٰ کے بعض اسمائے حسنیٰ کا نور اور ان کی حقیقت ہے، وگرنہ یہ سب چیزیں بے حقیقت اور بے قیمت صورتیں ہیں۔ بیسویں مقالے کے اختتام میں اس راز کے

---

(۱) ''ان النبی ﷺ قال لبلال: یا بلال قم فاذن لا یدخل الجنة الا مؤمن، وان الله لیؤید هذاالدین با لرجل الفاجر'' صحیح البخاری، 3067,4203,4204,6606 صحیح مسلم، 105، 106 مترجم۔

Marfat.com

بارے میں تھوڑی سی بحث گزر چکی ہے۔

اے نفس! اگر تو اس دنیا کا مشتاق اور موت سے گریزاں ہے، تو پھر یہ بات قطعی طور پر جان لے کہ: وہ حالت جسے تو زندگی سمجھتا ہے وہ صرف وہی ایک منٹ ہے جس میں تُو ہے، اس موجودہ منٹ سے پہلے کے سب زمانے اور ان میں پائی جانے والی تمام دنیاوی چیزیں سب مُردہ ہیں، اور اس موجودہ منٹ کے بعد میں آنے والا جو زمانہ ہے، وہ اور اس میں پائی جانے والی ہر چیز عدم اور لاشئی ہے، پس تو جس مادی زندگی پر بھروسا کیے بیٹھا ہے وہ صرف ایک منٹ ہے۔ حتی کہ کچھ اہلِ تدقیق کا کہنا ہے کہ: زندگی ایک منٹ کے دسویں حصے کا نام ہے، بلکہ ایک آنِ سیال یا لحہء گزران ہے۔ پس یہی وہ راز ہے جس کے پیشِ نظر بعض اہلِ ولایت نے دنیا کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ یہ دنیا، دنیا ہونے کی حیثیت سے سراپا عدم ہے۔

تو جب معاملہ کچھ اس طرح کا ہے تو پھر اے میرے نفس، تو یہ مادی نفسانی دنیا چھوڑ دے اور قلب و روح و سرّ کی زندگی کے درجے تک بلند ہو جا، اور دیکھ کہ ان کا دائرہ حیات کتنا وسیع ہے۔ ماضی اور مستقبل جو تمہاری نظر میں مردہ ہیں ان کی نظر میں زندہ و موجود ہیں۔

پس اے میرے نفس! معاملہ جب کچھ ایسا ہی ہے تو پھر میرے دل کی طرح گریہ زاری کر، فریاد کر اور کہہ کہ:

میں فانی ہوں اس لیے میں فانی کو نہیں چاہتا ہوں۔

میں عاجز ہوں، اس لیے جو عاجز ہے میں اسے نہیں چاہتا ہوں۔

میں نے اپنی روح خدائے رحمان کو سونپ دی ہے، اور اس کے علاوہ میں کسی کو نہیں چاہتا ہوں۔

میں طلبگار ہوں، لیکن میری طلب ایسا محبوب ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔

میں ذرہ ہوں۔ لیکن خورشیدِ ابدی کو چاہتا ہوں۔

میں عدم در عدم ہوں، لیکن ان موجودات کا بیک وقت طلبگار ہوں۔

پانچواں فقرہ: یہ فقرہ عربی میں لکھا گیا ہے؛ کیونکہ یہ عربی میں ہی وارد ہوا ہے، اور یہ فقرہ جو کہ عربی میں ہے یہ "اللہ اکبر" کے ذکر میں پائے جانے والے تفکّر کے تینتیس مراتب میں سے صرف ایک مرتبے کی طرف اشارہ ہے۔

﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اِذْهُوَالْقَدِيْرُ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ الْكَرِيْمُ الرَّحِيْمُ الْجَمِيْلُ النَّقَّاشُ الْاَزَلِىُّ الَّذِىْ مَاحَقِيْقَةُ هٰذِهِ الْكَائِنَاتِ كُلًّا وَجُزْءً وَصَحَائِفَ وَطَبَقَاتٍ، وَمَا حَقَائِقُ هٰذِهِ الْمَوْجُوْدَاتِ كُلِّيًّا وَجُزْئِيًّا وَوُجُوْدًا وَبَقَاءً اِلَّا خُطُوْطُ قَلَمِ قَضَائِهِ وَ قَدَرِهِ وَتَنْظِيْمِهِ وَ تَقْدِيْرِهِ بِعِلْمٍ وَحِكْمَةٍ، وَنُقُوْشُ بَرْكَارِ عِلْمِهِ وَحِكْمَتِهِ وَ تَصْوِيْرِهِ وَتَدْبِيْرِهِ بِصُنْعٍ وَعَنَايَةٍ وَتَزْيِيْنَاتُ يَدِ بَيْضَاءِ صُنْعِهِ وَعَنَايَتِهِ وَتَزْيِيْنِهِ وَتَنْوِيْرِهِ بِلُطْفٍ وَكَرَمٍ

Marfat.com

وَأَزَاهِيرُ لَطَائِفِ لُطْفِهِ وَكَرَمِهِ وَتَوَدُّدِهِ وَتَعَرُّفِهِ بِرَحْمَةٍ وَنِعْمَةٍ. وَثَمَرَاتُ فَيَاضِ رَحْمَتِهِ وَنِعْمَتِهِ وَتَرَحُّمِهِ وَتَحَنُّنِهِ بِجَمَالٍ وَكَمَالٍ. وَلَمَعَاتُ تَجَلِّيَاتِ جَمَالِهِ وَكَمَالِهِ بِشَهَادَةِ تَفَانِيَةِ الْمَرَايَا وَسِيَالِيَةِ الْمَظَاهِرِ مَعَ بَقَاءِ الْجَمَالِ الْمُجَرَّدِ السَّرْمَدِيِّ الدَّائِمِ التَّجَلِّي وَالظُّهُورِ، عَلٰى مَرِّ الْفُصُولِ وَالْعُصُورِ وَالدُّهُورِ، وَدَائِمِ الْإِنْعَامِ عَلٰى مَرِّ الْأَنَامِ وَالْأَيَّامِ وَالْأَعْوَامِ.

نَعَمْ فَالْأَثَرُ الْمُكَمَّلُ يَدُلُّ لِذِي عَقْلٍ عَلٰى الْفِعْلِ الْمُكَمَّلِ، ثُمَّ الْفِعْلُ الْمُكَمَّلُ يَدُلُّ لِذِي فَهْمٍ عَلٰى الْاِسْمِ الْمُكَمَّلِ ثُمَّ الْاِسْمُ الْمُكَمَّلُ يَدُلُّ بِالْبَدَاهَةِ عَلٰى الْوَصْفِ الْمُكَمَّلِ، ثُمَّ الْوَصْفُ الْمُكَمَّلُ يَدُلُّ بِالضَّرُورَةِ عَلٰى الشَّأْنِ الْمُكَمَّلِ ثُمَّ الشَّأْنُ الْمُكَمَّلُ يَدُلُّ بِالْيَقِينِ عَلٰى كَمَالِ الذَّاتِ بِمَا يَلِيقُ بِالذَّاتِ وَهُوَ الْحَقُّ الْيَقِينُ.

نَعَمْ، تَفَانِي الْمِرْآتِ، زَوَالُ الْمَوْجُودَاتِ مَعَ التَّجَلِّي الدَّائِمِ مَعَ الْفَيْضِ الْمُلَازِمِ مِنْ أَظْهَرِ الظَّوَاهِرِ، أَنَّ الْجَمَالَ الظَّاهِرَ لَيْسَ مُلْكَ الْمَظَاهِرِ، مِنْ أَفْصَحِ تِبْيَانٍ، مِنْ أَوْضَحِ بُرْهَانٍ لِلْجَمَالِ الْمُجَرَّدِ، لِلْإِحْسَانِ الْمُجَدَّدِ، لِلْوَاجِبِ الْوُجُودِ، لِلْبَاقِي الْوَدُودِ...

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ، مِنَ الْأَزَلِ إِلَى الْأَبَدِ، عَدَدَ مَا فِي عِلْمِ اللّٰهِ، وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلِّمْ...

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# ذیل

بسم اللہ الرحمان الرحیم

(یہ مختصر سی ذیلی بات عظیم اہمیت اور ہر شخص کے لیے بہت سے فوائد کی حامل ہے)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ تک پہنچنے کے لیے بہت سی راہیں اور بے شمار راستے ہیں۔اور تمام حق اور درست راستے قرآن کریم سے لیے گئے ہیں۔لیکن ان راستوں میں سے بعض بعض سے زیادہ شاٹ، زیادہ سالم اور عموم پر مشتمل ہوتے ہیں۔

میں اپنی کم فہمی کے باوجود قرآن کریم کے فیضان سے ایک مختصر، سیدھا اور ہموار راستہ پانے میں کامیاب ہو گیا ہوں، اور وہ ہے:

عجز، فقر، شفقت اور تفکر کا راستہ۔

جی ہاں! عجز وانکساری بھی عشق کی طرح ایک ایسا راستہ ہے جو اللہ تک پہنچا دیتا ہے، بلکہ یہ عشق سے بھی کم مسافت والا اور پر امن راستہ ہے؛ کیونکہ یہ راستہ ''عبودیت'' کی راہ سے ''محبوبیت'' کی منزل تک پہنچا دیتا ہے۔

فقر کا راستہ بھی عجز وانکساری کے راستے جیسا ہی ہے۔یہ راستہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی ''الرحمٰن'' تک پہنچاتا ہے۔

شفقت بھی عشق کی طرح ہی مُوصِل اِلی اللہ راستہ ہے، بلکہ یہ عشق سے زیادہ تیز رو، کشادہ اور وسعت بداماں ہے؛ کیونکہ یہ راستہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی ''اَلرَّحِیْم'' تک پہنچاتا ہے۔

تفکر بھی عشق ہی کی طرح ہے لیکن یہ اس سے زیادہ سرمایہ دار، تابناک اور وسعت بداماں ہے؛ کیونکہ یہ سالک کو اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی ''اَلْحَکِیْم'' تک پہنچاتا ہے۔یہ مختصر راستہ اس راستے سے مختلف ہے جسے اہل سلوک نے عام طور پر ''خفاء'' کے راستوں میں اختیار کیا ہے۔خفاء کے راستے جو کہ لطائف عشرہ کی طرح دس مراحل پر مشتمل ہیں۔(حاشیہ:۱)

اور یہ راستہ جہر کے راستوں سے بھی مختلف ہے جو کہ نفوسِ سبعہ (سات نفوس) (حاشیہ:۲)

(حاشیہ:۱) حضراتِ مجددیہ رحمہم اللہ کے نزدیک انسان دس لطائف سے مرکب ہے، پانچ عالمِ امر سے متعلق ہیں اور پانچ عالمِ خلق سے۔عالمِ امر کے لطائف کی جڑیں عرش کے اوپر ہیں اور جسمِ انسان میں اُن کے مختلف ٹھکانے ہیں۔یہ لطائف قلب ورُوح وسِر وخفی واَخفی ہیں۔اور عالمِ خلق کے لطائف نفس اور عناصرِ اربع ہیں جن کی اصل لطائفِ عالمِ امر کی اصل ہے۔جملہ لطائف مختلف انوار سے منور اور مختلف اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے زیرِ قدم ہیں۔(سردلبراں، صفحہ:356) مترجم۔

(حاشیہ:۲) نفوسِ سبعہ، تصوف کی اصطلاح میں نفس کی مندرجہ ذیل سات قسمیں ہیں: نفسِ کلیہ، نفسِ ناطقہ، نفسِ حیوانیہ، نفسِ امارہ، نفسِ لوامہ، نفسِ مطمئنہ، نفسِ ملہمہ۔مترجم۔

Marfat.com

کے حساب سے سات مراحل پر مشتمل ہے۔ان سب کے برعکس یہ طریقہ صرف چار مرحلوں پر مشتمل ہے، اور یہ تصوف کی طریقت سے زیادہ ایک شرعی حقیقت ہے۔

خبردار! کسی غلط فہمی کی وجہ سے غلطی نہ کر بیٹھنا؛ کیونکہ عاجزی، فقر اور تقصیر سے مقصود صرف ان چیزوں کا اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار ہے نہ کہ لوگوں کے سامنے عاجزی، مسکینی اور ناتوانی کا اظہار کرنا۔

باقی رہے اس مختصر راستے کے اوراد و اذکار، تو وہ سنت نبوی کی اتباع۔ فرائض پر عمل، اور خاص کر نماز کی اقامت اور اس کے تمام ارکان کے اعتدال کو نگاہ میں رکھ کر پابندی کرنا۔ نماز کے بعد ذکر و اذکار۔ اور کبائر سے کنارہ کش رہنا ہیں۔

رہی ان تمام مراحل کے سرچشموں کی قرآن میں موجودگی، تو وہ یوں ہے:

☆ ﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (حاشیہ:۱)

یہ آیت کریمہ پہلے مرحلے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

☆ ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ﴾ (حاشیہ:۲)

یہ آیت کریمہ دوسرے مرحلے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

☆ ﴿مَآ أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ (حاشیہ:۳)

یہ آیت کریمہ تیسرے مرحلے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

☆ ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ (حاشیہ:۴)

یہ آیت کریمہ چوتھے مرحلے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اب ان چاروں مرحلوں کی انتہائی اختصار کے ساتھ وضاحت کی جاتی ہے۔

## پہلا مرحلہ:

اس کی طرف یہ آیت کریمہ اشارہ کرتی ہے: ﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ﴾۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اپنے آپ کو ہی پاک صاف نہیں سمجھنا چاہئے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان اپنی جبلت اور فطرت کے تقاضوں کے زیر اثر اپنی ذات سے بہت محبت کرتا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اسے صرف اپنی ذات سے عشق ہے اور بس۔ اس کے لیے اپنی ذات سب سے مقدم ہے، وہ اپنی ذات کے لیے ہر چیز کی قربانی دے دیتا ہے اور اپنی ذات کی ایسی تعریف کرتا ہے جو صرف معبود واحد کے لائق ہے۔ اپنی شخصیت ہر عیب سے دور اور ہر کی کوتاہی سے بالا سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ کبھی اپنی غلطی تسلیم کرتا ہی نہیں، اور اپنی ذات کا ایسے دفاع کرتا ہے جیسے کہ وہ اس کی معبود ہے اور یہ اس کا پجاری۔ اور اس چیز میں وہ اس حد تک چلا جاتا

(حاشیہ:۱)(النجم:32) (حاشیہ:۲)(الحشر:19) (حاشیہ:۳)(النساء:79) (حاشیہ:۴)(القصص:88)

Marfat.com

ہے کہ اپنے ان اعضاء وجوارح کو اپنی تقدیس کے لیے استعمال کرنے لگتا ہے جو اللہ نے اسے صرف اپنی حمد وثناء کے لیے عطا کیے ہیں۔ اور یوں وہ ﴿مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوَاهُ﴾ (حاشیہ:۱) کا چلتا پھرتا مفہوم بن جاتا ہے۔ چنانچہ وہ خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھنے لگتا ہے۔ اس لیے اس کی اس ذات کا تزکیہ ضروری ٹھہرا۔ اور اس مرحلے میں اس کے تزکیہ وتطہیر کے صورت یہ ہے کہ وہ اپنا تزکیہ نہ کرے اور خود کو نیک پاک، پارسا اور دودھ کا دُھلا نہ سمجھے۔

## دوسرا مرحلہ:

یہ مرحلہ وہ ہے جس کا سبق یہ آیت کریمہ دیتی ہے: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور غفلت کی رَو میں بہ جاتا ہے، اور اگر کبھی اسے موت کا خیال آئے تو یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ یہ صرف دوسروں کا حصہ ہے، اور اگر کبھی فنا وزوال کا منظر آنکھوں کے سامنے آئے تو یہ سوچ کر مطمئن ہو جاتا ہے کہ یہ چیز صرف اوروں کا مقدر ہے مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں؛ کیونکہ نفسِ امارہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اجرت کے حصول اور عیش وعشرت کے وقت میں خود کو یاد رکھتا ہے اور ان چیزوں کے ساتھ مضبوطی سے جُڑ جاتا ہے، لیکن جہاں خدمت، عمل اور مشقت کا سامنا ہو وہاں خود کو یکسر بھول جاتا ہے اور نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بنابریں اس مرحلے میں اس کے تزکیے، تطہیر اور تربیت کا اسلوب یہ ہے کہ:

اس حالت کے بالکل برعکس عمل کیا جائے، یعنی عین نسیان میں عدمِ نسیان، مطلب اس کا یہ ہے کہ اجرت اور عیش ونشاط کے وقت "نفس" کو بھلا دیا جائے، اور خدمات اور موت کے وقت اس کے بارے میں غور فکر کر لیا جائے۔

## تیسرا مرحلہ:

یہ وہ مرحلہ ہے جس کی طرف یہ آیت کریمہ راہنمائی کرتی ہے: ﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾، اور وہ اس طرح کہ نفس جس چیز کا ہمیشہ تقاضا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ بھلائی کی نسبت اپنی طرف کرتا رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ فخر اور خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے میں انسان کو یہ چاہیے کہ وہ اپنی ذات کے نقص، کمی کوتاہی اور عجز وفقر کو نگاہ میں رکھے۔ اور تمام کمالات ہر حسن وخوبی کو اپنے جلیل القدر خالق ومالک کا احسان سمجھے، اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں سمجھ کر سینے سے لگائے اور پھر ان پر فخر کرنے کی بجائے شکر کرے اور اپنی مدح سرائی اور شیخی بگھارنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مصروف رہے۔

اس مرحلے میں تزکیہ نفس کا جو انداز بتایا گیا ہے وہ اس راز سے لیا گیا ہے جو اس آیت کریمہ میں پایا جاتا ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ اور راز یہ ہے کہ نفس یہ بات جان لے کہ اس کے کمال کا راز اس کے عدمِ کمال

---

(۱) الفرقان:43

Marfat.com

میں پنہاں ہے، اس کی طاقت اور قدرت کا راز اس کی عاجزی اور درماندگی میں ہے اور اس کی دولتمندی اور تونگری اس کے فقر میں ہے (یعنی یہ کہ نفس کا کمال اس بات میں ہے کہ اسے اپنے عدمِ کمال کی پہچان ہو جائے، اس کی طاقت اور قدرت اس بات میں ہے کہ وہ اللہ کے سامنے عاجزی اور انکساری اختیار کرے اور اس کی دولتمندی اور بے نیازی اس میں ہے کہ وہ اللہ کی جناب میں سراپا فقر اور افلاس بن کر آئے)۔

## چوتھا مرحلہ:

وہ ہے جس کی تعلیم یہ آیت کریمہ دیتی ہے:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾، اور وہ اس طرح کہ نفس اپنے آپ کو آزاد، مستقل اور بالذات موجود سمجھتا ہے، اسی بنا پر وہ ایک قسم کی ربوبیت کا دعوی کرتا ہے اور اپنے معبودِ حقیقی کے مقابلے میں نافرمانی کا رویہ اپناتا ہے۔ لیکن اگر انسان اس حقیقت کا ادراک کر جائے جو ابھی بیان کی جارہی ہے تو اس دعوے سے دستبردار ہو سکتا ہے۔ اور وہ حقیقت یہ ہے کہ:

ہر چیز اپنی ذات میں اور اپنے اسمی معنی کے لحاظ سے زوال آشنا، فنا پذیر، حادث، نیست اور نابود ہے۔ لیکن وہ اپنے حرفی کے لحاظ سے اور صانع ذوالجلال کے اسماء کی آئینہ داری کے لحاظ سے اپنے وظائف اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے وہ شاہد بھی ہے مشہود بھی اور واجد بھی ہے موجود بھی۔

پس اس مرحلے میں نفس کا تزکیہ یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کی پہچان کر لے کہ: اس کا عدم اس کے وجود میں ہے اور اس کا وجود اس کے عدم میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جب صرف اپنی ذات ہی پر نظر رکھے گا اور یہ سمجھے گا کہ کائنات کو وجود صرف اس کے وجود کے لیے دیا گیا ہے، تو وہ عدم کے اتنے گھنگھور اندھیروں میں غرق ہو جائے گا جو پوری کائنات سے بھی زیادہ وسعت رکھتے ہیں، یعنی جب نفس اپنے شخصی وجود کے دھوکے میں مبتلا رہے اور اپنے موجدِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو تنہا اور عدم و فراق کے غیر متناہی اندھیروں میں غرق پائے گا۔ بالکل ایسے جیسے سیاہ رات کے گھنگھور اندھیروں میں ایک درماندہ جگنو اپنی کمزور سی ٹمٹاتی ہوئی روشنی لیے پھر رہا ہو۔ لیکن جب وہ انانیت، غرور اور خود فریبی سے کنارہ کش ہو جائے گا تو اس وقت اس پر یہ حقیقت کھلے بندوں آشکار ہو جائے گی کہ اس کی اپنی ذات بذات خود کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ وہ تو ایک آئینہ ہے جس سے اس کے موجدِ حقیقی کی تجلیات کا اظہار ہو رہا ہے۔ اور اس طرح وہ ایک غیر متناہی وجود پالیتا ہے اور تمام مخلوقات کے وجود کو اپنے وجود میں سمو لیتا ہے۔

جی ہاں! جو اللہ کو پالیتا ہے وہ سب کچھ پالیتا ہے؛ کیونکہ عالم موجودات تمام کا تمام اس ربِّ ذُوالجلال کے اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

Marfat.com

# اختتام

یہ راستہ جو کہ عجز، فقر، شفقت اور تفکر پر مشتمل چار مراحل سے وجود پاتا ہے، اس کی تفصیلی وضاحت اگر چہ ہماری کتاب "**مـقـالات**" میں ابتداء سے لے کر "چھبیسویں مقالے تک" آچکی ہے۔ یہ کتاب علم الحقیقت یعنی شریعت کی حقیقت اور قرآن کریم کی حکمت سے متعلق بحث کرتی ہے۔ تاہم پھر بھی ہم یہاں ایک مختصر سا اشارہ کرتے ہیں جو کہ چند نکتوں پر مشتمل ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

یہ راستہ دوسرے کسی بھی راستے کی بہ نسبت مختصر، قریب ترین اور کم مسافت والا ہے؛ کیونکہ یہ چار مراحل سے عبارت ہے۔ مثال کے طور پر عاجزی، کو لے لیں کہ جب یہ دل میں گھر کر جاتی ہے تو اسے براہ راست قدیر ذوالجلال کے حوالے کر دیتی ہے۔ جبکہ عشق جو کہ اللہ تک پہنچانے والا تیز ترین راستہ ہے۔ اس راہ میں جب عشق دل میں گھر کرتا ہے تو دل پہلے پہل معشوق مجازی کے ساتھ چمٹا رہتا ہے، پھر ایک وقت میں جب عشق مجازی کے اثرات زائل ہوتے ہیں تب جا کر کہیں محبوب حقیقی تک رسائی ہوتی ہے۔

پھر یہ راستہ دیگر راستوں کی بہ نسبت زیادہ محفوظ ہے؛ کیونکہ اس میں نفس اپنی اوقات سے زیادہ شطحات، دعوے اور زٹل بازیاں نہیں کرتا ہے؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں تو انسان کو اپنی ذات میں عجز و فقر اور کمی کوتاہی کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا ہے، اس لیے وہ حد سے کیسے بڑھے گا اور شیخیاں کیسے بگھارے گا؟

پھر یہ کہ یہ راستہ ایک شارع عام اور بڑی گزرگاہ ہے؛ کیونکہ یہ راستہ کائنات معدوم کرنے یا اسے قید خانہ بنانے پر مجبور نہیں کرتا ہے؛ کیونکہ اہلِ "**وحدةُ الوجود**" اس کائنات کو عدم اور نیست خیال کرتے ہیں اور حضور قلبی اور روحانی اطمینان کے حصول کے لیے کہتے ہیں: "**لاموجودَ إلا هو**". اور اسی طرح اہلِ "**وحدةُ الشهود**" نے کائنات کو نسیان یا فراموشی کے قید خانے میں قید کر رکھا ہے اور اطمینان قلب کے حصول کے لیے کہتے ہیں: "**لامشهودَ إلا هو**".

جبکہ قرآن کریم پوری وضاحت کے ساتھ کائنات کو معدوم نہیں ہونے دیتا ہے۔ اور اس کی تمام زنجیریں کھول کر اسے قید خانے سے آزاد کرتا ہے۔ تو یہ راستہ جو قرآن کریم کے منہج پر ہے، کائنات کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ تمام کی تمام اپنے جلیل القدر خالق کے آگے مسخر ہے اور اس راہ میں سراپا خدمت ہے۔ اور پھر یہ کہ یہ تمام موجودات اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے مظاہر ہیں، گویا کہ یہ آئینے ہیں جو ان تجلیات کو منعکس کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس کائنات سے اُس کے حرفی معنی کے لحاظ سے تو خدمت لے رہا ہے لیکن اسمی معنی کے لحاظ سے اُسے اس چیز سے علیحدہ رکھتا ہے کہ وہ بذات خود خادم یا

Marfat.com

مسخر بن سکے۔ اس مقام پر پہنچ کر انسان غفلت سے نجات پا جاتا ہے اور قرآن کریم کے روشن اور کشادہ راستے پر چلتا ہوا دائمی حضوری کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اور یوں اسے اللہ تک پہنچنے کے لیے کائنات کی ہر شے سے راستہ مل جاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

یہ راستہ موجودات کو ان کے اسمی معنی یعنی ان کی ذات کے لحاظ سے نہیں دیکھتا ہے، یعنی موجودات کو اس نظر سے نہیں دیکھتا کہ یہ سب خود آپ ہی سے اپنے لیے مسخر اور خودکار ہیں، بلکہ انہیں اس چیز سے الگ کر کے ان کے سپرد ایک اور قسم کی ذمہ داری کرتا ہے، اور وہ یہ کہ یہ تمام کی تمام اللہ کی مسخر اور اس کی زیر فرمان ہیں۔

--------------------------------

Marfat.com

# ستائیسواں مقالہ

# رسالۃ الاجتہاد

آج سے کم وبیش پانچ سال پہلے میں نے عربی زبان میں اجتہاد کے بارے میں ایک بحث لکھی تھی۔ (حاشیہ:۱) اور اب اپنے دو عزیز بھائیوں کی فرمائش پر میں نے اس مسئلے میں اپنی حد سے ناواقف آدمی کے لیے یہ مقالہ سپردِ قلم کیا ہے، تاکہ اُسے اپنی اُس حد کا ادراک ہو جائے جہاں پہنچ کر رُک جانا اُس کے لیے ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ...﴾ (حاشیہ:۲)

اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے مگر عصرِ حاضر میں چھ عدد ایسی رکاوٹیں آڑے آ گئی ہیں جو اس میں داخل ہونے سے مانع ہیں، اور وہ یہ ہیں:

## پہلی رکاوٹ:

جیسے سردیوں میں جب تیز ہوائیں چلتی ہیں تمام کھڑکیاں اور دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور مزید نیا دروازہ یا کھڑکی بنانا عقلمندی نہیں سمجھا جاتا ہے، اور جیسے اُمڈتے ہوئے سیلابوں کے موسم میں ڈیم تعمیر کرنے یا دیواروں کی مرمت کے لیے سوراخ نہیں کھولے جاتے کیونکہ اس کا انجام ہلاکت اور غرقابی ہے، اسی طرح اسلام پر یہ بہت بڑی زیادتی ہوگی کہ اس کے محفوظ محل میں اجتہاد کے نام پر مزید نُو بہ باریاں کھول دی جائیں اور اس کی دیواروں میں مزید سوراخ کر دیے جائیں جس سے تخریب کاروں کے لیے اندر آ کر اسے تاراج کرنے کے لیے راستے صاف ہو جائیں، اور خاص کر اس دور میں جب کہ منکرات کا زور ہے اور دوسری اقوام کی بدعادات رواج پا رہی ہیں اور نت نئی بدعات اور گمراہیوں کی تباہ کاریوں کا سامنا ہے۔

---

(حاشیہ:۱) یہ بحث المثنوی العربی النوری میں "حباب من القرآن الکریم" کے نام سے ہے۔ مترجم۔

(حاشیہ:۲) النساء:83

Marfat.com

## دُوسری رکاوٹ:

دین کے وہ بدیہی مسائل جن میں اس بنا پر اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ قطعی طور پر معین ہیں اور جو بمنزلہ خوراک وغذا ہیں، خود ایسے مسائل بھی اس دور میں کسمپرسی اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور لرزہ بر اندام ہیں۔ اندریں حالات فرض یہ ہے کہ تمام تر توجہ اس طرح کے ضروریاتِ دین کے اِحیاء و اِقامت کے لیے صرف کی جائے اور چونکہ اسلام کے نظریاتی پہلوؤں کے بارے میں سلف صالحین کے خالص اور صاف شفاف اجتہادات سے نکلے ہوئے افکار موجود ہیں جو کہ تمام زمانوں کی حاجات وضروریات کے لیے کافی ہو سکتے ہیں اس لیے اِن اجتہادی افکار کو چھوڑ کر حرص وہوا کے پیچھے لگ کر نئے اجتہادات بروئے کار لانا ایک بدعت بھری خیانت ہے۔

## تیسری رکاوٹ:

جس طرح کچھ ساز وسامان ایسے ہیں جن میں موسموں کے لحاظ سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور کچھ سودے وقتاً فوقتاً بازار کی رونق بنتے ہیں، اِسی طرح کائنات میں معاشرتی زندگی کے بازار اور بشری تہذیب وتمدن کی نمائش گاہ میں ہوتا ہے، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ایک دور میں ایک چیز کی بڑی گرم بازاری ہوتی ہے اور لوگ اس میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں، نظریں اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں اور افکار اُس کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں، جیسے مثال کے طور پر ہمارے اس دور کی متاعِ گراں سیاست، دنیاوی زندگی اور فلسفہ کی رواج پذیری ہے، جبکہ سلف صالحین کے وقت میں پسندیدہ ترین اور اس بازار کی مقبول ترین متاع یہ تھی کہ خالقِ ارض وسماء کے کلام سے اس بات کا استنباط کیا جائے کہ اس کی رضامندی کس چیز میں ہے اور وہ ہم سے کس چیز کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور قرآن اور نورِ نبوت کے طفیل جس عالم آخرت کے دروازے ہمیشہ کے لیے کھل گئے ہیں اس عالم میں پائی جانے والی ابدی سعادت سے ہمکنار ہونے اور اس تک پہنچانے والے وسائل وذرائع کو حاصل کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی جائے۔ چنانچہ اُس دور میں اَذہان وقلوب واَرواح اپنی پوری توجہ اور بھرپور قوت کے ساتھ ربّ السماوات والارض کی رضامندیوں کو سمجھنے کے لیے وقف تھے اور اسی کے مطابق چلتے تھے، اب اس طرح کی زندگی میں پیش آنے والے حوادث وواقعات ایک اچھی استعداد اور فطری قابلیت رکھنے والے آدمی کے لیے غیر شعوری طور پر درسِ معرفت بن جاتے تھے، اسے ہر چیز کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے گویا کہ اس کا دل اور اس کی فطرت، دونوں ہی اپنے اردگرد کی ہر چیز سے رہنمائی لیتے تھے، اور ہر حادثے، واقعے اور ہر گفتگو سے کچھ نہ کچھ حاصل کرتے تھے، گویا کہ ہر چیز ان کے لیے ایک معلم کا کردار ادا کرتی تھی اس کی فطرت واستعداد کو کچھ نہ کچھ سکھاتی تھی اور اُسے اجتہاد کے لیے آمادہ کار رکھتی تھی۔ حتیٰ کہ یہ فطری درس اس میں اتنی روشنی پیدا کرتا تھا کہ وہ بغیر کسب ومحنت کے اجتہادی بصیرت کے قریب قریب پہنچ جاتا تھا اور اس کی ذہانت کا تیل بغیر آگ دکھائے روشنی دینے کے لیے آمادہ تھا۔ اب اس طرح کی فطری استعداد کا آدمی،

Marfat.com

اس جیسے معاشرے میں اگر اجتہاد کرے گا، تو اس کی یہ استعداد جو کہ ماچس کا حکم رکھتی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان گرامی ﴿نورٌ علی نورٍ﴾ میں پائے جانے والے گہرے راز کو آشکار کرے گی اور یہ آدمی بہت تھوڑے وقت میں مجتہد بن جائے گا۔

لیکن یہ دور جس میں سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں مغربی تہذیب وتمدن کے غلبے، طبعی اور مادی فلسفے کے تسلط اور دنیاوی زندگی کی بوجھل پیچیدگیوں کی وجہ سے افکار پراگندہ، قلوب حیران، ہمتیں منتشر، اہتمامات پارہ پارہ اور اذہان روحانیات سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔

اس لیے اس دور میں اگر کوئی سفیان بن عیینہ کے پائے کا ذہین آدمی سامنے آجائے جس نے صرف چار سال کی عمر میں قرآن حفظ کر کے علماء کے ساتھ گفتگو شروع کر دی تھی، تو ایسا آدمی بھی درجہء اجتہاد تک پہنچنے کے لیے ان جیسی دس گنا چیزوں کا ضرورتمند ہوگا جن کی ضرورت ابن عیینہ کو تھی، مطلب یہ کہ اگر ابن عیینہ درجہء اجتہاد تک دس سال میں پہنچے تھے تو ہمارے زمانے کا آدمی وہاں تک سو سال میں پہنچے گا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ سفیان کی اجتہاد کے لیے فطری تحصیل کی ابتدا سن تمیز کے دور سے شروع ہوتی ہے، اور ان کی استعداد تدریجاً ہر چیز سے درس لیتی ہوئی تیار اور روشن ہوتی ہے۔ جیسے کہ گندھک کے اندر آگ کی استعداد پائی جاتی ہے۔

لیکن دورِ حاضر میں اس طرح کے شخص کا ذہن فلسفہ میں غرق ہو چکا ہے اور اُس کی عقل سیاست میں ڈبکیاں کھا رہی ہے اور اُس کا دل معاشی ضروریات کے جھنجھٹ میں ہوش سے بیگانہ ہو چکا ہے اور اس کی استعداد اجتہاد سے کوسوں دور ہو گئی ہے، اور جتنا وہ زمین کے متعلقہ موجودہ علوم کے میدان میں مہارت حاصل کر گیا ہے اس کی قابلیت اجتہادی قوت سے اُتنی ہی دور ہو گئی ہے اور درجہ اجتہاد تک پہنچنے سے قاصر رہ گئی ہے، اس لیے وہ اب یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں جب سفیان بن عیینہ جیسا ذہین انسان ہوں تو پھر اس کے مرتبے کو کیوں نہیں پہنچ سکتا؟ جی ہاں، وہ یہ بات نہیں کہہ سکتا، نہ اس کا حق ہے اور نہ وہ اُن کے مرتبے کو پہنچ سکتا ہے۔

## چوتھی رکاوٹ:

جیسے کسی بھی جسم میں نشو ونما اور وسعت پذیری کا میلان پایا جاتا ہے اور یہ میلان جسم ووجود کی تکمیل کا ذریعہ ہوتا ہے کیونکہ اس کا سرچشمہ جسم کا اندرونی حصہ ہوتا ہے، لیکن اگر یہ میلان بیرونی جانب سے ہو تو وہ بدن کی جلد تخریب وتمزیق اور ویران گری کا سبب ہوگا نہ کہ نشو ونما کا۔ اسی طرح یہ سمجھ لیں کہ وسعت پذیری کا میلان اور اجتہاد کا ارادہ اگر ان لوگوں میں پایا جائے گا جو دائرہ اسلام میں سلف صالحین کی طرح کامل تقوی اور ضروریات دین کی اطاعت شعاری کی راہ سے داخل ہوئے ہیں، تو یہ چیز کمال اور کمال پذیری کی راہ ہوگی۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا! اور توسیع کے اُس میلان اور ارادہ اجتہاد کا ظہور

Marfat.com

اگر ان لوگوں کی طرف سے ہوا جنہوں نے ضروریاتِ دین کو ترک کیا ہے اور حیاتِ دنیا کو حیات آخرت پر ترجیح دی ہے اور مادی فلسفے کے ساتھ راہ ورسم رکھی ہے، تو یہ چیز اسلام کی بنیاد کے لیے تخریب کاری کی علامت ہوگی اور اس کی گردن میں پڑی ہوئی شرعی زنجیر کو اُتار پھینکنے کا وسیلہ ہوگی۔

## پانچویں رکاوٹ:

یہاں تین نقطہ ہائے نظر ایسے ہیں جو کہ اس دور کے اجتہادات کو زمینی اجتہاد بناتے ہیں اور اُن سے آسمانی روح سلب کر لیتے ہیں، جبکہ شریعت آسمانی ہے اور شرعی اجتہادات بھی آسمانی ہیں؛ کیونکہ یہ آسمان کے پوشیدہ احکام کو آشکار کرتے ہیں۔ اور وہ تین نقطہ ہائے نظر یہ ہیں:

اول: یہ کہ کسی بھی حکم کی حکمت اور چیز ہے اور اُس کی علت اور چیز، حکمت اور مصلحت ترجیح کا سبب تو ہوتی ہے؛ ایجاب اور ایجاد کا دارومدار نہیں۔ لیکن علت کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ وہ وجود کا دارومدار ہوتی ہے، مثال کے طور پر: سفر میں نماز قصر کر کے دو رکعتیں پڑھی جائیں گی، اور اس شرعی رخصت کی شرعی علت سفر ہے پس اگر سفر موجود ہو اور مشقت بالکل بھی نہ ہو، تو بھی نماز قصر ہوگی کیونکہ علت موجود ہے۔ لیکن اگر سفر کا وجود نہ ہو اور سو طرح کی مشقتیں موجود ہوں، تو یہ مشقتیں قصرِ صلاۃ کی علت نہیں بن سکیں گی۔ پس اس زمانے کی نظر اس حقیقت کے برعکس حکمت اور حقیقت کو علت کا قائم مقام بنانے پر لگی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ اجتہاد زمینی بن جاتا ہے آسمانی نہیں رہتا۔

دوم: اس زمانے کی نظر سب سے پہلے اور براہِ راست دنیاوی سعادت کی طرف ہے اور اِس کے احکام کا رُخ اسی طرف ہے، جبکہ شریعت کی نظر اولاً اور بالذات اُخروی سعادت کی طرف ہے اور ثانیاً اُس کی نظر دنیاوی سعادت کی طرف ہے اور وہ دنیاوی زندگی کو اخروی زندگی کے لیے وسیلہ ہونے کے لحاظ سے دوسرے درجہ میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ عصرِ حاضر کی نظر شریعت کی روح سے بیگانہ ہے اس لئے وہ شریعت کے نام سے اجتہاد نہیں کرسکتی۔

سوم: یاد رکھیں کہ یہ جو قاعدہ ہے: "اِنَّ الضَّرُوْرَاتِ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ" جس کا مطلب یہ ہے کہ: ضرورت حرام کو حلال کے درجے میں لے آتی ہے، یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے؛ کیونکہ صرف وہی ضرورت حرام کو حلال کرنے کا سبب بن سکے گی جو حلال طریقے سے پیدا ہوئی ہو؛ وگرنہ وہ ضرورت جو انسان کے سوءِ اختیار سے اور غیر شرعی اسباب سے پیدا ہوتی ہے وہ کسی بھی صورت میں حرام کو حلال نہیں کرسکے گی، احکام میں رخصت کا دارومدار نہیں ہوسکے گی اور کسی عذر کی کوئی صورت پیدا نہیں کرسکے گی۔ مثال کے طور پر: اگر کوئی آدمی اپنے سوءِ اختیار سے خود کو کسی حرام طریقے سے مدہوش بنا لے تو علمائے شریعت کی نظر میں اس کے تمام اعمال وتصرفات اس کے خلاف حجت ہوں گے یعنی اُسے معذور نہیں سمجھا جائے گا۔ اس حالت میں اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق ہو جائے گی اور اگر کسی جرم کا ارتکاب کرے گا تو سزا پائے گا۔

Marfat.com

لیکن اگر اس کے یہ تمام کام اس کے سوءِ اختیار سے نہیں ہوں گے تو نہ طلاق ہوگی اور نہ اُسے سزا ملے گی۔ اور یہ بھی کہ اگر کوئی شراب کا رسیا آدمی شراب کا اس قدر رسیا ہو جائے کہ وہ اس کی ضرورت بن جائے تو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیز چونکہ ضرورت بن گئی ہے اس لیے میرے لیے حلال ہے۔

اس چیز کو سامنے رکھیں اور یہ سمجھیں کہ اس دور میں بہت سے ایسے امور سامنے آگئے ہیں جو کہ لوگوں کے لیے ضرورت کا درجہ اختیار کر گئے ہیں اور لوگ عمومی طور پر اُن میں مبتلا ہو چکے ہیں اب اس طرح کے اُمور رخصت والے احکام کے لیے نہ تو حجت بن سکتے ہیں اور نہ ہی حرام کو حلال بنانے کا مدار بن سکیں گے۔۔ جبکہ اس دور کے اہلِ اجتہاد اِن ضرورات کو احکامِ شرعیہ کے لیے دارومدار بتاتے ہیں اس لیے ان کے اجتہادات زمینی ہیں، ہوا وہوس کے تابع اور مادی فلسفہ سے لت پت ہیں آسمانی نہیں ہیں اور کسی بھی طرح شرعی اجتہادات کہلانے کے حق دار نہیں ہیں: حالانکہ خالق ارض وسماء کے احکام میں تصرف اور اس کے بندوں کی عبادت میں مداخلت، اگر اس خالق کا معنوی اذن نہ ہو؛ وہ تصرف، وہ دخل اندازی مردود ہے۔ مثال کے طور پر:

کچھ غافل لوگ جمعہ کا خطبہ اور اس جیسے دیگر اسلامی شعائر کو عربی زبان کی بجائے ہر قوم کی مقامی زبان میں ادا کرنا پسند کرتے ہیں اور اس کے دو سبب بیان کرتے ہیں۔

پہلا سبب:

تاکہ عوام الناس بھی دورِ حاضر کی سیاسیات سے باخبر رہیں، حالانکہ اس سیاست میں اتنے جھوٹ، سازشیں اور مکر و فریب داخل ہو چکے ہیں کہ جن کہ وجہ سے یہ وسوسہءِ شیاطین کا حکم رکھتی ہے جبکہ منبر وحیٔ الٰہی کی تبلیغ کا مقام ہے، اس لیے وسوسہ ہائے سیاست کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے بلند مقام تک پہنچ سکیں۔

دوسرا سبب:

''خطبے کا مقصد بعض قرآنی سورتوں میں پائی جانے والی نصیحتوں کا سمجھنا ہے''۔

جی ہاں! ملتِ اسلامیہ اگر اسلام کی ضروریات ومسلمات اور اس کے معلوم احکامات کو ادا کرنے پر کمربستہ رہتی، اور اس کی اکثریت ان احکام کے لیے سراپا اطاعت ہوتی تو پھر ممکن تھا کہ خطبہ لوگوں کی مقامی زبان میں دیا جاتا اور اچھا سمجھا جاتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ قرآن کی کچھ سورتوں کے ترجمے کا جواز نکل آتا۔ اگر ترجمہ کرنا ممکن ہوتا تو!، اور یہ اس لیے کہ وہ شرعی نظریات، دقیق مسائل اور پوشیدہ نصیحتیں سمجھ جائیں۔ لیکن اب صورت حال یہ ہے کہ ہمارے اس دور میں جبکہ نماز، روزہ اور زکوۃ کی فرضیت اور قتل وزنا اور شراب کی حرمت جیسے اسلام کے قطعی احکام کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، عوام الناس کو اِن مسائل کے وجوب یا حُرمت کے درس وتدریس کی اتنی ضرورت نہیں جتنی کہ ان احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے اور انہیں

Marfat.com

اپنی زندگی میں لاگو کرنے کی ہے، یہ کام اُسی وقت ہو سکتا ہے جب انہیں ان احکام کی یاد دہانی کرائی جائے، انہیں عمل پر اُبھارا جائے ان کی کمر ہمت بندھائی جائے، ان کی رگوں میں غیرتِ اسلام کی رُوح دوڑائی جائے اور اُن میں شعورِ ایمان کی تحریک چلائی جائے تا کہ وہ اِن مقدس احکامات کی بجا آوری کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔

اب صورت حال یہ ہے کہ ایک عام مسلمان _ کتنا بھی جاہل کیوں نہ ہو_ قرآن کریم اور عربی خطبے کے معانی اجمالی طور پر سمجھتا ہے اور یہ بات سمجھتا ہے کہ خطیب ہمیں اُن ارکانِ ایمان اور اساسیاتِ اسلام کی یاد دہانی کرا رہا ہے جن کے بارے میں ہر کوئی سُدھ بدھ رکھتا ہے، چنانچہ اس کے دل میں ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ کاش ہمیں کوئی یہ بتا سکے کہ تمام کائنات میں کون سی ایسی تعبیر ہے جو عرش اعظم سے نازل ہونے والے اِس قرآن حکیم کے خوبصورت اعجاز کے مقابلے میں کھڑی ہو سکے۔ اور کون سا ایسا بیان ہے جو اس کی معجزانہ یاد دہانیوں اور شوق انگیزیوں سے بہتر ہو سکے؟۔

## چھٹی رُکاوٹ:

سلف صالحین میں سے مجتہدینِ عظام کا زمانہ چونکہ عصر صحابہ کے بہت قریب تھا، عصرِ صحابہ جو کہ عصرِ نور اور عصرِ حقیقت ہے۔ اس لیے اُن کے لیے نُور صافی کو حاصل کر لینا بہت آسان تھا اور اس بنا پر ان کے لیے خالص اجتہاد کرنا بھی بہت ممکن تھا۔ لیکن عصرِ حاضر کے مجتہدین کتابِ حقیقت کی طرف بہت دور سے اتنے دبیز پردوں کے پیچھے سے دیکھتے ہیں، کہ انہیں اس کتاب کا واضح ترین حرف بھی خاصی مشکل سے نظر آتا ہے۔

اگر آپ کہیں کہ: صحابہ کرام بھی تو انسان ہی تھے، اس لیے وہ غلطی اور اختلافِ رائے سے مبرا نہیں ہو سکتے! اور صورتِ حال یہ ہے کہ شرعی احکام کے تمام اجتہادات کا دائرہ صحابہ کے عدل اور صدق کے گرد گھومتا ہے، حتی کہ اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں اور سچ کہتے ہیں۔

**الجواب:** بے شک صحابہ کرام حق کے عاشق اور صداقت کے مشتاق تھے اور عدل و انصاف سے متصف تھے۔ اُن کے دور میں جُھوٹ کی خرابیاں اور بدصورتیاں بالکل اُبھر کر سامنے آ چکی تھیں، اسی طرح صدق و حقیقت کا حسن و جمال بھی اپنی تمام لطافتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو گیا تھا۔ اس طرح کہ صدق و کذب کے مابین عرش و فرش کا سا فاصلہ برپا ہو چکا تھا، اس فاصلے کا مشاہدہ اس طرح سے سامنے آتا ہے کہ ایک طرف مسیلمہ کذاب ہے جو اسفلُ سافلین کے درجے میں ہے، اور دوسری طرف رسول گرامی ﷺ ہیں جو کہ سچائی کے اعلیٰ علیین میں ہیں۔ جی ہاں، جس چیز نے مسیلمہ کو پستیوں کے عمیق گڑھے میں گرایا وہ ہے جھوٹ، اور جس چیز نے محمد ﷺ کو اعلیٰ علیین کی معراج پر پہنچایا وہ ہے سچائی اور حقیقت۔

اِس لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو کہ بلند احساسات کے مالک، محاسن اخلاق کے محب اور شمسِ نبوت کی

Marfat.com

صحبت کے نور سے منور تھے، بلا شک وشبہ قطعی طور پر اس بدصورت، ناپسند، ذلت کے موجب اور پستیوں میں گرا دینے والے جھوٹ سے بہت زیادہ بلند تھے جو مسیلمہ کذاب کی فریب کاریوں سے آراستہ دکان میں پایا جاتا تھا، اور وہ اس جھوٹ سے مجتنب رہتے تھے جو کہ کفر کا رفیق ہے اور وہ قطعی طور پر بقدرِ امکان_ اور خاص کر شرعی احکام کی تبلیغ و روایت میں_ حق و صداقت، اور فخر و مباہات کے دار و مدار، صعود و ترقی کی معراج اور فخرِ رسالت کے خزینہء عالیہ کے سب سے زیادہ رواج پذیر سرمائے کے دلدادہ، طالب اور عاشق تھے، یعنی وہ ذاتِ گرامی جس نے اپنے حسن و جمال کی تابناکیوں سے انسانی معاشروں کو جگمگا دیا ہے۔

لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ جھوٹ اور سچ کے درمیان پائی جانے والی مسافت اس زمانے میں بالکل سمٹ گئی ہے، اتنی زیادہ کہ یہ دونوں شانہ بشانہ کھڑے ہیں جس کی وجہ سے سچ سے چل کر جھوٹ تک پہنچنا بالکل آسان ہو چکا ہے، بلکہ یہاں تک کہ سیاسی پروپگنڈے کے ذریعے جھوٹ کو سچ پر ترجیح بھی دے دی جاتی ہے۔

بات یہ ہے کہ جب بدصورت ترین چیزیں خوبصورت ترین چیزوں کے ساتھ ایک ہی دوکان میں ایک ہی قیمت پر فروخت کی جارہی ہوں، تو اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ اس دوکان دار پر اور اس کی بات پر کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہے اور آنکھیں بند کر کے سچائی کا گراں قدر موتی اُس سے خریدا نہیں جاسکتا ہے۔

---

Marfat.com

# ﴿خاتمہ﴾

زمانوں کے حساب سے شریعتیں بدلتی رہتی ہیں، بلکہ یہ صحیح ہے کہ قوموں کے حساب سے ایک ہی زمانے میں مختلف انبیاء وشرائع آ جائیں، اور ایسا ہوا بھی ہے۔ لیکن خاتم الانبیاء کے بعد مختلف شرائع کی ضرورت نہ رہی؛ کیونکہ آپ کی شریعتِ کبریٰ ہر دور میں ہر قوم کے لیے کفایت کرتی ہے۔ البتہ یہ ہے کہ فروعات کے بارے میں کسی حد تک مختلف مذاہب کی ضرورت باقی ہے؟۔

جی ہاں! جس طرح موسموں کی تبدیلی سے ملبوسات اور مزاجوں کے حساب سے دوائیں بدل جاتی ہیں، اسی طرح زمانوں کے حساب سے شرائع اور قوموں کی استعداد کے حساب سے احکام بدل جاتے ہیں؛ کیونکہ شریعت کے فروعی احکام کی نظر بشری حالات پر رہتی ہے، چنانچہ اُن کا ورود اسی حساب سے ہوتا ہے اور وہ علاج کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ ایک اور چیز یہ ہے کہ سابقہ انبیاء کے زمانے میں بشری طبقات ایک دوسرے سے دور دور تھے، اور اُن کی طبیعتیں کسی حد تک سخت اور شدید تھیں، اور فکری اعتبار سے وہ بالکل ابتدائی درجے میں اور بدوی طرز حیات کے قریب تر تھے۔ بنا بریں شریعتیں اس دور میں اُن کے حالات کو دیکھتے ہوئے باہم دیگر مختلف آئیں، حتی کہ ایک ہی براعظم میں ایک ہی دور میں مختلف انبیاء وشرائع کا وجود ملتا ہے۔

پھر نبی آخر الزمان کی آمد کے ساتھ نہ تو مختلف شرائع کی ضرورت رہی اور نہ ہی مختلف معلموں کا وجود ضروری رہا؛ کیونکہ لوگ ابتدائی درجے سے ترقی کر کے اعدادی درجے تک پہنچ گئے تھے، اور اقوامِ بشریہ ایسی حالت تک پہنچ گئیں کہ ایک ہی درس حاصل کرتیں، ایک ہی معلم کی بات سنتیں اور ایک ہی شریعت پر عمل کرتیں اور یہ سب کچھ انقلابات اور قوموں کے باہم اختلاط کی وجہ سے ہوا، لیکن مذاہب متعدد ہو گئے کیونکہ لوگ ایک سطح پر نہ رہے اور اجتماعی زندگی کا ایک ہی جامہ نہ پہن سکے۔ اگر نوعِ انسانی کی مطلق اکثریت ہائی سکول کے طالب علموں کی طرح معاشرتی زندگی کا ایک ہی جامہ پہن لے اور ایک ہی سطح پر آ جائے تو تمام مذاہب ایک ہو جائیں، لیکن دنیا کے حالات ایسے ہیں کہ نوعِ انسانی اپنی معاشرتی زندگی میں ایک ہی سطح پر زندگی نہیں گزار سکتی اس لیے مذاہب کا متحد ہونا ممکن نہ رہا۔

اگر آپ یہ کہیں کہ: حق ایک ہی ہوتا ہے، تو پھر چار اور بارہ مذاہب کے مختلف احکام کا حق ہونا کیونکر ممکن ہے؟ حق کیسے ہو سکتے ہیں؟

الجواب: جیسا کہ ایک پانی مختلف مزاج کے پانچ مریضوں کے لیے پانچ مختلف احکام رکھتا ہے: ایک مریض کے لیے

Marfat.com

اس کے مزاج کے حساب سے دوا ہے اور طبی نقطہء نگاہ سے اس کے لیے پینا ضروری ہے، ایک کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس کی بیماری ہی کچھ اس طرح کی ہے، اس کے لیے طبی نقطہء نگاہ سے اس کا پینا حرام ہے۔ ایک مریض کے لیے نسبتاً کم نقصان دہ ہے، طبی نقطہء نگاہ سے اس کے لیے پینا مکروہ ہے ایک کے لیے نفع بخش ہے، نقصان دہ نہیں، طبی نقطہء نظر سے اس کے لیے پینا مسنون ہے اور ایک ایسا ہے کہ اس کے لیے نہ نقصان دہ ہے نہ فائدہ بخش، اس کے لیے طبی نقطہء نگاہ سے پینا مباح ہے، اسے بطیبِ خاطر پیتے رہنا چاہیے۔ اب دیکھیں یہاں حق متعدد ہو گیا ہے، اور اس کی یہ پانچوں قسمیں حق ہیں۔ اب کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پانی تو صرف علاج ہی ہے، یا یہ کہ پانی پینا تو صرف واجب ہے، اس کا اور کوئی حکم نہیں؟

اور اس طرح احکامِ الٰہیہ حکمتِ الٰہیہ کی رہنمائی میں مذاہب کے پیروکاروں کے حساب سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں، ان کا بدلنا مبنی بر حق ہوتا ہے، اور ایسے میں تبدیلی سے گزرنے والا ہر حکم حق اور مصلحت ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر: امام شافعی رحمہ اللہ کے اکثر پیروکار حکمتِ الٰہیہ کی بنا پر احناف کی بہ نسبت دیہاتی اور بدوی طرزِ حیات کے زیادہ قریب ہیں، اور معاشرتی زندگی کو۔ جو کہ جماعتی زندگی کو جسدِ واحد کی طرح بنا دیتی ہے، بروئے کار لانے سے قاصر ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ امام کے پیچھے انفرادی طور پر اپنی اپنی سورت فاتحہ پڑھتے ہیں، اپنی اپنی خصوصی حاجات قاضی الحاجات کے دربار میں ہر شخص ذاتی طور پر خود پیش کرتا ہے، اور یہ چیز عین حق اور خالص حکمت ہے۔

اور امام اعظم کے اکثر پیروکار تہذیب و تمدن والے طرزِ حیات کے زیادہ قریب اور اس بنا پر اجتماعی زندگی کے لیے زیادہ مستعد ہیں، اور اسی وجہ سے کہ اکثر اسلامی حکومتیں اس مذہب کی پیروکار ہیں: اس بنا پر نماز کی جماعت شخصِ واحد کا حکم لے لیتی ہے اور ایک آدمی سب کا نمائندہ بن جاتا ہے اور سب لوگ اس کی دل سے تصدیق کرتے ہیں اور دل سے اس کے ساتھ وابستہ ہیں، اس بنا پر اس کی بات سب کی بات ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ حنفی مذہب کی رُو سے امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اور یہ چیز عین حق اور خالص حکمت ہے۔

اور اِسی طرح مثال کے طور پر: شریعت کچھ رکاوٹیں کھڑی کرتی ہے تاکہ انسانی طبائع اعتدال میں رہیں اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کریں، اور یوں وہ نفسِ امارہ کو ادب سکھاتی اور اس کی تربیت کرتی ہے۔ اب اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور قلیل نجاست نقصان دہ ہے اور یہ حکم امام شافعی کے مذہب کے مطابق ہے جس کے اکثر پیروکار دیہاتی اور نیم بدوی اور کام کاج والے ہیں لیکن حنفی مذہب کے مطابق کہ جس کی اکثریت اجتماعی اور نیم شہری زندگی بسر کرتی ہے، عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اور بقدرِ درہم نجاست نقصان دہ نہیں ہے۔

اس بات کو ذہن میں رکھیں اور نگاہوں میں اُس گورنمنٹ ملازم کو رکھیں جو کسی گاؤں میں تعینات ہو۔ اب یہ ملازم بدوِ

Marfat.com

یا نہ زندگی کے زیر اثر اجنبی عورتوں کے ساتھ میل جول رکھنے، اُن کے ہمراہ ایک چولہے پر بیٹھنے اور کئی آلودہ جگہوں میں جانے پر مجبور ہوگا۔ ایسے حالات میں اُس کا نفسِ امارہ میدان خالی پاتا ہے اور اپنے اس پیشے سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر حد سے تجاوز کر سکتا ہے، تب شریعت اُس کے معنوی کانوں میں با آواز بلند گونجتی ہے اور اسے اس تجاوز سے باز رکھنے کے لیے کہتی ہے: اسے مت چھونا! کیونکہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اور اس سے تمہاری نماز باطل ہو جائے گی۔

لیکن یہی شہری ملازم اگر عفت مآب ہو، تو وہ اپنی معاشرتی عادات اور عمومی اخلاق کی بنا پر اجنبی عورتوں کو چھونے سے گریز کرتا ہے، اور اسی طرح وہ تہذیبی صفائی ستھرائی کے نام پر آلودہ اشیاء سے بھی کنارہ کش رہتا ہے، اب اس آدمی پر شریعت سختی نہیں کرتی، بلکہ حنفی مذہب کی صورت میں اس کے لیے عزیمت کے بجائے رخصت کا سامان مہیا کرتی ہے اور اُسے کہتی ہے: اگر تیرا ہاتھ کسی عورت کو چھو جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، اور اگر حیاداری کے زیر اثر تو اژدحام میں پانی کے ساتھ استنجا نہ کر سکے تو کوئی حرج نہیں، چنانچہ بقدر درہم نجاست سے درگزری کی گنجائش موجود ہے، اور یوں شریعت اُسے وسوسے سے نجات دے دے گی۔

سمندر سے ہم نے بطور مثال یہ دو قطرے پیش کیے ہیں، بقیہ تمام مسائل آپ ان دونوں پر قیاس کر سکتے ہیں۔ اگر آپ ''شعرانی'' کی میزان کے ذریعے اس طریقے سے میزان ہائے شریعت میں موازنہ کر سکتے ہیں تو ضرور کریں۔

سُبْحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلَّامَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مَنْ تَمَثَّلَ فِيهِ اَنْوَارُ مَحَبَّتِكَ لِجَمَالِ صِفَاتِكَ وَأَسْمَائِكَ بِكَوْنِهٖ مِرْآةً جَامِعَةً لِتَجَلِّيَاتِ أَسْمَائِكَ الْحُسْنٰى، وَمَنْ تَمَرْكَزَ فِيهِ شَعَاعَاتُ مُحَبَّتِكَ لِصُنْعَتِكَ فِي مَصْنُوعَاتِكَ بِكَوْنِهٖ أَكْمَلَ وَأَبْدَعَ مَصْنُوعَاتِكَ وَصَيْرُوْرَتِهٖ اُنْمُوْذُجَ كَمَالَاتِ صُنْعَتِكَ، وَفِهْرِسْتَ مَحَاسِنِ نُقُوْشِكَ وَمَنْ تَظَاهَرَ فِيهِ لَطَائِفُ مَحَبَّتِكَ وَرَغْبَتِكَ لِاِسْتِحْسَانِ صُنْعَتِكَ بِكَوْنِهٖ أَعْلٰى دَلَّالٍ لِي مَحَاسِنِ صُنْعَتِكَ، وَاَرْفَعِ الْمُسْتَحْسِنِيْنَ صَوْتًا فِي اِعْلَانِ حُسْنِ نُقُوْشِكَ وَأَبْدَعُهُمْ نَعْتًالِكَمَالَاتِ صُنْعَتِكَ، وَمَنْ تَجَمَّعَ فِيهِ اَقْسَامُ مَحَبَّتِكَ وَاِسْتِحْسَانِكَ لِمَحَاسِنِ أَخْلَاقِ مَخْلُوْقَاتِكَ وَلَطَائِفِ اَوْصَافِ مَصْنُوْعَاتِكَ بِكَوْنِهٖ جَامِعًالِمَحَاسِنِ الْاَخْلَاقِ كَافَّةً بِاِحْسَانِكَ، وَلِلَطَائِفِ الْاَوْصَافِ قَاطِبَةً بِفَضْلِكَ ، وَمَنْ صَارَمِصْدَاقًا صَادِقًاوَمِقْيَاسًا فَائِقًالِجَمِيْعِ مَاذَكَرْتَ فِي فُرْقَانِكَ أَنَّكَ تُحِبُّهُمْ، مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ وَالصَّابِرِيْنَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُتَّقِيْنَ وَالتَّوَّابِيْنَ وَالْاَوَّابِيْنَ، وَجَمِيْعِ الْاَصْنَافِ الَّذِيْنَ اَحْبَبْتَهُمْ وَشَرَّفْتَهُمْ بِمَحَبَّتِكَ فِي فُرْقَانِكَ، حَتّٰى صَارَ أَمَامَ الْحَبِيْبِيْنَ لَكَ، وَسَيِّدُ الْمَحْبُوْبِيْنَ لَكَ ، وَرَئِيْسُ اَوْدَّائِكَ. وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَ اِخْوَانِهٖ أَجْمَعِيْنَ، آمِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

Marfat.com

# ستائیسویں مقالے کی ذیلی بحث

## صحابہ کرامؓ کے بارے میں۔

میں ویسے ہی کہتا ہوں جیسے کہ مولانا جامی نے کہا ہے:

یارسول اللہ چہ باشد چوں سگِ اصحابِ کہف
داخلِ جنت شوم در زمرۂ اصحابِ تو
اُو در جنت و من در جہنم کی رواست
اُو سگِ اَصحابِ کہف و من سگِ اَصحابِ تو (حاشیہ:۱)

☆ ☆ ☆

(حاشیہ:۱) اللہ کے رسول! میں بھی اگر اصحابِ کہف کے کتے کی طرح آپ کے صحابہ کے گروہ کی ہمراہی میں جنت میں داخل ہو جاؤں تو کیا ہو جائے گا! یہ چیز کیونکر جائز ہوگی کہ وہ اصحابِ کہف کا کتا ہو کر جنت میں چلا جائے اور میں آپ کے صحابہ کا کتا ہو کر جہنم میں چلا جاؤں! مترجم

Marfat.com

باسمہ سبحانہ

﴿وَاِنۡ مِنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ﴾

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ ۔الی آخرالآیۃ۔﴾(حاشیہ:۱)

تم لوگ یہ پوچھتے ہو کہ بعض روایات میں یہ چیز پائی جاتی ہے کہ:

وہ دور جس میں بدعات رواج پذیر ہوں گی اُس میں ایمان اور تقوی سے مزین کچھ صلحاء صحابہ کے درجے میں یا اس سے بڑھ کر ہوں گے، کیا یہ روایات صحیح ہیں؟ اگر صحیح ہیں تو ان کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

الجواب: اہلُ السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ انبیاء کے بعد نوعِ انسانی کی بہترین قسم ہیں، اور یہ بات حجتِ قاطعہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ اس بارے میں وارد ہونے والی صحیح روایات جزوی فضیلت کے بارے میں ہیں؛ کیونکہ جزوی فضیلت اور خصوصی کمال میں مرجوح کا پلڑا اراجح پر بھاری ہو جاتا ہے، وگرنہ صحابہ کرام جو کہ تورات، انجیل اور قرآن کی مدح وثنا اور سورۃُ الفتح کے آخر میں ربانی مدح سرائیوں کے مظہر ہیں، کلی فضیلت میں ان کے درجے تک نہیں پہنچا جا سکتا ہے۔

اس حقیقت میں جو حکمتیں پائی جاتی ہیں، اور ان حکمتوں کے پیچھے جو بہت سے اسباب کارفرما ہیں، ہم یہاں ان میں سے تین حکمتوں پر اُن کے تین اسباب کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں:

## پہلی حکمت:

بے شک صحبت نبوی ایک ایسی اکسیر ہے جس سے ایک شخص سیر وسلوک کے کئی سالوں کے مقابلے میں صرف ایک منٹ میں اس اکسیر کا یعنی انوارِ حقیقت کا مظہر بن جاتا ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ صحبت میں انصباغ اور انعکاس کی تاثیر ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک شخص نبوت کے اس نورِ اعظم کی ہمراہی میں اتباع وانعکاس کے ساتھ بلند ترین مراتب تک پہنچ سکتا ہے، بالکل ایسے جیسے کسی بادشاہ کا غلام اس کی اتباع کر کے ایسے بلند مقامات تک پہنچ سکتا ہے جہاں کوئی دوسرا بادشاہ نہیں پہنچ سکتا۔

یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے بڑے سے بڑا صالح ولی بھی کسی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا ہے، حتی کہ وہ اولیاء بھی جنہوں نے بیداری میں کئی بار رسول گرامی ﷺ کی ہم نشینی کا شرف حاصل کیا۔ جیسے کہ مثال کے طور پر جلال الدین سیوطی ہیں۔ اور اِسی دنیا میں رہتے ہوئے آپ ﷺ کی ملاقات کا شرف حاصل کیا، وہ بھی صحابہ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے؛ کیونکہ

---

(۱) سورہ فتح:29

Marfat.com

صحابہ کرام کی صحبت نُورِ نبوتِ محمدی کے ساتھ تھی، مطلب یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں، لیکن جہاں تک اولیائے صالحین کا تعلق ہے تو اُنہیں جب صحبت یا ہم نشینی کا شرف حاصل ہوتا ہے تو وہ آپ ﷺ کی وفات یعنی انقطاعِ وحی کے بعد ہوتا ہے۔ گویا کہ اس صحبت کا تعلق نورِ ولایتِ محمدی کے ساتھ ہے پس رسول گرامی ﷺ کا اولیائے کرام کے سامنے ظہور فرمانا اور انہیں نظر آنا ولایتِ محمدیہ کی حیثیت سے ہے نہ کہ نبوت کے اعتبار سے۔ حقیقت جب یہ ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ ان دونوں قسموں کی صحبتوں کے درمیان فرق ہو، اُتنا فرق جتنا کہ نبوت اور ولایت کے مابین درجے کی بلندی کا ہے۔

اور یہ بات کہ صحبتِ نبویہ ایک انتہائی پُر تاثیر نورانی اکسیر ہے، ہم اس طرح سمجھ سکتے ہیں:

ایک غلیظ القلب بدّو جو کہ اپنے وحشی پن سے مغلوب ہو کر اپنی بیٹی کو زندہ در گور کر دیتا ہے، آتا ہے اور ایک گھڑی کے لیے صحبت نبوی سے فیض یاب ہوتا ہے۔ اب وہی آدمی اتنی شفقت، مہربانی اور رقتِ قلبی حاصل کر لیتا ہے کہ ایک چیونٹی تک کو پاؤں تلے روندنے سے ڈرتا ہے۔

ایک جاہل اور تہذیب و تمدن سے نا آشنا آتا ہے، ایک دن کے لیے آپ ﷺ کی مجلس میں حاضری دیتا ہے اور پھر چین اور ہندوستان جیسے ممالک میں چلا جاتا ہے اور مہذب و متمدن قوموں کے لیے معلمُ الحقائق اور مرشدُ الکمالات بن جاتا ہے۔

### دُوسرا سبب:

صحابہ کرام مطلق اکثریت کے اعتبار سے انسانی کمالات کے اعلیٰ درجے پر ہیں، جیسے کہ ستائیسویں مقالے میں اجتہاد کی بحث میں ثابت کیا گیا ہے؛ کیونکہ خیر و حق اپنے تمام تر حسن و جمال کے ساتھ اور شر و باطل اپنی تمام قباحتوں کے ساتھ اس دور میں واضح طور پر نظر آ رہا تھا اور اس کے آثار مادی طور پر محسوس کیے جا رہے تھے، اور خیر و شر اور صدق و کذب کے درمیان ایسا فاصلہ سامنے آ گیا تھا جو کہ کفر و ایمان بلکہ جنت و دوزخ کے درمیان ہے۔

اس لیے صحابہ کرام جو کہ بلند احساسات کے مالک، محاسنِ اخلاق کے دلدادہ اور فطری طور پر عزت و وقار کی طرف جھکاؤ رکھنے والے تھے، بلاشبہ اُنہوں نے جان بوجھ کر کذب و شر کو کبھی اختیار نہ کیا، اور مسیلمہ کذاب جیسے جھوٹے فریبی اور شریر آدمی کی باطل، بیہودہ اور واہیات باتوں کی طرف کبھی دھیان نہ دیا؛ کیونکہ مسیلمہ کذاب اور اس کی باتیں، دونوں ہی کذب و شر اور باطل کے دلال اور نمونہ تھے۔ اور یہ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فطری صلاحیتوں کا تقاضا یہی تھا کہ ان کی نظریں محبوبِ خدا ﷺ کے کمالات کے بلند ترین مقام و مرتبے پر لگی رہیں، وہ محبوبِ خدا جو کہ صدق و خیر و حق جیسے اخلاقِ عالیہ کے رہنما اور ان کا عملی نمونہ ہیں۔ اور وہ اپنی تمام تر ہمت اور قوت کے ساتھ اس راستے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں مگن رہیں۔

Marfat.com

مثال کے طور پر: انسانی تہذیب وتمدن کے بازار اور معاشرتی زندگی کی دکان میں کبھی کبھار ایسی چیزیں آجاتی ہیں جن سے معاشرے کے حق میں وہی بدصورت اور خوفناک نتائج واثرات سامنے آتے ہیں جو کہ زہر قاتل کے ہوتے ہیں، ایسے میں ہر سلیمُ الفطرت انسان اُن سے شدید نفرت کرتا اور دور بھاگتا ہے، چہ جائیکہ انہیں خریدنے کے لیے آمادہ ہو۔ اسی طرح اس بازار کی رونق کچھ ایسی معنوی اشیاء بن جاتی ہیں جو قلب ونظر کے لیے وجہ جاذبیت اور پُرکشش بن جاتی ہیں اور جن کے معاشرے میں بڑے خوبصورت نتائج واثرات مرتب ہوتے ہیں، جیسے جواہرات اور تریاق جیسی دوائیں، جنہیں ہر سلیم الفطرت انسان بقدرِ امکان خریدنے کی کوشش کرتا ہے۔

اسی طرح نبوت کے پُرسعادت دور اور علی الاطلاق خیرُ القرون میں معاشرتی زندگی کے بازار میں بہت سا سامان پیش کیا گیا۔ اب یہ بات بالکل بدیہی تھی کہ صحابہ کرامؓ اپنی صاف فطرتوں اور بلند طبیعتوں کی وجہ سے صدق وخیر وحق کی طرف دوڑتے، اور یہ بات بھی بدیہی تھی کہ وہ کذب وشر اور کفر سے نفرت کرتے اور اس سے مجتنب رہتے کیونکہ اِن کے ابدی شقاوت اور مسیلمہ کذاب جیسے پست مسخروں جیسے نتائج سامنے آئے تھے، اور صدق وحق وایمان جن کے ابدی سعادت رسول کریم ﷺ جیسے نورانی ثمرات ظاہر ہوئے تھے صحابہ کرام نے ان اخلاق وصفات کو مفیدترین تریاق اور قیمتی ترین الماس کی حیثیت سے اپنی پوری صلاحیتیں صرف کر کے خرید لیا تھا۔ لیکن معاملات مرورِ زمان کے ساتھ ساتھ تدریجاً تبدیل ہو گئے اور صدق وکذب کے درمیان والا فاصلہ دھیرے دھیرے سمٹتا گیا، حتی کہ عصرِ حاضر تک آتے آتے یہ فاصلہ اتنا کم رہ گیا کہ ایک ہی دوکان میں برابر کی سطح پر بکنے لگے، چنانچہ اجتماعی اخلاق میں فساد آ گیا، اور سیاسی پروپگنڈے نے جھوٹ کو بہت زیادہ رواج دے دیا جس سے خوفناک جھوٹ کی قباحت پسِ پردہ چلی گئی اور سچائی کا تابناک حسن وجمال بھی آنکھوں سے اوجھل ہونا شروع ہو گیا۔

تو کیا اب اس طرح کے حالات میں کوئی بھی آدمی خاص کر عدل وصداقت، بلند کرداری اور حقیقت پسندی کے باب میں صحابہ کرام کی قوت ومتانت اور ان کے تقوی کے مرتبے تک پہنچ سکتا ہے؟ یا اُن کے درجات سے آگے بڑھ سکتا ہے؟۔

میں یہاں خود پر وارد ہونے والی ایک حالت بیان کرتا ہوں جو اس مسئلے کی کسی حد تک وضاحت کرتی ہے:

ایک مرتبہ میرے دل میں اچانک یہ سوال پیدا ہوا کہ: محی الدین ابن عربیؒ جیسی خارقِ عادت شخصیت بھی صحابہ کرام کے مرتبے تک کیوں نہیں پہنچ سکتی ہے؟۔ پھر ایک دن میں سجدے میں (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى) کہہ رہا تھا کہ مجھ پر اس جملے کا معنی کھلا، میں یہ نہیں کہتا کہ تمام معنی واضح ہو گیا بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اِس کی حقیقت کچھ نہ کچھ منکشف ہو گئی۔ تو میں نے اپنے دل سے کہا: کاش مجھے ایسی نماز پڑھنے کی توفیق مل جائے جس سے اُس کے تمام معانی کا انکشاف ہو جائے جیسے کہ اس ایک جملے کا ہوا ہے، کہ وہ ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے پھر نماز کے بعد میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ دل میں وارد ہونے

Marfat.com

والی یہ حالت دراصل میرے سوال کا جواب اور اس بات کی رہنمائی تھی کہ عبادت میں صحابہ کرام کے درجات کو نہیں پایا جاسکتا ہے۔

جی ہاں، وہ عظیم الشان اجتماعی تغیر اور معاشرتی تبدیلی جو قرآن حکیم نے اپنے تابندہ انوار سے اُس ہیجان خیز دور میں برپا کی، اُس میں تمام متضاد اشیاء ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا جدا ہوگئیں، چنانچہ برائیاں اپنے تمام توابع وظلمات و فروعات سمیت ایک جانب تھیں اور اچھائیاں اپنے تمام کمالات وانوار ونتائج سمیت اُن کے بالمقابل دوسری جانب، اُن حالات میں ہر ذکر وتسبیح نے تمام طبقات کو اپنا معنی پُرمغز، تروتازہ اور بھرپور انداز میں دیا، اور اس عظیم انقلاب کے جھنڈے کے نیچے آنے والوں نے لوگوں کے تمام تر احساسات اور معنوی لطائف کو اس حد تک بیدار کر دیا کہ وہم، خیال اور سِرّ جیسے حواس بھی ان اذکار وتسبیحات میں متعدد معانی پالیتے ہیں، اور ان معانی کو بیدار اور ہوشیار رہتے ہوئے اپنے اپنے ذوق کے حساب سے چُوس لیتے ہیں۔ پس اس حکمت کی بنیاد پر صحابہ کرام جو کہ بیدار مشاعر اور ہوشیار لطائف کے مالک تھے جب ایمان وتسبیح کے انوار سے بھرپور ان مبارک کلمات کا ذکر کرتے تھے تو ان کے تمام معانی کا شعور رکھتے ہوئے کرتے تھے اور ان سے اپنا حصہ اپنے تمام لطائف سمیت حاصل کرتے تھے۔

لیکن اب مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ حالات وہ نہ رہے جو اس دورِ انقلاب میں تھے، چنانچہ لطائف نیند میں چلے گئے اور حواس نے غفلت میں ڈوب کر حقائق سے منہ موڑ لیا، جس کے نتیجے میں ان مبارک کلمات نے مانوسیت کے حجاب کی وجہ سے پھلوں کی طرح دھیرے دھیرے اپنی لطافت اور تروتازگی کھودی حتی کہ اس حالت تک پہنچ گئے کہ گویا سطحیت کی ہوا سے خشک ہوئے جاتے ہیں اور ان میں تروتازگی کی تھوڑی سی رمق باقی رہ گئی ہے۔ اب انہیں ان کی پہلی حالت کی طرف صرف گہرے اور مضبوط غور وفکر کی کاروائی سے ہی لوٹایا جاسکتا ہے۔ پس یہیں سے پتا چلتا ہے کہ ایک صحابی نے جو مقام صرف چالیس منٹ میں حاصل کرلیا ہے وہ مقام غیر صحابی چالیس دن بلکہ چالیس سال میں بھی حاصل نہ کرسکے گا۔

## تیسرا سبب:

ہم نے بارہویں، چوبیسویں اور پچیسویں مقالے میں یہ بات ثابت کی ہے کہ نبوت اور ولایت کے مابین پائی جانے والی نسبت کی مثال ایسے ہی ہے جیسے اصلی سورج اور آئینوں میں نظر آنے والی اس کی مثالی صورتیں۔ چنانچہ نبوت کا دائرہ ولایت کے دائرے سے جتنا اعلی ہے اُتنی ہی نبوت کے اس دائرے کے خُدام اور اس سورج کے ستاروں یعنی صحابہ کرامؓ کی صلحائے اُمت پر فوقیت اور برتری لازم آتی ہے۔ صلحائے اُمت جو کہ دائرۂ ولایت میں ہیں، حتی کہ نبوت وصدیقیت کی وراثت جسے ولایت کبریٰ کہا جاتا ہے۔ اور یہ ولایتِ صحابہ ہے۔ یہ ولایت اگر کوئی ولی حاصل کر لیتا ہے، تو بھی وہ ان صحابہ کا مقام حاصل نہیں کرسکتا ہے جو کہ صفِ اوّل میں کھڑے ہیں۔ اس تیسرے سبب کے متعدد پہلو ہیں۔ ہم ان میں

Marfat.com

سے تین کی وضاحت کریں گے۔

پہلا پہلو: اجتہاد یعنی استنباطِ احکام، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام سے اُس کی رضامندیوں کو سمجھنے میں صحابہ کرامؓ کے درجے کو نہیں پہنچا جاسکتا؛ اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عظیم الشان الٰہی انقلاب جو اُس دور میں برپا ہوا تھا اُس کا دارومدار فقط احکامِ الٰہیہ اور مرضیاتِ ربانیہ کو سمجھنا تھا، تمام اذہان استنباطِ احکام کی طرف متوجہ تھے، تمام دل اس چیز کے اہتمام میں مصروف تھے کہ ہمارا پروردگار ہم سے کیا چاہتا ہے؛ اور زمانے کے حالات اس ڈگر پر چل رہے تھے کہ جس سے اس حالت کا شعور ہو سکے اور اس کی بُو باس سونگھی جا سکے، اور ہر گفتگو اور بات چیت انہیں مطالب ومعانی پر مشتمل ہوتی تھی۔ چونکہ ماحول کچھ اس طرح کا تھا کہ تمام گفتگوئیں، مجالس، حکایات اور واقعات اس طریق پر چلتے تھے کہ جس سے کسی نہ کسی حد تک ان معانی تک پہنچنے کی رہنمائی مل سکے، انہوں نے صحابہ کی استعداد ہر طرف سے مکمل کر دی اور ان کے افکار منور کر دیے۔ ان کی استعداد اجتہاد واستنباط کے باب میں دیا سلائی کا درجہ اختیار کر گئی تھی جو کہ تھوڑا سا رگڑنے سے آگ پکڑ جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اجتہاد واستنباط کا جو مرتبہ ایک صحابی نے ایک دن یا ایک مہینے میں حاصل کیا ہے وہ کوئی بھی انسان اس دور میں دس سالوں میں بلکہ سو سال میں بھی حاصل نہیں کر سکتا ہے اگرچہ وہ ذہانت اور استعداد میں صحابہ کے پائے کا ہو؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ فکر ونظر کا دارومدار اس دور میں ابدی سعادت کی بجائے دنیاوی سعادت ہے، اور انسان کی باریک بینی والی نظر دیگر مقاصد کی طرف متوجہ ہو چکی ہے، اور روزگار کی پریشانیاں عدم توکل کی وجہ سے روح کو غم کے بوجھ تلے دبائے جا رہی ہیں اور طبعی اور مادی فلسفہ عقل کو اندھا کیے جا رہا ہے اس لیے عصرِ حاضر کا انسانی معاشرہ ایسے شخص کے ذہن واستعداد کو خاص کر اجتہاد کی قوت مہیا نہیں کر سکتا بلکہ اُسے مزید آشفتہ و پراگندہ کر سکتا ہے۔

ہم نے ستائیسویں مقالے میں اجتہاد کی بحث میں سفیان بن عیینہ اور ایک عام آدمی کے مابین ذہانت کا موازنہ کر کے یہ بات ثابت کی ہے کہ جو چیز سفیان نے دس سال میں حاصل کر لی تھی وہ کوئی دوسرا آدمی سو سال میں بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔

دوسرا پہلو: ولایت کے قدموں پر چل کر صحابہ کرامؓ کو جو قربتِ الٰہیہ کا درجہ حاصل ہے، اُس درجے میں ولایت کے قدموں پر چل کر صحابہ کرامؓ کے ساتھ نہیں ملا جا سکتا ہے؛ کیونکہ حق تعالیٰ تو ہمارے ہر چیز سے زیادہ قریب ہے، لیکن ہم اس سے بہت زیادہ دُور ہیں اور اس کی قربت حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: اَقربیت کے انکشاف کے ذریعے۔ پس نبوت میں جو قربِ الٰہی پایا جاتا ہے اس کا تعلق اسی انکشاف کے ساتھ ہے، اور صحابہ کرامؓ چونکہ نبوت اور صحبت نبوت کے وارث ہیں، اس لیے وہ اِس راز کا مظہر ہیں۔

دوسری صورت: ہمارے بارگاہ الٰہی سے دور ہونے کی حیثیت سے۔ اب کسی بھی درجے میں اس کے قرب کا شرف قطع

Marfat.com

مراتب کے ذریعے ہی پایا جا سکتا ہے، اور ولایت کے میدان میں سیر و سلوک اسی حساب سے ہوتا ہے برابر ہے کہ وہ سیر انفسی ہو یا آفاقی۔

پس پہلی صورت یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بندے سے اقربیت کا انکشاف، یہ خالص وہبی ہے کسبی نہیں اور رحمانی جذب وانجذاب اور محبوبیت ہے اور یہ راستہ ہے تو مختصر لیکن ہے بڑا مضبوط، بہت بلند انتہائی خالص اور بناوٹ سے پاک۔ اور دوسری صورت کسبی ہے، اور یہ راستہ طویل ہے اور سایہ دار، اور اس راستے کے عجائب و خوارق اگرچہ بہت سے ہیں لیکن یہ قیمت اور قربیت کے لحاظ سے پہلی صورت کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔

مثال کے طور پر: آج کے دن میں رہتے ہوئے گزرے ہوئے کل کا ادراک کرنے کے دو راستے ہیں:

پہلا راستہ: انسان قدسی قوت کے ذریعے زمانے کی رفتار سے اوپر اٹھ جائے اور گزرتے ہوئے کل کا آج کے دن کی طرح مشاہدہ کر لے۔

دوسرا راستہ: یہ کہ گھومتا پھرتا، چلتا چلاتا مراتب کا یہ فاصلہ ایک سال میں طے کرے اور گزرے ہوئے کل تک پہنچ جائے، لیکن اس کے باوجود وہ اسے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ کر نہیں رکھے گا چنانچہ وہ اُسے چھوڑ کر اپنی راہ لے گا۔ اسی طرح ظاہر سے گزر کر حقیقت تک پہنچنے کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ وہ انجذابِ حقیقت کی براہِ راست پیروی کرے، اور یوں طریقت کے برزخ میں داخل ہوئے بغیر حقیقت کو عین ظاہر میں پالے۔

دوسری صورت: سیر و سلوک کی صورت میں بہت سے مراتب سے گزرنا۔ پس اہلِ ولایت اگرچہ فنائے نفس کی توفیق سے نواز دیے جاتے ہیں اور نفسِ امارہ کو مار ڈالتے ہیں لیکن پھر بھی صحابہ کرامؓ کے مرتبے کو نہیں پا سکتے؛ کیونکہ صحابہ کرامؓ کے نفوس پاک صاف تھے اس لیے اُنہوں نے نفس کے متعدد کل پرزوں کے ذریعے عبادت، شکر اور حمد کی بہت سے انواع و اقسام حاصل کر لی تھیں، جبکہ اولیاء کی عبادت فنائے نفس کے بعد سادہ اور معمولی سی رہ جاتی ہے۔

تیسرا پہلو: فضیلتِ اعمال وثواب اور فضیلتِ اُخروی کے پہلو سے بھی صحابہ کرامؓ کے درجے کا ادراک نہیں کیا جا سکتا ہے؛ کیونکہ جس طرح ایک سپاہی ایک اہم اور خوفناک موقع پر بعض شرائط کے تحت صرف ایک گھنٹے کی چوکیداری سے ایک سال کی عبادت کے برابر فضیلت حاصل کر لیتا ہے، اور اگر اسے گولی لگ جائے تو ایک ہی منٹ میں ولایت کا وہ درجہ پا لیتا ہے جو کم از کم بھی چالیس دنوں میں حاصل ہوتا ہے اسی طرح یہ بات سمجھو کہ صحابہ کرامؓ نے اسلام کے ستونوں کی بنیاد رکھنے، قرآنی احکام کی نشر و اشاعت اور اسلام کے لیے تمام دنیا کے ساتھ اعلانِ جنگ کے سلسلے میں جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ اتنی بلند ہیں کہ کوئی اور آدمی ایک سال میں ان کے ایک منٹ تک بھی نہیں پہنچ سکتا ہے حتیٰ کہ یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی

Marfat.com

ہے کہ: صحابہ کرامؓ کا اس مقدس خدمت کے سلسلے میں صَرف ہونے والا ہر منٹ اس شہید ہونے والے سپاہی کے منٹ کی طرح ہے، اور ان کا ہر گھنٹہ اس جان نثار سپاہی کے ایک گھنٹے جیسا ہے جو خطرناک ماحول میں پہرہ دیتا ہے۔ پس عمل قلیل ہے، اس کی اُجرت زیادہ ہے اور قیمت اونچی ہے۔

جی ہاں! بے شک صحابہ کرامؓ چونکہ قصرِ اسلام کی تاسیس میں اور قرآنی انوار کی نشر واشاعت کے سلسلے میں صف اول میں ہیں۔ اس لیے اُمت کی تمام نیکیوں میں سے اُن کا حصہ نکلتا رہے گا اور ان تک پہنچتا رہے گا؛ کیونکہ (اَلسَّبَبُ کَالْفَاعِلِ) میں یہی راز پایا جاتا ہے۔ اور ہر مسلمان کا (اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ) کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو تمام اُمت کی حسنات سے خصوصی حصہ ملتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ کسی بھی درخت کے جرثومے میں پائی جانے والی کوئی چھوٹی سی امتیازی خصوصیت درخت کی شاخوں میں آ کر اتنی بڑی شکل وصورت اختیار کر جاتی ہے کہ ایک بڑی شاخ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے اور یہ بھی کہ آغاز میں تھوڑی سی بلندی بتدریج انتہا میں بڑی بلندی بن جاتی ہے

اور یہ کہ مرکزی نقطہ کے قریب پائی جانے والی سوئی کے سرے جتنی معمولی سی زیادتی بھی دائرہ محیطہ میں جا کر ایک میٹر تک پہنچ جاتی ہے، اِسی طرح بعینہ ان چار مثالوں کی طرح صحابہ کرامؓ چونکہ اسلام کے نورانی درخت کی بنیادیں تھے، اسلام کی عمارت کے نورانی خطوط کا سرِ آغاز تھے اور اسلامی معاشرے کے امام اور شمسِ نبوت اور سراجِ حقیقت کے سب سے زیادہ قریب تھے، اس لیے ان کے تھوڑے سے اعمال بہت زیادہ تھے اور ان کی چھوٹی خدمات بھی بہت بڑی ہیں، اس لیے ان کی برابری کے لیے صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انسان اُن کی طرح کا صحابی ہو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ الَّذِیْ قَالَ: "أَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِأَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ، وَخَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ" وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمْ.

﴿سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَاعَلَّمْتَنَا اِنَّکَ أَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾

سوال: کہا جاتا ہے کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول کریم ﷺ کو آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لائے تھے، لیکن ہمارا معاملہ تو ایسا نہیں ہے، ہم نے تو آپ ﷺ کو بن دیکھے مانا ہے، پس اس سے پتا چلا کہ ہمارا ایمان اُن کے ایمان سے زیادہ قوی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ کچھ روایات ایسی ملتی ہیں جو ہماری قوتِ ایمانی پر دلالت کرتی ہیں۔

الجواب: صحابہ کرامؓ نے رسول کریم ﷺ کو صرف ظاہری انسانی صورت میں دیکھا، جبکہ دنیا کے عمومی اَفکار اس زمانے میں اسلامی حقائق کے معارض ومخالف تھے، چنانچہ وہ لوگ آپ ﷺ پر بسا اوقات بغیر کسی معجزے کے اس طرح کا مضبوط ایمان لائے کہ عمومی دنیا کے تمام افکار ان کے ایمان کو ہلا نہ سکے اور ان میں بعض کے دلوں میں شک وشبہ تو درکنار معمولی سا

Marfat.com

وسوسہ بھی نہ ڈال سکے۔لیکن تم لوگ اپنے ایمان کا موازنہ صحابہ کے ایمان کے ساتھ کرتے ہو، پھر عالمِ اسلام کے تمام عمومی افکار تمہارے ایمان کے لیے قوت اور سہارا بن چکے ہیں، پھر اس پر مزید یہ کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی وہ بشری اور جسمانی شخصیت نہیں دیکھی جو کہ نبوت کے شجرہ طوبیٰ کے بیج کی حیثیت رکھتی ہے، بلکہ تم اپنی عقل کی آنکھوں کے ساتھ آپ ﷺ کی وہ معنوی، پُر احتشام، اور انوارِ اسلام اور حقائقِ قرآن سے منوّر نورانی شخصیت دیکھ رہے ہو جس کے اردگرد ہزاروں معجزات جگمگا رہے ہیں، پھر بھی تمہارا یہ ایمان کسی یورپین مادی فلاسفر کی چند باتوں سے شبہات و وساوس کا شکار ہو جاتا ہے!۔اور دوسری طرف صحابہ کا ایمان ہے جو کہ تمام عالمِ کفر، نصاریٰ، یہود اور فلاسفہ کے ہجوم کے سامنے ذرّہ برابر بھی ڈگمگاتا نہیں، پھر اُن کا شدید تقویٰ اور کمالِ صلاح جو کہ ان کی قوتِ ایمانی پر دلالت کرتے ہیں اور جو کہ ان کے ایمان کے چند چھینٹے ہیں۔اب بتاؤ کہ تمہارے اور صحابہ کے ایمان کا مقابلہ ہی کیا ہے؟ ارے ایمان کے مدعی! تمہارا یہ کمزور سا ٹمٹماتا ہوا ایمان جو کہ شدتِ ضُعف کی وجہ سے صحیح طور پر فرائض کی ادائیگی بھی نہیں کرسکتا ہے، اس کے اور صحابہ کے ایمان کے درمیان کیا موازنہ ہوسکتا ہے؟۔

رہی وہ روایت جو کہ حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے اور جس کا مفہوم یہ ہے کہ آخری زمانے میں آنے والے وہ لوگ جو مجھ پر مجھے دیکھے بغیر ایمان لائیں گے وہ بہترین لوگ ہوں گے، تو وہ حدیث خصوصی فضیلت اور خصوصی اشخاص کے اردگرد گھومتی ہے، لیکن ہماری یہ بحث کلی فضیلت اور اکثریتی اعتبار سے ہے۔

**دُوسرا سوال:** کہتے ہیں کہ: اہلِ ولایت اور اصحابِ کمالات نے دنیا چھوڑ دی ہے، حتیٰ کہ حدیث میں آیا ہے کہ: حُبِ دُنیا ہر برائی کی جڑ ہے۔ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ صحابہ تو دنیا میں بہت زیادہ داخل ہوئے تھے، چنانچہ انہوں نے دنیا نہیں چھوڑی، بلکہ اس پر مزید یہ کہ ان میں سے کچھ لوگ تو اس دور کے متمدن لوگوں سے کہیں آگے بڑھ گئے تھے۔تو پھر آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں کہ: اِن صحابہ میں سے ادنیٰ سے ادنیٰ لوگوں کی قدر و قیمت بھی بڑے سے بڑے ولی سے بڑھ کر ہے؟۔

**الجواب:** بتیسویں مقالے کے دوسرے اور تیسرے موقف میں انتہائی قطعی درجے کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ: دنیا کا ایک چہرہ وہ ہے جو اسمائے الٰہیہ کے بالمقابل ہے، اور ایک وہ ہے جو آخرت کو دیکھتا ہے، ان دونوں چہروں کے ساتھ محبت رکھنا نقصان کا سبب نہیں بلکہ مدارِ کمال ہے، اور یہ کہ انسان یُوں یوں ان دو چہروں کی محبت میں آگے بڑھتا جائے گا اللہ کی عبادت اور معرفت میں ترقی کرتا جائے گا۔پس صحابہ کی دنیا ان دو چہروں میں تھی؛ کیونکہ انہوں نے دنیا کو اس نظر سے دیکھا کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے، اس لیے انہوں نے اسے بویا اور کاٹا، اور موجودات کا مشاہدہ اس نظریے سے کیا کہ اسمائے الٰہیہ کا آئینہ ہیں، اس لیے اُنہوں نے اس میں سیر و گردش کی اور اس کی طرف ذوق و شوق سے دیکھا۔رہی دُنیا کی فنا پذیری

Marfat.com

،تو وہ اُس کا تیسرا چہرہ ہے جو کہ فانی ہے اور جو کہ انسان کی خواہشات کی طرف دیکھتا ہے۔

تیسرا سوال: تصوف کے طُرق حقائق تک پہنچانے والے طُرق ہیں، اور نقشبندی طریقت جو کہ مشہور ترین ہے۔ اور دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ یہ سب سے اعلیٰ جادۂ کبریٰ اور شارع عام ہے۔ اس طریقے کے کسی پیشوا نے اس کی اساسیات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے:

در طریقِ نقشبندی لازم آمد چار ترک

ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ ہستی، ترکِ ترک

یعنی نقشبندی طریقت میں چار چیزوں کو ترک کرنا ضروری ہے: یہ کہ انسان دنیا کو مقصود بالذات نہ بنائے، آخرت کو نفس کے حساب سے چھوڑ دے اور اسے مقصودِ حقیقی نہ بنائے اور یہ اپنا وجود ترک کر دے، اور آخری بات یہ کہ اس بات کا تصور بھی ترک کر دے کہ میں نے یہ چیزیں چھوڑ دی ہیں، تاکہ عُجب یعنی خود پسندی اور فخر میں مبتلا نہ ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ: اللہ کی حقیقی معرفت اور حقیقی انسانی کمالات ماسوی اللہ کو ترک کر کے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔

الجواب: انسان اگر صرف قلب ہی کا نام ہوتا تو یہ لازم آتا کہ اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے اسے چھوڑ دے، حتی کہ اسماء و صفات بھی؛ اور اپنا دل صرف اللہ کی ذات کے ساتھ وابستہ رکھے۔ لیکن انسان کے پاس عقل، رُوح وسرّ اور نفس جیسے اور بھی بہت سے ذمہ دار لطائف وحواس ہیں۔ پس کامل انسان وہ ہے جو کہ ان تمام لطائف کو ان کی خصوصی عبودیت کے راستوں میں چلاتا ہوا حقیقت کی جانب لائے، چنانچہ دل ایسے چلے گا جیسے کہ ایک قائد اپنی فوج کے ساتھ چلتا ہے، تب یہ تمام لطائف ایک کارواں کی طرح وسیع میدان میں دِل کی قیادت میں اپنی حقیقی منزل یعنی عبودیت کو پانے کے لیے رواں دواں رہیں گے، جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے کیا۔

وگرنہ دل کا خود اپنے آپ کو بچانے کے لیے اپنے سپاہیوں کو چھوڑ دینا مدارِ افتخار نہیں بلکہ نتیجہ اضطرار ہے۔

چوتھا سوال: یہ دعویٰ کہ صحابہ کرامؓ دوسروں سے اُفضل ہیں اس کا سرچشمہ کیا ہے؟ اور یہ دعویٰ کرتا کون ہے؟ اور عصر حاضر میں اِس طرح کی بحث کا فائدہ کیا ہے؟ اور یہ دعویٰ سامنے کیوں آتا ہے کہ مجتہدین عظام برابر ہیں؟۔

الجواب: یہ مسئلہ کرنے والے لوگ دو طرح کے ہیں۔

پہلی قسم: یہ دین دار، اہلِ علم اور صافِ دل قسم کے لوگ ہیں، اِن لوگوں کے سامنے کچھ احادیث آئیں، جنہیں دیکھ کر وہ اس طرح کے مسائل چھیڑتے ہیں، اس سے غرض اُن کی یہ ہوتی ہے کہ اس دور میں اہلِ تقویٰ وصلاح میں اس طرح کے مسائل کا شوق پیدا ہو، اس لیے ان لوگوں کے بارے میں ہماری یہ گفتگو نہیں ہے۔ یہ لوگ تعداد میں کم ہیں اور فوراً خبردار ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

دوسری قسم: یہ بہت مغرور اور خود پسند قسم کے لوگ ہیں، یہ مجتہدینِ عظام کے مابین مساوات کا دعوی کر کے اپنی گمراہی کا پرچار کرنا چاہتے ہیں، بلکہ صحابہ کرامؓ کی برابری کا دعوی کر کے وہ اپنا الحاد جاری کرنا چاہتے ہیں، پس یہ گمراہ لوگ:

اوّلاً: سفاہت میں جا گرے اور پھر اُسی کے ہو رہے اس لیے وہ اُن شرعی تکالیف کو ادا نہیں کرتے ہیں جو سفاہت سے روکتی ہیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں: یہ مسائل اجتہادی ہیں اور ان کے بارے میں مذاہب کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہ کہ وہ لوگ بھی ہمارے جیسے آدمی تھے، انہوں نے اجتہاد کیا تو ہم بھی کر سکتے ہیں، اور اگر ہم سے غلطی ہو سکتی ہے تو ان سے بھی ہو سکتی ہے، اس لیے ہم اپنی عبادت جیسے چاہیں ادا کرتے ہیں، ہمیں ان کی اتباع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔ اس طرح وہ اپنے لیے کوئی وجہِ جواز ڈھونڈتے ہیں پس یہ وہ بدبخت لوگ ہیں، اس شیطانی سازش کے ذریعے مذاہب کے اس سلسلے سے اپنی جان چھڑوانا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے اس دعوے میں کیا فساد پنہاں ہے، اس کی وضاحت ستائیسویں مقالے میں قطعی طریقے سے کر دی گئی ہے اور وہاں بتا دیا گیا ہے کہ یہ دعوی کتنا کھوکھلا ہے۔

ثانیاً: ان اہلِ ضلالت کو یہ چیز نظر آ گئی ہے کہ صرف مجتہدین تک محدود رہنے سے اُن کی اس سازش کے سلسلے کی کڑیاں پوری نہیں ہوتی ہیں، کیونکہ مجتہدین نے تو اپنے کندھوں پر جو بوجھ اٹھایا ہوا ہے وہ فقط دینی نظریات کا ہے، اور یہ گمراہ لوگ دینی ضروریات سے دامن چھڑانا چاہتے اور انہیں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ پس جب وہ یہ کہتے ہیں کہ: ہم مجتہدین سے افضل ہیں تو ان کا مسئلہ ختم نہیں ہو جاتا ہے؛ کیونکہ مجتہدین کا عمل دخل صرف نظری اور غیر قطعی فروعی مسائل میں ہے، اور یہ لامذہب اہلِ ضلالت اپنے افکار کی آمیزش دین کی ضروریات میں کرنا چاہتے ہیں، غیر متبدل مسائل کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور اسلام کے قطعی ارکان کے ساتھ معارضہ چاہتے ہیں۔ بنا بریں، وہ اپنا دستِ کوتاہ صحابہ کرامؓ کے دامن تک دراز کرنا چاہتے ہیں جو کہ ضروریاتِ دین کے ستون ہیں۔ لیکن افسوس کہ ایسا ممکن نہیں! پس انسانوں کی شکل میں یہ چوپاؤں جیسے لوگ، بلکہ حقیقی انسان بھی بلکہ کبار اولیاء بھی چھوٹے سے چھوٹے صحابی کے ساتھ مماثلت کا دعوی نہیں کر سکتے ہیں، جیسے کہ ستائیسویں مقالے میں قطعی صورت میں ثابت کیا گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى رَسُوْلِكَ الَّذِيْ قَالَ:

لَا تَسُبُّوْا أَصْحَابِيْ لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ نِصْفَ مُدٍّ مِنْ أَصْحَابِيْ.

صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

☆ ☆ ☆

# اٹھائیسواں مقالہ

یہ مقالہ جنت کے بارے میں ہے اور یہ دو مقامات پر مشتمل ہے:
پہلا مقام: جنت کی کچھ لطیف حقیقتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، جنت کے وجود کا اثبات نہیں کرتا کیونکہ اس کے وجود کا اثبات انتہائی تابناک طریقے سے دسویں مقالے میں بارہ حقیقتوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ اور اس مقالے کے دوسرے مقام میں عربی زبان میں ایک انتہائی پختہ، قطعی اور مسلسل برہان اور دسویں مقالے کا خلاصہ موجود ہے۔ بلکہ اس مقالے میں جنت کے بعض اُن احوال کے متعلق بحث ہوگی جن کے بارے میں کچھ سوال و جواب ہوتے ہیں اور جو نقد و نظر کا ہدف بنتے ہیں۔ اور اس کے جلد ہی بعد اس عظیم حقیقت کے بارے میں ایک عظیم الشان مقالہ سپردِ قلم کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ﴾ (حاشیہ:۱)

دائمی جنت کے بارے میں گردش کرنے والے کچھ سوالات کے مختصر جوابات:

قرآنِ کریم نے جنت کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ کیا ہے، وہ چونکہ بذاتِ خود جنت سے زیادہ خوبصورت، اُس کی حوروں سے زیادہ لطیف اور سلسبیل سے زیادہ میٹھا ہے، اس بنا پر اُس نے کسی کے لیے کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی ہے۔ البتہ ہم ان خوبصورت، بلند و بالا، ازلی و اُبدی اور تابناک آیات کے قریب پہنچنے کے لیے سیڑھی کے کچھ زینے استعمال اور کچھ نکتے ذکر کریں گے جو کہ اس قرآنی جنت کے پھولوں کا ایک نمونہ ہوں گے اور ان کی طرف ہم رمزوں پر مشتمل پانچ سوالات و جوابات کے ذریعے اشارہ کریں گے۔ جی ہاں، جنت جس طرح تمام معنوی لذائذ پر مشتمل ہے اُسی طرح تمام جسمانی لذائذ پر بھی مشتمل ہے۔

سوال: جسمانیت جو کہ از بس قاصر، ناقص، متغیر، غیر مستقر اور المناک ہے، اس کا ابدیت اور جنت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ روح کے لیے اگر کچھ عالی قسم کی لذات ہیں تو اس کے لیے وہی کافی ہیں، اِن جسمانی لذات کی خاطر حشرِ جسمانی کیوں ضروری ٹھہرا؟

(حاشیہ:۱) البقرۃ:25

Marfat.com

الجواب: مٹی جس طرح پانی، ہوا اور روشنی کی بہ نسبت اگر چہ کثیف ہے، لیکن یہ تمام مصنوعاتِ الٰہیہ کا سرچشمہ اور دارو مدار ہونے کی وجہ سے معنوی طور پر دوسرے عناصر پر فوقیت رکھتی ہے۔ اسی طرح نفسِ انسانی اگر چہ کثیف ہے لیکن جامعیت کے راز کی رُو سے تمام انسانی لطائف پر فوقیت رکھتا ہے۔ بشرطیکہ تزکیہ حاصل کر لے، اسی طرح جسمانیت اسمائے الٰہیہ کی تجلیات کا جامع ترین ہمہ گیر، اور غنی ترین آئینہ ہے، اور وہ آلات کہ جو رحمتِ الٰہیہ کے خزانوں کے تمام ذخیروں کا ماپ تول کرنے پر قدرت رکھتے ہیں وہ صرف جسمانیت میں پائے جاتے ہیں، مثال کے طور پر زبان میں پائی جانے والی قوتِ ذائقہ اگر انواع واقسام کی خوردنی اشیاء کی تعداد کے حساب سے رزق کو چکھنے والے مختلف پیمانوں پر مشتمل نہ ہوتی تو اُن میں سے ہر ذائقے کو علیحدہ علیحدہ محسوس نہ کر سکتی تھی اور نہ ہی ان میں سے ہر ذائقے کی امتیازی پہچان کر سکتی تھی۔ پھر یہ بھی ہے کہ اکثر اسمائے الٰہیہ کی تجلیات کی معرفت، ذوق، علم اور اُن کا احساس و ادراک کرنے والے آلات وغیرہ جسمانیت میں ہی پائے جاتے ہیں۔

پھر یہ کہ وہ استعدادات وقابلیات جو کہ انتہائی مختلف قسم کی بے انتہا لذیذ اشیاء کو محسوس کرتی ہیں، وہ بھی جسمانیت میں ہی پائی جاتی ہیں۔

پس اگر کائنات کی حرکات اور انسان کی جامعیت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس کائنات کا صانع یہ چاہتا ہے کہ اس کائنات کو اپنی رحمت کے تمام خزانوں کا تعارف کرائے، اسے اپنے اسمائے حسنٰی کی تمام تجلیات کا تعارف کروائے اور اُسے اپنے تمام احسانات کی لذتوں کے ذائقے سے آشنا کرائے۔ جیسا کہ گیارہویں مقالے میں ثابت کیا گیا ہے۔ تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ وہ دارِ سعادت جو کہ کائنات کے اس سیلِ رواں کا حوضِ اکبر ہے، جو کائنات کے اس کارخانے کی اُن محصولات کی سب سے بڑی نمائش گاہ ہے جو کائنات کے اس کارخانے سے تیار ہو کر نکلتی ہیں، اور اس دُنیا کی کھیتی کا ابدی گودام ہے۔ وہ دارِ سعادت کسی حد تک اس کائنات کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور اس کی تمام جسمانی اور روحانی بنیادوں کا نگہبان ہے۔ اور یہ کہ وہ صانع حکیم اور عادل رحیم اِن جسمانی آلات کو اُن کے وظائف کی اُجرت، اُن کی خدمات کی مکافات اور ان کی مخصوص عبادات کے طور پر اُنہیں اُن کے حسبِ قابلیت لذتوں سے نوازے گا، وگرنہ بصورتِ دیگر ایسی صورت حال سامنے آئے گی جو اس کی حکمت، عدالت اور رحمت کے بالکل منافی اور اس کی رحمت کے حسن وجمال اور اس کے عدل وانصاف کے کمال کے مطلقاً مخالف ہوگی۔

سوال: کسی بھی ذی حیات جسم کے اجزائے ترکیبی ہمیشہ ترکیب وتحلیل کا شکار رہتے ہیں، اور اس طرح ختم ہوتے رہتے ہیں، اس بنا پر وہ ابدیت کی صفت حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

اور یہ کہ کھانا پینا انسان کی شخصی زندگی کی بقا کے لیے اور رشتہ ازدواج نوعِ انسانی کی بقاء کے لیے ہے اس لیے یہ امور دنیا میں اساس کا درجہ رکھتے ہیں، لیکن عالم ابدی اور عالم آخرت میں تو ان امور کی ضرورت ہی نہیں ہوگی! سوال یہ ہے کہ پھر اِن امور کا جنت کی عظیم الشان لذتوں میں شمار کیوں ہوا ہے؟۔

الجواب: اَوّلاً۔ اِس عالم میں جسم ذی حیات کے موت وہلاکت سے دوچار ہونے کا سبب آمدن واخراجات کے مابین عدم توازن ہے، چنانچہ بچپن سے لے کر سنِ کمال تک پہنچتے پہنچتے آمدن واخراجات زیادہ ہیں، اور اِس کے بعد مصارف بڑھتے جاتے ہیں، جس سے توازن میں خلل آجاتا ہے اور ذی حیات مر جاتا ہے۔ لیکن عالمِ ابدیت میں جسم کے ذرات ثابت وبرقرار رہتے ہیں اور تحلیل وترکیب سے دوچار نہیں ہوتے (حاشیہ:۱)، یا یوں کہو کہ آمدن واخراجات میں توازن رہتا ہے، اور اس طرح ذی حیات کا جسم لذات کی چاشنی کے لیے جسمانی زندگی کے کارخانے کو چالو رکھنے کے ساتھ ساتھ دورِ دائم کی طرح ابدیت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اکل وشرب اور ازدواجی تعلقات اگرچہ بر بنائے ضرورت پیش آتے ہیں اور اس دنیا میں ایک وظیفے تک چلے جاتے ہیں، لیکن یہ ہے کہ اس وظیفے کی مُعجّل اُجرت کے طور پر متنوع قسم کی ایسی لذتیں رکھ دی گئی ہیں جو تمام لذتوں سے بڑھ کر ہیں۔

تو جب اکل ونکاح اس دارِ الم میں اس حد تک عجیب وغریب اور متنوع لذتوں کا دارومدار ہے، تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لذتیں اُس دارِ لذت وسعادت یعنی جنت میں بلند ترین قسم کی صورتیں اختیار کر جائیں گی، اور اُن کے ساتھ دنیاوی وظیفے کی اخروی اُجرت بھی جوڑ دی جائے گی کہ وہ بھی ایک قسم کی لذت ہی ہے، اور اس دنیاوی احتیاج پر اُخروی لذیذ اشتہا کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ تب یہ تمام لذتیں اکٹھی ہو کر ایک ذی حیات کے لیے ایک ایسی جامع ترین لذت بن جائے گی جو کہ تمام لذتوں کا سرچشمہ ہوگی، جو جنت کے لائق اور ابدیت کے مناسب ہوگی۔ کیونکہ وہ تمام جامد مادّے جو اس دنیا میں شعور اور زندگی سے خالی ہیں وہ اُس دنیا میں شعور اور زندگی سے بہرہ ور ہیں اس راز کی رُو سے جو اس آیتِ کریمہ میں پایا جاتا ہے: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ (حاشیہ:۲)، پس

---

(حاشیہ:۱) ایسے لگتا ہے جیسے کہ انسانی اور حیوانی جسم اس دُنیا میں ذرات کے لیے ایک مہمان خانہ، چھاؤنی اور سکول ہے، چنانچہ جامد ذرات ان میں داخل ہوتے ہیں اور اس زندہ عالم بقا کے ذرات بننے کی اہلیت حاصل کرتے ہیں اور پھر اس سے باہر نکل آتے ہیں۔ لیکن جہاں تک آخرت کا تعلق ہے، تو وہاں ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے نورِ حیات عام اور ہمہ گیر ہوگا، اس لیے روشنی حاصل کرنے کے لیے اس سیر وسفر اور تدریب وتعلیم کی ضرورت نہیں ہوگی، چنانچہ ذرات ثابت اور برقرار رہ سکیں گے۔ مؤلف۔

(۲) العنکبوت:64

Marfat.com

وہاں درخت ایسے ہی بات کو سمجھیں گے جیسے کہ یہاں انسان سمجھتے ہیں، اور پتھر وہاں ویسے ہی ہوں گے جیسے یہاں حیوانات ہیں، کہ بات سمجھیں گے اور عمل کریں گے، چنانچہ جب آپ وہاں کسی درخت سے کہیں گے کہ مجھے اس طرح کا پھل دے تو وہ اسی وقت دے دے گا، اور جب آپ کسی پتھر سے کہیں گے کہ ادھر آ، تو وہ آئے گا۔ جب درخت اور پتھر اس طرح کی صفات کے بلند درجات پر پہنچ جائیں گے تو پھر اس میں اکل و شرب و نکاح بھی لامحالہ اپنی جسمانی حقیقت پر قائم رہتے ہوئے اپنے دُنیاوی درجات سے بلند تر کسی صورت کو اپنانے کا تقاضا کریں گے، درجات کی اُسی بلندی کے حساب سے جو جنت کو اس دُنیا پر حاصل ہے۔

سوال: ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں صرف ایک منٹ کے لیے حاضر ہوتا ہے تو اللہ کی محبت حاصل کر لیتا ہے اور وہ جنت میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوگا جیسے کہ یہ راز اس حدیث شریف سے سمجھ میں آتا ہے: "المرء مع من أحبَّ"۔ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا غیر متناہی فیض ایک سادہ سے اعرابی کے فیض کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟

الجواب: اس بلند حقیقت کی طرف ہم ایک تمثیل کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں؛

مثال کے طور پر ایک معزز شخص نے ایک انتہائی خوبصورت اور آب و تاب والے باغ میں انتہائی عظیم الشان دعوت اور انتہائی زیب و زینت والی نمائش کا اہتمام کیا، اُس میں تمام انواع و اقسام کے وہ کھانے چُنوائے جن کا قوت ذائقہ کو احساس ہوسکتا ہے، اور حسن و دلفریبی کے اُن تمام مظاہر کو سجایا جن سے قوتِ باصرہ لطف اندوز ہوسکتی ہے، اور اُن تمام عجائبات کا اہتمام کیا جو قوتِ خیال کو مسرور کرسکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اُس نے اُس باغ میں ہر وہ چیز رکھوا دی جو کہ ظاہری اور باطنی تمام حواس کو خوش کرسکتی ہے۔

اب دو دوست اس ضیافت میں جاتے ہیں اور وہاں ایک کمرے میں کسی دسترخوان پر پہلو بہ پہلو بیٹھ جاتے ہیں، ایک اُن میں سے ایک جُزوی سے ذائقے سے شاد کام ہو رہا ہے کیونکہ اُس کی قوت ذائقہ انتہائی کمزور ہے، اسی طرح اس کی بینائی بھی کافی کمزور ہے، اور قوتِ شامہ یعنی سونگھنے کی حس تو بالکل ہی ختم ہے وہ عجیب و غریب مصنوعات بھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہی ہیں اور غیر معمولی اشیاء کے بارے میں بھی وہ کچھ جان نہیں پا رہا ہے وہ تو صرف ہزار میں سے ایک بلکہ دس لاکھ میں سے صرف ایک چیز کا ذائقہ چکھ رہا ہے اور اس دلفریب باغ سے مستفید ہو رہا ہے۔ لیکن دوسرے کے تمام ظاہری و باطنی حواس، اس کی عقل، قلب، حس اور تمام لطائف کامل و مکمل ہیں، اتنے کھلے اور کھلے ہوئے ہیں کہ وہ اس دلکش نمائش میں سجی ہوئی تمام مصنوعات کی باریکیوں کو محسوس کر رہا ہے، اُن کی رنگارنگیوں کا ذائقہ چکھ رہا ہے اور ان کی بوقلمونیوں سے لذت یاب ہو رہا ہے، جبکہ بیٹھا ہوا وہ اپنے دوست کے کندھے سے کندھا ملا کر ہے۔ اب اگر اس پُرآمیزش، پرآشوب اور تنگ و تاریک دنیا میں ایسا ہو جاتا ہے اور چھوٹے بڑے کے درمیان زمین و آسمان کا فرق پایا جاتا ہے اگرچہ وہ اکٹھے ایک

Marfat.com

ہی جگہ پر بیٹھے ہوئے ہوں، تو پھر ایسا تو بطریقِ اُولی ہو سکتا ہے کہ دارِ سعادت اور ابدیت یعنی جنت میں اکٹھے بود و باش رکھنے والے دو دوستوں میں سے ہر ایک رحمان و رحیم کے دستر خوان سے اپنی استعداد کے مطابق حصہ پائے؛ کیونکہ جنتیں جن میں وہ دونوں رہ رہے ہیں اگر چہ مختلف اور متفاوت ہیں لیکن اس کے باوجود ان دونوں کے ایک ساتھ رہنے میں رکاوٹ نہیں بنیں گی؛ کیونکہ جنت کے آٹھوں طبقات باوجود اس کے کہ ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہیں مگر چھت سب کی عرشِ اعظم ہی ہے، اسے یوں سمجھیں کہ اگر ایک مخروطی پہاڑ کے اردگرد دائروں کی شکل میں نیچے سے لے کر اُوپر چوٹی تک اونچے اونچے اور ایک دوسرے میں داخل گھر بنائے گئے ہوں، تو یہ دائرے ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہوں گے لیکن یہ ایک دوسرے کے آگے سورج کے دیدار کے لیے رکاوٹ نہیں بنیں گے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اُن میں سے کوئی دائرہ دوسرے دائرے سے آگے چلے اور کوئی اُن میں سے دوسرے کو دیکھ رہا ہو۔ بالکل یہی صورتِ حال کسی حد تک جنتوں کی ہے جیسے کہ مختلف قسم کی احادیث سے اشارہ ملتا ہے۔

سوال: احادیث میں آیا ہے کہ حورانِ جنت ستر جوڑے پہنیں گی، لیکن اس کے باوجود اُن کی پنڈلیوں کی ہڈیوں میں پایا جانے والا گودا تک نظر آئے گا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس سے مراد کیا ہے اور اس چیز کو حُسن و جمال کیسے کہا جا سکتا ہے؟۔

الجواب: اس کا مطلب بڑا خوبصورت ہے اور اس کا حسن و جمال بڑا میٹھا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ: یہ بدصورت، جامد اور مردہ دنیا کہ جو زیادہ تر اوپر والا چھلکا ہی چھلکا ہے، اس دنیا میں حسن و جمال کے لیے صرف یہی کافی ہے کہ وہ فقط ان آنکھوں کو حسین و جمیل نظر آئے اور اس بنا پر مانوسیت اور اپنائیت سے مانع نہ ہو۔ جبکہ جنت جو کہ انتہائی خوبصورت ہے، زندگی اور رعنائیوں سے بھر پور ہے اور تمام کی تمام خالص مغز ہے چھلکا نہیں، اُس میں انسان کے آنکھ کی طرح کے تمام حواس جنس لطیف یعنی حور عین سے اپنے مختلف ذائقوں اور متباین لذتوں کا حصہ مانگیں گے، اسی طرح یہ حواس جنت میں اہلِ جنت کو ملنے والی دنیاوی عورتوں سے بھی اپنا اپنا حصہ مانگیں گے، اور یہ دنیاوی عورتیں حوروں جیسی اور حسن و جمال میں ان سے بڑھ کر ہوں گی۔ مطلب یہ ہے کہ حدیث شریف اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اُوپر والے جوڑوں سے لے کر ہڈیوں میں پائے جانے والے گودوں تک تمام حواس اور لطائف ہر چیز کسی معین حس اور خصوصی لطیفے کے ذوق کا دارو مدار ہو گی۔ جی ہاں! حدیث شریف جو کہ ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کرتی ہے کہ: "حوریں ستر جوڑے پہنیں گی اور اُن کی پنڈلیوں کی ہڈیوں والا گودا نظر آئے گا، اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ: حورانِ جنت ہر اُس مادی و معنوی زیب و زینت اور حسن و جمال پر مشتمل ہوں گی جو کہ انسان کے ان تمام حواس و لطائف کو بھر پور انداز سے خوش کر سکے جو کہ حُسن کے عاشق، ذوق و شوق کے محب، زیب و زینت کے شیدائی، اور جمال کے مشتاق ہیں۔ یعنی یہ کہ حوریں جنت کی زیب و زینت کی انواع و اقسام میں سے ستر قسم کے جوڑے پہنیں گی اور ان میں سے کوئی جوڑا دوسرے کو چھپائے گا نہیں، کیونکہ وہ

Marfat.com

اس کی جنس کا نہیں ہوگا، بلکہ وہ اپنے جسموں، نفسوں اور بدنوں کے ذریعے حسن و جمال کی مختلف اقسام کا ستر سے زیادہ مرتبہ کا مظاہرہ کریں گی، اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے قول: ﴿وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ﴾ (حاشیہ:۱) میں پائے جانے والی حقیقت کا اظہار کریں گی۔

پھر حدیث شریف یہ بیان کرتی ہے کہ اہلِ جنت کے کھانے پینے کے بعد والے فضلات نہیں ہوں گے، کیونکہ جنت میں چھلکوں کی طرح کے فضول اور غیر ضروری مواد کا وجود نہیں ہوگا۔ تو جب درخت جو کہ ادنی مرتبے کے ذی حیات ہیں، وہ اس پست سی دنیا میں بہت سی غذا کھانے کے باوجود فضلات پیدا نہیں کرتے ہیں تو پھر حیات کے اعلیٰ ترین طبقے کے مالک یعنی اہلِ جنت فضلات کے بغیر کیوں نہیں ہو سکتے ہیں؟۔

سوال: احادیث شریفہ میں کچھ اس طرح کی بات بیان ہوئی ہے کچھ اہلِ جنت کو اس تمام دُنیا کے برابر جگہ دی جائے گی، اور اسے ہزاروں محلات اور لاکھوں حوروں سے نوازا جائے گا، سوال یہ ہے کہ ایک آدمی کو اتنی زیادہ چیزیں دینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ چیز کیسے ممکن ہے؟ اور اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب: انسان اگر صرف ایک جسدِ جامد ہی ہوتا، یا ایک نباتاتی مخلوق یعنی صرف معدے سے عبارت ہوتا، یا ایک مقید ثقیل موقت اور بسیط جسمِ حیوانی اور شخصِ جسمانی ہوتا، تو پھر اتنے محلوں اور اتنی زیادہ حوروں کے نہ قابل ہوتا اور نہ ان کا مالک، لیکن انسان قدرت کے ہمہ گیر معجزات میں سے ایک ایسا جامع معجزہ ہے کہ اسے اگر اس فانی دنیا اور اس عمرِ قصیر میں تمام دنیا کی بادشاہت، اس کی تمام دولت اور تمام لذتیں عطا کردی جائیں، تو بھی اس کی حرص کا پیٹ بھر نہیں سکے گا؛ کیونکہ بہتیری حاجات وضروریات اُن لطائف کی ہیں جو غیر مخفی ہیں۔

لیکن اُس ابدی سعادت والے گھر میں جہاں انسان لامتناہی استعداد کا مالک ہوگا اور لامتناہی رغبات کے ہاتھ اور لامتناہی حاجات کی زبان کے ہاتھ کے ساتھ لامتناہی رحمت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا تو اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ حدیث شریف میں بیان شدہ احسانات کا مظہر ہو جانا بالکل معقول برحق اور غایت درجے کی حقیقت ہے۔

اس بلند حقیقت کا مشاہدہ، ہم ایک تمثیلی دوربین کے ساتھ کچھ اس طرح سے کریں گے:

(بارلا) کی اس بستی میں موجود اس وادی (حاشیہ:۲) کے اِس باغ کی طرح ہر باغ کا علیحدہ علیحدہ مالک ہونے کے باوجود، لیکن (بارلا) میں پایا جانے والا ہر پرندہ، ہر شہد کی مکھی اور ہر چڑیا یہ کہہ سکتی ہے کہ: (بارلا) کے تمام باغ باغیچے میری سیر گاہیں اور تفریح گاہیں ہیں: حالانکہ اُس کے لیے خوراک کی صرف ایک مٹھی ہی کافی ہے، اور یوں تمام کا تمام (بارلا) اس

---

(حاشیہ:۱) الزخرف:71

(حاشیہ:۲) اس سے مراد سلیمان کا باغ ہے، جس نے اس فقیر کی آٹھ سال تک پوری وفاداری کے ساتھ خدمت کی ہے اور یہ بحث وہاں تقریباً دو گھنٹے میں سپردِ قلم ہوئی۔۔۔ مؤلف۔

Marfat.com

کی ملکیت میں آجائے گا، اور اس سے دوسرے شراکت داروں کو کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا۔

اِسی طرح انسانیت کے لائق ایک انسان، یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے خالق نے اس تمام دنیا کو میرا گھر بنا دیا ہے، اس سورج کو روشن چراغ بنا دیا ہے، ان ستاروں کو بجلی کے قمقمے اور اس سطحِ زمین کو میرے لیے پھولدار گاؤ تکیوں سے آراستہ پیراستہ بستر بنا دیا ہے، چنانچہ وہ یہ بات کہے گا اور اپنے پروردگار کا شکر ادا کرے گا۔ اور اس کے اس طرح کہنے سے دوسری مخلوقات کی شراکت پر کوئی زد نہیں پڑے گی، بلکہ یہ مخلوقات اُس کے اس گھر کی زیبائش و آرائش کریں گی اور یہ اُن کی زیب و زینت کا باعث بنے گا۔

اگر یہ ممکن ہے کہ اس چھوٹی سی دنیا میں ایک انسان انسانیت کے اعتبار سے، حتیٰ کہ ایک پرندہ بھی اِن بہت بڑے دائرے میں کسی قسم کے تصرف کا دعویٰ کرے، اور اِس طرح اس تنگ ترین دنیا میں بڑی بڑی نعمتوں کا مظہر بن جائے، تو پھر اُس وسیع و عریض ابدی دارِ سعادت میں اگر اُسے یعنی انسان کو اتنی بڑی بادشاہت سے نواز دیا جائے جس کے دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہوگا تو اس میں بعید از عقل بات کون سی ہے؟۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ اس تنگ و تاریک اور کثیف دنیا میں جس طرح سورج آنِ واحد میں بعینہٖ بہت سے آئینوں میں پایا جاتا ہے، اسی طرح ایک نورانی شخصیت آنِ واحد میں بعینہٖ بہت سی جگہوں میں موجود ہوتی ہے، جیسے کہ سولھویں مقالے میں ثابت کیا گیا ہے۔ جیسے کہ جبریل علیہ السلام کا وجود آنِ واحد میں عرشِ اعظم میں، حضورِ نبوی میں، حضورِ الٰہی میں اور ہزاروں ستاروں میں پایا جاتا ہے۔ اور نبی ﷺ کا حشر کے روز آنِ واحد میں اپنی امت کے اکثر اتقیاء کے ساتھ ملاقات کرنا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا آنِ واحد میں اس دنیا میں لامحدود مقامات میں ظاہر ہونا۔ اور ابدال کا آنِ واحد میں بہت سی جگہوں پر مشاہدے میں آنا۔ ابدال اُولیاء کی ایک عجیب و غریب قسم ہے۔ اور لوگوں کا خواب میں ایک منٹ میں ایک سال کے برابر کا عمل سرانجام دینا اور اس چیز کا مشاہدہ بھی کرنا۔ اور ہر انسان کا قلب و روح و خیال کے ساتھ بہت سی جگہوں میں موجود ہونا اور اُن تمام جگہوں کے ساتھ آنِ واحد میں تعلقات پیدا کر لینا۔ یہ سب چیزیں معلوم و مشہود ہیں۔

اس بنا پر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ اہلِ جنت جو کہ روح کی قوت و خفت اور خیال کی سُرعت والے اجسام کے مالک ہوں گے، اُن کا آنِ واحد میں اُس جنت میں ایک لاکھ جگہوں پر موجود ہونا اور ایک لاکھ حوروں کے ہمراہ ہونا اور ایک لاکھ قسم کی لذتوں سے لطف اٹھانا، اُس وسیع و عریض، غیر مقید، نورانی اور ابدی جنت کے اور اس بے انتہا رحمت کے بالکل شایانِ شان ہے، حق ہے، حقیقت ہے اور مخبرِ صادق ﷺ نے جو خبر دی ہے اس کے عین بعین مطابق ہے۔ لیکن اِن سب کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رکھیں کہ یہ بلند و بالا اور عظیم الشان حقائق ہماری چھوٹی چھوٹی عقلوں کے میزان میں تولے نہیں جا سکتے ہیں۔

Marfat.com

اِدراکِ معالی بُو کچوک عقلہ گر کمز
زیرا بُو ترازُو اُو قدر ثقلتی چکمز (حاشیہ:۱)

﴿سُبحَانَکَ لَاعِلمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمتَنَا اِنَّکَ اَنتَ العَلِیمُ الحَکِیم﴾

﴿رَبَّنَا لَا تُوَاخِذنَا اِن نَّسِینَا اَو اَخطَأنَا﴾

اللّٰھم صَل علی حبیبک الذی فتح أبواب الجنة بحبیبته و بصلاته، و ایّدته أمته علی فتحها بصلواتهم علیه. علیه الصلاة والسلام. اللهم ادخلنا الجنة مع الابرار بشفاعة حبیبک المختار آمین.

---

(۱) یعنی یہ چھوٹی سی عقل بلند حقائق کا ادراک کرنے کے قابل نہیں؛ کیونکہ یہ میزان اس قدر بوجھ نہیں اُٹھا سکتا ہے۔۔۔مترجم۔

Marfat.com

## خصوصی طور پر جہنم سے متعلق ذیلی گفتگو

بے شک ایمان خود میں معنوی جنت کا چھوٹا سا بیج سموئے ہوئے ہے، اور کفر خود میں معنوی جہنم کا بیج چھپائے ہوئے ہے، جیسے کہ دوسرے اور آٹھویں مقالے میں ثابت کیا گیا ہے۔ تو جس طرح کفر جہنم کا بیج ہے اسی طرح جہنم کفر کا پھل ہے، اور جیسے وہ جہنم میں دخول کا سبب ہے، اسی طرح جہنم کے وجود اور ایجاد کا بھی سبب ہے؛ کیونکہ: اگر ایک چھوٹا سا عزت، غیرت اور معمولی سے رعب دبدبے والا حاکم ہو، اور اُسے کوئی نافرمان از راہِ تمرُّد یہ کہے کہ: تُو مجھے سزا نہیں دے سکتا اور کبھی دے بھی نہیں سکے گا، تو وہ صرف اُسی نافرمان کو سزا دینے کے لیے ایک جیل تیار کرے گا اور اُسے اُس میں پھینکوا دے گا، اگر چہ وہ جگہ جہاں جیل بنوائی گئی ہے پہلے خالی پڑی ہوئی ہو۔

صورتِ حال یہ ہے کہ کافر جب جہنم کا انکار کرتا ہے تو اپنے اس انکار سے اُس لامتناہی عزت، غیرت، قدرت اور جلال کی مالک ذات کو جھٹلاتا ہے، اُس کی طرف عجز و درماندگی کی نسبت کرتا ہے، اسے عاجزی ولاچاری سے متہم کرتا ہے، پوری شدت کے ساتھ اُس کی عزت کے درپے ہوتا ہے، اس کی غیرت پر پوری قوت سے حملہ آور ہوتا ہے، اور اس کی جلالت مآبی میں پوری عصیاں کاری سے زبانِ طعن دراز کرتا ہے۔ اب ایسی صورتِ حال میں اگر جہنم کو ایجاد کرنے کا بفرضِ محال کوئی ایک سبب بھی نہ ہو، تو بھی خدائے تعالیٰ کی اِس حد تک تکذیب اور اس کی طرف عجز و درماندگی کی اس حد تک نسبت کرنے والے اس کفر کے لیے جہنم پیدا کر لی جائے گی اور اُس کافر کو اُس میں پھینک دیا جائے گا۔

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

---

Marfat.com

# انتیسواں مقالہ

بقائے روح، ملائکہ اور حشر کے بارے میں۔

أعوذ باللّٰه من الشیطان الرّجیم

بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحیم

☆ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ۔

☆ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔

یہ مقام ایک مقدمے اور دو اساسی مقاصد پر مشتمل ہے۔

## مقدمہ

یہ کہنا صحیح ہے کہ: ملائکہ اور روحانی مخلوقات کا وجود انسانی اور حیوانی وجود کی طرح بالکل قطعی طور پر ثابت ہے۔

جی ہاں، حقیقت کا یہ قطعی تقاضا ہے اور حکمت کی یہ یقینی طلب ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں کے بھی باشندے ہوں، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ باشندے صاحب شعور ہوں اور یہ کہ وہ آسمانوں کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں۔ شریعت کی زبان میں یہ مختلف الاجناس باشندے ''ملائکہ'' اور ''روحانیات'' یعنی روحانی مخلوقات کہلاتے ہیں جیسے کہ ہم نے ''پندرہویں مقالے'' کے پہلے مرتبے میں ثابت کیا ہے۔

جی ہاں، حقیقت کا تقاضا یہی ہے، کیونکہ ہماری یہ زمین اگرچہ آسمان کے مقابلے میں بالکل چھوٹی سی اور حقیری ہے لیکن اس کا وقتاً فوقتاً ذی شعور مخلوقات سے بھرتے اور خالی ہوتے رہنا اور پھر نئے سرے سے آباد ہوتے رہنا اس بات کا اشارہ دیتا ہے بلکہ صراحت کرتا ہے کہ:

یہ مزین محلات کے ساتھ مشابہت رکھنے والا اور مضبوط بُرجوں والا آسمان جو ہے یہ بھی قطعی طور پر ایسی ذی حیات مخلوقات سے بھرا پڑا ہے جو کہ وجود کے نور کا نور ہیں، اور ایسی مخلوقات سے بھرا پڑا ہے جو کہ صاحبِ ادراک وشعور ہے، اور ذی حیات مخلوقات کے لیے روشنی ہیں۔ اور یہ کہ وہ مخلوقات کائنات کے اس عظیم الشان محل کی نظارہ وتفریح کناں، کون و مکاں کی، اس کتاب کی کتاب خواں، اور ربوبیت کی اس سلطنت کی رہنما و دعوت دہندگان ہیں _ جیسے کہ جن وانس _ اور اپنی

Marfat.com

کلی اور عمومی عبودیت کے ساتھ اس عظیم الشان کائنات اور موجودات کی تسبیحات کی ترجمان ہیں۔

جی ہاں، کائنات کی رنگا رنگ کیفیات ایسی مخلوقات کے ہونے کا تقاضا کرتی ہیں؛ کیونکہ کائنات کو ان گنت، دقیق ترین اور حیرت انگیز مصنوعات اور پُر معانی محاسن اور حکمت بھرے نقوش سے مزین کر دینا بداہتاً متفکرین، مستحسنین، قدر دانوں اور پسند کرنے والوں اور ہنر شناسوں کی آنکھوں کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے اور اُن کے وجود کا تقاضا کرتا ہے۔

جی ہاں! جس طرح حُسن و جمال عاشق کا طلبگار ہوتا ہے، جس طرح کھانا بھوکے کو دیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ مصنوعات کے اس بے پایاں حسن و جمال میں قلوب وارواح کی غذا ملائکہ اور روحانیات پر نظر رکھتی ہے اور ان کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔

اور کائنات میں بے انتہا تزیین و آرائش کی یہ جلوہ طرازیاں چونکہ بے انتہا سوچ فکر اور عبودیت کے وظیفے کا تقاضا کرتی ہیں، اور جن وانس چونکہ لاکھوں وظائف میں سے صرف ایک لا انتہا وظیفے کا خوگر اِس حکیمانہ نظر اور اس وسیع عبودیت پر کار بند ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ ان لامتناہی وظائف اور متنوع عبادات کے لیے ''ملائکہ'' اور ''روحانیات'' جیسی انواع واقسام کی غیر محدود مخلوقات بھی ہو، تاکہ وہ کون ومکاں کی اس عظیم الشان مسجد کو بھرا بھرا رکھ سکیں اور اُسے اپنی صفّوں کے ساتھ آباد رکھ سکیں۔

جی ہاں! اس کون ومکاں کی ہر جہت میں اور ہر دائرے میں ملائکہ اور روحانیات کے بہت سے گروہ پائے جاتے ہیں جو کہ عبودیت کی گوناگوں ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں۔ اور بعض احادیث کے اشارات اور اس کائنات کے حکیمانہ انتظام کی رُو سے یہ کہنا صحیح ہے کہ: ستاروں سے لے کر پانی کے قطروں تک بعض جامد سیار اجسام ایک قسم کے ملائکہ کے لیے بحری جہاز اور دیگر سواریوں کا حکم رکھتی ہیں، وہ ان سواریوں پر اِذنِ الٰہی سے سوار ہو کر عالم شہادت کی سیر وسیاحت کرتے ہیں اور ان سواریوں کی تسبیحات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ: زندہ اجسام کی ایک قسم جنت کے پرندے_ کہ جن کی طرف حدیث شریف میں اس طرح سے اشارہ کیا گیا ہے کہ: اہل جنت کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوں گی جو کہ جنت میں اُڑتے پھرتے ہوں گے_ ان سبز پرندوں سے لے کر مکھی تک میں سے ہر ایک، ایک قسم کی ارواح کے لیے جہاز کا حکم رکھتے ہیں۔ پس یہ اِذنِ الٰہی سے ان زندہ اجسام میں داخل ہوتے ہیں اور آنکھوں اور کانوں جیسے حواس کے ساتھ اس عالم مادی کی سیر وگردش اور اُس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور فطرت کے معجزات کا تماشا کرتے اور اس طرح سے اپنی خصوصی تسبیحات ادا کرتے ہیں۔ بنا بریں، جس طرح حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح ہو، اسی طرح حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بعینہٖ اسی طرح ہو؛ کیونکہ فاطر الحکیم جو کہ اِس کثیف مٹی سے جس کی روح کے ساتھ بہت کم مناسبت ہے، اور اس گدلے پانی سے جس کی نورِ حیات کے ساتھ بالکل جزوی سی مناسبت ہے، اِن دو چیزوں سے ایک سر

Marfat.com

گرم فعالیت کے ذریعے ہمیشہ لطیف زندگی اور صاحبِ ادراک نُورانی مخلوقات کی تخلیق کرتا ہے۔اس کی مخلوقات کی ایک قسم اور بھی ہے جو صاحبِ شعور ہے اور وہ نور کے اس سمندر سے، بلکہ اس ظلمت کے سمندر سے بھی، اس ہوا سے بھی اور بجلی کی طرح کے اُس تمام لطیف مواد سے انتہائی کثرت کے ساتھ وجود پارہی ہے جو کہ روح کے بہت زیادہ قابل اور حیات کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

## پہلا مقصد

بے شک ملائکہ کی تصدیق ایمان کا ایک رکن ہے۔اور اس مقصد میں چار بنیادی نکات ہیں۔

### پہلی بنیاد

وجود کا کمال زندگی کے ساتھ ہے، بلکہ وجود کا حقیقی وجود زندگی کے ساتھ ہے۔اور زندگی وجود کا نور ہے اور شعور اس زندگی کی روشنی اور تابانی ہے۔اور زندگی ہر چیز کا آغاز اور اُس کی بنیاد ہے، اور زندگی ہر ذی حیات چیز کی مالک بن جاتی ہے اور ایک چیز کو تمام اشیاء کے حکم میں کر دیتی ہے۔پس کسی بھی ذی حیات چیز کے لیے زندگی کے بل پر یہ بات کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ: یہ جتنی بھی چیزیں ہیں میری متاع ہیں۔دنیا میرا اپنا گھر ہے اور یہ کائنات میری ملکیت ہے جو مجھے میرے مالک کی طرف سے ہبہ کی گئی ہے۔اور جس طرح کہ روشنی اجسام کو دیکھنے کا اور ـ ایک قول کے مطابق ـ رنگوں کے ظہور کا سبب ہے، اِسی طرح زندگی بھی موجودات کا انکشاف کرنے والی اور کیفیات کو بروئے کار لانے کا سبب ہے۔اور اِسی طرح یہ ایک جزوی جزء پر کلی کل کا حکم لاگو کر دیتی ہے اور اسی طرح یہ کلی اشیاء کو ایک جزو میں منحصر کرنے کا سبب ہے، اور یہ لاتعداد اشیاء کو مشترک اور ایک بنا دیتی ہے اور انہیں کسی بھی اکائی کا دارومدار اور کسی روح کا مظہر بنا دیتی ہے، جیسے کہ یہ وجود کے تمام عمومی کمالات کا سبب ہے، حتیٰ کہ زندگی کثرت کے طبقات میں وحدت کی تجلّی کی ایک نوع اور کثرت میں احدیت کا ایک آئینہ ہے۔پس یہ سمجھ لو کہ ایک جامد اور زندگی سے خالی جسم اگرچہ ایک بہت بڑا پہاڑ بھی کیوں نہ ہو، اجنبی، یتیم اور اکیلا ہے۔اور اس کا تعلق اُس کی اسی جگہ کے ساتھ اور ان اشیاء کے ساتھ ہوگا جن کا اس کے ساتھ میل جول ہوگا۔اور کائنات میں اُس پہاڑ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ اس کے حساب سے معدوم ہے: چونکہ وہ زندگی سے عاری ہے اس لیے زندگی کے ساتھ میل جول نہیں رکھ سکتا، اور وہ شعور سے عاری ہے اس لیے شعور کے ساتھ تعلق نہیں رکھ سکتا۔

اب شہد کی مکھی کی طرح کے کسی چھوٹے سے جسم کو دیکھو، کہ جب اس میں زندگی داخل ہوتی ہے تو وہ تمام کائنات کے ساتھ تعلقات کی بنیاد رکھ لیتی ہے، چنانچہ وہ تمام کائنات کے ساتھ اور خاص کر زمین کے پھولوں اور اس کی جڑی بوٹیوں کے ساتھ تجارتی معاہدے استوار کر لیتی ہے، اور یوں وہ یہ کہہ سکتی ہے کہ: ''بے شک زمین میرا باغیچہ اور میرا تجارت خانہ ہے''۔گویا کہ ذی حیات مخلوق میں جو جانے پہچانے ظاہری و باطنی حواس پائے جاتے ہیں، شہد کی مکھی میں ان کے علاوہ

Marfat.com

کچھ اور بھی ماورائے شعور اور غیر معروف فطری محرّکات پائے جاتے ہیں جو کہ اُس کے لیے دنیا میں موجودات کی اکثر انواع واقسام کے ساتھ ربط وضبط اور خصوصی اُنس، تصرف اور باہمی لین دین کے اِمکان کھولتے ہیں۔

اب زندگی اگر اپنی تاثیر کا اظہار اس چھوٹے سے جاندار میں اس طرح سے کرتی ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ زندگی جوں جوں اُوپر اُٹھے گی اور بلند مرتبے یعنی انسانی طبقے کی جانب ترقی کرے گی۔ تُوں تُوں اُس کی اِس تاثیر کا دائرہ پھیلتا جائے گا، بڑا اور روشن تر ہوتا جائے گا، اتنا کہ یہ ذی حیات اپنی عقل کے ساتھ علوی، روحانی اور جسمانی کائناتوں میں سیر و گردش کرتا ہے، جیسے کہ کوئی انسان عقل وشعور کے ساتھ ــ جو کہ زندگی کی روشنی ہیں ــ اپنے گھر کے کمروں میں چلتا پھرتا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذی حیات اور ذی شعور وجود جب ان کائناتوں میں معنوی سفر کرتا ہے تو وہ کائناتیں اس ذی شعور کی روح کے آئینے میں منقش اور صورت پذیر ہوکر اُس آئینے کا مہمان بن جاتی ہیں۔

اور زندگی بذاتِ خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت کی روشن ترین دلیل ہے اور اس کی نعمت کا عظیم ترین خزانہ، اُس کی رحمت کی لطیف ترین تجلی اور اُس کی مخفی اور پاکیزہ صنعت گری کا دقیق ترین نقش ہے۔ جی ہاں، یہ مخفی بھی ہے اور دقیق بھی؛ کیونکہ نباتات کی زندگی جو کہ زندگی کی ادنیٰ ترین قسم ہے، اور گٹھلی کے اندر ''عقدۂ حیات'' کا انگڑائی لے کر بیدار ہونا جو کہ نباتاتی زندگی کا سب سے پہلا درجہ ہے، زندگی کی یہ دونوں قسمیں مخفی اور دقیق ہیں۔ یعنی گٹھلی کے اندر حیات کی بیداری اور نشوونما حکمتِ بشری کی نظر سے مخفی ہے، اور زمانہ آدم سے لے کر اب تک ــ باوجود اس کے اس حد تک ظاہر، بکثرت سرعام اور مألوف و مانوس ہونے کے ــ عقل کے ذریعے اس کی حقیقت کا حقیقی انکشاف نہیں ہوسکا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ زندگی پاک صاف ہے، اس طرح کہ اس کے دونوں پہلو ــ یعنی ملک اور ملکوت ــ پاک صاف اور شفاف ہیں؛ اس لیے دستِ قدرت نے اس پر اسباب کا حجاب نہیں رکھا ہے بلکہ وہ اس کے معاملات براہِ راست سرانجام دیتا ہے، البتہ دوسری چیزوں میں اس نے ظاہری اسباب کو حجاب بنادیا ہے تاکہ اُن میں چھوٹے موٹے معاملات اور بظاہر قُدرت کے عزوشرف کے منافی ناپاک کیفیات کا سرچشمہ وہ اسباب ہی ٹھہریں۔

**حاصلِ کلام:**۔ یہ کہنا بے شک صحیح ہے کہ: اگر زندگی نہ ہو تو وجود کا وجود نہ ہوگا اور ہوگا تو وہ عدم سے مختلف ہوگا۔ اور بے شک زندگی روح کی ضیاء اور شعور اس زندگی کا نور ہے۔ زندگی اور شعور کی جب اس حد تک اہمیت ہے اور اس کائنات میں کامل اور اکمل انتظام مشاہدے میں آرہا ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس کائنات میں انتہائی قسم کی کامل مضبوطی، استواری اور مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اور جب ہمارا یہ پسماندہ ودرماندہ کرۂ ارض اَن گنت ذی حیات، ذی اَرواح اور ذی ادراک مخلوقات سے بھرا پڑا ہے، تو پھر حدسِ صادق اور یقینِ قاطع کے ساتھ یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ:

ان آسمانی محلوں اور بلند و بالا برجوں میں ایسے ذی حیات اور ذی شعور باشندے رہ رہے ہیں جو ان کے ساتھ

Marfat.com

مناسبت رکھتے ہیں، اور وہ نورانی باشندے سورج کی آگ میں بھی موجود ہیں، بالکل ایسے جیسے کہ پانی میں مچھلی رہتی ہے، کیونکہ نار نُور کو جلاتی نہیں بلکہ اس کی نورانیت میں اضافہ کرتی ہے۔

تو جب قدرتِ الٰہیہ ادنیٰ سے اور معمول کے مواد اور کثیف ترین عناصر سے بے حد وحساب جاندار اور ذی ارواح پیدا کرتی ہے، اور زندگی کے ذریعے اس کثیف وغلیظ مادے کو لطیف مادے میں تبدیل کرتی ہے، اور ہر شے میں کثرت کے ساتھ زندگی کی روشنی بکھیرتی ہے اور اکثر اشیاء کو ضیائے شعور کے ساتھ سنہری تاج پہناتی ہے، تو پھر یہ بات نہایت ضروری ہے کہ وہ قدیرُ الحکیم روح کے ساتھ مناسبت رکھنے والے نُور اور ایتھر جیسے لطیف سیال مواد کو جامد، بلاشعور اور زندگی کے بغیر نہ رہنے دے، بلکہ نُور کے مادے سے، ظلمت سے، ایتھر کے مادے سے، معانی اور ہوا حتیٰ کہ کلمات سے اپنی اس قدرتِ قاہرہ اور حکمتِ بالغہ سے انتہائی کثرت کے ساتھ ذی حیات اور ذی شعور مخلوق پیدا کرے۔ چنانچہ وہ اس لطیف سیال مواد سے مختلف قسم کی بہت سی روحانی مخلوق پیدا کر رہا ہے، جیسے کہ جانداروں کی بہت سی اقسام ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک قسم تو ملائکہ کی ہے، دوسری قسم روحانی مخلوقات اور جنوں کی ہے۔

آنے والی مثال سے اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ:

قرآن کریم کے بیان کے مطابق ملائکہ اور روحانیات کی کثرت پر ایمان رکھنا کتنی بڑی حقیقت، بدیہی امر اور معقول بات ہے، اور جو ان مخلوقات کا انکار کرتا ہے وہ کتنی بڑی گمراہی، ہذیان، جنون اور خرافت میں مبتلا اور حقیقت وحکمت کے مخالف جا رہا ہے!

دو آدمی اکٹھے استانبول' جیسے عظیم الشان شہر کی طرف نکلتے ہیں، اُن میں سے ایک بدوی اور وحشی ہے اور دوسرا شہری اور صاحبِ عقل۔ انہیں اس عظیم الشان مہذب شہر کی بیرونی جانب دُور ایک کونے میں ایک چھوٹی سی پست اور ردی قسم کی عمارت اور ایک گندی سی ورکشاپ نظر آتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ وہ عمارت بہت سے کم مرتبہ اور مسکین قسم کے مزدوروں سے بھری ہوئی جو کہ اس عجیب وغریب ورکشاپ میں کام کرتے ہیں، اور اِس ورکشاپ کے اِردگرد بہت سے دیگر ذی ارواح جانداروں کی گہما گہمی ہے، اور ان میں سے ہر جاندار اپنی خصوصی طرزِ حیات کی شروط کے حساب سے ماکولات و مشروبات سے مستفید ہو رہا ہے، چنانچہ کچھ ان میں سے نباتات کھاتے ہیں اور کچھ صرف مچھلیاں کھا کر گزر بسر کرتے ہیں۔ وہ ابھی نظارے سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ اچانک ان کی آنکھوں کے سامنے دُور پرے ہزاروں آراستہ پیراستہ عمارتیں اور اونچے اونچے محلات اُبھرتے ہیں، جنہیں کھلے کھلے میدان اور کشادہ کارخانے ایک دوسرے سے جدا جدا کیے ہوئے تھے، لیکن ان عمارتوں کے باسی اُن دونوں کو نظر نہیں آ رہے تھے، یا تو اس لیے کہ وہ دور تھے، اور یا اس لیے کہ ان کی نظر وہاں تک کام نہیں کر رہی تھی اور یا پھر اس لیے کہ وہاں کے باسی ان کی نظروں سے پوشیدہ تھے اور یہ بھی کہ اس غلیظ سی

Marfat.com

عمارت میں زندگی گزارنے کے لیے جو شروط تھیں وہ ان بلند و بالا عمارتوں اور کوٹھیوں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔

اب وہ بدوی اور جانگلوش جس نے کبھی کوئی شہر دیکھا ہی نہ تھا کہنے لگا: یہ عمارتیں باسیوں سے بالکل خالی ہیں، ان میں کوئی ذی رُوح بسیرام نہیں کرتا ہے؛ کیونکہ مجھے تو وہاں کوئی ذی رُوح نظر نہیں آ رہا ہے، اور وہاں_ ہماری اس زندگی کی طرح_ زندگی کے کوئی بھی آثار نہیں پائے جاتے ہیں۔ اور یوں اس نے اپنے اس وحشیانہ ہذیان سے اپنی شدید حماقت کا اظہار کیا۔

دوسرے آدمی نے اس سے کہا: ارے بد بخت! تُو دیکھ رہا ہے کہ یہ چھوٹا اور حقیر سا گھر ذی ارواح اور مزدوروں کا رکنوں سے بھرا ہوا ہے، اور یہاں کوئی ایسا آدمی ضرور پایا جاتا ہے جو ہمیشہ انہیں تبدیل کرتا رہتا ہے اور نئی بھرتی کرتا رہتا ہے، پس اچھی طرح دیکھ اس گھر کے اردگرد ایک بالشت کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جو ذی حیات اور ذی ارواح مخلوقات سے خالی ہو۔ تو کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہمیں دور سے نظر آنے والا یہ منظم شہر، یہ پُر حکمت تزیینات اور آرائشیں، اور یہ سر بلند اور دلکش عمارتیں ایسے باشندوں سے خالی ہوں جو ان کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں؟ بے شک یہ سب کی سب اپنے باسیوں سے اَٹی پڑی ہیں، صرف یہ ہے کہ اُن باسیوں کے لیے زندگی گزارنے کی کوئی علیحدہ خصوصی شروط ہوں گی۔ جی ہاں، ممکن ہے کہ وہ نباتات کی بجائے کلیجے اور مچھلی کی بجائے مٹھائی کھاتے ہوں! اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ دور ہونے، تمہاری نظر کے کمزور ہونے یا آنکھوں سے اوجھل ہونے کی وجہ سے تمہیں نظر نہیں آ رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے؛ کیونکہ عدمِ رؤیت عدمِ وجود کی دلیل نہیں۔ اور عدمِ مشاہدہ کبھی بھی عدم یا نیستی کے لیے حجت نہیں ہو سکتا ہے۔ اب اس سادہ سی اور بالکل واضح مثال کو سامنے رکھ کر یہ سمجھو کہ:

یہ کرۂ ارض اپنی حقارت اور کثافت کے باوجود اجرام سماویہ اور اجسامِ سیارہ کے مابین بے حد و حساب ذی ارواح اور ذی شعور مخلوقات کا وطن بن چکی ہے، اور اسی طرح اس کے خسیس ترین اور ناپاک ترین اور بد بودار اجزاء بھی بہت سے جانداروں کے سرچشمے اور دقیق اور لطیف ترین مخلوقات کا مجمع و محشر بن گئے ہیں۔ پس یہ چیز ضرورت، بداہت، طریقِ اَولی، ظنِ صادق اور یقینِ قاطع کے طور پر اس بات پر دلالت کرتی اور گواہی دیتی ہے کہ:

یہ بے حدود ثغور فضائے عالم اور یہ بروج و نجوم و کواکب جیسے خدام و حشم والے آسمان، سب کے سب نار سے، نور سے، شعلہ سے، روشنی سے، ظلمت سے، ہوا سے، آواز سے، خوشبو سے، کلمات سے، ایتھر سے حتیٰ کہ بجلی سے اور تمام دیگر لطیف سیال مادوں سے پیدا کی گئی ذی شعور، ذی ارواح اور ذی حیات مخلوقات سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان ذی حیات، ذی ارواح، ذی شعور اور روشن ترین مخلوقات کو قرآن کریم اور شریعت محمدیہ کی زبان میں ملائکہ۔ جن۔ اور روحانیات کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن جس طرح اجسام کی مختلف اجناس ہیں اسی طرح ملائکہ کی بھی مختلف جنسیں ہیں۔ جی ہاں، وہ فرشتہ جو

Marfat.com

بارش کے قطرے کا مؤکل ہے وہ اس فرشتے کی جنس سے نہیں ہے جو سورج کا مؤکل ہے۔ اِسی طرح جنّوں اور روحانیوں کی بھی بہت سی مختلف جنسیں ہیں۔

## اِس بنیادی نکتے کی اختتامی بحث

یہ بات تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ مادہ اصل یا بنیاد نہیں ہے کہ وجود اس کا مسخر اور تابع بن کر رہے، بلکہ مادہ کسی نہ کسی ''معنیٰ'' کے بل پر کھڑا ہے، اور وہ معنیٰ ہے: حیات۔ اور روح۔

اور مشاہدہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ مادہ مخدوم نہیں ہے کہ ہر چیز کو اُس کی طرف لوٹایا جائے بلکہ یہ خادم ہے جو ایک خصوصی حقیقت کی تکمیل کے لیے سرگرمِ خدمت ہے، اور وہ حقیقت ہے حیات۔ اور اس حقیقت کی اساس ہے روح۔ اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ مادہ حاکم بھی نہیں ہے کہ اس سے مراجعت کی جائے اور اس سے کمالات مانگے جائیں، بلکہ وہ محکوم ہے جو ایک معین اساس کے مطابق چلتا ہے اور ان راستوں میں متحرک رہتا ہے جن کا تعارف یہ اساس اُسے کرواتی ہے۔ اور وہ اساس ہے حیات۔ رُوح۔ اور شعور۔

اور اسی طرح ضرورت کا یہ تقاضا ہے کہ مادہ مغز، اساس اور ثابت و مستقر نہیں ہے کہ اس کے اعمال و کمالات کا تعلق جوڑا جائے یا اس پر اُن کی بنیاد رکھی جائے، بلکہ وہ تو چھلکا، غلاف، جھاگ اور ظاہری صورت ہے جو کہ پھٹنے، پگھلنے اور پارہ پارہ ہونے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

کیا یہ بات مشاہدے میں نہیں ہے کہ ایک آنکھوں سے نظر نہ آنے والا ایک مائیکروبی حیوان بھی اتنے تیز اور قوی حواس کا مالک ہوتا ہے کہ اپنا رزق دیکھتا ہے، اپنے ساتھی کی آواز سنتا ہے اور انتہائی حساس مشاعر کا مالک ہوتا ہے۔ یہ حالت اس بات کی دلیل ہے کہ مادہ کے چھوٹے اور دقیق ہونے کے حساب سے آثارِ حیات بڑھتے ہیں اور نورِ روح شدید ہوتا ہے۔ یعنی مادہ جس قدر پتلا اور مہین اور ہماری مادیات سے دور ہو گا اُس میں روح کی حرارت اور زندگی کی روشنی زیادہ جلوہ گر ہو گی، گویا کہ وہ اس حالت میں عالمِ روح، عالمِ حیات اور عالمِ شعور کے زیادہ قریب ہوتا جاتا ہے۔

تو کیا یہ ممکن ہے کہ اس مادے کے حجاب میں تو حیات و شعور و روح کے اتنے چھینٹے پڑیں اور اس حجاب کے ماتحت والا عالمِ باطن ذی روح اور ذی شعور مخلوق سے یکسر خالی ہو؟۔ اور کیا یہ کسی بھی طرح ممکن ہے کہ عالمِ شہادت اور مادیات میں پائے جانے والے معانی، روح اور حقیقت کے تمام لامحدود رشحات کے اور اس کے لمعات و ثمرات کے تمام سرچشموں کا مرجع مادہ اور اُس کی حرکت ہی ہو، اور ان تمام چیزوں کی تفسیر صرف مادہ اور اس کی حرکت کے ساتھ ہی کی جائے؟۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ غیر محدود رشحات و لمعات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ عالمِ مادیات اور عالمِ شہادت ایک رقیق سا حجاب ہے جسے عالمِ ملکوت اور عالمِ ارواح پر پھیلا دیا گیا ہے۔

Marfat.com

## دوسری بنیاد

یہ کہنا صحیح ہے کہ۔ تعبیر میں اختلافات سے قطع نظر۔ تمام اہل عقل واہلِ نقل کا ملائکہ کے وجود کی حقیقت پر اور عالم روحانی کے ثبوت پر معنوی اجماع کی رُو سے اتفاق ہے، خواہ انہیں اس چیز کا علم ہو یا نہ ہو۔ حتی کہ اشراقی فلاسفہ کا ایک گروہ جو کہ مشائین کے نام سے مشہور ہے اور جو کہ مادیات میں بہت آگے نکل گئے ہیں، وہ بھی ''ملائکہ'' کے معنی کا انکار نہیں کرتے ہیں؛ کیونکہ وہ ملائکہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ: ''ہر نوع کی ایک مجرد روحانی ماہیت ہے''۔ یعنی وہ ملائکہ کے بارے ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ اور قدیم اشراقی فلاسفہ کا ایک گروہ جب ملائکہ کے ''معنی'' کو قبول کرنے پر مجبور ہوا تو اُنہوں نے ان پر غلطی سے ''عقولِ عشرہ اور اربابِ انواع'' کا اطلاق کر دیا۔

اور تمام اہلِ ادیان وحی کے الہام وارشاد سے یہ بات قبول کرتے ہیں کہ: موجودات کی ہر نوع کے حساب سے ایک فرشتہ پایا جاتا ہے جس کی ڈیوٹی اس نوع کے ساتھ لگا دی گئی ہے، جیسے پہاڑوں کا فرشتہ، سمندروں کا فرشتہ اور بارشوں کا فرشتہ وغیرہ چنانچہ وہ ان کے اسی طرح کے نام رکھتے ہیں۔

حتی کہ مادہ پرست نیچری جن کی عقل اُن کی آنکھوں میں اُتر آتی ہے اور جو انسانیت سے جمادات کے درجے تک گر گئے ہیں وہ بھی ملائکہ اور روح کی حقیقت کے معنی کا انکار نہیں کر سکے ہیں، (حاشیہ:۱)

چنانچہ اُنہوں نے فطرت کے قوانین میں جاری وساری قوتوں کو ''قوائے ساریہ'' کا نام دے دیا، اب اُن کا اس طرح کرنا۔ اگرچہ برے طریقے سے ہی سہی۔ ملائکہ کے معنی کی اضطراری تصدیق تھی۔

پس اے درماندہ ومسکین انسان جو کہ ملائکہ اور روحانیات کو قبول کرنے میں تردّد کا اظہار کر رہا ہے، ایسا کس چیز کے سہارے کر رہا ہے؟ اور کس چیز پر بھروسا کیے ہوئے ہے؟ اور اپنی روش سے تُو تمام اہلِ عقل کے اُس اتفاق کے مقابلے میں اُتر رہا ہے جو اُن کے جانتے یا نہ جانتے ہوئے ملائکہ کے معنی کے ثبوت ان کے وجود کی حقیقت اور عالمِ روحانی کے تحقق پر منعقد ہو چکا ہے؟۔

پس جب حیات موجودات کا انکشاف کرنے والی بلکہ موجودات کا نتیجہ اور خلاصہ ہے جیسے کہ اساسِ اول میں ثابت کیا گیا ہے، اور تمام اہل عقل معنوی طور پر ملائکہ کے معنی پر متفق ہیں۔ اگرچہ اُن کی تعبیروں میں اختلاف ہے۔ اور ہماری یہ زمین اِن تمام ذی حیات اور ذی ارواح سے معمور ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ فضائے بسیط باشندوں سے اور یہ لطیف آسمان باسیوں سے خالی ہو؟

---

(حاشیہ:۱) ایک دوسرے نسخے میں یہ عبارت اس طرح ہے: ''یہ لوگ ملائکہ اور روحانیات کا انکار نہیں کر سکے بلکہ انہیں قوائے جاریہ کا نام دے دیا۔ اور یہ وہی چیز ہے جنہیں قوانینِ فطرت میں قوائے ساریہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ۔ غلط صورت میں ہی سہی۔ تاہم ایک جہت سے تصدیق کرنے پر مجبور ہو گئے۔۔۔۔ افسوس اُس آدمی پر جو خود کو عقلمند سمجھتا ہے!''

Marfat.com

اور یہ کبھی نہ سوچنا کہ کائنات میں جاری وساری یہ نوامیس وقوانین کائنات کو حیات سے بہرہ ور کرنے کے لیے کافی ہیں؛ کیونکہ یہ جاری اور حاکم نوامیس وقوانین اعتباری اوامر اور وہمی دساتیر ہیں جو بالکل بے حقیقت اور لاشیٔ ہیں۔

پس اگر اللہ کے ایسے بندے موجود نہ ہوتے جنہیں ''ملائکہ'' کہا جاتا ہے اور جو ان قوانین کی زمام اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور انہیں بروئے کار لاتے ہیں تو ان نوامیس وقوانین کا وجود متعین نہ ہوسکتا اور ان کے تشخص کی پہچان نہ ہوسکتی اور وہ ایک خارجی حقیقت نہ ہوتے، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ حیات ایک خارجی حقیقت ہے اور کوئی وہمی امر کسی خارجی حقیقت کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

## الحاصل:

جب اہلِ حکمت، اہلِ دین، اصحابِ عقل ونقل معنوی طور پر اس بات پر متفق ہیں کہ موجودات صرف اس عالمِ شہادت میں ہی منحصر نہیں ہیں، اور جب یہ ظاہری عالم شہادت جو کہ جامد ہے اور روحوں کے ہم شکل ہونے کے لیے بھی سازگار نہیں ہے، اسے اس قدر ذی ارواح کے ساتھ مزین کیا گیا ہے، تو یہ ممکن نہیں کہ وجود صرف اسی میں منحصر ہو، بلکہ وجود کے اتنے زیادہ طبقات موجود ہیں کہ یہ عالم شہادت اُن کے مقابلے میں ایک منقش پردے کی حیثیت رکھتا ہے، اور یہ بھی کہ جب عالمُ الغیب اور عالمُ المعنی ارواح کے ساتھ اُسی طرح مطابقت رکھتے ہیں جیسے کہ سمندر مچھلی کے ساتھ، تو پھر یہ ضروری ہے کہ وہ روحوں سے بھرے ہوئے ہوں۔ اور جب تمام اُمور ملائکہ کے معنی کے وجود کی گواہی دیتے ہیں، تو پھر اس میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا ہے کہ ملائکہ کے وجود اور روحانیات کی حقیقت کی خوبصورت ترین صورت اور اُن کی وہ بہترین اور معقول حالت اور کیفیت جسے عقولِ سلیمہ قبول کرتی اور اچھا سمجھتی ہیں، بلاشک وہ ہے جس کی تشریح پوری وضاحت کے ساتھ قرآن کریم کرتا ہے۔ قرآن کریم ملائکہ کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ: ''معزز اور مکرم بندے ہیں'' وہ امر کی مخالفت نہیں کرتے ہیں اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اُسے بجالاتے ہیں، اور یہ کہ ملائکہ لطیف نورانی اجسام کے مالک ہیں اور مختلف انواع میں منقسم ہیں۔

جی ہاں، جس طرح بشر ایک ایسی اُمت ہیں جو کہ صفتِ ''کلام'' سے وارد ہونے والی الٰہی شریعت کے حامل ہیں، اس کی ترجمانی کرتے ہیں، اس کا عملی نمونہ بنتے ہیں اور اسے نافذ کرتے ہیں، اسی طرح ملائکہ بھی ایک عظیم اُمت ہیں، اور ان میں سے جو کارکُن قسم کے ہیں وہ صفتِ ''ارادہ'' سے وارد ہونے والی شریعت تکوینیہ کے حامل ہیں، اس کے ترجمان ہیں اور اُس کا عملی نمونہ ہیں، اور وہ اللہ کے بندوں کی ایک قسم ہیں، ارادۂ ازلیہ اور قدرتِ فاطرہ جو کہ مؤثر حقیقی ہے، کی کامل اطاعت کرتے ہیں، چنانچہ اجرامِ علویہ میں سے ہر جرم ان کے لیے ایک مسجد اور معبد کی حیثیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

## تیسری بنیاد

بے شک ملائکہ اور روحانیات کا مسئلہ ان مسائل کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جن کے ایک جزء کے وجود کے ثبوت سے کل کا وجود ثابت ہو جاتا ہے، اور صرف ایک شخص کی رؤیت سے عمومی نوع کا وجود معلوم ہو جاتا ہے؛ کیونکہ جو ایک کا انکار کرے گا وہ تمام کُل کا انکار کرے گا اور جو ایک فرد کو قبول کرے گا وہ اس نوع کو عمومی طور پر قبول کرنے پر مجبور ہوگا۔ بات جب ایسے ہی ہے تو آپ یہ نہیں دیکھتے اور سنتے ہیں کہ تمام اہلِ ادیان تمام ادوار میں ملائکہ کے وجود اور روحانی دنیا کے ثبوت پر متفق رہے ہیں، اور نوعِ انسانی کے معتدبہ گروہوں کا ملائکہ کے ساتھ بات چیت، ان کے مشاہدے اور اُن سے روایت کرنے پر ایسے ہی اجماع ہو چکا ہے جیسے کہ وہ آپس میں بات چیت کرتے، ایک دوسرے کا مشاہدہ کرتے اور ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔ تو پھر کیا خیال ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ اگر ملائکہ میں سے بدیہی طور پر کسی فردِ واحد کا مشاہدہ نہیں ہوا ہے، اور ان میں سے کسی ایک فرد کا یا زیادہ افراد کے وجود کا مشاہدے کے ذریعے قطعی طور پر علم نہیں ہو سکا ہے اور ان کے وجود کا بدیہی اور مشاہداتی طور پر احساس نہیں ہوا ہے، تو پھر کیا یہ بات بنیادی طور پر ممکن ہے کہ اس قسم کا اجماع اور اتفاق دوام میں رہے۔ اور اس جیسے ایجابی اور وجودی امر میں وہ اجماع و اتفاق مسلسل اور متواتر ہمیشہ چلتا آئے؟ اور خاص کر ان حالات میں جن کا استناد و اعتماد مشاہدے پر ہو؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ اس عمومی اعتقاد کا سرچشمہ بدیہی اُمورِ ضروری مبادیات نہ ہو؟ اور پھر کیا یہ بھی ممکن ہے کہ تمام بشری انقلابات وتغیرات اور تمام انسانی عقائد میں ایک بے حقیقت وہم برابر باقی رہے اور مسلسل چلتا رہے؟ اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اہلِ ادیان کے اس عظیم الشان اجماع کی سند اور تکیہ حدسِ قطعی اور یقینِ شہودی نہ ہو؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ یہ حدسِ قطعی اور یقینِ شہودی کا سرچشمہ بے شمار امارات وعلامات نہ ہوں؟ اور ان امارات وعلامات کا سرچشمہ غیر محدود مشاہداتی واقعات نہ ہوں؟ اور ان مشاہداتی واقعات کا سرچشمہ کسی بھی شک وشبہ سے پاک ضروری اور مستند مبادیات نہ ہوں؟

معاملہ جب ایسے ہی ہے تو پھر سمجھ لو کہ اہلِ ادیان میں عمومی اعتقادات کی بنیادیں اُن ضروری مبادیات اور قطعی اساسات پر ہیں جو بار ہا بار ملائکہ کے مشاہدے اور روحانیت کی رؤیت سے حاصل ہوئی ہیں اور جو قطعی الثبوت ہونے کی وجہ سے تواترِ معنوی کی قوت اختیار کر چکی ہیں۔

اور کیا یہ بات ممکن، مقبول اور معقول ہے کہ ملائکہ کے وجود، عالمِ ارواح اور اُن کے مشاہدے کی جو خبر انبیاء واولیاء نے دی ہے اور جس کی اُنہوں نے متواتر اور معنوی اجماع کے ساتھ گواہی دی ہے، اُس میں کوئی شک وشبہ راہ پا جائے؟ وہ انبیاء واولیاء جو کہ نوعِ انسانی کی اجتماعی زندگی کے شموس ونجوم واقمار ہیں، خاص کر وہ تو اس مسئلے میں ''اختصاص'' کا درجہ رکھتے ہیں؟ کیونکہ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ کسی بھی مسئلے کے دو اہلِ اختصاص یا سپیشلسٹ عام ہزاروں لوگوں پر بھاری ہوتے ہیں، اور پھر وہ اس مسئلے میں اہل ''اثبات'' بھی ہیں، اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ دو ''اہلِ اِثبات''

Marfat.com

ہزاروں ''اہل نفی'' پر بھاری ہوتے ہیں۔

اور کیا یہ ممکن ہے کہ کائنات کے آسمان پر ہمیشہ چمکنے والے اور کبھی بھی نہ غروب ہونے والے عالم حقیقت کے شمس الشموس یعنی قرآنِ معجز بیان کی دی ہوئی خبروں میں اور شمسِ رسالت نبی کریم ﷺ کی شہادات و مشاہدات میں کوئی شک وشبہ راہ پا جائے؟

یہ بات جب حقیقت ہے کہ کسی بھی وقت میں اگر کسی ایک روحانی وجود کا ثبوت مل جائے تو وہ اس ایک فرد یا وجود کی تمام انواع کی دلیل ہوتا ہے۔ اور بالفعل اس کا ثبوت مل بھی گیا ہے۔ تو پھر یہ ضروری ہے کہ ان کے وجود کی حقیقت کی سب سے افضل، معقول اور مقبول صورت وہ ہے جس کی تشریح شریعت نے کی ہے اور جو قرآن نے بیان کی ہے اور جس کا مشاہدہ صاحبِ المعراج علیہ الصلاۃ والسلام نے کیا ہے۔

## چوتھی بنیاد

کائنات کو جب دقیق نظری سے دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ: جزئیات کی طرح کُلیات کا بھی ایک شخص معنوی ہے جس کی کُلّی خدمات اور کلّی وظائف مشاہدے میں آ رہے ہیں۔

پس ایک پھول ــ مثال کے طور پر ــ اگر اپنی ذات میں صنعت گری کے گہرے نقوش کا اظہار کرتے ہوئے اپنی زبانِ حال سے اپنے فاطر کے ناموں کا ذکر کرتا ہے، تو زمین کے تمام باغ باغیچے بھی اس پھول کا حکم ہی رکھتے ہیں اور انتہائی منظم طریقے سے کلّی تسبیحات کا وظیفہ ادا کرتے ہیں۔ اور جس طرح ایک پھل اپنی تسبیحات کے بارے میں عجیب وغریب اور حیرت انگیز نظم وضبط کے ساتھ اعلان کرتا ہے، اسی طرح ایک بلند و بالا درخت کی بھی اُس کی اپنی کلّی حیثیت اور عمومی ہیئت سے ایک فطری عبودیت اور وظیفہ حیات ہے جسے وہ انتہائی منظم طریقے سے ادا کر رہا ہے۔ اور جس طرح ایک درخت کی اس کے پتوں، پھولوں اور پھلوں کے کلمات کے ساتھ اپنے پروردگار کی تسبیحات ہیں، اسی طرح آسمانوں کا یہ عظیم الشان بحرِ بے کنارا اپنے شموس ونجوم واَقمار کے ساتھ اپنے فاطرِ ذُوالجلال اور صانعِ ذوالجمال کی تسبیح بیان کرتا ہے اور اس کی حمد وثنا میں مگن ہے۔ اِسی طرح یہ تمام کی تمام خارجی موجودات کی بھی ــ ان کے بظاہر جامد اور لاشعور ہونے کے باوجود ــ انتہائی درجے کی زندگی اور شعور سے بھرپور وظائف اور تسبیحات ہیں۔

پس ملائکہ جب عالم ملکوت میں ان موجودات کی تسبیحات کی نمائندگی کرتے ہیں تو یہ موجودات بھی عالمِ وحدت اور عالمِ شہادت میں اُن ملائکہ کی مساجد، معابد اور مساکن کا رُوپ دھار جاتی ہیں۔ ہم ''چوبیسویں مقالے'' کی چوتھی شاخ میں اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں کہ کون ومکاں کے اس عظیم الشان محل کا مالک اور بانی اپنی مملکت کو آباد رکھنے کے لیے چار قسم کے کارکن استعمال کرتا ہے، اور ان میں سے سرفہرست ملائکہ اور روحانیات ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ ''نباتات و

Marfat.com

جمادات'' اپنی خدمات بغیر علم کے اور بغیر کسی اُجرت کے سرانجام دیتے ہیں البتہ کام کرتے ایسے ہیں جیسے کہ اپنے مالک کے حکم کے ماتحت ہوں اور اس کے قصد وارادے کو جانتے ہوں۔ اور ''حیوانات'' بھی عظیم الشان کلی خدمات ومقاصد بغیر علم کے اور جزوی اُجرت کے مقابلے میں سرانجام دیتے ہیں۔ اور ''انسانوں'' کے بارے میں یہ بات مشاہدے میں ہے کہ اُن سے ۔ اُنہیں حرکت کی توفیق دے کر ۔ خدمت لی جاتی ہے، لیکن اُنہیں اس چیز کا علم بھی ہوتا ہے وہ صانع ذوالجلال کے مقاصد کو بھی جانتے ہیں اور اپنی یہ خدمات دوقسم کی اُجرتوں کے مقابلے میں سرانجام دیتے ہیں۔ عاجل اور آجل۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر چیز سے اپنا حصہ بھی لیتے ہیں اور دوسرے خدام ۔ حیوانات ونباتات ۔ کی نگرانی بھی کرتے ہیں۔

جی ہاں، جب ان انواع سے خدمات لینا آنکھوں دیکھا مشاہدہ ہے تو پھر ضروری ہے کہ خدام وعمال کی ایک اور قسم بھی موجود ہو جو کہ چوتھی قسم ہے، چوتھی کیوں بلکہ اُسے تو پہلی قسم کہنا چاہیے۔ یہ خدام ایک پہلو سے تو انسان کے مشابہ ہیں، اور وہ اس طرح کہ یہ صانعِ ذوالجلال کے مقاصدِ کلیہ کا علم رکھتے ہیں، چنانچہ وہ اُس کی عبودیت اس کے اوامر کے ساتھ مطابقت رکھتی ہوئی حرکات کے ساتھ کرتے ہیں۔ لیکن دوسرے پہلو سے انسان سے مختلف ہیں: اور وہ یہ کہ یہ نفسانی حصوں اور جزوی اُجرت کے جذبات سے بالکل خالی ہیں، چنانچہ وہ اس لذت، کمال اور سعادت کو ہی اپنے لیے کافی سمجھتے ہیں جو انہیں صانع ذُوالجلال کی نگاہِ کریمانہ سے، اُس کے اوامر سے، اُس کی توجہ سے، اس کی قربت سے اور اس کی طرف نسبت سے انہیں حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ خالص اور مخلص ہو کر اُس کی رضا کے لیے اُس کے نام کے طفیل سے مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ انہیں ملائکہ کہا جاتا ہے۔ پس ان کی عبودیت کے وظائف ان کی اجناس اور کائنات میں موجودات کی انواع و اقسام کے حساب سے متنوع قسم کے ہیں، جیسے کہ مختلف محکموں اور دفتروں اور دائرہ ہائے کار کے حساب سے حکومت کے مختلف ملازم ہوتے ہیں۔ اِسی طرح ان ملائکہ کے بھی سلطنت ربوبیت میں دائرہ ہائے کار کے اختلاف کے حساب سے مختلف تسبیحات اور وظائف عبودیت ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر حضرت میکائیل اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب، اس کی رضا کی خاطر اور اُس کی طاقت اور قوت کے بل پر ۔ اگر یہ تعبیر جائز ہے تو ۔ سطحِ زمین کی کھیتی میں بوئی ہوئی تمام مخلوقات الٰہیہ کا عمومی نگران ہے، یعنی وہ ان تمام ملائکہ کا سردار ہے جو کسانوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ اِسی طرح اُس فاطرُ الحکیم کا ایک اور عظیم الشان فرشتہ ہے جو کہ اس کے حکم وامر اور طاقت، قوت وحکمت سے تمام جانداروں کے معنوی نگرانوں کا عظیم الشان اور ذمہ دار رئیس ہے۔

تو جب یہ بات لازم ہے کہ موجودات میں سے ہر ایک پر ایک مؤکل فرشتہ مقرر ہے جو کہ ان موجودات کی تسبیحات اور عبودیت کے وظائف کی عالمِ ملکوت میں ترجمانی کرتا ہے اور اُسے علم کی روشنی میں بابِ الوہیت میں پیش کرتا ہے، تو پھر یہ بات کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ مخبر صادق نے ملائکہ کی صورتوں کے بارے میں جو بھی خبر دی ہے وہ انتہائی معقول

Marfat.com

اور مناسب ہے۔

مثال کے طور پر آپ ﷺ کا فرمان ہے: کچھ فرشتے ایسے ہیں جن میں کچھ کے چالیس ہزار سر ہیں اور ہر سر میں چالیس ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں چالیس زبانیں ہیں جن کے ساتھ وہ چالیس ہزار تسبیحات پڑھتے ہیں۔ اب حدیث کی جو حقیقت ہے اس کا ایک معنی ہے اور ایک صورت ہے، معنی اس کا یہ ہے کہ: ملائکہ کی عبادات انتہائی منظم مکمل، کلی اور وسیع ترین ہیں۔ اور صورت اُس حقیقت کی یہ ہے کہ: کچھ ایسی گرانڈیل جسمانی موجودات پائی جاتی ہیں جو اپنی عبودیت کے وظائف چالیس ہزار سروں کے ساتھ اور چالیس ہزار طریقوں سے انجام دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر آسمان اپنے شموس و نجوم کے ساتھ تسبیح کرتا ہے، اور زمین جو کہ ایک مخلوق ہے، یہ اپنی عبودیت اور تسبیحات ربانیہ کا وظیفہ ایک لاکھ سروں کے ساتھ ادا کرتی ہے، اُن میں سے ہر سر میں ایک لاکھ منہ ہیں اور ہر منہ میں ایک لاکھ زبانیں ہیں۔ اب جو فرشتہ کرۂ زمین پر مقرر ہے ضروری ہے کہ وہ اسی صورت و شکل میں عالمِ ملکوت میں ظہور کرے اور مشاہدے میں آئے تا کہ وہاں اِس معنی کا اظہار کر سکے۔ میں نے بادام کا ایک متوسط سا درخت دیکھا کہ اس کی چالیس کے قریب بڑی شاخیں تھیں جو کہ اس کے سروں کا حکم رکھتی تھیں، پھر میں نے اُن میں سے ایک شاخ کو دیکھا تو اس میں چالیس کے قریب چھوٹی چھوٹی شاخیں نظر آئیں جو کہ زبانوں کا حکم رکھتی تھیں، پھر میں نے دیکھا کہ اس چھوٹی سی ٹہنی کی صرف ایک زبان میں چالیس پھول کھلے ہوئے ہیں، تب میں نے ذرا گہری اور حکیمانہ نظر سے ان پھولوں کو دیکھا تو نظر آیا کہ ہر پھول میں چالیس کے قریب انتہائی خوبصورت اور حیرت انگیز رنگوں پر مشتمل اور منظم قسم کے غلاف، صنعت کے نمونے اور دقیق اور مہین قسم کے ریشے نظر آئے، اُن میں سے ہر ایک صانعِ ذُوالجلال کے اسمائے حسنٰی میں سے کوئی نہ کوئی اسم الاپ رہا تھا اور اس کی تجلی کو آشکار کر رہا تھا۔

تو کیا یہ ممکن ہے کہ بادام کے اس کا صانع ذُوالجلال اور حکیم ذوالجلال، اِس جامد درخت پر تو اتنے زیادہ وظائف لاد دے اور خود اس پر کسی فرشتے کو مؤکل نہ بنائے جو کہ اس کی روح کا حکم رکھتا ہو اور جو اُس کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو، جو اس کے وجود کا معنی سمجھتا ہو اور اس معنی کا کائنات میں اعلان کر رہا ہو اور کائنات کو اس سے آگاہی دے رہا ہو؟ اور اُسے درگاہِ الٰہی میں پیش کر رہا ہو؟

اے دوست! ہم نے جو کچھ ابھی تک بیان کیا ہے بطورِ تمہید ہے تا کہ وہ دل کو قبول کرنے کے لیے آمادہ کر دے، اور نفس کو تسلیم و رضا کا خوگر بنا دے، اور عقل کو تصدیق و خود سپردگی کے لیے تیار کرے۔ اس لیے اگر اس تمہید کو کسی حد تک سمجھ گئے ہو اور ملائکہ کے ساتھ اجتماع چاہتے ہیں تو پھر تیاری کر اور خود کو ردّی اوہام سے پاک کر۔ پس آؤ عالمِ قرآن کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، جنتِ قرآن کے دروازے تو دائما کھلے ہوئے ہیں۔ اندر داخل ہو کر فردوسِ قرآن میں ملائکہ کے سیمائے زیبا کو دیکھیں۔ آیاتِ تنزیل کی ہر آیت ایک منزل ہے۔ پس ان منازل سے دیکھیں:

Marfat.com

﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا☆ فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا ☆ وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا☆ فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا☆ فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا﴾

﴿وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا ☆ وَالنَّاشِطَاتِ نَشْطاً☆وَالسَّابِحَاتِ سَبْحاً☆ فَالسَّابِقَاتِ سَبْقاً☆ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا﴾

﴿تَنَزَّلُ الْمَلآئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ﴾

﴿عَلَيْهَا مَلٰئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَاأَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَايُؤْمَرُونَ﴾

پھر سنو کہ وہ اُن کی تعریف کرتا ہے:

﴿سُبْحَانَهُ ، بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ☆ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ﴾

اور اگر جنوں کے ساتھ اجتماع چاہتے ہو تو پھر اس سورت میں داخل ہو جاؤ:

﴿..قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ..﴾

یعنی اس سورت کی چار دیواری میں داخل ہو جاؤ اور وہ جو کہتے ہیں اُسے غور سے سنو۔

﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآناً عَجَبًا☆ يَهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا...﴾

## دُوسرا مقصد

''قیامت، دنیا کی موت اور آخرت کی زندگی کے بارے میں'' اس میں ایک تمثیلی مقدمے سمیت چار بنیادیں ہیں۔

### مقدمہ

اگر کوئی آدمی یہ دعویٰ کرے کہ یہ شہر یا یہ محل عنقریب تباہ ہو جائے گا اور اسے دوبارہ نئے سرے سے محکم و منضبط طریقے سے تعمیر کیا جائے گا، تو پھر بلاشک اس کے اس دعوے پر چھ سوال مرتب ہوں گے۔

پہلا سوال: اسے برباد کیوں کیا جائے گا؟ کیا اس کی کوئی معقول وجہ یا تقاضا ہے؟ اگر اس کا جواب ہاں میں ہو تو پھر اس پر،

دوسرا سوال: وارد ہو گا کہ کیا وہ صانع اسکو تخریب کر کے دوبارہ تعمیر کرنے پر قادر ہے؟

تیسرا سوال: یہ وارد ہوتا ہے کہ: کیا اس کی تباہی و بربادی ممکن ہے؟ اور کیا یہ واقعتا برباد ہو جائے گا؟ اگر وہ کہے ہاں، اور اُس کی بربادی کا امکان ثابت کر دے اور یہ بھی ثابت کر دے کہ واقعتا برباد ہو جائے گا تو پھر اس پر دو اور سوال وارد ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ: کیا اس محل یا شہر کی تعمیر نئے سرے سے ممکن ہے؟ اگر ممکن ہے تو کیا اس کی تعمیر ہو گی؟ اب اگر وہ ہاں کہے اور یہ دونوں چیزیں بھی ثابت کر دے تو پھر کسی بھی جہت میں کوئی بھی ایسا رخنہ نہیں رہ جاتا ہے جس سے اِس مسئلے

Marfat.com

تک کوئی شک وشبہ یا دوسوسہ راہ پا سکے۔

اب اس مثال کی روشنی میں یہ سمجھو کہ دنیا کے اس محل اور کون ومکان کے اِس شہر کو برباد کرنے اور اسے دوبارہ تعمیر کرنے کا کوئی تقاضا ہے، اور اس کا صانع اور بانی قادر ہے، اور یہ کہ اس کی تخریب وتباہ کاری ممکن ہے اور واقعتاً ہوگی اور اسکی تعمیر ممکن اور واقعتاً ہوگی جیسے کہ اس تمثیل میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ مسائل پہلی بنیاد کے بعد ثابت ہو جائیں گے۔

## پہلی بنیاد

بے شک روح قطعی طور پر باقی رہنے والی ہے۔ اور پہلے مقصد میں ملائکہ اور روحانیات کے وجود پر جتنے بھی دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ تمام کے تمام ہمارے اس مسئلے یعنی بقائے روح کے دلائل بھی ہیں۔ اور میرے نزدیک یہ مسئلہ اس قدر قطعی ہے کہ اس کی مزید وضاحتیں فضول لگتی ہیں۔

جی ہاں! باقی رہنے والی اُن بے حد وحساب رُوحوں کے وہ قافلے جو عالم برزخ اور عالم ارواح میں موجود ہیں اور جو آخرت کی طرف سفر کرنے کے لیے منتظر ہیں، ہمارے اور اُن روحوں کے درمیان فاصلہ بہت مہین اور تھوڑا سا ہے، اتنا مہین اور تھوڑا سا کہ اسے دلیل و برہان کے ساتھ ثابت کرنا کچھ ضروری نہیں؛ کیونکہ بے حد وحساب اہلِ کشف وشہود کا اُن کے ساتھ میل ملاپ اور اہلِ کشف وشہود کا انہیں آنکھوں سے دیکھ لینا، بلکہ کچھ عام لوگوں کا اُن کے ساتھ بات چیت کرنا اور رویائے صادقہ میں ان کے ساتھ میل جول کرنا اس قدر تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جس سے بقائے روح کا مسئلہ ان لوگوں کے درمیان جانا پہچانا سا اور ان کے روزمرہ کے علم کا حصہ بن گیا ہے۔ لیکن اس دور میں مادی فکر نے ہر آدمی کو مدہوش کر دیا ہے اور سادہ سے اور بے ساختہ اُمور کے بارے میں بھی ذہنوں میں وسوسے ڈال دیے ہیں۔ پس ہم اس قسم کے وسوسوں کے ازالے کے لیے قلبی تیز فہمی اور عقلی فرمانبرداری کے بہتیرے سرچشموں میں سے صرف چار سرچشموں کی طرف اشارہ کریں گے، اُن سے پہلے ایک مقدمہ ہوگا۔

### مقدمہ

جیسے کہ ''دسویں مقالے کی چوتھی حقیقت'' میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ:

ایک بے مثال انوکھا، ابدی اور سرمدی حُسن وجمال کا یہ قطعی تقاضا ہوتا ہے کہ اُس کے مشتاق ہمیشہ رہیں؛ کیونکہ اُن کی حیثیت اُس آئینے کی سی ہے جس میں وہ حسن وجمال منعکس ہوتا ہے۔ اور ایک باکمال اور نقص سے پاک صنعت کے شاہکار کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے دلّال اور اس کے بارے میں غور وفکر کرنے والے ہمیشہ رہیں، اور ایک لامحدود رحمت اور احسان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے حاجت مند شکر گزار ہمیشہ ناز ونعمت سے بہرہ ور رہیں۔ پس حسن وجمال کو آئینے کی طرح منعکس کرنے والا مشتاق۔ اور وہ دلّال اور متفکر۔ اور وہ شاکر محتاج سب سے پہلے روحِ انسانی ہے، اس لئے روح اس

Marfat.com

حسن و جمال، اُس کمال اور اس رحمت کی ہمراہی میں اَبَدُ الآباد کے راستے میں دوام وخلود سے آشنا رہے گی۔ اور اسی طرح ''دسویں مقالے'' کی چھٹی حقیقت میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ:

صرف روحِ انسانی پر ہی کیا منحصر، عام سے عام اور سادہ سے سادہ مخلوقات بھی فنا کے لیے پیدا نہیں کی گئی ہیں، بلکہ ایک قسم کی بقاء کا مظہر ہیں۔ چنانچہ ایک بے روح، بے اہمیت پھول بھی جب ظاہری وجود کو چھوڑ جاتا ہے تو اُس کی شکل وصورت بہت سے ذہنوں میں محفوظ رہ جاتی ہے، اور اس کی ترکیبات کا قانون انتہائی چھوٹے چھوٹے سینکڑوں بیجوں میں محفوظ رہ جاتا ہے اور یوں وہ ہزاروں پہلوؤں سے بقاودوام کا ایک طرح کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

تو جب پھول کی شکل وصورت اور اس کی ترکیب کا قانون _ جو کہ جزوی طور پر روح کے مشابہ ہے _ حفیظُ الحکیم کی جانب سے تغیرات وتقلبات کی تند وتیز لہروں کے درمیان بھی کمال انتظام کے ساتھ اپنے ذرّوں جیسے چھوٹے چھوٹے بیجوں میں باقی اور محفوظ رہتا ہے، تو پھر یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ روح انسانی جو کہ ایک، حیات وشعور اور ہمہ گیر خصائص کی مالک ہے اور جسے خارجی وجود پہنا دیا گیا ہے، ضروری ہے کہ وہ قطعی طور پر ابد تک باقی ہے اور سرمدیت اور خلود وبقا کے ساتھ مضبوط بندھن کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ اب اگر اتنی سی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو پھر تم یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہو کہ: میں ایک صاحبِ شعور انسان ہوں؟۔

جی ہاں، وہ حکیمِ ذوالجلال اور حفیظِ لازوال جو کہ ایک گرانڈیل درخت کا تمام منہج اور رُوح کے ساتھ کسی حد تک مشابہت رکھنے والے شکل پذیری کے قانون کو نقطے جیسے چھوٹے سے بیج میں رکھ دیتا ہے اور اس کی نگرانی بھی کرتا ہے، کیا ایسی ذات کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ: وہ مرجانے والے لوگوں کی روحوں کی حفاظت اور نگرانی کیسے کرے گا؟

## پہلا سرچشمہ: اَنفُسی

اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی آدمی جب اپنی زندگی میں ذرا گہری نظر ڈالے گا اور اپنی ذات میں غور کرے گا تو یہ بات سمجھ جائے گا کہ روح باقی ہے۔ جی ہاں، بے شک یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ ہر روح بہت لمبی زندگی گزارنے کے باوجود بعینہٖ اُسی طرح باقی ہے، حالانکہ اس نے اس عرصے کے برابر بہت سے جسم تبدیل کیے ہیں۔ اس سے پتا چلا کہ جسم جب آتا اور چلا جاتا ہے تو روح جو موت کی وجہ سے کلیتاً مجرد ہو جاتی ہے، اُس کی یہ حالت اس کی بقا پر اثر انداز نہیں ہوتی ہے اور اسی طرح یہ چیز اس کی ماہیت بھی خراب نہیں کرتی، بلکہ صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ مدتِ حیات میں تدریجاً جسم کا لباس تبدیل کرتی رہتی ہے، یعنی جسم میں ہر روز تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔ (حاشیہ:۱) لیکن موت کی صورت میں وہ یکبارگی مجرد اور بے لباس ہو جاتی ہے۔ اور یہ چیز انتہائی قطعی دوراندیشانہ انداز ے بلکہ مشاہدے سے ثابت ہو چکی ہے کہ: جسم روح

---

(حاشیہ:۱) حالانکہ اس نے کتنے سال گزارے ہیں اور ان سالوں میں جسم کتنی ہی تبدیلیوں سے دوچار ہوتا رہا!

Marfat.com

کے ساتھ قائم ہے، مطلب یہ کہ روح جسم کے ساتھ قائم نہیں بلکہ روح بذاتِ خود قائم اور بذاتِ خود حاکم و فرمانروا ہے، اس لیے جسم ٹوٹتا پھوٹتا اور بکھرتا رہے یا اکٹھا رہے کچھ فرق نہیں پڑتا اور اس سے رُوح کے استقلال میں خلل نہیں آتا ہے۔ بلکہ جسم روح کا گھر اور گھونسلا ہے اس کا لباس نہیں، بلکہ روح کا لباس ایک لطیف سا غلاف ہے، اور اس غلاف کا لباس ایک مثالی جسم ہے جو کہ لطافت میں روح کے عین مناسب ہے اور کسی حد تک ثابت و برقرار ہے۔ یعنی یہ کہ روح ہنگامِ موت بھی کلیتاً عُریاں نہیں ہوتی بلکہ اپنا مثالی جسم پہن کر اپنے گھونسلے سے باہر نکل آتی ہے۔

## دوسرا سرچشمہ، آفاقی

یعنی وہ فیصلہ جو بہتیرے تجربات، متعدد واقعات اور مکرر مشاہدات سے بروئے کار آیا ہے۔

جی ہاں، اگر موت کے بعد ایک روح کا باقی رہنا سمجھ میں آجائے تو پھر روح کی اس ''نوع'' کا کلی طور پر باقی رہنا لازم آتا ہے؛ کیونکہ علمِ منطق کا یہ قطعی قاعدہ ہے کہ: ایک ذاتی خاصہ جب فردِ واحد میں پایا جائے تو تمام افراد میں بھی اُس کے وجود کا حکم لگا دیا جائے گا؛ کیونکہ وہ خاصہ ذاتی ہے۔ اور جب یہ ذاتی ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ ہر فرد میں پایا جائے۔ اور صورتِ حال یہ ہے کہ روح کے بقا و دوام کا ظہور یہی نہیں کہ صرف ایک ہی فرد میں ہوا ہے بلکہ وہ آثار کہ جن کا اعتماد ایک فرد پر نہیں بلکہ بے حد و حساب مشاہدات پر ہے، اور وہ علامات جو کہ بقائے روح پر دلالت کرتی ہیں وہ بالکل قطعی طور پر ثابت شدہ ہیں۔ جس طرح دنیائے جدید (امریکا) کے وجود میں اور اس میں بسنے والے لوگوں کے بارے میں کوئی بھی شک و شبہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس وقت عالم ملکوت و عالم ارواح میں فوت شدگان کی روحوں کا جم غفیر موجود ہے، جن کا ہمارے ساتھ تعلق ہے، چنانچہ ہمارے معنوی تحفے اُن تک پہنچتے ہیں اور ان کے نورانی فیوضات ہم تک پہنچتے ہیں۔ اسی طرح حدسِ قطعی کے ذریعے وجدانی طور پر اس چیز کا احساس ہوتا ہے کہ: انسان کی ہستی کا ایک بنیادی رکن اس کی موت کے بعد باقی رہتا ہے، اور وہ بنیادی رکن ہے روح۔ لیکن روح تخریب و انحلال کی زد میں نہیں آتی ہے، کیونکہ رُوح بسیط (غیر مرکب) ہے اور وحدت کی حامل ہے: تخریب و انحلال اور فاسد ہو جانے کا تعلق کثرت اور مرکب اشیاء کے ساتھ ہے۔ اور جیسے کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، کہ حیات کثرت کو ایک قسم کی وحدت کا امین بنا دیتی ہے اور اس طرح ایک قسم کی بقا کا سبب بنتی ہے، مطلب یہ ہے کہ وحدت اور بقا روح میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اور ان دونوں سے پھر یہ کثرت کی طرف چلتی ہے۔ اور روح کی فنا یا تو تخریب و انحلال کے ذریعے ہوتی ہے لیکن ''وحدت'' اس تخریب و انحلال کو وہاں داخل ہونے کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں دیتی ہے اور اس کی بساطت (بسیط ہونا) فساد کو وہاں تک جانے کا راستہ نہیں دیتی ہے۔ اور یا پھر اس کے فنا ہو جانے کا تعلق اس کے نسیت و نابود ہو جانے کے ساتھ ہے، لیکن یہ چیز اُس جوادِ مطلق کی بے پایاں رحمت کے شایانِ شان نہیں ہے، اور اُس کے لامحدود جود و کرم کا یہ برتاؤ ہرگز نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ روح

Marfat.com

کو عطا کیئے ہوئے اس وجود کی نعمت کو اس سے چھین لے جس وجود کے ساتھ وہ مناسبت بھی رکھتی ہے اور اُس کی بہت زیادہ مشتاق بھی ہے۔

## تیسرا سرچشمہ ہمہ گیریت

بے شک روح ایک نورانی، جامع، ذی حقیقت، ذی حیات اور ذی شعور قانونِ کُلیت کا اکتساب کرنے کے لیے بالکل مستعد امری قانون ہے جسے خارجی وجود پہنا دیا گیا ہے۔ اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ کمزور ترین قانونی اوامر بھی بقا وثبات کا مظہر ہیں، کیونکہ وہ تمام انواع جو تغیرات کی زد میں ہیں، ان میں ایک حقیقتِ ثابتہ پائی جاتی ہے، وہ حقیقت تمام تغیرات وانقلابات واطوارِ حیات میں مختلف شکلیں تبدیل کرتی ہوئی لڑھکتی رہتی ہے لیکن ہمیشہ زندہ وتابندہ رہتی ہے مرتی نہیں۔ اور یہ حقیقت اس وقت نظر آتی ہے جب گہری نظر سے دیکھا جائے۔ پس نوعِ انسانی کا ہر شخص یا فرد اپنی جامع ماہیت، اپنے کلی شعور اور اپنے ذاتی اور عمومی تصور کی بنا پر ایک نوع کا حکم رکھتا ہے، اس لیے ایک نوع کے لیے جو قانون وارد اور جاری ہوگا وہ اُس شخصِ انسانی یا فردِ انسانی میں بھی جاری ہوگا۔ تو جب فاطرِ ذُوالجلال نے انسان کو بلند ماہیت اور کلی عبودیت کی وجہ سے ایک جامع اور ہمہ گیر آئینے کی صورت میں پیدا کیا ہے تو پھر ہر فرد میں پائی جانے والی روح کی حقیقت اللہ کے حکم سے کبھی مرے گی نہیں بلکہ جیسے زندہ وپایندہ آئی تھی اسی طرح زندگی گزارے گی اور چلی جائے گی اگرچہ لاکھوں رُوپ تبدیل کرتی رہے۔ بس پتا چلا کہ انسان کی روح جو کہ اُس انسانی شخص یا فرد کی ایک ذی شعور حقیقت اور ذی حیات عُنصر ہے، وہ اللہ کے امر اور اُس کے اِذن سے اور اُس کے اُس کو باقی رکھنے کے ساتھ دائماً باقی رہے گی۔

## چوتھا سرچشمہ امر وارادہ

انواع میں جو قوانین کام کر رہے ہیں وہ کسی حد تک روح کے مشابہ ہیں اور کسی حد تک روح کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں؛ کیونکہ یہ دونوں ہی "عالمُ الامر والارادہ" کی جانب سے آئے ہیں، یعنی ان دونوں کا مصدر یا سرچشمہ ایک ہے پس جب ہم انواع میں جاری وساری اِن فطری قوانین میں گہری نظر ڈالیں جن کا ظاہری محسوس ہونے والا وجود نہیں ہے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ:

اگر یہ امری قانون خارجی وجود پہنتا تو وہ ان انواع کی روح کا رُوپ دھار جاتا؛ کیونکہ یہ قانون باقی رہنے والا، مستمر اور دائمی ثابت وبرقرار ہے، اس لیے کسی قسم کے تغیرات وانقلابات ان قوانین کی وحدت میں نہ اثر انداز ہوتے ہیں اور نہ اُسے خراب کرتے ہیں، مثال کے طور پر:

جب انجیر کا درخت مرتا اور بکھر جاتا ہے تو اس کی صورت پذیری کی ترکیب اور نشو ونما کا قانون جو کہ اس کی روح کا حکم رکھتا ہے، نہیں مرتا اور اس کے ذرّے جیسے بیج میں زندہ رہتا ہے، یعنی اُس کے قوانین کی وحدت تمام تر تغیرات وتقلّبات

Marfat.com

میں غیر متاثر باقی رہتی ہے۔ تو جب سادہ، کمترین اور کمزور ترین امری قوانین بھی بقاو دوام کے ساتھ اس حد تک مضبوط بندھے ہوئے ہیں تو پھر یہ چیز قطعی طور پر لازم ہے کہ روح انسانی نہ صرف یہ کہ بقا کے ساتھ بلکہ ابدُ الآباد کے ساتھ مضبوط رشتے کے ذریعے بندھی ہوئی ہے؛ کیونکہ روح بھی ایک ذی شعور قانون اور ذی حیات فطری ضابطہ ہے جو کہ نصِ قرآنی اور اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر عہد ﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ کی رُو سے عالم امر سے وارد ہوا ہے۔ پس قدرتِ ازلی نے اسے خارجی وجود پہنا دیا ہے۔ اِس بنا پر شعور سے خالی قوانین جن کی آمد عالمِ ''امر'' اور صفتِ ''ارادہ'' سے ہوئی ہے، وہ ہمیشہ یا غالبًا باقی رہتے ہیں۔ اسی طرح رُوح جو کہ عین اُنہیں کی طرح ہے اور انہیں کہ طرح عالمِ ''امر'' سے آئی ہے اور صفتِ ''اِرادہ'' کی مظہر ہے، بقاو دوام کے قطعی طور پر زیادہ لائق ہے؛ کیونکہ یہ وجود رکھتی ہے اور ایک خارجی حقیقت کی مالک ہے۔ اور یہ ان تمام قوانین سے زیادہ قوی اور عالی مرتبہ ہے؛ کیونکہ یہ شعور رکھتی ہے۔ اور اُن تمام قوانین سے زیادہ دوام بردوش اور قیمتی ہے؛ کیونکہ یہ زندگی رکھتی ہے۔

## دُوسری بنیاد

ابدی سعادت کا تقاضا موجود ہے، اور وہ فاعلِ ذُوالجلال جو کہ عنقریب یہ سعادت عطا کرے گا وہ قادر و مقتدر بھی ہے۔ اور اِس جہان کی تباہی و بربادی اور دنیا کی موت ممکن ہے اور عنقریب وقوع پذیر بھی ہوگی۔ اور اس جہان کو نئے سرے سے زندہ کرنا اور حشر برپا کرنا ممکن ہے اور عنقریب بالفعل ایسا ہوگا بھی۔

پس یہ چھ مسائل ہیں، ہم انہیں ایک ایک کر کے اختصار کے ساتھ ایسے انداز سے بیان کریں گے جو عقل کو مطمئن کر سکے۔ یاد رہے کہ ''دسویں مقالے'' میں ایسی براہین ذکر کر دی گئی ہیں جنہوں نے دلوں کو ایمانِ کامل کے مرتبے پر فائز ہونے کے قابل بنا دیا ہے۔ البتہ یہاں پر ہم صرف ایسے پہلوؤں سے بحث کریں گے جو عقل کو قائل اور لاجواب کر سکیں۔ اور اس میں اسلوب وہی اپنایا جائے گا جو کہ ''نقطة'' نامی رسالے میں ''سعیدِ قدیم'' کا ہے۔ جی ہاں، بے شک سعادتِ ابدی کا تقاضا موجود ہے، اور اس تقاضے کے وجود پر قطعی دلالت کرنے والی برہان وہ حدس وتخمین ہے جو کہ دس سرچشموں اور مداروں سے ٹپک رہا ہے۔

## پہلا مدار

جب گہری نظر سے دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ اِس کائنات کی تمام جہات میں ایک ایسا کامل ترین قصدی نظم و انتظام نظر آتا ہے جس میں اختیار کی کرنیں جھلملاتی اور قصد و ارادے کے رشحات نظر آتے ہیں۔ حتی کہ ہر چیز میں ''قصد'' کا نور اور ہر حالت اور کیفیت میں ''ارادے'' کی روشنی اور ہر حرکت میں ''اختیار'' کی کرن اور ہر ''ترکیب'' میں حکمت کا شعلہ اُن کے ثمرات کی شہادت تیز اور عمیق نظروں کو ملتفت کرتی ہے۔ پس اگر سعادت ابدی کا وجود نہ ہو تو یہ تمام اساسی

Marfat.com

نظام ایک کمزور، بودی اور ناتواں صورت میں باقی رہ جائے گا اور جھوٹا اور بے بنیاد نظام ہوگا، تمام معنویات، روابط اور نسبتیں جو کہ نظم وانتظام کی روح ہیں ہباءً منثورا ہو کر زائل ہو جائیں گی۔ تو پتا چلا کہ اس نظام کو جو چیز واقعتاً ''نظام'' بناتی ہے وہ سعادتِ ابدی ہی ہے، پس نتیجہ یہ نکلا کہ یہ نظامِ عالم سعادتِ ابدی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

## دوسرا مدار

بے شک تخلیقِ کائنات میں ایک مکمل قسم کی حکمت نظر آتی ہے، جی ہاں، وہ حکمتِ الٰہیہ جو کہ واضح طور پر اُس کی عنایت ازلی کی چلتی پھرتی تصویر ہے۔ پس یہ حکمتِ الٰہیہ کہ جس میں تمام موجودات کی مصلحتوں کا جو خیال رکھا گیا ہے اور اُن میں آشکار ہونے والی حکمتوں کا جو التزام پایا جاتا ہے، یہ سب اپنی زبان حال کے ساتھ اس بات کا اعلان کر رہی ہیں کہ سعادتِ ابدی کا وجود ہے؛ کیونکہ اگر سعادتِ ابدی کا وجود نہ ہو تو پھر اس کائنات میں بدیہی طور پر پائی جانے والی حکمتوں اور فائدوں کا از راہ تکبر وعناد انکار لازم آتا ہے۔ اس حقیقت کو چونکہ ''دسویں مقالے'' کی ''دسویں حقیقت'' میں سورج کی طرح واضح کر دیا گیا ہے، اس لیے اختصار سے کام لیتے ہوئے اس مقام پر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

## تیسرا مدار

عقل، حکمت، استقراء اور تجربے کی شہادت سے یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ موجودات کی تخلیق میں عبث اور اسراف بالکل نہیں، اور یہ عدمِ عبث اور عدمِ اسراف دونوں سعادتِ ابدی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور اس بات کی دلیل کہ فطرت میں اسراف اور خلقیت میں عبثیت بالکل نہیں ہے، یہ ہے کہ صانعِ ذوالجلال نے ہر چیز کی تخلیق کے لیے قریب ترین راستہ، ادنیٰ ترین جہت، سبک ترین صورت اور خوبصورت ترین کیفیت اختیار کی ہے، اور یہ کہ کبھی وہ ایک چیز کے ذمے ایک سو وظائف لگا دیتا ہے اور کبھی ایک کمزور باریک سی چیز پر ایک ہزار غایات ونتائج لٹکا دیتا ہے۔ تو جب اسراف اور عبث نہیں ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ سعادتِ ابدی بہر صورت بروئے کار آئے گی؛ کیونکہ اگر زندگی کا نئے سرے سے وجود نہ ہو تو عدم ہر چیز کو عبث بنا دے گا، اور یوں ہر چیز اسراف ہو جائے گی البتہ یہ ہے کہ ''علمِ وظائف الأعضاء'' (Anatomy) کی شہادت سے ثابت ہونے والی یہ حقیقت کہ انسان کے بشمول عمومی فطرت میں جو عدم اسرف پایا جاتا ہے، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان میں پائی جانے والی لامحدود معنوی صلاحیتیں اور لانہایت آمال و افکار ومیلانات میں اسراف نامی کوئی چیز نہیں ہے۔ پس نتیجہ یہ کہ انسان میں جو ہر طرح سے مکمل ہونے کا جو بُنیادی میلان رکھ دیا گیا ہے وہ ایک قسم کے کمال کے وجود پر دلالت کرتا ہے، اور یہ کہ اُس کا سعادت کی طرف میلان اس بات کا قطعی اعلان کرتا ہے کہ اُسے ابدی سعادت کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو یہ بنیادی معنویات اور علوی آمال و خواہشات جو کہ انسان کی حقیقی ماہیت کی تشکیل کرتی ہیں، اسراف اور عبث کے گھاٹ اتر جائیں گی اور اس پُر حکمت

Marfat.com

موجودات کے برعکس خشک ہو کر ہباءً منثورا ہو جائیں گی۔ یہ حقیقت چونکہ ''دسویں مقالے'' کی ''گیارہویں حقیقت'' میں ثابت کر دی گئی ہے اس لئے اس مقام پر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

## چوتھا مدار

بے شک بہت سی انواع میں رونما ہونے والے تغیرات وتبدّلات، حتی کہ لیل ونہار، سرما وگرما میں، ہوا کی فضا میں، حتی کہ انسانی جسم میں جسے وہ مدتِ حیات میں تبدیل کرتا رہتا ہے اور نیند جو کہ موت کی ہم شکل ہے۔ یہ سب کی سب گوناگوں قیامتیں ہیں جو کہ حشر نشر کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں اور قیامت کبریٰ کے وقوع پذیر ہونے کا شعور بخشتی اور رمزی انداز میں اس کی خبر دیتی ہیں۔

جی ہاں، جس طرح ہماری یہ گھڑی اپنی پھرکیوں کی حرکت کے ذریعے سیکنڈ، منٹ، گھنٹے اور دن شمار کرتی ہے اور اس کی ہر سوئی اپنی حرکت کے ذریعے اپنے بارے میں اور اپنے ساتھ والی سوئی کے بارے بتاتی ہے، یعنی ان میں سے ہر سُوئی اپنے ساتھ ملی ہوئی دوسری سوئی کو آگے دھکیلتی ہے، اور یوں تمام سوئیاں گھومتی اور کام کرتی ہیں، اسی طرح یہ دُنیا بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی گھڑی ہے جو کہ اپنی گردش کے ذریعے دن، سال اور انسان کی عمر کو شمار کرتی ہے اور اُسی طرح اس کی ہر سوئی اپنے ساتھ والی کی خبر دیتی ہے اور اسے آگے بھی کرتی ہے۔ پس جس طرح صبح اپنی رات کے بعد اور بہار اپنی خزاں کے بعد آتی ہے اسی طرح یہ گھڑی ہمیں رمزی انداز میں بتاتی ہے کہ صبحِ قیامت عنقریب موت کے بعد اسی کارخانۂ حیات اور اسی عظیم ترین گھڑی سے طلوع ہونے والی ہے۔

پھر یہ ہے کہ قیامت کی بہت سی انواع واقسام ایسی ہیں جن کے ساتھ ایک انسان کا زندگی بھر پالا پڑتا رہتا ہے، چنانچہ وہ ہر رات ایک قسم کی موت کے ذریعے حشر کی علامت دیکھتا ہے اور ہر صُبح ایک قسم کی حیاتِ نو کا نظارہ کرتا ہے، بلکہ وہ پانچ یا چھ سال کی مدت میں اپنے جسم کے تمام ذرّات کو تبدیل کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک سال میں دو مرتبہ قیامت اور حشر کے تدریجی نمونے دیکھ لیتا ہے اور اسی طرح وہ ہر موسم ربیع میں حیوانات ونباتات کی انواع واقسام میں حشر ونشر وقیامت کے تین لاکھ سے زائد نمونوں کا مشاہدہ کر لیتا ہے۔ تو حشر کے اس قدر نشانات واشارات اور نشر کی اِس قدر امارات وعلامات، سب قیامتِ کبریٰ کے رشحات ہیں، جو کہ قطعی طور پر حشر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پس اُس ایک صانع الحکیم کی جانب سے انواع میں اس قسم کی نوعی قیامت کو برپا کرنا، یعنی موسمِ بہار میں نباتات کی تمام رگوں کو اور حیوانات کی ایک قسم کو بعینہ زندگی سے بہرہ ور کر دینا، اور اشیائے کائنات کی ایک دوسری قسم کا بعینہٖ نہیں بلکہ بمثلہٖ اعادہ کر دینا، جیسے کہ اُن کے پتے پھول اور پھل ہیں، یہ چیز عمومی قیامت کے ضمن میں ہر شخصِ انسانی کی انفرادی قیامت اور انفرادی حشر کی دلیل بن سکتی ہے؛ کیونکہ نوعِ انسانی کا ایک ''فرد'' کائنات کی دیگر اشیاء کی ایک ''نوع'' کا حکم رکھتا ہے؛ کیونکہ فکر کی روشنی نے انسان کے

Marfat.com

آمال وافکار کواتنی وسعت دے دی ہے کہ جو ماضی اور مستقبل کا احاطہ کرتی ہے، اتنی وسعت کہ اگر تمام دنیا کو بھی نگل لے تو سیر نہ ہو سکے۔ لیکن دیگر جتنی بھی انواع ہیں اُن میں افراد کی ماہیت جزوی ہے، اُن کی قیمت شخصی ہے، اُن کی نظر محدود ہے اوران کا کمال محصور ہے اوراُن کی لذت اور الم وقتی اور لمحاتی ہیں۔ لیکن جہاں تک تعلق ہے بشر کی ماہیت کا، تو وہ بہت بلند ہے، اس کی قیمت مہنگی ہے، اس کی نظر عام اور ہمہ گیر ہے، اس کا کمال غیر محدود ہے اوراس کی لذت والم کی ایک قسم دائمی ہے۔ تو پتا چلا کہ تمام انواع میں یہ جو قیامت اور حشر کی انواع واقسام کا تکرار مشاہدے میں آ رہا ہے، اس بات کی رمزی انداز میں خبر دے رہا ہے کہ عمومی قیامتِ کبریٰ میں ہر شخصِ انسانی کا حشر اُس شخص کا بعینہٖ اعادہ کر کے ہوگا۔

یہ بات ہم نے چونکہ دسویں مقالے کی نویں حقیقت میں دوضربِ دو چار کی طرح قطعی طور پر ثابت کر دی ہے، اس لیے یہاں ہم اختصار سے کام لے رہے ہیں۔

## پانچواں مدار

وہ غیر محدود صلاحیتیں جو کہ روحِ انسانی کے جوہر میں مندرج کر دی گئی ہیں، اور وہ غیر محصور قابلیات جو اِن استعدادات میں رکھ دی گئی ہیں، اور وہ غیر محدود میلانات جو اِن قابلیات سے پیدا ہوتے ہیں، اور وہ لانہایت اُمیدیں اور آرزوئیں جو کہ ان غیر محدود میلانات سے حاصل ہوتی ہیں، اور وہ انسانی افکار وتصوّرات جو کہ ان لانہایت امیدوں آرزوؤں سے جنم لیتے ہیں، ان سب نے اس عالمِ شہادت سے ماوراء میں پائی جانے والی ابدی سعادت کی طرف ہاتھ پھیلا رکھے ہیں اور ٹکٹکی لگا رکھی ہے اور ہمہ تن اس کی طرف توجہ کر رکھی ہے، جیسے کہ محقق علماء کا مشاہدہ ہے۔ پس فطرت جو کہ قطعاً جھوٹ نہیں بولتی ہے، اوراس فطرت میں سعادتِ ابدی کے لیے قطعی طور پر پایا جانے والا شدید غیر متزلزل میلان، یہ دونوں وجدان کو ایسے حدسِ قطعی کا وارث بنا دیتے ہیں جو کہ سعادتِ ابدی کے تحقق کا دارومدار ٹھہرتا ہے۔

''دسویں مقالے'' کی گیارہویں حقیقت نے اس مسئلے کو چونکہ روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا ہے، اس لیے یہاں ہم اختصار سے کام لے رہے ہیں۔

## چھٹا مدار

موجودات کے صانعِ رحمان ورحیم کی رحمت سعادتِ ابدی کی جلوہ گری کر رہی ہے۔

جی ہاں: اس رحمت کی شان یہ ہے کہ وہ نوعِ بشر کو اس سعادتِ ابدی سے محروم نہ کرے جو کہ نعمت کو نعمت بناتی ہے اور نعمت کو نقمت کی صورت میں تبدیل ہو جانے سے بچاتی ہے اور موجودات کو فراقِ ابدی سے حاصل ہونے والی آہ وفغاں سے نجات دلاتی ہے؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ سعادتِ ابدی ہبہ نہ کی جائے جو کہ تمام نعمتوں کی چوٹی، عنوان، سردار، غرض وغایت اور نتیجہ ہے، اور اگر یہ دنیا اپنی موت کے بعد ''آخرت'' کی صورت میں دوبارہ اُٹھائی نہ جائے تو تمام

Marfat.com

نعمتیں نقمتوں کا رُوپ دھار جائیں گی۔اور اس سے اُس رحمتِ الٰہی کے وجود کا انکار لازم آئے گا جو کہ بداہتاً اور ضرورتاً کون ومکاں میں ظاہر ومشہود ہے۔اور کائنات کی شہادت کے ساتھ ثابت ہے، اور جو ایک ایسی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ سورج سے بھی زیادہ روشن ہے۔

پس عشق، شفقت اور عقل کی اُن نعمتوں میں نظر کرو جو کہ رحمت کے جلووں سے اور اُس کے لطیف آثار سے ہویدا ہیں اور ان میں غور کرو۔پس اگر یہ فرض کرلو گے کہ حیاتِ انسانی انجام کار ابدی فراق اور دائمی ہجران کی طرف چلی جارہی ہے اور یوں عدم کے گھاٹ اُتر جائے گی، تو تمہیں نظر آئے گا کہ وہ لطیف محبت سب سے بڑی مصیبت بن جائے گی، اور وہ لذیذ شفقت عظیم ترین علت کا روپ دھار جائے گی اور وہ نورانی عقل سب سے بڑی بلا بن کر سامنے آجائے گی۔تو پتا چلا کہ رحمت_ اپنے رحمت ہونے کی حیثیت سے_ اِس ابدی ہجر وفراق اور عدم کے ساتھ حقیقی محبت کا سامنا نہیں کر سکے گی۔

دسویں مقالے کی دوسری حقیقت میں چونکہ اس حقیقت کی انتہائی خوبصورت انداز سے وضاحت ہو چکی ہے، اس لیے یہاں اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔

## ساتواں مدار

بے شک تمام لطائف ومحاسن، تمام کمالات وانجذابات اور تمام اشتیاقات وترحمات جو اس کائنات میں نظر آرہے ہیں کوئی نہ کوئی ایک معنی ہے، ایک مضمون ہے، ایک معنی دار لفظ ہے، جو دل کو بداہتاً اور ضرورتاً صانع ذوالجلال کے رحم وکرم اور لُطف واحسان کی تجلّیات کا نظارہ کراتے ہیں اور انہیں عقل کی آنکھ کے مشاہدے میں لاتے ہیں۔پس جب اس عالم میں ''حقیقت'' کا وجود ہے تو پھر حقیقی رحمت بدیہی طور پر موجود ہے، اور جب حقیقی رحمت موجود ہے تو پھر سعادتِ ابدی بہر صورت وقوع پذیر ہوں گی۔دسویں مقالے کی چوتھی حقیقت نے دوسری حقیقت سمیت اس حقیقت کی وضاحت روزِ روشن کی طرح کردی ہے۔

## آٹھواں مدار

بے شک انسان کا وجدان جو کہ اُس کی ذوشعور فطرت کا نام ہے، اُس کی آنکھ سعادتِ ابدی پر لگی ہوئی ہے۔

جی ہاں، جو اپنے بیدار وجدان کی طرف کان لگائے گا لازماً سنے گا کہ ایک آواز مسلسل آرہی ہے، اور وہ آواز ہے ''اَبد اَبد''۔اگر اس وجدان کو تمام کائنات بھی دے دی جائے تو بھی وہ وجدان کی اِس اَبد والی ضرورت کو پوری نہیں کر سکے گی۔ مطلب یہ ہے کہ وجدان ایک ایسی مخلوق ہے جو کہ اس ابد کے لیے پیدا کی گئی ہے، اور یہ جو وجدانی جذب وانجذاب ہے یہ صرف اُسی صورت میں ظہور میں آسکتا ہے جبکہ یہ اُس جذب کے ذریعے ہو جس کا صدور حقیقی غایت اور حقیقی جاذِب کی جانب سے ہوگا۔

Marfat.com

دسویں مقالے کی گیارہویں حقیقت کے اختتام میں اس حقیقت کا اثبات کر دیا گیا ہے۔

## نواں مدار

محمد عربی ﷺ کا خبر دینا، جی ہاں، بے شک صادق ومُصدَّق ومصدوق نبی محمد عربی علیہ الصلاۃ والسلام کے اقوال نے سعادتِ ابدی کے دروازے کھول دیے ہیں، جی ہاں، اُن کے کلمات سعادتِ ابدی کی طرف کھلنے والی کھڑکیاں ہیں؛ کیونکہ آپ ﷺ کے تمام دعووں کا، آپ کی تمام قوت کے ساتھ مرکزی نقطہ_ توحید الٰہی کے بعد_ حشر اور یہ ابدی سعادت ہے۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کے ہاتھ میں تمام انبیاء کا اجماع اور تمام اُولیاء کا تواتر ہے۔ اب کیا ایسی کوئی بھی چیز ہے جو کہ اس مضبوط قوت کو متزلزل کر سکے؟

دسویں مقالے کی بارہویں حقیقت میں اس حقیقت کی پوری وضاحت کر دی گئی ہے۔

## دسواں مدار

قرآنِ معجز بیان کی دی ہوئی قطعی اور یقینی خبریں، وہ قرآنِ کریم جس کے اعجاز کی چالیس انواع واقسام ہم ''پچیسویں مقالے'' میں ثابت کر چکے ہیں، اور جس نے تیرہ صدیوں تک اپنے اعجاز کی سات پہلوؤں سے حفاظت اور نگہبانی کی ہے۔

جی ہاں، قرآن کا بذاتِ خود حشرِ جسمانی کے بارے میں خبر دینا، اس عالم کے سربند طلسم کو کھولنے والی چابی اور اس کائنات میں پائی جانے والی حکمت کے اسرار ورموز کی کنجی ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ وہ قطعی عقلی براہین جو قرآنِ معجز بیان کے دامن میں پائے جاتے ہیں اور قرآنِ کریم نے جن میں بار بار غور وفکر کرنے کا حکم دیا ہے، وہ ہزاروں کے حساب سے ہیں، منجملہ ان میں سے یہ ہے کہ: اُس نے بہت سی آیات کے ذریعے انسان کی گہری نظر سے دیکھنے والی آنکھوں پر بہت زیادہ تعداد میں نظر کی عینکیں لگا دی ہیں جو اُس کی نظر کو حشر جسمانی میں پائی جانے والی ابدی سعادت کا نظارہ کراتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا. ☆قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىْ اَنْشَأَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ۔ ان میں قیاس تمثیلی پایا جاتا ہے اور فرمانِ گرامی: ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْدِ﴾ عدالت کی دلیل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اور ہم فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا. اور قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىْ اَنْشَأَهَا اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ میں پائے جانے والے اُس قیاسِ تمثیلی کا خلاصہ اپنے مضمون ''النقطہ'' نامی رسالے میں پوری وضاحت سے بیان کر چکے ہیں جس پر قرآن کریم نے ان دو آیتوں کے علاوہ دیگر بہت سی آیات میں پوری وضاحت سے روشنی ڈالی ہے، اور اس کا خلاصہ کچھ اس طرح سے ہے کہ:

Marfat.com

انسان کا بدن جب بھی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتا ہے بہت سے منظم اور عجیب وغریب انقلابات سے گزرتا ہے، پس اُس کا نطفہ سے علقہ کی حالت میں آنا، اور علقہ سے مُضغہ کی حالت میں آنا، مُضغہ سے ہڈی اور گوشت کی طرف آنا اور ہڈی اور گوشت سے خلقِ جدید یعنی انسان کی صورت میں منتقل ہونا، عمل کا یہ سارا دورانیہ انتہائی دقیق دساتیر کے تابع ہے۔ اور ان میں سے ہر حالت کے کچھ خصوصی قوانین، کچھ معین انتظامات اور کچھ مرتب حرکات ہیں جو شفاف شیشوں کی طرح اپنے پیچھے پائی جانے والی قصد وارادہ اور اختیار وحکمت کے جلووں کو نمایاں کرتی ہیں۔

چنانچہ وہ صانع الحکیم جس نے اس بدن کو اس طریقے سے پیدا کیا ہے، اس بدن کو لباس کی طرح ہر سال تبدیل کر دیتا ہے۔ یہ بدن ایک جدید ترکیب کا محتاج ہے تاکہ جدید ذرّات آ کر کام کریں اور اس بدن کو تبدیل کرنے اور اس کو باقی رکھنے کے لیے اُن تحلیل شدہ اجزاء کی جگہ پُر کریں۔ تو گویا اُس بدن کے خُلیے ایک ایسے لطیف مادے کا تقاضا کرتے ہیں جسے رزق کہا جاتا ہے تاکہ ایک منظم ربانی قانون کے ساتھ تعمیر کا کام کریں؛ کیونکہ اُن کی تحلیل ایک مخصوص الٰہی قانون کے ذریعے ہوئی ہے چنانچہ وہ رزاقِ حقیقی اِس رزق کو اُس بدن کے اعضاء کی مختلف حاجات وضروریات کے حساب سے تقسیم کر دیتا ہے۔

اب ذرا رزاقِ حکیم کی طرف سے بھیجے گئے اس لطیف مادے یعنی رزق کے مختلف اطوار کو دیکھو تو تمہیں پتا چلے گا کہ: اس مادے کے ذرّات جو کہ کرۂ ہوا میں۔ زمین میں۔ اور پانی میں ایک منتشر قافلے کی طرح اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے اچانک اس طرح سے اکٹھے ہو رہے ہیں جیسے کہ وہ قصد وارادے کے تحت حرکت میں آئے ہوں اور جیسے کہ انہیں حکم ہوا ہو کہ دفعتاً اکٹھے ہو جاؤ! تو وہ انتہائی منظم طریقے سے اکٹھا ہونا شروع ہو گئے۔ گویا کہ ان میں سے ہر ذرّے کو یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ فلاں معین جگہ پر چلا جائے اور وہاں جا کر اپنی ڈیوٹی ادا کرے۔ اور یوں اُن کی ان حرکات سے یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ:

انہیں ایک بااختیار ہستی کسی خاص قانون کے تحت ہانک کر لاتی ہے، اور اس طرح وہ عالمِ جمادات سے عالمِ موالید یعنی عالمِ ذی حیات میں داخل ہو جاتے ہیں، پھر رزق کی حیثیت سے معیّن انتظامات، درست اور مسلسل حرکات اور مخصوص دساتیر کے ساتھ کسی بدن میں داخل ہو جاتے ہیں، اور پھر چار باورچی خانوں میں پک کر، چار عجیب قسم کے انقلابات سے گزر کر اور چار قسم کی صافیوں سے چھن کر اور صاف ہو کر بدن کے تمام کونوں کُھدروں میں پھیل جاتے ہیں، اور رزاقِ حقیقی کی عنایت سے اور اُس کے منظم قوانین کے ذریعے تمام ضرورت منداعضاء میں اُن کی مختلف ضرورتوں کے درجات کے حساب سے تقسیم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ ان میں سے کسی بھی ذرے کو بنظرِ حکمت دیکھیں گے تو نظر آئے گا کہ یہ ذرّہ جو کہ بصیرت، انتظام، سماع اور معرفت کی روشنی میں ہانک کر لایا گیا ہے اس میں ''اندھے اتفاق'' اور ''لڑکھڑاتے

Marfat.com

تصادف''،''گونگی بہری نیچر''اور''لاشعور اسباب'' کا کوئی شائبہ یا عمل دخل نہیں ہے؛ کیونکہ ان میں سے ہر ذرّہ جب ابتدا میں محیط عنصر ہونے اور انتہا میں جسم کے چھوٹے سے خلیے کے اندر داخل ہونے تک، کسی بھی حالت میں داخل ہوتا ہے تو انتہائی منظم طریقے سے ہوتا ہے، بالکل ایسے جیسے کہ اپنے اختیارات کے ساتھ اس حالت سے متعلقہ قوانین کے مطابق سر گرم عمل ہے۔ اور جب یہ کسی بھی طبقے کی طرف سفر کرتا ہے تو اتنے منظم طریقے سے قدم اُٹھاتا ہے کہ واضح طور پر نظر آتا ہے کہ کسی پُر حکمت ہنکارے کے حکم سے محوِ سفر ہے۔

اور یوں یہ ذرّہ جب بھی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور ایک طبقے سے دوسرے طبقے کی طرف سفر کرتا ہے تو اس طرح منظم طریقے سے کرتا ہے کہ اپنے ہدفِ مقصود سے اِدھر اُدھر نہیں ہوتا، تا آنکہ امرِ ربانی کے ذریعے اپنے خصوصی مقام مثال کے طور پر ''توفیق'' کی آنکھ کی پُتلی تک جا پہنچتا ہے، چنانچہ وہاں ڈیرہ ڈالتا ہے اور اپنے کام میں جُت جاتا ہے۔ پس اس حالت میں یعنی رزق کی اقسام میں ربوبیت کی جلوہ گری اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ذرّات معین تھے، ذمہ دار ملازم تھے اور ابتدا ہی سے ان مقامات کے لیے نامزد تھے۔ پس ایسے انتظام کا وجود کہ گویا اُن میں سے ہر ایک کی پیشانی پر یہ لکھ دیا گیا ہے کہ: یہ فلاں خلیے کا رزق ہے، یہ انتظام اس چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہر انسان کا رزق اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے اور اس کا نام تقدیر کے قلم کے ساتھ اس کے رزق پر لکھا ہوا ہے۔

تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ صانعِ ذُوالجلال جو کہ غیر متناہی قدرت اور اِحاطہ کُناں حکمت کے ساتھ امورِ ربوبیت سرانجام دے رہا ہے، اور جس نے ذرّوں سے لے کر سیاروں تک تمام موجودات کی باگ ڈور اپنے قبضۂ تصرف میں تھام رکھی ہے اور ان تمام چیزوں کو جو انتہائی محکم انتظام اور دقیق میزان کے ساتھ چلا رہا ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ نشاۃِ اُخری کا اہتمام نہ کرے یا نشاۃِ اُخری سے عاجز رہے؟۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات انسان کی نظر اس حکیمانہ'' نشاۃِ اُولیٰ'' کی طرف پھیرتی ہیں اور اُسے بطورِ مثال حشر اور قیامت میں برپا ہونے والی ''نشاۃِ اُخریٰ'' کے لیے استعمال کرتی ہیں اور اس طرح انسانی ذہن سے اس شبہے کو زائل کرتی ہیں کہ ایسا ہونا بعید از عقل اور ناممکن ہے، چنانچہ وہ کہتی ہیں: ﴿قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾، یعنی جس نے تمہیں عدم سے اس حکیمانہ صورت میں پیدا کیا ہے، وہی تمہیں عنقریب آخرت میں بھی زندہ کرے گا۔ اسی طرح وہ کہتی ہیں: ﴿وَهُوَ الَّذِى يَبْدَءُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ یعنی حشر میں تمہارا اعادہ کرنا اور تمہیں دو بارہ زندہ کرنا تمہیں دنیا میں پیدا کرنے سے کہیں زیادہ سبک اور آسان ہے۔ تو جس طرح کسی دستے کے فوجی جب ستانے کے لیے اِدھر اُدھر بکھر جائیں، پھر انہیں بگل کی آواز سے بلا لیا جائے تو اُن کا دستے کے جھنڈے کے نیچے آسانی کے ساتھ اکٹھے ہو جانا ایک نئے دستے کو تشکیل دینے سے کہیں زیادہ سبک اور آسان ہے۔ اسی طرح وہ اساسی ذرّات جو کہ

Marfat.com

کسی بھی ایک بدن میں ایک دوسرے کے ساتھ آمیزش سے باہم مانوس ہو گئے اور ایک دوسرے سے تال میل کھا گئے ہیں، اُن کا صورِ اسرافیل کے ذریعے خالق ذُوالجلال کے امر پر لبیک کہنا اور اکٹھے ہو جانا عقلی طور پر ایجادِ اول سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تمام تر ذرّات کا اجتماع لازم نہ آئے بلکہ وہ اساسی اور اصلی ذرات جو کہ گٹھلیوں اور بیجوں کا حکم رکھتے ہیں اور جنہیں حدیث میں ''عجبُ الذَنب'' (Tail bone) یعنی ''دُمچی'' سے تعبیر کیا گیا ہے، (حاشیہ:۱)

صرف وہی ''نشاۃِ ثانیہ'' کی بنیاد ہوں! چنانچہ صانع الحکیم انسانی بدن کی بنیاد نئے سرے سے انہیں پر استوار کر دے!۔

اور آیت کریمہ ﴿وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِلعَبِیدِ﴾ ایک اور قیاس کی طرف اشارہ کرتی ہے جسے ''قیاسِ عدلی'' کہا جاتا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ہم اپنی دنیا میں یہ چیز اکثر دیکھتے ہیں کہ: ظالم وغدار اور فاسق فاجر قسم کے لوگ زندگی انتہائی راحت و رامش اور خوشگواری سے گزارتے ہیں، اور بہت سے مظلوم اور دین دار لوگ عمرِ عزیز انتہائی مشقت، ذلت اور تنگدستی سے گزارتے ہیں، پھر موت آکر اچھے برے میں امتیاز کیے بغیر دونوں کو برابر کر دیتی ہے۔ پس اگر موت کی قائم کی ہوئی یہ مساوات ہمیشہ کے لیے ہے تو پھر معاملے میں ظلم نظر آتا ہے؛ کیونکہ الٰہی عدل وحکمت جو کہ کائنات کی شہادت کی رُو سے ظلم وتعدی سے بالکل پاک ہیں، کسی بھی طرح اِس ظلم کے روادار نہیں ہیں بلکہ بداہتاً کسی دیگر اجتماع کا تقاضا کرتے ہیں تاکہ پہلا آدمی اپنی سزا پائے اور دوسرا جزا وثواب۔ یعنی یہ بے کار، مشقت سے اٹا ہوا اور غیر منظم انسان اپنی استعداد کے مطابق جزا وسزا پائے اور یوں وہ خالص عدل وانصاف کا دارومدار، حکمتِ ربانیہ کا مظہر اور مضبوط پُرحکمت موجوداتِ عالم کا بڑا بھائی بن جائے۔

جی ہاں، دنیا کا یہ چھوٹا سا گھر روحِ انسان میں پائی جانے والی غیر محدود استعدادات کی نشوونما اور پھلنے پھولنے کے لیے کافی نہیں ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اسے کسی دوسرے جہان میں بھیجا جائے۔ جی ہاں، بے شک انسان کا جوہر بہت عظیم ہے، اس بنا پر اُسے اَبدیت کے لیے نامزد کیا گیا ہے، اور اس کی ماہیت چونکہ بہت عالی شان ہے اس لیے اس کا گناہ بھی بہت بڑا ٹھہرا، اس کا معاملہ دیگر موجودات کے مشابہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ اس کا نظم وضبط بڑی اہمیت رکھتا ہے اس لیے یہ کسی بھی صورت میں بغیر نظم وضبط کے شتر بے مہار اور عبث و بے کار نہیں رہے گا، اور کبھی بھی فنائے مطلق کے گھاٹ نہیں اُترے گا اور عدمِ محض کی سرحدوں کی طرف نہیں بھاگ جائے گا؛ کیونکہ جہنم منہ کھولے ہوئے اس کی گھات میں ہے اور جنت اپنی گود پھیلائے اس کا انتظار کر رہی ہے۔

---

(حاشیہ:۱) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ''کل ابن آدم یاکلہ التراب الا عجب الذنب، منہ خلق و منہ یرکب'' رواہ مسلم و ابوداود وابن ماجہ۔ مترجم۔

Marfat.com

دسویں مقالے کی تیسری حقیقت میں ہماری اس دوسری مثال پر چونکہ نہایت احسن انداز ے سے بڑی وضاحت سے گفتگو ہو چکی ہے، اس لیے یہاں اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔

ان دو آیتوں کو ہم یہاں صرف مثال دینے کے لیے لائے ہیں، اس لیے دیگر وہ تمام آیات جو بہت سی گہری اور مبنی بر عقل براہین پر مشتمل ہیں، ان کی تلاش آپ خود کریں اور انہیں ان دو آیتوں پر قیاس کر لیں۔

پس یہ دس سرچشمے اور دس دارو مدار ہیں جو کہ حدسِ صادق اور برہانِ قاطع کو جنم دیتے ہیں، اور یہ بنیادی حدس اور قوی ترین برہان دونوں قطعی طور پر حشر اور قیامت کے برپا ہونے پر دلالت بھی کرتے ہیں اور ان کا تقاضا بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اکثر اسمائے حسنیٰ ہیں، جیسے کہ الحکیم، الرحیم، الحفیظ، العادل وغیرہ، یہ سب بھی حشر، قیامت اور سعادت ابدی کا تقاضا کرتے ہیں، جیسے کہ دسویں مقالے میں قطعی صورت میں ثابت کیا گیا ہے۔

لہٰذا حشر اور قیامت کا تقاضا کرنے والی حقیقتیں اس حد تک قوی ہیں کہ ان میں کسی بھی طور پر کوئی شک وشبہ راہ نہیں پا سکتا ہے۔

## تیسری بنیاد

بے شک فاعل مقتدر ہے۔ جی ہاں: جس طرح تقاضا ہائے حشر بلاشک موجود ہیں، اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ ذات جو حشر کو برپا کرے گی وہ آخری درجے کی قدرت کی مالک ہے، اس کی قدرت کسی بھی کمی سے پاک ہے اور اس کے لیے سب سے بڑی چیز بھی سب سے چھوٹی چیز کی طرح ہے۔ اور اس کے لیے پورا موسم بہار پیدا کرنا ایک پھول کے پیدا کرنے کی طرح آسان ہے۔

جی ہاں! بے شک ایسی قدیر ذات کہ جس کی عظمت اور قدرت کی گواہی یہ عالم ستاروں، کائناتوں، ذروں اور جواہروں سمیت غیر متناہی زبانوں کے ساتھ دیتا ہے، کیا کسی وہم اور وسوسے کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسی قدرت سے حشرِ جسمانی کو بعید سمجھے؟

جی ہاں، وہ قادر قدیر ذوالجلال اس کائنات کے پرتوں میں ہر دور میں ایک منظم قسم کی نئی دنیا پیدا کرتا ہے، حتی کہ وہ ہر سال کئی جدید منظم اور رواں کائناتیں پیدا کرتا ہے، بلکہ حتی کہ وہ ہر روز ایک جدید منظم کائنات بناتا ہے اور زمین و آسمان کی سطح پر کمال حکمت کے ساتھ دائما وقتی اور یکے بعد دیگرے آنے والی بہترین دنیائیں اور کائناتیں پیدا کرتا اور تبدیل کرتا رہتا ہے، اور زمانے کے دھاگے پر ان عصور و دُہور، سالوں بلکہ دنوں کی تعداد کے برابر کائناتیں لٹکا دیتا ہے اور اس سے اپنی قدرت کی عظمت کو نمایاں کرتا ہے۔ اور وہ عظیم الشان موسم بہار کو حشر کے ایک لاکھ اقسام کے نقوش سے مزین کرتا ہے اور انہیں زمین کے سر کا تاج بنا دیتا ہے، ایسے جیسے کہ وہ صرف ایک ہی پھول ہو۔ اور اس سے وہ اپنی حکمت

Marfat.com

کے کمال اور صنعت گری کے جمال کا اظہار کرتا ہے۔ تو کیا اس قدیر ذوالجلال کے بادے میں کہا جاسکتا ہے کہ: وہ قیامت کیسے برپا کرے گا؟ اور اس دنیا کو آخرت کا روپ کیسے دے گا؟

اور بے شک آیتِ کریمہ ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ اس قدیر ذوالجلال کے کمال قدرت کا سرِ عام اعلان کر رہی ہے اور بتا رہی ہے کہ اس کے لیے کوئی کام بھی بھاری نہیں ہے اور بڑی سے بڑی چیز اس کے لیے چھوٹی سے چھوٹی چیز کی طرح آسان ہے اور غیر محدود افراد اس کی قدرت کے سامنے فردِ واحد کی طرح آسان ہیں۔

اس آیت کی حقیقت پر ہم نے دسویں مقالے کے اختتام پر اجمالی سی اور بیسویں مکتوب میں ''نقطہ'' نامی مضمون میں وضاحت سے روشنی ڈالی ہے اور اس مقام کی مناسبت سے یہاں بھی تین مسائل کی صورت میں اس کی وضاحت کریں گے: یاد رہے کہ: قدرتِ الٰہی ذاتی ہے اس لیے عجز اس میں خلل انداز نہیں ہوسکتا ہے، اور یہ کہ اس قدرت کا تعلق اشیاء کی ملکوتیت کے ساتھ ہے، اس لیے موانع اس میں دخل انداز نہیں ہوسکتے ہیں۔ اور یہ کہ اُس کی نسبت قانونی ہے، اس لیے جزء کُل کے مساوی ہے اور جزئی کُلی کا حکم لے لیتی ہے۔ ان تینوں مسئلوں کا اثبات ذیل میں کیا جائے گا۔

## پہلا مسئلہ

مقدس ذات الٰہی کے لیے اَزلی قدرت لازمی، ضروری اور ذاتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قدرت ذات کے لیے ضرورتاً لازمی ہے اور ذات کے لیے اُس سے علیحدگی کسی بھی طرح ممکن نہیں، لہٰذا یہ بات بدیہی ہے کہ عجز جو کہ قدرت کی ضد ہے اس ذات کو لاحق نہیں ہوسکتا جو اس طرح کی قدرت کو مستلزم ہے کیونکہ اس صورت میں دو اضداد (جمع ضدین) کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ اور جب عجز قدرت میں داخل نہیں ہوسکتا ہے تو یہ بات بدیہی ہے کہ وہ اُس قدرت میں بھی خلل انداز بھی نہیں ہوسکتا ہے جو ذات کے لیے لازم ہے۔ اور جب عجز قدرت میں داخل نہیں ہوتا ہے تو پھر یہ بات بدیہی ہے کہ ذاتی قدرت میں مختلف مراتب نہیں پائے جائیں گے، کیونکہ ہر چیز میں مراتب کا وجود اُس چیز کی اضداد کی دخل اندازی سے ہوتا ہے، جیسے کہ حرارت کے مراتب برودت کی خلل اندازی سے ہوتے ہیں، اور خوبصورتی کے درجات بدصورتی کی دخل اندازی سے جنم لیتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔

لیکن جہاں تک ممکنات کا تعلق ہے، تو اُن میں حقیقی اور ذاتی لزوم نہیں پایا جاتا ہے، اس لیے ان میں اضداد ایک دوسرے میں داخل ہوگئی ہیں، جس کی وجہ سے مراتب نے جنم لیا اور اُن سے اختلافات پروان چڑھے اور ان اختلافات سے دنیا میں تغیرات ظہور پذیر ہوئے۔ اب قدرتِ اَزلیہ میں چونکہ مراتب کا امکان نہیں ہے اس لیے مقدورات بھی اس قدرت کے لحاظ سے حتمی طور پر ایک سی ہوں گی، چنانچہ سب سے بڑی چیز سب سے چھوٹی چیز کے برابر ہوگی اور ذرّے ستاروں کی طرح ہوں گے۔ اور اُس قدرت کے لیے تمام نوع انسانی کو ایک جگہ اکٹھا کرنا نفس واحدہ کو زندہ کرنے کی طرح

Marfat.com

ہوگا اور ایک پورا موسم بہار برپا کرنا صرف ایک پھول کو ایجاد کرنے کی طرح آسان ہوگا۔

لیکن اگر کارِ تخلیق کی نسبت اسباب کی طرف کردی جائے تو پھر ایک پھول کو پیدا کرنا پورے موسم بہار کو پیدا کرنے کی طرح مشکل ہوگا۔ اِس مقالے کے دوسرے مقام میں (اللہ اکبر) کے مراتب نامی مضمون کے چوتھے مرتبے کے آخری فقرے کے حاشیے میں، اور بائیسویں مقالے میں اور بیسویں مکتوب اور اس کے ذیل میں ثابت کردیا گیا ہے کہ اشیاء کی تخلیق کی نسبت جب واحدُ الاحد کی طرف کی جائے تو تمام اشیاء کی تخلیق صرف ایک شے کی طرح آسان ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر اُن کی نسبت اسباب کی طرف کی جائے تو پھر صرف ایک چیز کی تخلیق تمام اشیاء کی تخلیق کے برابر مشکل، بھاری اور تکلیف دہ ہوجائے گی۔

## دُوسرا مسئلہ

قدرت کا تعلق اشیاء کی ملکوتیت کے ساتھ ہے۔

جی ہاں، کائنات کے بھی آئینے کی طرح دو رُخ ہیں۔ ایک رُخ مُلک کا ہے، اور یہ رُخ شیشے کے پالش والے رنگ دار پہلو جیسا ہے۔ اور دوسرا رُخ ملکوتیت کا ہے۔ اور یہ رُخ آئینے کے آبدار پہلو کی طرح ہے۔

اب مُلک والا پہلو اضداد کی جولان گاہ اور حسین وقبیح، خیر وشر، صغیر وکبیر اور ثقیل وخفیف اُمور کا میدان ہے، اسی بنا پر صانع ذُوالجلال نے ظاہری اسباب کو اپنی قدرت کے تصرّفات کے لیے حجاب بنادیا ہے تاکہ ایسے کاموں میں قدرت کا ہاتھ براہ راست ذاتی طور پر نظر نہ آئے جو ظاہر بین عقل کے حساب سے خسیس اور نالائق لگتے ہیں، کیونکہ عظمت اور عزت کا تقاضا یہی ہے۔ لیکن اس ذات نے ان اسباب ووسائط کو حقیقی تأثیر عطا نہیں کی ہے، کیونکہ احدیت کی وحدت کا تقاضا یہی ہے۔

رہا ملکوتیت کا پہلو، تو وہ ہر چیز میں آبدار، شفاف اور پاک صاف ہے، اس میں تشخُصات کے مزخرفات کے رنگوں کا اختلاط نہیں ہے، اور اس پہلو کا رخ براہِ راست اپنے خالق کی طرف ہے، اس میں اسباب کی ترتیب اور عِلَل کا تسلسل نہیں ہے، اور اس میں علّیت ومعلولیت کا عمل دخل بھی نہیں ہے، اس میں کسی ٹیڑھ پن اور پیچیدگی کا تصور بھی نہیں ہے، اس میں موانع بھی دخل اندازی نہیں کرتے ہیں اور اس میں ایک ذرہ سورج کا بھائی ہوجاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ: یہ قدرت بسیط ہے یعنی مرکب نہیں ہے۔ ذاتی ہے اور غیر متناہی ہے، اور اس کا اشیاء کے ساتھ تعلق بغیر واسطے کے ہے، صاف شفاف ہے اور کسی بھی گدلاہٹ یا آمیزش سے پاک ہے۔ چنانچہ یہاں بڑے کے لیے چھوٹے کے مقابلے میں تکبر کی گنجائش نہیں، جماعت کو فرد پر ترجیح کا امکان نہیں، اور یہ کہ اس قدرت کے دائرے میں کُل جزء کے مقابلے میں ناز برداری نہیں کرسکتا ہے۔

Marfat.com

## تیسرا مسئلہ

قدرت کی نسبت قانونی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ: وہ قلیل و کثیر اور صغیر و کبیر سب کو ایک ہی مساوی نظر سے دیکھتی ہے، چونکہ یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے اس لیے ہم اسے کچھ تمثیلوں کے ذریعے ذہن کے قریب لانے کی کوشش کریں گے۔ پس یہ سمجھو کہ شفافیت، مقابلہ، موازنہ، انتظام، تجرُّد اور اطاعت ان میں سے ہر چیز جو اس کائنات میں ہے وہ کثیر کو قلیل کے اور کبیر کو صغیر کے مساوی بنادیتی ہے۔

**پہلی تمثیل: ''شفافیت'' کا راز ہے۔**

مثال کے طور پر سورج کی تمثال اور اس کا عکس جو کہ اس کی تجلی کا فیضان ہے، وہ سطحِ سمندر پر اور سمندر کے ہر قطرے میں عین اُسی صورت کو ظاہر کرتی ہے۔ پس اگر کرۂ ارض شیشے کے مختلف چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے مرکب ہو اور وہ بغیر حجاب کے سورج کے سامنے پڑے ہوں تو ہر ٹکڑے میں اور تمام سطحِ زمین پر سورج کا عکس کسی مزاحمت کے بغیر، اجزاء میں بکھرے بغیر، اور ایک دوسرے میں کمی بیشی کیے بغیر، ایک سا ہی ہوگا۔ تو اگر سورج _ بالفرض _ فاعل و مختار ہوتا اور اپنی روشنی کا فیضان اور عکس کی تمثال یا اپنی صورت کی شعاع اپنے ارادے سے دیتا تو اس کا تمام سطحِ زمین پر اپنی روشنی کا فیضان بکھیرنا ایسے ہی آسان ہوتا جیسے کہ صرف ایک ذرے کو دینا ہو۔

**دوسری تمثیل: ''مقابلہ'' کا راز ہے**

فرض کرو کہ کسی جگہ پر انسانوں کا ایک بہت بڑا حلقہ ہو، اور اُن میں سے ہر آدمی نے اپنے ہاتھ میں آئینہ پکڑا ہوا ہو اور دائرے کے وسط میں ایک آدمی کے ہاتھ روشن شمع ہو، تو وہ روشنی جو دائرے کا وسط یا مرکز دائرے کے تمام آئینوں میں بھیج رہا ہے، وہ روشنی ایک ہی ہوگی اور اُس روشنی کا فیضان اور عکس کی جلوہ گری کا تناسب تمام آئینوں میں مساوی ہوگا، نہ تو اُن ٹکڑوں کی آپس میں کوئی مزاحمت ہوگی، نہ وہ روشنی اجزاء میں تقسیم ہوگی اور نہ ہی ایک دوسرے میں کمی بیشی ہوگی۔

**تیسری تمثیل: ''موازنے کا راز ہے''**

مثال کے طور پر: اگر بالفرض ایک حقیقی اور بہت زیادہ حساس قسم کا ایک بڑا ترازو ہو، اور اس کے دو پلڑوں میں دو سورج یا دو ستارے یا دو پہاڑ یا دو انڈے یا دو ذرّے ہوں، جو بھی کہہ لو، تو اُس میزان کا ایک پلڑا آسمان کی طرف بلند ہو جائے گا اور دوسرا زمین کی طرف نیچے آئے گا، لیکن جو قوت ایک پلڑے میں تصرف کر رہی ہے، بعینہٖ وہی ہے جو دوسرے میں ہے۔

**چوتھی تمثیل: ''انتظام کا راز ہے''**

مثال کے طور پر: اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑے سے بڑے بحری جہاز میں اُس کے بہت زیادہ منظم ہونے کی وجہ سے،

Marfat.com

اسی طرح تصرف کیا جا سکتا ہے جیسے کہ ایک چھوٹے سے کھلونے میں۔

**پانچویں تمثیل: ''تجرد کا راز ہے''**

مثال کے طور پر: ایک شکل و جسم سے مجرد ماہیت _ مثلاً _ اپنی تمام جزئیات کی طرف دیکھتی ہے اور سب سے چھوٹی سے لے کر سب سے بڑی تک تمام جزئیات میں داخل ہو جاتی ہے، بغیر اس کے ایک دوسری میں کوئی کمی بیشی آئے یا وہ اجزاء میں تقسیم ہو۔ اب جسم کی صفات اور تشخصات کی جو ظاہری خصوصیات ہوتی ہیں وہ اُس مجرد ماہیت کو نہ تو بے ترتیب اور پراگندہ کرتی ہیں، نہ اُس میں مداخلت کرتی ہیں اور نہ ہی اُس کی نظر میں کوئی تغیر پیدا کرتی ہیں۔ چنانچہ ایک سوئی جیسی پتلی اور چھوٹی مچھلی بھی اس مجرد ماہیت کی اُسی طرح مالک ہے جیسے کہ وہیل مچھلی اور ایک جرثومہ یا میکروب اس حیوانی ماہیت سے اسی طرح بہرہ ور ہے جیسے کہ گینڈا۔

**چھٹی تمثیل: ''اطاعت کا راز ہے''**

مثال کے طور پر: وہ اس طرح کہ ایک کمانڈر فردِ واحد کو حملے کا حکم دے کر حرکت میں لاتا ہے جیسے کہ بعینہٖ اُسی حکم سے ایک فوج کو حرکت میں لاتا ہے۔ رازِ اطاعت کی اس تمثیل کی حقیقت یہ ہے کہ: کائنات میں ہر شے کا ایک نُقطۂ کمال ہے، اور اُس شے کا اس نقطے کی طرف میلان ہے، پس دُگنا میلان احتیاج بن جاتا ہے، اور دگنا احتیاج اشتیاق بن جاتا ہے، اور دگنا اشتیاق انجذاب بن جاتا ہے اور انجذاب، اشتیاق، احتیاج اور میلان، اشیاء کی ماہیات کی جانب سے حق تعالیٰ کے تکوینی اوامر کے امتثال اور تسلیم و رضا کے بیج اور گٹھلیاں ہیں۔ اور ممکنات کی ماہیات کا مطلق کمال جو ہے وہ ہے وجودِ مُطلق، اور ان کا خصوصی کمال جو ہے وہ ایک دیگر وجود ہے جو کہ اُن کے ساتھ خاص ہے اور جو اُن کی پنہاں فطری صلاحیتوں کو قوت کی حالت سے نکال کر فعل کی حالت میں لاتا ہے۔ پس تمام کائنات کا امرِ ''کُن'' کی اطاعت کرنا ایک ذرے کی اطاعت کی طرح ہے جو کہ ایک تابع فرمان سپاہی کا حکم رکھتا ہے۔

اور جب یہ ممکنات ارادۂ ازلیہ سے صادر ہونے والے ازلی امر ''کن'' کے آگے سرِ تسلیم خم کرتی اور اُس کی اطاعت کرتی ہیں تو یہ میلان، احتیاج، شوق اور انجذاب بھی جو کہ ارادۂ ازلی کی تجلیات ہیں، یہ سب کے سب بھی ممکنات کی اُس اطاعت گزاری میں مکمل طور پر داخل ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ صاف شفاف پانی بھی جب _ اپنے لطیف میلان کی بنا پر _ منجمد ہو جانے کا حکم پاتا ہے تو وہ بھی لوہے کو پارہ پارہ کر دینے کے عمل سے اطاعت کی قوت میں پائے جانے والے راز سے پردہ اُٹھاتا ہے۔

پس اگر یہ چھ تمثیلیں ممکنات کی قوت اور فعل کے بارے میں ہمارے مشاہدے میں آتی ہیں۔ اور ممکنات ازبس ناقص، متناہی اور ضعیف ہیں اور کسی حقیقی تاثیر کی مالک نہیں ہیں، تو پھر یہ ضروری ہے کہ بلا شک و شبہ قدرتِ الٰہیہ کے سامنے

Marfat.com

تمام تر اشیاء مساوی ہوں، وہ قدرتِ الٰہیہ جو کہ اپنی عظمت کے آثار ونقوش کے ساتھ جا بجا جلوہ افروز ہے، غیر متناہی ہے، اَزلی اور ابدی ہے اور تمام کائنات کو عدمِ محض سے وجود میں لانے والی ہے، عقلیں جس کی جلوہ گریوں کے سامنے انگشت بدنداں ہیں اور اِس بنا پر اُس کے لیے کوئی بھی چیز قطعاً مشکل نہیں ہے۔ اور یہ چیز کبھی نہ بھولیں کہ یہ قدرتِ الٰہیہ ہمارے اِن بیان کردہ چھ اسرار کے چھوٹے چھوٹے اور کمزور سے پیمانوں کے ساتھ نہ تو کوئی مناسبت رکھتی ہے اور نہ ہی اسے ان کے ذریعے تولا ماپا جاسکتا ہے، ان کا ذکر تو صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ حقیقت کو ذہنوں کے قریب لایا جاسکے اور استبعاد کا ازالہ کیا جاسکے۔

## تیسری بنیاد کا نتیجہ اور خلاصہ

قدرتِ اَزلی جب غیر متناہی ہے اور ذاتِ اقدس کے لیے لازمی اور ضروری ہے، اور یہ کہ ہر چیز کی ملکوتیت کی جہت بغیر کسی گدلاہٹ، شائبے اور حجاب کے اُس کے سامنے ہے اور اس کی طرف رُخ کیے ہوئے ہے، اور یہ کہ وہ اُس اِمکان کے اعتبار سے جسے تساویء طرفین کہا جاتا ہے بالکل توازن کی حالت میں ہے، اور یہ کہ وہ فطرت کے نظام کی اور اللہ کی عادات کے قوانین یعنی سب سے بڑی فطری شریعت کی اطاعت گزار ہے، اور یہ کہ ملکوتیت کی جہت مجرد اور مختلف موانع اور خصوصیات سے پاک صاف ہے؛ تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس قدرت کے سامنے سب سے بڑی چیز بھی سب سے چھوٹی چیز کی طرح نہ تو ناز برداری کرسکتی ہے اور نہ سرکشی۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ حشر میں تمام تر ذی ارواح کو زندہ کرنا اس قدرت کے لیے ایسے ہی آسان ہے جیسے موسم بہار میں ایک عام سی مکھی کو زندہ کر دینا، لہٰذا آیتِ کریمہ ﴿مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ حق ہے، سچ ہے اور کسی بھی قسم کے مبالغے سے بالکل پاک ہے۔ اور یوں ہم نے جو دعویٰ کیا ہے کہ: فاعل مقتدر ہے اور اس کے سامنے کوئی بھی روک رکاوٹ نہیں؛ قطعی صورت میں ثابت ہو جاتا ہے۔

## چوتھی بنیاد

جس طرح کہ قیامت اور حشر کا تقاضا موجود ہے، اور وہ ذات جو حشر کو برپا کرے گی وہ اس بات پر قادر و مقتدر بھی ہے، اسی طرح اس دنیا میں قیامت اور حشر کی قابلیت بھی موجود ہے، پس ہمارے اس دعوے میں کہ ''اس دنیا میں یہ قابلیت ہے''، چار مسائل ہیں:

پہلا مسئلہ: اس عالمِ دنیا کی موت کا ممکن ہونا۔

دوسرا مسئلہ: اس موت کا وقوع پذیر ہونا۔

تیسرا مسئلہ: مردہ اور تباہ شدہ دنیا کی تعمیر نو اور اسے ''آخرت'' کی صورت میں دوبارہ زندہ کرنے کا امکان ہونا

چوتھا مسئلہ: اس ممکنہ تعمیر و احیاء کا وقوع پذیر ہونا۔

Marfat.com

پہلا مسئلہ: اس کائنات کی موت ممکن ہے؛ کیونکہ کوئی بھی چیز جب تکامل کے قانون میں داخل ہوگی تو اس چیز میں نشو ونما کا عمل بہر حال پایا جائے گا۔ اور جس میں نشو ونما کا قانون ہوتا ہے کہ اس چیز کی بہر حال ایک فطری عمر ہے۔ اور اگر وہ فطری عمر کا مالک ہے تو اس کی بہر حال ایک فطری اجل ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اسطرح کی تمام اشیاء خود کو موت کے پنجے سے بچا نہیں سکیں گی۔ اور یہ چیز وہ حقیقت ہے جو کہ استقراءِ عام اور وسیع تر تتبع سے ثابت ہو چکی ہے۔

جی ہاں، جس طرح انسان جو کہ عالمِ صغیر ہے اور جو تخریبی عمل سے بچ نہیں سکتا ہے، اسی طرح کائنات جو کہ انسانِ کبیر ہے وہ بھی موت کے پنجوں سے بچ نہیں پائے گی، بہر صورت مرے گی پھر زندہ کی جائے گی، یا سو جائے گی اور پھر اپنی آنکھیں صبح محشر کو کھولے گی۔ اور جس طرح ایک زندگی سے بہرہ ور درخت کائنات کا ایک چھوٹا کیا ہوا نسخہ ہے اپنے آپ کو تخریب وانحلال اور تباہی و بربادی سے نہیں بچا سکتا ہے، اسی طرح کائنات کا یہ سلسلہ جو کہ تخلیق کے درخت سے شاخ در شاخ پھیلا ہے اپنے آپ کو تعمیر وتجدید کی غرض سے ہونے والی تخریب وتباہ کاری اور ٹوٹ پھوٹ سے بچا نہیں سکتا ہے۔

اگر اس دُنیا کو اس کی فطری اجل سے پہلے اور ارادہ ازلیہ کے حکم سے خارجی مرض یا تباہ کن حادثہ لاحق نہ ہوا اور اس کے صانع حکیم نے بھی اس کی فطری اجل سے پہلے اسے تبدیل نہیں کیا، تو ایک دن ایسا بہر حال آنے ہی والا ہے۔ حتیٰ کہ فنی حساب سے بھی ایسا ضرور ہوگا کہ جب قدیرِ ازلی کے حکم سے ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ☆ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ☆ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ☆ إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ ☆ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ☆ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾ کے اسرار ورموز اُبھر کر سامنے آجائیں گے، تب اس انسانِ کبیر ــ یعنی دُنیا ــ پر سکراتِ موت طاری ہو جائیں گے اور وہ نزع کی حالت میں اپنی خرخر کی دہشت ناک آواز سے فضا کو بھر دے گا، پھر چیخ مارے گا اور موت کی آغوش میں چلا جائے گا۔ اور پھر اذنِ الٰہی سے دوبارہ زندہ ہوگا۔

## ایک دقیق رمزی مسئلہ

جس طرح پانی خود کو نقصان پہنچا کر برف بن جاتا ہے اور برف جمود کے نقصان کی قیمت پر مائع ہو جاتی ہے، جس طرح مغز پوست کے نقصان پر قوی ہو جاتا ہے، لفظ معنی کو نقصان دے کر موٹا ہو جاتا ہے، روح جسم کی خاطر کمزور پڑ جاتی ہے اور جسم روح کی مضبوطی کے لیے کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ دنیا جو کہ عالمِ کثیف ہے آخرت یعنی عالم لطیف کی خاطر زندگی کی چرخیوں کو مصروفِ کار کر کے لطیف اور شفاف ہوتا ہے۔

پس پیدا کرنے والی قدرت اپنی انتہائی حیرت انگیز فعالیت کے ذریعے اِن کثیف، جامد، خاموش اور مردہ اجزا میں جو زندگی کا نُور بکھیر رہی ہے، قدرت کی طرف سے اس بات کی رمز ہے کہ وہ اس عالم کثیف کو پگھلا رہی ہے، تپا رہی ہے، روشن کر رہی ہے اور اس کی حقیقت کو نورِ حیات کے ذریعے عالمِ لطیف کی خاطر مضبوط کر رہی ہے۔

Marfat.com

جی ہاں، حقیقت کتنی بھی کمزور کیوں نہ ہو، مرتی نہیں، اور نہ ہی صورت کی طرح ہمیشہ کے لیے ہلاک ہوتی ہے، بلکہ تشخصات، صورتوں اور شکلوں میں رواں دواں محو سفر رہتی ہے اور تدریجاً پھلتی پھولتی بڑھتی اور نمایاں ہوتی اور وسیع ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اس کے برعکس چھلکا اور صورت جو ہے وہ کہنہ ہوتا ہے، پھٹتا ہے اور نشو و نما یافتہ حقیقت کے قد و قامت کے لیے خوبصورت اور مناسب لباس بننے کے لیے نئے سرے سے زیادہ اچھے انداز میں ظہور میں آتا ہے۔ پس حقیقت اور صورت کمی اور بیشی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے برعکس طریقے سے باہم دیگر مطابقت رکھتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ: صورت جوں جوں موٹی ہوگی حقیقت پتلی اور کمزور ہوگی، اور اسی طرح صورت جوں جوں پتلی اور کمزور ہوگی، حقیقت اس کی مناسبت سے قوی اور مضبوط ہوگی۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو اُن تمام اشیا کو شامل ہے جو قانونِ تکامل میں داخل ہیں۔ پس ایک زمانہ بہر کیف آنے والا ہے جب یہ عالمِ شہادت جو کہ کائنات کی حقیقت کا چھلکا اور اس کی حقیقتِ عظمیٰ کی شکل و صورت ہے؛ پارہ پارہ ہو جائے گا اور پھر فاطرِ ذوالجلال کی اِذن سے ایک خوبصورت ترین نئی صورت میں جلوہ گر ہوگا۔ اور تب اللہ تعالیٰ کے فرمانِ گرامی ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ﴾ میں پایا جانے والا راز اُبھر کر سامنے آجائے گا۔

**الحاصل:** یہ کہ دنیا کی موت ممکن ہے، اور یہ کہ اس کا ممکن ہونا کسی بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

**دوسرا مسئلہ:** ہے اس دنیا کی موت بالفعل واقع ہو جانا۔ اور اس مسئلے کی دلیل ہے: تمام آسمانی ادیان کا اجماع، تمام فطرت ہائے سلیمہ کی شہادت، اس کائنات کے تمام تحولات و تبدلات و تغیرات کے اشارے، دنیا کے اس دارُ الضیافت میں عصور و سنین کی تعداد کے برابر زندہ دنیاؤں اور رواں دواں کائناتوں کا موت کی آغوش میں چلے جانا، سب اس بات کی گواہیاں ہیں کہ ان کی طرح خود یہ اصلی دنیا بھی مرگ آشنا ہو جائے گی۔ اس دُنیا کی سکرات کی حالت اگر خیال میں لانا چاہتے ہو تو ذرا گہری نظر سے دیکھو کہ اس کائنات کے تمام اجزاء ایک دقیق علوی نظام کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں اور سب نے ایک پتلے اور لطیف بندھن کے ساتھ ایک دوسرے کو تھاما ہوا ہے۔ اور ان کا یہ نظم و ضبط اتنا محکم ہے کہ اگر اِن اَجرام سماویہ میں سے ایک جرم بھی ''کُن'' کا اَمر پالے یا ''اپنے محور سے باہر نکل جا'' کا خطاب سن لے تو تمام دنیا پر سکراتِ موت کی حالت طاری ہو جائے گی، چنانچہ نجوم آپس میں ٹکرا جائیں گے، اجرام میں تلاطم آجائے گا، اور وہ اتنی ہولناک آواز کے ساتھ چیخ و پکار میں لگ جائیں گے جیسے کہ بھاری بھرکم توپیں ہوں جو کہ لاانتہا فضا میں کُروں کے حجم جیسے لاکھوں گولے برسا رہی ہوں۔ اسی طرح یہ نجوم جب آپس میں ٹکرا جائیں گے تو بڑے بڑے شرارے اس زمین کی طرف پھینکیں گے، پہاڑ اُڑیں گے، سمندروں میں آگ بھڑک اُٹھے گی اور سطحِ زمین ہموار ہو جائے گی۔ اور یوں وہ قادرِ ازلی اس موت اور سکرات کے ساتھ اس زمین کو پورے زور سے حرکت دے کر کھنگالے گا اور اس کی پُن چھان کرے گا جس سے جہنم اور اس کے مادے ایک جانب ہو جائیں گے اور جنت اور اس کے ساتھ مناسبت رکھنے

Marfat.com

والے مادے دوسری جانب۔تب عالمِ آخرت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگا۔

## تیسرا مسئلہ

کائنات جو کہ موت کی آغوش میں چلی جائے گی اسے دوبارہ زندہ کرنا ممکن ہے؛ کیونکہ قدرت کسی بھی کمی کوتاہی سے پاک ہے، اور اس چیز کا تقاضا انتہائی مضبوط ہے، اور مسئلہ فی ذاتہ ممکن ہے جیسے کہ دوسری اساس میں ثابت کیا گیا ہے۔تو جب مسئلہ بھی ممکن ہے، اس کا مضبوط تقاضا بھی موجود ہے، اور فاعل کی قدرت میں کوئی کمی کوتاہی بھی نہیں ہے، تو پھر اسے اس نظر سے نہیں دیکھا جائے گا کہ یہ ممکن ہے، بلکہ اس نظر سے کہ یہ ایک امرِ واقع ہے۔

﴿ایک رمزدار نکتہ۔﴾

اس کائنات کو ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ اس میں دو عنصر کام کر رہے ہیں جو اپنی رگوں ریشوں کے ساتھ ہر جہت میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جیسے خیر و شر، حسن و قُبح، نفع و ضرر، کمال و نقصان، ضیا و ظلام، ہدایت ضلالت، نور و نار، کفر و ایمان، اِطاعت و عصیان اور خوف و محبت وغیرہ۔ چنانچہ یہ اضداد اپنے نتائج و آثار و ثمرات کے ساتھ آپس میں متصادم رہتی ہیں اور اس طرح دائماً تغیر و تبدل کا مظہر بنی رہتی ہیں۔اور اُن کی چرخیاں عالمِ آخرت کے محصولات کے آلات و اوزار کے روپ میں گھومتی رہتی ہیں، یعنی یہ چیزیں آخرت کی تیاری میں سرگرمِ عمل رہتی ہیں۔پس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں عنصروں کی شاخیں اور ان کے متضاد نتائج و ثمرات عنقریب ابد تک پھیل جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک اپنے لئے ایک مرکز اپنا کر، ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں گے اور تب جنت اور جہنم کی صورت میں ظاہر ہو جائیں گے۔اور عالمِ بقا چونکہ اس عالمِ فانی ہی سے بنایا جائے گا، اس لیے اس عالمِ فانی کے بنیادی عناصر یقیناً اَبد و بقا کی طرف چلے جائیں گے۔

جی ہاں! جنت اور جہنم شجرِ تخلیق کی اس ٹہنی کے دو پھل ہیں جو لٹکتی ہوئی ابد تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔اور پھر جنت اور جہنم کائنات کے اِس سلسلے کے دو نتیجے ہیں، اور وہ شؤونِ اِلٰہیہ کے سیلِ رواں کے دو سٹور ہیں، اور وہ موجودات کی ابد کی طرف رواں دواں تلاطم خیز موجوں کے دو حوض ہیں، اور لطف و قہر کی دو تجلیاں ہیں۔چنانچہ جب دستِ قدرت اس کائنات کو زور سے حرکت دے کر جانچ پڑتال کرے گا تو یہ دونوں حوض اپنے اپنے مناسب مواد و عناصر سے بھر جائیں گے۔

### اِس رمزی نکتے کی وضاحت

اور اس رمزی نکتے میں راز یہ ہے کہ: اُس حکیمِ اَزلی نے اِس دنیا کو پیدا کیا تاکہ یہ عنایتِ سرمدی اور حکمتِ اَزلی کے تقاضے کے بسبب محلِ تجربہ، میدانِ امتحان اور آزمائش گاہ، اُس کے اسمائے حسنیٰ کو منعکس کرنے والا آئینہ اور اس کی تقدیر و قدرت کے قلم کا صحیفہ ٹھہرے۔اور تجربہ و امتحان نشو و نما کا سبب ہیں، اور یہ نشو و نما استعدادوں کے انکشاف کا سبب ہے،

Marfat.com

اور استعدادوں کا یہ انکشاف قابلیتوں اور صلاحیتوں کے باہمی مظاہرے کا سبب ہے، اور قابلیتوں کے یہ باہمی مظاہرے نسبتی حقائق کے ظہور کا سبب ہیں، اور نسبتی حقائق کا ظہور صانع ذُوالجلال کے اَسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے نقش ونگار کے اظہار کا اور کائنات کو مکتوباتِ صمدانیہ کی شکل وصورت میں تبدیل کرنے کا سبب ہے۔ پس امتحان اور تکلیف کے راز سے ہیرے جیسی ارواحِ عالیہ کے جوہر صاف ہوتے ہیں اور کوئلے جیسی ارواحِ سافلہ کے مواد سے تمیز پاتے ہیں۔

کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کائنات کو اسی صورت شکل پر تخلیق کرنا چاہا، اور اس میں کوئی اور بھی بلند پایہ اور بہت گہری حکمتیں ہوں گی جنہیں اِن مذکورہ اسرار کی طرح ہم نہیں جانتے ہیں۔ اس لیے اُس نے اِن حکمتوں کی بنا پر اِس عالم کے تغیر وتحول کا اِرادہ کیا اور تغیر وتحول کے لیے اُس نے ان حکمتوں میں اضداد کی آمیزش کر دی اور انہیں باہم دیگر متعارض کر دیا، چنانچہ نقصانات کو منافع کے ساتھ مخلوط کر دیا، شُرور کو خیرات میں داخل کر دیا، بدصورتیوں اور خوبصورتیوں کو اکٹھا کر دیا اور انہیں گندھے آٹے جیسا خمیر بنا دیا؛ اور اس کائنات کو قانونِ تغیر وتبدل اور دستورِ تحوّل وتکمّل کے تابع کر دیا۔ پھر جب کمرہ امتحان بند ہو گیا اور تجربے کا وقت ختم ہو گیا، اسمائے حُسنیٰ نے اپنے احکامات جاری کر دیے، قلمِ تقدیر نے اپنے مکتوبات بتمامہ لکھ لیے، قُدرت نے اپنی صنعت کے نقوش کی تکمیل کر لی، موجودات نے اپنے وظائف مکمل طور پر ادا کر لیے، مخلوقات نے اپنی خدمات ادا کر لیں، ہر شے نے اپنے معانی ومطالب سے آگاہ کر دیا، دنیا نے آخرت کی کھیتیاں اُگا دیں، زمین نے صانع القدیر کی قدرت کے تمام معجزات پیش کر دیے اور اس کی صنعت کے عمومی خوارق وعجائب ظاہر کر دیے اور اس عالمِ فنا نے زمانے کی ڈوری پر اُن الواح کو معلق کر دیا جو کہ سرمدی مناظر کی تشکیل کرتی ہیں؛ تو صانع ذُوالجلال کی سرمدی حکمت اور اَزلی عنایت نے اس امتحان اور اس تجربے کے نتائج کا، اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے حقائق کا، اس قلمِ تقدیر کے مکتوبات کے حقائق کا، اُس کی نمونوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والی صنعت کے نقش ونگار کے اُصول کا، ان موجودات کے فوائد ووظائف وغایات کا، اِن مخلوقات کی خدمات کے اجروں کا، اِس کائنات کی کتاب نے جو معانی عطا کیے ہیں ان معانی کے حقائق کا، استعدادوں کی نشو ونما، محکمۂ کبریٰ کے کھولنے کا، دنیا سے اخذ کیے گئے مثالی مناظر کے اظہار کا، ظاہری اَسباب کی پردہ دری کا، ہر شے کو براہِ راست اُس کے خالق کے حوالے کر دینے کا اور ان جیسے دیگر حقائق کا تقاضا کیا۔ اور اِن اَضداد کے تصفیے کا ارادہ کیا، اور کائنات کو اَبد آشنا کرنے اور اسے تغیر وفنا اور تحول وزوال کی کمزوری سے بچانے اور ابدیت بخشنے کے لیے ــ کہ وہ ان مذکورہ حقائق کا تقاضا کرتا ہے ــ اُس نے تغیر کے اسباب اور اختلافات کے مواد کو علیحدہ علیحدہ کرنا چاہا۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عنقریب قیامت کو برپا کرے گا اور ان نتائج کو بروئے کار لانے کے لیے چھان بین کر کے ان حقائق کا تصفیہ کر دے گا۔ اور پھر اس تصفیے کے نتیجے میں جہنم ہمیشہ کے لیے ایک ہولناک اور بدنما صورت اختیار کر لے گی، اور اس میں وارد ہونے والے ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ﴾ کی دھمکی کا

Marfat.com

مظہر بن جائیں گے۔ اور جنت ابدی طور پر ایک دلکش اور معزز سراپے میں جلوہ گر ہوگی اور اس کے باسی اور باشندے ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ﴾ کے خطاب کا مظہر بن جائیں گے۔ تب وہ حکیم ازلی ان دونوں گھروں کے باسیوں کو اپنی قدرت کاملہ سے ایک ثابت و برقرار اور ابدی وجود عطا کردے گا جس سے وہ تغیر و انحلال، اور پیری اور انقراض و انقطاع سے دوچار نہیں ہوں گے؛ کیونکہ وہاں تغیر کے ایسے اسباب ہی نہیں ہوں گے جو انقراض و انقطاع تک پہنچادیں۔ جیسے کہ اٹھائیسویں مقالے کے مقامِ اول کے دوسرے سوال میں ثابت کیا گیا ہے۔

## چوتھا مسئلہ

یہ ممکن چیز وقوع پذیر ہوگی۔ جی ہاں، اس طرح یہ دنیا اور بعد از مرگ آخرت کی شکل میں زندہ ہو جائے گی۔ اور جس نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے وہ عنقریب اسے بہترین صورت میں دوبارہ آباد کرے گا اور اسے برباد ہو جانے کے بعد آخرت کی ایک منزل بنادے گا۔ اس کی دلیل سب سے پہلے تو قرآن کریم ہے، جس کی اکثر آیات ہزاروں عقلی دلائل و براہین پر مشتمل ہیں۔ پھر تمام آسمانی کتب ہیں جو اِس مسئلے میں قرآن کریم کے ساتھ متفق ہیں، پھر اُس ذاتِ ذُوالجلال کی جلالی و جمالی صفات اور اُس کے اسمائے حسنیٰ قطعی صورت میں اس کے واقع ہونے پر دلالت کرتے ہیں، پھر اُس کے وہ تمام اوامر جو اُس نے تمام انبیاء و مرسلین کی طرف وحی کئے ہیں اور جن کے ذریعے اُس نے قیامت اور حشر کو برپا کرنے کے وعدے کئے ہیں، اور چونکہ اُس نے وعدہ کیا ہے اس لیے اُسے پورا کرے گا۔ اس ضمن میں دسویں مقالے کی آٹھویں حقیقت کی طرف رجوع کریں، پھر محمد عربی ﷺ نے ہزاروں معجزات کے ذریعے اور تمام انبیاء و مرسلین نے، اور اولیاء و صدیقین نے آپ ﷺ کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اُس کے وقوع پذیر ہونے کی خبر دی ہے۔ اور پھر یہ کائنات اپنی تمام تکوینی آیات کے ذریعے اس کے واقع ہونے کی خبر دے رہی ہے۔

**الحاصل:** دسویں مقالے نے اپنے تمام حقائق کے ساتھ اور اٹھائیسویں مقالے کے دوسرے مقام کے مضمون ''لاسیما'' کے مجموعہ نے اپنے تمام براہین کے ساتھ اس حقیقت کو اس طرح قطعی صورت میں ثابت کردیا ہے کہ جیسے سورج غروب ہو کر بہت جلد صبح سویرے طلوع ہونے والا ہے۔ اِسی طرح شمسِ حقیقت دنیاوی زندگی کے غروب ہونے کے بعد اخروی زندگی کی صورت میں طلوع ہو جائے گا۔

ان چار بنیادوں میں شروع سے لے کر اب تک ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اُس سب کا موادِ اسمِ ''الحکیم'' سے اور قرآن کریم کے فیضان سے حاصل کیا گیا ہے، تاکہ یہ دل کو قبول کرنے کے لیے، نفس کو تسلیم و رضا کے لیے اور عقل کو مطمئن ہونے کے لیے تیار کرے۔

Marfat.com

اور ہم ہیں کون اس مسئلے میں بات کرنے والے؟ پس فیصلہ کن بات وہی ہے جو اس کائنات کا خالق اور موجودات کا مالک کہتا ہے۔ ہماری حیثیت تو صرف اتنی ہے کہ ہم سراپا گوش ہو جائیں اور سنیں۔ پس جب اس کائنات کا مالک گفتگو کرتا ہے تو پھر گفتگو کرنے کا اس سے زیادہ حق دار اور کون ہو سکتا ہے کہ فضول دخل اندازی کرتا پھرے؟ پس ہمیں مالک الملک کی بات سننی چاہیے، وہ صانع الحکیم زمین کے مدرسے میں اور دنیا کی مسجد میں صف در صف بیٹھے ہوئے کائنات کے تمام گروہوں کو عصور و دہور کے پیچھے بیٹھے ہوئے تمام کون و مکاں پر لرزہ طاری کر دینے والے خطاب کے ذریعے مخاطب کر کے فرما رہا ہے:

﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ☆ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ☆ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَالَهَا ☆ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ☆ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ☆ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ☆ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾

اور اس کا وہ خطاب سنیں جو تمام کائنات میں سرور نشاط کی لہر دوڑا رہا ہے اور اسے شوق کی مہمیز لگا رہا ہے:

﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ، وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

اور ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ: آمنا و صدقنا۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ.

---

Marfat.com

# تیسواں مقالہ

# خودی کا سرِّ نہاں

اس مقالے نے طلسم ہستی کو کھولنے والے قرآنِ حکیم کے ایک اہم طلسم کو بخوبی حل کر دیا ہے۔

کتاب کبیر ''انا'' کا ایک الف۔

اور بحرِ عظیم ''ذرّہ'' کا ایک نقطہ۔

یہ مقالہ دو مقاصد پر مشتمل ہے:

مقصدِ اول: ''انا'' کی ماہیت اور اس کے نتائج سے بحث کرتا ہے

مقصدِ ثانی: ''ذرّے'' کی حرکت اور اُس کے وظائف کے بارے میں بحث کرتا ہے۔

Marfat.com

## مقصدِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ،اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴾

ہم اِس گرانقدر آیت کے گنج گرانمایہ میں سے صرف ایک جوہر کی طرف اِشارہ کریں گے، اور وہ یہ ہے کہ: بے شک وہ امانت جسے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا، اُس کے متعدد معانی اور بہت سے پہلو ہیں۔ اُن معانی میں سے ایک معنیٰ اور ان پہلوؤں میں سے ایک پہلو ہے: ''اَنا''۔

جی ہاں! بے شک ''اَنا'' ایک بیج ہے جس سے نورانی شجرِ طوبیٰ ہولناک شجرِ زقوم کے پہلو بہ پہلو پروان چڑھتا ہے۔ اور ان دونوں درختوں نے اپنی جڑیں اور شاخیں زمانہ آدم سے لے کر تا این دَم عالمِ انساں کے اطراف و اکناف میں پھیلا رکھی ہیں۔

اس عظیم الشان حقیقت کی گہرائیوں میں اُترنے سے پہلے ہم ایک ''مقدمہ'' بیان کرتے ہیں، جو اسے آسانی کے ساتھ سمجھنے میں مدد دے گا:

### مقدمہ

''اَنا'' اسمائے الٰہیہ کے مخفی خزانوں کو کھولنے والی ایک چابی ہے، جیسے کہ وہ ایک مشکل اور حل نہ ہونے والا معمہ اور حیرت انگیز طلسم ہے۔ لیکن جب ''اَنا'' کی ماہیت سمجھ میں آ جائے تو یہ معمہ غریب اور طلسمِ عجیب از خود حل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے حل ہوتے ہی کائنات کے اس طلسم اور عالم وجوب کے خزانوں کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔ ہم نے اپنے عربی مضمون ''الشمة'' میں اس بات پر بحث کی ہے کہ ''کائنات کی چابی انسان کے ہاتھ میں اور اس کے اندر ہے۔ اور یہ کہ کائنات کے دروازے اگرچہ بظاہر کھلے ہوئے لگتے ہیں لیکن درحقیقت مُغلق ہیں۔ پس حق تعالیٰ نے انسان کو اَمانت کی جہت سے ایک چابی عطا کر دی ہے جس کا نام ''اَنا'' ہے، جو کہ کائنات کے تمام تر دروازے کھول دیتی ہے، اور اُسے ایک ایسی انانیت عطا کر دی ہے جو سراپا طلسم ہے جس سے وہ خلاقِ کائنات کے اِن مخفی خزانوں سے پردہ سرکاتا ہے۔ لیکن ''اَنا'' بذاتِ خود ایک مغلق مُعمّہ اور حل ناپذیر طلسم ہے۔ البتہ یہ ہے کہ اگر اس کی حقیقی ماہیت اور تخلیق کا راز سمجھ میں آ جائے تو اس طلسم کا دروازہ از خود کُھل جاتا ہے اور اِس کے کُھل جانے سے کون و مکان کا طلسم بھی کھل جاتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ: صانع الحکیم نے انسان کے ہاتھ میں امانت کے طور پر ایک ''اَنا'' رکھ دی ہے، اور یہ ''اَنا'' ایسے اشاروں اور نمونوں پر مشتمل

Marfat.com

ہے کہ جو اُس کی جلیل اُلقدر ربوبیت کے اوصاف کے حقائق کا اظہار کرتے اور اُن کی پہچان کراتے ہیں، تا کہ یہ ''اُنا'' ایک ایسی وحدتِ قیاسی بن جائے جس کے ذریعے اوصافِ ربوبیت اور شئوونِ اُلوہیت کی پہچان ہو جائے۔

لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس وحدتِ قیاسی کا کوئی حقیقی وجود ہو، بلکہ یہ ممکن ہے کہ یہ وحدتِ قیاسی ایک فرض اور وہمی تانے بانے سے تشکیل پاتی ہو، بالکل ایسے جیسے کہ علمِ ہندسہ میں فرضی خطوط ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ''اُنا'' کے لیے یہ لازمی نہیں کہ علم وتحقیق کی روشنی میں اس کا کوئی حقیقی وجود پایا جائے۔

سوال: حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت ''اُنانیت'' کے ساتھ مربوط کیوں ہے؟

الجواب: کیونکہ ایک مطلق اور مُحیط شے کو نہ تو کوئی شکل دی جاسکتی ہے، نہ اُس پر کسی بھی جہت سے کسی شکل وصورت یا تعین کے دیے جانے کا کوئی حکم لگایا جاسکتا ہے اور نہ اس کی ماہیت سمجھ میں آسکتی ہے؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ لامتناہی اور لا محدود ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر: دائمی روشنی کہ جس میں تاریکی خلل انداز نہ ہو، اس کا احساس اور اس کے وجود کی پہچان صرف اُسی صورت میں ہوسکتی ہے جبکہ اس کے اندر حقیقی یا وہمی تاریکی کے خطوط کھینچ دے جائیں۔

اِسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں_ جیسے علم اور قدرت وغیرہ_ اور اس کے اسمائے حسنیٰ ہیں_ جیسے کہ حکیم ورحیم وغیرہ_ کیونکہ یہ اسماء وصفات، لامحدود ہیں ہر شے کو محیط ہیں، لاشریک ہیں، ان کی ماہیت معلوم نہیں ہوسکتی ہے اور ان کے بارے میں کوئی فیصلہ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے اور انہیں محسوس بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اِس لیے یہ لازم ٹھہرا کہ ان میں فرضی اور وہمی خطوط رکھے جائیں تا کہ وہ کسی حد تک سمجھ میں آسکیں؛ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ان اسماء وصفات کی کوئی انتہا اور حقیقی حد نہیں ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جو ''انانیت'' کرتی ہے، کہ وہ اپنے دل میں ایک موہوم قسم کی ربوبیت، مالکیت، قدرت اور علم کا تصور پیدا کر لیتی ہے اور ایک حد کھینچ لیتی ہے اور اس کے ساتھ وہ ان صفات محیطہ کے لیے ایک وہمی حد قائم کر لیتی ہے اور ان میں امتیازات تقسیمات پیدا کر کے وہ_ بطورِ مثال_ کہتی ہے کہ: ''یہاں سے لے کر یہاں تک تو میرا ہے اور اس کے بعد جو ہے وہ اس صفات کا ہے''۔ یہ کہتے ہوئے وہ اپنی ذات میں پائے جانے والے چھوٹے سادہ سے میزانوں اور پیمانوں کے ساتھ آہستہ آہستہ ان صفات کی ماہیت کو سمجھنا شروع کر دیتی ہے مثال کے طور پر وہ اپنی ملکیت کے دائرے میں اپنی موہوم ربوبیت کے ذریعے ممکنات کے دائرے میں اپنے خالق کی ربوبیت کو سمجھ لیتی ہے اور اپنی_ مثال کے طور پر_ ظاہری مالکیت کے ساتھ اپنے خالق کی حقیقی مالکیت سمجھ جاتی ہے اور کہتی ہے: جس طرح میں اس گھر کی مالک ہوں اسی طرح خالق اِس کون ومکاں کا مالک ہے۔ اور اپنے جزوی علم کے ذریعے وہ اپنے مالک کا علم سمجھ جاتی ہے، اور اپنی حقیری اکتسابی صنعت کے ذریعے اُس صانعِ ذُوالجلال کی ابداعی صنعت کو سمجھ لیتی ہے، چنانچہ_ مثال کے طور پر_ وہ کہتی ہے:

Marfat.com

جس طرح میں نے اس گھر کو بنایا اور اسے منظم طریقے سے سجایا ہے، اِسی طرح کسی نے دنیا کے اس گھر کو بھی بنایا اور نظم وضبط سے سجایا ہے۔ وغیرہ

اور یوں ''اَنا'' میں اسرار ورموز پر مشتمل ہزاروں ایسے حالات وصفات واحساسات مندرج ہیں جو کہ _ کسی حد تک _ تمام صفات وشؤونِ الٰہیہ کا اظہار کرتے اور اُن کے متعلق جانکاری دیتے ہیں۔ پس ''اَنا'' فی نفسہٖ کسی معنی کا حامل نہیں ہے بلکہ حرفی معنی کی طرح اپنے علاوہ کسی دوسری چیز میں پائے جانے والے معنی پر دلالت کرتی ہے، جیسے کہ ایک عکس ریز آئینہ ہو، وحدتِ قیاسی ہو، آلۂ انکشاف ہو اور حرفی معنی ہو، پس وہ انسانی وجود کی موٹی رسی کا ایک ڈورا ہے جس میں شعور پایا جاتا ہے۔ بشری ماہیت کے بُنے ہوئے کپڑے کا ایک باریک دھاگا ہے۔ آدمیت کی شخصیت کی کتاب کا ایک ''اَلف'' ہے، پس اس ''اَلف'' کے دو رُخ ہیں:

**پہلا رُخ:** خیر اور وجود کی طرف دیکھتا ہے اور وہ اس رُخ کی وجہ سے فیض قبول کرتا ہے اور صرف وہی چیز قبول کرتا ہے جو اُسے عطا کی جاتی ہے، اور اِس صورت میں وہ کوئی چیز ایجاد نہیں کرسکتا ہے، یعنی اس رُخ میں وہ فاعل نہیں بن سکتا ہے، اور اس کا ہاتھ کسی چیز کو ایجاد کرنے سے قاصر ہے۔

**دوسرا رُخ:** اس کا دوسرا رُخ شر کی طرف دیکھتا ہے اور عدم کی طرف جاتا ہے، اور اس صورت میں وہ فاعل اور صاحبِ فعل ہے۔ اور اس کی ماہیت حرفی ہے جو کہ اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرتی ہے، اور اس کی ربوبیت خیالی ہے، اس کا وجود اتنا ضعیف اور رقیق ہے کہ فی نفسہٖ وہ کسی چیز کا قطعاً متحمل نہیں ہے اور نہ ہی اس پر بالذات کوئی چیز محمول کی جاسکتی ہے، بلکہ یہ تو صرف ایک قسم کا میزان ہے جو کہ واجب الوجود کی مطلق اور ہر چیز کو محیط صفات کی وضاحت کرتا ہے، جیسے کہ میزان الحرارت، میزانُ الھواء اور دیگر موازین اشیاء کے درجات اور ان کی مقداروں کو واضح کرتے ہیں۔

پس جو کوئی ''اَنا'' کی ماہیت کو اس پہلو سے پہچان جاتا ہے اور اُس پر یقین کر لیتا ہے اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ گرامی ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ کی بشارت میں داخل ہو جاتا ہے اور امانت کو کما حقہ ادا کرنا شروع کر دیتا ہے، اور ''اَنا'' کی عینک کے ساتھ کائنات کی حقیقت کو اور اُن وظائف کو دیکھنا شروع کر دیتا ہے جنہیں یہ کائنات ادا کرتی ہے۔ جب آفاق سے نفس پر معلومات وارد ہوتی ہیں تو وہ ''اَنا'' میں وہ قوت پاتا ہے جو اُن معلومات کی تصدیق کرتی ہے، اور پھر یہ علوم نفس میں نور اور حکمت بن کر باقی رہتی ہیں اور تاریکی اور بے ہودگی میں تبدیل نہیں ہوتی ہیں۔ اور جب ''اَنا'' اس صورت میں اپنا وظیفہ پوری طرح ادا کر لیتی ہے تو اپنی وہمی ربوبیت اور فرضی مالکیت کے دعوے سے دستبردار ہو جاتی ہے جو کہ وحدتِ قیاسی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور ﴿لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَلَهُ الْحُكْمُ، وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ کہتا ہوا اپنی حقیقی عبودیت کا لباس پہن لیتی ہے اور ''اَحسنِ تقویم'' کے مرتبے پر فائز ہو جاتی ہے۔ لیکن

Marfat.com

اگر ''أنا'' اپنی پیدائش کی حکمت کو بھول جائے اور اپنی طرف حرفی معنی کی بجائے اسمی معنی سے دیکھنا شروع کر دے، اپنا فطری وظیفہ ترک کر دے اور اپنے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا شروع کر دے کہ میں مالک ہوں، تو امانت میں خیانت کرے گی اور ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ کے دائرے میں داخل ہو جائے گی۔ پس انانیت کی یہی جہت شرک و شرور و ضلالات کو جنم دیتی ہے۔ سماوات وارض و جبال جو بارِ امانت کو اُٹھانے سے ڈر گئے تھے اور فرضی شرک کے ارتکاب سے خوفزدہ ہو گئے تھے، وہ ''أنا'' کی اِسی جہت کی وجہ سے تھا۔

جی ہاں! بے شک ''أنا'' جو کہ ایک رقیق 'الف' دقیق دھاگا اور فرضی خط ہے۔ اگر اس کی ماہیت کی پہچان نہ ہو پائے تو وہ خاک کے پردے میں نشوونما پاتی ہے اور تدریجاً بڑی اور مضبوط ہوتی جاتی ہے اور انسانی وجود کے تمام اطراف میں پھیلتی جاتی ہے اور دھیرے دھیرے اژدھے کی طرح انسانی وجود کو ہڑپ کر لیتی ہے، اور پھر وہ انسان مکمل طور پر اپنے تمام لطائف و مشاعر و احساسات سمیت ''أنا'' کا روپ دھار جاتی ہے، پھر نوع کی أنانیت اِس انانیت کو نوعی اور قومی عصبیت کی جہت سے مضبوط کرتی ہے۔ پس یہ ''أنا'' اُس نوعی أنا پر اعتماد کرتی ہے اور نتیجتاً شیطان کی طرح صانعِ ذُوالجلال کے اوامر کے مقابلے میں آ جاتی ہے؛ پھر یہ ''قیاس بالنفس'' کی صورت میں ہر ایک کو بلکہ ہر چیز کو اپنے پر قیاس کرتی ہے، چنانچہ اللہ کی بادشاہی کو اُن لوگوں میں اور اسباب میں تقسیم کرتی ہے، نتیجتاً شرکِ عظیم میں گر جاتی ہے اور ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ کے مآل کا اِظہار کرتی ہے۔

جی ہاں! اگر ایک آدمی حکومت کے مال سے چالیس دینار چوری کرتا ہے تو وہ چوری اسے اسی صورت میں ہضم ہو سکتی ہے کہ اُس کے تمام رفقائے کار اُس کے حصہ دار بنیں، اِسی طرح جو آدمی یہ کہتا ہے کہ: میں اپنی ذات کا خود مالک ہوں، اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے اور کہے کہ: بے شک ہر چیز اپنی ذات کی خود مالک ہے۔ اور یوں ''أنا'' اپنی اِس خیانت کار وضع میں جہلِ مطلق میں ہے، بلکہ وہ أجہلُ الجُہلاء ہے اور جہلِ مرکب کی وادیوں میں ڈانواں ڈول سرگرداں ہے، اگرچہ ہزاروں علوم و فنون حاصل کر لے؛ کیونکہ اس کے حواس اور اُس کے أفکار جب کون و مکاں کی وسعتوں میں بکھرے ہوئے معرفت کے انوار کو دریافت کرتے اور ہاتھ میں لیتے ہیں تو وہ اپنی ذات میں ایسا کوئی مادہ نہیں پاتے جو اُن کی تصدیق کرے، انہیں منور کرے اور انہیں دوام آشنا کرے۔ بنا بریں، وہ تمام معارف بُجھ جاتے ہیں اور سراپا ظلمت بن جاتے ہیں، اور جو وارد ہوتا ہے نفس میں پائے جانے والے رنگوں میں رنگا جاتا ہے، چنانچہ اگر خالص حکمت وارد ہوتی ہے تو وہ اس کے نفس میں عبثِ مطلق اور بیہودگی کا رُوپ دھار جاتی ہے؛ کیونکہ اس حالت میں ''أنا'' کا رنگ شرک اور تعطیل ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کا انکار ہے بلکہ اگر تمام کائنات تابندہ آیات سے بھر جائے تو بھی ''أنا'' میں پایا جانے والا تاریک نقطہ انہیں بجھا دے گا اور انہیں نظروں کے سامنے ظاہر نہیں ہونے دے گا۔ ''گیارہویں مقالے'' میں انتہائی قطعی انداز میں یہ

Marfat.com

ثابت کیا گیا ہے کہ: انسانی ماہیت اور اِس ماہیت میں پائی جانے والی ''أنانیت'' حرفی معنی کے لحاظ سے کائنات کا ایک انتہائی حسّاس میزان، بالکل درست اور مستقیم پیمانہ، ہمہ گیر فہرست، مکمل ترین نقشہ، جامع ترین آئینہ اور کائنات میں ایک خوبصورت ترین تقویم اور روزنامہ ہے، اس مقالے کی طرف رجوع کیا جائے۔ اُس مقالے میں پائی جانے والی تفصیل پر اکتفا کرتے ہوئے ہم یہاں مقدمے کا اختتام کرتے ہیں۔ پس اگر آپ مقدمے کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں تو آئیں اب حقیقت کی گہرائیوں میں اُترتے ہیں۔

بے شک تاریخِ بشریت میں_ زمانۂ آدم سے لے کر تا این دم_ دو بڑے دھارے اور افکار کے دو سلسلے چلے آرہے ہیں، یہ دونوں دھارے یا سلسلے دو ضخیم تناور درختوں کا حکم رکھتے ہیں جنہوں نے اپنی شاخیں اور برگ وبار ہر جہت میں اور ہر طبقۂ انسانی میں پھیلا رکھے ہیں۔ ان میں سے:

ایک تو نبوت اور دین کا سلسلہ ہے

اور دوسرا فلسفہ وحکمت کا سلسلہ ہے

پس جب یہ اکٹھے اور باہم آمیختہ ہوں_ یعنی جب بھی کبھی فلسفہ کا سلسلہ دین کے سلسلے کے دامن میں پناہ لیتا ہے اور اس کی اطاعت اور خدمت کرتا ہے_ عالم انسانیت سعادت سے ہمکنار ہوجاتا ہے اور ایک تابناک صورت میں اجتماعی زندگی بسر کرتا ہے۔ اور جب دونوں اختلاف کے ساتھ چلیں اور علیحدہ علیحدہ رہیں تو خیر اور نور سلسلۂ نبوت اور دین کے اردگرد جمع ہوجاتے ہیں اور شر وضلالت فلسفے کے اردگرد۔ اور اب ہمیں ان دونوں سلسلوں کے سرچشمے اور بنیاد کا سراغ لگانا چاہیے:-

پس دین کے نافرمان فلسفے کے سلسلے کا سرچشمہ_ کہ جس نے شجرۂ زقّوم کی شکل صورت اختیار کی ہوئی ہے اور جو اپنے اردگرد شرک وضلالت کی تاریکیاں پھیلا رہا ہے، حتی کہ اُس نے قوتِ عقلیہ کی شاخ میں انسانی عقل کے ہاتھ میں دہریوں، نیچریوں اور مادہ پرستوں کے ثمرات تھما دیے ہیں۔ اور قوتِ غضبیہ کی شاخ میں انسانی سر پر نمرودوں، فرعونوں اور شدّادوں کے ثمرات لا دیے ہیں۔ (حاشیہ:۱)

اور قوتِ شہویہ بہیمیہ کی شاخ میں معبودوں، بتوں اور خدائی دعوے داروں کے ثمرات لگادیے ہیں۔

اور اس شجرۂ زقوم کے پہلو بہ پہلو اللہ کی عبودیت کا شجرۂ طوبیٰ ہے یہ نبوت کا سلسلہ ہے، جس نے قوتِ عقلیہ کی

---

(حاشیہ:۱) جی ہاں! جس چیز نے نمرودوں اور فرعونوں کو جنم دیا اور اُن کی ماں بن کر انہیں دودھ پلایا، وہ قدیم مصر اور بابل کا فلسفہ ہی تو تھا، وہ قدیم فلسفہ جو جادو کے درجے تک جا پہنچا تھا، یا کم از کم اس ایک خصوصی گروہ میں منحصر ہونے کی وجہ سے اسے جادو سمجھ لیا گیا تھا۔ جیسے کہ جس چیز نے قدیم یونانی عقلوں میں خداؤں کو جگہ دی اور بتوں کو جنم دیا وہ طبعی فلسفہ کی کیچڑ ہی تھی۔ وہ انسان جو طبیعت کے حجاب کی وجہ سے اللہ کے نور کا مشاہدہ نہ کرسکے، وہ ہر چیز کو الوہیت کا درجہ دے دے گا اور اسے اپنے سر پر سوار کرلے گا۔ مؤلف۔

Marfat.com

بارک شاخوں پر کرۂ ارض کے اِس باغ میں انبیاء ومرسلین اور اُولیاء وصدیقین کے پکے ہوئے میٹھے ثمرات پیدا کیے ہیں اور ن ثمرات کو نوعِ انسانی کی دسترس میں دے دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس شجرۂ طوبیٰ نے قوتِ دافعہ کی شاخ میں عدل گستر حکمرانوں اور فرشتوں جیسے بادشاہوں کے ثمرات پیدا کیے ہیں اور قوتِ جاذبہ کی شاخ میں حسن سیرت، عفت مآب جمالِ صورت، جود وسخا اور کرم وعطا کے مشاہیر کے ثمرات لگائے ہیں۔ اور اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ انسان ہی کون و مکاں کے اس درخت کا کامل ترین پھل ہو سکتا ہے۔

اور یوں اِس شجرۂ مبارکہ اور شجرۂ خبیثہ دونوں کا سرچشمہ ''أنا'' کی دو جہتیں ہیں۔ پس ہم ذیل میں بتائیں گے کہ ''أنا'' جو کہ ان دونوں درختوں کا دارومدار اور بنیادی بیج ہے اس کی دونوں جہتیں ان دونوں سلسلوں کا سرچشمہ بن گئی ہیں، اور وہ اِس طرح کہ:

نبوت ''أنا'' کا ایک پہلو پکڑ کر جا رہی ہے

اور فلسفہ ''أنا'' کا دوسرا پہلو پکڑ کر آ رہا ہے

پس پہلا پہلو جو کہ نبوت کا پہلو ہے، خالص عبودیت کا سرچشمہ ہے، یعنی ''أنا'' یہ بات جانتا پہچانتا ہے کہ وہ عبد ہے، اپنے علاوہ کسی اور کا خدمت گزار اور اطاعت شعار ہے، اور یہ بات بھی سمجھتا ہے کہ اُس کی ماہیت ''حرفی'' ہے، یعنی وہ کسی اور کے معنی پر مشتمل ہے، اور اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ اس کا وجود تبعی ہے، یعنی کہ اس کا وجود کسی دوسرے کے وجود کے سہارے قائم اور کسی کے ایجاد کرنے سے موجود ہے۔ اور یہ کہ اُس کی مالکیت وہمی ہے، یعنی کہ وہ جانتا ہے کہ اُس کی مالکیت وقتی ہے، ظاہری صورت میں اور اس کے مالک کی اجازت سے قائم ہے، اور یہ کہ اُس کی حقیقت ظلّی ہے، یعنی وہ ایک ممکن اور مسکین سا سایہ ہے جو ایک واجب اور برحق حقیقت کے جلوے کا حامل ہے۔ رہا اُس کا وظیفہ، تو وہ یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کی شعوری طور پر کامل خدمت واطاعت کرتا رہے، اس بنا پر کہ وہ اپنے خالق کی صفات اور حالات وکیفیات کا پیمانہ اور میزان ہے۔

پس انبیاء نے اور انبیاء کے سلسلے کے اَصفیاء واَولیاء نے ''أنا'' کی طرف اس نظر سے دیکھا ہے، اور اس کا اسی طرح مشاہدہ کیا ہے، چنانچہ وہ حقیقت کو سمجھ گئے اور اُنہوں نے بادشاہت کو مکمل طور پر مالکُ الملک کے سپرد کر دیا، اور فیصلہ کیا کہ اُس کا کوئی شریک اور نظیر نہیں ہے، نہ اُس کی بادشاہت میں، نہ اس کی ربوبیت میں اور نہ اس کی اُلوہیت میں، اور نہ وہ کسی معین اور وزیر کا محتاج ہے، اور اُس کے ہاتھ میں ہر چیز کی چابی ہے، اور وہ ہر چیز پر قادرِ مطلق ہے، اور یہ کہ اسبابِ ظاہری پردہ ہیں، اور یہ کہ نیچر اس کی فطری شریعت، اس کے قوانین کا مجموعہ اور اس کی قدرت کی نشاندہی کرنے کا پیمانہ ہے۔

پس اس چمکدار، خوبصورت اور تابناک پہلو نے ایک مغز دار اور زندگی سے بھرپور گٹھلی کا حکم لے لیا ہے، جس سے

Marfat.com

خالقِ ذُوالجلال نے عبودیت کا وہ شجرۂ طوبیٰ پیدا کیا، جس کی مبارک شاخیں اپنے نورانی ثمرات کے ساتھ مزین ہو کر عالمِ بشریت کی ہر سمت میں پھیلی ہوئی ہیں، جس نے ماضی کے تمام زمانوں میں تاریکیوں کو پراگندہ کیا اور بتایا کہ وہ ماضی کا طویل زمانہ بہت بڑی قبر اور عدمستان نہیں ہے جیسے کہ فلسفے کی رائے ہے، بلکہ وہ غروب ہو جانے والی روحوں کے لیے انوار کا دارومدار اور مختلف اور متفاوت پائے دانوں والی تابناک سیڑھی ہے، تاکہ وہ روشن مستقبل اور ابدی سعادت کی طرف منتقل ہو سکیں، اور وہ روشنی کا دیس اور اُن روحوں کا درخشندہ باغ ہے جو اپنے بھاری بوجھ اتار کر آزاد ہو گئی ہیں اور دنیا سے کوچ کر گئی ہیں۔

رہا دُوسرا پہلو، تو اُسے فلسفے نے پکڑا ہوا ہے، اور فلسفہ: ''اَنا'' کی طرف اِسمی معنی کی حیثیت سے دیکھتا ہے، یعنی فلسفہ کہتا ہے کہ: ''اَنا'' اپنی ذات پر بذاتِ خود دلالت کرتی ہے۔ اور اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ ''اَنا'' کا معنی خود اُس کی ذات میں ہے اور وہ خود اپنی ذات کے بل پر اور اپنی ذات کے لیے عمل کرتی ہے۔ اور وہ یہ مانتا ہے کہ اُس کا وجود اصلی اور ذاتی ہے۔ یعنی کہ وہ کہتا ہے کہ: اُس کا اپنی ذات میں خود ذاتی وجود ہے۔ اور اس زعم میں مُبتلا ہے کہ: اسے زندگی کا حق ہے، اور یہ کہ وہ اپنے دائرۂ تصرف میں حقیقی مالک ہے، اور وہ اُسے ایک حقیقت ثابتہ سمجھتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کا وظیفہ وہ ذاتی تکمیل ہے جو کہ اُس کی اپنی ذات کی محبت سے پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہے۔ اور یوں انہوں نے اپنے مسلک کی عمارت بہت سی فاسد بنیادوں پر رکھی ہوئی ہے۔ اور ہم نے اپنے تمام رسائل میں، اور خاص کر مقالات میں، اور خصوصی طور پر بارہویں اور پچیسویں مقالے میں یہ بات قطعی صورت میں ثابت کی ہے کہ یہ تمام بنیادیں فاسد بے اساس اور کھوکھلی ہیں۔

حتیٰ کہ فلسفے کے اِس سلسلے کے سرکردہ، ذہین، چالاک اور باکمال لوگ جو ہیں جیسے کہ افلاطون اور اُرسطو، ابن سینا اور فارابی وغیرہ، اُنہوں نے تو ایک فرعونی حکم صادر کر دیا ہے، اور وہ یہ کہ: انسانیت کی غایتُ الغایات یہ ہے کہ وہ ''تشبُّہ بالواجب'' یعنی واجبُ الوجود کے ساتھ مشابہت اختیار کر لے اور یُوں اُن لوگوں نے ''اَنانیت'' کو مہمیز لگا کر اُسے برانگیختہ کر دیا ہے تاکہ وہ بے لگام ہو کر شرک وضلالت کی وادیوں میں بھاگتی پھرے۔ اور اس طرح اُنہوں نے بت پرستوں، اسباب پرستوں، نیچر پرستوں اور ستارہ پرستوں جیسے بہت سے گروہوں کے لیے انواع واقسام کے شرک کا میدان ہموار کر دیا اور انسانیت کی فطرت میں مندرج عجز وضعف وفقر واحتیاج اور نقص وقصور کے دروازوں کو بند کر کے عبودیت کے راستے مسدود کر دیے اور نیچر کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔ چنانچہ وہ نہ تو شرک سے مکمل طور پر نکل سکے اور نہ شکر کے وسیع دروازے کا راستہ پا سکے۔

لیکن نبوت نے عبُودیت کی رُو سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ انسانیت کی غرض وغایت اور بشریت کا وظیفہ ہے: ''تـخـلُّـق

Marfat.com

بہ "الأخلاق الالٰھیۃ" یعنی صفاتِ حمیدہ اور اوصافِ عالیہ کو اپنانا کہ اُسے اپنے عجز کا علم ہو جائے تو وہ قدرتِ الٰہیہ کے دامن میں پناہ لے، اور یہ کہ اُسے اپنا ضعف نظر آ جائے تو وہ قوت الٰہیہ کا سہارا لے، اور یہ کہ اُسے اپنا فقر نظر آ جائے تو وہ رحمتِ الٰہیہ پر اعتماد کر لے، اور یہ کہ اُسے اپنا احتیاج نظر آ جائے تو وہ غناءِ الٰہی کی مدد مانگے، اور یہ کہ اُسے اپنی تقصیر نظر آ جائے تو وہ استغفار کرے اور عفوِ الٰہی کا طلب گار بن جائے، اور یہ کہ وہ اپنی کی کوتاہی کو دیکھ لے تو کمالِ الٰہی کی تسبیح و تقدیس میں مگن ہو جائے یعنی اس کے کمال کو کسی بھی کمی کوتاہی سے پاک گردانے۔

نافرمان فلسفہ چونکہ صحیح راستے سے گمراہ ہو کر بہت دُور جا پڑا ہے اس لیے "اُنا" نے اپنی زمام خود اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور ہر قسم کی گمراہی کی طرف ایڑھ لگا دی ہے۔ اِس طرح اُس دوسرے پہلو میں شجرۂ زقوم نے جنم لیا اور نشو ونما پا کر "اُنا" کے سر پر پھیلتا گیا اور اِس طرح عالمِ انسانیت کے نصف سے زیادہ حصے پر غالب آ گیا۔ رہے وہ ثمرات جو کہ اِس درخت نے ناپاک حیوانی خواہش کی قُوت کی شاخ میں لگا کر انسانی آنکھوں کو دیے ہیں، تو وہ ہیں اصنام و آلِہہ؛ کیونکہ فلسفہ بُنیادی طور پر قوت کو سراہتا اور اچھا سمجھتا ہے، اس حد تک کہ اُنھوں نے اپنے اِس قول "الحکم للغالب" کو اپنے مِن جُملہ دساتیر میں سے ایک دستور بنا لیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: بے شک غالب اور زور آور میں قوّت ہے اور قوت میں حق ہے۔ (حاشیہ:۱) اور اس طرح وہ معنوی طور پر ظلم و عدوان کے خوگر بن گئے، انہوں نے ظالموں کی حوصلہ افزائی کی اور جابروں ستمگاروں اور جفا کاروں کو دعوائے اُلوہیت پر اُبھارا۔

پھر مصنوعات میں جو حُسن اور اُن کے نقوش میں جو جمال پایا جاتا ہے، فلسفہ اُس حسن و جمال کا مالک خود ان مخلوقات کو ٹھہراتا ہے اور یہ بات بھول ہی جاتا ہے کہ اس حسن و جمال کی نسبت تو اس مجرّد اور مقدس جمال کے مالک خلّاق ونقاش کی جلوہ گری کی طرف ہونی چاہیے، چنانچہ وہ یہ تو کہتا ہے کہ: "یہ چیز کس قدر خوبصورت ہے!" لیکن یہ نہیں کہتا کہ: "اِس چیز کی تخلیق کتنی خوبصورت ہے!" اور اس طرح وہ اُس حسن و جمال کو ایک قابلِ پرستش صنم کا درجہ دے دیتا ہے! اور اسی طرح وہ بناوٹی، اور ریاکارانہ ظاہری حسن و جمال کی داد دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے ریاکاروں کے لیے تالیاں پیٹیں ہیں اور بُتوں جیسی چیزوں کو اُن بتوں کے پرستاروں کا پرستار بنا دیا ہے (حاشیہ:۲) اور اِس شجرۂ زقوم نے بشر کے سر پر قوتِ غضبیہ کی ٹہنی میں چھوٹے بڑے نمرودوں، فرعونوں اور شدادوں کے ثمرات پکائے ہیں۔ اور قوتِ عقلیہ کی ٹہنی میں اِس نے عالمِ

---

(حاشیہ:۱) لیکن نبوت کا دستور کہتا ہے: بے شک قوت حق میں ہے، اور یہ کہ قوت میں حق نہیں۔ اور یوں وہ ظلم کا قلع قمع کرتا اور عدل کو ہموار دیتا ہے۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) یعنی یہ بتوں کے ساتھ مشابہت رکھنے والے لوگ اپنے شیفتگان کی توجہ حاصل کرنے اور ان کی خواہشوں اور چاہتوں پر پورا اُترنے کے لیے ان کے سامنے ایسی وضع قطع کا مظاہرہ کرتے ہیں جو کہ پرستش کے مشابہ ہوتی ہے۔ اور یوں وہ اپنی ان ریاکارانہ اداؤں سے بیک وقت عابد بھی بن جاتے ہیں اور معبود بھی۔ مؤلف۔

Marfat.com

انسانیت کے دماغ کے لیے دہری، مادہ پرست اور نیچر پرست قسم کے پھل لگائے ہیں اور اس طرح اُس نے انسانی دماغ کے ہزار ٹکڑے کر دیے ہیں۔

اور اب ہم اس حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لیے تین یا چار مثالیں دے کر سلسلہ نبوت کی سچی بنیادوں سے جنم لینے والے نتائج اور مسلکِ فلسفہ کی فاسد بنیادوں سے جنم لینے والے نتائج کے مابین بطور مثال ہزاروں میں سے چند موازنے منعقد کرتے ہیں۔

## پہلی مثال

انسان کی شخصی زندگی کے بارے میں نبوت کے دستوری نتائج میں سے ایک دستور ''تخلّق بأ خلاق اللّٰہ'' ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ: الٰہی اخلاق کے ساتھ متصف ہو جاؤ۔ جناب حق کی طرف پوری ذلت و انکساری کے ساتھ متوجہ ہو جاؤ اور اپنے عجز و فقر اور اپنی کمی کوتاہی کو پہچان جاؤ اور اس طرح اس کے دروازے کے پرستار بن جاؤ۔ اب ایک طرف تو نبوت کا یہ دستور ہے، اور دوسری طرف فلسفہ کا ریاکارانہ دستور ہے کہ: ''واجبُ الوجود کے مشابہ ہونے کی کوشش کرو'' اس قاعدے کی رُو سے کہ: ''تشبُّہ بالواجب انسانی کمال کی انتہا ہے''۔ اب فلسفے کے اس دستور کا نبوت کے دستور کے ساتھ کیا جوڑ ہے؟ جی ہاں، انسانی ماہیت جو کہ بے انتہا عجز و ضعف و فقر و احتیاج کے ساتھ گوندھی گئی ہے، اس کا بے انتہا قدیر و قوی و غنی و مستغنی واجبُ الوجود کی ماہیت کے ساتھ کیا مقابلہ ہے؟

## دوسری مثال

اجتماعی زندگی کے بارے میں دستورِ نبوت کے نتائج سے جنم لینے والا ایک ثابت شدہ دستور ''تعاون'' ہے، جو کہ کون و مکاں میں شمس و قمر سے لے کر نباتات و حیوانات تک جاری و ساری ہے، چنانچہ نباتات حیوانات کی مدد کرتی ہیں اور حیوانات انسان کی بلکہ کھانے کے ذرات جسم کے خلیوں کی مدد اور تعاون کرتے ہیں۔

اب یہ جو تعاون کا اُستوار دستور، کرم کا یہ قانون اور اکرام کا جو ضابطہ ہے اُس کے مقابلے میں فلسفے کے اُس ''کشمکش'' والے دستور کی کیا حیثیت ہے جو کہ حیاتِ اجتماعیہ میں کام کر رہا ہے اور جو کہ صرف کچھ ظالم اور درندہ صفت انسانوں اور وحشی حیوانوں کے فطرت کے سوءِ استعمال سے پروان چڑھا ہے؟ کیونکہ انھوں نے فطرت کا سوءِ استعمال کیا ہے۔ جی ہاں، فلاسفہ نے ''کشمکش'' کے اس دستور کو اَساسی اور کُلی حیثیت سے قبول کر لیا ہے اور اُسے تمام موجودات پر حکمران مان لیا ہے، اور انتہائی بیوقوفی سے یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ: ''بے شک زندگی نام ہی کشمکش کا ہے''۔

## تیسری مثال

توحید کے بارے میں نبوت کے جو اعلیٰ ترین دساتیر و قواعد ہیں اُن میں سے ایک دستور یہ ہے کہ: الـواحـد لا

Marfat.com

یصدر الا عن الواحد ''واحد کا صدور صرف واحد سے ہوتا ہے''۔اس کا مطلب یہ ہے کہ: ہر وہ چیز جو کہ وحدت پر مشتمل ہے وہ صرف الواحد سے ہی صادر ہوتی ہے۔اب چونکہ ہر شے میں اور تمام اَشیاء میں وحدت پائی جاتی ہے اس لیے یہ ایک ذاتِ واحد کی اِیجاد ہے۔جبکہ شرک وضلالت سے آلودہ قدیم فلسفے کا ایک اعتقادی دستور یہ ہے کہ: اَلْوَاحِدُ لَا یَصْدُرُ عَنْهُ اِلَّا الْوَاحِدُ ''ذاتِ واحد سے ذاتی طور پہ صرف ایک ہی شے کا صدور ہوسکتا ہے''، اور باقی تمام اشیاء اُس سے وسائط کے توسط سے صادر ہوتی ہیں قدیم فلسفے کا یہ قاعدہ ہر شے سے غنی مطلق اور قدیر مطلق ذات کو عاجز اور وسائط کا محتاج ظاہر کرتا ہے اور تمام اسباب ووسائط کو ربوبیت میں شریک کرتا ہے اور یوں اُس نے خالق ذُوالجلال کو ایک مخلوق ''عقلِ اول'' کا نام دے دیا ہے اور اُس کی تمام بادشاہی کو اسباب ووسائط میں تقسیم کردیا ہے اور یوں شرکِ عظیم کے لیے راستہ کھول دیا ہے۔

اب اس قدیم اور بیمار اور شرک وضلالت سے آلودہ فلسفے کی اِس قاعدے سے نکلے ہوئے نبوت کے توحیدی دستور کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے؟

پس جب اشراقیین جو کہ حکماء کا بلند ترین طبقہ ہیں، معاملے کو اس طرح سے خلط ملط کردیتے ہیں تو پھر اس بات کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں کہ حکماء مادیین اور حکماء طبیعیین جیسے چھوٹے طبقے کے حکماء وفلاسفہ کا کیا حال ہوگا؟

## چوتھی مثال

نبوت کے جو حکمت بھرے دساتیر ہیں، اُن میں سے ایک دستور یہ ہے کہ: ہر چیز اور ہر ذی حیات کا وہ نتیجہ اور اس کی وہ حکمت جو اُس کی طرف لوٹ رہی ہے، ایک ہی ہے، تو پھر اُس کے وہ نتائج جو کہ اس کے صانع کی طرف لوٹتے ہیں اور اس کی وہ حکمتیں جو اُس کے فاطر کی طرف رُخ کیے ہوئے ہیں، ہزاروں کے حساب سے ہیں اور ہر چیز کے بلکہ صرف ایک پھل کی اتنی زیادہ حکمتیں اور اتنے زیادہ نتائج ہیں جتنے کہ ایک درخت کے پھل ہیں اور یہ راز ہمیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان گرامی سے ملتا ہے: ﴿وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ لیکن جھوٹ سے مزین اور حکمت سے خالی فلسفہ وحکمت کا دستور یہ ہے کہ: ''ہر ذی حیات کا نتیجہ خود اُس کی اپنی طرف یا انسان کے منافع ومصالح کی طرف لوٹتا ہے'' اور یہ قاعدہ موجودات سے اُن کی بہت سی حکمتیں چھین لیتا ہے، اور وہ عبث اور بے معنی سی ہوکر رہ جاتی ہیں، جیسے کہ رائی کے دانے جیسے ایک پھل یا نتیجے کو ایک پہاڑ جیسے ضخیم درخت پر لٹکا دینا۔اب اس مبنی بر حقیقت نبوی حکمت کے دستور اور فلسفے کے اس حکمت سے فارغ اور فاسد قاعدے کے درمیان کیا مقابلہ ہوسکتا ہے؟۔

اس حقیقت کو چونکہ دسویں مقالے کی دسویں حقیقت میں ایک حد تک وضاحت سے بیان کردیا گیا ہے اس لیے یہاں اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔

اور آپ ان چار مثالوں پر دیگر ہزاروں مثالوں کو قیاس کرسکتے ہیں۔ہم نے اپنے ''لمعات'' نامی رسالے میں ان

Marfat.com

مثالوں کی ایک قسم کی طرف اشارہ کردیا ہے۔(حاشیہ:۱) یاد رہے کہ اس مبنی بر فساد فلسفے اور اس کے ان مُہلک نتائج ہی کی بنا پر ابن سینا اور فارابی جیسے ذہین ترین اسلامی فلاسفر ایمان کے صرف اسی درجے پر فائز ہو سکے جس سے ایک عام مومن بہرہ ور ہے، کیونکہ وہ فلسفے کی ظاہری چکا چوند سے متاثر ہو گئے اور اس مسلک سے دھوکا کھا گئے اور اُس کے گرویدہ ہو گئے، حتی کہ حُجّۃ الاسلام امام غزالی جیسے لوگوں نے تو انہیں ایمان کا یہ درجہ بھی نہیں دیا ہے۔

اسی طرح ائمہ معتزلہ جو کہ متبحر متکلمین ہیں، وہ بھی چونکہ فلسفے کی اس ظاہری زیب و زینت پر فریفتہ ہیں اور عقل کو حاکم ماننے کی وجہ سے اس مسلک کے قریب تر ہیں؛ وہ بھی ایمان کے اس درجے سے اوپر نہیں جا سکے جو کہ ایک فاسق اور مبتدع مومن کا ہے۔

اسی طرح ابو العلاء معری جیسے بدفال اور عمر خیام جیسے یتیمانہ آہ و فغان کرنے والے مشہور اسلامی ادباء نے اہلِ کمال و حقیقت کی طرف سے تحقیر و تکفیر کا تادیبی طمانچہ کھایا ہے، اس لیے کہ یہ لوگ نفسِ امارہ کو برانگیختہ کرنے والے اس فلسفے پر دل و جان سے فریفتہ تھے، چنانچہ اہلِ حقیقت نے انہیں تادیبی لطمہ رسید کرتے ہوئے کہا: ''تم لوگ سوءِ ادب کا ارتکاب کر رہے ہو، زندیقیت کے راستے پر لگے ہوئے ہو اور اپنی گود میں زندیقوں کی تربیت کر رہے ہو''۔

اسی طرح اس فلسفے کے مسلک کی فاسد بنیادوں میں سے ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ: ''أنا'' اپنی طرف اس فلسفہ کی مشئوم نظر کے ساتھ اسمی معنی کی حیثیت سے دیکھتی ہے، حالانکہ ذاتی طور پر اس کی ماہیت ہوا کی طرح کمزور سی ہے، گویا کہ بخارات کے ساتھ مشابہت رکھنے والی یہ ''أنا'' مائع بن جاتی ہے، اور پھر گویا کہ وہ مادیات کے ساتھ مانوس ہونے اور ان میں گھسے رہنے کی وجہ سے ٹھوس ہو جاتی ہے، اور پھر غفلت اور انکار کے ہاتھوں یہ ''أنانیت'' جامد ہو جاتی ہے، پھر عصیاں کاری کی وجہ سے یہ گدلی ہو جاتی ہے اور اپنی شفافیت کھو دیتی ہے، پھر تدریجا گاڑھی ہوتی جاتی ہے حتی کہ صاحب ''أنا'' کو نگل لیتی ہے۔ پھر اسی حد تک نہیں ٹھہرتی ہے بلکہ انسانی افکار کے بل پر پھلتی پھولتی اور وسیع ہوتی جاتی ہے اور پھر تمام لوگوں کو حتی کہ اسباب کو اپنی انانیت اور اپنے آپ پر قیاس کرتی ہے اور انہیں _ اُن کے انکار کرنے کے باوجود _ فرعونیت عطا کر دیتی ہے۔ پس یہاں پہنچ کر وہ خالقِ ذُوالجلال کے اوامر کا مقابلہ کرنے کے لیے کھڑی ہو جاتی ہے اور گویا کہ متحدّیانہ انداز میں کہتی ہے: ﴿مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾؟ اور اپنے اس انداز سے وہ قادرِ مطلق پر عاجزی کی تہمت رکھتی ہے، حتی کہ وہ خالقِ ذُوالجلال کے اوصاف میں مداخلت کرتی ہے۔

اور یوں وہ یا تو اس چیز کو رد کر دیتی ہے جو اس کے موافق نہ ہو اور جسے نفسِ امارہ کی فرعونیت پسند نہ کرتی ہو، یا اس کا انکار کر دیتی ہے، اور یا پھر اُس میں تحریف کر دیتی ہے۔

---

(حاشیہ:۱) ''لمعات'' یا ''لوامع'' نامی اس کتاب کے بارے میں اُستاد نورسی نے اس کی نوک پلک سنوارنے کے بعد اپنے قریبی شاگردوں کو وصیت کی تھی کہ اسے مقالات یا کلمات کے آخر میں بطور ضمیمہ لگا کر طبع کرا دیا جائے۔ استاد کے خدام شاگردوں کی طرف سے۔ مترجم۔

Marfat.com

مثال کے طور پر:

فلاسفہ کے ایک گروہ نے اللہ تعالیٰ کو ''الموجب بالذات'' کا نام دیا ہے، اور اس بنا پر پوری کائنات کی گواہی کو جھٹلاتے ہوئے اُس کے اختیار کی نفی کر دی ہے، سبحان اللہ! اس کائنات میں ذرّے سے لے کر سورج تک تمام کی تمام موجودات اپنے تعیّنات، انتظامات، حکمتوں، میزانوں اور پیمانوں کے ساتھ صانع کے اختیار پر واضح دلالت کرتی ہیں، لیکن فلسفے کی اندھی آنکھ اسے دیکھ ہی نہیں پا رہی ہے!۔

اور اسی طرح فلاسفہ کے ایک گروہ نے یہ کہا ہے کہ:

علمِ الٰہی جزئیات کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا ہے، اور یوں انہوں نے علمِ الٰہی کے اِحاطے اور ہمہ گیری کی نفی کر دی، او راُن سچی گواہیوں کو رد کر دیا جو اُس کے ہمہ گیر علم پر یہ تمام کی تمام موجودات دے رہی ہیں۔

پھر یہ بھی ہے کہ فلسفہ اسباب کو تاثیر کا مالک بناتا ہے اور نیچر کے ہاتھ میں ایجاد کی باگ ڈور تھما دیتا ہے اور ہر چیز پر ہر چیز کے خالق کا جو خصوصی سکہ جگمگا رہا ہے وہ اسے دیکھتا ہی نہیں ہے، چنانچہ وہ ہزاروں حکمتوں پر مشتمل موجودات کی ایک قسم کی تخلیق کا منبع و مصدر اُس عاجز، جامد لاشعور اور اندھی نیچر کو قرار دیتا ہے اور اسے اُن موجودات کا مالک بنا دیتا ہے، وہ نیچر کہ جس کے دونوں ہاتھ اندھے تصادف اور کانی قوت کے ہاتھوں میں ہیں، جبکہ یہ موجودات صمدانی مکتوبات کا حکم رکھتی ہیں۔ جیسے کہ بیسویں مقالے میں قطعی طور پر ثابت کر دیا گیا ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ فلسفہ آخرت اور حشر کے اُس دروازے کی طرف راہ نہیں پا سکا، جس کو حق تعالیٰ نے اپنے تمام اَسماء کے ساتھ، کائنات نے اپنے تمام حقائق کے ساتھ اور سلسلۂ نبوت نے اپنی تمام تحقیقات کے ساتھ اور آسمانی کتابوں نے اپنی تمام آیات کے ذریعے ثابت کیا ہے۔ جیسے کہ دسویں مقالے میں ثابت کیا گیا ہے، چنانچہ فلاسفہ نے حشر کا انکار کر دیا اور روحوں کے لیے ایک قسم کی ازلیت کا اسناد کر دیا۔

پس آپ ان فلاسفہ کے تمام مسائل کو اِن خرافات پر قیاس کر سکتے ہیں۔

جی ہاں! ایسے لگتا ہے جیسے شیاطین نے اِن مُلحد فلاسفہ کی عقلوں کو ''اَنا'' کی چونچ اور پنجے سے اُچک لیا ہے اور انہیں اُونچی فضا میں لے جا کر گمراہی کی وادیوں میں پٹخ کر پارہ پارہ کر دیا ہے۔

پس یاد رکھو کہ ''اَنا'' کی حیثیت اس عالمِ صغیر _ انسان _ میں وہی ہے جو کہ عالمِ کبیر _ کائنات _ میں نیچر کی ہے، دونوں ہی طاغوت ہیں: ﴿ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾۔

میں نے ''اللمعات'' میں خیالی سیاحت کی صورت میں نظم سے ملتے جلتے انداز میں جو ایک مثالی واقعہ لکھا ہے وہ اس

Marfat.com

حقیقت پر کافی حد تک روشنی ڈالتا ہے، موقع کی مناسبت سے اُس کا معنی و مفہوم یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ اور یہ واقعہ اس رسالے کی تالیف سے آٹھ سال پہلے استانبول میں رمضان شریف کے مہینے میں اُس وقت پیش آیا تھا جبکہ فلسفے کا دلدادہ ''سعید قدیم''، ''سعید جدید'' کی طرف منقلب ہو رہا تھا۔ چنانچہ میں اُن دنوں اُن تین مسلکوں کے بارے میں غور وفکر کیا کرتا تھا جن کی طرف سورت فاتحہ اپنی ان آخری آیات میں اشارہ کرتی ہے: ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ﴾۔ پس میں نے ایک خیالی واقعہ اور خواب سے ملتا جلتا ایک مثالی حادثہ دیکھا۔ میں نے خود کو دیکھا کہ ایک بہت بڑے لق ودق صحرا میں ہوں، تمام آسمان پر اس طرح کے تاریک اور گھرے بادل چھائے ہوئے ہیں کہ جن سے تمام زمین پر سانس گھٹ رہا ہے، نہ ہوا ہے، نہ روشنی نہ پانی، اِن میں سے کسی چیز کا نام ونشان تک نہ تھا۔ پھر مجھے یہ وہم ہوا کہ وہاں کا چپہ چپہ درندوں اور دیگر نقصان دہ جنگلی جانوروں سے بھرا پڑا ہے، پھر دوسرے ہی لمحے میرے دل میں یہ بات آئی کہ: اس صحراء کی دوسری جانب روشنی، ہوا اور پانی موجود ہے اس لیے اُدھر جانا چاہیے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مجھے اُدھر زبردستی ہانک کر لے جایا جا رہا ہے۔ تب میں سرنگ سے ملتی جلتی ایک زمین دوز غار میں داخل ہو گیا اور زمین کے اندر ہی اندر آہستہ آہستہ چلتا پھرتا رہا۔ پھر اچانک دیکھتا ہوں کہ: اس زمین دوز سرنگ میں مجھ سے پہلے بھی کئی لوگ چل پھر چکے ہیں لیکن سفر مکمل نہیں کر سکے ہیں، اُن کا سانس گھٹ گیا تھا، مجھے وہ سب اِدھر اُدھر بکھرے نظر آرہے تھے، میں اُن کے قدموں کے آثار واضح طور پر دیکھ رہا تھا، اُن میں کچھ کی تو آوازیں بھی کچھ دیر تک سنائی دیتی تھیں۔ پھر کٹ جاتی تھیں۔

پس اے میری اس خیالی سیاحت میں اپنے خیال کے ساتھ شریک ہونے والے میرے رفیقِ سفر! وہ زمین ''طبیعت'' یعنی نیچر اور ''فلسفۂ طبیعہ'' ہے۔ سرنگ وہ مسلک ہے جس پر اہلِ فلسفہ اپنے افکار کے ساتھ حقیقت کی راہ کھولنے کے لیے چلے ہیں۔ اور جو قدموں کے آثار میں نے دیکھے ہیں وہ افلاطون اور ارسطو جیسے مشاہیر کے ہیں (حاشیہ: ۱) اور وہ آوازیں جو میں نے سنی ہیں وہ ابن سینا اور فارابی جیسے زِیرک دانشوروں کی ہیں۔ جی ہاں، میں بعض جگہوں میں ابن سینا کے بعض اقوال اور قوانین دیکھتا تھا، لیکن پھر وہ کلیتاً منقطع ہو جاتے تھے، یعنی آگے نہیں بڑھ سکے، مطلب یہ کہ وہ غرق ہو گئے۔ بہر

(۱) اگر تم یہ کہو کہ: تُو چیز کیا ہے جو اِن مشاہیر کے مقابلے میں میدان میں اُتر رہا ہے؟ ایک مکھی ہو کر شاہینوں کی پرواز میں دخل اندازی کر رہا ہے۔

تو اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ: میرا ازلی استاد چونکہ قرآن کریم ہے، اس لیے میں حقیقت ومعرفت کے راستے میں اُن شاہینوں کی مکھی کے پر کے برابر بھی پرواز نہیں کرتا ہوں جو کہ گمراہی سے اُٹے ہوئے فلسفے اور اوہام سے ملوث عقل کے شاگرد ہیں۔ میرا درجہ ان لوگوں سے کتنا بھی نیچے کیوں نہ ہو، اُن کا استاد میرے استاد سے بہرکیف ہزار درجے نیچے ہے؛ کیونکہ مادہ جس کی کیچڑ میں وہ سرتاپا ڈوب چکے ہیں وہ میرے استاد کی نگاہِ کرم سے میرے پاؤں بھی نہیں بھگو سکا ہے۔ جی ہاں، بے شک کسی بہت بڑے حکمران کا ایک چھوٹا سا سپاہی جو کہ اس کے قوانین واوامر کا پاسدار ہو، کسی چھوٹے سے حکمران کے بہت بڑے مشیر سے کہیں زیادہ بڑے کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

کیف میں نے تحت الخیال پائی جانے والی حقیقت کا ایک زاویہ ظاہر کر دیا ہے تاکہ تمہاری شیفتگی و وارفتگی میں کچھ تخفیف کر دوں۔

اور اب میں اپنی سیاحت کی طرف آتا ہوں۔ پس میں دھیرے دھیرے آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ: میرے ہاتھوں میں دو چیزیں تھما دی گئی ہیں:

پہلی چیز: ایک ٹارچ تھی جو کہ زمین کے نیچے کی طبیعت کی تاریکیاں بکھیرتی جاتی تھی۔

دوسری چیز: ایک آلہ تھا جو پہاڑوں جیسی بڑی بڑی ٹھوس چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرتا چلا جاتا تھا۔ جس سے میرے سامنے راستہ کھلتا چلا جاتا تھا۔ پھر میرے کانوں سے یہ آواز ٹکرائی: یہ ٹارچ اور یہ آلہ تمہیں قرآن کے خزینے سے عطا کیا گیا ہے۔ بہر کیف میں اسی طرح بہت دیر تک چلتا رہا، پھر میں نے خود کو دیکھا کہ میں دوسری جانب پہنچ گیا ہوں، اور وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ سورج صاف آسمان میں پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے اس کے آگے کوئی بادل نہیں۔ نسیم صبا روح کو تازگی بخش رہی ہے، فرحت بخش لذیذ اور زندگی سے بھرپور پانی جاری ہے، ایک ایسی دنیا ہے جو ہر طرف سے آباد ہے اور موسم بہار حسن و جمال سے بھرپور پورے جوبن پر ہے، تو میں نے کہا: الحمد اللہ۔

پھر میں نے دیکھا کہ: میں اپنی ذات کا مالک نہیں ہوں، اور یہ کہ مجھے کوئی تجربے سے گزار رہا ہے، پھر میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں پھر اُسی لق و دق صحرا میں ہوں میری وہی پہلی حالت ہے اور وہی گلوگیر بادل ہے، مجھے ایسے لگا کہ مجھے کوئی ہانکنے والا کسی اور راستے میں ہانکے لیے جا رہا ہے۔ لیکن اب کی بار میں زمین کے نیچے نہیں چل رہا تھا بلکہ میں سطح زمین کو سیر و سیاحت کے ذریعے طے کر رہا تھا اور چلتا ہوا ایک دوسری جہت کو جا رہا تھا۔ اور اپنی اس سیر و سیاحت میں ناقابلِ بیان عجیب و غریب اور انجانی چیزوں کا مشاہدہ کر رہا تھا، یہاں سمندر مجھ پر غضب ناک ہو رہا تھا، آندھی مجھے دھمکی دے رہی تھی اور ہر چیز میرے لیے مشکلیں پیدا کر رہی تھی۔ لیکن میں ہوں کہ چلا جا رہا ہوں اور قرآن کریم کی جناب سے ملے ہوئے سیاحتی آلۂ کار کے طفیل ان تمام مشکلوں پر غالب آتا جا رہا ہوں۔ پس میں قدم بقدم فاصلہ طے کرتا رہا اور دیکھتا جا رہا تھا کہ بہت سے سیاحوں کے جنازے راستے کے دونوں طرف اِدھر اُدھر پڑے ہوئے ہیں، اور جن لوگوں نے اس سیاحت کی تکمیل کی ہے وہ ہزاروں میں سے ایک ہیں۔ بہر کیف میں اس گلوگیر بادل سے نجات پا گیا اور زمین کی دوسری جانب روانہ ہو گیا یہاں میں نے حقیقی سورج کا سامنا کیا، اور رُوح پرور نسیم صبا میں آزادانہ سانس لی۔ تو میں نے الحمد للہ کہا اور اس جنت نظیر دنیا کی سیر شروع کر دی۔

پھر میں نے دیکھا کہ کوئی ہے جو مجھے وہاں رہنے نہیں دے رہا ہے، گویا کہ وہ مجھے کسی اور راستے پر ڈالنا چاہتا ہے، چنانچہ وہ مجھے آنِ واحد میں اُسی ہولناک صحراء میں لے گیا، وہاں میں نے دیکھا کہ اَنواع و اقسام کی کچھ چیزیں لفظوں کی

Marfat.com

طرح اُوپر سے نیچے آرہی ہیں، ان میں سے کچھ ہوائی جہازوں جیسی ہیں، کچھ گاڑیوں جیسی اور کچھ لٹکتی ہوئی ٹوکریوں اور تھیلوں کی طرح ہیں، جب کسی انسان کو اُس کی قوت واستعداد کے مطابق ان میں سے کسی ایک چیز کی طرف پھینک دیا جاتا تو اُسے اُن کے ذریعے اُوپر کی طرف کھینچ لیا جاتا ہے،تو میں نے بھی ایک کی طرف چھلانگ لگادی تو وہ چیز مجھے ایک منٹ میں بادلوں کے اُوپر لے گئی۔ پس میں ایسے انتہائی خوبصورت اور سرسبز وشاداب پہاڑوں کے اوپر چڑھ گیا کہ بادلوں کا وہ طبقہ ان پہاڑوں کے نصف تک بھی نہیں پہنچ پا رہا تھا؛ یہاں ہرطرف لطافت بھرے بادِنسیم کے جھونکے چل رہے تھے، لذیذ خوشگوار پانی رواں دواں تھا اور شیریں شیریں روشنی نظروں کو نواز رہی تھی؛ اور میں نے دیکھا کہ: لفٹوں جیسی یہ خوبصورت نورانی منزلیں یہاں ہرطرف پائی جاتی ہیں۔اوراس طرح کی نورانی منزلیں میں اپنی دوسری دونوں جانبوں کی دونوں سیاحتوں میں بھی دیکھ چکا تھا، لیکن کچھ سمجھ نہیں سکا تھا۔اوراب یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ یہ منزلیں قرآن حکیم کی آیات کی جلوہ گریاں ہیں۔

اب یہ سمجھو کہ پہلا راستہ جس کی طرف ''وَلاَ الضَّالِّیْنَ '' کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، وہ طبیعت یعنی نیچر کے باب میں گمراہی کا شکار ہونے والوں کا اور نیچری فکر کے حاملین کا مسلک ہے۔اوراس مسلک کے ذریعے حقیقت اور نور تک پہنچنے کے لیے جن مشکلات کا سامنا ہے ان کا احساس آپ کو اچھی طرح ہو چکا ہے۔

اور دوسرا راستہ جس کی طرف ''اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ'' کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، وہ بندگانِ اسباب کا اور اُن لوگوں کا مسلک ہے جو ایجاد اور تاثیر کی نسبت وسائط کی طرف کرتے ہیں اور مشائین (حاشیہ:۱) حکماء کی طرح حقیقت الحقائق اور واجبُ الوجود کی معرفت تک صرف عقل وفکر کے راستے سے پہنچنا چاہتے ہیں۔

رہا تیسرا راستہ جس کی طرف ''اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ'' کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، تو وہ صراطِ مستقیم پر گامزن اہلِ قرآن کا نورانی راستہ ہے، اور یہ مختصر ترین، آسان ترین اور سلامت ترین راستہ ہے جو ہر ایک کے لیے کھلا ہوا ہے، اور یہ آسمانی روحانی اور نورانی مسلک ہے۔

## مقصدِ ثانی

ذرّات کے تحوُّلات کے بارے میں ہے۔ جو کہ آیت کریمہ:

---

(حاشیہ:۱) مشائین یا مشاؤون (Peripatetciens) یعنی بہت زیادہ چلنے والے، ارسطو کے پیروکاروں کو کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ یونانی مفکر ارسطو نے ''ایتھنا'' نامی شہر میں اپنا مدرسہ ''لائسیم'' قائم کیا تھا۔ اس کی سائبان سے ڈھکی ہوئی روشوں پر چہل قدمی کرتے ہوئے وہ فلسفیانہ موضوعات پر گفتگو کرتا تھا۔ ڈھکی ہوئی روشوں کے لیے یونانی لفظ ''پیری پے ٹوس'' ہے۔ اور اس طرح ارسطو کے مدرسہ فکر کو مدرسہ ''پیری پے ٹکس'' یا مشائیہ کہا جانے لگا۔ مشائیت: (Peripatetisme)۔ (کشّاف اصطلاحات فلسفہ از قاضی عبدالقادر اور المعجم الفلسفی. مجمع اللغۃ العربیۃ. جمہوریۃ مصر العربیۃ )۔ مترجم۔

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ کے خزینے میں سے ایک ذرّے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

یہ مقصد اس آیتِ کریمہ کے خزینہ عُظمیٰ میں ایک ذرّے جیسی مقدار کے گوہر کی وضاحت کرتا ہے، یعنی وہ گوہر جو ذرّے کے چھوٹے سے صندوق میں ہے، اور ذرّے کی حرکت اور اس کے وظیفے کے بارے میں ایک چھوٹے سے جزء کو زیر بحث لاتا ہے۔ اور یہ بحث ایک مقدمے اور تین نقطوں پر مشتمل ہے۔

## مقدمہ

قدرتِ الٰہیہ کا قلم کائنات کی کتاب میں جب تکوینی آیات رقم کرتا ہے تو اُس دوران میں اُس قلم سے جو لرزش اور گردش ظہور میں آتی ہے اُسے تحوّلاتِ ذرّات یعنی ذروں کی گردش کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ گردش ہائے ذرّات بازیچۂ تصادُف سے جنم لینے والی بے معنی اندھی اور بے تکی حرکت کا نام نہیں ہے جیسے کہ مادیین اور طبیعیین کا وہم ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذرّات اور تمام موجودات کی طرح ہر ذرّہ اپنی حرکت کے آغاز میں کہتا ہے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ﴾؛ کیونکہ وہ اپنی انتہائی طاقت سے کہیں زیادہ بوجھ اُٹھاتا ہے، جیسے کہ گندم کے دانے جتنی گٹھلی اپنے کندھے پر صنوبر کے ضخیم درخت جیسا بوجھ اُٹھائے ہوتی ہے۔ اور اسی طرح وہ اپنے وظیفے کے اختتام پر کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾، کیونکہ وہ ایک محیر العقول محکم صنعت اور مفید نقش ونگار کے حسن و جمال کو آشکار کرتا ہے اور یوں وہ ایک مدحیہ قصیدے کی طرح صانعِ ذُوالجلال کی حمد وثنا پر مشتمل معجز نما نشان نمایاں کرتا ہے۔ مثال کے طور پر انار اور بھٹے کے دانوں کو ذرا غور سے دیکھیں۔

جی ہاں! تحولاتِ ذرّات (حاشیہ: ۱) نام ہے: اُن بامعنی لرزشوں، تھرتھراہٹوں اور حرکتوں کا جو کہ کلماتِ قدرت کو لکھتے وقت اور اُن کلمات کو "لوح المحو والاثبات" سے مٹاتے وقت ظہور میں آتی ہیں۔ وہ لوح المحو والاثبات جو کہ زمانِ سیّال کی حقیقت اور اُس کا مثالی صحیفہ ہے۔

---

(۱) قرآنِ حکیم میں متعدد جگہوں پر "امام مبین" اور "کتابِ مبین" آیا ہے۔ مفسّرین نے اِس بارے میں کہا ہے: ان دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے، البتہ اُن میں سے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ: ان دونوں کا مفہوم مختلف ہے۔ مطلب یہ کہ ان کی حقیقت کی وضاحت میں اُن کے بیانات مختلف ہیں، اور اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ: یہ دونوں علمِ الٰہی کے دو عنوان ہیں۔۔۔ لیکن قرآن کریم کے فیضان سے مجھے یہ اطمینان حاصل ہو گیا ہے کہ: "امام مبین" ایک قسم کے علم الٰہی اور امر الٰہی کا عنوان ہے، چنانچہ یہ عالمِ شہادت سے زیادہ عالمِ غیب کی طرف دیکھتا ہے یعنی وہ حال سے زیادہ ماضی اور مستقبل کو دیکھتا ہے، مطلب یہ کہ وہ ہر چیز کی اُس کے ظاہری وجود کی بہ نسبت اُس کی اُصل، اُس کی نسل اور اس کی جڑوں اور بیجوں کی طرف زیادہ دیکھتا ہے۔ پس وہ تقدیرِ الٰہی کا ایک دفتر ہے۔ اور اس دفتر کا وجود چھبیسویں مقالے میں اور دسویں مقالے کے حاشیے میں ثابت کر دیا گیا ہے۔ جی ہاں، یہ "امام مبین" الٰہی علم وامر کی ایک قسم کا عنوان ہے۔ مطلب یہ کہ: اشیاء کے مبادی اور جذور واصول جو اشیاء کو انتہائی عمدگی، اچھوتے پن اور پائیداری واُستواری اور نظم وضبط کے ساتھ پیدا کرتے ہیں، اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ ان اشیاء کی تنظیم سازی کا کام علمِ الٰہی کے دساتیر کے دفتر میں انجام پاتا ہے، (جاری)

Marfat.com

ان کلمات کو اُس کتابِ مبین سے نقل کیا جاتا ہے جو کہ الٰہی قدرت اور ارادے کا عنوان ہے اور جو عالمِ شہادت اور زمانۂ حاضر سے اشیاء کی ایجاد و تشکیل میں تصرف کا محور اور دار و مدار ہے۔

اور اُن کلمات کو اُس امامِ مبین کے قوانین و دساتیر کے مطابق نقل کیا جاتا ہے جو کہ ماضی اور مستقبل کی تمام چیزوں اور

---

(بقیہ گزشتہ صفحہ) اور اشیاء کے نتائج، اُن کی نسلیں اور اُن کے بیج اس بات کی جانکاری دیتے ہیں کہ وہ قطعی طور پر اوامرِ الٰہیہ کا ایک چھوٹا سا مجموعہ ہیں؛ کیونکہ وہ موجودات کے اُن مناہج وفہارس پر مشتمل ہیں جو کہ مستقبل میں آنے والی ہیں، مثال کے طور پر ایک گٹھلی کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہے کہ: اُن تکوینی اوامر کے لیے ایک چھوٹے سے مجسم سراپے کا حکم رکھتی ہے جو کہ ایک مکمل درخت کی تشکیل و ترکیب کرنے والے مناہج وفہارس کی تعیین کرتے ہیں۔۔۔

الحاصل: ''امام مبین'' جب تخلیق کے اُس درخت کے منبع اور اُس کی فہرست کا حکم رکھتا ہے جس نے اپنی جڑیں اور شاخیں ماضی، مستقبل اور عالم غیب کے علاقوں میں پھیلا رکھی ہیں، تو پھر بے شک امام مبین اِس معنی میں تقدیرِ الٰہی کا ایک دفتر اور اس کے دساتیر کا مجموعہ ہے۔ پس ذرّات اِن دساتیر کی املا اور ان کے حکم کے ذریعے اشیاء کے وجود میں اپنی خدمات اور حرکات کے لیے دوڑے چلے آتے ہیں۔

اور کتابِ مُبین جو ہے، اس کی نظر عالمِ غیب سے زیادہ عالمِ شہادت پر ہے۔ یعنی یہ ماضی اور مستقبل سے زیادہ زمانہ حاضر کی طرف دیکھتا ہے، اور یہ علم و امر سے زیادہ قدرت و اِرادہ الٰہیہ کا عنوان دفتر اور کتاب ہے۔ پس ''امام مبین'' اگر تقدیر کا دفتر ہے تو ''کتابِ مبین'' قدرت کا دفتر ہے یعنی کہ ہر چیز کے وجود، ماہیت، صفات اور حالات و کیفیات میں جو صنعت گری کے کمالات اور انتظامات پائے جاتے ہیں، ان کے پیشِ نظر وہ اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ: اُس چیز کو تقدیر کے کامل دساتیر اور ارادۂ نافذہ کے قوانین کے ساتھ وجود کا لباس پہنایا جاتا ہے، اس کی صورتیں شکلیں متعین کی جاتی ہیں، اُسے تشخص، معین مقداریں اور خصوصی شکل عطا کی جاتی ہے، پس اس قدرت اور ارادے کا بہت بڑا دفتر اور عمومی اور کُلی قوانین کا مجموعہ ہے جہاں ہر چیز خصوصی وجود اور خصوصی صورتوں کی وضع قطع ہوتی ہے اور پھر اُس وجود اور اُن صورتوں شکلوں کی سلائی کر کے ان چیزوں کے ماپ کے مطابق اُنہیں پہنا دی جاتی ہیں۔ ''امام مبین'' کی طرح اس دفتر کے وجود کا اثبات بھی تقدیر اور جزو اختیاری کے مسائل میں کر دیا گیا ہے۔

اب ذرا اہلِ غفلت و ضلالت و فلسفہ کی حماقت ملاحظہ ہو کہ اُنہوں نے اشیاء میں پائی جانے والی قدرت فاطرہ کی لوح اور حکمت و ارادۂ ربانیہ کی کتاب یعنی بصیرت سے بھرپور کتاب لوحِ محفوظ کی جلوہ گری کو محسوس تو کر لیا لیکن اسے _ حاشاللہ _ طبیعت یا نیچر کا نام دے کر اس کو اندھا کر کے رکھ دیا ہے۔

علم الٰہی کے دساتیر کے دفتر میں انجام پاتا ہے، اور اشیاء کے نتائج، اُن کی نسلیں اور اُن کے بیج اس بات کی جانکاری دیتے ہیں کہ وہ قطعی طور پر اوامرِ الٰہیہ کا ایک چھوٹا سا مجموعہ ہیں؛ کیونکہ وہ موجودات کے اُن مناہج وفہارس پر مشتمل ہیں جو کہ مستقبل میں آنے والی ہیں، مثال کے طور پر ایک گٹھلی کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہے کہ: اُن تکوینی اوامر کے لیے ایک چھوٹے سے مجسم سراپے کا حکم رکھتی ہے جو کہ ایک مکمل درخت کی تشکیل و ترکیب کرنے والے مناہج وفہارس کی تعیین کرتے ہیں۔

الحاصل: ''امام مبین'' جب تخلیق کے اُس درخت کے منبع اور اُس کی فہرست کا حکم رکھتا ہے جس نے اپنی جڑیں اور شاخیں ماضی، مستقبل اور عالم غیب کے علاقوں میں پھیلا رکھی ہیں، تو پھر بے شک امام مبین اِس معنی میں تقدیرِ الٰہی کا ایک دفتر اور اس کے دساتیر کا مجموعہ ہے۔ پس ذرّات اِن دساتیر کی املا اور ان کے حکم کے ذریعے اشیاء کے وجود میں اپنی خدمات اور حرکات کے لیے دوڑے چلے آتے ہیں۔

اور کتابِ مُبین جو ہے، اس کی نظر عالمِ غیب سے زیادہ عالمِ شہادت پر ہے۔ یعنی یہ ماضی اور مستقبل سے زیادہ زمانہ حاضر کی طرف دیکھتا ہے، اور یہ علم و امر سے زیادہ قدرت و اِرادہ الٰہیہ کا عنوان دفتر اور کتاب ہے۔ پس ''امام مبین'' اگر تقدیر کا دفتر ہے تو ''کتابِ مبین'' قدرت کا دفتر ہے یعنی کہ ہر چیز کے وجود، ماہیت، صفات اور حالات و کیفیات میں جو صنعت گری کے کمالات اور انتظامات پائے جاتے ہیں، ان کے پیشِ نظر وہ اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ: اُس چیز کو تقدیر کے کامل دساتیر اور ارادۂ نافذہ کے قوانین کے ساتھ وجود کا لباس پہنایا جاتا ہے، اس کی صورتیں شکلیں متعین کی جاتی ہیں، اُسے تشخص، معین مقداریں اور خصوصی شکل عطا کی جاتی ہے، پس اس قدرت اور ارادے کا بہت بڑا دفتر اور عمومی اور کُلی قوانین کا مجموعہ ہے جہاں ہر چیز خصوصی وجود اور خصوصی صورتوں کی وضع قطع ہوتی ہے اور پھر اُس وجود اور اُن صورتوں شکلوں کی سلائی کر کے ان چیزوں کے ماپ کے مطابق اُنہیں پہنا دی جاتی ہیں۔ ''امام مبین'' کی طرح اس دفتر کے وجود کا اثبات بھی تقدیر اور جزو اختیاری کے مسائل میں کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

نسلوں کی اُن کی امتیازی علامات سمیت اصل اور بنیاد ہے اور الٰہی علم اور امر کا عنوان ہے۔

پہلا نقطہ۔ اس میں دو مبحث ہیں۔

## پہلا مبحث

ہر ذرّے میں؛ اور ہر ذرّے کی حرکت میں اور اس کے سکون میں دو سورجوں کی طرح دو نورِ توحید چمکتے ہیں اور ہم ''دسویں مقالے'' کے پہلے اشارے میں اجمالاً اور ''بائیسویں مقالے'' میں تفصیلاً یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ: ہر ذرّہ اگر اللہ تعالیٰ کے اوامر کا مامور نہ ہو، اور اُس کی حرکت اُس کے اِذن وتصرف کے تابع نہ ہو اور اُس کا تحوّل وتغیر اس کے علم اور اُس کی قدرت کے تحت نہ ہو تو پھر یہ بات لازم آتی ہے کہ ہر ذرّہ لا انتہا علم اور لا انتہا قدرت کا مالک ہے اور اس کے پاس ایک آنکھ ہے جس سے وہ ہر چیز کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہے ایک چہرے کا مالک ہے جو ہر طرف دیکھ رہا ہے اور ایک امر کا مالک ہے جو ہر چیز میں نافذ ہو جاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ عناصر کا ہر ذرّہ منظم صورت میں عمل کرتا ہے یا ہر ذی حیات کے جسم میں عمل کرنے کے قابل ہے۔ اور یہ بات تو معلوم ہے کہ اشیاء کے انتظامات اور ان کی شکل پذیری کے قوانین مختلف ہیں، اس لیے اگر ان کے انتظامات کا علم نہ ہو تو عمل نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اگر عمل ہو بھی جائے تو اس کا بغیر کسی غلطی کے سر انجام پا جانا ممکن نہیں ہے، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ تمام اعمال بغیر کسی غلطی کے سر انجام پا رہے ہیں۔ اس لیے اب یہ ذرّات جو کہ خدمات میں لگے ہوئے ہیں یا تو اپنے علم محیط کے مالک کے اذن، اُس کے امر اور اس کے علم وارادے سے کام کر رہے ہیں، اور یا پھر یہ لازم آتا ہے کہ خود ان کی ذات میں اسی طرح کا علمِ محیط اور قدرتِ کاملہ پائی جاتی ہو۔ پھر ہوا کا ہر ذرّہ ہر زندہ جسم میں، ہر پھل میں، ہر پھول میں اور پتے کی ساخت میں داخل ہو سکتا ہے اور اُس میں سرگرمِ عمل ہو سکتا ہے، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی ساخت پرداخت ایک دوسرے سے مختلف اور ہر ایک کا نظام دوسرے سے متباین ہے۔ مثال کے طور پر اگر انجیر کے پھل کا کارخانہ بالفرض ٹیکسٹائل مل کے مشابہ ہوگا تو انار کے پھل کا کارخانہ شوگر مل کے مشابہ ہوگا۔ اب ہوا کا یہ ذرّہ ان سب میں داخل ہو جاتا ہے، یا یوں کہو کہ اُس کے لیے ان سب میں داخل ہونا ممکن ہے، اور یہ ان میں داخل ہو کر سرگرمِ عمل ہو جاتا ہے اور انتہائی حکمت، مہارت اور بغیر کسی غلطی کے وہاں مختلف اوضاع واطوار اپنا لیتا ہے۔ اور پھر جب اس کی ڈیوٹی ختم ہو جاتی ہے تو اس چیز کو چھوڑ کر اپنا راستہ لیتا ہے۔

اور یوں ہوائے متحرک میں محوِ حرکت ایک ذرّہ یا تو حیوانات ونباتات اور اُن کے پھلوں اور پھولوں کو پہنائی جانے والی تمام صورتوں کے بارے میں علم رکھتا ہے، اور ان کو دی جانے والی شکلوں صورتوں کے پیمانوں، روشوں اور مقداروں کے بارے میں بھی علم رکھتا ہے، اور یا پھر یہ ضروری ہے کہ وہ ذرّہ ایک ایسی ہستی کے امر اور ارادے کا مامور ہے جو اُس کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہے کیونکہ ساکن مٹی اور اُس کا ہر ساکن ذرّہ تمام پھول دار نباتات اور پھل دار درختوں کے بیجوں کی

Marfat.com

پیدائش اور نشو ونما کا دارومدار ہوسکتا ہے، چنانچہ خاک کی اس مُٹھی میں جو ایک جیسے ذرات سے تشکیل پانے کی وجہ سے ایک ہی ذرّے کا حکم رکھتی ہے۔ اُس ذرے میں جو بیج بھی ڈالا جائے گا وہ اُس میں اُس کا اپنا ایک خصوصی کارخانہ موجود پائے گا جس میں اُس بیج کی تشکیل وصورت گری کے تمام آلات ولوازمات پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ یا تو اُس ذرّے یعنی خاک کی مٹھی میں انواع واقسام کی نباتات واشجار اور ازہار واثمار کی تعداد کے برابر کارخانے، فیکٹریاں اور اُن سے متعلقہ معنوی آلات واوزار ہونے چاہئیں، اور یا پھر اُن کے اندر ہر شے کو عدم سے تخلیق کرنے والی معجزانہ قدرت اور ہر چیز کے بارے میں ہمہ جہتی علم رکھنے والا علم ہونا چاہیے اور یا پھر یہ تمام اُعمال ووظائف ہر چیز کا علم رکھنے والی اور چیز پر قدرت رکھنے والی ہستی کی طاقت اور اُس کے امر سے انجام پا رہے ہیں۔

اگر تہذیب حاضر سے نا آشنا ایک سادہ لوح نابینا انسان یورپ چلا جائے، اور وہاں ہر کارخانے، فیکٹری اور مل میں جا کر انتہائی مہارت، ہمہ دانی اور نظم وضبط کے ساتھ مصنوعات کے ایسے شہ پارے تیار کرے کہ جن سے عقلیں دنگ رہ جائیں۔ تو جس کے پاس ذرّہ برابر بھی عقل ہوگی وہ جان جائے گا کہ یہ آدمی جو کچھ بھی کر رہا ہے خود اپنی طرف سے نہیں کر رہا ہے بلکہ ہمہ گیر علم کا مالک کوئی اُستاد اُسے سکھا پڑھا رہا ہے اور اس سے کام لے رہا ہے۔

اور اسی طرح ایک عاجز ولاچار نابینا انسان ہے جو کہ بے بسی کی حالت میں اپنی چھوٹی سی کٹیا کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ اُس کے پاس کٹیا میں ایک چھوٹی سی کنکری، ہڈی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اور تھوڑی سی رُوئی بھیجی جاتی ہے لیکن اچانک نظر آتا ہے کہ اس کٹیا سے منوں کے حساب سے چینی، تھانوں کے حساب سے کپڑا، ہزاروں کے حساب سے ہیرے جواہر، بہترین کوالٹی کے خوبصورت ترین ملبوسات اور لذیذ ترین ماکولات برآمد ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ تو کیا جس کے پاس ذرّہ برابر بھی عقل ہو وہ یہ نہیں کہے گا کہ: یہ آدمی ایک صانع معجز کے کارخانے کا بٹن ہے یا اُس کارخانے کا ادنیٰ سا ملازم ہے جو کہ معجزات کی فیکٹری ہے۔

ہوا میں رقصاں ذرّات اور نباتات واشجار وازہار واثمار میں ان کے وظائف کا بھی بعینہٖ یہی حال ہے، نباتات واشجار وازہار واثمار جو کہ صمدانی مکتوبات، ربانی مصنوعات، قدرت کے معجزات اور حکمت کے خوارقِ عادات ہیں، اور جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ ذرّات ان میں صانع الحکیم ذُوالجلال کے امر سے اور فاطرِ کریم ذُوالجمال کے ارادے سے حرکت کرتے ہیں، اور یہ کہ مٹی کے یہ ذرّات جو کہ بیجوں اور گٹھلیوں سے پھوٹنے والی بالیوں اور درختوں کھیتی اور سرچشمہ، یہ بیج اور گٹھلیاں جو کہ مختلف آلات واَوزار، متعدد چھاپے خانے جداگانہ چھاپہ خانے اور ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ خزانوں کا حکم رکھتے ہیں اور متعدد اعلانات کا حکم رکھتے ہیں جو کہ صانعِ ذُوالجلال کے ناموں کا اعلان کرتے ہیں، باہمد گر مختلف قصیدے ہیں جو اُس کے کمالات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ انوکھے بیج جو کہ ان اشجار ونباتات کا

Marfat.com

محل ومصدر ہیں "کُن فیکون" کے اُس مالکِ ذوالجلال کے امر، ارادے اور قوت سے بنتے ہیں جس کے امر کے آگے ہر چیز مسخر ہے۔ اور یہ حقیقت اتنی قطعی اور یقینی ہے جیسے کہ دوضرب دو چار ہوتے ہیں۔ آمنا۔

## دُوسرا مبحث

اس مبحث میں ذرّات کی حرکات میں پائے جانے والے وظائف اور حکمتوں کی طرف چھوٹا سا اشارہ کیا گیا ہے۔

وہ مادہ پرست لوگ کہ جن کی عقلیں اُن کی آنکھوں میں ہیں، جن کی حکمت خالی از حکمت ہے اور جن کا فلسفہ عبث و بیہودگی کی بنیاد پر کھڑا ہے، انہوں نے تصادُف کے ساتھ بالکل بھی تعلق نہ رکھنے والے ذرات کے تحولات وتغیرات کو اپنے تمام دساتیر کی بنیاد بنالیا ہے، اور انہیں مصنوعاتِ الٰہیہ کا منبع ومصدر بنا دیا ہے۔ لیکن جو ذرّہ برابر بھی شعور کا مالک ہے، جانتا ہے کہ اُن کا ان بے شمار حکمتوں سے مزین مصنوعات کی نسبت ایک مخلوط، بے حکمت، بے معنی اور بدحواس چیز کی طرف کر دینا بالکل ہی خلافِ عقل ہے۔

اور قرآنی نقطۂ نظر سے ذرّات کے تحولات کے کئی ایک بہتیرے وظائف اور متعدد حکمتیں ہیں جن کی طرف ﴿وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ اور اس جیسی بہت سی آیات اشارہ کرتی ہیں، ہم ان میں سے بطورِ مثال چند کی طرف اشارہ کریں گے:

پہلی حکمت: فاطرِ ذوالجلال نے اپنی قدرت کے ساتھ ذرّوں کو حرکت دی ہے اور اِن کے سپرد کچھ وظائف کیے ہیں تا کہ ہر انفرادی رُوح کو ایک قسم کا نمونہ بنا کر اسے ہر سال نئے سرے سے اپنی قدرت کے معجزات کے نئے نویلے اجسام پہنائے، اور تا کہ وہ حکمت کے ذریعے ہر انفرادی کتاب سے ایک ہزار مختلف کتابوں کے نُسخے تیار کرے، اور ایک منفرد حقیقت کو مختلف صورتوں، شکلوں اور اندازوں میں ظاہر کرے اور یکے بعد دیگرے گروہ در گروہ آنے والی کائناتوں، دنیاؤں اور مخلوقات وموجودات کے لیے جگہیں بناتا اور مقام مہیا کرتا رہے، تا کہ اس طرح وہ واجبُ الوجود اپنی ایجادی تجلیات کی تجدید کرتا رہے۔

دُوسری حکمت: مالکُ الملک ذوالجلال نے اس دنیا کو ـــ اور خاص کر سطحِ زمین کی اِس کھیتی کو ـــ ایک مُلک کی صورت میں پیدا کیا ہے، یعنی اسے اس طرح کی شکل وصورت دی ہے کہ یہ نشو ونما کے اور نئی نئی محصولات کی پیدائش کے قابل ہے، اور اِسے یہ شکل وصورت اس لیے دی ہے تا کہ وہ اس میں اپنی قدرت کے غیر متناہی معجزات کاشت کرے اور پھر اُن کی فصل کاٹے۔ چنانچہ اس نے سطحِ زمین پر اپنی اس کھیتی میں انتہائی حکمت کے ساتھ ذرّات کو متحرک رکھا ہوا ہے اور انتظام کے دائرے میں ان کے وظائف مقرر کر دیے ہیں۔ اور یوں وہ اس طرح اپنی قدرت کے معجزات سے سطحِ زمین کی اس کھیتی میں گونا گوں محصولات پیدا کرتا اور نئی نئی کائناتوں کو آشکار کرتا رہتا ہے، اور ذرّات کی حرکات کے ذریعے ہر دور میں، ہر

Marfat.com

موسم میں، ہر مہینے میں، ہر دن بلکہ ہر گھڑی میں اپنی رحمت کے خزانے کے لاانتہا تحفے اور اپنی لاانتہا قدرت کے معجزات کے نمونے ظاہر کرتا ہے۔

تیسری حکمت: بے شک وہ نقاشِ ازلی اس محدود سی زمین میں بے حد وحساب نقوش کے اظہار کے لیے اور اس چھوٹے سے صفحے میں لاانتہا معانی عطا کرنے والی بے حد وحساب آیات لکھنے کے لیے کمال حکمت کے ساتھ متحرک کیے ہوئے ہے اور کمال انتظام کے ساتھ ان کی ذمہ داریاں مقرر کر کے انہیں سرگرم رکھے ہوئے ہے۔ تاکہ اسمائے الٰہیہ اِن نقوش کے اظہار کے ذریعے اپنی لاانتہا تجلیات سے مستفید کرتے رہیں۔

جی ہاں! اس سال کی محصولات اور سابقہ سال کی محصولات کو ایک ساتھ ملا دیا جائے تو دونوں کا حکم ایک ہی ہے، لیکن ان دونوں کے معانی و مفاہیم مختلف ہیں، اس لیے اعتباری تعینات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ معانی تبدیل ہوتے رہتے اور بڑھتے رہتے ہیں۔ اور یاد رہے کہ اعتباری تعینات اور وقتی تشخصات بظاہر تبدیل ہوتے رہتے اور فنا پذیر ہوتے رہتے ہیں لیکن اُن کے خوبصورت معانی کی نگہداشت کی جاتی ہے، چنانچہ وہ ثابت و برقرار رہتے ہیں۔

چنانچہ اِس درخت کے پتے اور پھل پھول جو سابقہ ربیع میں تھے وہ اِس ربیع میں حقیقت کی رُو سے بعینہٖ اُسی طرح کے ہیں؛ کیونکہ اُن میں رُوح نہیں ہے۔ فرق صرف اعتباری تشخصات کا ہے، اِس ربیع کی موجودات اُن اعتباری تشخصات کی جگہ پر دیگر تشخصات کو لے آئی ہیں تاکہ اَسمائے الٰہیہ کے شئوون واحوال کے اُن معانی و مفہوم سے مالا مال کر دیں جو کہ دمادم جدت تازگی اور نیا پن اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔

چوتھی حکمت: بے شک وہ حکیم ذُوالجلال وسیع وعریض عالم ملکوت، عالمِ مثال اور اِن جیسی بے حد وحساب اُخروی کائناتوں کے ساتھ مناسبت رکھنے والی محصولات اور سامان ہائے تزیین و آرائش کے لوازمات کی مصنوعات کے لیے دنیا کی اس تنگ سی کھیتی میں اور سطحِ زمین کی فیکٹری میں ذرّات کو حرکت میں رکھتا ہے، چنانچہ وہ کائنات کو سیال اور موجودات کو سیّار بناتا ہے، اور یوں وہ اِس چھوٹی سی زمین میں اُن بڑی بڑی اور وسیع وعریض کائناتوں کے لیے بہت سی معنوی محصولات پیدا کرتا ہے، اور اپنی لاانتہا قدرت کے خزینے سے اس دنیا سے ایک سیلِ بے پناہ جاری کرتا ہے اور اُسے عالمِ غیب میں _ اور اس کا کچھ حصہ _ دوسری اُخروی کائناتوں میں اُنڈیل دیتا ہے۔

پانچویں حکمت: وہ سبحانہ وتعالیٰ اس تنگ اور محدود زمین میں اور متناہی اور قلیل مدت میں لانہایت کمالاتِ الٰہیہ، بلا حد وحساب جلواتِ جمالیہ، بلا غایت تجلیاتِ جلالیہ اور غیر متناہی تسبیحاتِ ربانیہ کے اظہار کے لیے اپنی قدرت کے ذریعے کمال حکمت کے ساتھ ذرّات کو حرکت میں رکھتا ہے اور کمال انتظام کے ساتھ اُن کے وظائف اور ذمہ داریاں مقرر کرتا ہے، چنانچہ وہ موجودات سے اِس متناہی وقت میں اور محدود زمین میں غیر متناہی تسبیحات کرواتا ہے، اپنی غیر محدود جمالی،

Marfat.com

جلالی اور کمالی تجلیات کا اظہار کرتا ہے، بہت سے غیبی حقائق اور بہتیرے اُخروی ثمرات کو آشکار کرتا اور پروان چڑھتا ہے، اور فانی چیزوں کی حقیقتوں اور ان کی باقی رہنے والی صورتوں سے کثرت کے ساتھ مثالی نقوش ونگار اور مفید ترین پُرحکمت لوحی پارچہ جات ایجاد کرتا ہے۔

پس جو ذرّات کو متحرک کرتا ہے وہی اِن عظیم الشان مقاصد کو اور ان بھاری بھرکم حکمتوں کو آشکار کرتا ہے، وگرنہ یہ لازم آتا ہے کہ ہر ذرّے کے اندر سورج کے برابر کا دماغ ہو۔

پس تحوُّلاتِ ذرات کہ جن کی حرکات کا اِن پانچ مثالوں کی طرح مزید پانچ ہزار حکمتوں پر مشتمل ہونے کا احتمال ہے۔ اِن کے بارے میں ان اُحمق اور کم عقل فلاسفہ کا خیال ہے کہ یہ کسی بھی حکمت سے بالکل خالی ہیں!

اور یہ ذرّات جو کہ دائرے میں گھومتے ہیں اور مولوی (حاشیہ:۱) کی طرح جذب و مستی میں ذکر و تسبیح الٰہی میں مگن ہو کر دو طرح کی حرکت کرتے ہیں، جن میں سے درحقیقت ایک نفسی اور دوسری آفاقی ہوتی ہے، ان مُورکھوں کا خیال ہے کہ یہ ایک مدہوش آدمی کی طرح ازخود گھومتے اور رقص کرتے ہیں۔

یہیں سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ ان لوگوں کا علم بھی جہل ہے، علم نہیں ہے، اور ان کی حکمت، حکمت نامی چیز سے بالکل خالی ہے!۔

(ہم ابھی تیسرے نقطے میں ایک اور طویل حکمت ذکر کریں گے وہ چھٹی ہوگی)۔

## دُوسرا نقطہ

بے شک ہر ذرّے میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے دو سچے گواہ پائے جاتے ہیں:

جی ہاں! ایک ذرّہ اپنے عجز و جمود کے باوصف شعوری طور پر بڑی بڑی ذمہ داریاں نبھا کر اور بھاری بھرکم بوجھ اُٹھا کر واجبُ الوجود کے وجود پر قطعی قسم کی گواہی مہیا کرتا ہے، اور اسی طرح وہ واجبُ الوجود کی اُحدیّت پر اور مالکُ الملک و الملکوت کی اُحدیّت پر قطعی قسم کی گواہی مہیا کرتا ہے، اور وہ اس طرح کہ یہ جہاں بھی داخل ہوتا ہے اپنے خصوصی نظام کا خیال رکھتا ہے اور اپنی حرکات کے ساتھ عمومی نظام کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے اور اس جگہ کو ایسے ہی وطن بنالیتا ہے جیسے کہ وہ اُس کا اپنا وطن ہو۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ذرّہ جس کا بھی ہوگا وہ تمام جگہیں اُسی کی ہوں گی جہاں جہاں یہ ذرّہ گردش کرتا ہے۔ تو گویا کہ ذرّہ یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ قدیرِ مطلق کے نام کی برکت اور اس کے امر کے ساتھ قائم دائم اور متحرک ہے؛ کیونکہ وہ عاجز ہے اور بوجھ جو اُس نے اُٹھایا ہوا ہے بہت بھاری ہے اور اس کے وظائف اور ذمہ داریاں لاانتہا ہیں۔ پھر یہ

(حاشیہ:۱) مراد مولانا روم کا مرید صوفی ہے جو کہ دائرے میں گھومتا ہوا دو قسم کی حرکتیں کرتا ہے، ایک خود اپنے گرد اور دوسری دائرے میں۔ مترجم۔

Marfat.com

بھی ہے کہ اسے جو اِس طرح کی حرکت کرنے کی توفیق ملی ہے کہ جو کائنات کے تمام کلی نظاموں کا علم رکھتی ہے اور یہ جو بغیر کسی رکاوٹ کے ہر جگہ داخل ہو جاتا ہے، یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ ایک علیم مطلق اور واحد ذات کی قدرت اور حکمت کے بل پر مصروفِ عمل ہے۔

جی ہاں! جس طرح ایک سپاہی کی فوج کے ہر دستے اور ہر دائرے میں مختلف نسبتیں ہوتی ہیں اور اس کی ان نسبتوں کے حساب سے مختلف ذمہ داریاں ہوتی ہیں، اور اُسے ان تمام نسبتوں اور ذمہ داریوں کی جان پہچان کر کے اُن کے مطابق حرکت کرنے کی توفیق ملتی ہے، اور یہ سب کچھ اُسے عسکری نظم و ضبط کے تحت تعلیم اور تدریب حاصل کرنے اور اُس کمانڈر جنرل کے احکامات اور قانون کی تعمیل کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو ان دائروں میں فوج کی قیادت کر رہا ہے؛ اسی طرح ہر ذرّہ جو باہم دگر متداخل مرکبات میں داخل ہوتا ہے ایسے حالات اور اوضاع و اطوار رکھتا ہے جو کہ ان مرکبات کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، اِسی طرح وہ مختلف قسم کی مصلحتوں پر مشتمل نسبتوں کا، متعدد منظّم وظائف کا اور متغایر حکیمانہ نتائج کا حامل ہوتا ہے۔ پس اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس ذرّے کو ان مرکبات میں داخل ہو جانے اور رہائش پذیر ہو جانے کی اس طرح کی قُدرت دے دینا کہ جس سے وہ اِن تمام نسبتوں اور ذمہ داریوں کی اس طرح سے نگہداشت کرے کہ نتائج اور حکمتوں پر کوئی آنچ نہ آئے، یہ کام صرف اُسی ذات کے ساتھ خاص ہے جس کے قبضۂ تصرّف میں یہ تمام کائنات ہے؛ کیونکہ وہ ذرّہ جو کہ مثال کے طور پر ''توفیق'' (حاشیہ:۱) کی آنکھ کی پتلی میں گھر کیے ہوئے ہے، وہ محرک اور حساس پٹھوں، شریانوں اور وریدوں جیسے عضلات کے مقابلے میں ایک مناسب وضع قطع لیے ہوئے ہے، اور اس کے چہرے میں، پھر سر اور جسم میں، پھر مجموعی ہیئتِ انسانیہ میں، اِن سب کے مقابل میں کمال حکمت کے ساتھ بہت سی نسبتیں، وظائف اور فوائد لیے بیٹھا ہے۔

پس یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اس مکمل جسم کے تمام اعضاء پیدا کیے ہیں وہ ذرّے کو اس جگہ میں ٹھہراؤ اور جماؤ دے سکتا ہے، اور خاص کر ان ذرّات کو جو رزق کے لیے آتے ہیں۔ اور یہ ذرات جو کہ رزق کے قافلے کے ہمراہ چلتے اور سفر کرتے ہیں انتہائی حیرت انگیز نظم و ضبط اور حکمت کے ساتھ چلتے اور گردش کرتے ہیں، مختلف اطوار و طبقات میں انتہائی منظّم طریقے سے آتے جاتے ہیں اور اتنی شعوری چال سے چلتے ہیں کہ قطعاً خطا نہیں کرتے۔ پس وہ چلتے چلاتے ایک زندہ جسم میں داخل ہو جاتے ہیں اور چار صافیوں میں صاف ہوتے ہیں تا آنکہ اُنہیں خون کے سُرخ کرویّات (حاشیہ:۲) پر سوار کرا دیا جاتا ہے تا کہ وہ ان اعضاء و جوارح اور خلیات کی امداد کے لیے پہنچ جائیں جو رزق کے

---

(حاشیہ:۱) رسائل نور کا سب سے پہلا کاتب۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) Redblood-corpuscties

Marfat.com

محتاج ہیں، چنانچہ وہ قانونِ کرم کے تحت امداد پالیتے ہیں۔پس یہاں سے یہ بات بداہتاً سمجھ میں آتی ہے کہ:

بے شک وہ جو اِن ذرّات کو ہزاروں مختلف منازل اور متباین طبقات سے دھکیلتا ہوا گزارتا ہے، بلاشک وشبہ ایسا رزاقِ کریم اور خلاقِ کریم اور خلاقِ رحیم ہے کہ ذرّات ونجوم جس کی قدرت کے سامنے دوش بدوش برابر ہیں۔اور یہ بھی کہ جو ذرّہ کسی نہ کسی صنعت کے نقش ونگار میں سرگرم عمل ہے وہ: یا تو اس حیرت انگیز نقش ونگار اور اس پُرحکمت منقش صنعت کے بارے میں مکمل علم رکھتا ہے_ اور حالت یہ ہے کہ وہ تمام ذرّات کے ساتھ مناسبت رکھنے والی حالت میں ہے اور بیک وقت ہر ذرّے پر علیحدہ علیحدہ اور تمام ذروں پر مجموعی طور پر حاکم بھی ہے اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ اور مجموعی طور پر محکوم بھی ہے۔اس سب کے باوجود وہ نقش ونگار اور منقش صنعت کو ایجاد کرلیتا ہے! - یہ چیز ہزاروں دفعہ محال ہے_ اور یا پھر یہ ایسے نقطوں سے عبارت ہے جو حرکت پر مامور ہیں اور صانع الحکیم کے قانونِ تقدیر اور اس کے قلمِ قدرت سے صادر ہوئے ہیں۔

مثال کے طور پر:

آیا ''صوفیا'' کے قبے میں پائے جانے والے پتھر اگر اپنے معمار اور اس کی ماہرانہ صنعت گری کے حکم کے تابع نہیں ہیں تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ ان میں سے ہر پتھر اپنی معماری صنعت گری میں ''معمار سنان'' (حاشیہ:۱) کی طرح ہو، اور یہ کہ وہ بیک وقت دوسرے پتھروں پر حاکم بھی ہو اور اُن کے تابعِ اَمر محکوم بھی، مطلب یہ کہ وہ دوسرے پتھروں سے کہے کہ: آؤ ہم سر سے سر جوڑ لیں تاکہ گرنے سے بچ جائیں۔بالکل یہی معاملہ مخلوقات ومصنوعات میں پائے جانے ذرّات کا ہے، وہ مصنوعات جو کہ ''اَیا صوفیا'' کے قُبے سے ہزاروں مرتبہ خوبصورت، حیرت خیز اور پُر حکمت صنعت گری کا نمونہ ہیں۔یہ ذرّے اگر صانع کائنات کے امر کے تابع نہیں ہیں تو یہ لازم آتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک ذرّے کو اتنے ہی کمالات و اوصاف کا مالک مانا جائے جتنے کہ صانعِ کائنات کے ہیں۔

سبحان اللہ! کیسی ستم ظریفی ہے کہ زندیق مادہ پرست کفار اپنے مذہب کے مطابق ایک واجب الوجود کو قبول نہ کرنے کیوجہ سے ذرّات کی تعداد کے برابر خداؤں کو قبول کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔یاد رہے کہ منکر کافر کتنا بھی بڑا سائنسدان یا فلسفی کیوں نہ ہو، اس پہلو میں وہ جہلِ عظیم کی دلدل میں ہے اور انتہائی درجے کا جاہلِ مطلق ہے۔

## تیسرا نُقطہ

یہ نقطہ اُس چھٹی عظیم الشان حکمت کی طرف اشارہ ہے جس کے بارے میں پہلے نقطے کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے،

(حاشیہ:) سلطان محمد فاتح کے عہد زریں میں ترکی کا سب سے بڑا معمار انجینئر (1489-1528م) جامع مسجد سلیمیہ اور جامع سلیمانیہ جیسی شاہکار مساجد اس کی نگرانی میں تعمیر ہوئیں۔مترجم۔

Marfat.com

اور وہ یہ ہے کہ: اٹھائیسویں مقالے کے دوسرے سوال کے جواب کے حاشیے میں کہا گیا ہے کہ: ذی حیات اجسام میں ذرّوں کے تحولات وحرکات کی ہزاروں حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے، ذرّوں کا روشن کرنا اور اُن کا ذی حیات اور ذی معنی ہو جانا، تا کہ یہ ایسے ذرّات بن جائیں جو عالم آخرت کی بنیاد رکھنے کے قابل ہوں۔ تو گویا کہ حیوانی، انسانی حتی کہ نباتی جسم بھی ایک مہمان خانے، بیرک اور مدرسے کا حکم رکھتا ہے جہاں آنے والے تربیت حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں، چنانچہ جامد ذرّات اِن میں داخل ہوتے ہی جگمگا اُٹھتے ہیں اور تعلیم وتربیت کا مظہر بن جاتے ہیں، اور یوں وہ وہاں سے لطافت اور لیاقت کا اکتساب کرتے ہیں تا کہ اپنے وظائف اور ذمہ داریاں ادا کر کے اپنے تمام اجزاء سمیت عالمِ بقاء اور دارِ آخرت کے ذرّات بن جائیں۔

سوال: ذرّات کی اِن حرکات میں جو حکمت پنہاں ہے اُس کا علم کیسے ہو؟

الجواب: اِس حکمت کے وجود کی پہچان اولاً: تو اُس صانع الحکیم کی حکمت سے ہوگی جو کہ تمام انتظامات کی صورت میں ثابت ہے، اور اُن حکمتوں سے ہوگی جو کہ تمام تر مصنوعات میں پائی جاتی ہیں؛ کیونکہ وہ حکمت جو کہ ایک چھوٹی سے چھوٹی جزوی چیز کے ساتھ کُلی حکمتیں معلق کر دیتی ہے وہ ذرّوں کی اِن حرکات کو بغیر کسی حکمت کے نہیں چھوڑے گی، ذرّوں کی وہ حرکات جو کہ کائنات کے سیلِ رواں میں سب سے بڑی فعالیت کا اظہار کرتی ہیں اور جو حکیمانہ نقوش کا دارومدار ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ حکمت اور حاکیت جو کہ چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کو بھی اُن کی ذمہ داریاں نبھانے پر بغیر اُجرت کے بغیر تنخواہ کے اور بغیر کمال کے نہیں رہنے دیتی ہیں، وہ اپنے اصلی اور اکثریتی خُدّام وملازمین یعنی ذرّات کو بغیر نور کے اور بغیر اُجرت کے نہیں چھوڑیں گی۔

ثانیاً: اس بات کی پہچان کہ ذرّات حکمت سے خالی نہیں ہیں بلکہ انہیں متحرک رکھ کر کمالات کی ایک ایسی قسم کی طرف ہانکا جاتا ہے جو کہ اُن کی شایانِ شان ہے، اِس کی پہچان اس طرح ہوگی کہ صانع الحکیم عناصر کو حرکت دے کر اُن کے سپرد کچھ ذمہ داریاں کرتا ہے، اور یوں اُنہیں معدنیات کے درجے پر ترقی دے دیتا ہے اور انہیں ایسی تسبیحات سکھا دیتا ہے جو کہ معدنیات کے ساتھ خاص ہیں، یہ تسبیحات اُن کے راہِ کمال میں گامزن ہونے کا اجر ہوتی ہیں، پھر وہ معدنیات کو حرکت دے کر اُن کے سپرد کچھ ذمہ داریاں کرتا ہے اور یوں اُنہیں نباتات کے حیاتیاتی مرتبے پر فائز کر دیتا ہے۔ اور پھر نباتات کو حرکت دیتا اور انہیں کچھ ذمہ داریاں سونپتا ہے اور انہیں حیوانات کے لطیف مرتبے پر فائز کر کے انہیں دوسروں کا رزق بنا دیتا ہے۔ اور پھر حیوانات کے ذرّات کی تحریک وتوظیف کر کے انہیں رزق کی راہ سے حیات انسانی کے درجے تک پہنچا دیتا ہے، چنانچہ انسانی بدن میں پائے جانے والے ذرّات کا متعدد بار تصفیہ وتلطیف کر کے انہیں جسم انسانی کے لطیف ترین مقام یعنی قلب ودماغ میں جگہ دے دیتا ہے۔

Marfat.com

**ثالثاً:** ذرّات کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو کہ زندہ اجسام کے ذرّات کے مابین معنوی نور اور لطافت و مزیّت کا مظہر بن جاتی ہے ۔ جیسے کہ گٹھلیوں اور بیجوں کے ذرّات ہیں ۔ اور یوں وہ تمام ذرّات خود اُس ضخیم درخت کے لیے رُوح و سلطان کا رُوپ دھار جاتے ہیں۔ اب اس گرانڈیل درخت کے ذرّات کے مجموعے سے اِن ذرّات کا اِس مرتبے پر پہنچ جانا اس وجہ سے ہے کہ اُنہوں نے اُس درخت کی نشو و نما کے مختلف مراحل میں انتہائی دقیق ذمہ داریاں نبھانے اور گرانقدر مہمات سرانجام دینے کا کردار ادا کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ذرّات جب صانع الحکیم کے اَمر سے اپنے فطری وظائف ادا کرتے ہیں تو وہ اُن پر پڑنے والی اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے مطابق انواع و اقسام کی حرکات کے حساب سے ایک قسم کی معنوی لطافتیں، معنوی انوار، معنوی مقامات اور معنوی دروس و ہدایات حاصل کر لیتے ہیں۔

## الحاصل

بے شک صانع الحکیم نے ہر شے کے لیے ایک نقطہ کمال متعین کر دیا ہے جو کہ اُس شے کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے، اور اسی طرح فیضانِ وجود کا ایک مرتبہ معین کر دیا ہے جو کہ اس کے لائق ہے، اور وہ اِس شے کو ایسی استعداد بھی عطا کر دیتا ہے اور اس طرح اُسے نقطۂ کمال کی طرف کھینچتا ہے تا کہ وہ از خود بھاگتی ہوئی وہاں تک پہنچ جائے۔ اور یہ قانون نباتات و حیوانات کی طرح جمادات میں بھی جاری و ساری ہے، حتیٰ کہ وہ ایک عام مٹی کو ترقی دے کر الماس اور اس جیسے دوسرے جواہر کے بلند مرتبے پر پہنچا دیتا ہے۔ اس حقیقت سے ''قانونِ ربوبیت'' کا ایک اہم پہلو سامنے آتا ہے۔

بے شک وہ خالقِ کریم جب حیوانات کو مسخر کر کے اُن سے عظیم الشان ''قانون تناسل'' کے باب میں خدمات لیتا ہے تو انہیں بطور اُجرت مشاہرے کی طرح جُزوی لذتیں عطا کرتا ہے، اور ربّانی خدمات میں استعمال ہونے والے تمام حیوانات ۔ شہد کی مکھی اور بلبل وغیرہ ۔ کو کمال کی اجرت عطا کرتا ہے اور انہیں ایسے مقامات عطا کرتا ہے جو شوق اور لذت کو اُبھارنے کا دار و مدار ہوتے ہیں۔ اور اس حقیقت سے ''قانونِ کرم'' کا ایک عظیم الشان پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

پھر جب ہر شے کی حقیقت کی نظر جناب حق کے کسی نہ کسی اسم کی تجلی کی طرف ہے، اور وہ اس کے ساتھ مربوط ہے اور اُس کا آئینہ ہے، تو پھر وہ شے جو بھی خوبصورت وضعِ اختیار کرے گی اُس کا سہرا اس اِسم کے سر ہو گا اور اُس کا تقاضا بھی یہی ہو گا۔ اور وہ خوبصورت وضع حقیقت کی نظر میں مطلوب بھی ہے، اُس شے کو اس بات کا پتا چلے یا نہ چلے۔

اِس حقیقت سے ''قانون تحسین و جمال'' کا ایک انتہائی عظیم الشان پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

اور پھر جب فاطرُ الکریم جب کسی شے کو کوئی مقام یا کمال عطا کر دیتا ہے تو اُس سے وہ واپس نہیں لیتا ہے، یعنی یہ نہیں ہوتا ہے کہ اُس چیز کی مدت یا اس کی عمر ختم ہونے پر اس سے اس کا وہ مقام یا کمال واپس لے لے، بلکہ اُس کے ثمرات و نتائج، اس کا معنوی تشخص، اس کا معنی و مفہوم اور اس کی روح کو باقی رکھتا ہے، اگر وہ چیز روح والی ہے تو۔

Marfat.com

مثال کے طور پر وہ کمالات جو انسان اس دنیا میں حاصل کرتا ہے وہ اُن کمالات کے معانی وثمرات کو باقی رکھتا ہے حتی کہ وہ ایک شکر گزار بندہ مومن جو پھل کھاتا ہے اور اس پر اللہ کا شکر اور اس کی حمد کرتا ہے، تو وہ کھانے کی وجہ سے زائل ہو چکے اُن پھلوں پر ادا کیے گئے شکر اور حمد کو جنت کے پاکیزہ پھلوں کی صورت میں مجسم کر کے ایک دفعہ پھر لوٹا دے گا۔

اور اس حقیقت سے ایک عظیم الشان قانون ''قانونِ رحمت'' کا ایک پہلو سامنے آتا ہے۔

پھر جب وہ خلاقِ بے مثال کسی شے میں اسراف نہیں کرتا ہے اور نہ ہی کوئی عبث کام کرتا ہے، اس حد تک کہ وہ مردہ مخلوقات کہ جن کی ذمہ داریاں موسم خزاں میں ختم ہو گئیں، اُن مخلوقات کے مادی ملبے کو اگلے موسم بہار کی مصنوعات کی ساخت پرداخت کے لیے استعمال کرتا ہے اور اُس پر اُن کی بنیادیں استوار کرتا ہے۔ بنا بریں، زمین کے یہ جامد اور شعور وادراک سے خالی ذرّات جو اس دُنیا میں اپنی ذمہ داریاں نبھا چکے ہیں، تو پھر حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ﴾ (حاشیہ:۱) میں پائے جانے والے راز کی رُو سے اور ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ (حاشیہ:۲) میں پائے جانے والے اشارے کی رُو سے آخرت کی کچھ اُن بنیادوں میں استعمال کیا جائے کہ جن سے پتھر، درخت اور تمام اشیاء قطعی طور پر ذی حیات اور شعور وادراک سے لبریز ہیں، حکمت کا تقاضا اس لیے ہے کہ دنیا کے ان خراب ذرّوں کو دنیا ہی میں چھوڑ دینا یا انہیں عدم میں پھینک دینا اسراف اور عبث ہے۔

اور اس حقیقت سے ایک عظیم القدر قانون ''قانونِ حکمت'' کا ایک پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

پھر جب اس دنیا کے آثار، اس کی معنویات اور اس کے بہت زیادہ ثمرات اور جن وانس جیسے مکلفین کے اعمال کے تانے بانے، اُن کے اعمال کے صحائف اور اُن کی رُوحیں اور اجساد آخرت کے بازار کی طرف بھیجی جائیں گی، تو پھر زمینی ذرّات _ کو بھی جنہوں نے ان ثمرات ومعانی کی خدمت کی ہے اور ان کی رفاقت میں رہے ہیں، اِن ذرّات کو بھی جب وہ اپنے متعلقہ ذمہ داریوں کو مکمل طور پر ادا کر کے ہر طرح سے مکمل ہو جائیں _ یعنی خدمت کے نُورِ حیات سے نہال ہو گئے ہوں اور بہت دفعہ اس کا مظہر بن گئے ہوں اور زندگی سے بھرپور تسبیحات کا دارومدار بن گئے ہوں _ ان ذرّات کو بھی دنیا کی تخریب وانہدام کے بعد اس کے ملبے میں مندرج کر کے عالمِ آخرت کی طرف بھیج دینا چاہیے اور انہیں اس کی بنیادوں میں استعمال ہونا چاہیے، کہ عدل وحکمت کا تقاضا یہی ہے۔

اس حقیقت سے ایک عظیم الشان قانون ''قانونِ عدل'' کا ایک پہلو آشکار ہوتا ہے۔

پھر جس طرح روح جسم پر حاوی ہے، اسی طرح جامد مواد کے لیے تقدیرِ الٰہی کے لکھے ہوئے تکوینی اوامر بھی اس مواد پر حاکم ہیں، چنانچہ یہ جامد مواد تقدیرِ الٰہی کی معنوی کتابت کے حساب سے اپنے اپنے مقام میں براجماں ہو جاتے ہیں اور

---

(حاشیہ:۱) ابراہیم:48 (حاشیہ:۲) العنکبوت:64

Marfat.com

معین نظام کے مطابق چلتے ہیں۔ مثال کے طور پر انڈوں اور نطفوں کی مختلف انواع واقسام اور گٹھلیوں اور بیجوں کی اصناف واجناس میں یہ مادے تقدیرِ الٰہی کے لکھے ہوئے تکوینی اوامر میں اختلاف وتباین کی رُو سے مختلف انوار اور متباین انوار و مقامات کے مالک بن جاتے ہیں۔ یہ تمام مادے _ مادہ ہونے کی حیثیت سے _ اگر چہ ایک ہی ماہیت (حاشیہ:۱) کے حامل ہیں لیکن یہ بے حد وحساب موجودات کی نشو ونما کا وسیلہ بن جاتے ہیں اس لیے مختلف مقامات اور متعدد انوار کے مالک بن جاتے ہیں اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ اگر ایک ذرہ زندگی میں زندگی سے بھرپور خدمات اور ربانی تسبیحات کا حامل ہو اور زندگی کی بار ہا دفعہ خدمت کر چکا ہو اور اپنے اس مقام میں اپنی ذمہ داریاں نبھا چکا ہو تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ تقدیرِ الٰہی کا وہ قلم کہ جس کی نظر سے کوئی چیز اوجھل نہیں ہوتی ہے اُس ذرّے کی معنوی پیشانی پر اُن معانی کی حکمتیں نقش کر دیتا ہے۔ اور ایسا ہونا علمی احاطے کے تقاضے کے عین مطابق ہے۔

اور اس حقیقت سے ایک عظیمُ الشان قانون ''قانون العلم المحیط'' کا ایک گوشہ آشکار ہوتا ہے۔

پس جو کچھ بیان ہوا اُس کی بنا پر: یہ ذرات بگٹٹ یا بے لگام نہیں ہیں (حاشیہ:۲)

## نتیجۂ کلام

بے شک سابقہ قوانینِ سبعہ یعنی: قانونِ ربوبیت، قانونِ کرم، قانونِ تحسین و جمال، قانونِ رحمت، قانونِ حکمت، قانونِ عدل اور قانونِ علم محیط، اور ان جیسے دیگر قوانین عُظمیٰ، ان میں سے ہر قانون کے کسی نہ کسی پہلو سے اللہ تعالیٰ کے کسی نہ کسی اسمِ اعظم اور اس اسمِ اعظم کی تجلیٔ اعظم کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور اِس تجلّی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ: اس دنیا میں پائے جانے والے ذرّات بھی دیگر موجودات کی طرح ہیں، یہ بھی اپنے تحوُّلات میں انتہائی حساس علمی میزان کے مطابق گردش کرتے ہیں اور ان کی یہ گردش تقدیرِ الٰہی کی کھینچی ہوئی حدود وقیود کے حساب سے اور قدرتِ الٰہیہ کے عطا کردہ تکوینی اوامر کے مطابق ہوتی ہے، اور یہ کہ اُن کی یہ گردش انتہائی بلند پایہ حکمتوں پر مشتمل ہے، اور یہ اپنی اس گردش میں ایک دوسرے بلند پایہ عالم کی طرف کوچ کرنے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ (حاشیہ:۳)

---

(حاشیہ:۱) جی ہاں، یہ تمام کے تمام چار عناصر سے مرکب ہیں اور ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن اور کاربن جیسے مادوں سے تشکیل پاتے ہیں۔ اب مادہ کے حساب سے انہیں ایک شمار کیا جا سکتا ہے۔ بس ان کے درمیان فرق صرف معنوی نوشتۂ تقدیر میں ہے۔۔۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۲) پیچھے جو سات فقرے گزرے ہیں ان کا جواب ہے۔۔۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۳) کیونکہ _ ہمارے مشاہدے کے مطابق _ اس کثیف سِفلی عالم میں اس فراوانی کے ساتھ نورِ حیات کو بکھیر دینا اور انتہائی جود وکرم سے دائمی فعالیت کے ساتھ اِسے روشن کر دینا، حتیٰ کہ خسیس ترین اور بدبودار مواد اور تعفن خیز اجسام میں بھی کثرت کے ساتھ نورِ حیات کو شعلہ زن کر دینا، اور پست اور خسیس مواد کو لطیف بنانا اور اسے نورِ حیات سے صیقل کر دینا، اس بات کی طرف صراحت کے قریب پہنچ جانے والا اشارہ کرتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ذرات کی حرکات اور نورِ حیات کے ساتھ اس جامد اور کثیف عالم کو پگھلاتا ہے، (جاری)

Marfat.com

# اکتیسواں مقالہ

## معراج نبوی

على صاحبه الصلاة والسلام

Marfat.com

# اکتیسواں مقالہ

## معراج نبوی

### علی صاحبه الصلاة والسلام

### تنبیہ

یاد رہے کہ معراج کا مسئلہ وہ نتیجہ ہے جو کہ ایمان کے اصول وارکان پر مترتب ہوتا ہے، اور وہ نُور ہے جو کہ اپنی درخشندگی ایمان کے ارکان کے انوار سے حاصل کرتا ہے۔ اس لیے اسے ارکانِ ایمان کے منکر بے دین ملحدوں کے سامنے ثابت نہیں کیا جاتا ہے؛ اِس کی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کو نہیں جانتے، نبی کو نہیں پہچانتے اور ملائکہ کا اور آسمانوں کے وجود کا انکار کرتے ہیں، ان کے لیے معراج کے بارے میں بحث نہیں کی جاتی۔ اس لیے پہلے ان ارکان کو ثابت کرنا لازم ہے۔ بنا بریں، اس ضمن میں ہمارا مخاطب وہ مومن آدمی ہوگا جو کہ شک و وسوسہ کا شکار ہو کر معراج کو بعید از عقل سمجھتا ہے، چنانچہ ہماری یہ گفتگو بنیادی طور پر تو اُس کے لیے ہوگی، البتہ کبھی کبھار اس کا رُخ اس ملحد کی طرف بھی ہو جائے گا جو کہ سُننے پر آمادہ ہے۔ اور یوں گفتگو کا یہ سلسلہ اُس کے لیے بھی چل نکلے گا۔

معراج کی حقیقت کے بارے میں کچھ لمعات پراگندہ صورت میں مختلف مقالات میں ذکر کیے گئے تھے، بعد میں اپنے بھائیوں کے اصرار پر اللہ سے توفیق مانگی اور انہیں متفرق مقامات سے اُٹھا کر اصل حقیقت کے ساتھ یکجا کر دیا، تاکہ یہ کمالات محمدیہ علیہ الصلاۃ والسلام کو بیک وقت منعکس کرنے والا آئینہ بن جائیں۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ آیَاتِنَا اِنَّہٗ ھُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (حاشیہ:۱)

﴿اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوْحٰی عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْمِرَّۃٍ فَاسْتَوٰی وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰیo ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰیo فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنٰیo فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَااَوْحٰیo مَاکَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰیo اَفَتُمَارُوْنَہٗ عَلٰی مَایَرٰیo وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰیo عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰیo عِنْدَھَاجَنَّۃُ الْمَاْوٰیo اِذْیَغْشَی السِّدْرَۃَ مَایَغْشٰیo مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰیo لَقَدْ رَاٰی مِنْ آیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی﴾ (حاشیہ:۲)

پہلی عظیم الشان آیت کے خزینۂ عظمیٰ سے ہم بلاغت کے دستور کی رُو سے ''اِنَّـــــہٗ'' کی ضمیر میں پائی جانے والی دو رمزوں کا ذکر کریں گے، اِس کی وجہ یہ ہے ان دو رمزوں کا ہمارے اس مسئلے کے ساتھ گہرا تعلق ہے، جیسے کہ ''اعجاز القرآن کی بحث'' میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم جب رسول حبیب ﷺ کے اُس سفر کا ذکر کرتا ہے جو مسجدُ الحرام سے لے کر آپ ﷺ کے مبدأ معراج یعنی مسجد اقصیٰ تک ہوا ہے، تو آخر میں کہتا ہے: ﴿اِنَّہٗ ھُوَالسَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾۔ اور ''اِنَّہٗ'' میں پائی جانے والی (ہٗ) ضمیر اس کلام کے ذریعے معراج کی اُس انتہا کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کی طرف سورت ﴿وَالنَّجْمِ اِذَاھَوٰی﴾ میں اشارہ پایا جاتا ہے۔ اب یہ ضمیر یا تو حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور یا نبی ﷺ کی طرف۔

پس اگر ضمیر نبی ﷺ کی طرف راجع ہو تو پھر قانونِ بلاغت اور سیاقِ کلام کی مناسبت، دونوں یہ مفہوم دے رہے ہیں کہ: اس جزوی سیاحت میں سیرِ عمومی اور عروجِ کُلی پایا جاتا ہے، یعنی اللہ فرماتا ہے:

اسمائے الٰہیہ کے کلی مراتب میں ارتقائی عمل کے دوران حتیٰ کہ سدرۃُ المنتہیٰ اور قاب قوسین تک پہنچنے تک جو بھی ربانی آیات اور صنعتِ الٰہیہ کے عجائبات آپ ﷺ کی آنکھ اور کان کے ساتھ دوچار ہوئے، آپ نے انہیں دیکھا اور سُنا۔ اور یوں وہ اس چھوٹی سی جزوی سیاحت کو یوں ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک کلی سیاحت کی مفتاح اور مخزنِ عجائب ہے۔

اور اگر ضمیر جنابِ حق کی طرف راجع ہو تو پھر اس کا مفہوم کچھ یوں ہوگا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو ایک سیاحت میں اپنے حضور میں بُلایا، چنانچہ اُسے کچھ ذمہ داریاں دینے کے لیے مسجدُ الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جو کہ مجمع الانبیاء ہے، پس وہاں اُس کا دوسرے انبیاء کے ساتھ اجتماع کروایا اور اُنہیں

---

(۱) الاسراء:1 (۲) النجم:4-18

Marfat.com

کو دکھایا کہ تمام انبیاء کے ادیان کے اُصول کا وارث مطلق اب وہ ہے۔ پھر اُسے اپنے ملک وملکوت میں گھمایا پھرایا حتیٰ کہ سِدرۃ المنتہیٰ اور قاب قوسین تک پہنچا دیا۔

پس وہ اگر چہ ایک عبد ہے، اور وہ سیاحت اگر چہ ایک جزوی معراج ہے، لیکن وہ عبد ایک ایسی امانت کا حامل ہے جس کا تعلق تمام کائنات کے ساتھ ہے، اور اس کے ہمراہ ایک نُور ہے جو اس کائنات کا رنگ تبدیل کیے جا رہا ہے، اور اس کے پاس ایک چابی ہے جس کے ساتھ وہ ابدی سعادت کے دروازے کھول رہا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں کہتا ہے کہ: وہ تمام اشیاء کو دیکھتا اور سنتا ہے اور اُس امانت کو، اُس نُور کو اور اُس چابی میں پائی جانے والی ایسی حکمتوں کو آشکار کرتا ہے جو کہ تمام کائنات کو شامل ہیں، تمام مخلوقات پر چھائی ہوئی ہیں اور تمام کون ومکاں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

اس عظیم الشان راز کی چار بنیادیں ہیں:

اول: معراج کے ضروری ہونے میں راز کیا ہے؟

دوم: معراج کی حقیقت کیا ہے؟

سوم: معراج کی حکمت کیا ہے؟

چہارم: معراج کے فوائد وثمرات کیا ہیں؟

## پہلی بنیاد

### معراج کی ضرورت کا راز

مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ﴿اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ ہے، اور وہ ہر چیز کے ہر چیز سے زیادہ قریب ہے، اور وہ جسم اور مکان سے منزہ ہے، اور ہر ولی اپنے قلب کے باطن میں اس کے ساتھ مل سکتا ہے؛ تو ولایتِ محمدیہ کو مناجات کرنے میں جو کامیابی ملی وہ معراج جیسی طُول طویل سیاحت کے بعد کیوں ملی، جبکہ ہر ولی اپنے دل میں اس مناجات کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے؟

الجواب: اس گہرے راز کو ہم دو مثالوں کے ذریعے ذہن کے قریب کرتے ہیں۔ ان دو مثالوں کو غور سے سنو، اور یہ دونوں مثالیں اعجاز القرآن اور معراج میں پائے جانے والے راز کے بارے میں بارہویں مقالے میں ذکر کی گئی ہیں:

### پہلی مثال

کسی بھی حکمران کے مکالمے، مصاحبت اور ملاقات کے دو طریقے، اور خطاب، گفتگو اور توجہ والتفات کے دو انداز ہوتے ہیں:

Marfat.com

پہلا طریقہ: اُس کی اپنی رعایا کے کسی عام آدمی کے ساتھ کسی جزوی امر میں اور خصوصی ضرورت کے تحت اپنے خصوصی ٹیلیفون کے ذریعے گفتگو۔

دوسرا طریقہ: اُس کی وہ بات چیت جو کہ سلطنتِ عظمٰی کے عنوان سے، خلافت کبریٰ کے نام سے اور حاکمیتِ عامہ کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ یہ گفتگو کسی ایسے بلند شان اور باوقار امر کے ذریعے ہوتی ہے جس سے اس کے جاہ وجلال اور شان و شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔ اِس سے مقصد اس کے اوامر کو سلطنت کے تمام علاقہ جات میں پہنچانا ہوتا ہے۔ اور پھر یہ کہ یہ گفتگو اس کے کسی ایسے سفیر، نمائندے یا بڑے ملازم کے ذریعے ہوتی ہے جس کا اُن امور کے ساتھ تعلق یا مناسبت ہوتی ہے۔

اور یوں اس مثال کی طرح _وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى_ اِس کائنات کے خالق، مالکُ الملک والملکوت اور حاکمُ الازل والابد کے گفتگو کرنے، ہمنشینی اور التفات کرنے کے دو طریقے ہیں:

ایک: جزئی اور خاص

دوسرا: کلی اور عام

پس معراجِ نبوی ولایتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا ایک ایسا مظہر ہے جو کہ کلی صورت میں ظاہر ہوا ہے اور تمام تر قسم کی ولایات پر فوقیت رکھتا ہے؛ کیونکہ یہ حق تعالیٰ کے ساتھ اس کے تمام موجودات کے خالق کے عنوان سے اور تمام کائنات کے پروردگار کے نام سے ہمنشینی، گفتگو اور سرگوشی سے مشرف ہونے کا نام ہے۔

## دوسری مثال

ایک آدمی کے ہاتھ میں آئینہ ہے، اُس نے وہ آئینہ سورج کے سامنے کیا ہوا ہے، یہ آئینہ اپنی وسعت اور مقدار کے مطابق سورج سے عکس اور سات رنگوں پر مشتمل روشنی اَخذ کرتا ہے۔ اب یہ آدمی اس آئینے کی نسبت سے سورج کے ساتھ ایک قسم کے تعلق کا حامل ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ اس آئینے کا رُخ اپنے تاریک کمرے یا اپنی خصوصی مسقّف کیاری کی طرف کرے تو اس سے استفادہ بھی کر سکتا ہے، صرف اتنا ہوگا کہ اس کا یہ استفادہ سورج کے حجم یا اس کی روشنی کے حساب سے نہیں ہوگا بلکہ اس آئینہ کی قابلیت کے لحاظ سے ہوگا جو وہ سورج سے منعکس کر رہا ہے۔

ایک آدمی اور ہے، یہ آئینے کو ایک طرف کر کے براہِ راست سورج کے سامنے آجاتا ہے، اس کی ہیبت اور جاہ وجلال کا مشاہدہ کرتا ہے اور اُس کی عظمت کو سمجھتا ہے، پھر ایک بہت اونچے پہاڑ پر چڑھ جاتا ہے اور اس کی وسیع ترین سلطنت کی ضیاء باریوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اور اس کا سامنا ذاتی طور پر بلاحجاب کرتا ہے، پھر وہ واپس لوٹتا ہے اور اپنے چھوٹے سے گھر یا اپنی مسقّف کیاری کی کھڑکیاں چوپٹ کھول دیتا ہے اور آسمان پر چمکتے ہوئے سورج کی جانب دیکھنے کے

Marfat.com

راستے صاف کر دیتا ہے، اور شمسِ حقیقی کی دائمی روشنی کی ہمنشینی کا لطف لیتا ہے اور اس کے ساتھ گفتگو کرتا ہے، اور اس کے ساتھ اُس کا ممنون اور سپاس گزار ہونے کے انداز سے سرگوشیاں بھی کر سکتا ہے، اور وہ اُسے کچھ اس طرح سے کہہ سکتا ہے کہ: ''اے ناز پیشہ خورشیدِ عالمتاب! اے زمین کے گُلِ خنداں اور آسمان کے ناز بردار و راہنما! اپنی روشنی کے ساتھ سطحِ زمین کو زر بار کرنے والے اور چہرہ زمیں اور تمام گل ہائے زمیں کو ہنسی اور شگفتگی بخشنے والے! تُو نے میرے اس چھوٹے سے گھر اور چھوٹی سی کیاری کو گرمی اور ضیاء بخشی ہے، ایسے ہی جیسے کہ تو نے تمام دنیا کو ضیاء اور تمام روئے زمین کو گرمی بخشی ہے۔''

یاد رہے کہ پہلا آئینے والا آدمی جو ہے اس طرح کی گفتگو نہیں کر سکتا ہے، اُس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کے عکس کے آثار اُس آئینے کی قید میں اور اس قید کے حساب سے محدود و محصور ہیں۔

اور یوں ذاتِ اَحدُ الصمد، شمس الازل اور سلطانُ الابد کی تجلّی کا انسانی ماہیت کے لیے دو صورتوں میں مظاہرہ ہوتا ہے، اور وہ دونوں صورتیں بلا حد وحساب مراتب پر مشتمل ہیں۔

**پہلی صورت:** یہ مظاہرہ ربانی بندھن اور اس کی طرف نسبت کے ذریعے دل کے آئینے میں ہوتا ہے، اِس طرح کہ ہر انسان اُس شمسِ اَزلی کے نور کا اور اس کے ساتھ ہمنشینی، ہمکلامی، گفتگو اور سرگوشی کا مظہر ہے، برابر ہے کہ یہ چیز اُس کی استعداد کے حساب سے، مراتب کے طے کرنے میں سیر و سلوک کے مطابق اور اسماء وصفات کی تجلیات کے حساب سے جزئی ہو یا کُلی؛ کیونکہ اسماء وصفات کے سائے میں چلنے میں اکثر ولایات کے درجات اسی قسم سے پھوٹتے ہیں۔

**دوسری صورت:** بے شک اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی تجلّی کا مظاہرہ نوعِ انسانی کے سب سے بڑے معنوی فرد کے لیے ہوتا ہے، یہ اُس کی ذاتی تجلی ہوتی ہے اور اس کے اسمائے حسنیٰ کے سب سے بڑے مرتبے کے ذریعے ہوتی ہے، اس بنا پر کہ انسان اسمائے حسنیٰ کی ان تجلیات کو جو کہ تمام کائنات میں جلوہ ریز ہیں، اپنی روح کے آئینے میں بیک وقت ظاہر کر سکتا ہے، کیونکہ انسان کائنات کا روشن ترین پھل ہے اور اِس کی ہستی میں بڑی جامعیت پائی جاتی ہے۔

پس یہ مظاہرہ اور یہ تجلی معراجِ محمدی کا راز ہے جس کی رُو سے آپ کی ولایت آپ کی رسالت کا سر آغاز ہوگی۔ پس ولایت جو کہ سائے میں چلتی ہے دوسری تمثیل میں بیان کیے گئے پہلے آدمی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔ جبکہ رسالت میں ظِل یا سایہ نہیں ہوتا بلکہ رسالت کا رُخ براہِ راست ذات کی احدیت کی طرف ہوتا ہے، اور وہ دوسری تمثیل میں بیان کیے گئے دوسرے آدمی کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔

لیکن معراج چونکہ ولایت محمدیہ علیہ الصلوۃ والسلام کی کرامتِ کبریٰ اور اُس کا مرتبۂ عُلیا ہے، اس لیے مرتبہ رسالت پر براجمان ہے۔

پس معراج کا باطن ولایت ہے، اس لیے آپ مخلوق سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف گئے۔

Marfat.com

اور معراج کا ظاہر رسالت ہے، اس لیے آپ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف آتے ہیں۔

پس ولایت مراتب قرب میں سلوک کا نام ہے اور بہت سے مراتب کو طے کرنے کی اور کافی سارے وقت کی محتاج ہے۔

لیکن رسالت نورِ اعظم ہے، چنانچہ اس کی نظرا قربیتِ الٰہیہ کے راز کے انکشاف پر ہوتی ہے، بنابریں اس کے لیے ایک آنِ سیال یا لمحۂ گُزراں ہی کافی ہوتا ہے، اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ''آپ ﷺ آنِ واحد میں گئے اور واپس آگئے''۔

اب ہم اپنی اس بات کے سُننے والے ملحد سے کہتے ہیں: یہ کائنات چونکہ ایک غایت درجے کی منظم مملکت، ایک غایت درجے کا محتشم شہر اور نہایت درجے کا آراستہ وپیراستہ محل کی طرح ہے، تو پھر اس کا کوئی حاکم، کوئی مالک اور صانع بھی لازمی ہے، اور جب ایسا صاحبِ حشمت مالکِ جلیل، حاکمِ کامل، صانعِ جمیل موجود ہو اور جب کلی نظر کا حامل انسان موجود ہو جو کہ اس تمام کائنات کے ساتھ، اس مملکت کے ساتھ، اِس شہر کے ساتھ اور اس محل کے ساتھ اپنے عمومی حواس واحساسات کے ذریعے مناسب تعلقات بھی رکھتا ہو، تو پھر یہ ضروری ٹھہرا کہ اُس شان وشوکت والے صانعِ محتشم اور اُس کلی نظر اور عمومی شعور کے حامل انسان کے مابین بلند پایہ اور عظیمُ الشان مناسبت پائی جائے، اور اُس کی طرف سے اس انسان کو قُدسی خطاب اور عالی توجہ سے نوازا جائے۔

اور وہ لوگ جو آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک اِس مناسبت کے مظاہر ہوئے ہیں اور جو اس شرف سے مشرف ہوئے ہیں، اُن لوگوں کے مابین چونکہ محمد عربی ﷺ نے ہی اس مناسبت کو عظیم ترین مرتبے میں آشکار کیا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کے آثار گواہی دیتے ہیں، یعنی جیسے کہ آپ ﷺ نے کرۂ ارضی کے نصف اور نوعِ انسانی کے پانچویں حصے کو اپنے دائرہ تصرف میں منحصر کرلیا ہے اور کائنات کی معنوی شکل وصورت کو تبدیل کر کے اُسے منور کر دیا ہے؛ اس لیے معراج جو کہ اس تعلق یا مناسبت کا بلند ترین مرتبہ ہے، آپ ﷺ کے سب سے زیادہ لائق، شایانِ شان اور موزوں ترین ہے۔

## دُوسری بنیاد

### معراج کی حقیقت کیا ہے؟

**الجواب:** معراج اس سیر وسلوک کا نام ہے جو ذاتِ محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کمالات کے مراتب کے سلسلے میں طے کیا، مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے اپنے اُس خصوصی بندے کو براق پر سوار کر کے اُسے آسمانوں کی سیر کرائی اور اس سے یہ مراتب بجلی کی سی سُرعت میں طے کروا دیے، اور اسے دائرہ بدائرہ اور منزل بہ منزل ربوبیت الٰہیہ سے آگاہ کر دیا، بالکل ایسے جیسے کہ چاند منزلیں طے کرتا ہے۔ پھر اُس نے ایک ایک کر کے ان دائروں کے آسمانوں میں اُس کی اُس کے تمام

Marfat.com

انبیاء بھائیوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ملاقات کرائی اور ان کے مقامات سے روشناس کرایا، حتیٰ کہ اُسے ''قابَ قوسین'' کے مقام پر لے گیا اور اُسے اپنے ساتھ ہم کلامی کا اور اپنے دیدار کا ایک ایسا مظہر بنا دیا کہ جس میں وہ یگانہ دیکتا ہے کوئی بھی دوسرا اُس کے برابر نہیں۔ غرض اس سے یہ تھی کہ وہ اپنے اُس بندے کو ایک ایسا بندہ بنا دے جس میں تمام انسانی کمالات جمع ہوں، جو تمام تجلیاتِ الٰہیہ کا مظہر ہو، جو کائنات کے تمام طبقات پر نگاہ رکھنے والا ہو، ربوبیت کی سلطنت کا رہنما ہو، مرضیاتِ الٰہیہ کا مبلّغ ہو اور جو کائنات کے طلسم سے پردہ سرکانے والا ہو۔ اُس نے اپنے اِس برگزیدہ بندے کو اس مقام پر اس طرح فائز کیا کہ اُسے اپنی ربوبیت کی وہ تمام نشانیاں ایک ایک کر کے دکھا دیں جو اُس نے تدبیر و ایجاد کے تمام دائروں میں ظاہر کی ہیں، جن کی تشکیل اُس نے اپنی ربوبیت کی سلطنت میں کی ہے، اور جن کا اظہار اُس نے آسمان کے اُس طبقے میں کیا ہے جو کہ ربوبیت کے عرشوں کا اور اُن دائروں میں تصرف کے مرکزوں کا دارومدار ہے، اور جن کا اظہار اُس نے اُن مختلف اسماء وعناوین کے ساتھ کیا ہے جن کی جلوہ گری اُس نے مخلوقات کی ترتیب میں کی ہے۔

اس بلند پایہ حقیقت کو دو تمثیلوں کی دوربین سے دیکھا جا سکتا ہے:

## پہلی تمثیل

ایک حکمران کے اپنی حکومت کے مختلف اِداروں میں مختلف عناوین، اس کی رعایا کے طبقات میں متغایر اوصاف اور اُس کی سلطنت کے مراتب میں متنوع اسماء وعلامات ہوتی ہیں، مثال کے طور پر: عدالتی نظام میں اس کا نام حاکمِ عادل، شاہی اداروں میں اس کا نام سُلطان، عسکری اداروں میں سپہ سالارِ اعلیٰ اور علمی اداروں میں اُسے خلیفہ کہا جاتا ہے، اور یوں اس کے بہت سے نام، اَسماء اور عنوان ہوتے ہیں۔ اور ہر ادارے اور ہر محکمے میں اس کا ایک مقام اور کرسی ہوتی ہے جو کہ اس کے لیے معنوی تخت کا حکم رکھتی ہے، اِس بنا پر ممکن ہے کہ وہ اکیلا سلطان اُس سلطنت کے مختلف اداروں میں اور حکومت کے طبقات کے مختلف مراتب میں ایک ہزار اسماء وعناوین کا مالک ہو جائے، اور یہ کہ اس کے ایک دوسرے میں متداخل ایک ہزار تخت ہائے سلطنت ہوں، گویا کہ وہ حکمران اپنی معنوی شخصیت کی حیثیت سے اور ٹیلیفون کے ذریعے ہر ادارے میں موجود اور حاضر ہے اور ہر شے کا علم رکھتا ہے، اور اپنے قانون، نظام اور نمائندے کے ذریعے ہر طبقے پر نظر رکھتا ہے اور وہاں موجود نظر آتا ہے، اور اپنے حُکم، علم اور قوت کے ذریعے ہر مرتبے کا پردے کے پیچھے سے نظم ونسق چلاتا ہے اور اس کی نگرانی کرتا ہے، اور ہر دائرے کا ایک علیحدہ مرکز اور علیحدہ منزل ہے جس کے احکام مختلف اور طبقات متغایر ہیں، جیسے کہ چوبیسویں مقالے میں وضاحت کی گئی ہے۔

پس ایسا سلطان جس شخص کو چاہے اپنے ان تمام دائروں کی سیر کراتا ہے اور اُن میں گھماتا پھراتا ہے، اُسے اپنی شاہی سلطنت دکھاتا ہے اور ہر دائرے کے ساتھ تعلق رکھنے والے خصوصی اوامر کا نظارہ کراتا ہے، چنانچہ اُسے ایک دائرے سے

Marfat.com

دوسرے دائرے اور ایک طبقے سے دوسرے طبقے تک گھماتا پھراتا ہے، تا آنکہ اُسے اپنے مقامِ حضور تک لے جاتا ہے اور پھر اُسے ان دائروں کے ساتھ تعلق رکھنے والے بعض کلی اور عمومی اوامر دے کر اپنا نمائندہ بنا کر رخصت کر دیتا ہے۔ پس اس مثال کی روشنی میں سمجھو کہ:

اُس سلطانُ الازل والابد ربُّ العالمین کے اُس کی ربوبیت کے مراتب میں مختلف اسماء واحوال ہیں لیکن ان میں سے بعض کی نظر بعض پر ہوتی ہے، اور اُس کے اُس کی اُلوہیت کے دائروں میں متغایر اسماء وعلامات ہیں لیکن وہ سب ایک دوسرے میں دکھائی دیتی ہیں، اور اُس کی پُر حشمت کارروائیوں میں باہم دگر متخالف تجلیات وجلوات ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، اور اُس کی قدرت کے تصرفات میں متعدد عناوین ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کو شعور دیتے اور احساس دلاتے ہیں، اور اس کی صفات کی تجلیات میں متغایر مقدس ظہور ہیں، لیکن وہ ایک دوسرے کو ظاہر کرتے ہیں، اور اس کے افعال کی جلوہ گریوں میں متنوع قسم کے تصرفات ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، اور اُس کی صنعت اور رنگا رنگ مصنوعات میں انوار واقسام کی پُر حشمت ربوبیتیں ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھتی ہیں۔ اب اس عظیم الشان راز کی بنا پر یہ سمجھو کہ اُس نے اس کائنات کے نظم وضبط کو ایک ایسی ترتیب کے حساب سے منظم کیا ہے جو کہ موجب حیرت ہے، اور وہ اس طرح کہ مخلوقات کے سب سے چھوٹے یعنی ذرّات کے طبقے سے لے کر آسمانوں تک۔ آسمانوں کے پہلے طبقات سے لے کر عرشِ اعظم تک، آسمانوں کو ایک دوسرے کے اُوپر استوار کیا گیا ہے، اور ان میں سے ہر آسمان ایک دوسرے عالم کی چھت کا حکم رکھتا ہے، ربوبیت کے عرش کی طرح ہے اور تصرفاتِ الٰہیہ کا مرکز ہے۔

اور باوجود اس کے کہ یہ ممکن ہے کہ احدیت کے اعتبار سے یہ تمام اسماء ان دائروں اور طبقوں میں پائے جائیں اور تمام عناوین کے ساتھ جلوہ گر ہوں، لیکن جس طرح کہ عدلیہ کے ادارے میں حاکم کا نام ''حاکمِ عادل'' کے عنوان سے چلتا ہے اور بقیہ تمام عنوان اس کے تابع اور زیرِ فرمان ہوتے ہیں، اسی طرح مخلوقات کے ہر طبقے میں اور ہر ایک آسمان اللہ کا کوئی نہ کوئی نام یا عنوان حکمران ہے اور بقیہ عناوین اس کے ضمن میں ہوتے ہیں، مثال کے طور پر عیسیٰ علیہ السلام جو کہ اسم ''القدیر'' کا مظہر ہیں، جس آسمان پر بھی نبی ﷺ کے ساتھ ملاقات کریں گے حق تعالیٰ وہاں اس آسمان کے دائرے میں ذاتی طور پر ''القدیر'' کے عنوان سے جلوہ گر ہوگا۔ اور اُس آسمان کے دائرے میں جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام ہے ''المتکلّم'' کے عنوان کی حکمرانی ہوگی، کہ موسیٰ علیہ السلام اس کے مظہر تھے۔

اور یوں رسولِ اعظم ﷺ کو چونکہ اسم اعظم ملا ہے اور آپ ﷺ کی نبوت چونکہ عمومی اور ہمہ گیر ہے، اور آپ ﷺ اَسمائے حسنیٰ کی تمام تر تجلیات سے بہرہ ور ہیں؛ اس لیے آپ ﷺ کا تعلق ربوبیت کے تمام دائروں کے ساتھ ہے۔

اس لیے آپ ﷺ کی معراج کی حقیقت کا ضروری تقاضا یہ ہوا کہ آپ ﷺ کی ملاقات اُن انبیاء کے ساتھ ہو جو اُن

Marfat.com

دائروں میں اصحابِ مقام ہیں۔اور یہ تقاضا بھی ضروری ہوا کہ آپ ﷺ کا گزر اُن تمام طبقات سے ہو۔

## دوسری تمثیل

''سپہ سالارِ اعظم'' جو کہ سلطان کے عناوین میں سے ایک عنوان ہے۔اُس کی تمام تر عسکری دوائر میں جلوہ گری اور ظہور و فروغ ہے، یعنی چیف آف آرمی سٹاف اور کمانڈر انچیف کے وسیع اور کلی دائرے سے لے کر لانس نائک کے جزوی اور خصوصی دائرے تک ظہور پذیر ہے۔

اب مثال کے طور پر ایک فوجی کو لانس نائک کی شخصیت میں قیادت کے سب سے بڑے عنوان کا نمونہ نظر آتا ہے، چنانچہ اس کی توجہ اُسی پر مرکوز رہتی ہے اور جب وہ خود لانس نائیک بن جاتا ہے تو اُس کی نظریں حوالدار پر لگ جاتی ہیں اور وہ اُسے قیادت کا نمونہ سمجھتا ہے۔ پھر جب وہ حوالدار بن جاتا ہے تو اُسے قیادت کا نمونہ اور جلوہ لیفٹیننٹ کے دائرے میں نظر آتا ہے، پس قیادت کے اُس مقام میں ایک مخصوص کُرسی ہوتی ہے۔اور اس طرح دائروں کی وسعت اور تنگی کے لحاظ سے قیادت کے یہ عنوانات کیپٹن، میجر، بریگیڈیر، جنرل اور فیلڈ مارشل کے عہدوں میں نظر آتے ہیں۔

اب اگر وہ سپہ سالار اعظم کسی ایک سپاہی کے ذمے کوئی ایسی ڈیوٹی لگانا چاہے جس کا تعلق فوج کے تمام اداروں کے ساتھ ہو، اور اُسے کسی ایسے عہدے پر فائز کرنا چاہے جس سے وہ تمام دائروں پر نظر رکھے اور تمام دائروں میں نظر آئے جیسے کہ وہ اُن کا انسپکٹر ہے، تو بلاشبہ وہ اُس سپاہی کو لانس نائیک کے دائرے سے لے کر اپنے دائرہ عظمٰی تک علیحدہ علیحدہ ہر دائرے کی سیر کرائے گا تاکہ وہ ان دائروں کو دیکھے اور اُن سب میں نظر آئے۔اس کے بعد وہ اُسے اپنی حضوری کے لیے قبول کرے گا، اُسے اپنی ہم نشینی کا شرف بخشے گا اور اُسے تمغے اور عہد و پیمان سے نوازے گا اور اس کے ساتھ لطف و کرم کا مظاہرہ کرے گا اور آنِ واحد میں اُسے اُس جگہ واپس بھیج دے گا جہاں سے وہ آیا تھا۔

اس مثال میں ایک اہم نقطہ نگاہ میں رکھنا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ سلطان اگر عاجز نہ ہو، اور اس کے پاس اس کے ظاہری اقتدار کی طرح معنوی اقتدار بھی ہو تو اُس صورت میں اُسے بریگیڈیر، فیلڈ مارشل اور کیپٹن جیسے اشخاص کو درمیان میں وکیل بنانے کی ضرورت نہیں پڑے گی، بلکہ وہ بذاتِ خود ہر جگہ موجود ہو گا اور براہ راست خود ہی احکامات صادر کرے گا، لیکن کچھ پردوں کی اوٹ سے اور کچھ صاحب مرتبہ لوگوں کی اوٹ سے؛ جیسے کہ مروی ہے کہ بعض سلاطین جو اولیائے کاملین تھے، بہت سے دائروں میں اپنے احکامات بعض اشخاص کی صورت میں خود نافذ کرتے تھے۔

رہی وہ حقیقت جو اس مثال کے ذریعے ہماری نگاہ میں ہے، وہ یہ ہے کہ چونکہ یہاں عجز و درماندگی کا وجود بالکل نہیں ہے، اس لیے ہر دائرے میں امر اور حکم سپہ سالارِ اعلٰی کی طرف سے وارد ہوتا ہے اور براہِ راست اس کے امر، ارادے اور قوت کے ذریعے ہوتا ہے۔

Marfat.com

اب اسی طرح یہ سمجھو کہ وہ جو سلطانِ ازلی وابدی، آمرِ مطلق، مالکِ امرِ (کن فیکون) اور حاکمِ ارض وسما ہے، اُس کی قیادت اور اوامر واحکام جو کہ اس کی مخلوق کے تمام طبقات میں جاری وساری ہیں اور کمال اطاعت وانتظام کے ساتھ سرگرم عمل ہیں اور ان تمام طبقات میں یہ اوامر واحکام واضح طور پر نظر آ رہے ہیں، اور ربوبیت کے یہ دائرے اور حاکمیت کے یہ طبقات چھوٹے بڑے اور جزوی اور کلی گروہوں کی صورت میں تو اگر چہ مختلف ہیں، لیکن ان سب کا رُخ ایک دوسرے کی طرف ہے اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔ ذرّات سے لے کر سیارات تک اور مکھی سے لے کر سماوات تک مخلوقات کے تمام طبقات اور موجودات کے تمام گروہوں میں اسی طرح کا منظر کارفرما ہے۔

پس آپ ﷺ کے لیے یہ ضروری ہوا کہ آپ ﷺ کائنات میں پائے جانے والے تمام مقاصدِ علیا اور نتائجِ عظمٰی کو سمجھیں اور تمام طبقات کی عبودیات کے مختلف وظائف کو آنکھوں سے دیکھیں۔ اور یوں صاحبِ کبریاء کی ربوبیت کی سلطنت اور اس کی حاکمیت کی حشمت کا مشاہدہ کریں۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ اُنہیں اِن تمام طبقات ودوائر کی بہر حال سیر کرائی جائے، تا آنکہ آپ اُس کے عرشِ اعظم میں داخل ہو جائیں جو کہ اس کے سب سے بڑے دائرے کا عنوان ہے اور مقام ''قابَ قوسین'' میں داخل ہو جائیں، یعنی اس مقام میں داخل ہو جائیں جو کہ ''امکان ووجوب'' کے درمیان ہے اور جس کی طرف ''قابَ قوسین'' کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے اور وہاں ذاتِ الٰہی سے ملاقات کر لیں۔ تاکہ آپ ﷺ یہ سمجھ جائیں کہ اُس کی رضامندیاں کیا ہیں، اور آپ ﷺ اس کی سلطنت کے رہنما بن جائیں۔ پس یہ سیر و سلوک ہی معراج کی حقیقت ہے۔

جس طرح ہر انسان کو اپنی عقل کے ساتھ خیال کی سُرعت میں چلنے، ہر ولی کو اپنے دل کے ساتھ برق رفتاری سے گردش کرنے، ہر فرشتے کو جو کہ خود بھی نورانی جسم ہے، عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر عرش تک روح کی تیزی جیسی تیزی سے گھومنے پھرنے اور اہلِ جنت کو براق کی سُرعت میں حشر سے لے کر جنت تک _ جس کی مسافت پانچ سو سال سے زائد ہے _ عروج کی صلاحیت حاصل ہے۔ تو پھر روحِ محمدیہ جو کہ نور ہے اور نور کی قابلیت میں ہے، قلوب اُولیاء سے کہیں زیادہ لطیف ہے، ارواح اموات اور اجسام ملائکہ سے زیادہ خفیف اور جسدِ نجمی اور جسمِ مثالی سے کہیں زیادہ لطیف ہے، اور جسمِ محمدی علیہ الصلاۃ والسلام جو کہ آپ ﷺ کی روح کے وظائف کا دارومدار اور اس کے بے حد وحساب کل پرزوں، نظاموں اور مہارتوں کا مخزن ہے، ایسا جسم بلا شک وشبہ آپ ﷺ کی روح عالیہ کے ہمراہ سوئے عرش سفر کرے گا۔

اب ہم اُس مُلحد کی طرف دیکھتے ہیں جو کہ مقامِ استماع میں ہے۔ تو ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ:

وہ مُلحد اپنے دل میں کہتا ہے کہ: میری نہ تو اللہ کے ساتھ جان پہچان ہے اور نہ میں نبی ﷺ کو جانتا ہوں، اب ایسی

Marfat.com

صورت میں معراج کا اعتقاد کیونکر رکھ سکتا ہوں؟۔

ہم اسے کہیں گے:

جب اس کائنات کا اوران موجودات کا وجود ہے، اور اِن میں افعال اور ایجاد کا وجود بھی ہے۔ اور جب کوئی منظم کام فاعل کے بغیر نہیں ہوتا ہے، کوئی ذو معنی کتاب بغیر کاتب کے نہیں ہوتی ہے اور کوئی ذو معنی نقش بغیر نقاش کے نہیں ہوتا ہے تو۔ پھر یہ حکمت بھرے افعال جن کے ساتھ یہ کائنات بھری پڑی ہے، ان سب کا بھی کوئی ایک فاعل ضرور ہے، اور رُوئے زمیں کے پُر معانی، حیرت خیز اور موسم بموسم جدت پذیر نقوش کے مکتوبات کا کوئی کاتب اور نقاش ضرور موجود ہے۔ اور جب کسی بھی کام میں دو حاکموں کا وجود اُس کام کا نظم وضبط بگاڑ دیتا ہے، اور جب ایک مکھی کے پر سے لے کر آسمان کی قندیلوں تک ایک مکمل نظم وضبط موجود ہے۔ تو پھر ان کا حاکم بھی ایک ہی ہے؛ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چیز میں نظر آنے والی کاریگری اور حکمت اتنی عجیب وغریب ہے کہ اُس چیز کے کاریگر کا قادرِ مطلق ہونا لازم ہو جاتا ہے، اِس درجے کا قادرِ مطلق کہ اُسے ہر چیز پر مکمل اقتدار حاصل ہو اور اُسے ہر چیز کا علم ہو۔ تو پتا چلا کہ اگر وہ حاکم ایک نہ ہو تو موجودات کی تعداد کے برابر خداؤں کا وجود لازم آئے گا، اور وہ تمام خدا آپس میں متضاد بھی ہوں گے اور متماثل بھی۔ اور اس صورت میں اس عجیب وغریب نظم وضبط کا بغیر فساد کے برقرار رہ جانا لاکھوں دفعہ محال ہو جائے گا۔ پھر یہ بھی ہے کہ جب یہ چیز بدیہی طور پر نظر آرہی ہے کہ ان موجودات کے طبقات جو ایک امر کے تحت جس نظم وضبط سے محوِ حرکت ہیں، وہ کسی منظم فوج سے ہزاروں گنا زیادہ ہے، اور نجوم وشمس وقمر اور ان کی منظم حرکات سے لے کر بادام کے پھولوں تک قدیرِ ازلی نے ان تمام چیزوں کو منظم اور متکامل صورت میں جو امتیازی علامات، تمغے اور خلعتیں عطا کی ہیں، اور ان کے لیے جو حرکات متعین کی ہیں وہ ایک فوج سے ہزار درجہ زیادہ نظم وضبط کا اظہار کر رہی ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا ہے کہ کائنات کی ان موجودات کا ایک ایسا حاکمِ مطلق ہے جو کہ پردۂ غیب کے پیچھے ہے اور اِن موجودات کو فرمانبرداری کے لیے اُس کے امر کا انتظار رہتا ہے۔

اب وہ حاکم چونکہ ایک ایسا پُر جلال سلطان ہے جس پر اس کے پُر حکمت تصرفات اور پُر حشمت آثار گواہی دے رہے ہیں، اور وہ انتہائی مہربان پروردگار ہے؛ کیونکہ وہ احسانات کا مظاہرہ کر رہا ہے، اور وہ ایک ماہر صنعت گر ہے جسے اپنی اس صنعت اور کاریگری کے ساتھ محبت ہے کہ وہ اپنی خوبصورت مصنوعات کا اظہار کر رہا ہے، اور وہ ایک دانا اور حکیم خالق ہے جو ذی شعور لوگوں کی نظرِ استحسان کو اپنے آثار پر مرکوز کرنا چاہتا ہے، کیونکہ وہ اپنی ایسی آرائشوں کا اور ایسی کاریگریوں کا اظہار کرتا ہے جو بہر کیف توجہ کی مُوجب ہیں، اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ اپنی ربوبیت کی حکمت کے ذریعے اصحابِ شعور کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ یہ محیّرُ العقول آرائشیں ہیں جن کا اظہار اس نے مخلوقاتِ عالم میں کیا ہوا ہے، اور یہ کہ مخلوقات

Marfat.com

کہاں سے چلی آرہی ہیں اور کہاں چلی جارہی ہیں؟ تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ حاکمِ حکیم اور صانعِ علیم اپنی ربوبیت کا اظہار چاہتا ہے، اور جب وہ اس مقدار میں ظاہر کردہ لطف و رحمت کے آثار اور کاریگری کے عجائبات کے ذریعے وہ اپنی پہچان کرانا چاہتا ہے اور خود کو اصحابِ شعور کا محبوب بنانا چاہتا ہے، تو پھر لاریب وہ کسی مبلّغ کی وساطت سے اِس بات کا علم ضرور دے گا کہ اہلِ شعور سے اس کے مطالبات کیا ہیں اور وہ اُن سے راضی کس طرح رہے گا۔ اس بنا پر وہ اہلِ شعور میں سے کسی ایک کا تعین کرے گا اور اس کے ذریعے اپنی اس ربوبیت کا اعلان کرے گا، اور کسی ایک راہنما کو اپنی حضوری کے قرب سے نوازے گا، اور اس کی وساطت سے اپنی پسندیدہ مصنوعات کی تشہیر کرے گا، اور اُن میں سے کسی ایک کو معلّم متعیّن کرے گا اور اس کے ذریعے تمام اہلِ شعور کو اپنے ان بلند مقاصد کا علم دے کر اپنے کمالات کا اِظہار کرے گا، اور ہر حال میں کوئی مرشد و راہنما معین کرے گا تا کہ وہ طلسم بے معنی نہ رہ جائے جو اس نے اس کائنات میں سمو دیا ہے اور ربوبیت کا وہ معمّہ حل ناپذیر نہ جائے جو اُس نے اِن موجودات میں چھپا دیا ہے۔ اور یہ کہ وہ ایک ایسا پیش رَو متعین کرے جو ان موجودات میں پائے جانے والے مقاصد کا درس دے تا کہ اُس نے نظر نوازی اور چشم کشائی کے لیے اپنی کاریگری کے جو خوبصورت شہ پارے پھیلائے اور نمایاں کیے ہیں وہ عبث اور بے فائدہ نہ رہیں، اور اُن میں سے کسی کو عروج دے گا اور تمام ذی شعور لوگوں سے بلند مقام پر لے جائے گا اور اُسے اپنی رضامندیوں کے بارے میں علم دے گا، اور پھر اُسے اُن کی طرف بھیج دے گا تا کہ وہ اُس کی رضامندیوں کو اہلِ شعور تک پہنچا دے۔

پس جب حکمت اور حقیقت دونوں کا تقاضا یہ ہے، تو پھر ان وظائف کے لیے جو ہستی سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہے وہ حضرت محمد ﷺ ہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ان وظائف کا مکمل صورت میں بالفعل حق ادا کیا ہے اور آپ ﷺ نے جو عالمِ اسلام کی تشکیل کی ہے اور اسلام کا جو نور پھیلایا ہے وہ اس بات کا صادق اور عادل گواہ ہے۔ اس بنا پر یہ ضروری ہے کہ آپ تمام کائنات سے بلندی پر جائیں اور پھر تمام کائنات سے براہ راست گزریں تا کہ ایسے مقام میں داخل ہو جائیں جہاں تمام مخلوقات کے خالق کے ساتھ عمومی، بلند اور کلی ہم نشینی کا شرف حاصل کریں۔

پس معراج ہمیں اس حقیقت سے بھی بہرہ ور کرتا ہے۔

الحاصل: اُس حاکمِ مطلق نے جب اس عظیم الشان کائنات کی تشکیل بہت سے عظیم الشان مقاصد اور بہت سی بلند آہنگ غایات کے لیے کی ہے، اُسے ترتیب دیا ہے اور اس موجودہ صورت میں اُس کی تزیین کی ہے۔ اور ان موجودات کے مابین نوعِ انساں بھی موجود ہے جو کہ اس عمومی ربوبیت کا نظارہ ان کی تمام پیچیدگیوں سمیت اور اُلوہیت کی عظیم الشان سلطنت کا نظارہ اس کے تمام حقائق سمیت کر رہا ہے، تو پھر بلا شک وہ حاکمِ مطلق اُس انسان کے ساتھ کلام کر رہا ہے، اُسے اپنے مقاصد سمجھا رہا ہے۔ اور جب یہ حقیقت ہے کہ ہر انسان جزئیت اور سفلیت سے خالی ہو کر ایک کلی اور اعلیٰ مقام تک

Marfat.com

ترقی نہیں کر سکتا ہے اور یوں براہِ راست ذاتی طور پر اس حاکم کے کُلّی خطاب کا اہل نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے لاریب ان لوگوں کے درمیان سے کچھ مخصوص افراد کی یہ ذمہ داری لگا دی جاتی ہے تاکہ وہ بیک وقت دونوں جہتوں کے تعلقات اور مناسبات سے بہرہ ور ہوں، یعنی وہ ایک طرف سے انسان ہوتے ہیں اور لوگوں کے مُعلم بنتے ہیں۔ اور دوسری طرف سے روحانی بلندی کی انتہا پر ہوتے ہیں تاکہ خطاب الٰہی کا براہِ راست مظہر بن جائیں۔

اور اب یہ سمجھو کہ جب وہ انسان جس نے صانع کائنات کے مقاصد کی کامل ترین صورت میں آگہی دی ہے، اس کائنات کے طلسم کا پردہ چاک کیا ہے، معمۂ تخلیق کا دروازہ کھولا ہے اور ربوبیت کی سلطنت کے محاسن کی طرف سب لوگوں سے زیادہ رہنمائی کی ہے، وہ محمد ﷺ ہیں، تو پھر لاریب انہیں تمام انسانی افراد میں سے اس طرح کا معنوی سیر و سلوک حاصل ہوگا کہ جو ان کے لیے عالمِ جسمانی میں سیر و سیاحت کی صورت میں معراج ہوگا، چنانچہ وہ برزخِ اسماء، تجلی صفات و اَفعال اور طبقاتِ موجودات جنہیں ستر ہزار حجابات سے تعبیر کیا ہے، اِن سب سے آگے کے مراتب طے کر جائیں گے۔ پس یہی معراج ہے۔

اور دل میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ اے سننے والے، تم دل میں یہ کہہ رہے ہو کہ: میں کیسے مان جاؤں؟ وجہ یہ ہے کہ پروردگار جو کہ ہر چیز سے زیادہ قریب ہے، اُس کے ساتھ ہزاروں سال کی مسافت طے کر کے ستر ہزار پردوں سے آگے گزر کر ملاقات کرنے کا کیا مطلب ہے؟

ہم کہتے ہیں: بے شک حق تعالیٰ ہر شے کے ہر شے سے زیادہ قریب ہے، لیکن اس سے ہر چیز انتہائی دور ہے، چنانچہ اگر سورج صاحبِ شعور و کلام ہوتا تو وہ تمہارے ساتھ تمہارے ہاتھ میں پکڑے ہوئے آئینے کی مدد سے ہمکلام ہو سکتا تھا اور تم میں اپنے حسبِ منشا تصرف کر سکتا تھا، بلکہ وہ تو تُم سے تمہاری اِس آئینے کے ساتھ مشابہت رکھنے والی آنکھوں کی پُتلی سے بھی زیادہ قریب ہے، جبکہ تم اُس سے چار ہزار سال کے فاصلے کے برابر دور ہے پس کسی بھی جہت سے اس کے قریب نہیں ہو سکتے ہو۔ اور اگر آپ تھوڑا تھوڑا اُوپر چڑھتے ہوئے مقامِ قمر تک پہنچ جائیں اور اس نقطے تک پہنچ جائیں جو سورج کے بالکل سامنے ہے تو تم زیادہ سے زیادہ اُس آئینے کا کردار ادا کر سکو گے جو اس کی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔

اسی طرح وہ ذاتِ ذوالجلال اَزل و ابد کا سورج ہے، اور وہ ہر چیز کے ہر چیز سے زیادہ قریب ہے، جبکہ ہر چیز اس سے لانہایت دُور ہے، مگر جو شخص تمام موجودات کو قطع کر جائے اور اس طرح جُزئیت سے نکل کر درجہ بدرجہ کلّیت کے مراتب میں منسلک ہوتا جائے، اور یوں لگاتار ہزاروں پردوں سے آگے گزر کر اُس کے ایک ایسے اسم تک پہنچ جائے جو تمام موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور اس سے آگے بھی بہت سے مراتب قطع کرے، تو پھر ایک طرح کے قرب کا شرف حاصل کرے گا۔

Marfat.com

اور اِس مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ایک اکیلا سپاہی اپنے سپہ سالارِ اعظم کی معنوی شخصیت سے بہت دور ہوتا ہے، چنانچہ وہ اپنے قائد کو انتہائی دور کی مسافت سے اور بہت سے معنوی پردوں کے پیچھے سے دیکھتا ہے تو وہ اُسے لانس نائیک کے مرتبے کے ایک چھوٹے سے نمونے میں نظر آتا ہے۔ لیکن اس قائد کی معنوی شخصیت سے قربِ حقیقی کے لیے لیفٹینٹ، کیپٹن اور میجر وغیرہ کے عہدوں سے گزرنا ضروری ہے، حالانکہ وہ قائدِ اعلیٰ اس سپاہی کے پاس ہمہ وقت موجود ہے، اور اپنے امر، قانون، نظر، حکم اور علم کے ذریعے اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ پس اگر وہ ظاہری صورت کی طرح معنوی طور پر بھی قائد ہے تو پھر تو وہ اس سپاہی کے ساتھ موجود ہے اور اُسے دیکھ رہا ہے۔

اس حقیقت کا اثبات چونکہ سولھویں مقالے میں انتہائی قطعی طریقے سے کیا جا چکا ہے اس لیے اس پر اکتفا کرتے ہوئے یہاں ہم اختصار سے کام لے رہے ہیں۔

اور اسی طرح ذہن میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ: تم اپنے دل میں کہتے ہو گے کہ: میں آسمانوں کا انکار کرتا ہوں اور فرشتوں پر اعتقاد نہیں رکھتا ہوں، اس لیے میں یہ کیسے مان جاؤں کہ کوئی آسمانوں کی سیر کو گیا ہوگا اور وہاں اُس کا فرشتوں کے ساتھ اجتماع ہوا ہوگا؟

جی ہاں! تمہارے جیسے لوگ کہ جن کی عقل صرف آنکھ ہی میں منحصر ہو کر رہ گئی ہے، اور جن کی آنکھ پر پردہ پڑ چکا ہے، ایسے لوگوں کو کوئی بات سمجھانا یا کوئی چیز دکھانا بڑا مشکل کام ہے، لیکن حقیقت اتنی واضح اور تابناک ہے کہ اندھوں کو بھی نظر آرہی ہے، اسی لیے ہم کہتے ہیں: علوی فضا بالاتفاق ''ایتھر'' سے بھری ہوئی ہے؛ کیونکہ روشنی، بجلی اور حرارت جیسی دیگر لطیف سیال چیزیں کسی ایسے مادے کے وجود پر دلالت کرتی ہیں جو اِس فضا کو ہر طرف سے بھرے ہوئے ہے، پس جس طرح پھل اپنے درخت کی، پھول اپنے گلستاں کی، بالیاں اپنے کھیت اور مچھلیاں اپنے سمندر کی بدیہی دلیل ہیں، اِسی طرح یہ ستارے بھی بہر صورت اور لامحالہ طور پر اپنی نشو ونما کے سرچشمے، اپنے کھیت، اپنے سمندر اور اپنے گلستان کے وجود کو عقل کی آنکھ میں آویزاں کر رہے ہیں۔

عالمِ بالا میں چونکہ مختلف اشکال پائی جاتی ہیں اور وہاں مختلف اوضاع واطوار میں مختلف قسم کے احکام مشاہدے میں آتے ہیں، اِس لیے آسمان جو کہ ان احکام کے سرچشمے ہیں وہ بھی مختلف ہی ہیں۔ پس جس طرح انسان میں جسم کے علاوہ عقل وقلب وروح اور خیال وحافظہ جیسے دیگر کئی معنوی وجود پائے جاتے ہیں، اسی طرح اس عالم میں جسے انسانِ اکبر کہا جاتا ہے یہی نظام کارفرما ہے۔ مطلب یہ ہے کہ: اس کائنات میں جو کہ انسان نامی اس پھل کا درخت ہے اس جسمانی عالم کے علاوہ اور بھی بہت سے عالم پائے جاتے ہیں اور عالمِ ارض سے لے کر عالمِ جنت تک ہر عالم کا ایک علیحدہ آسمان ہے۔

اور ملائکہ کے ضمن میں ہم یہ کہتے ہیں کہ: بے شک زمین جو کہ سیاروں کے مابین ایک متوسط سیارہ اور ستاروں کے

Marfat.com

درمیان ایک چھوٹا سا اور کثیف ستارہ ہے، یہ زمین اگر دوسری موجودات کی بہ نسبت حیات وشعور جیسی روشن ترین اور قیمتی ترین چیز کے اَن گنت اور بے شمار نمونوں سے بھری پڑی ہے تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ستارے جو کہ زمین کی بہ نسبت مزیّن محلات اور بلند و بالا عمارات ہیں۔ جبکہ زمین ان کے مقابلے میں ایک چھوٹے سے تاریک مکان کی طرح ہے۔ اور آسمان جو کہ ایک وسیع وعریض سمندر کی طرح ہیں جن میں یہ ضخیم ستارے تیرتے پھر رہے ہیں، یہ سب کے سب مختلف اجناس کی لاتعداد ذی شعور اور ذی حیات روحانی مخلوقات اور ملائکہ کے مساکن ہیں۔ اور آسمانوں کا وجود اور اُن کے متعدد ہونے کا اثبات ہم اپنی ''اشارات الاعجاز فی مظانِ الایجاز'' نامی تفسیر میں آیتِ کریمہ ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَاءِ فَسَوّٰاھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ کی تفسیر کے ضمن میں قطعی صورت میں کر چکے ہیں، اور ملائکہ کا وجود ہم ملائکہ کے بارے میں لکھے گئے انتیسویں مقالے میں دوضرب دو برابر چار کی طرح حتمی شکل میں کر چکے ہیں، اس لیے اس مقام پر وہاں لکھے ہوئے پر اکتفا کرتے ہوئے اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔

الحاصل: بے شک مختلف اوضاع واشکال کے یہ سات طبقات، اور Milky way نامی کہکشاں سے لے کر ہم سے قریب ترین سیارے تک جو کہ ایتھر سے بنائے گئے ہیں اور بجلی، روشنی، حرارت اور جاذبیت جیسی لطیف اشیاء کا مدار اور جولانگاہ بن گئے ہیں اور ستاروں اور سیاروں کی حرکات کے مناسب ہو گئے ہیں جیسے کہ حدیث شریف (اَلسَّمَاءُ مَوْجٌ مَکْفُوْفٌ) (حاشیہ:۱) میں اشارہ پایا جاتا ہے، یہ سب عقل اور حکمت کی رُو سے ایسے آسمانوں کے وجود کے مقتضی ہیں جن میں سے عالمِ ارض سے لے کر عالمِ برزخ اور عالمِ مثال حتی کہ عالمِ آخرت تک ہر آسمان دوسرے آسمان کے لیے چھت کا حکم رکھتا ہو۔

اور اسی طرح ذہن میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ: اے ملحد! تو یہ کہتا ہے کہ: ہم ہوائی جہاز کے ذریعے ہزار مشکلات سے صرف ایک دو کلومیٹر تک اُوپر فضا میں جا سکتے ہیں، ایسے میں ایک انسان کے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے جسم کے ساتھ ہزاروں سال کی مسافت طے کر لے اور چند منٹوں میں چلا بھی جائے واپس بھی لوٹ آئے؟۔

ہم کہتے ہیں:

زمین جیسا ثقیل جسم تمہاری سائنس کے مطابق ایک منٹ میں اپنی سالانہ حرکت کے ساتھ تقریباً ایک سو اٹھاسی گھنٹے کی مسافت طے کرتا ہے، چنانچہ اس طرح زمین ایک سال میں تقریباً پچیس ہزار سال کی مسافت طے کرتی ہے۔! تو کیا خیال ہے کہ وہ قدیرِ ذُوالجلال جس نے زمین کو اس طرح کی منظم حرکات میں متحرک رکھا ہوا ہے اور جو اسے گوپھیے کے پتھر

(حاشیہ:۱) یہ لفظ مسند احمد 2/270، جامع ترمذی، ابن ابی حاتم اور بزار وغیرہ میں مروی ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ اس میں ابو جعفر رازی نامی ایک راوی کو کچھ محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں ابن کثیر سورہ الحدید آیت 3-1 اور تحفۃ الاحوذی۔

Marfat.com

کی طرح گھما رہا ہے، وہ کسی انسان کو اپنے عرش تک نہیں لے جاسکتا ہے؟ کیا وہ حکمت جو زمین جیسے انتہائی ثقیل جسم کو مریدِ رومی کی طرح جاذبیتِ شمس جیسے ربانی قانون کے ذریعے سورج کے اردگرد گھمائے جارہی ہے، وہ حکمت کسی انسان کے جسم کو رحمان کی رحمت کی جاذبیت اور شمسِ اَزل کی محبت کے انجذاب سے بجلی کی سی رفتار کے ساتھ اُوپر عرش تک نہیں لے جا سکتی ہے؟

ذہن میں یہ بھی آتا ہے: تو کہے گا کہ: مان لیتے ہیں کہ معراج ہوسکتا ہے یعنی اُوپر آسمانوں کی طرف چڑھنا ممکن ہے، لیکن کیوں چڑھے اور چڑھنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا یہ کافی نہیں تھا کہ وہ اُولیاء کی طرح رُوح وقلب کے ساتھ چلے جاتے؟

ہم کہتے ہیں: صانع ذُوالجلال نے جب اپنے ملک وملکوت میں اپنی آیات کے عجائبات کے اِظہار کا اور اس کائنات کے کارخانوں اور سرچشموں کے سراغ دینے کا اور بشری اعمال کے اُخروی نتائج کو دکھانے کا ارادہ کیا ہے تو پھر یہ بات لازم ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ اپنی آنکھوں اور کانوں کو ساتھ لے کر جائیں جو کہ عالمِ مبصرات (آنکھوں سے نظر آنے والی کائنات) اور عالمِ مسموعات (کانوں سے سُنائی دینے والی کائنات) کے لیے چابی کا حکم رکھتے ہیں۔ اسی طرح عقل و حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے ساتھ عرش تک اپنے اُس جسم مبارک کو بھی لے جائیں جو اُن آلات روح کی مشین اور اس کے اُن کل پرزوں اور نظاموں کا حکم رکھتا ہے جن پر روح کے لاتعداد وظائف کا دارومدار ہے۔ تو جس طرح حکمتِ الٰہیہ نے جنت میں جسم کو روح کا رفیق بنایا ہے، اِس لیے کہ جسم عبودیت کے بہت سے وظائف کا اور بے شمار لذائذ وآلام کا دارو مدار ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہوا کہ وہ جسدِ مبارک بھی روح کا رفیقِ سفر ہو، اور جسم چونکہ جنت میں روح کے ہمراہ رہے گا۔ تو پھر یہ بات عین حکمت ہے کہ آپ ﷺ کے جسدِ مبارک کو اُس ذات محمدی ﷺ کا رفیقِ سفر بنادیا جائے جسے سدرۃ المنتہٰی تک لے جایا گیا، سدرۃ المنتہٰی جو کہ جنۃ الماوٰی کا جسد ہے۔

اور ذہن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ: تم کہو گے کہ: ہزاروں سال کی مسافت چند منٹ میں طے کر لینا عقلاً محال ہے۔

ہم کہیں گے: صانعِ ذُوالجلال کی صنعت گری میں جو حرکات پائی جاتی ہیں، انتہائی درجے میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ آواز، روشنی، بجلی، رُوح اور خیال کی سُرعت کے مابین تفاوت پایا جاتا ہے، اور سائنس کی رُو سے سیاروں کی حرکات میں بھی اتنا اختلاف پایا جاتا ہے کہ جس سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ تو اب حیرانی کی بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کے لطیف جسم نے بلندی کی طرف جاتے ہوئے آپ کی سریع السیر روح عالی کی پیروی کرلی، اور اُس جسم کو روح والی سرعت رفتاری مل گئی تو اس میں خلافِ عقل بات کون سی ہے؟۔

اور یہ بھی ہے کہ اگر تم دس منٹ کے لیے سو جاؤ تو اتنے حالات سے دوچار ہو سکتے ہو جتنے کہ بیداری میں شاید ایک

Marfat.com

سال میں بھی پیش نہ آئیں، یہاں تک کہ ایک خواب جو انسان صرف ایک منٹ میں دیکھتا ہے، اس خواب میں جو باتیں اُس نے کہی سُنی ہیں اگر سب کی سب اکٹھی ہو جائیں تو اُن کے لیے بیداری میں ایک دن بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت درکار ہوگی۔ پس پتا یہ چلا کہ ایک ہی زمانہ دو آدمیوں میں سے ایک کے لیے ایک دن اور دوسرے کے لیے ایک سال کے حکم میں آجاتا ہے۔

اس معنی کو ایک تمثیل کی نظر سے دیکھو: ہم فرض کر لیتے ہیں کہ ایک گھڑی ہے جس سے انسان، گولے، آواز، روشنی بجلی، رُوح اور خیال کی حرکات کی سرعت کو ماپا جا سکتا ہے، اس گھڑی کی دس سوئیاں ہوں گی: ایک سوئی گھنٹے بتائے گی، دوسری سوئی اس سے ساٹھ گنا بڑے دائرے میں منٹ یعنی گھنٹے کا ساٹھواں حصہ بتائے گی، تیسری اس سے ساٹھ گنا بڑے دائرے میں سیکنڈ یعنی منٹ کا ساٹھواں حصہ بتائے گی، چوتھی اس سے ساٹھ گنا بڑے دائرے میں سیکنڈ کا ساٹھواں حصہ بتائے گی، اِسی طرح دس سوئیوں کا حساب لگا لیں اور اس دائرے کو انتہائی منظم طریقے سے بڑھاتے چلے جائیں۔ یہ دس سوئیاں اس طرح چلیں گی کہ ان میں سے یہ ایک اپنے سے پہلے والی سوئی کے مقابلے میں ساٹھ گنا بڑے دائرے میں حرکت کرے گی۔ اب اگر بالفرض گھنٹے شمار کرنے والی سوئی کا دائرہ ہماری اس چھوٹی سی گھڑی کے برابر ہو تو یہ لازم آتا ہے کہ اُس سوئی کا دائرہ جو سیکنڈ کے دسویں حصے کو شمار کر رہی ہے، بہر صورت زمین کے سالانہ مدار کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑا ہو۔

اب ہم فرض کرتے ہیں کہ دو آدمی ہیں: ان میں ایک گھنٹوں والی سوئی پر سوار ہے اور اس سوئی کی حرکات کے حساب سے گردوپیش کا جائزہ لے رہا ہے اور دوسرا اُس سوئی پر سوار ہے جو سیکنڈ کے دسویں حصے کو شمار کر رہی ہے۔ اب وہ اشیاء جن کا یہ دونوں شخص ایک ہی وقت میں مشاہدہ کر رہے ہیں ان کا حساب لگایا جائے تو دونوں کے مشاہدات میں اتنا ہی فرق ہوگا جتنا کہ زمین کے سنوی مدار اور ہماری اس چھوٹی سی گھڑی کے مابین ہے۔ اور اب زمانہ چونکہ حرکات کے رنگوں کا یا حرکات کے فیتے کا نام ہے، اس لیے جو حکم حرکات میں جاری ہوگا وہ زمانے میں بھی جاری ہوگا۔

پس ہم ایک گھنٹے میں اُتنی اَشیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں جتنی چیزوں کا مشاہدہ وہ ذی شعور آدمی کرتا ہے جو کہ گھنٹے شمار کرنے والی سوئی پر سوار ہے اور اس کی عمر کی حقیقت بھی اتنی ہی ہے، جبکہ رسول اکرم ﷺ توفیقِ الٰہی کی براق پر سوار ہوتے ہیں اور ممکنات کے تمام دائرے برق کی طرح طے کر لیتے ہیں اور ملک وملکوت کے عجائبات کا مشاہدہ کرتے ہیں، دائرۃ الوجوب کے نُقطے تک جا پہنچتے ہیں، ہمنشینی کا شرف حاصل کرتے ہیں، جمالِ الٰہی کی دید سے نہال ہوتے ہیں اور عہدِ الٰہی حاصل کرتے ہیں اور اپنی ذمہ داری نبھانے کے لیے واپس آتے ہیں اور بالفعل عین اُسی وقت اور بالخصوص اُسی معین گھڑی میں واپس آبھی گئے۔ اُس شخص کی طرح جو کہ سیکنڈ کے دسویں حصے کو شمار کرنے والی سوئی پر سوار ہو۔ اور بالکل ایسے

Marfat.com

ہی ہوا۔

اور ذہن میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ: تم یہ کہو گے کہ: ہاں ٹھیک ہے، ایسا ہونا ممکن ہے لیکن ہر ممکن بات واقعتاً ہو ہی تو نہیں جاتی ہے نا، آپ یہ بتائیں کہ اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے تاکہ اسے قبول کیا جاسکے؟۔ ایک ایسا واقعہ جس کی کوئی مثال ہی نہ ہو صرف اس کے ممکن ہونے کی بنا پر اس کے وقوع پذیر ہونے کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے؟

ہم کہتے ہیں: اس کی مثالیں بہت زیادہ اور بے شمار ہیں، اور وہ اس طرح کہ ہر صاحبِ نظر آدمی مثلاً ایک سیکنڈ میں اپنی نظر کے ذریعے زمین سے ''نیپٹون'' تک جا پہنچتا ہے، اور ہر صاحبِ علم آدمی اپنی عقل کے ذریعے ''کاسموگرافی'' کے قوانین پر سوار ہو کر ایک منٹ میں ستاروں سے آگے چلا جاتا ہے۔ اور ہر صاحب ایمان آدمی اپنے فکر و دھیان کو نماز کے افعال و ارکان پر سوار کر کے کائنات کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور یوں ایک طرح کے معراج سے سرفراز ہو جاتا ہے اور حضورِ الٰہی میں پہنچ جاتا ہے۔ اور ہر صاحبِ دل اور ولئ کامل سیر و سلوک کے ذریعے چالیس دنوں میں عرش اور اسماء وصفات کے دائرے سے آگے گزر سکتا ہے، حتیٰ کہ شیخ جیلانی رحمہ اللہ اور امامِ ربانی رحمہ اللہ جیسے لوگوں کو عرش تک روحانی عروج ایک منٹ میں حاصل ہو جاتا ہے، بہت سے سچے واقعات اس ضمن میں ہمیں ملتے ہیں۔ اور ملائکہ جو کہ نورانی اجسام کے مالک ہیں اُن کا مختصری مدت میں عرش سے فرش تک اور فرش سے عرش تک آنا جانا رہتا ہے۔ اور اہلِ جنت محشر سے ریاضِ جنت تک بہت کم وقت میں جا پہنچیں گے۔

پس یہ جتنی مثالیں بیان کی گئی ہیں ان سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ معراج کا وجود حضرت محمد ﷺ کے سیر و سلوک کا مدار بنے گا، اور یہ ایسی صورت میں ہوگا جو کہ تمام اولیاء کے سلطان، تمام اہل ایمان کے امام، تمام اہل جنت کے سردار اور تمام ملائکہ کی مقبول ترین شخصیت کے مقام و مرتبے کے شایان شان ہو۔ اور یہ چیز عین حکمت، غایت درجہ معقول اور بلاشک وشبہ وقوع پذیر ہو چکی ہے۔

## تیسری بنیاد

### معراج کی حکمت کیا ہے؟

بے شک معراج میں پائی جانے والی حکمت اتنی بلند اور گہری ہے کہ انسانی فکر نہ وہاں تک پہنچ سکتا ہے اور نہ اُس کا ادراک کر سکتا ہے، اور اتنی باریک اور نازک ہے کہ تنہا عقل اُسے دیکھ نہیں سکتی۔ لیکن باوجود اس کے کہ اس کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی، اتنا ضرور ہے کہ کچھ اشارات ایسے ہیں کہ جن کے ذریعے اس کے وجود کا علم ہو سکتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ خالقِ کائنات مخلوقات کے تمام طبقات میں اپنی وحدت کے نُور کے اظہار اور احدیت کی تجلّی کے لیے ایک ممتاز فرد کا انتخاب کرتا ہے، اُسے تمام مخلوقات کا ترجمان بنا کر اُس سے مخاطب ہوتا ہے، اُسے اپنے مقاصدِ الٰہیہ کی تعلیم دیتا ہے اور اس

Marfat.com

کے ذریعے سے تمام ذی شعور مخلوقات کو ان مقاصد سے آشنا کرتا ہے۔

اور اس کی نظر کے ذریعے اپنی مخلوقات کے آئینے میں اپنی صنعت و کاریگری کے جمال اور اپنی ربوبیت کے کمال کا مشاہدہ کرتا اور کراتا ہے اور اسے اس پر گواہ بناتا ہے۔ اور یہ چیز معراج کے واسطے سے سرانجام پاتی ہے، جو کہ موجودات کی اس کثرت کے طبقات کی انتہا سے وحدت کی ابتدا تک رابطے کے ایک دھاگے کا کام دیتا ہے۔

اور پھر یہ بھی ہے کہ صانعِ عالم اپنے آثار کی گواہی کے مطابق لاانتہا جمال و کمال کا مالک ہے، اور جمال اور کمال دونوں ہی ذاتی طور پر محبوب ہیں، اس لیے پتا چلا کہ اس صاحبِ جمال و کمال کو اپنے جمال و کمال کے ساتھ لاانتہا محبت ہے، اور یہ کہ اس کی یہ لاانتہا محبت کا مظاہرہ اس کی مصنوعات میں بہت سے پہلوؤں سے ہو رہا ہے؛ پس وہ اپنی مصنوعات کے ساتھ اس لیے محبت کرتا ہے کہ ان مصنوعات میں وہ اپنا جمال و کمال دیکھ رہا ہے۔ اور مصنوعات کے درمیان میں سب سے اعلیٰ اور محبوب ترین مخلوق وہ ہے جو جاندار ہے، اور ذی حیات میں سے سب سے اعلیٰ اور محبوب ترین وہ ہے جو ذی شعور ہے اور ذوی شعور میں سے جامعیت کے اعتبار سے محبوب ترین مخلوق انسان ہے اور انسانوں میں سے محبوب ترین انسان وہ ہے جس کی تمام صلاحیتیں اور قابلیتیں کھل کر سامنے آگئیں اور وہ کمالات کے ان تمام نمونوں پر نظر رکھتا ہے جو تمام مصنوعات میں منتشر اور جلوہ گر ہیں۔

پس صانع الموجودات اپنے کلام کے ذریعے لطف و کرم کا اظہار کرتا ہے اور اپنے عہد کے ذریعے ایک ایسے معزز فرد کا انتخاب کرتا ہے جو کہ شجرۂ تخلیق میں ایک روشن پھل کا درجہ رکھتا ہے اور اس کا دل ایسی گٹھلی کا حکم رکھتا ہے جو کہ اُس درخت کے تمام بنیادی حقائق پر مکمل طور پر مشتمل ہے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ وہ اس فرد کی محبوبیت کائنات کے رُوبرو اظہار کر دے، اُسے اپنے حضور باریابی کے لیے اُوپر بلائے، اُسے اپنے جمال کے دیدار سے مشرّف کرے، اور جن قدسی حالات کا اس کے ہاں راج ہے انہیں دوسروں تک پہنچا دے۔ اور یہ چیز معراج کے ذریعے ہوتی ہے جو کہ اس گٹھلی یعنی مبدءِ اول سے لے کر پھل یعنی انتہا تک رابطے کے دھاگے کا حکم رکھتا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے ایک نقطے میں اور ایک آئینے میں محبت کی اُن تمام قسم کی تجلیات کا مشاہدہ کر لے جو کہ تمام موجودات میں بکھری ہوئی ہیں، اور احدیت کے راز کے ذریعے اُس کے جمال کی تمام انواع و اقسام کا اظہار کر دے۔

اس حکمتِ عالیہ کا جائزہ ہم دو تمثیلوں کی دوربین سے لیتے ہیں۔

## پہلی تمثیل

اگر ایک شان و شوکت والے بادشاہ کے پاس انواع و اقسام کے بہت سے جواہرات کے کثیر تعداد میں خزانے ہوں اور اس کے پاس عجیب و غریب کاریگری کی مہارت بھی ہو، بے شمار عجیب و غریب فنون پر ہمہ گیر قسم کی دسترس ہو، اور وہ بے

Marfat.com

انتہا اچھوتے اور حیرت انگیز علوم پر اطلاع رکھتا ہو۔ تو پھر بلاشک وشبہ وہ ماہرفن بادشاہ ایک نمائش گاہ کھولنا چاہے گا جس میں اپنے ان فن پاروں کو ترتیب وار سجائے گا۔ اس میں راز یہ ہے کہ ہر صاحب جمال وکمال اپنے جمال وکمال کو دیکھنا اور دکھانا ہے تا کہ اس سے لوگوں کو اپنی سلطنت کی شان وشوکت اور دولت وثروت کی چمک دمک، اپنی صنعت کے خارقِ عادت نمونے اور اپنے علم ومعرفت کے عجائبات سے لوگوں کی نظروں کو خیرہ کرے، اور تا کہ اس سے اپنے جمال وکمال کا خود مشاہدہ کرے۔ اور یہ دو طرح سے ہوگا:

الف: وہ اپنی ان مصنوعات کا بذاتِ خود تیز بین اور دقیق نظر سے مشاہدہ کرے۔

ب: دوسرے یہ کہ وہ ان کا مشاہدہ دوسروں کی نظروں سے کرے۔

اس حکمت کی رُو سے وہ لامحالہ ایک وسیع وعریض اور شان وشوکت والا محل کی تعمیر کرے گا اور اُسے شاہانہ انداز میں مختلف دائروں اور منزلوں میں تقسیم کرے گا، اُن سب میں اپنے خزانے کے مرصع جواہرات کی مینا کاری کرے گا، اُنہیں اپنے ہاتھ کی خوبصورت ترین اور لطیف ترین شہ پاروں سے مزین کرے گا، اپنی دقیق فنکاری اور حکمت کے فن پاروں سے منظم کرے گا، اپنے علوم کے معجزانہ آثار سے اُن کی تکمیل اور نقش نگاری کرے گا، اور پھر اس کے ہر طبقے کے مناسب حال دسترخوان بچھائے گا اور ضیافتِ عامہ کا اہتمام کرے گا جو اس کی انواع واقسام کی نعمتوں اور لذیذ کھانوں پر مشتمل ہوگی۔ پھر وہ اپنی رعایا کو اس ضیافت سے لطف اندوز ہونے اور اُن کے سامنے اپنے ذاتی کمالات کا اظہار کرنے کے لیے بُلائے گا۔ پھر ان میں سے کسی ایک کو معزز مبلغ کا عہدہ دے گا اور اسے نچلے طبقات ومنازل سے اُوپر بلائے گا اور اُسے ایک دائرے سے دوسرے دائرے اور بالائی منزلوں کے اُوپر نیچے والے تمام طبقات کی سیر کرائے گا، اور یوں اُسے اس عجیب وغریب صنعت گری کے تمام آلات اور کارخانے دکھائے گا اور نیچے سے وارد ہونے والی محصولات کے خزانوں کا مشاہدہ کرائے گا، حتیٰ کہ اُسے اپنے خصوصی دائرے تک لے جائے گا اور اُسے اپنی حضوری سے اور اپنی ذاتِ مبارکہ کے دیدار سے مشرف کرے گا جو کہ تمام کمالات کا سرچشمہ ہے، اور اسے اس محل کے حقائق کی اور اپنی ذات کے کمالات کی جانکاری دے گا، اور پھر اسے آنے والے تمام مہمانوں کی راہنمائی سونپ دے گا اور پھر اُسے اُن کی طرف بھیج دے گا تا کہ محل کے تمام باشندوں کو محل کے بانی اور اس کے نقوش ونگار وعجائبات کا تعارف کرائے اور محل کے نقوش ونگار میں جو اسرار ورموز پنہاں ہیں انہیں اُن کے متعلق آگاہی دے اور انہیں محل میں پائے جانے والے کاریگری کے نمونوں کے اشارات کی تعلیم دے۔ اور محل میں داخل ہونے والوں کو بتائے کہ محل کے اندرون میں یہ منظم مینا کاری اور موزوں نقش نگاری کیا ہے، اور کس طرح یہ چیزیں محل کے بانی کے کمالات ومہارات پر دلالت کرتی ہیں۔ اور انہیں محل میں داخل ہونے اور عرض حالی کے آداب اور رسم ورواج سکھائے، اور انہیں بتائے کہ اس نظر نہ آنے والے سلطانِ ذُوالفنون والشئون کے دربار میں

Marfat.com

جب شرفِ باریابی ہو جائے تو اُس کی رضا مندیوں اور خواہشوں کے دائرے میں رہ کر تسلیمات وتشریفات کے رسوم و رواج کیا ہیں۔ جیسے کہ گیارہویں مقالے میں ایک تمثیلی حکایت کی صورت میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۔ یہ سمجھو کہ صانعِ ذوالجلال سلطانُ الازل والابد نے اپنے لاانتہا کمالات اور لاانتہا جمال کے دیکھنے اور دکھانے کا ارادہ کیا تو اس کے لیے کائنات کا یہ محل اس طرح سے تعمیر کیا کہ ہر وجود والی چیز بہت سی زبانوں کے ساتھ اس کے کمالات کا ذکر کر رہی ہے اور بہت سے اشاروں کے ساتھ اس کے جمال کا اظہار کر رہی ہے، اور یہ کائنات اپنے تمام موجودات کے ساتھ اُس کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہر اسم میں پنہاں معنوی خزانوں کا اظہار کر رہی ہے، اور اس کے مقدس عناوین میں سے ہر عنوان میں پوشیدہ لطائف کو ہویدا کر رہی ہے۔ اور اس چیز کا اِظہار وہ اس طریقے سے کر رہی ہے کہ جس سے تمام فنون اپنے تمام دساتیر کے ساتھ زمانہ آدم سے لے کر کائنات کی اس کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں، جبکہ اس کتاب کے جتنے معانی ہیں اور اسماء وصفاتِ الٰہیہ کے اردگرد گھومنے والی اُس کی بیان کردہ جتنی بھی آیات ہیں، یہ فنون ابھی تک ان کا دسواں حصہ بھی نہیں پڑھ سکے ہیں۔

اس سے پتا چلا کہ وہ جلیلِ ذُوالجمال، جمیلِ ذُوالجلال اور صانعِ ذُوالکمال جس نے قصرِ عالم جیسا یہ محل تعمیر کر کے اس کے در و دیوار زائرین کے لیے وا کر دیے ہیں اور اُسے اپنے جمال اور معنوی کمالات کے اظہار کے لیے ایک نمائش گاہ کا رُوپ دیا ہے، اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی ایک فرد کو اس محل کی آیات وعلامات کے معانی کا علم دے تاکہ عالمِ ارض کے ذی شعور باسیوں کے لیے یہ محل عبث اور بے فائدہ نہ رہے، اور یہ کہ وہ کسی ایک فرد کو عالم ہائے بالا کی سیر کرائے جو کہ اس محل میں موجود عجائبات کے سرچشمے اور اُس کے محاصل ونتائج کے خزانے ہیں، اور یہ کہ اسے ایسے عالم میں لے جائے جو ان تمام چیزوں سے اُوپر ہے، اور اسے اپنی حضوری کے قرب سے نوازے اور اُسے عوالمِ آخرت کی سیاحت کرائے اور اُس کے ذمے بہت سی ذمہ داریاں لگا دے: جیسے یہ کہ وہ اُس کے عام بندوں کا معلم بن جائے جو اُس کی ربوبیت کی سلطنت کی راہنمائی دے اور اس کی الٰہی خوشنودیوں کو بندگانِ خدا تک پہنچانے والا مبلغ بن جائے، اور قصرِ عالم میں پائی جانے والی اس کی تکوینی آیات کا مفسر بن جائے، معجزات کے تمغوں کے ذریعے اُس کی امتیازی خصوصیات کا اظہار کرے اور قرآن کریم جیسے سرکاری بیان کے ذریعے لوگوں کو یہ بتائے کہ یہ شخص ذاتِ ذوالجلال کا خاص اور سچا ترجمان ہے۔

اس تمثیل کی دوربین کے ذریعے ہم نے معراج کی بہت سی حکمتوں میں سے بطورِ مثال ایک دو حکمتیں بیان کر دی ہیں۔ مزید دوسری حکمتوں کو آپ ان پر قیاس کر سکتے ہیں۔

## دوسری تمثیل

Marfat.com

اگر کوئی علوم وفنون کا ماہر معزز انسان ایک ایسی معجزانہ کتاب لکھے کہ جس کے ہر صفحے میں اتنے حقائق پائے جائیں جو کہ ایک سو کتاب کے برابر ہوں، اور جس کی ہر سطر میں اتنے لطیف معانی ہوں جو کہ ایک سو صفحے میں سما سکتے ہوں، اور جس کے ہر کلمے میں اتنے حقائق ہوں جو کہ ایک سو سطر میں آسکتے ہوں، اور جس کے ہر حرف میں اتنے معانی ہوں جو کہ ایک سو کلمات کے برابر ہوں، اور کتاب کے تمام معانی اور تمام حقائق اُس معجز نگار کاتب کے معنوی کمالات کی طرف اشارے کرتے ہوں۔ تو پھر یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ وہ اس غیر فانی خزانے کو سر بند ہی چھوڑ کر بے فائدہ نہیں بنائے گا، اور یہ کہ وہ اس کتاب کے کچھ حصے بعض لوگوں کو لازماً پڑھائے گا تا کہ وہ قیمتی کتاب مہمل اور بے معنی رہ کر ھباءً منثورًا نہ چلی جائے، اور تا کہ اس کے مخفی کمالات ظاہر ہو کر اپنے کمال کو پالیں اور اس کے معنوی جمال کا مشاہدہ ہو سکے اور یوں وہ خوش ہو جائے اور اپنے آپ کا محبوب بن جائے۔ مطلب یہ کہ وہ کسی شخص کو یہ عجیب وغریب کتاب اُس کے تمام معانی و حقائق سمیت پڑھائے گا حتیٰ کہ پہلے صفحے سے لے کر آخری صفحے تک اُسے پڑھا کر آخر میں اُسے سندِ اجازت عطا کر دے گا۔

بعینہٖ اسی طرح اُس نقاشِ ازلی نے کائنات کی یہ کتاب اپنے کمالات، اپنے جمال اور اپنے اسمائے گرامی کے حقائق کو آشکار کرنے کے لیے اس انداز سے لکھی ہے کہ یہ تمام موجودات اس کے لا انتہا اسماء وصفات وکمالات کو لا محدود جہات میں آشکار کر رہی ہیں۔

وجہ یہ ہے کہ ایسی کتاب جس کا مطلب ہی سمجھ میں نہ آئے، گر کر بے قیمت ہو جائے گی لیکن ایسی خاص کتاب کہ جس کے ہر حرف کے ہزاروں معانی ہوں، وہ نہ تو بے قیمت ہو کر گرتی ہے اور نہ اُسے گرایا جا سکتا ہے!

اس لیے ایسی کتاب کا کاتب بہر صورت اُس کے بارے میں جانکاری دے گا، اور ہر گروہ کو اس کی استعداد کے مطابق اس کا کوئی نہ کوئی حصہ ذہن نشین کرائے گا، لیکن جو فرد وسیع النظر ہو گا، جس کا شعور ہمہ گیر ہو گا اور جو امتیازی استعداد کا مالک ہو گا اسے وہ کتاب اول سے لے کر آخر تک بتمامہٖ پڑھائے گا۔

اور اس طرح کی کتاب کی مکمل تدریس اور اس کے کلی حقائق کے ادراک کے لیے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک انتہائی اُونچے سفر اور سیر وسیاحت کا اہتمام کیا جائے، یعنی: موجودات کے طبقات کی کثرت سے لے کر _ جو کہ اس کتاب کا پہلا صفحہ ہے _ احدیت کے دائرے تک _ جو کہ اُس کتاب کا آخری صفحہ ہے _ سیر وسیاحت کرنا لازم ہے۔

اب اس تمثیل کی روشنی میں آپ معراج میں پائی جانے والی بلند وبالا حکمتوں پر کسی حد تک نظر ڈال سکتے ہیں۔

اب ہم اس ملحد کی طرف توجہ کرتے ہیں جو کہ ہماری بات کو سننے پر آمادہ ہے، اُس کے دِل کی طرف کان لگاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس کی حالت کیا ہے، اب ذہن میں خیال آتا ہے کہ وہ اپنے دل میں کہہ رہا ہے کہ: میں نے اعتقاد رکھنا

Marfat.com

شروع کر دیا ہے، لیکن دِقّت یہ ہے کہ میں اچھی طرح سمجھ نہیں پا رہا ہوں، چنانچہ اب میرے سامنے تین اور بڑی اہم مشکلات ہیں، اور وہ یہ ہیں کہ:

**پہلی مشکل:** یہ عظیم الشان معراج صرف محمد عربی علیہ الصلاۃ والسلام کو ہی کیوں کرائی گئی؟

**دوسری مشکل:** آپ ﷺ اس کائنات کا بیج کیسے ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ تمہارا کہنا ہے کہ یہ کائنات اُن کے نور سے پیدا کی گئی ہے، اور یہ کہ وہ کائنات کے پھلوں میں سے آخری اور روشن ترین پھل ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

**تیسری مشکل:** تم اپنے بیانات میں یہ کہتے ہو کہ: عالم عُلوی کی طرف معراج کرنے کا مقصد اس عالمِ ارضی میں پائے جانے والے آثار کے اصل آلات وادوات اور کل پرزوں کا، اور ان کے نتائج ومحاصل کے خزانوں کا مشاہدہ کرنا تھا، انہیں معراج اس لیے کرایا گیا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟

**الجواب:** تمہاری پہلی مشکل تو سابقہ تیس مقالہ جات میں بڑی تفصیل سے حل کی جا چکی ہے۔ پس یہاں ہم چند اجمالی اشارات کی ایک مختصر سی فہرست دیں گے جو آنجناب ﷺ کے کمالات اور ان کی نبوت کے دلائل کا اشارہ دے گی اور یہ بتائے گی کہ آپ ﷺ اس معراجِ اعظم کے سب سے زیادہ لائق تھے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ: **اوّلاً:** تورات، انجیل اور زبور جیسی مقدس کتابیں باوجود اس کے کہ بہت سی تحریفات کا تختہ مشق بن چکی ہیں، تاہم پھر بھی اس دور میں ''حُسین الجسر'' جیسے یگانۂ روزگار محقق نے ان کتابوں سے ایک سو چودہ ایسی بشارتیں نکالی ہیں جو واضح طور پر نبوتِ محمدیہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ حسین جسر نے ان کی وضاحت اپنی کتاب ''الرسالة الحمیدیه'' میں کی ہے۔

**ثانیاً:** یہ بات تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے کہ نبوت محمدیہ سے کچھ ہی دیر پہلے شق اور سطیح جیسے مشہور کاہنوں نے آپ ﷺ کے بارے میں یہ پیش گوئیاں کر دی تھیں کہ آپ کو نبوت ملے گی اور یہ کہ آپ نبی آخرالزماں ہوا ہوں گے۔ اور یہ بشارتیں اور پیش گوئیاں تاریخی طور پر پوری صحت کے ساتھ منقول ہیں۔

**ثالثاً:** تاریخی طور پر یہ بات زبان زدِ عام ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت کی رات سینکڑوں خارقِ عادت واقعات پیش آئے، جیسے کسریٰ ایران کے مشہور ایوانِ شاہی میں دراڑیں پڑ گئیں، خانہ کعبہ کے اندر بت گر گئے۔ ان خارقِ عادت واقعات کو اصطلاح میں ''ارہاصات'' کہتے ہیں۔

**رابعاً:** تاریخ وسیر کی کتابیں بتاتی ہیں کہ محققین کی تحقیقات کے مطابق آپ ﷺ کو جن معجزات سے نوازا گیا وہ ہزار تک پہنچ سکتے ہیں:

جیسے یہ کہ آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا بہنا اور پورے لشکر کا اس سے سیراب ہونا، مسجد نبوی میں موجود کھجور کے خشک تنے کا آپ ﷺ کے فراق میں اُونٹ کی طرح مسجد میں موجود جم غفیر کے سامنے رونا، کیونکہ منبر تیار ہونے سے پہلے

Marfat.com

آپ اُس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے اور نصِ قرآنی ﴿اِنشَقَّ القَمَرُ﴾ کی رُو سے چاند کا پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جانا۔

خامساً: بے شک اہلِ انصاف اور اہلِ فکر اس بات میں قطعاً تردد نہیں کرتے کہ: تمام دوستوں دشمنوں کے بالاتفاق آپ ﷺ کی شخصیت میں اعلیٰ درجے کے اخلاق حسنہ پائے جاتے ہیں اور آپ کے معاملات اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کی ذمہ داری اور تبلیغ میں اعلیٰ درجے کی بلند ترین عادتیں اور خصلتیں موجود ہیں، اور دین اسلام میں پائے جانے والے محاسنِ اخلاق اس بات کے گواہ ہیں کہ آپ کی شریعت میں بلند ترین خصائلِ حمیدہ پائی جاتی ہیں۔

سادساً: آنجناب ﷺ ہی نے باری تعالیٰ کی اُلوہیت کے اظہار اور اُسے بروئے کار لانے کے لیے اپنے دین میں اعلیٰ ترین درجے کی عبودیت کا روشن ترین اور عظیم ترین درجے میں اظہار کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہی ہے کہ بتقاضائے حکمت اس کی اُلوہیت کا اظہار ہو۔ اور آپ ﷺ نے اس ارادے کو عملی جامہ پہنایا ہے۔

اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ آنجناب ﷺ ہی خلاقِ عالم کے کمال بردوش جمال کا تعارف کرانے والے اور اُسے بہترین صورت میں آشکار کرنے والے ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ اُس کے اس جمال کا کسی نمائندے کے توسط سے اظہار ہو، کہ حکمت اور حقیقت کا یہی تقاضا ہے۔

اور یہ بات بھی مشاہدے سے ثابت ہے کہ آنجناب ﷺ ہی وہ عظیم راہنما ہیں جو بلند آواز کے ساتھ دنیا کی نظروں کا رُخ صانعِ عالم کی جمال بردوش با کمال مصنوعات کی طرف پھیرتے ہیں اور ان جمال بردوش مصنوعات کی تشہیر کر کے صانعِ عالم کے ارادے کا عملی مظاہرہ کرتے ہیں؛ کیونکہ اس کا ارادہ یہی ہے کہ اُس کی کاریگری اور جمال بھرے کمال کی تشہیر کی جائے۔

اور یہ بات بھی بہر صورت ثابت شدہ ہے کہ آنجناب ﷺ ہی وہ ہستی ہیں کہ جنہوں نے توحید کے سب سے عظیم درجے میں رہ کر توحید کے تمام مراتب کا اعلان کیا، کہ تمام کائناتوں کا پروردگار یہی چاہتا ہے کہ کثرت کے طبقات میں اُس کی وحدانیت کا اعلان کیا جائے۔

اور یہ بات بھی بالکل بدیہی ہے کہ مالکِ کائنات اپنے اُس ذاتی حسن کا، اپنے جمال کے محاسن کا اور اپنے حُسن کے لاانتہا لطائف کا مظاہرہ اور مشاہدہ کروانا چاہتا ہے جس کی طرف اُس کے انوکھے نقوش و آثار اشارہ کر رہے ہیں۔ اور اس حسن و جمال کا مظاہرہ ہونا ہی چاہیے؛ کیونکہ حقیقت اور حکمت کا یہی تقاضا ہے اور آنجناب ﷺ کی ذات ہی وہ اُجلا، نرمل اور شفاف آئینہ ہے جو اس حسن و جمال کو منعکس کرتا اور اسے تابناک ترین صورت میں نمایاں کرتا ہے۔ آپ ﷺ ہی اُس سے محبت کرنے والے اور دوسروں کو اُس کی محبت سے سرشار کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

اور پھر یہ بات بھی بالکل بدیہی ہے کہ اس قصرِ عالم کا بانی یہ چاہتا ہے کہ اُس کے اُن غیبی خزانوں کا اظہار اور تشہیر ہو جو انتہائی خارقِ عادت معجزات اور انتہائی قیمتی جواہرات سے بھرے ہوئے ہیں، اور اس طرح اُس کے کمالات کا پتا چلے اور پہچان ہو، اور آنجناب ﷺ ہی ہیں جنہوں نے یہ تعارف اور تشہیر عظیم ترین صورت میں کی ہے۔

پھر یہ بات بھی بالکل بدیہی ہے کہ آنجناب ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی وہ ہستی ہے کہ جس نے قرآنِ حکیم کی وساطت سے جن وانس بلکہ ملائکہ اور روحانیوں کو اس کائنات کے بانی کا عظیم ترین صورت میں راستہ دکھایا ہے، صانعِ کائنات کہ جس نے اسے انواع واقسام کی عجائبات سے مزین کیا ہے، اور اس میں اپنی ذی شعور مخلوقات کو بسایا ہے تا کہ وہ اُس میں سیر وتفریح کریں، عبرت کی نظر ڈالیں اور غور وفکر سے کام لیں۔ اور اُس نے سیر وتفریح اور غور وفکر کرنے والے ان لوگوں کو بتقاضائے حکمت اِن آثار وصنائع کے معانی ومفاہیم اور ان کی قدر وقیمت کے بارے میں جانکاری دینے کا ارادہ کیا، اور آپ ﷺ نے اس ادارے کو عملی جامہ پہنایا۔

پھر آنجناب ﷺ کی ذات ہی وہ ہستی ہے کہ جس نے قرآن کے حقائق کی وساطت سے واضح ترین صورت میں اور عظیم ترین درجے میں کائنات کے اُس مُغلق طلسم کو کھولا جس میں کائنات میں رو پذیر ہونے والے تحولات وتغیرات کا مقصد اور غرض وغایت پنہاں ہے، اور ان تین مشکل ترین سوالوں کا معمہ حل کیا کہ: تم کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جاؤ گے؟ اور یہ کہ اس کائنات کا انجام کیا ہے؟ کیونکہ کائنات کے حاکم حکیم کا ارادہ یہی تھا کہ وہ تمام اہلِ شعور کے لیے ایک پیغمبر کی وساطت سے اس طلسم اور اس معمے کا راز کھول دے، اور آپ ﷺ نے اللہ کے اس ارادے کو عملی جامہ پہنایا۔

اور یہ بات بھی بالکل بدیہی ہے کہ جس ہستی نے قرآن کی وساطت سے صانعِ عالم ذُوالجلال کے مطالب ومرضیات کو واضح کر کے اعلیٰ اور اکمل صورت میں پیش کیا، اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام خوبصورت مصنوعات کے ذریعے کسی مبلغ کی وساطت سے اہلِ شعور کو اپنا تعارف کرانا چاہتا ہے اور اپنی قیمتی نعمتوں کے ذریعے خود کو ان کا محبوب بنانا چاہتا ہے اور اپنی الٰہی مرضیات ومطالب سے اصحابِ شعور کو آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہستی آنجناب ﷺ ہی کی ہے۔

اور یہ بات بھی بالکل بدیہی ہے کہ جس ہستی نے قرآن کریم کی وساطت سے خوبصورت ترین طریقے سے رہنمائی کا حق ادا کیا، اور کامل ترین طریقے سے عظیم ترین درجے میں اور بلیغ ترین صورت میں رسالت کی ذمہ داری کو پورا کیا، وہ ہستی آنجناب ﷺ کی ہی ہے؛ کیونکہ ربُّ العالمین یہ چاہتا ہے کہ انسان کا چہرہ کسی رہنما کی وساطت سے کثرت سے پھیر کر وحدت کی طرف اور فانی سے پھیر کر باقی کی طرف کر دیا جائے انسان جو کہ ثمرۂ عالم ہے اور جسے اُس نے اتنی وسیع استعداد عطا کی ہے کہ جس میں تمام عالم سما سکتا ہے۔ اور اسے کلی عبادت کے لیے تیار کیا ہے۔ اور اُسے ایسے احساسات و مشاعر دے کر آزمایا ہے جن کا رُخ کثرت اور دنیا کی طرف ہے جیسے کہ دسویں مقالے کے دوسرے اشارے میں اس کی

Marfat.com

طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

موجودات میں سے جاندار سب سے زیادہ معزز ہیں، اور جانداروں میں سے ذی شعور زیادہ معزز ہیں، اور ذی شعور میں سے حقیقی لوگ سب سے زیادہ معزز ہیں۔ اب وہ حقیقی انسان جس نے ان حقیقی لوگوں کے مابین یہ تمام سابقہ وظائف سب عظیم درجے میں اور سب سے کامل صورت میں کما حقہ، مکمل طور پر ادا کیے بلاشبہ وہ ''قاب قوسین'' کی بلندیوں تک پہنچے گا اور وہ اس معراج کے ذریعے سعادتِ ابدی کا دروازہ کھٹکھٹائے گا، اس کے رحمت کے خزانوں کو کھولے گا اور ایمان کے غیبی حقائق کا مشاہدہ کرے گا۔

سابعاً: کائنات کے مشاہدے سے پتا چلتا ہے کہ اِس میں بکھری ہوئی ان مصنوعات میں تحسین وتزیین کا خوبصورت اور دل آویز عمل انتہائی درجے میں پایا جاتا ہے۔ اور یہ بات بالکل بدیہی سی ہے کہ تحسین وتزیین کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ ان مصنوعات کے صانع میں تحسین وتزیین کا شدید قصد و ارادہ پایا جاتا ہے۔ اور تحسین وتزیین کا یہ شدید ارادہ لامحالہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس صانع کے دل میں اپنی ان مصنوعات کے لیے ایک قوی رغبت اور قدسی محبت پائی جاتی ہے۔ اس لیے یہ بات بالکل بدیہی سی ہے کہ اپنی مصنوعات کے ساتھ محبت رکھنے والے اِس صانعِ حکیم کو سب سے زیادہ محبت اُس شخص کے ساتھ ہوگی جس میں یہ تمام صفات سب سے زیادہ جمع ہوں گی اور جو اپنی ذات میں یکبارگی اس کاریگری کے لطائف کا کامل اظہار کرے گا، اُس کو جانے پہچانے گا اور دوسرے لوگوں سے اس کی جان پہچان کرائے گا، اور اپنی ہستی کو ان کا محبوب بنائے گا اور ان تمام مصنوعات میں پائے جانے والے محاسن کو ''ماشاء اللہ'' کہہ کر سراہے گا اور ان کی داد دے گا۔

اور وہ ہستی جس نے مصنوعات کو سنہرا بنا دینے والے مزایا ومحاسن اور موجودات کو تابناک بنا کر جگمگا دینے والے لطائف وکمالات کے بالمقابل ''سبحان اللہ، ماشاء اللہ، اللہ اکبر'' کہتے ہوئے ذکر و توحید، فکر و تشہیر اور استحسان وقدردانی کے ذریعے نغمہ ہائے قرآن کے ساتھ آسمانوں میں غلغلہ برپا کر دیا ہے۔ کائنات پر وجد طاری کر دیا ہے اور بحر و بر میں جذب و کیف کی لہر دوڑا دی ہے۔ مشاہدہ یہی بتاتا ہے کہ وہ ہستی آپ ﷺ ہی کی ہے۔

اب ایسا آقا و مولیٰ کہ جس کے ترازو کے پلڑے میں ''السبب کالفاعل'' کے راز کی رُو سے اُس کی اُمت کی نیکیوں کے برابر نیکیاں ڈالی جائیں گے۔ اور جس کے معنوی کمالات میں اُمت کے درود شریف سے اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور جو رحمت ومحبتِ الٰہیہ کے لاانتہا فیضان کا مظہر ہوگا۔ اور جس کے رسالت کی ذمہ داریاں نبھانے کے نتائج اور ان ذمہ داریوں کے روحانی اجر بھی اس کے ساتھ ساتھ ہوں گے، کوئی شک نہیں کہ ایسی ہستی کا معراج کی سیڑھی کے ذریعے بلندیوں پر جنت اور سدرۃ المنتہیٰ اور عرش اور ''قاب قوسین'' تک چلے جانا عین حق، عین حقیقت اور سراسر حکمت ہے۔

Marfat.com

دُوسری مشکل: ہماری اس گفتگو کو سننے والے انسان! یہ دوسری حقیقت جو تمہیں مشکل نظر آ رہی ہے، بہت گہری اور اتنی بلند ہے کہ عقل کی دسترس سے باہر ہے، بلکہ عقل اس کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتی ہے تاہم اتنا ضرور ہے کہ اسے ایمان کی روشنی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اس حقیقت کے وجود کو کچھ تمثیلوں کے ذریعے فہم کے قریب کیا جا سکتا ہے۔ پس اس مقصد کے لیے چند تمثلات ہم بطورِ نمونہ یہاں پیش کرتے ہیں۔

اس کائنات کی طرف جب نظرِ حکمت کے ساتھ دیکھا جائے تو یہ ایک عظیم الشان درخت کی طرح نظر آئے گی۔ جس طرح ایک درخت کی شاخیں، پتے، پھول اور پھل ہوتے ہیں، اِسی طرح تخلیق کا یہ درخت ہے۔ عالمِ سفلی جو کہ اس درخت کا ایک حصہ ہے، عناصر اس کی شاخوں کا حکم رکھتے ہیں، نباتات واشجار اس کے پتے ہیں، حیوانات اس کے پھول ہیں اور انسان اس کے پھل کی طرح ہیں۔ پس وہ الٰہی قانون جو کہ اُشجار میں جاری وساری ہے لازم ہے کہ وہ اسم ''الحکیم'' کے تقاضے کی رُو سے شجرۂ عظمیٰ میں بھی جاری ہو۔ پس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ شجرِ تخلیق بھی کسی نہ کسی گٹھلی سے ہی اُگے اور نشو ونما پائے، اور یہ کہ اس گٹھلی میں عالم جسمانی کے علاوہ دیگر تمام عالموں کے نمونے اور بنیادیں موجود ہوں؛ کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہزاروں مختلف کائناتوں پر مشتمل، ہزاروں عالموں کا سرچشمہ اور کائنات کی بنیاد بننے والی اصلی گٹھلی فقط ایک خشک مادہ ہو۔ اور دوسری طرف شجرِ کائنات سے پہلے چونکہ اس نوع کا کوئی اور درخت موجود ہی نہیں، اس لیے اسمِ ''الحکیم'' کا یہ تقاضا بھی ہے کہ وہ اُس معنی اور نُور کو جو کہ اُس درخت کی گٹھلی اور سرچشمے کا حکم رکھتے ہیں، کائنات کے اس درخت میں پھل کا لباس پہنا دے؛ کیونکہ گٹھلی ہمیشہ کے لیے مجرد اور ننگی نہیں رہ سکتی ہے، چنانچہ اُس نے اگر فطرت کے آغاز میں پھل کا لباس نہیں پہنا تو اخیر میں پہن لے گی۔

اور جب یہ پھل انسان ہی ہے، اور جب نوعِ انساں کے مابین مشہور ترین، معتبر ترین اور معزز ترین انسان جناب محمد ﷺ کی ذات ہی ہے ۔ جیسے کہ سابقہ صفحات میں ثابت کیا جا چکا ہے ۔ ، وہ ذات جس نے اپنے ذاتی فضائل اور معنوی محاسن کے ذریعے عام مخلوق کی نظروں کا رُخ اپنی طرف پھیر لیا ہے، آدھی زمین کو اپنی ذات میں محصور کر لیا ہے اور نوعِ بشری کے پانچویں حصے کی توجہ محبت یا حیرت کے جذبات سے اپنی ذات پر مرکوز کروالی ہے۔ اِس لیے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ نور جو کہ تشکیلِ کائنات کے لیے گٹھلی کا حکم رکھتا ہے وہ آپ ﷺ کی ذات میں مجسم ہو جائے گا ثمرۃُ الختام کی صورت میں ظہور پذیر ہو کر نظر آئے گا۔

پس اے سننے والے! اس عظیم اور عجیب وغریب کائنات کو انسان کی جزوی ماہیت سے پیدائش کو ناممکن نہ سمجھ؛ کیونکہ وہ قدیرِ ذوالجلال جس نے گندم کے دانے کے برابر گٹھلی سے صنوبر کا عظیمُ الجُثہ درخت پیدا کیا ہے جو کہ اپنی ذات میں ایک کائنات کی حیثیت رکھتا ہے، وہ نُورِ محمدی علیہ الصلاۃ والسلام سے اس کائنات کو کس طرح نہیں بنائے گا؟ یا بنانے سے

Marfat.com

عاجز کیوں کر رہے گا؟۔

پس یاد رکھو کہ شجرِ کائنات جنت کے شجرِ طوبیٰ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے، کہ اُس کے تنے اور جڑیں اُوپر ہیں اور شاخیں نیچے ہیں، اسی لیے نیچے پھل کے مقام سے لے کر اُوپر اصلی گٹھلی کے مقام تک مناسبت کا ایک نورانی دھاگا پایا جاتا ہے۔

پس معراج اُس مناسبت کے دھاگے کی ایک صورت اور اُس کا ایک غلاف ہے۔ چنانچہ آنجناب ﷺ نے اس راستے کا افتتاح کیا، اپنی ولایت کے ساتھ اس میں گئے اور رسالت کے ساتھ واپس لوٹے اور اس دروازے کو کھلا چھوڑ دیا، اور اب آپ ﷺ کی اُمت میں سے آپ ﷺ کے نقشِ پا پر چلنے والے اولیاء کرام رُوح وقلب کے ساتھ معراج نبوی کے زیر سایہ اُس جادۂ تاباں میں محوِ سفر ہیں اور یوں وہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق مقاماتِ عالیہ تک پہنچتے ہیں۔

پھر یہ بھی ہے ـ جیسے کہ پہلے ثابت کیا گیا ہے ـ کہ اِس کائنات کے بانی نے اِسے ایک محل کی صورت میں بنایا اور سجایا ہے، اور اس طرح کی بناوٹ اور سجاوٹ کے پیشِ نظر کچھ بلند مقاصد ہیں جو کہ پہلے اشکال کے جواب میں بیان کیے گئے ہیں، اور یہ کہ ان مقاصد کا دار و مدار آنجناب ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ کائنات سے پہلے آپ ﷺ صانعِ کائنات کی نظرِ عنایت سے بہرہ ور ہوں اور پہلے پہل اس کی تجلی کا مظہر بنیں؛ کیونکہ کسی بھی ثمرے اور نتیجے کا تصور ابتدا میں ہوتا ہے۔ پس آپ ﷺ وجودی طور پر آخر ہیں اور معنوی طور پر سب سے اول ہیں۔

اور چونکہ آنجناب ﷺ کامل ترین ثمر ہیں، تمام تر ثمرات کی قیمت کا اور تمام مقاصد کے ظہور کا دار و مدار ہیں، اس لیے یہ لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ کا نُور تجلیٔ ایجاد کا سب سے پہلا مظہر ہو۔

## تیسری مشکل

بہت وسیع ہے، اتنی کہ ہمارے جیسے تنگ ذہن لوگ اس کا نہ احاطہ کر سکتے ہیں نہ استیعاب، البتہ یہ ہے کہ ہم اس کا دیدار دُور سے کر سکتے ہیں۔

جی ہاں! عالمِ سفلی کے معنوی ادوات وآلات اور اس کے کلی قوانین جو ہیں وہ اَصل میں تو عالمِ ہائے علوی میں ہیں، اور کرۂ ارض جو کہ محشرِ مصنوعات ہے، اس کی لامحدود مخلوقات کے اعمال کے نتائج اور جن وانس کے افعال کے ثمرات بھی عالم ہائے علوی میں متمثل ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن حکیم کے اشارات، اسم گرامی ''الحکیم'' اور کائنات میں پائی جانے والی بہت سی علامات وروایات کی شہادت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حسنات جنت کے پھلوں کی شکل و صورت اختیار کر لیتی ہیں اور سیئات جہنم کے پھل زقوم کا روپ دھار لیتی ہیں۔

جی ہاں! بے شک کثرت رُوئے زمین پر بہت زیادہ بکھر چکی ہے اور مخلوقات وافر مقدار میں منتشر و پراگندہ ہیں، اس

Marfat.com

طرح کہ کرۂ ارض پر مخلوقات کی مختلف اور مصنوعات کی گوناگوں اصناف پائی جاتی ہیں اور یہ اجناس واصناف جو ہمہ وقت تغیر وتبدل کے عمل سے گزرتی رہتی ہیں اور جن سے یہ زمین بھرتی اور خالی ہوتی رہتی ہے، وہ تمام کائنات میں بھری ہوئی تمام مصنوعات سے کہیں زیادہ ہیں۔

اور یہ چیز یادر ہے کہ اس کثرت کے اوران جزئیات کے جو منابع اور معادن ہیں وہ کلی قوانین اور اسمائے حسنیٰ کی کلی تجلیات ہیں، پس ان کلی قوانین کے مظاہر اور ان ہمہ گیر اسماء کی کلی تجلیات ہی آسمان ہیں جو کسی حد تک بسیط اور صافی ہیں اور جن میں سے ہر ایک، ایک عالم کے لیے عرش اور چھت کا اور دیگر عالم کے لیے مرکزِ تصرّف کا حکم رکھتا ہے۔ پس ان تمام جہانوں میں سے ایک جہان جنت الماویٰ ہے جو کہ سدرۃ المنتہیٰ میں ہے۔

اور مخبرِ صادق ﷺ کی خبر کے بموجب یہ بات ثابت شدہ ہے کہ زمین میں جو تسبیحات وتحمیدات ہوتی ہیں وہ اس جنت کے پھلوں کا رُوپ دھار جاتی ہیں۔

پس یہ نقاطِ ثلاثہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زمین میں جو نتائج وثمرات کے خزانے ہیں وہ دراصل وہاں ہیں اور اُن کے محصولات اُسی جانب روانہ رہتے ہیں۔

اور یہ مت کہو کہ: ''اَلْحَمْدُلِلّٰہِ'' کا کلمہ کہ جس کا تلفظ مَیں ہوا میں کرتا ہوں، یہ جنت میں ایک پھل کا جسم کیسے اختیار کر جاتا ہے؟؛ کیونکہ تم دن کے وقت حالتِ بیداری میں کوئی اچھی بات کہتے ہو تو اُسے کبھی رات کے وقت خواب میں ایک خوبصورت میٹھے سیب کی صورت میں کھا لیتے ہو، اور اسی طرح دن کے وقت کوئی گندی گفتگو کرتے ہو تو اسے رات کے وقت کسی تلخ چیز کی صورت میں نگلتے ہو۔ اور جب کسی کی غیبت کرتے ہو تو فرشتے تمہیں وہ غیبت مردار کے گوشت کی صورت میں کھلاتے ہیں۔ لہٰذا پتا چلا کہ تمہارے پاکیزہ کلمات اور بُرے کلمات جو کہ تم اس دنیا کی نیند میں بولتے ہو، اُنہیں عالمِ آخرت میں _ جو کہ عالم بیداری ہے _ پھلوں کی صورت میں کھاؤ گے۔ اِس لیے یہ ضروری ہے کہ اس چیز کو بعید نہ سمجھو۔

## چوتھی بنیاد

### معراج کے ثمرات وفوائد کیا ہیں؟

الجواب: یہ معراج جو کہ معنوی شجرۂ طوبیٰ ہے اس کے پانچ سو سے زیادہ فوائد اور ثمرات یا پھل ہیں، ہم ان میں سے بطورِ مثال صرف پانچ کا ذکر کریں گے۔

### پہلا پھل

اَرکانِ ایمان کے حقائق کا بچشم وبصر دیدار کرنا اور ملائکہ اور جنت وآخرت کا حتیٰ کہ ذاتِ ذُوالجلال کا آنکھ سے

Marfat.com

مشاہدہ کرنا۔ پس آپ ﷺ نے اس طرح کائنات کو اور نوعِ بشری کو درخشاں نور، اَزلی خزانہ اور ابدی تحفہ عطا کیا، اور یوں آپ نے اِس کائنات کو وہمی، پست، فانی اور آشفتہ و پراگندہ صورتِ حال سے باہر نکال کر اس نور اور اس پھل کے ذریعے اس کائنات کی حقیقت کو آشکار کیا، اور وہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کائنات قدسی صمدانی مکتوبات اور جمالِ احدیت کو منعکس کرنے والے خوبصورت آئینے ہیں، اس طرح آپ ﷺ نے تمام کائنات اور ذی شعور کو خوش کر دیا اور انہیں سرور و شادمانی سے آشنا کر دیا۔

اور اسی طرح اس نور اور اس پھل کے ذریعے انسان کو ایسی کیفیت سے نکالا جس میں وہ اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا اور اسے کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا، پریشان حال، پراگندہ ذہن اور ذلیل تھا، عاجز اور فقیر تھا، اس کی حاجات و ضروریات بے حد وحساب اور اس کے دشمن لاانتہا تھے، فانی تھا بقا بردوش نہیں تھا۔ پس آپ ﷺ نے اس نور اور اس قدسی پھل کے ذریعے انسان کو اس کی حقیقی صورت میں نمایاں کیا۔ اور اس کی حقیقی صورت یہ ہے کہ وہ احسنِ تقویم سے بہرہ ور ہے اور اُس کی قدرتِ صمدانیہ کے معجزات میں سے ایک عظیم الشان معجزہ اور مکتوباتِ صمدانیہ کا ایک نسخۂ جامعہ ہے، سُلطانُ الأزل والابد کا مخاطب اور عبدِ خاص ہے، اُس کا خلیل اور اس کے کمالات کی ستائش کرنے والا ہے اس کا حبیب اور اس کے جمال سے متحیر ہونے والا اور اسے پسند کرنے والا اور اُس کا مہمانِ عزیز اور اُس کی سدا بہار اور ہمیشہ رہنے والی جنت کا اُمیدوار ہے۔ پس یوں آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو ـ جو کہ حقیقی انسان ہیں ـ بے پایاں سرور اور لاانتہا ذوق وشوق سے نہال کر دیا۔

## دوسرا پھل

آپ ﷺ اسلام کے بنیادی احکام لے کر آئے ہیں جن میں نماز سرفہرست ہے جو کہ صانعِ موجودات، صاحبُ الکائنات حاکمُ الازل والابد ربُّ العالمین کی رضامندیوں کا نام ہے۔ آپ ﷺ نے تمام جن وانس کو یہ نماز ایک بہترین تحفے کی صورت میں لا کر دی ہے۔ بے شک ان ربانی خوشنودیوں کا فہم وادراک انسان کے اندر جھانکنے اور اطلاع پانے کا ایسا شوق اُبھارتا ہے اور اُسے ایسی سعادت سے ہمکنار کرتا ہے کہ جو بیان سے باہر ہے: اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے عظیمُ القدر ولی نعمت اور سلطانِ مُحسن کے مطالبُ مقاصد کو ـ اگرچہ دُور ہی سے سہی ـ سمجھنا چاہتا ہے، اور جب سمجھ لیتا ہے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا ہے، تب وہ تمنا کرتا ہے اور کہتا ہے: کاش کہ کوئی خبر رسانی کا ایسا ذریعہ ہوتا جس سے میں اپنے آقا و مولی کے ساتھ براہِ راست ہمکلام ہوسکتا اور اچھی طرح سمجھ لیتا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتا ہے اور میرے کس عمل و کردار کو پسند کرتا ہے! کیا بات ہے! وہ ہستی کہ جس کے قبضۂ تصرف میں تمام موجودات کی باگ ڈور ہے، اور تمام موجودات میں جو بھی جمال وکمال پایا جاتا ہے وہ اُس ہستی کے جمال وکمال کے بنسبت ایک کمزور سا سایہ ہے، اور انسان

Marfat.com

اس کا لا انتہا جہتوں سے محتاج ہے اور ہر آن اس کے لا انتہا احسانات کا مظہر اور اُس کی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ انسان بالخصوص اس ہستی کے مطالب و مقاصد اور اس کی رضامندیوں کو سمجھنے کا کتنا آرزومند اور مشتاق ہے! اس کی ضرورت تم خود سمجھ سکتے ہو۔

اب آنجناب ﷺ نے سلطانُ الازل والأبد کی ان رضامندیوں کو حقُ الیقین کے ساتھ ستر ہزار پردوں کے پیچھے سے براہِ راست سنا اور انہیں معراج کے پھل کی حیثیت سے نوعِ بشری کو بطورِ ہدیہ دے دیا۔ انسان کو چاند کے حالات جاننے کا کتنا شوق ہے! اگر کوئی آدمی وہاں جائے اور واپس آکر اُسے وہاں کے حالات بتائے تو اس کام کے لیے وہ بہت کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ اور اگر اُسے وہاں کے حالات کا پتا چل جائے تو انگشت بدنداں رہ جائے گا اور خود اطلاع پانے کی خواہش کرے گا۔! اور صورتِ حال یہ ہے کہ چاند جس مالکُ الملک کی مملکت میں محوِ گردش ہے وہاں یہ ایک مکھی کی طرح کرۂ ارض کے اِرد گرد گھوم رہا ہے، اور کرۂ ارض سورج کے اردگرد ایک پروانے کی طرح گھوم رہا ہے، اور سورج ہزاروں چراغوں کے مابین ایک ایسا چراغ ہے جو کہ مالکُ الملک ذوالجلال والاکرام کے اِس ایک مہمان خانے میں شمعِ فروزاں کا کام دے رہا ہے۔

تو رسولِ گرامی ﷺ نے اُس ذاتِ ذُوالجلال کے عالمِ بقا میں پائے جانے والے شؤون و معاملات کو، اُس کی کاریگری کے عجائبات کو اور اس کی رحمت کے خزانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پھر واپس آکر ان چیزوں کا ذکر نوعِ بشر سے کر دیا۔

پس اگر نوعِ بشر نے آنجناب ﷺ کی باتوں کو پورے غور و انہماک، بکمال شوق، حیرت، محبت اور استعجاب سے نہ سنا، تو تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ اس کا فکر و عمل عقل و حکمت کے کتنا خلاف ہے۔

## تیسرا پھل

آپ ﷺ نے ابدی سعادت کا دفینہ دیکھا تو اُس کی چابی پکڑ کر لے آئے اور وہ چابی آپ ﷺ نے بطورِ تحفہ جن وانس کے حوالے کر دی۔

جی ہاں، انہوں نے جنت کو دیکھا اور اپنی آنکھ کے ساتھ اور معراج کے وسیلے سے رحمانِ ذُوالجمال کی رحمت کی ابدی تجلیات کا مشاہدہ کیا اور ابدی سعادت کو حقُ الیقین کے درجے میں سمجھ لیا اور جن وانس کو اس ابدی سعادت کے وجود کی خوشخبری دے دی۔ اور یہ خوشخبری اتنی بڑی ہے کہ انسان اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگا سکتا ہے؛ کیونکہ جب جن وانس ایک موہوم سی رُوح فرسا کیفیت سے دوچار تھے، اور وہ یہ کہ اس قرار نا آشنا دنیا اور زوال و فراق کے مابین لڑھکتی ہوئی جتنی بھی موجودات ہیں، سب کی سب سیلِ زمان اور حرکاتِ ذرّات کے سبب عدم اور ابدی فراق کے سمندر میں گر رہی ہیں۔

Marfat.com

جی ہاں! ایسے رُوح فرسا حالات میں جبکہ یہ فانی جن وانس یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے حق میں انہیں ابدی طور پر معدوم کر دینے کا فیصلہ ہو چکا ہے، اور پھر اچانک ان کے کانوں کے ساتھ ابدی سعادت کی یہ خوشخبری ٹکرائی تھی۔ اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ اُن حالات میں اس خوشخبری نے انہیں کتنی خوشی اور خوش بختی کے احساس سے سرشار کر دیا ہوگا! کیونکہ ایک ایسے آدمی کو جسے پھانسی دے کر معدوم کر دینے کا فیصلہ ہو چکا ہو، عین اس وقت معاف کر دیا جائے جب کہ وہ پھانسی گھاٹ کی طرف جا رہا ہو، اور مزید یہ کہ اُسے قصرِ ملکی کے قرب وجوار میں ایک محل بھی دے دیا جائے، تو اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ بات اس آدمی کے لیے کتنی خوشی کا باعث ہوگی؟ اب ان تمام خوشیوں کو جن وانس کی تعداد کے برابر جمع کر لو۔ تا کہ تمہیں اس خوشخبری کی قدر وقیمت کا اندازہ ہو سکے۔

## چوتھا پھل

آپ ﷺ نے جمالِ خدا کی رُویت کا پھل حاصل کیا اور یہ پھل جن وانس کو ہدیہ کر کے آپ نے ہر مومن کے لیے اس سے بہرہ یاب ہونے کو ممکن بنا دیا، اب آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ پھل کتنا خوبصورت، لذیذ، شیریں اور پاکیزہ ہوگا۔

ہر وہ انسان جس کے سینے میں دل دھڑکتا ہے اسے کسی کریم ذوالجمال، ذُوالکمال اور ذوالاحسان کے ساتھ محبت ہوگی۔ اور یہ محبت جمال وکمال واحسان کے درجات کے حساب سے بڑھتی چلی جائے گی تا آنکہ تعبّد اور پرستش کے درجے تک جا پہنچے گی، اور یہ دلدادۂ جمال وکمال اس کے ساتھ ایسے گہرے بندھن کے ساتھ بندھ جائے گا کہ اس پر اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار رہے گا، اور اس کے صرف ایک دیدار کے لیے اپنی ساری دنیا فدا کر دے گا۔ جبکہ صورت حال یہ ہے کہ: تمام موجودات میں جو جمال وکمال واحسان پایا جاتا ہے اس کی حقیقت باری تعالیٰ کے جمال وکمال واحسان کے مقابلے میں اتنی بھی نہیں ہے جو کہ چھوٹی چھوٹی تابناک کرنوں کی سورج کے مقابلے میں ہے۔ تو اگر تم انسان ہو تو پھر یہ بات سمجھ سکتے ہو کہ انسان کی کامیابی سعادتِ ابدی کے ساتھ ہمکنار ہونے میں ہے، وہ سعادتِ ابدی جو کہ اس ذاتِ ذُوالجلال کے دیدار سے حاصل ہوتی ہے جو لاانتہا محبت، لاانتہا دیدار اور لاانتہا اشتیاق کی مستحق ہے۔

یہ ثمرہ کتنا پاکیزہ اور خوبصورت ہے جو کہ سعادت کا محور اور فرح وسرور کا دارومدار ہے!۔

## پانچواں پھل

معراج سے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ انسان کائنات کا گراں قیمت پھل اور صانعِ کائنات کا ناز بردار محبوب ہے۔ آپ ﷺ یہ پھل جن وانس کے لیے لے آئے، اور اس پھل کے طفیل آپ ﷺ انسان کو_ جو کہ ایک چھوٹی سی مخلوق، اور کمزور سا اور عاجز ولاچار ذی شعور جاندار ہے_ ایک ایسے مقامِ عالی تک پہنچا رہے ہیں جو کہ کائنات کی تمام موجودات

Marfat.com

کے لیے قابلِ فخر ہے۔ اور اُسے ایسے فرح وسرور اور خوش نصیبی سے ہمکنار کر رہے ہیں جو کہ تصور سے کہیں بالا ہے؛ کیونکہ فوج کے ایک عام سپاہی سے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ: تُم فیلڈ مارشل ہوگئے ہو تو وہ کتنا خوش ہوگا! یقیناً اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہے گا۔ اور صورتِ حال یہ ہے انسان بے چارہ جو کہ ایک فانی اور از بس لاچار حیوانِ ناطق ہے اور ہمیشہ زوال و فراق کے تھپیڑوں کی زد میں رہتا ہے، اسے اگر اچانک کہہ دیا جائے کہ: تو ابدی اور ہمیشہ باقی رہنے والی جنت میں رحمان و رحیم و کریم کی رحمت کا مظہر بن جائے گا۔ اور تجھے خیال کی سرعت، روح کی وسعت، عقل کی جولانی اور دل میں پائے جانے والے تمام مطالب کے حساب سے اُس کے ملک وملکوت میں سیر وتفریح وگردش کی توفیق دے دی جائے گی، اور پھر تجھے اس سعادتِ ابدی میں اس کے جمال کے دیدار کی بھی توفیق دے دی جائے گی۔ تو ایک ایسے انسان کا تصور کرو جس میں انسانیت کی کوئی رمق باقی ہے، اور اندازہ کرو کہ وہ اپنے دل میں کتنے گہرے فرح وسرور کا احساس پائے گا؟۔

اور اب ہم اس انسان سے جو کہ گفتگو سن رہا ہے کہتے ہیں کہ: الحاد کی قمیص تار تار کر کے دُور پھینک دو، مومن کے کان کو زیب تن کرلو اور مسلمان کی آنکھوں کو گلے میں لٹکا لو۔ اب ہم دو چھوٹی چھوٹی تمثیلوں کے ساتھ ایک یا دو پھلوں کی قیمت کے درجے کی وضاحت کریں گے۔

## پہلی تمثیل

ہم اکٹھے ایک وسیع مملکت میں ہیں، وہاں ہمیں ہر چیز اپنی دشمن نظر آتی ہے، اور ہر چیز دوسری چیز کی دشمن اور ہمارے لیے یکسر اجنبی ہے، اور اس کا ہر کونہ ہولناک جنازوں سے بھرا پڑا ہے اور کان میں پڑنے والی ہر آواز یتیموں کا رونا دھونا اور مظلوموں کی نوحہ خوانی ہے۔ اب عین اس وقت جبکہ ہم اِس صورت حال سے دوچار ہیں، مملکت کا ایک باشندہ بادشاہ کی طرف جائے اور اُس کی طرف سے خوشخبری لائے، اور اس خوشخبری کے طفیل دیکھتے ہی دیکھتے وہ تمام اجنبی، دوست احباب کا رُوپ دھار لیں۔ اور جن لوگوں کو ہم دشمن سمجھ رہے تھے وہ بھائی بن جائیں۔ اور ہولناک جنازے بندگانِ خدا کی صورت میں نظر آنے لگیں ہیں جو خشوع وخضوع اور ذکر وتسبیح میں مگن ہیں، اور یتیمانہ رونا دھونا حمد وثنا پر مشتمل تحیّات کا حکم لے لیں۔ اور موتیں، ڈاکہ زنیاں اور غارت گریاں آزادیوں اور سبکدوشیوں کی صورت اختیار کر جائیں۔ اور ہم اپنے سرور وشادمانی کے ساتھ ساتھ ان سب کی خوشیوں میں شرکت کر لیں؛ تو ایسے میں تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ وہ خوشخبری کتنی مسرت رکن ہوگی؟۔

پس جب اس کائنات کی موجودات اجنبی، نقصان دہ، پریشان کُن اور وحشت خیز ہیں، اور پہاڑوں جیسے اجرام ہولناک جنازے ہیں، اور اجل ہر ایک کا سر قلم کر کے اُسے چاہِ عدم میں پھینکے جا رہی ہے، اور تمام آوازیں فراق وزوال سے جنم لینے والے دلدوز نوحے اور درد انگیز نالے ہیں۔ جب گمراہی کی نظر سے دیکھا جائے _ اور گمراہی کا تصور کچھ اسی

Marfat.com

طرح کا ہے۔ تو پھر ایسے میں جب انہیں اُس نورِ ایمان کی نظر سے دیکھا جائے جو کہ معراج محمدی ﷺ کا ثمرہ ہے، تو ارکانِ ایمان کے حقائق جو کہ معراج کا ثمرہ ہیں تمہیں دکھائیں گے کہ یہ موجودات تمہارے بھائی بند اور دوست احباب ہیں اور اپنے صانع ذُوالجلال کے ذکر و تسبیح میں مشغول ہیں، اور یہ کہ موت و زوال ایک قسم کی آزادی اور ذمہ داری سے سبکدوشی ہے اور آوازیں درحقیقت تسبیحات ہیں۔

پس اگر تم اس حقیقت کا بتمامہ مشاہدہ کرنا چاہتے ہو تو دوسرے اور آٹھویں مقالے کو ایک نظر دیکھ لو۔

## دوسری تمثیل

ہم دونوں ایک بہت بڑے صحرا میں ہیں، ہر طرف ریت کے جھکڑ چل رہے ہیں اور رات اتنی تاریک ہے کہ اپنے ہاتھ تک بھی دکھائی نہیں دے رہے ہیں، بے یار و مددگار ہیں، بھوک ستا رہی ہے اور پیاس سے جان پر بنی ہوئی ہے لیکن پانی کا کہیں دور دور تک نام و نشان تک نہیں، اور نا اُمیدی نے دل میں ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ ایسے میں اچانک ایک نیک دل آدمی ان اندھیروں کے پردے چاک کر کے ہم تک آپہنچتا ہے اور تحفے میں ایک کار لاتا ہے اور لمحے بھر میں ہمیں اس میں بٹھا لیتا ہے اور ایک جنت نظیر جگہ میں لا اُتارتا ہے، وہاں ہمارا مستقبل محفوظ ہے اور انتہائی مہربان محافظ بھی ہے اور ہر قسم کے ماکولات و مشروبات کا بھی خاطر خواہ انتظام ہے۔ جانتے ہو ایسے میں ہم کتنے خوش ہوں گے؟۔

پس وہ لق و دق صحرا یہ سطح دنیا ہے، اور ریت کا وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر یہ درماندہ انسان اور موجودات ہیں جو کہ سیلِ زمان اور حرکاتِ ذرات سے جنم لینے والے حوادث کے درمیان بے کل، آشفتہ اور پریشان ہیں۔ اور ہر انسان کو گمراہی کی آنکھ سے دیکھنے کی وجہ سے اپنا مستقبل ہولناک تاریکیوں میں غلطاں و پیچاں نظر آ رہا ہے جس کے بارے میں سوچ سوچ کر اس کا دل انگاروں پر لوٹ رہا ہے لیکن کوئی اس کی فریاد رسی نہیں کر رہا ہے، اور حالت یہ ہے کہ وہ بھوک پیاس کی شدت سے جاں بلب ہو چکا ہے۔

اور اس طرح جب اس دنیا کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودیوں کے ساتھ جو کہ معراج ہی کے ثمرات ہیں انتہائی مہربان ذات کا مہمان خانہ سمجھا جائے، اس کے باسیوں کو اس کے مہمان اور ملازم سمجھا جائے، مستقبل کو جنت کی طرح خوبصورت اور سعادت ابدی کی طرح تابناک سمجھا جائے، تو یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی کہ معراج کتنا پاکیزہ، خوبصورت اور میٹھا پھل ہے!۔

اب وہ معزز انسان جو کہ ہماری بات سن رہا ہے، کہتا ہے: اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں الحاد سے بچ گیا اور توحید میں داخل ہو گیا، میرا اعتقاد پختہ ہوا اور میں کمالِ ایمان سے سرفراز ہو گیا۔

اور ہم کہتے ہیں: اے بھائی! ہم تمہیں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول کریم ﷺ کی شفاعت کا

Marfat.com

مظہر بنائے۔ آمین۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مَنْ اِنْشَقَّ بِاِشَارَتِہٖ الْقَمَرُ، وَنَبَعَ مِنْ اَصَابِعِہٖ الْمَاءُ کَالْکَوْثَرِ، صَاحِبِ الْمِعْرَاجِ وَ مَازَاغَ الْبَصَرُ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ. مِنْ اَوَّلِ الدُّنْیَا اِلٰی آخِرِ الْمَحْشَرِ.

﴿سُبْحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَاعَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾

رَبَّنَاتَقَبَّلْ مِنَّااِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ. رَبَّنَالاَ تُزِغْ قُلُوْبَنَابَعْدَاِذْھَدَیْتَنَا... رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ...

﴿وَآخِرُ دَعْوٰھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾...

Marfat.com

## اُنتیسویں اور اکتیسویں مقالے کی ذیلی بحث

## شقُّ القمر کے معجزے کے بارے میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا آيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ (حاشیہ:۱)

فلاسفہ جو کہ خود قمر جیسے روشن اور تابناک معجزے "شقّ القمر" کو اوہامِ فاسدہ کے ذریعے بگاڑنا اور گہنانا چاہتے ہیں، اور اُن کے مقلدین جو کہ فکر و نظر سے یکسر کورے ہیں، کہتے ہیں: انشقاقِ قمر کا واقعہ اگر ظہور میں آیا ہوتا تو تمام دُنیا کو اس کا علم ہوتا اور تمام انسانی تاریخیں اس کا لازماً ذکر کرتیں؟

**الجواب:** انشقاقِ قمر کا مشاہدہ دنیا کے تمام علاقوں میں ہونا لازم نہیں، اور اس کا ذکر بھی دنیا کی عمومی تاریخ میں ہونا لازم نہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ رات کو ہنگامِ غفلت میں اچانک پیش آیا، اور اُن لوگوں کے لیے پیش آیا جنہوں نے نبوت کا دعویٰ سنا اور اس کا انکار کیا تھا، اور اس لیے ظاہر ہوا تا کہ اس دعوے کی دلیل بنے۔ پھر یہ کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تھا اُس وقت تہذیب ابھی عام نہیں ہوئی تھی اس لیے یہ خصوصیت کا حامل رہا۔ پھر یہ بھی ہے کہ ان دنوں آسمانی رصد گاہیں بھی عام نہیں تھیں۔ اور اس پر مزید یہ کہ اختلافِ مطالع، دھند اور بادل وغیرہ جیسی دیگر رکاوٹوں کا وجود بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یہاں بہت سے نقاط ہیں، اُن میں سے پانچ نقطوں کو غور سے سُنو، یقیناً اِن سے شقِ قمر کے معجزے پر پڑے ہوئے اوہام کے بادل پراگندہ ہو جائیں گے۔

**پہلا نقطہ:** تاریخی طور پر یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ اُس زمان و مکان کے کفار انتہائی شدید قسم کے ضدی اور ہٹ دھرم تھے۔ اور یہ کہ قرآنِ حکیم نے ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ کہہ کر اس واقعے کے بارے میں تمام عالم کو خبر دی ہے، اور قرآن کے منکر کفار میں سے کسی ایک نے بھی اس آیت کی تکذیب میں زبان تک نہیں کھولی تھی، یعنی کسی نے اس واقعے کو جھٹلایا نہیں تھا جس کی خبر قرآن نے دی تھی۔ تو اگر یہ واقعہ قطعی اور اُس دور کے کفار کے ہاں ایک ثابت شدہ حقیقت نہ ہوتا تو وہ اسے انتہائی دہشتناک طریقے سے جھٹلانے کے لیے فوراً میدان میں اُترتے اور نبی ﷺ کے دعوائے نبوت کو باطل ثابت کرنے کی تگ و دَو کرتے۔ لیکن سِیَر و تاریخ کی کتابوں نے ان کفار کا اِس واقعے کے انکار اور اصلاً عدمِ وقوع کے

---

(۱) القمر: 1-2

Marfat.com

بارے میں ایک بھی قول نقل نہیں کیا ہے۔ بس تاریخی طور پر صرف وہی چیز منقول ہے جس کی وضاحت اس آیتِ کریمہ میں پائی جاتی ہے: ﴿وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار جنہوں نے یہ واقعہ دیکھا اُنہوں نے کہا: یہ جادو ہے، اور یہ کہ اس نے ہمارے سامنے جادو کا اظہار کیا ہے۔ اور اُنہوں نے کہا: اگر اِردگرد تمام اطراف میں پائے جانے والے قافلوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے تو پھر یہ حقیقت میں وقوع پذیر ہوا ہے، اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس نے ہم پر جادو کر دیا ہے، پھر یمن اور دیگر تمام اطراف سے آنے والے قافلوں نے صبح سویرے ہی یہ خبر دے دی کہ: ہم نے اس طرح کا واقعہ دیکھا ہے۔ پھر کفار نے فخرِ عالم ﷺ کے بارے میں کہا: حاشا! کہ ابو طالب کے یتیم کے جادو کی تاثیر آسمانوں میں بھی سرایت کر گئی ہے۔

دُوسرا نقطہ: سعد تفتازانی جیسے عظیم محققین نے کہا ہے: جس طرح آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹ نکلنے اور پورے لشکر کے اس سے سیراب ہونے کا واقعہ متواتر طریقے سے مروی ہے، اور جس طرح یہ واقعہ بھی متواتر ہے کہ کھجور کا وہ سوکھا تنا جس پر آپ خطبہ دیتے وقت ٹیک لگایا کرتے تھے، وہ آپ ﷺ کے فراق میں رو پڑا تھا اور اس کے رونے کی آواز وہاں موجود تمام لوگوں نے سنی تھی، اسی طرح شق القمر والا واقعہ بھی متواتر طریقے سے مروی ہے۔ متواتر کا مطلب یہ ہے کہ ہر دور میں مسلسل ایک بڑی جماعت نے دوسری ایسی بڑی جماعت سے نقل کیا ہے کہ جس کا جھوٹ پر ایکا کر لینا ناممکن ہے۔ ان محققین کا کہنا ہے کہ یہ ویسے ہی متواتر طریقے سے مروی ہے جیسے کہ ہزار سال پہلے ''ہالے'' جیسا دُمدار ستارہ ظہور میں آیا تھا۔ اور اس کا وجود متواتر طریقے سے ایسے ہی قطعی ہے جیسے کہ ''سراندیپ'' کے جزیرے کا وجود جو ہم نے دیکھا نہیں ہے۔

پس اس جیسے چشم دید اور انتہائی قطعی مسائل کے باریک میں وہمی شکوک وشبہات پیدا کرنا صرف عقل کی تہی دامنی کا ثبوت ہے، دیگر ہیچ۔ اس ضمن میں صرف یہی بات کافی ہے کہ ایسا ہونا محال نہیں، اور یہ کہ چاند کا پھٹنا ایسے ہی ممکن ہے جیسے کہ آتش فشاں کی وجہ سے پہاڑ کا پھٹنا۔

تیسرا نقطہ: معجزے سے مقصود منکرین کو دعوائے نبوت کے اثبات کے لیے مطمئن کرنا ہوتا ہے نہ کہ انہیں مجبور کرنا، اس لیے اس کا اظہار اُن لوگوں کے سامنے ضروری ہوتا ہے جو دعوائے نبوت کو سن رہے ہوتے ہیں، اور اس حد تک ہوتا ہے جس سے وہ مطمئن ہو جائیں، اسی بنا پر اس کا اظہار بدیہی طور پر اس طرح سے نہیں ہوگا کہ اِسے ہر علاقے میں دکھایا جائے، یا اس کے ذریعے لوگوں کو مجبور کیا جائے؛ کیونکہ یہ چیز اُس راز کے خلاف ہے جو لوگوں کو مکلف کرنے میں پایا جاتا ہے، جیسے کہ یہ چیز حکیم ذُوالجلال کی حکمت کے منافی ہے؛ کیونکہ مکلف کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ عقل کے لیے دروازہ کھول دیا جائے اور اس کے ہاتھ سے اختیار چھینا نہ جائے۔

Marfat.com

اب اگر وہ فاطرُ الحکیم شقُ القمر کے معجزے کو ایک دو گھنٹے باقی رکھتا تاکہ_ فلاسفہ کی خواہش کے مطابق_ اسے تمام عالم پر آشکار کر دیا جائے، اور یہ عمومی انسانی تاریخوں میں منتقل ہو جاتا تو اُس وقت یہ دعوائے نبوت کی دلیل نہ بنتا اور رسالتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے ساتھ اس کا کوئی خصوصی تعلق نہ رہتا بلکہ یہ آسمانوں میں رونما ہونے والے دیگر واقعات کی طرح ایک عام واقعہ ہوتا، یا پھر یہ ایک بدیہی معجزہ بن جاتا اور عقل کو بے اختیار کر کے خواہی نخواہی نبوت کی تصدیق کرنے پر مجبور کر دیتا، اور ابوجہل جیسے کوئلہ نما اور ابوبکر جیسے ہیرے جیسی روحوں کے مالک ایک ہی صف میں کھڑے ہو جاتے اور انسان کو مکلف کرنے میں جو راز پنہاں ہے وہ ضائع ہو جاتا۔

یہی وہ راز ہے جس کی رُو سے یہ معجزہ اچانک، رات کے وقت اور غفلت کے سمے رونما ہوا، نیز اختلافِ مطالع دھند اور بادلوں جیسی دیگر رکاوٹیں اس کے لیے حجاب بن گئیں۔ بنابریں، پورے جہاں کے لیے اس کا اعلان نہ ہو سکا یا تاریخ کی کتابوں میں منتقل نہ کیا جا سکا۔

چوتھا نقطہ: بے شک یہ واقعہ مفاجاتی صورت میں پیش آیا اور اس وقت کہ جب ہر نفس ہنگامِ شب غفلت سے دوچار تھا، اس لیے بلاشک تمام اطرافِ عالم میں نظر نہیں آ سکتا تھا۔ اور کوئی دیکھ بھی لیتا تو اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا اور کوئی بھی ان کی بات نہ مانتا، اور اگر وہ کسی کو مطمئن کر بھی لیتا تو خبرِ واحد کی وجہ سے ایسا اہم واقعہ تاریخی سرمایہ نہ بن سکتا۔

رہی یہ بات کہ چاند دو ٹکڑے ہونے کے بعد زمین پر اُتر آیا تھا، تو اس اضافے کو محقق علماء نے ردّ کر دیا ہے اور کہا ہے کہ: اس بات کا احتمال ہے کہ اس تابناک معجزے کی قیمت گھٹانے کے لیے کسی منافق نے یہ ٹکڑا ساتھ ملا دیا ہو۔

اور مثال کے طور پر کہ اُن دنوں ہسپانیہ اور برطانیہ میں جن پر جہالت کی دھند چھائی ہوئی تھی، ان دونوں ملکوں میں غروبِ آفتاب کا ابتدائی وقت تھا۔ امریکا میں دوپہر کا اور چین اور جاپان میں صبح کا وقت تھا۔ اِسی طرح دیگر ممالک میں بھی دیگر موانع کی بنا پر اس کا مشاہدہ ممکن نہیں تھا۔

اب ذرا اس بے عقل معترض کو دیکھو جو کہتا ہے: چونکہ برطانیہ، چین، جاپان اور امریکا کی تاریخوں میں اس واقعے کا کوئی ذکر نہیں ملتا، اس لیے یہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا ہے!۔ ہزار ہلاکت ہے ایسے لوگوں کے لیے جو یورپ کی کاسہ لیسی کر رہے ہیں۔

پانچواں نقطہ: شقُ القمر کا واقعہ کوئی اتفاقی یا بعض اسباب کی بنا پر خود بخود رُونما ہو جانے والا طبعی واقعہ نہیں ہے کہ اس پر اُن اسباب کے عمومی اور طبعی قوانین کا اطلاق کیا جا سکے، بلکہ شمس وقمر کو پیدا کرنے والے خالقُ الحکیم نے اپنے رسول کی رسالت کی تصدیق کرنے اور اس کے دعوے کو روشن کرنے کے لیے یہ واقعہ خارقِ عادت یعنی طبعی قوانین کے خلاف ظاہر کیا، چنانچہ دعوت وارشاد اور مکلف بنانے کے راز اور رسالت کی حکمت کے تقاضے کے مطابق، جن لوگوں پر ربوبیت کی

Marfat.com

حکمت نے حجت پورا کرنا چاہی اُن پر اِسے ظاہر کر دیا گیا۔ اور دیگر اطراف و اکناف عالم میں جن لوگوں نے دعوائے نبوت کو سنا ہی نہیں تھا اور جن کے بارے میں اس حکمت کے راز نے چاہا نہیں تھا، ان پر بہت سے آڑے آجانے والے اسباب کی وجہ سے اِسے مخفی رکھا گیا، جیسے کہ دُھند، بادل، اختلاف مطالع وغیرہ؛ اور بعض ملکوں میں چاند طلوع نہیں ہوا تھا، اور بعض ملکوں میں سورج طلوع ہو گیا تھا، بعض میں دوپہر کا وقت تھا، بعض میں سورج غروب ہو رہا تھا وغیرہ۔ اور بعض ملکوں میں چاند طلوع نہیں ہوا تھا۔ پس اگر یہ اُن سب لوگوں پر بھی آشکار ہو جاتا تو یا تو اشارۂ محمدی اور معجزۂ نبوت کے نتیجے کی حیثیت سے ہوتا، تب آپ ﷺ کی رسالت درجہ بداہت کے دائرے میں داخل ہو جاتی، اور یوں ہر کوئی اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتا اور عقل بے اختیار رہ جاتی اور نتیجتاً مکلّف بنانے کا راز ہی ختم ہو جاتا۔ اور اگر اس کا اظہار ایک عام آسمانی حادثے کے طور پر ہوتا تو رسالتِ محمدی کے ساتھ اس کی کوئی مناسبت نہ رہتی اور اس کا خصوصی طور پر اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہتا۔

الحاصل: شق القمر کے امکان میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا ہے، اور یہ قطعی طور پر ثابت بھی ہو چکا ہے۔

اور اب ہم اس کے وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرنے والے بہت سے دلائل میں سے چھ دلیلوں (حاشیہ:۱) کی طرف اشارہ کریں گے۔

اور وہ اس طرح کہ: اس کے وقوع پر صحابہ کرام کا اجماع_ جو کہ سب کے سب عادل ہیں۔ آیتِ کریمہ ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ کی تفسیر میں تمام محقق مفسرین کا اس کے وقوع پر اتفاق_ تمام محدثین کا اس کے وقوع کے بارے میں مختلف طرق اور بہت سی اسانید کے ساتھ صحیح اور سچی روایات کو نقل کرنا اور تمام اہلِ کشف والہام، اولیاء و صدیقین کی شہادت اور مسالک و مشارب میں اختلاف رکھنے کے باوجود علمُ الکلام کے متبحر ائمہ کرام کی تصدیق اور اُمتِ محمدیہ کا اس واقعہ کو بالاتفاق قبول کر لینا_ وہ اُمتِ محمدیہ کہ جس کا نصِ قطعی کی رُو سے گمراہی پر اجماع نہیں ہوتا ہے_۔ یہ تمام چیزیں اس بات کی دلیل ہیں کہ شق القمر کا واقعہ سورج کے وجود کی طرح ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

الحاصل: یہاں تک جو بحث ہوئی ہے تحقیق کے نام سے اور مدِ مقابل کو جواب دینے کے نقطۂ نظر سے تھی۔ اب اس کے بعد جو گفتگو ہوگی وہ حقیقت اور ایمان کی رُو سے ہوگی۔

جی ہاں: تحقیق اسی طرح کہتی ہے۔ اور جہاں تک تعلق ہے حقیقت کا، تو وہ کہتی ہے: جس طرح خاتم دیوانِ نبوت جو کہ آسمانِ رسالت کا قمرِ منیر ہے، معراج کے ذریعے زمین و آسمان کے باسیوں کے لیے اُس کی اہمیت، برتری اور محبوبیت کا

(حاشیہ:۱) مطلب یہ ہے کہ: اس کے وقوع پذیر ہونے پر چھ دلیلیں چھ مرتبہ کے اجماع کی صورت میں پائی جاتی ہیں اس مقام کی اچھی طرح وضاحت ہونی چاہیے تھی لیکن افسوس کہ مختصر رہا۔۔۔مؤلف۔

Marfat.com

اِظہاراوراس کی ولایت کا اثبات کیا گیا، یعنی کہ یہ کام ایک ارضی جسم کو آسمانوں میں چلا کر کیا گیا جو کہ اُس کی درجۂ محبوبیت کی بلندی تک پہنچ جانے والی عبودیت میں پائی جانے والی ولایت کے لیے معجزۂ کبریٰ اور کرامتِ عظمیٰ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِسی طرح اُس نے آسمان میں معلق، اور زمین سے مربوط چاند کو ایک ارضی یعنی زمین کے باسی کے اشارے کے ساتھ دو ٹکڑے کر دیا، اوراس طرح سکّانِ ارض کے لیے اس ارضی رسالت کے لیے ایک معجزے کا ظہور ہو گیا، اِس طرح کہ ذاتِ محمدی اَوجِ کمالات تک پرواز کر گئی، حتیٰ کہ اپنے رسالت اور ولایت جیسے روشن اور چاند کے دو روشن اور کھلے بازوؤں کے ساتھ مشابہت رکھنے والے دو تابناک بازوؤں یعنی قابَ قوسین تک کی بلندی پر چلے گئے۔ اور اس طرح زمین وآسمان کے باسیوں کے لیے فخر کا دارومدار ٹھہرے۔

عَلَیْهِ وَعَلٰی آلِهِ الصَّلاةُ وَالتَّسْلِیمَاتُ، مِلْءَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتِ...

﴿سُبْحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلَّامَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ مَنْ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ بِاِشَارَتِهٖ اِجْعَلْ قَلْبِیْ وَ قُلُوْبَ طَلَبَةِ رَسَائِلِ النُّوْرِ الصَّادِقِیْنَ کَالْقَمَرِ فِیْ مُقَابَلَةِ شَمْسِ الْقُرْآنِ آمِیْنَ آمِیْنَ

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# بتیسواں مقالہ

## اس مقالے میں تین موقف ہیں

یہ مقالہ ایک ذیلی بحث ہے جو کہ بائیسویں مقالے کے آٹھویں لمعے کی وضاحت کرتی ہے، اور اُن پچپن زبانوں میں سے پہلی زبان کی تفسیر ہے جن کے ذریعے موجوداتِ عالم اللہ کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہیں، اس کی طرف ''قطرہ'' نامی مضمون میں اِشارہ کردیا گیا ہے۔ اور اسی طرح یہ بحث آیت کریمہ ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَ تَا ... ﴾ میں پائے جانے والے بہت سے حقائق میں سے ایک حقیقت ہے جسے تمثیل کے لبادے میں پیش کیا گیا ہے۔

Marfat.com

## پہلا موقف

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے شروع ہوتا ہے۔

﴿لَوْ کَانَ فِیْهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَ تَا...﴾

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَهُ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَایَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾

میں نے رمضان کی ایک رات میں ذکر کیا تھا کہ توحید پر مشتمل اس کلام کے گیارہ جملوں میں سے ہر جملے میں توحید کی ایک بشارت اور مرتبہ ہے، اور میں نے ان میں سے صرف "لا شریک له" کے جملے میں پائے جانے والے معنی کی وضاحت کے لیے عوام کی سمجھ میں آجانے والے اسلوب میں کچھ مراتب کا ذکر تمثیلی بات چیت اور فرضی مناظرے کے انداز میں کیا تھا اور اس ضمن میں نے لسانِ حال کے ذکر کے لیے لسانِ مقال کا استعمال کیا تھا۔ اور اب میں اس بات چیت کو اپنے مسجد کے ساتھیوں کی طلب پر اور اپنے ان دوستوں کے مشورے پر جو میرے ساتھ قیام پذیر ہو کر میری خدمت کرتے ہیں، سپردِ قلم کر رہا ہوں۔ اور وہ کچھ اس طرح ہے کہ:

ہم ایک ایسا آدمی فرض کر لیتے ہیں جو کہ مادہ پرست، اسباب کے معتقد اور مشرکین جیسے تمام اہلِ شرک و کفر و ضلالت کے وہمی شرکاء کی نمائندگی کرتا ہو۔ اب وہ فرضی شخص یہ چاہتا ہے کہ موجوداتِ عالم میں سے کسی کا پروردگار بنے اور اپنے بارے میں دعویٰ کرے کہ وہ حقیقی مالک ہے۔

اب اس خدائی دعوے دار کا سب سے پہلے پالا ذرّے کے ساتھ پڑتا ہے، ذرّہ جو کہ سب سے چھوٹی مخلوق ہے، تو وہ اس ذرّے سے طبیعت یعنی نیچر اور فلسفے کی زبان کے ساتھ کہتا ہے: میں تمہارا پروردگار اور حقیقی مالک ہوں۔

اور ذرّہ اُسے حقیقت اور حکمتِ ربانیہ کی زبان سے کہتا ہے: میں بے حد وحساب وظائف سرانجام دیتا ہوں، اور ہر قسم کی مصنوعات میں داخل ہو جاتا ہوں اور اُس میں مختلف قسم کے اعمال سرانجام دیتا ہوں۔ پس اگر تُو ایسے علم اور ایسی قدرت کا مالک ہے جو یہ تمام وظائف ادا کر سکتے ہوں۔ اور پھر یہ کہ ہم اکٹھے گھومتے ہیں (حاشیہ:۱) اور اپنے جیسے بے حد وحساب

(حاشیہ:۱) جی ہاں ذرات سے لے کر سیارات تک ہر متحرک چیز اپنے اندر پائے جانے والے صمدیت کے سکے کی وجہ سے جس طرح وحدت پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح وحدت کے نام پر وہ اپنی حرکات کے ذریعے اُن تمام اماکن کو بھی کنٹرول میں رکھتی ہے جہاں جہاں وہ چلتی پھرتی ہے، اور یوں اُن سب کو اپنے اکیلے مالک کی بادشاہی میں داخل کر دیتی ہے۔ رہیں نباتات سے لے کر نجوم تک غیر متحرک مصنوعات، تو وہ سب وحدانیت کی مہروں کا حکم رکھتی ہیں، چنانچہ وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جن اماکن میں وہ رہ رہی ہیں وہ سب اُن کے صانع کے مکتوبات ہیں۔۔۔ (جاری)

Marfat.com

ذرّوں کے درمیان عمل کرتے ہیں۔ پس اگر تجھ میں کوئی ایسی حکمت یا اقتدار ہے جو میرے جیسے تمام ذرّوں سے خدمت لیتے ہوں اور انہیں اپنے ماتحت کر سکتے ہوں۔ اور اگر تُو مثال کے طور پر تمام موجودات اور خون میں پائے جانے والے سرخ ذرّات کا حقیقی مالک و متصرف بن سکتا ہے جن کا میں بہ کمال انتظام جزء بن چکا ہوں۔ اگر تو یہ سب کچھ کر سکتا ہے تو پھر میرے رب ہونے کا دعویٰ کر اور مجھے غیر اللہ کی طرف منسوب کر، ورنہ چپ رہ۔ جس طرح تو میرا پروردگار نہیں بن سکتا؛ اسی طرح میرے معاملات میں دخل اندازی بھی نہیں کر سکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے وظائف و حرکات میں اتنا مکمل نظم و ضبط ہے کہ جو غیر متناہی حکمت اور علمِ محیط کا مالک نہ ہوگا وہ ہمارے ان معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا اور اگر مداخلت کرے گا تو معاملہ خلط ملط کر دے گا۔ اور صورتِ حال یہ ہے تجھ جیسا جامد آدمی جو کہ عاجز اور اندھا ہے اور جس کے دونوں ہاتھ ''اتفاق اور طبیعت'' کے نابینے ہاتھوں میں ہیں، کسی بھی جہت میں اپنی انگلی دراز نہیں کر سکتا ہے۔

تو اُس مدعی نے وہی کہا جو کہ مادہ پرست کہتے ہیں: تب تو تُو خود اپنا مالک بن سکتا ہے۔ تُو یہ کیوں کہتا ہے کہ میں کسی دوسرے کی راہ میں کام کرتا ہوں؟ تو ذرّے نے جواب دیا: اگر میرے پاس سورج جیسا دماغ ہوتا، اُس کی روشنی جیسا علمِ محیط، اس کی حرارت جیسی ہمہ گیر قدرت، اُس کی روشنی میں پائے جانے والے سات رنگوں جیسے عالمگیر حواس، اور میری جو لانگاہ بننے والے تمام مقامات کی طرف رُخ کرنے والے چہرے ہوتے، ان کی طرف دیکھنے والی آنکھیں ہوتیں اور اِن میں نافذ ہو جانے والے اقوال ہوتے، تو اس بات کا احتمال تھا کہ میں تیری طرح حماقت کی رَو میں بہ جاتا اور اس بات کا دعویٰ کر دیتا کہ میں اپنی ذات کا بذاتِ خود مالک ہوں۔ نکل جا؛ تجھے مجھ سے کچھ نہیں ملنے والا۔

جب شرکاء کا وکیل ذرّے سے مایوس ہو گیا تو وہ خون میں پائے جانے والے سرخ ذرّے (Haemoglabin) سے اس اُمید سے ملا کہ شاید اس سے کچھ مل جائے، چنانچہ اسباب کے ترجمان اور نیچر اور فلسفے کی زبان سے کہنے لگا: میں تیرا پروردگار اور مالک ہوں۔

تو سرخ ذرّہ اُسے حقیقت اور حکمتِ الٰہیہ کی زبان سے کہتا ہے: میں اکیلا نہیں ہوں، میں اور میرے جیسے تمام ذرّے خون کی فوج میں ہیں، ہمارا نظام ایک ہے، وظائف ایک ہیں اور ہم ایک ہی حکم کے ماتحت ہیں۔ پس اگر تُو میرے جیسے تمام

(حاشیہ سابقہ صفحہ) تو گویا کہ ہر بُوٹی اور ہر پھل وحدانیت کی مہر اور وحدت کا سکہ ہے جو وحدت کے نام پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُن کے اماکن داوطان ان کے صانع کے رسائل و مکتوبات ہیں۔

حاصل یہ کہ ہر چیز اپنی حرکت کے ساتھ وحدت کے نام پر تمام چیزوں کو کنٹرول کر رہی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو تمام نجوم و کواکب کی زمام اپنے ہاتھ میں نہیں تھام سکتا ہے وہ ایک ذرّے کا بھی ربّ نہیں ہو سکتا ہے۔ مؤلف۔

(حاشیہ:۱) طبیعت: Nature سے مراد کائنات، عالمِ طبیعی، کارخانۂ قدرت، قوانینِ قدرت، قوانینِ فطرت اور مظاہرِ قدرت کی پرستش کی جاتی ہے۔ (مترجم)

Marfat.com

ذرّات کا مالک بن سکتا ہے اور تجھ میں کوئی ایسی دقیق حکمت اور عظیم قدرت پائی جاتی ہے جو کہ بدن کے اُن تمام خلیوں کی مالک بن سکتی ہو جن میں ہم بکمال حکمت گھوم پھر رہے ہیں اور استعمال کیے جا رہے ہیں، تو اُسے سامنے لا۔ اور اگر تُو کوئی ایسی حکمت اور قدرت دکھا سکتا ہے تو پھر تو ممکن ہے کہ تیرا دعویٰ کوئی معنی رکھتا ہو۔ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ تیرے جیسا بے ہوش آدمی کہ جس کے ہاتھ میں سوائے اندھی قوت اور گونگی نیچر کے کچھ ہے ہی نہیں، ہمارے معاملات میں ایک ذرّے کے برابر بھی دخل اندازی نہیں کر سکتا ہے، چہ جائیکہ ہمارا مالک بننے کا دعویٰ کر دے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نظم وضبط میں ہم رہ رہے ہیں وہ اتنا مکمل ہے کہ ہمیں اپنے حکم کے ماتحت صرف وہی کر سکتا ہے جو ہر چیز کو دیکھتا سنتا اور جانتا ہے اور جو ہر چیز کو بناتا ہے۔ لہٰذا تیرے لیے چپ ہی بھلی ہے؛ کیونکہ میری ذمہ داری بڑی اہم اور نظم وضبط اتنا مکمل ہے کہ تیری ان بیہودہ اور مخلوط باتوں کا جواب دینے کی میرے پاس گنجائش ہی نہیں ہے۔ اور یوں وہ سرخ ذرّہ اسے دھتکار دیتا ہے۔

پھر وہ دعوے دار جب ذرّے کو بھٹکا نہ سکا تو چل پڑتا ہے اور جسم میں ایک چھوٹی سی منزل سے دوچار ہوتا ہے جسے خلیہ کہا جاتا ہے، اور اسے فلسفہ اور نیچر کی زبان میں کہتا ہے: میں ذرّے اور سُرخ ذرّے کو اپنی بات نہیں سمجھا سکا ہوں شاید تو سمجھ جائے؛ کیونکہ تیری بناوٹ ایک چھوٹی سی منزل کی طرح کئی چیزوں سے ہوئی ہے، لہٰذا میں تجھے بنا سکتا ہوں، چل تو ہی میری صنعت گری کا نمونہ اور حقیقی ملکیت بن جا۔

تو خلیہ اُسے جواباً حکمت اور حقیقت کی زبان سے کہتا ہے: میں اگرچہ ایک چھوٹی سی چیز ہوں، لیکن میرے وظائف بہت بڑے اور مناسبات انتہائی دقیق ہیں، اور بدن کے تمام خلیات اور اس کی مجموعی ہیئت کے ساتھ میرے مربوط تعلقات ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ: میرے ذمے کچھ گہرے اور مُکمل وظائف ہیں جو میں رگوں، نسوں، شریانوں، حساس اور محرک پٹھوں اور جاذبہ، دافعہ، مولدہ اور مصورہ جیسی قوتوں کے ساتھ مل کر ادا کرتا ہوں۔ پس اگر تجھ میں کوئی ایسی قدرت اور علم ہے جو کہ تمام بدن، تمام عضلات، اعصاب وقُویٰ کی تشکیل کر دے، انہیں منظم کر دے اور انہیں استعمال کر سکے، اور اگر تجھ میں ایسی قوتِ نافذہ اور حکمتِ شاملہ ہے جو کہ بدن کے میرے جیسے تمام خلیات میں جو کہ صنعت اور کیفیت میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہیں، تصرف کر سکے تو اس قوت وحکمت کو بروئے کار لا، پھر یہ کہہ کر دعویٰ کر کہ: میں تجھے بنا سکتا ہوں۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتا ہے تو اپنی راہ لے؛ کیونکہ سرخ ذرّات مجھے میرا ہر قسم کا رزق فراہم کر رہے ہیں اور سفید ذرّات مجھ پر حملہ آور ہونے والے تمام امراض کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور میں بہت بڑی ذمہ داری ادا کر رہا ہوں اس لیے مجھے مشغول نہ کر۔ اور یہ بھی ہے کہ تجھ جیسی کوئی عاجز، جامد، گونگی بہری اور اندھی چیز کسی بھی جہت سے ہمارے کاروبار میں قطعاً دخل اندازی نہیں کر سکتی ہے، کیونکہ ہمارے اندر ایک انتہائی دقیق، لطیف اور مکمل انتظام پایا جاتا ہے، (حاشیہ: ۱) کہ اگر ہم پر کسی حکیمِ مطلق، قدیرِ مطلق اور علیمِ مطلق کی حکمرانی نہ ہو تو ہمارا یہ تمام انتظام فاسد اور نظم وضبط مخلوط ہو جائے۔

Marfat.com

وہ مدعی جب اس میں بھی ناامید ہو جاتا ہے تو پھر بدنِ انسان سے سامنا ہوتا ہے اور اُسے ـ تو اس نے ایک دفعہ پھر جیسے اندھی نیچر اور بے لگام فلسفے والی زبان سے نیچر پرست کہتے ہیں ـ کہتا ہے: میری ملکیت ہے، تجھے میں نے بنایا ہے یا کم از کم میرا تجھ میں کچھ نہ کچھ حصہ ہے۔

---

(۱) بے شک صانع الحکیم نے انسان کے بدن کو ایک انتہائی منظم شہر کی طرح کا بنایا ہے، چنانچہ رگوں کی ایک قسم ایسی ہے جو کہ ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کا وظیفہ ادا کرتی ہے، ایک قسم ایسی ہے جو اُس خون کی جولانیوں کا دارومدار ہے جو کہ آبِ حیات کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ قسم چشموں کے پائپوں کے مشابہ ہے۔ اور خود خون میں دو قسم کے جسیمے پیدا کئے گئے ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک قسم کو سرخ جسیمے کہا جاتا ہے، یہ بدن کے خلیوں میں رزق تقسیم کرتے ہیں اور قانونِ الٰہی کے ساتھ یہ رزق اُن تک پہنچاتے ہیں۔ اِن کی مثال ایسے ہے جیسے کہ تاجر اور رزق پر مامور کارندے ہوں۔ اور دوسری قسم کو سفید جسیمے کہا جاتا ہے، یہ جسیمے دوسروں کی بہ نسبت اقلیت میں ہیں، اور ان کی ڈیوٹی یہ ہے کہ یہ لشکر کی طرح بیماری جیسے دشمنوں سے بچاتے ہیں۔ پس یونہی یہ دفاعی لائن میں داخل ہوتے ہیں۔ مرید رومی کی طرح دو دَوری حرکتوں کے ذریعے تیزی سے عجیب و غریب وضع اختیار کر لیتے ہیں۔۔۔ رہی خون کی مجموعی حالت، تو اس کے دو عمومی وظیفے ہیں: پہلا۔ بدن میں خلیوں سے حاصل ہونے والی تخریب کاری اور ٹوٹ پھوٹ کی تعمیر و ترمیم۔۔۔ دوسرا: خلیوں کے ملبے کو اکٹھا کر کے بدن کی صفائی کرنا۔۔۔ اور رگوں کی دو قسمیں ہیں: (1) وریدیں (2): شریانیں۔ شریانیں صاف خون نقل کرتی اور اسے آگے تقسیم کرتی ہیں، اور وریدیں گدلے خون کی گزرگاہیں ہیں، یہ ملبہ اور دیگر فاسد مواد اِکٹھا کرتی ہیں اور خون کو سانس کے مرکز یعنی پھیپھڑے کی طرف لاتی ہیں۔۔۔ اور اُس صانعِ الحکیم نے ہوا میں دو عنصر پیدا کیے ہیں: (1) نائٹروجن (2) آکسیجن۔ آکسیجن کا کام یہ ہے کہ دورانِ تنفس جبھی یہ خون کے ساتھ مس کرتی ہے خون سے آلودہ عنصر کثیف کاربن کو بجلی کی طرح اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور پھر اسے ایک زہریلے ہوائی مادے کی طرف منتقل کر دیتی ہے جسے کاربن ڈائی آکسائیڈ گیس کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آکسیجن حرارتِ غریزی یعنی باڈی ٹمپریچر کو برقرار رکھتی ہے اور خون صاف کرتی ہے؛ کیونکہ اس صانع الحکیم نے آکسیجن اور کاربن کے درمیان ایسا گہرا رشتہ قائم کر رکھا ہے جسے کیمسٹری میں ''کیمیاوی عشق'' (Chemical passion) کہا جاتا ہے۔ پس یہ دو عنصر جبھی ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں قانونِ الٰہی کے تحت فوراً آپس میں مل جاتے ہیں اور سائنس کی رُو سے یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امتزاج سے حرارت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ امتزاج جلنے ہی کی ایک قسم ہے۔ اور اس راز کی حکمت یہ ہے کہ ان دونوں عنصروں کے ذرّات کی مختلف حرکات ہیں، اور ہنگام امتزاج اس عنصر کا ذرہ اُس عنصر کے ذرّے کے ساتھ مل جاتا ہے اور پھر دونوں ایک ہی حرکت کے ساتھ متحرک ہو جاتے ہیں، اب ایک حرکت معلق رہ جاتی ہے؛ کیونکہ امتزاج سے پہلے یہ دو حرکتیں تھیں، اور اب دو ذرّے متحد ہو گئے ہیں اور دونوں ذرّے ایک ہی حرکت کے ذریعے محوِ حرکت ہیں اور دونوں ایک ہی ذرّے کے حکم میں آ گئے ہیں۔ اب دوسری معلق حرکت صانع الحکیم کے قانون کے تحت حرارت کا رُوپ دھار لیتی ہے؛ کیونکہ یہ ایک ثابت شدہ قانون ہے کہ حرکت حرارت پیدا کرتی ہے۔ پس اس راز کی بنا پر اس کیمیاوی امتزاج کے ذریعے جسمِ انسانی میں حرارتِ غریزی کو برقرار رکھا جاتا ہے اور خون صاف ہوتا رہتا ہے۔

پس جب سانس اندر جاتی ہے بدن کے آبِ حیات کا تنقیہ کرتی ہے اور نارِ حیات کو شعلہ زن کرتی ہے۔ اور جب باہر آتی ہے تو مُنہ کو کلمات کے ثمرات عطا کر جو کہ قدرت الٰہیہ کے معجزات ہیں۔ ''فَسُبْحَانَ مَنْ تَحَيَّرَ فِي صُنْعِهِ الْعُقُولُ'' پس پاک ہے وہ ذات جس کی کاریگری میں عقلیں دنگ رہ گئی ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

تو بدنِ انسانی اُسے حقیقت، حکمت اور نظم وضبط کی زبانِ حال سے جواب دیتا ہے: اگر تجھ میں ایسی قدرت اور علم ہے جو کہ میرے جیسے اُن تمام انسانی بدنوں میں حقیقی تصرف کر سکتے ہیں، جن کے چہروں میں سکہ قدرت اور طغرائے فطرت ایک ہی ہے۔ اور اگر تیرے پاس اتنی ثروت اور ایسی سیادت ہے جو کہ میرے رزق کے ان خزانوں کے مالک ہوں جو کہ پانی اور ہوا سے لے کر نباتات وحیوانات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اگر تیرے پاس ایسی لا انتہا قدرت اور لامحدود حکمت ہے جو کہ عقل وقلب وروح جیسے غایت درجے کے عالی شان وسعت بداماں معنوی لطائف کو اپنے زیرِ دست کر سکیں اور کمال حکمت کے ساتھ ان سے غلامانہ خدمت لے سکیں، وہ معنوی لطائف کہ میں اپنے جیسے چھوٹے اور تنگ سے ظرف میں اُن کا غلاف بن چکا ہوں! اگر ہے تو اُسے سامنے لا اور پھر دعویٰ کر کہ: تجھے میں نے بنایا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں کر سکتا ہے تو چپ رہ۔ پھر یہ بھی ہے کہ میرا صانع جلیل ہر چیز پر قادر ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے، ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے، اور اس کی گواہی یہ ہے کہ مجھ میں پایا جانے والا نظم وضبط انتہائی کامل ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ میرے چہرے پر لگی ہوئی مہر وحدت کی ہے، اس لیے تیرے جیسے بے لگام اور عاجز کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اُس کی صنعت گری کی طرف انگشت نمائی کر سکے اور اس میں ذرّہ برابر بھی مداخلت کر سکے۔

تب اُس شرک کے نمائندے کو جب بدن میں بھی دخل اندازی کرنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ملتی ہے تو وہاں سے کھسک جاتا ہے اور پھر اس کا پالا "نوعِ انساں" کے ساتھ پڑتا ہے، تو دل میں کہتا ہے: اس متفرق باہم گر پیوستہ جماعت کے اندر شاید مجھے کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں میں دخل اندازی کر سکوں اور ان کے وجودی اور فطری حالات کے ساتھ ایسے اختلاط کر سکوں جیسے کہ شیطان بھی اُن کے اختیاری اور اجتماعی افعال کے ساتھ اختلاط رکھتا ہے، عین ممکن ہے مجھے اس میں کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں میں بدن پر اور بدن کے خلیے پر حکم چلا سکوں جنہوں نے مجھے دھتکار دیا تھا، چنانچہ وہ گونگی نیچر اور بے لگام فلسفے کی زبان سے نوعِ انساں کو مخاطب کر کے کہتا ہے: تم اے نوعِ بشر! بدنظمی کا شکار نظر آتے ہو، پس میں تمہارا پروردگار اور مالک ہوں یا کم از کم تم میں میرا کچھ نہ کچھ حصہ ہے۔

تب نوعِ انسان حق وحقیقت اور حکمت وانتظام کی زبان سے کہتی ہے: اگر تجھ میں کوئی ایسی قدرت اور حکمت ہے جو اُس قمیص کو تیار کر سکے جو تمام کرۂ ارض کو پہنائی گئی ہے، جو کمال حکمت کے ساتھ تیار کی گئی ہو اور جو ہم نوعِ انسانی جیسی لاکھوں نباتات وحیوانات سے لیے گئے رنگ برنگے تانوں بانوں سے بُنی گئی ہو۔ اور وہ قالین تیار کر سکے جو سطحِ ارض پر بچھایا گیا ہے، اور جو لاکھوں قسم کے ذی حیات سے بُنا گیا ہے اور جو کہ انتہائی خوبصورت نقش ونگار سے آراستہ کیا گیا ہے؛ اور یوں وہ اس قمیص اور قالین کو ہمہ وقت بہ کمال حکمت جدید کرتی رہیں اور تبدیلی کے عمل سے گزارتی رہیں۔ اور یہ بھی کہ اگر تجھ میں ایسی عالم گیر قدرت اور ہمہ گیر حکمت ہے جو اُس کرۂ ارض میں تصرف کر سکیں جس کا ہم ایک ثمرہ بن گئے ہیں اور

Marfat.com

اس کائنات میں تصرف کر سکیں جس کی ہم ایک گٹھلی بن گئے ہیں، اور اطراف عالم سے حکمت کے میزان کے ساتھ وہ مواد ارسال کر دیں جو ہماری زندگی کے لیے لازم ہے۔ اور اگر تیرے پاس ایسا اقتدار ہے جو ہمارے اور ہمارے جیسے گزشتہ اور آئندہ آنے والوں کو پیدا کر سکے جن کے چہروں میں سکہ قدرت ایک سا ہے، تو پھر یہ ہو سکتا ہے کہ تو میرا پروردگار ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو چپ ہو جا۔ اور ہم لوگوں میں جو بدنظمی اور ہرج مرج پایا جاتا ہے اُسے دیکھ کر یہ مت کہہ کہ: میں ان کے معاملات میں دخل اندازی کر سکتا ہوں؛ کیونکہ ہمارے ہاں پایا جانے والا انتظام انتہائی کامل ہے، اور جن حالات کو تو ہرج مرج سمجھ رہا ہے وہ تو صرف کتابِ تقدیر کے حساب سے کمال انتظام کے ساتھ قدرتِ الٰہیہ کو نقل کرنے کا نام ہے؛ کیونکہ حیوانات و نباتات کا کمال انتظام جو کہ ہم سے کئی درجے ادنیٰ ہے _ اور جو کہ ہماری نگرانی میں ہے _ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ہمارے درمیان جو اختلاط اور آشفتگی پائی جاتی ہے وہ پُر حکمت کتابت کی ایک قسم ہے۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ جس نے انتہائی مہارت کے ساتھ قالین کے اطراف میں نقش و نگار بنائے ہیں وہ اس قالین کے خالق کے علاوہ کوئی اور ہو؟ اور یہ کہ ایک پھل کا مُوجد اُس پھل کے درخت کے موجد کے علاوہ کوئی اور ہو؟ اور یہ کہ ایک گٹھلی کو پیدا کرنے والا اُس گٹھلی کے جسم کو پیدا کرنے والے کے علاوہ کوئی اور ہو؟ کیا تیری آنکھ اندھی ہو گئی ہے؟ کیا تجھے میرے چہرے میں پائے جانے والے قدرت کے معجزات اور ہماری ماہیت میں پائے جانے والے فطرت کے معجزات نظر نہیں آ رہے ہیں؟ اگر تو انہیں دیکھ لے تو سمجھ جائے گا کہ میرا صانع وہ آقا و مولا ہے کہ جس پر نہ تو کوئی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ کوئی چیز اس کے آگے ناز برداری کرے اور مشکل ہو جائے، اور یہ کہ اس کے لیے ستارے ذرات کی طرح آسان ہیں، اور یہ کہ وہ پورے موسمِ بہار کو ایک پھول کی سی آسانی کے ساتھ پیدا کر لیتا ہے اور یہ کہ وہ ایسا مالک ہے کہ جس نے اِس عظیم کائنات کی فہرست کو کمال انتظام کے ساتھ میری ماہیت میں درج کر دیا ہے۔ تو کیا تیرے جیسے اندھے بہرے، جامد اور عاجز کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اس جیسے آقا و مولا کی صنعت گری میں کسی قسم کی دخل اندازی کر سکے؟۔ پس تیرے لیے چپ ہی بھلی ہے! بس اب چُپ ہو جا اور میری نظروں سے دُور ہو جا۔ اور یہ کہہ کر وہ اُسے دھتکار دیتا ہے۔

پھر وہ مُدعی وہاں سے ہٹ جاتا ہے اور سطح زمین پر بچھی ہوئی وسیع و عریض دلفریب چٹائی سے اور زمین کو پہنائی گئی انتہائی خوبصورت، مزین اور منقش قمیص سے، اسباب، نیچر اور فلسفے کی ترجمانی کرتا ہوا دعوے کی صورت میں کہتا ہے: میں تجھ میں تصرف کر سکتا ہوں، اور میں تیرا مالک ہوں، یا میرا تجھ میں حصہ ہے۔

تب قمیص اور وہ چٹائی اسے حق، حقیقت اور حکمت کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں: (حاشیہ:۱) اگر تجھ میں کوئی ایسی قدرت اور کاریگری پائی جاتی ہے جو وہ تمام مختلف نقوش والی، دلفریب، مضبوط اور منتظم قمیصیں اور چٹائیاں بُن سکے جو کہ

Marfat.com

سالہا سال اور قرنہا قرن سے روئے زمین کو پہنائی اور اس پر بچھائی گئی ہیں، پھر پورے نظم وضبط کے ساتھ اس سے اُتار کر ماضی کے فیتے پر لٹکا دی گئی ہیں اور جو کہ اسے پھر نئے سرے سے پہنا دی جائیں گی، اور وہ قدرت اور کارگیری تقدیر کے دائرے میں ان چادروں اور چٹائیوں کے اندازے، پیمانے اور راستے اور نقشے متعین کر سکے اور کمال انتظام کے ساتھ اُنہیں مستقبل کے فیتے پر لٹکا سکے؛ اور اگر تیرے پاس حکمت اور قدرت سے بہرہ ور دو معنوی ہاتھ ہیں جو تخلیقِ ارض کے آغاز سے لے کر اس کی ویرانی تک، بلکہ ازل سے لے کر ابد تک دراز ہو سکتے ہوں۔ اور اگر تجھ میں وہ حکمت اور اقتدار ہے جو ان تمام افراد کو نشوونما دے سکیں جو کہ میرے تمام ریشوں میں پائے جاتے ہیں اور کمال حکمت کے ساتھ اُن کی مرمت اور تجدید کر دیں، اور اگر تیرے پاس موجد بننے کی طاقت ہے اور اس طرح تُو اُس کرۂ ارض کی زمامِ کار ہاتھ میں لے سکتا ہے جو کہ ہمارا ماپ ہے اور جو ہمیں پہنتی ہے اور ہمیں اپنے لیے حجاب اور نقاب بناتی ہے؛ اگر تیرے پاس یہ سب کچھ ہے تو میرے لیے اپنی پروردگاری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہاں سے نکل جا؛ یہاں تیرے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ ہم میں وحدت کا سکہ اور احدیت کا طرّۂ امتیاز پایا جاتا ہے اس طرح کہ وہ ہستی کہ تمام کائنات جس کے قبضۂ تصرف میں نہ ہو، جو تمام اشیاء کو اُن کے تمام شئوون و معاملات سمیت ایک ہی وقت میں نہ دیکھ سکے، جو لا انتہا اُمور کو ایک ساتھ سرانجام نہ دے سکے، جو ہر ہر جگہ حاضر ناظر نہ ہو سکے، جو خود مکان سے منزہ نہ ہو اور جو بے انتہاء حکمت، علم اور قدرت کی مالک نہ ہو، وہ نہ تو ہمارا مالک ہو سکتا ہے اور نہ ہمارے معاملات میں دخل اندازی کر سکتی ہے۔

پھر وہ مدعی وہاں سے چلا جاتا ہے اور کہتا ہے: شائد میں زمین کو دھوکہ دے کر وہاں اپنی جگہ بنا سکوں گا، چنانچہ وہ جاتا ہے اور کرۂ ارض (حاشیہ:۱) سے بھی اسباب اور نیچر کی زبان سے کہتا ہے: تیری اس بے لگام اور آوارہ گردش سے محسوس ہو رہا ہے کہ تیرا کوئی مالک نہیں ہے، اس لیے تُو میری ماتحتی میں آ سکتی ہے۔

تب کرۂ ارض اُسے حق اور حقیقت کی زبان کے ساتھ گرج دار آواز میں کہتا ہے: معاملہ گڑبڑ نہ کر۔ میں بے لگام اور بغیر مالک کے کیسے ہو سکتا ہوں؟ کیا تجھے میرے یہ ملبوسات اور میرے ان ملبوسات میں کوئی چھوٹا سا نقطہ اور کوئی ریشہ نظم و

---

(حاشیہ:۱) حاصلِ کلام یہ ہے کہ: ذرّہ اُس مدعی کو ہیموگلوبن کی طرف بھیج دیتا ہے، اور ہیموگلوبن اُس شخص کو خلیے کی طرف بھیج دیتا ہے، خلیہ اسے بدن انسان کی طرف بھیج دیتا ہے، انسانی بدن اُسے نوعِ انسان کی طرف بھیج دیتا ہے، نوعِ انسان اُسے ذی حیات کی انواع سے بنی ہوئی زمین کی قمیص کی طرف بھیج دیتی ہے۔ زمین کی یہ قمیص اُسے کرۂ ارض کی طرف بھیج دیتی ہے، کرۂ ارض اُسے سورج کی طرف اور سورج اُسے تمام ستاروں کی طرف بھیج دیتا ہے۔ بس اُن میں سے ہر ایک یہ کہتا ہے: جا اپنا راستہ لے، اگر مجھ سے اُوپر والے کو کنٹرول کر سکتا ہے تو پھر چلے آنا اور مجھے کنٹرول کرنے کی کوشش کر لینا۔ لیکن اگر تو مجھ سے اُوپر والے کو قابو میں نہ رکھ سکا تو پھر مجھے کسی بھی صورت قابو نہیں کر سکے گا۔۔۔

مطلب یہ ہے کہ جو اپنا حکم تمام ستاروں میں نافذ نہیں کر سکتا وہ اپنی ربوبیت کا حکم ایک ذرّے پر بھی نافذ نہیں کر سکتا ہے۔۔۔ مؤلف۔

Marfat.com

ضبط سے باہر نظر آتا ہے۔ کیا تجھے یہ چیزیں بے حکمت و بے صنعت نظر آتی ہیں کہ جس کی وجہ سے تُو مجھے بے لگام اور بے مالک کہتا ہے؟۔ پس اگر تو میرے اس عظیم مدار کا حقیقی مالک بن سکتا ہے جس کے اندر میں اپنی سالانہ گردش کے ذریعے ایک سال میں تقریباً پچیس ہزار سال (حاشیہ:۱) کی مسافت کے حساب سے محوِ گردش رہتا ہوں اور اِس میں کمال حکمت اور میزان سے اپنی خدمت کا وظیفہ سرانجام دیتا ہوں، اور اگر تجھ میں کوئی ایسی بے پایاں حکمت اور قدرت پائی جاتی ہے جو ان دس سیاروں کو پیدا کر سکے جو کہ میرے بھائی اور میرے جیسے ملازم ہیں، جو ان تمام مداروں کو پیدا کر سکے جن میں یہ سیارے گردش کر رہے ہیں، اور جو اُس سورج کو پیدا کر سکے جو ہمارا قائد اور امام ہے اور جس کے ساتھ ہم رحمت کی جاذبیت کے ذریعے بندھے ہوئے ہیں، پس وہ حکمت اور قدرت ان تمام سیاروں کو ہمیں گردش میں لا سکے اور مجھے اور ان سیاروں کو اُس سورج کے ساتھ گو پھیے کے پتھر کی طرح باندھ سکے اور انہیں گردش میں لا سکے اور کمال انتظام و حکمت کے ساتھ انہیں استعمال میں لا سکے۔ تو پھر تُو میری پروردگاری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر جا جہنم میں؛ کیونکہ میرے کندھوں پر بھاری ذمہ داری ہے میں اُس ذمہ داری کو نبھانے جا رہا ہوں۔

پھر یہ بھی ہے کہ ہمارے درمیان ایسے پُر حشمت انتظامات، دہشت ناک حرکات اور پُر حکمت تسخیرات پائی جاتی ہیں جو کہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہمارا صانع وہ آقا و مولا ہے کہ ذرّات سے لے کر نجوم و شموس تک تمام موجودات فرما نبردار لشکر کی طرح اُس کے مطیع و مسخر ہیں۔ اور وہ حکیم ذُوالجلال اور حاکمِ مطلق ہے جو کہ سورج کو دیگر سیارات کے ساتھ ایسے ہی آسانی کے ساتھ نظم و ضبط میں رکھتا ہے جیسے کہ ایک درخت کو نظم و ضبط میں رکھتا ہے اور اُسے اس کے پھلوں کے ساتھ مزین کرتا ہے۔

پھر وہ مدعی جب زمین میں کوئی جگہ نہیں پاتا ہے تو سورج کی طرف جاتا ہے اور دل میں کہتا ہے:

یہ تو کوئی بہت بڑی چیز ہے، شاید مجھے اس میں کوئی ایسا سوراخ مل جائے جس سے میں کوئی راستہ کھول سکوں! اور یوں زمین کو بھی مسخر کر لوں، چنانچہ وہ شرک کے نام پہ، شیطانی فلسفے کی زبان سے، مجوسیوں کی طرح سورج کو کہتا ہے: تو بادشاہ ہے اور اپنی ذات کا خود مالک ہے اس لیے جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔

لیکن سورج اُسے حق کے نام پر حقیقت اور حکمتِ الٰہیہ کی زبان سے کہتا ہے: حاشا وکلا، ہزاروں بار حاشا وکلا! میں تو مامور و مسخر، اور اپنے آقا کے مہمان خانے میں شمع روشن کرنے والا نوکر ہوں، میں تو ایک مکھی بلکہ مکھی کے پر کا بھی حقیقی مالک کبھی نہیں ہو سکتا ہوں؛ کیونکہ مکھی کے بدن میں بہت سے معنوی جواہر اور آنکھ دکان جیسی صنعت گری کے انوکھے نمونے پائے جاتے ہیں جو میری دکان میں نایاب ہیں اور وہ میرے دائرۂ اقتدار سے باہر ہیں۔ اس طرح وہ اس مدعی کو ڈانٹ پلا

(۱) ایک دائرے کا نصف قُطر اگر تقریباً ایک سو اسی بلین کلومیٹر ہو تو خود وہ دائرہ تقریباً پچیس ہزار سال کی مسافت کا ہوگا۔۔۔ مؤلف۔

Marfat.com

دیتا ہے۔

پھر وہ مدعی پینترا بدلتا ہے اور فرعونی فلسفے کی زبان میں کہتا ہے: اگر تو خود اپنا مالک نہیں بلکہ نوکر ہے تو پھر تو اسباب کے نام سے تُو میری ماتحتی میں آسکتا ہے۔

تب سورج اُسے حق وحقیقت کے نام پہ اور عبودیت کی زبان سے جواب دیتا ہے:

میں تو صرف اُس ایک آقا کی غلامی کرسکتا ہوں جو میرے جیسے کواکب علویہ کو پیدا کرتا ہے، انہیں کمال حکمت کے ساتھ آسمانوں میں استوار کرتا ہے، انہیں کمال حشمت کے ساتھ گردش میں رکھتا ہے اور انہیں کمال زینت کے ساتھ مزین کرتا ہے۔

پھر وہ مدعی اپنے دل میں کہتا ہے: ستاروں میں ازدحام واختلاط پایا جاتا ہے، اور یہ دیکھنے میں پراگندہ اور غیر مرتب نظر آتے ہیں، پس ممکن ہے کہ مجھے ان میں اپنے مؤکل کے نام سے کوئی چیز مل جائے، چنانچہ وہ اُن میں داخل ہوجاتا اور وہ انہیں اسباب کے نام پر، اپنے شرکاء کی ترجمانی کرتا ہوا سرکش فلسفے کی زبان سے ستارہ پرست صابیون کی طرح کہتا ہے: تم اپنی بہت زیادہ پراگندگی کی وجہ سے مختلف حکمرانوں کے زیرِ فرماں ہو۔

تب ایک ستارہ دیگر ستاروں کی نمائندگی میں جواباً کہتا ہے: تو کتنا مدہوش، بے عقل واحمق بے بصر ہے! تُو چونکہ ہمارے چہرے میں پایا جانے والا وحدت کا سِکہ اور احدیت کا طرہ دیکھ نہیں پارہا ہے اور تُو ہمارے اندر پائے جانے والے بلند انتظامات اور ہماری عبودیت کے قوانین سے یکسر لاعلم ہے، اس لیے ہمیں بے ہنگم اور غیر منظم سمجھ رہا ہے۔ ہم اس آقا و مولا کے خدام اور صنعت گری کا نمونہ ہیں جو کہ واحدُ اَحد ہے اور جس نے اپنے قبضۂ تصرف میں تھام رکھا ہے، اُن آسمانوں کو جو کہ ہماری جولانگاہ ہیں، اس کائنات کو جو ہمارا درخت ہے اور اُس بیکراں فضائے عالم کو جو کہ ہماری گردش گاہ ہے۔ اور ہم اس کی کمالِ ربوبیت پر دلالت کرنے والے نورانی شواہد اور خوشی کی تقریب میں جگمگانے والے قمقموں کی طرح درخشندہ براہین ہیں جو کہ اس کی سلطنت ربوبیت کا اعلان کررہی ہیں اور ہمارے تمام جُھرمٹ اُس کے دائرۂ سلطنت میں موجود علوی، سفلی، دنیاوی، برزخی اور اُخروی تمام منازل میں تابناک، ضیا پاش اور اس کی سلطنت کی شان وشوکت کا راستہ بتانے والے نورانی خُدام ہیں۔

جی ہاں، ہم میں سے ہر ایک اس واحدُ الاحد کی قدرت کا ایک معجزہ ہے اور تخلیق کے درخت کا منظم پھل ہے، وحدانیت کی منور برہان، ملائکہ کی مسجد، منزل اور جہاز عالم ہائے بالا کا روشن چراغ اور سورج، سلطنتِ ربوبیت کا گواہ، فضائے عالم کی زیب وزینت، اُس کا محل اور پھول، آسمان کے سمندر کی نورانی مچھلی اور آسمان کے چہرے کی خوبصورت آنکھ ہے۔ جس طرح ہم میں سے ہر ایک ایسا ہی ہے جیسے بیان ہوا ہے، اسی طرح ہماری مجموعی ہیئت میں سکون بھرا سکوت،

Marfat.com

حکمت سے مزین حرکت، شان وشوکت والی زیب وزینت، نظم وضبط پر مشتمل حُسنِ تخلیق اور توازن بردوش باکمال صنعت گری کا راج ہے، لہٰذا ہم تمام کائنات کے لیے اپنے صانعِ ذوالجلال کا اور اُس کی وحدت، احدیت اور صمدیت اور اس کے جمال، جلال اور کمال کے اوصاف کا لاانتہا زبانوں کے ساتھ اعلان کرتے ہیں۔ اور تو چونکہ ہم جیسے انتہائی درجے کے صاف، پاکیزہ، مطیع اور مسخر خدام پر اختلاط، عدمِ انتظام اور بے کاری بلکہ بے آقائی جیسی تہمتیں دھر رہا ہے اس لیے تیری گو شمالی ضروری ہوگئی ہے، یہ کہہ کر ایک ستارہ اُسے رجم شیطان جیسا بھرپور تھپڑ رسید کرتا ہے اور اسے سطحِ نجوم سے قعرِ جہنم میں گرا دیتا ہے، اور اُس کے ہمراہ جو نیچر تھی اُسے اوہام (حاشیہ:۱) کی وادیوں میں، اتفاقات کو عدم کے اندھے کنویں میں، شرکاء کو امتناع واستحالہ کی تاریکیوں میں اور دین مخالف فلسفہ کو اسفل السافلین کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیتا ہے اور پھر وہ ستارہ دوسرے ستاروں کے ساتھ ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ والے عہدِ قدسی پڑھتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ: مکھی کے پر سے لے کر آسمانوں کی قندیلوں تک کسی مکھی کے پر جتنے شریک کی بھی گنجائش نہیں ہے جو ان میں دخل اندازی کر سکے۔

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾..

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ سِرَاجِ وَحْدَتِكَ فِيْ كَثْرَةِ مَخْلُوْقَاتِكَ. وَدَلَالِ وَحْدَانِيَّتِكَ فِيْ مَشْهَرِ كَائِنَاتِكَ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ...

---

(۱) ہماری حالت کچھ اشاروں کی سی ہے جو حق تعالیٰ کی مصنوعات کے عجائبات کا نظارہ کرتے اور کرواتے ہیں اور ان کی سیر وتفریح سے دل بہلاتے ہیں۔ یعنی یہ کہ آسمان کو دیکھیں تو ایسے لگتا ہے جیسے وہ زمین میں بکھری ہوئی الٰہی مصنوعات کے عجائبات کا بے شمار آنکھوں کے ساتھ نظارہ کر رہا ہے۔ اور ستارے بھی آسمانوں کے فرشتوں کی طرح اُس زمین کا تماشا کر رہے ہیں جو کہ عجائب وغرائب کا محشر ہے، اور اپنے ساتھ اہلِ شعور کو بھی غور وفکر بھری نظروں کے ساتھ ان چیزوں کے نظارے کی دعوت دے رہے ہیں۔ مؤلف۔

(۲) لیکن نیچر نے گر جانے کے بعد توبہ کر لی اور سمجھ گئی کہ اُس کا حقیقی وظیفہ تاثیر وفعل نہیں بلکہ قبول وانفعال ہے۔ اور اُسے معلوم ہو گیا کہ وہ تقدیرِ الٰہی کی ایک طرح کی کاپی ہے، لیکن ایسی کاپی جو کہ تبدّل وتغیر کے قابل ہے۔ اور یہ کہ وہ قدرتِ ربانیہ کا ایک قسم کا منبع ہے، قدیرِ ذوالجلال فطری شریعت کی ایک نوع ہے اور اُس کے قوانین کے مجموعے کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ وہ کمال عجز وانقیاد کے ساتھ اپنے وظیفہ عبودیت میں، مصروف ہو گئے اور یوں وہ فطرتِ الٰہیہ اور صنعتِ ربانیہ کے نام سے موسوم ہو گئی۔ مؤلف۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فَانْظُرْ اِلٰی آثَارِ رَحْمَةِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾۔

فقرات عربية تشير الى زهرة واحدة من الحديقة الازلية لهذه الآية...

حَتّٰى كَأَنَّ الشَّجَرَةَ الْمُزْهِرَةَ قَصِيدَةٌ مَنْظُومَةٌ مُحَرَّرَةٌ
وَتُنْشِدُ لِلْفَاطِرِ الْمَدَائِحَ الْمُبْهِرَةَ أَوْ فَتَحَتْ بِكَثْرَةٍ عُيُونُهَا الْمُبْصِرَةَ
لِتَنْظُرَ لِلصَّانِعِ الْعَجَائِبَ الْمُنْشَرَةَ أَوْ زَيَّنَتْ لِعِيدِهَا أَعْضَائَهَا الْمُخْضَرَةَ
لِيَشْهَدَ سُلْطَانُهَا آثَارَهُ الْمُنَوَّرَةَ وَتُشْهِرَ فِي الْمَحْضَرِ مَرَصَّعَاتِ الْجَوْهَر
وَتُعْلِنَ لِلْبَشَرِ حِكْمَةَ خَلْقِ الشَّجَر بِكَنْزِهَا الْمُدَّخَرِ مِنْ جُودِ رَبِّ الثَّمَر
سُبْحَانَهُ مَا أَحْسَنَ اِحْسَانَه مَا أَزْيَنَ بُرْهَانَه، مَا أَبْيَنَ تِبْيَانَه (حاشیہ:۱)
خَيَال بِيْنَد اَزِيْں أَشْجَار مَلَائِک رَا جَسَدْ آمَدْ سَمَاوِی بَا هَزَارَاں نَی
اَزِيْں نِيْهَا شُنِيْدَتْ هُوش سَتَايُشْهَاى ذَاتِ حَيّ
وَرْقُهَا رَا زَبَان دَارَنْد هَمَه "هُوْ هُوْ" ذِكْر آرَنْد بَدَرْ مَعْنَاى حَيٌّ حَيّ
چُو "لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" بَرَابَرْ مِيْزَنَنْد هَرْ شَیْ دَمَا دَمْ جُوْيَدَنْد يَا حَقّ
سَرَاسَر گُوْيَدَنْد يَا حَیْ! بَرَابَرْ مِيْزَنَنْد ﴿اَللّٰه﴾
(حاشیہ:۱)

(حاشیہ:۱) ایک پھول دار درخت ایسے لگتا ہے جیسے کہ قلمبند کیا ہوا ایک خوبصورت منظوم قصیدہ ہو۔

اور وہ اپنے فاطرِ ذُوالجلال کی روشن ودرخشاں مدح سرائیوں میں مگن ہے، یا یہ کہ وہ اپنی لاکھوں دیدہ ور آنکھیں کھولے بیٹھا ہے۔

تاکہ وہ اُن لاکھوں آنکھوں کے ساتھ صانع کے اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے عجائب کا نظارہ کرے یا یہ کہ وہ اپنے سبز پوش اعضاء کو مُوسمِ بہار میں جو کہ عمومی عید ہے۔ اپنی خصوصی عید کے لیے آراستہ کیے بیٹھا ہے۔ تاکہ اُس کی سلطانی صانع کے اُن درخشاں تحائف ولطائف وآثار کا مشاہدہ کرے جو اُس نے اُس پر انعام کیے ہیں اور فصلِ بہار میں روئے زمین کی نمائش گاہ مخلوق کی آنکھوں کے سامنے اس کی رحمت کے ان مرصّع جواہر کی تشہیر کرے۔ اور مخلوق کے لیے درختوں کی تخلیق میں پائی جانے والی حکمت کا اظہار کرے، چنانچہ اُن کی نازک اور مہین سی شاخوں میں پائے جانے والے انمول خزانوں اور پھلوں میں پائے جانے والے رحمانی احسانات کے بیش بہا دفینوں کو ظاہر کر کے قدرت الٰہیہ کا اظہار کرے۔

وہ پاک ہے، اس کا احسان کتنا خوبصورت ہے! اس کی برہان کتنی زیبا ہے اور اس کی دلیلِ بیان کتنی واضح ہے!

(حاشیہ:۱) خیال ان درختوں سے ملائکہ کو دیکھ رہا ہے یہ درخت ہزاروں بنسریوں کی صورت میں آسمانی جسم ہے۔

ان بنسریوں سے تیری عقل وآگہی نے اس زندہ ذات کی تعریفیں سُنی ہیں۔ اس کے پتوں تمام پتے ''ھُوھُو'' کی زبان سے بہرہ ور ہیں جو کہ بہ معنیٰ ''حی حی'' کا ذکر کرتے ہیں۔ ہر شے مسلسل ''لا الہ الا ھو'' کا نغمہ الاپ رہی ہے سب دمادم ''یا حق'' کی جستجو میں ہیں۔ سراسر ''یا حی'' کا وِرد کر رہے ہیں۔ برابر ''اللہ'' کا ذکر کر رہے ہیں۔

Marfat.com

﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا﴾۔

# پہلے موقف کا چھوٹا سا ضمیمہ

آیتِ کریمہ: ﴿اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا...﴾ کوغور سے سنیں!

ثُمَّ انْظُرْ اِلٰى وَجْهِ السَّمَآءِ كَیْفَ تَرٰى سُكُوْتًا فِیْ سُكُوْنَةٍ، حَرَكَةً فِیْ حِكْمَةٍ، تَلَأْلُؤًا فِیْ حِشْمَةٍ، تَبَسُّمًا فِیْ زِیْنَةٍ، مَعَ اِنْتِظَامِ الْخِلْقَةِ، مَعَ اِتِّزَانِ الصُّنْعَةِ. تَشَعْشُعُ سِرَاجِهَا، تَهَلْهُلُ مِصْبَاحِهَا، تَلَأْلُؤُ نُجُوْمِهَا، تُعْلِنُ لِأَهْلِ النُّهٰى، سَلْطَنَةً بِلَا انْتِهَاءٍ...

ثُمَّ انْظُرْ اِلٰى وَجْهِ السَّمَآءِ كَیْفَ تَرٰى سُكُوْتًا فِیْ سُكُوْنَةٍ (پھر روئے آسماں کو دیکھو تمہیں نظر آئے گا کہ سکون میں ایک طرح کا سکوت ہے) یہ چند فقرے آیتِ کریمہ ﴿اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَزَیَّنّٰهَا﴾ کا ہی ایک قسم کا ترجمہ ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ آیتِ کریمہ دقیق نظری کی توجہ خوبصورت مزین آسمان کی طرف پھیر رہی ہے تاکہ وہ رُوئے آسمان میں پائے جانے والے اس سکوت کو غور سے دیکھ سکے جو کہ ایک غیر معمولی سکون کے اندر پایا جاتا ہے، اور پھر وہ اس سے یہ بات سمجھ جائے کہ رُوئے آسماں نے جو یہ وضع قطع اختیار کی ہے وہ اس قادرِ مطلق کے امر سے اور اُس کے اُسے مسخر کرنے کی وجہ سے ہے؛ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا اور یہ آسمانی اجرام اور کُرے اور مُطلق آزاد ہوتے تو یہ لامحدود ہولناک اجرام اور یہ باہمد گر پیوستہ بڑے بڑے کُرے اپنی سرعتِ حرکات کے سبب اتنی زیادہ آواز پیدا کرتے کہ جس سے کائنات کے کان بہرے ہو جاتے اور ہرج مرج اور آمیزش کی وجہ سے زلزلوں کی صورت میں ایسا ٹکراؤ سامنے آتا جو کائنات کے پرخچے اُڑا کر رکھ دیتا۔ اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ جب بیس بھینسے ایک دوسرے میں گھستے ہوئے ہیجان میں آجائیں تو مہیب قسم کے ہرج مرج اور تباہ کاری کا سبب بنیں گے، اور حالت یہ ہے کہ علم ہیئتِ کائنات (Cosmography) کے مطابق کچھ ستارے ایسے ہیں جو کہ زمین سے ہزار گنا تک بڑے ہیں اور توپ کے گولے سے ستر گنا زیادہ رفتار کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔ یہاں سے تم اجرامِ سماوی کے گہرے سکون میں پائے جانے والے سکوت کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہو، اور یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ ان گرانڈیل اجرام کو جس صانع ذُوالجلال اور قادرِ ذوالکمال نے مسخر کر رکھا ہے وہ کس درجے کی قوت کا مالک ہوگا! اور یہ بات بھی سمجھ جاؤ گے کہ یہ نجوم وکواکب کس درجہ میں اُس کے مطیع ومُنقاد ہیں!۔

حَرَكَةً فِیْ حِكْمَةٍ: مطلب یہ ہے کہ آیتِ کریمہ ہمیں رُوئے آسماں میں پائی جانے والی حکمت بھری حرکت کے مشاہدے کا بھی حکم دیتی ہے۔ جی ہاں، انتہائی قسم کی عجیب وغریب اور عظیم الشان حرکات انتہائی قسم کی دقیق اور وسیع حکمت پر مشتمل ہیں۔ پس جس طرح ایک صنعتگر کسی کارخانے کے پیچوں اور پہیوں کو پوری حکمت سے حرکت میں لاتا اور گھماتا ہے

Marfat.com

اور یوں کارخانے کی عظمت اور اس کے اعلیٰ انتظام کے ذریعے وہ اپنی کاریگری اور مہارت کا اظہار کرتا ہے؛ اسی طرح اُس قادرِ ذوالجلال نے سُورج کو دوسرے سیاروں کے جلو میں ایک کارخانے کی شکل دے رکھی ہے اور وہ اس کے اردگرد ان عظیم الشان ہولناک کروں کو اس طرح حرکت میں رکھتا ہے جیسے کہ وہ گوپھیے کا پتھر یا کارخانے کے پہیے ہوں اور یہ سب تماشا آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے تاکہ اسی نسبت سے اس کی قدرت اور حکمت کا ادراک کر لے۔

مَعَ اِنۡتِظَامِ الۡخَلۡقَةِ ، مَعَ اِتِّزَانِ الصَّنۡعَةِ:

مطلب یہ ہے کہ: روئے آسمان میں پائے جانے والے مخلوقات کے نظم وضبط اور مصنوعات میں پائے جانے والے دقیق موازین کو غور سے دیکھو اور سمجھو اور یوں اس بات کی آگاہی حاصل کرو کہ اِن کو اس صورت میں لانے والا کاریگر کتنا قدیر اور حکیم ہے! جی ہاں، جس طرح یہ مختلف قسم کے چھوٹے چھوٹے اجرام وحیوانات اس ہستی کے اقتدار اور حکمت کے عالی شان درجے پر دلالت کرتے ہیں جو انہیں کسی ذمہ داری کے لیے دمادم گردش میں رکھے اور ان میں ہر ایک کو ایک معین راستے میں ایک خاص میزان کے ساتھ رواں دواں رکھے ہوئے ہے، اور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ متحرک اجرام اُس کے کس درجے کے اطاعت گزار اور اُس کے آگے مسخر ہیں۔ اسی طرح یہ عظیم الشان آسمان اپنی اس ہولناک عظمت کے ساتھ، اپنے لامحدود اور خوفناک جسامت کے ستاروں کے ساتھ، اور ان کی غایت درجے کی شدید حرکت کے ساتھ، اور ان کے ایک سیکنڈ کے لیے بھی اور ذرہ برابر اپنی حدود وقیود سے عدم تجاوز کے ساتھ، اور سیکنڈ کے دسویں حصے کے لیے بھی اپنی ذمہ داریوں سے عدم غفلت کے ساتھ گہری نظر سے دیکھنے پر یہ چیز ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے صانعِ ذوالجلال نے اپنی ربوبیت کو کتنے گہرے اور مخصوص میزان کے ساتھ جاری کیا ہوا ہے!۔

تَلَألُؤًا فِیۡ حَشۡمَةٍ، تَبَسُّمًا فِیۡ زِیۡنَةٍ: مطلب یہ ہے کہ اسی طرح روئے آسماں میں پائیں جانے والی جاہ و حشمت اور شان وشوکت میں تابانی ودرخشانی اور زینت میں تبسم پایا جاتا ہے، جو اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ صانع ذوالجلال کیسی عظیم الشان سلطنت اور کیسی حسین وجمیل صنعت کا مالک ہے! جس طرح کسی تہوار کے موقع پر بجلی کے بہت سے قمقمے سلطانی جاہ وحشمت پر اور اس کے کمال درجے کی تمدنی ترقیوں پر دلالت کرتے ہیں، اسی طرح ان زیب وزینت اور شان وشوکت سے بھرے ہوئے یہ عظیم الشان آسماں بنظر تأمل صانعِ ذوالجلال کی سلطنت کے کمال اور اس کی صنعت کے جمال کا اظہار کرتے ہیں۔

تَشَعۡشُعُ سِرَاجِهَا ، تَهَلۡهُلُ مِصۡبَاحِهَا، تَلَألُؤُ نُجُومِهَا، تُعۡلِنُ لِأَهۡلِ النُّهٰی، سَلۡطَنَةً بِلاَ اِنۡتِهَاءٍ: مطلب یہ ہے کہ سورج جیسے روشنی اور حرارت دینے والے چراغ کو آسمان کی مزین چھت کے ساتھ لٹکانا؛ اور اِسے لیل ونہار کے خطوط کے ساتھ صیف وشتا کے صحیفوں میں مکتوباتِ صمدانیہ کے لکھنے کے لیے روشنی کی ایک دوات بنانا؛ بلند وبالا برجوں اور

Marfat.com

میناروں میں لگی ہوئی بڑی بڑی گھڑیوں کی چمکدار سوئیوں کی طرح چاند کو آسمان کے گنبد میں لگی ہوئی وقت کی بڑی گھڑی کی گھنٹے والی سوئی بنانا؛ اور ان سب میں وہ اُسے مختلف اور متفاوت ہلالوں کی صورت میں رکھتا ہے اور یوں گویا کہ وہ ہر شب کے لیے روئے آسماں پر ایک نیا ہلال چھوڑتا ہے اور پھر ان سب کو اکٹھا کر کے اس میں تہہ کر دیتا ہے اور اُسے تمام منازل میں کمال میزان اور دقیق حساب کے ساتھ محوِ حرکت رکھتا ہے۔ گنبد آسماں میں چمکتے اور ہنستے مسکراتے ستاروں سے خوبصورت روئے آسمان کو مزین کرنا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب چیزیں لاانتہا ربوبیت والی سلطنت کے شعائر اور اس کی شان و شوکت والی اُلوہیت کے اشارات ہیں جو کہ اہل شعور کو اِس کا شعور بخشتے ہیں اور اربابِ عقل و فکر کو ایمان و توحید کی دعوت دیتے ہیں۔

## کتابِ کائنات کے رنگین صفحے کو دیکھو

اور ملاحظہ کرو کہ قدرت کے سنہری قلم نے اس کی کیسی صورت گری کی ہے!

اربابِ قلوب کی آنکھوں کے لیے اس میں ایک نقطہ بھی تاریک نہیں رہا ہے!

ایسے لگتا ہے جیسے کہ اللہ کی آیات نور کے ساتھ لکھی گئی ہیں!

دیکھو! کائنات میں پائی جانے والی جالبِ اذعان حکمت کتنا بڑا معجزہ ہے!

دیکھو! فضائے کائنات میں پائی جانے والی یہ کیسی نمائش گاہ ہے!

اور ذرا ستاروں کی طرف بھی کان لگاؤ، اُن کی پاکیزہ اور لذیذ گفتگو سنو، حکمت کا تابندہ پیغام سنو اور دیکھو کہ انہوں نے کیا طے کیا ہے؟

وہ سب کے سب بہ زبانِ حق ایک ساتھ کہہ رہے ہیں: ہم قدیر ذوالجلال کی سلطنت کی شان و شوکت کے تابندہ براہین ہیں۔ ہم اُس صانع الجلیل کے وجود، اُس کی وحدانیت اور اس کی قدرت کے سچے گواہ ہیں۔

اُس کی قدرت کے جن معجزات نے روئے زمین کو حسن و جمال سے آراستہ کیا ہے ہم ان معجزات پر فرشتوں کی طرح سیر و تفریح کرتے ہوئے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

ہم آسمان سے زمین کی طرف جھانکنے والی اور جنت کی طرف ٹکٹکی لگائے ہوئیں ہزاروں آنکھیں ہیں۔ (حاشیہ:۱)

(حاشیہ:۱) مطلب یہ کہ سطح زمین جنت کے پھولوں کی ایک کیاری اور کھیتی ہے جس میں قدرتِ الٰہیہ کے بے شمار معجزات کی نمائش کی جاتی ہے۔ اور جس طرح عالم بالا کے فرشتے پھولوں کے دن باغات میں سیر و تفریح کرتے اور ان معجزات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ ستارے بھی جو کہ اجرام سماوی کے لیے دیدۂ بینا کے مشابہ ہیں، یہ بھی ان معجزات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جس طرح یہ ستارے فرشتوں کی طرح سطح زمین پر پھیلی ہوئی ان لطیف مصنوعات کا مشاہدہ کرتے ہیں، ایسے ہی عالم جنت کا نظارہ بھی کرتے ہیں۔ اور یوں وہ زمین کے اُن وقتی معجزات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو وہاں دائمی صورت میں پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی ایک نظر جب زمین پر ہوتی ہے تو دوسری اُسی وقت جنت کی طرف ہوتی ہے، یعنی یہ دونوں جہانوں کو بیک وقت دیکھتے ہیں۔ مؤلف۔

Marfat.com

ہم شجرۂ تخلیق کے علوی حصے پر، کہکشاؤں کی تمام ٹہنیوں کے سروں پر جمیل ذوالجلال کے دستِ حکمت سے لٹکائے ہوئے انتہائی خوبصورت پھل ہیں۔

☆ ☆ ☆

ہم اہلِ آسمان کے لیے چلتی پھرتی مساجد، گھومتے پھرتے گھر، بلند و بالا گھونسلے، روشنی دینے والے چراغ، گرانڈیل سفینے اور بھاری بھرکم جہاز ہیں۔

☆ ☆ ☆

ہم ایک قدیر ذُوالکمال کی قدرت کے معجزات ہیں، اور اُس حکیم ذُوالجلال کی غیر معمولی صنعتکاری کے شاہکار ہیں۔ ہم حکمت کے نادر نمونے ہیں۔ تخلیق کے رعب دار نمونے اور روشنیوں کے تابندہ جہان ہیں۔

☆ ☆ ☆

یوں ہم لاکھوں زبانوں کے ساتھ لاکھوں دلائل و براہین بیان کرتے ہیں اور یہ دلائل و براہین اُس کے کانوں میں ڈالتے ہیں جو حقیقت میں انسان ہے۔

اس مُلحد کی آنکھ اندھی ہو چکی ہے جو ہمارے روشن چہرے نہیں دیکھ پا رہا ہے اور ہماری بالکل واضح اور سیدھی سادی باتیں سن نہیں رہا ہے۔ ہم حق اور حقیقت کی منہ بولتی آیات ہیں۔

☆ ☆ ☆

ہمارا سِکّہ ایک ہے، ہمارا نشانِ امتیاز ایک ہے ہم اپنے پروردگار کی تسبیح اور عبادت کرتے ہیں، ہم اُس کے حکم کے غلام ہیں، اُس کے مسخر اور تابع فرمان ہیں، ہم اس کی محبت کے مجذوب ہیں اس لیے اس کا ذکر والہانہ پن سے کرتے ہیں ہم کہکشاں کے حلقۂ ذکر کے افراد ہیں۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

# دُوسرا موقف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ☆ اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾

اس موقف میں تین مقاصد ہیں۔

پہلا مقصد: اہلِ شرک وضلالت کے وکیل اور نمائندے نے جو کہ ایک ستارے کے طمانچے سے چاروں شانے چت زمین پر گر پڑا تھا، اپنے اس اسلوب میں دعوے سے پہلوتہی کی؛ کیونکہ اُسے یہاں ذرّات سے لے کر نجوم تک شرک کے لیے ایک ذرّے کے برابر بھی قطعاً کوئی جگہ نہ مل سکی، لیکن اُس نے شیطان کی سی چال چلی اور توحید کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے اہلِ توحید کو وحدت اور احدیت کے باب میں تین اہم سوالات کے ذریعے وسوسے میں ڈالنے کی کوشش کی۔

پہلا سوال: وہ الحادو زندقہ کی زبان سے کہتا ہے: اے اہلِ توحید! میں نہ تو اپنے موکل کے نام سے کوئی چیز پا سکا اور نہ موجودات میں سے کوئی حصہ نکال سکا اور نہ ہی میں اپنا مسلک ثابت کر سکا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ تم ایک ایسی ہستی کا اثبات کیسے کرتے ہو جو کہ واحد، احد اور بے پایاں قدرت کی مالک ہے؟ اور تم اُس کی قدرت کے ساتھ دوسرے ہاتھوں کی آمیزش کو ممکن کیوں نہیں سمجھتے ہو؟

الجواب: بائیسویں مقالے میں یہ بات قطعی طور پر ثابت کی جا چکی ہے کہ تمام موجودات، تمام ذرّات، تمام ستارے اور انفرادی طور پر تمام چیزیں قدیرِ مطلق اور واجبُ الوجود کے وجود کے واجب ہونے کی تابندہ برہان ہے۔ اور نیز یہ سب چیزیں تمام کائنات کے تمام سلسلے اس کی وحدانیت کے قطعی دلائل ہیں۔ اور یہ کہ قرآنِ حکیم جب واضح دلائل و براہین کا ذکر کرتا ہے تو عام مخاطبین کو زیادہ پیشِ نظر رکھتا ہے، جیسے کہ اس نے اپنی لامحدود براہین میں یہ چیز ثابت کی ہے۔

منجملہ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ: قرآنِ حکیم اپنی بہت سی آیات میں زمین وآسماں کی تخلیق کو وحدانیت کی دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾۔ ﴿وَمِنْ آيَاتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ﴾۔ اور بیان کا یہ انداز اتنا بدیہی ہوتا ہے کہ ہر ذی شعور انسان خواہی نخواہی زمین و آسمان کی تخلیق کے ضمن میں اپنے خالق کی تصدیق کے لیے ﴿لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

ہم نے پہلے موقف میں یہ بات بڑی وضاحت سے بیان کی ہے کہ: تمام موجودات پر ایک ذرّے سے لے کر ستاروں اور آسمانوں تک توحید کی مہر اور اس کی چھاپ لگی ہوئی ہے اور قرآن حکیم اس طرح کی آیات کے ذریعے نجوم و سماوات سے آغاز کرتا ہے اور ایک ذرّے تک شرک کو دھتکارتا چلا جاتا ہے، چنانچہ وہ کچھ اس طرح سے اشارے دیتا ہوا معنوی طور پر کہتا ہے کہ:

بے شک وہ قادرِ مطلق جس نے زمین و آسماں کو اس طرح کے انوکھے نظم وضبط میں پیدا کیا ہے، یہ بات بالکل بدیہی اور ضروری ہے کہ تمام نظامِ شمسی جو کہ اس کی مصنوعات کا ہی ایک دائرہ ہے_ کی باگ ڈور اس کے قبضۂ قدرت میں ہو۔

اور جب سورج کی باگ ڈور اس کے سیاروں سمیت اس قدیرِ مطلق کے ہاتھ میں ہے وہ انہیں نظم وضبط میں رکھتا ہے، اُنہیں مسخر رکھتا ہے اور پیہم گردش میں رکھتا ہے؛ تو پھر کرۂ ارض جو کہ نظامِ شمسی کا ایک چھوٹا سا جزء ہے اور سورج کے ساتھ مربوط ہے، یہ بھی اُس کے قبضۂ قدرت میں اُس کے زیرِ تصرف اور زیرِ تدبیر ہے اور وہی اِسے گردش میں رکھتا ہے۔

اور جب زمین اس کے قبضۂ قدرت میں، اس کے زیرِ تصرف اور زیرِ تدبیر ہے، اور وہی اسے گردش میں رکھتا ہے، تو پھر اس کی سطح پر لکھی ہوئی تمام مصنوعات جو کہ اس کے ثمرات وغایات کا حکم رکھتی ہیں، وہ بھی بداہتاً اس کے قبضۂ ربوبیت میں اور اس کے زیرِ تربیت ہیں۔

اور جب تمام سطحِ زمین پر پھیلی اور پراگندہ اور اُس کے چہرے کو آراستہ پیراستہ کرنے والی تمام مصنوعات جو کہ دم بدم جدت پذیر رہتی ہیں اور ہر زمان آتی جاتی اور زمین کو خالی کرتی اور بھرتی رہتی ہیں؛ یہ تمام مصنوعات اس کے قبضۂ قدرت اور حیطۂ علم میں ہیں، اور یہ ہر آن اس کے عدل وحکمت کے میزان میں منظم اور موزون ہوتی رہتی ہیں اور جب تمام انواع اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں؛ تو پھر ان انواع واقسام کے منظم ومکمل افراد واَجزا بھی بداہتاً اس کے قبضۂ ربوبیت وایجاد میں اور اُس کے زیرِ تدبیر اور زیرِ تربیت ہوں گے، وہ افراد واجزاء جو کہ اس عالم کی چھوٹی چھوٹی مثالیں، انواعِ کائنات کے نتائج اور کتابِ عالم کی چھوٹی چھوٹی فہرستوں کا حکم رکھتے ہیں۔

اور جب ہر ذی حیات اُس کے قبضۂ تدبیر وتربیت میں ہے، تو پھر تمام خلیات، خون کے سرخ ذرّات اور اعضاء و اعصاب جو کہ اس زندہ وجود کی تشکیل کرتے ہیں، وہ بھی سب کے سب بداہتاً اُس کے قبضۂ علم وقدرت میں ہیں۔

اور جب ہر خلیہ اور خون میں پایا جانے والا ہر جسیمہ اُس کے حکم کے ماتحت اور اُس کے دائرہ تصرف میں ہے اور اس کے قانون کے مطابق حرکت میں ہے تو پھر ذرّات جو کہ ان سب کا اساسی مادہ ہیں اور صنعت گری کے اس نقش میں نقش گری کے تانے بانے کا حکم رکھتے ہیں؛ وہ سب کے سب بھی اس کے قبضۂ قدرت اور اس کے دائرۂ علم میں ہیں، اور بہر صورت اس کے امر، اذن اور قوت کے ساتھ منظّم حرکات کرتے ہیں، کامل ومکمل وظائف ادا کرتے ہیں۔

Marfat.com

اور جب ہر ذرّے کی حرکت اور اس کی اپنے وظیفے کی ادائیگی اُس کے قانون، اِذن اور امر کے ساتھ ہے تو پھر ہر انسان کے شخصی امتیازات اس کے چہرے میں پائی جانے والی علاماتِ فارقہ جو کہ اُسے دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتی ہیں، اور ان نشانیوں کی طرح آوازوں اور زبانوں میں پائے جانے والے مختلف فروق۔ ان سب میں بھی بداہتاً اس کا علم اور اس کی حکمت کارفرما ہے۔

پس اس آیت میں غور کرو جو کہ ابتدا وانتہا کا ذکر کرتی ہے اور اس سلسلے کی طرف اشارہ کرتی ہے: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ﴾

اب ہم کہتے ہیں: اے اہلِ شرک کے وکیل اور نمائندے!

کائنات کے اس سلسلے کی مقدار میں نہایت قوی براہین ہیں جو توحید کے مسلک کا اثبات کرتی اور قدیر مطلق پر دلالت کرتی ہیں۔ تو جب زمین وآسماں کی تخلیق ایک صانع القدیر کی ہستی پر دلالت کرتی ہے، اس کی مطلق اور لاانتہا قدرت پر دلالت کرتی ہے اور اُس لاانتہا قدرت کے لاانتہا کمال پر دلالت کرتی ہے، تو پھر شرکاء سے مطلق استغنا کا پایا جانا بہرکیف ضروری ہے، یعنی کسی جہت میں شرکاء کی کوئی حاجت نہیں رہتی ہے۔ پس جب حاجت ہی نہیں ہے تو پھر تم اِس ظلمات بھرے راستے میں کیوں چلتے ہو؟ تمہیں اس راستے میں قدم رکھنے کی آخر ضرورت ہی کیوں پیش آتی ہے؟۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جب ربوبیت اور ایجاد میں شرکاء کا وجود اُلوہیت میں شرکاء کی طرح ممتنع اور محال ہے، تو پھر شرکاء کی کسی بھی صورت کوئی ضرورت نہیں رہتی ہے اور کائنات ان سے مطلق مستغنی ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے یہ چیز ثابت کردی ہے کہ صانع السماواتِ والارض میں جو قدرت پائی جاتی ہے وہ انتہائی درجے کی ہے اور اس قدرت میں پایا جانے والا کمال انتہائی درجے کا ہے، اس لیے اگر کسی شریک کا وجود پایا جائے تو پھر یہ ضروری ہوگا کہ اس لاانتہا اور باکمال قدرت پر کوئی دوسری لامتناہی قدرت غالب آجائے اور وہاں کسی جگہ پر قبضہ جماکر بیٹھ جائے اور اسے لاانتہائی کے درجے سے انتہا کے درجے میں گرادے، اور اُسے معنوی طور پر عاجز ولاچار بناکر رکھ دے، اور محدود کردے، جبکہ وہ قدرت غیر محدود ہے، اور یوں ایک متناہی کسی غیر متناہی چیز کو انتہا آشنا کردے اور اسے بغیر کسی ضرورت کے ایسے وقت میں متناہی بنادے جبکہ وہ غیر متناہی ہو! پس یہ چیز عقلی طور پر آخری درجے کی محال اور ممتنع ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ''اِنَّ الشُّرَكَاءَ مُسْتَغْنًى عَنْهَا وَ مُمْتَنِعَاتٌ بِالذَّاتِ ''، یعنی جس طرح ان کی ضرورت بھی ہے اسی طرح ان کا وجود بھی محال ہے اسی طرح ان کی ضرورت بھی نہیں ہے، پھر بھی اگر کوئی ان کا دعویٰ کرے تو اُس کا یہ دعویٰ سراسر تحکمی ہوگا، یعنی یہ کہ ایسے کسی سبب کا کوئی وجود نہیں ہے جو عقلی، منطق اور فکری طور پر اس دعوے کو ثابت کرسکے اس لیے یہ دعویٰ ایک لایعنی بات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھے گا۔ اور علم الاصول کی اصطلاح میں اسے ''تحکمیت'' کہا جاتا ہے، یعنی تحکمی دعویٰ وہ ہوتا ہے جو صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہو اُس کا کوئی معنی ومفہوم

Marfat.com

نہ ہو۔ اور علم الکلام اور علم الاصول کا ایک مسلمہ دستور ہے کہ:

"لَاعِبْرَةَ لِلْاِحْتِمَالِ غَیْرِ النَّاشِیءِ عَنْ دَلِیْلٍ،
وَلَا یُنَافِی الْاِمْکَانُ الذَّاتِیُّ الْیَقِیْنَ الْعِلْمِیَّ"

"یعنی ایسے احتمال کی کوئی اہمیت نہیں ہے جس کے پیچھے کوئی دلیل کارفرما نہ ہو، اور امکانِ ذاتی علم قطعی کو مشکوک اور یقینِ محکم کو متزلزل نہیں کر سکتا"۔

مثال کے طور پر: یہ ممکن ہے کہ بارلائی جھیل انگور کا شیرہ بن جائے یا گھی میں تبدیل ہو جائے، لیکن یہ امکان واحتمال ہمارے اس قطعی علم پر اثر انداز نہیں ہوگا جو اس جھیل کے بارے میں ہم رکھتے ہیں، یعنی یہ کہ وہ جھیل موجود ہے اور وہ پانی کی ہے، اور نہ ہی ہمارے اس علم کو شک و وسوسہ میں مبتلا کر سکتا ہے جب تک کہ اس کی بنیاد کسی دلیل۔ پر استوار نہ ہو۔

ہم نے موجودات کی ہر جانب اور کائنات کے ہر کونے زاویے سے پوچھا: ذرات سے لے کر نجوم وکواکب تک۔ جیسے کہ پہلے موقف میں دیکھا گیا ہے۔ تخلیق ارض وسما سے لے کر چہروں کے خدوخال میں پائی جانے والی امتیازی علامات تک۔ جیسے کہ دوسرے موقف میں نظر آیا۔ جس چیز سے بھی پوچھا گیا:

سب نے زبانِ حال سے وحدانیت کی گواہی دی اور خود پر توحید کی مہر کا اظہار کیا اور اس کا مشاہدہ تو نے بذاتِ خود کر لیا ہے۔

لہٰذا، اس کائنات میں ایسی کوئی واقعاتی علامت نہیں پائی جاتی ہے جس پر شرک کے احتمال کی بنیاد رکھنا ممکن ہو۔ مطلب یہ کہ شرک کا دعویٰ ایک خالی تحکمی دعویٰ ہے، اور صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس کا معنی ومفہوم کوئی نہیں۔ اس لیے شرک کا دعویٰ محض جہالت اور عین حماقت ہے۔

پس اس طرح کی دلیلوں کے سامنے شرک کا داعی مبہوت کھڑا ہے اس کے پاس کہنے کے لیے صرف ایک ہی بات رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ: کائنات کے اندر جو اسباب میں نظم وضبط پایا جاتا ہے وہ شرک کی ایک بہت بڑی علامت ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ہر چیز کسی نہ کسی سبب کے ساتھ مربوط ہے، پھر یہ کہ اسباب حقیقی تاثیر کے مالک ہیں، اور جب ان میں تاثیر پائی جاتی ہے یعنی وہ اثر انداز ہو سکتے ہیں تو پھر شریک بھی بن سکتے ہیں!

الجواب: بہت سے اسمائے حسنیٰ چونکہ ظہور ونمود چاہتے ہیں، اور مشیت وحکمتِ الٰہیہ کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے مسبّبات کو اسباب کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے، اور ہر ایک چیز کو کسی نہ کسی سبب کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات ہم نے بہت سے مقامات پر اور بہت سے مقالات میں قطعی طور پر ثابت کر دی ہے کہ اسباب ایجاد وتخلیق کے باب میں حقیقی تاثیر کے مالک نہیں ہیں۔

Marfat.com

اِس مقام پر ہم صرف اِسی قدر کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ: یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ انسان اسباب میں سے سب سے زیادہ معزز، وسیع اختیار والا اور اُمورِ کائنات میں سب سے زیادہ تصرف کرنے والا سبب ہے، اور انسان کے اختیاری افعال میں نمایاں ترین فعل کھانا، گفتگو کرنا اور سوچنا یعنی اکل و تکلم اور تفکر ہے، اور یہ اکل و تکلّم اور تفکر انتہائی قسم کے منظم، عجیب و غریب اور حکمت بھرے سلسلے ہیں، اور انسان کو ان سلسلوں میں سے صرف ایک فیصد حصہ ملا ہے۔

مثال کے طور پر کھانے پینے کو لے لیں، یہاں بدن کے خلیات کی غذا رسانی سے لے کر ثمرات کی شکل پذیری تک، اس طویل سلسلے میں سے انسان کے حصے میں صرف اتنا آتا ہے کہ وہ کھانا منہ میں ڈالے اور دانتوں کی چکی کو چلا کر اسے پیس ڈالے۔ اور سلسلہ تکلم سے اس کے حصے میں صرف یہ آتا ہے کہ وہ مخارجِ حروف کے سانچوں میں ہوا کو داخل کر کے خارج کر دے، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ اس کے منہ کا ایک کلمہ جو کہ ایک گٹھلی کا حکم رکھتا ہے ایک درخت کا حکم لے لیتا ہے اور عین اس کلمے کی طرح کے لاکھوں کلمات کے پھل پیدا کر دیتا ہے اور لاکھوں سامعین کے کانوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس مثالی درخت اور مثالی خوشے تک انسان کے صرف خیال کا ہاتھ ہی پہنچ سکتا ہے۔ اُس کے اختیار کے دستِ قاصر کے لیے تو یہ چیز ممکن ہی نہیں۔

تو جب انسان جو کہ اسباب کے مابین سب سے زیادہ معزز اور سب سے زیادہ اختیار کا مالک ہے، اس کی یہ حالت ہے کہ حقیقی ایجاد کے باب میں اُس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، تو پھر جمادات، چار پائے، عناصر اور نیچر حقیقی تصرف کے مالک کیسے ہو سکتے ہیں؟

پس یہ اسباب تو ربّانی مصنوعات کے غلاف اور برتن اور رحمانی تحائف کو پیش کرنے والے خدام ہیں، اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ طشت جس میں بادشاہ کا تحفہ رکھا ہوتا ہے یا وہ رومال وغیرہ جس میں تحفہ لپیٹا ہوتا ہے، یا وہ شخص کہ جس کے ہاتھوں وہ تحفہ پیش کیا جاتا ہے، اِس میں سے کوئی بھی بادشاہ کا شریک نہیں ہو سکتا ہے۔ پس جو کوئی ایسا خیال بھی کرتا ہے وہ سب سے بڑا یاوہ گو ہے۔

اور اسی طرح اِن ظاہری اسباب و وسائل کا کسی بھی جہت سے الٰہی ربوبیت میں کوئی حصہ نہیں ہے، ان کے حصے میں اگر کوئی چیز آئی ہے تو وہ یہ ہے کہ یہ عبودیت کی خدمت میں لگے رہیں۔

☆ ☆ ☆

**دُوسرا مقصد:** اہلِ شرک کا نمائندہ جب شرک کا مسلک ثابت نہ کر سکا اور کسی بھی جہت سے اُسے ثابت کرنے سے نا اُمید ہو گیا تو پوری کوشش سے شکوک و شبہات وارد کر کے اہلِ توحید کے مسلک کو برباد کرنے پر تُل گیا، چنانچہ وہ دوسرا سوال کرتا ہے اور کہتا ہے: اے اہلِ توحید: تُم کہتے ہو: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ☆ اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾، اور یہ کہ خالقِ کائنات واحد

Marfat.com

ہے، اَحد ہے اور صمد ہے، اور یہ کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے، ہر چیز کی باگ ڈور اُس کے ہاتھ میں ہے، ہر چیز کی کنجی اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہر چیز اس کے کنٹرول میں ہے، آنِ واحد میں اپنے ذاتی اکیلے پن کے باوجود تمام اَشیاء میں ان کے تمام تر حالات کے مطابق براہِ راست اور یہ تمام کام اس طرح سے سرانجام پاتے ہیں کہ کوئی کام کسی دوسرے کام کے آگے رُکاوٹ نہیں بنتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسی عجیب وغریب حقیقت کا اعتقاد کیسے رکھا جائے؟ کیا ایک مشخّص ذاتِ واحد کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ بغیر کسی تکلیف اور صعوبت کے لاانتہا جگہوں میں لاانتہا اعمال سرانجام دے سکے؟۔

**الجواب:** اس سوال کا جواب اَحدیت وصمدیت کے اسرار ورُموز سے ایک انتہائی عمیق، دقیق، بلند اور وسیع وعریض راز کی وضاحت کے ساتھ دیا جائے گا۔ انسانی فکر اس راز کی طرف صرف تمثیل کی دوربین سے اور مثال کی رصدگاہ کے ذریعے ہی دیکھ سکتا ہے۔ یہ بات تو اپنی جگہ حقیقت ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات وصفات میں نہ کوئی مثل ہے نہ مثال، تاہم یہ ممکن ہے کہ مثال وتمثیل کے ذریعے اُس کے شؤون واحوال کا نظارہ ہو سکے۔ پس ہم اس راز کی جانب مادی تمثیلات کے ذریعے اشارہ کرتے ہیں۔

**پہلی تمثیل:** جس طرح ہم نے سولہویں مقالے میں ثابت کیا ہے کہ ایک ذاتِ مشخّص فردِ واحد مختلف آئینوں کی وساطت سے کُلّیت حاصل کر لیتا ہے، اور اس طرح وہ جزئی حقیقی ہوتے ہوئے بھی کُلّی کا رُوپ دھار کر بہت سے شؤون واحوال کا مالک بن جاتا ہے۔

جی ہاں، جس طرح شیشے اور پانی جیسے مواد بہت سی جسمانی اشیاء کے لیے آئینے کا رُوپ دھار جاتے ہیں اور یوں ایک مفرد جسمانی چیز ان آئینوں میں ''کلّیت'' کا اکتساب کر لیتی ہے، اسی طرح ہوا، ایتھر اور عالمِ مثال کی بعض دیگر موجودات نورانی اور روحانی اَشیاء کے لیے آئینوں کا حکم لے لیتے ہیں اور ان کے لیے برق وخیال کی سُرعت میں سیر وسیاحت کے وسائل کا رُوپ دھار لیتے ہیں، چنانچہ یہ نورانی اور رُوحانی مخلوقات ان نظیف آئینوں میں اور ان لطیف منزلوں میں خیال کی سُرعت کے ساتھ سیر وگردش کرتے ہیں اور آنِ واحد میں ہزاروں جگہوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور ہر آئینے میں ایسے ہی گھر کر جاتے ہیں جیسے کہ وہ ہر جگہ پر بالذات پائے جاتے ہوں؛ کیونکہ یہ نورانی ہیں اور ان کے عکس عین وہی ہیں اور یہ اپنی صفات وخاصیات کے مالک ہیں، بخلاف جسمانیات کے، کہ ان کے عکس کثیف ہیں اور ان کی مثالی صورتیں عین وہی اجسام نہیں ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ یہ اپنی صفات وخاصیات کے مالک بھی نہیں ہیں اور مردہ شمار ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر سورج کو لے لیں، یہ شفاف اشیاء کی وساطت سے ایک کُلّی کا حکم لے لیتا ہے، حالانکہ وہ ایک جزئی مشخّص ہے، اور اس طرح وہ سطحِ زمین پر پائی جانے والی ہر شفاف چیز کو، حتیٰ کہ پانی کے ہر قطرے کو، کانچ کے ہر ٹکڑے کو اور ہر چمکدار ذرّے کو_ اُن کی قابلیتوں کے مطابق_ اپنے عکس، صورتیں اور مثالی سورج عطا کر دیتا ہے، چنانچہ سورج کی

Marfat.com

حرارت، اُس کی روشنی اور روشنی میں پائے جانے والے سات رنگ اور اس کی ذات کی مثالی صورت کی کوئی نہ کوئی قسم ہر چمکدار اور شفاف جسم میں پائی جائے گی۔

پس اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ سورج علم اور شعور کا مالک ہے تو ہر آئینہ اس قسم کی منزل، تخت اور کرسی کا رُوپ دھار جائے گا اور وہ بذات خود ہر چیز کے ساتھ مس کرے گا اور آئینوں کی وساطت سے ٹیلیفون کی طرح ہر ذی شعور کے ساتھ، حتیٰ کہ اُس کے کی آنکھ کی پتلی کے ساتھ بھی اتصال رکھے گا اور کوئی چیز دوسری چیز کے آگے رکاوٹ نہ بنے اور ایک خبر رسانی دوسری خبر رسانی کا راستہ نہ روکے گی، اور وہ ہر جگہ موجود ہونے کے باوجود کسی بھی جگہ پر موجود نہ ہوگا۔

پس جب سورج ذاتِ واحد کے ایک ہزار اسماء میں سے صرف اسم ''نور'' کے مادی، جزئی اور جامد آئینہ کے حکم میں ہے، جب سورج اس رُوپ میں اپنے تشخص کے باوجود کلی جگہوں میں کُلی اعمال کا مظہر بن سکتا ہے، تو پھر وہ ذاتِ ذوالجلال اپنی ذاتی احدیت کے ہوتے ہوئے آنِ واحد میں لاانتہا اعمال سرانجام نہیں دے سکتا ہے؟ اس حقیقت کا اثبات چھبیسویں مقالے میں پوری وضاحت کے ساتھ کردیا گیا ہے۔

دُوسری تمثیل: کائنات کے حقائق کی وضاحت کرنے کے لیے ہر درخت کی مثال دی جاسکتی ہے؛ کیونکہ خود کائنات ایک درخت کا حکم رکھتی ہے۔ ہم اپنے کمرے کے سامنے اُگے ہوئے چنار کے اس عظیم الشان رُعب دار درخت کو کائنات کی ایک چھوٹی سی مثال کی حیثیت سے سامنے رکھتے ہیں اور اس کے ذریعے کائنات میں پائے جانے والے احدیت کے جلوے کی وضاحت کرتے ہیں۔ اور وہ یوں ہے کہ: اس درخت پر کم از کم دس ہزار پھل ہیں، اور ہر پھل میں سینکڑوں کے حساب سے پروں والی گٹھلیاں ہیں، پس یہ دس ہزار پھل اور دس لاکھ گٹھلیاں یکبارگی صنعت وایجاد کا بہت بڑا مظہر ہیں، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ عقدۂ حیات یا دوسرے لفظوں میں اِرادہ الٰہیہ کی جزوی مشخص تجلی اور امر ربانی کی مشخص گٹھلی اُس درخت کے اصل بیج میں، اس کی جڑ میں، اُس کے تنے میں اور اس کے تمام جسم میں برابر موجود ہے۔ اور اس جزوی تجلی کے طفیل اس درخت کی ساخت پرداخت اور شکل وصورت دینے والے قوانین کا جوہری مرکز بنتا ہے جو کہ ہر ٹہنی کے سرے پر، ہر پھل کے اندرون میں اور گٹھلی کے پہلو میں اس طرح سے موجود ہے کہ درخت کے اجزاء وعناصر میں سے کسی بھی چیز کو ناقص نہیں چھوڑتا، یعنی درخت کے تمام حصوں میں نفوذ کرتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی چیز دوسری چیز کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی ہے۔

پھر اِرادۂ الٰہیہ کی وہ ایک تجلی اور ایک امرِ ربانی یا قانونِ امری، روشنی حرارت اور ہوا کی طرح ہر جگہ پھیل نہیں جاتے ہیں؛ کیونکہ یہ دُور دراز کی مسافتوں پر جن مقامات میں اور جن مختلف مصنوعات میں جاتے ہیں وہاں اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑتے ہیں، بلکہ یوں سمجھو کہ اِن کا وہاں کوئی نشان تک نظر نہیں آتا ہے؛ کیونکہ اگر اس کا تعلق پھیلاؤ یا انتشار کے ساتھ

Marfat.com

ہوتا تو کوئی نقشِ قدم یا نشان یا ضرور نمایاں ہوتا۔ بلکہ یہ چیز تو بغیر تجزیہ وانتشار کے اُن میں سے ہر ایک کے ہاں ذاتی طور پر بالذات موجود ہوتی ہے، اور یہ کلی اعمال اُس کی احدیت اور شخصیت کے منافی نہیں ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ: ارادے کی وہ تجلی، وہ قانونِ امری اور وہ عقدۂ حیاتیہ ہر ایک کے پاس موجود ہونے کے باوجود کسی بھی جگہ موجود نہیں ہیں۔ گویا کہ اس قانونِ امری کے پاس اس ہیبت ناک درخت کے پھلوں اور بیجوں کی تعداد میں آنکھیں اور کان ہیں، بلکہ درخت کا ہر جزء اُس قانونِ امری کے حواس کے مرکز کا حکم رکھتا ہے، اس لیے یہ لمبی مسافتیں حجاب بن کر اس کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی ہیں بلکہ ٹیلیفون کی تاروں کی طرح تسہیل وتقریب کے وسائل بن جاتی ہیں، اور یوں بعید ترین چیز قریب ترین چیز کی طرح ہو جاتی ہے۔

تو جب ہمارے مشاہدے کے مطابق اُس اَحَدُ الصمدَ ذات کے ارادے جیسی ایک صفت کی ایک جُزوی تجلی بغیر کسی واسطے کے لاکھوں جگہوں پر کروڑوں کاموں کا دارومدار بن جاتی ہے تو پھر بلا شبہ شہود کے درجے تک پہنچا ہوا یہ یقین رکھنا ضروری ہو جاتا ہے کہ اُس ذاتِ ذوالجلال کے لیے اپنی قدرت اور اپنے ارادے کی تجلی کے ساتھ تخلیق کے اس درخت میں اُس کے تمام اجزاء وذرّات سمیت تصرف کرنا بالکل ممکن ہے۔

اور جیسے کہ سولہویں مقالے میں یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ ثابت کردی گئی ہے، ہم اس مقام پر کہتے ہیں: سورج جیسی عاجز ومسخر مخلوقات اور رُوحانی مخلوق کی طرح کی مادہ میں مقید نیم نورانی مصنوعات امری قوانین اور ارادی تجلیات یعنی چنار کے اس درخت کا عقدۂ حیات اور مرکزِ تصرف جو کہ اس کے نور اور معنوی رُوح کا حکم رکھتے ہیں، اگر یہ رازِ نورانیت کی رُو سے ایک جگہ پر ہوتے ہوئے عین اُسی وقت بہت سی جگہوں پر موجود ہو سکتے ہیں اور مفرد مشخص جزئی ہونے کے باوجود بہت سے اعمال میں پائے جاسکتے ہیں جیسے کہ مشاہدہ ہے، اور مادہ میں مقید جزئی ہونے کے باوجود رازِ نورانیت کی رُو سے اپنے جزوِ اختیاری کے ساتھ آنِ واحد میں مطلق کلی کا حکم لے سکتے ہیں اور بہت سے مختلف اعمال سرانجام دے سکتے ہیں؛ اور یہ سب چیزیں تمہارے مشاہدے میں ہیں، اور تو تم ان کا انکار نہیں کر سکتے ہو۔ تو پھر اس ذات کے بارے میں کیا خیال ہے جو کہ مجرد عنِ المادہ ہے، مادہ سے بلند اور پاک ہے، جو قید کی تحدید سے منزہ اور کثافت کی ظلمت سے مبرّہ ہے، یہ تمام کے تمام انوار ونورانیات تو صرف اس کے اسمائے قدسیہ کے انوار کے کثیف پرتو ہیں، اور یہ تمام کا تمام وجود، تمام زندگی عالمُ الارواح، عالمُ البرزخ اور عالمُ المثال نیم شفاف قسم کے آئینے ہیں۔ اُس کی صفات محیط ہیں اور اس کے شئون واحوال کلی اور عالمگیر ہیں۔ اب ان حالات میں کون سی ایسی چیز ہے جو کہ اس کی ہمہ گیر صفات کی تجلیات میں پائی جانے والی اس کی احدیت کی توجہ سے اور اُس کے ہمہ گیر علم، مطلق قدرت اور کلی ارادے سے صادر ہونے والے افعال کی تجلّیات سے چھپ سکے! اس پر کون سا کام مشکل ہو سکتا ہے! اور اس سے کون سی چیز اور کون سی جگہ مخفی رہ سکتی ہے!

Marfat.com

کون سا فرد اس سے دُور رہ سکتا ہے! اور کلیت کا اکتساب کیے بغیر کون شخص اس سے قریب ہو سکتا ہے! کیا اَشیاء اُس پر اصلاً مخفی رہ سکتی ہیں! کیا کوئی کام کسی بھی دوسرے کام کے آگے رُکاوٹ بن سکتا ہے! کیا کوئی جگہ اُس کی حضوری سے خالی ہو سکتی ہے! کیا اس کی معنوی آنکھیں نہیں سو سکتی ہیں جو کہ ہر موجود کو نظر میں رکھیں! کیا اس کے معنوی کان نہیں ہو سکتے جو کہ ان موجودات کو سُن سکیں، جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے! کیا اشیائے کائنات کا سلسلہ اُس کے اوامر و قوانین کی بسرعت گردش کے لیے تاروں اور رگوں و ریشوں کا کام نہیں دے سکتا ہے! کیا موانع و عوائق اس کے تصرف کے لیے وسائل و سائط نہیں بن سکتے ہیں! کیا اَسباب و وسائط صرف ظاہری حجاب نہیں ہو سکتے! کیا وہ لامکاں ہو کر ہر جگہ پر موجود نہیں ہو سکتا ہے! کیا وہ جگہ گھیرنے اور ایک جگہ براجمان ہونے کا محتاج ہے! کیا یہ بات کسی بھی طرح ممکن ہے کہ دُوری، چھوٹا پن اور طبقہ ہائے وجود کے حجابات اس کے قرب و تصرّف اور شہود کے آڑے آجائیں! کیا یہ کسی بھی طرح ممکن ہے کہ تغیُّر، تبدُّل، تحیُّز اور تجزُّء جو کہ مادیات، ممکنات، کثیفات، کثیرات، مقیدات اور محدودات کے خواص ہیں، اور جو مادہ، اِمکان، کثافت، کثرت، تقیُّد اور تحدُّد یا محدودیت کے خصوصی لوازمات ہیں اور انہی میں منحصر ہیں؛ کیا کسی بھی طرح ممکن ہے کہ یہ اس ذاتِ اقدس کو لاحق ہو جائیں جو کہ مجرّد عنِ المادہ ہے، واجبُ الوجود ہے، نُورُ الانوار ہے، واحد اَحد ہے، منزّہ عنِ القیود اور مبرّء عنِ الحدود ہے، اور کمی کوتاہی سے پاک اور بلند ہے! کیا عاجزی کسی بھی حالت میں اُس کے شایانِ شان ہو سکتی ہے! کیا کمی کوتاہی کسی بھی طور اس کے دامنِ عزت و جلال کے قریب بھی پھٹک سکتی ہے؟۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

## دوسرے مقصد کا اختتام

ایک دفعہ جبکہ میں خصوصی طور پر احدیّت کے بارے میں غور وفکر میں مستغرق تھا، میری نظر میرے کمرے کے پاس والے چنار کے درخت کے پھلوں کی طرف اُٹھ گئی۔ تب سوچ بچار کا ایک سلسلہ دل میں عربی زبان میں وارد ہوا۔ میں اُسے یہاں بعینہٖ عربی میں لکھ رہا ہوں، اور ساتھ ہی اُس کی مختصر سی وضاحت بھی کر رہا ہوں۔

نَعَمْ، فَالْأَثْمَارُ وَالْبُذُوْرُ مُعْجِزَاتُ الْحِكْمَةِ، خَوَارِقُ الصُّنْعَةِ، هَدَايَا الرَّحْمَةِ، بَرَاهِيْنُ الْوَحْدَةِ، بَشَائِرُ لُطْفِهٖ فِيْ دَارِ الْآخِرَةِ، شَوَاهِدُ صَادِقَةٌ بِأَنَّ خَلَّاقَهَا لِكُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. كُلُّ الْأَثْمَارِ وَالْبُذُوْرِ مَرَايَا الْوَحْدَةِ فِيْ أَطْرَافِ الْكَثْرَةِ إِشَارَاتُ الْقَدَرِ، رُمُوْزَاتُ الْقُدْرَةِ بِأَنَّ تَاكَ الْكَثْرَةَ مِنْ مَنْبَعِ الْوَحْدَةِ تَصْدُرُ شَاهِدَةً لِوَحْدَةِ الْفَاطِرِ فِي الصُّنْعِ وَالتَّصْوِيْرِ، ثُمَّ إِلَى الْوَحْدَةِ تَنْتَهِيْ ذَاكِرَةً لِحِكْمَةِ الْقَادِرِ فِي الْخَلْقِ وَالتَّدْبِيْرِ. وَكَذَا هُنَّ تَلْوِيْحَاتُ الْحِكْمَةِ بِأَنَّ صَانِعَ الْكُلِّ بِكُلِّيَّةِ النَّظَرِ إِلَى الْجُزْئِيِّ يَنْظُرُ ثُمَّ إِلَى جُزْئِهٖ، إِذْ إِنْ كَانَ ثَمَرًا فَهُوَ الْمَقْصُوْدُ الْأَظْهَرُ مِنْ خَلْقِ هٰذَا الشَّجَرِ، فَالْبَشَرُ ثَمَرٌ لِهٰذِهِ الْكَائِنَاتِ، فَهُوَ الْمَطْلُوْبُ الْأَظْهَرُ لِخَالِقِ الْمَوْجُوْدَاتِ. وَالْقَلْبُ كَالنَّوَاةِ، فَهُوَ الْمِرْآةُ الْأَنْوَرُ لِصَانِعِ الْكَائِنَاتِ مِنْ هٰذِهِ الْحِكْمَةِ صَارَ الْإِنْسَانُ الْأَصْغَرُ فِيْ هٰذِهِ الْمَخْلُوْقَاتِ هُوَ الْمَدَارُ الْأَظْهَرُ لِلنَّشْرِ وَالْمَحْشَرِ فِيْ هٰذِهِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَالتَّخْرِيْبِ وَالتَّبْدِيْلِ لِهٰذِهِ الْكَائِنَاتِ اور اس عربی عبارت کی ابتداء یہ ہے:

فَسُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ حَدِيْقَةَ أَرْضِهٖ مَشْهَرَ صَنْعَتِهٖ، مَحْشَرَ حِكْمَتِهٖ، مَظْهَرَ قُدْرَتِهٖ مَظْهَرَ رَحْمَتِهٖ، مَزْرَعَ جَنَّتِهٖ، مَمَرَّا الْمَخْلُوْقَاتِ، مَسِيْلَ الْمَوْجُوْدَاتِ، مَكِيْلَ الْمَصْنُوْعَاتِ.

فَمُزَيِّنُ الْحَيَوَانَاتِ، مُنَقِّشُ الطُّيُوْرَاتِ، مُثَمِّرُ الشَّجَرَاتِ، مُزَهِّرُ النَّبَاتَاتِ، مُعْجِزَاتُ عِلْمِهٖ، خَوَارِقُ صُنْعِهٖ، هَدَايَا جُوْدِهٖ، بَشَائِرُ لُطْفِهٖ.

تَبَسُّمُ الْأَزْهَارِ مِنْ زِيْنَةِ الْأَثْمَارِ، تَسَجُّعُ الْأَطْيَارِ فِيْ نَسْمَةِ الْأَسْحَارِ تَهَزُّجُ الْأَمْطَارِ عَلٰى خُدُوْدِ الْأَزْهَارِ، تَرَحُّمُ الْوَالِدَاتِ عَلَى الْأَطْفَالِ الصِّغَارِ، تَعَرُّفُ وَدُوْدٍ، تَوَدُّدُ رَحْمٰنٍ، تَرَحُّمُ حَنَّانٍ، تَحَنُّنُ مَنَّانٍ، لِلْجِنِّ وَالْإِنْسَانِ وَالرُّوْحِ وَالْحَيَوَانِ وَالْمَلَكِ وَالْجَانِّ.

عربی زبان میں وارد ہونے والے اس تفکّر کا مختصر سا مطلب یہ ہے:

تمام ثمرات اور ان میں پائے جانے والے چھوٹے چھوٹے تمام بیج حکمتِ ربانیہ کے معجزات، صنعتِ الٰہیہ کے خوارق، رحمتِ الٰہیہ کے تحفے، وحدتِ الٰہیہ کی مادی براہین، آخرت میں الطافِ الٰہیہ کی بشارات اور اس کی قدرت کی ہمہ گیری اور اُس کے علم کی شمولیت اور جامعیت کے شواہدِ صادق ہیں۔ اسی طرح یہ عالمِ کثرت کے علاقہ جات میں وحدت

کے آئینے ہیں، اور کسی ایسے علاقے میں جہاں اس طرح کے درختوں کی کثرت ہے وہاں یہ نظروں کو کثرت سے وحدت کی طرف پھیرتے ہیں، چنانچہ ان میں سے ہر ایک زبانِ حال سے کہتا ہے: یہ درخت کہ جس نے اپنی شاخیں اور ٹہنیاں اس انداز سے پھیلا رکھی ہیں، اس عظیمُ الشان درخت کے درمیان بکھر نہ جانا اور اِس میں غرق نہ ہو جانا؛ کیونکہ اِس درخت کا تمام تر وجود ہمارے اندر ہے، اور اس کی کثرت ہماری وحدت میں داخل ہے، حتیٰ کہ ہر گٹھلی جو کہ ہر پھل کے دل کا حکم رکھتی ہے وہ بھی وحدت کے لیے ایک مادی آئینہ ہے؛ جیسے کہ یہ قلبی ذکرِ خفی کے ساتھ اُن تمام اُسماء کا ذکر کرتی ہیں جن کا ذکر یہ گرانڈیل درخت کرتا ہے اور ذکرِ جہری کی صورت میں ان اسماء کی قراءت کرتی ہیں۔ اور یہ بھی کہ جس طرح کہ یہ پھل اور گٹھلیاں وحدت کے آئینے ہیں، اسی طرح یہ تقدیر کے نمایاں اِشارے اور قدرت کے مُجَسّم رُموز ہیں، چنانچہ ان کلمات کے ذریعے سے تقدیر اشارہ کرتی اور قدرت رمزی طور پر کہتی ہے: جس طرح اس درخت کی کثرت بدوش تمام شاخیں اور ٹہنیاں ایک ہی گٹھلی سے آئی ہیں، اور ایجاد و تصویر یعنی صورت گری کے باب میں اس درخت کے صانع کی وحدت کا اظہار کرتی ہیں، اور پھر یہ درخت ان شاخوں اور ٹہنیوں کو پھیلا دیتا ہے اور یوں یہ کثیر تعداد میں ہو کر بکھر جاتی ہیں، پھر اسی طرح اِن کی تمام حقیقت کو ایک پھل کے اندر اور ان کے تمام معانی کو ایک گٹھلی کے اندر جمع کر دیتا ہے اور اس طرح وہ اپنے خالقِ ذوالجلال کی خلق و تدبیر میں پائی جانے والی حکمت کو نمایاں کرتا ہے۔ اسی طرح کائنات کا یہ درخت بھی اپنا وجود وحدت کے سرچشمے سے اُخذ کرتا اور نشو و نما پاتا ہے، اور اپنا پھل اس انسان کی شکل میں دیتا جو کہ جیسے موجودات کی اس کثرت کے درمیان وحدت کو نمایاں کرتا ہے۔ اور دل بھی کثرت کے درمیان ایمان کی آنکھ سے وحدت کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ یہ پھل اور گٹھلیاں حکمت ربانیہ کے اشارات و تلویحات ہیں، چنانچہ حکمت ان کے ذریعے بولتی ہے اور اہلِ شعور کو اس بات کا شعور دیتی ہے کہ: جس طرح اس درخت کی طرف رُخ کرنے والی نظرِ کُلی اور تدبیرِ کُلی اپنی تمام تر شمولیت اور عمومیت کے ساتھ اس پھل کی طرف متوجہ ہیں؛ کیونکہ یہ پھل اس درخت کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے اور درخت سے مقصود بھی دراصل وہ پھل ہی ہے، اور اسی طرح وہ کُلی نظر اور عمومی تدبیر کسی بھی پھل میں پائی جانے والی ہر گٹھلی کی طرف بھی دیکھتی ہیں؛ کیونکہ گٹھلی کے اندر درخت کا عمومی معنی اور اس کی فہرست پائی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ سمجھ لو کہ وہ مولائے کریم جو کہ اس درخت کی تدبیر کرتا ہے وہ اس تدبیر کے ساتھ تعلق رکھنے والے تمام تر اسماء کے ساتھ اِس درخت کے ہر اُس پھل کی طرف متوجہ ہے جو اس درخت کے وجود سے مقصود ہے اور جو اُس کی ایجاد کی غرض و غایت ہے۔ اسی طرح اس تناور درخت کو برگ دار کیا جاتا ہے اور کبھی ان چھوٹے چھوٹے پھلوں کی خاطر اس کی شاخوں کو کاٹ بھی دیا جاتا ہے اور اس کے بعض پہلوؤں کو تجدید کی غرض سے ویران بھی کیا جاتا ہے اور اِسے باقی رہنے والے خوبصورت اور زیبا ترین ثمرات سے بار آور کرنے کے لیے اس کی پیوندکاری بھی کی جاتی ہے۔

Marfat.com

انسان جو کہ کائنات کے اس درخت کا پھل ہے، اُس کی بھی یہی صورتِ حال ہے: انسان ہی کائنات کی ایجاد کا اصل مقصود ہے، موجودات کی ایجاد کی غرض و غایت بھی انسان ہی ہے، اور اس پھل کا بیج جو کہ انسان کا دل ہے وہ بھی صانعِ کائنات کا روشن ترین اور جامع ترین آئینہ ہے۔

اور یوں اِس حکمت کی رُو سے یہ حقیر انسان حشر و نشر جیسے عظیم انقلابات کا دارومدار بن گیا ہے۔ اور وہ کائنات کی تخریب و ویرانی اور تبدیلی کا سبب بنے گا، اور اُس کے حساب کتاب کے لیے اس دنیا کا دروازہ بند کیا جائے گا اور آخرت کا دروازہ کھولا جائے گا۔

اب چونکہ یہاں حشر کی بحث چل نکلی ہے اس لیے مناسب ہے کہ یہاں قرآنِ معجز بیان کی ایک حقیقی نکتے کی وضاحت کر دی جائے جو کہ حشر کے اثبات کے ضمن میں قرآن کریم کے بیان کی جزالت، فصاحت، خوش بیانی اور تعبیر کی قوّت کو آشکار کرتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ:

اس تفکّر کا نتیجہ یہ بتاتا ہے کہ انسان کے محاکے اور اسے ابدی سعادت سے ہمکنار کرنے کی خاطر اگر ضرورت پڑ جائے تو اس تمام کائنات کو ویران کر دیا جائے گا، اور یہ کہ اسے ویران اور تبدیل کرنے والی قدرت مشاہدے میں ہے اور موجود ہے۔ لیکن حشر کے کچھ مراتب ہیں:

ایک قسم اِس کی وہ ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے اور اُس کی معرفت لازم ہے۔

ایک دوسری قسم روحانی اور فکری ترقیات کے حساب سے ظہور میں آتی ہے، اس کے بارے میں علم اور معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔

اور قرآن کریم حشر کے سادہ ترین اور آسان ترین درجے کے قطعی اور قوی اثبات کے لیے ایک ایسی قدرت کا اظہار کرتا ہے جو کہ حشر کا عظیم ترین اور وسیع ترین دائرہ کھول دیتی ہے۔

پس حشر کا وہ مرتبہ جس پر عمومی طور پر ایمان لانا لازم ہے یہ ہے کہ: مرنے کے بعد لوگوں کی روحیں دیگر مقامات پر چلی جاتی ہیں اور ان کے اجسام بوسیدہ ہو جاتے ہیں لیکن جسم کا صرف ایک حصہ بچا رہتا ہے جسے ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے، یہ حصہ انسانی جسم کے لیے اس کے بیج اور گٹھلی کا حکم لے لیتا ہے، پس حق تعالیٰ اس چھوٹے سے جزء سے حشر کے دن انسان کا جسم پیدا کرے گا اور اس کی طرف اُس کی روح کو بھیج دے گا۔

پس حشر کا یہ مرتبہ اتنا زیادہ آسان ہے کہ ہر موسمِ گُل میں اس کے لاکھوں نمونے مشاہدے میں آ جاتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی آیات اس مرتبے کے اثبات کے لیے بسا اوقات تمام ذرّات کے حشر و نشر یعنی اُنہیں جمع کرنے اور انہیں بکھیرنے پر قادر ہونے والی قدرت کے تصرفات پر دلالت کرنے والے دائرے کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور کبھی ایسی قدرت اور حکمت کے

Marfat.com

آثار کو ظاہر کرتی ہیں جو کہ تمام مخلوقات کو فنا کے گھاٹ اُتار کر انہیں نئے سرے سے برآمد کر سکتی ہیں، اور کبھی ایسی قدرت اور حکمت کے تصرّفات و آثار کو ظاہر کرتی ہیں جو کہ ستاروں کو بکھیر سکتی ہیں اور اُنہیں پارہ پارہ کر کے آسمان کو شق کر سکتی ہیں، اور کبھی ایسی قدرت اور حکمت کے تصرّفات اور تجلیات کو ظاہر کرتا ہے جو کہ تمام جانداروں کو مار سکتی ہیں اور پھر انہیں ایک ہی دفعہ ایک تند و تیز چنگھاڑ کے ساتھ نئے سرے سے زندہ کر سکتی ہیں، اور کبھی ایسی قدرت اور حکمت کی تجلیات کو ظاہر کرتا ہے جو رُوئے زمین پر پائے جانے والے تمام مختلف ذی حیات کے علیحدہ علیحدہ حشر و نشر پر قادر ہیں، اور کبھی ایسی قدرت اور حکمت کے آثار کو ظاہر کرتی ہیں جو کرۂ ارض کو کلیتاً پارہ پارہ کر سکتی ہیں، پہاڑوں کو بھک سے اُڑا کر پھر سے استوار کر سکتی ہیں اور انہیں پہلی سے زیادہ اچھی صورت میں تبدیل کر سکتی ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ اس قدرت اور حکمت کے ساتھ اُس حشر کے علاوہ بھی حشر کے کئی مراتب بنا سکتا ہے جن پر ایمان لانا اور جن کی معرفت حاصل کرنا ہر ایک کے لیے ضروری ہے پس اگر حکمتِ ربانیہ کا تقاضا ہوا تو وہ انسانی حشر و نشر کے ساتھ ان سب کو بھی اُٹھا کھڑا کرے گا، یا ان میں سے اہمیت کی حامل اُشیاء کو حشر و نشر کے اس عمل سے گزارے گا۔

سوال: تم کہتے ہو کہ: تُو اپنے مقالات میں ''قیاسِ تمثیلی'' کا استعمال بہت زیادہ کرتا ہے، حالانکہ فنِ منطق کی رُو سے قیاسِ تمثیلی یقین کا فائدہ نہیں دیتا ہے۔ جبکہ مسائلِ یقینیہ میں یہ ضروری ہے کہ ''برہانِ منطقی'' کا استعمال کیا جائے۔ رہا قیاسِ تمثیلی، تو وہ ایسے مطالب میں استعمال ہوتا ہے جن میں ظنِ غالب سے ہی کام چل سکتا ہو، جیسے کہ علماء اصولِ فقہ کہتے ہیں۔

مزید یہ کہ آپ ان تمثیلات کا ذکر بعض کہانیوں کی صورت میں کرتے ہیں، اور کہانی حقیقی نہیں بلکہ خیالی اور خلافِ واقعہ ہوتی ہے۔!

الجواب: اگرچہ کہا جاتا ہے کہ منطق کے لحاظ سے ''قیاسِ تمثیلی یقینِ قطعی کا فائدہ نہیں دیتا ہے''، لیکن قیاسِ تمثیلی کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو کہ منطق کی یقینی برہان سے کہیں زیادہ قوی اور منطق کی شکلِ اوّل کی پہلی قسم سے زیادہ یقینی ہے، اور وہ قسم یہ ہے کہ: جزئی تمثیل کے ساتھ کسی کلّی حقیقت کا کوئی ایک جزء یا ایک پہلو واضح کر دیا جائے اور پھر اُس حقیقت پر حکم کی بنیاد رکھی جائے، اور کسی خصوصی مادے میں اس حقیقت کا قانون بیان کر دیا جائے تاکہ اُس سے اُس حقیقتِ عُظمٰی کا علم حاصل ہو جائے، اور جزوی مادے اُس کی طرف لوٹا دیے جائیں۔

مثال کے طور پر: ''سورج ـ نورانیت کی وساطت سے ـ ہر شفاف چمکدار چیز کے ہاں موجود ہے، حالانکہ وہ ذات واحد ہے''۔ اس مثال کے ساتھ حقیقت کا ایک قانون سامنے آتا ہے، اور وہ یہ کہ: نور اور نورانیت بے قید ہیں، پس قریب و بعید برابر ہیں اور قلیل و کثیر مساوی ہیں اور کوئی جگہ اسے حدود کی پابند نہیں کر سکتی۔

Marfat.com

اور مثال کے طور پر: درخت کے پھلوں اور پتوں کی ایک آن میں، ایک طرز پر، انتہائی آسانی کے ساتھ، مکمل طور پر ایک ہی مرکز میں اور ایک ہی قانونِ امری کے ساتھ شکل سازی اور صورت گری کرنا ایک ایسی تمثیل ہے جو ایک حقیقتِ عظمیٰ کے ایک جزء اور قانونِ کلّی کے ایک پہلو کو آشکار کر رہی ہے، اور اس حقیقت اور قانون کلّی کا غایت درجے کی قطعی صورت میں اثبات کر رہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ: یہ عظیمُ الشان کائنات بھی اس درخت کی طرح اُس قانون حقیقت اور سرِّ احدیت کا مظہر اور جولان گاہ ہے۔

ان تمام مقالات'' میں استعمال ہونے والے تمام تمثیلی قیاسات اسی نوع کے ہیں۔ پس یہ منطق کی قطعی براہان سے کہیں زیادہ قوی اور یقینی ہیں۔

**دوسرے سوال کا جواب:** فنِ بلاغت کا یہ پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا قانون ہے کہ: کسی بھی لفظ یا کلام کے حقیقی معنی کے بجائے کوئی اور معنی مقصود ہو تو اُس لفظ کو''لفظِ کنائی'' کہا جاتا ہے، اور''کنائی'' یعنی کنایہ دار لفظ یا کلام میں صدق و کذب کا دارومدار اصلی معنی نہیں بلکہ کنائی معنی ہوتا ہے۔ پس اگر کنائی معنی میں صداقت ہوگی تو وہ کلام صادق ہوگا اگر چہ اصلی معنی میں کذب ہو، چنانچہ اصلی معنی کا کذب کنائی معنی کے صدق پر خلل انداز نہیں ہوگا۔ لیکن اگر کنائی معنی میں صدق نہ ہو اور اصلی معنی میں صدق ہو، تو کلام کاذب ہوگا۔

مثال کے طور پر''فُلانٌ طَوِیلُ النَّجادِ'' یعنی فلاں شخص کی تلوار کی بیلٹ بہت لمبی ہے۔ اب یہ کلام اس آدمی کے قد کے لمبے ہونے سے کنایہ ہے۔ پس اگر وہ آدمی واقعتاً لمبا ہے اور اس کے پاس تلوار اور اُس کی بیلٹ نہ بھی ہو تو بھی کلام صادق اور حق ہوگا۔ اور اگر اُس آدمی کا قد لمبا نہ ہو، لیکن اُس کے پاس لمبی سی تلوار اور بیلٹ ہے، تو کلام کاذب ہوگا؛ کیونکہ اصلی معنی یہاں مقصود نہیں ہے۔

دسویں اور بائیسویں مقالے کی کہانیوں کی طرح دوسرے تمام رسائل کی حکایات بھی کنایات کی قسم میں سے ہیں؛ کیونکہ انتہائی حقیقت پر مبنی اور آخری درجے کے سچے اور مطابقِ واقعہ حقائق کہانیوں کے آخر میں ہیں جو کہ ان کہانیوں کے کنائی معانی ہیں اور ان کے اصلی معانی ایک تمثیلی دوربین کی حیثیت رکھتے ہیں جو اُن کی صداقت اور حقانیت کے لیے کسی بھی طرح نقصان دہ نہیں ہیں پھر یہ بھی ہے کہ یہ حکایتیں کہانیاں تمثیلات ہیں صرف سب لوگوں کو سمجھانے کی خاطر لسانِ حال کو لسانِ مقال کی صورت میں، اور شخصِ معنوی کو شخص مادی کے لبادے میں ظاہر کیا گیا ہے۔

**تیسرا مقصد:** تمام اہلِ ضلالت کے وکیل کو جب اپنے دوسرے سوال پر (حاشیہ:۱) قطعی، مُسکت اور دندان شکن جواب مل گیا تو اُس نے تیسرا سوال کر دیا، اور وہ یہ کہ قرآن میں وارد ہونے والے اس طرح کے کلمات: ﴿أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ، أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ یہ بتاتے ہیں کہ کچھ اور بھی خالق اور راحم پائے جاتے ہیں۔ اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ: خالقِ عالم انتہائی

(حاشیہ:۱) مقصود اس سے وہ سوال ہے جو دوسرے مقصد کے آغاز میں وارد ہوا ہے، یہ چھوٹا سا سوال نہیں جو خاتمہ کے اخیر میں ہے۔ مؤلف۔

Marfat.com

قسم کے کمالات کا مالک ہے، اور یہ کہ وہ کمالات کی تمام انواع واقسام کے آخری مراتب کا جامع ہے۔ اور صورتِ حال یہ ہے، کہ اشیاء کے کمالات اضداد کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں، چنانچہ اگر اَلَم نہیں ہوگا تو لذّت کمال نہیں ہوگی، اور اگر ظلمت نہیں ہوگی تو ضیاء کا وجود متحقق نہیں ہوگا، اور اگر فراق نہیں ہوگا تو وصال لذّت نہیں دے گا۔ وغیرہ

الجواب: پہلی شق کا ہم پانچ اشاروں میں جواب دیں گے۔

پہلا اشارہ: قرآن کریم اول سے لے کر آخر تک توحید کو بیان کرتا ہے اور اسی کا اثبات کرتا ہے، اور یہ چیز اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن کریم میں پائے جانے والے اس قسم کے کلمات کا وہ مطلب نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو، بلکہ اُس کا یہ قول ﴿اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ اس معنی میں ہے کہ وہ خالقیت کے بہترین مراتب میں ہے، بنابریں یہاں دوسرے کسی خالق کے وجود کی قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ یہاں جو چیز ثابت ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ خالقیت کے بھی دیگر صفات کی طرح بہت سے مراتب ہیں۔ پس ﴿اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ کا یہ معنی ہے کہ وہ خالقِ ذوالجلال خالقیت کے حسین ترین اور آخری مرتبے میں ہے۔

دوسرا اشارہ: قرآن میں جو ﴿اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ جیسی تعبیرات وارد ہوئی ہیں، اُن کے پیشِ نظر خالقین کا تعدُّد نہیں بلکہ مخلوقیت کی انواع واقسام ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ ایسا خالق ہے جو ہر چیز کو ایسے خوبصورت ترین مرتبے میں اور ایسے طور طریقے سے پیدا کرتا ہے جو کہ اُس چیز کے شایانِ شان ہے، جیسے کہ ﴿اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴾ جیسی آیات یہ معنی دے رہی ہیں۔

تیسرا اشارہ: قرآن کریم کی ﴿اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾، ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ﴾، ﴿خَيْرُ الْفَاصِلِيْنَ﴾ اور ﴿خَيْرُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ جیسی تعبیروں میں پایا جانے والا جو موازنہ ہے وہ حق تعالیٰ کی واقعی صفات وافعال اور ان لوگوں کے درمیان موازنہ اور تفضیل نہیں ہے جن میں ان صفات وافعال کے کچھ نمونے پائے جاتے ہیں؛ کیونکہ تمام کائنات میں اور تمام جنوں، انسانوں اور فرشتوں میں جو کمالات پائے جاتے ہیں وہ تو اُس کے کمال کے مقابلے میں ایک کمزور سے سائے کی حیثیت رکھتے ہیں: ان کے مابین موازنہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ موازنہ تو صرف عام لوگوں اور خاص کر اہلِ غفلت کے پیشِ نظر منعقد کیا جاتا ہے۔

اس کی وضاحت ہم ایک مثال سے کرتے ہیں:

ایک سپاہی فوج میں اپنے نائک کی مکمل اطاعت کرتا اور اس کا احترام بجالاتا ہے اور تمام حسنات وخیرات کا سرچشمہ اُسے ہی سمجھتا ہے اور حکمران کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا ہے، اور اگر کبھی اس کا کوئی مقام ومرتبہ دل میں آ بھی جائے تو وہ اپنے شکر وسپاس کے جذبات اپنے نائک کی نذر ہی کرے گا۔ اب ایسے سپاہی سے کہا جائے گا: حکمران تیرے نائک سے بڑا ہے

Marfat.com

اس لیے شکر یہ صرف اسی کا ادا کرو۔اب یہ کلام ناٹک کی ظاہری اور جزوی قیادت اور حکمران کی حقیقی اور واقعی پُرحشمت قیادت کے درمیان موازنہ یا مقابلہ نہیں ہے؛ کیونکہ یہ موازنہ اور تفصیل بے معنی ومفہوم ہے اس موازنے یا تفصیل کا کوئی معنی ومفہوم نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو صرف اُس اہمیت اور ربط وتعلق کی وجہ سے ہے جو سپاہی کے دل میں اپنے ناٹک کے بارے میں ہے، کیونکہ وہ اپنے ناٹک کو ترجیح دیتا ہے اور اس کی خدمت میں کورنش بجالاتا ہے اور صرف اسی کے ساتھ محبت کا دم بھرتا ہے۔

پس اسی طرح یہ ظاہری اسباب جن کے بارے میں یہ وہم گزرتا ہے کہ یہ خالق اور منعم ہیں، یہ منعمِ حقیقی کے حق میں اہلِ غفلت کے لیے پردہ بن جاتے ہیں، چنانچہ اہلِ غفلت ان اسباب ہی کے دامن کے ساتھ چمٹ جاتے ہیں اور انہی کو نعمت واحسان کا سرچشمہ گرداننے لگتے ہیں اور اپنی مدح وثنا کے ہدیے انہی کی نذر کرتے ہیں۔ پس قرآن کریم انہیں کہتا ہے: اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے خوبصورت پیدا کنندہ ہے اور وہ بہترین احسان کنندہ ہے۔ مطلب یہ کہ صرف اسی پر نگاہ رکھو اور صرف اسی کا شکر ادا کرو۔

**چوتھا اشارہ:** موازنہ اور تفصیل جس طرح حقیقی اور واقعی موجودات کے مابین ہوتا ہے اسی طرح ممکن اور فرضی اَشیاء کے مابین بھی ہوتا ہے۔تو جیسے اکثر ماہیات میں متعدد مراتب موجود ہیں اسی طرح عقلی طور پر اَسماءِ الٰہیہ اور صفاتِ قدسیہ کی ماہیات میں بھی لامحدود مراتب کا پایا جانا عین ممکن ہے۔پس اللہ تعالیٰ ان اسماء وصفات کے تمام ممکنہ اور متصورہ مراتب میں سے کامل ترین اور حسین ترین مراتب میں ہے، اور کائنات تمام کی تمام خود میں پائے جانے والے کمالات کے ساتھ اس حقیقت کی گواہ ہے، اور ﴿لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى﴾ کے ذریعے جو یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے تمام اَسماء حسن وجمال کے بلند ترین مرتبے پر ہیں، یہ بھی اسی مفہوم کی وضاحت کرتا ہے۔

**پانچواں اشارہ:** یہ موازنہ اور مفاضلہ اللہ اور ماسوی اللہ کے ساتھ مقابلے کا مفہوم نہیں رکھتا ہے بلکہ خداوندِ کریم کی تجلّیات اور صفات کی دو قسمیں ہیں:

**پہلی قسم:** اُس کے وہ تصرّفات جو واحدیّت کے راز سے قانونِ عام کی صورت میں اسباب کے پردے اور وسائط کے حجاب کے تحت جاری وساری ہیں۔

**دوسری قسم:** اس کا وہ تصرّف جو اُحدیّت کے راز سے خصوصی توجہ کے ساتھ براہِ راست بغیر کسی پردے کے چل رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ احدیّت کے راز کی رُو سے اُس کا براہِ راست احسان، ایجاد اور کبریائی کی تجلی اُس احسان، ایجاد اور کبریائی کی تجلی سے کہیں زیادہ بڑی خوبصورت اور بلند وبالا ہے جو واحدیت کے راز کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور جس کے آثار وسائط واسباب کے ذریعے ظہور میں اور مشاہدے میں آرہے ہیں۔

Marfat.com

چنانچہ مثال کے طور پر کوئی بادشاہ حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ ولی اللہ بھی ہو اور ہر قسم کے اُمور و احکام اور کاروائیوں کے جملہ اختیارات اُس کے ہاتھ میں ہوں، تو اس کے تمام ملازم اور قائدین اُس کے لیے خالص حجاب کا کام دیں گے؛ کیونکہ اس حکمران کے تصرّفات و اجراءات یا کارگزاریاں دو قسم کی ہیں:

پہلی: وہ اوامر جن کا وہ حکم دیتا ہے، اور وہ کاروائیاں جن کا اظہار وہ عمومی قانون کے ذریعے اور ملازموں، اور افسروں اور دیگر عہدے داروں کی صورت میں اور موقع محل کی قابلیت کے حساب سے کرتا ہے۔

دوسری: اس کے وہ شاہانہ احسانات و اجراءات جو براہِ راست سرانجام پاتے ہیں اور جن میں نہ تو قانونِ عام چلتا ہے اور نہ ہی ظاہری ملازم اور عہدیدار پردے کا کام دیتے ہیں۔ پس یہ کہنا صحیح ہے کہ: یہ زیادہ خوبصورت اور زیادہ عالیشان ہیں۔

اسی طرح اُس سلطانُ الازل والابد اور خالقِ کائنات نے اپنی کاروائیوں اور کارگزاریوں کے لیے وسائط و اسباب کو پردہ بنایا ہوا ہے اور ان کے ذریعے اُس نے اپنی ربوبیت کی شان و شوکت کو ظاہر کیا ہوا ہے، لیکن اس نے اپنے بندوں کے دلوں میں ایک خاص قسم کا ٹیلیفون نصب کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے ذریعے اپنے ان بندوں کو خصوصی عبودیت کا مکلّف کرتا ہے، اور انہیں کہتا ہے کہ: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کہو اور اسباب کو پسِ پُشت ڈال کر براہِ راست اُس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور اس طرح وہ ان چہروں کا رُخ کائنات کی طرف سے ہٹا کر اپنی طرف موڑ دیتا ہے۔ پس ﴿أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ،أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ اور اللّٰهُ أَكْبَرُ﴾ میں یہی معنی پیشِ نظر ہے۔

اہلِ ضلالت کے وکیل کے سوال کی دوسری شق کا جواب پانچ رمزوں پر مشتمل ہے:

پہلی رمز: وہ اپنے سوال میں کہتا ہے: جب تک کسی چیز کی ضد نہیں ہوگی وہ باکمال کیونکر ہوگی؟۔

الجواب: سوال کرنے والا دراصل کمالِ حقیقی سے نا آشنا ہے، وہ اُسے صرف کمالِ نسبتی ہی سمجھتا ہے، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ دوسری چیزوں کو نگاہ میں رکھنے کے نتیجے میں اور اُن کے مقابلے میں حاصل ہونے والے فضائل، امتیازی حیثیات اور برتریاں۔ دراصل حقیقی فضائل اور حقیقی کمالات نہیں ہیں بلکہ نسبتی ہیں اور بہت کمزور ہیں، اسی بنا پر جب دوسری چیزیں نظروں سے گر یں گی تو یہ بھی گر جائیں گی۔ اسے مثال سے یوں سمجھو:

حرارت کی نسبتی لذّت اور امتیازی خصوصیت برودت کی المناک تاثیر کی وجہ سے ہے، اور کھانے کی نسبتی لذّت بھوک کی المناک تاثیر کی وجہ سے ہے، اگر وہ تاثیریں ختم ہو جائیں تو یہ لذّات بھی کم ہو جائیں گی، جبکہ حقیقی لذت، محبت، کمال اور فضیلت وہ ہوتی ہے جو غیر کے تصوّر پر مبنی نہ ہو اور خود اُس کی ذات کے اندر موجود ہو اور وہ ذاتی طور پر ایک مقرر اور طے شدہ حقیقت ہو، جیسے کہ: لذّتِ وجود، لذّتِ حیات، لذّتِ محبت، لذّتِ معرفت، لذّتِ ایمان، لذّتِ بقاء، لذتِ رحمت،

Marfat.com

لذتِ شفقت، حسنِ نور، حسنِ بصیرت، حسنِ کلام، حسنِ کرم، حسنِ سیرت، حسنِ صورت، کمالِ ذات، کمالِ صفات، کمالِ افعال اور اُن جیسی دیگر امتیازی خصوصیات جو کہ ذاتی ہیں وہ غیر کے وجود یا عدم سے متغیر متبدل نہیں ہوتی ہیں۔

پس صانع ذُوالجلال، فاطر ذُوالجمال اور خالقِ ذُوالکمال کے تمام کمالات حقیقی اور ذاتی ہیں، اُن میں اُس کا غیر یا ماسِوَا بالکل اثر انداز نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے اُن کمالات کے صرف مظاہر ہو سکتے ہیں، دیگر ہیچ۔

دوسری رمز: سید شریف جرجانی اپنی کتاب ''شرح المواقف'' میں لکھتے ہیں: '' محبت کا سبب یا لذت ہے یا منفعت ہے یا مشاکلت یعنی جنسی میلان ہے، یا کمال ہے؛ کیونکہ کمال بذات خود محبوب ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ تم جس چیز سے بھی محبت کرتے ہو، یا تو لذت کے لیے کرتے ہو، یا منفعت کے لیے یا جنسی مشاکلت کے لیے _ جیسے کہ اولاد کی طرف میلان ہوتا ہے _ اور یا اس لیے کہ وہ چیز یا کمال ہے۔ پس اگر محبت کا سبب کمال ہے تو پھر وہاں دوسرے کسی بھی سبب یا غرض کی ضرورت نہیں رہتی؛ کیونکہ کمال ذاتی طور پر محبوب ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہر آدمی پرانے دور کے اصحابِ کمالات کے ساتھ محبت رکھتا ہے حالانکہ اس کا اُن کے ساتھ بالکل بھی کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، محض اِس بنا پر کہ اُنہیں اچھا سمجھتے ہیں اس لیے ان سے محبت رکھتے ہیں۔

پس حق تعالیٰ کے تمام کمالات اور اس کے اسمائے حسنیٰ کے تمام امتیازات وفضائل کے ساتھ ذاتی طور پر محبت کی جاتی ہے، اور وہ محبوب لذاتہٖ ہیں؛ کیونکہ وہ حقیقی کمالات ہیں اور ذاتِ ذوالجلال جو کہ محبوبِ حق اور حبیبِ حقیقی ہے، وہ اپنے حقیقی کمالات اور اسماء وصفات ومحاسن کے ساتھ اپنی شان کے مطابق محبت کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی صنعت اور مصنوعات کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ اور وہ اپنی مخلوقات کے اُن محاسن کے ساتھ محبت کرتا ہے جو کہ اُس کے کمالات کے مظاہر اور آئینے ہیں، اور اپنے انبیاء اور اولیاء اور خاص کر اپنے معزز حبیب سیّد المرسلین اور سلطانُ الاَولیاء کے ساتھ محبت کرتا ہے، اپنے جمال سے محبت کرنے کی وجہ سے وہ اپنے حبیب کے ساتھ محبت کرتا ہے جو کہ اُس کے جمال کا آئینہ ہے۔ اپنے اسماء کے ساتھ محبت کرنے کی وجہ سے وہ اپنے اُس حبیب کے ساتھ اور حبیب کے بھائیوں کے ساتھ محبت کرتا ہے جو کہ اُس کے اسمائے گرامی کے ذی شعور اور جامع قسم کے مظاہر ہیں، اور اپنی صنعت کے ساتھ محبت کی وجہ سے وہ اپنے حبیب اور اس جیسے دیگر لوگوں کے ساتھ محبت کرتا ہے جو کہ اس کی صنعت گری کے لیے رہنمائی دیتے اور اس کی تشہیر کرتے ہیں؛ اور وہ اپنے حبیب اور اُس حبیب کے پیچھے والے لوگوں کے ساتھ محبت کرتا ہے، جو کہ اس کی مصنوعات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اُن کی اِن الفاظ کے ساتھ دادِ تحسین دیتا ہے: ما شاء الله، بارک الله، تخلیق کا کیا خوبصورت شاہکار ہے!۔ اور یہ اس لیے کہ اُسے اپنی مصنوعات کے ساتھ محبت ہے۔ اور مخلوقات کے محاسن کے ساتھ محبت کی وجہ سے وہ اپنے معزز حبیب اور اس کے پیروکاروں اور بھائیوں کے ساتھ محبت کرتا ہے، وہ حبیب جو کہ تمام محاسنِ اخلاق کا جامع ہے۔

Marfat.com

تیسری رمز: پوری کائنات میں پائے جانے والے تمام کمالات ایک ذاتِ ذوالجلال کے کمال کی آیات اور اُس کے جمال کے اشارات ہیں، بلکہ تمام کائنات میں پایا جانے والا حسن و جمال اور کمال اس کے کمال حقیقی کی بہ نسبت ایک کمزور سے سائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس حقیقت کے لیے پانچ دلیلوں کی طرف مختصراً اشارہ کرتے ہیں:

پہلی دلیل: جس طرح ایک مکمل، منقش، مزیّن اور عالی شان محل بداہتاً مکمل صنعت اور تعمیر پر دلالت کرتا ہے اور وہ عمارت اور نقش نگاری جو کہ ایک مکمل فعل ہے بہر طور ایک کامل کاریگر اور مکمل انجینئر پر دلالت کرتے ہیں، اور اس کے ''نقّاش'' ''مصوّر'' اور اس طرح کے دیگر اسماء وعناوین کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور یہ مکمل اسماء وعناوین بھی بلاشبہ اُس صانع یا کاریگر کی مکمل کاریگری پر دلالت کرتے ہیں، اور اس کاریگری کی یہ کمالی صنعت بداہتاً اس کاریگر کی کمال استعداد اور قابلیت پر دلالت کرتی ہے، اور یہ کمال استعداد و قابلیت ضرورتاً اُس کاریگر کی ذات کے کمال اور اس کی ماہیت کی بلندی پر دلالت کرتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح کائنات کا یہ عظیم الشان محل اور یہ مکمل ومزیّن شاہکار بداہتاً انتہائی کمال پر مشتمل افعال پر دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ کسی نقش میں جو کمالات پائے جاتے ہیں وہ ان افعال کے کمالات سے ظہور میں آتے ہیں اور اُن پر دلالت کرتے ہیں۔ اور بے شک کمالِ افعال ضرورتاً ایک مکمل فاعل اور اُس فاعل کے کمال اسماء پر دلالت کرتا ہے، یعنی المدبر، المصور، الحکیم الرحیم اور المزیّن جیسے اسماء کے کمال پر اُن کے آثار کی نسبت سے دلالت کرتا ہے۔ اور اسماء وعناوین کا کمال بلاشک وشبہ اس صانع کے کمالِ اوصاف پر دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ صفت جب مکمل نہ ہو تو اُس سے اُبھرنے والے اسماء وعناوین کا مکمل ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ اور ان اوصاف کا کمال بداہتاً ذاتی شئوون واحوال کے کمال پر دلالت کرتا ہے؛ کیونکہ صفات کی مبادیات یہ ذاتی شئوون واحوال ہی ہیں، اور ذاتی شئوون واحوال کا کمال علم الیقین کے ساتھ اِن شئوون واحوال کی حامل ذات کے کمال پر دلالت کرتا ہے، اور اس کے شایانِ شان ایسے کمال پر دلالت کرتا ہے کہ جس کی روشنی نے شئوون وصفات واسماء واَفعال وآثار کے پردوں کو چاک کرنے کے باوجود کائنات میں اس حسن و جمال وکمال کے جلوے بکھیر دیے ہیں۔

اب جبکہ برہانِ قاطع کے ساتھ حقیقی ذاتی کمالات کے اس درجے کا وجود ثابت ہوگیا تو آپ یہ بات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اُن نسبتی کمالات کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ہے جس کی نظر دوسروں پر ہے اور جو امثال واَضداد پر تفوّق کی رُو سے حاصل ہوتا ہے؟ کیا ایسے کمالات دبے دبے اور خاموش خاموش نہ رہیں گے؟

دُوسری دلیل: اس کون ومکاں کو جب عبرت کی نظر سے دیکھا جائے تو قلب و وجدان حدسِ صادق کے ساتھ یہ چیز محسوس کرتا ہے کہ وہ ذات جو کہ اس کائنات کو انواع واقسام کے محاسن کے ساتھ آراستہ وپیراستہ کر رہی ہے اور اُسے اس حد تک حسن ولطافت کا مرقع بنا رہی ہے، وہ ذات بلاشبہ انتہائی قسم کے جمال وکمال کی مالک ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے

Marfat.com

کاروکردار میں یہ چیز نمایاں طور پر نظر آرہی ہے۔

**تیسری دلیل:** یہ بات معلوم ہے کہ موزوں، منظم مکمل اور خوبصورت مصنوعات کے پیچھے انتہائی خوبصورت پروگرام کارفرما ہوتا ہے، اور مکمل اور خوبصورت پروگرام ایک مکمل اور خوبصورت علم، ایک خوبصورت ذہن اور ایک خوبصورت رُوحانی قابلیت پر دلالت کرتا ہے، پس روح کا معنوی حسن و جمال ہی علم کی وساطت سے اس کی صنعت میں ظہور پذیر ہو رہا ہے۔ اس سے پتا چلا کہ یہ کائنات کہ جس کے مادی محاسن کی کوئی حد نہیں ہے، یہ علمی اور معنوی محاسن کے رشحات ہیں، اور یہ علمی اور معنوی محاسن و کمالات یقیناً ایک لامحدود سرمدی حسن و جمال و کمال کے جلوے ہیں۔

**چوتھی دلیل:** یہ بات معلوم ہے کہ ایک ضیاء دار چیز کو خود بھی ضیادار ہونا چاہیے، اور جو چیز نور کا چھڑکاؤ کر رہی ہو اُسے خود بھی نورانی ہونا چاہیے، اور یہ کہ احسان غنی کی طرف سے وارد ہوتا ہے، اور لطف لطیف کی طرف سے ظہور میں آتا ہے، بنابریں، اس کائنات کو اس قدر حسن و جمال سے نواز دینا اور موجودات کو مختلف کمالات بخش دینا، یہ دونوں چیزیں ایک جمالِ سرمدی پر ایسے ہی دلالت کرتی ہیں جیسے روشنی سورج پر دلالت کرتی ہے۔

اور یہ موجودات جب کمالات کے چمکاروں سے جگمگا رہی ہیں اور سطحِ زمیں ہر ایک عظیم نہر کی طرح بہتی جارہی ہیں، اور یہ سیلِ موجودات جاری و ساری ہے، اور وقتی طور پر حسن و جمال و کمال کی کرنوں سے جگمگاتا ہے اور اپنی راہ لیتا ہے اور اپنے پیچھے بعینہٖ وہی چمک دمک اور جگمگاہٹ چھوڑ جاتا ہے جیسے کہ وہ نہر سورج کی جلوہ ریزیوں سے جگمگاتی ہے۔ ان پے در پے جگمگاہٹوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح آبِ رواں پر اُٹھنے والے بلبلوں کی جلوہ گریاں اور خوبصورتیاں ان کی اپنی نہیں بلکہ سورج کی روشنی کی ہیں، اسی طرح سیلِ کائنات پہ وقتی طور پر جگمگانے والے محاسن و کمالات ایک سرمدی سورج کے اَسماء کے جمال کی کرنیں ہیں۔

نَعَمْ! تُفَانِیُ الْمِرْآةِ زَوَالُ الْمَوْجُوْدَاتِ مَعَ تَجَلِّی الدَّائِمِ مَعَ الْفَیْضِ الْمُلَازِمِ، مِنْ اَظْهَرِ الظَّوَاهِرِ مِنْ اَبْهَرِ الْبَوَاهِرِ عَلٰی اَنَّ الْجَمَالَ الظَّاهِرَ، اَنَّ الْکَمَالَ الزَّاهِرَ لَیْسَا مُلْکَ الْمَظَاهِرِ، مِنْ اَفْصَحِ تِبْیَانٍ مِنْ اَوْضَحِ بُرْهَانٍ، لِلْجَمَالِ الْمُجَرَّدِ لِلْاِحْسَانِ الْمُجَدَّدِ، لِلْوَاجِبِ الْوُجُوْدِ الْبَاقِیِ الْوَدُوْدِ۔ (حاشیہ:۱)

**پانچویں دلیل:** یہ بات معلوم ہے کہ تین، چار مختلف راستوں سے وارد ہونے والے لوگ اگر بعینہٖ ایک حادثے کے بارے میں بتائیں تو یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حادثہ قطعی طور پر رونما ہوا ہے اور یہ خبر اُس تواتر کے درجے تک جا پہنچی ہے جو کہ یقین کا فائدہ دیتا ہے۔

---

(۱) ''آئینوں کا باہم فنا ہوتے رہنا اور موجودات کا زوال آشنا رہنا، لیکن بایں ہمہ تجلی کا لازمی فیضان کی ہمراہی میں قائم دائم رہنا اس بات کی نمایاں ترین، روشن ترین اور تاباں ترین علامت ہے کہ: جمالِ ظاہر واجب الوجود اور الباقی الودود ذات کے احسانِ مجدد، جمالِ مجرد سے تعلق رکھنے والی واضح ترین برہان اور فصیح ترین تبیان کے مظاہر کی ملکیت نہیں ہے۔''

Marfat.com

بنابریں: تمام اصحاب کشف و ذوق و شہود، مشاہدہ، جو کہ ہر قسم کے محققین کے مختلف طبقات کے ساتھ، اولیاء کے مختلف طرق و سلاسل کے ساتھ، اُصفیاء کے مختلف مسالک کے ساتھ اور حقیقی حکماء کے مختلف مذاہب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اور جو آپس میں مشرب، مسلک، استعداد اور زمانے کے لحاظ سے انتہائی قسم کا اختلاف رکھتے ہیں۔ یہ سب کے سب کشف و ذوق و شہود کے ذریعے اس بات پر متفق ہیں کہ کائنات کے مظاہر اور موجودات کے آئینوں میں پائی جانے والے محاسن و کمالات ایک واجبُ الوجود واحد اور احد ذات کے کمال کی تجلیات اور اُس کے اسماء کے جمال کی جلوہ گریاں ہیں۔ پس ان لوگوں کا اجماع ایک غیر متزلزل حجتِ قاطعہ ہے۔

میرا خیال ہے کہ اہلِ ضلالت کا وکیل اپنے کان بند کر لے گا اور فرار ہونے پر مجبور ہو جائے گا تا کہ اس رمز کے حقائق اس کے کانوں میں نہ پڑ سکیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی تاریک کھوپڑیاں چمگادڑ کی طرح ان روشنیوں کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی ہیں اس لیے اب ہمیں بھی انہیں سنجیدگی سے درخورِ اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے۔

چوتھی رمز: کسی بھی چیز کی لذّت اور اس کے حسن و جمال کا مرجع اس کے اَمثال واضداد سے زیادہ خود اُس کے اپنے مظاہر ہوتے ہیں، مثال کے طور پر کرم کو لے لیں، یہ ایک خوبصورت اور لطیف صفت ہے، اب ایک کریم شخص کو جو لذت ان لوگوں کی لذت گیری اور فرح و سرور سے حاصل ہوتی ہے جن پر وہ کرم کرتا ہے اس لذت سے ہزار گنا زیادہ ہے جو اسے اپنے ہم مثلوں پر تفوق سے حاصل ہوتی ہے۔

یہی مثال ایک شفیق اور رحیم انسان کی ہے کہ وہ جن مخلوقات پر شفقت اور رحمت کا برتاؤ کرتا ہے، اُن کی راحت و رامش کے برابر حقیقی لذت حاصل کرتا ہے۔

پس وہ لذت جو کہ ۔ مثال کے طور پر ۔ ایک ماں اپنی اولاد کی سعادت مندی اور راحت و رامش سے شفقت کے طفیل حاصل کرتی ہے وہ اتنی قوی ہے کہ اس راہ میں وہ اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اُن کو راحت آشنا کرنے کے لیے اپنی روح تک کو قربان کر دیتی ہے، حتی کہ اس شفقت کی لذّت سے مرغی اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے شیر پر بھی حملہ کر دیتی ہے۔

تو جب اوصافِ عالیہ میں پائی جانے والی حقیقی لذت، حسن، سعادت اور کمال اقران واضداد کی طرف نہیں بلکہ ان اوصاف چیزوں کے مظاہر اور متعلقات کی طرف دیکھتے ہیں، تو پھر اس بات میں کوئی شک نہیں رہ جاتا ہے کہ اُس ذوالجمال والکمال، الحی القیوم، الحنان المنان اور الرحمان الرحیم ذات میں پایا جانے والا احسن و جمال اُن مرحوم لوگوں کی طرف دیکھتا اور اُن کی طرف متوجہ رہتا ہے جو کہ اُس کی رحمت سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ اور خاص کر ان لوگوں کی طرف جو جنت میں اس کی وسیع رحمت اور شفقت و رأفت سے ہمکنار ہوں گے اور اس کی تمام مخلوقات کی سعادت مندی، نعمت یابی اور فرح و سرور

Marfat.com

کے برابر اس کی شایانِ شان محبت کے ساتھ ملتے جلتے ایسے بلند مقام، مقدس، خوبصورت، منزّہ اور اُس کے شایانِ شان معانی ومفاہیم کے حامل شؤون واحوال ہیں جن کا ذکر۔ بس یوں سمجھ لو کہ اُن شؤون واحوال کو لذّت قدسی۔ یہ کہ اس رحمان ورحیم ذات کے بہت سے ایسے بلند مرتبہ، مقدس، خوبصورت اور پاکیزہ شؤون واحوال ہیں جو ایسے معانی ومفاہیم کے حامل ہیں جو اُس کے شایانِ شان ہیں، جیسے کہ محبت اور عشق ایسے طریقے سے جو کہ اس کے شایان شان ہے۔ اور اس کے کچھ ایسے بھی منزّہ اور مقدّس شؤون واحوال ہیں جن کا ذکر ہم اس لیے نہیں کر سکتے ہیں کہ شرعی طور پر اس کی اجازت نہیں ہے، ان شؤون واحوال کو لذتِ قدسی، عشقِ مقدس، فرحِ منزّہ اور سرورِ قدسی جیسے ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہ حالات اُن لوگوں کے فرح وسرور، نعمت یابی اور سعادت مندی کے درجات کے مطابق ہوتے ہیں جو اُس کی رحمت کے مظاہر ہیں، اور خاص کر وہ لوگ جو کہ دائمی جنت میں اس کی انواع واقسام کی لاانتہا رحمت اور شفقت کے مظاہر ہیں، چنانچہ ہم نے بہت سی جگہوں پر یہ بات ثابت کی ہے کہ: ان میں سے ہر شان اور ہر حالت عشق وفرح وسرور کی اس حالت سے لاانتہا درجے میں اعلی، اَقدس اور پاک ہے جو کائنات میں ہمیں نظر آتی ہے اور موجودات کے درمیان محسوس ہوتی ہے۔

پس اگر ان معانی کی کچھ جھلکیاں دیکھنا چاہتے ہو تو آنے والی تمثیلوں کی دور بین سے دیکھو۔

الف۔ ایک سخی، دریا دل، مشفق اور عالی جناب آدمی نے فقیروں، محتاجوں اور دیگر بے نواؤں کے لیے اپنے رواں دواں بحری بیڑے میں ایک بہترین ضیافت کا اہتمام کیا، اس دوران وہ خود بھی اپنے مہمانوں کے درمیان چلتا پھرتا رہا اور انہیں کھاتے پیتے ہوئے دیکھتا رہا، اب یہ بات آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ان فقراء ومساکین کے منّت پذیری کے جذبات کے ساتھ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے، ان بھوک سے نڈھال لوگوں کے شکر کے جذبات کے تحت لذّت گیر ہونے اور ان حاجت مندوں کے مدح وثنا کے رویّے سے سراپا احسان ہونے سے وہ آدمی دل میں کتنا خوش، مسرور اور شادمان ہوگا!۔

یہ اس آدمی کے سرور وشادمانی کی حالت ہے جو ایک چھوٹے سے دسترخوان کا بھی حقیقی مالک نہیں۔ اور اس کی ڈیوٹی صرف یہ ہے کہ وہ یہ دسترخوان تیار کرے اور بانٹنے کا انتظام کرے۔ اب تم اس پر اُس بے پایاں رحمت کے نتائج کو اور مقدّس محبت کے معانی کو قیاس کر سکتے ہو جس کی تعبیر کرنے سے ہم عاجز ودرماندہ ہیں اور جن کا مرجع ومحور وہ رحمان ورحیم ہے جس نے جن وانس وحیوانات کو اس عظیم الشان زمین پر سوار کیا ہے جو کہ ایک ربانی کشتی ہے، اسے وہ فضائے عالم کے بحر زخار میں رواں دواں رکھے ہوئے ہے۔ پس اُس نے اس کی سطح پر لامحدود انواع واقسام کے ماکولات ومشروبات کا ہمہ گیر دسترخوان بچھا دیا ہے، اور ایک چھوٹے سے ناشتے جیسی ایک ضیافت کا اہتمام کیا ہے اور اس کے لیے تمام ذی حیات کو دعوت دی ہے، اور اس کے بالمقابل اُس ابدی اور سرمدی دائم البقاء میں تمام جنتوں کو ایک ایسا دسترخوان بنا دیا ہے جن پر

Marfat.com

تمام قسم کی لذتوں پر مشتمل انتہائی کامل ومکمل قسم کی نعمتیں چُن دی ہیں اور انواع واقسام کی لامحدود لذتوں اور لطافتوں پر مشتمل ضیافت کا دروازہ کھول دیا ہے، تاکہ اس کے انتہائی محتاج، لامحدود اور انتہائی ذوق وشوق رکھنے والے بندے لاانتہا زمانے تک ان سے محظوظ ہوتے رہیں۔

اور مثال کے طور پر: ایک ماہر کاریگر جوکہ اپنی مہارت کا اظہار چاہتا ہے، گراموفون جیسا ایک ایسا خوبصورت آلہ ایجاد کرتا ہے جو بغیر ریکارڈ کے بولتا ہو، اور پھر اسے بنا سنوار کر اور تجربے سے گزار کر نمائش کے لیے پیش کر دیتا ہے، اب اگر اس کاریگر نے جن نتائج کا تصوّر اور ارادہ کیا تھا ان کا کامل ترین صورت میں اظہار کر دیا تو ایسے میں اس کا وہ موجد کتنا خوش ہوگا اور اپنے اس کارنامے پر کتنا فخر کرے گا اور نفسیاتی طور پر خود کو کتنا اچھا سمجھے گا!۔ چنانچہ وہ خود ہی اپنے آپ سے کہے گا: بارک اللّٰہ۔

تو اگر ایک چھوٹا سا انسان، اپنی ایک چھوٹی سی ظاہری صنعت کی وجہ سے اتنا خوش ہو سکتا ہے تو پھر اس صانع ذوالجلال کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جس نے عظیم الشان کائنات کو ایک موسیقی اور گراموفون کی طرح ایجاد کیا ہے۔ اسی طرح اس نے زمین اور اس میں پائے جانے والے تمام ذی حیات کو اور خاص طور پر ذی حیات میں انسان کے سر کو ایک ربانی گراموفون اور الٰہی موسیقی کی ایسی حیرت خیز طرز پر بنایا ہے کہ بشری حکمت اس کاریگری کے سامنے انگشت بدندان ہے!

جی ہاں، تمام مصنوعات سے جو نتائج مطلوب ہیں وہ اُن نتائج کا اظہار اُن تکوینی اوامر کی اطاعت کے ساتھ انتہائی جمال وکمال کی صورت میں کر رہی ہیں جن تکوینی اوامر کو مخصوص عبادات، خصوصی تسبیحات اور معین تحیات کہا جاتا ہے، اور اُن سے جو ربانی مقاصد مطلوب ہیں وہ ان مقاصد کو بروئے کار لا رہی ہیں اور اس طرح اُن سے جو مقدس معانی اور پاکیزہ شؤون واحوال ظہور میں آ رہے ہیں جنہیں ہم فرح وافتخار وسرور وغیرہ جیسے الفاظ سے تعبیر نہیں کر سکتے ہیں، اِن نتائج ومقاصد سے حاصل ہونے والے معانی واحوال اتنے بلند وبالا منزّہ اور مقدس ہیں کہ تمام نوعِ انسانی کی عقلیں ایک عقل کے ساتھ اکٹھی ہو جائیں تو بھی ان کی کُنہ تک پہنچنے اور ان کا اِحاطہ کرنے سے عاجز آ جائیں گی۔

اور اِسی طرح ایک عدل پرور حکمران جو حق بین وحق پرستی کا پیکر ہے، مظلوموں کا حق ادا کر کے، ظالموں سے اُن کا انتقام لے کر اور مظلوموں کی دادرسی کر کے اور مظلوموں کی طرف سے تشکر وامتنان کے جذبات دیکھ کر اُسے خوشی اور لذت ملتی ہے۔ اب آپ حکیم مطلق، عادل بالحق، قہارِ ذوالجلال کے نہ صرف جن وانس میں بلکہ تمام موجودات میں احقاقِ حق سے یعنی ہر چیز کو حقِ وجود اور حقّ حیات عطا کرنے سے اور اس کے وجود اور حیات کو ظالموں سے محفوظ کرنے سے اور ہولناک موجودات کی دست درازیوں سے روکنے سے اور خاص کر محشر میں اور دارِ آخرت میں جن وانس کے محاکمے کے ساتھ ساتھ تمام ذی حیات پر عدل وحکمت کی تجلّی کبریٰ سے وارد ہونے والے مقدس معانی کو قیاس کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

پس اِن تین مثالوں کی طرح ایک ہزار ایک اسمائے الٰہیہ میں سے ہر ایک میں حسن و جمال و فضل و کمال کے بہت سے طبقات پائے جاتے ہیں اسی طرح اس میں اور محبت و افتخار و عزّت اور کبریائی کے بہت سے مراتب پائے جاتے ہیں۔

اسی لیے تو اُن محقق اولیاء نے جو کہ اسمِ ''الودود'' کے مظہر بن چکے ہیں، یہ کہہ دیا ہے کہ: تمام کائنات کا خمیر محبت ہے۔ اور تمام موجودات کی حرکات محبت کے طفیل سے ہیں، اور تمام کائنات میں جذب و انجذاب بھی محبت ہی ہے۔ اور ان میں سے ایک کا کہنا ہے:

فَلَكْ مَسْتْ، مَلَكْ مَسْت

نُجُوم مَسْت، سَمَاوَاتْ مَسْت

شَمْس مَسْت، قَمَرْمَسْت

زَمِیں مَسْت، عَنَاصِرْ مَسْت

نَبَاتْ مَسْت، شَجَرْ مَسْت، بَشَرْ مَسْت۔

سَرَاسَرْ ذِیْ حَیَاتْ مَسْت

هَمَه ذَرَّاتِ مَوْجُودَاتِ بَرَابَرْ مَسْت دَرْمَسْتَسْت

مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق محبت الٰہی کی تجلی میں اور اس محبت کی شراب سے مدہوش و مست ہے۔ اور یہ بات تو معلوم ہے کہ ہر دل اس آدمی سے محبت کرتا ہے جو اس کے ساتھ احسان کرتا ہے اور ہر دل حقیقی کمال کو پسند کرتا ہے اور علوی جمال پر فریفتہ ہوتا ہے، اور اس آدمی کے ساتھ تو بہت زیادہ محبت رکھتا ہے جو اس کے ساتھ ساتھ اُس کے تعلق داروں اور چاہنے والوں کے ساتھ بھی شفقت اور احسان کا رویہ رکھتا ہو۔

تو اب _ جیسے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں_ اس سے یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھ میں نہیں آجاتی ہے کہ وہ جمیل ذوالجلال اور محبوب ذُوالکمال جو ایک ہزار ایک ایسے اسماء کا مسمّٰی ہے جو کہ ہزاروں کمالات کا سرچشمہ اور جمال کے ہزاروں طبقات کا دارومدار ہے، اور جو کہ اپنے احسانات کے ساتھ ہمارے تمام احباب کو سعادتمندی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اور جس کے ہر اسم میں احسان کے ہزاروں دفینے ہیں وہ عشق و محبت کے لیے کتنا موزوں، کتنا لائق ہوگا اور وہ اس بات کا کتنا حقدار ہوگا کہ تمام کائنات اس کی محبت میں مست، مدہوش اور از خود رفتہ نہ ہو جائے؟

یہی وہ راز ہے جس کی رُو سے اسمِ ''الودود'' سے بہرہ ور بعض اولیاء نے کہا ہے۔ ''ہم جنت کے طلب گار نہیں ہیں'' اور یہ کہ محبت الٰہی کی ایک جھلک ہمارے لیے ہمیشہ کے لیے کافی ہے۔ اور اِسی راز کی رُو سے جنّت میں جمالِ الٰہی کے دیدار کا محض ایک لمحہ جنّت کی تمام لذتوں سے بڑھ کر ہوگا، جیسے کہ حدیث میں وارد ہے۔ پس محبت کے یہ لاانتہا کمالات د

Marfat.com

امتیازات صرف واحدیت اور احدیت کے دائرے میں خود ذاتِ ذوالجلال کے اسماء گرامی اور اس کی مخلوقات کی بدولت حاصل ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس دائرے کے باہر جن کمالات کا وہم ہو جاتا ہے وہ کمالات نہیں ہیں۔

**پانچویں رمز:** پانچ نکات ہیں۔

**پہلا نکتہ:** اہلِ ضلالت کا وکیل کہتا ہے: تمہاری احادیث میں اس دنیا پر لعنت کی گئی ہے اور اسے مردار کہا گیا ہے، اور تمام اہلِ ولایت واہلِ حقیقت دنیا کو حقیر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ مکّار اور خبیث ہے، جبکہ تم اسے تمام کمالاتِ الٰہیہ کے لیے دارومدار اور حجّت کی حیثیت سے پیش کرتے ہو اور اُس کا ذکر بڑے عاشقانہ انداز اور والہانہ پن سے کرتے ہو۔

**الجواب:** دنیا کے تین رُخ ہیں:

**پہلا رُخ:** حق تعالیٰ کے اسماء کی طرف دیکھتا ہے اور اُن کے نقوش کو ظاہر کرتا ہے اور ان کے لیے حرفی معنی کے ساتھ آئینے کا کردار ادا کرتا ہے۔ پس دنیا کا یہ چہرہ بلا حد وحساب مکتوبات صمدانیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ چہرہ بہت زیادہ خوبصورت ہے اور نفرت کے نہیں بلکہ عشق کے لائق ہے۔

**دوسرا رُخ:** یہ آخرت کی طرف دیکھتا ہے۔ اور یہ آخرت کا ماحصل جنت کی کھیتی اور رحمت کا گلستاں ہے۔ اس کا یہ چہرہ بھی پہلے کی طرح خوبصورت اور تحقیر کے نہیں محبت کے لائق ہے۔

**تیسرا رُخ:** یہ انسان کی سفلی خواہشات کی طرف دیکھتا ہے۔ اور حجابِ غفلت ہے اور اہلِ دنیا کی سنا کیوں کے لیے کھیل کا میداں ہے۔ یہ چہرہ بدصورت ہے؛ کیونکہ یہ فانی ہے، زوال پذیر ہے، تکلیف دہ ہے اور دھوکے باز ہے۔

اب جو حدیث شریف میں دنیا کی جو تحقیر وارد ہوئی ہے اور اہلِ حقیقت جو اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں اس کا تعلق اس چہرے کے ساتھ ہے۔ رہا قرآن حکیم کا کائنات وموجودات کو پورے اہتمام واستحسان کے ساتھ بحث ونظر کا موضوع بنانا، تو اس ضمن میں وہ اس کے پہلے دو چہروں کو سامنے رکھتا ہے۔ اور صحابہ کرام اور دوسرے اہل اللہ کی پسندیدہ دنیا کا تعلق بھی انہی پہلے دو چہروں کے ساتھ ہے۔

اب یہ یاد رکھیں کہ دنیا کو جو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں چار قسم کے ہیں:

**پہلی قسم:** اہل معرفت کی ہے۔ یہ لوگ دنیا کو اس لیے حقیر جانتے ہیں کہ یہ حق تعالیٰ کی معرفت، اُس کی محبت اور اس کی عبادت کے آگے رکاوٹ بن جاتی ہے۔

**دوسری قسم:** اہل آخرت کی ہے۔ یا تو یہ کہ دنیا کے ضروری اُمور واشغال انہیں اُخروی عمل سے باز رکھتے ہیں، اور یا پھر یہ اُن کے درجہءِ شہود تک پہنچے ہوئے ایمان کی بدولت یہ بات اُن کے مشاہدے میں آجاتی ہے کہ یہ دنیا جنت کے کمالات و محاسن کے مقابلے میں انتہائی بدصورت ہے، جی ہاں؛ دنیا کے یہ جتنے بھی قیمتی محاسن ہیں جنت کے محاسن کے مقابلے میں

Marfat.com

معدوم کا حکم رکھتے ہیں، بالکل ایسے جیسے ایک خوبصورت آدمی یوسف علیہ السلام کے مقابلے میں تو پھر بھی بدصورت نظر آئے گا۔

**تیسری قسم:** دنیا کو اس لیے حقیر جانتے ہیں کہ یہ انہیں ملتی نہیں۔ لیکن تحقیر کا یہ جذبہ ظاہر ہے نفرت سے نہیں بلکہ دنیا کی محبت سے پیدا ہوتا ہے۔

**چوتھی قسم:** دنیا کو اس لیے حقیر سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے ہاتھ لگ تو جاتی ہے لیکن ان کے ہاتھ میں رہتی نہیں اور منہ پھیر کر چل دیتی ہے، چنانچہ وہ اس پر غضبناک ہوتے ہیں اور اسے حقیر جانتے ہیں اور تسلیٔ خاطر کے لیے کہتے ہیں: یہ بدصورت ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ تحقیر کا یہ جذبہ بھی دنیا کی محبت ہی سے جنم لیتا ہے۔ جبکہ حقارت جو مطلوب ہے وہ ہے جو کہ آخرت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی محبت سے پیدا ہو۔

پس مطلوب و مقبول حقارت وہی ہے جو کہ پہلی دو قسموں میں بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں میں سے بنا دے آمین بحرمۃ سید المرسلین۔ (حاشیہ:۱)

(حاشیہ:۱) دوسرے چار نکات موجود نہیں ہیں، شاید لکھے ہی نہیں گئے! ۔۔۔ مترجم

Marfat.com

# تیسرا موقف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تیسرا موقف دوسرا نکتہ ہے۔ اور یہ بھی دو مبحث پر مشتمل ہے۔

﴿وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ.﴾

یہ تیسرا موقف دوسرا نکتہ ہے اور وہ بھی دو مبحث ہیں۔

**پہلا مبحث:** آیت کریمہ: ﴿وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ.﴾ میں پایا جانے والا راز بتاتا ہے کہ ہر چیز کے بہت زیادہ پہلو ہیں اور یہ تمام پہلو ایسے دریچوں کی حیثیت رکھتے ہیں جن کا رُخ خدائے تعالیٰ کی طرف ہے، اور یہ کہ تمام موجودات کے حقائق اور تمام کائنات کی حقیقت اسمائے الٰہیہ پر تکیہ کُناں ہیں، اور یہ کہ ہر چیز کی حقیقت ایک اسم پر یا بہت سے اسماء پر تکیہ کیے ہوئے ہے، اور یہ کہ اشیائے کائنات میں پائی جانے والی صفات اور کاریگریاں ہیں اُن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی اسم پر تکیہ کیے ہوئے ہے، چنانچہ حقیقی حکمت کا فن اسم ''الحکیم'' پر تکیہ رکھتا ہے، حقیقی طب کا فن اسم ''الشافی'' پر اور انجینئرنگ کا فن اسم ''المقدر'' پر۔ اور یوں ہر فن کسی ایک اسم پر تکیہ رکھتا ہے اور اخیر میں وہیں جا پہنچتا ہے۔ اسی طرح تمام بشری کمالات اور علوم وفنون اور با کمال انسانی طبقات کے حقائق اسمائے الٰہیہ پر تکیہ رکھتے ہیں؛ حتیٰ کہ کچھ محقق اولیاء تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ: اشیاء کے حقیقی حقائق اسمائے الٰہیہ ہیں، اور جہاں تک اشیاء کی ماہیات کا تعلق ہے تو وہ اُن حقائق کے سائے ہیں یہاں تک کہ ایک ذی حیات چیز میں صرف ظاہری طور پر بیس اسمائے الٰہیہ کے نقوش کے جلوے دیکھے جاسکتے ہیں۔

ہم اس انتہائی رقیق، دقیق، عظیم اور وسیع وعریض حقیقت کو ایک تمثیل کے ذریعے قریب الفہم بنانے کی پوری کوشش کریں گے، اور اِسے دو باتیں مختلف چھلنیوں سے گزار کر چھان پھٹک کر پیش کریں گے۔ پس یہ بحث کتنی بھی طول کیوں نہ پکڑ جائے بہر کیف مختصر ہی رہے گی، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اُکتاہٹ کا اظہار نہ کریں۔

اور اِس کا بیان اس طرح ہے کہ: جس طرح ایک بلا کا ماہر مصور اور مورتی کار جب انتہائی لطیف اور نازک پھول کی تصویر بنانا چاہے گا یا انسانی جنس لطیف کی پیکر کسی انتہائی خوبصورت دوشیزہ کی مورتی تراشنا چاہے گا تو پہلے تو وہ چند لکیروں کے ساتھ ان دونوں چیزوں کی عمومی شکلوں کا تعین کرے گا، اور اس کی یہ تعیین پوری تنظیم وتقدیر یعنی پلاننگ اور پیمانے اور اندازے کے ساتھ ہوگی، اور وہ انجینئرنگ کے سہارے اس کی حدود متعین کرے گا اور یہ تنظیم وتقدیر اس بات پر دلالت

Marfat.com

کرتے ہیں کہ ان میں جو کاریگری کارفرما ہے وہ علم و حکمت پر مبنی ہے۔اس سے پتا چلا کہ تنظیم اور تحدید کے دو فعل علم و حکمت کی پرکار کے ساتھ گھومتے ہیں، مطلب یہ کہ تنظیم و تحدید کے پیچھے علم و حکمت کا معنی کام کر رہا ہے۔اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ علم و حکمت کی پرکار اپنی ذات کا اظہار کرے گی۔اور دیکھو اس نے اپنی ذات کا اظہار کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُن حدود کے درمیان آنکھ، کان، ناک اور نرم و نازک پتوں اور غنچوں جیسی چیزوں کی صورت گری میں لگ گئی۔اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تمام اعضاء جو کہ پرکار کی حرکات کے ساتھ متعین ہوئے ہیں صنعت اور عنایت کی رُو سے ہوئے ہیں۔تو پتا چلا کہ اس علم و حکمت کی پرکار کے پیچھے صنعت و عنایت کارفرما ہیں جو کہ اس پرکار کو گھما رہی ہیں اور وہ عنقریب خود کا اظہار کریں گی۔پس اس سے ایک طرح کے حسن و جمال اور زیب و زینت کی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے۔تو اس سے پتا چلا کہ جو چیز صنعت و عنایت کو استعمال میں لا رہی ہے وہ ارادۂ تحسین اور قصدِ تزیین ہے۔پس دراصل یہی دو چیزیں ہی کام کر رہی ہیں پس اُس مصوّر اُس فن پارے کی تزیین و آرائش کی، اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیری اور اس طرح اُسے ایک زندگی سے بھرپور وضع قطع عطا کر دی۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مورتی یا وہ چیز جو کہ اِس تحسین و آرائش کا معنی استعمال کر رہی ہے وہ ''لطف و کرم کے معنی ہیں۔

جی ہاں، یہ دونوں معنی اس میں اس حد تک کارفرما ہیں کہ گویا وہ پھول لطف مجسم اور وہ مورتی یا تمثال سراپا کرم ہے۔ اور اب یہ سمجھو کہ جو چیز لطف و کرم کے اس معنی کو استعمال کرتی اور انہیں حرکت میں رکھتی ہے وہ ہے ''تودُّد اور تعرُّف'' تعرُّف کا مطلب یہ کہ وہ فنکار اس چیز کے پسِ پردہ اپنے فن اور مہارت کے ذریعے اپنی ذات کی پہچان کراتا ہے، اور تودّد کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کی دوسروں کے دلوں میں محبت جاگزیں کرتا ہے، اور یہ ''پہچان اور محبت'' دونوں رحمت اور نعمت کے ارادے کے میلان سے بروئے کار آتے ہیں۔اور تودّد اور تعرُّف کے پیچھے چونکہ رحمت اور ارادۂ نعمت ہے اس لیے وہ فنکار اُس مورتی کو ہر طرف سے انواع و اقسام کی زیب و زینتوں اور نعمتوں سے پُر کر دے گا اور پھول کی اس تصویر پر کوئی قیمتی تحفہ لٹکا دے گا۔اور یہ دیکھو ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اس مورتی کے دونوں ہاتھوں کو اور اس کے سینے، گود اور دامن کو قیمتی نعمتوں سے بھر دیا ہے اور اس پھول کی تصویر پر سرخ موتی لٹکا دیے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو چیز اس رحمت اور ارادۂ نعمت کو استعمال میں لاتی ہے وہ ''ترحُّم اور تحنُّن'' یعنی رحم و کرم اور شفقت کا جذبہ۔مطلب یہ کہ رحم و دلسوزی اور مہر و شفقت کے جذبے نے اس رحمت اور ارادۂ نعمت کو حرکت دی ہے۔اور وہ چیز جو کہ اس مطلق مستغنی اور بے پرواہ ذات میں اس ترحّم اور مہربانی کے جذبے کو حرکت دیتی ہے اور اسے اس کے اظہار پر آمادہ کرتی ہے، وہ ہے اس کریم ذات میں پایا جانے والا معنوی جمال اور کمال جو کہ ظاہر اور آشکار ہونا چاہتا ہے، اور محبت جو کہ جمال کا خوبصورت اور لذیذ ترین جزء ہے، اور رحمت جو کہ اس جمال کا شیریں ترین حصہ ہے، یہ دونوں ـ محبت اور رحمت ـ صنعت اور کاریگری کے

Marfat.com

اس آئینے کے ذریعے اپنے آپ کو آشکار کرنا چاہتے ہیں اور اہلِ شوق کی آنکھوں کی وساطت سے اپنا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں، مطلب یہ کہ جمال اور کمال خود اپنی ذات کے ساتھ کسی دوسری چیز سے زیادہ محبت رکھتے ہیں؛ کیونکہ یہ دونوں محبوب لذاتہ ہیں، پس یہ دونوں حسن وعشق ہیں۔ اور یاد رہے کہ حسن وعشق کا اتحاد اِسی نقطے سے آتا ہے۔

اور جمال چونکہ اپنے آپ کے ساتھ محبت رکھتا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آئینوں میں اپنا نظارہ کرنا چاہتا ہے، پس اس مورتی پر جو پسندیدہ نعمتیں رکھی گئی ہیں اور تصویر پر جو خوبصورت پھل لٹکائے گئے ہیں، سب کے سب اپنی اپنی قابلیت کے حساب سے بیک وقت اس معنوی حسن و جمال کی اور خود صاحبِ جمال کی جھلک پاتے ہیں اور خود بیک وقت صاحبِ جمال کے لیے اور دوسروں کے لیے ان جھلکیوں کو آشکار کرتے ہیں۔

بعینہٖ اِسی طرح وہ صانع الحکیم اپنے اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے ساتھ جنت و دنیا، آسمان و زمین، نباتات وحیوانات، جن وانس، ملائکہ ورُوحانیات اور تمام کلّی اور جزئی اشیاء کو منظم کرتا ہے، اُن کی اشکال کی حد بندی کرتا ہے اور انہیں معیّن مقداریں عطا کرتا ہے اور اس طرح یہ تمام چیزیں مـقـدّر، مـنـظّم اور مـصـوّر جیسے اَسماء کا ورد کرتی ہیں۔ اور پھر وہ ان کی ایک عمومی اشکال کی حدود اس طریقے سے متعین کرتا ہے کہ ہر چیز سے اسم "الـعـلیمُ ، الحکیم" کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر اس چیز کی ان معیّن حدود کے درمیان علم وحکمت کے پیمانے کے ساتھ اس طرح سے تصویر کشی کرتا ہے کہ اس سے صنعتِ عنایت اور اہتمام کے معانی کا ظہور ہوتا ہے، یعنی "الـصـانـعُ" اور "الـکـریم" جیسے اسماء بروئے کار آتے ہیں۔ پھر اس تصویر کو صنعت کے دستِ کریمانہ اور عنایت کے بُرش کے ساتھ زیب وزینت اور حسن و جمال عطا کرتا ہے، پھر اگر وہ تصویر انسان کی ہے تو اس کے آنکھ، کان، ناک اور ان جیسے دیگر اعضاء پر گوناگوں قسم کا رنگ و جمال سجا دیتا ہے۔ اور اگر وہ تصویر پھول ہے تو اس کی پتیوں اور رگ وریشوں میں حسن و جمال اور تر وتازگی کی رُوح لا دیتا ہے۔ اور اگر وہ تصویر زمین ہے تو اس کی معدنیات، نباتات اور حیوانات کو حسن و جمال اور زیب وزینت سے آراستہ کر دیتا ہے۔ اور اگر وہ تصویر جنت کی ہے تو اس کے باغات ومحلّات اور حور وغلمان کو انواع واقسام کے حسن و جمال اور زیب وزینت سے نواز دیتا ہے۔ دیگر اشیاء کو آپ اس پر قیاس کر لیں۔

پھر وہ ان چیزوں کو اس طریقے سے مزیّن اور منوّر کرتا ہے کہ ان میں "لطف وکرم" کے معانی اِس حد تک کارفرما ہوتے ہیں کہ وجود کا وہ مزّین نمونہ اور کارگیری کا وہ شاہکار لطف وکرم کا ایسا پیکر بن جاتا ہے جو کہ اسم "الـلـطـیف" اور "الـکـریم" کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ پھر وہ چیز جو کہ اس لطف وکرم کو اس جلوہ گری پر آمادہ کرتی ہے وہ قطعی طور پر "تودّد اور تعرّف" ہے، یعنی ایسے شئون واحوال جو کہ ذی حیات کے لیے محبوب بناتے ہیں اور ذی شعور کے ہاں اس کی پہچان کرواتے ہیں، اور یوں اس چیز پر ان دو اسموں "الـودود اور الـمـعـروف" کا ورد کراتے ہیں جو کہ اسم "الـلـطیف اور

Marfat.com

الکریم '' کے پیچھے کارفرما ہیں، بلکہ اُس چیز کی زبانِ حال سے ان دو اسموں کا یہ وِرد سنواتے ہیں۔ پھر وہ اُس مزیّن وجود اور خوبصورت مخلوق کو لذیذ ثمرات اور پسندیدہ نتائج کے ساتھ آراستہ کرتا ہے اور یوں اُسے زیب وزینت کے دائرے سے نعمت کے دائرے میں اور لطف کے دائرے سے رحمت کے دائرے میں منتقل کر دیتا ہے، اور ناظرین ومشاہدین سے اس پر ''المُنعم اور الرّحیم'' کے نام کا ورد کرواتا ہے اور ظاہری پردوں کے پیچھے سے ان دونوں اسموں کے جلوے دکھاتا ہے۔ پھر وہ چیز جو کہ اس مستغنی علی الاِ طلاق رحیم وکریم ذات کو اس جلوہ گری پر آمادہ کرتی ہے وہ ہے ''ترحّم اور تحنُّن'' کے شئون واحوال جو کہ اس چیز پر اسم ''الحنّان اور الرحمان'' کا ورد کرواتے ہیں اور انہیں آشکار کرتے ہیں۔ اور وہ چیز جو کہ ''ترحُّم اور تحنُّن'' کے معانی کو جلوہ گری پر آمادہ کرتی ہے، وہ ہے ذاتی جمال اور کمال جو کہ بہر کیف آشکار ہونا چاہتے ہیں، چنانچہ اس طرح وہ اس چیز پر اسمائے گرامی ''الودود اور الرحیم'' کا ورد کرواتا ہے جو کہ اسم ''الجمیل'' میں مندرج ہیں؛ کیونکہ جمال بذاتِ خود محبوب ہے، اور جمال اور صاحبِ جمال دونوں ہی اپنی ذات کے ساتھ محبت کرتے ہیں، پس یہ حُسن بھی ہے اور محبت بھی ہے۔ اور کمال بھی بذاتِ خود محبوب ہے اور بغیر کسی سبب کے محبوب ہے، پس وہ محبّ بھی ہے اور محبوب بھی۔ اور جب کمال کے انتہائی درجے کو پہنچا ہوا جمال، اور جمال کے انتہائی درجے کو پہنچا ہوا کمال، دونوں کے ساتھ انتہائی درجے کی محبت ہوتی ہے اور دونوں عشق ومحبت کے لائق اور مستحق ہوتے ہیں؛ تو پھر یہ بات ضروری ہے کہ وہ دونوں ہی آئینوں کی قابلیت کے حساب سے اُن میں جھلکیاں اور جلوہ ریزیاں خود بھی دیکھیں اور دوسروں کو بھی دکھائیں۔

اِس سے پتا چلا کہ صانعِ ذُوالجلال، حکیم ذوالجمال اور قدیرِ ذُوالکمال کی ذات میں جو ذاتی جمال اور ذاتی کمالات پائے جاتے ہیں وہ ''ترحُّم اور تحنُّن'' کا تقاضا کرتے ہیں اور اسم ''الرحمان اور الحنّان'' کو تجلّی کی طرف کھینچ کر لاتے ہیں، اور ''ترحُّم اور تحنُّن'' اسم '' الرّحیم اور المنعم'' کو رحمت اور نعمت کے اظہار کے ذریعے کشاں کشاں جلوہ گری کی طرف لاتے ہیں، اور رحمت اور نعمت ''توَدُّد اور تعرُّف'' کی دو حالتوں کا تقاضا کرتے ہیں اور اس طرح سے اسم'' الودود اور المعروف'' کو تجلّی کی طرف کھینچ کر لاتے ہیں اور کاریگری کے اُس شاہکار کے کسی حجاب میں انہیں آشکار کرتے ہیں، اور تودّد اور تعرّف ''لطف وکرم'' کے معنی کو حرکت دیتے ہیں اور اس مصنوع یعنی کاریگری کے شہ پارے کے بعض کونوں اور حجابوں میں اسمِ گرامی ''اللطیف اور الکریم'' کا ورد کرواتے ہیں۔ اور لطف وکرم کی دو حالتیں ''تزیین وتنویر'' کے دو فعلوں کو حرکت دیتی ہیں اور مصنوع کی حُسن اور اس کو نورانیت کی زبان سے اسمِ '' المزیّن اور المُنوّر '' کا ورد کرواتی ہیں۔ اور اس تزیین اور تحسین کی دو حالتیں ''صنعت اور عنایت'' کے معانی کا تقاضا کرتی ہیں اور اُس مصنوع کی خوبصورت اور دیدہ زیب اسمِ ''الصانع اور المحسن'' کا ورد کرواتی ہیں۔ اور وہ صنعت اور عنایت

Marfat.com

''علم وحکمت'' کا تقاضا کرتی ہیں اور اس مصنوع کے منظّم اور پُر حکمت اعضاء و جوارح کے ذریعے اسمِ ''العلیم اور الحکیم'' کا ورد کرواتی ہیں۔ اور وہ علم وحکمت ''تنظیم تصویر اور تشکیل'' کے فعل کا تقاضا کرتے ہیں اور مصنوع کی ہیئت اور شکل کی بدولت اسمِ ''المصوّر اور المقدّر'' کا ورد کرواتے اور انہیں آشکار کرتے اور بروئے کار لاتے ہیں۔

تو کہنا یہ ہے کہ اُس صانع ذُوالجلال نے اپنی تمام مصنوعات کو اس طریقے پر پیدا کیا ہے کہ اُن میں سے اکثر اور خاص کر ذی حیات بہت سے اسمائے الٰہیہ کا ورد کرتی ہیں، گویا کہ اُس نے ہر مصنوع و مخلوق چیز کو اُوپر نیچے مختلف قسم کی بیس قمیصیں پہنا رکھی ہیں اور انہیں بیس پردوں میں لپیٹ دیا ہے اور ان میں سے ہر قمیص میں اور ہر پردے میں اپنے مختلف اسماء لکھ دیے ہیں۔

چنانچہ ایک دیدہ زیب پھول اور ایک خوبصورت دوشیزہ کی صرف ظاہری تخلیق میں بہت سے صحیفے ہیں، جیسے کہ مثال میں بیان کیا گیا ہے۔ پس آپ دیگر تمام چھوٹی بڑی مصنوعات کو پھول اور دوشیزہ کی اِن دو جزوی مثالوں پر قیاس کر سکتے ہیں۔

پہلا صفحہ: کسی چیز کی اُس ہیئت سے عبارت ہے جو کہ اس کی عمومی شکل اور عمومی مقدار کو آشکار کرتی ہے، اور یوں وہ ''یا مصوّر، یا مقدّر اور یا منظّم'' جیسے اسماءِ گرامی کی یاد دلاتی ہے۔

دوسرا صفحہ: پھول اور انسان کی وہ بسیط اور سادہ سی ہیئت ہے جو کہ ان دونوں کی شکلوں صورتوں میں مختلف اعضاء کے انکشاف سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ اس صفحے میں ''العلیم اور الحکیم'' جیسے بہت سے اسماء لکھے جاتے ہیں۔

تیسرا صفحہ: ان دونوں مخلوقوں کے مختلف اعضاء کو دو مختلف قسم کے حسن و جمال اور زیب و زینت دے کر ''الصانع اور الباری'' جیسے بہت سے اسماء لکھے جاتے ہیں۔

چوتھا صفحہ: ان دو مصنوع چیزوں کو حسن و جمال اور زیب و زینت سے اس قدر نوازا جاتا ہے کہ گویا لطف و کرم مجسّم ہو کر ایک سراپے کا رُوپ دھار گئے ہیں، پس یہ صفحہ ''یا لطیف اور یا کریم'' جیسے بہت سے اسماء کا ورد کرتا ہے اور اُن کی یاد کرتا ہے۔

پانچواں صفحہ: اُس پھول پر جو لذیذ ثمرات لٹکائے گئے ہیں اور اس دوشیزہ کو جو محبوب اولاد اور اخلاقِ حمیدہ عطا کیے گئے ہیں، اُن کی بنا پر یہ صفحہ ''یا ودود'' ''یا رحیم اور یا مُنعم'' جیسے ناموں کا ورد کرواتا ہے۔

چھٹا صفحہ: وہ انعام و احسان کا صفحہ ہے جس میں ''یا رحمان و یا حنّان'' جیسے ناموں کا ورد کیا جاتا ہے۔

ساتواں صفحہ: ان نعمتوں میں اور ان نتائج میں حسن و جمال کی ایسی جھلکیوں کا ظہور ہو رہا ہے جو کہ حقیقی شوق و شفقت، خالص شکر اور صاف شفاف محبت کے لائق ہیں۔ اور اس صفحے میں ''یا جمیل ذو الکمال اور یا کامل ذو الجمال''

Marfat.com

جیسے نام پڑھنے کے لیے لکھے ہوئے ملتے ہیں۔

تو جب صرف ایک خوبصورت پھول اور ایک خوبصورت نسوانی شاہکار فقط اپنی ظاہری مادی صورت میں اس قدر ناموں کا اظہار کرتے ہیں، تو پھر اس بات کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں کہ تمام پھول اور تمام عظیم الشان کُلّی ذی حیات و موجودات کتنے علوی اور کُلّی اسمائے گرامی کا ورد کراتے ہوں گے!۔ اور اس کی روشنی میں آپ اس بات کا اندازہ بھی بخوبی کرسکتے ہیں کہ ایک انسان زندگی کے صحائف میں اور رُوح و قلب و عقل جیسے دیگر انسانی لطائف میں ''الحی، القیوم اور المحی'' جیسے کتنے قدسی اور نورانی اسماء کا ورد کرتا اور کرواتا ہوگا!

پس جنت ایک پھول ہے، حورانِ جنت ایک پھول ہیں، سطحِ زمین ایک پھول ہے، فصلِ گل ایک پھول ہے، آسمان ایک پھول ہے اور ستارے اس پھول کے زرّیں نقوش ہیں، سورج ایک پھول ہے اور اس کی روشنی میں پائے جانے والے سات رنگ اس پھول کے منقش رنگ ہیں، اور یہ عالَم ایک خوبصورت انسانِ کبیر ہے، بالکل ایسے کہ جیسے انسان ایک عالمِ صغیر ہے، پس حوروں کی نوع، روحانیات کی جماعت، فرشتوں کی جنس، جنوں کا گروہ اور نوعِ انساں، یہ سب کے سب ایسے خوبصورت اشخاص کے حکم میں ہیں جن کی صورت گری کی گئی ہو، انہیں نظم وضبط سے نوازا گیا ہو اور تخلیق میں ڈھالا گیا ہو۔ اور یہ بھی کہ اُن میں سے ہر ایک کُلی طور پر اور ہر فرد علیحدہ طور پر صانع ذوالجمال کے اَسماء پر دلالت کرتا ہے، اور یہ کہ یہ سب کے سب اس کے جمال و کمال اور اس کی رحمت و محبت کو منعکس کرنے والے گوناگوں آئینے ہیں۔ اور اس کے لاانتہا جمال و کمال اور رحمت و محبت کے سچے گواہ ہیں اور اس جمال و کمال اور رحمت و محبت کی روشن نشانیاں ہیں۔

پس یہ لاانتہا کمالات کی انواع واقسام واحِدیّت اور اَحدیّت کے دائرے میں حاصل ہوتی ہیں۔ پس اس سے پتا چلا کہ وہ کمالات جن کا اس دائرے کے باہر کہیں وہم ہوجاتا ہے، انہیں قطعی طور پر کمالات نہیں کہا جاسکتا ہے۔

اس سے یہ بات سمجھ جاؤ کہ:

اشیاء کے حقائق اسمائے الٰہیہ پر اعتماد رکھتے ہیں اور انہی کا سہارا لیتے ہیں، بلکہ یوں کہو کہ حقیقی حقائق ان اسماء کی جلوہ گریاں ہیں اور یہ کہ ہر چیز بہت سی جہتوں سے اور بہت سی زبانوں کے ساتھ اپنے صانع کا ذکر اور اُس کی تسبیح وتقدیس کرتی ہے۔ اور یہیں سے فرمانِ گرامی: ﴿وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ کے بہت سے معانی میں سے ایک معنیٰ سمجھ جاؤ اور کہو کہ: ''سُبْحَانَ مَنِ اخْتَفٰى بِشِدَّةِ ظُهُوْرِهٖ''۔ آیات کے آخر میں: ﴿وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ☆ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ☆ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ﴾ جیسے اسماء وصفات کے ذکر و تکرار میں پایا جاتا ہے۔

اور اگر ایک پھول میں اسمائے گرامی کو پڑھ نہ سکو اور انہیں واضح طور پر دیکھ نہ سکو تو پھر گلستان کی طرف دیکھو، موسمِ بہار میں غور کرو، سطحِ زمین کا مشاہدہ کرو تب تمہارے لیے ممکن ہے کہ تم اُن اسماء کو واضح طور پر پڑھ سکو جو کہ گلستان پر، موسمِ گل پر

Marfat.com

اورسطحِ زمیں پر لکھے ہوئے ہیں، کہ یہ تمام چیزیں اس بے پایاں رحمت کے عظیم الشان پھول ہیں۔تب تم انہیں سمجھ سکتے ہو اوران کے نقوش وتجلیات کا مشاہدہ کرسکتے ہو۔

Marfat.com

# دوسرے نکتے کا دوسرا مبحث

گمراہی کے نمائندے اور دعوت دہندہ کو جب ایسی کوئی بنیاد نہ مل سکی جس پر اپنی گمراہی کی بنیاد رکھ سکے، اور جب دلیل اس کا ساتھ چھوڑنے لگی اور وہ شکست سے دوچار ہونے لگا تو کہنے لگا:

میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی سعادت، لذتِ حیات سے لطف اندوزی کا راز، ترقی، تہذیب وتمدن اور صنعتی پیش رفت کا راز آخرت کو نظر انداز کرنے، اللہ پر ایمان نہ رکھنے، دنیا کی محبت، ہر قید وبند سے آزادی، غرور نفس، خود اعتمادی اور خود مختاری... اس لیے میں اکثر لوگوں کو ___ شیطان کی توفیق سے ___ اس راستے پر لگا چکا ہوں اور لگا رہا ہوں۔

**جواب:** ہم قرآن کریم کی نمائندگی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بدنصیب و بے نوا انسان! ہوش میں آؤ! اور گمراہ لوگوں کے نمائندے کی باتوں پر دھیان نہ دو، اگر تم نے اس کی باتوں پر دھیان دے دیا تو یاد رکھو کہ اتنا ہولناک نقصان اٹھاؤ گے کہ اس کے خوف کے تصور سے ہی تمہاری روح وعقل وقلب لرز اٹھیں گے! پس تمہارے سامنے دو راستے ہیں۔

۱۔ شقاوت اور بدبختی سے بھرا ہوا راستہ۔ یہ وہ راستہ ہے جو تمہیں گمراہی کا نمائندہ دکھا رہا ہے۔

۲۔ سعادت اور خوش بختی کا راستہ۔ یہ وہ راستہ ہے جو تمہارے سامنے قرآن کریم روشن کر رہا ہے ان دونوں راستوں کے درمیان جو فرق پائے جاتے ہیں ان کے درمیان موازنہ تم لوگ ''مقالات'' اور خاص کر ''مختصر مقالات'' نامی مضامین میں دیکھ چکے ہو، اور اس مقام پر موضوع میں ربط رکھنے کے لیے ہزاروں تقابلوں اور موازنوں میں سے صرف ایک موازنے پر غور کرو۔

شرک، ضلالت، سفاہت اور فسق وفجور کا راستہ انسان کو انتہائی درجے کی پستی اور آخری درجے کی گہرائی میں گرا دیتا ہے، اور اُس پر بھاری بوجھ لاد دیتا ہے؛ کیونکہ انسان اگر اللہ تعالیٰ کی شناخت اور اس پر توکل نہ کرے تو وہ ایک فانی اور زوال پذیر حیوان کی طرح ہی زندگی گزارے گا، ہمیشہ دکھ اٹھائے گا اور رنج والم سے دوچار رہے گا، ایسی کمزوری اور ناتوانی میں مبتلا رہے گا جس کی کوئی انتہا نہیں، ایسے فقر اور محتاجگی میں غلطاں وپیچاں رہے گا جن کا کوئی کنارہ نہیں، ایسے آلام ومصائب کا سامنا کرتا رہے گا جو اس نے اپنے لئے خود پیدا کر لئے ہیں اور ان کے ساتھ اُس نے گہرے رشتے استوار کر لیے ہیں۔ تب وہ ان مصائب وآلام کو سہتا اور جھیلتا ہوا آخیر میں اپنے بچے کھچے دوست احباب کو نالاں وگریاں چھوڑ کر اور سب سے اجنبی ہو کر اکیلا قبر کے اندھیروں میں گم ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اور پھر وہ تمام زندگی خود کو بے انتہا آرزؤوں اور لامحدود مصائب وآلام سے دوچار پائے گا، جبکہ خود وہ ایک جزوی ارادے، محدود قدرت، مختصر زندگی، فناپذیر عمر اور زوال آشنا فکر کا مالک ہے... چنانچہ اس کی اس زندگی کو آرام دہ اور پرسکون بنانے میں صرف ہونے والی تمام کوششیں بے کار جاتی ہیں اور اس کی لامحدود تگ ودو بے سود اور لاحاصل رہ جاتی ہے... اور یوں اس کی تمام زندگی بے ثمر چلی جاتی ہے۔

طرفہ تماشا اس میں یہ ہے کہ وہ جو کہ خود اپنا بوجھ اٹھانے سے بھی قاصر ہوتا ہے، اپنے ناتواں کندھوں اور کمزور سی مسکین کھوپڑی پر پوری دنیا کا بارِ گراں لاد لیتا ہے، اور اس کے نتیجے میں دوزخ کے عذاب تک پہنچنے سے پہلے ہی المناک عذاب سے دوچار ہو جاتا ہے۔

اہلِ ضلالت اس دردناک اور خوفناک روحانی عذاب کا شعور نہیں رکھتے؛ کیونکہ وہ اپنے آپ کو غفلت کی گود میں گرائے رکھتے ہیں، اس طرح غفلت کے نشے سے ان کے احساسات ـــ وقتی طور پر ہی سہی ـــ معطل ہو جاتے ہیں... لیکن جوں ہی ان میں سے کوئی گور کنارے پہنچتا ہے، اس کا احساس تیز ہو جاتا ہے اور شعور کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور وہ ان آلام کو بہت زیادہ محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مخلص بندہ نہ ہوگا تو لامحالہ اس وہم میں مبتلا ہو جائے گا کہ وہ خود اپنی جان کا مالک ہے، حالانکہ وہ اِس جزوی ارادے اور کمزور سی طاقت کا مالک ہوتے ہوئے بھی اتنا عاجز اور لاچار ہے کہ اکیلا اس تیز آندھی جیسی دنیا کے سامنے اپنی ذات کی منصوبہ بندی نہیں کر سکتا ہے؛ کیونکہ یہ بات تو اسے نظر آرہی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جراثیم سے لے کر بڑے سے بڑے تباہ کن زلزلوں تک بے شمار دشمن اس کی زندگی کو ختم کرنے اور اسے نیست و نابود کرنے کے لیے اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، اب ایسی حالت میں جب وہ قبر کا تصور کرتا ہے یا اسے نظروں میں لاتا ہے تو خوف اور وحشت سے اس کے پٹھے کانپنے لگتے ہیں اور دل بیم و ہراس سے دھک دھک کرنا شروع کر دیتا ہے۔

عین اس وقت کہ جب یہ انسان اپنی اس حالت کا دکھ جھیل رہا ہوتا ہے، اسے دیگر دنیا کے وہ حالات بھی ہمیشہ پریشان اور بے قرار رکھتے ہیں جن کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ تعلق رکھنے والے اوضاع واطوار اسے ہمیشہ مبتلائے آزار رکھتے ہیں؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ حوادث و واقعات نیچر کی بازیگری اور اتفاقات کی فضولیات سے ظہور میں آتے ہیں۔ ان کے پیچھے نہ تو اس ایک، اکیلی، حکیم اور علیم ذات کا تصرف کارفرما ہے اور نہ اس قادر اور رحیم و کریم ذات کا منصوبہ کام کر رہا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آلام کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کے آلام بھی برداشت کرتا ہے، اور یوں زلزلے، طاعون، طوفان، قحط، مہنگائی، فنا و زوال اور ان جیسے دوسرے واقعات اندھیارے مصائب، اور پریشان کن آفتوں اور عذابوں کی صورت اختیار کر جاتے ہیں!

Marfat.com

تو یہ انسان جس نے از خود اپنی یہ افسوسناک حالت بنا رکھی ہے، کسی طرح کے رحم یا شفقت کے قابل نہیں ہے... اس کی مثال اس ضمن میں ان دو بھائیوں میں سے ایک کی ہے جن کا ذکر ''آٹھویں مقالے'' میں کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ ایک آدمی ایک خوبصورت وسیع وعریض باغ میں ایک شاندار دعوت میں اپنے نفیس سے دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، لیکن وہ اس خالص لذت، پاکیزہ مستی، شیریں اطمینان، شریفانہ اور جائز سیر وتفریح پر مطمئن نہ ہوا اور ناجائز لذت کے حصول کے لیے نجس شراب کی طرف لپکا اور پی پی کر مدہوش ہوگیا اور یہ سمجھنے لگا کہ وہ کسی نجس جگہ میں وحشی درندوں کے درمیان گھرا ہوا ہے، اور پھر اسے ایسے کپکپی لاحق ہو جاتی ہے جیسے کہ وہ سخت سردی میں کھڑا ہو، پھر اس نے چیخنا چلانا اور واویلا کرنا شروع کر دیا لیکن کسی کو اس پر ترس نہ آیا؛ کیونکہ اس نے اپنے بہترین دوستوں کو وحشی درندے سمجھ کر ان کو توہین اور تحقیر کی... اور مہمان خانے میں موجود لذیذ کھانوں اور لطیف برتنوں کو گندے اور ناصاف پتھر سمجھا اس لیے فوراً ان کو توڑ پھوڑ میں مصروف ہوگیا... اور اس نے مجلس میں رکھی ہوئی قیمتی کتابوں اور نفیس رسالوں کو معمولی اور بے معنی قسم کے نقش ونگار سمجھا اس لئے انہیں پھاڑنا اور پاؤں کے نیچے روندنا شروع کر دیا... اس کا رویہ اس مجلس میں کچھ اسی قسم کا رہا۔

تو جیسے اس طرح کا آدمی کسی قسم کی شفقت یا ہمدردی کی بجائے تنبیہ وتادیب کا مستحق ہوتا ہے اسی طرح وہ آدمی بھی کسی شفقت یا ہمدردی کا مستحق نہیں ہوتا ہے جو اپنے سوءِ انتخاب کی وجہ سے پیدا ہونے والے کفر کے نشے اور گمراہی کے جنون سے اس وہم میں مبتلا ہوگیا ہو کہ یہ دنیا جو اس صانع الحکیم کا مہمان خانہ ہے، یہ اندھے اتفاقات کا کھیل اور بہری نیچر کی بازی گری ہے۔

ایسا آدمی اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کی رو سے ہر لمحے نئی نئی ظہور میں آنے والی اور حالات کے دھارے کی روانی کے ساتھ ساتھ اپنی ذمہ داریاں اور اپنی ہستی کے مقاصد پورے کر کے عالم الغیب کی طرف منتقل ہو جانے والی مصنوعات کے بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ مصنوعات دریائے عدم اور فنا کے گھاٹ اتر کر نیست ونابود ہو جاتی ہیں۔

اور تسبیح وتحمید اور حمد وثنا کی وہ آوازیں جو کائناتوں کے کانوں میں رس گھول رہی ہیں، ایسا آدمی اُن آوازوں کو آہ وفغاں اور نوحہ خوانی کی آوازیں سمجھتا ہے جو فانی اور زوال پذیر مخلوقات کی زبانوں سے ابدی فراق کے درد کی وجہ سے برآمد ہو رہی ہیں۔

موجودات کے یہ صحیفے جو باری تعالیٰ کے دل آویز رسائل ہیں، ایسا آدمی انہیں ایسی بے تکی تحریریں سمجھتا ہے جن کا کوئی معنی ومفہوم نہیں ہے۔

قبر کا دروازہ جو رحمت کے ایک وسیع وعریض جہان کا راستہ کھول دیتا ہے، ایسا آدمی اسے وہ تنگ وتاریک سرنگ سمجھتا ہے جو ظلماتِ عدم میں جا نکلتی ہے۔

Marfat.com

اور اجل یا موت جو کہ دراصل حقیقی بھائی بندوں کے ساتھ وصال اور ملاقات کے لئے دعوت یا بلاوا ہوتا ہے، اسے وہ تمام دوستوں سے جدائی کا وقت سمجھتا ہے۔

جی ہاں! جو آدمی لاٹو کی طرح ایسے اوہام وتصورات کے دائرے میں ہی گھومتا رہتا ہے وہ خود کو دنیا کے عذابِ الیم کی بھٹی میں اپنے ہاتھوں سے گراتا ہے۔ ایسا آدمی چہ جائیکہ کسی شفقت ورحمت کا مستحق ہو، عذاب شدید کا مستحق ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ موجودات کو عبث اور بیہودہ کہہ کر ان کی تحقیر کرتا ہے اور اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کا انکار کر کے اور ربانی رسائل وپیغامات جو کہ اس کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں، ان کی اس گواہی کو رد کر کے اسمائے حسنیٰ کو بے کار سمجھتا ہے۔

سوائے ناداں گمراہ اور بے نوا بدبختو!

تم کیا سمجھتے ہو کہ کسی بڑی سے بڑی سائنس، تمہاری تہذیب وتمدن کے فلک بوس محلات، تمہارے کمال فن کے بلند ترین مرتبوں اور تمہاری ذہانت کی کارآمد ترین اسکیموں کے پاس انسان کی اس دہشت خیز اور خوفناک پستی کا علاج ہے؟

اور کیا تمہاری یہ تہذیب اور حیرت انگیز ترقی انسان کی اس بے چین روح کو سہارا دے سکتی ہے جو ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور تسلی اور اطمینان کے لئے سراپا انتظار ہے؟

وہ چیز جسے تم ''نیچر'' کا نام دیتے ہو، اور وہ چیز جسے تم ''اسباب یا علت'' کہتے ہو اور جس کی طرف آثارِ الٰہیہ کی نسبت کرتے ہو، اور وہ ہستی جسے تم اس کا ''شریک'' قرار دیتے ہو اور جس کی طرف تمام ربانی احسانات منسوب کرتے ہو، اور تمہارے وہ سائنسی انکشافات وایجادات جن پر تمہیں ناز ہے، تمہاری یہ ''قوم'' جس پر تمہیں فخر ہے، اور تمہارا یہ باطل ''معبود'' جس کی تم پرستش کرتے ہو، کیا یہ سب کے سب تمہیں اس موت کی تاریکیوں سے چھڑا سکتے ہیں جو تمہارے نزدیک ہمیشہ کے لئے نیست ونابود ہو جانے کا نام ہے؟

اور کیا یہ سب تمہیں قبر کی حدود سے سلامتی کے ساتھ گزار سکتے ہیں؟ کیا یہ سب تمہیں برزخ کی سرحدوں سے امن وامان کے ساتھ پار کروا سکتے ہیں؟ اور کیا یہ سب تمہیں حشر کا میدان اطمینان کے ساتھ عبور کرا سکتے ہیں؟ کیا ان میں سے کسی کے پاس اتنی طاقت ہے کہ وہ تمہیں حکمت ودانائی کے ساتھ پل صراط عبور کروا دے؟ اور تمہیں ابدی سعادت اور حیاتِ جاوید کا اہل بنا دے...؟

تم لامحالہ اس راستے پر گامزن ہونے والے ہو، کیونکہ اس قبر کا دروازہ تم کسی پر بھی بند نہیں کر سکتے، اس لئے تم بہر صورت اس راستے پر سفر کرنے والے ہو، اور اس راستے پر سفر کرنے والے کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی پر اعتماد کرتا ہو جو راستے کے تمام نشیب وفراز، گزرگاہوں، پگڈنڈیوں، درّوں اور بے پایاں سرحدوں کے بارے میں ہر طرح کا اور ہمہ گیر علم رکھتا ہو، بلکہ اس کے تمام بڑے دائرے اس کے حکم کے ماتحت تابع فرمان اور اس کے تصرف میں

Marfat.com

ہوں۔

پس اے گمراہی اور غفلت کے ہاتھوں برباد لوگو!

تمہاری فطرت میں جو محبت اور معرفت کی استعداد رکھ دی گئی ہے، اور شکر کے ذرائع اور عبادت کے وہ وسائل رکھ دیے گئے ہیں جن کے بارے میں یہ لازم تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے صرف کیا جائے اور ان کا رخ اللہ تعالیٰ کی جلیل القدر صفات اور اس کے اسمائے حسنیٰ کی طرف رکھا جائے، ان وسائل و ذرائع اور صلاحیتوں کو تم نے ناجائز طور پر اپنی ذات اور دنیا کے لئے استعمال کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہیں بجا طور پر ان کا عذاب جھیلنا پڑا، بجا طور پر اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ ناجائز محبت کا انجام یہ ہے کہ انسان بے رحم عذاب الیم سے دوچار ہے''۔اور تم لوگوں نے چونکہ وہ محبت خود اپنی ذات کو دے دی جس کا حق دار اللہ تھا اس لئے جب تم اپنی اس محبوبہ یعنی اپنی ذات کو اس کی حقیقی راحت نہ دے سکے تو تمہیں اس کی طرف سے بے شمار مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے... اسی طرح اس محبت کا معاملہ تم پورے توکل اور بھروسے کی روشنی میں حقیقی محبوب یعنی اللہ قادرِ مطلق کے سپرد نہیں کر رہے ہو، اس لئے ہمیشہ مبتلائے الم رہتے ہو...

اسی طرح تم نے وہ محبت جو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ جلیلہ کو دینے کے لائق تھی وہ محبت تم نے دنیا کو دے دی اور اس کی دلکش اور حیرت انگیز صنعت گری کو تم مادی اسباب وعدل میں تقسیم کر رہے ہو، اس لیے اپنے اس عمل کی سزا پا رہے ہو؛ کیونکہ تمہارے بہت سے دوست احباب تمہیں الوداع بھی نہیں کہتے، اور کچھ تو تمہاری پہچان بھی بھول جاتے ہیں، اور اگر پہچان بھی لیں تو تمہیں پسند نہیں کریں گے، اور اگر پسند کر بھی لیں تو تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے، چنانچہ تم مسلسل ہجر و فراق کے ایسے عذاب میں رہو گے جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اور فنا ہو جانے کا دکھ اور دنیا میں کبھی واپس نہ آنے کی ناامیدی کا رنج وغم تمہارے لیے سوہانِ روح بن جائے گا۔

یہ ہے وہ حقیقت جس کا یہ ضلالت خوردہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں، اور اصلیت اُس چیز کی جس پر یہ لوگ فریفتہ ہوئے جا رہے ہیں، اور جس کی طرف بنی نوع انساں کو بلا رہے ہیں، اور جسے یہ لوگ ''سعادتِ حیات'' ''کمالِ انسان'' ''محاسنِ تہذیب'' اور ''لذتِ آزادی'' کہتے ہیں!

نافہمی اور مدہوشی ایک پردہ ہے جو شعور اور احساس کو سُن کر کے رکھ دیتا ہے! تُف ہے اُن کی عقلوں پر!

لیکن جہاں تک صراط مستقیم یا قرآن کریم کے جگمگاتے راستے کا تعلق ہے، تو قرآن کریم اہل ضلالت کے ان زخموں کا علاج جن سے وہ کراہ رہے ہیں، ان پر ایمانی حقائق کا مرہم رکھ کر کرتا ہے اور اس راستے میں پہلے سے پھیلے ہوئے اندھیروں کو اِدھر اُدھر بکھیر دیتا ہے۔ اور ضلالت و ہلاکت کے تمام دروازے بند کر دیتا ہے، اور وہ یوں کہ:

وہ قادر اور رحیم ذات پر توکل کے ذریعے انسان کے ضعف و عجز اور فقر واحتیاج کا علاج کرتا ہے، اور حیات اور وجود

Marfat.com

کی گرانباریوں کو انسان کے نازک کندھوں پر ڈالنے کی بجائے انہیں اس کی قدرت اور وسیع رحمت کے سپرد کر دیتا ہے، صرف یہی نہیں کہ وہ اس بوجھ سے انسان کے کندھوں کو گرانبار نہیں ہونے دیتا، بلکہ وہ اسے مالک بنا کر اس کی زندگی اور ذات کی لگام اس کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے، اسے ایک راحت بخش مقام عطا کر دیتا ہے اور اس کی پہچان اس حیثیت سے کرواتا ہے کہ وہ حیوانِ ناطق نہیں بلکہ حقیقت میں انسان ہے اور ملِکُ الرحمان کے ہاں ایک عزیز ترین مہمان ہے۔

پھر وہ انسان کے اُن زخموں کا جو کائنات کے فنا ہونے اور اشیائے کائنات کی زوال پذیری اور ان فنا پذیر اشیاء کی محبت سے جنم لیتے ہیں، وہ ان زخموں کا مداوا انتہائی لطف و مہربانی کے ساتھ کرتا ہے، اس چیز کا اظہار کر کے کہ یہ دنیا خدائے رحمان کا مہمان خانہ ہے، اور اس حقیقت کو آشکار کر کے کہ اس میں جتنی بھی موجودات ہیں سب کی سب اسمائے حسنیٰ کو منعکس کرنے والے آئینے ہیں، اور اس بات کو واضح کرتے ہوئے کہ اس میں جتنی بھی چیزیں بنائی گئی ہیں سب کی سب ربانی تحریریں ہیں جو اپنے رب کے حکم سے ہر لمحے تجدد پذیر ہوتی رہتی ہیں، اس طریقے سے وہ انسان کو اوہام کی تاریکیوں کے شکنجے سے نجات دلاتا ہے۔

پھر قرآنِ کریم انسان کے ان زخموں کا مداوا بھی کرتا ہے جو اسے موت کے ہاتھوں لگتے ہیں، موت جسے اہل ضلالت تمام دوست احباب سے ابدی فراق کا نام دیتے ہیں، قرآن یہ واضح کرتا ہے کہ موت ان دوست احباب سے ملنے کا سرِ آغاز ہے جو عالم برزخ کی طرف کوچ کر گئے ہیں اور جو اس وقت عالم بقا میں رہائش پذیر ہیں۔ اور یوں وہ اس حقیقت کا اثبات کرتا ہے کہ یہ فراق، فراق نہیں بلکہ عین ملاقات اور عین وصال ہے۔

پھر وہ انسان کو لاحق سب سے بڑے خوف کا ازالہ اس چیز کا اثبات کر کے کرتا ہے کہ قبر ایک ایسا دروازہ ہے جو وسیع رحمت کے عالم، ابدی سعادت کے گھر، جنتوں کے باغات اور رحمان ورحیم کی نورانی دنیا کی طرف کھلا ہوا ہے۔ اس کی وضاحت میں وہ بتاتا ہے کہ برزخ کی سیاحت جو کہ اہل ضلالت کے ہاں سخت تکلیف دہ اور سیاہ بختی سے بھری ہوئی ہے، ایک مفید ترین اور مانوس ترین سیاحت ہے؛ کیونکہ قبر کسی خوفناک اژدھے کا منہ نہیں بلکہ وہ ایک دریچہ ہے جو جنت کے باغیچوں میں سے کسی ایک باغیچے کی طرف کھلتا ہے۔

وہ صاحب ایمان آدمی سے کہتا ہے!

اگر تو جزوی اختیار و ارادے کا مالک ہے تو پھر اپنا تمام معاملہ اپنے آقا کے ارادے کے سپرد کر دے...

اگر تیری عمر چھوٹی ہے تو غم نہ کر کیونکہ تیرے لیے لمبی عمر ہے۔

اگر تیری زندگی فانی چھوٹی سی اور ناپائیدار ہے تو پھر اس زندگی کی فکر کر جو ابدی، سرمدی، جاوداں اور پائیدار ہے...

اگر تیری سوچ تاریک اور مدہم سی ہے، تو اسے قرآن کے سورج سے روشن کر لے اور ایمان کے نور سے دیکھنا شروع

Marfat.com

کر دے تا کہ قرآن کی ہر آیت تجھے تیری مدہم سی سوچ اور فکر کی روشنی کے عوض جگمگاتے ستاروں جیسا جھلملاتا نور عطا کر دے...

اگر تیرے سینے میں غیر محدود خواھشیں اور دکھ درد پل رہے ہیں، تو یاد رکھ کہ غیر محدود ثواب اور بے انتہا رحم و کرم تیرا انتظار کر رہے ہیں...

اگر تیرے پیش نظر لا محدود اہداف و مقاصد ہیں تو غم نہ کر، پریشان نہ ہو، یہ اہداف و مقاصد صرف اسی دنیا تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کا اصل موقع محل دوسرے جہان ہیں، اور انہیں عطا کرنے والا بڑا سخی، داتا، بخشنہار اور لامحدود عطاؤں کا مالک ہے۔

اور وہ انسان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

اے انسان! تو اپنی ذات کا خود مالک نہیں ہے...

بلکہ تیری ذات تیرے اس آقا کی ملکیت ہے جو بے پایاں قدرت اور رحمت کا مالک ہے، اس لیے تو اپنی اس ذات پر اپنی زندگی کی مشقتوں کا بوجھ لاد کر اسے گرانبار نہ کر؛ کیونکہ جس نے یہ زندگی عطا کی ہے وہی اُسے چلائے گا۔

پھر یہ دنیا اس آوارہ چوپائے کی طرح نہیں ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو، اس لیے تجھے اس پر غم کرنے، اس کے بارے میں پریشان ہونے، اس کے بارے میں سوچ سوچ کر نڈھال ہونے اور خود کو اس کے بوجھ تلے دبا دینے کی ضرورت نہیں ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مالک بڑا دانا اور اس کا آقا بڑا صاحبِ علم ہے، تُو تو صرف اس کا مہمان ہے اور امورِ خانہ سے ناواقف ہے اس لیے تجھے گھر کے معاملات میں دخل اندازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر یہ انسان اور حیوانات کوئی مہمل اور بے کار مخلوقات نہیں ہیں بلکہ خدائے حکیم و رحیم کے زیر فرمان اور اس کی نگرانی میں کام کرنے والے ملازم ہیں، اس لیے ان کے غموں، دکھوں اور دوسری مشقتوں پر کڑھنے اور کبیدہ خاطر ہونے، اور اُن پر اُن کے حکیم و رحیم خالق کی رحمت کے مقابلے میں اپنے جذبۂ ترحم کو نمایاں کرنے کی ضرورت نہیں! تیرا یہ جذبۂ ترحم یقیناً اس کی مہربانیوں سے بڑھ کر نہیں ہے۔

پھر ان میکروبات سے لے کر طاعون، طوفان اور قحط و زلازل... جو پہلے دن سے ہی تمہارے ساتھ برسرِ پیکار ہیں، ان سب کی زمام بلکہ ہر چیز کی زمام اس رحیم و حکیم کے ہاتھ میں ہے۔ وہ دانائے مطلق ہے، جو کام بھی کرتا ہے وہ سراپا حکمت ہوتا ہے۔ اس کی طرف سے کسی بھی عبث کام کا صدور نہیں ہوتا، وہ رحیم ہے اور بے پایاں رحمت کا مالک ہے، اس لیے وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں اس کا لطف و کرم اور فضل و ترحم پنہاں ہوتا ہے۔

پھر وہ کہتا ہے کہ یہ جہاں ___ باوجود اس کے کہ خود فانی اور ناپائیدار ہے ___ لیکن یہ اُن تمام لوازم حیات کو تیار کرتا

Marfat.com

ہے جو اُس جہاں کے لیے ضروری ہیں جو ابدی اور پائیدار ہے... اور باوجود اس کے کہ یہ جہان زوال پذیر اور عارضی ہے لیکن یہ ایسے ثمرات مہیا کرتا ہے جو زوال ناپذیر اور دائمی ہیں، اور اسمائے حسنیٰ کی وہ تجلیات عطا کرتا ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہیں...

اور باوجود اس کے کہ اس کی لذتیں قلیل اور آلام کثیر ہیں، لیکن خود رحمان و رحیم کا لطف وعنایت اور اس کا فضل وکرم ایسی لذتیں ہیں جو لازوال ہیں، رہے اس کے آلام ومصائب، تو یہ اخروی ثواب کی رُو سے روحانی لذتیں ہیں۔

اس لیے جب تک جائز ومشروع لذتوں کا ایک وسیع وعریض دائرہ موجود ہے جس سے قلب وروح ونفس اپنی اپنی لذتیں اور سرمستیاں حاصل کر سکتے ہیں، تو پھر ناجائز اور غیر مشروع لذتوں کے دائرے میں گھسنے کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا ہے کیونکہ غیر مشروع دائرے سے جو لذت بھی حاصل کی جائے گی انجام کار وہ ہزاروں دکھوں اور تلخ کامیوں کا کارن بن جائے گی۔ بلکہ اس پر مزید یہ کہ وہ اس لذت سے محرومی کا بھی سبب بن جائے گی جو خدائے رحمان ورحیم کی مہمان نوازی کی صورت میں ارزانی ہونے والی ہے، وہ لذت جو صاف ستھری اور جاودانی ہے۔

ان معروضات سے یہ پتہ چلا کہ گمراہی کا راستہ انسان کو اتھاہ گہرائیوں میں گرا دیتا ہے، اس حد تک کہ کوئی تہذیب اور کوئی فلسفہ اس کا حل پیش نہیں کر سکتا ہے، بلکہ کوئی انسانی ترقی اور اس کا کوئی سائنسی کمال اس کو گمراہی کی گہری تاریکیوں سے باہر نکالنے میں کارآمد ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔

جبکہ قرآن حکیم انسان کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایمان اور عمل صالح کی برکت سے، اسفل سافلین کی پستیوں سے اٹھا کر اعلیٰ علیین کی بلندیوں پر لے جاتا ہے، اس کی رہنمائی کے لیے واضح اور قطعی دلائل وبراہین اس کے سامنے رکھتا ہے، اور پستی کی ان اتھاہ گہرائیوں کو معنوی ترقی کے مراتب اور ہمہ جہتی روحانی تکمیل کی آیات سے پُر کر دیتا ہے اور یوں وہ ایسے وسائل وذرائع ظہور میں لا کر جن کے ساتھ ہزار بلکہ پچاس ہزار سال کی مسافت ایک دن میں طے کی جا سکتی ہو، اس کے لیے _ مطلق سہولت کے ساتھ _ اس کے ابدیت کیطرف طے ہونے والے اس پُر صعوبت اور تھکا دینے والے سفر کو انتہائی آسان بنا دیتا ہے۔

اور اسی طرح انسان کو بندگی کا لباس پہنا کر اسے اس جلالت مآب ذات کا ماتحت غلام اور مہمان ملازم بنا دیتا ہے۔ اور اسے اس چیز سے آشنا کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ازل وابد کا مالک ہے۔ اور یوں وہ اسے دنیا کے اس مہمان خانے کی سیاحت کے دوران دیار آخرت میں برزخ کی منزلوں میں مکمل آرام وسکون مہیا کرنے کی ضمانت دیتا ہے... تو جس طرح ایک حکمران کا وفادار ملازم اس کی تمام سلطنت میں بلا روک ٹوک آسانی کے ساتھ چلتا پھرتا ہے اور ملک کے تمام صوبوں میں آمد ورفت ہوائی جہاز، بحری جہاز اور ٹرین وغیرہ جیسے تیز ترین وسائل وذرائع رکھتا ہے، اسی طرح وہ آدمی جو

Marfat.com

ایمان کی بدولت اس ازلی شہنشاہ کے ساتھ جڑ جاتا ہے وہ عمل صالح کی برکت سے دنیا کے اس مہمان سرائے کی تمام منزلوں، برزخ اور حشر کے تمام دائروں اور ان کی دور دراز تک پھیلی ہوئی تمام حدود سے برق اور براق کی تیزی سے گزر جاتا ہے اور سعادت ابدی سے جا ہمکنار ہوتا ہے... قرآن کریم ان حقائق کا قطعی اور فیصلہ کن انداز میں اثبات کرتا ہے اور اولیاء واصفیاء پر انہیں آشکار کر دیتا ہے۔

## قرآن کریم کی حقیقت دوبارہ یوں کہتی ہے:

اے مؤمن انسان! محبت کی جن غیر محدود صلاحیتوں کا تو مالک ہے، ان صلاحیتوں کو اپنی بدصورت، ناقص، شریر اور نقصان دہ نفس امارہ کے لیے صرف نہ کر، اور اس نفس امارہ کو اپنی محبوبہ اور معشوقہ نہ بنا، اس کی خواہشوں کو اپنا معبود بنا کر ان کی پرستش نہ کر، بلکہ اپنا محبوب اسے بنا کہ جو ابدی اور غیر متناہی محبت کا اہل ہے... وہ جو تیرے ساتھ لامتناہی حُسنِ سلوک پر قدرت رکھتا ہے، بلکہ اپنے فضل کریمانہ سے تجھے مزید سعادت سے اس طرح بھی نوازے گا کہ تیرے ساتھ تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کو بھی سعادت مند بنا دے گا۔ پس وہی ہے جو مطلق، مقدس، منزہ، ہر نقص اور خامی سے پاک، لافانی اور لازوال جمال اور کمال کا مالک ہے... اس کا جمال لامحدود ہے اور اس کے تمام نام خوبصورت ہیں۔

جی ہاں، اس کے ہر نام میں حسن و جمال کے بے انتہا انوار ہیں، جنت اپنی تمام لطافتوں، خوبصورتیوں اور نعمتوں سمیت صرف اس کی رحمت کے حسن و جمال کے اظہار کی ایک تجلی اور اس کے حسن و جمال کی رحمت ہے۔ اور کائنات میں پائے جانے والے تمام حسن و جمال، تمام زیبائشیں اور آرائشیں اور تمام کمالات جنہیں پسند کیا جاتا اور محبوب رکھا جاتا ہے، سب کے سب اس خدائے رکردگار کے جمال و کمال کا پتا دیتے ہیں۔

وہ یہ بھی کہتا ہے:

اے انسان! محبت کے وہ چشمے جو تیرے باطن کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہیں اور جو اللہ کی ذات کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں، اس کے اسمائے حسنٰی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور اس کی صفاتِ جلیلہ کے والہ وشیدا ہیں، ان چشموں کو فانی موجودات سے آلودہ کر کے تباہ نہ کر اور زوال پذیر مخلوقات کے لیے صرف کر کے ضائع نہ کر؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام آثار ونقوش اور مخلوقات فانی ہیں جبکہ اسمائے حسنٰی جن کے جمال وتجلیات کی جھلک ان آثار اور مصنوعات پر سے نمایاں ہو رہی ہے، وہ ہمیشہ اور باقی رہنے والے ہیں تو اسمائے حسنٰی میں سے ہر اسم میں اور صفاتِ مقدسہ میں سے ہر صفت میں حسن وجمال کے ہزاروں مرتبے اور کمال کے ہزاروں طبقات ہیں۔

چنانچہ اگر صرف اسم ''الرحمان'' کو ہی لے لیں تو تمہیں، نظر آئے گا کہ جنت اس اسم کی منجملہ تجلیات میں سے ایک تجلی ہے۔ سعادت ابدی اس کی جھلکیوں میں سے ایک جھلک ہے اور اطراف عالم میں بکھرا ہوا ہر قسم کا رزق اور ہر قسم کی نعمت اس

Marfat.com

کے دریائے بیکراں کا ایک قطرہ ہے۔

ان آیات میں ذرا غور کرو اور گہری نظر سے دیکھو جو زندگی اور ذمہ داری کے نقطۂ نظر سے اہل ضلالت اور اہل ایمان کی ماہیت میں موازنہ کرتی ہیں، جیسے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ. ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ. إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ (حاشیہ:۱)

ایک دوسری آیت یوں ہے۔

﴿فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ﴾ (حاشیہ:۲)

یہ دونوں آیتیں ان دونوں گروہوں کے انجام کی طرف اشارہ کر رہی ہیں، ان میں غور کرنے سے تمہیں پتہ چلے گا کہ ہم نے جو موازنہ منعقد کیا ہے اُس کی وضاحت میں یہ دونوں اعجاز و بیان کی کن بلندیوں کو چھو رہی ہیں!

پہلی آیت میں جو اعجازی پہلو پایا جاتا ہے اس کی حقیقت کی وضاحت کے لیے ہم آپ کو ''گیارہویں مقالے'' کی طرف رجوع کا مشورہ دیتے ہیں، وہاں اس پر تفصیل کے ساتھ گفتگو ہوئی ہے۔ اور دوسری آیت میں پنہاں اعجاز کی حقیقت کی وضاحت کے لیے ہم اس کی طرف مختصر اسا اشارہ کریں گے:

یہ آیت انسان سے یہ کہتی ہوئی خطاب کرتی ہے:

بے شک زمین و آسمان اہل ضلالت کی موت پر نہیں روتے ہیں۔ اور بطور مفہومِ مخالف اس بات کی رہنمائی دیتی ہے کہ: اہل ایمان جب دنیا سے کوچ کرتے ہیں تو زمین و آسمان ان کی رحلت پر روتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ضلالت آسمانوں اور زمین سے متعلقہ ذمہ داریوں کا چونکہ انکار کرتے ہیں اور ان کی تخلیق کو عبث اور بے فائدہ گردانتے ہیں اور یہ دونوں جو اہم ترین ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں ان کا ادراک نہیں کر پاتے، اس لیے ان دونوں کے حق اور حقیقت کو گھٹاتے ہیں بلکہ ان کے خالق کی پہچان بھی نہیں کر پاتے ہیں اور نہ ہی یہ بات سمجھ پاتے ہیں کہ ان دونوں کا وجود ان کے خالق پر دلالت کرتا ہے۔ اس طرح وہ ان کی توہین و تذلیل کرتے ہیں اور ان کے ساتھ دشمنی، اہانت اور تحقیر کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اس لیے زمین و آسماں نہ صرف یہ کہ ان پر روتے نہیں بلکہ ان کے خلاف بددعا بھی کرتے ہیں اور ان کے ہلاک ہو جانے پہ خوش بھی ہوتے ہیں۔

اور مفہومِ مخالفت کی رو سے آیت کریمہ یہ بھی کہتی ہے کہ: زمین و آسمان اہل ایمان کی موت پر گریہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ زمین و آسمان کی ذمہ داریوں سے واقفیت رکھتے ہیں اور ان کی کما حقہ عزت اور قدر کرتے ہیں، اُن کے حقیقی حقائق کی تصدیق کرتے ہیں (اور ایمان کی برکت سے اُن کے معانی کو سمجھتے ہیں اور وہ اس طرح)، ان کے حقیقی

Marfat.com

حقائق کی تصدیق کرتے ہیں کہ جب بھی وہ ان کے بارے میں غور وفکر کرتے ہیں پکار اٹھتے ہیں کہ: ''ان کی پیدائش کتنے خوبصورت طریقے پر ہوئی ہے! اور یہ کتنی خوبصورت ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں'' !اور یوں وہ انہیں وہ قدرو قیمت اوراحترام دیتے ہیں جن کے وہ حق دار ہیں، اور وہ اس طرح کہ اللہ کی محبت کے طفیل اور اللہ کے لیے ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

اس حیثیت سے کہ یہ (زمین وآسماں) دونوں اللہ کے اسمائے حسنیٰ کی تجلیوں کو منعکس کرنے والے آئینے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل ایمان کی موت پر آسمان کانپ اٹھتا ہے، اور زمین افسردہ ہو جاتی ہے۔ گویا کہ دونوں ان کی دنیا سے رحلت کرنے پر آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔

## ایک اہم سوال

تم کہتے ہو کہ:

محبت بے اختیار ہو جاتی ہے، ہمارے ارادے اور ہماری چاہت کے ماتحت نہیں ہے۔ اور میں اپنی فطری مجبوری کے تحت لذیذ کھانوں اور اچھے اور میٹھے پھلوں سے محبت رکھتا ہوں، پھر میں اپنے والدین، اپنی اولاد اور اپنی بیوی سے محبت رکھتا ہوں جو میری رفیقِ حیات ہے، پھر میں انبیائے کرام اور اولیائے کرام سے محبت رکھتا ہوں، پھر میں اپنی جوانی اور اپنی زندگی سے محبت رکھتا ہوں، پھر میں بہار اور ہر حسین وجمیل چیز سے محبت رکھتا ہوں، مختصراً یہ کہ میں دنیا سے محبت رکھتا ہوں، اور اِن سب چیزوں کی محبت چھوڑ بھی کیسے سکتا ہوں؟... لیکن سوال یہ ہے کہ میں محبت کی ان تمام اقسام کو اللہ کے حضور کیسے پیش کر سکتا ہوں۔ اور اپنی محبت کا تعلق اس کے اسمائے حسنیٰ، صفاتِ جلیلہ اور اس کی ذات مقدسہ کے ساتھ کیسے جوڑ سکتا ہوں؟

الجواب: مندرجہ ذیل چار نکتوں پر غور کرو:

### پہلا نکتہ:

محبت اگرچہ ایک غیر اختیاری چیز ہے، لیکن اس کا رخ قوت ارادی سے ایک محبوب سے دوسرے محبوب کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر محبوب کی بدصورتی اور اس کی اصل حقیقت اس پر آشکار ہو جائے، یا اسے اس چیز کی پہچان ہو جائے کہ یہ محبوب اس حقیقی محبوب کے راستے میں ایک آڑ ہے جو میری محبت کا اصل مستحق ہے، یا یہ سمجھ لے کہ یہ محبوب ایک آئینہ ہے جس میں اس حقیقی محبوب کا حسن وجمال منعکس ہو رہا ہے۔ اس صورت میں محبت کے رخ کو مجازی محبوب سے حقیقی محبوب کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

دوسرا نکتہ:

ہم آپ سے یہ نہیں کہتے کہ ان مذکورہ چیزوں سے محبت نہ کرو، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان چیزوں سے جو تمہاری محبت ہے اسے فی سبیل اللہ اور اس کی رضامندی کے لیے وقف کر دو، اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ:

من پسند کھانوں سے جو لذت اور پاکیزہ پھلوں سے جو ذائقہ ملتا ہے اس بارے میں یہ چیز ذہن میں رکھو کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے احسان اور رحمان ورحیم کی طرف سے انعام ہے، یعنی اسمائے حسنیٰ میں سے اسم ''الرحمان'' اور اسم ''المنعم'' سے محبت رکھو۔ علاوہ بریں یہ چیز معنوی طور پر شکر گزاری بھی ہے اور اس چیز کی دلیل بھی کہ یہ محبت ہوائے نفس کے لیے نہیں بلکہ اسم ''الرحمان'' کے لیے ہے، اس طرح، کہ انسان حلال رزق کمائے اور اس ضمن میں شریعت کے دائرے میں رہ کر پورے صبر وقناعت کا مظاہرہ کرے اور اس سوچ فکر کے ساتھ کھائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے، اور اس پر اس کا سپاس گزار بھی رہے۔

پھر تم جو والدین سے محبت اور ان کا احترام کرتے ہو اس کا شمار بھی تمہاری اسی محبت سے ہوگا جو تمہیں اللہ سے ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے ان دونوں کے دلوں میں محبت اور شفقت کا بیج بویا ہے جس کی وجہ سے وہ سراپا رحمت وحکمت بن کر تمہاری تربیت، نگہداشت اور پرورش میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اس بات کی علامت کہ تمہاری ان کے ساتھ اس طرح کی محبت اللہ تعالیٰ کی خاطر ہے، یہ ہے کہ جب وہ دونوں بوڑھے اور لاچار ہو جاتے ہیں اور ان سے کسی قسم کے طمع ولالچ کی توقع نہیں رہ جاتی ہے، اس وقت بھی ان کے ساتھ محبت اور ان کا احترام بدستور قائم رہتا ہے، لطف یہ ہے کہ بوڑھے ہو کر وہ حالانکہ تمہارے لیے مشکلات پیدا کرتے ہیں اور تم پر بوجھ بن جاتے ہیں، اس کے باوجود ان کے لیے تمہاری محبت اور شفقت کا انداز بدستور وہی رہتا ہے۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ

﴿إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ (حاشیہ:۱)

اولاد کو اس چیز کی طرف بلاتی ہے اور پانچ مرحلوں میں والدین کے حقوق ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رکھنے کی ہدایت کرتی ہے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت اور ان کی نافرمانی اور دل آزاری کی برائی پر روشنی ڈالتی ہے۔

باپ فطری طور پر اپنے بیٹے کے بارے میں کوئی حسد یا کینہ نہیں رکھتا ہے، اور ہر باپ ــــ انسان ہونے کے ناطے ــــ کسی بھی دوسرے انسان کے بارے میں یہ کبھی بھی پسند نہیں کرتا ہے کہ وہ اس سے آگے بڑھ جائے سوائے اپنے بیٹے کے، اپنے بیٹے کے بارے میں اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس سے زیادہ ترقی کرے، یہی وجہ ہے کہ بچہ اس ضمن میں باپ سے اس قسم کے کسی حق کا مطالبہ نہیں کرتا ہے؛ کیونکہ دو انسانوں کے درمیان لڑائی جھگڑا صرف حسد، رقابت اور

Marfat.com

منافست وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے، اور یا پھر اس وجہ سے کہ ایک فریق نے دوسرے کی حق تلفی کی ہوتی ہے، اور یہاں پر ایسی کوئی چیز بھی نہیں ہے، باپ فطری طور پر بیٹے کے حق میں حسد و رقابت اور ظلم و زیادتی سے خالی ہوتا ہے، اس لیے کسی بیٹے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے باپ کے خلاف کوئی دعویٰ یا بغاوت کرے، بلکہ اس حد تک کہ اگر اسے باپ کے کسی رویے سے ظلم و زیادتی کی بو آتی ہے تو بھی وہ اس کے خلاف نافرمانی یا بدتمیزی کا رویہ اختیار نہیں کر سکتا ہے، مطلب کہنے کا یہ ہے کہ جو اپنے والدین کی نافرمانی کرتا ہے اور انہیں تکلیف دیتا ہے، وہ ایک ایسا انسان ہے جس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے۔ اور وہ وحشی درندے کا روپ دھار چکا ہے۔

رہی اولاد کی محبت، تو اس کا سرچشمہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت ہی ہے؛ کیونکہ والدین کمال شفقت و رحمت کے ساتھ اولاد کی نگہداشت کرتے ہیں، کیونکہ وہ یہ بات سمجھتے ہیں کہ اولاد اللہ رحیم و کریم کی طرف سے ایک بہت بڑی بخشش اور عطیہ ہے۔ اور اس بات کی علامت کہ اولاد سے محبت اللہ ہی کی طرف سے اور اسی کی راہ میں ہے، یہ ہے کہ اس محبت کی راہ میں جو مصیبتیں اور آزمائشیں آتی ہیں انسان ان پر صبر و شکیبائی اور سپاس گزاری کا مظاہرہ کرتا ہے، اور خاص کر اس وقت جب اولاد موت سے ہمکنار ہو جائے... ایسی صورتوں میں انسان خود کو ناامیدیوں، مایوسیوں اور دعاؤں کے بظاہر بے کار جانے کے غموں اور اندیشوں سے بلند سمجھتا ہے... بلکہ ایسی صورتوں میں قضاء و قدر کے فیصلوں پر سرِ تسلیم و رضا خم کرنا لازم آتا ہے۔ مثال کے طور پر وہ یوں کہے:

یہ مخلوق _ بیٹا وغیرہ _ خالق الکریم کو بہت محبوب ہے، اس کی غلام ہے اور اسے بہت عزیز ہے۔ اس نے کچھ دیر کے لیے اسے بطور امانت میری نگرانی میں دیا تھا، اب اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ مجھ سے واپس لے کر اُسے کسی زیادہ پر امن اور بہتر جگہ پر منتقل کر دے۔

اس ننھی سی جان میں میرا اگر بظاہر ایک حصہ ہے تو اس کے ہزار حقیقی حصے ہیں، اس لیے اللہ کے حکم کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔

رہی یاروں دوستوں کی محبت، تو اگر تو وہ ایمان اور عمل صالح سے مزین ہیں تو ان کی محبت بھی فی سبیل اللہ ہی ہے اور "اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ" کی رو سے اس کا مرجع بھی خدا کی محبت ہی ہے۔

پھر بیوی کی محبت ہے جو کہ تمہاری رفیق حیات ہے، اس سے محبت ضرور کرو، اس بنا پر کہ وہ ایک نرم و نازک اور انس بھرا تحفہ ہے جو رحمتِ الٰہیہ نے تمہیں عطا کیا ہے۔ خبردار! اپنی اس محبت کا بندھن اس کے ظاہری حسن و جمال کے ساتھ ہرگز نہ باندھنا جو کہ سریع الزوال اور فنا پذیر ہے۔ بلکہ اس بندھن کو پوری مضبوطی کے ساتھ اس حسن و جمال کے ساتھ باندھنا جو کہ پائیدار اور زوال ناپذیر ہے اور جو روز بروز بڑھتا ہی چلا جاتا ہے، اور وہ ہے اس کے حسن اخلاق اور حسن سیرت کا حسن

Marfat.com

وجمال جو کہ اس کی انوثیت اور نرم طبیعت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ عورت کا شیرین ترین اور عالی ترین حسن وجمال اس کی خالص نورانی شفقت ومہربانی میں پنہاں ہے، شفقت ومہربانی کا یہ حسنُ وجمال اور حسنِ سیرت وکردار، دونوں پائیدار، جاوداں اور آخر عمر تک بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس شفقت اور حسن سیرت سے محبت کے ذریعے سے ہی اس نرم ونازک اور کمزور مخلوق کے حقوق کی حفاظت ہوگی، وگرنہ جب اس کا ظاہری حسن وجمال ماند پڑ جائے گا، اور بڑھاپے کی عمر میں جب وہ اپنے حقوق کے تحفظ کی سخت ضرورت مند ہوگی، اپنے حقوق سے محروم ہو جائے گی۔

اور جہاں تک تعلق ہے انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے محبت کا، تو وہ بھی لوجہ اللہ اور فی سبیل اللہ ہی ہے، اس پہلو سے کہ یہ تمام لوگ اللہ کے نیک، مخلص اور اس کی بارگاہ میں مقبول بندے ہیں۔ اس زاویے سے یہ محبت خدا سے محبت ہی کی شکل ہوگی۔

اور زندگی جو اللہ نے تمہیں اور دوسرے انسانوں کو عطا کی ہے، یہ ایک ایسا سرمایہ ہے جس کے ساتھ تم آخرت کی جاودانی زندگی کما سکتے ہو۔ زندگی ایک ایسا خزانہ ہے جس میں ابدی کمالات کے تمام ہتھیار اور وسائل پائے جاتے ہیں... اس زاویۂ نگاہ سے اس زندگی کی حفاظت ونگہداشت، اس کے ساتھ محبت اور اسے ماتحت رکھ کر استعمال کرنا... سب کچھ اللہ کے راستے میں ہی ہوگا اور ان سب کا سرچشمہ اللہ کی محبت ہی ہوگی۔

پھر جوانی، اس کی خوبصورتی اور تر وتازگی اور اس کی اس حیثیت سے قدر دانی کہ یہ ایک ربانی نعمت ہے، اور پھر اسے خوبصورت انداز سے استعمال کرنا... یہ ایک شرعی محبت ہے، بلکہ اللہ کی بارگاہ میں اس کی قدر بھی ہوگی۔

پھر فصل بہار کی محبت اور اس کا شوق وولولہ بھی فی سبیل اللہ ہی ہوگا اور اس کا رخ بھی اس کے اسمائے حسنیٰ کی طرف ہی ہوگا، اور وہ اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھ کر کہ یہ فصلِ بہار ایک خوبصورت صفحہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے خوبصورت نورانی نام نقش کیے گئے ہیں، اور یہ ایک بہت بڑی نمائش گاہ ہے جس میں خداوند کریم کی خوبصورت، اچھوتی اور حیرت انگیز مصنوعات بڑے سلیقے سے سجائی گئی ہیں... تو کہنا یہ ہے کہ بہار کے بارے میں جب اس زاویے سے سوچا جائے گا تو اس سے ابھرنے والی محبت بھی اسمائے حسنیٰ کی محبت ہی ہوگی۔

حتیٰ کہ دنیا کے ساتھ اگر اس زاویۂ نظر سے محبت کی جائے کہ یہ آخرت کی کھیتی، اسمائے حسنیٰ کو منعکس کرنے والا آئینہ، پروردگار کے پیغامات کا صحیفہ اور ایک وقتی اور عارضی مہمان سرائے ہے، تو دنیا کی یہ محبت خدا کی محبت میں تبدیل ہو جائے گی، شرط صرف یہ ہے کہ اس محبت میں نفس امارہ کوئی دخل اندازی نہ کرے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ:

دنیا اور اس کی تمام مخلوقات کے ساتھ محبت رکھو لیکن یہ محبت اس کی ذات کے ساتھ نہ ہو بلکہ اس مقصد کے ساتھ ہو جو

Marfat.com

ان میں پوشیدہ ہے، بالکل ایسے جیسے ایک تو لفظ ہوتا ہے اور ایک وہ معنی ہوتا ہے جو اس کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے، اور لفظ سے محبت صرف اس کے معنی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی چیز کے بارے میں یہ مت کہو کہ: "یہ کتنی خوبصورت ہے"! بلکہ یہ کہو کہ: "کیا خوبصورت مخلوق ہے!"۔ "یہ چیز کتنی خوبصورت بنائی گئی ہے"! وغیرہ۔ اور اس بات کا خاص خیال رکھو کہ دل کے اندر خدا کے علاوہ کسی بھی چیز کی محبت راہ نہ پا سکے؛ کیونکہ دل کا باطن یا مرکز وہ آئینہ ہے جو صرف اس بے نیاز ذات کا آئینہ ہے، اور اسی کے ساتھ خاص ہے۔ اور کہو کہ:

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّکَ وَحُبَّ مَا يُقَرِّبُنَا إِلَيْکَ"

محبت کی یہ جتنی بھی اقسام ہم نے ابھی ذکر کی ہیں، انہیں ہمارے بتائے ہوئے طریقے کی روشنی میں اگر سیدھے رخ پر رکھا جائے، یعنی یہ محبتیں جب اللہ کے لیے اور اس کی راہ میں ہوں گی تو پھر یہ ایسی حقیقی لذت عطا کریں گی جس میں دکھ تکلیف کا شائبہ تک نہیں ہوگا، اور یہ ایسے حقیقی وصال سے آشنا کریں گی جس میں زوال نہیں ہوگا، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ کریں گی۔ اور مزید یہ کہ یہ محبت شرعی ہوگی اور اس کی لذت میں بھی اللہ کا شکر اور خود محبت میں اس کی نعمتوں کے بارے میں غور و فکر کا پہلو نمایاں رہے گا۔

مزید وضاحت کے لیے ایک مثال سامنے رکھیں:

کوئی بڑا حکمران تمہیں ایک سیب تحفے میں دیتا ہے۔

اس پر تمہارے دل میں اس سیب کے بارے میں دو طرح کی محبت کا احساس ابھرے گا:

## پہلی قسم:

اس محبت کا تعلق صرف سیب کے ساتھ ہے، اس حیثیت سے کہ یہ ایک میٹھا، مزیدار، پر لذت اور دیگر بہت سی خوبیوں کا حامل پھل ہے، اس محبت کا سلطان یا حکمران کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ جو آدمی اسے حکمران کی حضوری میں ندیدوں کی طرح کھائے گا وہ اس چیز کا اظہار کرے گا کہ اسے سیب کے ساتھ محبت ہے حکمران کے ساتھ نہیں۔ اس میں اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ حکمران اس کی اس حرکت کو ناپسند کرے اور حبِ نفس، شکم پرستی اور ندیدے پن کے اس انداز سے متنفر ہو جائے۔

مزید برآں یہ کہ سیب میں پائی جانے والی لذت جزوی، محدود اور ناپائیدار ہے؛ کیونکہ یہ لذت سیب کے ختم ہوتے ہی ختم ہو جائے گی اور پیچھے افسوس چھوڑ جائے گی۔

## دوسری قسم:

یہ محبت بادشاہ کی قدر دانی اور اس کے کریمانہ التفات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جس کا اظہار اس سیب کے ذریعے ہوا

Marfat.com

ہے... یہ سیب گویا کہ التفاتِ سلطانی کا ایک نمونہ ہے، یا یہ اس کی طرف سے تعریف وتحسین کا انداز ہے جو سیب کی صورت میں مجسم ہو گیا ہے۔ اب جو آدمی بادشاہ سے محبت اور بخشش کو سامنے رکھ کر یہ تحفہ لیتا ہے وہ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اسے سیب سے نہیں بلکہ بادشاہ کے ساتھ محبت ہے... اب اس سیب میں جو کہ بادشاہ کی عنایت اور عزت افزائی کی علامت بن گیا ہے، اتنی لذت ہے کہ دوسرے ہزاروں سیبوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ یہ لذت عین شکر ہے، یعنی اس لذت کا احساس ہی شکر گزاری ہے۔ اور یہ محبت ہی اس احترام اور توقیر کی حامل ہے جو سلطان کے شایان شان ہے۔

اور یوں جب انسان اپنی محبت کا محور ان نعمتوں اور پھلوں کو ہی بنالے گا اور غفلت میں صرف ان کی مادی لذتوں سے لطف اٹھائے گا تو یہ نفسانی محبت ہو گی جس کا مرکز ومحور اس کا نفس ہو گا، اور یہ لذتیں زوال پذیر بھی ہیں اور المناک بھی، لیکن انہی لذتوں کی محبت کا رخ اگر پروردگار کی بخشش اور اس کی رحمت واحسان کے الطاف وعنایات وثمرات کی طرف ہو، اور انسان ان سے اشتہائے کامل کے ساتھ لذت یاب ہوتا ہوا اس کے الطاف وعنایات واحسانات کا ادراک کر لے، تو یہی لذت معنوی شکر کا درجہ اختیار کر جائے گی، اور یہ لذت وہ ہے جو درد والم کا باعث نہیں بنتی۔

## تیسرا نکتہ:

وہ محبت جس کا رخ اسمائے حسنیٰ کی طرف ہے، اس کے کچھ درجات ہیں:

ا۔ کبھی تو تم اپنی محبت کا رخ اسمائے حسنیٰ کی طرف اس لیے کرتے ہو کہ تمہیں کون ومکان میں پھیلے ہوئے آثار الٰہیہ سے پیار ہے۔ جیسے کہ سابقہ صفحات میں یہ چیز وضاحت سے بیان کر دی گئی ہے۔

ب۔ کبھی تم اپنی محبت کا رخ اسمائے حسنیٰ کی طرف اس لیے کرتے ہو کہ یہ اسمائے مبارکہ اللہ تعالیٰ کے بلند کمالات کی نشاندہی کرتے ہیں اور ان کا حسین ترین مظہر ہیں۔

ج۔ کبھی انسان اسمائے حسنیٰ کا مشتاق اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اس کا ضرورت مند ہے؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کی ماہیت میں ہر قسم کی ضروریات جمع کر دی گئی ہیں اور اس کی حاجات غیر محدود ہیں، یعنی ان اسمائے مبارکہ سے اس کی محبت اس کی اپنی ضرورت کی وجہ سے ہے۔

اس کی وضاحت ہم ایک مثال سے کرتے ہیں:

تم اپنے قریبی رشتہ داروں اور فقراء ومساکین حتیٰ کہ کمزور وناتواں اور ضرورت مند حیوانات کے ساتھ شفقت اور مہر ووفا کا رویہ رکھتے ہو، اور تم ان میں سے کسی کو بچانا چاہتے ہو لیکن تمہیں محسوس ہوتا ہے کہ معاملہ بھاری ہے اور مجھ میں وہ طاقت وتوانائی نہیں ہے، اب تم خواہش کرتے ہو کہ کاش کوئی آئے اور ان غریبوں کی مدد کرنے میں، میرا دست وبازو بنے، اسی لمحے ایک آدمی میدان میں آتا ہے اور ان مسکینوں کے ساتھ تمہاری توقع سے بڑھ کر مہربانی کا سلوک کرتا ہے اب تم خود

Marfat.com

ہی کہو کہ تمہاری روح اس سے کتنی خوش ہوگی اور اُسے اس کے ''منعم'' اور ''کریم'' ہونے پر کتنا سکون ملے گا؟ اور اسے ''منعم'' اور ''کریم'' کے لقب سے یاد کر کے تمہارا ضمیر کتنا مسرور ہوگا؛ بلکہ تم اس شخص کی کتنی عزت اور کتنا احترام کرو گے! اور ان دو اسموں کے عنوان سے تم اس شخص کی طرف کتنے متوجہ ہو جاؤ گے!

اس مثال کی روشنی میں اسمائے حسنیٰ میں سے صرف اسم ''الرحمان'' اور ''الرحیم'' میں غور کرو تو تم پاؤ گے کہ گزرے ہوئے تمام اہل ایمان آباء واجداد، تمام دوست احباب اور رشتے دار، اور دوسرے تمام وہ لوگ جن سے تم محبت کرتے اور ہمدردی رکھتے ہو اور ان کی ملاقات کے لیے تڑپتے ہو، وہ سب کے سب دنیا میں انواع واقسام کی لذتوں سے بہرہ یاب ہوئے ہیں اور پھر آخرت میں بھی ہر اچھی، پاکیزہ اور لذیذ نعمت سے محظوظ ہوتے ہیں، بلکہ خداوند کریم جو کہ رحمان ورحیم ہے، وہاں ان کے آپس میں میل ملاپ کرا کے اور جمالِ سرمدی کا دیدار کرا کے ان کی سعادتوں اور نعمتوں میں اضافہ کرتا ہے۔ اس پہلو سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسم ''الرحمان'' اور ''الرحیم'' کتنی زیادہ محبت کرنے کے قابل ہیں! اور انسان کی روح ان دونوں ناموں کی کتنی مشتاق ہے؟ اب تم خود ہی اندازہ لگا سکتے ہو کہ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمانیت اور رحیمیت پر ہم اس کے سپاس گزار ہیں، تو ہمارا یہ کہنا کتنا درست ہوتا ہے!

پھر تمہارا زمین پر بکھری ہوئی ان موجودات کے ساتھ گہرا رشتہ ہے اور تم ان کے دکھ درد سے ایسے دکھی ہوتے ہو جیسے کہ تمام روئے زمین، تمہارا خوبصورت گھر اور مانوس مسکن ہے۔ اور پھر جب غور کرو گے تو دیکھو گے کہ تمہاری روح میں اسم ''الحکیم'' اور ''المربی'' یعنی تربیت کنندہ کے لیے والہانہ قسم کا اشتیاق پایا جاتا ہے، وہ حکیم اور مربی جو ان تمام مخلوقات کو انتہائی حکمت و دانائی، گہرے نظم وضبط اور عقل وفکر سے بلند رحیمانہ تربیت کے ساتھ چلا رہا ہے۔

پھر تمام نوع انسانی کے بارے میں غور وفکر کرو تو پاؤ گے کہ تم ان سب کے ساتھ تعلق رکھتے ہو اور ان کی پریشان حالی، زوال پذیری اور موت سے متاثر ہوتے ہو، اور اس لیے تم پاتے ہو کہ تمہاری روح اسم ''الوارث' الباعث'' کا اشتیاق رکھتی ہے اور ''الباقی، الکریم، المحی اور المحسن'' کے عنوان کی ضرورت محسوس کرتی ہے، یعنی ان ناموں کا حامل وہ خالق کریم ہے جو انہیں ظلمات عدم سے نکال کر ایسے گھروں میں رہائش پذیر کرتا ہے جو اس دنیا سے بدرجہا خوبصورت اور افضل ہیں۔

پھر چونکہ انسانیت کی ماہیت بلند اور اس کی فطرت بڑی ہمہ گیر ہے، اس لیے وہ ہزاروں ضرورتوں کی وجہ سے ہزاروں اسمائے حسنیٰ اور ہر اسم کے بہت سے درجات ومراتب کا محتاج ہے۔ حاجت کو کئی گنا زیادہ کیا جائے تو وہ ''شوق'' بنتا ہے، شوق کو کئی گنا زیادہ کیا جائے تو وہ ''محبت'' بنتی ہے، اور محبت کو کئی گنا زیادہ کیا جائے تو وہ ''عشق'' بنتا ہے۔ پس انسان کی روح کی تکمیل کے حساب سے اسماء وصفات کے درجات کے مطابق محبت کے درجات ومراتب کا انکشاف ہوتا رہتا ہے، اور تمام اسمائے حسنیٰ کی محبت بھی اس کی جلالت مآب ذات کے ساتھ محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے؛ کیونکہ یہ اسمائے

Marfat.com

گرامی اس کی جلالت مآب ذات کے سرنامے اور جلوے ہیں۔

اب ہم صرف مثال کے طور پر ہزاروں اسمائے مبارکہ میں سے صرف ایک مرتبے کا ذکر کرتے ہیں، اور اسم ''العدل، الحکم، الحق اور الرحیم'' کے ہزاروں مراتب میں سے۔ بطور مثال۔ صرف ایک کی وضاحت کرتے ہیں:

اگر تم یہ مشاہدہ کرنا چاہتے ہو کہ اسم ''الرحمان' الرحیم اور الحق'' کے وسیع وعریض دائرے کے ماتحت حکمت اور عدل کی کون کون سی جلوہ گریاں ہیں، تو اس مثال میں غور کرو:

ایک بہت بڑا لشکر ہے جس کے تحت انواع واقسام کے چار سو دستے ہیں، ان میں سے ہر دستے کی وردی اس کی پسند کے مطابق دوسرے سے مختلف ہے، ہر دستے کا کھانا پینا اس کی پسند کے مطابق دوسرے سے علیحدہ، ہر دستے کا اسلحہ جسے وہ آسانی کے ساتھ استعمال کرسکتا ہو دوسرے سے جدا اور ہر دستے کی کاروائیاں اور علاج معالجہ کی سہولتیں اس کے مزاج اور مناسبت کے لحاظ سے ممتاز ہیں... ہر چیز میں ان تمام اختلافات کے باوجود یہ چار سو دستے مختلف گروہوں اور کمپنیوں میں الگ الگ تقسیم ہونے کی بجائے سب کے سب باہمدیگر پیوستہ ہیں، کسی کی کوئی امتیازی حیثیت نہیں ہے... اب اگر ایک ایسا رحمدل، مہربان، صاحب قدرت، صاحب علم، صاحب عدل وحکمت اور ہر کام کے بارے میں مکمل آگاہی رکھنے والا فرمانروا ہو جو ذاتی طور پر بغیر کسی معاون مددگار کے اور بغیر کسی اختلاط والتباس واشتباہ اور بھول چوک کے ان سب کو ان کی طبیعت، مزاج اور پسند کے مطابق مختلف وردیاں، اشیائے خورد ونوش، ادویات اور اسلحہ مہیا کرے، اور اس عمل میں اس کے بے مثال عدل وانصاف اور دانشمندی کا منظر صاف نظر آرہا ہو... اگر ایسا بے نظیر قسم کا فرمانروا موجود ہو اور تم اس کے اس طرح کے تابندہ اور معجزانہ اعمال کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کرلو، تو تمہیں اس حقیقت کا ادارک خود بخود ہو جائے گا کہ یہ فرمانروا کتنی قدرت، شفقت ورأفت اور کتنے عدل وانصاف کا مالک ہے! اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ایسی بٹالین جس میں دس مختلف قوموں کے جوان ہوں، ان سب کو مختلف آلات اور انواع واقسام کے ملبوسات مہیا کر کے تیار کرنا انتہائی مشکل کام ہے، ایسے حالات میں جب اقوام واجناس اور ان کی خواہشات ورغبات میں اس قدر اختلاف ہو، تو مجبوراً ایک ہی صورت آسان نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ سب کو ایک ہی طرز اور ایک ہی انداز کا لباس اور آلات وغیرہ دے دیے جائیں۔

اس مثال کی روشنی میں اگر تم ''عدل وحکمت'' کے دائرے کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے اسم ''الحق'' اور ''الرحمان الرحیم'' کا جلوہ دیکھنا چاہتے ہو تو بہار کے موسم میں ان خیموں میں نظر دوڑاؤ جو روئے زمین پر چار لاکھ قسم کی مختلف قوموں نے لگا رکھے ہیں، یہ حیوانات اور نباتات کے لشکر ہیں، انہیں غور سے دیکھو، تم پاؤ گے کہ یہ تمام اُمتیں قومیں اور جماعتیں باوجود اس کے کہ ایک دوسرے میں داخل اور باہمدیگر پیوستہ ہیں اور ان کے لباس مختلف، سامان خورد ونوش متفاوت، اسلحہ متنوع، رہن سہن کے طریقے متباین، ان کی تعلیمات متغایر، ان کی چھٹیاں اور کام سے سبکدوشیاں جدا جدا... اور ان کے پاس وہ

Marfat.com

زبانیں نہیں ہیں جن کے ذریعے وہ اپنی خواہشات ورغبات کا اظہار کرسکیں اور حاجات وضروریات کو پورا کرسکیں... ان سب اختلافات کے باوجود یہ تمام مخلوقات حکمت وعدل کے دائرے میں انتہائی دقیق میزان اور اعلیٰ انتظام کے ساتھ بغیر کسی التباس واشتباہ اور بھول چوک کے اسم ''الحق، الرحمان، الرزاق، الرحیم اور الکریم'' کے طفیل پرورش پاتی، پروان چڑھتی، اور نظم وضبط سے کام کرتی ہیں... اس تجلی کا مشاہدہ کرو اور اس پر غور کرو اور پھر خود ہی بتاؤ کہ ایسے عمل میں جو اس طرح کے انتہائی دقیق توازن اور حیرت انگیز نظم وضبط کے ساتھ انجام پا رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا عمل دخل ہوسکتا ہے؟ اور کیا اس ایک، اکیلے، حکیم اور علیٰ کل شیٔ قدیر خدا کے سوا کسی بھی سبب کے لیے ممکن ہے کہ وہ اس دلکش صنعتکاری، حکیمانہ تدبیر، رحیمانہ ربوبیت اور ہمہ گیرات میں دستِ مداخلت دراز کر سکے؟...

## چوتھا نکتہ:

تم کہتے ہو کہ میرے دل میں انواع واقسام کی محبتیں بسی ہوئی ہیں، جن کا تعلق پر لذت کھانوں، میری ذات میری بیوی، میری اولاد، میرے والدین، میرے دوست احباب، انبیائے کرام اور اولیائے صالحین کے ساتھ ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ مجھے ہر خوبصورت شے اور دلفریب موسم بہار کے ساتھ خصوصی اور تمام دنیا کے ساتھ عمومی طور پر محبت ہے... یہ گوناگوں محبتیں اگر قرآن کریم کے دستور کے مطابق چلیں تو ان کے نتائج اور فوائد کیا ہوں گے؟

## الجواب:

ان نتائج کے بیان اور ان تمام فوائد کی وضاحت کے لیے ایک ضخیم کتاب درکار ہے، اس لیے اس مقام پر صرف ایک دو نتیجوں کی طرف مجمل سا اشارہ کیا جاتا ہے۔ پہلے ہم ان نتائج پر روشنی ڈالیں گے جو دنیا میں حاصل ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد ان نتائج کی وضاحت کریں گے جو عنقریب آخرت میں ظاہر ہونے والے ہیں۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

ہم یہ چیز پہلے بیان کر چکے ہیں کہ: محبت کی وہ انواع واقسام جن پر ارباب غفلت اور اہل دنیا فریفتہ ہیں اور جن کا سرچشمہ نفس کی خواہشوں اور آرزوؤں کی تکمیل ہے، ان تمام محبتوں کے نتائج المناک اور انجام ہلاکت خیز ہیں جو کہ دردناک آلام ومصائب کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ ان سے حاصل ہونے والی سرمستی اور راحت بالکل تھوڑی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر شفقت ومہربانی عجز وناتوانی کی وجہ سے الم خیز آزمائش بن جاتی ہے، محبت ہجر وفراق کی وجہ سے اذیت ناک سوزش بن جاتی ہے اور لذت زوال کی وجہ سے زہر آلود مشروب بن جاتی ہے......

اور آخرت میں یہ محبتیں بالکل بے سود اور بے فائدہ جائیں گی؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کے لیے نہیں تھیں۔ اور یا پھر عذاب الیم کا سبب بن جائیں گی؛ کیونکہ ان کی وجہ سے انسان نے حرام کا ارتکاب کیا ہوگا۔

Marfat.com

## سوال:

انبیاء اور اولیاء کے ساتھ رکھی جانے والی محبت بے سود اور بے فائدہ کیسے جا سکتی ہے؟

جواب: بالکل ایسے جیسے تثلیث کا عقیدہ رکھنے والے عیسائیوں کو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی محبت کوئی فائدہ نہیں دے گی، اور جیسے رافضیوں کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رکھی جانے والی محبت فائدہ نہیں دے گی!

رہیں محبت کی وہ قسمیں جو تم نے ذکر کی ہیں، تو اگر تو وہ قرآن کریم کی رہنمائی کے مطابق اللہ کے راستے میں اور رحمان ورحیم کی محبت میں ہوں گی، تو پھر صرف یہی نہیں کہ ان کے آخرت میں بہترین نتائج برآمد ہوں گے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ دنیا میں بھی خوبصورت نتائج وثمرات کی حامل ہوں گی۔

## دنیاوی نتائج:

تمہیں جو لذیذ کھانوں اور خوشگوار پھلوں سے محبت ہے، وہ ایک ایسی نعمت الٰہی ہے جس میں رنج والم کا شائبہ نہیں ہے، اور خود یہ لذت اندوزی ہی اس نعمت کی شکر گزاری ہے۔

اور یہ جو تم اپنی ذات سے محبت رکھتے ہو، اس کے لیے فکر مند رہتے ہو، اس کے تزکیہ وتربیت کے لیے کوشاں رہتے ہو، اسے کمینہ خواہشات کے پیچھے لگنے سے روکتے ہو، اور اسے اپنے زیر فرماں بنا کر رکھتے ہو، تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ تمہیں اپنی خواہشات کی زنجیروں میں قید کر کے جدھر چاہے گھسیٹتی نہیں پھرتی ہے بلکہ تم اس کی نکیل پکڑ کر اسے خواہش کی بجائے ہدایت کے راستے پر لیے پھرتے ہو۔ اور یہ جو تمہاری اپنے رفیقۂ حیات یعنی اپنی بیوی کے ساتھ محبت ہے، تو وہ اس لیے ہے کہ اس محبت کی بنیاد اس کی حسن سیرت، نرم خوئی، مہر ومحبت اور اس کے رحمت الٰہی کا ایک حسین تحفہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ تم جب اس کے ساتھ خالص محبت، اور سچی رأفت ورحمت کا مظاہرہ کرو گے تو جواب میں اسے بھی اپنے لیے سراپا محبت واحترام اور مجسم تکریم وتوقیر پاؤ گے۔ اور یوں تمہاری یہ متبادل محبت اور شفقت ورحمت تمہاری عمریں بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جائے گی، جس کا طبعی نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم دونوں ___ اللہ کے حکم سے ___ ایک انتہائی سعادت منداور خوشگوار زندگی گزارو گے... لیکن اسی محبت کی بنیاد اگر چہرے کے اُن خدوخال کے ظاہری حسن وجمال پر رکھی گئی جو حیوانی جذبات کو مرغوب ہوتا ہے، تو یاد رکھو کہ اس محبت کا شعلہ بہت جلد بجھ جائے گا اور ازدواجی زندگی بھی تباہ ہو جائے گی۔

## والدین کے لیے تمہاری محبت:

اور یہ جو تم اپنی ماں اور اپنے باپ کے ساتھ محبت رکھتے ہو، تو یہ محبت جب اللہ کے لیے ہوگی تو ایک عبادت شمار ہوگی جس کا تمہیں ثواب ملے گا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دونوں جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں گے تو ان کے لیے تمہاری محبت اور احترام میں اضافہ ہو جائے گا اور تم ہمہ تن ان کی خدمت میں مصروف ہو کر، ان کے ہاتھ چوم کر اور اخلاص کے

Marfat.com

ساتھ ان کی تعظیم وتوقیر کر کے خالص روحانی لذت اور مکمل قلبی راحت حاصل کرو گے... اور پھر جب تمہیں یہ عظیم القدر احساس اور ہمت عالی نصیب ہوگئی تو تم مولائے قدیر کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگو کہ وہ ان کی عمر دراز کرے تاکہ تمہیں ان کی خدمت سے مزید ثواب کمانے کا موقع ملے... لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا، یعنی ان کے ساتھ تمہارا یہ محبت والا رویہ دنیا کمانے اور ہوائے نفس کو راضی کرنے کے لیے ہوا تو پھر یہ محبت ایک ہولناک قسم کے روحانی رنج والم کو جنم دے گی، ایسا رنج والم جو کہ پست ترین احساس اور کمینہ ترین شعور سے جنم لے گا، اور وہ ہے ان دو محترم اور مکرم ہستیوں سے نفرت جو تمہاری زندگی کا سبب ہیں، لیکن جب وہ بوڑھی ہوگئیں تو تم نے انہیں بے کار اور اپنے کندھوں کا بوجھ سمجھنا شروع کر دیا، اور پھر اس سے بھی بدترین چیز یہ کہ تم ان قابل احترام ہستیوں کی موت کی تمنا کرو اور ان کے گزر جانے کا انتظار کرنے لگو!

## تمہاری اپنی اولاد کے لیے محبت:

یعنی تمہارا ان لوگوں کے ساتھ پیار محبت کا برتاؤ کرنا جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بطور امانت سونپے ہوئے ہیں تاکہ تم ان کی نگہداشت، پرورش اور تعلیم وتربیت کرو... تو اللہ تعالیٰ کی اس انس اور محبت رکھنے والی مخلوق کے ساتھ محبت رکھنے کو، خوش بختی اور سرور وشادمانی سے مزین کر دیا گیا ہے، اور وہ عین اسی وقت اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت بھی ہے۔ اگر تمہیں اس بات کا شعور ہو جائے تو پھر تم ان کی مشکلات اور مصائب پر بہت زیادہ غم اور افسوس بھی نہ کرو اور ان کی موت پر حسرت ویاس کے تحت چیخ وپکار بھی نہ کرو؛ کیونکہ _جیسے کہ ہم نے پہلے کہا ہے_ ان کا خالق ان پر مہربان ہے اور ان کے معاملات بڑی حکمت بھری تدبیر سے چلا رہا ہے... تمہیں اس بات کا شعور ہو جائے تو پھر تم کہو گے کہ ان کی موت ان کے لیے یقیناً سعادت ہے۔ اور یوں تم جدائی کے صدمے سے نجات پا جاؤ گے اور خدا سے دعا کرو گے کہ وہ تمہیں اپنی رحمت کے سائے میں لے لے۔

## تمہاری اپنے دوستوں سے محبت:

ان لوگوں کے ساتھ تمہاری محبت چونکہ راہِ خدا میں ہے، اس لیے ان کی جدائی یا موت سے محبت، اخوت، الفت اور ہمنشینی کے دوام میں فرق نہیں آئے گا؛ کیونکہ اس روحانی تعلق اور خالص معنوی محبت کا سلسلہ مرگ وجدائی کے باوجود قائم دائم رہے گا اور ان کے دوام سے لذت ملاقات اور لطف وصال بھی قائم دائم رہے گا۔ لیکن اگر یہ محبت اللہ کے لیے اور اس کی راہ میں نہ ہوئی تو پھر صرف ایک دن کی ملاقات کی لذت سو دن کے فراق کے رنج وغم کا موجب بن جائے گی۔

## تمہاری انبیاء واولیاء کے ساتھ محبت:

اور جہاں تک اس محبت کا تعلق ہے جو تمہیں انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ہے، تو اس سے یہ ہوگا کہ وہ عالمِ برزخ جو اہل

Marfat.com

غفلت اور ارباب ضلالت کو ایک تاریک اور وحشتناک مقام دکھائی دیتا ہے، وہ تمہیں ان روشن لوگوں کے دم قدم سے روشن اور تابناک دکھائی دے گا۔ تب تمہیں ان لوگوں کی رہائش گاہوں میں جا کر ان کے ساتھ مل بیٹھنے میں کوئی وحشت نہیں ہوگی اور عالم برزخ کے نام سے تمہارے دل کو کوئی خوف لاحق نہیں ہوگا۔ بلکہ تم اس کا اشتیاق رکھو گے اور اس کے آرزومند رہو گے۔ اور اس سے تمہاری دنیاوی لذتیں بھی بے مزا نہیں ہوں گی ... لیکن اگر ان کے ساتھ تمہاری محبت ایسے ہوئی جیسے تہذیب وتمدن کے نمائندے انسانی سطح پر کام کرنے والے مشاہیر کے ساتھ کرتے ہیں، تو پھر ان اولیاء کرام کے بارے میں صرف اتنا تصور ہی آلام حیات کی فہرست میں ایک اور الم کا اضافہ کر دے گا اور انسان کو اپنی موت اور زوال پذیری کے تصور میں غرق کر دے گا اور وہ کہے گا کہ میں عنقریب اس قبرستان میں داخل ہو جاؤں گا جہاں عظیم لوگوں کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں! وہ یہ بات انتہائی قلق، حسرت اور تلخ کامی سے کہے گا... لیکن پہلے نقطۂ نظر سے دیکھے گا تو اُسے نظر آئے گا کہ یہ انبیاء واولیاء اور دیگر بڑے لوگ اپنے جسمانی لباس اتار کر پوری راحت اور خوشی کے ساتھ اس عالم برزخ میں مقیم ہیں جو کہ مستقبل کا صحن، برآمدہ اور سائبان ہے... یعنی وہ قبرستان کی طرف بھی شوق اور اُنس کی نگاہ سے دیکھے گا۔

پھر یہ جو تمہاری خوبصورت چیزوں اور اچھے اچھے کاموں کے ساتھ محبت ہے، تمہاری یہ محبت چونکہ فی سبیل اللہ اور ان اشیاء کے خالق کی پہچان کے لیے ہے، یعنی اشیاء کی محبت کے ذریعے تم دراصل ان کے خالق کے ساتھ محبت رکھتے ہو، اس لیے انہیں دیکھ کر تم بے اختیارانہ پکار اٹھتے ہو کہ: کیا بات ہے! یہ کتنی خوبصورت بنائی گئی ہیں! یہ محبت اپنی ذات میں ایک لذت خیز اور لطف انگیز تفکر ہے، اور اس پر مزید یہ کہ یہ محبت انسان کے سامنے حسن وجمال کے ذوق وشوق کے وہ راستے کھول دیتی ہے جن پر چل کر وہ بلند وبالا ذوق کے مراتب ودرجات کی طرف جھانک سکتا ہے۔ یہاں پہنچ کر یہ محبت انسان کے سامنے نفیس اور قیمتی خزانوں کے منہ کھول دیتی ہے اور انسان انتہائی سرخوشی وسرمستی کے عالم میں ان سے اپنی جھولیاں بھرنا شروع کر دیتا ہے؛ کیونکہ یہ محبت دل کے سامنے وسیع آفاق کھول دیتی ہے تاکہ انسان اپنی نظر دوڑائے:

☆ اس جلیل القدر صانع کی مصنوعات وآثار میں، تاکہ اس سے وہ اس کے انوکھے اور حیرت انگیز افعال کے حسن وجمال تک پہنچ جائے.....

☆ اس کے افعال کے حسن وجمال میں، تاکہ اس سے اسمائے حسنیٰ کے حسن وجمال تک پہنچ جائے۔

☆ اس کے اسمائے حسنیٰ کے حسن وجمال میں، تاکہ اس سے اس کی صفاتِ جلیلہ کے حسن وجمال تک پہنچ جائے۔

☆ اس کی صفاتِ جلیلہ کے حسن وجمال میں، تاکہ اس سے اس کی ذاتِ مقدسہ کے حسن وجمال تک پہنچ جائے۔

پس اس انداز کی یہ محبت ہی بیک وقت ایک لذیذ عبادت اور مفید وبلند مرتبہ تفکر ہے۔

Marfat.com

## تمہاری اپنی جوانی سے محبت:

اور یہ جو تم اپنی جوانی سے محبت رکھتے ہو، یہ اس لیے ہے کہ جوانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خوبصورت تحفہ ہے، اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ تم اسے اس کی عبادت میں صرف کرو گے اور حماقت، نادانی، نافرمانی اور حدود فراموشی کی لہروں کی نذر نہیں کرو گے؛ کیونکہ عبادتیں جو تم جوانی کے دور میں کرو گے وہ دراصل وہ پختہ، تروتازہ اور ہمیشہ رہنے والے پھل ہیں جو اس وقتی اور زوال پذیر درخت پر لگے ہیں۔ پھر جوں جوں تم جوانی کے اس دور سے گزر کر بڑھاپے کے دور میں قدم رکھو گے، اس کے دائمی ثمرات سے مزید دامن بھرتے جاؤ گے اور بتدریج نفسِ امارہ اور جوانی کی بے اعتدالیوں سے نجات پا جاؤ گے۔ اور یوں تم اپنے مولائے کریم سے یہ امید رکھو گے کہ وہ تمہیں بڑھاپے کے دور میں مزید عبادت گزار بننے کی توفیق سے نوازے تاکہ تم اس کی وسیع رحمت سے نوازے جانے کے اہل ہو جاؤ... اور یوں تم خود کو ان غفلت خوردہ لوگوں سے بلند رکھو گے جو بڑھاپے کے پچاس سال جوانی کے ان پانچ دس سالوں پر افسوس کرتے اور حسرت بھری ٹھنڈی آہیں بھرتے گزار دیتے ہیں جو وہ بے اعتدالیوں میں ضائع کر چکے ہوتے ہیں۔ جوانی کے دنوں پر افسوس اور ندامت کے اظہار میں عربی کے ایک شاعر نے یوں کہا ہے:

لَیْتَ الشَّبَابَ یَعُوْدُ یَوْمًا
فَأُخْبِرُهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِیْبُ

''کاش کسی دن جوانی لوٹ آئے تو میں اسے بتاؤں کہ بڑھاپے نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے!''

### خوبصورت مناظر کے ساتھ محبت:

اور یہ جو تم خوبصورت مناظر اور خاص کر بہار کے مناظر کے ساتھ محبت رکھتے ہو، تو اس میں چونکہ اللہ تعالیٰ کی حیرت انگیز مصنوعات کے مشاہدے اور ان کے بارے میں علم حاصل کرنے کا تصور ہے، اس لیے بہار کے ان مناظر کے آنکھ سے اوجھل ہو جانے سے مشاہدے کی لذت اور سیر و تفریح کی لطف اندوزی ختم نہیں ہوتی؛ کیونکہ وہ خود اگرچہ چلی جاتی ہے لیکن اپنے پیچھے دل سے محو نہ ہونے والی حسین یادیں چھوڑ جاتی ہے۔ ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو بہار باری تعالیٰ کے ایک قسم کے پیغام کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے جس کے صفحات مخلوقات کے سامنے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور یوں تمہارا خیال اور وقت گزراں دونوں سینما کی فلم کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں جو تمہارے لیے اس مشاہدے کی لذت کو جاری رکھتے ہیں اور بہار کے پیغام میں پائے جانے والے معانی کی تجدید کرتے رہتے ہیں۔ بنابریں، بہار کے ساتھ جو تمہاری محبت ہے وہ وقتی اور دکھ درد اور افسوس سے بھری ہوئی نہیں ہے بلکہ صاف، خالص اور لطف و مسرت سے لبریز ہے۔

## تمہاری اس دنیا سے محبت:

رہی تمہاری وہ محبت جو اس دنیا کے ساتھ تعلق رکھتی، تو یہ محبت چونکہ للہ فی اللہ ہے، اس لیے اس میں پائی جانے

Marfat.com

والی خوف اور دہشت پھیلانے والی مخلوقات تمہاری انس بھری دوست بن جاتی ہیں، اور تم اس کے ساتھ محبت اس لیے کرتے ہو کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے، اس لیے تم اس میں پائی جانے والی ہر چیز سے وہ پھل توڑ سکتے ہو جو آخرت کا پھل بن سکتا ہو، یا یہ کہ اس میں پائے جانے والی ہر چیز سے وہ منافعہ حاصل کر سکتے ہو جو آخرت کا سرمایہ بن سکتا ہو، اور یوں اس کے مصائب تمہیں خوفزدہ نہیں کر سکیں گے۔ اور اس کی زوال پذیری اور فنا آشنائی تمہیں تنگ دل نہیں کر سکے گی، اور یوں تم اس میں اپنی اقامت کی مدت ایک معزز و مکرم مہمان کی طرح پوری کرو گے... لیکن اگر تمہاری محبت اس دنیا کے ساتھ اسی طرح کی ہوئی جس طرح کی اربابِ غفلت کی ہوتی، تو یہ بات ہم تم سے کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ خود کو ڈبو بیٹھو گے اور پست، گلوگیر، زوال پذیر اور بے سود و بے فائدہ محبت کے سبب فنا کے گھاٹ اتر جاؤ گے!

ہم نے کوشش کی ہے کہ تمہاری ذکر کردہ محبتوں کے بارے میں تمہیں سینکڑوں گہرے رازوں میں سے صرف ایک راز کی جھلک دکھا دیں، اُس وقت جب کہ تمہاری محبت قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ہو گی۔ اور پھر ساتھ ہی ہم نے ان سینکڑوں نقصانات میں سے صرف ایک نقصان کی نشاندہی بھی کر دی ہے جو اس وقت لاحق ہوتے ہیں جب یہ محبت قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق نہ ہو گی۔

اگر تم ان مختلف محبتوں کے اُن نتائج کا ادراک کرنا چاہتے ہو جو عالم آخرت اور دار البقا میں سامنے آئیں گے، جیسے کہ ان کی طرف قرآن حکیم کی آیات بینات نے اشارہ کیا ہے، تو ابھی ہم تمہارے سامنے جائز اور مشروع محبتوں کے اخروی بیسیوں فوائد میں سے مختصر طور پر صرف ایک فائدے کی وضاحت کریں گے۔ یہ بیان نو اشاروں پر مشتمل ہوگا اور اُن سے پہلے بطور تمہید ایک مقدمہ ہوگا۔

مقدمہ:

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنی جلیل القدر الوہیت، خوبصورت رحمت، پُرشکوہ ربوبیت، عنایت بھری مہربانی، عظیم الشان قدرت اور پُرلطف حکمت کے ساتھ اس چھوٹے سے انسان کو بہت زیادہ حواس اور مشاعر سے مزین کر رکھا ہے اور اسے مختلف قسم کے متعدد اعضاء و جوارح اور آلات و اوزار سے آراستہ کیا ہوا ہے، اس لیے کہ اسے اپنی وسیع رحمت کے درجات کا شعور بخشے اور اپنی بے شمار نعمتوں کے ذائقے سے آشنا کرے' اسے اپنے بے حساب احسانات کی پہچان کرائے' اسے ان آلات و اعضاء کے ذریعے اپنے ہزاروں اسمائے حسنیٰ کی تجلیات سے واقف کرے اور اس کے دل میں ان اسماء کی محبت کی جوت جگائے اور اسے اس طرح کا بنا دے کہ وہ ان کی کما حقہ قدر کرے۔

پس ان بہت سے اعضاء میں سے ہر عضو کے اور ہر آلے کے ذمے متنوع وظائف اور متباین ڈیوٹیاں اور ذمہ داریاں ہیں جو ان کی خدمات اور عبادات کہلاتی ہیں۔ اسی طرح ان میں سے ہر ایک کی لذات مختلف' آلام علیحدہ علیحدہ اور

Marfat.com

ان کا ثواب جدا جدا ہے،

مثال کے طور پر آنکھ کو لے لو، یہ شکلوں اور جسموں میں حسن و جمال کا اور عالم شہود یعنی نظر آنے والی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حسین قدرت کے معجزات کا مشاہدہ کرتی ہے، اور یوں اپنی اس عبرت گیر نظر کے ذریعے سے اپنا شکر الٰہی کا وظیفہ ادا کرتی ہے۔ اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ نظر یعنی دیکھنے کی قوت میں کتنی لذت اور اس قوت کے کھو جانے میں کتنی تکلیف ہے! اس لیے دیکھنے کی لذت اور نہ دیکھ سکنے کے دکھ کے بارے میں یہاں زیادہ تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

یا مثال کے طور پر کان ہے، یہ عالمِ مسموعات یعنی سنی جانے والی دنیا میں انواع و اقسام کی آوازوں اور لطف انگیز نغمات کو سن کر موجودات میں جاری و ساری رحمت الٰہی کی لطافتوں کا ادراک کرتا ہے، اس کی بھی اپنی ایک خاص عبادت ہے، اس کی اپنی لذت ہے۔ اور اس کا خاص ثواب ہے۔

یا پھر مثال کے طور پر سونگھنے کی حس ہے جو کون و مکاں میں پھیلی ہوئی گوناں گوں خوشبوؤں کے ذریعے رحمت الٰہی کی لطافتوں کا احساس وادراک کرتی ہے، اس پہلو سے بھی اس کی اپنی ذمہ داری کی ادائیگی کے ضمن میں ایک خاص لذت ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس کا اپنا خاص ثواب بھی ہے۔

یا پھر مثال کے طور پر چکھنے کی حس ہے جو کہ منہ میں ہوتی ہے، یہ حس اپنی ڈیوٹی ادا کرتی ہے، اور انواع و اقسام کے کھانوں کے ذائقوں اور لذتوں کو چکھ کر مختلف شکلوں اور طریقوں کے ساتھ اپنا معنوی شکر ادا کرتی ہے،

اور انسان میں پائے جانے والے ہر اَنگ، عضو، آلے اور اس کے ـ قلب و روح و عقل کی طرح کے ـ ہر لطیف اور غیر مادی حاسّے کی مختلف ذمہ داریاں ہیں اور ہر ایک کی متنوع قسم کی لذتیں ہیں جو کہ اُسی کے ساتھ خاص ہیں۔ اور وہ بات کہ جس میں کسی شک و تردد کی گنجائش نہیں ہے، یہ ہے کہ وہ صاحب حکمت خالق جس نے ان اعضاء و جوارح کو ان ڈیوٹیوں پر لگایا ہوا ہے وہ ان میں سے ہر ایک کو وہ جزا ضرور دے گا جو ان کے مناسب ہے اور جس کے وہ مستحق ہیں۔

مذکورہ انواع و اقسام کی متعدد محبتیں جن کا ابھی ذکر ہوا ہے، ان سب کے دنیاوی نتائج کا احساس ہر انسان کو اس کے شعور و وجدان کے ذریعے بخوبی ہو رہا ہے، اور وہ اپنے اس احساس، اندازے اور تجربے کے ساتھ اپنے اس شعور و احساس پر استدلال کر سکتا ہے اور اُس کے بارے میں یقین حاصل کر سکتا ہے۔

اور جہاں تک تعلق ان محبتوں کے اخروی نتائج کا، تو انہیں ''رسالۂ حشر'' یا ''دسویں مقالے'' میں بیان کی گئی ''بارہ حقیقتوں'' میں اور ''رسالۃ الملائکۃ'' یا ''انتیسویں مقالے'' میں بیان کی گئی ''چھ بنیادوں'' میں پوری وضاحت اور قطعی انداز کے ساتھ ثابت کر دیا گیا ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے ان کی تفصیل کا، تو وہ قرآنِ کریم سے قطعی طور پر ثابت ہے، قرآن کریم جو کہ خدائے عزیز

Marfat.com

وعلاّم کا صادق ترین کلام اور بلیغ ترین نظام ہے۔اس کلام کی واضح آیات کی صراحتوں، علامتوں، رمزوں اور اشاروں میں اس حقیقت کے ثبوت بکھرے پڑے ہیں... اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ اس باب میں زیادہ لمبے دلائل و براہین دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ چیز بھی علم میں رہے کہ اس مضمون کے بہت زیادہ دلائل ہم اپنی کتاب ''مقالات'' میں بیشتر مقامات پر اور خاص کر ''اٹھائیسویں مقالے'' میں پیش کر چکے ہیں۔

پہلا اشارہ:

مشروع محبت جو کہ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری سے آراستہ پیراستہ ہے، جیسے اس دنیا میں لذیذ کھانے اور خوشگوار پھل فروٹ وغیرہ، یہ وہی کھانے اور پھل فروٹ ہیں جو جنت میں ملیں گے، اس فرق کے ساتھ کہ ان کا معیار جنت کے حساب سے ہوگا... جیسے کہ قرآن پاک اس کی وضاحت کرتا ہے۔ان کے ساتھ محبت جنت کے پھلوں کے شوق، ان کی چاہت اور ان کی بھوک کے لیے ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ پھل جو تم دنیا میں کھاتے ہو اور اس پر ''الحمد للہ'' کہتے ہو، یہ ''الحمد للہ'' جنت میں اس کے خصوصی پھل کی شکل اختیار کر جاتا ہے جو وہاں تمہیں جنت کی پاکیزہ نعمتوں کے ہمراہ پیش کیا جائے گا۔ مطلب یہ کہ تم یہاں پھل کھاتے ہو اور وہاں ''الحمد للہ'' جنت کے پھل کا روپ دھار جاتا ہے اور یہاں تم کھانے اور پھل وغیرہ کھاتے ہوئے انہیں اللہ کی نعمتیں اور اس کے الطاف ہائے کریمانہ سمجھ کر ان کا معنوی (زبان سے بولے بغیر) شکر ادا کرتے ہو، تو وہاں جنت میں تمہیں لذیذ کھانے اور خوشگوار شیریں پھل دیے جائیں گے۔ جیسے کہ یہ چیز حدیث شریف سے اور قرآن کریم کے اشاروں سے ثابت ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور بے پایاں رحمت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

دوسرا اشارہ:

اس دنیا میں نفس کے ساتھ شرعی محبت یعنی ایسی محبت جس میں اس نفس کو خوبیوں کی بجائے اس کی کمیوں، کوتاہیوں پر نظر رکھی جائے، اسے کمال تک پہنچانے، اس کا تزکیہ کرنے، شفقت و رأفت کے ساتھ اس کا خیال رکھنے اور اسے بھلائی کے راستے پر رواں دواں رکھنے کی کوشش کی جائے؛ نفس کے ساتھ ایسی محبت اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خاص عطا کا نتیجہ یہ ہے کہ نفس کے ساتھ اس قسم کی مثبت محبت ملی ہے۔اور باری تعالیٰ اپنی یہ نوازش ان لوگوں پر کرتا ہے، جو اس کے محبوب بندے ہیں اور اس محبت کے اور جنت کے اہل ہیں۔تو وہ نفس جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی خواہشات و شہوات و رغبات چھوڑ دیتا ہے اور اپنی گوناگوں صلاحیتوں کو بہتر سے بہتر طریقے سے استعمال کرتا ہے، باری تعالیٰ اُسے اس جائز، مشروع اور عبودیت سے مزین محبت پر بہترین اجر اس طرح دے گا کہ اسے حورانِ جنت عطا کرے گا، جو جنت کی ہزاروں زینتوں سے مزین ستر قسم کے رنگا رنگ جوڑوں میں ملبوس اٹکھیلیاں کر رہی ہوں گی! حوریں جو کہ حسن و جمال کی ستر اقسام سے آراستہ ہوں گی، حتیٰ کہ وہ ایسے روپ میں خود روح اور زندگی سے بھرپور ایک چھوٹی سی مجسم

Marfat.com

جنت محسوس ہورہی ہوں گی۔ یہ اجر اس لیے تاکہ اس روح کی آنکھ ٹھنڈی ہوجائے جس نے خود کو اطاعت میں ڈھالے رکھا۔اور وہ احساسات سکون پائیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے آگے سراپا اطمینان بنے رہے............ یہ نتیجہ ایسا حتمی اور یقینی ہے کہ کسی قسم کا شک یا تردد اس میں راہ نہیں پاسکتا ہے؛ کیونکہ آیات کریمہ اس کی یقینی طور پر صراحت کرتی ہیں۔

پھر اس دنیا میں جو تم جوانی کے ساتھ محبت رکھتے ہو، یعنی جوانی کی قوت اور تروتازگی کو عبادت اور تقویٰ میں صرف کرتے ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس دارالبقاء اور سرمدی نعمت خانے میں تمہیں دائمی، ابدی اور ہمیشہ تروتازہ رہنے والی جوانی سے نوازا جائے گا۔

## تیسرا اشارہ:

بیوی جس کے ساتھ تمہاری محبت کی بنیاد اس کے حسن کردار، خوبصورت عادت اور لطافت بھری شفقت پر استوار ہو، اور جو کردار اسے بدتمیزی، نافرمانی اور اس جیسی دیگر غلطیوں اور گناہوں سے بچاتا ہے، اس محبت کا اخروی نتیجہ مندرجہ ذیل ہوگا:

اس نیک بیوی کو جنت میں تمہاری محبت کرنے والی محبوبہ، سچی دوست اور مونس و غمخوار بنا دیا جائے گا۔ اس کا حسن و جمال حوروں سے بھی زیادہ دلکش، اس کی زیب و زینت ان سے زیادہ درخشاں اور اس کی خوبصورتی ان کی خوبصورتی سے کہیں زیادہ دلربا ہوگی... اپنے خاوند کے ساتھ بات چیت کرے گی... اس رحیم مطلق نے اسی طرح کا وعدہ کیا ہوا ہے، اور اس نے اگر وعدہ کیا ہے تو ضرور پورا کرے گا۔

## چوتھا اشارہ:

والدین اور اولاد سے محبت کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ رحمان و رحیم ایسے سعادت مند اور خوش نصیب خاندان کے ساتھ یہ احسان کرے گا کہ جنت میں ان کے درجات میں تفاوت کے باوجود انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات، میل جول، ہم نشینی اور باہم گفتگو کا موقع عنایت کرے گا۔ اور یہ سب کچھ جنت کے مقام و مرتبے کے حساب سے ہوگا، جیسے کہ قرآن کریم سے یہ بات بطور نص ثابت ہے۔ اور ان والدین پر یہ نعمت ارزانی کرے گا کہ انہیں ان بچوں کے ساتھ پیار کرنے اور ان کے ساتھ ہنسی خوشی کھیلنے کا موقع دے گا جو کم سنی میں وفات پا گئے تھے، اور انہیں خوبصورت ترین اور محبوب ترین بچوں کے روپ میں ولدانٌ مُخلّدون یعنی ہمیشہ رہنے والے بچے بنا دے گا۔ اور یوں بچوں کے ساتھ پیار محبت اور کھیل کود کے اس فطری جذبے کی تسکین ہوگی جو کہ انسان کے دل میں رکھ دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ لوگ جنت میں لازوال خوشی اور دائمی ذوق سے بہرہ ور رہیں گے۔ کیونکہ ان کے چھوٹے بچوں کو جنت میں اس بچپنے کی عمر کے حساب سے ہی لافانی کر دیا جائے

Marfat.com

گا۔ یہ گمان بھی کیا جاتا ہے کہ جنت میں بچوں کے ساتھ پیار محبت یا دل لگی جیسی کوئی بات نہیں ہوگی؛ کیونکہ جنت میں ولادت کا عمل نہیں ہوگا۔ اس لیے چھوٹے بچے بھی نہیں ہوں گے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں کیونکہ دنیا میں پائی جانے والی ہر خوشی اور ہر لذت جنت میں بہترین اور افضل ترین شکل میں موجود ہے، اس لیے بچوں کے ساتھ پیار محبت اور دل لگی بھی وہاں بہترین اور خوبصورت ترین شکل میں لازماً موجود ہوگی... اس لیے خوشخبری ہے ان والدین کے لیے جن کے بچے اس دنیا میں بلوغت کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہوگئے!

## پانچواں اشارہ:

حُب فی اللہ یعنی اللہ کی محبت میں نیک دوستوں اور عزیز واقارب کے ساتھ محبت کا نتیجہ قرآن کریم کے مطابق یہ ہوگا کہ تم جنت میں چارپائیوں پر ایک دوسرے کے بالمقابل یعنی آمنے سامنے بیٹھ کر مانوسیت کی فضا میں آپس میں خوش گپیاں کرو گے اور دنیا میں بیتے ہوئے دنوں کی یادیں تازہ کرو گے اور اس طرح کی مجلسوں اور باہمی گفتگو سے اپنا وقت بہترین انداز سے گزارو گے!

## چھٹا اشارہ:

اور جہاں تک انبیائے کرام اور اولیائے صالحین کے ساتھ محبت کے نتیجے کا تعلق ہے، تو وہ ــــ قرآن کریم کی وضاحت کی رو سے ــــ یہ ہے کہ تم عالم برزخ اور حشر اعظم میں صرف یہ نہیں کہ ان کی شفارش سے حظ اٹھاؤ گے بلکہ اس محبت کی طفیل ان کے شایان شان بلند درجات ومراتب کے فیوض وبرکات سے بھی نہال ہو جاؤ گے۔

جی ہاں! حدیث شریف اس چیز کا واضح لفظوں میں اثبات کرتی ہے کہ ''انسان اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ اس نے محبت کی''۔ ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان بلند مقام لوگوں سے محبت کر کے، ان کے ساتھ گہرا رشتہ قائم کر کے، ان کی طرف اپنی نسبت کر کے اور ان کی اتباع کر کے اعلیٰ مراتب اور بلند مقامات حاصل کر سکتا ہے۔

## ساتواں اشارہ:

اور یہ جو تم خوبصورت اشیاء اور موسم بہار کے ساتھ محبت رکھتے ہو، یعنی تم ان چیزوں کو اس زاویہ نظر سے دیکھتے ہو کہ ''ان کی تخلیق کتنی خوبصورت ہے!''، اور پھر اپنی محبت کا رخ براہ راست اس خوبصورت چیز کی طرف نہیں بلکہ اس خوبصورت کارکردگی اور حسن انتظام کی طرف رکھتے ہو جو اس کے پیچھے کارفرما ہے، اور اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کے اس حسن وجمال کو دیکھتے ہو جو ان منظم، منسق اور مرتب اعمال کے پس پردہ کام کر رہا ہے، اور صفات جلیلہ کی ان تجلیات کو دیکھتے ہو جو ان

Marfat.com

اسمائے حسنیٰ کے پیچھے جگمگا رہی ہیں... اور اسی طرح... بے شک اس مشروع محبت کا نتیجہ یہ ہے:

جس جمال کا مشاہدہ تم ان مصنوعات میں کرتے ہو، اس سے ہزاروں درجے اونچے جمال کا مشاہدہ کرو گے، یعنی اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ جلیلہ کے حسن و جمال کا وہ مشاہدہ کرو گے جو جنت اور دارالبقاء کے شایان شان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسماء وصفات کی تجلیاں بہشت میں ہزاروں گنا بڑھ جائیں گی۔ اس حقیقت کے بارے میں امام ربانی نے فرمایا ہے: جنت میں لطیف اشیاء اسمائے حسنیٰ کی ہو بہو نقل ہیں۔ خدارا اس میں غور کرو!

## آٹھواں اشارہ:

رہی تمہاری اس دنیا کے ساتھ جائز اور مشروع محبت، یعنی یہ کہ تم اس دنیا کے ساتھ اس طرح سے محبت کرو کہ اس کے مندرجہ ذیل دو پہلوؤں میں غور فکر کرتے رہو:

ا۔ یہ کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

ب۔ دوسرا یہ کہ یہ اسمائے حسنیٰ کی تجلیات کو منعکس کرنے والا آئینہ ہے۔ اگر ایسا کرو گے تو اس کا اخروی نتیجہ یہ ہوگا کہ:

تمہیں عنقریب اس جنت سے نوازا جائے گا جو اس تمام کائنات جیسی وسیع و عریض ہوگی، اس فرق کے ساتھ کہ وہ اس دنیا کی طرح زوال پذیر نہیں ہوگی بلکہ دائمی اور ابدی ہوگی۔ اور اس جنت کے آئینوں میں اسمائے حسنیٰ کی تجلیات اپنی تابندہ اور رخشندہ ترین صورت میں جلوہ گر ہوں گی، وہ تجلیات جن کے ظہور کا کمزور سا نمونہ تم اس دنیا میں دیکھ چکے ہو۔

پھر اس دنیا کے ساتھ اس پہلو سے محبت کرنا کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے، یعنی اس دنیا کو یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ ایک چھوٹی سی کیاری ہے تاکہ اس میں بیج بو کر ان کی آبپاشی کی جائے تاکہ وہ پھوٹ پڑیں اور پروان چڑھیں، لیکن ان کے خوشے اور پھل وہاں آخرت میں نمایاں ہوں۔ اس پہلو سے اس کا نتیجہ:

دنیا جیسی وسیع و عریض جنت کے ثمرات ہیں، اس میں تمام انسانی حواس و مشاعر جو اس دنیا میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی طرح چھوٹے اور کمزور ہیں، وسعت پکڑ جائیں گے اور نشو ونما پا کر مکمل ہو جائیں گے اور تمام فطری استعدادوں اور قابلیتوں کے بیج ہر قسم کے لذائذ و کمالات کو دامن میں لیے بار آور ہو جائیں گے... یہ نتیجہ اس کی وسیع رحمت اور مطلق حکمت کے تقاضے کی رو سے ثابت شدہ ہے۔ اور اسی طرح یہ نتیجہ حدیث کے واضح الفاظ اور قرآن کریم کے ارشادات سے ثابت ہوتا ہے۔

تمہاری اس دنیا سے محبت چونکہ اس مذموم پہلو سے نہیں ہے جو ہر غلطی کا سرچشمہ ہے، بلکہ یہ وہ محبت ہے جس کا رخ اس کے دوسرے دو پہلوؤں یعنی اسمائے حسنیٰ اور آخرت کی طرف ہے اور ان دو پہلوؤں کی خاطر تم نے دنیا کے ساتھ محبت

Marfat.com

کا رشتہ استوار کر رکھا ہے۔ اور ان دونوں پہلوؤں کو عبادت کی نیت سے نصب العین قرار دے رکھا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے کہ تم اپنی تمام دنیا سمیت عبادت میں مصروف ہو چکے ہو... اس لیے یہ ضروری ٹھہرا کہ اس محبت سے حاصل ہونے والا ثواب اللہ کی رحمت اور اس کی حکمت کے تقاضے کی رو سے تمام دنیا سے زیادہ وسیع ہوگا۔

پھر اس محبت کے وسیلے سے تم نے آخرت کی محبت اور اللہ کی محبت حاصل کی ہے اور اس دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو منعکس کرنے والا آئینہ جانا ہے... اس لیے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس محبت کے ذریعے تم ایسا محبوب حاصل کر لو گے جو کہ اس تمام دنیا سے زیادہ وسیع ہوگا، اور وہ ہے جنت جس کا طول وعرض زمین وآسمان کے برابر ہے۔

سوال: جنت کے دنیا کی طرح وسیع ہونے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: اگر تمہارے لئے خیال کی تیزی کے ساتھ زمین کے تمام کونوں میں پھر جانا اور آسمان کے اکثر ستاروں کی سیر کر آنا ممکن ہوتا تو تم یہ بات ضرور کہتے کہ: یہ کون ومکاں تمام کا تمام میرا اپنا ہی ہے، اور پھر تمہارے اس فیصلے میں اس وسیع کائنات میں بسنے والے فرشتے اور دوسرے انسان اور حیوانات وغیرہ تمہارے ساتھ کسی قسم کی مزاحمت نہ کرتے۔ اسی طرح تمہارے لیے یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ: یہ جنت میری ہے۔ حتیٰ کہ اگرچہ اس میں اربوں کے حساب سے لوگ رہ رہے ہوں!

ہم نے اپنی کتاب "رسالۃ الجنۃ" یعنی "اٹھائیسویں مقالے" میں اس حدیث کا مفہوم بیان کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ کچھ اہل جنت کو ایسی جنت عطا کرے گا جس کا طول وعرض پانچ سو سال کی مسافت ہوگی۔ اسی طرح اس مضمون کی وضاحت ہم نے "رسالۃ الاخلاص" میں بھی کر دی ہے۔

## نواں اشارہ:

اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس سے محبت کا نتیجہ یہ ہے:

اللہ تعالیٰ کے مقدس جمال اور پاکیزہ کمال کا جلوہ نصیب ہوگا جیسے کہ یہ بات صحیح حدیث۔

اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اس رؤیت کی صرف ایک گھڑی جنت کی نعمتوں سے ہزار ہزار سال کی لطف اندوزی کے برابر ہوگی۔

اور وہ نعمتیں نصیب ہوں گی وہ نعمتیں جن کی ایک گھڑی دنیا کی خوشگوار زندگی پر ہزاروں سال فوقیت رکھتی ہوگی۔ جیسے کہ اہل علم وکشف کے بالاتفاق یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

انسان کی فطرت میں اس جمالِ مقدس اور کمالِ منزّہ کو دیکھنے کا جوشوق اور ولولہ پایا جاتا ہے، اور اس جمال وکمال کے

Marfat.com

دیدار سے آنکھیں ٹھنڈی کرنے کی جو خواہش، رغبت، تڑپ اور آرزو اس کے دل میں موجزن ہے، اس کا اندازہ تم اس مثال سے بخوبی لگا سکتے ہو:

ہر انسان فطری طور پر اپنے دل میں یہ شدید خواہش رکھتا ہے کہ وہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کا دیدار کرے جنہیں ایک طرح کا کمال عطا کیا گیا تھا، اور یہ کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا دیدار کرے جنہیں ایک طرح کے ''جمال'' سے نوازا گیا تھا، تو کیا خیال ہے کہ انسان کے دل میں اُس مقدس جمال اور منزہ کمال کو دیکھنے کی کتنی تڑپ، خواہش اور امنگ ہوگی؟ وہ جمال جس کی نعمتیں اور جس کے محاسن وکمالات دنیا کے تمام محاسن اور تمام کمالات سے بے حد وحساب درجہ زیادہ ہیں...

اے اللہ! ہمیں دنیا میں اپنی محبت اور اس چیز کی محبت عطا کر جو ہمیں تیرے قریب کر دے، اور ہمیں وہ راہِ استقامت عطا کر جس پر قائم رہنے کا تو حکم دیتا ہے، اور آخرت میں اپنی رحمت اور اپنے دیدار سے سرفراز فرما۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا فِی الدُّنْیَا حُبَّکَ وَحُبَّ مَا یُقَرِّبُنَا اِلَیْکَ وَالْاِسْتِقَامَۃَ کَمَا أَمَرْتَ. وَ فِی الآخِرَۃِ رَحْمَتَکَ وَ رُؤْیَتَکَ.

﴿سُبْحَانَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ أَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ﴾

''اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مَنْ اَرْسَلْتَہُ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ أَجْمَعِیْنَ. آمین

## تنبیہ

اس مقالے کے اختتام میں وارد ہونے والی تفصیلات کو طویل شمار نہ کیا جائے بلکہ ان کی اہمیت کو دیکھا جائے تو یہ بالکل مختصر سی ہیں، جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ انہیں تفصیل سے پیش کیا جاتا۔

اور ان تمام ''مقالات'' میں متکلم میں نہیں بلکہ وہ حقیقت ہے جو ''قرآنی اشارات'' کے ساتھ کارِ سخن گوئی ادا کر رہی ہے۔ اور حقیقت ہمیشہ حق کہتی اور سچ بولتی ہے۔

لہٰذا، اگر تمہیں کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو یقین کر لینا کہ میری فکر نے میری بے خبری میں غلطی کھائی ہے اور بحث کو خلط ملط کر دیا ہے۔

Marfat.com

# مناجات

پروردگار! اگر کسی آدمی کے لیے کسی عظیم الشان محل کا دروازہ نہ کھولا جائے تو وہ دروازہ کسی ایسے آدمی کی آواز میں کھٹکھٹانا شروع کر دیتا ہے جو دربان کے لیے مانوس اور دربار میں مقبول ہو۔

پس میں ضعیف اور بے نوا مسکین بھی تیری رحمت کے دروازے کو تیرے محبوب بندے اویس قرنی ؒ کی التماس و مناجات کے ساتھ کھٹکھٹا رہا ہوں۔

پس اے بارِالٰہ! اپنی رحمت کا یہ دروازہ میرے لیے بھی اسی طرح کھول دے جس طرح اس کے لیے کھول دیا تھا۔ پس میں اُنہی کی طرح کہتا ہوں:

اِلٰھِی اَنْتَ رَبِّی وَاَنَا الْعَبْدُ — وَاَنْتَ الْخَالِقُ وَاَنَا الْمَخْلُوْقُ
وَاَنْتَ الرَّازِقُ وَاَنَا الْمَرْزُوْقُ — وَاَنْتَ الْمَالِکُ وَاَنَا الْمَمْلُوْکُ
وَاَنْتَ الْعَزِیْزُ وَاَنَا الذَّلِیْلُ — وَاَنْتَ الْغَنِیُّ وَاَنَا الْفَقِیْرُ
وَاَنْتَ الْحَیُّ وَاَنَا الْمَیِّتُ — وَاَنْتَ الْبَاقِیُ وَاَنَا الْفَانِیُ
وَاَنْتَ الْکَرِیْمُ وَاَنَا اللَّئِیْمُ — وَاَنْتَ الْمُحْسِنُ وَاَنَا الْمُسِیْءُ
وَاَنْتَ الْغَفُوْرُ وَاَنَا الْمُذْنِبُ — وَاَنْتَ الْعَظِیْمُ وَاَنَا الْحَقِیْرُ
وَاَنْتَ الْقَوِیُّ وَاَنَا الضَّعِیْفُ — وَاَنْتَ الْمُعْطِیُ وَاَنَا السَّائِلُ
وَاَنْتَ الْاَمِیْنُ وَاَنَا الْخَائِفُ — وَاَنْتَ الْجَوَّادُ وَاَنَا الْمِسْکِیْنُ
وَاَنْتَ الْمُجِیْبُ وَاَنَا الدَّاعِیُ — وَاَنْتَ الشَّافِیُ وَاَنَا الْمَرِیْضُ

فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَتَجَاوَزْ عَنِّیْ وَاشْفِ اَمْرَاضِیْ یَا اَللّٰہُ یَا کَافِیْ یَا رَبِّ یَا وَافِیْ یَا رَحِیْمُ یَا شَافِیْ یَا کَرِیْمُ یَا مُعَافِیْ. فَاعْفُ عَنِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَ عَافِنِیْ مِنْ کُلِّ دَاءٍ وَارْضَ عَنِّیْ اَبَدًا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

﴿وَآخِرُ دَعْوَاھُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾

Marfat.com

# تینتیسواں مقالہ

## دریچے

### (اس میں تینتیس دریچے ہیں)

نوٹ: یہ تینتیسواں مقالہ ایک دوسری جہت سے "تینتیسواں مکتوب" بھی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۝ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ (حاشیہ:۱)

سوال: ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان دو جامع قسم کی آیات میں پائے جانے والے ان دلائل کی مجمل اور مختصر سی وضاحت کر دیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے، اس کی وحدانیت اور اُس کے ربانی شئون واحوال واوصاف پر دلالت کرتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اُن دلائل کا تعلق عالمِ اصغر یعنی انسان کے ساتھ ہو یا عالمِ اکبر یعنی کائنات کے ساتھ؛ کیونکہ منکرین حد سے بڑھ گئے ہیں اور وہ کہتے ہیں "ہم کب تک ہاتھ اُٹھا کر دعائیں مانگتے رہیں گے اور ﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ کا ورد کرتے رہیں گے"؟۔

الجواب: ان تینتیس مقالہ جات میں جو حقائق بیان کیے گئے ہیں وہ سب کے سب تینتیس قطرے ہیں جو کہ اس آیت کے سمندر کے فیض سے گرے ہیں، ان میں اگر غور سے دیکھو گے تو تمہیں اپنے سوال کا جواب مل سکتا ہے۔ لیکن اس مقام پر ہم اس بے پایاں سمندر کے صرف ایک قطرے کے چند چھینٹوں کی طرف اشارہ کریں گے اور بطورِ تمہید ایک مثال کا سہارا لیں گے:

کوئی معجزانہ قدرت رکھنے والا آدمی اگر ایک عظیم الشان محل تعمیر کرنے کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے وہ پوری حکمت اور نظم وضبط کے ساتھ اس کی بنیادیں رکھے گا، اور اس کی ترتیب ایسے طریقے سے رکھے گا جو کہ مستقبل میں اُن نتائج و مقاصد کے ساتھ ہم آہنگ ہو جن کو سامنے رکھ کر اس کی تعمیر کی گئی ہے، پھر وہ پوری مہارت کے ساتھ اُس کو مختلف منزلوں میں اور مختلف حصوں میں تقسیم کرے گا، پھر اُن منزلوں کو منظّم اور مرتّب کرے گا، پھر انہیں نقوش ونگار کے ساتھ مزیّن کرے گا، پھر انہیں بجلی کے چراغوں سے روشن کرے گا، پھر ہر منزل میں تجدیدِ احسان اور اظہارِ مہارت کے لیے آئے دن نئی نئی تبدیلیاں لاتا رہے گا، پرانی چیزوں کی جگہ نئی چیزیں سجائے گا اور ان کی جگہیں بھی تبدیل کرتا رہے گا، پھر تمام محل کے

---

(حاشیہ:۱) فصلت:53

Marfat.com

ساتھ رابطے میں رہنے کے لیے اپنی نشست گاہ سے ہر کمرے میں خصوصی ٹیلیفون کا انتظام کر کے ایسی کھڑکیاں کھول دیتا ہے، جن سے اس کے مقام کا نظارہ ہوتا رہے۔

بعینہ اسی طرح _وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی_ صانعِ ذُوالجلال، حاکمِ حکیم، عدلِ حکم، ایک ہزار ایک اسمائے قدسیہ کا مسمّٰی فاطرِ بے مثال نے جب تخلیق کے اس درخت کو اور عالمِ اکبر کے اس محل کو ایجاد کرنے کا ارادہ فرمایا، تو اُس نے اس محل اور درخت کی بنیادیں چھ دن میں اپنی ہمہ گیر حکمت کے اصولوں اور اپنے ازلی علم کے قوانین کے ساتھ رکھیں۔ پھر اسے بالائی اور زیریں طبقوں اور شعبوں میں تقسیم کیا، قضا و قدر کے اصول و قوانین کی روشنی میں اس کی تقسیم اور صورت گری کی، پھر مخلوقات کے ہر گروہ اور ہر طبقے کو صنعت اور عنایت کے دستور کے ساتھ منظم کیا اور پھر ہر چیز اور ہر عالم کو اس کے شایانِ شان طریقے کے ساتھ آراستہ پیراستہ کیا۔ مثال کے طور پر آسمان کو ستاروں کے ساتھ اور زمین کو پھولوں کے ساتھ مزین کیا؛ پھر ان کلی قوانین اور عمومی دساتیر کے میدانوں کو اپنے اسماءِ حسنیٰ کی تجلیات سے منور کیا، پھر ان لوگوں کی اپنے "الرحمنُ الرحیم" جیسے اسماء کے ساتھ دستگیری کی جو ان ہمہ گیر قوانین و دساتیر کے دباؤ سے فریاد کُناں ہوئے۔ تو گویا کہ اُس نے اپنے ان کلی اور عمومی قوانین و دساتیر کے مابین خصوصی احسانات، خصوصی فریادرسیاں اور خصوصی جلوہ گریاں بھی رکھی ہوئی ہیں جن سے ہر چیز ہر دور میں مدد مانگتی ہے اور ہر وقت اپنی ہر ضرورت میں اُس کی طرف رجوع کر سکتی ہے۔ پھر اُس نے ہر منزل سے، ہر طبقے سے، ہر عالم سے، ہر گروہ سے، ہر فرد سے اور ہر شے سے ایسی کھڑکیاں کھول دیں جو کہ اس کا درشن کراتی ہیں، یعنی اس کے وجود کی نشاندہی کرتی اور اُس کی وحدانیت و یکتائی کا اعلان کرتی ہیں۔ اور اس نے ہر قلب کے باطن میں رابطے کے لیے ایک ٹیلیفون نصب کر دیا ہے۔

یہاں ہم ان بے حد وحساب دریچوں اور کھڑکیوں کے بارے میں بحث کرتے ہوئے اپنی حد سے بڑھ کر گہرائی میں نہیں اُتریں گے بلکہ انہیں خدائے تعالیٰ کے علمِ محیط کے سُپرد کریں گے اور مجمل اور مختصر طریقے سے ان میں سے صرف اُن تینتیس دریچوں کی طرف اشارہ کریں گے جو کہ قرآنی آیات کی کرنوں سے جگمگا رہے ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ ان کی تعداد نماز کے بعد پڑھی جانے والی بابرکت تسبیحات کے، اور "تینتیس مقالے" اور "تینتیسویں مکتوب" کی تعداد کے مطابق ہو جائے۔ رہیں ان کی تفصیلات، تو وہ دیگر تمام مقالات میں جابجا موجود ہیں۔

## پہلا دریچہ

یہ بات ہمارے مشاہدے میں ہے کہ تمام مخلوقات اور خاص کر ذی حیات کی بے حد وحساب حاجات وضروریات "قِسم قِسم کے" کے بے شمار مطالبات ہیں، اور ان کے مطالبات اور حاجات وضروریات انہیں بالکل مناسب وقت پر اس طرح سے اور ایسی جگہ سے فراہم ہو جاتے ہیں جو کہ اُن کے علم، گمان اور پہنچ سے بھی باہر ہے، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ ان

Marfat.com

حاجتمندوں کی قدرت ان میں سے ادنیٰ ترین حاجت تک نہیں پہنچ سکتی اوران کے ہاتھ کمترین ضرورت کی کمترین چیز کو حاصل کر لینے سے قاصر ہیں چہ جائیکہ بے حد وحساب مقاصد ومطالب تک پہنچ سکیں۔ چاہتے ہو تو اپنی ذات کی طرف دیکھ لو، یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی کہ کتنی ہی ایسی چیزیں ہیں جو تمہاری پہنچ سے باہر ہیں، جیسے تمہارے ظاہری و باطنی حواس اوران کے لوازمات۔ پس تمام ذی حیات کو خود اپنی ذات پر قیاس کرلو۔ اِن میں غور وفکر کرنے سے پتا چل جائے گا کہ یہ تمام چیزیں ایک ایک کر کے واجبُ الوجود کے وجود پر گواہی اور اس کی وحدت کا اشارہ دے رہی ہیں اوران کی یہ مجموعی حالت اور کیفیت عقل کو اس چیز کی رہنمائی دیتی ہیں کہ پردۂ غیب کے پیچھے ایک ذات موجود ہے جو واجب، واحد اور احد ہے اور جو آخری درجے کی ''الکریم، الرحیم، المربی اور المدبر ہے، اور عقل کی یہ رہنمائی اتنی واضح ہے جیسے نورِ خورشید خود خورشید پر دلالت کرتا ہے اور تو اے منکر، جاہل، فاسق اور غافل! اب تُو بتا کہ ان حکیمانہ، بصیرانہ اور رحیمانہ اعمال وافعال کی تفسیر کے بارے میں کیا کہے گا؟ کیا یہ کہے گا کہ یہ سب بہری طبیعت یا نیچر، اندھی قوت اور اُوندھے شبِ کور اتفاق کا کرشمہ ہے یا عاجز اور جامد اسباب کا؟۔

## دوسرا دریچہ

اشیاء اپنے وجود اور تشخصات کے ضمن میں بے انتہا امکانات کی زد میں متردّد، متحیر اور بغیر شکل وصورت کے تھیں۔ لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے انہیں چہروں میں پائے جانے والے غایت درجے کے منظم اور پُر حکمت تشخصات اور خط وخال عطا کر دیے گئے تھے، مثال کے طور پر ہر انسان کے اس چھوٹے سے چہرے میں ایسی علاماتِ فارقہ پائی جاتی ہیں جو اُس کے ابنائے جنس میں سے کسی کے ساتھ نہیں ملتی ہیں، اور یہ چہرہ ظاہری اور باطنی حواس کے ساتھ باکمال طریقے سے تیار کیا جاتا ہے، چنانچہ یہ چہرہ اس جہت سے یہ چیز ثابت کرتا ہے کہ وہ احدیت کا ایک غایت درجے کا جگمگاتا ہوا سِکّہ ہے۔ پس ہر چہرہ ایک صانع کے وجود کی گواہی دے رہا ہے اور سینکڑوں جہتوں سے اس کی وحدت کی طرف اشارہ کر رہا ہے، اور یہ بھی کہ وہ سِکّہ کہ جس کا اظہار یہ تمام چہرے اپنی مجموعی ہیئت سے کر رہے ہیں وہ عقل کی آنکھ کو یہ چیز دکھا رہا ہے کہ وہ تمام اشیاء کے خالق کی خصوصی مہر ہے۔

تو اے انکار کرنے والے! یہ بتا کہ یہ سکّے کہ جن کی کسی بھی جہت سے نقل نہیں ہو سکتی ہے، اور ان سب کی مجموعی صورت میں جو تابناک صمدیت جلوہ گر ہے، انہیں کن آلات وادوات اور کس کارخانے کا کرشمہ قرار دے گا؟۔

## تیسرا دریچہ

روئے زمین پر حیوانات ونباتات کے چار لاکھ مختلف گروہوں کی فوج کو وجود دینا (حاشیہ:۱) مشاہدے کے مطابق کمال

(حاشیہ:۱) حتیٰ کہ ان میں سے کچھ گروہ تو ایسے ہیں کہ ان میں سے صرف ایک ہی قسم کے افراد کی تعداد صرف ایک ہی سال میں زمانہ آدم سے لے کر قیامت تک آنے والے تمام انسانی افراد سے بڑھ جاتی ہے۔۔۔ مؤلف۔

Marfat.com

میزان وانتظام کے ساتھ ہر ایک کو اُن کے ساتھ مناسبت رکھنے والے رزق فراہم کرنا، ان کی شکل وصورت متعین کرنا، ان کے اسلحے کا انتظام کرنا، ان کی مشقیں کرانا اور انہیں سُبک دوش کرنا، یہ سب اس طرح کرنا کہ کوئی بھی چیز بھولے نہیں اور ان میں سے کوئی بھی نظر انداز نہ ہونے پائے۔ یہ چیز اس واحدُ الاحد کا سورج کی طرح روشن ایسا سِکّہ ہے جو کسی بھی شبہے سے بالا ہے۔

پس کون ہے جو اس غیر معمولی اور معجزانہ ادارے میں کسی قسم کی مداخلت کر سکے، سوائے اس صاحبِ قدرت مالک کے کہ جس کی قدرت کی کوئی حد نہیں، جس کے علم کا کوئی کنارہ نہیں اور جس کی حکمت کی کوئی انتہا نہیں؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ان انواع واقسام کی ملی جلی مخلوقات اور باہمدیگر پیوستہ اُمتوں کی آنِ واحد میں اور یکبارگی ادارت اور تربیت سے عاجز ہوگا، اُن میں سے کسی بھی ایک کو براہ راست پیدا کرنے سے کُلی طور پر عاجز ہوگا؛ کیونکہ اگر کسی کی ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی معمولی سی بھی مداخلت ثابت ہوگئی تو پھر یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ اس کی مداخلت سب میں قطعی طور پر موجود ہے اور نقص وقصور سامنے آجائے گا، جبکہ فرمان گرامی ﴿فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ هَلۡ تَرٰى مِنۡ فُطُوۡرٍ﴾ بتاتا ہے کہ نقص و قصور چونکہ نہیں ہے اس لیے ایک انگلی کی بھی مداخلت نہیں ہے۔

## چوتھا دریچہ

اُن تمام دعاؤں کا شرفِ قبولیت پانا جو تمام بیجوں کی طرف سے اُن کی زبانِ استعداد کے ساتھ، تمام حیوانات کی طرف سے فطری احتیاج کے ساتھ اور تمام آشفتہ ومضطرب لوگوں کی طرف سے زبانِ اضطرار کے ساتھ ہو رہی ہیں۔ مشاہدے کے مطابق ان بے انتہا دعاؤں کا برملا جواب پانا اور قبول ہونا، یہ سب کچھ واجبُ الوجود پر اور اُس کی وحدت پر دلالت کرتا ہے اور ان دونوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جیسے کہ اِن کی مجموعی صورت بداہتاً ایک خالق، رحیم، کریم اور مجیب ذات کی طرف اشارہ کرتی ہے اور وسیع ترین پیمانے میں آنکھوں کو اس کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

## پانچواں دریچہ

ہم دیکھتے ہیں کہ اشیاء_ اور خاص کر جاندار اشیاء_ وجود میں بُسرعت اور ناگہانی طور پر آتی ہیں۔ جبکہ ہونا یہ چاہیے کہ ایک سادہ اور بسیط مادے سے آناً فاناً ترکیب پانے والی اشیاء انتہائی سادہ، بے شکل، بے ہنگم، ناہموار اور کسی بھی فنکارانہ کاریگری سے خالی ہوں، جبکہ صورت حال یہ ہے کہ یہ عمدہ صنعتگری کا خوبصورت نمونہ ہیں! حالانکہ اس طرح کی صنعتگری کے لیے بہت زیادہ اور غیر معمولی قسم کی مہارت درکار ہے۔ پھر یہ کہ یہ ایسے انتہائی دلکش اور دقیق نقوش ونگار کا شاہکار ہیں جنہیں بروئے کار لانے کے لیے ایک زمانہ درکار ہے۔ پھر یہ فنکاری کے ایسے عجیب وغریب نمونوں سے مزین ہیں جن کی زیبائش وآرائش کے لیے بہت سے آلات اور مواد کی ضرورت ہے۔ پس فی الفور اور ناگہانی صورت میں وجود پانے والی یہ

Marfat.com

خارقِ عادت مصنوعات، اور خوبصورت بینات۔ ان میں سے ہر چیز ایک صاحب حکمت کارساز کے واجبُ الوجود ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس کی ربوبیت کی وحدت اور یگانگت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور ان کی مجموعی شکل وصورت ایک انتہائی غایت درجے کے تابناک پہلو سے ایک انتہائی درجے کے قدیر اور انتہائی درجے کے حکیم وجود پر دلالت کرتی ہے جس کا ہونا بہر کیف واجب اور ضروری ہے۔

اور اب تُو اے مدہوش منکرِ خدا! اس چیز کی تفسیر ووضاحت کس طرح سے کرے گا؟ اسے اپنے جیسی مدہوش، ناداں اور عاجز نیچر کی طرف منسوب کرے گا؟ یا پھر بے حد وحساب غلطیوں کا ارتکاب کر کے اس صانعِ مقدّس کو "طبیعت" یا "نیچر" کا نام دے گا اور یوں اُس مقدّس کارساز کی قدرت کے معجزات نیچر کی گردن میں آویزاں کر دے گا؟ اور اس طرح اپنی اس جاہلانہ حرکت سے بیک وقت ہزار درجے کے محال کا ارتکاب کر بیٹھے گا؟۔

## چھٹا دریچہ

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِقَوۡمٍ یَعۡقِلُوۡنَ﴾ (حاشیہ:۱)

یہ آیت اللہ کی ہستی کے واجب ہونے پر اور اس کی وحدت پر دلالت کر رہی ہے، اور ساتھ ہی یہ ایک بہت بڑی کھڑکی ہے جو اسمِ اعظم کا درشن کرا رہی ہے۔ اس کے خلاصے کا بھی خلاصہ یہ ہے کہ:

کائنات کے علوی اور سفلی تمام طبقات میں پائے جانے والے تمام جہان مختلف زبانوں کے ساتھ ایک ہی نتیجے یعنی ایک صانع کی ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں۔

اور وہ اس طرح ہے کہ:

جس طرح آسمانوں میں انتہائی منظم قسم کی حرکات جاری ہیں، یہ بڑے عظیم الشان نتائج کو ظہور میں لانے کے لیے ہیں_ حتی کہ فلکیات کو بھی اس بات کا اعتراف ہے_ یہ حرکات ایک قدیرِ ذوالجلال ہستی کے وجود کا، اُس کی وحدانیت کا اور اس کے کمالِ ربوبیت کا نظارہ کراتی ہیں۔ اسی طرح زمین میں رُونما ہونے والے یہ جو منظم قسم کے تحولات وتغیرات، جیسا کہ موسموں کی آمد ورفت میں نظر آتا ہے۔ یہ بھی بڑی مصلحتوں پر مشتمل ہیں_ حتی کہ علمِ جغرافیہ کو بھی اس بات کا اعتراف واقرار ہے_ اور بعینہٖ اس قدیرِ ذوالجلال کے واجبُ الوجود ہونا اور اس کی وحدت اور کمالِ ربوبیت کا دیدار کراتی ہیں۔

اور جس طرح بر وبحر میں تمام حیوانات کو کمال رحمت کے ساتھ اُن کا رزق فراہم کیا جاتا ہے اور انہیں کمال حکمت کے

(حاشیہ:۱) البقرۃ:164

Marfat.com

ساتھ مختلف شکلیں پہنائی جاتی ہیں اور کمال ربوبیت کے ساتھ مختلف حواس سے آراستہ کیا جاتا ہے، یہ تمام حیوانات ایک ایک کر کے بار بار اس قدیرِ ذوالجلال کے واجب الوجود ہونے کی گواہی دے کر، اس کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ ساتھ مجموعی طور پر انتہائی وسیع پیمانے پر اُس کی عظمتِ اُلوہیت اور اس کے کمالِ ربوبیت کو دکھاتی ہیں۔ اسی طرح باغوں اور کشت زاروں میں پائی جانے والی یہ منظم نباتات، اُن پر کھلنے والے یہ خوبصورت اور آراستہ پیراستہ پھول، اور ان پھولوں سے برآمد ہونے والے یہ موزوں پھل اور ان پھلوں پر نمایاں ہونے والے یہ دیدہ زیب اور دلفریب نقش و نگار، یہ سب فرداً فرداً اُس صانع الحکیم کے وجوب کی گواہی دیتے ہیں اور اس کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اِس کے ساتھ ساتھ مجموعی طور پر انتہائی تابناک صورت میں اس کی رحمت کے جمال اور اس کی ربوبیت کے کمال کا درشن کراتے ہیں۔

پھر جس طرح قطرے جو کہ فضائے آسمان میں پھیلے بادلوں سے گرتے ہیں اور جن کے ذمے بڑی اہم حکمتیں، مقاصد، منافع اور ضروری فوائد لگائے گئے ہیں، یہ بھی اُس صانع الحکیم کے واجبُ الوجود ہونے کو اور اس کی وحدانیت اور کمالِ ربوبیت کو دکھاتے ہیں۔

پھر اسی طرح زمین پر پائے جانے والے یہ فلک بوس پہاڑوں کے سلسلے اور ان کے بطن میں پائے جانے والے یہ معدنیات کے ذخیرے جو کہ متعدد خواص کے حامل اور مختلف مصلحتوں پر مشتمل ہیں، ان فلک بوس پہاڑوں جیسی قوت کے حساب سے اُس صانع الحکیم کے واجبُ الوجود ہونے اور اس کی وحدت اور کمالِ ربوبیت کو دکھاتے ہیں۔

پھر جس طرح صحراؤں، پہاڑوں اور ٹیلوں کا انواع واقسام کے دیدہ زیب منظم طریقے سے کھلنے والے پھولوں کے ساتھ مزیّن ہونا، ان میں سے ہر ایک انفرادی طور پر ایک صانع حکیم ہستی کے واجب ہونے کی گواہی دیتے اور اس کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور ساتھ ساتھ مجموعی طور پر اس کی سلطنت کی شان و شوکت اور ربوبیت کے کمال کو دکھاتے ہیں۔ اسی طرح پتوں کی متنوع اور منظم اشکال، اُن کے مختلف اوضاع و اطوار اور اَشجار و نباتات میں اُن کی دلکش، جاذبِ نظر اور موزوں ترین حرکات بھی ان پتوں کی تعداد کے برابر اُس صانع الحکیم کے واجبی وجود اور اس کی وحدانیت اور کمال ربوبیت کو دکھاتے ہیں۔

پھر جس طرح تمام اجسام نامیہ میں نشو و نما پاتے وقت ان کا منظم حرکات سے، اور مختلف آلات سے آراستہ ہونا اور شعوری طور پر مختلف پھلوں کی طرف متوجہ ہونا، اِن میں سے ہر ایک انفرادی طور پر اُس صانع الحکیم کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے، اور یہ سب چیزیں اس کی قدرت کی ہمہ گیری، اس کی حکمت کے شمول، اس کی صنعتگری کے حسن و جمال اور اس کی ربوبیت کے کمال کو دکھاتی ہیں۔

اسی طرح تمام حیوانی جسموں میں کمال حکمت کے ساتھ نفس و رُوح کو ودیعت کر دینا، اور کمال انتظام کے ساتھ انہیں

Marfat.com

متنوع آلات ولوازمات کے ساتھ مسلح کر دینا، اور کمال حکمت کے ساتھ انہیں متنوع وظائف وخدمات پر مامور کر دینا، یہ سب بھی ان جانداروں بلکہ ان کے آلات ولوازمات کی تعداد کے برابر اُس صانع الحکیم کے واجبُ الوجود ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور اُس کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور اپنی مجموعی ہیئت کے ساتھ انتہائی تابندہ ودرخشندہ صورت میں اس کے جمال رحمت اور کمالِ ربوبیت کو دکھاتے ہیں۔

پھر جس طرح وہ تمام غیبی الہامات جو کہ تمام انسانی قلوب کو تمام علوم وحقائق کے علم دیتے ہیں، اور حیوانات کو اُن کی تمام حاجات وضروریات کا ادراک دیتے ہیں، وہ بھی ایک مہربان پروردگار کے وجود کا شعور دیتے اور اس کی ربوبیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اسی طرح ان تمام ظاہری اور باطنی حواس میں سے ہر ایک کا کسی نہ کسی جہانِ دیگر کی کلید بن جانا _ بالکل ان چشمی شعاعوں کی طرح جو کہ کائنات کے اس گلستان سے آنکھوں کے لیے معنوی پھول چنتی ہیں _ یہ چیز بھی سورج کی طرح اُس صانع الحکیم، فاطرُ العلیم، خالقُ الرحیم اور رزّاقُ الکریم کے واجبُ الوجود ہونے اور اس کی وحدت، اُحدیت اور کمالِ ربوبیت کو دکھاتی ہیں۔

پس یہ جو بارہ پہلو اور مذکورہ بارہ دریچے ہیں، اِن میں سے ہر ایک سے ایک عظیم الشان کھڑکی کھلتی ہے جو کہ بارہ رنگوں پر مشتمل ایک حقیقت کی روشنی کے ساتھ حق تعالیٰ کی احدیّت، اُس کی وحدانیت اور اس کے کمالِ ربوبیت کا دیدار کراتی ہے۔

پس اے بدبخت منکر! تُو اس زمین کے دائرے کے برابر، بلکہ اس کے سالانہ مدار کے برابر اس وسیع کھڑکی کو بند کیونکر کر سکے گا؟ اور سورج جیسے روشن ودرخشاں اس نور کے سرچشمے کو کیونکر بجھا سکے گا؟ اور اسے غفلت کے کس پردے کے پیچھے چھپا سکے گا؟

## ساتواں دریچہ

جس طرح کائنات میں پھیلی ہوئی ان تمام مصنوعات میں پایا جانے والا یہ کمال کا نظم وضبط، توازن، زیب وزینت، حسن وجمال، سہولتِ ایجاد، ان سب کی باہمد گر مشابہت اور ان سب کی ایک ہی فطرت کے اظہار میں ہم آہنگی۔ یہ سب چیزیں انتہائی وسیع پیمانے پر ایک صانع الحکیم کے واجبُ الوجود ہونے، اس کے کمال قدرت اور اس کی وحدت کا دیدار کراتی ہیں۔

اِسی طرح بسیط اور جامد عناصر سے نظم وضبط میں بندھے ہوئے گوناگوں اور بے حد وحساب مرکبات کو معرض وجود میں لانا، مرکبات کی تعداد کے برابر اُس صانع الحکیم کے واجبُ الوجود ہونے کی گواہی دے کر اُس کی وحدت کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی مجموعی ہیئت کی صورت میں انتہائی تابناک پہلو کے ساتھ اس کے کمالِ قدرت اور وحدت کو آشکار کرتا ہے۔

اسی طرح تحلیل وترکیب کے ذریعے _ کہ جسے ترکیبُ الموجودات بھی کہا جاتا ہے _ موجودات کا تجدّد پذیری اور نئی

Marfat.com

نئی صورتوں میں جلوہ گر ہوتے وقت اختلاط وامتزاج کے باوجود ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ اور امتیازی شکل وصورت میں نظر آنا واضح طور پر اس حکیمِ مطلق، علیمِ مطلق اور قدیرِ مطلق ہستی کے واجبُ الوجود ہونے کو اور اس کے کمالِ قدرت اور وحدت کو آشکار کرتا ہے، مثال کے طور پر:

اختلاط وآمیزش کے باوجود بیجوں اور جڑوں کا مٹی کے اندر واضح طور پر ایک دوسرے سے جُدا جُدا اور امتیازی خصوصیات کا حامل رہنا، ان کی بالیوں کا مخلوط ہونے کے باوجود متفرق رہنا، درختوں کے اندر پائے جانے والے باہم مخلط مواد کا متفرق طور پر پتوں، پھولوں اور پھلوں کی صورت میں تقسیم ہونا، اور بدن کے خلیوں میں جانے والے اور اُن میں کمال حکمت اور دقیق میزان سے تقسیم ہو جانے والے غذائی مواد کا امتزاج واختلاط کے باوجود آخری درجے تک ایک دوسرے سے متمیز رہنا بھی اُس حکیمِ مطلق، علیمِ مطلق اور قدیرِ مطلق کے واجبُ الوجود ہونے اور اس کے کمالِ قدرت اور وحدت کو آشکار کرتا ہے۔

پھر ان جامد، عاجز اور جاہل ''ذرّات'' کو انتہائی انتظام، شعور، قدرت اور حکمت کے ساتھ اہم ترین ذمہ داریاں سونپ دینا اور عالمِ ذرّات کو ایک وسیع وعریض غیر محدود کشتِ زار کی طرح بنا دینا کہ جس میں لحہ بہ لحہ کمال حکمت کے ساتھ پے در پے نو بنو جہاں بوئے جاتے اور کاٹے جاتے ہیں۔ یہ سب کے سب اُس قدیر ذُوالجلال اور صانعِ ذُوالکمال کے واجبُ الوجود ہونے اور اس کے کمالِ قدرت، عظمتِ ربوبیت اور اس کی وحدت اور کمالِ ربوبیت کو دکھاتے ہیں۔

اور یوں ان چار راستوں سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی جانب ایک عظیم الشان دریچہ کُھل جاتا ہے جو کہ عقل کو وسیع پیمانے پر اُس صانع الحکیم کے وجود کا دیدار کراتا ہے۔

اور اب تو اے غافل بدبخت! اب بھی تُو اگر اسے دیکھنا نہیں چاہتا اور اس کی پہچان نہیں کرنا چاہتا ہے تو پھر اپنی عقل کو خیر باد کہہ دے اور حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتا رہ۔

## آٹھواں دریچہ

نوعِ بشر کے مابین روشن روحوں کے مالک تمام انبیاء علیہم السلام کی اپنے ظاہر و درخشاں معجزات پر اعتماد کرتے ہوئے، تمام روشن دل لوگوں کے پاکباز اقطاب اولیاء کرام کی اپنے کشف وکرامات پر اعتماد کرتے ہوئے اور تمام نورانی عقلوں کے مالک برگزیدہ اَصفیاء کی اپنی تحقیقات پر اعتماد کرتے ہوئے ایک واحد أحد، واجب الوجود، خالق کل شیء ہونے پر، اس کی وحدت پر اور اس کے کمال ربوبیت پر گواہیاں دینا ایک ایسا وسیع وعریض اور درخشاں دریچہ ہے جو کہ ربوبیّت کے اِس مقامِ بلند کا نظارہ کرانے کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

پس اے مسکین وسرگرداں منکر! کس پر بھروسا ہوا ان لوگوں کی بات پر کان نہیں دھرتا ہے؟ لگتا ہے کہ تو روشن دن میں

Marfat.com

اپنی آنکھیں بند کر کے سمجھ رہا ہے کہ دنیا پر رات چھا گئی ہے!۔

## نواں دریچہ

کائنات میں پائی جانے والی عمومی عبادت بداہتاً ایک معبودِ مطلق کو آشکار کرتی ہے۔

جی ہاں! وہ عمومی عبادت جو کہ فرشتے اور روحانی لوگ سراپا اطاعت ہو کر سرانجام دیتے ہیں، اور جو کہ عالمِ ارواح اور عالمِ باطن کی طرف چلے جانے والے اور وہاں فرشتوں اور روحانیوں کے اجتماع کرنے والے فاضل لوگوں کی ثابت شدہ گواہیوں کے ذریعے ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اور حسبِ مشاہدہ تمام ذی حیات کا کمال انتظام کے ساتھ عبودیت کے طور پر اپنے وظیفہءِ حیات کو ادا کرتے جانا۔ اور تمام عناصر جیسے تمام جمادات کا_ حسبِ مشاہدہ_ کمال اطاعت کے ساتھ عبودیت کی صورت میں اپنی خدمات سرانجام دیتے جانا بھی ایک ایسے وجود کے واجب ہونے پر اور اس کی وحدت پر دلالت کرتا ہے جو کہ معبود بالحق ہے۔

اسی طرح تمام اہلِ معرفت کے حقیقی معارف، تمام اہلِ شکر کی بارآور شکر گزاریاں، تمام اہلِ ذکر کے فیض بھرے اذکار، تمام اہلِ حمد کی نعمتوں میں اضافہ کرنے والی حمدیں ستائشیں، تمام اہلِ توحید کے دلیل و برہان پر مشتمل توحیدی زمزمے، تمام محبوں کی محبت اور عشقِ حقیقی، تمام اہلِ ارادت کی سچی ارادتیں اور رغبتیں، اور تمام اہلِ انابت کی خالص انابتیں، آرزوئیں اور خواھشیں، یہ سب لوگ جن میں سے ہر جماعت اجماع اور تواتر کی قوت کا حامل ہے، یہ سب اُس معبودِ ازلی کے واجبُ الوجود ہونے پر دلالت کرتے ہیں جو کہ معروف ہے، مذکور ہے، مشکور ہے، محمود ہے، واحد ہے، محبوب ہے، مرغوب ہے اور مقصود ہے۔ اور اسی طرح یہ اس کے کمال ربوبیت پر اور اس کی وحدت پر بھی دلالت کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ تمام مقبول عبادتیں اور ان مقبول عبادات کے نتیجے میں کامل افراد کے ہاں حاصل ہونے والے فیوضات، مناجات اور مشاہدات وکشفیات اس موجودِ لَم یَزَلْ اور معبودِ لا یَزال پر اور اس کی وحدت اور کمالِ ربوبیت کو آشکار کرتے ہیں اور ان تین جہتوں سے وحدانیت کی طرف ایک بڑا روشن اور وسیع دریچہ کھل جاتا ہے۔

## دسواں دریچہ

﴿وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقاً لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهَارَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (حاشیہ:۱)

اس کائنات میں موجودات کا آپس میں باہمی تعاون، باہم گرگفت وشنید اور جوابدہی، امدادِ باہمی اور پشتیبانی۔ اس

---

(۱) ابراہیم:34-32

Marfat.com

بات کی دلیل ہے کہ تمام مخلوقات ایک ہی مربی کی تربیت میں، ایک ہی مدبّر کی اِدارت میں، ایک ہی متصرف کے تصرّف میں ہیں اور ایک ہی آقا کی خدمتگار ہیں؛ کیونکہ اس باہمدگر معاون بے شعور جامد موجودات کے مابین پایا جانے والا باہمی ''تعاون'' کا یہ دستور جو کہ جانداروں کے لیے بحکمِ خدا لوازمِ حیات کو پکانے والے سورج اور ہمیں وقت بتانے والے اور ہمارا کیلنڈر بنانے والے چاند سے لے کر تمام ذی حیات کو امداد دینے کے لیے روشنی ہوا پانی اور غذا کا جلدی سے آنا، حیوانات کی امداد کے لیے نباتات کا جلدی سے آنا، لوگوں کی امداد کے لیے حیوانات کے درمیان مسابقت، حتیٰ کہ اعضائے بدن کی ایک دوسرے کے تعاون کے لیے جلدی سے آنا، اور حتیٰ کہ خلیّاتِ بدن کی امداد کے لیے غذا کے ذرّات کے درمیان جلدی آنے تک۔ یہ چیز قطعی طور پر بداہتاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ سب چیزیں واجبُ الوجود، واحدُ الاحد، فردُ الصمد، وحیدُ الفرید، قدیرِ مطلق، علیمِ مطلق، رحیمِ مطلق اور کریمِ مطلق ذات کی خدّام اور اس کی مامورات و مصنوعات ہیں۔

پس اے مفلس فلسفی اب اس عظیمُ الشان دریچے کے بارے میں تو کیا کہے گا اور کیا تمہارا یہ اتفاق اس دریچے پر اثر انداز ہو سکے گا؟

## گیارہواں دریچہ

﴿اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (حاشیہ:۱)

تمام قلوب و اَرواح کا گمراہی سے جنم لینے والی آشفتگیوں، بے چینیوں اور بے قراریوں سے اور ان بے چینیوں سے پیدا ہونے والے معنوی آلام سے نجات پانا صرف ایک خالق کی معرفت کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔ اور یہ قلوب و ارواح ان سے صرف اسی صورت میں نجات پا سکتے ہیں جبکہ تمام موجودات کی نسبت ایک صانع اور کارساز کی طرف کر دیں۔ اور صرف اللہ وحدہ کے ذکر سے مطمئن ہو سکتے ہیں؛ کیونکہ ان بے حد و حساب موجودات کی نسبت اگر ایک اکیلی ذات کی طرف نہ کی جائے تو اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ ہر انفرادی چیز کو بے حد و حساب اسباب کی طرف منسوب کیا جائے۔ اور یوں اِس صورت میں ایک چیز کو وجود میں لانا ایسے ہی مشکل اور دشوار ہوگا جیسے کہ تمام موجودات کو۔ جیسے کہ یہ بات ''بائیسویں مقالے'' میں ثابت کی جا چکی ہے کہ:

تخلیق و ایجاد کی نسبت اگر اللہ وحدہ کی طرف کی جائے تو بے حد و حساب اشیاء کی نسبت ایک ذاتِ واحد کی طرف ہو جائے گی، اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر ہر انفرادی چیز کی نسبت بے حد و حساب اسباب کی طرف کرنا لازم ہو جائے گی، اور تب اس صورت میں صرف ایک پھل تمام کائنات کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ مشکلیں کھڑی کر دے گا، بطور مثال اگر ایک سپاہی کو سو مختلف آدمیوں کے زیرِ انتظام دیا جائے تو یہ کام سو مشکلیں پیدا کر دے گا، لیکن اگر ایک سو افراد کو ایک کمانڈر

(۲) الرعد:28

Marfat.com

کے سپرد کر دیا جائے تو معاملہ ایسے ہی آسان ہوگا جیسے کہ فردِ واحد کا ہو! اسی طرح بہت سے مختلف اسباب کا کسی ایک چیز کو ایجاد کرنے پر متفق ہو جانا سو گنا مشکل ہوگا، جبکہ بہت سی اشیاء کی ایجاد اگر ایک ذاتِ واحد کے سپرد کر دی جائے تو سو گنا آسان ہو جائے گی۔

چنانچہ انسان کی سرشت و ماہیت میں پائی جانے والی طلب و تلاشِ حقیقت کی وجہ سے جو اُسے بے انتہا قلق و اضطراب لاحق ہوتا ہے اس سے اُسے ایک ہی چیز بچا سکتی ہے، اور وہ ہے توحیدِ خالق اور معرفتِ الٰہیہ۔ کفر و شرک میں چونکہ بے انتہا مشاکل و اضطرابات ہیں اس لیے بلا شک وشبہ یہ راستہ بالکل بے حقیقت اور محال ہے۔ جبکہ دوسری طرف توحید سہولت ہی سہولت اور آسانی ہی آسانی ہے جو کہ اشیاء کی تخلیق میں سہولت، کثرت، اور حسنِ صنعت کے عین مناسب ہے، اس لیے بلا شک وشبہ یہ راستہ واجب اور حقیقت ہے۔

پس اے اہلِ ضلالت! اے بد بخت! ذرا غور کر کہ گمراہی کا راستہ کتنا تاریک اور المناک ہے! تجھے اس راستے میں چلنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے؟ اور غور کر کہ ایمان و توحید کا راستہ کتنا آسان اور راحت بخش ہے؟ پس اس راستے میں چلتا جا اور نجات پا جا۔

## بارھواں دریچہ

بلا شبہ ہر چیز کو پوری حکمت کے ساتھ ایک ایسی منظم مقدار اور انوکھی صورت عطا کر دینا کہ گویا وہ کسی مظبوط پُر حکمت سانچے سے نکلی ہے۔ پھر اُس صورت میں اور اُس مقدار میں ٹیڑھی ترچھی لکیروں کا پایا جانا جو کہ بہت سے مصالح و فوائد پر مشتمل ہیں۔

پھر عمومی اشیاء میں اور خصوصی طور پر جاندار مصنوعات میں اُن تمام اشیاء کی مقداروں کو اور اُن کے اُن ملبوسات کو _ جو انہوں نے اپنی مدتِ حیات میں تبدیل کیے ہیں _ حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل زندگی سے بھرپور منصوبوں سے مرکب ایک منظم معنوی صورت اور معنوی مقدار کا وجود عطا کر دینا فرمانِ گرامی ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ٥ الَّذِي خَلَقَ فَسَوّٰى ٥ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدٰى﴾ (حاشیہ:۱) کی رُو سے بداھتاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ غیر محدود مصنوعات جن کی صورتیں اور مقداریں قدیر ذوالجلال اور حکیم ذوالکمال کی تقدیر کے دائرے میں ترتیب دی گئی ہیں اور جن کا وجود انہیں اس کی قدرت کی فیکٹری میں عطا کیا گیا ہے۔ یہ تمام چیزیں غیر محدود زبانوں کے ساتھ اُس ذات کے وجود کے واجب ہونے پر اور اُس کی وحدت اور کمالِ قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔

پس تو اپنے جسم کو دیکھ، اپنے اعضاء کو دیکھ اور ان دونوں میں پائے جانے والے خم دار مقامات کے فوائد و ثمرات کو نگاہ میں رکھ۔ اور کمالِ حکمت میں پائی جانے والی کمالِ قدرت پر غور کر۔

---

(حاشیہ:۱) الاعلیٰ: 1-3

Marfat.com

## تیرہواں دریچہ

اللہ تعالیٰ کے فرمان گرامی: ﴿وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے ہر چیز اپنی مخصوص زبان کے ساتھ اپنے خالق کا ذکر کرتی ہے اور اس کی پاکیزگی بیان کرتی ہے۔ جی ہاں! بے شک وہ تسبیحات جو تمام مخلوقات اپنی زبانِ حال اور زبان مقال کے ساتھ کرتی ہیں وہ ایک واحد مقدّس ذات پر دلالت کرتی ہیں۔ جی ہاں، بے شک فطرت کی گواہی ردّ نہیں کی جاسکتی اور خاص کر کے اُس وقت جب اس گواہی کا سرچشمہ دلالۃ الحال ہو اور وہ بہت سی جہتوں سے وارد ہوئی ہو، ایسی گواہی یقیناً سچی اور کسی بھی شک وشبہ سے پاک ہوتی ہے۔

اب دیکھو کہ یہ موجودات جو کہ غیر محدود فطری گواہیوں پر مشتمل ہیں، اور جو زبانِ حال کے ساتھ بہت سے پہلوؤں میں دلالت کرتے ہیں اور جو کہ متداخل (حاشیہ:۱) دائروں کی طرح ایک ہی مرکز کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں؛ ان سب کی منظم صورتوں میں سے ہر صورت ایک زبان ہے، اور ان کی موزوں ہیئتوں میں سے ہر ہیئت ایک زبانِ شہادت ہے، اور ان سب کی مکمل زندگیوں میں سے ہر زندگی ایک زبانِ تسبیح ہے۔

تو اِن تمام زبانوں کے ساتھ بالکل واضح صورت میں یہ تسبیحات وتحیات اور ان کی ایک اکیلی مقدّس ذات پر گواہی، ایک واجبُ الوجود ذاتِ واحد پر اور اس کے کمالِ اُلوہیت پر ایسے ہی دلالت کرتی ہیں جیسے کہ روشنی سورج پر۔ جیسے کہ ''چوبیسویں مقالے'' میں قطعی طریقے سے ثابت کیا گیا ہے۔

## چودہواں دریچہ

بے شک ہر چیز اپنے ہر کام میں اور اپنی ہر حالت میں ایک واحد ذُوالجلال خالق کی محتاج ہے، جیسے کہ آیاتِ کریمہ: ﴿قُلْ مَنْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ۔ وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُہٗ ۔ اور مَامِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ آخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ﴾ میں پائے جانے والے راز سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔

جی ہاں! ہم کائنات میں پائی جانے والی موجودات میں غور کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ مطلق ضعف میں مطلق قدرت کے مظاہر پائے جاتے ہیں، اور مطلق عجز میں مطلق قدرت کے آثار ملتے ہیں، مثال کے طور پر وہ خارقِ عادت حالات جن کا اظہار نباتات کے بیج اور جڑیں اس وقت کرتی ہیں جب اُن میں زندگی کی گرہ انگڑائی لیتی اور نشوونما پاتی ہے۔ اور اسی طرح ہمیں فقرِ مطلق اور خشکی میں غنائے مطلق کے مظاہر نظر آتے ہیں، جیسے کہ موسم سرما میں مٹی اور درختوں کا فقر وناداری کی حالت میں نظر آنا اور موسم بہار میں اُن کا جگمگ کرتی ہریالی وزرخیزی سے مالا مال ہو جانا۔

اسی طرح مُطلق جمود کی گہرائیوں میں ہمیں مطلق حیات کے چھینٹے نظر آتے ہیں، جیسے کہ جامد عناصر کا زندگی بھرے

---

(حاشیہ:۱) ایک دوسرے میں گھسے ہوئے دائرے۔

Marfat.com

مواد میں منقلب ہو جانا۔ اِسی طرح جہلِ مطلق میں ہمیں ہمہ گیر شعور کے مظاہر ملتے ہیں، جیسے کہ ذرّات سے لے کر کواکب تک ہر چیز کا متحرک ہونا اور اپنی ان حرکات کے دوران ایسے شعوری اوضاع واطوار میں رہنا جو کہ نظام ہائے عالم، مصالح حیات اور مطالبِ حکمت کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں۔

پس اِس جز میں پائی جانے والی قُدرت
ضعف میں پائی جانے والی قوّت
فقر میں پائی جانے والی ثروت وغِنا
اور جمود وجہل میں پائی جانے والی حیات اور شعور۔

یہ سب مظاہر اپنی مجموعی ہیئت کے ساتھ بداہتاً اور ضرورتاً ایک واجبُ الوجود ہستی اور قدیرِ مطلق، قویِ مطلق، غنیِ مطلق، علیمِ مطلق اور حیِّ قیوم ذات کی وحدانیت کے بالمقابل ہر جانب کئی دریچے کھول دیتے ہیں اور بہت بڑے پیمانے پر ایک روشن راستہ نمایاں کر دیتے ہیں۔

پس اے نیچر کی کیچڑ میں گرے ہوئے غافل انسان! اگر تو نیچر کا دامن جھٹک کر قدرتِ الٰہیہ کی پہچان نہ کر سکا تو پھر ہر شے کے لیے بے حد وحساب قوت وقدرت اور بے انتہا حکمت ومہارت کو تسلیم کرنا لازم ہو جائے گا، بلکہ ہر ذرّے اور ہر وجود کے لیے ہر چیز میں ایسا اقتدار ماننا پڑے گا جو اِن اشیاء کا علم رکھتا ہو اور ان میں تصرّف کناں ہو۔

## پندرھواں دریچہ

بے شک ہر چیز کی اُس کے قد وقامت کی ماہیت کے حساب سے بہترین ساخت پرداخت اور تراش خراش کی گئی ہے: اور اس چیز میں ﴿الَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهُ﴾ میں پائے جانے والے راز کی رو سے کمال میزان، انتظام اور حسن صنعت کے ذریعے ترتیب کو مدِّ نظر رکھا گیا ہے۔ اور اُسے وجود بخشا گیا، خوبصورت ترین صورت عطا کی گئی اور انتہائی مضبوط اور حکیمانہ طریقے سے اُسے لباسِ وجود پہنایا گیا، اور آسان ترین شکل میں، قریب ترین راستے سے اس صورت کو اس کے مناسب لباس پہنایا گیا۔

بطور مثال آپ پرندوں کو سامنے رکھ لیں، ان کے لباس کو سامنے دیکھیں اور دیکھیں کہ کس طرح وہ ہمہ وقت اپنے پروں کو انتہائی سہولت کے ساتھ حرکت دیتے اور استعمال میں رکھتے ہیں۔ یہ چیز یقیناً ان اشیاء کی تعداد کے برابر ایک پر حکمت صانع وکارساز کے واجبُ الوجود ہونے پر دلالت کرتی اور ایک مطلق قدیر وعلیم ہستی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

## سولھواں دریچہ

سطحِ زمیں پر موسم بموسم نت نئی مخلوقات کی ایجاد وتدبیر کے یہ جو انتظامات اور حسنِ تدبیر کے کرشمے نظر آتے ہیں، یہ

Marfat.com

بالبداہت ایک حکمتِ عامہ کو دکھاتے ہیں، اور وہ حکمتِ عامہ ضرورتاً ایک صاحبِ حکمت ہستی پر دلالت کرتی ہے؛ کیونکہ صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوسکتی۔ اور اس حکمت کے پردے میں انواع واقسام کی یہ غیر معمولی تزیین و آرائش بداہتاً ایک مکمل عنایت واہتمام پر دلالت کرتی ہے اور یہ مکمل عنایت واہتمام ضرورتاً ایک صاحب عنایت خالقِ کریم پر دلالت کرتا ہے۔

عنایت کے اس پردے میں پائی جانے والی ہمہ گیر انواع واقسام کی لطافتیں، احسانات اور جمال آرائیاں بداہتاً ایک بیکراں رحمت پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ بیکراں رحمت ضرورتاً ایک رحمان ورحیم ذات پر دلالت کرتی ہے۔

پھر رزق کے محتاج تمام ذی حیات کو اِس رحمت کے پردے کے اُوپر سے ایک کامل ومکمل اور ان کے مناسب حال طریقے سے ان کا رزق فراہم کرنا بداہتاً ایک نشوونما دینے والی اور تربیت بھری رزاقیت اور شفقت بھری ربوبیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ تربیت اور اِدارت ضرورتاً ایک رزّاقِ کریم ہستی پر دلالت کرتی ہے۔

جی ہاں! زمین پر پائی جانے والی تمام مخلوقات کا کمال حکمت کے ساتھ تربیت اور نشوونما کیا جانا، کمال عنایت کے ساتھ آرائش وزیبائش کیا جانا، کمال رحمت کے ساتھ لطف وکرم اور کمال شفقت کے ساتھ وسائل حیات سے بہرہ اندوز کیا جانا، یہ تمام مخلوقات فرداً فرداً ایک صانع حکیم، کریم، رحیم، رزّاق کے واجبُ الوجود ہونے کی گواہی دے رہی ہیں اور اس کی وحدانیت کی طرف اشارہ کررہی ہیں۔

اب مجموعی سطحِ زمین پر جو عمومی حکمت ظہور پذیر ہے، اور جو بداہتاً قصد وارادہ پر دلالت کررہی ہے۔

اور اس پر جو مکمل عنایت پائی جاتی ہے جو کہ حکمت اور عمومی مصنوعات پر مشتمل ہے۔

اور اس پر جو وسیع رحمت پائی جاتی ہے جو کہ عنایت اور حکمت اور زمین پر پائی جانے والی عمومی موجودات پر مشتمل ہے۔

اور اس پر جو تمام ذی حیات کو رزق اور گذر بسر کا سامان فراہم کیا جاتا ہے جو کہ رحمت حکمت اور عنایت پر مشتمل ہے۔

ان تمام مظاہر پر بیک وقت ایک مجموعی نظر ڈالو تو نظر آئے گا کہ جس طرح سات رنگ روشنی کی تشکیل کرتے ہیں، اور جس طرح سطحِ زمین کو روشن کرنے والی یہ روشنی بلاشبہ سورج کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اِسی طرح یہ حکمت اور اس میں پائی جانے والی عنایت اور اس عنایت میں پائی جانے والی رحمت اور اس رحمت میں پائی جانے والی رزق اور سامانِ زندگی کی فراہمی۔ یہ سب کچھ مجموعی طور پر بہت بڑے پیمانے پر، اعلیٰ درجے میں اور تابناک پہلو سے ایک آخری درجے کی حکیم، کریم، رحیم اور رزّاق ہستی کے واجبُ الوجود ہونے اور اس کے کمالِ ربوبیت پر دلالت کرتا ہے۔

تو اب اے مدہوش اور غافل منکر! یہ بتا کہ تو اس حکیمانہ، کریمانہ، رحیمانہ اور رزّاقانہ تربیت اور اس عجیب وغریب، غیر معمولی معجزانہ کیفیت کی وضاحت کس طرح کرسکے گا اور اسے کس چیز کا کرشمہ قرار دے سکے گا؟ اپنے جیسے مدہوش اتفاقات کا؟ اپنے دل جیسی اندھی قوّت کا؟ اپنی کھوپڑی جیسی بہری نیچر کا؟ یا پھر اپنے جیسے جاہل اسباب کا؟ یا پھر تو اس انتہائی

Marfat.com

درجے کی مقدّس منزّہ، مبرّا، معلّی اور قدیر، علیم، سمیع اور بصیر ذوالجلال ہستی کو عاجز، جاہل انتہائی درجے کی گونگی، بہری، اندھی ممکن اور مسکین نیچر کے نام سے موسوم کرنا چاہتا ہے؟ اور ایسا کر کے انتہائی درجے کی فاش غلطی کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے؟ اور تو اس سورج جیسی درخشاں حقیقت کے چراغ کو کس قوّت کے بل پر بجھا سکے گا؟ اور اسے غفلت کے کس حجاب کے نیچے چھپا سکے گا؟۔

## سترہواں دریچہ

﴿اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (حاشیہ:۱)

جب موسمِ گرما میں سطحِ زمین پر غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ:

اشیاء کی ایجاد میں مطلق جود وسخا جلوہ گر ہے۔ اور سخاوت اور دریا دلی انارکی کا تقاضا کرتی اور بدنظمی، بے قائدگی اور ناہمواری کا سبب بنتی ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ انتہائی قسم کے نظم و انتظام اور باقائدگی میں چل رہی ہیں! روئے زمین کو زینت بخشنے والی تمام نباتات کا مشاہدہ کرو یہ حقیقت تمہیں واضح طور پر نظر آجائے گی۔

اور ہم دیکھتے ہیں کہ اشیاء کی ایجاد میں مُطلق سرعت جلوہ گر ہے، اور سرعت یا جلد بازی کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں بدصورتی اور ناہمواری، ناموزونیت اور آشفتگی پائی جائے، جبکہ یہ انتہائی ہموار اور موزوں نظر آتی ہیں۔ روئے زمیں کو آراستہ کرنے والے تمام پھلوں پر نظر ڈالو یہ حقیقت آشکار نظر آئے گی۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ایجادِ اشیاء میں ایک بے قید قسم کی کثرت وفراوانی پائی جاتی ہے، اور کثرت وفراوانی، خست، حقارت بلکہ قباحت کا تقاضا کرتی ہے، لیکن اِس کے باوجود ان میں حسنِ صنعت اور پختہ فن کاری کے جاذبِ نظر جلوے نظر آرہے ہیں۔ روئے زمین کو زرّیں لباس پہنانے والے پھولوں کو دیکھ لو، اس دعوے کی تصدیق ہو جائے گی۔

پھر ایجادِ اشیاء میں مطلق سہولت کارفرما نظر آتی ہے، اور سہولت اور آسانی کا تقاضا یہ ہے کہ اشیاء سیدھی سادھی اور غیر پختہ صنعت ومہارت کی حامل ہوں، جبکہ اس صنعت ومہارت واہتمام کے اندر یہ انتہائی درجے کی سہولت اور آسانی نمایاں طور پر جھلک رہی ہے۔ اور اس چیز کا مشاہدہ تُم۔ ذرا دقیق نظری سے کام لے کر۔ سطحِ زمیں پر پائے جانے والے اشجار و نباتات ان بیجوں، گٹھلیوں اور تخموں میں کر سکتے ہو جو اشجار و نباتات کے ان صندوقچوں اور ڈبوں کا حکم رکھتے ہیں جن میں اُن کی نشوونما کے پروگرام اور ان کی سوانحِ حیات کا ساز وسامان پایا جاتا ہے۔

پھر ہم مطلق مسافتوں اور باہم گر دُوریوں میں مطلق اتفاق کا مشاہدہ کرتے ہیں، حالانکہ یہ مسافتیں اور دُوریاں اختلاف وتغایر کی مقتضی ہیں۔ اِس چیز کا مشاہدہ تم اُن انواع واقسام کے بیجوں میں کر سکتے ہو جو زمین کے مختلف علاقوں میں بوئے جاتے ہیں۔

---

(حاشیہ:۱) ''یقیناً آسمانوں اور زمین میں مومنوں کے لیے نشانیاں ہیں۔''

Marfat.com

پھر ایجادِ اشیاء میں ہمیں کمال اختلاط نظر آتا ہے جو کہ بے حد گڑ آمیزش اور پیچیدگی کا مقتضی ہے لیکن با ایں ہمہ یہ اشیاء ہمیں ایک دوسرے سے مکمل طور ممتاز اور جُدا جدا نظر آتی ہیں۔ ذرا ان بیجوں کو غور سے دیکھو جو مادے کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مشابہ ہیں اور ملی جلی حالت میں اور مخلوط شکل میں زمین کے نیچے بوئے جاتے ہیں، لیکن جب پھوٹتے اور نشو ونما پاتے ہیں تو مکمل طور پر ایک دوسرے سے ممتاز اور علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ پھر ملاحظہ کرو کہ کس طرح درختوں کے تنوں میں داخل ہونے والے مختلف مواد کمال امتیاز کے ساتھ پتوں پھولوں اور پھلوں میں متفرّق ہو جاتا ہے اور معدے میں داخل ہونے والی مخلوط غذائیں کمال امتیاز کے ساتھ مختلف اعضاء وخلیات میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اس کمالِ حکمت میں کمال قدرت کا مشاہدہ کرو۔

پھر ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ اشیائے کائنات کی کثیرت بدوش انواع واقسام میں انتہائی درجے کی فراوانی اور عمومی پن پایا جاتا ہے، اور اس فراوانی کا تقاضا یہ ہے ان اشیاء میں گھٹیا پن، خفت، ارزانی اور سبکساری نظر آئے، لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ روئے زمین میں یہ تمام اشیاء انتہائی نفیس، بیش قیمت اور عمدہ ترین صنعتکاری کے نادر نمونے ہیں۔ سطحِ زمین پر بچھے ہوئے رحمانی دسترخوان میں سے صرف ایک پھل کو ہی فکر ونظر کا مرکز بنا کے دیکھ لو، مثال کے طور پر شہتوت کے پھل کو ہی لے لو، یہ پھل صنعتگری کے ان عجائبات کے مابین قدرت کی مٹھائیوں کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس میں غور کرو اور اس کمال صنعت کے اندر پائی جانے والی کمالِ رحمت کا مشاہدہ کرو۔

اب تمام سطحِ زمیں پر غایت درجے کی عمدگی اور گراں قیمتی کے ساتھ ساتھ غیر محدود قسم کی ارزانی اور اس فراوانی وارزانی کے ضمن میں غیر محدود اختلاط واشتباک کے ساتھ ساتھ غیر محدود امتیاز وتفریق اِس غیر محدود امتیاز وتفریق کے مابین غایت درجے کی مسافتوں اور دوریوں کے ساتھ ساتھ انتہائی قسم کی موافقت اور مشابہت اِس انتہائی درجے کی موافقت اور مشابہت کے ضمن میں سہولت اور خفت کے ساتھ ساتھ غایت درجے کی اہتمام بردوش ماہرانہ صنعتکاری اس غایت درجے کی ماہرانہ صنعتکاری کے مابین مطلق سرعتِ ایجاد کے ساتھ ساتھ انتہائی قسم کا توازن اور عدم اسراف اس غایَت درجے کے توازن اور عدمِ اسراف کے مابین انتہائی قسم کی کثرت وفراوانی کے ساتھ ساتھ انتہائی قسم کی حسنِ صنعت اور پختہ فنکاری اور اس انتہائی درجے کے حسنِ صنعت اور پختہ فنکاری کے مابین انتہائی درجے کی سخاوت اور دریا دلی کے ساتھ ساتھ مطلق قسم کا نظم وانتظام۔

یہ سب ایک قدیرِ ذُوالجلال، حکیمِ ذوالکمال اور رحیمِ ذُوالجمال ہستی کے واجبُ الوجود ہونے پر اور اس کی وحدانیت اور احدیّت پر اور اللہ تعالیٰ کے فرمانِ گرامی ﴿لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ کے ایک گہرے راز پر ایسے دلالت کرتا ہے جیسے چڑھتا دِن روشنی پر اور روشنی سورج پر۔

Marfat.com

اب تُو اے مسکین جاہل، غافل اور معاند معطّل ! ۔تُو اِس حقیقتِ عظمیٰ کی تفسیر کس نام سے کرے گا؟ ۔اور اس انتہائی درجے کی مُعجز اور خارقِ عادت کیفیت کی وضاحت میں کیا کہہ سکے گا؟ اور ان انتہائی درجے کی عجیب وغریب مصنوعات کی نسبت کس چیز کی طرف کرے گا؟ ۔اور خود زمین جیسے اِس وسیع وعریض دریچے کوغفلت کا کون سا پردہ تان کر آنکھوں سے اوجھل کر سکے گا؟ تمہارے اتفاقات کہاں ہیں؟ ۔تمہارا بے شعور ساتھی اور گمراہی میں تمہارا تکیہ واعتماد جسے تُو نیچر کا نام دیتا ہے، وہ کہاں گیا؟ کیا اِن اُمور میں اتفاقات کی مداخلت سو فیصد محال نہیں ہے؟

کیا ان ایک ہزار خارقِ عادت اور غیر معمولی اُمور میں سے ایک امر کو نیچر کی طرف منسوب کر دینا ہزار بار محال نہیں ہے؟ ۔اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تُو کیا سمجھتا ہے کہ اس جامد اور عاجز نیچر کے پاس ہر چیز کے اندر اُس چیز سے بنی ہوئی اشیاء کی تعداد کے برابر معنوی مشینیں اور کارخانے ہیں؟

## اٹھارہواں دریچہ

﴿أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ (حاشیہ:۱)

بائیسویں مقالے میں ذکر کی گئی مثال میں غور کرو جو کہ کچھ اس طرح ہے:

کسی محل کے ساتھ مشابہت رکھنے والا ایک کامل، مکمل اور منظم شاہکار بداہتًا ایک منظم فعل پر دلالت کرتا ہے، مطلب یہ کہ ایک عمارت صنعت یا کاریگری پر دلالت کرتی ہے ۔اور ایک مکمل نظم وضبط پر مشتمل فعل ضرورتًا ایک مکمل اور منظم فاعل اور ماہر کاریگر، بانی اور معمار پر دلالت کرتا ہے، اور مکمل کاریگر اور بانی کا عنوان بداہتًا ایک مکمل صفت یعنی صنعت وفن کاری کی صلاحیت پر دلالت کرتا ہے، اور صنعت وفنکاری کی یہ صلاحیت وقابلیت بداہتًا ایک مکمل استعداد پر دلالت کرتی ہے، اور یہ مکمل استعداد ایک روحِ عالی اور بلند پایہ ذات پر دلالت کرتی ہے۔

اسی طرح رُوئے زمین بلکہ رُوئے کائنات کو بھرا بھرا رکھنے والے لحہ بہ لحہ ظہور میں آنے والے یہ نت نئے نقوش و آثار بداہتًا کمال درجے کے حامل افعال پر دلالت کرتے ہیں ۔اور یہ افعال جو کہ انتہائی درجے کے انتظام اور حکمت کے دائرے میں ہیں جو بداہتًا ایک ایسے فاعل پر دلالت کرتے ہیں جس کے اسماء وعناوین درجہءِ کمال پر ہیں؛ اُس کی وجہ یہ ہے ایسے منظم اور حکیمانہ اَفعال بغیر فاعل کے قطعًا وجود میں نہیں آسکتے ہیں ۔اور یہ کہ کمال بردوش اسماء وعناوین اس فاعل کی انتہائی کمال درجے کی صفات پر دلالت کرتے ہیں؛ کیونکہ علمِ صرف کی رُو سے جس طرح اسم فاعل مصدر سے مشتق کیا جاتا ہے، اِسی طرح اسماء وعناوین کے مصادر ومنابع یا سرچشمے بھی صفات ہی ہیں ۔اور یہ کہ انتہاء کے درجہءِ کمال کو پہنچی ہوئی صفات بلاشبہ انتہائی درجے کے مکمل ذاتی حالات واطوار پر دلالت کرتی ہیں ۔اور یہ ذاتی قابلیت یا ذاتی حالات واطوار جن

---

(حاشیہ:۱) الاعراف:185

Marfat.com

کی تعبیر کرنے سے ہم عاجز ہیں، حقُ الیقین کی حد تک ایک لامحدود کمال کی حامل ذات پر دلالت کرتے ہیں۔

اب اس عالمِ رنگ و بو میں صنعتگری و کارسازی اور مخلوقات کے جتنے بھی آثار و مظاہر ہیں، اُن میں سے ہر ایک اثر مکمل ہونے کی وجہ سے کسی نہ کسی فعل کی گواہی دیتا ہے اور فعل اسم کی گواہی دیتا ہے، اور اسم صفت کی گواہی دیتا ہے، اور صفت حالت اور کیفیت کی گواہی دیتی ہے۔ اور حالت ذات کی گواہی دیتی ہے۔ جس طرح یہ سب کے سب ایک یکتا و یگانہ جلالت مآب صانع و کارساز کے واجبُ الوجود ہونے پر ان مصنوعات کی تعداد کے برابر دلالت اور اُس کی اُحدیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ سب بہ ہیتِ مجموعی معرفت کی ایک ایسی معراج ہیں جو کہ مخلوقات کے اس سلسلے کے برابر قوت رکھتی ہے، اور حقیقت کی ایک ایسی سلسلہ وار برہان ہے کہ جس میں کسی بھی جہت سے کوئی بھی شبہ داخل نہیں ہوسکتا ہے۔

اور اب تو اے مسکین منکر و غافل!

تو یہ بتا کہ کائنات کے اس سلسلے کے برابر قوی برہان کو کس چیز کے ساتھ توڑ سکتا ہے؟ اور اس بے حد وحساب جھروکوں، اور روشندانوں والے اس دریچے کو جو کہ ان مصنوعات کی تعداد کے برابر حقیقت کی شعاع کا دیدار کرواتی ہے، کس چیز کے ساتھ بند کر سکے گا اور اس پر غفلت کا کون سا پردہ ڈال سکے گا؟

## اُنیسواں دریچہ

اُس صانع ذُوالجلال نے اجرام سماویہ کے ساتھ بہتیری حکمتیں اور معانی معلّق کر رکھے ہیں، گویا کہ وہ اپنے جلال اور جمال کی تعبیر کے لیے آسمانوں کو سورجوں، آفتابوں، ماہتابوں اور ستاروں کے کلمات کے ذریعے کلام کرواتا ہے۔

اِسی طرح اُس نے فضائے آسمان میں اِن موجودات کے ساتھ بہت سی حکمتیں اور بہت سے معانی و مقاصد معلّق کر دیے ہیں، گویا کہ وہ اِس فضائے آسمان کو بجلیوں کی گرج، کڑک اور بارش کے قطروں کے کلمات کے ذریعے بلواتا اور اس سے کلام کرواتا ہے اور اپنے کمالِ حکمت اور جمالِ رحمت کا درس دیتا ہے۔

اسی طرح وہ زمین کی کھوپڑی سے حیوانات و نباتات نامی مفید کلمات کے ذریعے گفتگو کرواتا ہے اور اس طرح کون و مکاں کے لیے اپنے کمالِ صنعت کا اظہار کرتا ہے۔

اِسی طرح وہ نباتات و اشجار سے جو کہ اس کھوپڑی کے کلمات ہیں، پتّوں، پھولوں اور پھلوں کے ذریعے کلام کرواتا ہے اور یوں اپنے کمالِ صنعت اور جمالِ رحمت کا اعلان و اظہار کرتا ہے۔

اِسی طرح وہ پھولوں اور پھلوں سے بھی جو کہ کلمات ہیں، بیجوں کے کلمات کے ذریعے کلام کرواتا ہے، اور یوں اہلِ شعور کو ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾ میں پائے جانے

Marfat.com

والے راز کی رُو سے اپنی صنعت کی باریکیوں کی تعلیم دیتا ہے۔

آئیں اِن لامحدود تسبیحی کلمات میں سے صرف ایک ڈالی اور ایک پھول کی زبان سے اس طرز کی گفتگو سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کس رنگ میں گواہی دیتے ہیں!

جی ہاں! بے شک تمام جڑی بوٹیاں اور تمام درخت بہت سی زبانوں کے ساتھ اپنے صانع وکارساز پر اس طرح سے گواہی دے رہے ہیں کہ باریک بین لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور دیدہ وروں کو ''سبحان اللہ! اور کیا خوبصورت گواہی ہے!'' کہنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

جی ہاں! موسمِ گل میں جب یہ شگوفے چٹختے ہیں اور خوشے فراہم کرتے ہیں تو ان لمحات میں اُن نباتات کی تسبیحات اور اُن کی مسکراہٹوں سے لبریز معنوی گفتگوئیں بھی خود اُنہی کی طرح خوبصورت اور آشکار ہوتی ہیں: کیونکہ ہر پھول کا خوبصورت مُنہ، ہر خوشے کی منظّم زبان، اِن موزوں بیجوں کے کلمات اور نظم وضبط میں ڈھلے بیجوں کے ساتھ حکمت ودانائی پر دلالت کرنے والا یہ نظامِ علم پر دلالت کرنے والے ایک دقیق نظام کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اور یہ ''میزان'' صنعگری کے ایک دقیق ''نقش'' کے ضمن میں ہے جو کہ اس صنعگری کی مہارت پر دلالت کرتا ہے۔ اور صنعگری کا یہ نقش ایک جاذبِ نظر ''زیب وزینت'' کے مابین ہے جو کہ ''لطف وکرم'' پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ ''زیب وزینت'' بھی انتہائی لطیف قسم کی خوشبوؤں میں رچی بسی ہے جو کہ ''رحمت واحسان'' پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ مفید اور متداخل حالات وکیفیات ایک ایسی زبانِ شہادت ہے

جو کہ اپنے صانع ذُوالجلال کی ـ اس کے اسماء وصفات سمیت ـ پہچان کراتی ہے، اُس کے اوصاف بیان کرتی ہے، اس کے اَسمائے گرامی کے جلووں کی تفسیر کرتی ہے۔ اور اس کی مہر ومحبت کی تعبیر کرتی اور بتاتی ہے۔ کہ اس کے ساتھ محبت کیسے کی جائے اور اس کی پہچان کیونکر ہو سکتی ہے!۔

اگر تُم، اس طرح کی گواہی صرف ایک پھول سے سُن لیتے ہو تو پھر بڑے تعجب کی بات ہو گی کہ تم سطحِ زمین پر پائے جانے والے ربانی گل زار کے تمام پھولوں کی آواز پر کان نہ رکھ سکو اور اُن کے اُس اعلان کو نہ سن سکو جو وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ صانعِ ذُوالجلال کے واجبُ الوجود ہونے اور اُس کی وحدانیت کے بارے میں کر رہے ہیں! اور اگر ایسا کر لو تو کیا اس صورت میں تمہارا کوئی شبہ اور کوئی وسوسہ باقی بچے گا؟ تمہاری کوئی غفلت باقی رہ جائے گی؟ اور اگر ان میں سے کوئی چیز باقی رہ جائے تو پھر کیا تمہیں انسان اور شعور سے بہرہ ور ہستی کہنا صحیح ہو گا؟

آؤ، اور کسی بھی درخت کو دقیق نظری سے دیکھو؛ تمہیں نظر آئے گا کہ: پتوں کا ظہور کیسے منظم طریقے سے ہوا ہے!، پھول کیسے موزوں طریقے سے کھلے ہیں!

Marfat.com

پھلوں کی نشو ونما میں کیسی رحمت اور حکمت کارفرما ہے! اور یہ فصلِ گُل میں نسیم صبا کے جھونکوں سے شاخوں کی بانہوں میں کس طرح معصوم بچوں کی طرح جھومتے ہیں! اوران سب کے درمیان سے درخت کے لطیف منہ پر بھی نظر ڈالواور دیکھو کہ کس طرح یہ زبانیں اِن کے حالات بیان کی رہی ہیں: سرسبز پتوں کی زبان دستِ کرم سے۔ مسکراتے پھولوں کی زبان لُطف کی سرمتی سے۔ ہنستے ہوئے پھولوں کی زبان جلوۂ رحمت کے ساتھ۔ اِن میں سے ہرایک زبان اُس دقیق وعادل نظام کی تعبیر کررہی ہے جوایک بدیع اور محکم زبان میں پایا جاتا ہے۔ اوراس دقیق نظام میں جوکہ ''العدل'' پردلالت کرتا ہے، اُس میں پائے جانے والے صنعتگری کے دقیق نقوش، اوران ماہرانہ نقوش وزخارف میں پائے جانے والے گوناگوں شیریں شیریں مزے اورذائقے اور بوقلموں خوشبوئیں جوکہ رحمت واحسان پردلالت کرتی ہیں اوران مزوں اور ذائقوں میں پائے جانے والے بیج اور گٹھلیاں جوکہ قدرت کے معجزات ہیں۔ دیکھوکس طرح یہ سب چیزیں انتہائی واضح طور پرایک حکیم، کریم، رحیم، مُحسن، مُنعم، زینت بخش اور صاحبِ فضل صانع وکارساز ہستی کے واجبُ الوجود ہونے، اس کی وحدانیت، اُس کے جمالِ رحمت اور کمالِ ربوبیت پردلالت کرتی ہیں۔

اگرتمام سطحِ زمیں پر پائے جانے والے درختوں کی زبانِ حال پرایک ہی مرتبہ کان لگا سکتے ہوتو پھرفرمان گرامی ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ کے خزانے میں پائے جانے والے خوبصورت جواہرات کودیکھ بھی سکتے ہو اورسمجھ بھی سکتے ہو۔

پس اے غافل بدبخت جوکہ خودکوناشکری وناسپاسی کے میدان میں بےلگام سمجھتا ہے! وہ کریمِ **ذُوالجمال** ان بے حدوحساب زبانوں کے ساتھ تجھے اپنی ذات کا تعارف کروارہا ہے، تجھے اپنی ذات کے بارے میں علم دے رہا ہےاوراُسے تیری محبت کا مرکز بنارہا ہے، لیکن تُو اگراس تعارف سے روگرداں رہنا چاہتا ہےتوپھران زبانوں کوخاموش ہوجانا چاہیے، لیکن اگر یہ زبانیں خاموش نہیں ہورہی ہیں توپھران پرکان دھرنا چاہیے۔

لیکن اگرتُو نے ازراہِ غفلت اپنے کان بندکرلیےتواپنے اس کردار سےکبھی بھی راستگاری نہیں پاسکے گا؛ کیونکہ کائنات خاموش نہیں ہورہی ہے، موجودات اپنی زبانیں بندنہیں کررہی ہیں اورواحدانیت کی گواہی دہندگان کی آوازیں منقطع نہیں ہورہی ہیں اورنہ ہوں گی۔ چنانچہ یہ تمام چیزیں تم سے اپنی بات منوالیں گی۔

## بیسواں دریچہ (حاشیہ:۱)

﴿فَسُبْحَانَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (حاشیہ:۲)

---

(حاشیہ:۱) بیسویں دریچے کی حقیقت ایک دن دل پرعربی زبان میں مندرجہ ذیل الفاظ میں وارد ہوئی:

○ تلألؤ الضياء من تنويرك۔ تشهيرك (جاری)

Marfat.com

﴿ وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُوْمٍ وَاَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُبَارَكًا فَاَسْقَیْنَاكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخَازِنِیْنَ۔﴾ (حاشیہ:۱)

جس طرح جزئیات، فرعیات اور نتائج وفوائد میں کمالِ حکمت اور جمالِ صنعت کا مشاہدہ ہو رہا ہے، اسی طرح بظاہر ان کلی عناصر اور عظیم الشان مخلوقات کے اوضاع واطوار میں جو باہم اختلاط، آمیزش اور پیچیدگی نظر آتی ہے۔ جو کہ اس وہم میں مبتلا کر دیتی ہے کہ یہ سب باہم مخلوط اتفاقات کی بازیگری ہے؛ یہ کلی عناصر اور عظیم مخلوقات بھی انتہائی حکمت، استحکام اور مضبوط صنعتگری کے اوضاع واطوار سے بہرہ ور ہیں۔ مثال کے طور پر:

روشنی کی جگمگاہٹ سطحِ زمین میں اذنِ ربانی کے ساتھ مصنوعاتِ الٰہیہ کا اعلان واشتہار ہے، اس کی دلیل روشنی کی تمام حکیمانہ خدمات ہیں۔ تو پتا چلا کہ روشنی اُس صانع الحکیم کی جانب سے مسخر اور خدمت پر مامور ہے۔ چنانچہ اس کے ذریعے سے کائنات کے بازار کی نمائش گاہوں میں اپنی حیرت انگیز، نادر اور قابلِ ستائش مصنوعات کا دیدار کرواتا ہے۔

اب تیز ہواؤں کو دیکھو تو پتا چلتا ہے کہ یہ بہت زیادہ اور بڑے اہم وظائف کو ادا کرنے کے لیے مصروفِ تگ ودو رہتی ہیں۔ اس کی دلیل اس کے تمام حکیمانہ فوائد ووظائف ہیں۔ تو پتا چلا کہ ان کا موجزن ہونا اس بنا پر ہے کہ وہ صانع الحکیم اُن کی ذمہ داری لگاتا ہے، اُن میں تصرّف کرتا ہے اور انہیں رام کرتا ہے اور اُنہیں استعمال کرتا ہے۔ رہا اُن کا بگولہ تو وہ امرِ ربانی کو فی الفور ادا کرنے کے لیے تیزی دکھاتا ہے۔

اب چشموں، ندیوں اور دریاؤں کی طرف آؤ، ان کا زمین سے یا پہاڑوں سے پھوٹ کر بہنا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے؛ بلکہ ان سے ظہور میں آنے والے آثارِ رحمت یعنی فوائد وثمرات کی گواہی کے ساتھ اور بقدرِ ضرورت پورے حساب و

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

- تموّج الأعصار من تصریفك، تو ظیفك... سبحانك ماأعظم سلطانك
- تفجّر الأنهار من تدخیرك، تسخیرك
- تزیّن الأحجار من تدبیرك، تصویرك... سبحانك ماأبدع حكمتك
- تبسّم الأزهار من تزیینك، تحسینك
- تبرّج الأثمار من انعامك، اكرامك... سبحانك ماأحسن صنعتك
- تسجّع الأطیار من انطاقك، ارفاقك
- تهزّج الأمطار من انزالك، افضالك... سبحانك ماأوسع رحمتك
- تحرّك الأقمار من تقدیرك، تدبیرك، تدویرك و تنویرك... سبحانك ماأنور برهانك! ما أبهر سلطانك!(مؤلف)

(حاشیہ:۲) یٰس:83

(حاشیہ:۱) الحجر:21,22

Marfat.com

کتاب سے اُن کے پہاڑوں میں ذخیرہ ہو کر رہنے کی اِفادیّت کے ساتھ، اور پورے حساب کتاب اور ناپ تول کے ساتھ انہیں حکیمانہ طریقے سے ارسال کیے جانے کے ساتھ۔ ان تمام چیزوں سے اس چیز کی دلیل ملتی ہے کہ انہیں ربِّ حکیم نے مسخر کیا اور ذخیرہ کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ طغیانی میں آ کر اُمڈ کیوں آتے ہیں، تو اس لیے کہ اس ہیجانی کیفیت کا امر انہیں ان کے پروردگار کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ اس امر کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔

اب زمین میں پائے جانے والے تمام پتھروں، موتیوں، نگینوں اور معدنیات پر نظر کرو۔ اِن کا حکیمانہ فوائد پر مشتمل ہونا اور زندگی کی مصلحتوں اور انسانی لوازمات اور حیوانی ضروریات کے عین مطابق مہیا ہوتے رہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی تزیین وآرائش اور ان کے نفع بخش خواص ایک صانع الحکیم ہستی کی تزیین وترتیب وتدبیر وتصویر کی مرہونِ منت ہیں۔

اور اب ذرا ایک نظر اِن پھولوں پھلوں پر ڈالو، اِن کی مسکراہٹیں، ان کے ذائقے، ان کی خوبصورتیاں اور دلفریبیاں، نقش آرائیاں اور ان کی عطر بیزیاں انہیں اس حیثیت سے ملی ہیں کہ یہ ایک صانعِ کریم اور مُنعمِ رحیم کے دستر خوان پر سجی ہوئی ہیں اور اُس کے تعارف اور اس کی طرف سے دعوتوں کے سامان کا حکم رکھتی ہیں۔ اور اس حیثیت سے بھی کہ یہ اپنی مختلف خوشبوؤں، رنگوں اور ذائقوں کی بدولت ہر ایک نوع کے لیے تعارف اور دعوت کے سامان کا حکم رکھتی ہیں۔

اور اب ذرا پرندوں کو دیکھو، اس بات کی قطعی دلیل کہ ان کی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو اور چہچہاہٹ اس بنا پر ہے کہ یہ سب کچھ انہیں ایک صانع الحکیم ذات نے سکھایا ہے۔ اور وہ جو ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور اپنی خوش آہنگ اور سریلی آوازوں میں جو جذبات بکھیرتے ہیں: وہ دلوں کو موہ لیتے ہیں۔

اور اب ذرا بادلوں کی طرف نگاہ کرو، اس بات کی قطعی دلیل کہ بارش کی ٹپاٹپ کوئی بے معنی آواز نہیں، اور یہ کہ رعد و برق خالی گھن گرج ہی نہیں؛ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ان عجائب کا خالی فضا میں ایجاد کرنا، اور اِن سے آبِ حیات سے بھرے ہوئے قطرے نازل کرنا، اور سطحِ زمیں پر پھیلے ہوئے ضرورت منداور تشنہ کامی سے تلملاتے ذی حیات کو اُن سے سیراب کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بوندوں کی اس ٹپاٹپ اور رعد و برق کی اِس گھن گرج کا کوئی نہ کوئی مطلب تو ضرور ہے۔ اور لازماً یہ چیزیں انتہائی قسم کی حکمت پر مشتمل ہیں! چنانچہ اِن اشتیاق بھرے تشنہ کاموں کو بارش کے یہ قطرے ربِّ کریم کے امر سے آواز دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ''خوش ہو جاؤ۔ ہم آ رہے ہیں۔'' اور اب آسمان میں نظر دوڑاؤ اور بے شمار اجرامِ سماویہ میں سے صرف چاند میں غور کرو، تو پتا چلے گا کہ اس کا کسی قدیر وحکیم ہستی کے امر کے ساتھ محوِ حرکت رہنے کی علامت وہ اہم حکمتیں ہیں جو اس کے ساتھ اور زمین کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور اُسے نہال کر رہی ہیں۔ یہ مضمون چونکہ کسی دوسری جگہ وضاحت سے بیان ہو چکا ہے اس لیے یہاں ہم اختصار سے کام لے رہے ہیں۔

اِن عناصرِ کُلیہ میں سے ہم نے روشنی سے لے کر چاند تک جو کچھ بیان کیا ہے، وہ سب کا سب انتہائی وسیع پیمانے پر ایک ایسا عظیم الشان دریچہ کھول دیتا ہے جو کہ اُس واجبُ الوجود کی وحدت، اُس کی قدرت کے کمال اور اس کی سلطنت

Marfat.com

کی عظمت کی جلوہ نمائی کر دیتا ہے۔

پس اے غافل! اگر تُو اس رعد کی طرح گرجدار آواز کو خاموش کر سکتا ہے، اور نورِ خورشید جیسی اس چمکدار روشنی کو بُجھا سکتا ہے، تو پھر جا اللہ کو بھول جا! وگرنہ ہوش کے ناخن لے اور کہہ دے کہ: فَسُبْحَانَ مَنْ ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾۔

## اکیسواں دریچہ

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ (حاشیہ:ا)

سورج جو کہ اس کائنات کا چراغ ہے، صانعِ کائنات کے وجود اور اُس کی وحدانیت کا خود سورج جیسا چمکتا دمکتا دریچہ ہے۔

جی ہاں! ہمارا بارہ سیاروں پر مشتمل یہ جو نظامِ شمسی ہے ـ جس میں ہماری یہ زمین بھی شامل ہے ـ اس کے تمام اجرام کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے، حجم کے لحاظ سے ان میں سے کوئی چھوٹا ہے کوئی بڑا ہے، پھر سورج سے قرب و بعد کے لحاظ سے یہ مختلف جگہوں پر واقع ہیں، پھر ان کی حرکات کی رفتار میں بہت زیادہ تفاوت ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی حرکات میں اور ان کی گردش میں انتہائی کمال کا انتظام، باقاعدگی، حکمت اور توازن پایا جاتا ہے۔ اپنی اس گردش میں وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس نظام کی خلاف ورزی نہیں کرتے ہیں، اور اس قانون الٰہی کی رُو سے جسے کششِ ثقل کہا جاتا ہے، سورج کے ساتھ ایک مضبوط رشتے سے بندھے ہوئے ہیں، یعنی اپنے امام کی اقتدا کرتے ہیں۔ اور یہ چیز ایک بہت بڑے پیمانے پر قدرتِ الٰہی کی عظمت اور ربانی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے؛ کیونکہ اِن جامد اجرام اور شعور سے عاری تودوں کو گردش میں رکھنا اور انہیں انتہائی درجے کے انتظام اور میزانِ حکمت میں رکھ کر، مختلف شکلوں میں، مختلف مسافتوں میں اور مختلف حرکات میں ہوتے ہوئے انہیں خدمت میں لگائے رکھنا کتنی بڑی قدرت اور کتنی بڑی حکمت کی دلیل ہیں اس کو قیاس کر لو۔

پس اگر اِن عظیم الشان اُمور میں اتفاقات کا ذرہ برابر بھی دخل ہوتا تو یہ اتنے بڑے دھماکے کا باعث بنتا کہ کائنات کے چیتھڑے اُڑ جاتے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی سیارے کی حرکت اتفاقاً ایک منٹ کے لیے بھی رُک جائے تو وہ اپنے مدار سے نکل کر کسی دوسرے سیارے سے جا ٹکرائے۔ اب اس پر قیاس کرتے ہوئے ذرا ان سیاروں کے دہشتناک تصادم کا تصور کرو جو زمین سے ہزاروں گنا زیادہ بڑے ہیں۔

نظامِ شمسی کے عجائب و غرائب کو ہم سرِ دست علم الٰہی کے سپرد کرتے ہیں جو کہ ہر چیز کو محیط ہے، اور صرف اپنے سیارے یعنی زمین کو سامنے رکھتے ہیں، چنانچہ ـ جیسے کہ تیسرے مکتوب میں بیان ہوا ـ ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ ہمارے اس سیارہ سے امرِ ربانی کے ذریعے سورج کے اردگرد انتہائی عظیم الشان اور گرانقدر خدمت لینے کے لیے ایک طویل سیر و سیاحت کروائی

(حاشیہ:ا) یٰس:38

جاتی ہے۔

اور اُس کا یہ سیاحتی سفر ایسی صورت میں ہوتا ہے جو کہ ربوبیت کی شان وشوکت، سلطنتِ اُلوہیت کی جاہ وحشمت اور کمالِ رحمت وحکمت پر دلالت کرتی ہے۔ یوں سمجھو کہ گویا ایک بہت بڑا ربانی بیڑا ہے جو مصنوعاتِ الٰہیہ کے عجائبات سے بھرا پڑا ہے، اور یہ ایک چلتی پھرتی قیام گاہ اور اللہ کے باشعور بندوں کے لیے ایک رواں دواں تفریحی پارک ہے۔ اور اس کے ساتھ چاند کا تعلق جوڑ دیا اور چاند کے ساتھ بہت باریک قسم کے حساب اور عظیم الشان حکمتیں وابستہ کر دیں، بالکل گھڑی کی سوئی کی طرح جو کہ اوقات اور حساب بتاتی ہے۔ اور اس چاند کو _ زمین کی گھڑی ہونے کے علاوہ _ دیگر منازل میں اور قسم کی سیر وسیاحت بھی عطا کر دی ہے۔

یہ ہیں حالات ہمارے اس بابرکت سیارے کے جو کہ خود اس کرۂ ارض کی قوت کے برابر گواہی کے ساتھ ایک قدیرِ مطلق ہستی کے واجبُ الوجود ہونے اور اس کی وحدانیت کا اثبات کرتے ہیں۔ اگر ہمارے اس سیارے کی حالت یہ ہے تو پھر نظامِ شمسی کو اس پر آسانی کے ساتھ قیاس کر سکتے ہو۔

پھر یہ بھی ہے کہ سورج کو ایک پہیے یا چرخی کی طرح خود اس کے اپنے محور میں مصروفِ گردش رکھنا تا کہ اس سے وہ معنوی رسیاں بٹتی رہیں جنہیں ''جاذبیت'' کا نام دیا جاتا ہے، اور پھر ان تمام سیاروں کو ان معنوی رسیوں کے ساتھ مضبوط طریقے سے باندھ دینا اور انہیں انتہائی نظم وضبط کے ساتھ مصروفِ عمل رکھنا، اور ان تمام سیاروں کو سورج کے گرد حکیمانہ طریقے سے گردش میں رکھنا، اور پھر سورج کو ان سیاروں سمیت ایک اندازے کے مطابق، ایک سیکنڈ میں پانچ گھنٹوں کی رفتار سے ہرکولیس (Libra) نامی برج یا ''سورجوں کے سورج'' کی طرف کھینچ کر لے جانا؛ بلاشک وشبہ ایک ذُوالجلال اور سلطانُ الأزل والأبد ہستی کی قدرت اور اُس کے امر کی کرشمہ سازی ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے کہ وہ نظامِ شمسی کے اس لشکر کے مطیع وفرمانبردار سپاہیوں سے اپنی ربوبیت کی شان وشوکت کے اظہار کے لیے فوجی مشق کراتا ہے۔

پس اے محترم ماہرِ فلکیات! اِن اُمور میں کون سا اتفاق مداخلت کر سکتا ہے؟ کون سے اسباب ہیں جن کے ہاتھ یہاں تک پہنچ سکتے ہیں؟ کون سی قوت ہے جو کہ اس کے قریب بھی پھٹک سکتی ہے؟ تمہارا کیا خیال ہے ایسا جلالت مآب شہنشاہ کسی بھی چیز کو اپنی سلطنت میں دخل اندازی کی اجازت دے کر اپنی عاجزی کا مظاہرہ کرے گا؟ کیا وہ خاص طور پر اپنی ذی حیات مخلوقات کو _ جو کہ اس کائنات کا حاصل، پھل، نتیجہ، غرض وغایت اور لُبِّ لباب ہیں _ دوسروں کے ہاتھوں میں دے دے گا؟ اور کیا وہ غیر کو اُمورِ کائنات میں مداخلت کی اجازت دے دے گا؟ کیا وہ خاص طور پر انسان کو مہمل، آوارہ و بے کار چھوڑ دے گا؟ انسان جو کہ اس کائنات کا جامع ترین پھل، کامل ترین نتیجہ، خلیفۂ ارض اور اس شہنشاہ کا معزز مہمان ہے؟ کیا وہ نوعِ انسان کو طبیعت، تصادُف اور اتفاق کے سپرد کر دے گا اور اس طرح اپنی کمال بردوش حکمت کو عبث کی پستیوں میں گرا دے گا؟۔

Marfat.com

## بائیسواں دریچہ

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهَادًاo وَالْجِبَالَ اَوْتَادًاo وَخَلَقْنَاكُمْ اَزْوَاجًا۔﴾

﴿فَانْظُرْ اِلٰى آثَارِ رَحْمَةِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔﴾

کرۂ ارض ایک سر ہے جس کے ایک لاکھ مُنہ ہیں، ہر مُنہ میں ایک لاکھ زبانیں ہیں، ہر زبان میں ایک لاکھ براہین ہیں جن میں سے ہر ایک برہان بہت سی جہتوں سے ایک ذات ذوالجلال کے واجب الوجود ہونے، واحدِ احد ہونے، ہر چیز پر قادر اور ہر چیز سے باخبر ہونے، اُس کی وحدت و وحدانیت، اُس کے مقدّس اوصاف اور اُس کے اسمائے حسنیٰ کی گواہی دیتی ہے۔

جی ہاں، زمین کے آغازِ تخلیق کی طرف دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ پہلے پہل یہ ایک سیّال مادہ تھی، اس سے ایک سخت چٹان کی صورت میں آئی، اُس چٹان سے مٹی بنی۔ اب اگر یہ مائع حالت میں رہتی تو رہائش کے قابل نہ ہو پاتی اور اگر پتھر بن جانے کے بعد لوہے کی طرح سخت چٹان رہتی تو اس سے استفادہ ممکن نہ ہوتا۔ بنا بریں، جس چیز نے اسے یہ قابلِ رہائش وضع قطع دی ہے، وہ کسی صانع الحکیم کی بے پایاں حکمت و دانش ہے جو تمام سُکانِ زمین کی تمام حاجات و ضروریات سے بہر صورت باخبر ہے۔

پھر یہ بلند و بالا پہاڑ جو کہ زمین کے لیے میخوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسے سنبھالا دیتے ہیں، ان کے اوپر مٹی کا پرت رکھ دیا گیا ہے۔ تاکہ زمین کے داخلی انقلابات کی وجہ سے پیدا ہونے والے زلزلوں کو پہاڑوں کے ذریعے سانس لینے کا موقع ملتا رہے، اور تاکہ زمین کسی بھی پریشانی کا سامنا کیے بغیر محوِ حرکت رہے اور اپنا اساسی وظیفہ بخوبی سرانجام دیتی رہے۔

تاکہ یہ پہاڑ سطحِ زمین کو سمندر کی دستبرد سے محفوظ رکھیں۔ ذی حیات مخلوقات کے لوازم حیات کے خزانے بن جائیں۔ ہوا کی مشاطگی کر کے اُسے نقصان دہ گیسوں سے صاف کر کے اُسے سانس لینے کے قابل بنا دیں اور پانی کو اپنے اندر جمع کر کے اسکو محفوظ کریں۔ تاکہ معدنیات کا سرچشمہ اور دارومدار بن جائیں جو کہ جانداروں کے لیے ضروری ہیں۔ پس یہ وضع قطع ایک قدیرِ مطلق اور حکیمِ رحیم ہستی کے واجب الوجود ہونے پر اور اُس کی وحدانیت پر انتہائی قسم کی قوی اور قطعی قسم کی شہادت فراہم کر رہی ہے۔

پس اے معزز جغرافیہ دان! اس چیز کی وضاحت میں تُم کیا کہو گے؟ وہ کون سا اتفاق یا تصادف ہے جو عجائبُ المصنوعات سے بھرے ہوئے اس ربانی بیڑے کو عجائبات کی نمائش گاہ بنا سکتا ہو؟ اور اسے ایک سال میں چوبیس ہزار سال کی سرعتِ رفتار سے اس طرح گھما سکتا ہو؟ اس طرح کہ اس کی پشت پر قطار در قطار لدی ہوئی اشیاء میں سے کوئی بھی شے توازن کھو کر گر نہ سکے؟۔

پھر سطحِ زمین پر پائے جانے والی عجیب و غریب صنعتگری کے شاہکاروں پر غور کرو اور دیکھو کہ کس طرح اِن عناصر کو کسی

Marfat.com

گہری حکمت کے ساتھ ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں اور یہ کیسے بہترین انداز میں سطحِ زمین پر پائے جانے والے ضیوف الرحمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور قدیرُ الحکیم کے حکم سے اُن کی خدمت کے لیے دوڑے چلے آتے ہیں!

پھر فن کاری اور صنعتگری کے ان عجیب وغریب شہ پاروں کے مابین سیمائے زمین پر آراستہ کیے گئے خطوط میں پائے جانے والے ان رنگا رنگ، عجیب وغریب اور حکمت بھرے نقوش ونگار اور کشیدہ کاریوں پر غور کرو اور دیکھو کہ: کس طرح اُس نے ندی، نالوں، نہروں، جوئباروں، دریاؤں اور سمندروں اور ٹیلوں اور پہاڑوں کا ایک وسیع جال پھیلا دیا ہے اور ان چیزوں کو اس نے اپنے بندوں کے لیے اور دیگر مخلوقات کے لیے رہائش گاہوں اور نقل وحمل کے وسائل وذرائع کا رُوپ دے دیا ہے!

پھر وہ کمال حکمت وانتظام کے ساتھ نباتات کی لاکھوں اجناس اور حیوانات کی اَن گنت انواع سے اس زمین کو بھرتا ہے، انہیں زندگی دیتا ہے اور ان کے ساتھ اسے معمور کرتا ہے، پھر انہیں وقتاً فوقتاً موت سے ہمکنار کر کے دقیق نظم وضبط کے ساتھ ان کی ذمہ داریوں سے فارغ کر دیتا ہے اور پھر اسے اسی نظم وضبط اور باقاعدگی کے ساتھ بعث بعد الموت کی صورت میں دُوبارہ پُر کر دیتا ہے، بالکل ایسے جیسے کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کرنا ہو۔ پس یہ تمام چیزیں لاکھوں زبانوں کے ساتھ ایک قدیرِ ذُوالجلال اور حکیمِ ذُوالکمال ہستی کے واجبُ الوجود ہونے پر اور اس کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہیں۔

خلاصہءکلام یہ کہ:

زمین کہ جس کی سطح صنعت گری کے عجائبات کے لیے نمائش گاہ ہے، انوکھی مخلوقات کے لیے محشر سامان اور محلِ اجتماع ہے، موجودات کے قافلوں کے لیے گزرگاہ ہے، اُس کے بندوں کی صفوں کے لیے مسجد اور قرارگاہ ہے؛ یہ زمین کائنات کی مقدار کے برابر وحدانیت کے نُور کو آشکار کر رہی ہے؛ کیونکہ یہ تمام کائنات کے لیے دل کی حیثیت رکھتی ہے۔

پس اے معزز جغرافیہ دان!

زمین کا یہ سر اگر اللہ تعالیٰ کو ایک لاکھ مونہوں اور ہر مُنہ میں ایک لاکھ زبان کے ساتھ پہچانتا ہے، لیکن تو نہیں پہچانتا، اور تُو اپنا سر طبیعات یعنی نیچر پرستی کے کیچڑ میں گھسائے بیٹھا ہے، تو پھر ذرا تصور کر لے کہ تو کس درجے کی غلطی کا ارتکاب کر رہا ہے! اور یہ غلطی تجھے کتنے دہشتناک سزا کا مستحق بنا دیتی ہے۔ ہوش کے ناخن لے، اپنے سر کو کیچڑ سے باہر نکال اور کہہ دے: ''آمَنْتُ بِاللّٰهِ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ''۔

## تیسواں دریچہ

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ﴾ (حاشیہ:۱)

(حاشیہ:۱) الملک:2

Marfat.com

''زندگی'' قدرتِ ربانیہ کا ایک روشن ترین اور خوبصورت ترین معجزہ ہے، وحدانیت کی قوی ترین اور تابناک ترین برہان اور صمدانی تجلّیات کا جامع ترین، شفاف ترین اور انتہائی چمکدار آئینہ ہے۔

جی ہاں، بے شک حیات اکیلی ہی ایک حیّ قیُّوم ہستی کے بارے میں اُس کے اسماء وصفات اور شئون واحوال سمیت معلومات بہم پہنچاتی ہے۔

کیونکہ ''زندگی'' کا معاملہ روشنی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جیسے سورج کی روشنی سات رنگوں پر مشتمل ہوتی ہے اسی طرح ''زندگی'' بہت سی صفات کے امتزاج سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح ''زندگی'' معجون کی شکل کے اس ایک تریاق کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے جو کہ بہت سے مختلف اجزاء پر مشتمل ہو اور یہ تمام اَجزاء باہمدیگر ممزوج و مخلوط ہوں۔ اِسی طرح ''زندگی'' ایک ایسی حقیقت ہے جو کہ بہت سی صفات سے مرکب ہے۔ اب اس حقیقت میں پائی جانے والی بعض صفات ایسی ہیں جو حواس کی وساطت سے پھیلتی، منکشف ہوتی، فروغ پاتی اور امتیازِ حاصل کرتی ہیں، لیکن ایک بڑی قسم ان میں سے ایسی صفات کی ہے جو اپنی ہستی کا شعور جذبات واحساسات کی صورت میں، اور اپنے وجود کا پتا ''زندگی'' کے جوش کی صورت میں دیتی ہیں۔

پھر ''زندگی'' رزق، رحمت، عنایت اور حکمت پر مشتمل ہے، اور یہ تمام صفات کائنات کی تدبیر وادارت میں حکیمانہ عمل دخل رکھتی ہیں۔ ایسے لگتا ہے جیسے ''زندگی'' ان صفات کو جہاں بھی جاتی ہے اپنے ساتھ ساتھ رکھتی ہے۔ چنانچہ جبھی وہ بطورِ مثال کسی جسم یا بدن میں داخل ہوتی ہے، اسم ''حکیم'' بھی جلوہ نما ہو جاتا ہے اور وہاں مکمل حکمت کے ساتھ اپنا گھونسلا بنانا اور اُسے ترتیب وتنظیم دینا شروع کر دیتا ہے۔ اور پھر اُسی وقت اسمِ ''کریم'' بھی جلوہ گر ہو جاتا ہے، وہاں اپنے نشیمن کی حسبِ ضرورت ترتیب وتزیین وآرائش وزیبائش کرتا ہے۔ اور بعینہٖ اُسی وقت اسم ''رحیم'' بھی اپنا جلوہ دکھاتا ہے اور اس ''زندگی'' کے دوام وکمال کے لیے اُس جسم کے ساتھ انواع واقسام کے احسانات کے ذریعے لطف وکرم کا سلوک کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی اُسی لمحے اسم ''رزّاق'' بھی جلوہ نمائی کرتا ہے اور جسم کو ایسی تمام مادی اور معنوی غذائیں بہم پہنچاتا ہے جو اس ''زندگی'' کی بقاو نشو ونما اور پھیلاؤ کے لیے ضروری ہیں۔ اور کچھ غذائیں بدن میں ذخیرہ کر دیتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ''زندگی'' ایک مرکزی عدسی نقطہ ہے اور یوں متنوع صفات ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہو جاتی ہیں کہ عین ایک دوسرے کا رُوپ دھار جاتی ہیں۔ گویا کہ ''زندگی'' جہاں تمام کی تمام ''علم'' ہے وہاں بعینہٖ ''قدرت'' ہے، اور بعینہٖ اُسی وقت برابر ''حکمت ورحمت'' بھی ہے۔

پس ''زندگی'' اپنی اِس جامع ماہیت کی بناپر ''صمدانیت'' کو منعکس کرنے والا آئینہ ہے جس میں ذاتِ ربانی کے شئون ومعاملات متمثّل ہوتے ہیں۔ اور اسی راز کی رُو سے واجبُ الوجود الحیّ القیوم ذات زندگی کو وافر اور کثیر تعداد میں پیدا کرتی

Marfat.com

اور اسے بکھیرتی اور نمایاں کرتی ہے۔اور تمام چیزوں کو زندگی کے ارد گرد جمع کر کے انہیں اس کی خدمت میں لگا دیتی ہے؛ کیونکہ زندگی کو بڑا عظیم الشان اور گرانقدر وظیفہ سونپا گیا ہے۔

جی ہاں! کسی چیز کا صمدانی تجلّیات کو منعکس کرنے والا آئینہ بن جانا کوئی معمولی کام اور عام وظیفہ نہیں ہے۔

''زندگی'' کی دم بدم ظہور میں آنے والی بے حد وحساب انواع واقسام، اور یہ ارواح جو کہ اس زندگی کی اصل ،ذات اور بنیاد ہیں اور جنہیں ہم عدم سے وجود کی طرف یکبارگی آتے ہوئے ہمہ وقت دیکھتے ہیں، یہ چیز ایک واجبُ الوجود اور حیّ قیّوم ذات پر، اس کی مقدس صفات پر اور اُس کے اسمائے حسنیٰ پر ایسے دلالت کرتی ہے جیسے روشنی کی کرنیں سورج پر۔

اب جو انسان سورج کو نہیں پہچانتا ہے، اُس کے وجود کا اعتقاد نہیں رکھتا ہے، وہ لامحالہ اُس روشنی کا انکار کرنے پر مجبور ہوگا جس سے ایک جگمگاتا ہوا دن لبریز ہے۔

اِسی طرح جو انسان اُس اَحدیّت کے سورج یعنی ''الحی القیوم'' اور ''المحی والممیت'' ہستی کو نہیں پہچانتا ہے، اُسے بھی اُن تمام ذی حیات کے وجود کا انکار کرنا پڑے گا جن سے سطحِ زمین لبریز ہے، بلکہ جن سے ماضی اور مستقبل لبریز ہے، اور یہ کہ وہ اپنی اس روش کی بنا پر چوپاؤں سے بھی سو درجے نیچے گر کر، زندگی کے مرتبے سے نیچے گر کر ایک جامد اور کٹر جاہل بن جائے۔

## چوبیسواں دریچہ

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ o كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ o لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (حاشیہ:۱)

موت زندگی کے برابر ربوبیت کی ایک بُرہان ہے اور وحدانیت کی ایک انتہائی قوی حجت ہے جیسے ﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ﴾ کے راز سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موت عدم واعدام، فنا و ناچیزی اور نہ ہی بغیر کسی فاعل کے ہلاکت کا نام ہے بلکہ ایک فاعل حکیم کی طرف سے خدمت گزاری سے سبکدوشی، مقام کی تبدیلی، بدن کی تبدیلی، ذمہ داری سے فراغت، جسم کے قید خانے سے رہائی اور ایک مبنی بر حکمت منظم قسم کا کام ہے۔اس چیز کو ہم مکتوب اوّل میں بڑی وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔

جی ہاں! جس طرح زمین کا زندگی بھرا چہرہ اور اس پر بکھری ہوئی تمام مصنوعات اور ذی حیات مخلوقات ایک صانع الحکیم کے واجبُ الوجود ہونے اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں، اسی طرح یہ زندہ مخلوقات اپنی موت کے ذریعے ایک حیّ باقی ذات کی سرمدیت اور وحدانیت کی گواہی دیتی ہیں۔''بائیسویں مقالے'' میں یہ بات بڑی وضاحت سے ثابت کر

(حاشیہ:۱) القصص:88

Marfat.com

دی گئی ہے کہ: بے شک موت وحدت کی برہان اور سرمدیت کی انتہائی مضبوط حجت ہے، اس لیے اس بحث کے لیے ہم اسی مقالے کا حوالہ دینا کافی سمجھتے ہیں، البتہ اُس میں سے یہاں ایک اہم نکتے کی وضاحت کریں گے، اور وہ یہ ہے کہ:

جس طرح ذی حیات اپنے وجود کے ساتھ ایک واجبُ الوجود ہستی پر دلالت کرتی ہیں، اسی طرح یہ اپنی موت کے ساتھ ایک حی باقی ہستی کی سرمدیت اور وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں؛ مثال کے طور پر زمین کا چہرہ جو کہ منجملہ جانداروں کے ایک جاندار ہے، اپنے محیّرُ العقول حالات وانتظامات کے ساتھ صانع پر دلالت کرتی ہے۔ جب یہ سرما میں برف کا سفید کفن اوڑھ کر موت کی آغوش میں چلی جاتی ہے، تو اُس وقت اُس کا یہ مُردہ چہرہ انسان کی نظر کو اُس موجودہ لمحے سے پھیر کر دورِ ماضی میں لے جاتا ہے اور وہاں اُسے موسم بہار کے جنازے پر لگا دیتا ہے اور وہاں اس کے سامنے اس سے بھی زیادہ وسیع منظر کھول دیتا ہے، مطلب یہ کہ جانے والے تمام بے شمار موسم ہائے بہار کہ جن میں سے ہر ایک خود اس زمین کی گنجائش کے برابر قدرت کے معجزات سے بھرپور تھا، وہ تمام موسم انسان کو اس بات کا شعور دیتے ہیں کہ آنے والی بہار میں زندگی سے بھرپور اتنی موجودات آرہی ہیں جو کہ زمین کو پُر کر دیں گی، اور قدرت کی ان معجزانہ موجودات کے وجود پر گواہی دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اسی طرح کی زندگی سے بھرپور زمینیں نئے سرے سے پھر آجائیں گی۔

اور یوں ہم پاتے ہیں کہ مرگِ بہار ایک صانعِ ذُوالجلال، قدیرِ ذُوالکمال، حیّ قیّوم اور خورشیدِ سرمدی ذات پر اور اس کی وحدت اور بقاو سرمدیت پر گواہی دیتی ہے، اور اس کی یہ گواہی بھی وسیع ترین اور تابندہ ترین صورت میں اور قوی ترین درجے میں ہے، اور اسی طرح یہ اتنے روشن درخشاں دلائل نمایاں کرتی ہے کوئی چاہے نہ چاہے، اسے بالبداہت "آمَنْتُ بِاللّٰهِ الْوَاحِدِ الْأَحَدِ" کہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

حاصل یہ کہ: فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے جس طرح زندگی سے بہرہ ور یہ زمین موسم بہار میں اپنی زندگی کے ساتھ ایک صانع اور کارساز کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح خزاں میں اپنی موت کے ساتھ نظرِ التفات کو قدرت کے ان معجزات کی طرف پھیرتی ہے جو وقت کے دونوں بازوؤں ـ ماضی اور مستقبل ـ پر صفیں باندھے ہوئے ہیں اور ایک بہار کی بجائے ہزاروں موسم پیش کرتے ہیں اور اُس کی قدرت کے ایک معجزے کی بجائے ہزاروں معجزات کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان میں سے ہر موسم بہار کی شہادت موجودہ موسم بہار کی شہادت سے کہیں زیادہ قطعی اور فیصلہ کن ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماضی کے تمام موسم اپنے ظاہری اسباب سمیت ماضی کی وسعتوں میں گم ہو چکے ہیں اور ان کی جگہ پر انہیں کی طرح کے دیگر آچکے ہیں۔ تو پتا چلا کہ ظاہری اسباب کچھ بھی نہیں ہیں۔

یہ تو صرف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایک قدیرِ ذوالجلال انہیں پیدا کرتا ہے اور اُنہیں کسی حکمت کی بنیاد پر ان

Marfat.com

ظاہری اسباب کے ساتھ مربوط کر کے ارسال کرتا ہے۔ رہے زمین کے وہ چہرے جو کہ زندگی سے بھر پور ہیں اور جو مستقبل میں صفیں باندھے ہوئے ہیں، تو اُن کی شہادت زیادہ تابناک ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عدم اور فنا کے عالم سے نئے سرے سے پیدا کر کے بھیجے جائیں گے، چنانچہ وہ زمین پر اُتریں گے، وہاں ان کے ذریعے خصوصی ذمہ داریاں ادا کی جائیں گی اور پھر انہیں ہٹا دیا جائے گا۔

پس اے نیچر کی دلدل میں پھنسے ہوئے اور سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے غافل انسان! جس ہستی کا دستِ حکمت وقدرت تمام ماضی اور مستقبل تک پہنچ نہیں رکھتا ہے وہ اس زمین کی زندگی کے بارے میں دخل اندازی کیسے کر سکتا ہے؟ کیا اتفاق اور نیچر جو کہ تمہاری طرح عدم در عدم کی حیثیت رکھتے ہیں، اس میں کوئی مداخلت کر سکتے ہیں؟۔ پس اگر تو اس دلدل سے نجات چاہتا ہے تو حقیقت کے قریب ہو جا اور کہہ دے کہ: نیچر جہاں تک بھی پہنچ جائے بہرکیف قدرتِ الٰہی کی ایک رجسٹر کی حیثیت رکھتی ہے، رہا اتفاق، تو وہ چھپی ہوئی ربانی حکمت کا ایک پردہ ہے جو کہ ہماری جہالت کو چھپا لیتا ہے۔

## پچیسواں دریچہ

جس طرح مضروب ضارب کے وجود پر دلالت کرتا ہے، صنعت کے ایک شاہکار کے لیے کسی صانع کا وجود ضروری ہے، بیٹے کا وجود باپ کے وجود کا مقتضی ہے اور نشیب کے لیے فراز لازمی ہے اور۔

اسی طرح کائنات کی جزئیات وکلیات میں اور اس کی عمومی ہیآت میں نظر آنے والا ''اِمکان'' بھی ''وجوب'' پر دلالت کرتا ہے، اور اِن میں نظر آنے والا ''انفعال'' ''فعل'' پر دلالت کرتا ہے، اور ان سب میں نظر آنے والی ''مخلوقیت'' خالقیت پر دلالت کرتی ہے، اور ان سب میں نظر آنے والی ''کثرت وترکیب'' وحدت کو مستلزم ہے، جیسے کہ نسبتی اوصاف میں ہوتا ہے۔ نسبتی اوصاف وہ ہوتے ہیں جن کا وجود ایک دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ اصطلاح میں انہیں ''اضافی امور'' کہا جاتا ہے۔ اور وجوب، فعل، خالقیت اور وحدت جیسی صفات بالبداہت اور بالضرورت ایک ایسی ہستی کی مقتضی ہیں جو ان صفات کے ساتھ متصف ہو، یعنی جو واجب، واحد، فاعل، اور خالق ہو، اور جو ممکن، کثیر، مرکب اور مخلوق نہ ہو۔

بنابریں، کون ومکاں میں امکان، انفعال، مخلوقیت، کثرت اور ترکیب کے جو بھی مظاہر پائے جاتے ہیں، سب کے سب بالبداہیت ایک واجبُ الوجود، فعّالٌ لما یرید، خالِقُ کل شیءٍ اور واحدِ اَحد ہستی پر دلالت کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ: جس طرح ''اِمکان'' سے ''وجوب''، ''انفعال'' سے ''فعل''، ''کثرت'' سے ''وحدت'' کا مشاہدہ ہو رہا ہے، اور جس طرح ان میں سے ہر ایک کا وجود دوسرے کے وجود پر قطعی دلالت کرتا ہے، اسی طرح موجودات میں نظر آنے والی ''مصنوعیت ومرزوقیت''، جیسی صفات بھی ''صانعیت ورزّاقیت'' کے معاملات پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اِن صفات کا وجود بالضرورت اور بالبداہت ایک ''خلاق'' رزّاق اور صانع ورحیم کے وجود پر قطعی طور پر دلالت کرتا ہے۔

Marfat.com

مطلب یہ کہ ہر موجود چیز ان جیسی سینکڑوں صفات کی حامل ہونے کی بنا پر، سینکڑوں زبانوں کے ساتھ اُس واجب الوجود ہستی کے سینکڑوں اسمائے حسنیٰ کی شہادت دے رہی ہے۔

پس اگر یہ تمام شہادتیں قبول نہ کی جائیں تو موجودات کی ان تمام صفات کا انکار کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

## چھبیسواں دریچہ (حاشیہ:۱)

حُسن و جمال کے وہ مظاہر جو آتے جاتے رہتے ہیں، اور اس کائنات میں پائی جانے والی موجودات کے چہرے پر ہر آن تجدّد پذیر ہوتے رہتے ہیں، اِس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ جمالِ سرمدی کے جلووں کا ایک پرتو ہیں۔

جی ہاں! روئے دریا پر اُبھرنے والے بلبلوں کا جگمگا کر زائل ہو جانا اور ان کے بعد دوسرے بلبلوں کا پے در پے اُبھرنا، جگمگانا اور زائل ہو جانا۔ اور یوں اس جگمگاہٹ کا بلبلوں کی آمدورفت کی صورت میں جاوداں رہنا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بلبلے کسی دائمی سورج کی شعاعوں کو منعکس کرنے والے آئینے ہیں۔

پس زمانے کے اس بہتے دریا میں رواں دواں موجودات کی سطح پر جگمگانے والی حسن و جمال کی یہ تابانیاں بھی ایک سرمدی حسن و جمال کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اور یہ ایک طرح کی روشن علامات ہیں جو کہ اُس ابدی حسن و جمال کی نشان دہی کرتی ہیں۔

پھر قلبِ کائنات میں جو سنجیدہ قسم کا عشق پایا جاتا ہے وہ ایک لازوال معشوق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

جی ہاں! نوعِ انساں میں پایا جانے والا سنجیدہ قسم کا لاہوتی عشق شجرِ کائنات کا حساس ترین پھل ہے، اور یہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام کائنات میں حقیقی عشق و محبت کا وجود مختلف شکلوں صورتوں میں سمایا ہوا ہے، اور اِس بات کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز بنیادی طور پر درخت کی ماہیت میں نہیں پائی جاتی وہ اُس کے پھل میں بھی نہیں ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ قلبِ کائنات میں پایا جانے والا یہ عشق و محبت ایک محبوب اَزلی پر دلالت کرتا ہے۔

پھر سینہء کائنات میں یہ جو بہت سی شکلوں صورتوں میں جذب وانجذاب، دلکشیاں اور دلفریبیاں پائی جاتی ہیں، یہ بھی چوکس اور بیدار دلوں کے لیے یہ بات نمایاں کرتی ہیں کہ اِن کا وجود ایک ازلی حقیقت کا مرہونِ مِنّت ہے جو کہ جذب و کشش کی مالک ہے۔

پھر اہلِ کشف وولایت جو کہ مخلوقات کے روشن ترین اور حسّاس ترین گروہ کی نمائندگی کرتے ہیں، اِن سب کا اپنے ذوق وشہود پر اعتماد کرتے ہوئے بالاتفاق اس بات کی خبر دینا کہ وہ اُس جمیلِ ذوالجلال کی تجلّیات کے مظاہر بن جاتے ہیں، اور ذوق وشوق کے ذریعے اُس جلیلِ ذُوالجمال کی معرفت اور مہر و محبت سے بہرہ یاب ہو جاتے ہیں، اُن کا یہ خبر دینا بھی

---

(حاشیہ:۱) یہ دریچہ صرف اہلِ دل اور اہلِ محبت کے لیے کھولا گیا ہے، سب کے لیے نہیں۔۔۔ مؤلف۔

Marfat.com

ایک واجبُ الوجود ذات پر، ایک جمیل ذوالجلال کے وجود پر اور انسان کو اپنی ذات کا تعارف کروانے پر قطعی طور پر دلالت کرتا ہے۔

پھر تحسین وآرائش کا وہ قلم جو روئے کائنات پر پائی جانے والی موجودات پر گلکاریاں کرتا اور ان میں رنگ بھرتا ہے، یہ قلم بھی واضح طور پر اپنے مالک کے اسمائے گرامی کے حسن وجمال پر دلالت کرتا ہے۔

پس کائنات کے چہرے میں جو حسن وجمال ہے، اس کے دل میں جو عشق ہے، اس کے سینے میں جو دلکشی ہے، اس کی آنکھوں میں جو کشف وشہود ہے اور اس کے مجموعی حالات واطوار میں جو حسن وتزیین کے مظاہر ہیں۔ یہ سب چیزیں عقلوں اور بیدار دلوں کے سامنے ایک ایسا انتہائی لطیف نورانی دریچہ وا کرتی ہیں جس سے وہ خوبصورت ترین اسمائے حسنیٰ کا مالک، جمیلِ ذوالجلال، محبوبِ لایزال اور معبودِ لم یزل جلوہ نما ہوتا ہے۔

پس اے مادیت کی تاریکیوں میں، اوہام کے ظلمات میں اور گلوگیر شبہات کے مابین غافل انسان! ہوش میں آ اور انسانیت کے شایانِ شان طریقے سے ترقی کی منزلیں طے کر، ان چار سوراخوں میں سے دیکھ، وحدت کے حسن وجمال کا درشن کر، کمالِ ایمان سے ہمکنار ہو جا اور حقیقی انسان بن جا۔

## ستائیسواں دریچہ

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾ (حاشیہ۔۱)

اس دریچے سے ہم کائنات میں پائے جانے والی ان اشیاء پر نظر ڈالتے ہیں۔ جو بظاہر ''اسباب ومسبَّبات'' کے سلسلے میں بندھی لگتی ہیں، تو ہمیں نظر آتا ہے کہ: بڑے سے بڑے سبب کی قوّت بھی چھوٹے سے چھوٹے مسبَّب کی تخلیق سے قاصر ہے، بنابریں، اسباب حجاب کا حکم رکھتے ہیں اور ان مسبّبات کو ایجاد کرنے والا کوئی اور ہے جو اسباب سے ماوراء ہے۔ مثال کے طور پر:

انسانی سر کے باطنی حصے میں ایک قوّت پائی جاتی ہے جسے ''قوّتِ حافظہ'' کہتے ہیں یہ قوت حجم میں رائی کے دانے کے برابر ہے اور دماغ کے ایک کونے میں رکھی ہوئی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نازک سے حجم کے باوجود یہ ایک جامع قسم کی کتاب کی طرح بلکہ ایک لائبریری کی طرح ہے جس میں انسان کی زندگی کا تمام ریکارڈ محفوظ ہوتا ہے، اور یہ اس طرح لکھا جاتا ہے کہ آپس میں خلط ملط نہیں ہوتا۔ اب تم بتاؤ کہ قدرت کے اس معجزے کو نمایاں کرنے کے لیے اس کے پیچھے کون سے سبب کا ہاتھ کارفرما ہے؟

دماغی پیچیدگیوں کا؟ بسیط خلیوں کے شعور سے عاری ذرّات کا؟ یا پھر اتفاق کی ہواؤں کا؟

---

(۱) الزمر:62

Marfat.com

درحقیقت صنعتگری کا یہ معجزہ ایک ایسے صانع الحکیم کا کارنامہ ہی ہوسکتا ہے جس نے اِس ''قوّتِ حافظہ'' کو ایک ایسا بڑا رجسٹر بنایا ہے جس میں انسان کے تمام اعمال نقل کیے جاتے ہیں اور جسے حشر میں اُس کے سامنے پھیلا دیا جائے گا۔ پس وہ اُس رجسٹر سے ایک چھوٹی سی دستاویز لکھ لیتا ہے جسے حساب کے وقت اُس کے سامنے پیش کردے گا، چنانچہ وہ اس دستاویز کو عقل کے ہاتھ میں تھما دیتا ہے، اُسے یہ باور کرانے کے لیے کہ اُس کے تمام اعمال لکھے جارہے ہیں۔

اب تمام انڈوں، گٹھلیوں اور بیجوں کو انسان کی اِس ''قوّتِ حافظہ'' پر قیاس کرلو اور ان چھوٹے چھوٹے جامع معجزات پر تمام مسبّبات کو بھی قیاس کرلو، تم صنعتگری کے جس بھی شاہکار کو دیکھو گے تمہیں اس میں صنعتگری کا ایسا خارقِ عادت نمونہ نظر آئے گا کہ جسے تشکیل دینا کسی سبب کے بس کی بات نہیں، بلکہ تمام اسباب اکٹھے ہو کر بھی کوئی ایسا نمونہ ایجاد کرنا چاہیں گے تو مکمل طور پر عاجز آجائیں گے۔

مثال کے طور پر سورج کو لے لو جسے ایک بہت بڑا سبب سمجھا جاتا ہے، اگر اُسے شعور واختیار کا مالک فرض کر کے اُس سے پوچھا جائے کہ: اے آفتاب! تو ایک مکھی کا وجود بنا سکتا ہے؟، تو بلاشک وہ آگے سے جواب دے گا:

میری دوکان میں میرے خالق کے فضل وکرم سے رنگ، روشنی اور حرارت جیسی چیزیں تو بکثرت مل جائیں گی لیکن مکھی کے جسم میں آنکھ، کان اور حیات جیسی کچھ ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جن سے میری دوکان خالی ہے، اور اُنہیں مہیا کرنا میرے بس میں بھی نہیں ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ مُسبّبات میں جو تزیین وآرائش اور صنعتگری کے خارقِ عادت نمونے پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب اسباب کو ایک طرف ہٹا کر اُن سے تخلیق کی طاقت سلب کررہے ہیں اور ایک واجبُ الوجود مسبّبُ الأسباب کی طرف اشارہ کررہے ہیں اور ﴿وَإِلَيۡهِ يُرۡجَعُ الۡأَمۡرُ كُلُّهُ﴾ میں پائے جانے والے راز کی رُو سے تمام اُمور کی باگ ڈور اس کے حوالے کررہے ہیں۔ اسی طرح وہ نتائج وغایات وفوائد ومقاصد جو کہ ان مسببات کے ساتھ لٹکائے گئے ہیں، وہ بھی بالبداہت اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسباب کے ورائے حجاب ایک ربِ کریم اور حاکم رحیم کارفرما ہے، اور کیونکہ اسباب شعور سے عاری ہیں۔ اس لیے وہ قطعی طور پر کسی بھی مقصد کا تصور نہیں کرسکتے اور نہ ہی اُسے عملی جامہ پہنا سکتے ہیں، جبکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ وجود میں آنے والی کسی بھی مخلوق کے ساتھ صرف ایک ہی نہیں بلکہ بہت سی غایات، فوائد اور حکمتیں مربوط ہوتی ہیں، مطلب یہ کہ ربّ حکیم وکریم ہی ان اشیاء کو بنا کر اس دنیا میں بھیجتا ہے اور ان فوائد کو ان اشیاء کے وجود کی غرض وغایت بنا دیتا ہے۔

مثال کے طور پر: بارش ہوتی ہے، اور یہ بات تو معلوم ہے کہ بارش کو وجود دینے والے ظاہری اسباب مطلق عاجز ہیں، وہ حیوانات کے بارے میں سوچنے اور اُن کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کرنے سے کتنے دُور ہیں۔ تو پتا چلا کہ بارش کو ان

Marfat.com

حیوانات کی دادرسی کے لیے وہی خالق الرحیم اپنی حکمت کے تحت بھیجتا ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور ان کے رزق کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔ اسی بنا پر بارش کو ''رحمت'' کہا جاتا ہے؛ کیونکہ اس میں بہت سے فوائد اور رحمت کے بہت سے آثار پائے جاتے ہیں، گویا کہ رحمت ایک جسم بن گئی ہے اور بارش کی صورت میں قطرہ قطرہ ٹپکی ہے۔

پھر تمام مزین اور تبسم ریز نباتات وحیوانات میں پائی جانے والی یہ حسن و جمال کی آرائشیں جو کہ تمام مخلوقات کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیرتی ہیں، اور ان میں پائے جانے والے زیب وزینت کے یہ تمام مظاہر بالبداہت ایک ذوالجلال ہستی کے واجب الوجود ہونے پر اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں جو کہ پردۂ غیب کے پیچھے ہے اور وہ ہستی چاہتی ہے کہ اُن خوبصورت اور مزین مصنوعات کے ذریعے اُس کی پہچان ہو، اس سے محبت کی جائے اور اُس کے بارے میں علم حاصل کیا جائے۔

اِس سے پتا چلا کہ اشیائے کائنات میں یہ جو آراستہ پیراستہ اُوضاع واُطوار اور نمود وظہور کے جذبات سے بھری ہوئی کیفیات ہیں قطعی طور پر ''تعرّف اور تحبّب'' (پہچان اور محبت) کی دو صفتوں پر دلالت کرتی ہیں، اور ''تعرّف اور تحبّب'' کی صفت بالبداہت ایک قدیر، وَدُود اور معروف صانع کے واجب الوجود ہونے اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔

حاصل یہ کہ:

سبب انتہائی معمولی، بے وقعت اور عاجز ولاچار ہے، لیکن جو، مسبَّب یعنی جو چیز اس کی طرف منسوب ہے وہ فن کا نمونہ اور انتہائی قیمتی ہے، بنا بریں وہ ایسے سبب کو برطرف کر دیتا ہے۔

مسبَّب کی غرض وغایت اور اُس کا فائدہ جاہل وجامد اسباب کے واسطے کو مسترد کر دیتا ہے اور اس چیز کے وجود کو ایک صانع الحکیم ہستی کے سپرد کر دیتا ہے۔

مسبَّب کے چہرے میں پائی جانے والی آرائشیں اور مہارتیں ایک ایسے صانع الحکیم کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو اصحاب شعور کو اپنی قدرت کی نشان دہی کرانا چاہتا ہے اور اپنی ذات کو ان کا محبوب بنانا چاہتا ہے۔

اے مسکین اُسباب پرست! تُو یہ تین اہم حقائق کی وضاحت کس طرح کرے گا؟ خود کو مطمئن کیسے کر سکے گا؟ اگر عقل مند ہے تو پھر اسباب کا پردہ چاک کر دے اور ﴿وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ﴾ کہہ کر خود کو بے حد وحساب اوہام سے بچالے۔

## اٹھائیسواں دریچہ

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْعَالِمِينَ﴾ (حاشیہ:۱)

---

(۱) الروم: 22

Marfat.com

ہم کائنات کی طرف دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ یہاں بدن کے خلیات سے لے کر کائنات کی مجموعی شکل وصورت میں نظم وضبط اور ہمہ گیر حکمت پائی جاتی ہے۔

چنانچہ ہم بدن کے خلیات کو دیکھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے خلیوں میں ایک یگانہ ہستی کے قانون سے بڑی اہمیت کی حامل تدبیر کارفرما ہے، اور یہ تدبیر کسی ایسی یگانہ ویکتا ہستی کے قانون کے تحت ہے جو جسم کی مصلحتوں سے واقف ہے اور اس کے معاملات کو چلا رہی ہے۔ چنانچہ جس طرح خوراک کی ایک قسم چربی کی صورت میں معدہ کے لیے ذخیرہ کرلی جاتی ہے اور اسے بوقت ضرورت کام میں لایا جاتا ہے، اسی طرح ذخیرہ اندوزی کی یہ قابلیت اِن چھوٹے چھوٹے خلیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ نباتات کی طرف دیکھتے ہیں تو وہاں بھی ہمیں غایت درجے کی حکیمانہ تربیت اور تدبیر نظر آتی ہے۔ حیوانات کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ انتہائی درجے کی تربیت اور لطف وکرم کے سائے میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور ہم کائنات کے عظیم ارکان یا ستون نما حصوں کی طرف دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے، کہ وہاں انتہائی عالی شان قسم کا اداراتی بندوبست اور روشنی کا انتظام پایا جاتا ہے۔ پھر ہم کائنات کی مجموعی ہیت کی طرف دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں انتہائی دقیق قسم کا نظم وضبط پایا جاتا ہے، اور یہ نظم وضبط عالی شان حکمتوں اور بے بہا مقاصد و غایات پر مشتمل ہے، بالکل ایسے جیسے نظم وضبط کا نمونہ ایک محل ہو، ایک شہر ہو، ایک مملکت ہو۔

چنانچہ جیسے کہ ہم نے "بتیسویں مقالے" کے پہلے موقف میں یہ ثابت کیا ہے، یہ تمام موجودات معنوی طور پر باہم گر اس قدر مربوط ہیں کہ ذرّوں سے لے کر ستاروں تک شرک کے لیے ایک ذرہ برابر بھی کوئی رخنہ نہیں چھوڑتی ہیں۔

پس جو کوئی تمام ستاروں، سیاروں اور کہکشاؤں کو اپنے حکم کے تابع فرمان نہیں کرسکتا اور ان کے اُمور ومعاملات کی زمام کار اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا وہ اپنی پروردگاری کا حکم ایک ذرّے پر بھی نہیں چلا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھو کہ جو ایک ذرّے کا حقیقی رب ہوگا وہ تمام ستاروں کا رب بہر کیف بن جائے گا۔ اور جو آسمانوں کو پیدا کرنے اور انہیں ہموار واستوار کرنے پر قادر نہیں وہ سیمائے بشر میں پائی جانے والی امتیازی لکیروں اور تشخیصی خطوط کو بھی نہیں بنا سکتا۔ جیسے کہ اس کی وضاحت "بتیسویں مقالے" کے دوسرے موقف میں کی گئی ہے۔ پس جو تمام آسمانوں کا ربّ نہیں وہ ایک بھی انسان کی پیشانی میں پائے جانے والے نقوش نہیں بنا سکتا، وہ نقوش جو کہ اس کے لیے علاماتِ فارقہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یاد رہے کہ تمہارے سامنے یہ خود کائنات کے برابر وسیع وعریض دریچہ کھلا پڑا ہے، اس میں جب جھانکو گے تو عقل کی آنکھ سے کائنات کی صفحات پر یہ دو آیتیں جلی حروف سے لکھی نظر آئیں گی: ﴿اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَکِیْلٌ٥ لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾۔

Marfat.com

اب جسے یہ نظر نہیں آ رہی ہیں وہ یا تو بے عقل ہے، یا دل سے محروم ہے اور یا پھر آدمی کی صورت میں ایک چلتا پھرتا حیوان ہے۔

## اُنتیسواں دریچہ

﴿وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ﴾

میں پردیس میں ایک موسمِ گل میں سوچ فکر میں غرق ٹہل قدمی کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ کسی سرسبز ٹیلے کے دامن سے اُتر رہا تھا کہ میری نظر کو ایک زرد رنگ کے چمکدار پھول نے جھوم کر چھوا، تو مجھے اس جنس کے وہ تمام زرد رنگ کے پھول یاد آ گئے جن کا مشاہدہ میں گزرے ہوئے زمانے میں اپنے وطن میں اور دیگر علاقوں میں کر چکا تھا۔ تب میرے دل میں کچھ اس طرح کا معنی وارد ہوا: یہ پھول جس ہستی کا طرّہ، سکّہ، مہر اور نقش ہے، روئے زمین پر پائے جانے والے اس نوع کے تمام پھول اُس کی مُہریں اور نقوش ہیں۔ پھر اُس مہر کے تخیل سے کچھ اس طرح کا تصور وارد ہوا: جس طرح کسی خط کے اختتام پر ایک مہر لگائی جاتی ہے اور وہ مہر اُس خط کے لکھنے والے پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح پھول ایک رحمانی مہر ہے۔ اور یہ چھوٹا سا ٹیلہ جس پر انواع و اقسام کے نقوش لکھے گئے اور نباتات کی اِس معنی پر دلالت کرنے والی جو سطریں رقم کی گئی ہیں، یہ بھی اس پھول کے بنانے والے کا ایک خط ہی ہیں۔ اور یہ چھوٹا سا ٹیلہ بھی ایک مہر ہے۔ اور اس صحرا اور بادیہ نے بھی ایک رحمانی خط کی صورت اختیار کی ہوئی ہے۔ تب اس تصور سے ذہن پر یہ حقیقت وارد ہوئی:

بے شک ہر چیز ربانی مہر کا حکم رکھتی ہے جو کہ تمام چیزوں کی نسبت اپنے خالق کی طرف کرتی ہے اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ یہ تمام اشیاء اُن کو لکھنے والے کاتب کے خطوط ہیں۔

پس ہر ایک چیز توحید کا ایک دریچہ ہے جو تمام اشیاء کو اُس واحد الاحد کی ملکیت گردانتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر ایک چیز میں اور خاص کر ذی حیات اشیاء میں ایک خارقِ عادت نقش نگاری اور معجز نما صنعتگری کا نمونہ پایا جاتا ہے۔ پس جس نے اس چیز کو اس طرح کا بنایا ہے اور اس میں اس طرح کی بامعنی کندہ کاری کی ہے، وہ تمام اشیاء بنا سکتا ہے اور وہی ہے جو تمام اشیاء کا صانع ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو تمام اشیاء کو نہیں بنا سکتا وہ ایک شے کو بھی نہیں بنا سکتا۔

پس اے غافل! کائنات کے چہرے کو غور سے دیکھ، یہاں ہر مکتوب پر اور موجودات کے تمام صحائف پر _ جو کہ باہمدگر متداخل بے حد و حساب صمدانی مکتوبات کا حکم رکھتے ہیں _ توحید کی بے حد و حساب مُہروں کی چھاپ نظر آ رہی ہے۔ اب ان تمام مہروں کی گواہیوں کو کون جھٹلا سکتا ہے؟ کون سی قوت انہیں ساکت کر سکتی ہے؟ ان میں سے کسی پر بھی دل کے کان لگاؤ گے تو اُسے یہ کہتے ہوئے سنو گے: ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾۔

Marfat.com

## تیسواں دریچہ

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

یہ دریچہ عمومی طور پر متکلمین کا دریچہ ہے جس کی بنیاد امکان اور حدوث پر ہے اور جو ان کا واجب الوجود کے اثبات کے لیے اختیار کردہ راستہ ہے۔ جہاں تک اس کی تفاصیل کا تعلق ہے، تو وہ ہم "شرح المواقف" اور "شرح المقاصد" جیسی محققین کی بڑی بڑی کتابوں کے لیے چھوڑتے ہیں جو کہ اس مضمون میں کبار محقق علماء کی قلم سے نکلی ہیں۔ البتہ یہاں ہم اُن ایک دو شعاعوں کا ذکر کریں گے جو اس دریچے سے اور قرآن کریم کے فیضان سے روح پر وارد ہوئی ہیں۔ اور وہ اس طرح ہے کہ:

مطلق آمریت اور حاکمیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ رقابت، شراکت اور مداخلت کسی بھی طور قبول نہیں کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی چھوٹی سی بستی کے دو سردار ہوں گے تو بستی کا سکون اور نظم و نسق تباہ کر دیں گے، کسی ایک علاقے کے دو ناظم ہوں گے یا کسی صوبے کے دو گورنر ہوں گے تو وہاں بدنظمی اور فساد کا باعث بنیں گے، اور اگر ایک مملکت کے دو بادشاہ ہوں گے تو وہاں آشفتگی، انارکی اور بدترین اختلاف کا سبب بنیں گے۔

تو ایک دوسرے کی مدد کے محتاج، عاجز اور ناتوان انسانوں کی حاکمیت اور آمریت کے کمزور سے سائے جیسی یہ حاکمیت رقابت، مخالفت اور اپنے جیسے لوگوں کی مداخلت قبول نہیں کرتی، تو پھر اس قدیرِ مطلق کی ربوبیت بدوش آمریت اور اُس سلطانِ مطلق کی حاکمیت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ "ردّ مداخلت" کا یہ قانون کس طرح یہاں بنیادی صورت میں تمام کائنات میں جاری و ساری ہوگا؟۔ مطلب یہ ہے کہ وحدت اور انفرادیت اُلوہیت اور ربوبیت کا قطعی اور لازمی تقاضا ہے، اور اس بات کی واضح برہان اور قطعی گواہ یہ ہے کہ کائنات میں ایک کامل ترین انتظام اور خوبصورت ترین ہم آہنگی پائی جاتی ہے، چنانچہ مکھی کے پر سے لے کر آسمان کی قندیلوں تک ایسا نظام پایا جاتا ہے کہ عقل حیرت و استحسان کے عالم میں اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے اور پکار اُٹھتی ہے: ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ ۝ مَاشَاءَ اللّٰهُ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ﴾۔ چنانچہ اگر یہاں کسی شریک کے لیے کوئی گنجائش ہوتی اور اس کی ایک ذرّے کے برابر بھی مداخلت ہوتی تو یہ نظام درہم برہم ہو جاتا اور اس کی شکل و صورت تبدیل ہو جاتی اور آیتِ کریمہ: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ کی رُو سے اس میں فساد کے آثار رونما ہو جاتے۔ جبکہ امر واقعی یہ ہے کہ بشری نظر یہاں کوئی کمی کوتاہی تلاش کرنے کی کتنی بھی کوشش کر لے، کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگی اور بالآخر تھک ہار کر اپنی منزل یعنی آنکھ کی طرف واپس لوٹ جائے گی اور تنقید کرنے والی عقل سے جس نے اُسے بھیجا ہے، کہے گی: تُو نے فضول زحمت اُٹھائی ہے یہاں تو کوئی بھی کمی کوتاہی نظر نہیں آ رہی ہے۔ اور یوں اُس کے

Marfat.com

اِس قول سے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ گرامی: ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُورٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ﴾ کی دلالت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بے شک یہ نظام اور انتظام آخری درجے تک مکمل ہے۔ پس پتا چلا کہ انتظامِ کائنات وحدانیت پر قطعی صورت میں گواہی دے رہا ہے۔

آؤ اب حدوث کی طرف آتے ہیں۔ متکلمین کہتے ہیں: عالم متغیر ہے، ہر متغیر حادث ہے اور ہر حادث کا کوئی محدِث یعنی مُوجِد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کائنات کا کوئی قدیم مُوجِد ہے۔

اور ہم کہتے ہیں: جی ہاں، بے شک کائنات حادث ہے؛ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور میں، ہر سال میں بلکہ ہر موسم میں ایک عالم چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا آ جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک قدیرِ ذُوالجلال موجود ہے جو اِس کائنات کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور اس طرح ہر سال، بلکہ ہر موسم میں بلکہ ہر دن ان میں سے ایک کو وجود میں لا کر اہلِ شعور کو اُس کا نظارہ کرواتا ہے۔ پھر اسے قبضے میں لے لیتا ہے اور اس کی جگہ کسی دوسری کو لے آتا ہے۔ انہیں ایک دوسری کے ساتھ باہم مربوط رکھتا ہے اور انہیں سلسلہ وار صورت میں زمانے کی رسی پر لٹکا دیتا ہے۔

یقیناً اس عالم کی طرح ہر بہار ایک متجدد کائنات کے حکم میں ہماری آنکھوں کے سامنے عدم سے وجود میں آتی اور جاتی کائناتوں کو ایجاد کرنے والی ایک ذاتِ قدیر کی قدرت کے معجزات ہیں۔ پس اس میں کوئی شک نہیں کہ جو ہستی اس جہاں میں کئی جہانوں کو پیدا کرتی ہے اور انہیں ہر آن تبدیل کرتی رہتی ہے، وہ وہی ہے جس نے اس عالم کو بھی پیدا کیا ہے اور جس نے اس عالم کو اور سطحِ زمین کو اِن معزز مہمانوں کے لیے ایک مہمان خانہ بنا دیا ہے۔

آؤ اب امکان کی بحث کی طرف آتے ہیں۔

متکلمین کہتے ہیں کہ اِمکان متساویُ الطرفین ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جب وجود و عدم برابر ہو جائیں تو پھر ایک مخصِص، مرجح اور مُوجد لازم ہو جاتا ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے ممکنات ایک دوسرے کو پیدا نہیں کر سکتیں ہیں کیونکہ اس سے تسلسل لازم آتا ہے یا پھر یہ ہوگا کہ یہ چیز اُس کو پیدا کرے گی اور وہ اِس کو، تو اس صورت میں ''دور'' لازم آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہستی ایسی ضرور ہے جو کہ واجبُ الوجود ہے جو ان تمام اشیاء کو ایجاد کر رہی ہے۔ متکلمین نے ''دور'' کے تصور کو باطل اور ''تسلسل'' کو محال قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں وہ بارہ قطعی دلیلیں پیش کرتے ہیں جن کا نام انہوں نے ''عرشی اور سلمی'' دلیلیں رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ انہوں نے سلسلہءِ اسباب کو قطع کر کے واجبُ الوجود کے وجود کو ثابت کر دیا ہے۔

اور ہم کہتے ہیں: ہر چیز میں ہر چیز کے خالق کے خاص سکے کو آشکار کر دینا تسلسل کے دلائل سے سلسلۂ اسباب کو قطع کر کے خالق تک پہنچنے سے کہیں زیادہ قطعی اور آسان ہے۔ اور بے شک تمام ''مقالات'' اور تمام ''دریچے'' قرآن کریم کے

Marfat.com

فیضان سے اسی قطعی اور آسان نہج پر چلے ہیں۔اس کے باوجود نکتہء ''امکان'' کی بحث بے حد وسیع ہے۔اور یہ نکتہ واجبُ الوجود کے وجود کو لامحدود جہات سے آشکار کر دیتا ہے۔ یہ صرف متکلمین کے تسلسل یا سلسلۂ اسباب کو منقطع کر دینے والے طریقے میں ہی منحصر نہیں ہے۔اور حق صرف اسی وسیع و عریض اور عظیمُ الشان راستے میں ہے۔ بلکہ یہ راستہ واجبُ الوجود کی معرفت کا راستہ جو بے حد وحساب راستوں کو کھول دیتا ہے۔

اس کی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے کہ: ایک چیز اپنے وجود، اپنی صفات اور اپنی مدّتِ بقا میں لامحدود اِمکانات یعنی بہت سے راستوں اور پہلوؤں کے درمیان متردّد ہوتی ہے۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ان لامحدود پہلوؤں کے درمیان وجود کے حساب سے ایک منظم راستہ اختیار کرتی ہے اور اُسے اس کی ہر صفت اُس کے اُس خصوصی پہلو کے حساب سے عطا ہوتی ہے۔اور اپنی اس مدّتِ بقا میں جن حالات وصفات کو وہ تبدیل کرتی ہے وہ بھی اُسے اُس کے اُسی خصوصی پہلو کے حساب سے عطا ہوتے ہیں، تو گویا کہ وہ کسی مخصِّص کے ارادے، کسی مرجّح کی ترجیح اور کسی صاحبِ حکمت مُوجد کی مرہون منت ہوتی ہے جو اسے ان لامحدود راستوں کے مابین ایک پُر حکمت راستے پر چلاتا ہے اور اسے منظّم حالات وصفات سے مزیّن کرتا ہے اور پھر اُسے انفرادی حالت سے نکال کر کسی مرکب جسم کا جزء بنا دیتا ہے، اور یوں امکانات بڑھ جاتے ہیں؛ کیونکہ یہ بہت ممکن ہے کہ وہ اُس جسم میں ہزاروں جہتوں سے موجود رہے، جبکہ اُسے اِن بے نتیجہ اَوضاع واطوار کے مابین ایک خاص وضع قطع دی گئی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنی اس مخصوص وضع قطع سے اس جسم میں بڑے اہم مقاصد، نتائج، فوائد اور وظائف ادا کرتی ہے۔ پھر وہ جسم کسی اور جسم کا جزء بھی بنا دیا جاتا ہے اور اس طرح امکانات مزید بڑھ جاتے ہیں؛ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ ہزاروں پہلوؤں سے موجود ہو۔اب پھر اسے ان ہزاروں پہلوؤں کے مابین ایک وضع قطع عطا کر دی جاتی ہے جس کے ذریعے اہم وظائف ادا کروائے جاتے ہیں۔اور جُوں جوں یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے اتنا ہی زیادہ قطعی طور پر ایک حکیم مدبر کے وجود کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اِس بات کا اعلان کرتا ہے کہ یہ سلسلہ ایک صاحبِ علم آمر کے اَمر سے چلایا جاتا ہے۔

پس سلسلہ در سلسلہ چلنے والی ان تمام ترکیبات میں جن میں ایک جسم دوسرے جسم کا ایک متداخل جزء بن جاتا ہے بالکل ایسے جیسے ایک سپاہی کا تعلق اپنے سکواڈ، کمپنی ڈویژن، بٹالین، رجمنٹ، پلٹن، بریگیڈ اور اپنے دستے کے ساتھ ہوتا ہے۔اُس کی ان تمام باہم متداخل عسکری تنظیمات وتشکیلات میں معیّن خدمات اور خصوصی وظائف اور ہر ایک کے ساتھ پُر حکمت تعلقات ہوتے ہیں۔اور بالکل ایسے جیسے کہ تمہاری آنکھ کی پتلی کے خلیے کے ایک تعلق اور وظیفے کی نسبت تمہاری آنکھ کے ساتھ ہے اور ایک وظیفے اور حکیمانہ خدمت کا تعلق تمہارے سر کی عمومی ہیئت کے ساتھ ہے۔اس لیے اگر وہ ایک ذرّے کے برابر بھی غلطی کرے گا تو بدن کی صحت اور اس کے اداراتی نظام کا ستیاناس ہو جائے گا۔اِسی طرح اس کے کچھ

Marfat.com

حکیمانہ اوضاع و اَطوار اور مخصوص وظائف کا تعلق خُون کی وریدوں اور شریانوں کے ساتھ، حس و حرکت والے اعصاب کے ساتھ حتیٰ کہ تمہارے بدن کی عمومی ہیئت کے ساتھ ہے۔ بنا بریں اِس خلیے کو ہزاروں امکانات کے مابین آنکھ کی پتلی میں یہ معیّن جگہ اور وضع قطع عطا کی گئی ہے اور اس میں ایک صانع الحکیم ہستی کی حکمت کار فرما ہے۔

اسی طرح اس کائنات میں پائی جانے والی جتنی بھی موجودات ہیں ان میں سے ہر ایک اپنی ذات و صفات کے ساتھ امکانات کے بہت سے راستوں میں سے خاص ایک وجود کے ساتھ، ایک حکیمانہ شکل و صورت اور مفید صفات کے ذریعے جس طرح ایک واجبُ الوجود ہستی کی گواہی دیتی ہے اسی طرح جب وہ مرکبات میں داخل ہوتا ہے تو ہر مرکب میں پائی جانے والی اپنی دوسری زبان کے ساتھ اپنے صانع کا اعلان کرتی ہے اور اعظم المرکبات تک پہنچتے پہنچتے تمام مرکبات میں اپنی مسلسل خدمات و وظائف و تعلقات کے اعتبار سے اُس صانع الحکیم کے واجبُ الوجود اور اُس کے اختیار و ارادہ کی شہادت دیتی ہے؛ کیونکہ وہ ہستی جو تمام مرکبات میں کسی بھی چیز کو مکمل حکمت کے ساتھ رکھتی ہے اور اس کے ان مرکبات کے ساتھ پائے جانے والے تمام حکیمانہ تعلقات کی نگرانی و نگہبانی کرتی ہے، وہی ہستی ان تمام مرکبات کی خالق ہی ہو سکتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ صرف ایک چیز اُس ذاتِ گرامی پر ہزاروں زبانوں کے ساتھ شہادت دینے والی چیز کے برابر ہے، چنانچہ اُس واجبُ الوجود کے وجود کی شہادتیں ''اِمکانات'' کے نقطے سے چلتی ہیں اس لیے لامحدود ہو جاتی ہیں۔ یہ شہادتیں کائنات کی موجودات کی مقدار میں نہیں ہیں بلکہ موجودات کی صفات اور اُن کے مرکبات کی تعداد میں ہیں۔

پس اے غافل! اِن شہادتوں کو اور کائنات کو بھر دینے والی ان آوازوں کو نہ سننے کی روش کو بہرے پن اور کم عقلی کے کون سے درجے میں رکھو گے؟ خود ہی بتا دو۔

## اکتیسواں دریچہ

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾......

﴿وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوْقِنِيْنَ وَفِيْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾

یہ انسانی اور انفسی دریچہ ہے۔ انفسی ہونے کے پہلو سے اس کی تفصیلات محقق اولیائے کرام کی ہزاروں کتابوں کے حوالے کرتے ہیں، البتہ قرآنی فیضان سے ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے اُس میں سے یہاں کچھ بنیادوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

جیسے کہ ''گیارہویں مقالے'' میں بیان کیا گیا ہے۔ انسان ایسا ایک جامع نسخہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی ذات کے ذریعے اپنے اسماء کا احساس دلاتا ہے۔ اور اس کی تفاصیل ہم دیگر مقالات کے لیے چھوڑتے ہیں، البتہ اس مقام پر

Marfat.com

صرف تین نقطے بیان کریں گے۔

پہلا نقطہ: انسان تین جہتوں سے اسمائے الٰہیہ کا آئینہ ہے:

پہلی جہت: جس طرح رات کا اندھیرا روشنی کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح انسان اپنے ضعف و عجز، فقر و حاجت اور نقص و تقصیر اور محرومی و ناتمامی سے قدیرِ ذُوالجلال کی قدرت، اس کی قوت، اس کی بے نیازی اور رحمت کا اعلان کرتا ہے۔ اور یوں وہ اس صورت سے بہت زیادہ اوصاف الٰہیہ کو منعکس کرنے والے آئینے کا کردار ادا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وجدان کی نظر اپنے بے حد دشمنوں کے مقابلے میں اپنی بے حد عاجزی و لاچاری اور لاانتہا ضعف و ناتوانی کی وجہ سے کسی ایسے نقطۂ استناد کی تلاش کے ضمن میں کہ جس پر وہ تکیہ کر سکے۔ ہمیشہ واجبُ الوجود پر رہتی ہے۔ اور اسی طرح وہ اپنے لامحدود دشمنوں کے مقابلے میں اپنی حاجات و ضروریات کے درمیان اپنے لاانتہا فقر کی حالت میں اپنے لامحدود مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک ایسے نقطۂ استمداد کی تلاش کے لیے مجبور ہے جس سے وہ مدد مانگ سکے۔ اسی بنا پر وجدان ہمیشہ اس نقطے کی رُو سے ایک غنی و رحیم ذات کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور دعا کے لیے اس کی طرف ہاتھ اُٹھاتا ہے۔

پس ہر وجدان میں اس استنادی اور استمدادی نقطے کی جہت سے دو چھوٹے چھوٹے دریچے قدیرُ الرحیم کی رحمت کی مجلس کی طرف کھلتے ہیں اور وجدان ان دو دریچوں سے ہمہ وقت اس کا دیدار کر سکتا ہے۔

آئینہ ہونے کی دوسری جہت:

انسان کو بطورِ نمونہ، علم، قدرت، سمع و بصر، مالکیت اور حاکمیت جیسی جو جزوی صفات ہبہ کی گئی ہیں، وہ ان کے ذریعے مالکِ کائنات کے علم، اُس کی قدرت، سمع، بصر، حاکمیت اور ربوبیت کو منعکس کرنے والے آئینے کا کردار ادا کرتا ہے اور ان صفات کو پسند کرتا ہے اور اُن کا آرزومند رہتا ہے اور اُن کے بارے میں بتاتا ہے۔ مثال کے طور پر: میں نے جس طرح یہ گھر بنایا، میں اِسے تعمیر کرنے کا علم رکھتا ہوں، اسے دیکھتا ہوں، اس کا مالک ہوں اور اس کی ادارت کرتا ہوں، وغیرہ۔ اسی طرح اس عظیم الشان کائنات کے محل کا بھی ایک معمار ہے اور وہ معمار اس کے بارے میں ہر طرح کا علم رکھتا ہے، اسے دیکھتا ہے، اس کی تعمیر کرتا ہے اور اس کی ادارت کرتا ہے وغیرہ۔

آئینہ ہونے کی تیسری جہت: انسان ان اَسمائے الٰہیہ کو منعکس کرنے والا آئینہ ہے جن کے نقوش اس پر ہیں اور مشاہدے میں آتے ہیں۔ انسان کی جامع قسم کی ماہیت میں اسمائے الٰہیہ کے ستر سے زیادہ ظاہری نقوش پائے جاتے ہیں، جیسے کہ ان میں سے کچھ کی وضاحت بطورِ نمونہ ''بتیسویں مقالے'' کے تیسرے موقف کی ابتدا میں کر دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر: وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کی رُو سے الصانع اور الخالق کی عکاسی کرتا ہے، اپنی حسنِ تقویم کی رُو سے اسم الرحمان اور الرحیم کی عکاسی کرتا ہے، اپنی حسن تربیت کی رُو سے اسم الکریم اور اللطیف کی عکاسی کرتا ہے۔ اور یوں وہ اپنے

Marfat.com

تمام اعضاء و جوارح اور آلات و اَوزار کے ساتھ، اپنے لطائف اور معنوی صلاحیتوں کے ساتھ اور اپنے حواس وحسیات کے ساتھ مختلف اسماء کے نقوش کی عکاسی کرتا ہے۔ تو گویا کہ جس طرح ان اسماء کے اندر اسمِ اعظم ہے، اسی طرح ان اسماء کے نقوش میں نقشِ اعظم بھی ہے، اور وہ ہے انسان۔

اے اپنے آپ کو انسان گردانے والے انسان اپنے آپ کو پڑھ، اگر تُو ایسا نہ کر سکا تو انسان کے مرتبے سے گر کر حیوانات اور جمادات کے مرتبے پر آ سکتا ہے۔

دُوسرا نقطہ: اَحدیّت کے ایک اہم ترین راز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اس کی وضاحت کچھ یوں ہے:

انسانی رُوح کے اس کے تمام جسم کے ساتھ کچھ اس طرح کے مناسب تعلقات ہیں جو اُس کے تمام اعضاء و اجزاء کو ایک دوسرے کا معاون و مددگار بنا دیتے ہیں، چنانچہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی ادارت کے آگے رکاوٹ نہیں بنتا ہے۔ مطلب یہ کہ روح جو کہ ایک ربانی لطیفہ اور امری قانون ہے، اور جسے اَوامرِ تکوینیہ سے _ جو کہ ارادۂ الٰہیہ کی جلوہ گریاں ہیں _ ایک خارجی وجود پہنا دیا گیا ہے، اُس روح کو اعضائے جسم کے معاملات کا بندوبست کرنے سے کوئی چیز روکتی نہیں اور اُن کی معنوی صدائیں سننے سے اور اُن کی حاجات وضروریات کو پورا کرنے سے کوئی چیز مشغول نہیں کرتی ہے۔ پس رُوح کے سامنے قریب و بعید برابر ہے اور ایک دوسرے کے آگے رُکاوٹ نہیں بنتی؛ وہ چاہے تو بوقت ضرورت تمام اعضاء کو ایک عضو کی خدمت میں لگا سکتی ہے، اور چاہے تو ان میں سے کسی بھی عضو کے ذریعے جان سکتی ہے، محسوس کر سکتی ہے اور بندوبست کر سکتی ہے، حتیٰ کہ اگر وہ بہت زیادہ نورانیت کا اکتساب کر لے تو جسم کے تمام اجزاء میں سے ہر جزء کے ذریعے دیکھ اور سن سکتی ہے۔ اِسی طرح _ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰى _ روح جو کہ حق تعالیٰ کا امری قانون ہے انسان کے جسم اور اعضاء میں _ جو کہ عالمِ صغیر ہے _ اِس وضع کی کاروائیوں کا اظہار کر سکتی ہے تو پھر عالمِ اکبر میں یعنی کائنات میں بلا حدو حساب اعمال و افعال سرانجام دینا لامحدود آوازوں اور پکاروں کو سن لینا اُس واجب الوجود کی ذات، اس کے کلی ارادے اور اس کی مطلق اور غیر محدود قدرت کے لیے مشکل نہیں ہے۔ اور اس ضمن میں کوئی چیز دوسری چیز کے لیے نہ تو رُکاوٹ بنتی ہے اور نہ ہی کسی بھی جہت سے اسے کسی بھی طرح پریشان کرتی ہے۔ چنانچہ وہ تمام چیزوں کو یکبارگی دیکھتا ہے، تمام آوازوں کو بیک دفعہ سُنتا ہے، قریب و بعید اس کے سامنے برابر ہیں۔ وہ چاہے تو ایک چیز کی امداد کے لیے تمام چیزوں کو بھیج سکتا ہے، وہ تمام چیزوں کو دیکھ سکتا ہے، سب کی آوازیں سنتا ہے اور ہر چیز کو ہر چیز کے ساتھ جانتا پہچانتا ہے۔

تیسرا نقطہ: زندگی کی ایک اہم ماہیت اور ایک بہت ہی اہم وظیفہ ہے لیکن اس بحث کی تفصیلات چونکہ ''دریچۂ حیات'' اور ''بیسویں مکتوب'' کے آٹھویں کلمے میں گزر چکی ہیں، اس لیے ہم ان کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہاں ہم صرف اس قدر کہیں گے کہ: زندگی میں احساسات کی صورت میں جو نقوش اُبھرتے ہیں، وہ بہت سے ذاتی اسماء و احوال کی

Marfat.com

طرف اشارہ کرتے ہیں، اور انتہائی تابناک صورت میں اُس الحی القیوم کے ذاتی شئون واحوال کی عکاسی کرتے ہیں۔

چونکہ یہ ایک ایسا راز ہے جس کی وضاحت سرِ دست ان لوگوں کے سامنے کرنا ممکن نہیں جو نہ تو اللہ کی پہچان رکھتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اس کی مکمل تصدیق کی ہے، اس لیے اس دروازے کو ہم بند کر رہے ہیں۔

## بتیسواں دریچہ

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا، الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ۔﴾

یہ دریچہ آسمانِ رسالت کے آفتاب بلکہ آفتابوں کے آفتاب حضرت محمد ﷺ کا دریچہ ہے۔ یہ دریچہ انتہائی درخشاں، عظیم الشان اور تابناک ہے۔ اس کی واضح نورانیت کس درجے کی ہے، اس کے بارے میں ہم نے ''انیسویں مقالے'' میں بیان کیے گئے ''نبوت محمدی'' نامی مضمون میں، انیسویں مکتوب میں جو کہ سترہ اشاروں پر مشتمل ہے، اور ''معراج نبوی'' نامی مضمون یعنی '' اکتیسویں مقالے'' میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ اس لیے اس مقام پر ہم ان دونوں مقالوں کا، اُس مکتوب کا اور اس مکتوب کے انیسویں اشارے کا تصور کر لیتے ہیں اور صرف اتنا کہتے ہیں کہ: ذات محمدی ﷺ نے جو کہ توحید کی منجملہ براہین میں سے ایک برہان ناطق ہے، وحدانیت کو آشکار کیا ہے اور اپنی پوری قوت کے ساتھ اپنی تمام زندگی میں رسالت اور ولایت کے دو بازوؤں سے اس کا پرچار کیا ہے، یعنی ایسی قوت کے ساتھ اس کا پرچار کیا ہے جو اُن سے پہلے کے تمام انبیاء کے تواتر کے ساتھ ساتھ ان سب کے اجماع پر مشتمل ہے، اور اُن کے بعد تمام اولیاء واصفیاء کے اجماع کی صورت میں ان کے اجماع پر مشتمل ہے۔ پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے عالمِ اسلام جیسا وسیع وعریض چمکتا دمکتا نورانی دریچہ کھول دیا۔ چنانچہ اس دریچے سے لاکھوں صدیقین اور امام غزالی، امام ربانی محی الدین ابن عربی اور عبد القادر جیلانی جیسے اصفیائے محققین خود دیدار کرتے ہیں اور دوسروں کو کراتے ہیں۔

کیا خیال ہے! کوئی ایسا پردہ ہے جو اس جیسے دریچے کو بند کر سکے؟ کوئی ایسی عقل پائی جاتی ہے جو اس پر نکتہ چینی کر سکے اور اس دریچے سے دیکھ نہ سکے؟ تُو ہی بتلادے مجھے۔

## تینتیسواں دریچہ

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَیِّمًا۔﴾

﴿الٓرٰ ۝ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾

سابقہ تمام دریچوں کو بحرِ قرآن کے کچھ قطرے تصور کرو گے تو پھر تم قرآن میں پائے جانے والے توحید کے انوار کا اندازہ بخوبی کر سکو گے جو کہ آبِ حیات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

Marfat.com

اگر قرآن کریم کو۔ جو کہ ان تمام دریچوں کا سرچشمہ، ان کا معدن اور ان کا اصل الاصول ہے۔ انتہائی اجمالی نظر سے اور انتہائی سادہ انداز سے بھی دیکھا جائے تو پتا چلے گا کہ یہ آخری درجے کا جامع، درخشاں اور ضوء فشاں دریچہ ہے۔ یہ دریچہ کتنا قطعی، تابناک اور ضوء فشاں ہے، اس لیے ہم اپنے مضمون ''اعجاز القرآن'' یعنی پچیسویں مقالے اور انیسویں مکتوب کے اٹھارہویں اشارے کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اور قرآن نازل کرنے والی ذاتِ ذوالجلال کے رحمت والے عرش کی طرف ہاتھ اُٹھا کر آہ وزاری کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾

## تنبیہ

یہ تینتیسواں مکتوب جو کہ تینتیس دریچوں پر مشتمل ہے، ایمان سے محروم آدمی کو ایمان کی دہلیز تک پہنچا دے گا ان شاء اللہ، کمزور ایمان والے کے ایمان کو مضبوط کر دے گا۔ قوی تقلیدی ایمان کو راسخ تحقیقی ایمان بنا دے گا۔ راسخ تحقیقی ایمان کو وسیع کرے گا۔ اور وسیع ایمان والے کو معرفتِ الٰہیہ میں ترقی کے مراتب بخشے گا، وہ معرفتِ الٰہیہ جو کہ تمام حقیقی کمالات کا دارومدار اور ان کی بنیاد ہے۔ اور زیادہ تابندہ و تابناک مناظر کھول دے گا۔

اس بنا پر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ: مجھے ایک ہی دریچہ کافی ہو گیا ہے! اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تمہاری عقل مطمئن ہو گئی ہے تو تمہارا دل بھی تو اپنا حصہ مانگتا ہے! تمہاری رُوح بھی اپنے حصے کا مطالبہ کرتی ہے حتیٰ کہ خیال بھی اس روشنی سے اپنا حصہ مانگے گا۔

بنابریں، ہر دریچے کے مختلف فوائد ہیں۔ مثال کے طور پر ''معراج کے رسالے'' میں اصلی مخاطب مومن تھا، اور ملحد دوسرے درجے میں اور مقام استماع میں تھا، لیکن اس مضمون میں اصلی مخاطب منکر ہے اور مومن مقامِ استماع میں ہے۔ اس لیے یہ بات ذہن میں اور نظر میں رہنی چاہیے۔

یہ مکتوب چونکہ کسی ناگفتہ بہ سبب کی بنا پر انتہائی سُرعت میں لکھا گیا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے مسودے پر بھی نظر ثانی نہ ہو سکی، اِس لیے اس کی عبارتوں میں اور پیش کاری کے انداز میں میری طرف سے کمی بیشی اور پریشان خاطری کا در آنا ناگزیر ہے۔ اس لیے میں دوستوں سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ سخت گیری سے نہیں بلکہ صرفِ نظر سے کام لیں گے اور میرے لیے مغفرت کی دعا کریں گے۔ اور ہو سکے تو میری غلطیوں کی اصلاح کی کوشش کریں گے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ وَالْمَلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهَوٰى۔

﴿سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾

اللھم صل وسلم علی من ارسلتہ رحمۃ للعالمین وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔ آمین۔

Marfat.com